مجلہ صفدر

52

فتنۂ غامدی نمبر

مجلہ صفدر 85

آئین محمدی اور قانون غامدی

مولانا عبدالحق خان بشیر

مجلہ صفدر 90

"صفات متشابہات اور سلفی عقائد"

چند اعتراضات کا جائزہ

مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ

مجلہ صفدر 86

مشاجرات صحابہ اور

اہل سنت کا مسلک اعتدال

مجلہ صفدر 82

حقیقت میلاد نمبر

مجلہ صفدر 73

افکار علوی مالکی:

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی رائے

اور مولانا نثار حسینی کی ناانصافی

مجلہ صفدر 83

عقیدہ امامت

اکابر اہل سنت کی نظر میں

پچیس سے زائد اکابر اہل سنت کے حوالہ جات

مجلہ صفدر

زبیر علی زئی کا تعاقب

وحدۃ الوجود اور آل غیر مقلدیت

مجلہ صفدر 85

مروجہ مجالس ذکر

اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں

1963ء: جامعہ اشرفیہ لاہور کے سالانہ جلسے کے اشتہار میں کبار علماء کے اسماء گرامی

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ اُس دَور میں بھی "علامہ" لکھا جاتا تھا۔

مجلّہ صفدر

اشاعت خاص بیاد

بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام، ترجمان اہل حق، حضرت مولانا

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ

(1925ء-2020ء)

(جلد دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ مدد
حق چار یار رض
عقیدۂ حیات النبی زندہ باد
شانِ رسالت زندہ باد
اصلی کلمہ اسلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
مقامِ صحابہ زندہ باد
مقامِ امام اعظم ابوحنیفہ
بیاد
محدثِ عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل سنت والجماعت
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر تلمیذ حضرت مدنی
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی
اکابر اہلِ سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان
مجلہ
صفدر
شمارہ
جلد
بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
قاضی مظہر حسین
تلمیذ رشید خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ
فقیہ العصر ترجمانِ دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ
فخر اہلِ سنت وکیلِ صحابہ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ
امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ
ترجمانِ مسلکِ دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیلِ صحابہ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ
جانشینِ شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ
بدعا
وکیلِ صحابہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ
اشاعتِ خاص بیاد
سلطان العلماء مفکرِ اسلام ترجمانِ اہلِ حق
ڈاکٹر علامہ خالد محمود نور اللہ مرقدہ
سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا
حبیب الرحمن سومرو صاحب
مدظلہ
نگران
وکیلِ احناف مناظرِ اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد انور اوکاڑوی
صاحب مدظلہ
مدیرِ اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمن عباسی
0301-7790908
مدیرِ مسئول
مولانا احسن خدامی
0320-4902150
مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800
فی شمارہ 70 زرِ سالانہ 400
برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور

نام کتاب.............................. مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' (جلد دوم)

شمارہ: ۱۱۹-تا-۱۲۷.................. جنوری تا ستمبر ۲۰۲۱ء...... جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ تا صفر ۱۴۴۳ھ

بیاد.................................... سلطان العلماء مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

مرتب........................ حمزہ احسانی

صفحات (جلد دوم).................. آٹھ سو چالیس (840)

قیمت مکمل سیٹ......................

طبع اول............................ صفر الخیر ۱۴۴۳ھ/ستمبر 2021ء

ناشر.................................. مظهريه دار المطالعه

اسٹاکسٹ: مکتبۃ الفرقان، اُردو بازار، لاہور 0300-6863281

ملنے کے پتے

مجلّہ صفدر، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور 0312-4612774

محمود پبلیکیشنز، ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار لاہور رابطہ 0302-4284770

مکتبہ صفدریہ، نزد مدینہ مسجد، ماڈل ٹاؤن بی، بہاول پور 0301-7790908

حافظ عبدالوحید حنفی، مدنی جامع مسجد چکوال...... جامعہ حنفیہ، شیخو پورہ روڈ، فیصل آباد

مکتبہ عظیمیہ، محمد شعیب دین پوری، بنوری ٹاؤن کراچی 0332-2250646

فہرست ابواب

جلد اول

جلد دوم

فہرست مضامین جلد دوم

(۸)......باب ہشتم......مضامین ومقالات

متفرق تحریرات

(۹)......باب نہم......افادات......حصہ اول (۱)

(۹)......باب نہم......افادات......حصہ دوم (۲)

باب نہم......افادات......حصہ سوم (۳)

باب نمبر آٹھ (۸)

مضامین ومقالات

علماء اہل سنت دیو بند میں چند ایسی جامع شخصیات گزری ہیں جن کو اپنے زمانہ کے تمام باطل فرقوں کے مقابلہ میں احقاق حق اور ابطال باطل کی علمی قابلیت وصلاحیت کا اللہ تعالی نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ان جامع شخصیات میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوری، اور زمانہ قریب میں حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی جیسے حضرات ہیں۔(اگرچہ ان دوحضرات کا زیادہ کام تحریری شکل میں ہے۔) مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی اور مفکر اسلام جامع المحاسن والکمالات مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہم [۲۰/۲]

ہم نے اپنی زندگی میں ایسی متبحر شخصیات کم کم ہی دیکھی ہیں۔ ہر موضوع پر مدلل، پُر مغز، سیر حاصل اور تسلی بخش گفتگو فرماتے تھے۔ علمی سوالات سے بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ [۳۹/۲]

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی جامع شخصیت کو ایک حسین گلدستہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس میں ایمان ویقین، اللہ کی معرفت ومحبت اور خشیت واطاعت کے پھول بھی تھے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت وعظمت صحابہ کے پھول بھی، تقویٰ واخلاص کے ساتھ حسن عبادت، حسن عمل اور حسن معاشرت کے پھول بھی تھے اور پاکیزہ ذوق کے تحت حسن نظافت، حسن نفاست اور حسن لطافت کے پھول بھی، اظہار حق اور صداقت واستقامت وحق گوئی کے پھول بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کی عفت وپاک بازی اور نجابت وشرافت کے پھول بھی۔اعلیٰ وقار، سنجیدگی ومتانت کے پھول بھی تھے تو مسرت بخش ظرافت اور خوش طبعی کے پھول بھی۔اولوالعزمی، عالی ہمتی، جفاکشی کے پھول بھی تھے اور استغناء وقناعت وسیر چشمی کے پھول بھی۔دوستوں سے دلنوازی، محسنوں سے احسان مندی کے پھول بھی تھے تو چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کی توقیر وتعظیم کے پھول بھی، لیکن جس طرح خوب صورت گلدستہ میں ہر پھول کی اپنی جگہ ہوتی ہے مگر پورے گلدستہ میں ایک مرکزی پھول ہوتا ہے جو دیگر تمام پھولوں پر ایک گونہ فوقیت رکھتا ہے اور اسی مرکزی پھول کی وجہ سے پورا گلدستہ ایک خوش نما منظر پیش کررہا ہوتا ہے، حضرت علامہ رحمہ اللہ کی شخصیت کے گلدستہ میں ہر پھول کی اپنی خوشبو، اپنی رنگت اور اپنا مقام تھا مگر ان تمام پھولوں میں سب سے نمایاں اور مرکزی پھول وسیع اور رسوخ علم کے ساتھ اس علم کی اشاعت اور تعلیم وتدریس کا پھول تھا جو پورے گلدستہ میں اپنی بہار دکھارہا تھا اور اس پھول کی خوشبو آپ کے ایک ایک انگ، آپ کی ایک ایک ادا اور ہر قول وفعل سے مہکتی تھی۔ [۴۰/۲]

مولانا عبدالعلیم فاروقی (۱)

علم ودانش کا خزانہ

۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث کا میں ایک طالب علم تھا، اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا نام میرے کانوں میں پڑا اوران کی شخصیت سے میں متعارف ہوا۔ وہ بھی دارالعلوم دیوبند کے طالب علم رہ چکے تھے (۲) اور صحیح معنوں میں اکابر دیوبند کے خوشہ چیں بن کر اپنے دامنِ علم وفکر کو حسبِ توفیق الٰہی بھر چکے تھے۔ اسی وقت بالکل انجانے میں یا غائبانہ طور پر ان سے محبت وتعلق بھی پیدا ہو گیا تھا، ان کی تحقیقات اور علمی وفکری تحریریں پڑھ کر دل میں موصوف کی عظمت بیٹھ گئی تھی۔ اکثر کتابوں پر علامہ کی تقاریظ اور مقدمے نظروں سے گزرنے لگے جن میں وہ کتابوں کا نچوڑ پیش کر دیتے تھے اور چند صفحات کی یہ تحریر علم کا ایک خزانہ ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ اس وابستگی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ذہنی ہم آہنگی اور اپنے اکابر سے ان کے تعلق نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو ذہانت وطباعی کا بہترین جوہر عطا فرمایا تھا، طبیعت میں اخذ کرنے کی صلاحیت اور زبان وقلم کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچا دینے کی استعداد وقابلیت بھی خوب خوب ملی تھی۔ علامہ اقبال کی اصطلاح ''عقابی روح'' اور ''شاہین کا جگر'' بھی ان کو ملا تھا جس نے ان کو بہت زیادہ حساس اور دین وشریعت کے تحفظ کے لیے فکر مند بنا دیا تھا۔ قادیانیت، شیعیت اور دیگر فرقِ ضالہ پر ان کی بڑی مضبوط گرفت تھی۔ جہاں کہیں ان فتنوں نے سر اٹھایا اور ملت کو شکار کرنے کی کوشش کی تو حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے بحرِ علم اور غیرتِ دینی میں ایک تموج اور زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا، پھر وہ اپنے علم وفکر کی ساری توانائیاں اس کے علاج کے لئے صرف کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ فریقِ مخالف کے اعتراضات و شبہات کو پُر زور انداز میں بیان کر کے اپنے وسیع علم، مضبوط مطالعہ اور مناظرانہ اصول سے ایسا جواب دیتے کہ وہ سارے شکوک و شبہات کافور ہو جاتے۔ ان کی یہ تحریریں بڑی چشم کشا اور علم وتجربہ کا شاندار شاہکار ہیں۔ ان پر تبصرہ اور ان کے نمونے پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، اہل علم خود دیکھ سکتے ہیں۔

علامہ موصوف کا قیام انگلینڈ کے مشہور شہر مانچسٹر میں تھا جس کو انھوں نے اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ پاکستان جانے کا مجھے بار بار اتفاق ہوا لیکن آپ سے وہاں کوئی ملاقات نہیں ہوئی اور میرے دل میں بیٹھی ہوئی عظمتوں کی مشہور شخصیت کا دیدار اب تک نصیب نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں انگلینڈ کے شہر گلوسٹر میں ماہِ رمضان المبارک کے موقع پر قرآن مجید کے درس کے سلسلہ میں احباب کی دعوت پر حاضری ہوئی، اچانک عشاء کی نماز کے بعد اعلان ہوا کہ بعد نماز فجر مسجد نور میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا بیان

---

(۱) مدیر: **دار المبلغین** لکھنو، رکن مجلس شوریٰ: دارالعلوم دیوبند، نائب رئیس: جمعیۃ علماء ہند (۲) دیکھیے اداریہ: ۲۹/۱

ہوگا۔ یہ اعلان راقم سطور کے لئے انتہائی فرحت بخش تھا کیونکہ ایک عرصہ سے تمنا تھی کہ حضرت سے ملاقات ہو اور ان سے اکتسابِ فیض کا موقع میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بغیر کسی کوشش اور جدوجہد کے یہ نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہو رہی تھی۔ صبح نماز کے بعد متصلاً حضرت کا بیان ہوا جس کا موضوع ''صلاح وفلاح، فکرِ آخرت اور اخلاص'' تھا۔ تقریر کے بعد مجمع عام میں سلام ومصافحہ کے بعد معانقہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے آپ سے کچھ دیر بات کرنا ہے۔ میں حیران تھا کہ یا اللہ ان سے تو میرا کوئی تعارف بھی نہیں ہے۔ لیکن اس درجہ التفات وتوجہ ارزانی، یقیناً یہ ان کی ذرہ نوازی اور بڑا پن تھا۔ بہرحال مسجد کے ایک کمرے میں حضرت علامہ سے خصوصی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑی محبتوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہاں آکر معلوم ہوا ہے کہ آپ کا یہاں رمضان المبارک میں درس قرآن ہوتا ہے، اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اس مختصر ملاقات میں علامہ نے جد امجد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تعلق ومحبت کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ پاکستان میں حضرت امام اہل سنت سے میں نے ملاقات کی ہے اور ان کی خدمت میں رہا ہوں۔ کافی دیر تک حضرت کا تذکرہ کرتے رہے ان کے تجدیدی کارناموں اور مساعی جمیلہ اور تحقیقاتِ نادرہ پر گفتگو فرماتے رہے۔

یہ میری حضرت علامہؒ سے پہلی بالمشافہ ملاقات تھی بعد میں انگلینڈ کے اسفار میں وہاں دینی کام کرنے والوں سے قربت بڑھتی گئی اور تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس صحابہؓ کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا جہاں حضرت کے پاس بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور وہ پوری شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آتے اور ہمیشہ اس طرح ملتے جیسے وہ اپنے کسی دوست اور ساتھی سے اظہار خیال اور تبادلہ معلومات کر رہے ہوں۔ کیوں نہ اس کو ان کی کسرِ نفسی اور تواضع پر محمول کیا جائے ورنہ کہاں مجھ جیسا طالب علم اور کہاں وہ علم و تجربہ کا پہاڑ؟ اس طرح آپ کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس موقع پر ایک خاص واقعہ کا ذکر جو اُن کی عاجزی اور کسر نفسی کی بہترین مثال ہے پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ حضرت علامہ کی صدارت میں حضرت ہی کے ادارہ میں عظمتِ صحابہؓ یا تحفظ ختم نبوت کانفرنس ہونے والی تھی۔ حضرت نے اپنے خدام کے ذریعہ مجھ ناکارہ کو بھی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی لیکن میرے پاس وقت نہیں تھا اس لئے میں نے معذرت کر دی، ایک دن کے بعد مولانا محمد فاروق صاحب کے مکان پر جہاں میرا قیام تھا اچانک حضرت بنفسِ نفیس تشریف لے آئے۔ حضرت کو دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور ندامت بھی، سلام ومصافحہ کے بعد فرمایا کہ آپ کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دینا چاہتا ہوں آپ ضرور شریک ہوں۔ حضرت کی اس غیر متوقع تشریف آوری اور ضعف وامراض کے باوجود اس درجہ توجہ والتفات کی بناء پر ہوش وحواس سلامت نہیں رہے اور بغیر کسی چون وچرا کے مجھے کانفرنس میں شرکت کا وعدہ کرنا پڑا۔ اس درجہ زحمت فرمائی کہ بجائے یہ کام فون کے ذریعہ بھی ہو سکتا تھا لیکن بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ دینی احباب کی دعوت پر متعدد بار مانچسٹر بھی حاضری ہوئی جہاں حضرت کا مستقل قیام تھا ان مواقع پر اور اس کے علاوہ انگلینڈ کے تقریباً تمام اسفار میں حضرت سے شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا اور کئی کئی گھنٹے کی طویل رفاقت نصیب ہوئی اور استفادہ کا خوب موقع میسر ہوا۔ مختلف ملاقاتوں میں اندازہ ہوا کہ یہاں انگلینڈ میں دعوت وتبلیغ اور تحفظ شریعت وحمایت دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرما

لیا ہے اور آپ کی ذات میں بڑی برکت رکھی ہے۔ مساجد اور کانفرنسوں میں انگریزی زبان میں برجستہ تقریریں کرتے تھے اور اپنے علم سے تشنہ کاموں کی پیاس بجھاتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بڑا طویل تجربہ تھا۔ مانچسٹر میں علماء کی تربیت اور ان میں دینی و تحقیقی ذوق پیدا کرنے کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی تھی جس سے لوگ استفادہ کر رہے تھے۔

علامہ مرحوم کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ آپ کی تحقیقات اور علمی بحثیں بڑی متین ہوتی تھیں۔ ان کو پڑھتے ہوئے کہیں موضوع کی خشکی ذہن پر غالب نہیں آتی اور طبیعت ملول نہیں ہوتی۔ قرآن وحدیث سے استدلال ان کی تحریر کا امتیاز ہے۔ تاریخ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور بالخصوص تاریخ صحابہ، عظمتِ صحابہ اور دفاع صحابہؓ ان کا بہترین موضوع تھا جس پر آپ کے قلم سے بڑے قیمتی شاہکار سامنے آئے ہیں۔

دینِ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس کی تکمیل کا اس نے اعلان کر دیا اور اس کی حفاظت وغلبہ کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے نبوت کا سلسلہ شروع فرما کر پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کو ختم فرما دیا لیکن اپنی قدرت سے وہ ایسے رجال کار پیدا فرماتا رہے گا جو نبوت کا کام جاری اور زندہ رکھیں گے، دین کو تحریف وغلو سے بچائیں گے اور باطل پرستوں کے شبہات کو دور کریں گے۔ یہ نظام الٰہی ہے جو چلتا آ رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ علمائے کرام کی اس صف میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لیا ہے اور اپنے ارادہ ''**لیظھرہ علی الدین کلہ**'' کا ان کو آلہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی ان کو بھرپور جزا عطا فرمائے اور ان کے ساتھ رحمت وغفران کا معاملہ فرمائے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا منیر احمد منور(۱)

ترجمان اہل سنت دیو بند

متحدہ ہندوستان میں ایک ظالم وجابر، دین دشمن اور سازشی مزاج بدیشی قوم اپنے منافقانہ طریقوں سے ملک، قوم اور دین اسلام پر حملہ آور ہوئی اور مسلم وغیر مسلم ہندوستانی قوم کے حب جاہ، حب مال کے مریض اور مال ودولت کے حریص لوگوں نے ہوس زر اور ہوس اقتدار کی آگ میں مرنے جلنے والے نوابوں، ساہوکاروں اور مفاد پرستوں نے زر وسیم اور لیلیٰ اقتدار کے پرستاروں، پجاریوں اور غلاموں نے حملہ آور دشمن کے بوٹ چاٹ چاٹ کر اپنی قوم کے مخلصین پر ظلم وستم کرنے کے لیے دشمن قوم کے دست و بازو بن گئے، حتیٰ کہ دشمن نے غلبہ حاصل کرلیا تو ان حالات میں بے سروسامانی کی حالت میں چند فاقہ مست علماء اہل سنت نے دارالعلوم دیو بند کی شکل میں ایک ہمہ جہتی تعلیمی وتربیتی مرکز قائم کر کے مدینہ منورہ کی درسگاہ نبوی اور قرون اولیٰ کی درسگاہوں کی یاد تازہ کردی۔

دارالعلوم دیو بند کا فیضان

اللہ تعالی نے دارالعلوم دیو بند کو اتنی اعلیٰ قبولیت ومقبولیت سے نوازا کہ دارالعلوم دیو بند کے مخلص فضلاء نے پوری دنیا میں مساجد اور دینی بنیادوں پر قائم شدہ تعلیمی وتربیتی مراکز کا جال بچھا دیا، حتیٰ کہ یہود ونصاری اوران کے پیروکار بوکھلا اٹھے اوران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے۔ ہمیں گلہ یہود ونصاری سے نہیں، اس لیے کہ اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ہمیں شکوہ ہر نوع کے اپنے ان مسلمان بھائیوں سے ہے جو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان کے آلۂ کار بن کر اُن کے مذموم مقاصد اور اسلام وملک دشمنی پر مبنی ان کی پالیسیوں کو کامیاب کرنے کے لیے اپنی قوم کے ہر طبقہ کے مخلصین کو نہ صرف یہ کہ بدنام کرتے ہیں بلکہ ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔

علماء وابنائے دیو بند کی استقامت

دور نبوت سے لے کر عہد حاضر تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں اہل حق ظالم حکمرانوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور بن رہے ہیں۔ شہنشاہ سیاست، شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمود رحمہ اللہ فرماتے تھے: جس قتل کا قاتل معلوم نہ ہو سکے، سمجھ لو اس کی قاتل حکومت ہے۔ آپ ماضی قریب میں کراچی سے لے کر پارا چنار تک دیکھ لیں! ہزاروں علماء، طلباء اور مجاہدین کو اجتماعی وانفرادی طور پر بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا، لیکن آج تک ان کے قاتلوں کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن اس کے باوجود الحمدللہ سنی دیو بندی جماعت کے ہر طبقہ میں علماء سے لے کر عوام الناس تک اس گئے گزرے زمانہ میں بھی حق گو، صاحبِ عزیمت اور صاحب

(۱) شیخ الحدیث وصدر المدرسین: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا......نائب امیر: اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

استقامت لوگوں کی کمی نہیں ہے۔یہی خوش نصیب ابنائے دیوبند شاعر مشرق کے اس شعر کا مصداق ہیں ؎

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ

علمائے اہل سنت دیوبند کی جامع شخصیات

دارالعلوم دیوبند کے وہ فضلاء جنہوں نے کسی ایک علم وفن میں مہارت حاصل کی اور کسی ایک میدان میں اپنے علمی جوہر دکھائے اور اپنے علمی جواہر پارے بکھیرے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔مگر دارالعلوم نے کچھ ایسی جامع شخصیات بھی پیدا کی ہیں جن کو اللہ تعالی نے علم وعمل کے ہر میدان میں جامعیت کی نعمت عطا فرما کر جامع العلوم والفنون، جامع المحاسن اور جامع الکمالات کی نعمت سے نوازا۔جن کے سرخیل شیخ الہند اول مولانا محمود حسن دیوبندی پھر ان کے بعد شیخ الہند ثانی، شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، محدث العصر سید مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور مفتی اعظم مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہم ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی شخصیات ہیں۔

علمائے اہل سنت دیوبند کی دینی خدمات

حدودِ دین کے علمی محافظین جو معرکہ حق وباطل میں اہل باطل کے ساتھ قلم وزبان، تحریر وتقریر اور مناظرہ جات کی شکل میں معرکہ آرائی میں مصروف کار رہے اور دِین حق کے بارے میں اہل باطل کی طرف سے پھیلائے گئے شکوک وشبہات کے جوابات کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔معرکہ حق وباطل کے میدان میں کام کرنے والے علماء میں کچھ حضرات ایسے گزرے ہیں جنہوں نے کسی ایک موضوع کو اختیار کیا۔علماء دیوبند میں ایسی شخصیات ہزاروں ہیں۔جیسے رفض کے مقابلے میں مولانا عبدالشکور لکھنوی، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا عبدالستار تونسوی، زبدۃ الصلحاء مناظر اسلام مولانا دوست محمد قریشی، حضرت مولانا احمد شاہ چوکیروی ودیگر حضرات۔رحمہم اللہ

دارالعلوم کبیر والا میں بندہ زیر تعلیم تھا۔شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ جامعہ قاسم العلوم ملتان میں تشریف لائے۔دارالعلوم کبیر والا سے چند طلبہ زیارت کے لیے حاضر ہوئے، زیارت کے ساتھ حضرت کے ناصحانہ بیان سننے کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔حضرت نے طلبہ کو علم وعمل کی ترغیب دی اور یہ بھی فرمایا کہ علماء اور طلبہ کو چاہیے کہ علماء اہل سنت دیوبند کے عقائد کا مطالعہ کریں اور ان کو خوب اچھی طرح سمجھیں۔پھر اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک باطل فرقے کو سامنے رکھ کر اس کا بھی تفصیلی مطالعہ کر کے ان کے مقابلہ میں پوری صلاحیت پیدا کریں۔لیکن ہر باطل فرقہ کے مقابلہ میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ محاورہ ہے:**من جد للكل فات عنه الكل.** جو ہر فن والا بننے کی کوشش کرتا ہے وہ ہر طرف ناقص رہتا ہے۔اس لیے ہر باطل فرقہ کے مقابلہ میں ماہر بننے کی کوشش نہ کریں، ذوق کے مطابق ایک باطل فرقہ کے مقابلہ میں مہارت پیدا کرنے کی

کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ جو اعلیٰ صلاحیت والے علماء وطلبہ ہیں اور ہر فرقہ کے مقابلہ میں پوری مہارت پیدا کر سکتے ہیں وہ اگر چاہیں اور ذوق بھی ساتھ دے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، اس کے بعد ہی طالب علمی کے زمانہ میں میرا عقائد پر محنت کا ذوق بنا۔

جامع شخصیات

علماء اہل سنت دیوبند میں ایسی جامع شخصیات گزری ہیں جن کو اپنے زمانہ کے تمام باطل فرقوں کے مقابلہ میں احقاق حق اور ابطال باطل کی علمی قابلیت وصلاحیت کا اللہ تعالی نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ ان جامع شخصیات میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوری، اور زمانہ قریب میں حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی جیسے حضرات ہیں۔ اگر چہ ان دو حضرات کا زیادہ کام تحریری شکل میں ہے۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی اور مفکر اسلام جامع المحاسن والکمالات ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہم۔

مفکر اسلام کی دینی خدمات

علامہ خالد محمود صاحبؒ کی دینی خدمات کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ان کا دائرہ کار چھ قسم کی خدمات کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے: ۱-روشن خیال جدید طبقہ کی ذہن سازی، ۲-تقریری خدمات، ۳-مناظرہ جات، ۴-محاضرات، ۵-علمی مجالس، ۶-تصنیفی خدمات۔

۱-جدید طبقہ کی ذہن سازی:

علامہ خالد محمود صاحب کی زندگی کا عہد شباب اور عہد کہولت کالج کے ماحول میں گزرا، لیکن مدنی نسبت کی کرامت اور نسبت مدنی کی مضبوطی اور پختگی کا نتیجہ کہ کالجوں کے ماحول کی آلودگیوں سے نہ صرف یہ کہ اپنے دامن کو بچاتے ہوئے گزر گئے بلکہ سینکڑوں نوجوانوں کو نہ صرف یہ کہ فکری گمراہیوں سے بچایا بلکہ اپنی فکری اور علمی وعملی محنت اور تربیت کی برکت سے ان کو دین اسلام کا محافظ بنا دیا اور وہ کتاب وسنت کی صداقت وحقانیت کو پہچان کر علی وجہ البصیرت دین اسلام کے سچے پکے ترجمان بن گئے، کالج کے ماحول میں رہتے ہوئے حضرت علامہ صاحب پر علمی اور اسلامی ودینی ذوق اتنا غالب رہا کہ ہمیشہ دینی جماعتوں اور دینی مدارس اور علماء اور طلبہ کے ساتھ آپ کی وابستگی نہ صرف یہ کہ قائم رہی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی، بلکہ علامہ صاحب نے علم وعمل اور کردار واخلاق کی پختگی کی قوت سے ظلمت وضلالت کے ماحول میں نور علم اور نور ہدایت کے چراغ روشن کیے۔

۲-تقریری خدمات:

علامہ صاحب کو اللہ تعالی نے فصاحت و بلاغت کی نعمت سے خوب نوازا تھا۔ آپ عوام وخواص کے بڑے بڑے اجتماعات میں جب اپنی فصیح وبلیغ زبان سے علمی مضامین کو عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ بیان کرتے اور قرآن وحدیث کے عجیب عجیب نکات واستنباطات کے علمی جواہرات بکھیرتے تو عوام وخواص جھوم اٹھتے اور خوب داد تحسین دیتے، آپ اپنی عوامی تقریروں میں علمی

مضامین اور علمی نکات بیان کرنے میں شہرت رکھتے تھے،تقریر کی افادیت کے لحاظ سے مقرر اور سامعین کے درمیان پوری توجہ اور ذہنی وقلبی ربط بہت ضروری ہے، جانبین سے توجہ اور ربط قائم رکھنے کے لیے، نیز کسی خاص مضمون کی تفہیم اور ذہن نشین کرانے کے لیے علامہ صاحب کا ایک عجیب انداز تھا،سوالیہ انداز میں آدھا جملہ خود بولتے اور سامعین سے جواب لے کر اس جملہ کی تکمیل ان سے کرواتے،اس سے سامعین کی توجہ بھی خوب ہوتی اور بات بھی ذہن نشین ہو جاتی۔

حضور اور حاضر:

ایک دفعہ تقریر میں حاضر وناظر کا مسئلہ سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ:آپ یقیناً سکول گئے ہوں گے، وہاں ہر طالب علم استاذ کو کہتا ہے:حضور! شاگرد استاذ کو کیا کہتا ہے؟(سامعین نے جواب دیا:حضور)اور جب استاذ حاضری لگا تا ہے اور نام بولتا ہے تو شاگرد کہتا ہے:حاضر! شاگرد کیا کہتا ہے؟(سامعین نے کہا وہ کہتا ہے: حاضر!) اَب یہ بتاؤ کہ استاذ بڑا ہوتا ہے یا شاگرد؟ (سامعین نے جواب دیا:استاد)اور شاگرد؟(سامعین نے جواب دیا: چھوٹا) تو پتہ چلا کہ جو بڑا ہے وہ؟(سامعین:حضور)اور جو چھوٹا ہے وہ؟(سامعین: حاضر!) ہم اپنے نبی کو کہتے ہیں:حضور ﷺ اور وہ کہتے ہیں: حاضر۔حضور بڑا ہوتا ہے، حاضر چھوٹا ہوتا ہے۔ باادب اور بے ادب کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔(دیکھیے:۲/۴۰۱[ادارہ])

ایک عجیب واقعہ

احقر جامعہ رحمانیہ جہانیاں میں مدرس تھا اور وہاں قاری سلیم رہائش پذیر تھے جو حضرت علامہ صاحب کے محبین میں سے تھے،انہوں نے حضرت علامہ صاحب سے تقریر کے لیے وقت لیا،اتفاقاً اسی تاریخ کو دنیا پور میں حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید کا پروگرام تھا اور مولانا حق نواز کی خطابت کا طوطی بولتا تھا،لوگ بسیں بھر کر دیوانہ وار دنیا پور چلے گئے، جب علامہ صاحب کی تقریر کا وقت ہوا تو میرے سمیت کوئی دس بارہ آدمی ہوں گے،اور موضوع تھا: سیرت حضرت امیر معاویہؓ حضرت علامہ صاحبؒ نے پورے تین گھنٹے اس موضوع پر بیان فرمایا، میں نے دیکھا کہ سامعین کی قلت کا حضرت پر کوئی اثر نہیں تھا۔ یہ ہے اخلاص اور خدمت دین کا پُرخلوص جذبہ!

۳-مناظرہ جات

ایک مناظر کے لیے ضروری ہے:معلومات کی وسعت،حوالہ جات کا استحضار،حاضر جوابی اور زبان کی فصاحت وبلاغت اور اپنے مدمقابل پر قوت گرفت اور جرأت۔اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو اِن سب نعمتوں سے اور ان سب صفات سے خوب نوازا تھا، ہر موضوع پر ہمہ وقت مناظرہ کے لیے جو مستعد و تیار ہوں وہ ماضی قریب میں دو شخصیتیں گزری ہیں: حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی اور حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحبؒ۔لیکن دونوں میں ایک فرق تھا کہ: حضرت اوکاڑویؒ اپنے مدمقابل مناظر کو بڑی وسعت اور کھلی چھوٹ دیتے تھے،اس کے لیے میدان کھلا کر دیتے کہ وہ ایک طرف دوڑ لگاتا،مولانا اس کا تعاقب کرتے اور اس کو پکڑ لیتے، وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف چل پڑتا،مولانا وہاں بھی اس کو پکڑ لیتے اور اس کا رستہ بند کر دیتے،

وہ پھر کسی اور طرف چل پڑتا، مولانا پھر ادھر اس کا تعاقب کرتے اور وہ راستہ روک کر اس کو بے بس کر دیتے، حتی کہ اس کے بھاگنے کے سارے راستے بند ہو جاتے۔ اس کے برعکس علامہ صاحب کا انداز یہ تھا کہ اپنے مد مقابل پر مضبوط گرفت کر کے اس کو ایسا پکڑتے کہ اس کو آگے نہ چلنے دیتے۔

جو حضرات علامہ صاحب کے مناظرہ جات اور مباحثہ جات کی جھلک دیکھنا چاہیں وہ مطبوعہ کتاب ''مناظرے اور مباحثے'' کا مطالعہ کریں۔

۴-محاضرات:

محاضرات سے مراد ہے علماء وطلبہ کے علمی حلقوں میں تربیتی بیانات۔ اور حضرت کے اکثر ایسے محاضراتی بیانات عقائد اور فرق باطلہ کے موضوعات پر ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے تو مختصر خطبہ کے بعد فرمایا کہ بھائی آج میرے پاس وقت مختصر ہے، اس لیے میں مختصر وقت میں ایک مختصر نصیحت کر کے اجازت چاہوں گا، اَب سب متوجہ ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ: آئندہ تم نے حدیث پر بالکل عمل نہیں کرنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اجازت؟ یہ کہہ کر حضرت فرماتے ہیں کہ: میں کھڑا ہو گیا، اَب علماء وطلبہ میں کھلبلی مچ گئی، سب پریشان ہو گئے اور بعض حضرات نے اس پریشانی کا اظہار کیا اور اصرار کیا کہ حضرت آپ اپنی بات کی وضاحت فرمائیں، اَب میں بیٹھ گیا اور میں نے قصداً یہ انداز اختیار کیا تھا تا کہ ان میں طلب پیدا ہو جائے، چنانچہ اس کے بعد میں نے ان کو حدیث اور سنت میں فرق تفصیل سے سمجھایا اور ان کو بتایا کہ عمل کا معیار ''سنت'' ہے، ''حدیث'' نہیں، اگر حدیث ہے اور صحیح ہے، لیکن سنت نہیں تو اس پر عمل نہیں ہوگا۔

حضرت نے فرمایا کہ برطانیہ میں ایک محاضراتی مجلس میں مجھ سے سوال ہوا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اسلام کے نام پر جو تحریک بھی اٹھتی ہے وہ ناکام ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ بالآخر ختم ہو جاتی ہے؟ میں نے کہا: میں یہ بات نہیں مانتا کہ اسلام کے نام پر اٹھنے والی ہر تحریک ناکام ہو جاتی ہے، میں نے کہا: ہندوستان میں نظام الدین ایک بستی ہے، وہاں سے تبلیغی جماعت کے نام سے ایک تحریک اٹھی اور وہ پوری دنیا پر چھا چکی ہے، تو میں نے تبلیغی جماعت کے کام کو اسلام کی حقانیت کی دلیل بنایا۔

۵-علمی مجالس:

حضرت علامہ صاحب کی مجلس محض گپ شپ کی مجلس نہیں ہوتی تھی، بلکہ آپ کی مجلس میں کسی نہ کسی علمی موضوع پر گفتگو ہوتی اور حضرت علم کے اتنے قدر شناس تھے کہ اگر مجلسی گفتگو میں کسی چھوٹے آدمی کے منہ سے کوئی کام کی بات نکلتی تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے اور اس کو محفوظ کر لیتے۔ ناچیز بندہ کے ساتھ کئی مرتبہ ایسی صورتیں پیش آئی ہیں، ایک مرتبہ حضرت کو میں نے وہاڑی میں دعوت دی، تشریف لائے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ: حضرت! میں نے تفسیر قرطبی میں ایک بڑی عجیب بات پڑھی ہے، پوچھا: وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: امام قرطبی نے امت محمدیہ کا بہتر واں فرقہ جو یہود ونصاریٰ میں نہیں تھا، صرف امت محمدیہ میں ہوگا، اس کی علامت لکھی ہے: **هم يعادون العلماء ويبغضون الفقهاء.** وہ

علماء کے ساتھ عداوت رکھیں گے، اور فقہاء سے بغض رکھیں گے، حضرت نے سنتے ہی فرمایا: کتاب موجود ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! موجود ہے، میں کتاب لایا، حضرت نے حوالہ دیکھا، بہت دعائیں دیں اور اسی وقت ایک کاغذ کے چھوٹے ٹکڑے پر وہ حوالہ نوٹ فرمالیا۔

گزشتہ سال حضرت کا پاکستان کا آخری سفر تھا اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام تھا اور مؤطا امام مالک زیر درس تھی۔ سبق ختم ہونے کے بعد حضرت والا اپنے آرام کرنے والے کمرے میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد میں کہروڑ پکا سے سفر کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، کمرہ میں حضرت والا کی مطبوعہ کتب موجود تھیں اور ایک کونہ میں ایک صاحب کمپوز شدہ کتاب پر غالباً تصحیح کا کام کر رہے تھے، حضرت مجھے دیکھتے ہی تازہ دم ہو گئے اور کچھ دیر مختلف موضوعات پر ارشادات فرماتے رہے، جن سے کمرہ میں موجود سب علماء مستفید ہوتے رہے، دوران گفتگو حضرت والا نے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ عین العلوم شاہجہانپوری کے حالات کی تفصیل ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: ان کی ایک کتاب ہے، جس کے شروع میں جیم ہے، لیکن نام ذہن میں نہیں آرہا، میں نے عرض کیا: حضرت! اس کا نام: الجنة لاهل السنة ہے، یہ سنتے ہی حضرت اتنے خوش ہوئے کہ چہرہ شگفتہ پھول کی طرح کھل گیا اور خوشی میں جوانوں کی طرح اٹھے اور کمپوزر کے پاس جا کر کہا: بھائی وہ نام مل گیا ہے، لکھو **الجنة لاهل السنه**. یہ تھی حضرت کی اصاغر نوازی!

ایک مجلس میں ایک صاحب نے علامہ صاحب سے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو جنگ جمل ہوئی، اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو جنگ صفین ہوئی، اس کے متعلق سوال کیا، حضرت نے ان صاحب سے پوچھا کہ یہ بتاؤ بعد میں ان کے درمیان صلح ہو گئی تھی یا نہیں؟ وہ کہنے لگا: جی صلح ہو گئی تھی، علامہ صاحب نے فرمایا: اگر دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے، لیکن بعد میں ان کے درمیان صلح ہو جائے تو پھر بات ان کی صلح کی کرنی چاہیے یا ان کے سابقہ جھگڑے کی جو ختم ہو چکا ہے؟ اس نے کہا: صلح کی، تو فرمایا: اسی طرح جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئی، لیکن بعد میں آپس میں صلح ہو گئی، تو اَب بات صلح کی ہونی چاہیے، جھگڑے کی نہیں۔ پھر اس سے پوچھا: جو آدمی صلح ہو جانے کے بعد پچھلے جھگڑے چھیڑتا ہے وہ کون؟ وہ کہنے لگا کہ: وہ شرارتی ہے کہ وہ پہلے والے جھگڑے دوبارہ اٹھا کر پھر جھگڑا کرانا چاہتا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا: جب ان صحابہ کرام کے درمیان صلح ہو گئی، تو اب پچھلے جھگڑے چھیڑنا شرارت ہے۔ (دیکھیے: ۱/۱۰۵ [ادارہ])

۶- تصنیفی خدمات:

متحدہ ہندوستاں میں گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے جو مخصوص شخصیات کے ذریعے فرقے پیدا کیے گئے اور وہ ابھی تک موجود ہیں اور ان کے آقاؤں کی طرف سے اب تک ان کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ لیکن اہل حق علماء وعوام نے مل کر امت کے اتحاد کو قائم رکھنے اور امت کے شیرازہ کو بکھرنے اور فرقہ واریت کے دلدل میں پھنسنے سے بچانے کے لیے ناصحانہ، مصلحانہ اور مربیانہ کردار ادا کیا، پیار ومحبت، اخوت ومروت اور پوری شائستگی کے ساتھ، علمی دلائل کے ساتھ

اختلاف کی ہر گتھی سلجھانے اور سمجھانے کی مدلل، محقق، تحریر وتقریر کے ذریعے پوری پوری کوشش کی اور لگا تار یہ کوشش جاری ہے۔ علامہ خالد محمودؒ نے اس سلسلہ میں تحریر وتصنیف کی شکل میں جو کوشش کی ہے ان کی ان شاہکار تصانیف کی ایک جھلک انتہائی اختصار کے ساتھ ملاحظہ کیجیے!

قادیانیت کا فتنہ اٹھا اور اس نے امت محمدیہ میں ایک نئی امت کی داغ بیل ڈالنے اور بنیاد رکھنے کی کوشش کی تو علماء نے امت کو اس فتنہ سے بچانے کے لیے اور اس فتنہ کے جال میں پھنسے لوگوں کو نکالنے کے لئے رات دن ایک کر دیا، چھوٹی بڑی ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، اس سلسلہ میں تین کتابیں معرض وجود آئیں: (۱)

ا: ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت''، مرزا قادیانی نے خاتم النبیین اور ختم نبوت کے معنی میں تحریف کر کے اپنی جھوٹی نبوت کے لیے چور دروازہ نکالنے کی کوشش کی۔ علامہ خالد محمودؒ نے قرآن وحدیث کے قطعی دلائل وآثار صحابہ وتابعین، اقوال سلف، عرب کے محاورات اور خود مرزا قادیانی کی عبارات سے ثابت کیا کہ خاتم النبیین کا معنی ہے: آخری نبی۔

۲: دوسری کتاب: ''مرزا غلام احمد قادیانی''۔ آدمی کی اصل شناخت ہے اس کی عملی زندگی یعنی اس کا عمل وکردار اور اس کی اخلاقیات۔ علامہ صاحبؒ نے مرزا قادیانی اور قادیانی فرقہ کے عمائدین اور ان کی بنیادی شخصیات کی کتب کے حوالہ جات کے ساتھ مرزا قادیانی کے کردار اور اخلاقیات کا عکس پیش کیا ہے تا کہ مسلمان بھی اور خود قادیانی لوگ بھی اس کتاب کے ذریعہ مرزا قادیانی کے کردار اور اخلاقیات کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ کیا اس کردار واخلاق کا آدمی نبی تو کجا مسیح موعود تو کجا، مہدی تو کجا، مجدد تو کجا، مسلمان تو کجا، کیا شریف انسان بھی ہو سکتا ہے؟ تو جو شریف انسان بھی ثابت نہیں ہوسکتا تو وہ نبی، مسیح موعود، مہدی، مجدد کیسے ہوسکتا ہے؟

۳: ''قادیانیوں کی قانونی حیثیت'' جب قادنیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا، علامہ صاحب سے سوال ہوا، ''اسلامی سلطنت میں قادیانی غیر مسلم اقلیت کو کیا کیا مذہبی حقوق حاصل ہوسکتے ہیں؟ اور انہیں کس حد تک مذہبی آزادی دی جاسکتی ہے۔'' حضرت علامہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک علمی مقالہ تحریر فرمایا: جس کا عنوان ہے: ''قادیانیوں کی قانونی حیثیت'' (۲)

انگریز کے دور میں ایک فتنہ پیدا ہوا رسومات اور شرک وبدعات کا، ان سے متاثر ہو کر بہت سارے لوگ سنن نبویہ سے دُور ہوتے چلے گئے، رسوم وبدعات زور پکڑتے گئے، سنت نبوی پر عمل کرنے کا جذبہ وشوق ان میں مفقود ہو گیا، اس کی جگہ رسوم اور بدعات پر عمل کرنا ان کا مطلوب ومقصود بن گیا، ان کے نزدیک رسوم وبدعات جو غیر دین ہیں ان کا دین بن گیا اور سنن نبویہ جو دین ہیں وہ ان کے نزدیک غیر دین بن گیا اور ان کے ہاں اصلی دین نقلی اور نقلی دین اصلی بن گیا، ایسی صورت میں حدود کیسے محفوظ رہ سکتی ہیں؟ نیز اس فرقہ نے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مجاہدین آزادی، علمائے حقہ سے عوام الناس کو متنفر کرنے کے لیے الزامات

(۱) دیکھیے: ۱/۲۴۶......۱/۴۰۸......۱/۶۲۵......۱/۶۶۳......۱/۷۰۴ (مضمون)......۱/۷۳۵......۱/۵۹۵......۲/۴۷

(۲) دیکھیے: ۱/۶۲۶

لگائے۔ علامہ خالد محمودؒ نے ان خطرات کو بھانپ کر حدودِ دین کی حفاظت کے فریضہ کو سرانجام دینے کے لیے اور مجاہدین آزادی یعنی علمائے حقہ پر لگائے گئے الزامات کے معاملہ کو صاف کرنے کے لیے اس فتنہ کے علم برداروں کے لٹریچر کا وسیع مطالعہ کر کے آٹھ جلدوں میں ''مطالعہ بریلویت'' کے نام سے بڑی محقق ومدلل کتاب تصنیف فرمائی۔ (دیکھیے: ۱/۶۲۷ تا ۶۲۹ [ادارہ])

اسی طرح انکارِ حدیث کے فتنہ وفرقہ کی اصلاح کے لیے ''آثار الحدیث'' کی دو جلدیں، انکار فقہ کے فتنہ کے شر سے امت کو بچانے کے لیے ''آثار التشریع'' کی دو جلدیں تحریر فرمائیں اور عیسائیت کے فتنہ سے حفاظت کے لیے ''کتاب الاستفسار'' کا طویل مقدمہ تحریر فرمایا جو کہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، حب اہل بیت کے پردے میں بغض صحابہ اور تنقیص صحابہ کے فتنہ رفض کے مقابلہ میں ''خلفائے راشدین'' دو جلد اور ''معیارِ صحابیت'' اور ''تجلیات آفتاب'' تصنیف فرمائی۔ اور منکرین تصوف کی فکری اصلاح ورہنمائی کے لیے ''آثار الاحسان'' کی دو جلدیں مرتب کیں اور ملحدین کی طرف سے قرآن کریم کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لیے ''آثار التنزیل'' کی دو جلدیں تالیف فرمائیں اور جدید طبقہ اور علم دوست عوام الناس کی قرآن فہمی کے لیے ''مختصر دورہ تفسیر'' کتابی شکل میں معرض وجود میں آیا۔ (دیکھیے باب تصنیفات)

ائمہ مساجد اور خطباء کے بارے میں فکرمندی:

لاہور میں حضرت مولانا امجد سعید صاحب کے ہاں اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کا پروگرام تھا، حضرت علامہ صاحب بھی تشریف لائے، دوران گفتگو حضرت نے حاضرین مجلس سے سوال کیا: پاکستان میں سب سے زیادہ غیر مقلدیت کے خلاف کام کہاں ہوا ہے؟ سب خاموش! پھر خود ہی فرمایا: گوجرانوالہ۔ (مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے سب سے زیادہ کام کیا۔) پھر دوسرا سوال فرمایا کہ: پاکستان میں غیر مقلدیت سب سے زیادہ کہاں مضبوط ہے؟ سب خاموش رہے، فرمایا: گوجرانوالہ۔ پھر تیسرا سوال فرمایا: اس کی کیا وجہ ہے؟ غیر مقلدیت کے خلاف سب سے زیادہ کام بھی گوجرانوالہ میں ہوا اور غیر مقلدیت سب سے زیادہ مضبوط بھی گوجرانوالہ میں ہے، اب بھی حاضرین سراپا خاموش۔ حضرت نے خود جواب دیا کہ: دراصل غیر مقلدیت کے خلاف ہمارا کام قلمی ہوا ہے، جو علماء کے خاص طبقہ تک محدود رہا، جبکہ غیر مقلدین نے سٹیج پر کام کیا، اس لیے غیر مقلدیت مضبوط ہوگئی۔ درحقیقت حضرت والا ائمہ مساجد اور عوامی خطباء کو متوجہ کر رہے تھے کہ ان حضرات کو اپنے عقائد ومسائل میں دلائل کے ساتھ اتنا مضبوط اور پختہ ہونا چاہیے کہ وہ مدلل طریقہ سے مسلک دیوبند کے عقائد ومسائل کی سٹیج پر نہ صرف یہ کہ صحیح ترجمانی کریں بلکہ عوام کی ذہن سازی کرنے کے ساتھ ساتھ اہل باطل کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کر سکیں لیکن ناصحانہ، مصلحانہ انداز سے، تحقیر وتذلیل کے انداز سے نہیں۔ (دیکھیے: ۲/۱۸۶ [ادارہ])

ید اللہ علی الجماعۃ:

ایک دفعہ لاہور میں حضرت کی رہائش گاہ پر حاضری ہوئی، دوران گفتگو حضرت والا نے ایک سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اہل باطل دن بدن مضبوط ہوتے جا رہے ہیں اور ہم اہل حق ہونے کے باوجود کمزور ہوتے جا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ

حضرت! اہل باطل بیشک ہیں اہل باطل، لیکن وہ اپنے باطل مذہب کے بارے میں مخلص ہیں اور ہم اہل حق ہیں لیکن اپنے مذہب کے بارے میں مخلص نہیں، کیونکہ اہل باطل قدم قدم پہ اپنے مذہبی مفادات اور مذہبی تقاضوں کو ذاتی مفادات پر مقدم رکھتے ہیں، یہ ہے ان کا اپنے مذہب کے ساتھ اخلاص، لیکن ہم اہل حق ہونے کے باوجود مذہبی مفادات اور مذہبی تقاضوں کے مقابلہ میں اپنے ذاتی مفادات و تقاضوں کو مقدم رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کی مدد مخلصین کے ساتھ ہوتی ہے، ہم مخلص نہیں رہے، اس لیے ہمارے ساتھ اللہ کی مدد نہیں، وہ اہل باطل ہیں، لیکن اپنے مذہب کے بارے میں مخلص ہیں، اس لیے بوجہ اخلاص ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہے، حضرت نے فرمایا اصل بات اور ہے، جتنے اہل باطل ہیں ان میں مختلف گروپ ہیں، لیکن سب کا مقصد ایک ہوتا ہے، جیسے اہل رفض کے کئی گروپ ہیں، لیکن مشترکہ مقصد ایک ہی ہے یعنی شیعہ مذہب، اہل حدیثوں میں کئی گروپ ہیں لیکن مشترکہ مقصد ایک ہی ہے یعنی اہل حدیث مذہب کا غلبہ، بریلویوں میں بھی گروپ ہیں دھڑے بندی ہے، لیکن سب کا مشترکہ مقصد ایک ہے یعنی بریلوی مذہب، ہر ایک کی مسجد و مدرسہ جدا، لیکن سب کا مقصد ایک ہے، تو ایک جماعت ہے۔ جماعت وہی ہے جس کے افراد متعدد ہوں لیکن ان سب کا ایک ہی مقصد متعین ہو ان سب کی توانائیاں اسی مشترکہ مقصد کے گرد گھومتی نظر آئیں لیکن ہم نے مختلف جماعتیں بنالیں اور ہر جماعت کا مقصد جدا، ہم نے الگ مساجد اور مدارس بنائے لیکن ہر ایک نے اپنی مسجد اور مدرسہ کو مقصد بنالیا تو ہمارا کوئی مشترک مقصد نہ رہا، اس لیے ہر باطل فرقہ وحدتِ مقصد اور اشتراکِ مقصد کی وجہ سے جماعت ہے اور ہم الگ الگ مقصد کی وجہ سے جماعات ہیں اور حدیث پاک میں ہے: **یـد الله علی الجماعة** یہ نہیں فرمایا: یـد الله علی الجماعات، لہٰذا اہل باطل کا ہر فرقہ جماعت ہے، اس لیے ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہے اور ہم اہل حق ہونے کے باوجود جماعات ہیں اور جن پر اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہے، وہی مضبوط ہوگی اور ترقی کرے گی اور جن کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں وہ دن بدن کمزور ہوگی اور تنزلی کی طرف جائے گی، اس لیے علمائے اہل سنت دیوبند کی سب جماعتوں کا اور سب مساجد و مدارس کا ایک ہی مقصد ہونا چاہیے، وہ ہے مسلک علمائے اہل سنت دیوبند۔ مسلک اہل سنت دیوبند زندہ باد۔ مسلک اہل سنت دیوبند پائندہ باد

ظرافت:

اللہ تعالی نے حضرت علامہ صاحبؒ کو جیسے حافظہ، ذہانت، حسن سیرت، حسن صورت، علم، تقوی، فہم وفراست اور شفقت ومحبت جیسی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، اسی طرح ان میں اللہ تعالی نے ظرافت کی خوبی بھی رکھی تھی، پرویز مشرف کے ابتدائی دور میں جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور کے سالانہ پروگرام میں تشریف لائے، میں بھی اس پروگرام میں مدعو تھا، حضرت کی خدمت میں علماء کی کثیر تعداد حاضر تھی، کسی صاحب نے حضرت علامہ صاحب سے پرویز مشرف کے متعلق سوال کیا کہ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ علامہ صاحب نے فرمایا: اگر وہ مخلص ہے تو بہت برا ہے، اگر منافق ہے تو بہت اچھا ہے۔ اس جواب پر سب علماء حیران ہوگئے اور حضرت یہ کہہ کر خاموش ہوگئے، سوال کرنے والے نے کہا: حضرت بات سمجھ نہیں آئی، علامہ صاحب نے فرمایا: کہ مشرف کو امریکہ اپنے مفادات کے لیے لایا ہے، اگر وہ امریکہ کے لیے مخلص ہو کر کام کرتا ہے تو بہت برا ہے، اگر اس کے ساتھ منافقت کرتا ہے تو بہت اچھا ہے۔

☆☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا انوار الحق (آ)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمودؒ

عالی دماغ مفکر، عظیم مدبر، صاحبِ اسلوب مصنف، منفرد تخلیقی طرزِ تحریر، سادہ و پرکار اور معنی خیز تنقید کے موجد

مفکر ومناظرِ اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمودؒ کی رحلت اور سانحۂ ارتحال پر پورا عالم سوگوار ہے۔ علماء، فضلاء، مشائخ، عمائدین، قائدین اور ان کے محبینِ صالحین اور عامۃ المسلمین میں ان کی وفات کے صدمے سے صف غم بچھ گئی ہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں بھی ان کے انتقال کی خبر صاعقہ بن کر گری۔ درس وتدریس، علم واشاعتِ دین اور خالص علمی وروحانی ماحول غم زدہ ہو گیا۔ حضرتؒ کے وفات کی خبر وحشت اثر سُن کر اساتذہ ومشائخ اور جمیع طلبہ ختماتِ قرآن اور ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت میں مشغول ہو گئے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ نے زندگی کے تمام مراحل میں ملک وبیرون ملک فروغِ علم، ترویجِ شریعت، اشاعتِ توحید، اتحادِ امت، وحدتِ ملت کی بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ عظیم علمی کارناموں، تحقیقی تصنیفات، تاریخی کتابوں، فرقِ باطلہ کے تعاقب، مرزائیت کے پوسٹ مارٹم، شرک وبدعت کی ضلالتوں کے خلاف اُن کا مجاہدانہ کردار تاریخ کا روشن باب ہے۔

اُنہوں نے اپنے خطبات، مواعظِ حسنہ، وقیع تصنیفات اور تبلیغی واصلاحی اجتماعات سے خطابات کے ذریعہ قوم وملت اور معاشرے کو قرآن وسنت کی سمت دے کر وحدتِ امت کی مساعی کی پیش رفت میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے علم وقلم، تحریر وتسوید اور درس وتدریس سے صرف ایک علاقے، ایک قوم، ایک برادری اور محدود حلقوں ہی نے فیض نہیں اُٹھایا بلکہ ان کے چشمۂ علوم ومعارف سے دُنیا بھر کے علماء، داعیین، واعظین، مصنفین، محققین، مخلصین، والہین اور مبلغین وجمیع محبّین نے اپنی علمی وروحانی تشنگی کو بجھایا۔ مختلف قوموں، مختلف طبقات، مختلف مسالک کے افراد نے ان سے علمی اور دینی رہنمائی حاصل کی۔ ان کی ذات صرف ایک معلم، ایک خطیب، ایک داعی، ایک مقرر، ایک مصنف، ایک مؤرخ واَدیب اور ایک محقق ہونے تک ہی محدود نہیں بلکہ علمی وتحقیقی اور روحانی حوالے سے ان کی ذات مرجع الخلائق تھی۔ ان کے مستفیدین اور متوسلین کی ایک بڑی تعداد پورے عالم میں موجود ہے جن میں اہلِ اسلام کے علاوہ دوسرے مکاتبِ فکر اور دیگر مذاہب کے افراد بھی شامل ہیں۔

حضرت علّامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو علمی حلقوں میں ایک خاص امتیاز ومقام حاصل تھا۔ وہ زندگیوں میں علوم وفنون اور معارفِ اسلامی کی ایک خاص چھاپ چھوڑ کر گئے ہیں، جس کی خوشبو جس طرح آج پورا عالم محسوس کر رہا ہے اس طرح صدیوں تک ان کی قائم فرمودہ علمی بہاریں دُنیا کو علم وعمل کی خوشبوؤں سے معطر رکھیں گی۔

(آ) مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ، مرکزی نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

علاّمہ صاحبؒ کی شخصیت اپنی خداداد صلاحیتوں، امتیازی خوبیوں اور علمی کمالات کی وجہ سے دوسروں پر ممتاز اور فائق تھی۔ ان خوبیوں، عمدہ صلاحیتوں اور اچھائیوں نے ان کے قارئین وسامعین، اُن کے سننے اور دیکھنے اور اُن کے پاس آنے جانے والوں کو اُن کا شیدائی وفدائی، ان کا شیفتہ وفریفتہ اور گرویدہ اور ان کا والا وجان سپار بنا دیا تھا۔

۲۰۰۴ء میں احقر حضرت مولانا فضل الرحیم مدظلہ کی معیت میں ان کے ہاں مانچسٹر میں حاضر ہوا تھا۔ اسلامک اکیڈمی کا معائنہ بھی کیا اور تین روز تک وہاں قیام بھی رہا۔ ان کی سادگی ومتانت، علمی کام ومقام، علم وحلم، صبر وقناعت، چشم پوشی اور دانائی و حکمت جیسی متنوع صفات سے انہیں موصوف پایا۔ انانیت وتکبر سے دور، خودرائی، عجب اور خود پسندی سے نفور، وارد ین وصادرین اور اضیاف کے لیے خلیق، طلبہ وعلماء اور متوسلین کے لیے پیر مغاں...........ع تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

میرے برادر بزرگ مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے ماہنامہ ''الحق'' جاری کیا تو علامہ صاحب اس کے اوّلین مضمون نگار تھے۔ والدگرامی قدر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے انہیں عقیدت بھی تھی اور محبت بھی۔ والدِگرامی بھی ان کے علمی مقام، تحقیقی اور ادبی شان اور تصنیفی عظمتوں کے قائل بلکہ گھائل تھے۔ ختم نبوت اور ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کے حوالے سے بڑی عقیدت اور محبت و احترام سے ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

علامہ صاحبؒ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان سے ملاقات کے لیے وقت لینا، وقت پر جانا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ جب جاؤ، موجود ہوتے، ملاقات کے دروازے سب کے لیے کھلے رہتے۔ معمولی سے معمولی انسان کی ملاقات اور ان کی تشریف آوری بہ سروچشم قبول فرمالیتے اور اس کو اپنی معمولی پن کا قطعی احساس تک نہ ہونے دیتے۔ ہر شخص سے ایسے ملتے کہ وہ یہی سمجھتا تھا کہ علاّمہ صاحب مجھ ہی سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے جب بھی کسی محفل میں اور کسی بھی مقام پر ان سے ملاقات کا موقع ملا، ان کی یہ دلفریب ادا ہر وارد وصادر کی طرح مجھ پر بھی گہرا اثر چھوڑتی تھی اور علاّمہ صاحب کی جملہ صفات میں اس صفت کو اہم مقام حاصل تھا۔ ان سے میری آخری تفصیلی ملاقات جامعہ اشرفیہ لاہور منعقدہ پوزیشن ہولڈرز امتحانات وفاق المدارس میں تقسیم انعامات کی تقریب میں ہوئی تھی۔

طلبِ علم، اور علمی فنائیت کا یہ حال تھا کہ اپنے چھوٹے شاگردوں، خدام، شب وروز کے مصاحبین سے بھی علمی استفسار کرنے میں تردد اور جھجک محسوس نہ فرماتے۔ کوئی آپ کے سامنے آپ کی کسی کتاب کی یا آپ کی کسی تحریر وتقریر کی توصیف وتعریف کرتا تو آپ شرم وحیا سے پلکیں جھکا لیتے اور بڑے حسین اور میٹھے انداز میں اسے ٹال دیتے۔ اپنے اندر ڈھیروں خوبیاں اور کمالات ہونے کے باوجود اپنے کمالات کی نفی فرماتے۔

علاّمہ خالد محمود کی پوری زندگی فروغِ علم، درسِ قرآن اور اشاعتِ حدیث وسنت میں گذری۔ سنن نبوی کی اتباع آپ کی فطری نہاد تھی۔ اپنے ذاتی اوصاف وکمالات کے تذکرے واظہار سے عموماً خاموش رہتے تھے، اس حوالے سے کثرتِ کلام کو معیوب سمجھتے تھے۔ اگر کوئی سوال بھی کر لیتا تو بہ امر مجبوری بقدرِ ضرورت اور حسبِ فُرصت مختصر جواب پر اکتفا کر لیتے تھے۔ آپ قرآن و

حدیث کے درس و تدریس، قلم و کتاب اور تحریر و تقریر کے شہنشاہ تھے۔فریضۂ منصبی کے احساس اور اپنے دینی فرائض کی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے بڑی تندہی اور بشاشت کے ساتھ معمولات کو بہت اہتمام سے انجام دیتے تھے۔

علاّمہ صاحبؒ کی عظمتیں، تصنیفی کمالات، تحقیق و تنقید اور ادبی نگارشات کی امتیازی شان ہے۔ان کے قلمی و علمی کارناموں کا تعارف تو خصوصی اشاعت میں ارباب فضل و کمال نے مستقل عنوانات کے تحت بڑی تفصیل سے لکھا ہوگا۔طوالت و تکرار سے بچتے ہوئے میں اتنا عرض کروں گا کہ علاّمہ صاحب کی وفات سے ان کے علم کا آفتاب غروب ہوگیا اور علمی کمالات کا اجالا تاریکیوں کی لپیٹ میں ہے،حضرت علاّمہ صاحب کا سانحہ ارتحال علماء،طلبہ،اساتذہ اور جمیع اہل اسلام کا بہت بڑا جانکاہ حادثہ ہے جس کے نتیجے میں صرف دینی مطالعاتی حلقے اور طالبان علومِ نبوت ہی نہیں،ارباب علم و قلم،ارباب درس و تدریس اور ارباب فضل و کمال یتیم ہوگئے ہیں۔دینی مدارس کے طلبہ اور شائقین علم و کتاب کے لیے تو اپنے ائمہ، خطیب اور اساتذہ بھی کافی ہیں لیکن ارباب تحقیق اور علوم و فنون کے ماہرین کی مشکلات کو حل کرنے والا دُنیا سے اُٹھ گیا ہے جنہیں عالمِ اسلام کے جید علماء و محققین اور مصنفین ایک بے نظیر قوی الحفظ اور وسیع العلم مصنف و محقق اور مناظر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں آج ہم علاّمہ خالد محمودؒ کی نظیر لانے سے قاصر ہیں،ان کی علمی و قلمی عظمتوں کے ہمالیہ کو دیکھ کر ہم اپنی پگڑی نہیں سنبھال سکتے۔خدا جانے جن لوگوں نے شیخ الہند امام الکبیر قاسم نانوتوی، حکیم الامت حضرت تھانوی، علاّمہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی وامثالہم کو دیکھا ہوگا ان کا کیا عالم ہوگا؟

میں نے علاّمہ صاحبؒ سے ملاقات و مذاکرات، مصاحبت اور زیارت و ملاقات کے بہت سے مواقع میں ان کو جس طرح پایا،اس کی تعبیر الفاظ میں ممکن نہیں،بس اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ علاّمہ صاحب کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح ہیروں اور جواہرات کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔علاّمہ صاحبؒ مطالعہ و تحقیق، قلم و کتاب، استنباط و استخراج، ادبیت میں وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اپنے عہد کی بے مثال شخصیت تھے۔علوم و فنون اور حدیث کے ماہر، رمز شناس، تفسیر میں بلند پایہ، معقولات اور مناظرہ میں لاجواب، دیانت اور نقلِ روایت میں حقیقت پسندی سے بہرہ ور اور تقویٰ، زہد و خلوص اور للّٰہیت میں بلند مقام پر فائز تھے۔

آخری دم تک قلم و کتاب، علم و عمل اور معرفت کے اس مجاہد راہی نے توحید و ختم نبوت، ناموسِ صحابہ اور قال اللہ و قال الرسول کا مشن زندہ رکھا۔اور ہاں! آپ کی زندگی کا ایک روشن پہلو تردید قادیانیت بھی ہے آپ نے استیصالِ قادیانیت میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔اس موضوع پر آپ کی بعض کتابوں کا تفصیلی تعارف خصوصی اشاعت کے صفحات کی زینت بنا ہوگا۔آپ اپنی تقاریر اور عام مجلس اور مواعظ میں محدثِ جلیل حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا یہ ارشاد بڑے درد و سوز کے ساتھ سُنایا کرتے تھے کہ:

”گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کر سکے“۔

☆......☆......☆......☆

مولانا ظفر احمد قاسم، مدیر و شیخ الحدیث: جامعہ خالد بن ولید، وہاڑی

نکتہ آفرینی اور استدلال کا بادشاہ

حقیقت یہ ہے کہ بعض لوگ اس چیز کے محتاج ہی نہیں ہوتے کہ ان کے متعلق انسان کوئی تاثرات پیش کرے۔ حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ بڑا وقت گزرا ہے۔ جب ہم کبیر والا میں پڑھتے تھے تو اس وقت اتنا سنتے تھے کہ حضرت علامہ خالد محمودؒ خانیوال کی اسٹیشن والی مسجد میں خطیب تھے، ہمارے استاذ مولانا صوفی محمد سرور صاحب تقریباً ہر جمعہ یا جمعرات کے دن اُن کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس دوران اتنا معلوم ہوا تھا کہ حضرت علامہ صاحبؒ بہت بڑے عالم اور مناظر ہیں۔ پھر جب ہمیں تلمبہ جانے کا موقع ملا تو اس وقت شورکوٹ میں مودودی جماعت کا ایک مرکز تھا جو پاکستان کا تیسرا یا چوتھا بڑا مرکز شمار ہوتا تھا، ہمارے تایازاد بھائی مولانا بشیر احمد خاکی صاحب شورکوٹ میں خطیب بنے، جب وہاں جامعہ عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی تو میں بھی شریک ہوا، حضرت علامہ صاحبؒ بھی موجود تھے، اس وقت وہاں تشریف لانے والوں میں جو سب سے بڑا اور نمایاں نام تھا وہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری رحمہ اللہ کا نام تھا، وہ بھی تشریف لائے، اسی طرح سید نیاز احمد گیلانی بھی شریک تھے جن کے ہاتھوں ختم نبوت کے سلسلہ میں گرفتاری کے موقع پر ہتھکڑی ٹوٹی تھی، ہمارے بھائی نے مودودی جماعت کے اثرات زائل کرنے کے لیے بہت جلسے کرائے، جن میں بہت بڑے بڑے جلسے بھی شامل تھے، ان کے ہر جلسہ میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضرور شریک ہوتے تھے، اسی طرح مولانا محمد ضیاء القاسمی بھی شریک ہوتے رہے۔ مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ ہم سے چار سال پیچھے تھے، انھوں نے کبیر والا میں کافی عرصہ پڑھا ہے، لیکن وہ فاضل جامعہ خیر المدارس کے ہیں، ہمارے بھائی پہلے کے تھے۔ بلکہ ہمارے ابا جیؒ جو حضرت لاہوریؒ سے بیعت ہوئے تو سب سے پہلے ہمارے بھائی کو حضرت لاہوری کے پاس بھیجا گیا تو ان کی علامہ صاحب سے وہیں حضرت لاہوری کے مرکز شیرانوالہ گیٹ لاہور میں ملاقات ہوئی، پھر تو ایسا تعلق ہوا کہ حضرت علامہ صاحبؒ تقریباً ہر مہینہ دو مہینہ کے بعد یہاں ضرور تشریف لاتے تھے۔ خاص طور پر جب سن ۱۹۷۰ء کے الیکشن ہوئے تو مودودی جماعت نے شورکوٹ وغیرہ علاقوں میں کافی امیدوار کھڑے کیے، ان کا بڑا مرکز بھی تھا۔ تو اُن کے توڑ کے لیے ہمارے اس بھائی نے خوب محنت کی اور گویا ایک تحریک چلا دی۔

اسی طرح شورکوٹ میں روافض کا بھی بڑا مرکز تھا، چنانچہ جن دنوں لکھنو میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام لینا بھی جرم ہوا تھا، اور اس سلسلہ میں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک مدح صحابہ چلائی، اُس وقت اِن بدبختوں نے سبِّ صحابہ کی تحریک چلائی ہوئی تھی، تب یہاں شورکوٹ سے شیعوں کا پورا گروپ اس سب صحابہ تحریک میں شمولیت کے لیے جایا کرتا تھا، جس میں یہاں کا عارف سیال نامی شیعہ بھی شامل تھا، ان بدنصیبوں کی اس تحریک کے مقابلے میں ہمارے

اکابر نے تحریک چلائی، حضرت مدنی، حضرت امیر احرار وغیرہ سب شامل تھے۔ اُن کی ایک عجیب بات بھی بتا تا چلوں جو سب سے پہلے احرار والوں نے شائع کی ہے کہ: محمد علی جناح کے روکنے کے باوجود شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم مدح صحابہ کی تحریک میں شامل ہوئے، اور ظفر علی خان کی مشہور نظم

صدیق و فاروق و عثمان و علی

کوئی فرق نہیں ان چاروں میں

بھی اسی زمانے میں کہی گئی۔

الغرض شورکوٹ میں شیعوں اور مودودیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ لیکن حضرت علامہ صاحبؒ کی تقاریر نے اُن کے مرکز کو ایسا توڑا کہ اللہ کے فضل وکرم سے وہاں سے مودودی جماعت کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ نام کے چند مودودی وہاں ہوں گے، لیکن ان کا زور اور اثر باقی نہیں رہا۔ ارشاد حقانی نامی صاحب تھے جو پہلے خود مودودی جماعت میں تھے، انھوں نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ: میں خود تو جماعت سے جدا ہو گیا ہوں، لیکن جماعت مجھ سے جدا نہیں ہوئی۔ یعنی ذہن ان کا وہی (صحابہ کرام اور اسلاف اہل سنت سے بداعتمادی والا) تھا۔ اس طرح کچھ نام کے مودودی ہوں گے، لیکن ان کا اثر ورسوخ اور زور ختم ہو گیا۔ حالانکہ جب ہم وہاں گئے تھے اس وقت وہاں کی صورتِ حال یہ تھی کہ جو سنی کہلاتا تھا، وہ مودودی ضرور ہوتا تھا، الا ماشاء اللہ۔ حضرت علامہ صاحب کی تقریروں نے ان کی مرکزیت کیا نام ونشان تک ختم کر دیا۔

اللہ تعالی نے اس شخص کو استدلال کا بادشاہ بنایا تھا، خدا تعالی کے فضل سے جس بھی موضوع پر ان سے بات ہوتی چاہے غیر مقلدیت پر ہو یا مماتیت پر، یزیدیت پر ہو یا اہل بدعت پر معلومات، حوالہ جات، علمی نکات اور حیران کن استدلالات کا گویا دریا رواں ہو جاتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صوفی محمد اقبال صاحب مرحوم مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے تو میں بھی وہاں موجود تھا، تو انھوں نے حضرت علامہ صاحبؒ سے درخواست کی کہ باقی سب تردیدی کام آپ کریں، لیکن بریلویوں کو نہ چھیڑیں، ہمارے حضرت لاہوری قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: بریلویت کوئی مذہب نہیں، بلکہ جہالت کا فتنہ ہے، اور جہالت اندھیرے کا نام ہے، اور اندھیرے سے لڑنا مناسب نہیں، بلکہ اندھیرے کا سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ وہاں دیا جلا دیا جائے۔ اور اِس جہالت کا دیا یہ ہے کہ وہاں مدرسہ بنا دیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اُن کی جہالت کو دُور کر دیں گے۔ اور پھر فرمایا کہ: بریلویت محبت کا فتنہ ہے، اور محبت فی ذاتہ مطلوب ہے، البتہ طریقہ کار صحیح ہونا چاہیے اور حدود وقیود کا خیال رکھنا چاہیے۔ جبکہ غیر مقلدیت کا فتنہ گستاخی کا فتنہ ہے۔ اس لیے بریلویت کو زیادہ نشانہ بنانے کے بجائے غیر مقلدیت کے حوالے سے زیادہ محنت کرنی چاہیے، کیونکہ ان کو توبہ کی توفیق بھی کم ہی نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالی نے ان کو نکتہ آفرینی کا بادشاہ بنایا تھا، کاش کہ ہمارے دیگر اکابر کی طرح اجتماعیت کی زندگی انہوں نے بسر کی

ہوتی، وہ انگلینڈ چلے گئے تو وہاں انہوں نے انفرادی زندگی گزاری، اس سے وہ فائدہ امت کو نہیں پہنچ سکا جو اُن جیسی ہستی اور عبقری شخصیت سے پہنچنا چاہیے تھا۔ مولانا عبیداللہ انور فرماتے تھے کہ: میں نے علامہ صاحب کو یہاں رہنے کی دعوت دی، مرکز پیش کرنے کی پیش کش بھی کی۔ بہر حال وہاں برطانیہ میں مولانا ضیاء القاسمیؒ، مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم وغیرہ کے ساتھ ''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' کے تحت بیرون ممالک میں ردقادیانیت کا کام شروع کیا، ان کی محنتوں سے وہاں بہت کام ہوا، اسی طرح اہل بدعت کے خلاف بھی کام ہوا۔ اللہ پاک ان کی قبر روشن فرمائے۔ آمین

بلاشبہ حضرت علامہ صاحب قدس اللہ سرہ سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے مولانا اقبال رنگونی صاحب ہیں، جنھوں نے اپنا الگ مرکز بنالیا، آج بھی وہ جو کام کررہے ہیں، وہ حضرت علامہ صاحب کا فیض ہے۔

بلاشبہ حضرت علامہ صاحب کی بہت بڑی خدمات ہیں، ختم نبوت کے حوالہ سے اور جو انہوں نے اکابر کے کہنے پر مماتیت کے خلاف ''مقام حیات'' جیسی کتاب لکھی۔ یہ سب انکے صدقہ جاریہ ہیں، اللہ پاک قبول فرمائے، اللہ پاک ان کی آخرت اچھی فرمائیں۔ اور ہمیں اپنے اکابر کا قولاً فعلاً حقیقی جانشین فرمائیں۔

میں مجلّہ صفدر کے تمام احباب کا بے حد شکر گزار ہوں، انہوں نے بار بار ارشاد فرمایا کہ کچھ تحریر کردیں، لیکن میں اپنی (گردن کے مہروں کی) بیماری کی وجہ سے معذور ہوں، استحضار بھی پہلے جیسا نہیں، ہاتھ بھی پوری طرح کام نہیں کرتے کہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا، ۸۰، ۸۲/سال کے بڑھاپے کی عمر میں اِس بیماری کی وجہ سے ڈاکٹروں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ: ''یہ فقط ڈیڑھ ماہ زندہ رہے گا۔'' اللہ پاک خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ میں صوتی پیغام بھیجنے پر اکتفا کر کے گستاخی ہی کر رہا ہوں، لیکن میری یہ معروضات شامل ہوجائیں تو خریداران یوسف میں ہمارا شمار بھی ہوجائے گا۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ کے متعلقین کو اللہ تعالیٰ نے عقائد وافکار کے معاملے میں بڑا احساس بنایا ہے، ہمارے استاذ حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: چند بزرگ میں نے ایسے دیکھے ہیں جو دین کے معاملے میں بہت حساس تھے، کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی برداشت نہیں کرتے تھے: حضرت مدنی کے خلیفہ وجانشین حضرت قاضی صاحب، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہم اللہ، اور یہی حال ہمارے استاذ مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ کا بھی تھا۔ اللہ پاک سب کی قبور کو پہلے سے زیادہ روشن فرمائے اور ان کو آثار قبولیت نصیب فرمائے، یہ حضرت مدنی کا قافلہ، اسی طرح حضرت تھانوی کا قافلہ، ان کے اخلاص میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ پاک سب کو جنت الفردوس میں جو جگہ عطا فرماچکا اس میں اور زیادہ اضافہ فرمائے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں بھی انہیں کے ساتھ جوڑے رکھے اور خاتمہ ایمان کے ساتھ کرے۔ ان بزرگوں کی نسبتوں کے امین مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب دامت برکاتہم کا بھی میں ممنون ہوں اور اپنے عزیز حمزہ احسانی کا بھی۔ اور اپنے ان عزیزوں کو میں مبارک باد دیتا ہوں کہ یہ اپنے اکابر کے نقوش زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

☆☆☆☆

مولانا مفتی شیر محمد علوی (آ)

چند منتشر یادیں

مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب قدس اللہ سرہ کی پہلی زیارت مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ میں ہوئی جہاں میں قرآن پاک حفظ کر رہا تھا اور ابھی ۵، ۶/ پارے حفظ ہوئے تھے۔ علامہ صاحب جلسہ سے بیان کے لیے تشریف لائے تھے، (اتفاق کی بات ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ جب پہلی مرتبہ چنیوٹ گئے تھے، تب بھی اُسی مدرسہ میں بیان فرمایا تھا۔ اور مجھے اُن کی پہلی زیارت بھی اسی مدرسہ میں نصیب ہوئی۔) رات مدرسہ میں ٹھہرے، اُن کا ارادہ تھا کہ صبح سویرے لاہور کے لیے روانہ ہوجائیں، چنانچہ گاڑی کی معلومات لی گئیں تو پتہ چلا کہ فجر سے پہلے گاڑی جاتی ہے، چنانچہ ہم دو ساتھیوں کی ڈیوٹی لگی کہ صبح حضرت کو اڈے تک پہنچا کر آنا ہے، لہٰذا ہم مہمان خانہ میں ہی سو گئے، صبح مقررہ وقت سے ذرا پہلے علامہ صاحب نے ہی ہمیں جگایا اور ہم انھیں اڈے تک پہنچا کر آئے۔ سفر اور جلسے کی تھکاوٹ کے باوجود وقت کی پابندی اور بروقت واپسی کی فکر نیز علی الصبح از خود بیداری یقیناً ایسے اوصاف ہیں جو اَب ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔

۱۹۸۰ء میں میرا حج کا پہلا سفر تھا، ہمارے حضرت قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کے حج پر جانے کا علم ہوا تو میں بھی کوشش کر کے ہمراہ ہو گیا، وہاں حج کے بعد ایک دن اچانک حضرت علامہ صاحب سے ملاقات ہو گئی، علامہ صاحب اُس وقت برطانیہ سے تشریف لائے تھے، دوران گفتگو فرمایا کہ: تین حضرات سے ملاقات کی تمنا تھی، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا خواجہ خان محمد۔ حضرت امام اہل سنت کے بارے میں تو معلوم ہوا ہے کہ وہ اِس سال حج پر تشریف نہیں لائے، جبکہ باقی دونوں بزرگوں کی آمد کا علم ہوا ہے، اب ان سے ملاقات کی کوئی ترتیب بنا دو۔ میں نے عرض کیا کہ: حضرت قاضی صاحب سے ملاقات تو اِن شاء اللہ ہو جائے گی، کیوں کہ ان کے ٹھکانے کا نہ صرف یہ کہ مجھے علم ہے، بلکہ میں خود بھی ان کے پاس رہتا ہوں۔ لیکن حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کی قیام گاہ اور اُن کے معمولات وغیرہ کا مجھے علم نہیں۔

چنانچہ حضرت قاضی صاحبؒ سے علامہ صاحب کی ملاقات ہوئی، حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ: ہمارا تو اَب مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ ہے، علامہ صاحبؒ نے فرمایا: میں بھی ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ ہم چار افراد کوسٹر کے ذریعہ مدینہ شریف کے لیے روانہ ہوئے، حضرت قاضی صاحبؒ، حضرت علامہ صاحب، مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ کے چچا حاجی اشفاق الدین صاحب مرحوم اور بندہ۔ اُس وقت ائیر کنڈیشن بسوں کا تصور بھی نہیں تھا، کوسٹر ہی جاتی تھی، گرمی بھی بہت شدید تھی، گاڑی میں علامہ صاحبؒ اور میں ایک ساتھ بیٹھے، میرے پاس ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''مناسک'' تھی، میں اس کا مطالعہ کرنے لگ گیا، علامہ

(آ) بانی ومدیر: مدرسہ خدام اہل سنت تعلیم القرآن، لاہور...... رئیس: دار الافتاء جمیلی، لاہور...... سابق مفتی: جامعہ اشرفیہ، لاہور

صاحب نے فرمایا: کوئی نئی بات ہوتو مجھے بتانا۔ چنانچہ عقیدہ حیات النبی کے حوالے سے ایک نئی بات سامنے آئی تو میں نے علامہ صاحب کو دکھائی کہ آپ کے لیے تو نئی نہیں ہوگی، میرے لیے یہ نئی بات ہے، پہلی مرتبہ اس حوالے سے معلوم ہوئی ہے، چنانچہ علامہ صاحب نے دیکھی تو فرمایا کہ: میرے لیے بھی یہ نئی بات ہی ہے۔

وہ مقام دیکھنے کے بعد علامہ صاحب سو گئے اور میں مطالعہ میں مگن ہو گیا، کچھ دیر بعد بھوک نے ستایا، ہمارے پاس سیب تھے، لیکن کاٹنے کے لیے کوئی چاقو وغیرہ نہیں تھا، علامہ صاحبؒ نے ایک سیب لیا، اسے کپڑے سے اچھی طرح صاف کیا اور دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمانا شروع کر دیا۔ میں نے اُس سے پہلے کبھی اِس طرح سیب نہیں کھایا تھا، مجھے حیرت بھی ہوئی، لیکن میں نے سوچا کہ جب اتنا بڑا آدمی اِس طرح کھا رہا ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ ایسے کھانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، چنانچہ میں نے بھی دانتوں سے ہی کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔ اور اس کے بعد آج تک اِسی طرح کھاتا ہوں، کاٹنے کا اہتمام نہیں کرتا، کوئی اپنی مرضی سے کاٹ دے تو ٹھیک، ورنہ ایسے ہی کھا لیتا ہوں۔

جب نماز کا وقت ہوا تو گاڑی ایک جگہ رکی، وہاں پانی کی قلت تھی، ایک صاحب فی لوٹا پانی ایک ریال کے عوض بیچ رہے تھے، ہم نے ایک ایک لوٹا پانی خریدا اور وضو کر کے نماز پڑھی۔ لیکن حضرت علامہ صاحب نے وضو نہیں کیا، میں نے اُن سے عرض کیا کہ: آپ نے وضو کیوں نہیں کیا؟ فرمایا میں باوضو ہوں، میں نے عرض کیا کہ آپ تو راستے میں سو گئے تھے، خراٹوں کی آواز بھی آ رہی تھی، تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے میں سو گیا تھا، خراٹے بھی لے رہا تھا، لیکن یہ بتاؤ کہ میری کمر ٹیک کے ساتھ لگی دیکھی آپ نے؟ میں نے کہا: نہیں! فرمایا میں بغیر سہارے کے سویا رہا، اِس لیے میرا وضو باقی ہے، چنانچہ انہوں نے اُسی وضو سے نماز پڑھی۔

وضو کے لیے تو ہم نے فی ریال ایک لوٹا پانی خرید لیا تھا، لیکن وہ پانی پینے کے لیے موزوں نہیں تھا، اور گرمی بڑی شدید تھی، چنانچہ نماز کے بعد ہوٹل کی طرف گئے تو وہاں الحمد للہ پینے کا پانی بلا معاوضہ دستیاب ہو گیا۔

ایک مرتبہ لاہور میں علامہ صاحب کے علاقہ سنت نگر میں غیر مقلدین سے مناظرہ تھا، حضرت علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ: آپ مناظرہ کریں، تیاری میں کرا دیتا ہوں، لیکن میں نے عرض کیا کہ: میں نے کبھی مناظرہ نہیں کیا، اِس لیے میری طرف سے معذرت قبول فرمائیں، پھر علامہ صاحب نے اپنے علاقے کی مسجد کے قاری صاحب کو تیار کیا، اور انھیں اچھی طرح تیاری کرائی، مناظرہ کا موضوع رفع یدین تھا، علامہ صاحب نے اُن سے فرمایا کہ: آیت قرآنی: **الذین هم فی صلوتهم خاشعون** کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد پیش کرنا کہ نماز کے خشوع میں ترک رفع یدین بھی شامل ہے۔ پھر اگر مخالف نہ مانے تو اس سے سوال کرنا کہ: آپ کہیں شیعہ تو نہیں؟ کیونکہ صحابی کی بات کو عموماً وہی رد کیا کرتے ہیں۔ الغرض علامہ صاحبؒ نے قاری صاحب کو مکمل تیاری کرا دی، پھر مناظرہ ہوا اور قاری صاحب نے حسب ہدایت حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد سے استدلال کیا، اور مخالف نے حسب توقع اسے قبول نہیں کیا، تو قاری صاحب نے علامہ صاحب کا سکھلایا ہوا سوال دوہرا دیا کہ: آپ کہیں

شیعہ تو نہیں؟ تو اِس پر وہ بوکھلا گیا۔ اور کوئی جواب اُس سے نہ بن پڑا۔ قاری صاحب کامیاب ہوئے۔ بعد میں حضرت علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ: یہی کام آپ سے لینا چاہتا تھا جو قاری صاحب نے کر دیا۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرت قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے سالانہ سنی کانفرنس بھیں (ضلع چکوال) کے موقع پر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو لاہور سے وہاں لے جانے کی ذمہ داری مجھے سونپی، (حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے حکم اور تشکیل پر تین چار مرتبہ مجھے حضرت علامہ صاحب کے ساتھ لاہور سے بھیں جلسہ پر جانے کا اتفاق ہوا۔) مَیں نے اپنے تعلق دار کرنل سلیم لالی صاحب سے بات کی کہ وہ اپنی گاڑی پر ہمیں لے جائیں، وہ تیار ہوگئے، اُس وقت حضرت علامہ صاحب کا کرنل سلیم صاحب سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ اُن کی پہلی ملاقات تھی۔ روانگی سے قبل علامہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ یہ ساتھی قابل اعتماد ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی! پھر اس کے بعد علامہ صاحب کا کرنل صاحب سے ایسا تعلق ہوا کہ بارہا علامہ صاحب کی رہائش بھی انہیں کے ہاں ہوتی تھی۔ اور علامہ صاحب سے میری آخری ملاقات بھی کرنل صاحب کے ہاں ہی ہوئی، جب جامعہ اشرفیہ لاہور کی مسجد کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا، ان دنوں حضرت علامہ صاحب پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے، چکوال سے ہمارے مرشد زادہ حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر دام ظلہ لاہور تشریف لائے، اور علامہ صاحب سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ علامہ صاحب کرنل سلیم صاحب کے ہاں قیام پذیر ہیں، مولانا عبد الجبار سلفی بھی ہمراہ تھے، انھوں نے راستہ بتایا اور ہم کرنل صاحب کے گھر پہنچے، وہاں حضرت علامہ صاحب سے میری آخری ملاقات ہوئی۔ اُس کے بعد پھر ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔

دو مرتبہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں مدرسہ خدام اہل سنت وحدت روڈ لاہور میں بھی تشریف لائے، ایک مرتبہ کسی ساتھی سے کہا کہ: ابھی تک ہم نے مفتی شیر محمد صاحب کا مدرسہ نہیں دیکھا، آپ کو اگر معلوم ہے تو چلیں، چنانچہ اُن کے ساتھ تشریف لائے، تھوڑی دیر رکے اور پھر چلے گئے۔ اِسی طرح ایک مرتبہ کسی سفر سے واپسی پر بندہ کے ہمراہ ہی یہاں تشریف لائے اور کچھ دیر رکنے کے بعد تشریف لے گئے۔

مرشد العلماء حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں علماء کا جو وفد افغانستان گیا تھا، اس میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، اِس عاجز کو بھی اُس سفر میں ان بزرگوں کی معیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اُس وقت صبغۃ اللہ مجددی افغانستان کے صدر تھے۔ وہاں علامہ صاحب کا بیان ہوا اور ایک عرب شیخ جو اچھے خطیب بھی تھے، ہمارے ساتھ تھے، جن کا بکثرت پاکستان آنا جانا رہتا تھا، اُن کا بیان بھی ہوا۔ علامہ صاحب اپنے اُسی جبہ وغیرہ میں ملبوس تھے۔ وہاں افغانستان میں ہماری رہائش بھی ایک کمرہ میں تھی۔ اس سفر میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک مقام پر گاڑی رکی تو مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب نجانے کیوں حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ کی سیٹ پر براجمان ہوگئے، جب مولانا عبد المجید صاحبؒ گاڑی کی طرف آتے دکھائی دیئے تو اُن کے تلامذہ جو ہمارے ہم سفر تھے، انھوں نے قاضی عصمت

اللہ صاحب سے کہا کہ: آپ اپنی جگہ پر بیٹھیں، استاذ جی کی سیٹ خالی کر دیں۔ لیکن قاضی صاحب شاید کسی موڈ میں تھے، چنانچہ انھوں نے انکار کر دیا، مولانا عبدالمجید کے شاگردوں نے قاضی صاحب کو دھمکی دی کہ استاذ جی کے آنے سے پہلے اگر آپ یہاں سے نہ اٹھے تو آپ کو گاڑی سے اتار دیں گے (اُن کے الفاظ ذرا سخت تھے۔) تو قاضی صاحب نے دائیں بائیں دیکھا، بھری گاڑی میں کوئی بھی اُن کی طرف داری کے لیے تیار نہیں تھا، چنانچہ وہ اٹھ کر خاموشی سے اپنی جگہ چلے گئے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی باکمال صلاحیت سے نوازا تھا کہ جب، جہاں کہیں اُنھیں کسی بھی عنوان پر دعوت خطاب دی گئی، وہ موضوع کے مطابق برمحل اور انتہائی علمی و مدلل گفتگو فرماتے تھے، کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ انھوں نے مقررہ عنوان پر تیاری نہ ہونے یا پہلے اطلاع نہ دینے کا شکوہ کیا ہو۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں لاہور کے علاقہ اچھرہ اور اس کے متصل علاقوں کے انتخابی حلقہ نمبر ۴ / سے جماعت اسلامی کے میاں طفیل امیدوار تھے، جنھیں مودودی صاحب کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس وقت اچھرہ کا علاقہ جماعت [غیر] اسلامی کا گڑھ اور مرکز سمجھا جاتا تھا، منصورہ کو بعد میں مرکز بنایا گیا، خود مودودی صاحب بھی حیات تھے اور انتخابی مہم میں پیش پیش تھے، میاں طفیل صاحب کا اچھا خاصا حلقہ تھا، اور حلقہ نمبر ۴ / اُس وقت کے حلقوں میں لاہور کا سب سے بڑا حلقہ تھا۔ چنانچہ جماعت [غیر] اسلامی کے اول تا آخر تمام متعلقین میاں محمد طفیل کی انتخابی مہم میں پورے زور وشور سے شریک تھے، اسی حلقہ میں شامل علاقہ رحمان پورہ کے مرکزی چوک میں مودودی صاحب کی صدارت میں آخری انتخابی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ میاں طفیل کو ناکام کرنے کے لیے حضرت علامہ صاحب نے بھی اپنے کاغذات جمع کرائے اور ہم نے انتخابی مہم شروع کر دی، حضرت علامہ صاحب نے بچوں کو یہ جملہ سکھا دیا: ''میاں! تو فیل''۔ بچے گلی کوچوں اور محلوں بازاروں میں یہ نعرے لگاتے پھرتے: ''میاں! تو فیل، میاں! تو فیل۔'' علامہ صاحب نے بیان میں فرمایا: دیکھو! اِس کے بارے میں تو ہمارے حلقے کے بچے بھی کہتے ہیں: ''میاں! تو فیل''۔ اور علامہ صاحب برملا فرماتے تھے: ہمارا مقصد میاں طفیل کو فیل اور ناکام کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میاں طفیل جو بڑے بلند وبانگ دعوے کرتے تھے، دھڑام سے نیچے آگرے، اور خود اقرار کیا کہ مجھے علامہ خالد محمود نے ہرایا ہے۔ (دیکھیے: ۱/۷۔۳۱۔۲/۱۸۹)

اس انتخابی مہم میں اچھرہ کے مشہور چوک ''ریڑھیوں والا چوک'' میں علامہ صاحب کا انتخابی جلسہ ہوا، جس میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ بھی تشریف لائے۔ اسی طرح نجف کالونی اور وحدت کالونی کے درمیان میں خالی پلاٹ تھے، وہاں بھی ایک جلسہ ہوا تھا۔

پیپلز پارٹی کی طرف سے لاہور کے ایک شیخ رشید صاحب امیدوار تھے، جنھیں بھٹو نے منتخب کیا تھا۔ اُس الیکشن میں خود ذوالفقار علی بھٹو مفتی محمود صاحبؒ کے مقابل مفتی صاحبؒ کے آبائی علاقہ سے امیدوار تھے، ضیغم اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ علی الاعلان عوامی جلسوں میں بھٹو کو چیلنج کرتے تھے کہ اگر تم مفتی صاحب کے مقابلے میں جیت گئے تو میں سیاست سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کا تذکرہ آیا تو اُن کی اور پیشین گوئی بھی ذکر کرتا چلوں، ایک تو مفتی محمود صاحب

کے مقابلے میں بھٹو کے ناکام ہونے والی، جو بعینہ پوری ہوئی اور بھٹو کو بہت بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری مودودی صاحب کے حوالے سے، حضرت ہزاروی صاحبؒ فرماتے تھے: مودودی! تم خوش نہ ہونا کہ یہ (غلام غوث ہزاروی) بوڑھا ہے، جلدی مر جائے گا، ہماری جان چھوٹ جائے گی، میں ان شاء اللہ تمھیں موت کے گھاٹ اتار کے پھر مروں گا، میری موت تیرے بعد ہوگی، پہلے نہیں۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: مودودی! تم امریکہ میں مروگے۔ چنانچہ مودودی صاحب کی وفات امریکہ میں ہی ہوئی۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب نکتہ رس ذہن عطا فرمایا تھا، انتخابی مہم کے دوران مختلف جماعتوں کے انتخابی نشانات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ایک جماعت کا انتخابی نشان ''چابی'' ہے، تالے کے بغیر خالی چابی تو چوروں کے پاس ہوتی ہے۔ ایک جماعت کا نشان ''لالٹین'' ہے، اور لالٹین کی روشنی ہوا کے زور سے بجھ جایا کرتی ہے۔ جماعت [غیر] اسلامی کا نشان ''ترازو'' ہے، اور ترازو ہوا کے زور سے لڑکھڑا جاتا ہے، توازن برابر نہیں رکھ سکتا۔ جبکہ ہمارا انتخابی نشان کھجور ہے، جس کی خوبی اور تعریف قرآن وسنت میں موجود ہے، اسے مومن سے تشبیہ دی گئی ہے، اس کے ہر جز کو نافع ومفید بتلایا گیا ہے، پھر علامہ صاحب دیر تک کھجور کے فوائد پر مختلف جہات سے استدلال کرتے رہے۔

انتخابی مہم میں حضرت علامہ صاحب کے ساتھ ہم بھی شریک رہے، مولانا حافظ شاہ محمد مدظلہ، مولانا حافظ محمد طیب رحمہ اللہ وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ ہمارے ان ساتھیوں میں سے اب صرف مولانا حافظ شاہ محمد صاحب باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ پاک انھیں صحت و عافیت اور سلامتی نصیب فرمائیں، آمین۔ ایک پولنگ اسٹیشن میں پولنگ ایجنٹ کے طور میری بھی تقرری ہوئی۔ جب نتیجہ آیا تو پیپلز پارٹی کے شیخ رشید کی کامیابی کا اعلان ہوا۔ ہم چند ساتھی (حافظ شاہ محمد صاحب، حافظ طیب صاحبؒ اور حافظ محمد حیات صاحبؒ) اکٹھے ہو کر علامہ صاحب کے پاس گئے، سیکرٹریٹ تک ویگن پر جاتے تھے، آگے سنت نگر تک پیدل۔ ہم وہاں پہنچے اور عرض کیا کہ: ہم ''تعزیت'' کے لیے آئے ہیں۔ تو فرمایا: تعزیت تو نقصان پر ہوتی ہے، ہمارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا، ہم اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہے، ہمارا مقصد میاں طفیل کو ناکام کرنا تھا، وہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، ان کے علوم وفیوض کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کو ہر محاذ پر کامیابی سے نوازیں۔ آمین

مولانا مفتی محمد (آ)

ایک عہد ساز شخصیت

بعض شخصیات عہد ساز ہوتی ہیں۔ اپنے اُجلے کردار، ہمہ جہت کاموں اور متنوع خدمات کی وجہ سے تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار بھی ایسی ہی شخصیات میں ہوتا ہے۔

آپ کی ساری زندگی درس وتدریس، وعظ وخطابت، اور تصنیف وتالیف کے ذریعے حق کے پرچار اور باطل کی سرکوبی میں گزری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحقیقی ذوق عطا فرمایا تھا، جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کیا، تحفظ ختم نبوت اور مطالعہ قادیانیت کے موضوع پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں، اس کے علاوہ بیسیوں موضوعات پر دقیق تصانیف بھی علامہ صاحب کے شاہکار قلم سے منصۂ شہود پر آئیں اور خلقِ کثیر کے عقائد کے تحفظ اور فکری الجھنوں کا شافی علاج ثابت ہوئیں۔

ہماری معلومات کے مطابق حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے دورہ حدیث کسی ایک ادارے میں سال کے شروع سے آخر تک باقاعدہ پڑھ کر رسمی طور پر مکمل نہیں کیا، مختلف اوقات میں مختلف علماء سے استفادہ فرماتے رہے، مگر جن علماء سے استفادہ کیا وہ اپنے زمانے میں علوم دینیہ کے بحرِ بے کنار اور آفتاب و ماہتاب تھے اور چونکہ علامہ صاحب ذہانت وفطانت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، اس لئے ہمہ قسم علوم میں مہارت اس قدر تھی کہ بہت سے رسمی طور پر باقاعدہ دورہ کرنے والے ان کے پاسنگ میں بھی نہیں آتے۔

ایک امتیازی خصوصیت حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو حاصل تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے جہاں اپنے جاندار قلم سے ہر باطل کا رد کیا، وہیں باطل فرقوں کے خلاف کام کرنے والی جماعتوں مثلاً تنظیم اہل سنت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، انٹرنیشنل ختم نبوت، سپاہ صحابہ، اہل السنۃ والجماعۃ اور دیگر نظریاتی وفکری جماعتوں کی بھرپور سرپرستی فرماتے رہے، انہوں نے کسی خاص جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہیں کیا، بلکہ اہل حق کی سب جماعتوں کے سروں پر نہ صرف دستِ شفقت رکھ کر حوصلہ افزائی فرماتے رہے بلکہ عملی طور پر جہاں جہاں اور جب جب ضرورت پڑی، اپنی پوری علمی قوت اور روحانی طاقت کے ساتھ ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایسی ہمہ جہت شخصیات جو بغیر کسی تعصب اور گروہ بندی کے سب کو اپنا سمجھیں اور ان کی جزوی کوتاہیوں سے درگزر کرتے ہوئے ان کے مقدس مشن اور اعلیٰ مقصد کے پیش نظر نہ صرف اپنے دروازے کھلے رکھیں، بلکہ خود ان کے ہاں جا کر اور ہر فورم پر اہل حق کی بھرپور اور زوردار ترجمانی کریں، خال خال ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزاج کی ایسی وسعت اور مشکل سے مشکل محاذ پر اپنے آپ کو پیش کرنے کی ایسی ہمت سب اہل حق کو عطاء فرمائیں۔

(آ) شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء: جامعۃ الرشید کراچی، ایڈیٹر روزنامہ اسلام

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا ایک اہم کارنامہ عصری تعلیم یافتہ طبقے کے لئے دینی تعلیم کا ایک جاندار نصاب مرتب کرنا بھی ہے جو آٹھ کتب پر مشتمل ہے۔ا: آثار التنزیل ۲ جلدیں، آثار الحدیث ۲ جلدیں، آثار التشریع ۳ جلدیں، آثار الاحسان ۲ جلدیں۔

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ ہر وقت ہر شخص آپ سے استفادہ کرسکتا تھا۔ ایسی ہمہ جہت شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ واقعتاً ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے۔

آج سے تقریباً دس سال پہلے جامعۃ الرشید تشریف لائے اور اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کیا۔ جامعۃ الرشید میں قیام کے دوران ہمیں خوب خوب استفادے کا موقع ملا۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسی متبحر شخصیات کم کم ہی دیکھی ہیں۔ ہر موضوع پر مدلل، پُرمغز، سیر حاصل اور تسلی بخش گفتگو فرماتے تھے۔ علمی سوالات سے بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ ہم نے جامعۃ الرشید کا تفصیلی تعارف اور وزٹ کروایا۔ چونکہ خود دینی اور عصری علوم کے شناور تھے اور وقت کے تقاضوں سے واقف تھے، اس لئے جامعۃ الرشید کے مختلف اور متنوع تعلیمی شعبوں کو دیکھ کر خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اور کہا کہ یہ تمام کام اور شعبے وقت کا تقاضا ہے۔

اسی سفر میں حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے لاہور میں اپنا ادارہ اور مسجد جامعۃ الرشید کو دینے کی پیشکش کی۔ (۱) جامعہ الرشید کے مدیر حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے اس بنا پر معذرت کرلی کہ پہلے ہی کام زیادہ پھیل گیا ہے، نئی جگہ لے کر معیاری کام کرنا مشکل ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کی قبر کو نور سے بھر دیں۔

دنیا سے چلے جانے والے کے لیے بہترین توشہ یہ ہے کہ انہیں ایصال ثواب کیا جائے، ان کی خوبیوں، محاسن اور نیک کاموں کو اجاگر کیا جائے۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی مجلّہ صفدر لاہور ''علامہ خالد محمود نمبر'' شائع کر رہا ہے۔ یہ چند سطور اسی کے لئے لکھی گئی ہیں، اصل اور اہم مضامین تو اہل علم اور حضرت سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے حضرات لکھیں گے اور مجھ جیسے بے مایہ ان شاء اللہ ان سے استفادہ کریں گے۔ ☆☆☆☆

(۱) یقیناً حضرت علامہ صاحب کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ جامعۃ الرشید کے سالانہ جلسہ میں روافض کو بھی مہمانِ خصوصی بنایا جاتا ہے۔[ادارہ]

حضرت مولانا مفتی خالد محمود (۱)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ قافلۂ حق کے فرد فرید اور سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے، جنہوں نے اپنی زندگی علم کی اشاعت، اپنے اکابر کے دفاع، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دفاع اور عظمت صحابہ بلند کرنے اور باطل کا مقابلہ کرنے اور فتنوں کے تعاقب میں صَرف کردی۔

حضرت علامہ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیت و جامعیت سے نوازا تھا، اسی لیے وہ مرجع خلائق تھے اور تمام طبقے ان کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت علامہ کی شخصیت طالبانِ علم کے لیے مینارہ نور تھی، آپ کی مقناطیسی شخصیت نے ایک عالم کو اپنی طرف کھینچا، بے شمار لوگوں نے آپ کے فیضانِ صحبت سے جلا پائی، آپ کے وجود سے چمنِ اسلام سرسبز وشاداب رہا۔ آپ نے ہر دور میں باطل تحریفات کا پردہ چاک کر کے اسلامی تعلیمات کو منقّح اور مصفّٰی کر کے پیش کیا۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ سراپا علم تھے، عمل کا نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع علم اور رسوخ فی العلم عطا فرمایا تھا، آپ کی وسعت علم اور کثرت معلومات کی ایک دنیا معترف تھی، آپ نے یہ علم اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہمہ وقت اس کی اشاعت وتبلیغ میں مصروف رہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی جامع شخصیت کو ایک حسین گلدستہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس میں ایمان ویقین، اللہ کی معرفت ومحبت اور خشیت واطاعت کے پھول بھی تھے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت وعظمت صحابہ کے پھول بھی، تقویٰ واخلاص کے ساتھ حسن عبادت، حسن عمل اور حسن معاشرت کے پھول بھی تھے اور پاکیزہ ذوق کے تحت حسن نظافت، حسن نفاست اور حسن لطافت کے پھول بھی، اظہار حق اور صداقت واستقامت وحق گوئی کے پھول بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کی عفت وپاک بازی اور نجابت وشرافت کے پھول بھی۔ اعلیٰ وقار، سنجیدگی ومتانت کے پھول بھی تھے تو مسرت بخش ظرافت اور خوش طبعی کے پھول بھی۔ اولوالعزمی، عالی ہمتی، جفاکشی کے پھول بھی تھے اور استغناء وقناعت وسیر چشمی کے پھول بھی۔ دوستوں سے دلنوازی، محسنوں سے احسان مندی کے پھول بھی تھے تو چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کی توقیر وتعظیم کے پھول بھی، لیکن جس طرح خوب صورت گلدستہ میں ہر پھول کی اپنی جگہ ہوتی ہے مگر پورے گلدستہ میں ایک مرکزی پھول ہوتا ہے جو دیگر تمام پھولوں پر ایک گونہ فوقیت رکھتا ہے اور اسی مرکزی پھول کی وجہ سے پورا گلدستہ ایک خوش نما منظر پیش کررہا ہوتا ہے، حضرت علامہ رحمہ اللہ کی شخصیت کے گلدستہ میں ہر پھول کی اپنی خوشبو، اپنی رنگت اور اپنا مقام تھا مگر ان تمام پھولوں میں سب سے نمایاں اور مرکزی پھول وسیع اور

---

(۱) مدیر: اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ

رسوخ علم کے ساتھ اس علم کی اشاعت اور تعلیم وتدریس کا پھول تھا جو پورے گلدستہ میں اپنی بہار دکھار ہا تھا اور اس پھول کی خوشبو آپ کے ایک ایک انگ، آپ کی ایک ایک ادا اور ہر قول وفعل سے مہکتی تھی۔ حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود علم کا گرانمایہ خزینہ اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا تھے اور بلاشبہ لفظ علامہ کے صحیح اور کامل معنوں میں مصداق تھے، اسی لیے لفظ علامہ آپ کے نام کا جزو بن گیا تھا۔

علم کی گہرائی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت وفطانت سے بھی خوب نوازا تھا، آپ کا حافظہ قابلِ رشک تھا، نکتہ رسی، حاضر جوابی آپ پر ختم تھی، بات سے بات نکالنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کی خدمات کی مختلف جہات ہیں اور ہر جہت اور ہر میدان میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں، لیکن آپ کی خدمات کا سب سے نمایاں پہلو فتنوں کا تعاقب اور باطل نظریات کی تردید ہے۔ اس میدان میں موجودہ دور میں آپ نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس موجود دور میں اس وصف میں آپ کا ہمسر کوئی نہیں۔ وہ اس میدان میں بہت بلندی پر نظر آتے ہیں، خصوصاً دفاع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ میں ان کے کارنامے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے دفاع میں بھی دوسروں سے آگے ہراول دستہ میں نظر آتے ہیں۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود قدس سرہٗ کا نام تو سنا تھا لیکن سب سے پہلی زیارت اس وقت ہوئی جب میں جامعۃ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا۔ یہ ۸۱-۱۹۸۰ء کی بات ہے حضرت کراچی تشریف لائے ہوئے تھے تو جامعہ کے رئیس کی فرمائش پر علامہ صاحب نے دار الحدیث میں دورۂ حدیث اور تخصص کے طلبہ کو ڈیڑھ دو گھنٹے لیکچر دیا تھا۔ عشاء یا مغرب کے بعد کا وقت تھا جس میں حضرت علامہ نے حفاظت قرآن اور حفاظت حدیث پر گفتگو کی تھی۔ اس گفتگو کی کوئی خاص بات یاد نہیں، البتہ اتنا ضرور یاد ہے جب حضرت علامہ نے یہ وضاحت کی قرآن کریم محفوظ ہے تو اس پر ایک تخصص کے طالب علم نے سوال کیا کہ شیعہ حضرات تو کہتے ہیں قرآن محفوظ نہیں تو اس پر علامہ صاحب اور اس طالب علم کے درمیان کئی سوال وجواب ہوئے تھے۔

اس کے بعد جب عالمی مجلس تحفظ نبوت کے زیر اہتمام برمنگھم انگلینڈ میں منعقد ہونے والی ختم نبوت کانفرنس میں انگلینڈ جانا ہوا (۱۹۹۹ء سے مسلسل کئی سال جانا ہوا) تو وہاں ختم نبوت کانفرنس، جمعیت علماء برطانیہ کی توحید وسنت کانفرنس اور وہاں متعدد پروگراموں میں حضرت علامہ کی زیارت بھی نصیب ہوئی، مصافحہ کی سعادت بھی ملی اور آپ کے بیانات کے ذریعہ آپ کے خیالات سننے کا موقع بھی ملا۔ ایک مرتبہ آپ کی اکیڈمی کی طرف سے کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا جس کی صدارت، خواجۂ خواجگان شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمد فرما رہے تھے، اس میں بھی شرکت کا موقع ملا، مگر انفرادی ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔

آج سے تقریباً تین یا چار سال پہلے استاذ مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہٗ العالی، رئیس جامعہ علوم اسلامیہ و امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، صدر وفاق المدارس العربیہ کی معیت میں انگلینڈ جانا ہوا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کو معلوم ہوا کہ حضرت علامہ کی طبیعت ناساز ہے تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے علامہ صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تاکہ ان کی عیادت کی

جا سکے۔اس وقت ہم مولانا عبید الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے پیر محمد انور کے مہمان تھے تو بھائی انور نے حضرت علامہ کے خادم مفتی فیض الرحمٰن سے رابطہ کیا۔ بھائی انور کو واسطہ بنانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت علامہ اور مولانا عبید الرحمٰن رحمہما اللہ کے درمیان الفت ومودت کا رشتہ خوب تھا کیوں کہ حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب ۱۹۶۵ء میں انگلینڈ گئے ہیں اور حضرت علامہ ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ پہنچے۔اس وقت علماء تو برطانیہ میں تھے،لیکن نامور اور قابل ذکر علماء کی انگلینڈ آمد بعد میں ہوئی،مولانا مفتی مقبول بھی غالباً آپ کے بعد پہنچے۔انگلینڈ میں مولانا یوسف متالا صاحب کی آمد بھی ۱۹۶۸ء میں ہے،تو علماء بہت کم تھے اور آج جو دینی فضا،مساجد ومدارس کی انگلینڈ میں کثرت ہے یہ اس وقت نہیں پائی جاتی تھی۔اس وقت انگلینڈ میں دینی کام کرنا،دینی فضا نہ ہونے کی وجہ سے مشکل بھی تھا۔اس وقت حضرت علامہ اور مولانا عبید الرحمٰن باہمی مشاورت اور تعاون سے کام کرتے تھے۔اس کے لیے کبھی علامہ صاحب مولانا عبید الرحمٰن کے یہاں تشریف لے جاتے،کبھی مولانا عبدالرحمٰن صاحب حضرت علامہ صاحب کے پاس آجاتے۔یوں اس خانوادے سے حضرت علامہ کی محبت بھی تھی اور تعلقات بھی،گذشتہ سال بھائی انور کے بیٹے معاویہ کا نکاح ان کے آبائی گاؤں بہبودی ضلع اٹک میں تھا،بھائی انور نے حضرت علامہ سے درخواست کرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ معاویہ کا نکاح آپ پڑھائیں تو حضرت علامہ صاحب نے اسی تعلق کی بناء پر یہ درخواست قبول فرمائی اور اپنے ضعف اوراعذار کے باوجود بہبودی تشریف لے گئے،ایک رات وہاں قیام بھی فرمایا اور نکاح بھی پڑھایا۔

غرض یہ کہ اس تعلق کی بنیاد پر حضرت علامہ نے اسی دن وقت دیا،عصر کی نماز میں حضرت علامہ کی مسجد میں پہنچے،جماعت میں دوچار منٹ باقی تھے اور حضرت علامہ محراب کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔لیکن جب جماعت شروع ہوئی تو حضرت علامہ صاحب نے اپنی بیماری اور ضعف کے باوجود فرض نماز کھڑے ہوکر ادا کی ۔ یہ آپ کی بلند ہمتی اور عزیمت پر عمل کرنے کی واضح مثال ہے۔عصر کی نماز کے بعد حضرت علامہ کی فرمائش پر ڈاکٹر صاحب نے بیس پچیس منٹ بیان کیا،بیان کے بعد حضرت علامہ سے ملاقات ہوئی،اور حضرت علامہ ڈاکٹر صاحب کو اپنی اکیڈمی لے آئے جو مسجد کے ساتھ ہی ہے۔وہاں کافی دیر تک علامہ سے ملاقات رہی،اس ملاقات میں قاری فیض اللہ چترالی،قاری محمد ایوب، بھائی انور، برخوردار معاویہ،مولانا علی بھائی کا بیٹا جو خود بھی عالم ہے اور دار العلوم بلیک برن میں مدرس ہے ساتھ تھے۔

جب علامہ صاحب گفتگو فرمارہے تھے تو ایک دوساتھیوں نے اپنے موبائل نکال کر سامنے رکھ دیئے تاکہ یہ مجلسی گفتگو ریکارڈ ہوجائے۔اس پر حضرت علامہ نے ڈانٹا کہ یہ کیا ہے؟ مجالس امانت ہوتی ہیں،بغیر اجازت کے اس طرح گفتگو ریکارڈ کرنا یہ امانت کے خلاف ہے۔اور یہ خاص مجلس ہے،اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہوجاتی ہیں جو عام لوگوں کے سامنے کہنے کی نہیں ہوتیں۔اس طرح آپ نے تنبیہ بھی کی اور بات بھی سمجھادی۔آج کل اس میں بہت افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔بہت مرتبہ دیکھا کہ اس طرح نجی مجالس کی گفتگو ریکارڈ کرلی جاتی ہے اور بغیر اجازت بلکہ بلا سوچے سمجھے اسے سوشل میڈیا پر ڈال دیا جاتا ہے۔بعض مرتبہ اس سے کئی مسائل پیدا ہوئے۔لوگ احتیاط نہیں کرتے۔حضرت علامہ کی طرف سے چائے کے لوازمات سے چائے پیش کی گئی کیوں

کہ کھانے سے ہم نے منع کر دیا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے حضرت علامہ کو کانفرنس کی دعوت دی کہ آپ کی طبیعت اگر اجازت دے تو آپ کانفرنس میں تشریف لائیے تو علامہ صاحب نے بڑے عزم سے فرمایا کہ میں ان شاء اللہ ضرور شرکت کروں گا۔

حضرت علامہ نے فرمایا کہ آج کل میرے ذہن پر یہ بوجھ ہے کہ ایک بریلوی عالم کی یہ کتاب سامنے آئی ہے، میری پشت پر کتابوں کی الماری تھی جس میں یہ کتاب رکھی ہوئی تھی اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ میں نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس پر بھی علامہ نے ڈانٹا کہ جب میں بات کر رہا ہوں تو آپ کی پوری توجہ میری طرف ہونی چاہیے اور اس طرح میری اصلاح فرمائی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی گفتگو کا خلاصہ تھا کہ بریلوی حضرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر افتراء باندھتے ہیں کہ وہ نبوت کے جاری ہونے کے قائل ہیں۔ تو اس بریلوی عالم نے یہ موقف اختیار کیا کہ اسی دیوبندی حلقے کے ایک عالم مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے سب سے پہلے حضرت مولانا قاسم نوتویؒ کے مقابلے میں ختم نبوت کے محاذ پر کام کیا۔ اور اس طرح اس نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ ہم پر ان بریلویوں کی طرف سے اتنا بڑا حملہ ہوا ہے جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ ہمارے حلقے کی طرف سے اس کتاب کا جواب آنا چاہیے۔ اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ اکیڈمی میں ہی مغرب کی نماز ادا کی، امامت کے لیے مجھے آگے کر دیا گیا۔ نماز کے بعد بھی کچھ دیر یہ مجلس جاری رہی، ہم نے حضرت علامہ سے اجازت لی۔ چلتے وقت میں نے حضرت علامہ سے پوچھا کہ حضرت آپ کی تصانیف پاکستان میں کہاں دستیاب ہوں گی؟ کیوں کہ عام کتب خانوں میں یہ کتابیں نہیں ملتیں، تو مفتی فیض الرحمٰن نے کہا کہ کراچی میں مولانا فیض اللہ آزاد کے یہاں سے مل جائیں گی۔ اس پر میں نے عرض کی مولانا فیض اللہ آزاد اچھے آدمی ہیں۔ آپ سے عقیدت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اگر پاکستان کے مشہور کتب خانوں سے بات کی جائے اور ان کے پاس یہ کتابیں رکھوائی جائیں تو بہتر ہوگا کیوں کہ ان کو طریقہ آتا ہے کہ کتابیں مارکیٹ میں کس طرح پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں عام ہونی چاہئیں تا کہ ہر ایک کی دسترس میں ہوں، اس پر حضرت علامہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی کچھ دن پہلے یہی شکوہ کیا تھا، مفتی فیض الرحمٰن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی بات سنو، ان کی خواہش ہے کہ صرف ان کو ہی نہیں بلکہ یہ کتابیں ہر شخص تک پہنچ جائیں۔

گذشتہ سال جون ۲۰۱۹ کے آخر میں ایک ہفتہ کے لیے قاری فیض اللہ چترال کے ہمراہ انگلینڈ جانا ہوا۔ لندن کارڈیف سے ہوتے ہوئے جب ہم برمنگھم پہنچے تو دو پہر کے تین بج رہے تھے۔ برمنگھم میں ہمارے میزبان ہمیشہ مولانا خلیل الرحمٰن ہوتے ہیں جو جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں ان کے والد حاجی معصوم کا اکابر سے تعلق رہا ہے اور تمام اکابر علماء مشائخ ان کے یہاں ٹھہرتے رہے ہیں۔ ختم نبوت کانفرنس کی تیاریوں میں بھی ان کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

جب مولانا خلیل الرحمٰن کے یہاں پہنچے تو انہوں نے بتایا کہ مولانا ظہیر صاحب جو برمنگھم میں اچھا دینی وتعلیمی کام کر رہے ہیں

اور وہاں کے نوجوانوں میں بہت مقبول ہیں۔ آج ان کے مدرسہ میں ختم بخاری کا پروگرام ہے۔ آخری حدیث کا درس حضرت علامہ خالد محمود دیں گے۔ اور یہ بھی کہا کہ میں نے آپ لوگوں کی آمد کا مولانا ظہیر صاحب کو بتایا تھا تو انہوں نے بہت اہتمام واصرار سے آپ لوگوں کو شرکت کی دعوت دی ہے اور مجھے پابند کیا ہے کہ آپ لوگوں کو لیکر آؤں۔ مولنا خلیل الرحمٰن کے گھر کھانا کھانے کے بعد ہم اس مدرسہ میں پہنچے تو علامہ صاحب کا بیان جاری تھا، مدرسہ کا ہال اور آس پاس کے کمرے حاضرین سے پُر تھے۔ ہم بھی ایک کمرے میں جا بیٹھے۔ ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ حضرت علامہ کا بیان جاری رہا۔ حسب عادت علامہ صاحب بات سے بات نکالتے رہے۔ علامہ صاحب علم کے موتی بکھیرتے رہے۔ حالانکہ اس وقت حضرت علامہ پر ضعف کا کافی غلبہ تھا مگر بیان میں نہ رکاوٹ ولکنت کا احساس ہورہا تھا، نہ تھکن کا، آواز بھی جاندار، علم کا بہتا دریا رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ یہاں تک کہ منتظمین کو پرچی بھیجنی پڑی کہ عصر کا وقت تنگ ہورہا ہے تو حضرت علامہ نے اپنا بیان ختم فرمایا۔

ایک بات یاد آگئی حضرت علامہ نے درس دیتے ہوئے جب حدیث کے آخری الفاظ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھے تو فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی تصوف کے قائل تھے کیوں کہ یہ ذکر ہے اور ذکر اذکار کی تلقین صوفیہ کے یہاں ہوتی ہے۔ امام بخاری بھی اس کی تلقین کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نہ صرف یہ کہ تصوف کے قائل تھے بلکہ خود بھی صوفی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

بیان کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کھانا تھا۔ عام حاضرین کے لیے تو ہال میں کھانے کا انتظام تھا۔ ساتھ میں ہی ایک کمرہ تھا، حضرت علامہ اور چند خاص علماء کے لیے اس کمرے میں اہتمام کیا گیا تھا، مولانا ظہیر صاحب نے شفقت فرمائی مجھے اور قاری فیض اللہ کو بھی اسی کمرے میں بٹھایا، کھانے کی نشست فرشی تھی، البتہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کرسی پر تشریف فرما تھا، میری خوش قسمتی کہ مجھے دسترخوان پر علامہ کی کرسی کے سامنے جگہ ملی، میرے دائیں جانب مولانا اکرام الحق خیری، بائیں جانب قاری فیض اللہ تھے۔ یہ آخری ملاقات اور زیارت تھی۔

اسی طرح ایک ملاقات لاہور میں بھی ہوئی تھی، حضرت سید نفیس شاہ الحسینی رحمۃ اللہ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد لاہور جانا ہوا۔ وہاں معلوم ہوا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور نے اپنے دفتر کے ساتھ مسجد عائشہ میں حضرت شاہ صاحب کی یاد میں پروگرام رکھا ہوا ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت علامہ بھی تشریف فرما ہیں، حضرت علامہ نے مختصر خطاب فرمایا، کیوں کہ عشاء کا وقت قریب تھا، حضرت علامہ نے فرمایا کہ دنیا میں صحبت ایک ایسی چیز ہے کہ کوئی شخص ارادہ کرے یا نہ کرے اس صحبت کے اچھے برے اثرات سے وہ متاثر ہوتا ہے، بلکہ اس صحبت کا اثر پانے والے کے اثرات بھی دوسروں پر پڑتے ہیں، پھر مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دیوار ہے اس کے پیچھے اگر کچھ پھول کھلے ہوئے ہوں اور ہوا وہاں سے گزرے تو ہوا بھی خوشبودار ہوجاتی ہے اور یہ ہوا جہاں جہاں سے گزرے گی انہیں بھی معطر کرتی جائے گی، حالانکہ نہ ہی ہوا نے اس کا کوئی قصد وارادہ کیا ہے اور نہ دوسروں نے، اسی طرح اگر گندگی پڑی ہو تو گزرنے والی ہوا بھی بدبودار ہوجائے گی اور جہاں جہاں سے گزرے گی وہ اس بدبو سے اپنے آپ کو بچا نہیں

پائے گی۔

آخری مرتبہ رمضان المبارک سے دو تین ماہ قبل حضرت علامہ لاہور تشریف لائے دو ماہ آپ کا جامعہ اشرفیہ میں قیام رہا، دورۂ حدیث کے طلبہ کو آپ نے اسباق بھی پڑھائے، دیگر علماء، طلبہ بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور آپ کے علوم سے فیض یاب ہوتے رہے، میں باوجود خواہش کے لاہور سفر نہ کر سکا اور آپ کی زیارت وملاقات سے محروم رہا۔

حضرت علامہ کی بذلہ سنجی اور ظرافت وخوش طبعی بھی مشہور ہے، اسی لاہور کے قیام کے دوران کسی نے علامہ سے پوچھا کہ ''حضرت فارغ ہونے کے بعد کیا کرنا چاہیے''؟ حضرت علامہ نے فرمایا: ''فارغ ہونے کے بعد تو غسل کرنا چاہیے''۔

بہر حال حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک ادارہ تھے بلکہ ایک عہد تھے۔

آپ نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کی علمی خدمات کو آگے بڑھایا، اپنے اسلاف کے خاکوں میں رنگ بھرا، عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے جدید اذہان کے لیے سرمایہ مہیا کیا۔

آپ کی موت درحقیقت علم کی موت ہے، یہ دینی غیرت اور دینی حمیت کی موت ہے، یہ شرافت ونجابت کی موت ہے۔

موت کوئی نئی چیز نہیں ہر شخص نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ اپنے اپنے وقت پر سب نے جانا ہے لیکن بعض ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں کہ ان کے جانے سے دنیا تاریک ہو جاتی ہے، خصوصاً علمی دنیا پر غم کے سائے گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن ہم یہاں بھی حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ مستعار لیتے ہیں جو آپ نے حضرت سید نفیس شاہ الحسینی قدس سرہٗ کی تعزیت کے موقع پر فرمائے تھے:

''ہمیں اس موقع پر اپنی بدعقیدگی بجھانا ہے۔ ہر ایسے صدمے کے وقت دو عقیدے ایسے ہیں جو زندوں کو اجالا دیتے ہیں۔ پہلا عقیدہ یہ ہے کہ جب ایسا صدمہ آئے تو ہمیں اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مالک حقیقی وہی ہے، ہم سب کا وہی خالق ہے، کل من علیھا فان جو بھی اس دنیا میں آتا ہے اس نے ایک دن اس دنیا سے جانا ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو کہ ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے، ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے، ہم نے اپنی رضا کو اللہ کی رضا پر بچھانا ہے، جب وہ مالک ہے تو اسے اختیار ہے چاہے اپنی چیز کو یہاں رکھے یا وہاں رکھے تو بندے کی زبان پر شکوہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا ہم کو شاہ صاحبؒ کے ارشادات سے فیضیاب اور ہماری آنکھوں کو ان کے دیدار سے روشنی دیتا رہا اور جب چاہا اٹھالیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں، اس عقیدے کے اظہار کے لیے ہم یہ الفاظ دہراتے ہیں:

إنا للہِ ہم سب اس کی ملکیت ہیں،

لیکن جدائی کا صدمہ تو ہوتا ہے، ہم انسان ہیں، ہم میں سے ہر ایک کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے یہ احساس کے بغیر نہیں رہ سکتا تو اس کے لیے دوسرا عقیدہ یہ بیان کیا ہے، اے مرنے والے کو یاد کرنے والو! ہم تم کو ایک دن ملا دیں گے۔

وإنـا إليـه راجعون اور ملانے کا طریقہ یہ نہیں کہ ہم ان کو واپس لے کر آئیں گے، بلکہ طریقہ یہ ہے کہ تم کو ان کے پاس لے کر جائیں گے۔ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ تم نے ایک دن اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جانا ہے۔ دنیا کی زندگی سے آخرت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ گئے اور ہم ان کو اس لیے خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں کہ وہ ایمان کے ساتھ استقامت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف اللہ تعالیٰ کی رضا میں مضبوط موت کا پل صراط عبور کر گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کسی کے پیچھے ہی لگنا ہے تو ان کے پیچھے لگو، جو موت کا پل عبور کر گئے، اس لیے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بہت مبارک ہیں جو موت کا پل عبور کر گئے۔[ماہ نامہ الحسن، نفیس نمبر:۸۷، ۸۸]

حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ بھی ایمان و استقامت کے ساتھ موت کا پُل عبور کر گئے اور ایک دن ہم بھی ان سے جاملیں گے۔

اَللّٰھُمَّ اغۡفِر لهُ و ارۡحَمهُ و عافِه و اعۡفُ عنهُ و اَكرِم نُزُلهُ و وَسِّعُ مَدخَله.

☆......☆......☆......☆

پروفیسر محمد اسلم بیگ، راولپنڈی

فَاتِح عالِم

۱۹۶۰ء کا ایک روشن دن۔ نماز جمعہ کا مبارک وقت، جامع مسجد گنبد والی جہلم کے منبر پر حسبِ معمول حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور جمعہ کے بیان کے ابتدائی کلمات کہہ کر سیالکوٹ سے ابھی ابھی پہنچنے والے ایک مہمان کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں جس سے حاضرینِ مجلس کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مہمان کو پہلے بھی سن چکے ہیں، لیکن راقم الحروف جو مقامی سکول میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہے اور جس کی عمر محض تیرہ سال ہے۔ آج پہلی مرتبہ اُن کا نام سُن رہا ہے۔

مولانا جہلمیؒ مرے کالج سیالکوٹ کے پروفیسر جناب علامہ خالد محمودؒ کو دعوتِ خطاب دیتے ہیں، جس سے حاضرین کی خوشی جوش وخروش میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جب مولانا جہلمیؒ مہمان کے لئے جگہ خالی کرتے ہوئے منبر سے نیچے اُترنے لگتے ہیں تو علامہ صاحبؒ فوراً آگے بڑھ کر مؤدبانہ طور پر انہیں گھٹنوں سے پکڑ کر منبر پر بیٹھے رہنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ہی سپیکر اپنے سامنے کر کے کھڑے کھڑے اپنا بیان شروع کر دیتے ہیں۔ میزبان کی زیرِ صدارت خطابت کے جوہر دکھانے والے یہ چونتیس پینتیس (۳۵) سالہ مہمان چند ہی لمحوں میں مجمع پر پوری طرح چھا جاتے ہیں۔

''حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے موضوع پر شروع ہونے والا یہ بیان دریا کی موجوں کی طرح رواں دواں ہے۔ مہمان کی بدن بولی (Body Language) سے ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے کہ یہ ابھی ابھی ایک طویل سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضۂ مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیاتِ انور کے حق میں دلائل کے انبار لگائے جا رہے ہیں۔ مجمع ہمہ تن گوش ہے اور مجمع بھی کوئی عام مجمع نہیں۔ مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے زیر اہتمام ہر سال سالانہ جلسوں میں مُلک کے چوٹی کے علماء کی تقاریر سُننے والا اور پھر مولانا جہلمیؒ کے دل میں اُتر جانے والے پُرمغز اور مدلل خطاب ہر جمعہ کو سننے والا مجمع اپنا ایک معیار قائم کر چکا ہے اور اس معیار پر کوئی عام سا مقرر پورا نہیں اُتر سکتا تھا۔

قرآن کی آیات، احادیث کی روایات اور اولیاء اللہ کے مشاہدات کا ایک سیل رواں ہے جو رُکنے کا نام نہیں لے رہا۔ اذان کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ حاضرین تو حضرت علامہؒ کے بیان میں مگن ہیں لیکن راقم الحروف جسے اپنی کم عمری اور کم علمی کی وجہ سے دلائل کی باریکیوں کی کم کم ہی سمجھ آ رہی ہے، یہ سوچ رہا ہے کہ نظم وضبط اور وقت کے پابند حضرت جہلمیؒ کیسے اس سیلاب کے آگے بند باندھیں گے کہ حضرت علامہؒ خود ہی بڑے طریقے اور سلیقے سے ''گریز'' کے دھیمے انداز کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بیان کو سمیٹنا

شروع کر دیتے ہیں۔ گویا اپنے مخصوص لہجے میں کہہ رہے ہوں۔ ''ہمارا کیا ہے! گھڑی دیکھی اور بات ختم کر دی۔''

مولانا عبداللطیف جہلمیؒ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابھی بے شمار دلائل علامہ صاحبؒ کے ذہن رسا میں تڑپ رہے ہیں جو وقت کی کمی کی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکے اور اس توقع کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد دوبارہ تشریف لا کر اسی موضوع پر اپنے دلائل جاری رکھیں گے۔

راقم الحروف کو اس کے بعد اسی مسجد میں ایک یا شاید دو بار نماز جمعہ کے موقع پر حضرت علامہ خالد محمودؒ کے مدلل خطاب سننے کا شرف حاصل ہوا اور ہر بار اُن کا موضوع خوشبو والا عقیدہ ''حیات النبی'' ہی رہا۔

علامہ صاحب کے ارشادات میں سے دو باتیں ذہن میں آ رہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لے کر آج تک تمام اَکابر اہل سنت دیوبند کا عقیدہ حیات کا عقیدہ رہا ہے۔ آج کے اکابر میں ولی کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (حضرت لاہوریؒ اس کے دو سال بعد ۱۹۶۲ء میں نماز عشاء کے دوران سجدے کی حالت میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔) یا تو علماء دیوبند کا عقیدہ اپناؤ اور یا اپنے آپ کو دیوبندی مت کہلاؤ۔

دوسری بات یہ کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ ایک زندۂ جاوید عقیدہ ہے۔ کل بھی زندہ تھا، آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

والد محترم مقامی گورنمنٹ سکول میں استاد تھے۔ پھر اُن کا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مکان کا بندوبست کر کے ہمیں بھی راولپنڈی لے گئے۔ راولپنڈی میں قیام کے دوران حضرت علامہ خالد محمودؒ کا نام تو کئی بار سننے اور پڑھنے کو ملا لیکن یہاں اُن کی زیارت یا اُن کا بیان براہ راست سُننے کا موقع نہ ملا۔ قیام جہلم سے ہی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والا ہفت روزہ ''خدام الدین'' ہمارے گھر باقاعدگی سے آ رہا تھا۔ اس میں اور دیگر رسائل میں حضرت علامہؒ کے مضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے تھے جن میں ''حیات النبی'' کے علاوہ دیگر موضوعات بھی شامل ہوتے تھے۔

☆......☆......☆......☆

جہلم میں حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کے پس منظر کے طور پر اور راولپنڈی میں منعقد ہونے والی ایک اہم تقریب کی تمہید کے طور پر عرض ہے کہ: مسلمانوں کا یہ مسلمہ اور دیرینہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ: ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور اُن کے اجسام کے ساتھ اُن کی ارواح کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیاوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں''۔ اسی کو عقیدہ حیات النبی ﷺ کہتے ہیں۔

یہی عقیدہ جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا اور اکابر اہل سنت دیوبند کا بھی ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رسالہ ''آب حیات'' میں اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اپنے جوابی فتویٰ بنام ''المہند علی المفند'' میں اسے بخوبی

واضح کیا ہے۔ لیکن ۱۹۵۸ء میں علماء کے ایک محدود طبقہ نے اس مسلمہ عقیدہ سے اختلاف کرتے ہوئے ایک الگ راہ اپنالی تھی۔ ان میں گجرات کے سید عنایت اللہ شاہ پیش پیش تھے۔ ان سے ذاتی تعلقات کے زیر اثر اٹک کے کچھ علماء اور راولپنڈی کے مولانا غلام اللہ خان بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگئے۔

علماء حق نے بھی ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے، اُن کے عقیدے کی اصلاح کرنے اور عوام کو اس غلط عقیدے سے محفوظ رکھنے کے لیے تحریری اور تقریری طور پر سرگرمی سے مہم کا آغاز کیا۔ ان میں سیالکوٹ سے حضرت علامہ خالد محمودؒ اور ملتان سے مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ زیادہ نمایاں اور متحرک تھے۔ عقیدہ حیات النبی کے منکرین جنہیں مماتی کہا جانے لگا، کے بعض پیروکاروں نے اپنے عقیدے کی تبلیغ وترغیب میں انتہا پسندی اور شدت سے کام لینا شروع کردیا تو یہ اختلاف نزاع سے بڑھ کر جدال کی صورت اختیار کرنے لگا۔ حتیٰ کہ چار سال کے اندر یعنی ۱۹۶۲ء تک علماء حق کی مدلل اور موثر جدوجہد کے نتیجے میں مماتیوں کے دلائل کمزور پڑنے لگے اور وہ دفاعی پوزیشن پر آگئے۔

اُن کی خوش قسمتی کہ عین ایسے موقع پر دیوبند سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۲۶/اپریل ۱۹۶۲ء کو پاکستان تشریف لائے۔ اپریل میں ہی قاری صاحبؒ کے قیام لاہور کے دوران سید عنایت اللہ شاہ گجراتی اور مولانا غلام اللہ خان اُن سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت قاری صاحب نے دورانِ ملاقات اس نزاع وجدال کا شکوہ کرتے ہوئے اس افسوس ناک صورت حال کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ یہ محاذ آرائی ختم ہونی چاہیے۔

یہ دونوں حضرات بھی شاید اسی بات کے انتظار میں تھے، انہوں نے کہا کہ ہم خود بھی اس صورت حال سے دل گرفتہ ہیں اور دلی تنگی محسوس کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ہی درمیان میں پڑ کر اس نزاع کو ختم کرادیں۔

حضرت قاری صاحبؒ نے اس کے بعد فریقین سے مراسلت، مشاورت اور ملاقاتوں (جو ملتان، جہلم اور پھر راولپنڈی میں ہوئیں) کے بعد ایک ''قدر مشترک'' تجویز کی جسے آخر کار دونوں طرف کے علماء نے قبول کرلیا۔ چنانچہ ۲۲/جون ۱۹۶۲ء بروز جمعہ دونوں جانب کے علماء کی مدرسہ حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلّہ راولپنڈی میں حضرت قاری صاحبؒ کی موجودگی میں باہمی ملاقات ہوئی۔ دونوں طرف کے علماء نے قاری صاحب کی مرتب کردہ تحریری یادداشت پر دستخط کردیئے جس میں قدر مشترک بھی شامل تھا۔

قدر مشترک یہ طے پایا:

''وفات کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (یعنی قبر مبارک) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے کہ اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سُنتے ہیں''۔

اُسی رات نمازِ عشاء کے بعد مدرسہ حنفیہ عثمانیہ کے زیر اہتمام ورکشاپی محلّہ کے ایک کھلے میدان میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی اور مہتمم مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے علاوہ فریقین کے نمائندہ علماء بھی موجود تھے۔ البتہ مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی نے ''طبیعت کی ناسازی'' کی

وجہ سے اس اہم اور مبارک تقریب میں شرکت سے اجتناب کیا۔ راقم الحروف کی یہ انتہائی خوش قسمتی تھی کہ اُسے ''صلح نامہ'' یا ''جنگ بندی'' کی اس بابرکت تقریب میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میٹرک جماعت دہم تک پہنچ جانے والے اس طالب علم کو حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت علامہؒ کی تقاریر سُننے اور مضامین کے مطالعہ کی وجہ سے اچھی خاصی دلچسپی پیدا ہو چکی تھی اس لئے والد صاحبؒ خاص طور پر اسے اپنے ساتھ اس تقریب میں لے کر گئے۔

پہلے حضرت قاری صاحب کو سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں اُن کی تشریف آوری اور اتحاد بین المسلمین کے لئے اُن کی مخلصانہ کوششوں کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت قاری طیب صاحب نے ڈیڑھ گھنٹہ تک جوابی تقریر کی۔ آپ کی شفیق اور شیریں آواز دلوں میں اُتر رہی تھی۔ آخر میں انہوں نے اس نزاع کے خاتمہ کی بشارت سنائی تو حاضرین میں خوشی کی بے پناہ لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے مبارک مبارک کے بے تحاشا نعرے لگنے شروع ہو گئے جن سے فضا گونج اُٹھی۔

اس کے بعد حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدہ پر ایمان رکھنے والوں کی طرف سے مولانا محمد علی جالندھریؒ اور دوسری طرف سے مولانا غلام اللہ خانؒ نے اپنی تقریروں سے حضرت قاری صاحب کے بیان کی توثیق کی اور اُن کا شکریہ ادا کیا۔ ان دونوں کی تقریروں کے بعد مجمع میں مسرت وتشکر کی فضا میں بہت دیر تک دارالعلوم دیوبند زندہ باد، قاری طیب صاحب زندہ باد، علماء دیوبند زندہ باد کے نعرے لگتے رہے اور یوں یہ جلسہ شاندار کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اس جلسہ میں اگرچہ علامہ خالد محمودؒ بذات خود موجود نہیں تھے، لیکن اُن کی محنت اور ان کی سرگرم جدوجہد ہر طرف نظر آ رہی تھی بلکہ سر چڑھ کر بول رہی تھی۔

جلسہ کی ایک خاص بات ابھی تک ذہن میں ہے کہ ایک موقع پر مولانا غلام اللہ خانؒ نے اپنے کسی تحفظ کا اظہار کیا تو مولانا محمد علی جالندھریؒ نے فوراً اس کا نہایت معقول اور مناسب جواب دیا جس کا مولانا غلام اللہ خانؒ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ''آخر مولانا جالندھری احراری رہ چکے ہیں۔'' یہ گویا مولانا جالندھری رحمہ اللہ کی ذہانت' قابلیت اور برتری کا بالواسطہ اعتراف تھا۔

بعد کے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ علماء اہل سنت دیوبند کے بہت قدردان اور عقیدت مند تھے۔ اور اُن کا رویہ ان تمام مذاکرات میں مثبت رہا۔ اور انہوں نے خلوص اور نیک نیتی سے معاہدہ پر دستخط کیے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل السنۃ والجماعۃ کے صحیح عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

☆......☆......☆......☆
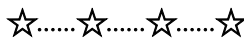
ایک زمانہ گزر جاتا ہے۔ ستاون (۵۷) برس کا عرصہ۔ نصف صدی سے زیادہ کے ماہ وسال ایک زمانے سے کم نہیں ہوتے۔ ۲۰۱۷ء کا موسم سرما۔ دسمبر کا مہینہ۔ راقم الحروف اسلام آباد سے چند دنوں کے لئے لاہور آیا ہوا ہے۔ ایک دن خبر ملتی ہے کہ کل صبح غالباً دس بجے جامعہ اشرفیہ لاہور کے طلبہ کو ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ درسِ حدیث دیں گے۔ گزشتہ ستاون سال سے آنکھیں اس

عبقری شخصیت کے دیدار سے محروم تھیں۔ اتنے عرصے میں جہلم والے تیرہ سالہ طالب علم پر مقامی کالج کے ''پروفیسر'' کا لیبل لگ چکا تھا اور مرے کالج سیالکوٹ کے پروفیسر صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمی سطح کے مبلغ، مصنف، محقق، محدث، مورخ، مقرر، مناظر، مدرس، مفکر، سفیر، مدیر، داعی، بحرالعلوم، سلطان العلماء اور نہ جانے کیا کیا کچھ بن چکے تھے۔ اس خوشخبری نے سرشار کر دیا اور اگلے روز جامعہ اشرفیہ حاضر ہونے کا مصمم ارادہ بن گیا۔ لاہور میں ہمارے ایک مہربان اور میزبان مولانا ناصر محمود صاحب ہیں جو جامعہ اشرفیہ کے قریب ایک جامع مسجد کے امام اور خطیب ہیں۔ اُن کے ساتھ اکٹھے درس سُننے کا پروگرام ترتیب پا گیا۔

جامعہ پہنچ کر دیکھا کہ حضرت علامہ صاحبؒ کی تشریف آوری کے منتظر دورہ حدیث کے ان گنت طلبہ سے مسجد کا ہال بھر چکا تھا۔ راقم الحروف کا تعلق ساری عمر درس و تدریس سے رہا ہے لیکن اتنی بڑی کلاس اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ اس کے باوجود خاموشی، ادب و احترام اور عقیدت کی ایک فضا تھی جو پورے ہال پر چھائی ہوئی تھی۔ کوشش تو یہی تھی کہ حضرت علامہؒ کی نشست کے قریب کوئی جگہ مل جائے لیکن کسی جگہ معمولی سی گنجائش بھی نہیں تھی۔ چنانچہ یہ پردیسی طالب علم طلبہ کی آخری صف میں بیٹھ گیا جو ہال کے برآمدے تک پہنچی ہوئی تھی۔

ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ حضرت علامہ تشریف لے آئے اور اپنی نشست سنبھال لی۔ اُن کے اُجلے چہرے پر نظر پڑتے ہی جامع مسجد گنبد والی جہلم میں اُن کی زیارت نگاہوں میں گھوم گئی۔ وہی شکل وصورت، وہی نقش و نگار لیکن ان میں ایک زمانے، ایک طویل عہد کے تجربے کی لکیریں اپنی جگہ بنا کر نورانیت میں اضافہ کر چکی تھیں۔ انداز بیاں کا بے ساختہ پن اور کلام کی قدرت ویسی ہی تھی لیکن اس کے بہاؤ اور رفتار میں فرق آ چکا تھا وہی فرق جو ایک جوانی کی تقریر اور ضعیف العمری کے درس میں ہوتا ہے۔ ایک اور نمایاں فرق یہ تھا کہ ساری عمر کھڑے ہو کر تقریر کرنے والا فعال اور متحرک مقرر اب بیٹھ کر سبق پڑھا رہا تھا۔

ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب طلبہ ہمہ تن گوش تھے اور ایک جہاں دیدہ زرخیز دماغ سے علم وحکمت کے نکات غور سے سُن کر اپنے ذہن میں محفوظ کر رہے تھے۔ اُن نوجوان طلبہ کا یہ ستر (۷۰) سالہ لیکن یک روزہ ہم جماعت اپنے آپ کو آج سے ستاون برس پہلے والا طفل مکتب سمجھ کر اسرارِ حکمت اور انوارِ زیارت سے اپنے قلب ونظر کو منور کر رہا تھا۔ البتہ آج کا موضوع حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں تھا بلکہ بہت سے موضوعات کا احاطہ کر رہا تھا جن میں خاص طور پر صحابہ کرامؓ کی عظمت اور تقلید کی برکت شامل تھے۔

حضرت علامہؒ نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳ رکی تلاوت فرمائی:

''واذا قیل لھم آمنوا...............لایعلمون''

ترجمہ: ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس طرح ایمان لے آؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سُن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے''۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا (الفاظ راقم الحروف کے ہیں) کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کے

ایمان کو ایک معیار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ انہی کی طرح ایمان لاؤ۔ یہ سرزنش ہے ان لوگوں کے لیے جو صحابہ میں بُرائیاں اور کمزوریاں تلاش کرتے ہیں اور انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں یا اُن کو تبرا کرتے ہیں۔ صحابہ کی شان میں کسی بھی طرح کی گستاخی اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اس کے بعد حضرت علامہؒ نے طلبہ سے سوال جواب کی صورت میں یہ ارشاد فرمایا: (یہاں سے حضرت علامہؒ کے اپنے الفاظ درج ہیں جو اس حصہ کی ریکارڈنگ سے حاصل کیے گئے ہیں) فرمایا:

''سب سے پہلے صحابہ کرام پر تنقید کن لوگوں نے کی؟ منافقین نے۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ تو صحابہ پر یہ بدکلامی کن لوگوں نے کی؟ منافقین نے۔ کیا کہا؟ انھوں نے کہا تھا کہ یہ بے وقوف ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ نے ان کو جواب میں کہا: ''خبردار! بے وقوف یہی ہیں، یعنی منافقین۔''

تو میرے ذہن میں بات آئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب میں کوئی اور نیا لفظ نہیں کہا، انھوں نے کہا تھا بے وقوف تو اللہ تعالیٰ نے یہی جواب دہرایا کہ یہ بے وقوف ہیں۔ یعنی جو کچھ انھوں نے صحابہ کو کہا۔ اللہ رب العزت نے یہ نہیں کہا کہ نہیں یہ ایسے ہیں ایسے ہیں بلکہ کہا کہ بے وقوف یہ خود ہیں۔

اِس سے یہ قاعدہ اور فارمولہ معلوم ہوا کہ صحابہ کو جو کچھ کہو گے وہی آسمان والے تمھیں کہیں گے۔ صحابہ کو جو کچھ کہو گے وہی سنو گے۔ ان کو کہو گے کہ تم متقی ہو تو تم بھی متقی ہو۔ ان کو تم یہ کہو گے کہ ''بے وقوف ہیں'' تو آسمان سے آواز آئے گی کہ تم خود بے وقوف ہو۔ اور جو ان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ میں یہ بات اِس اُصول پر ختم کروں گا:

ع یہ ہے گنبد کی صدا، جیسی کہو ویسی سنو

صحابہ کرام کے بارے میں کوئی بات کرنا ایسی ہی بات ہے۔ یہ گنبد کی صدا ہے، جیسی کہو گے ویسی سنو گے۔ اگر کہو گے کہ وہ بے وقوف! تو تم خود بے وقوف! اگر ان کو کہو گے کافر تو تم خود کافر! جو ان کو متقی کہے وہ خود متقی۔''

اس آیت کے علاوہ بھی جگہ جگہ صحابہ کی عظمت، حقانیت، خلوص، خدمت اور قربانی کی گواہی دی گئی ہے۔ سورۃ توبہ آیت ۴۰ میں

......''اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا''......

ترجمہ۔ ''جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس میں دو نکتے قابلِ غور ہیں: اللہ تعالیٰ خود ''صاحب'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں اور پھر اس کے بعد والے الفاظ جن میں **مَعَنا** بھی شامل ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوائے ہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ میرے ساتھ ہے بلکہ فرمایا کہ اللہ ''ہمارے'' ساتھ ہے۔ **مَعَنا** میں غار ثور میں موجود دونوں مقدس ہستیاں آجاتی ہیں۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ یارِ غار کے بارے میں بہت سوچ سمجھ کر زبان درازی کرنی چاہیے۔

اس کے بعد احادیث کے ذریعے صحابہ کرامؓ کی عظمت اور صداقت واضح کرتے ہوئے بخاری شریف کی احادیث کا بھی حوالہ دیا۔ جب بخاری شریف کا ذکر آیا تو حضرت امام بخاریؒ کی خدمات اور صحیح بخاری کے فضائل بیان کئے لیکن یہاں غیر مقلدین کی ایک کوتاہی اور نا سمجھی کی نشان دہی کرتے ہوئے ہر مسئلہ کا حل بخاری شریف سے تلاش کرنے اور ہر معاملہ یا دعویٰ کے لئے بخاری شریف سے سند مانگنے اور اسے شرط قرار دینے کو نامناسب اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحیح البخاری تو حضرت امام بخاریؒ نے ۲۳۲ھ میں مرتب اور مکمل کی۔ ۲۳۲ سال تک مسلمان بخاری شریف کے بغیر اسلام پر کس طرح عمل کرتے رہے؟ وہ زمانہ تو بلکہ خیر القرون تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کی اور تابعین نے صحابہ کرامؓ کی تقلید کی۔ جہاں بخاری شریف ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے وہیں تقلید کا بابرکت عمل بھی ہماری ضرورت ہے۔ بلکہ بخاری شریف بھی تقلید کی ہی تحریری شکل ہے۔ اس لئے تقلید کے عمل کو بُرا یا ناپسندیدہ کہنا ایک گمراہی ہے۔

اپنے درس میں آپؒ نے علم وحکمت کے اور بہت سے موتی بکھیرے اور ہم سب طلبہ نے انہیں سمیٹا اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کی من موہنی آواز، اُن کی زیارت، ان کی پرشکوہ شخصیت اور سب سے بڑھ کر اُن کی روح پرور صحبت سے خوب خوب فیض حاصل کیا۔ بڑی تمنا اور حسرت تھی کہ اُن سے مختصر سی گفتگو یا ملاقات کا موقع مل جائے جس میں انہیں ان کی جہلم شہر میں کی گئی تقاریر کی یاد دلائی جائے۔ لیکن قسمت میں بس اتنا ہی تھا کہ درس کے بعد چند لمحوں کے لئے بہت قریب سے اُن کی زیارت کرنے کا شرف حاصل ہوگیا۔

گذشتہ سال جناب مولانا مفتی جمیل الرحمٰن عباسی صاحب سے فون پر گفتگو کے دوران حضرت علامہ صاحبؒ کا ذکرِ خیر ہوا تو انہوں نے اس دیرینہ طالب علم کی حضرت سے ملاقات کرانے کا وعدہ فرمایا جس سے بے حد خوشی ہوئی لیکن اس ملاقات سے پہلے ہی حضرت کی وفات حسرت کی خبر آ گئی جس سے دل بجھ کر رہ گیا اور اپنی بد قسمتی پر افسوس کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

حضرت علامہؒ کے علمی، ادبی، تعلیمی، تصنیفی، تدریسی، تبلیغی، تقریری اور دیگر بے شمار کارناموں اور خدمات کا تذکرہ تو قارئین کو ہر مضمون میں مل ہی جائے گا، اِس لئے اِس تحریر میں ان کا تذکرہ صرف اپنے ذاتی واقعات اور مشاہدات تک محدود رکھا ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض ہے کہ اِس قدر فعال، متحرک، اَن تھک، مستعد، سریع العمل، ہمہ جہت و ہمہ صفت مردِ ہُم اور دیدہ وَر چمن میں روز روز پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ کی رحمت کے ساتھ ساتھ فاتحِ عالم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور فاتح ہند سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ناموں کی نسبت اور برکت نے علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا فاتحِ عالم بنا دیا جو علم کے ہر میدان میں اور مقابلے کے ہر امتحان میں سرخ رو ہوئے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ (آ)

ایک عہد ساز شخصیت

حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال سے علم وفکر کا ایک دور اپنی تکمیل کو پہنچا اور شعور وآ گہی کے نہ جانے کتنے ابواب سر بمہر کر دیئے گئے...... آپ کی ''کتاب زندگی'' علم کی گہرائی اور گیرائی سے عبارت تھی۔ مآخذ علم کے اشتراک کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہر علمی شخصیت کو اپنی جنابِ رحمت سے کچھ خصوصیات سے نوازا ہوتا ہے جو ان کو اپنے ہمعصر ارباب فکر ودانش سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ اور ان کا کمالِ درک ان کی شخصیت و پہچان کی علامت بن جاتا ہے جو ان کے لیے جاذبیت وکشش کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔

حضرت علامہ مرحوم نے اپنی زندگی میں ہمہ جہت خدمات بھرپور طور پر سرانجام دیں اور ایک زمانے کو اپنی علمی گوہر فشانیوں سے نہ صرف منور فرمایا...... بلکہ ایک بہت بڑے طبقے کو اپنی قوۃ گویائی اور طرزِ استدلال سے ندرۃِ فکر کے عظیم راستے پر ڈالا۔

آپ سے استفادہ کرنے والے ہزاروں افراد نے آپ سے درس وبیان کے ذریعہ اپنی علمی پیاس کو بجھایا اور آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کو اپنے لیے عظیم شرف وفخر اور سعادت جانا۔ اور آپ کے ساتھ علمی استناد کے حوالہ سے علمی دنیا میں ''منصب اعتماد'' حاصل کیا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے ''خطابت'' کو بھی علمِ دین کی ترویج واشاعت کا ذریعہ بنایا۔

حضرت علامہ مرحوم کی تقریر وبیان کے سننے والے عام لوگوں سے زیادہ اہل علم اور نظریاتی استدلال کے جویان ومتلاشیان کشاں کشاں آتے اور دل ودماغ کے استحضار کے ساتھ آپ کے بیان فرمودہ نادر نکات کے منتظر ہوتے، جو بہرحال ان کو حضرت مرحوم کے بیان میں ضرور ملتے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ جس اسٹیج پر نمودار ہوتے اپنی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیت کے سحر سے اس اسٹیج کی عزت وعظمت کو چار چاند لگا دیتے۔ اہل انتظام مجمع کی احتیاج اور مرعوبیت سے بے نیاز ہو جاتے، اور انتظامات تنگئ داماں کے شاکی ہوتے۔

حضرت مرحوم اہل علم کے ہالے کے درمیان ایک علمی آفتاب و ماہتاب کی طرح گوہر افشانی فرماتے تو اسٹیج پر موجود حضرات ان کی نکتہ رسی اور اخذ نتائج سے نہ صرف اس مجلس میں انہیں محظوظ کرتے، بلکہ گھنٹوں ان کو اپنی طرف متوجہ رکھتے اور یہ یادگار احساس اور خوشگوار فضا ان کو اکتاہٹ اور دیر تک بیٹھنے سے تھکاوٹ کا شکار نہ ہونے دیتی۔

الحمدللہ اس نابکار نے حضرت العلام مرحوم کے اس دور کے بیانات سنے اور ان کے عمومی جلسوں میں شرکت نصیب ہوئی

(آ) جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان، مورخہ ۳۰/ اکتوبر ۲۰۲۰ء (۱۲/ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ) کو مضمون نگار انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جب وہ تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ کے عمائدین میں اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ بالخصوص جامعہ خیر المدارس ملتان جیسے علمی اسٹیج پر ان کے بیانات ہوتے، اس دور میں اپنے طالب علمی کی عمر میں کیا علمی پختگی ہوتی...... جو اگر چہ آج تک بھی نہ ہو سکی...... لیکن اہل علم اور شرکاء کے بیان کی کیفیات و واقعات کے مناظر آج بھی سامنے آتے ہیں تو اس دور کی علمی شخصیات کا وقار و عظمت اور عام آدمی کا بھی ان سے حسنِ عقیدت دل کو شاد کر دیتا ہے۔

آپ اپنے دور کے ان عظیم خطباء کرام میں سے تھے جو اپنے بیان کی افادیت و معنویت کے حوالہ سے حسن صوت اشعار کے ترنم اور سحر آفرینی کے دیگر ظاہری اور مروجہ اسباب سے بے نیاز تھے......

آپ کی زندگی علم وفکر سے عبارت تھی اور جہاں جاتے وہی روشنی بکھیرتے جاتے۔

آپ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ برطانیہ میں گزارا، اللہ تعالیٰ ہی اس کی حکمت بہتر جانتا ہے، اس سرزمین کی خوش نصیبی کہ آپ نے وہاں قدم رنجہ فرمایا اور وہاں کے لوگ آپ سے مستفید ہوئے، لیکن بہر حال یہ امر اپنی جگہ مسلم ہے کہ یہاں کے علمی حلقے آپ کو فراموش نہ کر سکے۔ جوں ہی آپ نے پاکستان آمد کا پروگرام بنایا آپ کو ہر طرف سے مرحبا اور خوش آمدید کہا گیا، بڑے بڑے جامعات و مدارس اور علمی ادارے آپ کے فیوض و برکات کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے منتظر پائے گئے۔

الحمد للہ آپ کی آخر عمر تک آپ کے علمی ذوق سے فیضیاب ہونے کے لیے افراد نہیں ادارے منتظر رہے۔ عام طور پر پاکستان جیسے مدارس و جامعات کی بہتات والے ملک میں جہاں بڑی بڑی شخصیات موجود رہی ہیں، لیکن یہاں کے علمی حلقے بہر حال آپ کو فراموش نہ کر سکے۔

الحمد للہ برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک اور وہاں کی چکا چوند اور مادیت کے عروج نے آپ کی پاکی داماں پر کوئی حرف نہ آنے دیا...... جس سادگی منکسر المزاجی سے علمی سرمایہ کو لے کر وہاں گئے تھے اپنے کمال ذوق کے ساتھ ہمیشہ اسی پر قائم رہے...... ان کی اسی استقامت نے اہل علم وفکر کے ہاں ان کے سرمایۂ علم سے محظوظ ہونے کی چاشنی کو باقی رکھا۔

آپ کی علمی خدمات کا ایک ''زریں باب'' خصوصی طور پر باطل کو چیلنج کرنے کا ہے...... آپ نے تقریر، تحریر، تدریس بلکہ مناظرہ کے ذریعہ باطل کو ہر محاذ پر شکست دی...... تقابلِ ادیان کے حوالہ سے آپ کی خدمات کو ہمیشہ سنہری حروف سے لکھ کر یاد رکھا جائے گا...... آپ کی تصنیفات کی ایک بڑی تعداد آپ کے ذوق حجیت واستدلال کا اعلیٰ نمونہ ہے

اصلاح اعمال آسان ہے۔ مگر غلط عقائد پر جم جانے والے لوگ اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کو حق بھی جانتے ہوں۔ ان کی اصلاح کس قدر مشکل کام ہے۔ اس کا اندازہ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی خداداد وہبی صلاحیتوں کے ذریعہ ''ابطالِ باطل'' کا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا جو شاید ایک ادارہ اور انجمن نہ کر سکتی۔ مگر الحمد للہ آپ نے اسے تنِ تنہا بخوبی سرانجام دیا۔

نیز باطل کا یہ تعاقب بھی کسی خاص زاویۂ نگاہ سے نہیں تھا بلکہ قادیانیت کا فتنہ ہو، منکرین حدیث کہیں اپنے خبث باطن کا

ظہور کر رہے ہوں، اہل السنۃ والجماعۃ کا لیبل لگا کر بریلویت کا شاخسانہ ہو یا روافض واہل تشیع کا دجل اوران کی دسیسہ کاریوں کا ملغوبہ ہو حضرت مرحوم ان فتن کے لیے تیغ بے نیام بن کر میدان کارزار کے مرد آہن رہے اوران کے قدرت وندرتِ استدلال اور طرزِ تعاقب نے ہمیشہ باطل کو شکست وریخت سے دوچار کیا۔اس حوالہ سے ان کا سرمایۂ تحریر اور مجموعہائے تصنیفات کو ایک طویل عرصہ تک راہنما اصول کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔......وہ اپنے دور کی ایک عہد ساز شخصیت تھی جس کے جانے سے ایک عہد کا خلا پیدا ہوا......ایک فضا سوگوار ہوئی اور ایک عالم پر پژمردگی چھاگئی۔ان کا دنیا سے جانا ایسے وقت میں ہوا جب دنیا کو ان کے علم وفکر کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی......**لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراً**

ان کا علمی ورثہ ان کی یاد دلاتا رہے گا......بہرحال وہ دنیا سے کیا گئے......بلکہ ’’موت العالِمِ موت العالَم‘‘ کا مصداق سمجھا گئے......اگرچہ حضرت مرحوم کا وصال برطانیہ میں ہوا مگر ان کے جنازہ کے مناظر پاکستان میں بڑی عقیدت ومحبت سے دیکھے گئے......ایسے ایسے القابات سے ان سے اظہارِ عقیدت کیا گیا اوران کی خدمات مبارکہ کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ برطانیہ سے کہیں زیادہ پاکستان میں صف ماتم کا سماں تھا......اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اوراپنی جنابِ رحمت سے روح وریحان اور مغفرت ورضوان سے انہیں شادکام فرمائے۔آمین

مجلّہ ’’صفدر‘‘ کے ارباب حل وعقد نے بروقت یہ فیصلہ کر کے کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی دینی، علمی، اصلاحی اور مناظرانہ خدماتِ مبارکہ کو تاریخ کے اوراق میں گم ہونے کی بجائے ایک دستاویز کی شکل میں محفوظ کر لیا جائے۔دینی حلقے پر احسانِ عظیم فرمایا۔ورنہ جانے والی شخصیات کے بارے میں نقوش وتاثرات بھی ذہنوں کے اندر ہی رہ جاتے ہیں۔ذمہ داران حضرات نے نہایت مستحسن اور بروقت فیصلہ کر کے اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کا بدلہ عطا فرما کر ماہنامہ کو مزید ترقیات وبرکات سے سرفراز فرمائے۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالمعبود، اسلام آباد

حق گوئی وبیباکی

علامہ خالد محمود نوراللہ مرقدہ کی زیارت غالباً ۱۹۶۱،۱۹۶۲ء میں قاری محمد امین رحمۃ اللہ علیہ کے جامعہ عثمانیہ محلّہ ورکشاپی راولپنڈی کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہوئی اس موقعہ پر آپ کی تقریر میں حق گوئی اور بے باکی کا منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے رقص کررہا ہے۔

اسٹیج پر بہت سے جید، ممتاز علماء کرام تشریف فرما تھے۔ علامہ موصوف سے پہلے حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ، خطیب مدنی جامع مسجد نے مجمع سے خطاب فرمایا۔ موصوف نے دوران خطاب شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی برداللہ مضجعہ کی ایک تقریر کا ذکر فرمایا۔ غالباً سہلٹ بنگال میں حضرت مدنی نے تقریر فرمائی، ہزاروں کا مجمع تھا۔ تقریر کے اختتام پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع میں تشریف فرما ہوئے۔ ہزاروں لوگ آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ بلکہ دست بوسی کی سعادت بھی حاصل کی۔

قاضی صاحب موصوف کی تقریر کے معاً بعد محترم علامہ صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ حضرت نے سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ تلاوت کے بعد علماء کرام سے التجاء کی کہ میری بات پوری ہونے سے پہلے آپ حضرات مداخلت نہ فرمائیں۔ آپ حضرات جلد بازی سے کام نہ لیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

علامہ صاحب گویا ہوئے: ”میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج نہیں کی، اگر کسی کے پاس معراج کرنے کا ثبوت ہے تو پیش کرے۔ یہ بات تقریباً تین مرتبہ دہرائی۔“

پھر فرمایا کہ: ”اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بھی موجود ہوں، مدینہ منورہ میں بھی موجود ہوں، سعودی عرب میں بھی موجود ہوں، پاکستان میں بھی موجود ہوں، سہلٹ کی تقریر میں بھی تشریف فرما ہوں، زمین پر بھی موجود ہوں اور آسمانوں پر بھی موجود ہوں تو پھر معراج کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔“

علامہ موصوف کے شباب کا عالم تھا آواز بھی گرج دار اور رعب دار تھی۔ مجمع پر سکتہ طاری تھا اور محترم قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے سب کچھ سن رہے تھے۔ اگرچہ آپ نے قاضی صاحب کے نظریہ کی بھرپور تردید فرمائی اور بیان کردہ واقعہ کو غلط ثابت کیا۔ مگر قاضی صاحب کا نام تک نہیں لیا۔

اس حق گوئی کے بعد تقریر کا موضوع بدل گیا اور دیر تک خطاب فرماتے رہے۔ اس سہلٹ والے واقعہ کے متعلق شیخ

القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ سے جمعہ کے خطبہ کے دوران سوال کیا گیا، جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ہاں! صحیح ہے **رواہ نوائے وقت فی حدیثہ البخاری.** یعنی نوائے وقت اخبار نے اسے اپنی بخاری کی حدیث میں روایت کیا ہے۔

حضرت علامہ کی یہ پہلی اور آخری زیارت تھی۔ پھر یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی۔

حضرت العلامہ کی تصانیف سے استفادہ نہ کرسکا۔ یہ میری نااہلی اور بدنصیبی ہے، البتہ موصوف کی کتاب ''مقام حیات'' نے مجھے ضرور متاثر کیا ہے۔ موصوف نے آج سے ساٹھ سال قبل ۱۳۸۰ھ میں ''مقام حیات'' تصنیف فرمائی تھی۔ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے اکابر کی تمام تصانیف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یقیناً کوئی ایسی کتاب یا مضمون اس موضوع پر نہیں تھا جس کا میں نے مطالعہ نہ کیا ہو، میں نے قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں کتابیں ''**القولی الجلی فی حیات النبی**'' اور ''**مسالک العلماء فی حیات الانبیاء**'' بھی پڑھی ہیں۔

لیکن علامہ صاحب کی ''مقام حیات'' جس جامعیت کی حامل ہے اور جس میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق جملہ ابحاث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس قدر جامع ومانع کوئی اور کتاب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معرض وجود میں نہیں آئی۔ اللہ جل شانہ موصوف کو اپنی شایان شان اجر مرحمت فرمائے۔

''مقام حیات'' کا اضافہ شدہ ایڈیشن مطبوعہ ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۲ء سے بھی مستفید ہوا۔ اس میں حیات اور مہمات کا کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں۔ اس قدر مفصل ومدلل، بے مثل و بے مثال کتاب شاید آئندہ بھی نہ لکھی جا سکے۔ حضرت علامہ موصوف کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' سے بھی مستفید ہوا ہوں۔ موصوف کا طرز استدلال نہایت عمدہ، متاثر کن اور قابل ستائش ہے، بریلوی مسلک پر جرح و تنقید ان کے باطل نظریات پر اکابر علماء دیوبند نے کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے بے شمار لوگوں کے عقائد واعمال میں نکھار آیا۔ اور فریق مخالف ان کا کما حقہ جواب دینے سے قاصر رہے۔ لیکن ''مطالعہ بریلویت'' اپنی نوعیت کی یگانہ وفرزانہ کتاب ہے۔ انداز نگارش دل نشین، سہل اور عام فہم ہے۔ بریلوی مسلک کا نہایت عمدگی سے جائزہ لیا ہے۔ دیگر کتب سے استفادہ نہ کرسکا۔

فقط: محمد عبد المعبود عفا اللہ عنہ۔ ۲/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ۔ ۲۸/جولائی ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالرؤف چشتی، اوکاڑہ

حاضر دماغ شخصیت

اگر کوئی پروانے سے کہے کہ تو شمع کی تعریف کر تو وہ کیا تعریف کرے گا؟ کیونکہ تعریف سے پہلے تعارف ضروری ہے۔ اور جب تعارف کے لئے جائے گا تو اپنا معارف ہی کھو بیٹھے گا۔ لیکن کیا کروں ایک طرف میری بے بضاعتی اور کم علمی ولاعلمی ہے اور دوسری طرف گلشن صفدرؒ کے پھول اور علمی خاندان کے جوان ہمت سپوت مولانا حمزہ احسانی صاحب کا محبت بھرا حکم ہے۔ چنانچہ اس ارشاد کو اپنی عزت افزائی اور سعادت سمجھتے ہوئے تعمیل ارشاد میں یہ کہتے ہوئے قلم پکڑ لیا کہ

اپنے دامن میں جگہ دے کر بڑھا دی عزت
ورنہ انصاف سے پوچھو تو کفِ خاک ہوں میں

کہاں سے شروع کروں! جب پہلی بار علامہ صاحب کو دیکھا تو میری عمر تقریباً دس سال تھی۔ علامہ کا مطلب تو دور کی بات ہے میں تو مولانا کے مفہوم سے لاعلم تھا۔ صرف مولوی، حافظ کے القابات سے آشنا تھا اور یہی القاب ہم طلبہ استعمال کرتے تھے۔ لیکن پھر حسن ابدال ضلع اٹک میں میرے چچا مولانا حامد علیؒ نے تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ حسن ابدال کے زیر اہتمام کانفرنس منعقد کی، جس میں تقریر کے لئے حضرت علامہ صاحبؒ تشریف لائے۔ کانفرنس تین روزہ تھی، علامہ صاحب کا بیان ہفتہ، اتوار کی درمیانی شب رکھا گیا تھا۔ مسجد محلّہ اندرون بھری ہوئی تھی، لیکن علامہؒ صاحب نے کیا بیان کیا، کتنی دیر بیان کیا؟ کچھ پتہ نہیں۔ اور نہ ہی مجھے بیان پسند آیا، کیونکہ میں تو اس وقت طرز والے مولویوں کی تقریریں پسند کرتا تھا، اس لیے جم کر نہ بیٹھ سکا۔ مگر جب مجمع میں نعرہ بازی ہوتی تو کان کھڑے ہوتے کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ اگلی صبح جب چچا جان کو لوگوں نے کہا کہ: رات علامہ صاحبؒ نے کمال کر دیا، تو میں نے کہا: پتہ نہیں ان لوگوں کو کیا کمال نظر آیا، مولوی صاحب نے طرز لگائی، نہ کوئی شعر پڑھے، بس باتیں ہی کرتے رہے، اس پر بھی لوگ نعرے لگاتے رہے۔ قطعاً کوئی لگاؤ اور انسیّت پیدا نہیں ہوئی۔

یہ تو بچپن کی باتیں تھی اور جب پچپن (۵۵) میں پہنچا تو ان کے تبحّرِ علمی کا شاندار نظارہ دیکھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمیں اگر تقریر کرنی ہو تو ہمیں سوچنا پڑتا ہے اور علامہ صاحب کو تقریر کرنی ہو تو انہیں صرف بولنا پڑتا ہے، اور یہ بھی پتہ چلا کہ ان کے خطاب میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ واعظین، مقررین، خطباء و مدرسین حضرات بھی ان کے دلائل و براہین سن کر اَش اَش کر اٹھتے ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے شیخ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ: (ای علامہ کی شے وے) یعنی علامہ کیا چیز ہیں! اور ایک بہت بڑے خطیب کو کہتے سنا کہ (کہ علامہ تے کوئی بلا اے) مطلب تھا کہ ایسے استنباط کرتے اور نکات پیش کرتے ہیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔

میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے دس سال کی عمر سے لیکراب 73 رسال کی عمر تک مسلک اہل سنت دیوبند کے کسی شیخ القرآن، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، مناظر، مدرس، مقرر، واعظ اور خطیب کو حضرت علامہ صاحبؒ پر تنقید، تنقیص اوران کی تردید کرتے نہیں سنا۔ جن کو سنا، جب بھی سنا، تعریف کرتے سنا اور یہ بھی حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے علامہ صاحبؒ کو اپنے معاصرین یا اکابرین کے متعلق کبھی بھی نامناسب الفاظ استعمال کرتے نہیں سنا۔ شائد کوئی یہ سمجھے کہ میرا کون سا انکے ساتھ زیادہ وقت گذرا ہے کہ مجھے ان کے لب ولہجہ اور مزاج کی ترشی اور شرینی کا علم ہو جاتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا زیادہ وقت ان کی خدمت میں نہیں گذرا ہے، لیکن جتنا گذرا وہ بھی کم نہ تھا اور میرے لئے ان کی خدمت میں گذری گھڑیاں سونے کی لڑیاں ہیں۔ میں سوالات کرتا، اپنے بعض اشکالات دُور کرتا اور اغیار کے الزامات کے جوابات سیکھتا تھا۔ میں کیا سیکھتا تھا، علامہ صاحبؒ خود سکھاتے تھے، کبھی کبھی علامہ صاحبؒ خود سوال کر کے اور کئی جوابات دیا کرتے تھے۔ ایک بار مجھ سے پوچھا کہ تم کون کون سی تفسیر دیکھتے ہو؟ میں نے نام بتائے تو فرمایا! کہ ساری تفاسیر دیکھنے کے بعد پھر تفسیر عثمانی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں۔ میں نے کوئی سوال کیا، فرمایا: خلفائے راشدین کتنی بار پڑھی ہے؟ عرض کیا ایک مرتبہ یا پھر بوقت ضرورت۔ فرمایا ایک بار پھر پڑھو جواب مل جائے گا۔

صحابہ کی تعریف کیا کرو

ایک مرتبہ فرمایا کہ تم جلسوں میں جاتے آتے ہو اپنی تقریروں میں صحابہؓ کی تعریف کیا کرو۔ صحابہؓ کے فضائل ومناقب بیان کرنے سے باطل فرقوں اور فتنوں کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا: مثلاً؟ فرمایا غیر مقلدین، مبتدعین، رافضیت، مودودیت، خارجیّت، یزیدیت اور مماتیت کے جراثیم خود بخود صاف ہو جائیں گے۔ مجھے علامہ صاحبؒ کے ساتھ کسی بڑی علمی مجلس میں بیٹھنے کا اگر چہ موقع تو نہیں ملا، لیکن جہاں بھی دیکھا علامہ صاحبؒ کو شگفتہ انداز سے ہی گفتگو کرتے دیکھا، کبھی نہیں دیکھا کہ کسی سائل یا مخاطب سے علامہ صاحبؒ نے خشک یا ترش لہجہ میں بات کی ہو البتہ اگر سوال علمی یا تحقیقی ہوتا تو شگفتہ ماحول میں بھی فوراً سنجیدہ ہو جاتے اور نرم ولطیف انداز سے مخاطب کی تسلی وتشفی فرمادیتے تھے۔

علامہ صاحبؒ سے بے تکلفی:

علامہ صاحبؒ کی بے تکلفی کن کن سے تھی؟ میں نہیں جانتا، لیکن میرے ساتھ بھی تھی اور اسکی نوعیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ آپ ان دو واقعات سے لگا سکتے ہیں۔ جب میں نے ''خطبات چشتی'' کی پہلی جلد چھپوائی تو میں نے کسی ملاقات میں علامہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے خطبات لکھے ہیں، اس میں بعض جگہ میں نے یہ جملہ لکھا ہے کہ: ''خطیب کہتا ہے۔'' لیکن یہ جملہ مولانا ضیاء القاسمیؒ صاحب نے بھی لکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی نیا جملہ ہو۔ آپ بتائیں! از راہِ مزاح فرمایا: تم لکھو کہ: ''خطیب بکتا ہے۔''

اِسی طرح ایک مرتبہ جب میں نے تقریظ لکھوانے کے لیے علامہ صاحبؒ کو خطبات کی پہلی جلد پیش کی تو کتاب کا سرسری جائزہ لینے اور فہرست پڑھنے کے بعد فرمایا کہ: چھپوانے سے پہلے مجھے دکھاتے تو بہتر ہوتا۔ میں نے کہا کہ اگر چھپوانے سے پہلے آپکو دکھاتا تو پھر میری کتاب میں آپ نے ہی نظر آنا تھا، میں نے تو فوت ہو جانا تھا۔

جب میں نے یہ کہا، اس وقت علامہ صاحبؒ چائے پی رہے تھے، چائے کا گھونٹ منہ میں تھا، میری بات سے انھیں ہنسی آ گئی، ہنسی روک نہ پائے اور اس گھونٹ کو چٹائی پر پھینکنا پڑا، دراصل علامہ صاحبؒ میری بات سمجھ گئے تھے کہ مسوّدہ دیکھتے ہوئے علامہ صاحبؒ نے میری اتنی غلطیاں نکالنی تھیں اور اصلاح کرتے ہوئے تراکیب اور کئی جملے بدل دینے تھے کہ پھر علامہ صاحب کی تحریر ہی نظر آنی تھی اور میری تحریر برائے نام رہ جانی تھی، بہر حال میری بے تکلفی اسی نوعیت کی تھی لیکن کبھی بھی علامہ صاحبؒ سے ذاتی سوال کرنے کا خیال نہیں آیا۔

میں علامہ صاحبؒ کے متعلق اتنا جانتا تھا کہ یہ سیالکوٹ میں رہتے تھے، پھر لندن چلے گئے، کیونکہ جب حسن ابدال جلسوں میں آنا شروع ہوئے تو اشتہار پر ان کے نام کے ساتھ سیالکوٹ ہی لکھا ہوتا تھا۔ یہ تو ان کے انتقال کے بعد مختلف رسائل میں مضامین چھپے تو ایسی ایسی باتوں کا پتہ چلا جن کے متعلق کبھی انکی زندگی میں ذکر ہی نہیں ہوا تھا۔

مولانا اللہ وسایا صاحب زندہ باد:

اس وقت میرے پاس علامہ صاحب کی چھ سات کتابیں ہونگی، لیکن جولائی ۲۰۲۰ء کے لولاک میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے کمال کر دیا کہ ۴۰، ۴۵ ر کے قریب علامہ صاحبؒ کی تصانیف کی فہرست دے دی، یقین کیجئے بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ اسی رسالہ میں مولانا اللہ وسایا صاحبؒ نے مولانا عبید الرحمٰن ضیاءؒ پر بھی مضمون لکھا تو مجھے ذاتی طور پر شرمندگی ہوئی کہ مولانا ضیاء کا قریبی اور بے تکلف ساتھی ہونے کے باوجود میں ان کی زندگی کی بہت سی باتوں سے لاعلم رہا۔

لولاک میں شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد مجھے مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی بات بڑی شدّت سے یاد آئی جو انہوں نے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب سے کہی تھی۔ مجھے چنیوٹ میں ہی کسی نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے مولانا اللہ وسایا صاحب سے کہا کہ: یار! میرے مرنے کے بعد جو مضمون تم نے مجھ پر لکھنا ہے وہ ابھی لکھ دو تاکہ میں بھی پڑھ لوں کہ تم نے کیا لکھا ہے، معلوم ہوا مولانا چنیوٹی بھی مولانا اللہ وسایا صاحب کی تحریر وتقریر کے مداح تھے کہ: یہ بہت اچھا لکھتے ہیں۔

علامہ صاحبؒ کی جائے ولادت:

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ علامہ صاحبؒ سے طویل مجلس اور بلا جھجک سوالات کرنے کی آزادی کے باوجود میں نے کبھی آپ سے ذاتی زندگی کے متعلق سوال نہیں کیا۔ یقین کیجئے کبھی یہ سوال میرے ذہن میں ہی نہیں آیا، اگر میں کبھی سوال کر بھی

لیتا تو علامہ صاحبؒ نے پتہ نہیں مجھے کیا جواب دے کر چپ کرانا تھا۔ کیونکہ علامہ صاحبؒ بے مقصد سوالات کے جواب میں یا تو خاموش ہو جاتے یا بات بدل دیتے تھے یا ایسا جواب دیتے کہ سائل سمجھتا میں پٹخنی کھا گیا ہوں۔ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے ماہ نامہ ''حق چار یار'' لاہور میں لکھا ہے کہ دو نوجوان جو علامہ صاحبؒ سے قادیانیوں کے متعلق سوالات کرنے آئے تھے ان کی آپس میں بحث ہوگئی کہ علامہ صاحبؒ کی پیدائش کہاں کی ہے۔ تو آپس میں طے کیا کہ علامہ صاحبؒ کے پاس جا رہے ہیں تو خود ان سے پوچھ لیں گے۔ علامہ صاحبؒ نے پوری بات سن کر فرمایا کہ میرے مقام ولادت کے متعلق آپ کا باہم اُلجھنا ایک کارعبث ہے، کیونکہ نفس ولادت ثابت ہے، اور آپ نے اپنے سوالات کے جوابات مجھ سے لینے ہیں نہ کہ میری جائے ولادت سے۔ میرے خیال سے سوال کرنے والوں کو جواب مل چکا تھا۔ (دیکھیے: ۲۱۲/۱ [ادارہ])

شیعہ مناظر پٹخنی کھا گیا:

۱۹۸۰ء سے پہلے کی بات ہے جب میں لاہور میں خطیب تھا تو میرے پاس مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور چند علماء حضرات بھی موجود تھے مجلس جمی ہوئی تھی کہ علامہ خالد محمود صاحبؒ کا ذکر آ گیا اور علامہ صاحبؒ کی خوبیوں پر گفتگو شروع ہوگئی تو مولانا ضیاء القاسمیؒ صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ مجھے اور علامہ صاحب کو اکٹھے سفر کرنا تھا، ہم نے ریل گاڑی کے دو برتھ بک کرائے تھے۔ جس ڈبے میں ہمیں سفر کرنا تھا جب ہم اس ڈبے میں پہنچے تو اسی ڈبے میں ایک اور برتھ پر شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے علیک سلیک کے بعد علامہ صاحبؒ سے کہا کہ یہ مولانا اسماعیل گوجروی ہے۔ مولوی اسماعیل گوجروی نے فوراً کہا کہ کمال ہے علامہ صاحب آپ مجھے نہیں جانتے؟ علامہ صاحبؒ نے کہا کہ: جاننے کے لیے تعارف ضروری ہے اور تعارف کے لیے ملاقات ضروری ہے، جب میری آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تو آپ نے یہ جاہلانہ سوال کیسے کر دیا؟ بس گوجروی کو سانپ سونگھ گیا، اور وہ پٹخنی کھا چکا تھا اور پھر پورے راستہ میں کوئی بات نہ کی۔

حاضر دماغ و حاضر جواب:

لاہور میں میرے پاس ہی ایک مرتبہ ایک مجلس میں علامہ صاحبؒ کی خوبیوں اور خداداد صلاحیتوں پر گفتگو شروع ہوگئی مجلس میں مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ، قاری عبدالحی عابدؒ حافظ حسین احمد قاسمیؒ اور مولانا احسان فاروقیؒ بھی تھے۔ میں نے کوئی بات کرتے ہوئے کہا کہ علامہ صاحبؒ حاضر دماغ شخصیت ہیں، مولانا احسان اللہ فاروقیؒ بولے! حاضر دماغ نہیں، حاضر جواب ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جناب حاضر دماغ ہوگا تو جواب دے گا۔ اس لئے جو حاضر دماغ ہوگا وہی حاضر جواب ہوگا، ورنہ جس کا دماغ حاضر نہ ہو وہ بلا سوچے سمجھے آپ کی طرح ہانک دے گا۔ کمرے میں قہقہے بلند ہوئے! قاسمی صاحبؒ نے میری تائید کی۔

علمی اسلحہ:

ایک مرتبہ علامہ صاحبؒ میرے پاس پُل والی مسجد اوکاڑا میں تشریف لائے میں نے باتوں، باتوں میں عرض کیا کہ علامہ صاحبؒ! مجھے لگتا ہے کہ آپ کئی سوالات اور اعتراضات خود بناتے ہیں اور پھر ان کے جوابات تیار کرتے ہیں پھر اِدھر کوئی

سوال کرتا ہے اُدھر آپ جواب دے کر اس کا منہ بند کر دیتے ہیں اور پھر وہ چاروں شانے چت ہو جاتا ہے، مسکرائے اور فرمایا کہ علمی اسلحہ تیار رکھنا چاہیے اور ہر طرح کی تیاری مکمل ہونی چاہیے۔ میں نے کہا کہ مکمل کے ساتھ مدلّل بھی لگالیں، فرمایا جو مکمل ہوتا ہے وہ مدلّل بھی ہوتا ہے، ورنہ نامکمل ہوتا ہے۔

اب آپ حضرات کو سمجھ آگئی ہوگی کہ علامہ صاحبؒ سے اس قدر بے تکلف ہونے کے باوجود میں نے کبھی آپ کی جائے ولادت کے متعلق سوال نہیں کیا، مزے کی بات یہ ہے کہ میرا سب سے زیادہ وقت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کے ساتھ گذرا، لیکن کبھی ان سے بھی ان کی جائے پیدائش کے متعلق سوال نہیں کیا۔ سوال یہ نہیں علامہ صاحب کی پیدائش کہاں ہوئی، سوال یہ ہے کہ علامہ صاحب بنے کیا ہیں؟ قدرت نے انہیں نکھارا، سنوارا اور چمکایا کیسے ہے؟ میں کہتا ہوں کہ کیا رکھا ہے جائے ولادت میں جب ضلع ہزارہ کے ڈھکی چیڑاں میں پیدا ہوا تو محمد سرفراز تھا اور جب دنیا سے گیا تو امام اہل سنت علامہ سرفراز خان صفدرؒ تھا، جب قصور میں پیدا ہوا تو خالد محمود تھا جب دنیا سے گیا تو سلطان العلماء علامہ خالد محمودؒ تھا، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہ

سند فراغت:

علامہ صاحبؒ کے متعلق یہ بحث بھی شروع ہے کہ کہاں سے فارغ التحصیل تھے؟ کہاں سے پڑھا تھا؟ کہاں سے سند فراغت حاصل کی؟ میں کہتا ہوں اس بحث کو چھوڑ دیں کہ کہاں پڑھا تھا؟ یہ بتائیں جو پڑھا، سنایا اور جو لکھا وہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر سند فراغت پوچھنے کی ضرورت نہیں! آم میٹھا ہو تو باغ کا نہیں پوچھا کرتے، جب مال صحیح ہو تو کارخانہ کے متعلق سوال نہیں ہوتا، جب عقائد و مسائل پختہ ہوں، بیان جاندار ہو، دلائل ناقابل تردید ہوں، مناظرانہ استعداد مدمقابل کے لئے حوصلہ شکن ہو، تصنیفات و تالیفات اغیار کی نیند اور سکون چھین لیں تو پھر سند فراغت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ علامہ صاحبؒ خود سند تھے۔ کسی کتاب، کسی رسالہ اور کسی مضمون میں انکا نام آنا ہی مواد کی صحت کے لئے کافی تھا۔

قلم و زبان اور تحریر و تقریر میں ہر کوئی کامیاب نہیں ہوتا، یہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے تحریر و تقریر میں کامیاب و کامران کردے۔

علامہ صاحب فضلائے دیوبند کے استاذ تھے:

میرے عزیزو! کبھی یہ بھی تو سوچو کہ دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کیا دیوبند سے فارغ تھے۔؟ یہ تو بانی تھے۔ انہوں نے وہاں پندرہ روپے ماہوار پر مُلا محمود صاحبؒ کو مدرس رکھوایا تھا۔ آخر انہوں نے بھی تو کہیں سے پڑھا تھا۔ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونا بڑے اعزاز اور سعادت کی بات ہے، لیکن جن حضرات نے اس دارالعلوم کی بنیاد رکھی ان کی قابلیت اور خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ آخر ان مدرسین حضرات نے بھی تو کسی نہ کسی مدرسہ اور جامعہ میں تعلیم حاصل کی ہوگی، بہر حال یہ بات طے ہے کہ علامہ صاحبؒ دارالعلوم کے فاضل نہیں تھے، بلکہ علامہ صاحبؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ التحصیل تھے۔ اب جو شرفا و صلحاء اور فضلاء کہہ رہے ہیں کہ علامہ صاحبؒ دیوبند کے فاضل نہیں، انہیں بتادیں کہ علامہ صاحبؒ

فاضل نہیں لیکن فضلائے دیو بند کے استاذ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ سارے دیو بند پڑھنے کے لئے گئے اور علامہ صاحبؒ پڑھانے کے لئے گئے، سارے دیو بند شاگرد بن کر گئے، مگر علامہ صاحبؒ استاذ بن کر گئے۔ مقدر کی بات ہے علامہ صاحبؒ جب دیو بند شاگرد بن کر نہ جا سکے تو خدا تعالی نے انہیں استاذ بنا کر دیو بند بھیج دیا، وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِه

القابات کی ارزانی :

آج کل بینگن اتنے سستے نہیں جتنے القابات سستے ہیں، ہر ایرا علامہ، ہر غیرا فہامہ، ہر نتھو مفتی اور ہر خیرا خلیفہ مجاز، کسی نیک سیرت اور معصوم صورت پیر صاحب کے پاس چار دن گذارتے ہیں اور پھر واپس گھر جانے کی اجازت لینے کے لئے پیر صاحب کے قریب دوزانوں ہو کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: ''حجرت جی! اَجَاجَتْ ہے؟'' اور پیر صاحب بیچارے سمجھتے ہیں کہ واپس گھر جانے کی اجازت مانگ رہا ہے اور وہ اسے جانے کی اجازت دیتے ہیں کہ ''جی ٹھیک ہے اجازت ہے۔'' اور یہ واپس آ کر سب سے پہلے اپنی بیوی کو اور پھر ہر ملنے والے کو خوشخبری سناتے ہیں کہ ''اَجَاجَتْ'' مل گئی ہے۔ یعنی حضرت نے بیعت کرنے اور دوسروں کی اصلاح کی اجازت دے دی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

اور جو تخصص کر لیتے ہیں وہ آتے ہی گھر کے دروازے پر مفتی لکھواتے ہیں اور جن کے چار جلسے ہوں وہ علامہ اور جن کے آٹھ جلسے ہو وہ خطیب یورپ وایشیاء بن جاتا ہے۔ اور جنہیں پگڑی باندھنے کا سنت طریقہ نہیں آتا وہ پیر طریقت بن جاتے ہیں، الا ماشاء اللہ

ایک وقت تھا کہ القابات ٹکے سیر نہیں بکتے تھے۔ بلکہ جو اہل اور حق دار ہوتا تھا اسی کہ نام کے ساتھ القابات، یعنی علامہ یا شیخ الحدیث لکھا جاتا تھا۔ دس سال کی عمر میں مَیں نے سلطان العلماء علامہ خالد محمودؒ کے ساتھ علامہ لکھا دیکھا تھا صرف اشتہار میں ہی نہیں بلکہ ہمارے استاذ جی عبد الحمیدؒ کے پاس پابندی سے خدام الدین رسالہ آتا تھا استاذ جی مرحوم حضرت لاہوریؒ کے مرید تھے ، اس خدام الدین رسالہ پر علامہ خالد محمود لکھا ہوتا تھا، اسی طرح میرے چچا جان تنظیم میں تھے اور ان کے پاس پابندی سے ہفت روزہ ''دعوت'' رسالہ آتا تھا، اس پر بھی علامہ خالد محمود لکھا ہوتا تھا۔ یہ لقب حضرت لاہوریؒ نے خدام الدین میں اور دعوت رسالہ میں سید نور الحسن بخاریؒ نے علامہ صاحبؒ کو دیا یعنی استعمال کیا۔

مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کے امام اہل سنت نمبر کے صفحہ ۵۵۵ / پر مولانا عبد الوحید حنفی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''حضرت قاضی مظہر حسین صاحبؒ اپنے قلم سے صرف دو بزرگوں کے نام کے ساتھ علامہ لکھتے تھے۔ ایک حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صفدرؒ، دوسرے حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحبؒ ۔ ان کے علاوہ دور حاضر کے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ حضرت قاضی صاحبؒ کو علامہ لکھتے نہیں دیکھا۔'' (دیکھیے :۱/۵۷......۲/۳۹۶......۲/۴۹۳[ادارہ])

میں کہتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحبؒ القابات کی بے قدری نہیں کرتے تھے اور نہ ہی چاپلوسی کرتے تھے اور نہ ہی الفاظ کی رشوت دینے کے قائل تھے، جو شخص جس لقب کا مستحق ہوتا اسے وہی لقب دیتے تھے۔ اور جو شخص علم کے جس درجہ میں ہوتا اسے اسی درجہ میں رکھتے تھے۔

اب اگر کوئی، خشکا، پتھری یا صاحب بغض وحسد اعتراض کرے کہ قاضی صاحبؒ نے صرف ان ہی دونوں بزرگوں کے نام کے ساتھ علامہ کیوں لکھا تو بحث کی بجائے صرف اتنا کہہ دیں: **وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا.**

دل کی بات:

آج پہلی مرتبہ دل کی بات لکھ رہا ہوں کہ چھ علماء ایسے ہیں جن سے مجھے عقیدت واحترام کے ساتھ ساتھ قلبی محبت بھی ہے، اگر چہ میں تمام صحیح العقیدہ علماء، خطباء، مفتیان کرام اور سچے پیرانِ عظام کا تہہ دل سے احترام واکرام کرتا ہوں، لیکن ان چھ حضرات کے لئے دل میں بہت محبت ہے:

۱۔ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

۲۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ

۳۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ

۴۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ چکوال

۵۔ مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ

۶۔ مولانا علامہ خالد محمودؒ

ان حضرات نے میری زندگی سنواری، میرے عقائد ونظریات کی اصلاح فرمائی۔ اور مجھے اکابر کا احترام کرنے اور مسلک اہل سنت دیوبند سے وابستہ رہنے اور صحیح مسلک دیوبند بیان کرنے کی تاکید فرمائی۔

تفسیر عثمانی:

یہ بات لکھ چکا ہوں کہ علامہ صاحبؒ نے دیگر تفاسیر دیکھنے کے بعد پھر تفسیر عثمانی کے مطالعہ کا مشورہ دیا تھا، اس کی وجہ اگر کوئی تلاش کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ **اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ** الخ کی آیت کی تفسیر کا مطالعہ کرے ان شاء اللہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔

شدّت نرمی میں، حدّت ٹھنڈک میں بدل جائے گی، بیان میں شیرینی، گفتگو میں ٹھہراؤ اور انداز تکلم میں اعتدال آجائے گا، میرے مزاج کی خشکی اور بیان کی سختی کو اسی تفسیر عثمانی نے حلاوت وطراوت میں بدلا، اور بلاوجہ تعصّب سے بچایا ہے۔ دعا ہے اللہ کریم حضرت علامہ صاحبؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا قاری محمد طارق (ا)

زیارت کے چند یادگار لمحات

۸۴،۱۹۸۳ء میں بندہ جب جامعہ رحمانیہ (جہانیاں منڈی) میں حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ کے ہاں زیرِ تعلیم تھا، انہی ایام میں ایک دن اچانک حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔

حضرت استاذ جیؒ مولانا محمد اشرف شادؒ کا اپنا ایک مخصوص اندازِ تعلیم وتربیت تھا، آپ وقتاً فوقتاً اپنے مختلف اکابر واصاغر کو دعوت دیتے تھے اور ان کے علمی واصلاحی بیانات ومجالس ہوتیں، چنانچہ حضرت العلام بھی مخدوم رشید کے ایک بزرگ (غالباً ابوالخیر اسدی نام تھا) سے کسی مسئلہ پر گفتگو کے لیے تشریف لائے تھے تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حضرت العلام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت استاذ جیؒ نے اپنے جامعہ میں تشریف آوری کی دعوت دی جو حضرتؒ نے قبول فرمائی۔

حضرتؒ بعد ظہر تشریف لائے تھے، آپ کی خدمت واکرام کے لیے جن ساتھیوں کو حضرت استاذ جیؒ نے مقرر فرمایا تھا ان میں بندہ بھی شامل تھا، نماز عصر سے پہلے اور بعد میں کچھ وقت علماء ومعززین سے ملاقات ومجلس رہی پھر حضرت نے اپنے تحریری کام کے لیے تخلیہ فرمایا، اس موقعہ پر چند یادگار باتیں جو ذہن میں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ بندہ کو حکم ہوا تھا اس طرف کسی کو نہیں آنے دینا، بندہ جس جگہ اس ڈیوٹی کے لیے کھڑا تھا، وہاں سے حضرتؒ بھی دکھائی دے رہے تھے، تو بندہ کو بلا کر فرمایا تھوڑا ہٹ کر ایسی جگہ ٹھہرو کہ تمہیں دیکھنے یا تمہارے کسی سے بات کرنے سے میرا خیال وتوجہ تبدیل ومنتشر نہ ہو، چنانچہ حسبِ ارشاد بندہ تھوڑا سا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز مغرب تک آپ تحریری کام فرماتے رہے، بعد نماز مغرب آپ کا بیان ہوا پھر سوالات وجوابات ہوئے، چند باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) اسلوبِ دعوت اور اسلوبِ مناظرہ کا فرق بتاتے ہوئے غیر مسلموں کو دعوت کا قرآنی اصول ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے ان کو مشترکات کی طرف بلاؤ " **قُلْ يَااَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْ اِلٰى كَلِمَةٍسَوَآءٍ** .سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ہم وہاں برطانیہ میں اسی اصول کو اپناتے ہوئے بہت بڑے بڑے دعوتی اجلاس ومذاکرے منعقد کرتے ہیں جس میں کافی تعداد میں غیر مسلموں کو بلاتے ہیں اور اس طرح ان تک اسلام کی دعوت پہنچاتے ہیں۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اور ادیان وشرائع کی وہ باتیں جو قرآن وحدیث میں بھی موجود ومذکور ہیں بیان کرتے ہیں پھر اسلام اور پیغمبرِ اسلام نبی آخر الزمان ﷺ کی خوبیاں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے متاثر ہو کر کافی غیر مسلم اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جاتے ہیں (الحمدللہ)

(ا) مدیر: ماہنامہ پیام حراء، ڈیرہ اسماعیل خان

ردِّ عیسائیت پر بھی گفتگو فرمائی اوران کے ساتھ ہونے والے مناظروں کا ذکر بھی فرمایا۔

(۲) سوال و جواب کے درمیان فرمایا کہ ہمارے دینی مدارس کے طلبہ میں تربیت کی کمی ہے جس میں ایک یہ بھی ہے کہ سوالات بے جوڑ و بے ربط ہوتے ہیں، چاہئے تو یہ کہ جس عنوان و موضوع پر بات و بیان ہوا ہو سوالات بھی اسی عنوان و موضوع سے متعلق ہونے چاہئیں جبکہ یہاں ایسا نہیں ہوتا۔

(۳) ایک سوال کے جواب میں ''سیاستِ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) زندہ باد'' کا نعرہ لگانے کی جو تفصیل بیان فرمائی وہ بڑی شاندار تھی جس کا مفہوم وخلاصہ کچھ اس طرح تھا کہ ''حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) میں فہم وفراست، حوصلہ وتدبّر، حلم وحکمت وبصیرت اور نظام مملکت وحکومت چلانے کی جو خوبیاں تھیں اور حدیث پاک ''**ابنی هذا سید**'' کی پیشن گوئی کے مطابق ''**سیدا شباب اهل الجنة**'' کے مصداق شہزادے حسنین کریمینؓ کے ساتھ صلح کے بعد امت مسلمہ کو دوبارہ متفق ومتحد کرکے رُکی ہوئی اسلامی فتوحات کو آگے بڑھانے اور برّ وبحر تک پھیلانے کا (خصوصاً بحری جنگی بیڑا بنا کر قسطنطنیہ تک کو فتح کرنے کا) جو سنہری وتاریخی کارنامہ آپؓ نے سرانجام دیا اس بناء پر ''سیاستِ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) زندہ باد'' کا نعرہ لگایا جاتا ہے، یہ کوئی الزامی، تقابلی یا محض جذباتی نعرہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت آپؓ کے تدبر، فہم وفراست، مفاہمت ومصالحت، کامیاب ترین جنگی حکمتِ عملیوں اور عوامی وفلاحی کاموں کی ان تمام تر خوبیوں، عظمتوں اور بھرپور اعلیٰ انتظامی وسیاسی صلاحیتوں کا اعتراف اوران پر آپ کو خراج تحسین وسلامِ عقیدت پیش کرنے کا اظہار ہے جس کا بہت بڑا تاریخی ودینی پسِ منظر ہے۔

(البتہ بعض لوگ جو اِس معنیٰ میں یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے، موقف اور سیاست درست تھی۔ وہ غلطی پر ہیں۔)

اللہ کریم حضرت العلام رحمہ اللہ کے درجات بلند وبالا فرمائے، آپ کو بہت ہی جزائے خیر نصیب فرمائے۔ اور بندہ کے لیے اُن لمحاتِ خدمت اور اِن سطور کو ذریعہ بخشش وبہانہ نجات بنادے۔ **اٰمین ثم اٰمین برحمتک یاارحم الراحمین وصلی الله علیٰ خیر خلقه سیدنامحمدو اٰله و اصحابه و اتباعه اجمعین.**

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ محمد مسعود، مدینہ منورہ [مدیر: ماہنامہ حق چار یار، لاہور]

وابستہ یادیں

عزیز القدر محترم جناب حمزہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی وفات عظیم سانحہ ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ اُن کی تقریر مدرسہ عربیہ اظہارالاسلام چکوال میں غالباً ۱۹۶۹ء میں سنی تھی جو درس نظامی میں بندہ کا پہلا سال تھا۔ اس وقت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چکوال تشریف لائے تھے، اتنا یاد ہے کہ قرآن مجید کی عظمت، شان اور موجودہ ترتیب کے من جانب اللہ ہونے کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ موجودہ ترتیب کے من جانب اللہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فاتوا بسورة من مثلہ**۔ [کوئی ایک سورت ہی اِس جیسی لے آؤ] اور سورۂ بقرہ سے قبل صرف ایک ہی سورت [سورۂ فاتحہ] ہے۔ اور گیارھویں سورت میں ارشاد ہے: **فاتوا بعشر سور مثله**. [دس سورتیں اِس جیسی لا کر دکھاؤ]۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اُس بیان کی یہی مختصر سی بات ذہن میں ہے۔ (دیکھیے: ۳۹۸/۲ [ادارہ])

۱۹۸۰ء کے اواخر میں بندہ مدینہ طیبہ آ گیا۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساؤتھ افریقہ میں قادیانیوں کے حوالے سے مقدمہ سے فراغت کے بعد دیگر علماء کے ہمراہ عمرہ کے لیے حرمین شریفین تشریف لا رہے ہیں۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے تو میں نے حاضر خدمت ہو کر انھیں اپنی مسجد میں تشریف آوری کی دعوت دی جو انھوں نے قبول فرمائی، بندہ انھیں ساتھ لے کر اپنی مسجد کی طرف چل پڑا۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ علامہ صاحب بہت مختصر بات کرتے تھے اور ان کی ارشاد فرمودہ مختصر سی بات اپنے عنوان کا نچوڑ اور خلاصہ ہوا کرتی تھی۔ راستے میں مدینہ طیبہ کے دودھ اور لسی کا تذکرہ ہوا۔ مسجد میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ راستے میں لسی کی بات چل رہی تھی، شاید ٹھنڈا پسند فرمائیں گے، لیکن میں نے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ ٹھنڈا پسند کریں گے یا گرم؟ تو فوراً فرمانے لگے: جتنی دیر میں گرم تیار ہوا تنی دیر میں ٹھنڈا پلا دیں، اس کے بعد گرم پی لیں گے۔ حضرت کے اس ارشاد پر سب حاضرین مسکرانے لگے۔

واپسی پر کسی ساتھی نے کہا کہ یہاں اگر کوئی بزرگ ہوں تو ان سے ملاقات کرنی چاہیے۔ اُس وقت مولانا محمد عثمان ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے، (یہ وہ بزرگ تھے جنھوں نے تین ہجرتیں کی تھیں، ایک ہجرت ترکستان سے ہندوستان کی طرف، جہاں جا کر انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا، اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بے حد عقیدت مند بلکہ عاشق تھے۔ وہاں سے انھوں نے دوسری ہجرت پاکستان کی طرف کی، جہاں لاہور کے علاقہ پرانی انارکلی کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے۔ باقی

زندگی یہیں مدینہ منورہ میں گزری۔) میں نے اُن کا تذکرہ کیا تو علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم سفر پوچھنے لگے: ان کی خصوصیت کیا ہے؟ تو علامہ صاحب فوراً فرمانے لگے کہ: اِس سے بڑی اور کیا خصوصیت ہوگی کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں۔ مولانا عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو زمانہ طالب علمی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوا کرتی تھے۔

ایک مرتبہ مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، علامہ صاحب نے ان سے فرمایا: روافض کی مختصر سی تعریف کریں کہ رافضی کون ہوتا ہے؟ حضرت جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ ہی ارشاد فرمادیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا: رافضی اسے کہتے ہیں جو پہلوں سے بدظن کرے۔ صحابہ کرام، ائمہ دین سے بدظن کرنا رافضیت ہے۔ حضرت جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جی بالکل یہی بات ہے۔ تو علامہ صاحب نے فوراً فرمایا: اتنے رافضی تو آپ بھی ہیں، وہ حیران ہوئے اور پوچھا کہ حضرت! وہ کیسے؟ تو علامہ صاحب نے فرمایا: آپ جو اپنی تقریروں میں یہ فرماتے ہیں کہ آج تک سنیت سوئی ہوئی تھی، کسی نے یہ کام نہیں کیا جو ہم کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی تو پہلوں سے بدظن ہی کرتی ہے۔ اس پر حضرت جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ آئندہ احتیاط کروں گا۔ گویا حضرت علامہ صاحب نے اُن کی اصلاح فرمائی اور انھوں نے اِس اصلاح کو قبول کیا۔ (دیکھیے: ۱/۱۳۱......۲/۲۱۹......۲/۴۷۴ [ادارہ])

بندہ کو حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ زیادہ ملاقاتوں اور بکثرت ان کے بیانات سننے کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ چند باتیں ذہن میں تھیں جو مختصراً عرض کردی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجلّہ صفدر کے اِس خاص نمبر کو علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور ہم جیسے نالائقوں کے لیے اس میں سبق ہو۔ ان جیسی زندگی اپنانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو صحت وایمان کی سلامتی نصیب فرمائے اور جس مشن میں لگے ہوئے ہیں اس میں کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆

مولانا شاہ جلیل احمد اخون (۱)

استاذیم حضرت العلام رحمہ اللہ

حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بندہ کے بھی استاذ تھے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی قیام کے دوران حضرت سے مناظرہ پڑھا تھا۔ اس طور پر بھی حضرت سے تعلق تھا کہ وہ ہمارے استاذ تھے اور اس طور پر بھی کہ ہمارے والد صاحب حضرت مولانا نیاز محمد صاحب ختنی ترکستانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی گہرا تعلق تھا، حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دارالعلوم دیوبند تھے اور فراغت ۱۹۴۲ء میں ہوئی تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ساتھی تھے۔ بعد میں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ان کو بہاولنگر لے آئے تھے۔

حضرت والد صاحبؒ نے خود یہ بات بتائی تھی جب میں کئی سال پہلے برطانیہ حاضر ہوا تو حضرت علامہ صاحبؒ کے ہاں مانچسٹر جانا ہوا۔ حضرت علامہ صاحب کی مسجد اس وقت نئی تعمیر ہوئی تھی جو ختم نبوت اکیڈمی میں واقع ہے۔ میں نے حاضر ہونے کی اطلاع دی تو حضرت کے خادم خاص مفتی فیض الرحمٰن صاحب (جو اَب حضرت کے جانشین بنائے گئے ہیں) نے حضرت کو اطلاع دی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا جمعہ کا بیان بھی کریں اور جمعہ بھی پڑھائیں۔ خیر میں نے جمعہ پڑھایا۔ جمعہ کے بعد حضرت نے سب حاضرین سے کہا آپ بیٹھے رہیں، میں نے مولانا کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔ پھر حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب ہم لاہور میں تھے تو ہم نے سنا کہ بہاولنگر میں کوئی چینی بابا آیا ہے اور بہت گہرا علم رکھتا ہے، اسے علم معقولات پر گہری دسترس ہے اور وہ ہمارے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں بس پر سوار ہو کر ان کی زیارت کے لیے بہاولنگر حاضر ہوا۔ ملاقات ہوئی پھر ایسی مناسبت ہوئی کہ اکثر خاص مسائل میں گفتگو کے لیے میں بہاولنگر حاضر ہو جاتا۔

حضرت والد صاحبؒ کو معقولات میں بڑی عجیب دسترس تھی۔ خاص طور پر بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی ''تقریر دل پذیر'' کی عبارات سمجھنے کے لیے کئی اکابر اور بڑے حضرات کو ہم نے والد صاحب کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے۔

پھر علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم نے تو ہجرت کی دنیا کے لیے اور پھر دین کی خدمت کی توفیق ہوگئی لیکن ان کے والد صاحبؒ نے چین سے صرف اور صرف دین کے لیے ہجرت کی تھی، علامہ صاحبؒ استفادہ کرنے کے لیے مشقت اٹھا کر بہاول نگر پہنچ جاتے حالانکہ ان کو علامہ کا خطاب جوانی میں ہی مل گیا تھا اور خود بھی انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے پورا پورا فیضان حاصل کیا تھا۔ لیکن ان اکابر کی یہ خاصیت تھی کہ انہیں جہاں بھی یہ پتا چل جاتا کہ ہمیں کوئی شئے مل سکتی ہے تو وہ مشقت اٹھا کر پہنچ جاتے۔

---

(۱) مہتمم وشیخ الحدیث جامع العلوم عیدگاہ بہاول نگر، خلیفہ مجاز بیعت: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ میں امام رازی کے بارے میں لکھا ہے جو بڑے علماء میں سے تھے۔ جن کی تفسیر کبیر مفاتیح الغیب بڑی مشہور ہے۔ وہ معقولات اور منقولات کے بڑے امام تھے۔ حضرت نے ۱۲۰/سال عمر پائی تھی۔ ان کے سوانح میں لکھا ہے کہ بڑی عمر میں پتا چلا کہ فلاں جگہ پر کوئی عالم ہے جو فلاں فن کا ماہر ہے۔ عربی اشعار کا کوئی فن تھا تو حضرت بھی اس کو جانتے تھے، لیکن اس کو اعلیٰ طریقے پر جاننا اور سیکھنا چاہتے تھے۔ تو بڑی عمر میں اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں چلے گئے۔ جب وہاں گئے تو وہ عالم حضرت کے شاگرد تھے۔ انہوں نے کہا حضرت میں تو آپ کا شاگرد ہوں آپ مجھے فرماتے میں وہیں حاضر ہو جاتا۔ جو اصول وقواعد ہیں وہ میں وہیں گوش گزار کر دیتا۔ فرمایا کہ نہیں میں طالب ہوں مجھے ضرورت ہے۔ بلکہ ان سے فرمایا کہ تم کس طرح درس دیتے ہو؟ انہوں نے کہا میں منبر پر بیٹھتا ہوں اور طلبہ نیچے بیٹھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم منبر پر بیٹھو اور میں نیچے بیٹھوں گا اور تم درس دو۔ خیر انہوں نے اس طریقے سے پڑھا۔ یہ ہمارے سلف کی بڑی خاص شان تھی اور حضرت علامہ صاحبؒ میں ہم نے یہ شان دیکھی ہے۔

دوبارہ جب ۲۰۱۸ء میں حاضر ہوا تو علامہ صاحب کو پتا چلا کہ میں برطانیہ آیا ہوا ہوں۔ علامہ صاحبؒ اس وقت ہسپتال داخل تھے۔ اُن کو وہیں مولانا فیض الرحمٰن صاحب نے اطلاع دی کہ مولانا آئے ہوئے ہیں تو علامہ صاحبؒ بڑی شدت سے احقر کا انتظار کرنے لگے اور فرمایا کہ ان کو اطلاع دو مجھے ضرور ملیں۔ خیر اس وقت حضرت ہسپتال سے آ گئے تھے، میں خدمت میں حاضر ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا: ٹھہرو! مجھے کھڑا ہونے دو، پھر بغل گیر ہوئے اور بڑی محبت کے ساتھ مجھے اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر حضرت والد صاحبؒ کا ذکر کیا کہ ہم ان کے پاس جاتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ان حضرات نے اگر کسی سے استفادہ کیا ہے تو ان کے دل میں اپنے ان حضرات کی کیسی عظمت ہے؟ پھر مجھے ایک دو کام ذمے لگائے کہ فلاں فلاں کتاب میں ایسی باتیں ہیں اور پاکستان میں نئی کتابیں چھپی ہیں۔ آپ نے جا کر اس پر فلاں فلاں شخص سے ملنا ہے اور میں آپ کا انتظار کر رہا تھا کہ آپ ہی اس کام کو احسن طریقے پر انجام دیں گے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اتنی علالت اور عمر کا یہ حصہ لیکن اہل حق کے مسلک کی اس قدر فکر ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اس کے لیے فکر مند ہیں کہ اس کو کیسے حل کیا جائے۔ میں نے کہا آپ فکر نہ کریں میں ضرور اس کا بندوبست کروں گا۔

پھر ایک بات ارشاد فرمائی کہ میری یہ خواہش ہے کہ میں بہاولنگر آؤں اور جہاں پر آپ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کا درس دیتے تھے وہاں بیٹھ کر ۲/گھنٹے بخاری شریف کا درس دوں۔ مجھے فرمایا کہ تم انتظام کر لو گے؟ میں نے عرض کیا آپ ضرور تشریف لائیں، یہ تو ہمارے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے ہم دُور تک اس کی اطلاع دیں گے۔ ان شاءاللہ دور اور قریب سے اہل علم اور عوام آپ سے استفادہ کریں گے۔ لیکن پھر قضاء وقدر نے مہلت نہ دی اور حضرت رحلت فرما گئے۔

پھر میں نے کہا حضرت مجھے اجازت دیں میرا ایک جگہ پر بیان ہے۔ اولڈھم قریب ہی ایک جگہ ہے وہاں میرا بیان ہے۔ فرمایا کہ ہمیں خود آپ کے بیان کا شوق ہے۔ آپ ایسا کرو کہ اسی کمرے کو اولڈھم قرار دے دو اور بیان یہیں سنا دو۔ حضرت کی اس بات سے بہت لطف آیا اور حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ پھر حضرت سے اجازت چاہی۔ یہ حضرت کے ساتھ میری آخری ملاقات تھی۔

☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد طیب (آ)

ایک عظیم داعی اسلام کی رحلت

۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء بمطابق ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب قمری اعتبار سے تقریباً ۹۷ر برس کی بھرپور علمی وعملی زندگی گزار کر مانچسٹر میں انتقال فرما گئے تھے، بلاشبہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، کئی کئی اداروں جتنا کام وہ تنہا کر گئے ہیں، مولانا انتہائی متواضع، کشادہ دل، روشن دماغ، مستقل مزاج، نکتہ رس، بیباک اور معاملہ فہم انسان تھے، فریقِ مخالف کی چالوں کی تہہ تک پہنچنا اور ہر گتھی کو بآسانی سلجھالینا ان کا خاصہ تھا۔ کسی مقصد کو تحریک کی شکل میں ڈھالنے یا کسی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے والے شخص میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، مختلف حالات و واقعات میں ان کی استدلالی قوت اور فراست کا بخوبی اندازہ ہوا، اس وقت ان چند سطور میں حضرتِ علامہ قدس سرہ کی علمی، تدریسی، تبلیغی، تحریکی اور تنظیمی خدمات کا تفصیلی جائزہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی قابلیت، ذوق کی پختگی اور دفاعِ صحابہ وختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ان کی خدمات نے ابتدائی عمر میں ہی انہیں اُس وقت کے عمر رسیدہ اکابر کے ہم پلہ بنا دیا تھا، بندہ نے خصوصیت کیساتھ اُن کی قادیانیت کے حوالے سے ایک کامیاب مناظر کی شہرت سن رکھی تھی، لیکن حضرت کی زیارت کا موقع پہلی بار ۱۹۸۱ء میں دورہ حدیث والے سال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ملا تھا، اس وقت تک ان کی داڑھی میں شاید ایک بھی بال سفید نہیں تھا، اسی موقع پر طلبہ نے دارالحدیث میں ان کا بیان بھی طے کروایا جس کا عنوان ''یورپ میں اسلام کی اشاعت کے امکانات'' تھا، جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ عیسائیت کو توحید اور تثلیث جیسے بنیادی موضوعات سے آج کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہے، آج کا گورا اسلام کو معاشرتی احکام کے حُسن سے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا اس دور میں اسلام کے معاشرتی احکام کے اصل رنگ کو علم وعمل کے ذریعہ سے واضح کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

اس کے بعد پھر ملاقات کا زیادہ سلسلہ نہیں رہا البتہ ہمارے والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ صاحب کا ۵۰ر کی دہائی کے اواخر اور ۶۰ر کی دہائی کے اوائل سے ہی بڑا گہرا تعلق تھا، جب حضرت والد صاحب مدرسہ نعمانیہ کمالیہ کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات تھے اور سالانہ جلسوں میں اکابر علماء کرام کو مدعو کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، حضرت والد صاحب نے جب ۱۹۸۳ء میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ کی بنیاد رکھی تو اس ادارہ کے قیام کی جن اکابر نے بڑی خوشی محسوس کی، ان میں علامہ صاحب رحمہ اللہ بھی تھے، سال میں متعدد بار جامعہ میں تشریف لا کر قیام فرماتے اور طلبہ سے مختلف موضوعات پر تربیتی

(آ) مدیر: جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

خطابات بھی فرماتے، کئی بار جامعہ میں جمعہ اور دیگر عوامی مجمعوں سے بھی خطاب فرماتے اور یہ مبارک سلسلہ وفات کے قریب تک حضرت رحمہ اللہ کی خاص شفقت کے سبب جاری رہا، ہمیں اور ہمارے طلبہ کرام کو ان سے بیانات اور نجی مجالس کے ذریعے استفادہ کا بہت موقع ملا، **فللہ الحمد.** (دیکھیے: ۷/۲/۸[ادارہ])

عام طور پر لوگ انہیں مناظرِ اسلام کہتے تھے مگر بندہ اُن کو داعی اسلام کہتا رہا ہے، اس کی وجہ یہ سامنے تھی کہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر جہاں دعوتِ دین اور اُس کے آداب کا بیان ہے، وہاں دعوت دین کے آداب کے ضمن میں مُجادلہ کے آداب بھی بیان ہوئے ہیں اس لیے مناظرہ بھی دعوتِ اسلام ہی کا ایک حصہ ہے، فی زمانہ مجادلہ ومناظرہ کی دنیا میں پیچیدہ ترین کام قادیانیوں سے مُباحثہ ہے، کیونکہ جتنا دجل، ضد اور عناد اس طبقہ میں ہے شاید ہی اس کی نظیر تاریخِ اسلام میں کہیں موجود ہو، جبکہ حضرت علامہ صاحب کی ردّ قادیانیت اور دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر بے مثل خدمات ہیں۔

قادیانیت کے دجل وفریب کے تار پود بکھیرنے کے سلسلے میں اُن کی بیشمار خدمات میں سے اس وقت ایک ذرہ مجھے یاد آ رہا ہے جو بلاشبہ اپنی جگہ عظیم کام ہے، بندہ ۱۹۸۲ء میں دارالافتاء والارشاد کراچی میں تخصص کر رہا تھا، ان دنوں کا واقعہ ہے کہ قادیانیوں نے اپنے زعم کے مطابق مسلمانوں پر ایک ایسا وار کیا کہ اُن کا گمان تھا مسلمان اس وار سے کسی طور سنبھل نہ سکیں گے، قادیانیوں نے اپنے ایک رسالہ میں مضمون چھاپا کہ مولوی لوگ ادھر مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر لعنتی کہتے نہیں تھکتے، دوسری طرف ان کے عظیم مُصنف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مرزا صاحب کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی اس بات کی تائید میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''**المصالح العقلیه لاحکام النقلیه**'' المعروف بہ ''احکامِ اسلام عقل کی نظر میں'' سے پانچ حوالے دیئے جن میں حضرت تھانوی کی کتاب اور مرزا کی مختلف کتابوں کی عبارت لفظ بلفظ یکساں ہے۔(دیکھیے: ۴۰۵/۱......۳۲۰/۲......۳۷/۷/۲[ادارہ])

یوں تو مرزائیوں کے اس دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لیے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں تھی صرف حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب کا دو صفحات کا مقدمہ دیکھ لینا کافی تھا، جس میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا تھا کہ میرے سامنے اس موضوع پر ایک کتاب ہے، جس میں ہر قسم کی رطب ویابس باتیں لکھی ہوئی ہیں، میں نے اس میں سے جو صحیح باتیں تھیں، اُن میں سے کچھ لے لی ہیں، حضرت تھانوی حکیم الامت تھے، حضرت کی کتاب کے اِس اسلوب میں بھی حکمتیں تھیں، حضرت نے کتاب اور مصنف کا نام نہیں لکھا، کیونکہ اس میں صحیح غلط ہر طرح کی باتیں تھیں، اور نام لکھ کر لوگوں کو گمراہی کی طرف متوجہ کرنا قطعاً دانشمندی نہیں تھا، اس لیے حضرت نے نام لیے بغیر اس بات کا اظہار فرما دیا کہ میں نے ایک کتاب سے کچھ مضامین لیے ہیں، نعوذ باللہ مرزا کی طرح چوری نہیں کی تھی۔

کتاب کے مقدمہ سے یہ صورت حال بے غبار ہوگئی کہ حضرت نے مرزا کی کتابوں سے استفادہ نہیں کیا (جبکہ قادیانیوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت تھانوی نے مرزا صاحب کی متعدد کتابوں سے مضامین لیے ہیں) بلکہ کوئی ایک کتاب ہے جس سے بتا کر

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی صرف اسی ایک کتاب میں مضامین لیے ہیں، جبکہ اس کے برعکس مرزا بغیر کسی حوالے وتصریح کے اپنی متعدد کتب کے لیے چوری مضامین لیتا رہا۔حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے پہلے مرحلہ میں اجمالاً یہی بے غبار جواب لکھا لیکن قادیانی دنیا یہی کہتی رہی کہ مفروضوں پر مبنی جواب ہے، اس سے ہمارا الزام ختم نہیں ہوتا، تفصیلی جواب کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایک کتاب ملے جس سے حضرت تھانوی نے ایک کتاب میں بتا کر مضامین لیے تھے اور مرزا نے چوری چوری متعدد کتب سے مضامین لے رکھے تھے، تاکہ کتاب کے متعدد حوالوں سے بات نکھر کر سامنے آجائے، کتاب کا نام حضرت تھانوی نے دینی مصلحت میں نہیں لکھا تھا اور اسی کتاب کی تلاش تھی جس کا نام بھی معلوم نہیں تھا۔بندہ ان دنوں کراچی میں تخصص کر رہا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے خاندانی مراسم تھے، ہم انہیں چچا جان کہتے تھے، حضرت لدھیانوی کراچی کی چھوٹی بڑی، قدیم وجدید لائبریریوں کی چھان پھٹک کے لیے صبح کو نکلتے تھے، اس مہم میں بندہ کو بھی کچھ حضرت کے ساتھ شمولیت کی سعادت حاصل رہی، لیکن ان دنوں وہ کتاب تو نہ مل سکی مگر حضرتِ علامہ مرحوم نے اس مہم کو اپنا مقصدِ اعلیٰ بنالیا تھا۔

۱۹۸۴ء میں بندہ نے جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں اپنی تدریس کا آغاز کیا، میری تدریس کے ابتدائی زمانہ میں جب علامہ صاحب جامعہ تشریف لائے تو غالباً ان کے تھیلے میں ماہنامہ الرشید کے چند شمارے تھے، جس میں قادیانیت کے اس اعتراض کا مفصل جواب تھا، جس سے معلوم ہوا کہ علامہ صاحب نے وہ ایک کتاب تلاش کر لی ہے، اور علامہ صاحب کے مفصل جواب سے اعتراض حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے دور ہو کر قادیانی سازش کی سیاہی مکمل طور پر تا قیامِ قیامت مرزا ملعون کے چہرے پر ثبت ہو کر رہی گئی۔

اس دریافت ہونے والی کتاب کا نام ''اسرار الشریعۃ'' تھا اور اس کا مصنف راولپنڈی کے علاقہ کا رہنے والا افضل احمد نامی شخص تھا، وہ مرزا کا ہم عصر تھا اور احکامِ شرعیہ سے متعلق مضامین عقلیہ مرزا اِسی کتاب سے لیتا تھا۔حضرت علامہ صاحب کا ختمِ نبوت مشن سے قلبی لگاؤ کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ جو کام بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، حضرت نے اس کا غم سالہا سال اپنے دل و دماغ پر سوار رکھا، اور آخر کار وہ اس کے حل میں مکمل طور پر کامیاب ہو گئے۔مرزائیوں نے تو اپنے طور پر پر اہلِ اسلام پر ایسا حملہ کیا تھا کہ ان کے زعم میں **وان کان مکرھم لتزول منه الجبال** کے قبیل سے تھا، لیکن علامہ صاحب نے اہل علم پر قادیانیوں کے آخری وار کے بھی پرخچے اڑادیے تھے۔علامہ صاحب کا یہ مفصل مضمون الرشید ساہیوال میں قسط وار چھپتا رہا، بعد میں حضرت کی کتاب "مطالعہ قادیانیت" کی چوتھی جلد کی زینت بھی بنا، حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے براءتِ حضرت تھانویؒ کے عنوان سے مفصل مضمون لکھا تھا، جو شاید فتاویٰ ختم نبوت میں چھپا ہے۔

حضرت علامہ صاحب مجادلہ کے مشکل ترین محاذ قادیانیت کے شاہ سوار تھے، ان کی قادیانیت کے مقابل فتوحات کو مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے مزے لے لے کر بیان کرتے تھے۔

مجادلہ جہاں دعوتِ دین کا اہم جزو ہے وہاں یہ کام حساس بھی ہے اور قرآنِ کریم میں اسے احسن انداز کے ساتھ مشروط

کیا گیا ہے اس میں احسن انداز سے اتر کر حسن طریقہ اختیار کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے، اس لئے اگر بلا ضرورتِ شدیدہ حدود و قیود کی رعایت کے بغیر نفسانیت کے ساتھ مختلف سنی مکاتب فکر میں مناظروں کا بازار اگر کثرت سے گرم کیا جائے تو بجائے نفع کے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کا سبب ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت جامعہ امدادیہ میں طلبہ میں مناظرانہ ماحول عام کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور خود حضرت نے بھی اپنی مناظرانہ صلاحیتوں کو قادیانیت، عیسائیت اور رفض جیسے کفر کے خلاف استعمال فرمایا اور مسلمانوں میں مناظرے کا موقع آجائے تو بہت حکمت وتدبر سے کام لیتے تھے، تاکہ مناظرے کے منفی اثرات سے بچا جا سکے، اپنے حکمت وتدبر کے واقعات بڑی محبت اور خوشدلی کے ساتھ نجی مجالس میں سنایا بھی کرتے تھے۔

ایک مقاصدی اسکالر نے حضرت کے انتقال پر اپنے فہم کے مطابق بے جا افسوس کا اظہار کیا تھا کہ علامہ صاحب نے اپنی صلاحیتیں فرقہ وارانہ اُمور میں صرف کر دیں، یہ بات انہوں نے شاید اس وجہ سے لکھ دی کہ علامہ صاحب کے مزاج اور خدمات پر اُن کی گہری نظر نہیں تھی۔ مسلمانوں کا قادیانیت کے ساتھ اہم مقابلہ کا میدان جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ اور انڈونیشیا میں بھی سجا تھا، اس میں بھی علامہ صاحب صفِ اول میں تھے۔ علامہ صاحب داعی اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم محدث، بہترین مدرس اور روحانیت سے مالا مال صوفی بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کی خدمات عالیہ کو قبول فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ ☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد طاہر مسعود (۱)

ایک عہد ساز شخصیت

یہ دنیا فنا کا مقام ہے، یہاں جو بھی آیا ہے جانے کے لیے آیا ہے، بعض شخصیات اپنے کردار و عمل کے ایسے گہرے اور ان مٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں، جو ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی انہیں زندہ رکھتے ہیں، ان کا علم باقی رہتا ہے، ان کا عمل مشعلِ راہ ہوتا ہے۔

ایسی انمول شخصیات میں ایک معروف اور بلند پایہ نام حضرت علامہ خالد محمودؒ کا بھی ہے، جن کی نظیر اس عہد میں نایاب ہے، حضرت رحمہ اللہ کا نام بچپن سے سن رکھا تھا، شروع ہی سے دل و دماغ پر جن شخصیات کے علم و فضل اور تحقیق کا گہرا نقش ثبت ہوا، علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا نام ان میں ایک نمایاں نام ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے دروس اور مواعظ میں بچپن ہی سے حاضری کی سعادت میسر آئی، حضرت علامہ صاحبؒ کی سب سے پہلے ۱۹۸۳ء میں جامعہ سراج العلوم سرگودھا میں زیارت نصیب ہوئی، حضرتؒ ۱۹۸۳ء میں پندرہ دن کے لیے اور ۱۹۸۴ء میں ایک مہینہ کے لیے جامعہ سراج العلوم سرگودھا میں ردفرق باطلہ کورس پڑھانے کے لیے تشریف لائے، حضرت کے دروس میں حاضری خوب یاد ہے، اسی وقت سے حضرتؒ کی راسخ العلمی، قوتِ حافظہ، نکتہ رسی کے ان مٹ نقوش کا گہرا اثر ذہن پر نقش ہوگیا، آپ رحمہ اللہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے، آپ کو باطل فرقوں کے بارے میں بالخصوص اور تمام دینی علوم وفنون پر بالعموم کامل دسترس تھی۔ مسئلہ ختم نبوت اور عظمت و دفاعِ صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم آپ کی پہچان تھے۔ اس کے ساتھ رد بدعت، فقہ حنفی کی ترویج، تصوف و سلوک اور قرآن وحدیث کے تعارف سمیت ہر مسئلہ کے بارے میں علامہ صاحب واقعۃً علامہ تھے۔

علامہ صاحبؒ ہر موضوع اور عنوان پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرتے تھے، تمہیدی کلمات، تقریر کا آغاز، اتار چڑھاؤ، پھر سمیٹنا اور خلاصہ بتانا، علامہ صاحب کی خصوصی اور امتیازی شان تھی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی قابلِ رشک صحت اور ان کے بیان کردہ اُصولِ صحت:

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے قابلِ رشک صحت سے نوازا تھا، حضرت رحمہ اللہ گھنٹوں بیان فرماتے، آپ اپنے بیان میں کچھ نہ کچھ نوش فرماتے رہتے تھے، حضرت کی صحت اور طبیعت کا عجب معاملہ تھا، بندہ نے خود دیکھا کہ پہلے حضرت نے بوتل پی، فانٹا بڑے شوق سے پیتے تھے، پھر چائے پی، اس کے بعد کوئی اور مشروب استعمال کیا۔ (دیکھیے: ۱۳۳/۲......۴۲۹/۲)

ہمارے چچا حضرت مولانا شیر محمد رحمہ اللہ جو سرگودھا میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے میزبانوں میں سے تھے،

---

(۱) شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا، رکن مجلس عاملہ وامتحانی ونصابی کمیٹی: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

فرماتے تھے: علامہ صاحبؒ کی صحت انتہائی قابلِ رشک ہے، آپ کو کبھی سر درد نہیں ہوا، ایک دفعہ علامہ صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور ناشتہ پر صحت کا موضوع زیر بحث آ گیا، حضرت علامہ صاحبؒ سے ان کی صحت کا راز پوچھا گیا تو برجستہ فرمایا: ''کہ میں دانتوں کا کام آنتوں سے نہیں لیتا'' علامہ صاحبؒ کو دیکھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ لقمہ کو کئی مرتبہ چباتے، منہ کے تینوں زاویوں میں لقمے کو لے کر چباتے تھے، جب ایک چبا چبایا لقمہ معدے میں پہنچتا ہے تو معدے کو محنت نہیں کرنا پڑتی، آج کل نوجوانوں اور بچوں کی صحت اور معدے بالخصوص خراب ہیں، اس کی جہاں اور وجوہات ہیں، وہاں ایک اہم اور بڑی وجہ یہ ہی کہ ہم صحیح انداز اور طریقے سے کھانا نہیں کھاتے، کھانا کھانے میں جلدی کرتے ہیں۔

ہمارے ایک شیخوپورہ کے دوست ہیں، جو ماشاء اللہ حکیم ابن حکیم اور عالم ابن عالم ہیں، مولانا طاہر عالم شیخوپوری صاحب، وہ فرماتے ہیں: کہ ہر لقمے کو کم از کم چالیس مرتبہ چبانا چاہیے، اور کھانے کو وقت دینا چاہیے، آدمی کی ساری تگ ودو روٹی، کپڑے اور مکان کے لیے ہوتی ہے، جب روٹی ملے تو اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔ آج عمومی طور پر لوگ دس بارہ منٹ میں دو اڑھائی روٹیاں کھا کر فارغ ہو جاتے ہیں، یہ انداز قابل اصلاح ہے، اور معدہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر معدہ خراب ہوگا، تو سارا جسمانی نظام خراب ہوگا، کیونکہ ہر قسم کی غذا معدہ میں پہنچتی ہے، اس لیے معدہ کی اصلاح کے لیے کھانے کو خوب چبانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

صحت کے راز کے حوالہ سے علامہ صاحبؒ نے دوسرا یہ فرمایا: ''کہ یہی سوال استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ سے کیا گیا تھا، کہ حضرت! آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ تو مولانا نے فرمایا: کہ اصل تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، اسباب کی دنیا میں اس کا راز دو چیزیں ہیں:

۱۔ میں نے ناشتہ میں دہی کو لازم کر لیا ہے۔ میرا کوئی ناشتہ دہی کے بغیر نہیں ہوتا۔

۲۔ جو چیز مجھے موافق نہیں آئی، اس کو میں نے چھوڑ دیا، پھر زندگی بھر اسے ہاتھ نہیں لگایا''۔

اس میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، آج ہم بھوک، بغیر بھوک ہر چیز کھانے کے عادی بنے ہوئے ہیں، اس سے صحت کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ دہی ماشاء اللہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کے مزاج کے موافق ہو، وہ اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر خوب استعمال کرے، البتہ جس کے مزاج کے موافق نہیں ہے، بلغمی مزاج ہے، اس کے لیے پرہیز ہی بہتر ہے، یہ بد پرہیزی صحت کو نقصان پہنچاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب کو حق تعالیٰ نے قابلِ رشک صحت عطا فرمائی تھی، آپ آخر حیات تک ماشاء اللہ چاک وچوبند رہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور بڑھتی عمر سے طبعی ضعف اور نقاہت الگ چیز ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی سادگی:

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی علم وعمل سے بھرپور ہونے کے باوجود انتہائی سادہ تھی، آپ نے اپنے لیے کوئی محل، کوٹھی اور زیب وزینت کا سامان نہیں بنایا، تن پروری اور عیاشی سے کوسوں دور تھے، آج تن پروری اور راحت پسندی نے علم

کے بڑے بڑے چراغ بجھا دیے ہیں۔اس مردِ قلندر نے قناعت اور سادگی سے اپنے شب وروز گزارے۔

بندہ نے حضرت رحمہ اللہ کی سادگی کے مناظر خود بھی دیکھے، 1987ء سے لیکر 1992ء کے اوائل تک جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں درجہ رابعہ سے دورہ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کرنے کی سعادت میسر آئی، اس دوران جامعہ کے بانی ومدیر، ہمارے محسن ومربی استاذ مکرم حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ بڑے اہتمام سے دو شخصیات کو خصوصی طور پر بلاتے اور طلبہ میں ان کے بیانات کراتے، ان میں ایک حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اور دوسرے مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ تھے۔حضرت اوکاڑوی مسئلہ تقلید اور دفاعِ حنفیت پر ماشاء اللہ مسکت ومدلل اور بڑی دلنشین گفتگو فرماتے تھے۔اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ ختم نبوت، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم اور حیات النبی ﷺ جیسے موضوعات پر نکتہ رس اور پُر مغز گفتگو فرماتے۔(دیکھیے: ۳/۲:۷[ادارہ])

یہاں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی سادگی کا عجب واقعہ دیکھا، حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ صاحبؒ کو فرمایا کہ: حضرت! کوئی طالب علم بلوائیں، مجھے اپنے کپڑے دھلوانے ہیں۔

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ نے طالب علم کو بلوایا، اب طالب علم کپڑے لینے کے لیے موجود ہے، سب حضرات دیکھ رہے ہیں، کہ حضرت بیگ وغیرہ سے کپڑے نکال کر حوالے کریں گے۔حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے پہلے اپنا ایک کرتا اتارا، پھر دوسرا کرتا اتارا، اسی طرح تقریبا تین، چار پہنے ہوئے کرتے اتارے اور وہ طالب علم کے حوالے کیے اور خود ایک کرتا باقی پہنے رکھا۔

کیا عجب سادگی وقناعت پسندی تھی لیکن کیا جامع کمالات تھے، جب گفتگو شروع فرماتے، پھول بکھیرتے تھے۔

سونے چاندی کے لقمے مبارک تمہیں
جَو کی خشک روٹی ہے کافی مجھے

حضرت علامہ صاحبؒ مسلک حقہ کی ترویج کے لیے حساس مزاج رکھتے تھے:

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ دین اسلام اور مسلک حقہ کی ترویج وتبلیغ کے لیے بڑا حساس مزاج رکھتے تھے، ایرانی انقلاب کے بعد انقلاب کے اثرات سے وہ بڑے فکر مند تھے، اس انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے اور اسکے غلط اثرات سے پڑوسی ممالک اور بالخصوص پاکستان کے اہل السنۃ کو محفوظ رکھنے کے لیے ۱۹۸۴ء کے آخر یا اپریل ۱۹۸۵ء میں لاہور میں ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کروایا، اس کانفرنس کے حوالے سے آپ نے ملک کے اکابرین سے رابطے کیے، مشاورت کی تاکہ اس انقلاب کے غلط اثرات سے حفاظت ہوسکے۔

اسی دوران ۱۹۸۴ء میں وہ سرگودھا ردفرق باطلہ کورس پڑھانے تشریف لائے، اس کورس کے دوران انہوں نے ہمارے انتہائی مخلص دوست حضرت مولانا محمد طارق نعمانی صاحب زید مجدہم کے ساتھ گرمی کے موسم میں موٹر سائیکل پر خانقاہ سراجیہ

کندیاں میانوالی کا (تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر) سفر کیا، خانقاہ شریف میں وہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ سے اسی حوالے سے ملاقات کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔ موٹر سائیکل ہی پر مولانا محمد طارق نعمانی صاحب کے ساتھ چنیوٹ کا (تقریباً ۵۵ رکلومیٹر) سفر کیا، چنیوٹ میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی سے ملاقات کی چنیوٹ سے پھر موٹر سائیکل ہی پر فیصل آباد کا (تقریباً ۹۰ رکلومیٹر) سفر کیا، وہاں حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب سے ملاقات کی۔ ان اسفار اور ملاقاتوں کی تفصیل مولانا محمد طارق نعمانی صاحب نے ذکر فرمائی ہے، وہ ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں:

سرگودھا میں دار المبلغین کورسز میں تشریف آوری:

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سرگودھا میں **دار المبلغین** کے کورسز کے لیے سب سے پہلے ۱۹۸۳ء میں تشریف لائے، جامعہ سراج العلوم بلاک نمبر 1 سرگودھا میں دار المبلغین قائم کیا گیا، جس میں رد قادیانیت و رد رافضیت اور دیگر فرق باطلہ کے حوالہ سے علماء وطلبہ کے لیے بالخصوص اور عوام کے لیے بالعموم تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔

۱۹۸۳ء میں حضرت علامہ صاحبؒ نے صرف پندرہ دن کا وقت دیا، ہماری خواہش تھی کہ علامہ صاحب سے زیادہ سے زیادہ وقت لیا جائے، کم از کم ایک مہینہ ضرور ہو، حضرت مولانا شیر محمد صاحبؒ نے ان سے آئندہ سال کورس کے لیے پیشگی ایک ماہ کا وقت طے کروایا، حضرت علامہ صاحب اگلے سال ۱۹۸۴ء میں اسی ترتیب سے ایک ماہ کے لیے تشریف لائے۔

دفاعِ صحابہؓ کے لیے تڑپ اور چنیوٹ کا سفر:

حضرت علامہ صاحبؒ سے کافی بے تکلفی ہوگئی، قیام کا دورانیہ چونکہ زیادہ تھا، حضرت علامہ صاحبؒ بھی بڑے سادہ اور بے تکلف طبیعت کے مالک تھے، علامہ صاحب کا قیام ذوالنورین مسجد میں میرے ہاں ہوتا، مجھے میزبانی کی سعادت میسر آئی، میرے پاس موٹر سائیکل بھی تھی، اسباق پڑھا کر شام کو شہر میں مختلف مقامات پر جاتے، کبھی فالودہ کھانے کے لیے شام کو شہر چلے جاتے۔

۱۹۸۴ء میں جب حضرت علامہ صاحب تشریف لائے، تو ایک خاص پروگرام اور ذہن سے تشریف لائے، علامہ صاحب ایرانی انقلاب کے بڑھتے اثرات سے انتہائی فکر مند تھے، اہل سنت کے معتقدات کی حفاظت اور نسل نو کے عقیدہ وایمان کے تحفظ کے لیے کسی جامع اور مستقل بنیادوں پر پروگرام اور نظام تشکیل دینے کی سوچ رکھتے تھے۔

ایک دن سبق پڑھا کر مجھے فرمایا کہ چنیوٹ مولانا منظور احمد چنیوٹی کے پاس چلنا ہے، کچھ مشاورت ہے، وہ اسی سلسلہ کی مشاورت تھی کہ ایرانی انقلاب کے منفی اثرات کو کس طرح روکا جائے؟ آپ تمام اکابر علماء سے مشورہ کر کے لاہور میں عظیم الشان دفاعِ صحابہؓ کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے۔

میں نے کہا، جی حضور! بالکل حاضر ہوں، مجھے فرمانے لگے: مولوی طارق! تیری موٹر سائیکل چنیوٹ جائے گی؟ میں نے ہنس کر کہا کہ میری موٹر سائیکل تو کراچی بھی چلی جائے گی۔ ہم دونوں چنیوٹ کے لیے روانہ ہوئے، فرمانے لگے: کہ آج شب برات ہے، رستہ میں ربوہ موجودہ چناب نگر کے قریب مجلس احرارِ اسلام پاکستان کا مرکز ہے، ادھر سے بھی ہوتے جائیں، چنانچہ

پہلے اس طرف ہی گئے، وہاں صرف **سید عطاء المحسن** شاہ بخاری مرحوم سے مختصر ملاقات ہوئی، تھوڑی دیر ٹھہرے، حال واحوال لیے، پھر وہاں سے چنیوٹ پہنچ گئے، چنیوٹ میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کے پاس پہنچے، ان کے پاس کھانا کھایا، حضرت علامہ صاحبؒ نے بڑی تفصیل سے اپنی آمد کی غرض اور مدعا کو بیان کیا، حالات کی نزاکت کا احساس دلایا، مولانا سے مختلف امور پر مشاورت فرمائی اور وہاں سے رخصت ہوئے۔

فیصل آباد میں مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحبؒ سے ملاقات کے لیے سفر:

حضرت علامہ صاحبؒ نے مولانا چنیوٹیؒ سے ملاقات کے بعد مجھے فرمایا کہ: اگر آپ کو تکلیف نہ ہو، تو فیصل آباد مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ صاحب کو بھی مل لیا جائے؟ میں نے عرض کیا، ضرور، حضرت! اس وقت ہم ویسے بھی فیصل آباد کے قریب ہی ہیں، چنانچہ چنیوٹ سے غلام محمد آباد فیصل آباد مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کی رہائش گاہ پر پہنچے، حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ سے بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی، ان کے سامنے پورا پروگرام رکھا، روافض اور تشیع کے منہ زور سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ضرورت کے لیے مزید ملک کے دیگر اکابرین سے ملاقاتوں کا فیصلہ ہوا۔ علماء کنونشن کے لیے لاہور کا مقام طے ہوا، مولانا محمد ضیاء القاسمی نے حضرت علامہ صاحبؒ سے ذاتی اور گھریلو معاملات پر بھی تبادلہ خیال کیا اور مختلف امور پر مشاورت کی۔

واپسی کا لطیفہ:

فیصل آباد حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ سے ملاقات کر کے جب واپس سرگودھا کے لیے آ رہے تھے تو راستہ میں نصف شب کے وقت لالیاں کے قریب جنگل اور ویران علاقہ میں موٹر سائیکل بند ہوگئی، بڑی مشکل سے بار بار ککیں لگا کر اسٹارٹ کیا اور کچھ سفر کیا، علاقہ چونکہ خطرناک تھا، آئے روز مختلف واقعات کی خبریں آتی تھیں، موٹر سائیکل کی بندش سمجھ نہیں آ رہی تھی، خدا خدا کر کے لالیاں کے قریب پٹرول پمپ پر پہنچے، موٹر سائیکل ان کے پاس کھڑی کی، اور انہیں کہا کہ کل آدمی آئے گا، وہ کاغذات کی یہ نشانی دکھلا کر لے جائے گا، میں اور علامہ صاحب ایک ٹرک پر سوار ہو کر سرگودھا پہنچے، کیونکہ اس روڈ پر رات کو صرف ٹرکوں ہی کا راج ہوتا تھا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کے مجاہدہ، صبر اور برداشت کا کمال تھا، بڑے سکون اور خوشگوار انداز سے یہ صبر آزما سفر طے کیا، سرگودھا واپسی پر ٹرک میں بیٹھنے کے بعد فرمایا:

''مولوی طارق! ان لوگوں کو میرا تعارف نہ کرانا، مجھے گرمی بہت لگ رہی ہے، کیونکہ گرمیوں کا موسم تھا، اور ادھر ٹرک کے انجن کی گرمی مستزاد تھی، حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی قمیص اتار دی، کیا سادگی، بے نفسی اور مسلک حقہ کی ترویج کے لیے دیوانہ وار مشکلات سہنے اور منزل کی فکر میں گامزن رہنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ ہم اس پُر مشقت وپُر تعب سفر سے فجر کی اذان کے قریب سرگودھا پہنچے۔

خانقاہ سراجیہ کندیاں میانوالی کا سفر:

سرگودھا میں قیام کے دوران ہی ایک دن فرمانے لگے: مولوی طارق! اب آپ کی موٹر سائیکل ٹھیک ہے؟ میں نے

کہا: حضرت! ٹھیک تو اس دن بھی تھی صرف بھائی نے آئل نہیں ڈلوایا تھا، میں نے اس کے ذمہ لگایا، پھر خود بے فکر ہو گیا اور چیک نہ کیا۔ الحمدللہ اب موٹر سائیکل ٹھیک ہے، حضرتؒ نے فرمایا: کہ پھر میرا دل کرتا ہے کہ خانقاہ سراجیہ کندیاں بھی حاضری دی جائے اور حضرت خواجہ صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں اب تک کی مشاورت عرض کروں اور مزید لائحہ عمل کے لیے حضرت سے رہنمائی اور دعا لی جائے۔ اسی جذبہ کے تحت ہم ایک دن ظہر کے بعد موٹر سائیکل پر خانقاہ سراجیہ کندیاں روانہ ہو گئے، مغرب میں خانقاہ شریف پہنچے، افسوس! کہ معلوم ہوا حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ سفر پر ہیں اور چار پانچ دن تک واپسی نہیں ہے، اس لیے حضرت خواجہ صاحبؒ سے ملاقات نہ ہو سکی، صاحبزادہ لالہ عزیز احمد صاحب دامت برکاتہم نے خوب میزبانی فرمائی، رات کا قیام خانقاہ شریف میں ہوا۔ صبح واپسی ہوئی، واپسی پر خوشاب میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات کی ترتیب بن گئی، دوپہر کا کھانا انہیں کے ہاں کھایا، حضرت علامہ صاحبؒ نے ان کے ساتھ بھی ایک تفصیلی اور طویل نشست کی، مسلکی حوالہ سے مختلف امور پر بات چیت ہوئی، شام تک واپس سرگودھا پہنچ گئے۔

ایک دو دن کے بعد بھیرہ میں مولانا جلال الدین صاحب کو بھی اسی حوالے سے ملنے گئے، ان سے بھی گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کی، اور انہیں اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس سال حضرت علامہ صاحبؒ پر دفاعِ صحابہؓ کے بارے میں خاص کیفیت طاری تھی، اور وہ اس فکر وجستجو اور لگن میں تھے کہ اپنے مسلک کے تمام علماء کرام کو ایرانی انقلاب کے اندر چھپے ہوئے مخفی اور گھناؤنے عزائم کے بارے میں آگاہ کیا جائے، اس کے سدباب پر اجتماعی جدوجہد کو ایک منظّم شکل دی جائے اور اس بارے میں علمی اور تبلیغی کاوشوں کو بروئے کار لایا جائے۔

کورس کے حوالے سے علامہ صاحب صرف دو مرتبہ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء میں تشریف لائے، اس کے علاوہ پھر بیانات وغیرہ کے لیے متعدد بار سرگودھا میں تشریف لائے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

حضرت علامہ صاحبؒ کا جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں درسِ حدیث:

۲۰۰۱ء کی بات ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں تشریف لائے، تمام طلبہ کو جمع کیا گیا، حضرتؒ نے مشکوۃ شریف کا جو سبق چل رہا تھا، اس سے اگلی حدیث کا درس اور سبق ارشاد فرمایا: غالباً یہ حدیث تھی: **عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ اتی المقبرة فقال: السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء الله بکم لاحقون، وددتُ انا قد رأینا اخواننا، قالو: أوَلسنا اخوانک یارسول الله؟ قال: انتم اصحابی واخواننا اللذین لم یاتوا بعد...**" اس حدیث پر ماشاءاللہ علامہ صاحب نے سیر حاصل بحث فرمائی، اس حدیث کے مالہ وماعلیہ کو خوب کھول کے بیان فرمایا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے رات علامہ صاحب نے اس حدیث کے درس کی تیاری کی ہو، اس حدیث کی تشریح کے ضمن میں حضور ﷺ کو بھائی کہنے کے حوالے سے مخالفین کے اعتراض کا خوب خوب رد فرمایا۔

سرگودھا سے فیصل آباد تک علامہ صاحب کے ہمراہ سفر کی سعادت:

اسی موقع پر حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو حکم فرمایا تھا، کہ علامہ صاحب

کو جامعہ امدادیہ فیصل آباد پہنچائیں، گاڑی کا بندوبست کریں، کرایہ میں دوں گا۔ حسب حکم بندہ نے گاڑی کرایہ پر لی اور حضرت علامہ صاحب کے ساتھ سرگودھا سے فیصل آباد تک کا سفر نصیب ہوا، اس سفر میں عم مکرم حضرت مولانا شیر محمد صاحب رحمہ اللہ بھی ساتھ تھے، حضرت علامہ صاحبؒ کی رفاقت میں علم وعرفان کی بہار، نکتہ آفرینی اور حاضر جوابی کے حیرت انگیز نمونے دیکھے۔ جامعہ امدادیہ فیصل آباد پہنچ کر حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت شیخ صاحبؒ کو فرمایا کہ آج میں نے جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں حدیث پڑھائی ہے، اس میں چار فرقوں کی تردید کی ہے اور بیان کی تفصیل ارشاد فرمائی۔

علامہ صاحبؒ کے دس جوابات، حاضر دماغی اور علمی رسوخ کا عجیب واقعہ:

جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے استاذ الحدیث حضرت مولانا شفیق احمد سلیم صاحب راوی ہیں کہ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب بتاتے ہیں، کہ ہم ایک سفر میں علامہ صاحب کے ساتھ اکٹھے سفر کر رہے تھے، میں نے علامہ صاحب سے سوال کیا کہ حضرت! یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ موسیٰ کا اشکال دُور کرنے کے لیے بے لباس موسیٰ علیہ السلام ان کو دکھا دیئے، کوئی اور طریقہ بھی ہوسکتا تھا، یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو بخاری شریف میں تفصیل سے مذکور ہے۔ حقانی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ صاحب نے دوران سفر ہی اس اشکال کے دس جواب ارشاد فرمائے، میں سفر میں لکھ نہ سکا، جب سفر سے واپسی ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ میں سفر میں جواب نہیں لکھ سکا تھا، وہ مجھے لکھوا دیجیے، علامہ صاحبؒ نے دس دوسرے جوابات ارشاد فرمائے، جو پہلے دس جوابات سے مختلف تھے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا سرگودھا میں قیام اور مختلف پروگراموں میں شرکت:

جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں اگست ۲۰۰۵ء کے پہلے ہفتہ میں پانچ دن کا ایک یادگار تقابلِ ادیان کورس منعقد ہوا تھا، اس کورس میں حضرت علامہ صاحبؒ کے درس کے لیے مکمل ایک دن تھا، آپ نے تین نشستوں میں رد بدعت پر عظیم لیکچر دیے، حضرت کے درس میں اور پورے کورس میں جامعہ کے تمام طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ ضلع بھر بلکہ قریبی اضلاع کے بھی علماء، طلباء اور مذہبی احباب کی ایک کثیر تعداد شریک ہوئی۔(۱)

طوبیٰ مسجد ۸/بلاک سرگودھا میں حضرت رحمہ اللہ کا تاریخی خطاب:

طوبیٰ مسجد ۸/بلاک سرگودھا میں جہاں میں جمعہ پڑھاتا ہوں، وہاں ربیع الاول ۱۴۲۸ھ میں حضرت علامہ صاحب کو بیان کے لیے دعوت دی گئی، حضرت رحمہ اللہ نے وہاں سیرت نبوی ﷺ اور وحدت امت کے موضوع پر ایک تاریخی خطاب ارشاد فرمایا تھا، جس میں حضرت نے بڑے خوبصورت اور مدلل انداز سے اس حقیقت کو آشکارا کیا، کہ سنت نبوی ﷺ کا اہم ترین تقاضا اور امت مسلمہ کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ امت کو ایک عقیدے پر جمع کر کے عمل ثابت بالسنۃ میں وسعت کی راہ اختیار کی جائے اور امت کو اختلاف سے بچانے کا نسخہ اکسیر بھی بیان فرمایا۔

---

(۱) حضرت علامہ صاحب کے ان دروس کا خلاصہ زیر نظر اشاعت خاص میں شامل ہے۔ دیکھیے: ۷۰۹/۲ [ادارہ]

حاضرین کو اس خطاب سے بہت زیادہ فائدہ ہوا، مسجد کی انتظامیہ نے حضرت علامہ صاحب کے خطاب کی غیر معمولی افادیت کے پیش نظر افادہ عام کی خاطر اس خطاب کی اشاعت کی اور اسے مفت تقسیم کیا، جس سے عوام وخواص کو بہت فائدہ پہنچا۔

اس خطاب کے چند اقتباس قارئین کی نظر ہیں:

مسلمانوں کو طعنہ:

اب ہمیں یہ ایک طعنہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان باوجودیکہ دین پر چودہ صدیاں گزر چکی ہیں، اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کون سی نماز سنت کے مطابق ہے، کون سی نماز سنت کے مطابق نہیں؟ مسجد، مسجد میں جھگڑا ہے، آمین اونچی کہنی ہے یا آہستہ؟ ہاتھ کہاں باندھنے ہیں؟ تو جو امت چودہ سو سال تک نماز کا فیصلہ نہیں کر سکی، وہ تسلسل کے ساتھ چلنے کے لائق ہے؟ یہ باتیں لوگوں کے کان میں ڈال دی جاتی ہیں اور نوجوان کہتے ہیں: ''ریسرچ ریسرچ'' تحقیق کرو، کتابیں لیے پھرتے ہیں، حدیث کی کتابوں کے ترجمے اٹھائے ''ریسرچ ریسرچ'' کہتے پھرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس کا افیکٹ ''اثر'' دوسری قوموں یہود ونصاریٰ اور ہندو وغیرہ پر کیا ہوگا؟

عقیدہ ایک جبکہ عمل میں وسعت ہے:

دوستو بزرگو! ہم ایک امت ہیں، دنیا میں ہم ایک معزز امت ہو کر رہنا چاہتے ہیں تو سنو! میں آپ سے ایک اُصول کی بات کرتا ہوں تاکہ سیرت کا یہ رخ آپ کے سامنے آئے، اسلام میں کچھ باتیں کرنے کی نہیں، صرف ماننے کی ہیں اور کچھ باتیں کرنے کی ہیں، ان کا فرق سمجھو، مثلاً: آپ کے عقیدے میں اللہ کا عرش اور کرسی برحق ہیں یا نہیں؟ اس میں کچھ کرنا پڑتا ہے یا صرف ماننے کی بات ہے؟ فرشتے حق ہیں، صرف ماننے کی بات ہے، جنت، دوزخ حق ہیں صرف ماننے کی بات ہے، پل صراط سے گزرنا ہے، صرف ماننے کی ضرورت ہے، کچھ چیزیں ماننی ہیں اور کچھ چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ احکام ہیں، جو صرف کرنے کی ہیں، تو رسولِ پاک ﷺ نے اپنی سیرت مبارکہ کچھ اس طرح پیش کی کہ جو باتیں ماننے کی ہیں، اس میں پوائنٹ صرف ایک ہی رکھا، دو نہیں رکھے اور جو باتیں کرنے کی ہیں اس میں نبی پاک ﷺ نے وسعت بخشی، یعنی ایک طریقہ نہیں، کئی طریقے رکھے۔

اجتہاد میں اختلاف یعنی عمل میں دورائے عہدِ نبوت سے جاری ہے:

اب ذرا غور کریں کہ نبی پاک ﷺ نے ایک وفد روانہ کیا اور ان کو کہا کہ تم عصر کی نماز ''بنو قریظہ'' (یہودیوں کا قبیلہ) کے ہاں پڑھنا، وہ قافلہ چلا اتفاق ایسا ہوا، کہ وہ ابھی وہاں پہنچے بھی نہیں تھے، کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، بعض کہنے لگے کہ نبی پاک ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ تم عصر کی نماز وہاں پڑھنا، ہم تو وہیں پڑھیں گے، کچھ صحابہ کہنے لگے کہ نہیں، آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ اتنی جلدی چلو کہ عصر کا وقت تم کو وہاں ہی آئے، اگر ہم جلدی نہیں چلے، عصر کا وقت یہیں ہوگیا، تو ہم نماز اپنے وقت پر پڑھیں گے، تو دو حصے ہوگئے، کچھ لوگوں نے یہاں پڑھ لی، کچھ لوگوں نے وہاں پڑھ لی، واپسی پر جب حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ

ہم نے ایسا کیا ہے تو حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ ''**فلم یخلف عهده** '' کہ آپ ﷺ نے کسی کو بھی جھڑ کا نہیں کہ تم نے یوں کیوں کیا؟ بلکہ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی، اس کا مطلب کیا ہوا کہ اجتہاد کے ساتھ دین کو سمجھنے میں اگر دورائیں ہوگئیں تو دونوں ٹھیک ہیں، پیغمبر ﷺ تو یہ فرمائیں کہ اگر دورائیں قائم ہوگئیں تو دونوں ٹھیک ہیں اور اگر ہم کہہ دیں کہ اجتہاد میں دورائیں نبی پاک ﷺ کی تعلیمات ہیں، اگر امام ابوحنیفہؒ نے کچھ کہا، امام شافعیؒ نے کچھ کہا، ہم اگر کہیں کہ دونوں ٹھیک ہیں، تو کہتے ہیں دونوں ٹھیک کیوں ہیں؟ بھائی! پیغمبر ﷺ کی سیرت بھی یہی ہے کہ جو باتیں کرنے کی ہیں تو اس میں مختلف راہوں کو وسعت ظرفی بخشی گئی ہے۔

دین اسلام مرحلہ وار مکمل ہوا:

ایک وقت تھا کہ شراب حرام نہیں تھی اور لوگ نماز پڑھتے تھے اور شراب کی حالت میں بھی نماز پڑھتے تھے، جنگ احد کے شہداء کے بارے میں حدیث میں ہے کہ'' وہ جنگ احد میں اس طرح لڑے کہ'' **والخمر فی بطونه** '' ان کے پیٹ میں شراب تھی کیونکہ ابھی شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کو ناپاک اسی وقت کہا جب حرام ہوئی، اس سے پہلے احد کے میدان میں لڑنے والے اس طرح بھی لڑے کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی، تو بات یہ ہے کہ دین مکمل کب ہوا؟ ۲۳ رسال میں کچھ پہلے کچھ بعد میں اس طرح مکمل ہوا، حضور ﷺ وحی الٰہی کے ذریعے حالات کے مطابق انہیں ترتیب دیتے رہے، پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: **اتقوا زیارۃ القبور** '' کہ قبروں کی زیارت کے لیے نہ جایا کرو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب اجازت ہے۔ ۲۳ رسال تک دین پر مختلف مراحل آئے اور حضور اکرم ﷺ کے کام کرنے کے طریقے کئی ہوں گے۔

فرقہ واریت کا آغاز کب ہوا؟

یہاں ایک بات ملحوظ رکھیں ہم ہندوستان، پاکستان کے رہنے والے ہیں، ہم یہ جانتے ہیں کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے فرقہ واریت نہ تھی، انگریزوں کے آنے کے بعد جو فرقہ بندی ہوئی، اس میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو تقسیم کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرنا یہ انگریزوں کا کام تھا، جو فرقے انگریزوں کے آنے کے بعد بنے ان کی تاریخ پہلے موجود نہ تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس دین پر رکھیں جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔

دینِ اسلام کی تازگی آج بھی جوان ہے:

حضور ﷺ نے جو دین پیش کیا، اس دین میں اتنی توانائی ہے کہ آج بھی وہ دین تازہ ہے، کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ دین پرانا ہے، اس لیے اس دین میں کوئی ترمیم ہو اور اس کو کچھ روشن کیا جائے اور اس کو لائق عمل بنایا جائے، میں ان کو یہ کہا کرتا ہوں کہ یہ ہمارا دین پرانا نہیں ہوا، مسجد میں بقسم باوضو منبر رسول ﷺ پر کہتا ہوں کہ اس دین میں آج بھی وہی تازگی ہے جو چودہ سو سال پہلے عرب کے صحرا نشینوں نے محسوس کی، یہ دین پرانا نہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ تقریر میری پسند آرہی ہے یا نہیں؟ (پسند آرہی ہے) اگر میں پھر یہاں آؤں اور یہی تقریر

کروں آپ پسند تو کریں گے لیکن کہیں گے پہلے یہی تو سنی تھی اور اگلی مرتبہ پھر آؤں اور یہی تقریر کروں تو آپ سن کر کہیں گے یہ وہی ہے جو پہلے سنی تھی اور چوتھی مرتبہ وہی سنانے کے لیے آؤں تو آپ آئیں گے ہی نہیں، اس کو کہتے کہ تقریر پرانی ہوگئی، لیکن آپ بتلائیں کہ جب قاری صاحب یہاں قرآن پڑھتے ہیں تو کسی نے کہا کہ یہ چودہ سو سال پہلے کی کتاب ہے؟ پرانی ہوگئی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین تازہ ہے اور اس کی تازگی ختم نہیں ہوگی اور اس میں یہ شان ہے کہ جتنی مرتبہ پڑھو گے اتنی مرتبہ مزہ آئے گا۔

لوگوں کی تقریریں چار دفعہ سنو گے، تو چھوڑ دو گے، لیکن قرآن کو چھوڑنے کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا ہے، لہٰذا مانو کہ قرآن میں تازگی ہے، جس طرح قرآن میں تازگی ہے اسی طرح سنت میں بھی تازگی ہے۔

''ذکر'' ''ذاکر'' کے دم سے رہے گا:

ایک اور چھوٹی سی بات کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون**، ہم نے ہی قرآن اتارا ہے ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' قرآن کا نام ''ذکر'' رکھا، اور کہا ہم اس کی حفاظت کریں گے، یعنی قیامت تک رہے گا، ذکر کب تک رہے گا، جب تک ذاکر رہے گا، تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ ہم قرآن کی حفاظت کریں گے اور قرآن کا نام ذکر رکھا، معلوم ہوا، جب ذکر ہمیشہ رہنے والی چیز ہے تو یہ تب ہی ہوسکتا ہے، جب ذاکر بھی ہمیشہ رہیں، اس قرآن اور ذکر کے ذاکر کون ہیں؟ علماء، حفاظ اور قراء، یہ سارے قرآن کے ذاکر ہیں یا نہیں؟ ہیں۔

جب اس کے بارے میں ضمانت دی گئی کہ ''ذکر'' ہمیشہ رہے گا تو معلوم ہوا ''ذاکر'' بھی ہمیشہ رہیں گے۔

[ماخوذ از سیرت نبوی ﷺ اور وحدتِ امت، ص: ۱۷/ تا ۱۹، ۳۴، ۳۵]

عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کا مقدمہ:

الحمد للہ ان ملاقاتوں سے علامہ صاحب سے اچھا خاصا تعارف اور تعلق ہوگیا تھا، مختلف مواقع پر حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق میسر آئی، نکتہ آفرینی اور مسلک حقہ کی ترویج کے لیے فکری رہنمائی نصیب ہوئی۔

بندہ نے جب ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' کتاب تحریر کی تو علامہ صاحب کو مقدمہ کے لیے پیش کی، علامہ صاحب نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا، بہت محبت سے نوازا اور اس پر ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، ناروے میں ہمارے بھائی مولانا محمد طارق عثمان صاحب سلمہ ہوتے ہیں، وہ بتا رہے تھے کہ علامہ صاحب بیرون ممالک کے مسلمانوں کو تاکید کرتے ہیں کہ ''عقائد کی اصلاح کے لیے مفتی محمد طاہر مسعود صاحب کی کتاب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کا مطالعہ کریں، اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیں، یہ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب ہے۔''(۱)

---

(۱) ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' پر علامہ صاحب کا مکمل مقدمہ اسی اشاعت خاص میں شامل ہے۔ دیکھیے: ۷۳۶/۲ [ادارہ]

دعائیہ کلمات:

اپنی تدریسی اور انتظامی مصروفیات کے دوران انتہائی عجلت میں اختصار کے ساتھ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے بارے یہ چند یادداشتیں تحریر کی ہیں، حضرت علامہ صاحبؒ کی ذات وصفات کا احاطہ کرنا مشکل ہے، آپ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، آپ دفاع اسلام کی ایک مجسم تصویر تھے، آپ کو بڑے بڑے اور جید اکابر کی رفاقت نصیب رہی تھی۔ حضرت علامہ صاحب کے انتقال سے ہم سب اپنے آپ کو تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں، حضرت کے تمام پسماندگان اور جملہ متوسلین اور متعلقین سے تعزیت کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کو جوارِ رحمت میں بلند درجات نصیب فرمائیں۔ جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کرایا گیا، تمام اساتذہ اور طلبہ نے حضرت کی کامل مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا کی۔ حق تعالیٰ امت مسلمہ کو حضرت کا بدل نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین

آخر میں مجلّہ صفدر کی انتظامیہ کو اور بالخصوص اپنے عزیز مولانا حمزہ احسانی سلمہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی یاد میں مجلّہ صفدر کی خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، یہ انتہائی اہمیت کا حامل کام ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کاوش کو ثمر آور فرمائیں، حضرت علامہ صاحبؒ کے علوم وفیوض کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں، امت مسلمہ کی راہنمائی اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے درجات کی بلندی کا وسیلہ بنائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالحق عامر، مانسہرہ

حضرت علامہ خالد محمود بھی ہم سے جُدا ہوگئے جو پانچ دہائیوں سے بین الاقوامی سطح پر خصوصاً پاکستان، برطانیہ، انڈیا، یورپ کے بہت سے ممالک میں دینِ اسلام کی ترقی اشاعت وترویج، تحفظ ختم نبوت اور ادیانِ باطلہ کے مضبوط علمی تعاقب کی خدمات سرانجام دے رہے تھے، آپ کو عالمی سطح پر بڑے بڑے اعزازات ومیڈلز سے بھی نوازا گیا تھا۔ ایسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوا کرتی ہیں جو اُمت کے لیے رُشد وہدایت کے چراغ کے مانند ہوتی ہیں۔ اُن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا دینِ اسلام کی اشاعت وحفاظت اور مسلمانوں کو ظاہری باطنی فتنوں سے بچانا اور اسلامی عقائد واعمال کی اصلاح کرنا تھا۔ غرض حضرت علامہ صاحبؒ اپنی ذات میں خود ایک جماعت ایک انجمن بلکہ ایک تحریک تھے۔ دینِ اسلام کی اشاعت وترویج کی حفاظت واشاعت کا جو کام بڑی بڑی جماعتیں بھی نہ کرسکیں وہ تنہا حضرت علامہ صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے لیا۔ بندہ ناچیز نے خود بھی ان سے دورہ مناظرہ کے اسباق میں استفادہ کیا اور اُن کی شاگرد کا اعزاز حاصل کیا۔

اللہ رب العزت حضرت علامہ صاحبؒ کی تمام دینی خدمات قبول فرما کر ان کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور ہم سب کو ان کا مشن جاری رکھنے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مولانا محمد الیاس بالاکوٹی، سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ

ایک عبقری شخصیت

ہمارے مذہبی حلقوں میں جب بھی علامہ صاحب بولا جاتا تھا تو بیشتر لوگ اس سے حضرت علامہ پروفیسر خالد محمود P.H.D لندن مراد لیتے تھے۔ پھر یہ تھی بھی ایک حقیقت کہ تمام علوم ومعارف پر مکمل عبور و دسترس جن اکابر کو تھی ان میں حضرت موصوف سرِ فہرست تھے۔ حضرت علامہ صاحبؒ ارشاد ربانی "**وزاده بسطة فی العلم والجسم**" کا مظہر اتم تھے۔ آپ علوم متداولہ، عصری، بصری، قومی، قدیم وجدید کے مرقع تھے۔ پھر حاضر جوابی میں طاق ومشاق ادھر کسی نے کوئی علمی یا عقلی شگوفہ چھوڑا فوری جواب باصواب پایا۔ محظوظ ہوا یا **محجوب**، برافروختہ ہوا یا لاجواب، یہ اس متکلم صاحب کے مزاج اور پس منظر پر مبنی ہوتا تھا۔

حضرت علامہ صاحب نے ہزاروں صفحات پر علمی وتحقیقی ذخیرہ قوم کے لیے چھوڑا ہے۔ جو ان سے فیض یافتگی اور حصول معلومات کا خزینہ ہے اور مدتوں اہل علم وفن کا ملجا وماویٰ رہے گا اور اب چلے جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ فیض وبرکات جاری ہے۔ ان کا وجود بابرکات انعامِ ربانی تھا جو کھو گیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ بایں علم وفضل، وجاہت وثقاہت اور مقبولیت وشہرت نہایت سادہ مزاج، عامیانہ عادات کے مالک تھے۔ جہاں وارد ہوتے مجال ہے کہ مقررین یا لیڈروں جیسا کروفر ہو۔ میزبانوں سے فرمائش، مطالبہ یا نشست وبرخاست میں کوئی تکلف وتصنع یا سواری کے لیے کوئی امتیازی نمائش کریں۔ معمول کے راہنما ولیڈر تو حضرت علامہ صاحبؒ بن ہی نہ سکے۔ ایک مرتبہ جمعیت علماء اسلام کے دوسری جانب تقابل کے لیے آپ کو جماعت کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا تھا مگر یہ آپ کے مزاج سے مطابقت نہ ہونے کے باعث وہ زیادہ دیر عہدہ سے عہدہ برآ نہ ہوسکے اور علیحدہ ہو گئے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کیا تھے؟ عالم اسلام کے مایہ ناز سکالر اور حاضر جواب مناظر، مجلس میں فی البدیہہ متکلم، دِقتِ نظر وتحقیق وتدقیق میں بے مثال مصنف ومولف، علامہ صاحب کی ذات میں قدیم وجدید علوم کی علویت وبلوغت کا حسین امتزاج تھا۔ حضرت علامہ صاحبؒ دین ودانش کے درخشندہ ستارہ تھے۔ انہوں نے تنہا اِس قدر علمی، فکری، مذہبی وملی وقومی خدمات سرانجام دیں جو کئی اداروں سے مل کر بھی ممکن نہ تھیں۔ جسے اوقات میں برکت کہا جاتا ہے۔

حضرت نے عربی، فارسی، انگریزی اور اردو سمیت کئی زبانوں میں تحقیقی ذخیرہ چھوڑا ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے عمدہ وزریں اثاثہ ثابت ہوگا، ان شاءاللہ۔ آپ کی تصانیف اور ان کی نوعیت اور مندرجات پر تبصرہ مجھ جیسے بے بضاعت آدمی کے بس کا روگ نہیں۔

راقم الحروف کو حضرت علامہ صاحبؒ سے براہ راست تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ تاہم کئی مجالس، محافل اور دروس سے وقتاً فوقتاً خوشہ چینی اور فیض یافتگی کا موقع میسر آتا رہا۔

سب سے پہلے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے ترجمہ وتفسیر کے دورہ میں آپ کی زیارت ہوئی جہاں آپ نے دورانِ ترجمہ تعلیم مناظرہ مباحثہ وتردید فرق باطلہ پر ہمیں فنی وتحریری ہدایات ومعلومات فراہم فرمائیں۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے، بعد میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر راہیں جدا ہوگئیں۔ اسی طرح حضرت درخواستی نور اللہ مرقدہ کے ہاں ترجمہ وتفسیر میں بھی ارشادات ومعارف سے روشناسی ہوتی اور حضرت علامہ صاحبؒ سے بالمشافہ سوال وجواب کا موقع میسر آیا۔

مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کی تصنیف جب منظر عام پر آئی اور شہرہ ہوا، میں اس وقت گوجرانوالہ انوار العلوم میں پڑھتا تھا، اس موضوع پر گوجرانوالہ کے ایک بزرگ مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے جوابی کتاب لکھی، بندہ اس وقت گو کہ وسطانی کتب کا طالب علم تھا مگر تقابلی مطالعے کے بعد سوچ وفکر کی راہ متعین کرنے میں مدد ملی اور حضرت علامہ صاحبؒ کے بارے میں حُسنِ عقیدت جم گئی۔

بعد میں جب میں بنوری ٹاؤن سے فراغت کے بعد حضرت شیخی ومحسنی مولانا عبد المجید کہروڑ پکا والوں کے پاس مقیم تھا تو حضرت علامہ صاحبؒ کی زیارت ہوتی رہی اور سابقہ تأثر خیر میں استحکام آیا۔ پھر میں جھنگ آگیا تو یہاں حضرت علامہ صاحبؒ سے قریبی مراسم استوار ہوئے۔ حضرت کی بعض تصانیف کی ترسیل بھی یہاں سے ہوئی اور بھرپور اعتماد پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں اگر مختصر سا تذکرہ یہ بھی کردوں تو بے جا نہ ہوگا کہ میں نے حضرت صاحب موصوف کے ارشاد پر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مناظرہ بھی کیا تھا۔ جو ''مناظرۂ چٹیانہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کے قلم نفیس رقم سے اس کی مختصر سی روئیداد بھی طبع ہوئی تھی۔

یہ مناظرہ حضرت علامہ صاحبؒ کے حکم سے اور آپ کی دعاؤں اور توجہات اور سرپرستی سے ہی ہوا اور اس میں فریق مخالف کو چاروں شانے چت کر دیا گیا تھا۔ اور پھر ٹوبہ اور مضافات میں نہایت عمدہ اثرات ہوئے۔

ہوا یوں کہ جب جھنگ میں امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید اور بریلوی عالم مولانا محمد اشرف سیالوی کے مابین مناظرہ ہوا تو اس کی آویزش وریزش نے یہاں کے اطراف واکناف کو بھی گدلا کر دیا۔ چنانچہ ان دنوں ہر طرف اسی مکتب فکر کے کہ و مہ ہر روز اسٹیج جما کر اکابرین امت اور ہمارے اسلاف اہل سنت کے خلاف زہر اُگلنے لگے تھے، چیلنج بازی کا غیر مختتم سلسلہ چل نکلا، اب اس بازار کی منڈی کے ہر باز کی ہر پرواز اور ہر ساز کی تان مناظرے اور چیلنج پر ٹوٹتی، جھنگ کے مضافات کے علاوہ ٹوبہ، جھنگ کا پڑوسی شہر ہونے کی وجہ سے شدید متاثر تھا۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک بریلوی عالم جناب مولانا عبد الحمید صاحب جو ڈبل ایم اے اور وہاں چٹیانہ کالج میں لیکچرار تھے، کچھ زیادہ ہی چہک میں بہک گئے، انہوں نے حضرت علامہ خالد محمود کا نام لے کر چیلنج دیئے اور جا بجا اسٹیج جما کر اپنی خوش بیانی اور ترنم سے طرح جمائی، بار بار کے طنز وتشنیع سے جب ہر طرف فضا مسموم بنا دی تو وہاں ٹوبہ شہر کے خطیب اور معتبر شخصیت حضرت مولانا سید سلمان شاہ صاحب نے چیلنج قبول کر لیا۔

چنانچہ انہوں نے لاہور حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں فون بھی کیئے اور پھر اپنا نمائندہ بھیجا۔ جب علامہ صاحب موصوف کو خبر ہوئی تو ناراض ہوئے کہ میں تو جھنگ کے مناظرہ اور احوال سے دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر تھا، تم نے بغیر پوچھے یہ کیا کیا؟ غیر مشروط، مبہم اور مناظرہ کا موضوع وغیرہ متعین کیے بغیر ہی ایک بہت اہم قدم اٹھالیا اور اب مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو!؟ بہرحال اس جانب سے بار بار کی درخواست اور حالات کے تناظر میں حضرت علامہ صاحبؒ نے مناظرہ کرنا قبول فرمالیا اور اپنے ایک خصوصی شاگرد اور فیض یافتہ نوجوان فاضل مولانا قاری سمیع اللہ (رانا کالونی جھنگ) کو اپنا نمائندہ بنا کر ٹوبہ بھیجا، جنہوں نے وہاں حالات کا جائزہ لیا، مناظر صاحب کے بارے معلومات اور ان کے مبلغ علم کے علاوہ مقام مناظرہ، امن وامان کی ذمہ داری اور دیگر تمام شروط وقیود اور وقت، دن وتاریخ وغیرہ امور طے کئے۔ مناظرہ کے جملہ امور کے ذمہ دار وہاں کی ایک ذمہ دار شخصیت (جو بااثر اور وہاں علاقہ کے بڑے جاگیر دار، اور چٹیانہ کالج کے پرنسپل صاحب تھے) متفقہ طور پر قرار پائے کہ وہی متنازع امور میں فیصل اور جج ہوں گے۔ جناب مولانا قاری سمیع اللہ صاحب شہید یہ امور طے کر آئے۔ میں ان تمام احوال ومعاملات سے لاتعلق اور بے خبر رہا۔

قصہ کوتاہ، سب کچھ طے ہونے کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ میرے ہاں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ: مولوی الیاس! تم یہاں کی صورتِ حال اور سرگزشت سے بخوبی واقف ہو، بلکہ ان میں ایک کردار بھی تمہارا رہا ہے۔ پھر آپ نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے حوالے سے بتایا، جو کچھ اب تک ہوا، یا طے ہوا، اس کا پس منظر اور تمام عمل ودخل کی تفصیل ذکر کر کے ارشاد فرمایا تم نے وہاں موضع چٹیانہ میں مناظرہ کرنا ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ کے منہ سے یہ بات سن کر میں ہکا بکا رہ گیا اور حیرت واستعجاب میں ڈوبے لہجے میں حضرت سے عرض کیا کہ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں؟ اور مناظرہ؟ وہ بھی ان خوفناک حالات میں؟ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ! ادھر احوال کی بادِسموم اور گھن گرج، اور میں ناتواں، ناتجربہ کار، علم سے بھی کورا۔ اس موقع پر جو بات ہوئی اُس کی تفصیل ذکر کرنا اَب بے محل ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے اس موقع پر حکماً ارشاد فرمایا: یہ مناظرہ اب ہونا ہی ہونا ہے اور مناظرہ کرنا بھی تم نے ہے۔ البتہ میں تمہیں ان احوال میں پھنسا کر بے تعلق ہرگز نہیں ہوں گا، بلکہ قدم قدم پر سرپرستی، مشورہ، معلومات اور وسائل کے بارے میں ذمہ دار ہوں گا، یہ سلسلہ میں نے طے کرلیا ہے، اب تم تیاری کرو۔ جب میرے لئے مجال انکار وفرار نہ رہی تب مولانا قاری سمیع اللہ صاحب کو میرا معاون مناظر قرار دے دیا گیا۔ اب میں نے حضرت علامہ صاحبؒ سے ہدایات لینی شروع کیں اور مکمل تیاری کرنے لگا، یہ داستان طویل ہے۔

قصہ مختصر وقت مقرر پر صبح ہی مولانا قاری سمیع اللہ اور دیگر بعض علماءِ جھنگ کے ہمراہ ہم ایک ویگن سے ٹوبہ ٹیک سنگھ پہنچے، جہاں جوش وخروش موجود تھا، وہاں سے بھی کچھ علماء گاڑیوں پر سوار ہوئے اور ہم چٹیانہ پہنچ گئے، وہاں بھی جشن کا سماں تھا، جہاں حضرت علامہ صاحبؒ بعض اہم لوگوں اور علماء کے ہمراہ موجود تھے۔ چودھری صاحب نے اپنے ڈیرے پہ کھلے لان میں

مناظرے کا انتظام کر رکھا تھا، ہم پہنچتے ہی بڑے ہال کمرے میں جس میں سٹیج لگا ہوا تھا براجمان ہوگئے، علماء جھنگ مع حضرت علامہ صاحب ایک طرف بٹھا دیئے گئے اور باہر عوام کا جمِ غفیر تھا، ایک طرف درمیان میں بڑی میزیں اور اِدھر اُدھر تین تین کرسیاں بچھی تھیں۔نشان دہی پہ میں اور قاری سمیع اللہ ایک طرف بیٹھ گئے اور میز پہ کتابیں رکھ لیں۔

اس موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے بڑے پر جوش انداز میں مجھے حوصلہ دیا اور مرعوبیت کی بجائے رعب ودبدبہ سے محفل پہ چھا جانے کی تلقین کی اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ اتنے میں فریق دوم کے مناظر (پروفیسر عبدالمجید بریلوی) صاحب پورے طمطراق سے جُبہ پہنے ہوئے، بجے سجائے، مٹکتے ہوئے نمودار ہوئے اور بلا علیک سلیک کاغذات کا ایک پلندہ میرے سامنے رکھتے ہوئے گویا ہوئے کہ: اِن تمام موضوعات پر جو میں نے علیحدہ علیحدہ پرت پر لکھ کر پیش کئے ہیں، سب پر مناظرہ ہوگا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، اسی طرح ہوگا، چنانچہ مناظر صاحب مع ان کے معاون اور ایک سر پرست تین افراد ہمارے سامنے کرسیوں پر براجمان ہوگئے اور نشست سنبھالتے ہی کہنے لگے: اب دیر کا ہے کی، میں شروع کرتا ہوں، بتلاؤ کس عنوان پر بات ہو؟ اس نے کاغذات کا جو پلندہ میرے سامنے رکھا تھا، اس میں سرِ فہرست مسئلہ ایصال ثواب تھا، میں نے فوراً کہا: اِسی موضوع پر گفتگو ہوجائے۔ اُن صاحب نے بسم اللہ پڑھی نہ خطبہ دیا اور آتے ہوئے سلام بھی نہ کیا تھا۔ بس یہ کہتے ہوئے مقررین کی طرح گرجنے، برسنے لگے کہ تمہارے فلاں بزرگ نے یوں لکھا ہے اور فلاں نے ایسے لکھا ہے اور ایصال ثواب کے سب منکر ہیں۔ اور پھر ایصال ثواب پر اچھی خاصی تقریر جھاڑ دی۔

جب وہ اپنی باری پوری کر چکے تو میں اُٹھ کھڑا ہوا، میں نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور لوگوں سے کہا کہ تمام حاضرین درود پاک پڑھ لیں تا کہ محفل بابرکت اور معطر ہو جائے۔ اور پھر میں نے مناظرے کا افتتاح کرتے ہوئے کہا میرے مدِ مقابل ابھی سے مناظرہ ہار گئے، اپنے ہوش وحواس گم کیے ہوئے ہیں، یہ مناظرہ کیا کریں گے؟ آتے ہوئے نہ سلام کیا، نہ ہی درود وسلام پڑھا، نہ ہی خطبہ مسنونہ پڑھا۔ یہ گستاخ ہمیں کہتے ہیں اور درود پاک سے محروم یہ خود ہیں، اگر درود اصلی نہیں پڑھنا تھا تو اپنا معروف ''الصلوٰۃ والسلام'' پڑھ لیتے اور سلام ہمیں اگر نہیں کرنا تھا تو اپنے لوگوں کو ہی کر لیتے، چلو بسم اللہ ہی پڑھ لیتے، کوئی بات ٹھکانے کی نہ کی۔ اس پر مناظر صاحب مبہوت ہوگئے، کھسیانے ہو کر کہنے لگے: حضرات! یہ ابتدائی بات تھی، مناظرہ اب ہوگا، کمرے کے دروازے بند کر دیں، بند جگہ میں مناظرہ ہوگا، یہ ٹیپ ریکارڈ بھی اٹھا دیے جائیں، یہ فضول چیزیں نہیں ہونی چاہییں، آپ خود ہی بدعات کے مخالف ہیں، یہ بدعت ہے، اس پر میں نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوگا، ٹیپ ریکارڈر بھی ضرور ہونے چاہئیں تا کہ تمام گفتگو محفوظ کر لی جائے، کل کلاں تمہاری پھر نئی مہم کا راستہ نہ رہ سکے۔ تمہارے پروپیگنڈے اور غلط افواہوں کا ہمیں تلخ تجربہ ہے اور مناظرہ بھی سرعام ہوگا، سب حاضرین سنیں گے اور عوام ہی اصل منصف اور ججز ہوں گے۔ اس پر عوام اور حاضرین کی طرف سے میری بھر پور تائید کا شور اٹھا، اب لیت ولعل ردوقدح کے بعد مناظر صاحب اپنے موقف سے دستبردار ہوئے، اب ان کے بقول باقاعدہ مناظرہ شروع ہوا۔

ان جعلی علامہ صاحب اور نمود ونمائش اور شہرت وناموری کے لیے چیلنج بازی کرنے والے مناظر صاحب کی وہ درگت بنی، وہ درگت بنی کہ رہے نام اللہ کا۔ یہ اوراق روداد کی تفصیل کے متحمل نہیں اور اس تفصیل کا یہاں کوئی محل بھی نہیں۔ اڑھائی گھنٹے کے اس مناظرے میں کئی اہم موڑ آئے جہاں مناظر موصوف کا گلا جواب دینے لگا اور بولنے کی سکت بھی جواب دے گئی تھی۔ ان احوال میں حضرت علامہ صاحب اپنی جگہ بیٹھے ''ہوں، ہاں، بہت خوب'' کے الفاظ سے میری حوصلہ افزائی کرتے رہے، تا آں کہ فریق مخالف مناظر صاحب نے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی، مگر سب لوگوں نے دباؤ ڈال کر ان کی یہ کوشش ناکام بنادی۔ تب وہ کہنے لگے: اب یہ مناظرہ یہاں نہیں ہوگا، مجھے جان کا خطرہ ہے، یہ سپاہ صحابہ والے لوگ خطرناک ہیں، جس کو جواب منتظم مناظرہ پرنسپل صاحب نے فوراً دیا کہ میں کسی کو کسی کے لیے خطرہ نہیں بننے دوں گا اور اس کا مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ (اس موقع پر انہوں نے کالج کے نوجوانوں کی ڈنڈا فورس متعین کر رکھی تھی)۔

مگر مناظر صاحب مزید سبکی اور تذلیل کے لیے وہاں نہ ٹھہر سکے اور اپنے حواریوں سمیت اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہا کہ اَب تحریری مناظرہ ہوگا، اور وہاں سے میں لکھ بھیجوں گا، آپ حضرات جواب دیں گے، یہ کہتے ہوئے انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کے باوجود تمام لوگوں کو اس موقع پر پُر امن رہنے کی تلقین کی گئی اور نعرہ بازی سے روک دیا گیا۔

چنانچہ ان کے بھاگ جانے کے بعد ہمیں ہر طرف سے تبریکات اور تعریف کے الفاظ سے نوازا جانے لگا۔ ہم نے یہاں سے اُٹھ کر نماز ظہر ادا کی اور انتظار شروع کر دیا، ہماری طرف سے اُن صاحب کو اُن ہی لوگوں کے ذریعے پیغامات بھیجے گئے اور اُن کے ہی لوگوں نے اُن کا دروازہ پیٹا اور شور وشغب کیا مگر انہوں نے دروازہ نہ کھولا اور باہر نہ نکلے، رات گئے تک جب ان کی طرف سے ''صدائے برنخواست'' کا معاملہ رہا تو ہمارے لوگوں نے اپنی زیر تعمیر مسجد کے اندر جلسہ عام کا اعلان کر دیا اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن کے نام کا اعلان ہوتا رہا۔ اب چٹیانہ سے باہر ٹوبہ شہر میں بھی فتح کا غلغلہ بپا ہوگیا۔ رات کو جب مسجد میں جلسہ کا سٹیج لگا تو نعت وتلاوت کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ نے خود مائیک پر آ کر میری کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے بڑے وقیع الفاظ میں میری حوصلہ افزائی فرمائی اور خود ہی میرے خطاب کرنے کا اعلان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ فریق دوم کے دیگر تحریر کردہ سوالات کا بھی مولانا بالا کوٹی صاحب یہیں جواب دیں گے اور پھر آگے بڑھ کر حضرت نے مجھے دونوں بازوؤں میں لے کر بڑے پیار بھرے انداز میں لاؤڈ سپیکر کے سامنے کر دیا اور خود حضرت علامہ صاحبؒ نے جلسے کی صدارت کی کرسی سنبھال لی۔

چنانچہ اَب میں نے ان صاحب کو چیلنج کیا کہ اب بھی آجاؤ، میں اَب بھی مناظرے کے لیے موجود ہوں اور آپ کا منتظر ہوں یا جہاں تم چاہتے ہو میں آجاتا ہوں، ایک عرصے سے جاری تمہاری چیلنج بازی کا بازار آج بند کر کے ہی جاؤں گا۔ اس جلسہ میں عوام پُر جوش ہو کر موجود رہے۔ پھر حضرت علامہ صاحبؒ کی دعا اور تبریکات پر رات گئے یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

حضرت علامہ صاحبؒ رات کو ہی چٹیانہ سے ٹوبہ شہر آگئے جبکہ میں اور قاری سمیع اللہ شہید صاحب رات کو وہیں مقیم رہے۔ دوسرے دن درس میں پھر باقاعدہ چیلنج کا اعادہ کرنے کے بعد منتظمین مناظرہ کی فہمائش اور تبریکات کے بعد الوداع کہنے پر

واپس ہوئے۔اس مناظرہ کی مختصر سی روداد ''مناظرہ چڑیانہ'' کے نام سے چھپی تھی، جو ہاتھوں ہاتھ لوگوں نے شوق سے وصول کی۔ چنانچہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے در ودیوار اُن کی پرانی روش اور آئے دن ہمارے اکابرین کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے اور بازاری الزامات کی بھرمار سے محفوظ ہوگئے۔**الحمدلله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه.**

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے حکم پر یہ چند معروضات تحریر کردی ہیں۔حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے اور کیا کچھ کر گئے؟ میرے جیسے بے بضاعت اور کم زور، نالائق آدمی کی تحریروں اور خراج تحسین سے کہیں بالاتر وبرتر ہے۔حضرت علامہ صاحبؒ کی بندہ پرنوازشات اور بھی بہت سی تھیں، مگر احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ میرے ہاں یہاں جھنگ میں وارد ہوئے۔میری حالت ان دنوں ناگفتہ بہ تھی، مگر مجھے اس بات کا شعور نہ تھا کہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔کمزوری، لاغرپن، سرگردانی، متلی جیسے کئی عوارض نے گھیر رکھا تھا۔اچانک حضرت علامہ صاحبؒ کی آمد سے میں بھونچکا سا ہوگیا۔تاہم حضرت علامہ صاحبؒ کو بیٹھنے کا کہہ کر اندر گھر کو لپکا تاکہ اہل خانہ کو حضرت کی آمد اور تواضع کا کہہ سکوں۔مگر حضرت علامہ صاحبؒ نے سختی سے روک کر بلایا۔میں نے کہا میں صرف آپ کی اطلاع دینے جارہا تھا۔فرمایا ٹھہرو، ذرا میری طرف متوجہ ہو، اور مجھے کندھوں سے پکڑ کر کھڑے کھڑے غور سے دیکھنے لگے۔میں نے عرض کیا میں آجکل بڑی تکلیف میں مبتلا ہوں اور بیماری بھی سمجھ میں نہیں آرہی اور اپنی کیفیت کی تفصیل گوش گزار کی۔آپؒ نے مجھے جھنجھوڑ کر پُرجلال انداز سے فرمایا: او بھولے مولوی! یہ لوگ جن سے تم نے ٹکر لے رکھی ہے، صرف گولیاں نہیں مارتے اور خون ہی نہیں بہاتے، ان کے دوسرے ہتھکنڈے انتہائی خطرناک ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔

پھر مجھے فوراً وضو کر کے آنے کا حکم دیا، فرمایا باقی سب کام رہنے دو، چنانچہ میں اندر گھر جا کے وضو کر کے حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا، بیٹھک میں بڑی دری پر چھوٹا سا قالین کا ٹکڑا بچھا تھا اور ساتھ ہی گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا۔چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ نے نشست پر بیٹھ کر مجھے گھٹنے ٹیک کر سامنے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔حضرت علامہ صاحبؒ نے پہلے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا اور مجھے دم کرتے رہے، یہاں تک کے میرے گھٹنوں، رانوں اور سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور جسم تھر تھر کانپنے لگا۔بڑی دیر بعد میری خلاصی ہوئی۔اس کے بعد بھی دیر تک مجھے جھاڑتے پھونکتے رہے۔اس موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے ازراہ شفقت مجھے کچھ اَوراد و وَظائف بتلائے اور اجازت مرحمت فرمائی جو آج بھی میرے لیے ان کا عطیہ اور سرمایہ ہیں۔

جھنگ کے جلسوں اور محافل وغیرہ میں حضرت علامہ صاحبؒ کی آمد ورفت کثرت سے رہتی تھی تاآنکہ جھنگ دہشت گردی کی لپیٹ میں آگیا اور اہل حق علماء کے لیے خطرات منڈلانے لگے، تب حضرت علامہ صاحبؒ کی آمد ورفت اور فیض رسانی بھی موقوف ہوگئی اور پھر نہ آنا ہوا اور نہ ہی میں محروم قسمت یہاں کی مصروفیات کی وجہ سے حاضری دے سکا۔

بعد میں مجھ جیسے صحابہؓ کے فداکار کے لیے ملاقات، مراسم، روابط سب چیزیں خطرات کا سبب بن گئیں، جب کہ اس دور

میں اپنے قرابت داروں سے بھی راہ ورسم کم رکھنے لگا، بلکہ کٹ کر رہ گیا تھا، یہاں تک کہ حضرت علامہ صاحبؒ جیسے محسن ومہربان کو کوئی ٹیلیفون بھی نہ کرسکا، البتہ دیگر ذرائع سے خیریت معلوم ہوتی رہی، پچھلے سال جب جامعہ اشرفیہ لاہور میں فروکش تھے تو کوشش کے باوجود رابطہ نہ ہوسکا اور میں اپنی معذوریٔ صحت کے باعث حاضری سے قاصر رہا تا آنکہ اجل نے قصہ ہی تمام کردیا۔

ع رفتید و لے نہ از دلے ما

اللہ تعالیٰ حضرت العلام قدس سرہ العزیز کی حسنات اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ہم ایسوں کی کوئی سی نسبت، عقیدت اور تلمذ رکھنے والوں کو بھی اس راہ علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کی بے نفسی، اخلاص، للّٰہیت کے خوشہ چینیوں میں شامل فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام: محمد الیاس بالاکوٹی، جھنگ۔ **0332-6285630**

مولانا مفتی عبداللطیف شجاع آبادی

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ بے حد ذرخیز دماغ کے مالک تھے، حاضر جوابی آپ پر ختم تھی علمی اور تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی دندان شکن جوابات کے ماہر تھے، اخیر عمر تک کھڑے ہوکر بیان کرتے تھے۔ نکتہ رسی آپ پر ختم تھی بات سے بات نکالنے اور با مقصد نتیجہ خیز بنانے میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ چونکہ آپ اسلامی اور عصری علوم پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے ۔آپ کی تقاریر اور بیانات کا رنگ بالکل جداگانہ تھا۔ عوامی جلسوں میں بھی علمی نکات اس انداز سے بیان کرتے تھے کہ عام سامعین بھی اَش اَش کر اٹھتے تھے۔ آپ کے علمی مقام اور دین علوم میں مہارت تامہ رکھنے کی وجہ سے علامہ کا قابل قدر لقب ان کے نام کا جز و اور حصہ بن گیا تھا۔ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانا توی، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ کے بعد علامہ خالد محمود صاحبؒ قوت استخراج اور قوت استنباط میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ قوت حافظہ، حاضر جوابی اور نکتہ رسی میں اپنی مثال آپ تھے۔

فتنہ قادیانیت کو علمی میدان میں شکست فاش سے دوچار کرنے میں آپ کی خدمات تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی ۔ یورپی ممالک خصوصاً امریکہ، برطانیہ، اور ساؤتھ افریقہ کے جنگلوں سے لے کر عدالتوں تک قادیانیت کو علمی میدان میں شکست دینے میں آپ کی نظیر نہیں ہے۔ آپ نے دین ومذہب کی وہ خدمت کی ہے جو بڑے بڑے ادارے نہیں کرسکے۔ میری معلومات کے مطابق پچاس سے زائد کتب تصنیف کی ہیں۔ آپ نے بیس رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق چودہ مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات مانچسٹر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے شک علامہ صاحبؒ ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی دینی، قومی، ملی، علمی اور تالیفی خدمات ان کے نام کو زندہ رکھیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروٹ کروٹ رحمتیں نازل فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین۔

از (مولانا مفتی) عبداللطیف شجاع آبادی۔ حال مقیم حاصل پور ضلع بہاولپور **0301-7410446**

پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی [قرآن محل، بیرون پاک گیٹ، ملتان]

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی

مُشفقانہ ذرّہ نوازی و مُسکِتانہ حاضر جوابی

عظمتِ اخلاق اور مسلکی و علمی سرپرستی کی چند جھلکیاں

تعارفی پسِ منظر:

گذشتہ چند سالوں سے دینی مدارس کی سالانہ عوامی تقریب "ختم بخاری شریف" کے نام سے ایک نشست یا مُتّصِل دو نشستوں کی ہورہی ہے۔ اور وہ بھی اس سال اکثر مدارس کو " کورونوی سازش " کی وجہ سے انعقاد کی تاریخ کے اعلان کے بعد منسوخ کرنا پڑی۔ جبکہ پہلے دینی مدارس کی یہ سالانہ عوامی تقریب جمعۃ المبارک، ہفتہ اور اتوار تین دن کی ہوتی تھی، روزانہ تین یعنی کل نو نشستیں ہوتی تھیں تینوں دن دوسری نشست ظہر سے عصر تک اور تیسری نشست نمازِ عشا کے بعد ہوتی تھی جبکہ جمعۃ المبارک کی پہلی نشست نمازِ جمعہ کے بیان کی ہوتی جو اس سالانہ تقریب کی پہلی نشست ہوتی تھی جبکہ باقی دو دن پہلی نشست صبح ناشتے کے بعد سے دوپہر تک ہوتی اور عموماً اتوار کے دن پہلی نشست میں فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی کی جاتی تھی نمازِ جمعہ کے بیان کی نشست میں صرف ایک بزرگ عالمِ دین کی گفتگو ہوتی جبکہ باقی ہر نشست میں کم از کم دو بیان ہوتے تھے۔ جس مدرسہ کا جلسہ اس کے اپنے احاطے میں ہوتا وہاں ہفتہ اور اتوار دو دن نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن مجید بھی ہوتا، اس طرح اس مدرسہ کی نشستیں گیارہ ہو جاتی تھیں۔

میں جب اسکول کا طالب علم تھا، شدید ترین بیماری کے سوا چھٹی نہیں کرتا تھا، میرا شمار اسکول کے انتہائی حاضر باش مثالی طلبہ میں ہوتا تھا، مگر جب کسی مدرسہ کا جلسہ ہو رہا ہوتا تو میرے والدین اور اساتذۂ کرام دونوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ہفتہ اور اتوار دونوں دن یہ اسکول کی بجائے جلسہ میں ہوگا اور جمعۃ المبارک میں میرے اسکول میں چھٹی ہوتی تھی۔

علمی استفادہ :

ساتویں جماعت سے ملتان کے دینی مدارس کے جلسوں میں میری باقاعدہ حاضری کا سلسلہ شروع ہوا جو سرکاری ملازمت کے آغاز تک باقاعدہ چلتا رہا۔ لڑکپن سے جوانی تک مجھے ان جلسوں میں جن اکابر علماءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اصلاحی، تبلیغی، علمی، تحقیقی اور خصوصی موضوعات سے متعلق بیانات ذوق وشوق سے سننے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

شخصی تعارف:

میں مارچ ۱۹۷۹ء میں کالج میں اردو زبان وادب کی تدریس کے لئے سرکاری ملازمت میں داخل ہوا۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۶ء تک گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ میں رہا اس اثناء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے ہر ضلع میں اصلاحی پروگرام منعقد کرنے کی ہدایت جاری کی مظفر گڑھ کی ضلعی کمیٹی نے یہ پروگرام گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ میں کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے لئے بطور مہمان خصوصی مفکرِ اسلام حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا، صدارت ڈپٹی کمشنر صاحب کی تھی، انہوں نے پروگرام کے منتظم اور سٹیج سیکرٹری صاحب کو جو کالج ہی کے سینئر پروفیسر تھے یہ بتا دیا کہ وہ تقریب میں فلاں وقت تک رہیں گے، اس کے بعد ایک اہم انتظامی میٹنگ میں شرکت کے لئے انہیں واپس کچہری جانا ہے۔ کالج کے پرنسپل جناب سید صفدر امام مرحوم (۱) نے بطور میزبان مقرر خود بیان کرنے یا کسی سینئر پروفیسر صاحب سے بیان کرانے کی بجائے انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ مجھ جونیر کو نامزد کیا۔ تعمیل ارشاد میں بندہ نے بیان کیا۔

پھر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ انتہائی پُر مغز نہایت جامع تجزیاتی اصلاحی بیان ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گفتگو کا آغاز از راہِ ذرّہ نوازی مجھ ناچیز کے بارے میں تحسینی اور دعائیہ کلمات سے فرمایا، اس پروگرام کے کچھ عرصہ بعد جامعہ خیر المدارس ملتان جانا ہوا، میں نے دیکھا کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ اساتذۂ کرام، طلبہ اور عقیدت مندوں کے ہجوم کے ساتھ دار الحدیث سے باہر تشریف لا رہے ہیں، میں نے آگے بڑھ کر حصولِ سعادت کے لئے مصافحہ کیا، حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور مصافحہ کی حالت برقرار رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: "معلوم نہیں! میرے دل میں آپ کی کشش اور محبت نام کی وجہ سے ہے یا آپ کے مظفر گڑھ کالج کے بیان کی وجہ سے ہے۔" اس کے بعد حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجھ حقیر وناچیز پر مشفقانہ ذرہ نوازی کا مستقل سلسلہ شروع ہو گیا جو مختلف انداز سے ان کی وفات تک جاری رہا۔

مشفقانہ ذرہ نوازیاں:

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان شریعت کورٹ کے جسٹس مقرر ہوئے تو آپ نے اپنے تقرر کے کچھ دن بعد مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "میں عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) اور عدالتِ ہائے عالیہ (ہائی کورٹس) کے جسٹس حضرات کے لئے ضروریاتِ دین سے کماحقّہٗ آگاہی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں، اس بارے میں میری کوشش یہ ہے کہ میں ان معزز حضرات کو ماہانہ ایک گھنٹے کی نشست کے لئے تیار کروں، اس میں خود میں بھی شریک ہوں گا مگر مستقل لیکچر آپ کا ہوگا، میں نے اپنی نااہلی کا عذر پیش کیا، لیکن حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر تعمیل حکم کا وعدہ کر لیا، مگر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ انتہائی مفید اور مؤثر مثبت نتائج کی حامل تجویز جانی پہچانی وجوہات کی وجہ سے عملی شکل اختیار نہ کر سکی۔

---

(۱) اگرچہ پرنسپل صاحب کے نام سے ان کا مذہبی تعلق مخصوص مذہبی گروہ سے معلوم ہوتا ہے مگر وہ عقیدۃً مسلمان یعنی سنّی تھے۔ ڈاڑھی سنت کے مطابق تھی نماز کے پابند تھے۔

غیر مقلدین کی منظّم سازشی گمراہی سے سادہ لوح احناف کو بچانے اور اس بارے میں محقق ومؤثر حنفی علماء کو فکر مند اور متحرک کرنے کے لئے جمعیت علماءِ ہند نے مئی ۲۰۰۱ء میں دہلی میں "تحفظ سنت کانفرنس" منعقد کی جس میں مستند ومعتبر محقق علماءِ کرام کے تقلید اور اختلافی مسائل پر لکھے ہوئے مقالات پڑھے گئے جو بعد میں افادۂ عام اور استفادۂ عوام کے لئے رسائل کی شکل میں شائع کر دیئے گئے۔بعض فتن شناس اصحابِ بصیرت نے ایسی کانفرنس پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی منعقد کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا، چنانچہ مولانا قاری عبدالرحمٰن رحیمی کی کوششوں سے ۱۹ر مئی ۲۰۰۲ء کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں ایک کانفرنس کا انعقاد طے پایا، جس میں حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ بندہ کا بیان بھی طے تھا، بعض ذمہ داروں نے اِس اہم کانفرنس کے موقع پر بندہ کے بیان کو نامناسب سمجھتے ہوئے منسوخ کر دیا، قاری عبدالرحمٰن رحیمی صاحب کو علم ہوا تو انہوں نے اپنی شرکت اور معاونت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔بدمزگی سے بچنے کے لیے بندہ نے بیان نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔مگر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب بیان سے میری دستبرداری کا علم ہوا تو انہوں نے مجھ سے رابطہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ بیان سے دستبردار نہ ہوں، اگر آپ بیان پر آمادہ نہیں تو میں ابھی کانفرنس کے منتظم کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں کانفرنس میں نہیں آ رہا، حضرت کی مجھ ناچیز پر اس مشفقانہ ذرّہ نوازی نے مجھے شرمندگی میں ڈبو دیا اور میں نے ان سے اُن کے حکم کی تعمیل میں بہر صورت بیان کرنے کا وعدہ کر لیا۔

کانفرنس کے روز بندہ کو بیان کے لیے تب موقع دیا گیا جب محض پندرہ منٹ باقی تھے، چنانچہ میں نے اعلان کردہ محدود وقت کی پابندی کرتے ہوئے "حدیث میں سنت کے تعین کی ضرورت، اس کا طریقہ اور فقہ حنفی کی سنت سے مطابقت" کے عنوان پر تفصیلی گفتگو کی بجائے وقت کی کمی کے اظہار کے ساتھ اس کا خلاصہ بیان کیا۔آخر میں عمیق النظر قادر الکلام فصیح اللسان صاحبِ گفتگو حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت عالمانہ ومحققانہ تفصیلی بیان ہوا، جس میں انہوں نے فقہ حنفی کی سنت سے مطابقت کی حقیقت معتبر اور مستند حوالوں سے واضح فرمائی، جس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک بات با حوالہ ارشاد فرماتے، مظفر گڑھ کے ممتاز محقق عالمِ دین حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ سامنے میز پر رکھی گئی کتابوں سے تیزی کے ساتھ بطور حوالہ ذکر کی ہوئی کتاب اٹھاتے اور فوراً اس کا متعلقہ صفحہ کھول کر حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کر دیتے اور حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے عبارت پڑھ کر سناتے اور پھر اس کی حسبِ ضرورت اپنے حقائق کُشا وفکر انگیز مخصوص انداز میں اس طرح وضاحت فرما دیتے کہ اس مسئلہ میں نہ صرف احناف کا حنفی مسلک کی حقانیت اور مسالکِ حقہ میں سے اس کی ترجیح پر قلبی اطمینان مزید بڑھ جاتا بلکہ غیر مقلدین کے حدیث پر عمل کی دعوت کے نام پر فقہ حنفی کے بارے میں منفی پروپیگنڈا کا شکار ہو جانے والے افراد پر بھی غیر مقلدین کی خیانت، ضدّ یت، کج فہمی اور غلط بیانی پوری طرح واضح ہو جاتی۔

ایک مرتبہ جناب قاری عبدالرحمٰن رحیمی صاحب نے جامع مسجد سراجاں حسین آگاہی میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی بیان رکھا ان کے بیان سے پہلے میرا بیان تھا "مخصوص حضرات" نے جناب قاری صاحب سے کہا کہ: حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے بلند علمی مقام کی وجہ سے ان کے ساتھ کسی اور کا بیان مناسب نہیں، موضوع کی جامعیت کے لحاظ سے وقت محدود ہے،

اس لئے پورا وقت صرف اور صرف حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملنا چاہیے"۔ میں نے جناب قاری صاحب اور مخصوص حضرات دونوں کو اپنے بیان کے بارے میں آزمایش اور تذبذب سے بچانے کے لئے آنے میں دانستہ تاخیر کی، مسجد میں اُس وقت حاضر ہوا جب حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہو گیا اور میرے بیان کا امکان باقی نہ رہا، حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی، انہوں نے بیان روک کر کرسی منگوا کر اپنے پاس رکھوائی، مجھے اس پر بٹھا کر پھر آگے بیان فرمایا، بیان کے بعد نماز عشاء پڑھ کر حضرت جامعہ نعمت الرحیم تشریف لے گئے، میں بھی نماز سے فارغ ہو کر ان سے ملاقات کے لئے جامعہ نعمت الرحیم حاضر ہوا، آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے اور باقی سب نیچے بیٹھے تھے، حضرت نے مجھے اپنے ساتھ اوپر بٹھایا۔

اتنے میں باہر ڈیوٹی دینے والے طالب علم نے اندر آکر کہا کہ ایک نوجوان سوالات کے لئے ملاقات کرنا چاہتا ہے، حضرت نے فرمایا مجھے کچھ دیر بعد لاہور روانہ ہونا ہے، اس لئے اس وقت سوال و جواب کی نشست نہیں ہو سکتی، طالب علم نے باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا میری نظر اُس نوجوان پر پڑ گئی، وہ میری برادری کا غیر مقلد تھا جو حنفیت کے خلاف منفی پروپیگنڈا کو بطور دینی فریضہ اختیار کئے ہوئے تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اسے سوال کی اجازت فرما دیں، مجھے یقین ہے کہ آپ اسے چند منٹ میں لاجواب فرما دیں گے، اگر آپ نے اسے وقت نہ دیا تو یہ جس بازار میں کام کرتا ہے اس میں، میری برادری اور پورے علاقے میں فخریہ کہتا پھرے گا کہ "حنفیوں کا بڑا علامہ انگلینڈ سے آیا تھا مگر اسے میرے سوالوں کا جواب دینے کا حوصلہ نہیں ہوا" حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے از راہِ ذرّہ نوازی میری درخواست قبول فرما کر اُسے بلا لیا۔

مسکتانہ حاضر جوابیاں:

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس سے جو گفتگو ہوئی اُس سے اُن کی مسکتانہ حاضر جوابی کی مستقل صفت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ گفتگو یہ ہے:

سائل: میرے چند سوالات ہیں۔

حضرت: چند نہیں صرف ایک! کیونکہ حاضرین کو گن لو اگر ہر ایک چند سوالات کرنے لگے تو کتنا وقت چاہیے۔

سائل: کسی کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ یہ میری بات سن رہا ہے، اُس سے یہ کہنا" کہ آپ میرے لئے دعا کریں" کیا شرک نہیں؟

حضرت: نہیں!

سائل نے دوسری اور تیسری بار نہایت تعجب سے پوچھا: کیا شرک نہیں؟ حضرت نے پہلی بار کی طرح دوسری اور تیسری بار بھی اطمینان سے صرف اتنا فرمایا:" نہیں"۔

جب سائل کے تعجب کی کیفیت شدید ہو گئی تو اب حضرت نے نہایت اطمینان سے سوال کیا: شرک کسے کہتے ہیں؟ سائل بوکھلا کر بار بار صرف یہی کہتا رہا: شرک کہتے ہیں! شرک کہتے ہیں! اس سے آگے گھبراہٹ کی وجہ سے کوئی وضاحت نہ کر سکا۔ اس پر

حضرت نے فرمایا: وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں ان کو مخلوق میں ماننا اور جو باتیں مخلوق کی ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ میں ماننا اسے شرک کہتے ہیں۔

اس پر سائل نے فوراً کہا: جی ہاں! جی ہاں! اس کی تائید کے بعد حضرت نے فرمایا: مرنا، مرنے کے بعد سننا، قبر میں محدود ہونا اور دُعا کرنا کیا یہ باتیں اللہ کی ہیں؟ سائل نے جواباً کہا نہیں! اس پر حضرت نے فرمایا آپ خود ہی بتائیں جب ان میں سے کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہ ہونے کی وجہ سے شرک نہیں تو پھر اس کا مجموعہ شرک کیسے ہو گیا! اس پر نوجوان لاجواب ہونے کی حالت میں اٹھ کر باہر چلا گیا (۲)۔

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا مظفر گڑھ کے قریبی علاقے میں پروگرام تھا، اہلِ بدعت نے اپنے ہم مسلک ایک پروفیسر صاحب کو حاضر ناظر کے مسئلہ میں تیار کر کے بھیجا، اس نے حضرت سے اس بارے میں سوال کیا تو حضرت نے صرف اتنا فرمایا: ''کب سے؟'' سائل کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اگر یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ عالمِ دنیا میں حاضر ناظر تھے تو پھر تبلیغی اسفار، طائف کا سفر، غارِ حرا اور غارِ ثور میں قیام، قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا مکی و مدنی ہونا، مختلف سورتوں اور آیات کے مقامِ نزول کی احادیثِ مبارکہ، ہجرت، غزوات میں شرکت، مدینہ منورہ بالخصوص مسجد نبوی میں آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں کسی اور کا نماز پڑھانا، قبلہ کی تبدیلی کے حکم کے نزول کے وقت مسجد نبوی کی بجائے مسجد **ذو قبلتین** میں ہونا، سفر کی حالت میں نماز قصر کرنا، چھ ہجری میں حدیبیہ میں روکا جانا اور عمرہ نہ کر سکنا، نو ہجری میں اپنی جگہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج اور ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری دے کر اُن کا نائب بنا کر بھیجنا، غزوۂ تبوک میں تشریف لے جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

(۲) میری معلومات کے مطابق اس غیر مقلد کے ساتھ تین واقعات ایسے ہوئے جس کی وجہ سے وہ اپنی نوجوانی سے اب تک غیر مقلد رہنے کے باوجود حنفیت کی مخالفت اور اس کے بارے میں منفی پروپیگنڈے سے کنارہ کشی کی حالت میں ہے۔ پہلا واقعہ یہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اپنے بازار کے ایک حنفی دکاندار کو اُس نے مقتدی کی قراءت کے حوالے سے مسلم شریف کی ایک حدیث دکھائی، وہ دکاندار کتاب لے کر میرے پاس آ گیا، میں نے اسے پورے باب کی احادیث کی طرف متوجہ کر کے باہمی تقابل کی نسبت سے چند سوالات بتا دیئے، جب حنفی دکاندار نے وہ سوالات کئے تو وہ کتاب لے کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ جبکہ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ اپنے بازار کے ایک حنفی دکاندار کو اس نے غیر مقلدیت کی دعوت دی تو بحث چھڑ گئی، اس پر اس نے مطالبہ کیا کہ مجھے اپنے کسی عالم کے پاس لے چلو میں نے اس سے سوالات کرنے ہیں، اُس کے جوابات سے تمہیں اپنے حنفی مسلک کا غلط ہونا خود بخود معلوم ہو جائے گا، وہ حنفی دکاندار اسے جامعہ خیر المدارس میں ترجمان اہل السنّت حضرت مولانا محمد امین صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گیا، اس غیر مقلد نے سلام کر کے مصافحہ کے لئے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا، حضرت نے اُس کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا لگا دیا، یہ غصہ میں آ گیا کہ آپ نے مصافحہ کے سنت عمل کی توہین کی ہے۔ حضرت نے فرمایا بخاری شریف میں مصافحہ دو ہاتھ سے ہے، اس نے کہا حدیث میں نبی ﷺ کے دو ہاتھوں کا ذکر ہے، صحابی رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ تھا، میں نبی نہیں کہ دو ہاتھ ملاتا حضرت نے فرمایا: میں صحابی نہیں کہ پورا ہاتھ ملاتا، اس لئے میں نے ہاتھ کے جز پر اکتفا کیا ہے، اس پر غیر مقلد ایسا مبہوت ہوا کہ اپنے سارے سوالات ہی بھول کر واپس آ گیا۔

کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کرنا، دس ہجری میں حج پر تشریف لے جانے کی وجہ سے مدینہ منورہ میں موجود نہ ہونا، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں باری مقرر کرنا، علالت میں اپنی جگہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دینا ان تمام حقائق کا انکار لازم آتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ حاضر ناظر ہونا وفات کے بعد سے ہے تو پھر آپ کے اس جملہ نے سائل کو لاجواب کر دیا کہ:
"یہ وحی کس پر نازل ہوئی؟"

اصاغر کی علمی سرپرستی اور حوصلہ افزائی:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم الحروف نے ۲۰۰۰ء میں موسمِ گرما کی تعطیلات میں یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے اساتذۂ کرام اور طلبہ کے لئے دین کی بنیادی تعلیمات کی چالیس دن کی کلاس کا سلسلہ شروع کیا، ہر سبق چار اجزاء پر مشتمل تھا:

(۱) تجوید القرآن کا ایک اصول اور اس کی مشق۔ (۲) نماز کے کلمات کا صحیح تلفظ اور ان کا مفہوم۔ (۳) اسلامی عقائد و اعمال میں سے کسی ایک عقیدے یا عمل کی قرآن و حدیث کے حوالے سے وضاحت۔ (۴) آج کے سبق کی آیات و احادیث کی مختصر تفسیر و تشریح۔

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار پڑھائے جانے والے اسباق کے نوٹس اور طریقۂ تدریس دیکھ کر نہ صرف انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا بلکہ "دینی تعلیمی نصاب" کے نام سے اسے شائع کرنے کا حکم فرمایا، ان کے ارشاد پر پہلے یہ کتاب جامع صورت میں اسی نام سے شائع ہوئی اور پھر "مختصر دینی نصاب" کے نام سے دس سبقوں پر مشتمل اس کا اختصار مرتب کر کے شائع کیا گیا، جس کی اس وقت نہ صرف مخصوص محدود دنوں میں عصری تعلیمی اداروں کے اساتذہ وطلبہ، وکلاء، سرکاری ملازمین اور تاجروں کی کلاسیں چل رہی ہیں، بلکہ بعض دینی مدارس نے بھی اسے وفاق کے نصاب کے ساتھ اپنے نصاب میں اضافی طور پر شامل کیا ہوا ہے۔ یقیناً اس کی عقائد واعمال کی اصلاح کی صورت میں تدریسی افادیت اس کی سرپرستی وحوصلہ افزائی فرمانے والے دیگر اکابر کی طرح حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بھی صدقۂ جاریہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رحمانی ورحیمی فضل وکرم سے دورِ حاضر کے جملہ فتنوں اور گمراہیوں سے حفاظت، ایمانی استقامت، مسلکِ حق سے وابستگی کا یہ تعلیمی سلسلہ قبولیت ومقبولیت کے ساتھ تاقیامت جاری رکھے! آمین!!

۲۰۰۶ء میں لاہور جامع مسجد جانی شاہ میں محرم الحرام اور واقعۂ کربلا کے عنوان پر میرا تفصیلی بیان ہوا، جس میں اُس وقت کے لاہور کے ملٹری کمانڈر بریگیڈیر جاوید احمد ہاشمی صاحب دینی ذوق پر مبنی اپنے اشتیاق کی وجہ سے بطور خاص شریک تھے، ان کے علاوہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی نہایت مصروفیات کے باوجود ازراہِ ذرّہ نوازی میرے بیان کے آغاز سے اختتام تک بطور سامع تشریف فرما رہے، میرے بیان کے بعد مشفق ومہربان سرپرست کی حیثیت سے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: "میں انتہائی مصروفیات اور اس موضوع پر صاحبِ بیان وقلم ہونے کے باوجود اس بیان میں اس لئے بیٹھا رہا ہوں کہ علماءِ کرام اور دینی مدارس کے طلبہ کو بیان اور صاحبِ بیان کی اہمیت کا احساس دلاؤں اور دوسرے یہ کہ اس میں جن حقائق کا اظہار کیا گیا ہے ان کی میری طرف سے تائید وتوثیق ہو جائے"۔

سنجیدہ خوش طبعی اور نکتہ آفرینی:

خانقاہی نظام کو شرعی حدود میں مقیّد رکھنے، بدعات سے بچانے سنتوں سے مزیّن کرنے اور پاک فوج جدید تعلیم یافتہ افراد اور سرکاری افسروں میں اصلاحِ قلب کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے میں ہر وقت کوشاں سابق فوجی افسر رہبرِ طریقت مرزا جاوید مسرت بیگ دامت برکاتہم العالیہ نے ملتان میں اپنے رہائشی علاقہ قاسم بیلہ میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پروگرام رکھا، پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ رات کے قیام کے لئے اپنا گھر سمجھتے ہوئے میرے ہاں قرآن محل میں تشریف لے آئے، حضرت کے کاتب صاحب بھی اُن کے ساتھ تھے جن سے وہ اپنی ایک کتاب کی کتابت اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے، میں نے حضرت کی اپنے کام میں یکسوئی برقرار رکھنے کے لئے اُن سے یہ کہہ کر کہ "ان شاءاللہ صبح ملاقات ہوگی" اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی اور قرآن محل کے چابی برادر ساتھی سے کہا کہ حضرت کو باہر جانے میں پریشانی نہ ہو، آپ اگر کہیں جائیں تو چابی حضرت کو دے کر جائیں، اس کے بعد جب بھی حضرت کی مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، مجھ پر ان کی خصوصی شفقت اور مجھ گم نام سے ان کا امتیازی اکرام دیکھ کر وہ حضرات جو مجھے نہیں جانتے تھے حضرت سے پوچھتے: یہ کون ہیں؟ تو حضرت فرماتے: "ان کے بارے میں مت پوچھو! یہ وہ ہیں جو ہمیں بھی چابی دیتے ہیں"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید (پارہ نمبر ا رکوع نمبر ۱۶ سورۃ البقرہ آیت ۱۳۷) میں ہدایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح ایمان لانے سے اور (پارہ نمبر ۱۱ رکوع نمبر ۲ سورۃ التوبہ آیت ۱۰۰ میں) اپنی خوشنودی اور جنت کو اس مقدس جماعت کی اعمال میں اخلاصِ نیت کے ساتھ اتباع سے مشروط فرمایا ہے۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی جس رات رحلت ہوئی سٹی جامع مسجد برمنگھم کے امام وخطیب حضرت مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب تقریباً چھ گھنٹے ان کی خدمت میں رہے، ان کی روایت یہ ہے کہ حضرت اس دوران میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مبارک ذکر ہی فرماتے رہے۔

دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بطورِ خاص ذکر فرمانا اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ایمان واعمال میں ان کی مکمل اتباع کرنے والے تھے بلکہ ان کی عظمت کے شدید احساس اور ان سے گہری قلبی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو جنت کے بلند اور اعلیٰ مقامات میں سید المرسلین خاتم النبیین امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی مقدس صحبت کا شرفِ عظیم رکھنے والی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال جماعت کی مستقل اور دائمی رفاقت نصیب فرمائے اور ہمیں بھی اس مقدس جماعت سے سچی محبت ایمان اور اعمال میں ان کی مخلصانہ اتباع اور ان کے ادب واحترام کی کامل توفیق عطا فرمائے قیامت کے دن ان کے ساتھ کھڑا کرے اور ان کے ساتھ ہی جنت میں داخل فرمائے! آمین! آمین!! آمین!!

☆......☆......☆......☆

مولانا قاضی نثار احمد، گلگت

محافظِ سنت نبویہ وسنتِ خلفاء راشدین المہدیین

عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت، جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذ الحدیث اور اسلامک سینٹر مانچسٹر انگلینڈ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ صاحب کولہے کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے مانچسٹر میں تقریباً ۹۷ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے۔ آپؒ ایک جید عالم، سپریم کورٹ کے سابق جسٹس اور عقیدہ ختم نبوت سمیت سینکڑوں کتابوں کے مصنف تھے۔ اور جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ کے محبوب شاگردوں میں سے تھے، مرحوم کی تمام زندگی تحقیق وتصنیف، درس وتدریس، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، دفاع ناموس صحابہؓ، دین کی خدمت اور اسلام کی اشاعت میں گزری۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی طویل علمی وعملی جھود کو دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ بلاشبہ "**علیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الرشدین المهديّين**" کے علمبردار اور محافظِ سنّت نبویّہ (علیٰ صاحبها الصّلوٰة و السّلام) وسنتِ خلفاءِ راشدین المہدیین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تھے۔

متانت، سنجیدگی اور نکتہ رسی میں ڈوبی ہوئی آپ کی ملنسار شخصیت سے آگہی تبھی حاصل ہوتی جب کبھی کسی علمی خصوصاً دعوتی موضوع پر آپ سے استفسار کیا جاتا...... علمی نکات کی ایسی کلیاں پھوٹتیں اور اولوالعزمی، حکمت وبصیرت اور دُور اندیشی پر مشتمل تقریروں کا ایسا سیلِ رواں بہتا کہ عقل دنگ رہ جاتی، اور ایسے محسوس ہوتا جیسے "**اقراء باسم ربک الذی خلق**" کا ایک بحر بیکراں موجزن ہے۔

آپ کی قدرومنزلت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ کے اساتذۂ کرام میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا مفتی محمد حسنؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)، استاذ الکل فی الکل مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اور احسان وسلوک میں آپؒ کے مشائخ میں سے یکے بعد دیگرے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ اور مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئیؒ تھے۔ اور آخر میں حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کے خلیفہ مولانا وصی اللہ صاحب سے بیعت تھے اور ان ہی سے اجازتِ خلافت بھی تھی۔

آپ کی قریباً ۷۶ سالہ دینی خدمات بیسیوں کتابوں اور مواعظ کی صورت میں مطبوعہ ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی۔ آپ کی قرآن وحدیث، عقیدہ وفقہ، احسان وسلوک میں بے مثال تصنیفی وتالیفی خدمات ہیں۔ اور فرقِ باطلہ کے رد میں کی گئی آپ کی کاوشیں تو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ خصوصاً شیطانی

حربوں کی مثلث (قادیانی، روافض اور غالی اہل بدعت) کی ریشہ دوانیوں اور علمی خیانتوں کا پردہ چاک کر کے آپ نے اردو دان طبقے اور نسل نو پر بے شمار احسان کیا ہے۔ آپ کی خاص بات مختصر انداز میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اشتعال انگیزی سے بچتے بچاتے ہوئے مخاطب کو مجوزہ نکات پر غور وفکر کی طرف راغب کرنا تھا۔

میرا اُن سے تعلق دورِ طالب علمی میں قائم ہوا تھا، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ثانی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ جامعہ کے دورۂ حدیث سے فراغت پانے والے طلبہ کو مقارنہ بین المذاہب پڑھانے کے لیے شعبان ورمضان میں جامعہ میں آپؒ کو مدعو کیا کرتے تھے۔ اسی بناء پر ۱۹۹۱ء میں جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اپنے فراغت کے سال مجھے ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اور الحمد للہ حضرت کے وسیع تر مطالعہ اور معلومات کی روشنی میں خوب خوب استفادہ کیا۔ اس کے بعد دینی اجتماعات دیگر اکابر کے ساتھ مختلف اجلاسوں میں ملاقاتوں اور فیض یابی کا شرف حاصل ہوتا رہا، ماشاء اللہ حضرت اپنے افکار ونظریات میں پختہ اور باطل کے مقابل سنگِ گراں تھے۔

چوں کہ علاقائی لحاظ سے ہمارے پیش نظر ایک بڑا محاذ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام ومرتبہ کا تحفظ بھی ہے تو مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس حوالے سے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات ہمارے لیے بہترین مشعلِ راہ ہیں۔ میں اپنی اس تحریر کو ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق اس دوٹوک موقف پر ختم کروں گا جو ۲۰۱۰ء میں ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا، وہ نقل فرماتے ہیں کہ:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو اُن کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے ان کی تعدیل کر چکا ہے:

فلا یحتاج احد منهم مع تعدیل اللّٰه لهم المطلع علیٰ بواطنهم الیٰ تعدیل احدٍ من الخلق له.

[الکفایہ: ۴۶/۳] صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ جو اُن کے قلوب پر مطلع ہے اس کی تعدیل کے ساتھ اور کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں۔

ہر وہ قول اور فعل جو اُن سے منقول نہیں بدعت ہے۔ سو یہ حضرات خود بدعت کا موضوع نہیں ہوسکتے ان کے کسی عمل پر بدعت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة رضی اللّٰه عنهم هو بدعة۔ [تفسیر ابن کثیر: ۵۵۶/۴] دین کے بارے میں کوئی قول اور کوئی فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے۔

صحابی رسول ﷺ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۶ھ) فرماتے ہیں:

کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلا تعبدوها. [الاعتصام للشاطبی: ۵۴] دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا۔

جب دین انہی سے ملتا ہے تو ان حضرات کی تعظیم اس امت میں حق کی اساس ہوگی۔ انہی سے قافلۂ امت آگے بڑھا ہے

اور پوری امت جمعہ اور عید کے ہر خطبہ میں ان کی ثنا خوانی کرتی آئی ہے۔ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار رہے کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کردیا جو انسان کرسکتا ہے اور پھر اس راہ سے انہوں نے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے۔

اہل حق ہمیشہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمتوں کے گرد پہرہ دیتے آئے ہیں، جہاں کسی نے شک کا کوئی کانٹا لگایا، اہل حق نے ان کے تزکیہ کی کھلی شہادت دی، جہاں کہیں تبرّا کی آواز اٹھی اہل حق تولا کی دعوت سے آگے بڑھے اور نفاق کے بُت ایک ایک کرکے گرادیئے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم وتبلیغ میں حضرت رحمہ اللہ کے اعمال خیر سے استفادے کی توفیق عطاء فرمائے اور خاص طور پر اسلاف کے نقشِ قدم چلتے ہوئے سنّت نبویّہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام) وسنتِ خلفاءِ راشدین المہدیین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے تحفظ اور دفاع صحابہ رضوان اللہ علیہم وعلیہن اجمعین کی توفیق سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

تحریر: مولانا قاضی محمود الحسن اشرف (ا)

غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہٗ _ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو مانچسٹر میں مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ___ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ حضرت علامہؒ بلاشبہ اس دور کے امام غزالی، امام رازی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، قاسم العلوم والخیرات قاسم نانوتوی تھے۔ آپ بیک وقت ختم نبوت ﷺ، ناموس رسالت ﷺ، ناموس صحابہ واہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ترجمان بھی تھے۔ مناظر اسلام، متکلم اسلام مفسرِ قرآن اور محدث دوراں بھی تھے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے ترجمان تھے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کا وافر ذخیرہ آپ کی تصنیفات اور تالیفات میں موجود ہے۔ جس سے علمائے کرام بالخصوص نوجوان علماء اور فاضلین کو بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ جس فن اور عنوان پر آپ گفتگو فرماتے سامعین ورطہ حیرت میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور یورپ، امریکہ کے علماء کرام میں شائد ہی کوئی عالم ہوں جنہوں نے آپ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ نہ کیا ہو۔ یوں تو پاکستان کے اکثر مدارس وجامعات میں آپ کے پروگرام زود روس ہوتے رہے ہیں، لیکن جامعہ اشرفیہ لاہور کے ساتھ آپ کا تدریسی تعلق شروع سے تادم آخر باقی رہا۔

اس فقیر نے حضرت علامہ صاحب سے لاہور میں زمانہ طالب علمی (1973 تا 1979) مختلف اجتماعات میں استفادہ کیا۔ لاہور سے کراچی (1980) میں مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ترغیب وتحریک پر داخلہ لیا۔ اس وقت امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب جامعہ کے مہتمم اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ جامعہ میں دنیا بھر کے اکابر علماء اور مشائخ کی آمد ورفت رہتی تھی جن سے طلبہ کو بھی استفادہ کے مواقع میسر آتے تھے جن میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ [مہتمم دار العلوم دیوبند]، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ، حضرت مولانا سید اسعد مدنی، حضرت مولانا فقیر محمدؒ، حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ جیسے اکابرین کی زیارت واستفادہ کے مواقع میسر آئے۔ اسی دوران شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ فیصل آباد میں اعتکاف کے بعد مدینہ منورہ واپسی کے سفر کے دوران جامعہ میں تشریف لائے۔ حضرت بنوریؒ کی قبر پر طویل وقت مراقب رہے اور پھر دار الحدیث میں طلبہ کو زیارت ومصافحہ

(ا) امیر: آل جموں وکشمیر جمعیت علماء اسلام...... جنرل سیکرٹری: اتحاد تنظیمات مدارس آزاد کشمیر...... مدیر اعلیٰ: الفرقان مظفر آباد

وبیعت کا موقع ملا۔فقیر بھی اس موقع پر حضرت شیخ سے تبرکاً بیعت ہوا۔جامعہ میں وقتاً فوقتاً آنے والے اکابرین میں علامہ پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحبؒ جب بھی پاکستان آتے تو جامعہ میں بھی تشریف آوری ہوتی اور طلبہ کرام کو استفادہ کا موقع میسر آتا۔

فقیر زمانہ طالبعلمی ہی سے حضرت کی تالیفات اور گرانقدر تصنیفات سے استفادہ کرتا رہا ہے۔آپ اگرچہ ۱۹۶۶ء میں برطانیہ منتقل ہوچکے تھے۔لیکن ہر سال کچھ وقت پاکستان کے مدارس وجامعات اور اجتماعات کے لیے بھی مختص فرماتے تھے۔

آپؒ بیک وقت تفسیر،اصول تفسیر،حدیث،اصول حدیث،فقہ،اصول فقہ،منطق،اور علم الکلام پر مکمل گرفت رکھتے تھے اور ہر فن میں آپ کو اختصاص حاصل تھا۔جدید وقدیم علوم پر آپ جیسی گہری نظر شاید ہی کسی دیگر شخصیت کو حاصل ہو۔ایران میں خمینی انقلاب کے بعد اس کے خطرناک اثرات سے نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر ممالک بھی متاثر ہوئے اور بہت سے اہل سنت بھی اس سے متاثر تھے۔اس انقلاب کے خطرناک اثرات سے امت کو محفوظ رکھنے میں آپؒ کا کردار انتہائی نمایاں رہا ہے۔آپؒ ہر مجلس میں بلاخوف لومۃ لائم کلمہ حق بلند کرنا آپ ہی کا خاصہ تھا۔۱۹۹۰ء میں فقیر نے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود کو مظفرآباد میں مرکز سواد اعظم اہل سنت جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی اور حضرت علامہ صاحبؒ کے لیے آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے خصوصی مہمان خانہ میں کمرہ بک کروایا۔علامہ صاحبؒ اپنے رفیق خاص اور(بعد میں)لندن کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا عمران جہانگیری مرحومؒ کے ہمراہ(جو اس وقت جہلم میں خطیب تھے)تشریف لائے۔وہ اسمبلی کے گیسٹ ہاؤس میں آرام کے بجائے مدرسہ کے حجرہ میں رہنے کے لیے اصرار فرماتے رہے۔لیکن جب ہم با اصرار انہیں اسمبلی کے گیسٹ ہاؤس میں قیام کے لیے لے گئے تو حضرتؒ رات وہاں گزارنے کے بعد صبح نماز فجر کے بعد از خود بغیر اطلاع دیے مدرسہ میں تشریف لائے اور مدرسہ کے دفتر میں آرام فرمایا اور فرمانے لگے''جو سکون مسجد/مدرسہ کے حجرے میں ہے وہ گیسٹ ہاؤس میں کہاں؟''

اتنے اونچے مقام کے بزرگ اور عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ آج سُروں والے سطحی علم کے خوش الحان خطیب اور مدرسہ سے بھاگے ہوئے پیشہ ور نعت خوان اور ان کے تکلفات کو دیکھیں تو حیرت سے انگلیاں منہ میں دبانی پڑتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کو بہترین جزائے خیر عطاء فرمائے کہ وہ علم وعمل،سادگی،قناعت اور کفایت شعاری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جو چلتے پھرتے اسوہ رسول اکرم ﷺ اور اسوہ صحابہ کرام کے اپنے عمل سے داعی تھے۔

علامہ خالد محمود صاحبؒ جب پاکستان میں تھے تو بھی وہ علماء حق کی آبرو تھے۔برطانیہ منتقل ہونے کے بعد انہوں نے مادی وسائل کے بجائے قرآن وسنت کے علوم،عقیدہ ختم نبوت وناموس رسالت کے تحفظ کے لیے سرگرداں رہے۔اور برطانیہ میں رہتے ہوئے دنیا بھر میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے۔قادیانیوں نے ساؤتھ افریقہ میں جب ارتدادی سرگرمیاں شروع کیں تو وہاں کے کچھ مسلمانوں نے وہاں کی عدالت سے رجوع کیا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان میں اکابر علمائے کرام سے ختم نبوت کی ترجمانی اور وکالت کے لیے علماء اور وکلاء کی جماعت بھیجنے کی درخواست کی جس پر اس وقت کی حکومت نے

اپنے اٹارنی جنرل اور ممتاز وکلاء اور علماء کا انتخاب کیا۔ جس میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا منظور احمد الحسینیؒ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے قائدین شامل تھے۔ علامہ صاحبؒ کی قیادت میں وہاں بھی علماء کرام ختم نبوت کا مقدمہ جیت کر تشریف لائے۔

برطانیہ منتقل ہونے کے بعد علامہ مرحوم سے یورپ، امریکہ، ہندوستان، بنگلہ دیش کے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا۔ یورپ کے ماحول سے متاثر ہونے کے بجائے وہاں کے ماحول کو حضرت علامہؒ نے متاثر کیا ختم نبوت اکیڈمی کے علاوہ مختلف مساجد، مدارس اور اسلامک سینٹرز کی سرپرستی فرمائی۔ جہاں سے لاکھوں لوگ مستفید ہوئے۔ اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک مستفید ہوتے رہیں گے۔ بلاشبہ ان کا وجود اہل علم کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا اور ان کا سانحہ انتقال اہل علم کے لیے بہت بڑا نقصان ہے۔ حالیہ چند مہینوں میں بہت سی عالمی اور ملکی سطح کی علمی شخصیات کی جدائی کا غم اہل حق کو برداشت کرنا پڑا ہے، حضرت علامہ صاحبؒ کا انتقال بھی عالمی سطح کا سانحہ ہے۔ اس طرح ۲۰۲۰ء کو بجا طور پر ''عام الحزن'' (غم کا سال) قرار دیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مرحوم سمیت تمام علماء حق جو گزشتہ عرصہ میں فوت ہو چکے ہیں کی قبور کو نور سے منور فرمائے اور بعد والوں کو اپنے اکابر کے مشن کی حفاظت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد الیاس چنیوٹی

شخصیت ساز انسان

ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو تب سے دیکھا اور جانا جب سے شعور پیدا ہوا۔ حضرت والد ماجد مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ ان کے ساتھ ملکر دفاع ختم نبوت کے مشن پر ڈٹے ہوئے دیکھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی ذات پر مکمل اعتماد تھا، جب بھی کوئی اہم خط لکھتے یا کسی کتابچہ کا مسودہ تیار کرتے تو خود اہتمام سے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کرتے یا ہم بھائیوں کو وہ کاغذات دے کر ان کے پاس بھیجتے۔

قادیانیوں کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر نے ۱۹۷۴ء میں یورپ وافریقہ کا دورہ کیا۔ اس دورہ کی تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی، اس میں دکھایا کہ مرزا ناصر مختلف ملکوں کے صدور اور وزراء سے ملاقاتیں کر رہا ہے تو والد صاحب کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ سادہ لوح لوگ یہ تصویریں دیکھیں گے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے کہ اتنے بڑے لوگ جب اس مرزا کے ساتھ تعلقات بنائے ہوئے ہیں تو یہ ٹھیک ہی ہونگے، کہیں عام لوگ اس کی وجہ سے مرتد ہی نہ ہو جائیں، لہٰذا اس کا تدارک کرنا چاہیے اور ان ملکوں میں جا کر وہاں کے لوگوں کے سامنے قادیانی فتنہ کی حقیقت کھولنی چاہیے۔ پہلے پہل آپ نے گھانا، کینیا، نائیجیریا اور گیمبیا کا دورہ کرنے کا پروگرام طے کیا اس کے لیے سعودی عرب کا سفر کر کے وہاں وزارت امور شئون دينيه رئاسيه، دارالافتاء والدعوۃ والارشاد، رابطہ عالم اسلامی، ائمہ حرمین شریفین اور اپنے دوست احباب کو متوجہ کیا، رختِ سفر باندھا اور عازم سفر ہوئے، یہ سفر ۱۹۷۶ء میں ہوا، اس سفر میں علامہ صاحب کو ساتھ لیا، پھر ۱۹۷۸ء میں انہی ممالک کا تفصیلی سفر کیا جس میں ہزاروں قادیانی توبہ تائب ہو کر مسلمان ہوئے، اس مبارک سفر میں بھی علامہ خالد محمودؒ صاحب والدؒ صاحب کے ہم رکاب تھے۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کے چچا ملک عبدالغنی اور ملک فضل حق سیالکوٹی رحمہما اللہ نے اس سفر کے اخراجات برداشت کیے تھے۔ حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہ العالی کے ادارہ جامعہ خالد بن ولید کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ٹھینگی وہاڑی میں علامہ صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو مجھے گلے لگایا، کافی دیر بعد اپنے سینے سے ہٹایا تو بڑی حسرت کے لہجے میں فرمانے لگے حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ علیہ اور میں افریقہ کے سفر میں ۱۰،۱۰ دن پیدل چلتے رہے۔ روٹی نہیں ملتی تھی، میں مولانا چنیوٹی سے کہتا کہ اس گاؤں میں کوئی قادیانی نہیں ہے، اَب بس کریں، مولانا چنیوٹیؒ کہتے: علامہ صاحب! ہوسکتا ہے کہ اگلے گاؤں میں کوئی قادیانی مل جائے۔ پھر علامہ صاحب فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہوتا ہے، جب وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اللہ اسے اٹھا لیتے ہیں، اللہ نے مولانا چنیوٹی کے ذمہ جو کام لگائے،

وہ انہوں نے بڑی تیزی سے پورے کر لئے، بہت بڑے بڑے کام ہوتے تھے جو مولانا چنیوٹی تن تنہا پورے کر لیتے تھے، ختم نبوت یونیورسٹی ربوہ نام کی تبدیلی کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا کہ جب آپ نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر لیں تو اللہ نے انہیں جلد اپنے پاس بلا لیا۔اور علامہ صاحب نے اپنے بارے میں بطورِ تواضع فرمایا کہ میں تو دھیما دھیما لگا رہتا ہوں۔

جزائر فجی، آسٹریلیا، یورپ، جنوبی افریقہ، مغربی افریقہ اور عرب امارات کے متعدد دورے حضرت والد صاحب اور علامہ صاحب نے اکٹھے کیے، والد صاحب ہمیشہ ان سے علمی استفادہ فرماتے تھے، سنہ ۲۰۰۰ء میں قادیانیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر نے ڈرامائی انداز میں انڈونیشیا کا دورہ کیا، امت اخبار کی رپورٹ کے مطابق قادیانیوں نے اس دورے کے متعلق دعوی کیا تھا کہ پارلیمنٹ کا ایک ممبر اور دیگر ایک ہزار انڈونیشین لوگ قادیانی ہو گئے۔والد صاحبؒ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس فتنے کی روک تھام ہونی چاہیے، اگر قیامت کے دن باز پُرس ہوئی کہ تمہیں علم ہو گیا تھا تو تم نے اس کا کیا سدِباب کیا تھا؟ چنانچہ تہیہ کر لیا کہ ہمیں بھی انڈونیشیا پہنچنا چاہیے۔

اس اخبار کی عربی رپورٹ تیار کرنی میرے ذمہ لگائی، ہم نے سعودی عرب کے اہم اداروں کو وہ رپورٹ بھیجی، لیکن والد صاحب کو اتنا کر کے بھی اطمینان نہ ہوا تو خود سعودی عرب کا سفر کر کے وہاں کے ذمہ داروں کو اس فتنے سے آگاہ کیا اور اپنے سفر کا عزم پیش کیا، چار رکنی وفد تشکیل دیا گیا تو اس وفد میں علامہ خالد محمود، حضرت شیخ عبدالحفیظ مکی اور راقم الحروف کا نام اپنی سربراہی میں دیدیا۔رابطہ عالم اسلامی نے سفری اخراجات برداشت کئے، حضرت مکی صاحب کے برادر زادہ بھائی طلحہ عبداللہ بھی مصاحبت کے لیے تیار ہو گئے، ۵/رکنی وفد ۱۰/دن کے لیے انڈونیشیا پہنچا، تنظیمات سے رابطے ہوئے، جکارتہ کی مرکزی مسجد میں کانفرنس منعقد ہوئی، قادیانیوں کو دعوت مناظرہ اور مباہلہ ریڈیو، ٹی وی پر دیا گیا، وہاں کی مشہور یونیورسٹی جامعہ ابن خلدون میں حاضری دی۔اس سفر میں حضرت والد صاحب ہر رات اگلے دن کے لیے ایک خطبہ تیار فرماتے، حضرت علامہ صاحب ملاقاتوں کی گفتگو کی تفصیل تیار فرماتے، حضرت مکی اُس کا عربی ترجمہ فرماتے، میرے ذمے اس کی تبییض ہوتی، اِسی طرح رات گئے تک اگلے دن کے لیے تیاری ہوتی رہتی تھی۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ہمارے والد صاحبؒ سے عمر میں بڑے تھے، ان کا کام بھی بہت محنت والا ہوتا تھا، کام کرنے میں رات کے ۱۲/ بھی بج جاتے، علامہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ فجر کی نماز کے بعد سیر کو نکلتے۔والد صاحب کی رات کی نیند شوگر کی وجہ سے پوری نہ ہوتی تھی تو صبح اشراق کے بعد کچھ دیر کے لیے لیٹ جاتے اور اس کی اصطلاح تھی کہ ''سونا بنانا ہے۔''

ایک صبح میں علامہ صاحبؒ کے ساتھ سیر کو نکلا تو مجھے فرمانے لگے کہ آج میں نے تمہارے اباجی سے ایک بات کرنی ہے، تم نے صرف سننا ہے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ چنانچہ والد صاحبؒ سے فرمانے لگے! مولانا چنیوٹی صاحب! سیر کے لیے نہ چلیں؟ انہوں نے فرمایا میں تھکا ہوا ہوں، آپ جائیں۔بعد میں علامہ صاحب مجھے فرمانے لگے کہ میں نے تمہارے والد صاحب کو باور کروانا تھا کہ ہم بھی تھک جاتے ہیں۔مسجد کے باہر نکل کر فرمانے لگے دیکھو ہم مشرق بعید میں ہیں، دین اسلام کی کیا آفاقیت ہے

جہاں اللہ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا ہے۔

یہ ۱۰ اردن کا سفر ایسا مبارک تھا کہ مرزا طاہر نے اپنے خطاب میں کہا تھا کہ انڈونیشیا اس صدی کے اختتام تک دنیا کا سب سے بڑا (احمدی) قادیانی ملک بن جائے گا، لیکن ان بزرگوں کی ۱۰ اردن کی تگ ودو اور محنت کو اللہ نے ایسا قبول کیا کہ مارچ ۲۰۰۱ء میں ہمارا یہ سفر ہوا اور اللہ نے اس ملک میں ایسی بیداری پیدا کی کہ صرف آٹھ سال بعد ہی ۲۰۰۸ء میں اس کی حکومت نے اعلان کر دیا کہ قادیانی غیر اسلامی، غیر قانونی جماعت ہے، اس کی تبلیغ پر پابندی اور اس کے تمام اثاثہ جات بحق سرکار ضبط کر لیے گئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ وفد کامیاب دورہ کے بعد کراچی پہنچا تو حضرت مکی صاحب کے مرید بھائی فضیل نے استقبال کیا، اپنی رہائش گاہ پر لے گئے، علامہ صاحب نے انھیں جرابوں کا تحفہ پیش کیا، کراچی کے علماء نے استقبالیہ دیا اور پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔

ہمارا ابھی پاکستانی گورنمنٹ کے سامنے یہ موقف ہے کہ قادیانی صرف غیر مسلم اقلیت ہی نہیں ہیں بلکہ یہ مرتد اور پاکستانی قانون وآئین سے بغاوت کر کے باغی بن چکے ہیں، انہیں غیر قانونی جماعت قرار دے کر ان کے تمام اثاثے ضبط کر لئے جائیں اور ان کے اوپر مرتدین والی سزا نافذ کی جائے۔

علامہ صاحب طنز ومزاح بھی کیا کرتے تھے، ساؤتھ افریقہ کے ایک سفر میں مجھے علامہ صاحب کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا، ایک چیز تو میں نے یہ دیکھی کہ وہ سفر میں دیگر ضروری سامان کے ساتھ ساتھ وضو کی چپل بھی ساتھ رکھتے تھے، وضو کر کے چپل بیت الخلاء کی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دیتے، جس کا فائدہ میں نے یہ محسوس کیا کہ اگلے وضو کے لئے وہ چپل خشک موجود ہوتی تھی، فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ طے ہونے لگا۔ فریقین نے کہا کہ ہم ایک ایک موضوع کے مدعی ہونگے۔ علامہ صاحب نے قادیانی مناظر سے پوچھا تمہارا کیا موضوع ہے؟ اس نے کہا کہ حیات ووَفات عیسیٰ علیہ السلام۔ علامہ صاحب نے فرمایا (۱) حیات (۲) وفات دو موضوع ہیں ایک نہیں ہے۔ قادیانی مناظر کا موضوع طے ہوا تو اس نے علامہ صاحب سے پوچھا کہ آپ کا موضوع مناظرہ کیا ہے؟ علامہ صاحب نے جواب دیا ہے کہ میرے موضوع کا عنوان ہوگا مرزا قادیانی گوہ (گندگی) کھاتا تھا، قادیانی مناظر نے بڑا ناک بھوں چڑھایا کہ یہ بھی کوئی موضوع ہے؟ علامہ صاحب نے فرمایا میرا موضوع ہے اور اسے میں ثابت کروں گا۔ (دیکھیے: ۵۲۴/۲ [ادارہ])

حقیقتاً ہے بھی ایسے کہ مرزا قادیانی نے خود فتوی دیا ہے کہ بہ تکلف جھوٹ بولنا گوہ کھانے کے برابر ہے اور مرزا قادیانی نے اپنی کتب میں بکثرت جھوٹ بولے ہیں۔ مثلاً تین شہروں کا نام قرآن مجید میں بڑے اعزاز کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان ایسے ہی کہا کہ صفر کا مہینہ قمری سال کا چوتھا مہینہ ہوتا ہے۔ اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا کہ! تیرا کلام ۱۸۵۷ء میں آسمان پر اٹھایا جائیگا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے ۱۹۵۴ء سے باضابطہ پندرہ روزہ ختم نبوت کورس کا آغاز کیا تھا، علامہ صاحب

صحت کے زمانہ میں بلکہ آج سے دو سال پہلے تک اس کورس کے لیے تشریف لاتے رہے اور شرکاء کو اپنے علمی دروس اور مناظرانہ تجربات سے بہرور فرمایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر علامہ صاحب دین اسلام کی ایک حجت کے طور پر موجود تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو اپنے علم میں وسعت پیدا کرنی ہو اور نئے نئے دریچے کھولنے ہوں تو وہ امام غزالی، شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہم اللہ کی کتب کا مطالعہ کرے، پھر فرماتے اُن کے بعد اِس فقیر کی کتابیں پڑھنے سے بھی اسے فائدہ ہوگا۔ آخر کوئی بات تو تھی کہ جب بڑے بڑے اکابر نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر ختم نبوت کی تحریک چلانے کے لئے بیعت کی تو ۱۹۵۳ء میں حضرت بخاری رحمہ اللہ نے ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب سے فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت تحریری طور پر دلائل کے ساتھ سمجھانے کے لیے آپ کتاب لکھیں چنانچہ آپؒ نے اُس وقت بڑی وقیع کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت'' تصنیف فرمائی جو آج بھی اپنی پوری اہمیت کے ساتھ بار بار طبع ہو رہی ہے۔ جو قادیانی فتنہ سے بچنے کے لیے بہت بڑا علمی ہتھیار اور خزانہ ہے۔

کسی عارف باللہ نے مجھے کہا کہ علامہ صاحب ولایت کے بھی اونچے مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔

میں نے ۲۰۱۴ء میں اپنی ضرورت کے لیے نئے مکان کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ علامہ صاحب بیٹھے بیٹھے فرمانے لگے پہلے لوگ بڑے بڑے کھلے مکان تعمیر کیا کرتے تھے اور صفائی والے بندے رکھے ہوتے تھے، اَب جو دَور آ رہا ہے گھروں میں صفائی کرنے والا بندہ ملنا مشکل ہو جائے گا اور خود صفائی کرنی پڑے گی۔ اس لیے مکان اس کے مطابق ہی تیار کرنا چاہئے جس کی صفائی بھی آسانی کے ساتھ کی جا سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی کرامت ہی ہے مکان شروع کرنے سے پہلے مجھے یہ نصیحت فرما دی۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک لفظ، اشارے، کنائے اور عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی تھی۔ حضرت موصوف امت مسلمہ پر بہت احسانات کر گئے ہیں ہر ہر فتنے کے خلاف کتاب لکھی ہے اور جو کچھ لکھا ہے باحوالہ لکھا ہے۔ توحید باری تعالیٰ ہو، شرکت و بدعت کی تردید ہو، یہودیت ہو یا عیسائیت یا دھریت ہر ایک فتنہ کا پورا پورا محاکمہ کیا ہے۔ ختم نبوت اور دفاعِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشن تو آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ امت کی راہنمائی کے لیے بہت بڑا سامان مہیا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے علوم و معارف سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆

مولانا مفتی رشید احمد ارشد ہاشمی قریشی، جکر جہلم

آہ! علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عالم اسلام کے عظیم راہ نما، متکلم اسلام مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ جب انگلینڈ تشریف لے گئے تو میرے والد مکرم مولانا امت رسول صاحبؒ اور موضع جکر کے حضرات نے مانچسٹر کی مسجد خضراء میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام وخطیب کے طور پر اپنایا اور پھر باہمی تعلقات بڑھتے چلے گئے۔

علامہ سے میری ملاقات اور اہم سوال:

ایک مرتبہ میں نے علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ اور مولانا عمران جہانگیری کی تعزیت کے لیے علامہ صاحب کی اکیڈمی میں ملاقات کے لیے حاضری دی، علامہ صاحب کی شفقت کہ میرے بیان کا اعلان کر دیا۔ اور موضع جکر کے حضرات خصوصاً میرے والد صاحب رحمہ اللہ کو عظیم محسن کے طور پر پیش فرمایا۔ میں نے مختصر ترین بیان اور شکریہ کے بعد علامہ صاحب رحمہ اللہ سے دفتر میں ملاقات کی، اظہار افسوس کیا تو دیکھا کہ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں، اور غم سے رنگ زرد پڑ گیا تھا، فرمایا کہ جب میری اہلیہ کا انتقال ہوا تو میں اور میرے دو بیٹے مانچسٹر کے سردخانے میں باڈی رکھنے گئے، سرد موسم اور سخت بارش میں ہمارے ساتھ بہت بے مروتی کی گئی۔ ہم تینوں نے بمشکل تابوت کو سردخانے میں اٹھا کر رکھا، فرمایا: یہ یوکے ہے یہاں اکثریت کی دوڑ صرف پیسے کے لیے ہے، دعا ہی فرماویں۔

مجھے تمام علماء ضرورت سمجھتے ہیں اور آپ کو ان کی ضرورت ہے

میں نے پوچھا حضرت علامہ صاحب پاکستان میں آپ اپنے اکثر مرکزوں میں جا کر بیان فرماتے ہیں، پھر بھی آپ کو سب مدرسوں اور جامعات والے دستار بندی اور سالانہ جلسوں میں بلاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: اس کی تین وجہیں ہیں: نمبر ایک یہ کہ میں یورپ اور یوکے کا خطیب شمار ہوتا ہوں، دوسرا مسلک اعتدال پر قائم ہوں اور تیسرا اپنے مسلکی علماء میں ڈبل پی ایچ ڈی کی تعلیم لوگوں کی حاضری کو زیادہ کرتی ہے اور کالج یونیورسٹیوں کے پروفیسرز اور طلبہ بھی مجھے کثرت سے سننے آتے ہیں۔ بلکہ آج کی جدید تہذیب کی طرف سے اور مختلف مذاہب اور ادیان باطلہ کے اُبھرتے سوالات بھی مجھ سے پوچھتے ہیں۔

کیا آپ پی ایچ ڈی ہیٹرک سے تثلیث کریں گے؟

میں نے پوچھا کہ اب آپ تیسری پی ایچ ڈی بھی کر کے تثلیث کی دنیا کو ہیٹرک مکمل کرنے کا پیغام دیں گے کہ یورپ میں پاکستانی سکالر عالم پی ایچ ڈی کے اعزاز سے جو منفرد ہے محراب کی دنیا میں علمی جواہر دکھا رہا ہے؟ علامہ صاحب کھل کر ہنسے اور فرمایا کہ اس ارادہ سے بھی آگے پڑھتا ہوں۔

یہودی عالم سے بخاری کا قدیم نسخہ:

دوران گفتگو علامہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے ایک دفعہ بخاری شریف کے قدیم نسخہ کی ضرورت پڑی تو ایک یہودی عالم سے جا کر مانگا تو اس نے مجھے وہ نسخہ گھر لے جانے کی اجازت دے دی، فرمایا کہ اس بخاری شریف کے قلمی قدیم نسخے سے میں نے تصنیفات کے لیے بہت استفادہ کیا۔

جہلم میں عیسائیت اور مرزائیت کو للکار:

ایک مرتبہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کا سالانہ جلسہ جامعہ حنفیہ کے قریب ’’ختم نبوت چوک‘‘ میں تھا، (اس چوک کا نام ’’ختم نبوت چوک‘‘ رکھنے میں موضع جکر کو اعزاز حاصل ہے کہ جکر کے غازی عبدالرحمٰن جن کے بیٹے ختم نبوت پر قربان ہوئے اور مجاہد صاحب اور ان کے ساتھیوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت لی۔) اسٹیج سیکرٹری بحمداللہ بندہ تھا، اسٹیج پر اکابر علماء کی کثیر تعداد تھی، جن میں سفیر اسلام مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ، خطیب جہلم مولانا عبداللطیف جہلمیؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا غلام یحییٰؒ، مفتی شہر مولانا مفتی محمد شریف عابرؒ اور بندہ کے والد گرامی ولی کامل مرد درویش مولانا امت رسول تھانوی چشتی موجود تھے۔

جیسے ہی میں نے علامہ صاحب کا اعلان کیا تو سرزمین جہلم کے ختم نبوت کے پروانوں اور سنی جیالوں نے نعرہ تکبیر اللہ اکبر، ختم نبوت زندہ باد اور خلافت راشدہ حق چار یار کی دھوم سے استقبال کیا۔ علامہ صاحب نے انجیل ہاتھ میں لے رکھی تھی، عالم اسلام کا عظیم عالم دین، علمی دنیا میں ہلچل مچا دینے والا سکالر، علمی سمندر کا غوطہ زن اور مسلک علمائے اہل سنت دیوبند کا ترجمان علامہ خالد محمود پوری شان سے کھڑے ہو کر انجیل ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا: آؤ دنیائے مرزائیت اور عیسائیت والو! آؤ میرے ساتھ بات کرو اور بتلاؤ انجیل تمہاری ہے، اس میں شراب اور زنا بالرضا کا جواز کہاں لکھا ہے؟ اسلام کی طرح عیسائی اور سارے مذاہب میں یہ حرام ہے۔ تم نے کیوں اپنی کتاب اور اپنے نبی کی تعلیمات کو چھوڑا؟ اسلام کامل واکمل ہے، جس نے انسانی جسم سے روح تک کو بچایا ہے، صحت مند جسم رکھنے کے لیے نشہ وغیرہ کو حرام کر دیا اور روح کے لیے عقل کو نکھارنے والی تعلیم دی اور اس کا علمی نمونہ خلافت راشدہ کے طور پر پیش کیا۔

وہ دیکھو صدیق صداقت کا پرچم بلند کیے ہوئے ہے، فاروق اعظم عدالت لیے، عثمان غنی سخاوت وحیا لیے اور حیدر کرار شجاعت کا پرچم لیے کھڑا ہے۔ یہ ہے کامل نبی کا چھوڑا ہوا اسلام کا مکمل اثاثہ جنہوں نے قیامت تک کے لیے خلافت راشدہ کا مثالی نظام چھوڑا اور خود نظام عدل وخلافت راشدہ کو نافذ کیا۔ نعروں کی گونج اور علامہ کی گھن گرج میں مجمع گرما کر خطابت کا جوبن مکمل ہو گیا۔

ڈاکٹر نذیر قادیانی سے مناظرہ:

ترجمان حق ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کا قادیانی مناظر ڈاکٹر نذیر سے مناظرہ ہوا، یہ روداد مناظرہ وکیل صحابہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر نصرت الاسلام کے نام سے مکتبہ حنفیہ جہلم سے شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۶۸ء میں نظام شریعت کانفرنس کے موقع پر مکتبہ حنفیہ سے ہی ''المہند علی المفند مترجم'' بھی شائع کی گئی۔۱۹۷۴ء کی ختم نبوت کی تحریک میں بندہ نے کالا گوجراں کے سارے مسالک کو اکٹھا کر کے شمولیت اختیار کی، اسی دوران جیل جانا ہوا تو جیل سے ہی مجھے ڈاکٹر نذیر قادیانی سے مناظرہ کے لیے منگلا ریسٹ ہاؤس لیجایا گیا، ڈپٹی کمشنر جہلم نگران تھے، میرے دائیں طرف مسلک اہلحدیث جہلم کے خطیب مولانا عبد الغفور صاحب اور بائین طرف بریلوی مسلک کے مولانا محمد صادق صاحب تھے، کافی دیر تک مناظرہ ہوا، میں نے آخر میں سوال کیا کہ مرزا کو کیا مانتے ہو؟ ہر نبی اولاد آدم علیہ السلام سے ہے اور مرزا صاحب نے کہا ہے کہ

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

آپ بتلایئے مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ میں مٹی کا کیڑا ہوں، اور کیڑا نبی نہیں بن سکتا، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں آدم کا بیٹا نہیں، پھر بھی نبی نہیں ہوسکتے، وہ کہتے ہیں: میں انسانوں کی جائے عار ہوں، یہ بھی نبوت کے شایان شان نہیں۔ بتلاؤ مرزا کیسے نبی ہوا؟ اس پر وہ لا جواب ہوکر خاموش ہوگیا۔

ختم نبوت ایجوکیشن سنٹر برمنگھم میں علامہ صاحب رحمہ اللہ نے خطاب میں فرمایا کہ میں فلسطین گیا، اس وقت بیت المقدس کے ساتھ مسجد عمر تھی اور بیت المقدس کے اردگرد کی زمین فروخت ہورہی تھی۔ فلسطینی بیچ رہے تھے، تو اسرائیلی یہودیوں نے اتنا زیادہ ریٹ لگا دیا کہ خریدنا مشکل تھا، انہوں نے بہت دور تک نظر رکھی اور اس طرح یہودی چاروں طرف قابض ہوگئے، ایسی پوزیشن میں آج بھی مسلمانوں کے لیے مسئلہ فلسطین کی پوزیشن گھمبیر تر ہوگئی ہے۔ اور وہاں کے یہودیوں نے یورپ امریکہ میں ٹیسکو اور سائنس بری کے نام سے یہودی تجارت کنٹرول کرلی اور اب انڈیا اور پاکستان وغیرہ میں بھی ایک چھت تلے ضروریات زندگی کی فراہمی کے سنٹرز سے مسلمانوں کی تجارت کو بھی کمزور کررہے ہیں۔

اللہ تعالی علامہ صاحب رحمہ اللہ کی مغفرت اور بلند درجات عطا فرماویں اور زندہ بزرگوں کی عمریں دراز فرماویں۔ آمین

حافظ عبدالوحید الحنفی، چکوال

سلطان المناظرین، متکلم الاسلام

بحرالعلوم، سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ جب مرے کالج سیالکوٹ میں پروفیسر تھے، انہیں ایام میں آپ کی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ فاضلِ دارالعلوم دیو بند خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے رفاقت ہوگئی۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے ۱۹۵۲ء میں مدرسہ اظہار الاسلام کی بنیاد اپنے آبائی گاؤں میں رکھی اور چکوال کے علاقہ میں مذہبِ اہل السنۃ والجماعۃ کی تبلیغ واشاعت کے لیے ایک تبلیغی دورہ کی ترتیب بنائی۔ جس میں آپ نے حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب کو بھی تبلیغی دورہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ چناں چہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے چکوال آنا شروع کیا، اس وقت علامہ صاحب کی عمر ۲۹/سال کے قریب تھی۔ اسی دوران ۱۹۵۴ء میں امدادیہ جامع مسجد چکوال میں آپ نے درسِ قرآن مجید دیا۔ اور پھر جامعہ اظہار الاسلام چکوال کے سالانہ جلسوں میں آپ نے شرکت کی اور آپ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی رفاقت میں علاقہ چکوال میں تبلیغی دورے کیے۔ جس میں راقم الحروف نے آپ کی کئی تقاریر سُننے کی سعادت حاصل کی۔

بندہ کی تاریخ پیدائش ۱۱/مئی ۱۹۴۹ء ہے۔ اس طرح بندہ نے ۱۹۵۷ء کے جلسہ میں جامعہ اظہار الاسلام چکوال میں جب پہلی بار علامہ صاحب کو دیکھا تو اس وقت بندہ کی عمر ۸/سال تھی۔ لیکن بچپن میں آپ کی تقریر سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عقیدہ حیات النبی کے اثبات میں آپ کی کتاب ''مقام حیات'' بندہ نے اپنے طالب علمی دور [۱۹۶۴ء] میں پڑھی، جب کہ بندہ کی عمر اس وقت ۱۵/سال تھی۔ اُسی وقت سے علامہ خالد محمود صاحب سے عقیدت اور محبت پیدا ہوگئی اور آپ کی علمی عظمت دل میں بیٹھ گئی۔

ہفت روزہ دعوت کا اجراء علامہ خالد محمود صاحب کی علمی اور تصنیفی خدمات میں ایک اہم خدمت ہفت روزہ ''دعوت'' کا اجراء ہے۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں تنظیم اہل سنت پاکستان کا جماعتی ہفت روزہ دعوت کا اجراء لاہور سے کیا۔ جوں ہی ہفت روزہ دعوت پرچے کی اشاعت کا سُنا تو بندہ نے فوراً اپنے نام جاری کرانے کے لیے دفتر ہفت روزہ دعوت لاہور کو خط لکھ دیا۔ جب پرچہ پہنچا تو اس قدر خوشی ہوئی کہ فوراً چکوال کے لیے ایجنسی منظور کرالی اور کم وبیش ۵۰/کے قریب پرچے جاری کرا لیے۔ جب پرچے آئے تو جمعۃ المبارک کے موقع پر ایک پرچہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کی اہمیت جمعہ کے خطبہ کے موقع پر تقریر میں بیان کی، چناں چہ یہ پرچے ہاتھوں ہاتھ احباب نے خرید لیے۔ اس طرح ہفت روزہ دعوت پرچے کی اشاعت کی سعادت بندہ کو حاصل رہی اور جب تک یہ پرچہ جاری رہا، بندہ اِس کی اشاعت کرتا رہا۔

ہفت روزہ دعوت کے خاص نمبر ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۶ء تک ۵ رسال کے عرصہ میں ہفت روزہ دعوت نے ۷ رنمبر شایع کیے۔ رسول کریم ﷺ نمبر ۱۹۶۲ء، (۲) صدیقِ اکبرؓ نمبر دسمبر ۱۹۶۲ء، (۳) فاروق اعظمؓ نمبر ۱۹۶۲ء، (۴) عثمان غنیؓ نمبر ۱۷ رمئی ۱۹۶۳ء، (۵) علی المرتضیٰؓ نمبر ۱۳ رجنوری ۱۹۶۴ء، (۶) رسول کریم ﷺ نمبر ۱۹۶۴ء، (۷) خاتم النبیین ﷺ نمبر وغیرہ۔ ہفت روزہ دعوت نے اپنے دور جدید میں پاک وہند کے اکابر مسلک کی نظر میں جو مقام پایا، وہ ایک مستقل تاریخی شان دار ریکارڈ ہے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے ہفت روزہ دعوت کی اشاعت کے دوران جو عوام الناس کی جانب سے سوالات بھیجے جاتے تھے اور آپ ہفت روزہ دعوت رسالہ میں ہر ہفتہ جو جوابات لکھتے تھے، وہ علمی تحقیقی جوابات اب مستقل دو جلدوں میں عبقات کے نام سے کتاب شایع ہو چکی ہے۔ اس کے مطالعہ سے علامہ خالد محمود صاحب کے علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر سوال کا جواب آپ اس قدر دل نشین انداز اور علمی انداز میں دیتے ہیں کہ ہر پہلو پر روشنی ڈال کر مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہیں۔ جن احباب نے عبقات کا ابھی تک مطالعہ نہیں کیا، وہ ضرور مطالعہ کریں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے ہفت روزہ دعوت کے پرچہ کے جو خلفائے راشدین نمبر نکالے، اُن مضامین کو یکجا کر کے خلفائے راشدینؓ کے نام سے دو جلد میں اشاعت کی گئی ہے۔ دفاعِ صحابہؓ کے محاذ پر بھرپور تعمیری کام کرتے ہوئے عظمتِ صحابہؓ کے وہ چراغ جلائے گئے جن کی تابانی کی ایک جھلک آپ کو ہفت روزہ دعوت کے ان چار نمبروں کے مضامین پڑھنے سے ملے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کے درجات بلند فرمائیں اور ہم سب کو مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق عقائد و اعمال اپنانے اور زندگی بھر اپنی رضا والے کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبدالستار[صدر مفتی: جامعہ عبداللہ بن مسعود، خان پور]

عصر حاضر کی بے مثال شخصیت

علم امور اضافیہ میں سے ہے، جو کمی بیشی کو قبول کرتا ہے۔اس کی نسبت براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔اللہ تبارک و تعالی کا علم ''علم کلی'' ہے اور ہر اعتبار سے ہمہ گیر ہے۔ باقی دنیا میں رفتہ رفتہ علم میں کمی ہوتی چلی گئی، لیکن حضرت علامہ خالد محمود صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے، جنھوں نے اس علمی کمی اور انحطاط کو پھر بلندی تک پہنچادیا۔علامہ موصوف جلیل القدر عالم تھے،مگر صرف عالم ہونا کافی نہیں، علامہ صاحب نہایت صاحبِ عمل شخصیت تھے،مگر صرف صاحبِ عمل ہونا بھی کافی نہیں، وہ بے حد مخلص انسان تھے،مگر صرف مخلص ہونا بھی کافی نہیں۔انہوں نے ماشاء اللہ ساری زندگی دین کی نشر واشاعت میں گزاری اور ایسے محیر العقول کارہائے نمایاں انجام دیئے جو علماء کی ایک جماعت مل کر بھی انجام نہیں دے سکتی۔ ہر قسم کے مذاہب باطلہ کی ایسی تردید و بیخ کنی فرمادی کہ آئندہ پیدا ہونے والے باطل افکار و نظریات کی تردید کے لیے بھی اصولی مباحث طے فرمادیئے ہیں۔حضرت رحمہ اللہ کے علوم سے راہ نمائی لے کر قیامت تک آنے والی انسانیت ہمہ قسم مذاہب باطلہ کا علمی و تحقیقی رد کر سکے گی۔ان شاء اللہ

فرق باطلہ کے ساتھ اُن کی گفت و شنید کے کئی واقعات ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر جگہ کامیاب فرمایا۔کئی مدارس میں ان سے طلبہ و علماء فیض یاب ہوئے۔صرف پاکستان ہی نہیں دنیا بھر کی سیکڑوں مساجد اور دینی اجتماعات میں لاکھوں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ یہ تو فقط ہمارے محدود اندازے ہیں، ورنہ امت مسلمہ کو اُن کی ذات بابرکات سے کتنا فائدہ پہنچا، ہم اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے زمانے میں بے مثل بنایا تھا، سادگی ان کا طرۂ امتیاز ہے، کس قدر حیرت انگیز ہیں وہ مناظر جن میں ہم نے انھیں دیکھا، دین کی نشر و اشاعت کے جذبہ سے اپنی کتابیں خود اٹھانا، جگہ جگہ لے جانا، ہوٹل سے اپنا کھانا خود لے آنا، اپنے کپڑے خود دھونا، آنے والوں کا احترام و اکرام، کپڑے پیوند زدہ، ایسی سادگی اور تواضع بھی ڈھونڈے نہیں ملے گی۔ کیسے عظیم انسان تھے، سادگی میں بھی ان کی نظیر نہیں ملتی، اور علم میں تو اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین کی ایک پوری جماعت کے علم سے انھیں تن تنہا نوازا تھا۔ عملی اعتبار سے بھی بہت بڑے ولی اللہ تھے، اخلاص میں بھی اُن جیسا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کیا کیا عرض کروں؟

علم، عمل، عمر، تقویٰ کسی بھی لحاظ سے بندہ کی ان سے کیا نسبت! مگر ان کی محبت اور علم دوستی کہ اپنے چھوٹوں کی بھی بے انتہا قدر دانی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے جس سے آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔اسی دینی و علمی نسبت سے بندہ ناچیز پر بھی بے حد شفیق و

مہربان تھے۔ایک مرتبہ ہمارے ہاں جامعہ عبداللہ بن مسعود خان پور تشریف لائے تو بندہ کی بابت فرمایا: ''مفتی عبدالستار صاحب سے ملاقات کرنی ہے، ان سے کچھ کام ہے۔'' بندہ کو علم ہوا تو حاضر خدمت ہوا، حضرتؒ نے ایک مسودہ نکالا، جو غالباً دورانِ سفر ہی تحریر فرمایا تھا، مجھے فرمایا کہ: آپ اس پر نظر ثانی فرمائیں، اور کوئی کمی بیشی ہو تو مجھے آگاہ کریں۔ بندہ نے تعمیل حکم میں وہ مسودہ دیکھا، دو تین مقامات پر مجھے کھٹکا ہوا۔لیکن میں نے سوچا کہ علوم کے اس سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت، یقیناً غلطی یا غلط فہمی مجھے لگی، چنانچہ سمجھنے کی نیت سے عرض کیا تو حضرت نے شفقت سے سمجھایا اور جو اشکالات بندہ نے پیش کیے، ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائیں۔اسی دینی نسبت، علم دوستی اور اصاغر نوازی کی بنا پر بعض اوقات بندہ سے فون پر بھی رابطہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی مناظرے کا واقعہ سنایا کہ: ''کسی بریلوی عالم کے ساتھ مناظرہ تھا، غیر مقلد عالم مولانا عبدالقادر روپڑی مناظر تھے اور بندہ صدر مناظر، دورانِ مناظرہ روپڑی صاحب کمزور پڑتے دکھائی دیئے تو ''صدارتی اختیار'' استعمال کرتے ہوئے میں خود ''مناظر'' بن گیا۔اور ایک ترتیب کے ساتھ قرآن وسنت اور فقہاء کے دلائل پیش کرنے شروع کیے، آخر میں بریلوی علماء کے حوالہ جات بھی پیش کیے، روانی کے ساتھ میری گفتگو جاری تھی کہ اچانک روپڑی صاحب کہنے لگے: حضرت! ضروری بات کرنی ہے آپ سے، میں نے گفتگو جاری رکھی کہ گفتگو مکمل کر کے سن لوں گا، لیکن انھوں نے مسلسل مطالبہ کیا کہ: ضروری بات سن لیں! چنانچہ گفتگو روک کر بندہ نے اُن کی بات سنی، وہ کہنے لگے: برستے رہیں، بہت زبردست دلائل ہیں اور بارش کی طرح برسا رہے ہیں آپ، جاری رکھیں۔میں حیران رہ گیا کہ: محض اس ''تلقین'' کے واسطے بندہ کی گفتگو موقوف کرائی۔یہی کام تو کر رہا تھا۔ سچ ہے بے ادبی وگستاخی انسان سے عقل سلب کر لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں۔آمین

مجلّہ ''صفدر'' بندہ کے پاس باقاعدگی سے آتا ہے، جو اس دور میں علماء کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہا ہے۔ان کی محنت سے بندہ مطمئن ہے اور ان کا قدردان ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں اہل حق کی نمائندگی کے لیے انھیں چن لیا ہے۔میں ہر اعتبار سے ان کا مداح ہوں اور داد دیتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم، عمل، تقویٰ اور خوبیوں میں برکت عطا فرمائیں اور ان کی محنت کے اثرات اللہ تعالیٰ دُور دَراز تک پہنچائیں۔آمین ☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی احمد ممتاز (۱)

امتیازات وخصوصیات

ماضی قریب میں اس دنیا سے پردہ فرما جانے والے اکابر رحمہم اللہ میں سے حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی بجا طور پر انہی افراد واشخاص میں سے کیا جاسکتا ہے جن کا وجود اور دینی خدمات اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بہت بڑا مظہر ہیں۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کئی ایک امتیازی خصوصیات کے حامل تھے، چنانچہ اپنے وقت کے مایہ ناز اور دینِ اسلام کے سرخیل حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی طویل صحبت ورفاقت، ان کی جانب سے تعریفی وتوصیفی کلمات اوران حضرات کا علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا اظہار......وہ خصوصیت اور دولت ہے جو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیگر تمام امتیازات وخصائص پر بھاری ہے۔قربِ قیامت کے اس دَور میں روز بروز جونت نئے فتنے سر اٹھاتے چلے جارہے ہیں ان کی بہت بڑی بنیاد اپنے بڑوں، بزرگوں پر عدم اعتماد، ان کے دامن سے دوری، ان کی صحبت سے بیزاری اوراپنے آپ کو عقل کل سمجھنا بھی ہے، اور یہی خرابی درحقیقت تمام گمراہیوں کی پہلی سیڑھی ہے جبکہ حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی فکر وتحقیق پر اعتماد اوران کے دامن سے وابستگی خصوصاً اس دور میں وہ عظیم نعمت ہے جو بے راہ روی کی بہت سی صورتوں کے لیے مانع ورکاوٹ ہے۔

اعلاء کلمۃ اللہ، دینِ متین کی سربلندی، باطل فتنوں کی سرکوبی اوران کا تعاقب بھی حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ واضح رہے کہ دینِ اسلام کی سربلندی اوراشاعت میں باطل کی سرکوبی ایک بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ آج کل فرقِ باطلہ کے خلاف کام کرنے والوں کو مختلف عنوانات سے طنز وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دین وایمان پر جب کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا جواب دینے والا تلاش کرنا پڑتا ہے اور جب تک اس کا سدِ باب کیا جائے یا اس کا جواب دیا جائے اس وقت تک اس کی گمراہی دیگر کئی لوگوں کو متاثر کرکے راہِ حق سے ہٹا چکی ہوتی ہے۔ جبکہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی، ان کی تحقیقات وتصنیفات اوران کے عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دینِ متین کی مضبوطی وسربلندی میں باطل کی سرکوبی کا بھی بہت بڑا کردار ہے، دینِ اسلام کے مضبوط اور تناور درخت کی خوبصورتی ومضبوطی کا مدار یہ بھی ہے کہ زائد شاخوں اور نقصان دہ چیزوں سے اس درخت کی حفاظت کی جائے اور ایسی اشیاء کو اس سے دور رکھا جائے، اس سے یہ تناور درخت جہاں مزید مضبوط ہوگا وہیں اس کے پھلنے پھولنے میں بھی اضافہ ہوگا۔اسی طرح حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے طرزِ عمل اور طریقہ کار سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ باطل فتنوں کے تعاقب میں ایسا

(۱) مدیر: جامعہ خلفائے راشدین، مدنی کالونی، گریکس ماری پور، ہاکس بے روڈ کراچی نمبر ۱۳

اسلوب اور طریقہ کار اختیار کیا جائے جو ''**وجادلهم بالتي هي احسن**'' کا مظہر ہو، جس میں خیر خواہی اور اصلاح کا پہلو غالب ہو اور اخلاصِ نیت کے ساتھ باطل کا رد کیا جائے، تنقید برائے تنقید کے بجائے تنقید برائے تعمیر پر کار بند رہا جائے تا کہ ہمارا یہ طرزِ عمل گمراہی میں مبتلا لوگوں کی تنفیر کے بجائے تقریب کا باعث بنے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری زندگی، ان کی دینی خدمات، تحقیق وتصنیف اور باطل کی سرکوبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس قول کا مصداق تھی جو انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ رحم کرے خالد پر، اس کے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل والے مٹ جائیں، اور کوئی تمنا ہی نہ تھی''۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص:112، ط: البشری)

بندہ کو اگر چہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست مستقل طور پر شرفِ تلمذ حاصل نہیں ہے لیکن ایک مرتبہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کسی کام کے سلسلے میں جانا ہوا تو آخرِ سال میں دورہ حدیث والوں کے لیے منعقد کردہ ''دورہ تدریبیہ'' میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا درس جاری تھا، موقع کو غنیمت جان کر بندہ بھی درس میں شریک ہو گیا، اس ایک درس میں شرکت سے جو علمی فائدہ ہوا وہ اپنی جگہ نعمتِ عظمیٰ ہے لیکن اس شرکتِ درس سے دو اہم باتوں کا سبق ملا:

(۱)...... انفرادی طور پر مطالعہ سے کچھ حاصل کرنے اور استاذ سے کچھ حاصل کرنے میں بہت بڑا فرق ہے، چنانچہ بسا اوقات مدتوں کے انفرادی مطالعہ سے وہ علم اور کمال حاصل نہیں ہو پاتا جو استاذ کی رہنمائی سے قلیل مدت میں حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲)...... ماہر اور غیر ماہر کا فرق بھی واضح ہوا، چنانچہ ماہر کی رہنمائی میں تھوڑے وقت میں بھی وہ حقائق واضح ہو جاتے ہیں جن کا عشر عشیر بھی مدتوں غیر ماہر کی رہنمائی سے حاصل نہیں ہو پاتا۔

حضرت کے اُس درس میں شرکت سے ایک بہت بڑے اور قوی اشکال کا ایسا حل بندہ نے حضرت کی زبانی سُنا جو اگر حضرت سے نہ سنا جاتا تو اس اشکال کا حل کوئی آسان کام نہ تھا۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک بہت بڑا اشکال حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ''نماز کے دوران جناب نبی کریم ﷺ کا خیال آنا گائے اور گدھے کے خیال آنے سے بھی بدتر ہے''۔

اس کا جواب اس مثال سے سمجھیے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے بطور سترہ ایک لکڑی گاڑی گئی ہے، اور دوسرا شخص اس طرح نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کے سامنے کوئی نیک بندہ، اللہ والا اس کی طرف منہ کیے ہوئے تشریف فرما ہے، اب فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ کہ جس کے سامنے لکڑی ہے اس کی نماز بلا کراہت ہر اعتبار سے صحیح اور درست ہے اور جس کے سامنے اللہ والا تشریف فرما ہے اس کی نماز مکروہ ہے۔ اب اس مسئلہ پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ فقہ کا یہ مسئلہ غلط ہے اور حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اللہ والے کے گستاخ ہیں کہ انہوں نے اس بزرگ اور اللہ والے کو لکڑی جتنی حیثیت بھی نہ دی؟ تو ظاہر ہے کہ اس معترض کو یہ کہا جائے گا کہ یہ اعتراض آپ کے باطن اور خیال کے فساد کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی اشکال نہیں، اور

حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ حق اور درست ہے اور اس میں اللہ والوں کی گستاخی کے بجائے اللہ والوں کی عظمت ہے، کیونکہ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رہنی چاہیے، اس میں کسی قسم کی کمی نہ آنے پائے، اس لیے وہ اسباب جو اس عظمت کے مزاحم بن کر ان کی وجہ سے باری تعالیٰ کی عظمت میں کمی آسکتی ہے ان کو مکروہ کہا گیا ہے۔ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ والوں اور بزرگوں کی عظمت ہوتی ہے اس لیے بزرگ کے سامنے بیٹھنے سے یہ قوی اندیشہ تھا کہ ان کی عظمت میں لگ کر کہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت سے غفلت نہ ہو جائے اس لیے اس صورت کو مکروہ کہا گیا اور ایک سوکھی لکڑی کی نمازی کے دل میں وہ عظمت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے متصادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے مزاحم بنے، اس لیے اس صورت کو بلا کراہت جائز فرما دیا۔ اسی طرح گائے اور گدھے کی عظمت چونکہ دل میں نہیں ہوتی، اس لیے نماز میں ان کا خیال آنے سے عظمت الٰہیہ میں نقصان آنے کا بھی اندیشہ نہیں، جبکہ جناب نبی کریم ﷺ کی عظمت ومحبت جزوِ ایمان اور ہر مسلمان کے دل میں لازم ہے، اس لیے نماز میں آپ علیہ السلام کا خیال آنے سے عظمت الٰہیہ میں نقصان اور ٹکراؤ کے اندیشے کی وجہ سے اس خیال کو زیادہ نقصان دہ کہا ہے، اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ جناب نبی کریم ﷺ کا مرتبہ کم ہے اس لیے یہ حکم لگایا گیا ہے بلکہ یہ حکم لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام کا مرتبہ اور عظمت ہر مسلمان کے دل میں لازماً اور یقیناً موجود ہوتی ہے اور گائے، گدھے کی عظمت چونکہ دل میں بالکل نہیں ہوتی اس لیے ان کا خیال آنے کو غیر مضر کہا گیا ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی منجملہ خصوصیات میں سے تدریس وتصنیف، ہزاروں شاگردوں اور دیگر دینی کاموں کی شکل میں بہترین صدقہ جاریہ چھوڑ جانا بھی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک: **إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: الا من صدقة جارية أوعلم ينتفع به أوولد صالح يدعو له.** (مسلم ۲/۱۴۱، ط: قدیمی) کے آپ بجا طور پر مصداق ہیں اور حدیث مذکور میں بیان کردہ تینوں ہی اشیاء کی صورت میں ثوابِ اعمال آپ کے لیے جاری وساری ہے۔

ماضی قریب میں یکے بعد دیگرے متعدد حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس دنیا سے رحلت فرما جانا یقینی طور پر ہمارے دینی ودنیاوی بڑے نقصان کا باعث ہے جس کا تدارک ہمارے بس میں نہیں اور ہمیں اپنی جگہ اس پر انتہائی درجے کا صدمہ اور افسوس بھی ہے کہ ہم اتنے بڑے علم سے محروم ہو گئے اور یہ خدشہ تھا کہ ہم مایوسی کا شکار ہو جائیں گے لیکن ارشادِ باری تعالیٰ ''**انا نحن نزّلنا الذكر وانا له لحفظون**'' (ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں) اور جناب نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد مبارک اس مایوسی کے خاتمے اور تسلی کا باعث بنتا ہے اور عملی زندگی میں پہلے سے زیادہ پختہ ہو جانے کا پیغام دیتا ہے، چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خذلهم، حتى يأتي أمر الله وهم كذلك.** (صحيح مسلم ۲/۱۴۳، ط: قديمى) ''میری امت کی ایک بڑی جماعت ہمیشہ حق پر جمی رہے گی، ان کی مدد ونصرت سے ہاتھ کھینچنے والے مخالفین ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی حال میں رہیں گے''۔

اسی طرح اس آیت اور حدیث نے یہ بھی بتادیا کہ یہ اٹل اور تکوینی فیصلہ من جانب اللہ طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں ایسے علماء کو پیدا فرمائیں گے جو پورے طور پر دین کی حفاظت واشاعت کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ پہلے سے بھی زیادہ حق پر جمے رہیں اور حق والوں کے دامن سے وابستگی کو ہی اپنے لیے دنیا وآخرت کی متاع عزیز اور غنیمت سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تاحیات اپنے دین متین کی خدمت کے ساتھ وابستگی نصیب فرمائیں اور حق واہلِ حق کو چمکانے اور باطل واہلِ باطل کو مٹانے والا بنادیں۔اللہ تعالیٰ رفتگان کی اعلیٰ درجہ میں مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اوران جیسی صلاحیت رکھنے والے دینی خدام پیدا فرما کر ان کی جگہ کو پر فرمادیں۔آمین ثم آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا طارق کامران

گزشتہ تین چار مہینوں میں کئی بڑے بڑے علماء کا انتقال ہوا جن میں ایک بڑی علمی شخصیت حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب قدس سرہ کی بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپؒ کی سب سے پہلی مرتبہ زیارت بندہ کو جامعہ مدنیہ جدید لاہور میں غالباً ۲۰۱۰ء یا ۲۰۱۱ء کو ہوئی، جامعہ کی مسجد میں آپؒ نے دوپہر کے وقت طلبہ سے حیات النبی کے موضوع پر مفصل گفتگو فرمائی۔آپؒ کے متعلق حضرت الاستاذ مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم اور دیگر اساتذہ سے باتیں سننے کو ملتی تھیں، لیکن حضرت سے مصافحہ اور دوسری مرتبہ بیان سننے کا موقع ۲۰۱۳ء یا ۲۰۱۴ء کو ایوان اقبال لاہور میں فتح مباہلہ کانفرنس کے مقام پر ملا، لیکن باقاعدہ ملاقات بندہ کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں نصیب ہوئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ سے ان کے اپنے علاقے کے متعلق دریافت کیا، پھر ۲۰۲۰ء کو علامہ صاحب سے جامعہ اشرفیہ میں بخاری شریف اور مؤطا امام مالک کے کچھ اسباق پڑھنے کا موقع ملا آخری سبق کے موقع پر علامہ صاحب نے طلبہ کو حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔جو بندہ کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔

جامعہ اشرفیہ میں اپنے ہی کمرے میں ''بست بابی فہرست مضامین قرآن'' کے کچھ اسباق پڑھائے جس سے بندے کو بھی اللہ تعالیٰ نے استفادے کی توفیق عطا فرمائی۔بندہ نے ہر محاذ پر آپؒ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بطور سپاہی پایا۔آپؒ اپنے اکابرین کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپؒ ہر سال اپنے مدرسے میں کسی نہ کسی بزرگ کے نام کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کرتے تھے جس میں پاکستان کے جید علمائے شرکت کرتے تھے اوراظہار مافی الضمیر بھی کرتے تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں ایک موقع پر بندہ کی دلی خواہش پر اپنی تالیف ''عظمت الاصحاب فی بیان ام الکتاب'' پر قلمی تحریر کے طور پر بندے کا نام تحریر کیا اور آپؒ نے اپنا نام بھی تحریر کیا۔

طارق کامران عفا اللہ عنہ متخرج جامعہ مدنیہ جدید و متخصص جامعہ دارالتقوی، نیو چوبرجی پارک لاہور

مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی

نمونہ اسلاف

علمائے اہل سنت دیوبند کے سرخیل، عقیدہ ختم نبوت کے معروف پہرے دار، اکابرین کا پرتو، باطل فتنوں کا تعاقب کرنے والے، ایک صدی کی تاریخ کے امین حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت ومنقبت بیان کرنا ہم جیسے طفلان مکتب کے بس کی بات نہیں۔ حضرت امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی علمی گہرائی اور مناظراتی کمال کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر عصر کی نماز کے بعد کوئی نیا فتنہ سر اٹھائے اور مغرب کی نماز کے بعد علامہ خالد محمود سے اس سلسلہ مناظرہ کروایا جائے، تو اس فتنے کی سرکوبی وہ بخوبی کرلیں گے۔ اس دور میں وہ چلتا پھرتا کتب خانہ، علم وعمل کے پہاڑ، سادگی اور تواضع کا مجسم نمونہ تھے۔

صفاتِ عالیہ کے حامل:

آپ کی وضع قطع عام لوگوں کی طرح تھی، تخصیص کے قائل نہ تھے۔ اس سال بھی رمضان المبارک کے دس روزوں کے دوران قیام کی حالت میں تراویح پڑھ کر عزیمت پر عمل پیرا رہے۔ یومیہ پانچ پارے قرآن پاک کی تلاوت آپ کا معمول رہا۔ تہجد اور نصف شب کی بادشاہی کے دوران اللہ کے سامنے رونے اور مناجات کا وطیرہ رہا۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است رفتم بہ پائے خویش کہ بہ کویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ ہم من دست خویش راکہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ترجمہ: ''مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھ لیا ہے، میں اپنے پاؤں پر گرا جاتا ہوں کہ چل کر تیرے کوچہ میں پہنچ گئے ہیں اور میں ہزار بار اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرے دامن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے۔''

جامعہ حقانیہ اور دادا جان رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاطر

احقر کی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے ساتھ محبت وتعلق اور ملاقاتیں طالب علمی کے زمانہ سے شروع ہوئیں۔ دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کا تعلق خاطر اس سے واضح ہوتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی دور میں علامہ صاحب نے 1959ء میں مادر علمی کو قدوم میمنت سے نوازا۔ اس موقع پر آپ نے حقانیہ کے متعلق جو تأثرات قلمبند کیئے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔

"حامداً ومصلیا ومبسملاً : حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث کے حسب ارشاد دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ دارالعلوم اپنے مقاصد، ضوابط، حسن ارتقاء اور سلف صالحین اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستگی کے

اعتبار سے اپنی مثال آپ اور اس زمانے کی مغتنمات میں سے ہے، دار العلوم کے تدریسی نظام میں دار العلوم دیوبند کی جھلک اور انتظامی امور میں علم وشعور کی پوری شان کے ساتھ تقویٰ وتزکیہ کی شکوہ وچمک ہر صادر ووارد کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی، اللہ تعالیٰ اس سر چشمہ علم کو تا قیامت جاری وساری رکھے، اور اسے حضرت شیخ الحدیث کے باقیات صالحات میں شمار کرنے کے ساتھ جملہ اہل اسلام کو بالعموم اور اس علاقے کے مسلمانوں کو بالخصوص اس سے متمتع اور مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے "واللہ اعلم اتم واحکم"۔ خالد محمود حال وائس پرنسپل اسلامیہ کالج خانیوال 28 شوال 1379ھ۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے سیاسی موقف کی عمر بھر تائید

اس کے بعد مختلف مواقع پر بارہا تشریف آوری ہوئی۔ تایا جان حضرت مولانا سمیع الحق کے سیاسی موقف کی تائید مرتے دم تک کرتے رہے اور پاکستان میں قیام کے دوران جمعیت طلبہ اسلام کی تربیتی اجلاسوں میں اس کا اظہار بہانگ دہل فرماتے تھے۔ یہ سب کچھ ترجمان دین اور مکتوبات مشاہیر میں محفوظ ہیں۔ شریعت بل، عورت کی حکمرانی کے خلاف اور خلیج وغیرہ کے مسائل پر مولانا سمیع الحق کی حقانیت پر دلائل وہ ہمیشہ دیتے آئے۔ خوب یاد ہے کہ جب شیخ الحدیث مولانا نعمت اللہ کو جمعیت علماء اسلام کا امیر منتخب کیا گیا، تو ۱۹۹۳ء میں علامہ صاحب نے برجستہ فرمایا "افبنعمة اللہ یجحدون"۔ یعنی تم اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہو۔ مجھے خود علامہ صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ جمعیت طلباء اسلام کے ایک کنونشن میں ڈائس پر آکر آپ نے مولانا سمیع الحق کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں''؟

جس پر مولانا سمیع الحق نے فوراً پکار کے کہا: اجازت اور آپ! ہم تو آپ سے گذارش کرتے ہیں۔ اس سے ان کی آپس میں انس ومحبت اور باہمی ربط کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مولانا سمیع الحق شہیدؒ کا علامہ صاحبؒ کے بارے میں مختصر تعارفی حاشیہ

تایا جان مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے آپؒ کے متعلق مکتوبات مشاہیر میں مختصر تعارفی کلمات یوں تحریر فرمائے:

''مشہور محقق، سکالر، خطیب، مسلک دیوبند اور مسلک اہل سنت کے مضبوط ترجمان اور کثیر التصانیف شخصیت ہفت روزہ ''دعوت'' کے مدیر اور مانچسٹر وغیرہ کے تحقیقی اداروں سے وابستہ رہے۔ جمعیت علماء اسلام (س) کے آخر تک مؤید اور ترجمان رہے''۔

احقر کو اجازت حدیث سے نوازنا

علامہ صاحب کا عام مزاج حدیث کی اجازت دینے کا نہیں تھا، تاہم احقر نے اس سلسلہ میں آپؒ سے ۲۰۱۸ء میں موبائل وٹس ایپ کے ذریعہ بات چیت کر کے اجازت حدیث لینے کی درخواست کی، جسے خلاف عادت قبول فرما کر اجازت سے نوازا۔

آخری دفعہ پاکستان آمد کے موقع پر ایک دو ملاقاتوں کی رُوداد

سر دست زیادہ تفصیلات کے بجائے سال گزشتہ آپ کے ساتھ ہونے والی ایک مجلس کی مختصر روداد پیش خدمت ہے۔

۱۹ر دسمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات علی الصبح جامعہ اشرفیہ لاہور میں نماز فجر کے بعد حضرت علامہ ڈاکٹر مولانا خالد محمود صاحب کی اقامت گاہ تک ایک طالب علم نے رہنمائی فرمائی۔

وہاں داخل ہوکر دیکھا تو حضرت اپنے تالیفی کاموں میں منہمک تھے۔ دو تین نوجوان علماء ان کی معاونت اور خدمت میں مصروف عمل تھے۔ میں دبے پاؤں چل کر علامہ صاحب سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا تاکہ ان کے کام میں خلل نہ پڑے، وہ قرآن کریم کی کسی آیت اور اس کی تفسیر کو ملاحظہ فرمارہے تھے، ساتھ ہی میز پر میرا مکتوب بھی ''تاریخ حقانیہ'' پر تقریظ لینے کے متعلق ان کے سامنے پڑا تھا، جو احقر نے گزشتہ دنوں ان کے نام وٹس ایپ پر بھیجا تھا، ان کے ایک خادم نے کان میں احقر کی آمد کا بتایا جس پر انہوں نے کام چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوکر میرے ساتھ بڑی شفقت کے ساتھ معانقہ فرمایا اور کچھ دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ یہ عجیب کیفیات تھیں، میں نے اسے قلبی فیضان کے منتقلی کا موقع سمجھا، احقر نے معانقہ کے بعد ان کے ماتھے پر بوسہ دیا، تو اس کے جواب میں انہوں نے میری ہتھیلی چومتے ہوئے حد درجہ محبت کا مظاہرہ فرمایا، پھر میں وہیں قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور حضرت سے عرض کیا کہ آپ اپنا کام مکمل فرمالیجئے، میں آپ کی فراغت تک یہاں بیٹھ جاتا ہوں۔

چند لمحوں میں انہوں نے اپنا کام نمٹا کر قریب ہی نشست گاہ میں ساتھ بٹھایا اور میرا لکھا ہوا خط اپنے سامنے رکھا۔ پھر مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ مجھے آپ کے اس کام کے متعلق اس قدر علم نہ تھا کہ آپ نے دو جلدوں میں اتنا بڑا کام کیا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھ سے مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی شخصیت پر لکھوانا چاہتے ہیں، لیکن یہ تو دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ ہے، جو کہ پورے صوبہ سرحد کی پہچان بن گیا ہے۔ آپ نے اس مکتوب میں کتاب کے بارے میں سب کچھ اجمالاً تحریر کرکے مجھے سہولت پہنچائی، اَب میں ان شاءاللہ اس پر کوشش کروں گا کہ جلد از جلد کچھ لکھ سکوں۔

میں نے علامہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں تو آج اس خیال سے آیا تھا کہ آپ سے نیاز و ملاقات اور صحبت حاصل ہوجائے اور تاریخ حقانیہ پر آپ کی تقریظ کا کام تو میں نے مفتی فیض الرحمٰن صاحب اور جناب ثقلین جاوید صاحب مقیم انگلینڈ کے ذمہ لگایا تھا، ان دنوں آپ کی اقامت پاکستان کے دوران مجھے ثقلین جاوید نے اس کتاب کے ابواب و مندرجات وغیرہ کے متعلق تفصیلی مکتوب لکھ بھیجنے کا کہا تو اس پر یہ آپ کے سامنے پڑا خط احقر نے لکھ کر واٹس ایپ کے ذریعہ بھیج دیا، پھر مفتی عزیر صاحب لاہور سے بھی رابطہ رہا۔ میری اس گفتگو کے جواب میں فرمایا: بھائی یوں مت کہو کہ ملاقات کے لئے آیا ہوں، یوں کہو کہ اس کام کے لئے آیا ہوں، اس لئے کہ یہ بہت عظیم کام ہے، جس کی عظمت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

علامہ صاحبؒ کے احقر سے استفسارات اور ''تاریخ حقانیہ'' کے بارے میں تجاویز

پھر مجھے فرمایا کہ میں اپنے لیے آپ سے کچھ باتیں پوچھتا ہوں تاکہ اسے سامنے رکھ کر پھر میں اس کتاب کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کے والد اظہار الحق صاحب مولانا سمیع الحق کے بعد دوسرے نمبر پر مولانا عبدالحقؒ کے فرزند ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں وہ چوتھے نمبر پر ہیں۔ پھر میرے مکتوب کو نکال کر کہا کہ اس کے عقب پر مولانا عبدالحقؒ کے فرزندوں

کے نام ترتیب وار لکھ دو۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کے والد کی رحلت مولانا سمیع الحقؒ کی شہادت سے پہلے ہوئی؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ ان کے سانحہ کے ۳؍ماہ کے بعد ۴؍فروری ۲۰۱۹ء کو والد ماجد راہی آخرت ہوئے۔"اللھم اغفر ھما" آمین۔

پھر سوال فرمایا کہ مولانا عبدالحقؒ نے جس طرح دیوبند کے منہج پر علمی اور مسلکی کام صوبہ خیبر پختون خوا میں کیا، کیا ان کے برابر یا لگ بھگ اور بھی کوئی بڑا عالم آپ کی نظر میں صوبہ بھر میں ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جی علماء کرام اور ان کی خدمات تو متنوع ہیں، جیسے مولانا عزیر گل مرحوم اسیر مالٹا نامور عالم دین تھے، جس پر فرمایا کہ ان کو تو میں خوب جانتا ہوں، ان کا مقام ومرتبہ اپنی جگہ پر مسلّم ہے، تاہم جو علمی اور مسلکی خدمات مولانا عبدالحقؒ نے انجام دی ہیں اس کی مثال آپ کے ہاں نہیں ملتی ہے، نہ ماضی میں اور نہ ہی تادم ایں وقت ان جیسی شخصیت نظر آتی ہے، بنابریں جب مولانا عبدالحق کا مقام نمایاں اور سب سے بڑا ہے تو ان کے فرزندوں کا مقام ومرتبہ بھی اس درجہ بڑا ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ تم یہاں پر ان چار فرزندانِ مولانا عبدالحقؒ کے اسماء گرامی کے ساتھ اپنا نام بھی نیچے لکھ دو۔ پھر فرمایا کہ مولانا سمیع الحق کے بیٹے کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مولانا حامد الحق اور وہ نام بھی میں نے کاغذ پر لکھ دیا۔ پھر میرے مکتوب کو سامنے رکھ کر اس میں پرنٹ کے اندر بعض مخدوش مقامات کے بارے میں استفسارات فرمائے۔ ''باب اول: تاریخ اکوڑہ خٹک'' پر پہنچ کر فرمایا، یہاں ایک لفظ لگانا ضروری ہے کہ اکوڑہ خٹک کیا ہے؟ گاؤں ہے، شہر ہے، یا تحصیل وضلع ہے؟ میں نے عرض کیا پھر ''تاریخ موضع اکوڑہ خٹک'' لگادوں؟ تو فرمایا: یہ بالکل صحیح ہے۔

پھر ''باب دوئم: جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے جملہ شعبوں کا جامع تعارف'' کے متعلق فرمایا کہ یہاں یوں ہونا چاہئے کہ ''تاریخ دارالعلوم حقانیہ'' اس لئے کہ حقانیہ معروف ادارہ ہے، بلکہ اس کی بدولت ہی پوری دنیا کی خلقت آپ کے گاؤں کو جانتی ہے، لہٰذا شعبوں کا تعارف بھی ہو، لیکن عنوان میں ''تاریخ'' کا لفظ لگا دیجئے۔ نصاب تعلیم کے باب کو ملاحظہ فرما کر کہا کہ یہاں ''حسبِ نصاب دیوبند'' لگادو تو زیادہ بہتر رہے گا، ورنہ جیسے آپ کی مرضی ہو۔ آگے ایک باب ''خدمات حقانیہ میں ردفرق باطلہ (قادیانیت، یہودیت اور نصرانیت) وغیرہ'' کے متعلق فرمایا کہ یہاں اگر ''فرق باطلہ'' کے بجائے ''جدیدہ'' ہو تو بات اور واضح ہو جائے گی۔ باب دہم کے متعلق فرمایا کہ ''بین الاقوامی میڈیا کے سرکردہ افراد کی حقانیہ آمد'' سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ سب ایک ہی دفعہ آئے ہیں، لہٰذا اگر یوں لکھا جائے، ''مختلف اوقات میں حقانیہ آمد'' تو یہ ابہام ختم ہو جائے گا۔ باب دوازدہم کے متعلق فرمایا، چونکہ جامع تعارف کا لفظ پہلے آیا ہے، لہٰذا اس کے بجائے یوں کر دیجئے کہ ''موتمر المصنفین اور ماہنامہ الحق کی خدمات''۔ آخری باب کے متعلق احقر نے عرض کیا، ''مشاہیر فضلاء حقانیہ کا تذکرہ'' یہ باب بڑی تفصیلات کا متقاضی ہے، ۷۵؍برس میں مادر علمی حقانیہ سے اندازاً ۳۰،۰۰۰؍(تیس ہزار) علماء فارغ التحصیل ہوئے ہیں، جن میں ہزاروں مشاہیر بن کر آسمان علم وعمل پر چمکے، اب ان کا احاطہ تو مشکل ہے تاہم ۳۰،۴۰؍افراد کو کیف ما اتفق پیش کر دیا ہے، تو اس پر مشورہ دیا کہ کم از کم ۱۰۰؍کا ذکر تو ہونا چاہئے۔ اس کے بعد دوسری جلد کے مندرجات کے بارے میں احقر نے عرض کیا یہ حقانیہ میں خدمات تدریس بجالانے والے

اساتذہ کرام ومشائخ اور یہاں مختلف شعبوں میں کام کرنے والی شخصیات کے سوانح وحالات ومختصر تذکرہ پر مشتمل ہے، جس میں اندازاً ۵۶۷ / افراد کا ذکر کیا گیا۔

فرمایا کہ میری عمر اور اوقات دونوں اب ان دوجلدوں کو بالاستیعاب پڑھنے کے نہیں۔ لہٰذا آپ کے خط کے اس اجمال کو میں سامنے رکھ کر کچھ لکھوں گا، احقر نے عرض کیا کہ کہیں آپ کے مشاغل، عوارض وغیرہ کی کثرت سے یہ میری خواہش (تقریظ لکھنے کی) کی فوت نہ ہوجائے، جس پر فرمایا کہ تمہارا مطلب ہے کہ کہیں میں دنیا سے رحلت نہ کرجاؤں؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو عمر درازنصیب فرمائے، آپ کا سایہ اس وقت امت کی رہنمائی کے لئے ازحد ضروری ہے۔ میں تو اپنی تقریظ کے حاصل نہ ہونے کا عرض کررہا ہوں، پھر فرمایا کہ تم کنایۃً میری درازئ عمر کی دعا کررہے ہو، میں نے کہا کہ بالکل ایسا ہی ہے، آپ کا وجود مسعود اس وقت ہم جیسے کوتاہوں کے لئے سخت گرمی کے دھوپ میں سائباں کے مانند ہے۔

مولانا سمیع الحق کی جھلک تمہاری آنکھ میں نظر آرہی ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ بڑا کام لیا ہے، پھر انہوں نے اپنے ایک معاون کو کہا کہ تم ان کو ساتھ دروازے تک چھوڑنے جاؤ، آخر میں مجھے مخاطب کرکے کہا کہ میں حضرت تھانوی کے سلسلہ میں مجاز بیعت ہوں، مجھے آپ کی آنکھوں میں مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی جھلک نظر آتی ہے۔

آخری ملاقات اور حضرت علامہ کی تقریظ دربارہ ''تاریخ حقانیہ''

دس دنوں بعد علامہ صاحب نے میری کتاب پر تقریظ لکھ کر دوبارہ ۲۹ / دسمبر کو لاہور میں جامعہ اشرفیہ طلب فرمایا، اس موقع پر حضرت مولانا سید صاحب حسین میرے ہمراہ تھے۔ علامہ صاحب نے فجر کی نماز کے بعد اپنے اقامت گاہ میں ہمیں ناشتہ بھی کروایا اور اس دوران مختلف امور پر گفتگو اور رہنمائی سے نوازتے رہے۔ جو تقریظ آپ نے لکھ کر دی اس میں آپ نے مجھے کمی بیشی کا' حاضرین مجلس کے سامنے مکمل اختیار دیتے ہوئے کہا کہ جہاں بھی آپ اس میں کوئی چیز مناسب حال سمجھتے ہیں، اسے شامل کرسکتے ہیں اور کوئی کمی ہو تو آپ کو میری طرف سے بلاجھجک اختیار ہے۔ علامہ صاحب کی تقریظ جو میرے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے یوں ہے:

> ''سرحد کی اکوڑہ خٹک کی مسلم آبادی سے پاکستان کے قدیم علمی رشتے چلے آرہے ہیں، سرحد میں حضرت مولانا عبدالحق ان باہمی تعلقات کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں اہل حق کا مرکز چلا آرہا ہے، اکابر دیوبند کا شروع سے یہ عمل رہا ہے کہ انہوں نے پورے ہندوستان سے جس علاقے میں بھی کوئی علمی شخصیت دیکھی اسے کسی نہ کسی تدبیر سے دیوبند کھینچ لیا۔ خطہ کشمیر میں مولانا انور شاہ کشمیری ایک بڑی علمی شخصیت تھے۔ مقامی علماء دیوبند میں بڑے علماء کی کوئی کمی نہ تھی، بایں ہمہ انہوں نے ہر علاقائی تعصب سے بالا رہ کر انہیں دیوبند کھینچ لیا۔ صوبہ سرحد کے علماء میں جامع علم وفن حضرت مولانا رسول خان صاحب سے کون واقف نہیں، انہیں بھی دیوبند کھینچ لیا گیا، پھر وہاں سے وہ اورینٹل کالج لاہور میں تشریف لائے، تقسیم برصغیر کے

وقت صوبہ سرحد کے اور کئی بڑے علماء بھی دیوبند میں مدرس تھے۔

ملتان کے علاقہ کبیر والہ کے ایک بڑے عالم حضرت مولانا عبدالخالق اس تقسیم کے وقت واپس ملتان آئے، مولانا سید فیض علی شاہ صاحب بھی دیوبند سے اپنے علاقہ میں واپس ہوئے اور کبیر والہ میں سنن ابی داؤد پڑھاتے رہے اور بعد میں وہاں سے بطور شیخ التفسیر انگلینڈ آئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن مظاہر العلوم سہارنپور کے ایک بڑے نامور بزرگ ہیں ان کے تین بیٹے ''مولانا سعید الرحمٰن، مولانا عبیدالرحمٰن اور مولانا احمد الرحمٰن'' سرحد کے نامور علماء میں سے تھے۔ یہ مولانا احمد الرحمٰن محدث کبیر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے داماد تھے، جو مولانا بنوری کی وفات کے بعد ان کے علمی جانشین ہوئے۔ ان حضرات نے بھی سرحد اور پنجاب میں اپنے گہرے علمی رابطے قائم کئے، اور جس طرح حضرت مولانا عبدالحق سرحدی علماء کے مورث اعلیٰ تھے، یہ مولانا عبدالرحمٰن بھی علمائے پنجاب سے اپنے گہرے علمی رابطوں سے بڑے درجے کے علماء میں سے تھے۔ مظاہر العلوم سے آنے کے بعد یہ خیر المدارس ملتان میں حدیث پڑھانے آگئے اور پھر یہاں سے انہیں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اپنے ساتھ کراچی کے مدرسہ میں لے گئے، جہاں کے بڑے شیخ الحدیث محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تھے، جو علماء ملتان سے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ کراچی آئے، ان میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی بھی تھے۔

پنجاب کے دیوبند مسلک کے دینی مدارس میں جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ امدادیہ فیصل آباد، سراج العلوم سرگودھا، مفتاح العلوم سرگودھا، دارالعلوم کبیر والہ، قاسم العلوم ملتان اور کئی اور بڑے دینی مدارس ہیں مگر صوبہ سرحد میں ایک ہی بڑا نام جامعہ دارالعلوم حقانیہ پورے سرحد میں اپنی ایک تاریخی عظمت کے ساتھ قائم ہے۔

ضرورت تھی کہ اس بڑے مدرسہ کو جس کے سربراہ حضرت مولانا عبدالحقؒ والد ماجد حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ رہے اس کا ایک جامع تعارف ترتیب دیا جائے۔ راقم الحروف بھی جب پہلی دفعہ اس مرکزی مدرسہ میں تقریر کے لئے گیا تو ان کی دعوت پر ہی گیا تھا۔ حضرت مولانا عبدالحقؒ دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مقربین میں سے تھے اور انہی کی دعوت پر میں خانیوال سے اکوڑہ خٹک پہنچا۔ علماء سرحد کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا عبدالحق ہی رہے اور وہی مجھے اکوڑہ خٹک میں دعوت دینے والے تھے۔

ان مباحث پر ہم اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ مولانا عرفان الحق صاحب نے یہ اپنی ملکی شہرت کی کتاب ترتیب دے کر ان تعلقات کو اور بڑھایا اور مضبوط کیا ہے۔ راقم الحروف اس مختصر مقدمہ سے ان کی ان خدمات کا اعتراف کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ ان کی ان عظیم خدمات کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ملک کے تمام حصوں کو آپس میں زیادہ سے زیادہ متحد رہنے کی توفیق بخشے۔

خالد محمود حال وارد پاکستان اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور:''

افسوس ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی۔ آج علامہ صاحب ہم میں نہ رہے، لیکن ان کے عظیم تحریری اور نوجوانوں کی تربیتی خدمات اور مسلک دیوبند کے تحفظ کا عظیم کام ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔ والباقیات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير املا. ☆☆☆☆

مولانا شفیق احمد سلیم ملکانوی، ناظم تعلیمات: جامعہ مفتاح العلوم، سرگودھا

عبقری شخصیت

رواں سال امت مسلمہ مرحومہ کے لیے عام الحزن ہے۔ گذشتہ چند ماہ میں کثیر تعداد میں حضرات علماء کرام ومشائخ عظام راہی بقا ہوئے کہ علم وعمل بھی نوحہ کناں ہے۔ ایک عالم ربانی کی وفات پانے پر پیدا ہونے والے خلا کو ایک جماعت پُر کردے، ممکن ہے، لیکن یہ تو محال سا لگ رہا ہے کہ علماء ربانیین کی ایک بڑی جماعت ہی آخرت کو سُدھارے اور خلا پُر ہو سکے۔ **فانا لله وانا اليه راجعون.**

اب کہاں مایوسیوں میں ضبط کی گنجائشیں، چہار سو ظلمتیں ہیں، گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ ہاں کہیں کہیں روشن چراغ ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سمت کا تعین ہو جاتا ہے اور ان کے بفیض منزل کا راستہ گم نہیں ہے۔ **الحمد لله على ذلك.**

فی زمانہ اسلام اور اہل اسلام پر بے دینی اور الحاد جس فوج کے ساتھ اور جس شدت کے ساتھ حملہ آور ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ رجال کار کی ایک کھیپ ہوتی، جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک بڑی کھیپ ہی نے منہ موڑ لیا ہے۔ درجنوں آفتاب وماہتاب غروب ہو گئے اور روشن چراغ بجھ گئے، اب پورا عالم تاریک تر دکھائی دیتا ہے۔ عوام الناس کیا خود اہل علم میں صف ماتم بچھ گئی ہے اور انسانیت غم میں گرفتار ہو گئی۔ بصیرت کے ساتھ بصارت بھی خوں بار ہو گئی ہے۔

ع ہائے کتنے گدا نواز تھے جو گذر گئے

اور معروضی حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ:

تسکین دل کی ایک ہی تدبیر ہے فقط
سر پھوڑ لیجیے کوئی دیوار دیکھ کر!

حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات ارضی وسماوی کی نبض اب ڈوبتی نظر آ رہی ہے اور پچھلا پہر ہی لگ رہا ہے، بہت کچھ کھیل کھیلا جا چکا ہے۔ اب تھوڑا باقی ہے۔ حضرت غالب مرحوم اپنی آخر عمر میں اکثر کہا کرتے تھے

حرم واپس بر سر راہ ہے عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے

ان جانے والوں میں ایک بڑی اور بہت بڑی شخصیت حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ عالم اسلام کے بڑے علمی سپوت تھے۔ قصور میں پیدائش اور نمو ہوئی۔ مختلف علمی درسگاہوں کی خاک چھانی! اگر آکسفورڈ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تو از ہر ہند دار العلوم دیوبند سے بھی علوم دینیہ کے حصول کی سند فراغت بھی حاصل کی۔ دونوں عظیم نسبتیں ہیں، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک سے ''دوسری'' بڑھ کر ہے اور علامہ مرحوم نے عمر بھر دونوں نسبتوں کی لاج رکھی اور تقریر وتحریر سے یہ

ثابت کیا کہ حضرت موصوف علامہ بھی تھے اور محقق، مفکر اور عظیم دانش ور بھی تھے، لفظ ''علامہ'' اور ''ڈاکٹر'' تو نام کا سابقہ لازمہ تھے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ تقریر وتحریر کے بادشاہ تھے، بیسیوں عناوین پر ان کے بیانات وتقاریر اور درجنوں کتب اس پر شاہد عدل ہیں۔

جان کر منجملہ خاصان مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت علامہ رحمہ اللہ ایک چلتے پھرتے آدمی تھے۔ بیانات اور تقاریر کے حوالے سے ملک کے طول وعرض میں جانا ہوتا تھا اور بیرون ملک کے اسفار اس پر مستزاد تھے۔ لیکن یہ ایک کرامت تھی کہ ادیانِ باطلہ کے لیے ہر وقت ہر لمحہ تیار! اِس حوالہ سے کبھی پس وپیش نہیں کیا اور پھر تقریر کا میدان ہو یا مناظرہ کا میدان آپ کے ہاتھ ہوتا۔ بایں ہمہ فقہی جزئیات پر بھی آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ حالانکہ علم فقہ ایک خشک تر موضوع ہے اور ایک خارستان ہے جس میں قدم رکھنا ہر کہہ ومہ کے لیے ممکن ہی نہیں اور علوم دینیہ میں سب سے مشکل ترین فن یہی علم فقہ ہے۔

اس راقم اثیم نے سب سے پہلے حضرت علامہ رحمہ اللہ کی جس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا وہ ''عبقات'' کی پہلی جلد ہے، یہ کتاب ہفت روزہ ''دعوت'' کے سوال وجواب کے سلسلہ کا مجموعہ ہے۔ ان تمام سوالات کے جوابات حضرت علامہ رحمہ اللہ نے خود تحریر فرمائے۔ قارئین حضرات کی دلچسپی کے لیے ''عبقات'' سے صرف ایک سوال اور اس کا جواب نقل کر رہا ہوں۔

سوال:۔ جمعہ کی نماز کے بعد کل کتنی سنتیں ہیں؟ کیا جمعہ کے بعد چار اور دو مسلسل سنتیں ہیں اور کیا بعد نماز جمعہ فقیہ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے مطابق چھ سنتیں پڑھنی جائز ہیں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیے۔ سائل: محمد اقبال قریشی۔ بہاولنگر

جواب: جمعہ کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولی ارشاد کے مطابق چار سنتیں ہیں، [مسلم: ۲۸۸] اور عملاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جمعہ کے بعد دو سنتیں پڑھنا ثابت ہے، ان دونوں امور کی روشنی میں چار اور دو کو جمع کر لینا ہی بہتر ہے اور ایسا ہی سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی فرمایا ہے۔ **من کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستاً** [طحاوی :۹۹] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، دو پہلے اور چار بعد میں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علقمہ بن قیسؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور حضرت اسحٰقؒ سے جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت منقول ہیں۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰؓ، حضرت عطاؒ، امام سفیان ثوریؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ سے نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت منقول ہے۔ امام ابویوسفؒ ان کی ترتیب میں چار رکعت کو مقدم کرتے ہیں اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے عمل میں دو رکعت پہلے اور چار رکعت بعد میں تھیں۔ ہر دو مسلک کے دلائل اعلاء السنن [۷/۱۰، طبع قدیم] میں مذکور ہیں۔ ہمارے اکابر کا عمل چھ رکعت کی سنیت پر ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: **فدل ان السنة بعد الجمعة ست رکعات.** [**فتح الملهم**: ۲/۴۲۰،]

حاصل یہی ہے کہ جمعہ کی نماز فرض کے بعد چھ رکعتیں سنت ہیں۔ چار پہلے اور دو بعد میں، یا دو پہلے اور چار بعد میں۔ ہر دو

ترتیبیں منقول ہیں۔احقر کا عمل یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد اگر جگہ تبدیل کرنے کا موقع مل جائے تو دو پہلے اور چار بعد میں پڑھتا ہوں اور نیت حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سنیت کا امتثال ہوتا ہے۔اور اگر جگہ تبدیل کرنے کا موقع نہ ملے تو پھر چار پہلے اور دو بعد میں پڑھتا ہوں تاکہ ایک ہی جگہ دو رکعت نماز دو دفعہ نہ پڑھی جائے ،اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے فتویٰ پر عمل کر لیتا ہوں۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا جب کبھی اپنے استاذ امام اعظمؒ سے اختلاف ہوتا ہے تو اس صورت میں ان حضرات کا مسلک مختار بھی دراصل حضرت امامؒ کی ہی ایک دوسری روایت میں منقول ہوتا ہے، پس ان کے فتویٰ پر ہی عمل ہے۔اور ایسے فروعی مسائل میں اختلاف کوئی مضر بھی نہیں ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ایسا اختلاف ایک رحمت ہے(واللہ اعلم بالصواب)''[عبقات:۱/۳۱۷]

قارئین کرام نے حضرت علامہؒ کی ایک مسئلہ پر تحقیق ،فقہاء کے اقوال پر نظر اور تطبیق اور توفیق ملاحظہ فرمائی۔حضرت علامہ رحمہ اللہ کی روزمرہ کی گفتگو میں خواہ عوام کا اجتماع ہو یا خواص کا اور خواہ نجی مجلس ہی کیوں نہ ہو بے مقصد بات نہی سنی گئی۔ بلکہ با مقصد بات اور باتوں میں کوئی نہ کوئی علمی چٹکلے اور لطیفہ ضرور ہوتا۔ ؏ پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال

سچ لگتی بات یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ خوبیوں کا مجموعہ تھے۔اور یہ بھی سچ ہے کہ خوبیوں کے ڈھب پر پُر وقار و پر کیف حسین زندگی گزار چلے ؎

عہد و پیماں کر کے پیمانے کے ساتھ
عمر گذری ہے تیرے مئے خانے کے ساتھ

فروری ۲۰۱۳ء میں اس راقم آثم کا براہ لاہور دہلی جانا ہوا تھا۔اور ہفتہ بھر دہلی رہنا نصیب ہوا۔اس پورے سفر کی روداد ''سفرنامہ دہلی'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔دہلی کو جاتے ہوئے لاہور میں حضرت علامہ رحمہ اللہ کی زیارت وملاقات سے بھی سرفرازی نصیب ہوئی تھی۔بندہ نے اپنے اس سفرنامہ میں درج ذیل سطور تحریر کی تھیں:

''حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ......معلومات کا خزانہ اور بہترین خطیب ہیں اور ہر باطل کے ساتھ ٹکرانے کا حوصلہ اور ہمت بھی رکھتے ہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ درجنوں کتب کے مؤلف ومصنف ہیں۔ مانچسٹر(یو کے) میں ایک اسلامک سنٹر کے سربراہ ہیں اور کچھ عرصہ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ کے جج بھی رہے۔ان کی گفتگو فکر ونظر کی حامل ہوتی ہے۔ یہاں کے رجال کار کی تاریخ ان کے تذکرہ کے بغیر بالکل نامکمل رہے گی اور جس مجلس میں ہوں تو میر مجلس ہی ہوتے ہیں۔''

حضرت علامہ رحمہ اللہ اب ہم میں نہیں رہے اور ایک ہی جست میں وہاں جا پہنچے جہاں سے اب تک کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ **"کل من علیها فان، ویبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام."**

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل!

☆......☆......☆......☆

مولانا منیر احمد اختر، جہانیاں منڈی

استدلال، استخراج اور استنباط کے بادشاہ

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہوئی تھی، حضرتؒ نے صبح کا درس دیا تھا، **یؤمنون بالغیب** پر کافی تفصیلی گفتگو فرمائی، فرمایا: ''غیب پر ایمان لاتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ کوئی غیب ہے تو ہم ایمان لاتے ہیں، اگر غیب ہی نہ ہو، ہر چیز ظاہر ہو تو پھر غیب پر ایمان کا کیا مطلب؟ پھر علم غیب کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ پھر حضرت سے کافی ملاقاتیں ہوئیں۔ اہل بدعت کی تردید کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب تو امامت کے مرتبے پر فائز تھے، بندہ بھی اس میدان میں دلچسپی رکھتا ہے اور اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کو باعث سعادت سمجھتا ہے، علامہ صاحب چھوٹوں کی دینی، علمی اور مسلکی کوششوں کے بہت قدردان تھے، مجھ سے بھی بہت محبت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے ہاں جہانیاں منڈی تشریف لائے تو بندہ نے اپنی کاپی پیش خدمت کی، جس میں اہم حوالہ جات درج تھے، حضرت نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور وہ کاپی ساتھ لے گئے، اور پھر پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے از خود وہ کاپی واپس کردی۔ آج بھی میرے پاس موجود ہے، اس پر حضرت کے ہاتھ سے لگے نشانات اَب بھی اُن کی دیانت داری اور اصاغر نوازی کی داستانیں سناتے ہیں۔

جہانیاں منڈی ملتان کے مضافات میں ۸۴/ چک ہے، وہاں سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل ومناقب کے حوالے سے بیان تھا، حضرت نے فرمایا کہ: ایک ہے خلافت، اور ایک ہے بغاوت، ہمارا عقیدہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تھی، بغاوت نہیں تھی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ ہیں اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلافصل خلیفہ ہیں۔ علامہ صاحب کا بیان غیر مقلدین کی مسجد میں تھا، امام بھی غیر مقلد ہی تھا، بیان کے دوران امام صاحب نے خوامخواہ کھڑے ہو کر سوالات شروع کردیئے، حضرت تحمل سے جواب دیتے رہے، میں نے سوچا کہ ہم جو موجود ہیں، اسے علامہ صاحب کو پریشان کرنے کا موقع کیوں دیں، چنانچہ میں نے اس کے سوالات کے جواب دینا شروع کردیئے، میں نے کہا کہ: تراویح اگر ۲۰/ رکعات ہوئیں تو ہماری تو جان بخشی ہوجائے گی، آٹھ رکعات والے کہاں جائیں گے؟ باقی ۱۲/ رکعات کہاں سے لائیں گے؟ تو کہنے لگا: اگر یہی بات ہے تو فطرانہ تم حنفی کم دیتے ہو، ہم زیادہ دیتے ہیں۔ اگر زیادہ ہوا تو تم کہاں جاؤ گے؟ باقی کہاں سے لاؤ گے؟ میں نے کہا: ہم نے تراویح کی تعداد کی حدیث پیش کی ہے، تم بھی فطرانے کی کم یا زیادہ مقدار کی حدیث پیش کردو تو ہم زیادہ مقدار پر عمل کرلیں گے۔ پھر حضرت علامہ صاحبؒ نے وہاں تفصیلی بیان فرمایا۔ پھر حضرت ہمارے ہاں جہانیاں منڈی تشریف لائے، اُن کے کچھ لوگ جہانیاں میں تھے، اُنہوں نے کہا کہ ہم نے علامہ صاحب سے کچھ باتیں کرنی ہیں، حضرت نے فرمایا کہ:

بات چیت کرنی ہے تو آ جائیں۔ جب شرائط طے ہونے لگیں تو حضرت نے فرمایا: پہلے یہ طے کرلو کہ مناظرہ کرنا ہے یا بات چیت کرنی ہے؟ چک ۱۱ر میں ایک مسجد تھی ''اللہ والی''، وہاں وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لوگ درمیان میں واسطہ بن کر آتے جاتے رہے، لیکن وہ مناظرہ کے لیے سامنے نہیں آیا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: اپنے مسلک میں مخلص رہو، مسلک کے ساتھ اخلاص پیدا کرو، جب تک اخلاص پیدا نہیں ہوگا، کام نہیں بنے گا۔ مسلک کو حق سمجھو، اِس کے حق ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ جامعہ عبداللہ بن مسعود، خان پور ضلع رحیم یار خان کے سالانہ اجتماع میں ایک صاحب نے مناظرے کا چیلنج کیا، حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: میں نے اپنی زندگی میں بہت مناظرے کیے، لیکن کبھی بھی خود مناظرے کا چیلنج کسی کو نہیں کیا۔ ہاں چیلنج قبول ضرور کیے ہیں۔ اللہ کی مدد اہل حق کے ساتھ ہوتی ہے، لیکن باطل کا چیلنج قبول کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد ہوتی ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصاغر نوازی اور تشجیع وتحسین کی سخاوت بھی بے مثل تھی، ایک مرتبہ میں نے اپنی کارگزاری سنائی کہ: ایک دفعہ دنیاپور کے علاقہ میں چوکی بستی کے جامعہ غوثیہ کے علماء کا جامعہ خیر المدارس کے فاضل مولانا رحیم بخش کے ساتھ مناظرہ طے ہوا، وہ ہمارے ہاں کتابیں لینے آئے تو صورتِ حال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے میں بھی چلا گیا، انھوں نے مجھے دیکھا تو مجھے ہی مناظر کے طور پر آگے کر دیا، دوران مناظرہ میں نے لکھ کر دے دیا کہ: ''نماز جنازہ کے بعد تدفین سے قبل اجتماعی صورت میں مروجہ دعا قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں۔'' تو مخالف مناظر کہنے لگا کہ: تم اسے ناجائز کہتے ہو، لہٰذا فقہاء کی تصریحات لکھو، حرام، مکروہ، شرک وغیرہ جو بھی انھوں نے اس پر شرعی حکم لگایا ہو۔ میں نے کہا: تم ثابت کرو، ہم فقہی حکم بتا دیں گے، ہم تو کہتے ہیں کہ یہ ثابت ہی نہیں، اور فقہی حکم اس چیز کا ہوتا ہے جو ثابت ہو۔ پھر وہ کہنے لگا کہ: قرآن کہتا ہے: اِذَا دَعَانِ جب بھی مانگو۔ (یعنی جب مرضی دعا مانگ لو، کسی وقت کوئی پابندی نہیں۔) لہٰذا جیسے دفن کے بعد جائز ہے ایسے ہی دفن سے پہلے بھی جائز۔ تو حضرت علامہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے اس کا کیا جواب دیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے کہا: مولانا احمد رضا خان صاحب کی بذل الجوائز، مولانا عمر اچھروی کی مقیاس حنفیت، مفتی احمد یار گجراتی صاحب کی جاء الحق، مولانا احمد سعید کاظمی کی فلاں کتاب اور مولانا فیض احمد اویسی کی ''جواز بعد از نماز جنازہ'' میں لکھا ہے کہ: جنازے کے بعد صفیں توڑ دی جائیں، اجتماعی ہیئت ختم کر دی جائے، اگر قرآن کا حکم مطلق ہے تو وہ صفوں کی حالت کو بھی شامل ہے، پھر صفیں توڑنے کا تکلف کیوں کرتے ہو؟ **ماھو جوابکم فھو جوابنا**۔ اس پر حضرت علامہ صاحب نے خوب داد دی کہ آپ نے بالکل درست جواب دیا۔ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی خصوصاً مسلکی میدان میں عقائد کے حوالے سے محنت کرنے والوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور اپنے تجربات اور علوم کی روشنی میں اُن کی بھرپور راہ نمائی بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں غیر معمولی ذہانت اور بے مثال قوتِ استدلال سے نوازا تھا، یہ اُن کی فطری صلاحیت تھی، ہم نے ایسی قوتِ استدلال کسی اور میں نہیں دیکھی، کسی نص، کسی عبارت سے جیسے حضرت علامہ صاحبؒ استدلال فرماتے تھے، وہ ہمارے

وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا تھا۔حضرت کے معاصرین اور اصاغر میں ایسی استعداد اور صلاحیت نظر نہیں آئی۔

ماشاءاللہ حضرت کی صحت بھی قابل رشک تھی، حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ فرمایا: میں کھانا کھاتا ہوں۔حیدری صاحب نے عرض کیا کہ: کھانا تو سارے ہی کھاتے ہیں، آپ نے فرمایا: نہیں! اکثر لوگ کھانا ڈالتے ہیں، جبکہ میں کھاتا ہوں۔یعنی خوب اچھی طرح چبا کر پھر نگلتا ہوں۔(دیکھیے: ۲/۶،۲/۷،۲/۴۲۹،۲/۴۸۸)

حضرت کا تقوی، للّٰہیت اور خدا خوفی بھی ایسی تھی کہ ہم نے کبھی کوئی بات خلافِ شرع نہیں دیکھی، گفتگو میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہوتی تھی، نہ ہی کسی غیر شائستہ زبان استعمال کرتے تھے، چاہے مخالف ہی کیوں نہ ہو، اِس سے بڑی کیا کرامت ہوگی کہ کوئی عمل خلاف شرع نہیں دیکھا گیا۔اور یہی اُن کا سب سے بڑا کمال ہے۔

کبھی کوئی علمی الجھن پیش آتی تھی تو حضرت چٹکی میں حل فرما دیتے تھے، اب علمی میدان میں پوری دیوبندیت محروم ہوگئی ہے، وہ استدلال، استخراج اور استنباط کے بادشاہ تھے، عبادات خصوصاً نماز سے اُن کا شغف ہی اُن کے تقوے اور للّٰہیت کی دلیل کے لیے کافی ہے، سنتوں کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔بدعات ورسومات سے بے انتہا نفرت تھی، اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائیں اور انھیں غریق رحمت کریں۔آمین ☆☆☆☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن کے مجلّہ صفدر میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست

۱......عدالتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین......۱۸ر صفحات......شمارہ:۹۶......فروری ۲۰۱۹ء

۲......مقاصد شریعت کی اہمیت اور اس کے حدود وضوابط......۷ر صفحات......شمارہ:۹۷/۹۸......مارچ

۳......سماج میں تصویر کا فروغ اور اسلامی تعلیمات......۵ر صفحات......شمارہ:۱۰۰/۱۰۱......جون ۲۰۱۹ء

۴......تحریف کا مفہوم، اقسام اور روک تھام......۷ر صفحات......شمارہ:۱۰۲/۱۰۳......اگست رستمبر ۲۰۱۹ء

۵......رسول اللہ ﷺ کے اَفعال وسنن کی تشریعی اور اُصولی حیثیت......۱۵ر صفحات......شمارہ:۱۰۴/۱۰۵

۶......دینی غیرت وحمیت، اہمیت اور اس کے تقاضے......۷ر صفحات......شمارہ:۱۰۴/۱۰۵......اکتوبر..

۷......عقیدہ عصمتِ انبیاء......۱۰ر صفحات......شمارہ:۱۰۶......دسمبر ۲۰۱۹ء

۸......ارتداد وزندقہ کی حقیقت اور متعلقہ احکام......۱۴ر صفحات......شمارہ:۱۰۷......جنوری ۲۰۲۰ء

۹......عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت کا دائرہ کار......۱۲ر صفحات......شمارہ:۱۰۹......مارچ ۲۰۲۰ء

۱۰......جمہوریت اور اسلام ایک مطالعہ......۱۸ر صفحات......شمارہ:۱۱۱......مئی ۲۰۲۰ء

۱۱......اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق چند ضروری توضیحات......۹ر صفحات......شمارہ:۱۱۳......جولائی ۲۰۲۰ء

۱۲......یوٹیلیٹی بلز میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ عائد کرنے کا شرعی حکم......۶ر صفحات......شمارہ:۱۱۵، ستمبر ۲۰۲۰ء

رابطہ: حمزہ احسانی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0334-0312-4612774__0307-5687800

مولانا مرغوب احمد لاجپوری

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

یہ سرائے دہر مسافروں بخدا کسی کا مکان نہیں جو مکین اس میں تھے کل کہیں آج ان کا نشان نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم اسلام ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گیا ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا حادثہ ایک ایسا نقصان عظیم ہے کہ جس کی تلافی ممکن نہیں۔ ایسے نازک وافسوسناک موقع پر رنج والم اور فطری تأثر قدرتی چیز ہے، مگر اس راہ سے کس کو مفر؟ **کل نفس ذائقة الموت** کا فیصلہ حتمی ہے، ہم سب ہی کو اس منزل سے گذرنا ہے۔ اس وقت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے وہ اشعار جو انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو ان کے صاحبزادے کی تعزیت میں تحریر فرمائے تھے' نقل کرتا ہوں ۔

اِنِّیْ اُعَـزِّیْکَ لَا اَنِّـیْ عَـلٰی طَـمَـعٍ مِنَ الْـخُـلُـوْدِ وَ لٰـکِـنْ سُـنَّـةَ الـدِّیْـنِ
فَـمَـا الْـمُـعَـزِّیْ بِـبَـاقٍ بَعْدَ صَـاحِـبِـهٖ وَلَا الْـمُـعَـزّٰی وَاِنْ عَـاشَ اِلٰـی حِیْـنِ

میں تعزیت پیش کرتا ہوں' مگر خلود کی لالچ میں نہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ دین اسلام کا طریقہ ہے۔
نہ تعزیت کنندہ باقی رہنے والا ہے اس کے دوست کے بعد، نہ تعزیت کیا جانے والا، اگر چہ دونوں اجل مسمی تک زندہ رہیں۔

مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار صبر ہے۔ اس وقت رہ رہ کر مرحوم کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔ مرحوم نے اپنے پیچھے قیمتی تصانیف، باصلاحیت تلامذہ اور اکیڈمی صدقۂ جاریہ چھوڑیں۔ بندہ نے خود بھی ایصال ثواب کیا اور دوستوں کو بھی تاکید کی۔ اللہ تعالی مرحوم کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے، اور ہم سب کی طرف سے بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائے، اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

علامہ صاحبؒ کے چند اوصاف وکمالات:

حضرت علامہ صاحبؒ بڑی صفات کے مالک تھے۔ علم وسیع، نظر میں گہرائی وگیرائی، مسلم محقق، فرقۂ باطلہ کے رد میں بے مثال مناظر، منجھے ہوئے مصنف ومؤلف، علم متبحر، حاضر جوابی میں یکتا اور فرد فرید، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین کے ساتھ ساتھ عربی فارسی اور اردو اشعار حافظہ میں اس قدر محفوظ اور بروقت اس کے اظہار پر قدرت کو دیکھ کر طبیعت حیران رہ جاتی تھی۔

مثالی سادگی:

ان تمام کمالات کے باوجود زندگی انتہائی سادہ، پرانی اکیڈمی کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں اس قلندر کے شب وروز گزرے، نہ کوئی محل نہ کوٹھی، نہ کوئی زیب وزینت کے سامان، علماء زہاد کا عملی نمونہ ۔

سونے چاندی کے لقمے مبارک تمہیں جَو کی خشک روٹی ہے کافی مجھے

کئی مرتبہ یہ خیال آیا کہ یا اللہ! علم وتحقیق کا یہ بحر ذخار اور اس کی یہ درویشانہ زندگی؟ اہل علم کے لئے اس میں بڑا سبق ہے، آج ہم میں سے علماء کہلائے جانے والے ایک گروہ نے بھی تن پروری اور راحت وآرام کی خاطر بڑے بڑے محلات اور کوٹھیاں بنا رکھی ہیں، اور ہماری یہ زندگی عوام کے لئے علم اور علماء سے نفرت اور دوری کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اور اسی تن پروری اور عیاشی نے ہمیں حق بات کہنے سے روک دیا ہے، اور ہم اہل دنیا سے مرعوب ہوگئے ہیں۔ اگر آج بھی ہم میں قناعت اور سادگی ہو اور بقدر کفاف رزق پر گذارہ کی عادت ہو تو اہل مال کی مجال نہیں کہ ہمیں مرعوب کرسکیں۔

علامہ صاحب کی مجالس میں شرکت کی سعادت

الحمد للہ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی کئی مجالس میں شرکت اور ان کے علمی فیوض سے استفادے کی سعادت نصیب ہوئی اور ہر ملاقات پر ان کی عظمت وقدر میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ بڑے ملنسار، تواضع اور انکساری کی صفت بھی لئے ہوئے، مجھ جیسے طالب علم کے ساتھ بھی ملاقات ومصافحہ میں مکمل سنت کا اتباع قابل رشک ہوتا تھا۔

راقم نے ایک مرتبہ اپنا رسالہ ''حدیث اور سنت کا فرق'' دکھلایا اور تقریظ کی درخواست کی، پورا رسالہ پڑھا، اور بڑے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے، اور تقریظ کا بھی وعدہ فرمایا، مگر ضعف ومشاغل کی وجہ سے تحریر نہ کرسکے، مگر پوری تائید فرمائی کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے، اور اس فرق کو نہ ماننا درست نہیں۔

مکہ کے لوگ اَن پڑھ مگر دانا تھے

''**ھو الذی بعث فی الامّیین رسولا الخ**'' پر بیان کرتے ہوئے فرمایا: عرب کا علاقہ خاص طور پر مکہ کے لوگ ان پڑھ تھے، مگر اتنے دانا تھے کہ ستاروں کی گردش پر موسم بتادیتے تھے کہ اب کیسا موسم ہوگا، ستاروں میں تاثیر کا عقیدہ نہ ہو، انہیں صرف علامت سمجھا جائے تو یہ کفر کی بات نہیں، ایک بدو عرب نکلتا ہے اور کہتا ہے کہ موسم سرما کب ختم ہوتا ہے، جب چاند اپنی تیسری رات ثریا ستاروں سے آملے۔

اذا ما قارن القمر ثریا لثالثة فقد ذھب الشتاء

کسی مجلس میں دنیوی تذکرے یاد نہیں پڑتے، ہمیشہ علمی گفتگو، کوئی علمی سوال، پھر اس پر تفصیلی بحث وگفتگو یا مختصر کلام ہوتا تھا۔ علماء اہل سنت دیوبند کے حالات کے حافظ اور بروقت اکابر کے کسی ملفوظ یا قصہ سے استدلال کا نرالا انداز رکھتے تھے۔ بکثرت یاد پڑتا ہے کہ ابتداء ہی میں کوئی سوال پوچھ لیتے، پھر تھوڑی دیر جواب کے منتظر رہتے، ہم جیسے طالب علموں

کی کیا ہمت ہوتی کہ لب کشائی کریں، تو خود ہی جواب دیتے، اور اس قدر مدلل کہ تشفی ہو جاتی۔ طرز تفہیم بھی انوکھا اور سادہ کہ اہل علم تو خیر عوام بھی سمجھنے میں دشواری محسوس نہ کرتے۔

ایک مرتبہ سوال کیا کہ: اس صدی کا مجدد کون ہے؟ ہم خاموش رہے تو خود ہی ایک تفصیلی تقریر فرمائی۔ اس ضمن میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ کا بڑے وقیع انداز میں تذکرہ فرمایا، اور ان کی خدمات کو اس طرح اجاگر کیا کہ ایسا لگتا ہے کہ آپ ان کو بھی مجدد مان رہے ہیں۔

کسر نفسی کا یہ عالم کہ ایک سے زائد مرتبہ آپ کے حالات کے متعلق سوال کیا، مثلاً حضرت! آپ کی فراغت کب ہوئی؟ آپ کے اساتذہ کون ہیں وغیرہ؟ مگر ہمیشہ جواب سے احتراز، بلکہ نکیر کی کہ اس سے کیا کام؟ اس سے کیا فائدہ؟ کوئی کام کی بات کرو۔

ان جذبوں کی وجہ سے میری بھی نماز قبول ہو جائے

ایک دفعہ آپ افریقہ تشریف لے گئے تو مالکی مسلک کی مسجد میں جانا ہوا، نماز کا وقت تھا، دیکھا کہ اکثر عوام کے گھٹنے کھلے ہوئے، چونکہ مالکیہ کے یہاں گھٹنے ستر میں داخل نہیں، تو شروع میں آپ نے خیال کیا کہ میں ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوں گا، پھر خیال آیا کہ اللہ تعالی ان کے دلوں کے جذبوں کو تو جانتا ہے، یہ فوج در فوج نماز میں آرہے ہیں، اور ان کو مسائل کا کوئی علم بھی نہیں، اللہ ان کے ان جذبوں کی وجہ سے ان کی نماز قبول کریں گے تو میری نماز بھی قبول ہو جائے گی۔ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس خیال سے میں ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا۔

علامہ صاحب کی تصانیف

حضرت علامہ صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کرے تو پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ اس آدمی نے اکیلے یہ صفحات ہی نہیں دفاتر کے دفاتر کیسے لکھے؟ قرآن واحادیث اور علماء سلف کے حوالوں سے اوراق کے اوراق پُر، ٹھوس اور علمی دلائل، تمام شبہات کا ازالہ، ہر اشکال کا حل، مختلف اعتراض کا مدلل وشافی جواب۔ جن موضوعات پر قلم اٹھایا حق ادا کر دیا، اللہ کرے علامہ کی تصانیف عام ہو جائیں اور اہل علم ان سے استفادہ کریں، بہت کچھ اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔

حاضر جوابی اور چند واقعات

معترض اور ضدی آپ کی خدمت میں بڑے اعتراضات لے کر آتے اور چند لمحوں میں شرمندہ ہو کر واپس ہو جاتے، اور مخلص سائل اپنی علمی پیاس لے کر آتے اور جواب سے مستفید ہو کر بامراد جاتے۔

ایک اسی طرح کا معترض آیا اور کہنے لگا کہ: ''بخاری'' میں یہ حدیث ہے، مطلب یہ تھا یہ حدیث تمہارے مسلک کے خلاف ہے، حضرت نے فرمایا: بخاری کیا ہے؟ بخاری کوئی کتاب نہیں، تجھے بخاری کا نام معلوم ہے؟ وہ بیچارہ کیا کہتا، شرمندہ ہو کر چلا گیا، دوبارہ حاضر ہوا اور کہنے لگا: الجامع الصحیح'' ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا، کہ حضرت نے سوال قائم

فرمادیا: بتاؤ: جامع اور صحیح کسے کہتے ہیں؟ بس ''فبھت الذی ...'' کا سماں تھا۔

اس واقعہ کے ساتھ سنایا کہ: ہمارے مدارس میں ہر سال ختم بخاری کے موقع پر ''بخاری شریف'' کے بڑے فضائل بیان کئے جاتے ہیں، مگر اس بات کی صراحت نہیں کی جاتی کہ ''بخاری'' کے علاوہ بھی بکثرت احادیث صحیح ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیوی علوم کے طلبہ کالج اور یونیورسٹی میں جا کر بہت آسانی سے بہک جاتے ہیں، اس لئے کہ ایک فرقہ ان کو ''بخاری'' کی حدیث بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارا عمل اس کے خلاف ہے، وہ بیچارہ اپنے مدرسہ کے شیخ الحدیث صاحب سے ''بخاری'' کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوتا ہے۔ اور اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کوتاہی پر نہ جانے کتنے نوجوان اپنے مسلک سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرکز اسلام مدینہ منورہ چھوڑنے کی وجہ

ایک دفعہ آپ بحرین تشریف لے گئے، ایک طالب علم جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت نہیں تھی، اس نے کہا: پہلا شخص جس نے مرکز اسلام بدلا ہے وہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے جواباً فرمایا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو حالات کیسے تھے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تھے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ اب آپس میں اختلاف ہوگا، اور لڑائیاں ہوں گی، اور مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ہے، یہ ادب کا مقام ہے، اس کا احترام ضروری ہے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ چھوڑا۔ اب بتاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا غلط کیا، یا بہتر قدم اٹھایا؟ (دیکھئے: ۵۰۸/۲ [ادارہ])

حرام مال پر زکوۃ واجب ہے اور کتنی؟

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ چوری کے مال یا مشتبہ مال پر یا ڈاکہ کے مال پر زکوۃ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس پر زکوۃ واجب ہے۔ سائل نے پوچھا کتنی زکوۃ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: حلال مال میں ڈھائی فیصد اور حرام مال میں سو فی صد۔

دعوتی کارڈ اور علامہ مرحوم کی نرالی نصیحت

ایک مرتبہ آپ نے شادی کا دعوت نامہ دیکھا جو بڑا خوبصورت تھا، تو ایک صاحب کو دیا اور کہا دیکھو کیسا ہے؟ اس نے کہا: واہ کمال کا ہے، آپ نے کہا اچھا مجھے پان کی ضرورت ہے اس کارڈ کو لے جاؤ اور پان لے آؤ، اس نے کہا واقعی کارڈ تو بہت عمدہ ہے، مگر اس سے کم قیمت کا ایک پان بھی نہیں آئے گا، پان تو اس نوٹ کا آئے گا جس پر سرکاری مہر ہو۔ تو آپ نے فرمایا: سنت سرکاری نوٹ ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہے، اس کے علاوہ جتنی نئی نئی ایجادات ہیں ان کی حیثیت ایک خوبصورت کارڈ کی تو ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔

قرآن شریف میں کہاں ہے کہ سود نہ لو

ایک شخص نے سوال کیا کہ قرآن شریف میں کہاں ہے کہ سود نہ لو؟ تو آپ نے فرمایا کہ: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ولا تأکلوا الربوا.** قرآن نے یہ تونہیں کہا کہ سود نہ لو، بلکہ یہ کہا کہ سود نہ کھاؤ، اس لئے کہ جو چیز لی جاتی ہے اس کا کوئی نشان پھر بھی باقی رہ جاتا ہے، اور جو چیز کھائی جاتی ہے اس کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالی نے سود لینے والے کے لئے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ جولوگ سود کھانے والے ہیں، ان کی ساری جا گیریں بےنشان ہو جائیں گی۔

نو(۹) کے عدد سے نہ ٹکراؤ

الیوم اکملت لکم دینکم. یہ آیت نازل ہوئی: ۹؍ذی الحجہ کو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت: ۹؍ربیع الاول کو ہوئی، تو ہمارا آغاز بھی: ۹؍سے ہے، اور ہماری انتہا بھی: ۹؍پر، اس لئے: ۹؍سے نہ ٹکرانا جو: ۹؍سے ٹکرائے گا وہ ختم ہوگا اور: ۹؍باقی رہے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ: ۹؍کو دو سے ضرب دو (یعنی: ۹؍کو: ۲؍سے ٹکراؤ) تو: ۱۸؍ہوگا، ۱۸؍کس طرح لکھا جائے گا، ایک اور آٹھ، اور: ۱؍اور: ۸ کا ٹوٹل کیا ہوا، ۹؍تو ۹؍پھر آ گیا۔

۹؍کو: ۳؍سے ضرب دو تو ہوگا: ۲۷؍ستائیس کیسے لکھیں گے، دو اور سات، ۲؍اور ۷؍کتنے ہوئے: ۹؍تو نو پھر آ گیا۔

۹؍کو: ۴؍سے ضرب دو تو ہوگا: ۳۶؍چھتیس کیسے لکھیں گے؟ تین اور چھ، ۳؍اور ۶ کتنے ہوئے: ۹؍تو نو پھر آ گیا۔

۹؍کو: ۵؍سے ضرب دو تو ہوگا: ۴۵؍پینتالیس کیسے لکھیں گے، چار اور پانچ، ۵؍اور ۴؍کتنے ہوئے: ۹؍تو نو پھر آ گیا۔

علم حساب کی زبان میں مخالفت کو کہتے ہیں ضرب، اور پیار کو کہتے ہیں جمع، نو کے ساتھ جو جمع ہوا وہ باقی رہا۔ مثلاً:

۹؍اور: ۴؍تیرہ ہوئے، اس کا ٹوٹل ہوا: ۱۳؍تو تین اور ایک ہو گئے چار۔ اسی طرح: ۹؍اور ۵؍ہو گئے: ۱۴؍، اس کا ٹوٹل ہوا: ۱۴؍تو ایک اور چار ہو گئے چودہ۔

اشعار کے چند نمونے

حضرت علامہ صاحب کو اشعار بھی خوب یاد تھے اور اس کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے، درمیان کلام بر وقت شعر پڑھ کر اپنی بات کو باغ و بہار بنا دیتے تھے۔ اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں، دجل کی حقیقت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

دجل کہتے ہیں حق اور باطل کو ملا کر چلنا، جھوٹ اور سچ کو اِس طرح بیان کرنا کہ دوسرے کو پتہ ہی نہ چلے کہ حق کیا ہے ؎

کس کا یقین کیجئے کس کا نہ کیجئے ۔۔۔ لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

ایک مرتبہ فرمایا: اتنی ہماری زندگی قیام میں نہیں گذری جتنی سفر میں گذری ؎

منزلوں کی بات چھوڑ کس نے پاس منزلیں کیں ۔۔۔ یا سفر اچھا لگا یا ہم سفر اچھا لگا

کسی فارسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

صوفی نشود صافی چوں درنہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ہر صوفی صافی نہیں بنتا جب تک پیالے کی تہہ تک نہ پی جائے، کسی خام کو پختہ ہونے تک بڑا لمبا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔)

ایک گفتگو کے دوران فرمایا کہ: یورپ کی تہذیب آخر دم توڑ جائے گی۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائدار ہوگا

ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

غیرت کی جا ہے عیسی زندہ ہو آسماں پر
مدفون ہو زمین پہ شاہ جہاں ہمارا

یعنی حضرت عیسی علیہ السلام تو آسمان پر زندہ ہوں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمین میں مدفون ہوں۔ اس پر بر جستہ فرمایا۔

عزت کی جا ہے عیسی اس سرزمین پر اتریں
مدفون ہے جہاں پہ شاہ جہاں ہمارا

عظمت صحابہ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ ہم نے اپنی بساط کے مطابق عظمت اصحاب رسول کے گرد پہرے دیئے ہیں۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وساز رومی کبھی پیچ وتاب رازی

صدر ایوب کے دور میں چونڈہ ضلع سیالکوٹ کے شہیدوں نے جو قربانیاں دیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

سیالکوٹ کے شہداء تمہارے خون کی قسم — جلائی تم نے حیات دوام کی قندیل
تمہارے جذبہ ایمان نے کر دیا ثابت — کہ اس دیار میں باقی ابھی ہیں اسماعیل
تمہارے عزم نے پندار کفر توڑ دیا — بنا کے ٹینکوں کے سامنے چھاتیوں کی فصیل

اہل حق اور اہل باطل کی جماعتوں کے بارے میں فرمایا کہ: ایک جماعت ہے جس کو تمام ظلمتوں سے ٹکر لینے کی

توفیق ملی، اور دوسری جماعت کا رخ غلط ہے یا صحیح؟ لیکن سب ایک طرف لگے ہوئے ہیں، ہم نے ان کی تاریخوں کو دیکھا، اور سب کو ایک طرف رخ کئے ہوئے پایا۔

میں غور سے پڑھتا جاتا تھا تقدیر اجارہ داروں کی
پہلو سے گذرتی جاتی تھیں مغرور قطاریں کاروں کی

ایک مجلس میں فرمایا: مذہب کی تعلیم لڑانا نہیں، بٹے ہوئے انسانوں کو پھر سے جمع کرنا ہے۔

نشہ پلا کر گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ایک گروہ کے علماء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: ان کو چاہئے کہ جب تمہاری تحریک فیل ہوگئی تو آخرت کو ہی سنوار لیں۔

حیرت ہے اس مسافر بے بس کے حال پر
جو تھک کر رہ گیا ہو منزل کے سامنے

آج مسلمان ممالک غیروں سے قرضے لے رہے ہیں اور خوش ہیں، اس پر فرمایا۔

مچھلی نے ڈھیل پائی، لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

حکمرانوں کے بلند و بالا نامناسب بلکہ جھوٹے نعروں پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

حکمران آتے رہے جاتے رہے
ہم فریب راہنما کھاتے رہے

بعضوں کی زندگی کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے کیا خوب شعر پڑھا۔

کیا کہیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

ترکوں کے خلاف بغاوت شریف مکہ سے کرائی، اور شریف مکہ کا خاندان ہاشمی تھا، جو بڑا اونچا خاندان ہے، اس پر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں ڈاکٹر اقبال پر کہ انہوں نے عجیب بات کہی۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک وخون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

ایک موقعہ پر بزرگوں کی قربانیوں کو بیان کرتے ہوئے کتنا معنی خیز شعر پڑھا۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

علماء اہل سنت دیوبند کی تاریخ یہ رہی ہے کہ جب ضرورت پڑی سب سے پہلے قربانی انہوں نے ہی دی ہے۔

چمن کو جب بھی خون کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے گردن ہماری کٹی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بدوی کے اشعار

اخیر میں اس بدوی کے دوشعروں پر عریضہ ختم کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سنائے تھے، ممکن ہے کہ یہ اشعار سامان تسلی بنیں۔

اِصْبِرْ نَكُنْ بِکَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ
خَيْرٌ مِنَ العَبَّاسِ اَجْرُکَ بَعْدَهُ وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْکَ لِلْعَبَّاسِ

آپ صبر کیجئے تو ہم بھی آپ کی اتباع میں صبر کریں گے، کیونکہ رعایا اسی وقت صبر کرتی ہے جب بادشاہ صبر سے کام لے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد آپ کا اجر زیادہ باعث خیر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں آپ کے لئے اللہ زیادہ بہتر ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے جس سادگی سے زندگی گذاری اسی سادگی سے موت کا سفر بھی فرمایا، کرونا کی وباء اور کرفیو کا سماں، اس حالت میں چل بسے کہ نہ جنازہ میں شرکت کا موقعہ ملا نہ تعزیت کے لئے جانا ممکن ہوسکا۔

جنازہ میں شریک ہونے والوں کی کم تعداد کے چند تاریخی واقعات

کرونا وباء کی وجہ سے علامہ کے جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بھی کم تھی، اس پر مجھے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازہ کا منظر یاد آ گیا، خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد آپ کی نماز جنازہ صرف: ۱۷ افراد نے پڑھی ہے۔[سیر الصحابہ:۱/۲۲۱]

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں ایک مختصر سی جماعت شریک تھی، اس لئے کہ آپ کا حادثۂ وفات مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر زبدہ کے مقام پر ہوا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق ایک قافلہ نے ان کی تدفین وتکفین کا انتظام کیا۔[ایضا:۲/۷۵، ح:۳۰]

حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی ایسا ہی ہوا کہ دو ہم سفر رفقاء نے ان کی نماز ادا کی۔

بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو یہاں کا حاکم بنایا تھا، چند دنوں کے بعد

انہیں معزول کر کے حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ مقرر کیا، اور ان کو تحریر فرمایا کہ: آپ فوراً بحرین چھوڑ کر بصرہ کا انتظام سنبھالو، اس حکم پر حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوگئے، لیکن فرمان خلافت کے ساتھ ہی پیام اجل بھی پہنچ گیا، اور راستہ میں مقام ''لیاس'' میں انتقال فرماگئے۔ یہ مقام آبادی سے دور اور بے آب وگیاہ تھا، پانی کی بڑی قلت تھی، حسن اتفاق سے بارش ہوئی، تو ساتھیوں نے بارش کے پانی سے غسل کا انتظام کیا، اور تلوار سے گڑھا کھود کر قبر تیار کی۔ اس طرح بحرین وبصرہ کے حاکم اس بے سروسامانی کے ساتھ ایک بے آب وگیاہ میدان میں سپرد خاک کئے گئے۔ [سیر الصحابہ: ۱۷۵/۴، حصہ: ۷]

حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کی قید میں گرفتار تھے کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اور آپ کسی طرح قید سے رہا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے مگر معاہدہ کی بناء پر واپس کئے گئے، پھر راستہ میں جو واقعہ پیش آیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے، بالآخر مدینہ منورہ سے دور ایک ساحلی مقام پر قیام کیا، اور رفتہ رفتہ یہ جگہ مظلوم مسلمان جماعت کی پناہ گاہ بن گئی، کچھ عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آزاد گروہ کے بارے میں پیغام بھیجا کہ حضرت ابوجندل اور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آجائیں اور دوسرے حضرات اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں، یہ گرامی نامہ ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے، خط مبارک ہاتھ میں لے کر پڑھتے پڑھتے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپرد خاک کیا۔ اس ویرانہ میں نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی۔ [سیر الصحابہ: ۲۵۹/۴، حصہ ۷]

اور تو اور حضرات شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم پر نماز جنازہ پڑھنے والے کیا ہزاروں تھے؟

ان کے علاوہ سینکڑوں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غزوات کے سفر میں شہید ہوئے، وہاں کوئی بڑی تعداد نماز جنازہ میں شریک نہیں تھی۔

اسی طرح صلحاء اور اولیاء کے نہ جانے کتنے بزرگ اور علماء حج وعمرہ اور حصول علم کے مبارک سفر میں وفات پا گئے، ان کی نماز میں شریک ہونے والے بھی تھوڑے سے ہی افراد تھے۔

تاریخ میں ایسے کئی بزرگوں کے حالات مذکور ہیں جو بحری جہاز میں انتقال فرماگئے، ان کی نماز بھی چند حضرات نے پڑھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو اپنے پاس بلانے کے لئے مہینہ بھی رمضان کا منتخب فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کی موت رمضان المبارک میں ہو وہ جنت میں داخل ہوگا، جس کی موت عرفہ کے دن ہوجائے وہ جنت میں داخل ہوگا، جس کی موت صدقہ کے موقعہ پر (یعنی صدقہ خیرات کے بعد ہو) وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' [ابونعیم شرح الصدور: ۳۱۴۔ شمائل کبری: ۲۴۶/۱۰، مطبوعہ: زمزم پبلیشرز، کراچی]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ماہ رمضان میں مرنے والوں سے عذاب قبر اٹھالیا جاتا ہے۔'' [شرح:۲۰۷۔شمائل کبری:۴۶۱/۱۰]

عمر کی یہ سعی مسلسل کارگر ہوتی گئی زندگی لحظہ بلحظہ مختصر ہوتی گئی
سانس کے پردے پر یوں بجتا رہا ساز حیات موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری، ۴ رشوال المکرّم ۱۴۴۱ھ مطابق: ۲۷ رمئی، بروز بدھ

☆......☆......☆......☆

خالد محمود، اوکاڑہ

علامہ صاحب سے فون پر بات

ہمارے علاقہ میں شیعہ سنی اختلاف عروج پر تھا، آئے دن مناظرے مجادلے برپا ہوا کرتے تھے، اہل تشیع حضرات کی طرف سے مختلف نوعیت کے سوالات کا جواب ہمارے لیے ضروری تھا، تو ایک دوست نے علامہ صاحب کی کتاب ''عبقات'' مطالعہ کے لیے دی، بطور ایک طالب علم میرے لیے یہ ذریعۂ ہدایت بنی اور بہت سے اختلاف اس سے رفع ہوئے، پھر آپ کی کتاب خلفاء راشدین کا مطالعہ کیا جس نے علم کی بہت راہیں میرے لیے ہموار کیں، اسی اثنا میں علامہ صاحب سے ملاقات کا اشتیاق بڑھا، ایک دوست سے آپ کا موبائل نمبر حاصل کیا، کئی دن اس کشمکش میں رہا کہ بات ہوگی یا نہیں؟ بہرحال فون کیا تو علامہ صاحب نے پہلی ہی کال موصول کی، میں نے سلام کیا اور پوچھا آپ علامہ خالد محمود بات کر رہے ہیں؟ تو آپ نے کہا: جی ہاں! میں بہت خوش ہوا اور حیران بھی، میں نے بتایا کہ میرا نام بھی خالد محمود ہے، تو آپ نے مسکرا کر جواب دیا، جی! بتائیں کس سلسلے میں کال کی آپ نے؟ میں نے بتایا کے آپ ''تعلیمات اہل بیت'' کے نام سے ایک کتاب لکھیں جس میں حقیقی تعلیمات اہل بیت ہوں تا کہ فرقہ باطلہ کے غلط پروپیگنڈہ سے بچا جا سکے، تو آپ نے فرمایا کے میں اب بھی ایک کتاب لکھ رہا ہوں، علماء کرام ہر موضوع پر کام کر رہے ہیں، آج سے پچاس سال پہلے میں نے اس طرز کی ایک کتاب پڑھی تھی۔ آپ علمائے حق سے رابطہ میں رہو۔ یہ تین چار منٹ کی بات میرے لیے قابل اعزاز ہے۔ اللہ رب العزت علامہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائیں اور ان کے علم کا فیض تا قیامت جاری وساری فرمائیں۔ آمین

والسلام: خالد محمود اوکاڑہ پاکستان، 03074632149

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ محمد صفدر

ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ

کسی بھی عنوان پر پہلی طبع آزمائی ہے، بالخصوص اس نوعیت کی تحریر سے واقفیت نہیں، لڑکپن اور لاابالی پن کے ساتھ ساتھ اس وقت کی دل چسپیوں اور اب کی یادداشت پہ بہت افسوس ہوتا ہے، تاہم جن باتوں کی بھی اس موضوع سے کچھ مناسبت بنتی ہے اسے تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن انتظامیہ اور قارئین سے دست بستہ درخواست ہے کہ میرے بیان کردہ کسی واقعہ میں کوئی چیز خلافِ حقیقت پائیں، یا میرے اخذ کردہ کسی نتیجہ کو غلط سمجھیں تو پوری آزادی کے ساتھ اس میں ترمیم کر کے درست کر دیں۔ کسی بھی بات اور واقعہ کی دوسری سند سن، پڑھ کر مجھے زیادہ خوشی ہوگی، نیز اپنی کج فہمی اور سوئے استعداد سے علامہ صاحب جیسی شخصیت کی طرف میری طرف سے کسی عیب، خامی یا غلط فہمی کی نسبت خود میرے لیے بھی تکلیف اور عار کا باعث ہوگی۔ اپنے مشاہدات اور یادیں لکھنا اس لیے ضروری جانا کہ شاید کسی طالب، محبّ اور شائق کی رہنمائی، فائدہ اور دلچسپی خاص اسی بات میں زیادہ ہو جس کی گواہی میرے نصیب میں ہو۔

پاکستان میں علامہ صاحبؒ کے باشعور، بے لوث خدمت گزاروں اور عقیدت مندوں میں اپنی دانست کے مطابق میں محترم قاری محمد اشرف مدظلہ (امام وخطیب مسجد خالد بن ولید ہال، اولڈ کیمپس پنجاب یونیورسٹی، لاہور) سے زیادہ مستند اور شرفِ صحبت پانے والا کسی کو نہیں سمجھتا۔

علامہ صاحب سے میرے تعارف کی واحد وجہ مولانا قاری محمد اشرف صاحب ہی ہیں اور جس قدر حضرت قاری صاحب سے مجھے بے تکلفی اور قرب نصیب ہوا اس کی روشنی میں یاد تو نہیں، لیکن یقیناً پہلی بار حکماً علامہ صاحب کی رہائش گاہ پر پیدل ساتھ لے کر گئے ہوں گے، جیسا کہ آئندہ تحریر میں واضح ہو جائے گا کہ الحمدللہ کافی وقت علامہ صاحبؒ کے پاس گزارنے اور خوش نصیبی سے کچھ خدمت کرنے کا موقع ملتا رہا، لہٰذا اب پہلی ملاقات کی تاریخ، کیفیت اور جذبات یاد نہیں۔ تاہم غالب امید ہے کہ پہلی حاضری عشاء کے فوراً بعد موسمِ سرما ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء میں نصیب ہوئی، کیونکہ علامہ صاحب معمول کے مطابق سردیوں میں ہی پاکستان تشریف لایا کرتے تھے۔

اپنی طبیعت میں بے تکلفی، بے باکی بلکہ ایک گونہ گستاخی کی وجہ سے اس زمانے میں علامہ صاحب کی ملاقات اور صحبت سے زیادہ دلچسپ میرے لیے حضرت قاری صاحب کے ہمراہ لاء کالج ہاسٹل سے علامہ صاحب کی رہائش گاہ سنت نگر تک بارہ، پندرہ منٹ کا پیدل سفر اور مذہبی وسیاسی گفتگو اور سوالات ہی ہوتے تھے، کیونکہ ہم جس وقت علامہ صاحب کے ہاں پہنچتے تھے وہ وقت علامہ صاحب کے لیٹنے اور شاید تسبیحات وغیرہ کرنے کا ہوتا تھا اور جہاں تک میرا خیال اور تجربہ ومشاہدہ رہا ہے اپنے مناظرانہ

طرزِ فکر اور علمی مقام و مرتبہ کے ساتھ ساتھ مغربی ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے علامہ صاحب کسی بھی طرح اپنی زبان کے زبردست محافظ تھے۔

قاری محمد اشرف صاحب جو استاذ اور مربی سے کہیں زیادہ میرے نہایت بے تکلف دوست ہیں، علامہ صاحب کے نہایت مزاج شناس اور حد درجہ ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور خالصتاً علامہ صاحب کی جسمانی خدمت اور دبانے کے لیے باقاعدہ تشریف لیجاتے تھے۔ اس لیے ان کی موجودگی میں اور جبکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت (بعد از عشاء) علامہ صاحب زبان و دماغ کی مکمل راحت کے طالب ہوتے ہیں گفتگو یا استفادہ کے بجائے ان کی راحت اور آرام ہی کو ترجیح دیتا اور جسم دابنے کی ہی سعادت حاصل کرتا اور اکثر میرے اور قاری صاحب کے دبانے کے دوران میں ہی علامہ صاحب کی آنکھ لگ جاتی تھی، ایک احساس ابھی یہ بات لکھتے ہوئے بھی تازہ ہے کہ میں علامہ صاحب کا دایاں ہاتھ اور بالخصوص انگلیاں اور انگلیوں کے پورے زیادہ دلچسپی سے دباتا کہ ان پوروں سے اسلام کی اشاعت، حفاظت اور اظہارِ حقانیت کا خوب کام لیا جا رہا ہے، جو بقیہ خدمت سے کچھ اعلیٰ محسوس ہوتا تھا۔

علامہ صاحب کی صحت اس زمانے میں اور اس کے کچھ عرصہ بعد بھی (یعنی وفات سے تین چار سال قبل تک) ٹھیک رہی اور کھانے پینے میں کوئی مستقل اور جبری پرہیز نہیں تھا، اس لیے ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۷ء کے دورانیے میں جب ہم معمول کے مطابق رات عشاء کے بعد جاتے تو بارہا قاری صاحب راستے سے سپیشل گرم جلیبی باریک بنوا کر لیجاتے جو علامہ صاحب شوق سے تناول فرماتے۔ اسی طرح اگر کسی پروگرام کے منتظمین علامہ صاحبؒ سے کسی خصوصی ڈش کا مطالبہ کرتے تو حضرت یہی فرماتے کہ جو آپ کے لیے آسان ہو، مزید اصرار پر ایک بار گوشت اور مچھلی کی رغبت بتائی۔

بہر حال قاری صاحب اپنے مشفقانہ جبر سے بھی مجھے علامہ صاحب کا خادم بنانا چاہتے تھے اور اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ اگر علامہ صاحب کوئی حکم فرمائیں گے تو میں انکار نہیں کر سکوں گا، اس لیے پہلی ہی ملاقات میں تعارف کے بعد علامہ صاحب نے میرے متعلق پوچھا کہ حافظ صاحب کو اردو آتی ہے؟ قاری صاحب نے بتایا کہ جی اردو ہی نہیں انگلش بھی آتی ہے۔ علامہ صاحب نے دوبارہ پوری تسلی سے فرمایا نہیں میرا سوال ہے کہ ان کو اردو آتی ہے؟ دوبارہ ہم نے جواب دیا جی آتی ہے۔ اگلی بات پوری طرح یاد نہیں امکان ہے کہ ایجاب قبول قاری صاحب نے ہی فرمایا ہوگا (کیونکہ میں ناواقف بھی تھا اور کوئی ذمہ داری لینے کی عادت بھی نہیں تھی)۔ علامہ صاحب نے مجھے کچھ اوراق پروف ریڈنگ کے لیے عطا فرمائے۔ مزاج تو خیر اب بھی زیادہ تبدیل نہیں ہوسکا کہ کہا جائے لکھنے پڑھنے سے مجھے بڑی دلچسپی ہے، لیکن تب میں نے اور قاری صاحب نے مل کر اس گھاٹی کو پار کرنے کا عزم فرمایا ہوگا اور ہاسٹل پہنچ کر ان کے عذر ہائے بے شمار۔ لہذا وہ سارا کام یا اس کا غالب حصہ مجھے ہی کرنا پڑا۔ علامہ صاحبؒ نے تسلی سے مجھے پروف ریڈنگ سمجھائی، پورے اہتمام سے اس کام کے لیے ربڑ پنسل اور ایک الگ صفحہ عنایت فرمایا، کاغذ پر یوں نشان لگا کر درستی کرنی ہے اور جس صفحے پر غلطی ہو، اس کا نمبر لکھ کر غلطی اور درستی کی الگ صفحے پر فہرست بھی بنانا تھی، یہ کام الحمدللہ ہر لحاظ سے

اُن کے حسبِ منشا تھا، مزید یہ کہ میں نے قرآنی آیات کی تحریر میں بھی کچھ نشاندہی کر دی، جس کا حضرتؒ کے لیے یقین کرنا مشکل ہو گیا، قرآن منگوایا اور خوب داد دی اور آئندہ بھی کبھی کبھی کسی آیت کی تکمیل یا پارہ وغیرہ تک پہنچنے کے لیے پوچھ لیتے تھے۔ پروف ریڈنگ کے صفحات کی حفاظت کے لیے خوب تاکید فرماتے، ایک بار کچھ کاغذات دیے اور قاری صاحب نے بتایا کہ ہم نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی طرف سے بلائے گئے احتجاج میں شرکت کرنا ہے، کام کی جلدی بھی تھی، اس لیے علامہ صاحبؒ نے ان کاغذات کو سرخ رنگ کے بڑے سائز کے رومال میں خوب لپیٹا، باندھا اور پھر اپنے ہاتھوں سے شاپر وغیرہ چڑھا کر دیا کہ خوب خیال رکھنا، ہم نے عرض کیا حضرت ہم پہلے ہاسٹل جا کر ان کاغذات کو رکھیں گے پھر ہی احتجاج میں جائیں گے، تب کچھ تسلی ہوئی۔ ایک بار پروف ریڈنگ کے لیے کام میرے پاس تھا اور چند دن بعد کا کوئی وقت واپسی کے لیے طے تھا، ہم اپنی ترتیب سے چلت پھرت میں مصروف ہاسٹل سے باہر چلے گئے اور علامہ صاحبؒ کسی شخص کے ہمراہ تفتیش کے لیے ہاسٹل پہنچ گئے، پڑتال کی، لیکن موبائل ہی نہ ہو تو کیسی پکڑائی!؟ قاری صاحب سے شکایت کر کے واپس تشریف لے گئے۔ بعد ازاں حضرت کی راحت اور اپنی آسانی کی خاطر زیادہ وقت حضرتؒ ہی کی رہائش پر پروف ریڈنگ کیا کرتا تھا اور یوں ہفتہ اتوار یا کسی دوسری چھٹی میں دن کا اکثر حصہ حضرتؒ کے پاس ہی گزرتا۔ میری یہ تمام تر خدمات چونکہ کسی اعزازیے اور معاوضہ کے بغیر تھیں، اس لیے میری ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی تھی، نیز اگر کسی وقت حاضرین میں کچھ (پھل وغیرہ) تقسیم کرنے کی نوبت پیش آتی تو میرا حصہ دوسروں سے زیادہ رکھا جاتا، نیز حاضرین میں اکثر اوقات سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے چھوٹی موٹی خدمت بھی میرے حصے میں آتی۔ بالخصوص جب پروف کا کام مکمل ہوا تو حضرتؒ کھڑے ہوئے، گلے لگایا، بہت دیر تک میرے سر پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے رہے اور خوب دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

علامہ صاحبؒ کب اور کن وجوہات کی بنا پر برطانیہ تشریف لے گئے تھے؟ سیالکوٹ سے کب لاہور آئے؟ اور کہاں کہاں ان کی رہائش رہی؟ یہ سب کوئی واقفانِ حال تحریر کر دے تو یقیناً اس میں سیکھنے، ماحول اور زمانے کے حالات وحقائق کو جاننے کا بہت مواد ہوگا۔ میرے پیشِ نظر اس وقت یہ ہے کہ اس مردِ قلندر کی سنت نگر لاہور کی رہائش گاہ کا منظر قارئین کے سامنے آ جائے۔ آمنے سامنے دو دو کمروں، ایک سٹور اور ایک بیت الخلاء پر مشتمل دس بارہ فٹ چوڑے صحن کا پرانی طرز بلکہ شاید تقسیمِ پاکستان سے قبل کا تعمیر شدہ دو منزلہ مکان (جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ علامہؒ کی ملکیت میں ہوگا اور باقی لوگ کرایہ دار ہوں گے)، جس کی بالائی منزل پر کسی فیملی کی رہائش تھی، جو حضرت علامہؒ کے دُور پار کے رشتہ دار سمجھے جاتے تھے اور یہاں قیام کے دوران اسی گھر سے حضرتؒ کے لیے معمول کا کھانا آتا تھا، (حضرت کا پس خوردہ یا برکت کے لیے آغاز میں ہی ایک دو لقمے تو درجنوں مرتبہ نصیب ہوئے، علامہ صاحب کے حکم پر پروف ریڈنگ کی وجہ سے کبھی زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے میرا کھانا بھی وہاں سے آ جاتا)، کھانے میں کسی طرح کا پرہیز نہیں تھا، دو سادہ چپاتیاں اور ان چپاتیوں کے لیے مناسب سے قدرے کم سالن حضرتؒ کے ایک وقت کا کھانا تھا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس سے زائد کسی چائے پانی کے حضرتؒ عادی نہ تھے، البتہ ناشتے میں

چائے بھی ہوتی تھی۔زمینی منزل پر موجود چار کمروں میں سے دو علامہؒ کے زیرِ استعمال رہتے اور سٹور میں بھی ایک آدھ بار حضرتؒ کی کتب دیکھی تھیں، ایک کمرہ ہمیشہ بند ہی دیکھا اور ایک کمرے میں ایک پختہ عمر اور قد کاٹھ کے وکیل صاحب رہتے تھے جو حضرت کے رشتہ دار بتائے گئے (مشرف دور میں ہونے والے پاک بھارت کرکٹ میچ کے دوران وکیل صاحب کے کمرے میں موجود ٹیلی ویژن نے مجھے کچھ اوور دیکھنے پہ مجبور کیا تو اچانک میری نظر وکیل صاحب کی الماری کے ساتھ لٹکتی ٹائیوں پر پڑی اور بہت حیرت ہوئی کہ ان ٹائیوں کی تعداد ۳۲ رتھی)، وکیل صاحب ذرا وکھری ٹائپ کے آدمی تھے، لیکن حضرت علامہؒ کا ظرف تھا کہ وہ کسی چیز سے اثر لیتے ہی نہ تھے اور انہیں بھی برداشت کیا ہوا تھا۔کمروں کے اندرونی منظر تصور میں لاتے ہوئے علامہ صاحب کی ایک اور بڑی خوبی بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے اور وہ ہے حضرت کا لاجواب حافظہ، حضرتؒ کی حاضر جوابی تو لاجواب اور منفرد تھی ہی، حافظہ بھی عجیب وغریب تھا، اکثر تحریروں میں وہ جواب بلکہ جواب الجواب دے رہے ہوتے تھے، لیکن شاید ہی کبھی انہوں نے کوئی کتاب کھولنے یا پاس رکھنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کی اس رہائش پر متعلقہ کتب موجود ہی نہ تھیں۔ گٹھڑیوں میں بندھا اکثر سامان جس کا ایک بڑا حصہ اوراق واخبارات نظر آتا تھا۔

کئی بار ٹب میں اپنے کپڑے خود ہی دھو لیتے تھے، ممکن ہے حضرتؒ کی مستقل روش ہی یہی ہو۔سادگی اور اپنا کام ہاتھ سے کرنے کا اِس دور میں یہ اعلیٰ ترین نمونہ تو یقیناً تھا ہی، لیکن اس مشقت کا یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر کسی دینی مدرسے یا ادارے میں خدمات جاری ہوتیں تو صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی۔جہاں تک میرا مشاہدہ تھا ہمیشہ علامہ صاحبؒ کو سادہ ترین لباس میں ہی ملبوس دیکھا، جناح کیپ تو سادگی اور تکلف دونوں کی عکاس سمجھی جاسکتی ہے، لیکن قریب کی مسجد میں نماز کے لیے یا گھر میں ایک سفید جالی دار ٹوپی استعمال فرماتے جو قدرے کھلی ہونے کی وجہ سے سارے سر کو ڈھانپ لیتی۔کسی تقریب یا سفر کے لیے بہر حال جناح کیپ، نیلے رنگ کا جبہ اور جوتوں کا ایک انتہائی عمدہ جوڑا (جس میں پاؤں ڈالنے کے لیے علامہ صاحب کے پاس ہمیشہ ایک چیچ نما اوزار موجود رہتا تھا) ان کی شخصیت کی سادگی کو بڑی حد تک بارعب اور پرکشش بنا دیتا تھا۔

علامہ صاحب ماشاء اللہ نہایت رواں قلم تھے۔دن کا اکثر حصہ لکھتے ہوئے گزارتے تھے۔واقعتاً حیرت ہوتی تھی کہ علامہ صاحب تھکتے کیوں نہیں؟ یہ مضامین آ کہاں سے رہے ہیں؟ اور ابھی لکھنے میں ایسی کیا بات رہ گئی کہ علامہ صاحب اس تسلسل اور انہماک سے لکھتے چلے جارہے ہیں؟ لیکن (سادگی اور کفایت شعاری یا کوئی دوسرا نام دے لیجیے) مجال ہے کہ لکھنے کے لیے کوئی خریدا گیا سلامت کاغذ استعمال میں آیا ہو۔اکثر اشتہارات اور پمفلٹوں کی الٹ سائیڈ بلکہ حاشیے تک علامہ صاحب کے علمی اور قلمی انوارات سے جگمگا کر اپنی قسمت پر نازاں نظر آتے اور اگر شاذ ونادر کوئی صاف کاغذ علامہ صاحب کے کلپ بورڈ پر آجاتا تو اس نعمت کا یوں حق ادا فرماتے کہ پورے صفحے پر ممکن ہے کسی کو نقطہ ڈالنے کی بھی جگہ نہ مل سکے۔(دیکھیے: ۲/۲۱۰[ادارہ])

معاملات کے کھرے تو یقیناً ہوں گے ہی، کافی سخت گیر کہنے میں بھی مجھے قطعاً انکار نہیں، عمر کا تقاضا، معیار کی بلندی، ہر جہت سے کاملیت کی تلاش وجستجو اور معاملات میں بے لچک مغربی (برطانوی) برتاؤ کا اثر وغیرہ اس کے اسباب ہو سکتے ہیں۔

زیادہ بہتر تو علامہ صاحب کی کتابیں چھاپنے والے ہی بتا سکتے ہیں، لیکن جو کبھی کبھار منظر مجھے دیکھنے کو ملا وہ یہ تھا کہ، آخری حد تک تمام تفاصیل بتاتے، سمجھاتے، اس حوالے سے علامہ صاحب کے کاتبین اور کتب شائع کرنے والے حضرات کے تحمل کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔

مجھے بارہا یہ نصیحت فرمائی کہ ''بس ایک بات مجھ سے سیکھ لیجیے کہ کام وہی ہے جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو۔'' اور اس جملے کو اپنے مخصوص پنجابی لہجے اور رفتار میں اس طرح فرماتے کہ شروع شروع میں مجھے تو ان کے الفاظ ہی سمجھنے کے لیے واقعی ان کی طرف سے دہرانے کی ضرورت ہوتی۔ اور یاد بھی شاید ان کی کثرتِ تکرار کے باعث رہ گیا۔

ایک بار حضرت قاری صاحب کی دعوت پر پروفیسر محمد ایوب (للہ والے) ملاقات وزیارت کے لیے تشریف لے گئے، ہونے والی گفتگو میں علامہ صاحب کا سوال مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لفظ ''گزشتہ'' کس طرح لکھنا درست ہے 'ذ' کے ساتھ یا 'ز' کے ساتھ اور اس کے فارسی مصدر اور معنیٰ پر بھی گفتگو ہوئی۔ سیکھنے والوں اور طلبِ علم کا داعیہ رکھنے والوں کے لیے ایسے تعلیم یافتہ اور نامور شخص کا اس عمر اور تجربے کے بعد بھی یہ سوال کئی نصیحتیں اور اسباق مہیا کرتا ہے۔

علامہ صاحب خواص وعوام اور علماء سب کے اس رویہ سے اکثر نالاں رہتے تھے اور اس نقد کے لیے جملے کی بناوٹ غالباً یہ ہوتی ''نہیں! ہے کوئی عقل میں آنے والی بات۔'' وجہ عموماً یہی ہوتی کہ علامہ صاحب جس قدر مختصر اور To the Point بات سننا یا بتانا چاہتے ہم بحیثیت قوم اتنے ہی طوالت، فضول گوئی اور بے اصولی کے دل دادہ ہیں۔

خطباء اور علماء کے لیے میرا خیال ہے جو سب سے اہم بات بہت تاکید کے ساتھ علامہ صاحب سمجھانے، سنانے کے ساتھ ساتھ عملاً کر کے بھی دکھا گئے کہ ہمیشہ حاضرین کی رعایت کی جائے اور ہرگز ہرگز غائبین کو حاضرین وسامعین پر ترجیح نہ دی جائے۔ ایک مرتبہ ''ہمدرد ہال'' میں ایک کانفرنس کے لیے علامہ صاحب سے وقت لینے کے لیے پروگرام کے منتظمین آئے۔ مشرف دور میں غالباً حقوقِ نسواں بل یا ناموسِ رسالت ﷺ کے قانونی نکات کے حوالے سے علامہ صاحب سے تقریب میں گفتگو فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ علامہ صاحب نے پوچھا، اس تقریب میں قومی اسمبلی کے کتنے ممبر شریک ہو رہے ہیں؟ جواب نفی میں پا کر اس تقریب میں شرکت کرنے والے صوبائی اسمبلی کے اراکین کی تعداد دریافت فرمائی۔ اگلا سوال یونین چیئرمین کا تھا اور اس کے بعد پورے اہتمام سے یہ ہدایت فرمائی کہ جب آپ نے جلسہ اور تقریر عوام کو سنوانا ہے تو انہی سے متعلق اور ان کی سطح پر بات ہونی چاہیے۔

غالباً درج بالا تقریب ہی تھی یا کوئی دیگر، بہر حال مقامِ انعقاد ہمدرد ہال لاہور ہی تھا اور بندہ اس میں شریک تھا۔ علامہ صاحب پورے اہتمام سے اپنے مقررہ وقت پر ہال میں تشریف لائے لیکن کچھ دیر بعد بغیر خطاب کے ہی واپس چلے گئے۔ جب اس کے متعلق بات ہوئی خاصے جلال میں تھے اور انتظامیہ کی اس نالائقی اور بدنظمی پر خوب روشنی ڈالی کہ ہمیں سٹیج پر بٹھانے کے بعد لوگوں کی باتیں سنوانا شروع کر دی تھیں۔ سب سے پہلے تو میرے ذہن میں یہی بات آئی کہ علامہ صاحب کی کوئی دوسری

مصروفیت ہو گی کہ جلد تشریف لے گئے، ورنہ بالعموم ہمارے اکابر ومشائخ اتنا وقت سٹیج پہ گزار دینے میں حرج محسوس نہیں فرماتے، لیکن علامہ صاحب کی اس برہمی کے پیچھے ایک احتیاط پوشیدہ تھی وہ یہ کہ نو آموز اہل علم کی اکثریت بالخصوص جوان طبقہ نہایت غیر محتاط رویے کا حامل ہے اور بغیر کسی تربیت کے جو بات منہ میں آئے کہہ دینے کا عادی ہے اور آپ کا سٹیج پہ موجود ہونا مکمل طور پر یا کسی نہ کسی درجہ میں ضرور اس کی تائید سمجھا جاتا ہے، ہم کیوں ایسے افراد کی غیر ذمہ دارانہ بات کے ذمہ دار بنیں جنھیں ہم جانتے بھی نہ ہوں۔ غالباً اُن دنوں علامہ صاحب سپریم کورٹ کے جج بھی تھے۔(۱)

ہمیشہ سمجھایا کرتے کہ مثبت انداز میں بات کرنی چاہیے، دفاع اور تحفظ کے الفاظ کے بجائے بار بار منتظمین کو تلقین فرماتے کہ مناقب، شان اور فضائل کے عناوین سے تقریبات منعقد کروائیں اور انہی حروف سے اشتہار چھپوایا کریں۔

کوئی بھی چیز علامہ صاحب کے یہاں **understood** نہیں تھی۔ ہر بات کی مکمل وضاحت ضروری تھی۔ جتنا سوال بالکل اتنا ہی مختصر اور نہایت جامع مانع جواب۔ اور اگر سیاق وسباق سے کٹا ہوا خشک سا جواب سن کر سائل اپنے سوال کا بالکل واضح زمانی یا مکانی بین السطور دہراتا تو علامہ صاحب پوری سنجیدگی سے مکمل تفصیلی جواب عنایت فرماتے اور سائل کی با قاعدہ بول کر تربیت بھی فرما دیتے کہ سوال کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ علامہ صاحب کا زندگی بھر کا اور تمام ہی معاملات میں ہر روز برتا جانے والا اُصول تھا۔ وضاحت کے لیے ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں کسی شخص نے مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات میں عام دہرائی جانے والی ایک حدیث کا ثبوت علامہ صاحب سے پوچھا، تو پوری سنجیدگی سے علامہ صاحب نے پوچھا یہ مولانا صاحب کون ہیں؟ سائل نے حیران ہو کر عرض کیا، حضرت! آپ مولانا طارق جمیل کو نہیں جانتے؟ فرمایا ''میں ان کی بات کا جواب دینے کا پابند نہیں (شاید یہ فرمایا تھا کہ ان کی بات میرے لیے حجت نہیں)، البتہ آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ میری (علامہ صاحبؒ کی) بات ان کے لیے حجت ہے یا نہیں۔''

واقعۂ کربلا پر ایک بیان کے دوران فرمایا تاریخی روایات میں اختلاف تو ہے ہی لیکن ہم واقعہ کی ایسی توجیہہ کریں گے اور اُس تعبیر کو قبول کریں گے جس میں جماعتِ صحابہ پر کوئی الزام اور اعتراض نہ آئے۔

---

(۱) اس پروگرام میں بندہ عبدالجبار سلفی موجود تھا، یہ ایک سٹوڈنٹ تنظیم کی جانب سے منعقد ہوا تھا۔ علامہ صاحب کی برہمی کی دو وجوہات تھیں جو اگلے دن علامہ صاحب نے بتائیں۔ وہ یہ کہ ایک تو لاہور کے معروف صحافی تقریر کر رہے تھے، جن کے بیان میں زورِ خطابت اور لفاظی تو تھی مگر بعض باتیں ناپختہ تھیں، اسی دوران لاہور میں رہنے والے ایک عالم دین مخصوص حلیہ کے ساتھ بہروپئے پن میں ہال میں داخل ہوئے، جنھوں نے ہاتھ میں لمبا سا ایک کھونڈا، ٹخنوں تک چوغہ اور سر کے اوپر عربی رومال ڈال رکھا تھا، علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں چونکہ ان صاحب کے مبلغ علم اور غیر سنجیدگی سے واقف تھا، اچانک انھیں اس رُوپ میں دیکھ کر میری طبیعت مکدر ہو گئی۔

سلفی کہتا ہے کہ علامہ صاحب جب ناراض ہو کر باہر چلے گئے تو آپ کی منت سماجت کرنے والوں میں بندہ اور انار کلی لاہور کے سابقہ خطیب مولانا عبدالرحمٰن مرحوم شامل تھے۔ مگر لاکھ منت کے باوجود حضرت علامہ صاحب کی طبیعت تقریر پر آمادہ نہ ہوئی اور آپ ناراض ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ [عبدالجبار سلفی]

فرمایا میرا علم اور تعارف تو سب مدارس اور علماءِ اہل سنت دیوبند کا ہی ہے اور اسی پر فخر ہے، البتہ برطانیہ میں دیگر مذاہب کے نمائندوں میں بیٹھنے اور ان کی خود ساختہ برابری کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مجھے وہاں سے پی ایچ ڈی کرنا پڑی کہ جب تک آپ ڈاکٹر نہیں تو ان کی نظر میں کم تعلیم یافتہ ہیں، ورنہ وہاں کی تعلیم اور ڈگری نے مجھے علمی طور پر کچھ بھی نہیں دیا۔

ایک بار کچھ حضرات (شاید وہ ختمِ نبوت سے متعلق تھے) کے سامنے اپنے اس دکھ اور قحط الرجال کا اظہار کیا کہ کئی محاذوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے، جب کہ ہمارے پاس لائق افراد کی کمی ہے، اور جو ہیں انھیں اب کون کون سا کام سونپا جائے؟

ایک بار کسی دوست نے کہا کہ بریلویت اکثریت میں ہے، فوراً فرمایا نہیں جہالت زیادہ ہے، پرانے لوگوں میں یا کسی دور دراز کے گاؤں میں پرائمری پاس افراد کی تعداد ان پڑھوں سے کم ہی ملے گی، بریلویت جہالت ہی کا دوسرا نام ہے۔

حضرتؒ کی رہائش گاہ پر مہمانوں کی آمد زیادہ نہ دیکھی گئی، معروف علماء میں سے صرف مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہ ہی کی گاہے بگاہے آمد ورفت رہتی۔ ایک بار مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی تشریف آوری ہوئی اور میرے مشاہدے میں واحد موقع جس پر مہمانوں کی باقاعدہ چائے اور بسکٹ سے تواضع کی گئی تحریک خدام کے چند علماء کا وفد تھا جس میں مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہرؔ بھی بنفسِ نفیس شامل تھے۔

ایک بار فرمایا: ایک دور تھا کہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ، مولانا قاضی عبداللطیف جہلمیؒ، مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری اور میں ہم چاروں شمالی علاقہ جات میں ہفتوں ہفتوں کے ایک ساتھ دورے کرتے اور اکثر اکٹھے بیان کرتے اور رات رات بھر گپ شپ رہتی۔ پھر عنایت اللہ شاہ صاحب الگ ہوگئے اور دوبارہ وہ صحبتیں نہ لوٹ سکیں۔ سوال ہوا کہ جب آپ کا اتنا قرب تھا تو آپ نے اس خلیج کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی؟ فرمایا کئی بار دوستوں نے کوشش کی، لیکن عملاً صرف ایک بار (غالباً ۱۹۷۲ء میں) ملتان میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے ساتھ تنہائی میں میری ملاقات ممکن ہوئی اور میں نے ماضی کا ذکر کیا اور اکابر سے علیحدگی کا سبب اور واپسی کا امکان دریافت کیا تو شاہ صاحب نے کہا: اکابر کا رویہ، اساتذہ بڑے تھے اور میں چھوٹا۔ غلطی اور جذبات کی اتنی سخت سزا دیتے ہوئے مجھے خود سے الگ کر دیا اور آئندہ کسی تقریب میں بلانے سے پرہیز کیا، نیز کسی نے بھی صلح اور اتفاق کی بات نہیں کی، اگر تب جوڑنے کی کوشش کی جاتی تو کچھ مشکل نہ تھا۔ میں نے کہا شاہ صاحب! اب؟ کہا، اب بہت دیر ہوگئی ہے اور واپسی اور اس فاصلے کو پاٹنا ممکن نہیں۔(۱)

حاشیہ: (۱) مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کی یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے، جس دن شاہ صاحب نے انکار حیات النبی کا اعلان کیا، اسی دِن سے شاہ صاحب کو سمجھانے اور واپس لانے کی کوششیں شروع ہوئیں، اور کوشش کرنے والوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے ابن امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر کی کتاب ''علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی اور مولانا عطاء اللہ بندیالوی'' اور ''منکرین حیات انبیاء کی مرحلہ وار فکری شکست'' مطبوعہ مجلّہ نور بصیرت ومجلّہ تسکین الصدور بہاول پور۔ [ادارہ]

رفع الیدین پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا، اس بارے میں مجھے مولانا غلام اللہ خانؒ کی ایک بات بہت پسند ہے، وہ فرماتے تھے کہ میرے استاد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''نماز کے دوران دونوں ہاتھوں کی حرکت سے نماز ختم ہو جاتی ہے۔'' علامہ صاحبؒ فرماتے اب اس بیان کے بعد نہ کسی دلیل کی ضرورت اور نہ اس موضوع پہ کسی بحث کی۔ کیونکہ ہر عام وخاص کے سامنے احادیث و دلائل بیان کرنا اور نتیجہ بحث سمجھانا آسان نہیں، نیز معاشرے میں لوگ افضل مفضول سمجھنے کے بجائے اسی پر جھگڑے کرتے ہیں اور سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتے۔ سوال پوچھنے والے اکثر معتقدین ہی ہوتے ہیں، تو مؤقف ایسی خوبصورتی اور بے لچک انداز سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک بار برطانیہ سے پاکستان آتے ہوئے جہاز میں علامہ صاحب کو ائیر ہوسٹس نے دوائی والا شاپر ہاتھ میں رکھنے کے بجائے باصرار نیچے سامان کے ساتھ جمع کروانے کا کہا اور حضرتؒ کی کچھ سننے کے بجائے جہاز کا عملہ پوری طرح سفر کے دوران میں بحفاظت پاکستان پہنچا دینے کی یقین دہانی کرانے لگا۔ جس پر حضرت نے فرمایا: ''آپ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ اس دوا کو ہاتھ میں رکھنے کا واحد مقصد حفاظت سے وہاں پہنچا دینا اور اسے جہاز کی سیر کروانا ہے؟'' بھئی! میں نے راستے میں دوا کھانی ہے، یہ بات کیوں نہیں سوچ سکتے آپ؟

مغرب کے کسی ملک میں عالمی کانفرنس ہوئی اور مختلف خطباء گفتگو کرتے رہے، علامہؒ کے قریب بیٹھی نیوزی لینڈ کی ایک خاتون نے کسی بھی بحث میں ایک لفظ تک نہیں کہا، علامہؒ نے اس خاتون سے اس حیران کن خاموشی کی وجہ سے تعارف چاہا تو اس نے بتایا کہ میں نیوزی لینڈ کی نمائندہ ہوں اور میری جاب اور تجربہ یہ ہے کہ (**I am a good Listener**) (میں ایک اچھی سامع ہوں) حضرت فرمانے لگے کہ میں نے تو زندگی میں یہ حیران کن شعبہ پہلی بار سنا کہ ملکی سطح پر کسی شخص کا اس لیے تعین کیا جائے کہ دوسروں کی بات سننے اور سمجھنے کا ملکہ اس میں زیادہ ہے، جب کہ ہمارے ہاں بات کو سمجھنے کا فقدان ہے۔

۲۰۰۷ء سے ۲۰۱۱ء میں جامعہ اشرفیہ آ گیا، اس لیے علامہ صاحبؒ سے ملاقات اور خدمت میں کمی آ گئی۔ کافی عرصہ بعد بیان کے لیے جامعہ تشریف لائے اور بیان کے بعد طلبہ مصافحہ کے لیے قطار میں کھڑے ہو گئے۔ جب میرا سامنا ہونے لگا تو تھوڑا دُور ہی سے فرمانے لگے: ''یہاں ہمارے حافظ صفدر صاحب بھی ہوتے ہیں۔'' اور پھر معانقہ فرمایا اور حال احوال دریافت فرمایا، یہ ان کی ذرہ نوازی اور احساس کی بلندی تھی کہ نام بھی یاد رکھا ہوا تھا۔ جامعہ میں وقتاً فوقتاً معروف دینی شخصیات کی تشریف آوری ہوتی رہتی تھی اور آنے والے حضرات اکثر طلبہ کو نصائح بھی فرماتے۔ اصلاح وتربیت کی کوئی بھی بات نفع سے خالی نہیں ہوتی، لیکن بالعموم آنے والے تمام حضرات باطنی اصلاح اور کسی شیخ سے تعلق کی نصیحت ضرور کرتے، جبکہ تب اور اب بھی اپنے چھوٹے ذہن اور محدود سوچ کی وجہ سے میری خواہش ہوتی کہ جب ہمارے نظامِ تعلیم وتربیت کا زوال ہمہ جہت ہے، برسوں مسندِ تدریس پہ بیٹھنے، درجنوں عوامی اعتراضات اور بے شمار حقیقی اور عملی میدانوں میں اپنے فاضلین کی علمی وکمزوری (بلکہ جہالت) کا مشاہدہ کرنے اور معاشرے میں خود اپنے فضلاء کے گرتے ہوئے معاشی ومعاشرتی مقام ومرتبہ کے باوجود تمام شیوخ نسلِ نَو میں بس یہی

کمزوری دیکھتے ہیں کہ ان کا کسی شیخ سے تعلق نہیں، نیز اس روحانی تعلق کو درسِ نظامی کی تکمیل اور یہاں سے فراغت تک موقوف رکھنے کی وجہ؟ (کہیں یہ سب عملی زندگی سے فرار تو نہیں)۔ بہر حال ڈاکٹر سید سلمان ندوی ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے اور انہوں نے بھی اپنے بیان میں طلبہ کو بیعت کرنے اور شیخ سے تعلق کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا۔ میں علامہ صاحبؒ سے ملنے کے لیے گیا اور یہی بات شکایتاً حضرتؒ سے عرض کر دی۔ علامہ صاحبؒ نے نہ صرف تائید فرمائی بلکہ مسکراتے ہوئے فرمایا: ''یہ وضاحت کسی نے نہیں کی کہ آپ کو جس شیخ کی انتہائی ضرورت ہے وہ اس وقت خوش نصیبی سے آپ کے سامنے موجود بھی ہے، لہٰذا ابھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے ہاتھ پہ بیعت کر لو!''

علامہ صاحب عملی زندگی سے آنکھیں چرانے کے بجائے آنکھیں ملا کر جینے کے داعی تھے، میں نے خوشی سے اُس سال جامعہ سے دورۂ حدیث مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد بتائی جو ۵۰۰ ر کے لگ بھگ تھی، لیکن علامہ صاحبؒ نے اس پر کسی اظہارِ مسرت کے بجائے مجھ سے سوال فرمادیا کہ کیا معاشرے میں اتنے علماء کی ضرورت ہے؟ کس شعبے میں جائیں گے یہ لوگ؟ آخر عملی زندگی میں کیا کریں گے؟ اداروں کو اپنی ضرورت کے مطابق لوگ تیار کرنے چاہئیں۔ (بہر حال یہ مدارس کے لیے یہ ایک زندہ مسئلہ ہے اور مختلف جہات سے اس پر متضاد آراء موجود ہیں۔) کم فہمی تھی یا گستاخی، بہر حال یہ سوال میں حضرت قاری صاحب سے کیا کرتا تھا کہ آخر علامہ صاحبؒ نے اپنے بیٹوں کو علمِ دین کی طرف کیوں نہیں لگایا؟

ایک بار علماء کی غربت اور اپنی حد تک مفادات کا حصول اور مطلوبہ تعلیم وتربیت کی جانچ پڑتال سے بے نیازی پر کوستے ہوئے فرمایا کہ ہمیں وہاں برطانیہ میں ختمِ نبوت دفتر میں کام سنبھالنے کے لیے ایک نوجوان کی ضرورت ہوئی اور پاکستان میں جماعت کے ذمہ داروں میں سے جن صاحب کا جہاں تک بس چلا پورا زور لگا دیا کہ وہاں انہی کا عزیز تعینات کیا جائے (کہ اس کا تو کچھ مستقبل سنورے) بغیر یہ دیکھے سمجھے کہ ہماری ضرورت کیا ہے اور آنجناب کے برخوردار کی صلاحیت وفہم کیا ہے!!

جامعہ اشرفیہ میں ختمِ بخاری کی تقریب تھی اور دارالعلوم دیوبند سے مولانا محمد سالم قاسمیؒ تشریف لائے ہوئے تھے۔ علامہ صاحبؒ کے بیان کے دوران مولانا قاسمیؒ سٹیج پہ تشریف لے آئے، علامہؒ نے ان کے اَدب میں فوراً بیان ختم کر دیا اور ان کے بعد غالباً مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ نے یہ فرما کر بیان سے معذرت کر لی کہ حضرت قاسمیؒ کے سامنے اگر کچھ بول سکتے تو علامہؒ کے لیے گنجائش تھی۔ تاہم جب علامہ صاحبؒ مائیک سے ہٹنے لگے تھے تو حضرت اشرفیؒ نے عرض کیا حضرت کوئی قرآنی نکتہ ارشاد فرمادیں (یہ دونوں حضرات کی باہم مزاج شناسی ہی کہی جا سکتی ہے)۔ اُن دنوں امریکا میں ایک ہندوستانی مسلمان عورت نے نمازِ جمعہ کی امامت کروا کر ایک نیا شوشہ چھوڑا تھا، علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ قرآن میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے قصہ کو مختلف مقامات پر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے اور جنت میں رہنے، کھانے پینے، بھول جانے اور جنت سے اتارے جانے ہر موقعے پر دونوں کو اکٹھے ذکر کیا گیا ہے، لیکن جب بات آدمؑ کے سامنے فرشتوں کے سجدے کی ہوتی ہے تو بار بار صراحت کے ساتھ صرف آدمؑ ہی کا نام لیا۔ جس سے یہ بات کھل گئی کہ قیادت وامامت کا اہل صرف آدم ہے، حوا اور حوا کی کوئی بیٹی امامت کے لیے نہیں۔ (تمام حضرات نے اس پہ

خوب داد دی)۔

ایک بار کسی سکھ سکالر کا ذکر کیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی بہت تعریف کر رہا تھا اور غالباً اس میں ختمِ نبوت کا ذکر بھی آ گیا۔ علامہ صاحبؒ کے استفسار پر آپ ﷺ کے برابر کسی دوسرے انسان کا وجود ناممکن بتانے لگا۔ حضرتؒ نے پوچھا، پھر آپ بابا گرو نانک کو کیا سمجھتے ہیں؟ تو اس سکھ نے کہا "وہ تو بس مرشد ہیں"۔ اس سے علامہ صاحبؒ نے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ سکھوں کو دعوت دے کر اسلام میں شامل کرنا بہت آسان ہے کہ وہ گرو نانک کو صرف ایک پیر اور شیخ سمجھتے ہیں۔

علامہ صاحبؒ سے متعلق یہ بات سنی تھی کہ غالباً فیصل آباد کے کسی دوست سے ملے تو انہوں نے پورے اہتمام سے کوئی نہایت دقیق وانیق بات بتائی، جسے سن کر علامہ صاحبؒ بالکل خاموش ہو کر سوچنے لگے۔ دوست بے تکلف تھے، کہنے لگے: حضرت آپ نے اس زبردست تعبیر پر مجھے کوئی داد نہیں دی، کیا پہلے سے یہ نکتہ معلوم تھا؟ علامہؒ نے فرمایا: میں ابھی اس کا حظ اٹھا رہا ہوں۔"

حضرتؒ یہ بات بھی سمجھایا کرتے تھے کہ بعض لوگ اشاروں کنایوں میں بہت سخت باتیں کر جاتے ہیں، اس بابت اپنے ساتھ پڑھانے والے کسی رافضی پروفیسر کا قصہ بیان کرتے کہ کبھی اس سے ثالثی طلب کی جاتی یا کوئی مشورہ مطلوب ہوتا تو وہ یہ اضافی بات ساتھ لازمی کرتا "دیکھیں جی مجھے سیاست نہیں آتی اور نہ ہی میرے باپ کو آتی تھی۔" بقول علامہ صاحبؒ اس کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ سیاست جھوٹ اور مکاری کا نام ہے، نعوذ باللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیاست کی اور حکمران بن گئے، جب کہ میرے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

جنرل مشرف کا دور پاکستان میں دینی اور سماجی فکر میں کئی تبدیلیوں کا غمّاز تھا، اس دور کا مقابلہ کرنے اور مسلمانانِ پاکستان کی دینی حمیت کے بقاء کے لیے اکثر پہلے مخاطبین سے سوال کرتے کہ عوام کو کس طرح سمجھایا بتایا جائے کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور ہمارا میڈیا اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہا؟ پھر خود ہی رہنمائی فرماتے کہ عوام میں علامہ اقبالؒ کے فکر اور اشعار کی تشہیر وتشریح کی جائے۔ کیونکہ شرعی نصوص کی تشریح وتوجیہہ سمجھنا عوام کے لیے بہت مشکل ہے، نیز اس کی توضیحات میں لوگ آسانی سے تاویلات کر لیتے ہیں جبکہ علامہ اقبالؒ کے اشعار اکثر دوٹوک اور صریح ہیں، نیز اردو زبان جاننے کی وجہ سے یہاں تاویل وتشریح کی گنجائش نہیں رہتی۔

علامہ صاحبؒ کی علمی خدمات کے اعتراف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ حضرت کے بیانات یا کتب کا چند سطری خلاصہ پیش کر کے شائقین کو اس طرف رہنمائی دے دی جائے، مثلاً مطالعہ بریلویت کے بالکل شروع میں بریلوی کہلانے کی جو شرائط ذکر کی گئی ہیں، صرف انہی کو سمجھ لینے سے کئی پریشانیوں کا تدارک ہو جاتا ہے۔ حدیث اور سنت کی بحث میں حدیث کو حضور ﷺ کی زندگی کی رپورٹنگ (Reporting) سے تعبیر کر کے باہم فرق بہت عمدگی سے سمجھا دیا ہے، نیز حیات النبی ؐ کے موضوع پر اپنی ایک تقریر میں مولانا اسماعیل محمدیؒ نے ذکر کیا کہ کئی علماء کی موجودگی میں علامہ صاحبؒ نے حدیث اور سنت کا باہم تعلق اور فرق پوچھا تو مولانا محمدیؒ نے بتایا کہ: "ہم حدیث پڑھتے ہیں سنت کو تلاش کرنے کے لیے۔" جسے علامہؒ نے درست قرار دیا تھا۔ اسی طرح مولانا محمدیؒ

کے بقول ایک بار علامہ صاحبؒ نے پوچھا کہ قرآن میں **ادریک** اور **یُدریک** میں کیا فرق برتا گیا ہے؟ اور اس جواب کو درست قرار دیا کہ **'ادریک'** کے بعد قرآن میں تفصیل وجواب مذکور ہے جبکہ **'یُدریک'** کے بعد جواب نہیں دیا گیا۔

اسی طرح ''مقامِ حیات'' کے ٹائٹل پر ہی ''مکینِ گنبدِ خضریٰ کی حیاتِ برزخیہ کا بیان'' لکھ دینے اور تفاصیل میں برزخ کی قبر سے ابتداء اور صوفیہ حضرات کے تمام مشاہدات سے بھی آگے تک اس کی انتہاء قرار دینے سے تمام مختلف ومتضاد آراء میں تطبیق قائم فرمادی۔

امت میں مکمل اتفاق کی کیا صورت ہے؟ علامہ صاحبؒ بہت جامع مانع ارشاد فرماتے کہ تین طبقات میں تفریق کی وجہ سے امت مختلف فِرَق میں بٹی ہوئی ہے، اگر اتفاق مطلوب ہے تو سارے مسلمان اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ حضراتِ اہلِ بیت اور حضرات صحابہ کرام میں کوئی اختلاف وافتراق نہیں بلکہ باہم دونوں متحد ومتفق رہے اور دونوں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خیر خواہ اور ان کے لیے مال جان لگا دینے والے تھے (شیعہ سنی اختلاف ختم)۔ دوسرے مرحلے پر امت کو یہ باور کرائیں کہ فقہاء کرام اور محدثینِ عظام میں کوئی باہم رنجش اور مقابلہ نہیں تھا، دونوں نے اپنے اپنے انداز سے، اپنے ذوق واستعداد کے مطابق اور بالخصوص وقت کی ضرورت کو پہچانتے ہوئے اپنی زندگیاں اور صلاحیتیں دین کی اشاعت وحفاظت کے لیے پیش کیں (مقلدین وغیر مقلدین کا اختلاف ختم) اور تیسرے مرحلہ پر اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ علماءِ دہلی اور بزرگانِ ہند دونوں اسلام کے یکساں وفادار اور داعی اور محافظ تھے۔ (دیوبندی بریلوی اختلاف ختم)۔

اس سلسلہ میں علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جامعہ حیدریہ خیر پور کے ۲۰۰۹ء میں ختمِ بخاری کے موقع پر برطانیہ سے کیا گیا ٹیلیفونک خطاب اور اس میں فقہ وحدیث کا باہمی تعلق سمجھانا بھی عوام وخواص سب کے لیے نہایت مناسب ہے، جو کتابی شکل میں چھپا ہوا موجود ہے۔ نیز اس سلسلہ میں اپنی خوش گوار نادانی کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور شاید میری یہی غلطی حضرت علامہؒ کے اس بیان کی وجہ بنی ہو۔ علامہ صاحبؒ کے پاس سام سنگ کا ایک سادہ سا موبائل ہوا کرتا تھا، جس سے حضرت صرف اور صرف کال سن سکتے تھے، اس سے بڑھ کر کسی بٹن یا فنکشن سے وہ بالکل نابلد تھے۔ اور اس معاملہ میں میرا معاملہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا (جملہ معترضہ: مجھے موبائل ۲۰۱۰ء میں ملا) لیکن علامہ صاحبؒ نے شاید یہ واحد مسئلہ تھا جس میں میری معلومات اور تجربے کا حقیقی جائزہ لیے بغیر مجھے سمجھدار مان لیا تھا (اگر کسی تقریب میں مجھے حضرت کے ساتھ شرکت کی توفیق ہوتی تب بھی وہ اکثر موبائل مجھے ہی پکڑا دیتے تھے) قصہ مختصر کسی کی کال کا انتظار تھا یا کسی مصروفیت کی وجہ سے علامہ صاحبؒ بروقت کال نہ سن سکے تھے کہ کچھ دیر بعد میں حاضرِ خدمت ہوا اور کام کے دوران حضرت کو کال یاد آئی تو فرمایا یہ جو آخری کال آئی ہے اور بات نہیں ہوسکی، کیا اُس نمبر پر یہاں سے کال ممکن ہے؟ میں نے عرض کی جی بالکل! فرمایا، ملایئے، مجھے کال لاگ کا علم نہیں تھا، سیدھا نیچے کا سکرول بٹن دبایا اور کال ملا دی، وہ نمبر خیر سے علامہ علی شیر حیدریؒ کا تھا، حضرت حیدریؒ نے فوراً پوچھا حضرت خیریت ہے؟ علی شیر حیدری عرض کر رہا ہوں، لیکن ساتھ ہی حیدری شہیدؒ نے فرمایا حضرت! فرصت ہے تو میں کال کروں؟ علامہ صاحب نے اجازت دی اور پھر دونوں

حضرات کافی دیر باہم گفتگو فرماتے رہے، جس میں مولانا حیدریؒ نے اپنے ہاں کسی جز وقتی دورۂ تفسیر، مناظرہ یا شاید افتاء کا بھرپور ذکر فرمایا جب کہ علامہ صاحبؒ کا بار بار سوال دورۂ حدیث شریف کی تعداد اور اس کے متعلقات کا رہا تھا۔ گفتگو اِس قدر پر کیف اور مسرور کن رہی کہ علامہؒ گویا دہی نہ رہا کہ میری اصلاح فرماتے۔

ہمارے اپنے ہی مسائل ہیں، اکثر ہماری زبان کھلتی نہیں اور کبھی بولتے ہیں تو بس بولتے ہی چلے جاتے ہیں، مزید بڑھ کر اگر زندگی اور معمولات زندگی کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت کارفرما نظر آتی ہے کہ ایک معروف ادارے کے بارے میں ہمارے ایک مرحوم استاذ فرمایا کرتے تھے: ''بدنظمی یہاں کا اصل نظم ہے۔'' ہمیں 2011ء میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کی دورانِ سال وفات کی وجہ سے پروفیسر مولانا محمد یوسف خان صاحب نے مسلم شریف پڑھائی اور آخری سبق میں اعلان فرمایا کہ آج میں تمام طلبہ سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ تمام حضرات اپنی جگہ سے ہرگز ہلیں گے نہیں، بس میں خود چل کر جس قطار کے سامنے پہنچوں وہی حضرات کھڑے ہو کر مصافحہ فرمائیں۔ جامعہ اشرفیہ میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۵۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ حضرت نے بہت سہولت اور سکون کے ساتھ مصافحہ فرمایا اور اس کے بعد یہ پیغام دیا کہ علماء کرام! خدارا زندگیوں میں نظم لائیں، تقریباً چار منٹ میں ۵۰۰ لوگوں سے مصافحہ ہوا، کسی کو دھکا نہیں لگا، کوئی حق تلفی نہیں ہوئی، ورنہ وہ اودھم مچتا کہ خدا کی پناہ! یہ پوری زندگی کے لیے سبق ہے۔

اس بارے میں علامہ صاحب کا ایک واقعہ ذکر کر کے میں اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔ استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحب نے جامعہ میں ایک موقع پر علامہ صاحب کی موجودگی میں یہ بات فرمائی کہ ہم برطانیہ میں ایک کانفرنس میں شریک تھے، وہاں وقت کی سخت پابندی کا شعار ہے اور مجبوری بھی۔ لیکن کانفرنس انتظامیہ سے کچھ کوتاہی ہوئی اور علامہ صاحبؒ کے آخری اور مرکزی بیان کے لیے صرف چند منٹ باقی رہ گئے۔ انتظامیہ نے مولانا فضل الرحیم ہی سے گزارش کی کہ وہ علامہ صاحب کو اس حقیقت سے آگاہ فرمائیں، مولانا نے بتایا کہ جب میں نے کہا علامہ صاحب! صرف پانچ منٹ ہیں اور آپ نے بیان کے ساتھ دعا بھی کروانی ہے تو علامہ صاحب نے برجستہ سوال کیا اس سے کم نہیں ہو سکتے؟ کسی دوسری جگہ سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کانفرنس ختم نبوت کے عنوان پر تھی اور علامہ صاحبؒ نے صرف اتنی بات فرمائی کہ: ختمِ نبوت اتنا حساس مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو اور وہ اس کا جواب نہ دے سکے تو زیادہ سے زیادہ اسے پاگل کہا جائے گا، لیکن اگر کسی سے پوچھا جائے کہ حضرت محمد ﷺ کون ہیں اور وہ جواب میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ختمِ نبوت کا نہ بتا سکے تو اسے کافر کہا جائے گا۔ یہ مسئلہ اس قدر اہم اور حساس ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

☆......☆......☆......☆

قاری عبدالرحمٰن رحیمی (آ)

علم وفضل کا کوہِ گراں، تواضع وللّٰہیت کا بے مثال پیکر

☆......اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے دین دار گھرانے میں آنکھ کھولی، میرے والد گرامی قدر استاذ العلماء حضرت قاری سراج الدین رحمہ اللہ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے، اور میرے والد صاحب کی خواہش پر میری والدہ مرحومہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے بیعت تھیں۔ میں سنِ شعور کو پہنچا تو حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام سننے لگا، سوچتا تھا کہ کبھی اس ہستی کی زیارت اور ان کے بیانات سننے کی سعادت حاصل ہوگی، ۱۹۷۸ء میں گردان اور تجوید وقراآت کی غرض سے مجددِ قراآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند کی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخلہ ہوا، تین سال اُن کی خدمت میں گزرے، اُس وقت جامعہ خیر المدارس ملتان کا سالانہ جلسہ تین دن کا ہوتا تھا، تین سالوں میں تین تین دن کے تین جلسے سننے کو ملے، ان جلسوں میں جن حضرات کی مفصل گفتگو ہوتی تھی، اور جن کے بیان اہم سمجھے جاتے تھے، اُن میں حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا بیان انتہائی معلوماتی ہوتا تھا۔ اصلاحی بیانات میں مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ کا بیان، اور علمی بیانات میں حضرت علامہ صاحب کا بیان نمایاں تھا۔ وہاں علامہ صاحب کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا، ۱۹۸۰ء میں خیر المدارس سے فراغت ہوئی تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

پھر ۱۹۹۲ء میں بندہ کا مسجد سرّ اجاں حسین آگاہی ملتان میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا، جہاں ہمارے استاذ مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رحمہ اللہ عرصہ ۳۰ رسال سے امام وخطیب رہے، اَب سن تو مجھے یاد نہیں، بہرحال میرے دِل میں علامہ صاحب کے بیان کا داعیہ پیدا ہوا، علامہ صاحب سے وقت لینے کے لیے اپنے برادرِ نسبتی مولانا قاری عبدالحفیظ صاحب (جو مولانا مفتی عبدالحمید رحمہ اللہ [تلمیذ: شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ...... شیخ الحدیث: جامعہ مدنیہ، لاہور] کے فرزند ہیں۔) سے رابطہ کیا، اُن کے حضرت علامہ صاحبؒ سے خاندانی تعلقات تھے، علامہ صاحب نے وقت عنایت فرما دیا، میں نے خوب محنت سے بھاگ دوڑ کر کے پورے شہر میں اس پروگرام کا اطلاع نامہ تقسیم کروایا، جب پروگرام کا دن آیا تو صبح کے وقت مجھے اطلاع ملی کہ حضرت علامہ صاحبؒ کے پاؤں پر کوئی چیز کاٹ گئی ہے، اِس لیے وہ سفر نہیں کر سکتے۔ یہ سنتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، ایک تو میں نے اس پروگرام کے لیے محنت بہت کی تھی، دوسرا یہ کہ علامہ صاحبؒ جیسی عظیم علمی شخصیت کی آمد وبیان کا اعلان تھا، بدقسمتی سے آج کل حسنِ ظن کی بہت کمی اور بدگمانی کی بے حد فراوانی ہے، مجھے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کچھ لوگ تو مجھ سے بدظن ہوں گے کہ اِس نے علامہ صاحبؒ سے وقت ہی نہیں لیا ہوگا اور ہم سے جھوٹ بولا کہ علامہ صاحب کا بیان ہوگا۔ اور کچھ لوگ علامہ صاحب

(آ) خطیب: جامع مسجد سرّ اجاں، چوک حسین آگاہی، ملتان

سے بدگمان ہوں گے کہ وعدہ کر کے عین وقت پر دھوکہ دے دیا۔ (عام واعظین وخطباء کی بے جا وعدہ خلافیوں نے عوام کی بدگمانی کو مزید پختہ کر دیا ہے۔)

مجھے بہت پریشانی لاحق ہوئی، چنانچہ میں نے فوراً مولانا عبدالحفیظ صاحب سے رابطہ کر کے عرض کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو، حضرت علامہ صاحب کو ضرور بھیجیں، چاہے اسپیشل گاڑی بک کرا کے بھیج دیں، چاہے جہاز پر بھیج دیں، میری اپنی عزت کا بھی مسئلہ ہے، اور حضرت علامہ صاحبؒ سے بھی لوگوں کے بدگمان ہونے کا اندیشہ ہے۔ وہ بے چارے علامہ صاحبؒ کے پاس گئے، اُن کی بہت منت سماجت کی، علامہ صاحبؒ نے اپنا پاؤں دکھایا کہ میری یہ کیفیت ہے، میں سفر نہیں کر سکتا، بہرحال مولانا عبدالحفیظ کے خاندانی تعلقات اور مراسم ایسے تھے کہ علامہ صاحبؒ نے خاموشی اختیار کر لی اور مولانا عبدالحفیظ صاحب نے انھیں جہاز پر ملتان بھجوا دیا۔ میں ائیر پورٹ پر علامہ صاحب کو لینے گیا، جیسے ہی ملاقات ہوئی علامہ صاحبؒ نے مجھے ڈانٹ پلانی شروع کی، ٹھیک ٹھاک تنبیہ اور اچھی خاصی مرمت فرمائی، اور مسجد آنے تک مجھے خوب ملامت فرماتے رہے۔

البتہ پروگرام کی ایک بات یادگار اور میرے لیے بڑا سرمایہ ہے کہ جب ہم حجرے سے حضرت علامہ صاحب کو سہارا دے کر مسجد لے گئے، کرسی پر بٹھایا، آپ کا پاؤں بہت متاثر تھا، سامنے تکیہ رکھ کر پاؤں اس پر رکھ دیا گیا، لوگوں کو واضح محسوس ہوتا رہا ہے کہ حضرت تکلیف میں ہیں، حضرت نے خطبہ مسنونہ کے بعد میری دل جوئی فرمائی، خدا گواہ ہے کہ میں کبھی نہیں بھول سکتا، حضرت کی ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ سے جو دِل پر اثر تھا وہ سب کافور ہو گیا، علامہ صاحبؒ نے اسی بات سے آغاز فرمایا: کہ آپ لوگ میری کیفیت دیکھ رہے ہیں کہ میں کس حالت میں ہوں، میں نے عبدالرحمٰن رحیمی سے معذرت کر لی تھی، لیکن المیہ یہ ہے کہ بدگمانی کا مزاج پیدا ہو گیا ہے، میں نہ آتا تو بہت سے لوگوں نے اِسے جھوٹا کہنا تھا اور کئی لوگوں نے مجھے ہی کوسنا تھا کہ وقت دے کر پھر آیا ہی نہیں۔ تو میں صرف یہ باور کرانے آیا ہوں کہ اِس کیفیت میں اِس شخص نے مجھے بلایا اور یہ کہہ کر بلایا کہ میری عزت کا مسئلہ ہے، آپ کی نیک نامی بھی اِسی میں ہے۔ ان جملوں سے اپنے بیان کا آغاز کیا، وہ بیان بہت شاندار، زبردست، لاجواب اور مدلل بیان تھا۔

پروگرام کے بعد اگلے روز کے لیے بستی ملوک ضلع ملتان والوں کو علامہ صاحبؒ نے وقت دے دیا، علامہ صاحب کی آمد کا دن، پھر رات، پھر اگلا آدھا دن علامہ صاحب مسلسل میری گوش مالی فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے ہمت دی کہ میں برداشت کرتا رہا، میں نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت، اِس عمر اور اِس تکلیف میں محض میری وجہ سے آئے اور یہ تکلیف مسلسل برداشت کر رہے ہیں، اِس لیے میں نے بھی بہرحال سب کچھ برداشت کرنا ہے۔ وہ وقت بہت مشکل سے گزرا مگر جیسے کیسے گزر گیا۔

اس واقعہ کے بعد پھر کافی عرصہ میں رابطہ نہ رکھ سکا، بہت عرصہ گزرنے کے بعد ایک مرتبہ مجھے پی ٹی سی ایل پر فون آیا، اُس وقت موبائل نہیں ہوتے تھے، فرمایا: خالد محمود بول رہا ہوں، میں نے کہا: کون خالد محمود؟ تو فرمایا: خالد محمود، میں پھر بھی نہ پہچان

سکا، تو کہنے لگے: علامہ خالد محمود لندن سے، میں حیران رہ گیا کہ حضرت مجھے فون کر رہے ہیں۔ تو اُس وقت دو جملے فرمائے جو آج بھی میرے دل و دماغ میں گھر کیے ہوئے ہیں، اور کانوں میں رس گھول رہے ہیں، فرمایا: تم نے اُس دن میری کڑوی کسیلی بہت برداشت کی، میں شدید تکلیف میں تھا، میری کیفیت آپ کے سامنے تھی، لیکن میرے غصے کو تم نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا، اس لیے میرا جی چاہا کہ تم سے دوستی لگا لوں۔ میں نے عرض کیا کہ: حضرت! آپ نے بیان کے آغاز میں میری دل جوئی کے لیے جو کلمات ارشاد فرمائے تھے، وہ میرے لیے قیمتی سرمایہ تھے۔ فرمایا: نہیں! اَب اِن شاء اللہ رابطہ رہے گا۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب نے رابطہ نہیں توڑا، میری طرف سے کوتاہی بھی ہوئی، لیکن وہ فون کرتے رہتے تھے۔

پھر ہمارا یہ تعلق اور حضرت کی مجھ پر شفقت اِس قدر بڑھی کہ علامہ صاحبؒ ہمارے ہاں تشریف لا کر ہفتہ ہفتہ ٹھہرا کرتے تھے، حالانکہ کسی بھی حوالے سے میری جگہ آرام دہ نہیں تھی، پرانا مکان، بوسیدہ عمارت، لیکن علامہ صاحب اپنی کتابوں کے کام کے حوالے سے اسی میں ٹھہرتے تھے، کاتب ساتھ بٹھا لیتے، اس کی راہ نمائی اور اصلاح بھی فرماتے رہتے اور گپ شپ بھی چلتی رہتی۔

جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو اکثر مجھے فرمایا کرتے تھے کہ یہاں سے میں نے کسی پروگرام پر نہیں جانا، اور تم نے کسی کو وقت دینے کے لیے سفارش نہیں کرنی، لوگوں کا مزاج بن گیا ہے کہ جو بزرگ قریب میں دستیاب ہو جائے، اسے کیش کراتے ہیں۔ مستقل دعوت دے کر نہیں بلاتے۔ جیسے تم مجھے مستقل دعوت دے کر لاہور سے بلاتے ہو کہ حضرت! کافی عرصہ ہو گیا ہے ملاقات نہیں ہوئی، اِس طرح دوسرے لوگوں کو بھی کرنا چاہیے اور انھیں بھی سلیقہ ہونا چاہیے کہ کسی کو کیسے بلایا جاتا ہے۔

☆......حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ مجھے اپنا ایک واقعہ یا آپ بیتی کہہ لیں، سنائی، جسے میں آج بھی یاد کرتا ہوں۔ فرمایا: جس دور میں مَیں نے بحیثیت جج حلف اٹھایا تو ہمارے مسلک کے بڑے بڑے حضرات اس پر نالاں تھے کہ ایک بڑی شخصیت کو فارغ کیا گیا تھا، اِس لیے علامہ صاحب کو اُسی حیثیت سے حلف نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔ (مَیں [عبدالرحمٰن رحیمی] نے خود بھی محسوس کیا کہ ایک کھچاؤ اور بائیکاٹ کی سی کیفیت تھی، میں نے اپنے کانوں سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ علامہ صاحب نے اچھا نہیں کیا۔ علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ) برطانیہ میں بھی مَیں نے محسوس کیا کہ بہت کھچاؤ آ گیا ہے، ملنے ملانے میں بہت کمی آ گئی ہے، بالکل ایک انجماد سا تھا۔ خیر وقت گزرتا گیا۔ ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ شیخ المشائخ، امام نقشبند حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ برطانیہ تشریف لائے ہوئے ہیں، میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنے ہاں ختم نبوت کے عنوان پر ایک پروگرام رکھنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ تو حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے قبول فرما لیا۔ (حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خوبی تھی کہ ختم نبوت کے عنوان سے ہونے والے کسی پروگرام کی دعوت رد نہیں فرماتے تھے، نہ کوئی عذر پیش کرتے بلکہ دعوت قبول فرما لیتے تھے، اور ضرور جاتے تھے۔)

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ: چنانچہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، بیان صرف میرا ہی تھا، کسی اور کو

دعوت نہیں دی۔ میں نے بیان کیا، اور بیان بہت طویل تھا، (علامہ صاحبؒ نے بیان کا دورانیہ بتایا تھا، لیکن اَب مجھے پوری طرح یاد نہیں۔) بہت لمبا بیان ہوا، آخر میں مجھے خود بھی محسوس ہونے لگا کہ سچ یہ ہے کہ آج کا بیان میرا بیان نہیں، حضرت خواجہ صاحب کی توجہات کی بدولت ہے۔ چنانچہ میں نے بیان کے آخر میں اپنے اِس احساس کا اظہار کیا کہ آج کا یہ بیان میرا نہیں، ڈاکٹر علامہ خالد محمود کا بیان نہیں، بلکہ کرسیٔ صدارت پر تشریف فرما بزرگ ہستی کی روحانی توجہات کی برکات ہیں۔ بیان ہوگیا۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب کی کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ اُن کی میرے پروگرام میں تشریف آوری سے وہ کھچاؤ اور انجماد کی کیفیت ختم ہوگئی جو وہاں پائی جاتی تھی، اور پہلے کی طرح لوگوں کا آنا جانا، ملنا ملانا شروع ہوگیا۔

☆...... پاکستان کے ایک بہت بڑے دینی ادارے کے مدیر جو اَب دنیا میں نہیں رہے، انہوں نے اپنی کسی تحریر میں ایک جملہ لکھ دیا کہ: ''شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کو ماننے والے، ان کی سیاست سے اتفاق کرنے والے بھی اُنھیں نہیں سمجھے، جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اُن کو سمجھا ہے، وہ بھی نہیں سمجھے۔'' مجھے اِس جملے پر بہت طیش آیا، چنانچہ میں نے اُن صاحب کو خط لکھا اور کافی سخت سست کہا، یہ بھی لکھا کہ: ''حضرت مدنی رحمہ اللہ بہت اونچے انسان اور بہت بڑے آدمی تھے، ہزاروں علماء اور لاکھوں کروڑوں لوگ جو اُن سے عقیدت ومحبت کا دم بھرتے ہیں، بلاشبہ اخلاص کے ساتھ دل وجان سے اُن کو چاہتے ہیں، اگر وہ بھی حضرت مدنی کو نہیں سمجھے تو آپ جیسا آدمی کیا سمجھے گا جس نے ہمیشہ اُن کی سیاست سے اختلاف کیا ہے۔'' اس خط کی ایک نقل میں نے اپنے پاس محفوظ کرلی تھی، حضرت علامہ صاحب میرے پاس تشریف لائے تو میں نے وہ نقل ان کی خدمت میں پیش کی اور بتایا کہ ان صاحب نے حضرت مدنی کی سیاست اور اُن کے متعلقین کے بارے میں یہ جملہ لکھا تھا، اِس پر میں نے یہ خط انھیں بھیجا ہے، حضرتؒ نے وہ خط پڑھا، پھر کافی دیر مجھے دیکھتے رہے، خوشی کا اظہار بھی بہت فرمایا اور کہنے لگے: یہ تو بہت بڑے آدمی ہیں، آپ نے تو ایسے ان کو کھری کھری سنا دیں جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی، تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! جتنے بھی بڑے ہوں، حضرت مدنیؒ سے بڑے تو نہیں ہیں۔ تو بہت خوش ہوئے، ڈھیروں دعائیں دیں اور مجھے فرمایا کہ اِس کی ایک نقل مجھے بھی دے دو، میں نے عرض کیا کہ: یہی آپ رکھ لیں، میں نے اَب اِس کا کیا کرنا ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ بار بار یہ فرماتے رہے: ''بہت عجیب بات ہے، کیسے انہوں نے یہ لکھ دی۔''

حضرت علامہ صاحب کی سادگی، تواضع اور عاجزی بھی بے مثال تھی، جب آپؒ نے بحیثیت جج حلف اُٹھایا، تب ایک مرتبہ مجھے فون کیا کہ: اِس ہفتے کے دوران تم نے کہیں جانا تو نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: آپ حکم فرمائیں! فرمایا: نہیں حکم نہیں ہے، اِس ہفتے کی کوئی مصروفیت ہے تو مجھے بتا دو! میں نے عرض کیا کہ کوئی مصروفیت نہیں ہے۔ فرمایا: آج شام سات بجے کی بس سے میں ملتان آرہا ہوں، آپ مجھے اڈے سے وصول کرلینا۔ میں نے عرض کیا کہ: اگر آپ اجازت دیں تو ججوں سے متعلقہ ادارے کو میں اطلاع کردیتا ہوں، وہ گاڑی اور محافظ بھی فراہم کریں گے، جب تک آپ کا مدرسہ میں قیام ہوگا، سرکاری محافظ بھی یہاں موجود رہیں گے۔ فرمایا: یہ ساری باتیں مجھے بھی آتی ہیں، مجھے ایک سیکرٹری ملا ہوا ہے، اُسے اشارہ کردوں تو ملتان میں سب انتظامات

کر دے گا، لیکن میری بات یاد رکھو کہ جس بے تکلفی کے ساتھ میں تمہارے پاس بیٹھوں گا، بات چیت کروں گا، بلا تکلف ہم کہیں آئیں جائیں گے، سرکاری انتظامات کے ہوتے ہوئے وہ نہیں ہو پائے گا۔ لہٰذا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ قارئین! یقین کیجیے کہ بندہ اڈے پر گیا، حضرت علامہ صاحبؒ کو ساتھ لیا، رکشہ کروایا اور اپنے مدرسہ آ گیا۔ سادگی اور عاجزی کی ایسی مثالیں اَب شاید ہی کہیں دیکھنے کو ملیں۔

☆......ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ: بڑے عرصہ سے مجھے پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی صاحب سے ملاقات اور اُن کا بیان سننے کی خواہش ہے، میں نے عرض کیا کہ: جب آپ ملتان تشریف لائیں گے تو اِن شاء اللہ ملاقات کی ترتیب بن جائے گی۔ پھر ایک مرتبہ میں نے حضرت علامہ صاحب سے فون پر بیان کے لیے وقت لیا کہ معراج کے حوالے سے سیر حاصل اور تفصیلی بیان کے لیے آپ کا وقت چاہیے، تو حضرت نے منظور فرمالیا، میں نے سوچا کہ خواجہ ابوالکلام صاحب کی حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات بھی ہو جائے گی، چنانچہ میں نے حضرت خواجہ ابوالکلام صاحب کا وقت بھی لے لیا۔ جب علامہ صاحب تشریف لائے تو میں نے بتایا کہ: خواجہ ابوالکلام صاحب کا بیان بھی ہے، فرمایا: اچھا!؟ بہت اچھا کیا تم نے۔ اللہ اکبر! کیسی تواضع، انکساری اور عاجزی تھی، اتنے بڑے آدمی، علم وفضل کے بادشاہ اور اپنے سے علم وعمر میں کہیں چھوٹے کے بیان پر ایسی کشادہ دلی اور اظہارِ خوشی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ علامہ صاحب نے مجھے فرمایا: میں نے خواجہ صاحب کے بیان کے دوران کرسی پر نہیں بیٹھنا، دیگر احباب کے ہمراہ نیچے ہی بیٹھوں گا، تاکہ مجھے ان کے بیان سے فائدہ ہو، میں نے بہت اصرار کیا، لیکن علامہ صاحب کرسی پر بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

آپ حیران ہوں گے کہ خواجہ ابوالکلام صاحب کا بیان ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا، (ماشاءاللہ معراج کے حوالے سے اُٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل بہت زبردست بیان تھا۔) حضرت علامہ صاحب سامعین کے ساتھ بیٹھ کر سماعت فرماتے رہے، اس کے بعد میں نے حضرت علامہ صاحب کو بیان کی دعوت دی، علامہ صاحب کرسی پر تشریف فرما ہوئے، خطبہ مسنونہ کے بعد چند جملے فرمائے، وہ جملے آج بھی علامہ صاحب کی بے نفسی، للّٰہیت، اصاغر نوازی، تواضع اور عظمت کے نقوش میرے دِل ودماغ پر ثبت کیے ہوئے ہیں، یقیناً اُس مردِ قلندر کی زندگی ملمع سازی، ریاکاری اور بناوٹی باتوں سے کوسوں دُور تھی، جو فرماتے تھے اخلاص اور دِل کی گہرائی سے ہی فرماتے تھے، فرمایا: ''میری خواہش تھی کہ پروفیسر خواجہ ابوالکلام صاحب کی گفتگو سنوں، ان سے ملاقات کروں، ہمارے عزیز قاری عبدالرحمٰن رحیمی نے اِس تقریب کے بہانے نہ صرف ہماری ملاقات کرادی، بلکہ خواجہ صاحب کا بیان سننے کا موقع بھی فراہم کردیا، میں نے ان کی گفتگو سنی ہے، ان کے بیان کے بعد اِس عنوان پر مزید کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے انتہائی قیمتی اور خوبصورت لباس پر چمڑے کا پیوند لگا دیا جائے۔ لہٰذا اِن کی گفتگو کے بعد کسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔'' اس کے بعد چند جملے ارشاد فرما کر اختتامی دعا کرادی۔

علامہ صاحبؒ نے کئی مرتبہ مجھے فرمایا: عبدالرحمٰن! میں عرصہ سے برطانیہ میں رہ رہا ہوں، لیکن میں اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کرتا ہوں کہ میری موت برطانیہ میں نہ آئے، میں اپنے ملک میں مروں، یہی میرا مدفن بنے، میں برطانیہ میں نہیں مرنا چاہتا۔

لیکن جو اللہ پاک نے نوشتۂ تقدیر میں لکھ دیا ہے، وہ بھلا کیسے ٹل سکتا ہے؟

☆......مظفر گڑھ میں مولانا محمد احمد رحمہ اللہ جو حضرت علامہ صاحبؒ کے بقول بہت مضبوط عالم اور بہت اچھے مناظر تھے، ایک مرتبہ علامہ صاحب اُن کی دعوت پر اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ فقیر بھی ہمراہ تھا، رات کے کھانے کے بعد انہوں نے علامہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ: ہماری خواہش ہے کہ آج آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیں، اُن کا جملہ سن کر حضرت علامہ صاحب نے جو انداز اختیار فرمایا، میرے لیے بالکل نیا تھا، علامہ صاحب نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا: مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا کہ آپ مجھے رات قیام کرنے کا کہہ رہے ہیں، وہ بہت حیران ہوئے، علامہ صاحب کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے، اور بار بار یہی ارشاد فرما رہے تھے کہ: بہت دکھ ہوا، بڑا افسوس ہوا کہ آپ مجھے رات قیام کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ خاصی دیر یہ صورتِ حال رہی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہ علامہ صاحب کی منت سماجت پر آ گئے کہ حضرت! مجھے معاف فرما دیں، میرا یہ جملہ آپ کو برا لگا تو میں معافی مانگتا ہوں، پھر علامہ صاحب نے صورتِ حال واضح کی اور فرمایا: میں آپ سے مزاح کر رہا تھا، آپ نے مجھے کہا ہے کہ: رات قیام کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھے ساری رات کھڑا رکھنا چاہتے ہیں، خود تو آپ رات بھر بستر پر آرام فرمائیں گے اور مجھے کھڑا رہنے کا کہہ رہے ہیں؟ علامہ صاحب کی اِس وضاحت کے بعد مجلس قہقہوں سے گونج اٹھی، بہت خوبصورت مجلس تھی، پھر علامہ صاحب اور یہ فقیر اُن سے اجازت لے کر ملتان آ گئے اور علامہ صاحبؒ نے رات ہمارے ہاں ''قیام'' فرمایا۔ (دیکھیے: ۱۸۹/۲)

☆......ایک مرتبہ بیان کے دوران علامہ صاحبؒ نے ایک جملہ فرمایا، جو میرے لیے بالکل نیا مگر بہت ہی خوبصورت جملہ تھا، فرمایا: لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیوں بنایا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے زیادہ قریبی تھے، چچا زاد بھائی بھی تھے، داماد بھی تھے، تربیت بھی حضورؐ کے گھر ہوئی تھی، لہٰذا حضرت علیؓ اِن نسبتوں کی وجہ سے زیادہ قریبی ہوئے، اور خلافت کے زیادہ حق دار ٹھہرے۔ فرمایا: بے وقوفوں کو معلوم نہیں کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔ ہم بہت حیران ہوئے کہ: اللہ کی سنت کیسے ہوئی؟ سارا مجمع غور سے علامہ صاحب کو دیکھنے لگا، فرمایا: میرے اس جملے سے پریشان ہو گئے؟ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، حضور نے قریبی کو چھوڑ کر دُور والے کو جانشین بنایا، یہ اللہ کی سنت اور طریقہ ہے، وہ ایسے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں، ہر وقت عبادت میں مشغول اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں، کبھی نافرمانی نہیں کرتے، حکم عدولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو چھوڑ کر انسان کو خلیفہ بنایا، جس کو بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، محنت کرنی پڑتی ہے، نماز میں دھیان کے لیے ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود خلافت انسان کو ملی جو دُور والا ہے، فرشتوں کو نہیں ملی جو اللہ کے قریب والے ہیں۔ فرمایا: یہی سنت حضورؐ نے بھی یہاں قائم فرمائی کہ خلافت ابوبکر کو دی ہے علیؓ کو نہیں دی۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو بقعۂ نور بنائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، اُن کے علوم و فیوض سے ہمیں محروم نہ فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ رشید احمد الحسینی، بن مولانا حافظ محمد الیاس مظہریؒ، حضرو

سلطان العلماءؒ سے وابستہ منتشر یادیں

حضرت علامہ صاحبؒ سے پہلی ملاقات اِس لیے یاد نہیں کہ میرے والد صاحب (مولانا حافظ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے علامہ صاحب کا بہت گہرا تعلق تھا۔ علامہ صاحب سیالکوٹ سے جب لاہور آئے تو لاہور میں ان کا تعارف کروانے میں والد صاحبؒ کا کافی کردار تھا، والد صاحب چونکہ چند سال پہلے سے لاہور میں تھے، اوران کی علمیت کی وجہ سے شہر بھر میں تعارف بھی تھا، بہت سی جگہ جہاں والد صاحب کا بیان ہوتا وہاں حضرت علامہ صاحب کا بھی بیان رکھ لیا جاتا تھا۔ تو چونکہ ہمارے بچپن سے ہی علامہ صاحبؒ کا والد صاحبؒ کے ہاں آنا جانا بہت تھا، اس لیے مجھے بچپن سے ہی زیارات کا موقع ملتا رہا، لہٰذا پہلی ملاقات تو یاد نہیں۔ اور آخری ملاقات اُس وقت ہوئی جب موضع بہبودی ضلع اٹک میں حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے پوتے (شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰنؒ [خلیفہ مجاز: حضرت تھانویؒ] کے پڑپوتے) خالد صاحب کا نکاح پڑھانے تشریف لائے۔ دوران گفتگو میں نے پوچھا کہ حضرت ایک روایت سنی ہے کہ جب کوئی قبر پر فاتحہ خوانی کے آئے تو صاحبِ قبر اسے دیکھ کر اُسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح زندگی میں اس کی آمد پر خوش ہوا کرتا تھا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ تو فرمایا: بالکل ٹھیک ہے، اس وقت بالاستیعاب حوالہ میرے ذہن میں نہیں ہے، پھر دو چار کتابوں کے نام لیے کہ ان کتابوں میں حوالہ مل سکتا ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ میرے والد صاحب کا مزار یہاں سے قریب ہی ہے، آپ اگر تشریف لے چلیں تو اُن کو بہت خوشی ہوگی، چنانچہ مزار پر تشریف لے گئے، فاتحہ پڑھی، پھر قریب قبرستان میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی فاتحہ پڑھی اور روایت بھی سنائی کہ جب قبرستان میں جائیں تو عام مدفونین کے لیے بھی دعائے مغفرت کریں اوران کو بھی ایصال ثواب کریں۔ پھر واپسی پر موٹروے تک بندہ ساتھ آیا۔ وہی ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

مجھے اس دن حضرت علامہ صاحبؒ کی تشریف آوری کا تاخیر سے علم ہوا تھا، نمازِ عصر کے بعد نکاح تھا، ظہر کے بعد ان کے گھر میں علماء سے گفتگو شروع ہوئی، میں پہنچا تو حضرت کا بیان جاری تھا، میں بیٹھ گیا، کچھ مماتی مولوی بھی زبردستی گھس گئے تھے، حالانکہ وہ گھر کی نجی مجلس تھی، باقاعدہ عوامی بیان کی تقریب نہیں تھی۔ بیان کے بعد ملاقات ہوئی، ایک عرصہ بعد ملاقات کا موقع ملا تھا، بڑھاپا بھی تھا، میں نے سوچا کہ خدا جانے پہچان پائیں گے یا نہیں، اِس لیے اپنا نام بتا کر تعارف کرانا چاہا تو فرمایا: ہاں ہاں پہچان لیا ہے۔ میں ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا، پھر میں نے اپنے بیٹے کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ: یہ میرا بیٹا ہے، تو حاضرین سے فرمایا: دیکھو! بیان میں مَیں کہہ رہا تھا والدین کو اولاد بہت پیاری ہوتی ہے، اسی پیار کی وجہ سے انہوں نے مجھے اپنے بیٹے کا تعارف کروایا۔

پھر ایک دو باتیں کرنے کے بعد فرمایا کہ میں ان (صاحب خانہ، خالد صاحب) کے دادا جان کا تعارف کرواتا ہوں۔ ہم لوگ کیونکہ علاقہ بھر میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کی محنت میں مشہور تھے، اِس لیے وہاں موجود مماتیوں کو حضرت کی مجھ پر شفقت اور

حیاتیوں کا تذکرہ ہضم نہیں ہورہا تھا، لہٰذا ایک صاحب فوراً بولے: ''حضرت! وہ آپ فرما رہے تھے کہ...'' اُنہوں نے علامہ صاحب کی بات کاٹ دی، جسے سب حاضرین مجلس نے محسوس کیا، خود علامہ صاحبؒ بھی بھانپ گئے، نہایت جلالی انداز میں اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا: ''میں کیا کہہ رہا تھا'' وہ کہنے لگے: '' آپ فرمارہے تھے کہ کالجی لڑکوں کو بھی قریب لانا چاہیے، ان کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے۔'' پھر کہنے لگے کہ: اگر وفاق والوں کو آپ اس طرف متوجہ فرمادیں، آپ کے تو ان کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وغیرہ، الغرض انھوں نے حضرت علامہ صاحب کو خالد کے داداجان کے تذکرے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، لیکن چونکہ انھوں نے اس کے لیے نہایت نامناسب انداز اختیار کیا تھا اور علامہ صاحب کی بات کاٹ دی تھی، اس لیے حضرت اسی جلالی انداز میں پوچھا کہ: یہ وفاق کیا ہے؟ پورا نام لو اس کا۔ وہ کہنے لگے: ''وفاق المدارس العربیہ''۔ حضرت نے فرمایا: ''عجیب بات کی ہے آپ نے، میں سکول وکالج کی بات کررہا ہوں، اور آپ انھیں العربیہ کے ساتھ جوڑ رہے ہیں، نام کا بھی خیال نہیں کیا آپ نے۔ حضرت چونکہ بلا کے ذہین، حاضر دماغ اور مناظر تھے، لہٰذا اِس قسم کی دو چار باتیں ارشاد فرما کر اُن کا دماغ درست کیا، اب اُن کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اور حضرت کو شاید اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ مماتی ہیں، اور اِس تقریب میں بلا دعوت ہی آگئے ہیں، تو نکاح کے بعد جب حضرت نے دعا کرائی تو مماتیوں کے نظریہ کی تردید کی خاطر وسیلہ اختیار فرمایا، فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہل بیت کے صدقے، وسیلے اور ان کے طفیل ہماری دعا قبول فرما'' پھر میں نے اسی مجلس میں کہہ دیا کہ بعض لوگ وسیلے کو شرک کہتے ہیں، حالانکہ دیکھ لیں حضرت علامہ صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ وسیلے سے دعا مانگی ہے بلکہ اس کے لیے تینوں لفظ ''وسیلہ، صدقہ اور طفیل'' استعمال فرمائے ہیں، تاکہ کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ اِس پر بعض مماتی حاضرین کی جو کیفیت ہوئی محتاج بیان نہیں۔

لاہور جب بھی حاضری ہوتی تو اکثر حضرت کی خدمت میں بھی جانا ہوتا، بارہا کرنل سلیم صاحب کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی، جہاں اکثر علامہ صاحب ٹھہرا کرتے تھے۔ مرزائیوں کے ساتھ علامہ صاحب کے ایک مناظرے میں ہمارے والد صاحب بھی ساتھ تھے، وہ مناظرہ ''نصرۃ الاسلام'' کے نام سے مطبوعہ ہے، اس میں تفصیلات موجود ہیں۔(ا)

والد صاحب کی زندگی کے آخری ماہِ ربیع الاول کی بات ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے چکوال کے کسی جلسہ میں جانا تھا، والد صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو والد صاحبؒ نے فرمایا: آپ تشریف لے آئے ہیں تو جمعہ ہمارے ہاں پڑھا دیں، والد صاحبؒ اس وقت ماڈل ٹاؤن، بی بلاک، دارالقراء کے ساتھ والی مسجد میں ہوتے تھے۔ علامہ صاحبؒ نے فرمایا مجھے چکوال کے فلاں جلسہ میں شرکت کے لیے جانا ہے۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ: وہ جلسہ تو ہمارے حضرت (قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) کے مقابلے میں کیا جاتا ہے، حضرت کا جلسہ پہلے سے اس دن کو ہوتا چلا آرہا ہے، ان لوگوں نے اب اسی دن وہیں قریب جلسہ کرنا شروع کردیا ہے۔ علامہ صاحب کو اِس صورتِ حال کا علم نہیں تھا، اب جب انھیں علم ہوا تو فرمایا کہ: اگر یہی بات ہے تو میں اس جلسہ میں شرکت کے لیے نہیں جاؤں گا۔ یہ واقعہ علامہ صاحب کی حضرت قائد اہل سنت سے گہرے تعلق کی

(ا) مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے مضمون میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ دیکھیے: ۱/۲۶۰ [ادارہ]

بڑی دلیل ہے۔ پھر حضرت نے ہماری مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ اسی طرح ایک مرتبہ عید کے موقع پر ہمارے تشریف لائے ہوئے تھے تو والد صاحبؒ نے علامہ صاحب کو اپنے ہاں عید پڑھانے کا بھی کہا۔ گویا کبھی کبھی وہ عید بھی ہمارے ہاں کرتے تھے۔ جب علامہ صاحبؒ نے کپڑے بدلے تو رومال پرانا تھا، والد صاحب نے مجھے بھیج کر گھر سے نیا رومال منگوایا اور علامہ صاحب کو دیا۔

ایک دفعہ میرے والد صاحبؒ کی سخاوت پر بات سنائی، فرمایا کہ: ایک دفعہ ہم بہت سارے علماء اکٹھے ان کے پاس چلے گئے اور ان کی تنخواہ سے زیادہ ان کا خرچہ کروا دیا۔ بے تکلفی میں ہم مطالبہ کرتے رہے اور انہوں نے محسوس تک نہیں فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ ڈائیو و بس میں سفر کا اتفاق ہوا، اس وقت حضرت جج تھے، نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا، گاڑی کا اسٹاپ آنے تک وقت ختم ہو جاتا، میں نے ڈرائیور سے کہا کہ: نماز کے لیے کہیں گاڑی روک دے تو اس نے کہا کہ: ہمیں کمپنی کی طرف سے متعین مقام کے علاوہ کہیں گاڑی روکنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ: حضرت جج ہیں، تو اس نے کہا کہ: اگر آپ لکھ کر دے دیں کہ یہ چند منٹ کی تاخیر آپ کی وجہ سے ہوئی تو میں گاڑی روک دیتا ہوں، لکھوا اِس لیے رہا ہوں کہ کمپنی کی طرف سے جرمانہ نہ ہو۔ میں نے حضرت کی طرف سے لکھ کر دے دیا۔ اس نے بس روکی اور سب نے نماز پڑھی۔ دورانِ سفر حضرت کی طرف سے بے مثال شفقت کا معاملہ رہا۔

میرے والد صاحبؒ فوت ہوئے تو میں ابھی درجہ رابعہ میں زیر تعلیم تھا، مسجد کی انتظامیہ نے مجھے امامت وخطابت کے لیے منتخب کر لیا، حضرت علامہ صاحبؒ کو علم ہوا تو فرمایا کہ: جب تک یہ پڑھ رہا ہے، اس کی مسجد میں جمعہ اور عید میں پڑھایا کروں گا۔ آہ! ایسی شفقتیں اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔ چنانچہ حضرتؒ نے وہاں جمعہ پڑھانا شروع کر دیا۔ لیکن مجھے اہل خاندان کی طرف وہاں رہنے کی اجازت نہ مل سکی تو وہاں سے واپس آنا پڑا۔

ایک مرتبہ لاہور میں کسی جگہ تعزیت کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ جانا ہوا، ہمارے والد صاحب کے ایک معتقد جناب اسرار صاحب بھی ہمراہ تھے، جو پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں، اُن کے والد صاحب بریلوی تھے، ہمارے والد صاحب سے علیک سلیک ہوئی تو ہمارے گھر آنا شروع کیا، شروع میں متشدد تھے، اس لیے والد صاحب کے بیان وغیرہ میں نہیں آتے تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن میں اعتدال آیا تو افسوس کرتے تھے کہ ایسی عظیم علمی ہستی سے استفادہ کا موقع بھی تھا جو میں گنوا دیا، بس چند جمعے ہی ان کے بیان سن سکا، البتہ بعد میں اکثر نمازیں ہمارے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تو ڈاکٹر اسرار صاحب کے گھر علامہ صاحب کی اور میری دعوت تھی، وہاں قریب ہی ایک عالم جو امام مسجد تھے، وہ وفات پا گئے تھے، حضرت پہلے اُن کے ہاں تشریف لے گئے اور تعزیت فرمائی، جناب ڈاکٹر اسرار صاحب کے والد صاحب بھی ہمراہ تھے، علامہ صاحبؒ نے وہاں ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرائی، حالانکہ بہت سے مقامات پر اس کا رواج ہے اور ضروری سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ڈاکٹر اسرار صاحب کے والد صاحب کو یہ بات محسوس ہوئی، جب تعزیت سے واپس آئے تو علامہ صاحبؒ نے ڈاکٹر اسرار صاحب کے والد صاحب سے فرمایا: تعزیت کا مطلب ہے فوت ہونے والے کے لواحقین کو صبر دلانا، تسلی دینا، بعض لوگوں کے ہاں اِس موقع پر دعا کی ترتیب ہوتی ہے، لیکن جہاں ہم گئے تھے وہ لوگ اِس موقع پر ہاتھ اٹھانے کو ٹھیک نہیں سمجھتے، اور شریعت نے بھی اِس کا حکم نہیں دیا، اِس لیے میں نے بھی

ہاتھ اُٹھا کر دعا نہیں مانگی۔ ہم چونکہ تسلی دینے گئے تھے، لہٰذا شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسا انداز اپنانا ضروری تھا جس سے اُنھیں تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔ حضرت نے ایسے شفیق لہجے میں پوری بات سمجھا دی کہ ڈاکٹر اسرار صاحب کے والد صاحب بولے: میں سوچ ہی رہا تھا کہ آپ سے پوچھوں کہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ کیوں نہیں اٹھائے، آپ نے خود ہی بتا دیا۔ اور حضرت کی بات سے بہت مطمئن ہوئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ ایسی حکمت اور بصیرت سے پیش آتے اور ایسی ہمدردی سے بات سمجھاتے تھے کہ مخالف بھی بات تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صبر وتحمل کا ایک واقعہ یاد آ گیا، ٹمبر مارکیٹ لاہور کی مسجد میں ہمارے پھوپھی زاد بھائی مولانا قاری الطاف ربانی رحمۃ اللہ علیہ خطیب تھے، ہمارے والد صاحب کی وجہ سے علامہ صاحب اُن پر بھی بہت شفیق تھے، اور بہت گہرا تعلق تھا، ایک مرتبہ علامہ صاحب نے اُنھیں اپنے ساتھ برطانیہ لے جانے کا ارادہ کیا اور ویزہ کا انتظام بھی فرمالیا، جانے کے انتظامات ہو گئے، ساری ترتیب مکمل ہو گئی۔ لیکن مولانا الطاف کی والدہ یعنی ہماری پھوپھو صاحبہ نے اُنھیں اجازت نہ دی، اِس پر شاید گھر میں کوئی بات ہوئی، مولانا الطاف چونکہ تھوڑے جذباتی بزرگ تھے، لہٰذا انھوں نے دلبرداشتہ ہو کر وہ پاسپورٹ اور ویزہ ہی چاک کر دیا۔ جب جانے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ صاحبؒ ان کے ہاں تشریف لائے، اور پوچھا کہ: الطاف! تیار ہو؟ تو انھوں نے بتایا کہ مجھے والدہ سے اجازت نہیں ملی، اور میں نے وہ ویزہ بھی پھاڑ دیا ہے۔ حضرت نے حیرانگی سے پوچھا: کیا کہہ رہے ہو الطاف؟ انھوں نے مکرر عرض کیا کہ: جی حضرت! وہ ویزہ میں نے پھاڑ دیا ہے۔ والدہ کی طرف سے اجازت نہیں تھی، گھر میں کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو میں نے وہ پھاڑ دیا۔

ایک دم تو حضرت علامہ صاحب کو گویا جھٹکا لگا، انگلینڈ کا ہزاروں لاکھوں کا ویزہ، علامہ صاحب نے انھیں مفت فراہم کیا، اور اس کے لیے جو بھاگ دوڑ اور محنت ہوئی ہو گی وہ الگ، چنانچہ حضرت کو جلال آیا اور فرمایا: ''الطاف! اگر تم حضرت (میرے والد مولانا الیاسؒ) کے بھانجے نہ ہوتے.....'' جملہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ علامہ صاحبؒ بالکل خاموش ہو گئے۔ مزید ایک جملہ بھی نہیں فرمایا۔ اور نہایت تحمل سے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ پھر نرمی سے سمجھایا کہ بندۂ خدا، آپ نے نہیں جانا تھا تو ویزہ کسی اور کے کام آ جاتا۔ وہاں کا ویزہ ایسی آسانی سے تو نہیں ملتا۔ بس! حضرت علامہ صاحب کو حیرت اور صدمہ کا جھٹکا تو ضرور لگا، لیکن طبیعت پر فوراً ایسے قابو پالینا اور بعد میں بھی کبھی کچھ نہ کہنا صبر وتحمل اور بردباری کی اعلیٰ مثال ہے۔

ایک مرتبہ حضرو کی جامع مسجد میں علامہ صاحبؒ بیان فرما رہے تھے، عقیدہ حیات کے حوالے سے بات چل رہی تھی، اچانک سامعین سے ایک سوال کیا کہ: یہ جو سامنے لاؤڈ اسپیکر رہے، اِس پر آپ کا ایمان ہے؟ کچھ لوگوں نے کہہ دیا: جی! تو فرمایا: نہیں بھائی، یہ ایمان نہیں، یہ تو مشاہدہ ہے، ایمان تو بالغیب ہوتا ہے، اَن دیکھی چیز کو ماننا ایمان کہلاتا ہے، دیکھی ہوئی چیز کو تسلیم کرنا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر مختلف انداز سے استدلال فرماتے رہے، یہ بھی فرمایا کہ: جو لوگ کہتے ہیں ہمیں قبر کا عذاب وثواب نظر نہیں آتا، تو اُن کا ایمان تو نہ ہوا، ایمان تو ہے ہی وہ جو بن دیکھے ہو۔ یہ لوگ دیکھ کر مان بھی لیں تو وہ مشاہدہ ہو گا ایمان نہیں۔

اللہ تعالیٰ علامہ صاحب سمیت تمام اکابر اہل سنت کی قبروں کو جنت الفردوس کا باغ بنائے۔ آمین ☆☆

مولانا مفتی احسن احمد عبدالشکور، بہاول پور

بذلہ سنج، نکتہ رَس علامہ صاحب سے آخری ملاقات

استاذ محترم علامہ خالد محمود صاحب کو لفظ ''علامہ'' خوب جچتا تھا۔ حضرت، مولانا، ڈاکٹر، صاحب وغیرہ جیسے القابات کی خوش قسمتی کہ وہ بھی ان کی شخصیت کے ساتھ جڑ گئے تھے۔ علمی متانت، رعب دار شخصیت، نکتہ رس ذہن، فکری گہرائی وگیرائی، اور بذلہ سنج طبیعت کے ساتھ ساتھ چہرے پہ پھیلی معصومیت کا حسین امتزاج تھے۔

جب علامہ صاحب آخری مرتبہ پاکستان تشریف لائے، تو بہاول پور میں بھی اطلاع مل گئی کہ آج کل علامہ صاحب پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ایک عرصے سے دل میں خواہش تھی کہ علامہ صاحب سے ملاقات تازہ کی جائے اور پھر سے ان کی نصیحتوں کے موتی سمیٹے جائیں۔ اسی کو سامنے رکھ کر مفتی یوسف صاحب نے پروگرام مرتب فرمایا، اور چند ساتھی دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے چند طلبہ اور کچھ علماء ومفتیان کرام اکٹھے ہوئے اور لاہور پہنچے۔ ان دنوں علامہ صاحب محمود کالونی شاہدرہ لاہور میں، اپنے قائم کردہ ادارے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' میں سکونت پذیر تھے۔

نمازِ فجر کے فوراً بعد ہم حضرت کی زیارت کی نیت سے جامعہ ملیہ اسلامیہ پہنچے۔ علامہ صاحب کے ہاں کسی کتاب کی نظر ثانی کا کام چل رہا تھا، سو انتظار میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلے کی بہ نسبت کافی کمزور محسوس ہوئے، گو آواز میں اب بھی وہی دم خم تھا۔ نوے چورانوے (۹۰،۹۴) برس کی عمر جو عموماً ارذل العمر شمار ہوتی ہے، اس میں بھی حافظہ قوی اور فکر ودانش عروج پر تھے۔ پوچھنے پر عرض کیا: دارالعلوم مدنیہ بہاول پور سے کچھ ساتھی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت بہت پہلے کہیں دارالعلوم مدنیہ تشریف لا چکے تھے، اور انہیں ادارہ اچھی طرح یاد تھا۔ وہاں کے کچھ اساتذہ کے حال احوال کے بارے میں استفسار فرمایا۔

ہمارے پاس تو کوئی موضوع نہیں تھا اور کچھ ہوتا بھی تو علامہ صاحبؒ کے سامنے کس کی جرأت تھی کہ لب کشائی کرسکتا؟ علامہ صاحب نے خود ہی دریافت فرمایا: آگے کیا پروگرام ہے؟ ساتھیوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ جواب دے، اس لیے کہ طالب علم ساتھیوں کا ارادہ تھا کہ لاہور آنا ہوا ہے تو شاہی مسجد اور شاہی قلعے کی سیر بھی کر لی جائے۔ اب یہ سیر کرنے کی بات علامہ صاحب سے کون کہتا؟ حضرت نے ہمارا سکوت دیکھ کر جیسے بھانپ لیا، اور فرمایا: ظہر (جمعہ) کی نماز کہاں پڑھو گے؟ ہمارے رفیق سفر مفتی یوسف صاحب نے عرض کیا: ارادہ تو یہ ہے کہ رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں پڑھیں۔ اس پر علامہ صاحب نے اثبات میں سر ہلا کر کچھ دیر کے لیے سکوت فرمایا۔

اس کے بعد دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: یہ امت آخری امت ہے۔ اور ان کا دین آخری دین

ہے۔اور دین میں کمی بیشی کرنا گمراہی ہے۔اب یہ بتاؤ کہ اس امت میں کوئی گمراہی آسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ہم خاموش رہے تو دوبارہ پوچھنے لگے۔اس پر ہم نے عرض کیا: جی گمراہی آتو سکتی ہے۔

تو علامہ صاحب نے فرمایا: اگر اس امت میں گمراہی آسکتی ہے، تو کیا یہ گمراہی ختم ہونے کی کوئی مدت بھی ہے یا نہیں؟، یا پھر یہ گمراہی ایسی ہوگی کہ ہمیشہ چلتی رہے چلتی رہے!؟ سوال گہرا تھا، ہماری سوچ سے اوپر، حضرت نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا تو میں نے عرض کیا: جی حضرت! یہ گمراہی ختم ہونے کی مدت بھی ہے۔حضرتؒ نے پھر پوچھا: اگر اس گمراہی کے ختم ہونے کی مدت ہے، تو وہ زیادہ سے زیادہ کتنے سال چل سکتی ہے؟ حضرتؒ کے اس سوال پر، حضرت ہی کی برکت سے ذہن میں ابوداؤد شریف کی تجدید دین والی روایت تازہ ہوئی، اور میں نے عرض کیا: حضرت! گمراہی کے باقی رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت سو سال ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔حضرت نے پھر فرمایا: یہ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں اس امت میں آنے والی گمراہی کی زیادہ سے زیادہ مدت سو سال ہوسکتی ہے۔صحیح ہے یا غلط؟ جواب تو کسی نے کیا دینا تھا، حضرت نے خود ہی ارشاد فرمایا: مولوی صاحب کی بات صحیح ہے۔پھر بالکل مختصر الفاظ میں تجدید دین والی حدیث کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے: جب یہ دین آخری ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ قیامت تک چلے گا۔اور یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوجائے، اور گمراہی آجائے، لیکن وہ ہمیشہ چلے گی نہیں۔گمراہی آتو سکتی ہے، لیکن ہمیشہ چل نہیں سکتی۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کروانے کے بعد فرمانے لگے: اب بتاؤ کہ یہ جو بعض ساتھی کہہ دیتے ہیں کہ: امت نے دعوت کی محنت کو چھوڑ دیا۔اور بارہ سو سال سے یہ محنت چھوٹی ہوئی تھی اور مولانا الیاس صاحب نے اس محنت کو دوبارہ شروع کیا، یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر دعوت کی محنت دین تھی اور اسے چھوڑ دینا دین میں کمی تھی، تو سو سال سے زیادہ بلکہ ہزار سال سے زیادہ یہ گمراہی کیسے چلتی رہی؟ اور اگر واقعی ہزار سال تک یہ کام نہیں تھا، اور اب شروع ہوا ہے، تو یہ دین کیسے ہوگیا؟

علامہ صاحبؒ کی نکتہ رسی تو مشہور ہے ہی، لیکن میرے جیسے رائے ونڈ کے پڑھے ہوئے ٹھیٹھ تبلیغی طالب علم کو بھی اس دقیق علمی لغزش کی طرف ایسے پیرائے میں متوجہ کیا کہ ٹھوس علمی بنیاد پر یہ فیصلہ کیے بنا نہ رہ سکا کہ واقعی بعض ساتھی جو یہ بات کرتے رہتے ہیں، درست نہیں ہے۔

پھر ارشاد فرمانے لگے: دین کے تمام شعبوں کی بنیاد مدارس ہیں۔تبلیغ کا کام شروع کرنے والے مولانا الیاس صاحب بھی مدرسے کے پڑھے ہوئے تھے۔سیاست کا کام کرنے والے علماء بھی مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں۔غرض دین کے جتنے بھی شعبے ہیں، وہ سبھی علماء کے وجہ سے چل رہے ہیں اور علماء مدارس کی پیداوار ہیں، تو دین کے شعبوں کو باقی رکھنے کے لیے مدارس کو باقی رکھنا ضروری ہے۔دین کے باقی تمام شعبوں میں جو فیض پھیلا ہے، وہ مدارس ہی سے پھیلا ہے۔

پھر فرمانے لگے: ہمارے ہاں برطانیہ سے ایک ساتھی چار ماہ لگانے پاکستان آئے، واپس جا کر مجھ سے کارگزاری بیان کی۔کہنے لگے: میں رائیونڈ مرکز میں تھا، صبح کو ایک باباجی کا بیان ہوا، میں نے پوچھا کون ہیں؟ تو بتایا گیا کہ: بھائی عبدالوہاب

صاحب ہیں۔ یہ ''بھائی'' کیا ہوتا ہے؟۔ تو میں نے ان سے کہا: تبلیغی جماعت کے کام کو شروع کرنے والے کون ہیں؟ ''مولانا'' الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر ان کے بعد اسے لے کے جو چلے ہیں ''مولانا'' یوسف کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر ان کے بعد حضرت جی ''مولانا'' انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر بنے۔ یہ سارے علماء کرام ہیں، اور علماء کرام تو سر کے تاج ہیں۔ دین کا سارا فیض علماء سے ہی پھیلا ہے۔ تبلیغ میں کام کو لے کر چلنے والے علماء ہیں۔ اور باقی عام لوگ جو اس کام کو کرتے ہیں وہ کارکن ہیں۔ تو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ کام کرنے والے سارے کارکن بھائی بھائی ہیں۔ تو ایک تو علماء کرام ہیں۔ دوسرے بھائی، چاہے وہ کتنی ہی بڑی عمر کا ہو۔ تو عبدالوہاب صاحب کو اسی لیے بھائی کہتے ہیں کہ وہ بھی تبلیغ کے کارکن ہیں۔ اور جتنے بھی بھائی ہیں، وہ علماء کے پابند ہیں۔

پھر فرمانے لگے: اس معاشرے میں مختلف طبقے ہیں۔ سرکاری نوکری کرنے والا طبقہ، تجارت کرنے والا طبقہ، محنت مزدوری کرنے والا طبقہ، دین کی محنت کرنے والا طبقہ۔ تو آپ کا طبقہ علماء کا طبقہ ہے۔ ہم ہر طبقے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مثلاً یہ قصبہ ہے یا کالونی ہے۔ اس میں سیوریج کا نظام بھی ہے۔ بجلی کا نظام بھی چل رہا ہے۔ اگر بجلی چلی جائے تو ہم کیا کرتے ہیں؟ فوراً واپڈا والوں کو فون کرتے ہیں، اور ان کے ملازم آ کر بجلی ٹھیک کر جاتے ہیں۔ اگر پورے لاہور میں سیوریج کا نظام تین دن کے لیے بند ہو جائے تو کیا ہو گا؟ تین دن تو دُور کی بات ہے، صرف ایک دن کے لیے بند ہو جائے تو ساری زندگی اور سارے کاروبار معطل ہو جائیں گے۔ تو واسا والوں کو فون کر کے بلائیں گے، اور وہ آ کر خرابی دور کریں گے۔ تو ہم سارے شعبے والوں سے کام لے تو رہے ہیں، لیکن ان کو دے کیا رہے ہیں؟

پھر اپنے مخصوص ظرافت والے انداز میں فرمانے لگے: آپ کہیں گے کہ ہمارے ہاں جگہ جگہ سڑکوں پر لکھا ہوتا ہے: ''اپنی لین میں رہیں۔'' تو آپ نے اسی کو اصول بنا لیا کہ بس لینا ہی لینا ہے، دینا کچھ نہیں۔ تو میں کہتا ہوں: صرف لین میں نہ رہیں، بلکہ لین دین میں رہیں۔ باقی شعبے والوں سے لیں بھی اور ان کو دیں بھی۔ تو لین دین میں رہیں۔ حضرت کے اس قسم کے ذو معنی جملے تو بڑے بڑے مجمع میں شگفتگی پیدا کر دیا کرتے تھے، ہمارے ساتھیوں پر بھی اس کا خوب اثر ہوا۔ پھر علامہ صاحب فرمانے لگے: تو آپ عوام کو دے کیا سکتے ہیں؟ آپ عوام کو قرآن سنائیں۔ ان کو قرآن مجید سے اتنا قریب کر دیں کہ جب عام آدمی قرآن پڑھے تو اس کو موٹا موٹا مفہوم سمجھ میں آتا جائے۔

پھر حضرت نے اس کام کے کرنے کی نہج کو مختصر طور پر بیان فرمایا جس کا خلاصہ، بلکہ خلاصے کی طرف ایک اشارہ کہا جائے تو کچھ یوں تھا کہ: قرآن میں بہت سے صیغے ایسے ہیں جو بار بار استعمال ہوتے ہیں۔ اگر تھوڑا سا عرصہ ان کو سیکھنے سکھانے پر لگا دیا جائے تو نئے صیغے یا نادر الفاظ بہت کم رہ جاتے ہیں۔ تو ایسے الفاظ کو سکھا دیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں، جو بار بار آتے ہیں۔ تو اپنے نمازیوں اور محلے والے ساتھیوں پر محنت کر کے ایک ترتیب سے انہیں یہ باتیں ذہن نشین کروا دی جائیں، تو جب بھی کوئی مضمون آئے گا تو تلاوت کرنے والے کا ذہن اس کی طرف متوجہ

ہو جائے گا۔

اس کے بعد علامہ صاحب نے اپنی ترتیب دی ہوئی نئی کتابوں کا تعارف کروایا، جو اسی مقصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی تھیں، اور حال ہی میں لاہور سے چھپی تھیں۔ فرمانے لگے: میں نے انہیں بیس بابوں پر تقسیم کیا ہے۔ فارسی میں بیس کو کیا کہتے ہیں؟۔ ''بست''۔ تو یہ دونوں کتابیں بست بابی ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۷۶۲......۱/۶۵۲......۲/۷/۳۱۷[ادارہ])

جزءاول بست بابی مضامین قرآن: اس کتاب میں قرآن مجید کے مختلف ومتنوع مضامین کو تعلیمی مقصد کے پیش نظر ایک فہرست بنا کر بیس بڑے اور اہم ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان بیس ابواب کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو قرآن مجید کے تقریبا تمام مضامین کا مطالعہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس پہلے جزو کے آخر میں سولہ اسباق بھی دیے گئے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ جو اردو خوان حضرات قرآن کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے مضامین سے مناسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ ان اسباق کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیں، اور کوئی دشواری ہو تو کسی استاد سے ان کو پڑھ لیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ عصری تعلیم یافتہ حضرات کی قرآن سے اجنبیت جاتی رہے گی۔

جزءدوم بست بابی: یہ ایک مختصر سی لغات القرآن ہے۔ اس میں کچھ تو اسم ہیں، اور کچھ فعل۔ اسماء میں ضروری ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اسم کے واحد اور جمع کو، اسم ظاہر اور اسم ضمیر کو، اور مذکر ومؤنث کو پہچان لے۔ اور فعل میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ متکلم، حاضر اور غائب کے صیغے کے ساتھ ساتھ ماضی اور مضارع ہونے کو بھی پہچان لے۔

اسماء وافعال کو اس درجے میں سمجھنے اور ان کے مذکورہ فاصلوں کو جاننے سے طالب علم اس سیڑھی پر ضرور آ جاتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی اس گھاٹی پر آئے تو سیراب بھی ہو سکے۔ چنانچہ اس درجے کی مطلوبہ استعداد پیدا کرنے کے لیے عربی گرامر کے سولہ ضروری اسباق کو پہلے جزو کے آخر میں بھی ذکر کر دیا گیا تھا، اور اس جزء میں بھی انہیں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور انہیں اس بست بابی فہرست میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ جو حضرات اس کورس کو پڑھانا چاہیں، وہ ان سولہ اسباق کو پڑھانے کے لیے ہمارے اس آسان پیرایۂ بیان کو سمجھ لیں۔ اس میں ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ عربی گردان کے چودہ صیغے اکٹھے نہیں دیئے گئے تا کہ شروع ہی سے عربی کو مشکل سمجھنے کا مغالطہ نہ لگ جائے، اور وہ اسے سیکھنے لگ جائیں، اور انہیں قرآن سے کوئی اجنبیت نہ ہو۔

اس کے بعد یہ لغات القرآن مرتب کی گئی ہے جس میں تقریبا پانچ سو کے قریب فعل ذکر کیے گئے ہیں۔ اگر روزانہ بیس لفظ یاد کیے جائیں، تو تقریبا ڈیڑھ ماہ میں انہیں از بر کیا جا سکتا ہے۔

تو اگر اس کورس کو عام عوام کی سطح تک اتر کر، آسان انداز میں پڑھایا جائے تو ایک سے دو مہینے میں مکمل کروایا جا سکتا ہے اور فائدہ یہ ہوگا کہ ڈیڑھ سے دو ماہ میں پڑھنے والے کو قرآن کے عربی الفاظ سے کوئی اجنبیت نہیں رہے گی۔

آخر میں علامہ صاحبؒ نے ہمیں بھرپور انداز میں عوام کو قرآن کے قریب لانے کی محنت پر ابھارا، اور اپنی اپنی مسجدوں میں، اپنے اپنے حلقوں میں، اور مکاتب کی سطح پر اس کورس کو شروع کرنے کی ترغیب دی۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن جامعہ ملیہ اسلامیہ

محمود کالونی شاہدرہ لاہور کے زیر اہتمام محمود پبلی کیشنز، اسلامک ٹرسٹ لاہور سے شائع ہوا تھا، اور ختم ہونے کے قریب تھا۔ علامہ صاحب نے مجلس کے آخر میں خود ہی وضاحت کردی کہ نہ تو میں نے یہ چھاپا ہے، اور نہ ہی میں اس کا مالک ہوں۔ لہٰذا اِس کے نسخے پیش کرنے سے معذور ہوں۔ (چنانچہ ہم نے مجلس کے اختتام کے بعد وہاں کے ذمہ دار ساتھی سے چند ایک نسخے فوراً خرید لیے کہ نہ جانے دوسرا ایڈیشن کب چھپے اور کب یہ گوہر ہاتھ آئے)۔

مفتی یوسف صاحب اور دیگر طلباء کرام کی خواہش تھی کہ علامہ صاحب حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمادیں۔ اب جو معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا، تو غالباً علامہ صاحب بھانپ گئے، اور خود ہی فرمانے لگے: اب آخر میں خود ہی آپ کو (جانے کی) اجازت دے دیتا ہوں، قبل اس کے کہ آپ مجھ سے (حدیث کی) اجازت لیں۔ حضرت کی اس ظرافت کا اندازہ فوری طور پر نہ ہو پایا، اور ایک ساتھی نے صراحتاً ہی عرض کردیا، لیکن حضرت مجلس برخواست کرکے اٹھ چکے تھے، یہ کہتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیے کہ: میں نے آپ کے مانگنے سے پہلے ہی اجازت دے تو دی ہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور یہ کہتے ہی علامہ صاحب کے چہرے پر وہی معصومانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی جو شاید ان کی جنتی روشن جبین کی لازمی صفت تھی۔ ہم نے بھی مصافحہ کیا اور مجلس ختم ہوگئی۔

آج وہ بذلہ سنج، نکتہ رَس علامہ صاحب، عالمِ فنا سے عالمِ بقا کی جانب جا چکے۔ امید ہے کہ وہاں بھی اپنی بذلہ سنجیوں سے ہم جولیوں کے درمیان محفلِ جان بنے ہوں گے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

احسن احمد عبد الشکور عفی عنہ۔ 13/ذی الحجہ 1441ھ

مولانا محمد عمر فاروق تونسوی بن علامہ محمد عبدالستار تونسوی نوراللہ مرقدہ

آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے......میرے عظیم چچا

قلم ہاتھ میں، قرطاس سامنے، موضوع کے لیے دل باوضو اور فکر مجتمع ہو تو الفاظ استعاروں کا سنگھار لیے تصور کے میدان میں صف بند ہو جاتے ہیں، لیکن آج الفاظ اپنی رونق اور استعارے اپنی زینت گویا کھو چکے ہیں۔ قلم آج قرطاس کے سینے پر کوئی حرف اس عظیم ہستی پر لکھنے کے لیے لرزاں ہے۔ گویا کہ میرے ذہن میں ذخیرہ الفاظ ختم اور میری صلاحیتوں کا دامن تنگ ثابت ہو رہا ہے۔ کاش! کہ حرف، لفظ، اور جملے میرے قلب وجگر کی ترجمانی کر سکیں۔

اُمت محمدیہ **علیٰ صاحبها الصلوٰۃ و التسلیم** میں ایسی بے شمار شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے بلند کردار، اخلاص وللّٰہیت، جہد مسلسل اور علم وعمل سے تاریخ کے دھاروں کا رخ موڑ دیا۔ افراد کو بلند کردار بنانے کے لیے ایسی عبقری شخصیات نے معاشرے کی کجیوں، خرابیوں کو اپنے علم اور عمل سے درست کیا۔ اسلام کی یہی خاصیت ہے کہ وہ افراد کو بلند کردار بنانے اور معاشرے کو بہترین ومثالی تشکیل دینے کا درس دیتا ہے۔ کیونکہ افراد کے کردار میں ہی اقوام کی ترقی اور انسانیت کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ گویا کہ اسلام انسانیت کی ترقی وتکمیل کا ضامن ہے۔

مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں ہمیشہ ایسی عِلمی و بلند کردار شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے اُمت کو پستیوں سے نکال کر بلندی کی طرف گامزن کیا۔ اسلام کے خلاف اُٹھنے والی تحریکوں اور فتنوں کا سدِ باب کیا۔ میرے عظیم چچا، آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار ایسی ہی مقبول شخصیات میں ہوتا ہے۔ دلائل کی دنیا کے بے تاج بادشاہ، نکتہ رس خطیب، ماہر ادیب، پختہ کار ماہر تعلیم، مدبر، مفکر، اور متکلمِ اسلام جیسے اعزازات ان ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ خلوص وللّٰہیت، مشکل سے مشکل عِلمی عُقدوں کو حل کرنا اور سہل انداز میں سامعین کو سمجھانا، اپنے اکابر، اساتذہ کرام کے ادب، ان کے فکر کی امانت داری اور خصوصاً ختمِ نبوت ودفاع ناموسِ صحابہؓ کے جذبۂ صادق نے ان کو بامِ عُروج اور اوجِ کمال تک ایسا پہنچا کہ وہ آسمانِ علم کا درخشندہ ستارہ بن گئے۔ آپ اہل حق کا عظیم سرمایہ تھے۔ ان کی شفقت، بے لوث دینی خدمات اور ان کی زندگی کا ہر لحظہ ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اللہ اکبر! ان کی شبانہ روز محنت، ختمِ نبوت اور دفاعِ ناموس صحابہؓ کے لیئے بشاشت اور مسکراتے چہرے کے ساتھ دور دراز کے طویل اسفار، ان کا والہانہ جذبہ ہمیشہ دیدنی ہوتا تھا۔ کیا ہی عجیب شان تھی کہ وہ اپنے اکابر کے فیوضات کو چہار سو پھیلانے کا عزم مصمم کر چکے تھے، دینی جماعتوں کی راہنمائی اور دینی تحریکوں کے ہراول دستوں کی سالاری ان کا شعار تھا، تحریک ختمِ نبوت اور تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان کی ہمیشہ جذبے وشادمانی کے احساسات کے ساتھ سرپرستی فرمائی۔

خصوصاً ''تحریک تنظیم اہل سنت'' کے پلیٹ فارم پر تو آپ کی خدمات بے مثال رہی ہیں۔

اللہ اکبر! دنیا علم وعرفان کا تاجدار، حکمت ودانش کا دُرِ شہسوار، فہم وفراست کا گوہر آب دار، اکابرین دیو بند کی علمی وراثت کا امین، فکرِ لکھنویؒ کا اَبر گوہر بار، حضرت مدنیؒ کی روایات کا پاسدار۔ سرتاج العلماء، مناظرِ اعظم، اِس فانی دنیا سے ہم سے جدا ہوگئے۔ قضا وقدر سے کسی کو مفر نہیں اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن جانا ہے مگر بعض جانے والوں کے جانے اور جدائی کا صدمہ ایسا شدید ہوتا ہے کہ پسماندگان کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے، ان کے دل ودماغ کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں صبر وسکون کے پیمانے اس طرح چھلکتے ہیں کہ اشک ہائے غم کا سیلاب پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ان پر اپنے ہی نہیں پرائے بھی روتے ہیں انسان ہی نہیں جن وملائک اور زمین وآسمان بھی ان کی جدائی پر اشک بہاتے ہیں، بلاشبہ میرے عظیم چچا استاد العلماء، سلطان المناظرین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی جدائی کے سانحہ پر اسی طرح کی کیفیت ہے، سمجھ نہیں آتا کہ میں اپنے جذبات کا اظہار کیسے کروں؟ اور اپنے دل ودماغ کی کیفیت کس طرح بیان کروں؟ ان کی کس کس ادائے دل نواز کا ذکر کروں اور کس کس کو چھوڑوں؟ بلاشبہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بالخصوص ہمارے لیے اور بالعموم اُمت محمدیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کا اخلاق وکردار، ان کا علم وعمل، حلم وتدبر، خشیت الٰہی، ان کا امت مسلمہ کے لیئے کُڑھنا، مسلمانانِ عالم کو جہاں بھی کسی فتنے سے سابقہ پڑا وہاں اس فتنے کی سرکوبی کے لیے پہنچنا، دلائل کے انبار لگا کے دشمن کے دانت کھٹے کرنا گویا کہ یہ سب کچھ ان کی فطرت میں گوندھا ہوا تھا۔

راقم کو ان کی جتنی محافل میں ان کا قُرب ملا اور جتنے اسفار میں ان کے ساتھ رفاقت ملی۔ میں نے اُن تمام تر قربتوں میں ان کا ایک جملہ بلا دلیل نہیں سنا۔ میرے عظیم بابا مناظر اہل سنت علامہ محمد عبدالستار تونسوی **نور اللہ مرقدہ** فرمایا کرتے تھے کہ: ''حضرت علامہ صاحب کا وجود قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ان کا حافظہ اتنا مضبوط ہے ان کی ذات چلتا پھرتا کتب خانہ ہے۔'' ایک مرتبہ حضرت علامہؒ صاحب کو تونسہ شریف سے ملتان جانا تھا تو حضرت علامہؒ صاحب نے والد گرامی سے کہا کہ میرے بھتیجے عمر فاروق کی ڈیوٹی لگا دیں کہ وہ مجھے ملتان چھوڑ آئے۔ سو! دورانِ سفر آپ نے مجھے تین مرتبہ یہ کہا کہ میں آپ کا چچا ہوں، چوتھی مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ میں آپ کا کیا ہوں؟ میں نے عرض کیا: ''آپ میرے استاذ مربی....'' ابھی میرا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ مجھے ٹوک کر فرمایا: اور کچھ نہ بولو بس یہ کہو میں آپ کا چچا ہوں، تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہارے بابا کا بھائی ہوں؟ اُن کے بھائی ہونے پر مجھے فخر ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ میرا بھائی (علامہ عبدالستار تونسویؒ) دیوبند ولکھنؤ کے اکابر کی آنکھ کا تارا ہے؟ ایرانی شیعی انقلاب اور خمینی کے ظلم وستم اور قتل وغارت گری عروج پر تھی، رافضیت کے فروغ پر اکابر دیوبند ولکھنؤ بے قرار ہوئے پوری دنیا کے علماء میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی، ایسے مایوسی کے گھپ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں علامہ تونسوی نے خُمینی کو للکارا، خُمینی اس للکار سے مبہوت ودنگ ہو کر رہ گیا۔ اس نے اپنے ایک پرُوردہ مفتی جعفر حسین کو پاکستان میں بہت بڑا مشن ''تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ'' کے نام سے سونپا اور ایرانی انقلاب کو پاکستان تک وسیع کرنے کا ٹارگٹ دیا تو علامہ تونسویؒ میرے بھائی نے تحریک فقہ جعفریہ کا راستہ روکنے کے لیے متحدہ سنی محاذ قائم کیا، ملک

بھر میں کنونشن کیے، صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق سے متعدد ملاقاتیں کیں اور خمینی کے مذموم عزائم کے پول کھولے اور شیعیت کے فتنے کی سنگینی سے آگاہ کیا، ملک کو اس عفریت سے بچانے کی اپیل کی! علامہ تونسویؒ اس مذموم تحریک فقہ جعفریہ کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئے۔ اکابرین دیوبند ولکھنؤ کی آنکھوں میں خوشی کا نور چمکا، عالم اسلام کے مایوس علماء کو روشن راہ ملی، پاکستان میں بپا ہونے والے ایرانی انقلاب اور خمینیت کا طلسم علامہ تونسویؒ نے توڑ کر رکھ دیا۔

جب میرے بابا امام اہل سنت علامہ عبدالستار تونسویؒ کا انتقال پُر ملال ہوا تو حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ صاحب نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور میرے سب بھائیوں سے الگ الگ تعزیت کی، ہمیں حوصلہ دیا، سینے سے لگایا اور فرمانے لگے کہ: بیٹا میرا بھائی آگے دارِ بقاء میں چلا گیا اور میں دارِفنا میں اکیلا رہ گیا ہوں، آپ شدت غم میں نڈھال تھے۔

پھر فرمایا: میں جہاں کہیں بھی رفض والحاد کے مقابلے میں مناظرے پر گیا، جہاں مجھے اپنے اکابر اساتذہ کرام کی دعاؤں سے طاقت میسر تھی، وہاں مجھے میرے بھائی علامہ تونسویؒ کے پشت پر کھڑا ہونے کا اعتماد بھی بلا کا حوصلہ دیتا تھا۔ مجھے ایک مرتبہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے جانشین مولانا عبدالعلیم صاحب نے کہا کہ: میں اپنے والد کا جانشین ہوں، لیکن ان کا اصلی جانشین پاکستان میں موجود علامہ عبدالستار تونسوی ہے۔

میں تونسہ سے ملتان کے سفر میں کار چلا رہا تھا، میرے عظیم چچا تاریخ کے حقائق سے دل ودماغ کو روشن فرما رہے تھے، دورانِ سفر بندہ ناچیز نے اُن سے دفاع صحابہؓ پر کئی سوالات کیے، جس پر حضرت علامہؒ صاحب نے مدلل ومسکت جواب دیئے، ان میں سے ایک سوال کو رقم کیے دیتا ہوں۔ میں نے حضور اقدس ﷺ کا ایک فرمان گرامی جو آپ اکثر مجمع عام میں ارشاد فرمایا کرتے تھے، جس سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مقامِ ومرتبہ اور عزت وشرف واضح ہوتا ہے، اس حدیث شریف سے اہل تشیع معنی ومطلب میں ہیر پھیر کرتے ہیں اور غلط مطلب مراد لیتے ہیں، میں نے وہ حدیث مبارکہ پڑھی اور سمجھنا چاہا، **مَاسَبَقَكُمْ اَبُوْ بَكْرٍ بِصَوْمٍ وَّلَاصَلٰوةٍ وَلٰكِنْ بِشَئيٍ وُّقِرَنِيْ صَدْرِه.** ترجمہ: ''تم لوگوں سے ابوبکرؓ نے جوترقی کی وہ نماز وروزہ کی وجہ سے نہیں! لیکن وہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جس سے ان کا دل بھرا ہوا ہے۔''

تو حضرت علامہؒ صاحب مسکراتے ہوئے فرمانے لگے کہ: قاضی نور اللہ شوستری اہل تشیع کا محقق اور سخت متعصب تاریخ نویس تھا، وہ اپنی معروف ومشہور کتاب مجالس المؤمنین مطبوعہ تہران صفحہ ۸۸ رمیں خود اقرار کرتا ہے کہ یہ حدیث ایسی ہے جس کو حضور ﷺ نے ہمیشہ بیان فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں جس چیز سے حضرت ابوبکر صدیق کے دل کو بھرا ہوا بتلایا گیا ہے، وہ معرفت الٰہی اور عشق رسول ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز، روزہ کی وجہ سے تمام صحابہؓ پر سبقت وفضیلت نہیں ہے، بلکہ اس حدیث میں سبقت سے مراد وہ عزت ہے جو سیدنا صدیق اکبرؓ خدا کے رسول ﷺ کے لیے دل میں رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ پر واضح فرما دیا تھا کہ میرے نزدیک ابوبکرؓ کی عزت میرے ساتھ والہانہ محبت اور اُس کی معرفت الٰہی ہے، جس سے اس کا دل بھرپور ہے، قلب صدیقؓ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ''غیر اللہ'' کے لیے کچھ گنجائش ہو، بعض سبائی،

رافضی علماء نے اس حدیث کی تشریح میں حُبِ ریاست اور شوق، سرداری سے ابو بکرؓ کا دل بھرا ہوا لکھا ہے، مگر یاد رکھو! حُبِ ریاست اور شوقِ سرداری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے کوئی آدمی اللہ پاک کے پیغمبر ﷺ کے سامنے معزز اور مکرم ٹھہر سکے، رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقتوں پر ہمیشہ ناز رہا ہے، اس حدیث نے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ظاہری اور باطنی کردار کو چار چاند لگا دیئے۔ (سبحان اللہ)

دل تو چاہتا تھا کہ سفر طویل سے طویل ہوتا چلا جائے، مگر ایسے لگا جیسے پلک جھپکتے ہم مظفر گڑھ پہنچ گئے۔ حضرت نے مجھے فرمایا: مولانا محمد احمدؒ کے ہاں چل کر چائے پیتے ہیں، میں نے عرض کی کہ: چچا جان! مظفر گڑھ میں میرا گھر ہے، آپ کے شایانِ شان انتظام ہو جائے گا، آپ وہاں کچھ دیر آرام بھی فرمالیں گے۔ حضرت نے فرمایا: نہیں وہ تو میرا اپنا گھر ہے اور آپ کے پاس اکثر آنا جانا رہتا ہے۔ آج مولانا محمد احمدؒ کے پاس چلتے ہیں، حضرت علامہؒ صاحب کے حکم پر میں اپنے استاذ مناظر احناف مولانا محمد احمدؒ کے پاس لے گیا، بخدا میں نے مولانا محمد احمدؒ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلکتے اور حضرت علامہؒ صاحب کی پیشانی پر عقیدت سے بوسے لیتے دیکھا، پھر علامہؒ صاحب کے انداز گفتگو میں مولانا محمد احمدؒ صاحب کی جو عزت وتوقیر ہوتے دیکھی وہ اصاغر نوازی کا بے مثال نمونہ تھا، مولانا محمد احمدؒ صاحب کے سادہ طرز میزبانی کا ایک ایسا عجیب انداز تھا کہ اُن کی ہر ادا میں اپنے استاذ کا ادب واعزاز جھلکتا تھا۔

جب ہم وہاں سے ملتان کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت مولانا محمد احمدؒ صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اپنے شیخ اور مربی (علامہ ڈاکٹر خالد محمود) کو الوداعی الفاظ کہنا چاہ رہے تھے، مگر ان کی آواز رندھ گئی، حضرت علامہؒ صاحب نے اپنے شاگرد کو دوبار سینے سے لگایا اور حوصلہ دیا۔ پھر حضرت جی کار میں بیٹھ گئے، جب ہم روانہ ہوئے تو مولانا محمد احمدؒ صاحب اپنے گھر کی گلی میں کار کے پیچھے تیز تیز قدموں کے ساتھ مین روڈ تک آئے اور جیسے ہم مین روڈ سے ملتان کی طرف روانہ ہوئے مولانا محمد احمدؒ صاحب نے روڈ پر کھڑے ہو کر اللہ کے حضور دعا کے لیے دست دراز کر لیے، یہ سب کچھ میں کار کے شیشے سے دیکھ رہا تھا۔ چند منٹوں میں ہم ان سے اُوجھل ہو گئے، میری طبعیت پر اِس سارے منظر کا ایسا اثر ہوا کہ میں دم بخود ہو کر رہ گیا، مظفر گڑھ سے ملتان ۳۰ رکلومیٹر کا فاصلہ آناً فاناً طے ہو گیا، اس سفر نے میری زندگی پر ایسے نقوش ثبت کیے ہیں جن کو میں تا زیست بھلا نہیں سکتا۔ مذکورہ سفر کے سرور کی لذتوں سے میرا دل شاداں اور فرحاں ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے عظیم چچا آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے اہل حق کے ترجمان اکابرین اہل سنت دیو بند کی فکر کے حقیقی امین، حضرت مدنیؒ کے گلشن کے مہکتے پھول، اُمت محمدیہ کے عظیم رہنما کو شفاعت رسول اکرم ﷺ اور قربِ صحابہؓ واہل بیت **رضوان اللہ علیہم اجمعین** عطا فرمائے اور حوضِ کوثر پر سیراب فرمائے اور اُنہیں جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر اور شیوخ کے مشن کا امین بنائے اور کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، روزِ محشر اپنے عظیم اکابرین کے ساتھ شفاعت خاتم الانبیاء ﷺ نصیب فرمائے آمین **بجاه النبی الکریم الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.** ☆......☆......☆......☆

عبدالوحید سیٹھی [کالم نگار روزنامہ ٹھنڈی آگ، لالہ موسیٰ]

علم وعمل کا کوہِ گراں، دانش وحکمت کا بحرِ بے کراں

کہاں سے شروع کروں، کیا لکھوں، کہاں سے آغاز کروں اور کہاں پر اختتام کروں؟ یہ کند ذہن، یہ طالب علم، یہ احقر، یہ حقیر قلم اس عظیم ہستی کو کیسے خراج عقیدت پیش کرے؟ کیسے ان کی تقریباً بیس سالہ شفقت کی برکھا کے آگے بند باندھے؟ کیسے ان کی محبت کو سلام پیش کرے؟ کیسے ان کے فہم وادراک کو تحریر کرے؟ کس طرح ان کی سادگی کی تعریف کرے اور ان کی وسعتِ قلبی واعلیٰ ظرفی کو زیرِ قلم کرے؟ یہ قلم معذور ہے۔ یہ قلم عاجز ہے کہ رئیس المحققین، مجاہد ختم نبوت، فاتح مذاہب باطلہ مفکر اسلام، پاسبان مسلک اہل سنت حضرت علامہ جسٹس (ر) ڈاکٹر خالد محمودؒ کی ذات کے بارے میں جنبش کرے، مگر ان کی شفقت ومحبت و شخصیت کا مقید ہوتے ہوئے لڑکھڑاتے الفاظ اور کانپتے ہاتھوں سے ان کی ذاتِ محترم ومکرم کی خدمت میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہوں۔

آہ! علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ، جن کی چھوٹوں پر شفقت بے مثل، جن کی اپنے ہم عمروں سے محبت بے مثل، جن کی اپنے اکابرین سے عقیدت بے مثل، جن کا اپنے مشن سے عشق بے مثل، جن کی اپنے رفقاء سے الفت بے مثل، جن کا اپنے تلامذہ سے پیار بے مثل، جن کی توحید وسنت کے پروانوں سے چاہت بے مثل، جن کا علم کے متلاشیوں سے رشتہ احساس بے مثل۔

جن کا علم بحرِ بے کنار، جن کا زہد وتقویٰ قابلِ رشک، جن کا انداز بیاں اپنی مثل آپ، جن کے دلائل کا انبار قابل فہم، جن کی تحریر لازوال، جن کی شخصیت اپنی ذات میں انجمن، جن کی دینِ اسلام کی خدمت کے لیے محنت بے شمار، جن کی حق کے پرچار کے لیے جہت بے انتہا، جن کی عقیدہ ختم نبوت کی سربلندی کے لیے کاوشیں لاتعداد، جن کی نفاست قابلِ دید، جن کا اندازِ خطابت پراثر، جن کی قلم مذاہب باطلہ کے لیے شمشیر بے نیام، جن کی گفتگو لاجواب۔ اہل باطل کے لیے میدانِ مناظرہ کا مردِ آہن، جن کی سادگی قابل تعریف، جن کی نفاست قابلِ دید، جن کا فرائض کی ادائیگی میں ذوق قابل تقلید، جو علم حق کے پیاسوں کے لیے اقلیمِ سخن۔

حضرت کو رب کریم نے ایسی خوبیوں سے نوازا تھا کہ جو کوئی بھی جب بھی چاہتا ان کی شخصیت سے بہت کچھ سیکھ لیتا اور اس کا تجربہ راقم نے کئی بار کیا وہ ایک بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔

ان کے ساتھ کھانا کھانے والوں نے کھانے کے آداب سیکھے۔ محفل میں بیٹھنے والوں نے ان کے قدموں میں بیٹھ کر محفل کو پر رونق کرنے کا طریقہ سمیٹا۔ ان کے ساتھ سفر کرنے والوں نے سفر کر کے اپنے ہم سفروں کا احساس کرنا سیکھا۔ ان کے ساتھ زندگی گزارنے والوں نے زندگی گزارنے کے سنہرے اصولوں کو اپنی جھولی میں بھر کے اپنی زندگیوں کو خوبصورت بنایا۔ ان کی رفاقت کرنے والوں نے ان سے گفتگو کا اسلوب سیکھا۔ ان کی تقاریر سننے والوں نے اپنے کند ذہنوں کو خیرہ کیا۔ ان کے اخلاق عالیہ سے لوگوں نے تہذیب وتمدن سیکھا۔

حضرت علامہ جی سے تعلق دو دہائیوں پر محیط ہے۔محترم دادا جی سیٹھی عبدالغنیؒ وارثانِ انبیاء سے بہت محبت وعقیدت رکھتے تھے اور یہی اوصاف اولادِ عبدالغنی سیٹھیؒ میں اور بالخصوص والدِ محترم عبدالعلی سیٹھیؒ میں بہت زیادہ موجود تھے۔ والدِ محترم کو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خدمت کرنے اور شاہ جی کو دبانے کا شرف بھی حاصل ہے۔والدِ محترم نے اپنے گاؤں کھرانہ پیر غازی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ بھی کروایا اور پھر اسی جلسہ کا ذکر محترم جانباز مرزا نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زندگی پر کتاب ''امیرِ شریعت'' میں بھی ذکر کیا۔

علماء کرام سے محبت وعقیدت آلِ غنی اور اولادِ علی کو وراثت میں نصیب ہوئی جو آج تک چلی آ رہی ہے۔بطور تحدیثِ نعمت عرض ہے کہ راقم الحروف کے پاکستان کے صفِ اول کے علماء کرام سے بہت ہی قریبی اور ذاتی مراسم ہیں،حضرت علامہ خالد محمود صاحب سے بھی محبت وعقیدت اسی ورثہ کا حصہ ہے اور اس ورثہ کی حفاظت برادرِ اکبر الحاج عبداللطیف سیٹھی کے زیرِ سایہ بخوبی کی جارہی ہے۔اور اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود نے کئی بار لالہ موسیٰ میں ہمارے درغربت پر تشریف لائے اور متعدد بارراتوں کو بھی قیام فرمایا اور ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں علماء کرام ہمارے ہاں قدم رنجاں فرما چکے ہیں۔

تقریباً بیس سال قبل لالہ موسیٰ جامع مسجد شیخاں والی میں حضرت علامہ خالد محمود گوہر علم وعرفان کی بارش برسانے کے لیے جلوہ افروز ہوئے تو مجھے بھی شوق بے پرواہ اس محفل میں گھسیٹ کرلے گیا۔تب آپ سپریم کورٹ کے جسٹس کی حیثیت سے بھی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے تھے، بعد از خطاب زکوٰۃ کے حوالہ سے بھی کچھ گفتگو کرنے کی جسارت کی تو بات طوالت اختیار کرگئی اور وہ نہایت خندہ پیشانی سے میری علمی تشنگی کو سیراب کر رہے تھے، اس نشست میں برادرِ اکبر الحاج عبداللطیف سیٹھی اور عزیزم سیٹھی طیب محمود اور محترم بھائی شیخ ندیم اعجاز بھی ساتھ تھے، مسئلہ سمجھانے کا انداز اتنا لطیف تھا کہ حضرت علامہ صاحب کے تمام ارشادات آج بھی دل ودماغ پر نقش ہیں، نشست برخاست ہوئی تو بہت ہی شفقت و پیار اور منفرد انداز سے گلے لگایا، جناب حضرت کا خاصہ تھا کہ جب بھی اپنے چاہنے والوں سے معانقہ فرماتے تو اپنے رخسار کو ملنے والے کے رخسار سے مس کرتے ان کے اس طرح شفقت وپیار لٹانے کا رنگ ہی نرالہ ہوتا، اس خاکسار پر بھی اسی طرح اپنی شفقت کی بارش برسائی اور پھر بات چل نکلی۔

اس ملاقات سے شروع ہونے والا تعارف بعد ازاں چند ہی ملاقاتوں میں ذاتی تعلقات میں تبدیل ہوگیا اور پھر علامہ خالد محمودؒ نے اپنی بے پناہ شفقت سے اس تعلق کو مزید ایسی مضبوط گرہیں لگائیں کہ کئی یارلوگ باوجود کوشش کے بھی نہ کھول سکے۔

چھ دسمبر ۲۰۰۳ء کو رب تعالیٰ نے راقم الحروف کو اپنے بے پایاں فضل وکرم سے بیٹے جیسی عظیم نعمت سے نوازا۔حضرت کو علم ہوا تو مبارکباد اور دعائیں دینے کے لیے درغربت پر رونق افروز ہوئے۔اتفاق سے اس دن احمد علی کی پیدائش کا ساتواں دن تھا اور احکام شریعہ پر بھی عمل ہورہا تھا، میرے کزن شیخ عبدالحفیظ نے اطلاع دی کہ حضرت مبارکباد دینے کے لیے گھر تشریف لا رہے ہیں اس دن وہ اپنے جسٹس آف سپریم کورٹ والے مکمل پروٹوکول کے ساتھ تھے، پرانی رہائشگاہ پر تشریف لائے، تقریباً دو گھنٹے قیام وطعام ہوا، بہت ہی خوشی کا اظہار کیا، نام سے بھی بہت خوش ہوئے اور پھر ؎ محبت بڑھتی گئی، جوں جوں شفقت کی

علامہ صاحب کے ساتھ تعلقات کا ایک مضمون میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ

دو دہائیوں کا قصہ ہے پل دو پل کی بات نہیں

کئی دوستوں عزیزوں کے نکاح کے لیے جب گزارش کی تو علامہ صاحب نے عزت بخشی اور ہماری دعوت پر ہماری محفلوں میں تشریف لا کر اُنہیں مزید پر رونق و پر مسرت کرتے رہے، آپ سے تعلق کے بارہ میں کیا عرض کروں؟ ان کے ساتھ تعلقات کے تمام لمحات دل ودماغ میں اچھل کود رہے ہیں، ان تمام لمحات کو تحریر کرنا بس میں نہیں، کئی بار بغیر اطلاع دیئے بھی تشریف لے آتے، ایک دفعہ ہم سب محترم دوست وقار احمد قریشی کی دعوت ولیمہ میں تھے کہ محسن ومخلص دوست ڈاکٹر عرفان احمد صفی کی کال آئی کہ جسٹس صاحب آپ کی طرف آرہے ہیں، عرض کیا کہ مجھے تو کوئی اطلاع نہیں ہے کہنے لگے کہ آرہے ہیں اور سیکیورٹی والے نے مجھ سے پوچھا ہے کہ جناب جسٹس صاحب لالہ موسیٰ کچھ دیر قیام کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہمیں بتائیں کہ وہ کہاں قیام فرمائیں گے؟ جب میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ لالہ موسیٰ وہ آپ کے علاوہ کسی بھی جگہ قیام نہیں کرتے، جب دوستوں کو معلوم ہوا کہ علامہ صاحب تشریف لا رہے ہیں تو برادر اکبر عبداللطیف سیٹھی، محترم محمد صادق قریشی اور محترم حکیم نثار احمد قریشی نے مجھے حکم دیا کہ آپ حضرت کی خدمت میں عرض کر کے اُنہیں تقریب میں لے آئیں تو ہماری عزت افزائی بھی ہو جائے گی اور محفل کی خوشیوں بھی دوبالا ہو جائیں گی۔ میں بھاگم بھاگ گھر پہنچا تو گھر کے باہر گاڑیاں کھڑی تھی، ملاقات کے بعد دعوت ولیمہ میں شرکت کے لیے دست بدستہ عرض کی تو فرمایا کہ گھر والے دعوت دیں گے تو پھر شمولیت اختیار کرونگا، برادرِ اکبر محمد صادق قریشی سے بات کروائی انہوں نے دعوت دی تو پھر آپ نے محفل کو رونق بخشی، اس واقعہ سے میں نے بھی بہت کچھ سیکھا اور کئی دیگر دوستوں نے بھی۔

آپؒ کا خاصہ تھا کہ جب بھی کوئی بات کرتے یا کسی سوال کا جواب دیتے تو کچھ ثانیے سوچتے پھر لب کشائی فرماتے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ گھر تشریف لائے تو کچھ صحافی دوستوں نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو میں نے انہیں بلا لیا، بعد از نماز عشاء ملاقات شروع ہوئی، ان دنوں چیف جسٹس افتخار چوہدری کی معزولی کا بہت چرچا تھا، ایک صحافی دوست نے پہلا سوال ہی یہ کیا کہ جسٹس صاحب یہ فرمایئے کہ یہ چیف جسٹس کا کیا معاملہ ہے، ایک حاضر سروس جج سے ان کے سینئر کے بارہ میں سوال کرنا اپنی جگہ ایک معنی رکھتا ہے اور پھر اس کا جواب بھی، علامہ بھی تو پھر علامہ ہے، اللہ تعالیٰ نے حاضر دماغی کے وصف سے بھی خوب نوازا تھا، سوال مکمل ہونے پر توقف فرمایا اور کہنے لگے کہ ''آپ صحافی لوگ ہیں، میڈیا سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور اخبارات بھی پڑھتے ہونگے، ساتھیوں نے عرض کیا کہ جی ہاں، تو فرمایا کہ افتخار چوہدری کا وہی معاملہ ہے جو کہ اخبارات میں آرہا ہے۔''

چچازاد بھائی محمد الیاس کے نکاح کے لیے تشریف لائے تو اپنی بارہ عدد مختلف کتب کا گلدستہ اس ناچیز کو تحفہ دیا، آپ کی تصانیف انتہائی آسان، قابل فہم ہیں، عام آدمی بھی مطالعہ کر کے باآسانی سمجھ سکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تالیفات کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔ میں نے جب بھی اُنہیں سفر میں دیکھا باوضو دیکھا، ہم سفروں سے دین پر گفتگو یا پھر خاموشی سے ذکر اور قرآن وسنت کے بحر کنار میں غوطہ زن ہو کر موتی، ایک بااصول اور عالمِ باعمل شخصیت کے حامل تھے، کھانا کھاتے تو خاموشی سے اور پلیٹ سنت کے مطابق صاف کرتے، شریک محفل میں لوگوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ ومربیانہ رویہ ہوتا، قوتِ حافظہ میں بھی اپنی مثال آپ تھے، نماز سے شغف ان کی اپنے رب سے محبت کا واضح ثبوت تھا، ایک مرتبہ قاسم پارک میں ایک شادی میں شریک تھے کہ

نمازِ عصر کا وقت ہوگیا تو راقم کو ساتھ لے کر باہر میدان میں آئے اور پلک جھپکتے ہوئے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر بچھایا اور نماز ادا کی۔

حضرت علامہ صاحبؒ اپنے تلامذہ اور خدام سے نہایت نرمی سے گفتگو کرتے،(کسی غلطی پر تنبیہ کرتے یا ڈانٹتے تو بھی عزتِ نفس مجروح نہیں فرماتے تھے نہ ہی غیر مہذب و ناشائستہ الفاظ کہتے) عاجزی وانکساری کا دامن کبھی نہ چھوڑتے، جب بھی گھر تشریف لاتے تو برادر اکبر عبداللطیف سیٹھی اپنا بیڈ روم ان کے لیے وقف کر دیتے، ان دونوں شخصیات کا تعلق بھی مثالی تھا، صبح اُٹھ کر نمازِ فجر ادا کرنا اور پھر ناشتہ کے ساتھ ساتھ گفتگو، ہلکا پھلکا مزاح، حالاتِ حاضرہ پر سیر حاصل تبصرہ دونوں بزرگوں کے پیار میں مزید نکھار پیدا کرتا چلا گیا۔

علامہ صاحبؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ مشنی بنو، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ آپ کالم لکھتے ہو، کس مشن کے تحت لکھتے ہو؟ عرض کیا کہ حضرت اسلامی واصلاحی موضوعات پر، تو بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں۔ دوستوں سے گپ شپ کرتے ان کی گفتگو کے ایک ایک جملہ میں ایک ایک لفظ میں حکمت پوشیدہ ہوتی، کوئی بھی بات شروع کرتے تو بات کے آغاز ہی میں قرآنِ مقدس کی آیت، حدیث مبارکہ، فقہا وائمہ کا کوئی قول یا کوئی نصیحت آموز بات کا حوالہ ضرور دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قوتِ حافظہ اور حاضر جوابی کے وصف سے بھی خوب نوازا تھا، ایک دفعہ فرمانے لگے کہ میں یورپ کے کسی ملک کے دورہ پر گیا تو ائیر پورٹ پر سامان چیک ہوا، تو اس میں گھر کی تیار کردہ کوئی کھانے کی چیز تھی، ائر پورٹ پر چیکر کہنے لگا کہ آپ اسے شہر میں نہیں لے جاسکتے، فرمانے لگے کہ مجھے دے دو، اس نے کہا کہ میں اِسے ڈسٹ بن میں پھینک دیتا ہوں، آپ نے کہا کہ نہیں مجھے دیدو، اس نے پھر کہا کہ شہر میں نہیں لے جاسکتے فرمانے لگے کہ نہیں لے کر جاؤنگا، آپ نے فرمایا مجھے دو، اس نے وہ پیک مجھے واپس کر دیا تو میں اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ چیز کھانے لگا تو حیرت سے وہ شخص میرا منہ دیکھتا رہ گیا۔ ماشاءاللہ، واہ کیا بات تھی آپ کے فہم وفراست کی!

آپ جب بھی دیارِ غربت پر جلوہ افروز ہوتے تو وقتِ رخصت انتہائی اعلیٰ ظرفی ووسعتِ قلبی کی عظیم روایت قائم رکھتے ہوئے فرماتے کہ گھر والوں کو میری طرف سے سلام اور ان کا دلی شکریہ کہ انہوں نے گرم سرد موسم کو برداشت کرتے ہوئے میری خدمت کی اور میرے آرام کا خیال رکھا۔

آپ کی وفات کی خبر ان کے ہر ایک چاہنے والے کے لیے بہت ہی المناک خبر تھی، راقم کو اطلاع ملی تو اعصاب شل ہوگئے، دماغ انگیٹھی میں پڑے کوئلوں کی طرح دہکنے لگا، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلِ رواں جاری ہوگیا اور شعوری اور غیر شعوری طور پر میرے جذبات نے مجھے بیس سال پیچھے دھکیل دیا اور پہلی ملاقات سے لے کر آخری ملاقات (جامعہ اشرفیہ انگلینڈ جانے سے قبل) تک کے تمام واقعات ان سے ملاقاتیں، ان کی محبت، ان کی مؤدت، ان کی شفقت، ان کی عظمت، ان سے عقیدت، ان کی الفت، ان کی چاہت، ان کی رفاقت میرے قلب وذہن پر ابھرتی چلی گئی اور آنکھوں کی برکھا نے طوفانی بارش کا رخ اختیار کرلیا، آج دو ماہ بعد بھی لکھتے ہوئے میرے آنسو اِس کاغذ پر گر کر علامہ صاحب سے محبت وعقیدت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی اعلیٰ ظرفی ووسیع القلبی کو سلام پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے۔ ؏ عجب آزاد مرد تھا

مولانا تنویر احمد علوی[استاذ الحدیث ونائب مہتمم: جامعہ محمدیہ اسلام آباد]

بحر العلوم علامہ خالد محمودؒ سے وابستہ چند یادیں

بحر العلوم حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم وفنون میں ایسی مہارت عطا فرمائی تھی اور انھیں ایسا ہر فن مولیٰ بنا دیا تھا کہ اُن کی نظیر ڈھونڈے سے بھی ملنا مشکل ہے۔ وہ مناظر تھے، لیکن عام مناظرین کسی ایک فن کے ماہر ہوتے ہیں، وہ ہر فن کے ماہر اور ہر فن میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے، وہ مدرس تھے، بعض مناظرین کا درسی کتب کے ساتھ زیادہ واسطہ نہ ہونے کی وجہ سے درسیات میں اُن کو وہ ملکہ حاصل نہیں ہوتا جو ایک ماہر مدرس کو ہوتا ہے، لیکن علامہ صاحب ہر فن اور ہر کتاب کے بہترین مدرس تھے، بہترین معقولی بلکہ معقولات کے ماہر تھے، علامہ صاحب خود فرماتے تھے کہ: زمانہ طالب علمی میں مَیں نے سلّم کی کاپی لکھی تھی، اب تنقیح وتہذیب کے ساتھ اسے طبع کرانا چاہتا ہوں، لیکن وقت نہیں مل پا رہا۔ فن مناظرہ کے ساتھ ساتھ علوم عربیہ پر کامل دسترس اور پھر انگریزی زبان وبیان کی مہارت، اس کے علاوہ سیرت، رجال الغرض ہر فن میں اُن کی گہری نظر ایسی خصوصیات تھیں جنھوں نے اُن کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا تھا۔

ایسی شخصیات جن کو جامع شخصیات کہا جائے، جو ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوں، چند ایک ہی ہیں، ان میں ایک علامہ خالد محمودؒ ہیں۔ ہمارے ہاں بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے ردقادیانیت پہ کام کیا، لیکن ان کی محنتوں کا محور ایک ہی میدان رہا، اسی طرح کچھ شخصیات وہ تھیں جنھوں نے رد بدعات میں کام کیا، ان کا میدان وہی رہا، کچھ نے ردِ شیعیت میں کام کیا، اور اس میدان میں بڑا نام حاصل کیا، لیکن علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ان تمام میدانوں کے شہسوار اور سرخیل تھے، ردفرق باطلہ کے میدان میں کام کرنے والے بڑے بڑے لوگ علامہ صاحب کو اپنے اساتذہ کے برابر ہی سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں تشریف لائے، دوران گفتگو علامہ صاحب کا تذکرہ ہوا تو فرمانے لگے: وہ تو ہمارے اساتذہ کی جگہ ہیں۔ ایک مناظرے میں غیر مقلدین حضرت اوکاڑویؒ سے کہنے لگے کہ: ہم ماسٹر سے بات نہیں کرتے، جاؤ کسی پروفیسر کو لے کر آؤ، اشارہ علامہ صاحب کی طرف تھا، حضرت اوکاڑویؒ نے فرمایا کہ: پہلے ماسٹر دے اگے الف، ب، ت، ث سنالو، جے اے قاعدہ تسی ماسٹر دے اگے سنا لیا فیر پروفیسر دی واری بعد وچ آئے گی۔ (یہ الف ب ت ث ماسٹر کے آگے سنالو پہلے اس قاعدے میں تم کامیاب ہوگئے تو پروفیسر کی باری بعد میں آئے گی۔) (دیکھیے: ۱۰۴/۱[ادارہ])

اسی طرح ردقادیانیت میں مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کا بڑا نام تھا، انھیں بھی ہم نے شاگردوں کی طرح علامہ صاحب سے استفادہ کرتے خود دیکھا ہے، بلکہ جب علامہ صاحب جج بنے تو ان کو مبارکباد دینے کی خاطر بندہ، بندہ کے والد (مولانا ظہور احمد علوی) صاحب اور مولانا چنیوٹی ہم اکٹھے ججز کالونی جا رہے تھے، راستے میں مولانا چنیوٹیؒ نے فرمایا کہ میری نگاہ میں اِس وقت

علمائے اہل سنت دیوبند میں علامہ خالد محمود سے زیادہ وسیع المطالعہ شخص کوئی نہیں۔اسی طرح مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تنظیم اہل سنت اسلام آباد کے ذمہ دار مولانا عبدالغفور چانڈیو فرماتے ہیں کہ: ہم نے زمانہ طالب علمی میں مولانا دوست محمد قریشی اور مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمہما اللہ کو دیکھا کہ کسی مجلس میں علامہ صاحب سے کسی عنوان پر گفتگو ہوتی تو وہ دونوں بھی حیران رہ جاتے اور فرماتے کہ: یہ جو پی ایچ ڈی لندن ہے، یہ ہمیں حیران کر دیتا ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کا ایک شعبہ ''دعوہ اکیڈمی'' کے نام سے قائم ہے،اس کے ایک بڑے پروفیسر ڈاکٹر اصغر علی چشتی صاحب تھے، (جو بعد میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے قائم مقام وائس چانسلر بھی رہے، ہمارے ہاں استاذ الحدیث بھی ہیں۔) وہ کہتے ہیں کہ: ''دعوہ اکیڈمی کے شرکاء میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور جماعت اسلامی والے سبھی شامل ہوتے ہیں، ہم معروف شخصیات کو بیان کے لیے بلاتے تھے، جن میں مولانا محمد مالک کاندھلوی اور علامہ خالد محمود بھی شامل ہیں، دوسرے مسالک کے لوگ چھیڑ چھاڑ بھی کرتے رہتے تھے، کوئی بریلوی عالم آجاتے تو اہلحدیث مسلک کے لوگ اُن سے سوالات کرتے، کوئی اہل سنت دیوبند کے عالم آجاتے تو بریلوی مسلک کے لوگ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جب علامہ صاحب تشریف لائے تو بریلوی اور اہلحدیث مسلک کے لوگوں نے چھیڑ چھاڑ کی، خصوصاً اِس لیے بھی کہ علامہ صاحب کی شہرت صرف ایک عالم اور محقق کے طور پر نہیں بلکہ ایک مناظر کی حیثیت سے بھی تھی، چنانچہ انہوں نے سوالات کیے، حضرت علامہ صاحب نے اُن کے ایسے مسکت اور عالمانہ جواب دیئے کہ سبھی حیران رہ گئے، اور ہر سوال کا برجستہ جواب، جیسے ابھی تیاری کر کے آئے ہوں۔ مختلف عنوانات کے حوالے سے سوالات ہوئے، مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے سوالات کیے گئے، گویا انھوں نے ہر طرح سے گھیرنے کی کوشش کی، لیکن علامہ صاحب کے جوابات نے انھیں علامہ صاحب کا گویا گرویدہ بنا دیا، اور بلاتفریق سب علامہ صاحب پر جھک پڑے، دو دن علامہ صاحب وہاں رہے، اور دو دِن اُن کے گرد جمگھٹا لگا رہا اور سب نے اُن سے خوب استفادہ کیا۔ دو دن بعد علامہ صاحب نے مجھے کہا کہ: یہاں سے نکالو مجھے، میں تو بالکل آرام بھی نہیں کر سکا، اَب تھک گیا ہوں۔ اب ہمت جواب دے رہی ہے۔''

نیز ڈاکٹر اصغر علی صاحب نے ہی یہ بھی بتایا کہ جب علامہ صاحب سے سیرت اور عربی ادب کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو اُن کی معلومات کی وسعت اور گہرائی دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ اِن کا اصل میدان سیرت اور عربی اَدب ہے، حالانکہ یہ وہ عنوانات ہیں جن میں علامہ صاحب کی شہرت نہیں تھی۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم طالب علم تھے، پڑھتے تھے، علامہ صاحبؒ اور مولانا چنیوٹیؒ اکٹھے آئے، تو میں نے علامہ صاحب سے پوچھا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی انسان کا سر کاٹ دیا جائے اور پھر دوبارہ جسم کے ساتھ جڑ جائے؟ بعض بزرگان دین کے بارے میں اس قسم کے واقعات منقول ہیں۔ لیکن اب تک کی عام سائنس کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی عضو کٹ کر بالکل الگ ہوجائے، رگیں بھی کٹ جائیں تو اسے اپنی جگہ دوبارہ جوڑنا ممکن نہیں۔ اِس لیے علامہ صاحب سے سوال

کیا، تو علامہ صاحب نے فرمایا: جی ہاں، یہ ممکن ہے، پھر مولانا میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی مثال دی کہ وہ اپنے کمرے میں تنہائی میں ذکر کرتے تھے، کسی نے ان کو دیکھا کہ جسم کا ہر عضوا لگ الگ ہے اور ہر عضو سے ذکر کی آواز آ رہی ہے، اعضا الگ ہوتے، پھر جڑ جاتے، یہ کیفیت محض خیالی چیز نہیں بلکہ لوگوں نے اس کا باقاعدہ مشاہدہ کیا ہے، اِس لیے اِنکار ممکن نہیں۔ علامہ صاحب نے مزید فرمایا کہ: جسم کے اعضاء الگ ہو جائیں تو ایک مخصوص وقت کے اندر اندر دوبارہ اُن کا جڑ جانا بالکل ممکن ہے۔

مولانا ایوب بندھانی رحمہ اللہ جو شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد کے ڈائریکٹر بھی رہے، فرماتے تھے کہ: ہم ٹنڈو الٰہ یار میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے پاس پڑھتے تھے، پھر جامعہ خیر المدارس ملتان آ گئے، خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں بڑے بڑے اکابر علماء آتے تھے، جن میں مولانا سید سلمان ندویؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ وغیرہما بھی شامل ہیں، لیکن ہم نے دیکھا کہ مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ دو حضرات کا بیان بڑے غور اور انہماک سے سنتے تھے، اور سر اٹھا کر اُن کی طرف یوں دیکھتے جیسے مدتوں سے ان کا بیان سننے کا اشتیاق لیے بیٹھے ہوں۔ اور دونوں بیان اکٹھے ہی ہوتے تھے، ایک بیان جمعہ کا اور دوسرا جمعہ کے بعد، اگر علامہ افغانیؒ جمعہ پڑھاتے تو علامہ خالد محمودؒ جمعہ کے بعد بیان فرماتے، اور اگر علامہ خالد محمودؒ جمعہ پڑھاتے تو علامہ افغانی کا بیان جمعہ کے بعد ہوتا تھا۔ (دیکھیے: ۲۶۸/۲ [ادارہ])

مولانا محمد اقبال رنگونی کی کتاب ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' پر علامہ صاحب نے مختصر مقدمہ لکھا ہے، ایک مرتبہ ہم کہیں جا رہے تھے، راستے میں مَیں نے اس مقدمہ کا تذکرہ کیا، اس میں علامہ صاحب نے لکھا ہے کہ: جن صحابہ کرامؓ سے زیادہ تعداد میں روایات منقول ہیں، شیعہ اُن کو بطورِ خاص طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، اِسی وجہ سے سب زیادہ روایات کرنے والے حضرت ابو ہریرہؓ اُن کی تنقید کا نشانہ بنتے ہیں، لیکن دوسری طرف اُنہوں نے جن راویوں کو قبول کیا ہے، اُن میں دو بڑے نام ابو بصیر اور ابو زرارہ ہیں، یہ وہ روای ہیں جن پر اکثر شیعہ روایات کا مدار ہے، مؤخر الذکر کے متعلق فلاں فلاں ائمہ شیعہ کے اقوال موجود ہیں کہ وہ کذاب ہے، اور ابو بصیر کے متعلق ائمہ اہل بیت میں سے ہی کسی حوالے سے منقول ہے کہ اُن کو اطلاع ملی کہ یہ اتنا کاہل اور سست ہے کہ ایک مرتبہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے اوپر آ کر کتے نے پیشاب کیا جو سیدھا اس کے منہ میں گیا۔ شیعوں نے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسی مقدس ہستی کو چھوڑا تو اُن کے حصے میں پھر ایسے کذاب اور ناپاک لوگ آئے۔ میں نے علامہ صاحب سے عرض کیا کہ: ایک تو ابو زرارہ ہو گیا اور دوسرا صاحبِ فوارہ ہے۔ اس پر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا: تم پہلے شخص ہو جس نے اس مقدمہ سے حظ اٹھایا اور میرے سامنے اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: مولوی محمد عمر اچھروی بریلوی صاحب نے حضرت لاہوریؒ کو مناظرے کا چیلنج کر دیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ: میں عمر کے اس حصے میں ہوں کہ مناظرے میں نہیں پڑنا چاہتا، مناظرے میں بعض اوقات بے احتیاطی ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کو مناظرے کا شوق ہے تو میری طرف سے میرے یہ شاگرد (علامہ خالد محمود) بات کریں گے۔

جب علامہ صاحب شریعت کورٹ کے جج تھے، تو ہمارے ہاں اکثر و بیشتر ٹھہرتے تھے، ایک مرتبہ مولانا عبدالسلام

صاحب مرحوم ٹیکسلا والوں نے فون کیا، میں اور علامہ صاحب وہاں گئے، علامہ صاحب کا بیان ہوا، بعد میں نشست ہوئی، جس میں مولانا عبدالسلام صاحب نے علامہ صاحب کو بتایا کہ: مولانا لعل شاہ بخاری والے مقدمہ میں آپ کا عدالتی بیان ہم شائع کروانا چاہتے تھے، پھر وہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحبؒ ہم سے لے گئے کہ ہم شائع کروائیں گے، لیکن وہ شہید ہوگئے تو بیان شائع نہ ہوسکا۔

مقدمہ کی تفصیل کے حوالے سے مولانا عبدالسلام کہتے ہیں کہ: مولانا لعل شاہ بخاری پر ہم نے مقدمہ کرایا کہ انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے، لیکن عدالتی کاروائی میں ہمارے قدم نہیں جم رہے تھے، لہٰذا ہم نے علامہ صاحب سے گزارش کی کہ آپ اِس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کریں، ایک جلیل القدر صحابی کی ناموس کا مسئلہ ہے۔(مولانا لعل شاہ کے علاوہ عبدالقیوم علوی پر بھی اِسی عنوان کا مقدمہ ہوا تھا۔اور اسے عدالت نے سزا بھی سنائی تھی۔) چنانچہ علامہ صاحب عدالت میں تشریف لائے، سر پر مخصوص انداز میں رومال باندھا ہوا تھا، اردو میں گفتگو فرما رہے تھے۔جج ٹیک لگا کر لاپرواہی سے بیٹھا تھا، علامہ صاحب نے جب اُس کی لاپرواہی دیکھی تو انگلش میں بات شروع کردی، اور علامہ صاحب کی انگلش ماشاء اللہ بہت اعلیٰ تھی، انگلش سنتے ہی جج سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور نکات (پوائنٹ) لکھنے لگا، تھوڑی دیر بعد کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! اگر آپ اردو میں گفتگو کریں تو بہتر ہوگا، مجھے سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے، چنانچہ علامہ صاحب نے دوبارہ اردو میں گفتگو شروع کردی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ گفتگو اس قدر جامع، پرمغز اور بیسیوں اعتراضات کے شافی جوابات پر مشتمل تھی مولانا عبدالسلام صاحب نے اسے طبع کرانے کا ارادہ کرلیا، لیکن جو حصہ انگریزی کا تھا، اُس کا ترجمہ کرانے کی ضرورت تھی، پھر مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ نے مولانا عبدالسلامؒ سے کہا کہ: وہ گفتگو ہمیں دے دیں، انگریزی والے حصے کا ترجمہ کروا کے ہم اُسے شائع کریں گے، چنانچہ مولانا عبدالسلام نے فاروقی صاحب کو دے دی، پھر فاروقی صاحب شہید ہوگئے اور وہ گفتگو شائع نہ ہوسکی۔

مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب دامت برکاتہم کے حکم پر حضرت علامہ صاحب سے متعلق چند یادداشتیں ریکارڈ کرادی ہیں۔اللہ پاک حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائیں اور ہم سب کو ان کے علوم وفیوض سے کامل استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

حافظ محمد یعقوب قصوری (فاضل: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) نائب امیر جمعیت علماء اسلام نشتر ٹاؤن لاہور

موت العالِم موت العالَم

میں نے علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ۱۹۷۷ء میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں کی تھی۔ میں درس نظامی سال اول درجہ فارسی کا طالب علم تھا۔ علامہ صاحب نے کیا بیان فرمایا، کچھ یاد نہیں، ہمارا بے شعوری کا زمانہ تھا اور علامہ صاحب کی باتوں کو سمجھنے کے لیے باشعور، بیدار مغز ہونا ضروری تھا۔ جامعہ رشیدیہ کے مہتمم وناظم اعلیٰ مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدی کراچی سے لاہور کی طرف جانے والے علماء سے وقت لے کر اپنے طلبہ کو لازمی خطاب کرواتے تھے جس سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوتا تھا ۔اسی طرح لاہور اور پشاور کی طرف سے ملتان یا کراچی جانے والے علماء سے خطاب کرواتے تھے۔ اس طرح ہمیں علامہ صاحب، مفتی محمود صاحبؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ اور دیگر اکابرین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد مختلف جلسوں میں مثلاً جہلم، چکوال، لاہور، قصور، گوجرانوالہ دیگر شہروں میں علامہ صاحب کی زیارت وملاقات ہوتی رہی۔

علامہ صاحب کے ساتھ سفر:

تعلیمی اخراجات کے بندوبست کے لیے زمانہ طالب علمی میں ہی میں نے گوجرانوالہ میں دینی کتب کی خرید وفروخت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں جمعرات کو اکثر لاہور جانا ہوتا تھا۔ اور اپنے کام سے فارغ ہو کر علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوتی تھی۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے بعد ہم شیرانوالہ گیٹ مولانا عبیداللہ انور کے ہاں حاضری دیتے تھے۔ ایک دن علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ گوجرانوالہ میں آپ نے ظفر ڈار کا نام سنا ہے؟ میرے دوست ہیں ان سے ملاقات کے لیے چلتے ہیں۔ سفر شروع ہوا، میرے پاس اس وقت کار کا انتظام کرنے کی گنجائش نہ تھی، اور علامہ صاحب نے اچانک حکم دیا تھا۔ ورنہ کوئی انتظام کرنے کی کوشش کرتا۔ مجبوراً تانگہ کے ذریعہ اڈہ پر پہنچے۔ وہاں سے گوجرانوالہ کی گاڑی میں سوار ہوئے، بندہ نے بہت کوشش کی کہ ڈرائیور سے پچھلی نشست پر تین سیٹیں لے لے، تاکہ حضرت علامہ صاحب سہولت سے تشریف فرما ہوں، لیکن میرے بے حد اصرار کے باوجود علامہ صاحب نے اجازت نہیں دی۔ گوجرانوالہ میں علامہ صاحب کے دوست کے ہاں پہنچے، ملاقات ہوئی، انھوں نے چائے کا انتظام کیا۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے، رات کا قیام جامعہ نصرۃ العلوم میں تھا۔ بعد فجر شیخ التفسیر استاذِ محترم مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ناشتے کا دریافت فرمایا کہ کہیں اور ناشتہ کرنے کی ترتیب نہ ہو تو ہم انتظام کریں؟ علامہ صاحب نے کہا: ہمارا ناشتہ ظفر ڈار کے پاس ہے۔ آپ چائے پلا دیں۔ چائے پی کر ہم نکلے تو ظفر ڈار کے ہاں جانے کا ارادہ تبدیل ہو گیا اور سیدھا لاہور کی طرف نکل گئے۔ بھوک سے میرا برا

حال ہو رہا تھا۔لیکن علامہ صاحب نے کسی پر بوجھ ڈالنا گوارا نہیں کیا۔

دوسرا سفر، حضرت امام اہل سنت کا علامہ صاحب پر علمی اعتماد:

ایک مرتبہ میں اور علامہ صاحب راولپنڈی سے لاہور کی طرف آ رہے تھے، گوجرانوالہ راستہ میں آتا ہے۔علامہ صاحب فرمانے لگے: مولانا سرفراز خان صاحب سے ملاقات کرنے چلتے ہیں۔ چنانچہ گوجرانوالہ لاری اڈہ اتر کر رکشے کے ذریعہ جامعہ نصرۃ العلوم پہنچے، اس وقت حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی کتاب ''خزائن السنن'' کی جلد اول پہلی مرتبہ طبع ہو کر آئی تھی، حضرت نے علامہ صاحب کو کتاب کے دو نسخے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ: ایک نسخہ آپ کی لائبریری کے لیے اور دوسرے کا آپ تنقیدی نظر سے مطالعہ کریں، کوئی غلطی ہو تو مجھے ضرور آگاہ کریں۔ پھر ہم نے اجازت چاہی اور لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔

مکہ مکرمہ میں علامہ صاحب سے ملاقات:

۱۹۹۵ء میں میں اور والد صاحب عمرہ کرنے گئے۔ مقامی احباب کی ترغیب پر حج کا ارادہ کر کے واپس آنے کے بجائے وہیں رک گئے۔ ہمارا قیام مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کے ہاں تھا۔ وہ ہماری راہ نمائی کرتے رہے۔ایام حج شروع ہوتے ہی علامہ صاحب اپنے بڑے بیٹے کے ہمراہ تشریف لائے۔

مولانا مکی کی خانقاہ میں بندہ نے خود اپنی ڈیوٹی باورچی خانے کی صفائی اور برتن دھونے پر لگوائی تھی، میرے ساتھ مولانا عبدالنور بنگالی اور مولانا مکی مرحوم کے خادم خاص غازی احمد بنگالی تھے، علامہ صاحب کی مجھ سے بے تکلفی دیکھ کر مولانا مکی مرحوم نے مجھے علامہ صاحب کی خدمت پر مامور کر دیا۔ دیگر کاموں کے ساتھ کپڑے وغیرہ بھی میں دھوتا تھا، وہاں الحمد للہ ہر قسم کی سہولت موجود تھی، مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔

مقامی احباب کو علامہ صاحب کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ انھیں اپنے ہاں لے جاتے اور بیان کراتے۔ اِس طرح حضرت علامہ صاحب نے حج کے دوران بھی اپنا مشن جاری رکھا۔

علامہ صاحب جمعیۃ علماء اسلام کے سرگرم راہ نما تھے، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کی سرپرستی میں کام کر رہے تھے۔ وہ اہل حق کے لیے انتہائی مالی تنگی کا زمانہ تھا، پیسے کی فراوانی اور مالی حالات کی بہتری تو اب ہوئی ہے۔ اگر کسی کو ذوق ہو تو کسی پرانے بندے سے حضرت ہزارویؒ کے واقعات سنے جاسکتے ہیں کہ کس طرح بھوک وافلاس اور انتہائی نامساعد مالی حالات میں انھوں نے خدمت دین کا عظیم الشان کام انجام دیا جو آج ہر طرح کے مالی وسائل کے باوجود بھی ہم نہیں انجام دے سکتے۔

برطانیہ میں عیسائی اور مرزائی تو اہل حق کو پریشان کرتے ہی تھے، بریلویوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور بجائے اس کے کہ دیارِ غیر میں مسلمان متحد ہو کر غیر مسلموں کا مقابلہ کرتے، بریلویوں نے دیوبندیوں کی ٹانگیں کھینچنی شروع کر دی اور مختلف طریقوں سے انھیں پریشان کیا۔ وہاں کے احباب نے باقاعدہ پاکستان آ کر جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت سے رابطہ کیا، مولانا غلام

غوث ہزاروی رحمہ اللہ سے ان کی ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنا مسئلہ بیان کیا کہ ہمیں مرزائی اور عیسائی اور بریلوی حضرات نے تنگ کرر کھا ہے۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے حکم پر انتہائی جذبے اور ولولے کے ساتھ پاکستان میں مرزائیوں اور صحابہ دشمنوں کے خلاف جنگ میں مصروفِ عمل تھے۔ دعوت وتبلیغ کے اِس میدان میں علامہ صاحب حضرت ہزارویؒ کے دست راست تھے، لیکن اس کے باوجود برطانیہ کے احباب کی درخواست پر انھوں نے علامہ کو برطانیہ جانے کی اجازت بادل نخواستہ دے دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ: ضروری اقدامات سے فارغ ہوکر واپس جلد پاکستان آئیں۔ مگر برطانیہ میں ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔'' برطانیہ میں علامہ صاحب نے کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ''دو چار دنوں کی بات نہیں'' لمبے عرصے تک مسلسل اور جان توڑ محنت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ صاحب نے جلسوں، مناظروں اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ تمام فرق باطلہ کا خوب خوب تعاقب کیا، اور اس دوران اُن کا پاکستان بھی آنا جانا لگا رہا۔

الغرض علامہ صاحبؒ نے ایک بھرپور اور بامقصد زندگی گزاری، کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ علامہ صاحب کی تمام تر توجہ تصنیف وتالیف پر مرکوز رہی، اور جمعیۃ علماء اسلام سے وابستگی عملی طور پر ختم ہوگئی۔

حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ کے زمانہ میں جمعیۃ علماء اسلام کا طوطی بولتا تھا، حکومتیں اور دیگر ادارے اس سے خار کھاتے تھے، کیونکہ اُن کے دین وملک دشمن منصوبوں میں یہ بڑی رکاوٹ تھی۔ چنانچہ مفتی محمود صاحب کی وفات کے بعد انھوں نے جمعیۃ کو ٹکڑے کرنے کا عمل تیز کردیا۔ اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نے جانتے بوجھتے یا انجانے میں اِس عمل میں اُن کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اور افسوسناک امر یہ ہے کہ اِس مقصد کے لیے حضرت علامہ صاحب کو بھی استعمال کیا۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو مولانا زاہد الراشدی، جمعیۃ کی اُس وقت کی صورت حال اور پاکستان کے حالات کا پوری طرح اندازہ نہیں ہوسکا اور مولانا زاہد الراشدی کے بھروسے پر وہ جمعیۃ سے نالاں ہوگئے۔

مولانا زاہد الراشدی نے مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا سمیع الحق، حضرت علامہ صاحب رحمہم اللہ اکابر کو اکٹھا کر کے جمعیۃ کے مقابل ایک گروپ کھڑا کردیا۔ اور پھر گروپ بندی کا یہ سلسلہ چل نکلا، پہلے جمعیۃ کا ''درخواستی گروپ'' بنا، پھر ''سمیع الحق گروپ'' پھر ''اجمل قادری گروپ''۔ اس دھینگا مشتی میں اہل حق کے عظیم مرکز، حضرت لاہوری کی یادگار ''شیرانوالہ گیٹ'' کی مرکزیت کا جنازہ نکال کر دم لیا۔ اب شیرانوالہ گیٹ حضرت لاہوریؒ کی خانقاہ اور اہل حق کا مرکز نہیں فقط اینٹوں کی ایک عمارت ہے۔ اور اِس تمام صورتِ حال کی ذمہ داری مولانا زاہد الراشدی پر ہے جو مخلص کارکنوں کے جذبات سے کھیلتے اور ان کے دل زخمی کرتے رہے۔ مولانا نے حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ سے بے وفائی کی تاریخ رقم کی اور جمعیۃ علماء اسلام کو گویا سو (۱۰۰) سال پیچھے دھکیل دیا۔ ان شاء اللہ اس کا حساب روزِ قیامت ہوگا۔ یہ صرف میرے ہی نہیں، جمعیۃ کے لاکھوں کارکنوں کے جذبات ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کو کروٹ کروٹ راحتیں نصیب فرمائیں اور ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

چند یادیں چند واقعات

طالب علمی کے زمانے سے اب تک جن عبقری شخصیات کی تحریروں سے مسلسل مستفید ہوتا آ رہا ہوں، ان میں ایک نمایاں نام حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت سے وابستہ مشک بار یادوں اور عطر بیز مجلسوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، سر دست چند باتیں جو مستحضر ہیں بغیر کسی ترتیب کے پیش خدمت ہیں۔

☆...... یہ مارچ ۲۰۰۵ رم کی بات ہے، شیخ الاسلام سیمینار بہاول پور میں شرکت کے لیے امام اہلِ سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ بہاولپور تشریف لائے ہوئے تھے اور سیٹلائٹ ٹاون میں کسی مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولانا محمود عالم صفدر، مولانا احسن خدامی، مولانا انس نعمانی اور راقم الحروف حضرت کی تلاش میں سیٹلائٹ ٹاؤن پہنچے، وہاں ایک صاحب نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔ ہم مکان میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت امام اہلِ سنت کی بجائے دو اور شخصیات جلوہ افروز تھیں: [۱] علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ۔ [۲] مولانا عبدالروف غزنوی مدظلہ۔ اس موقع پر علامہ صاحب نے دو واقعات سنائے:

۱۔ فرمایا: ایک موقع پر ایک مجلس میں جس میں مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی صاحب بھی تشریف فرما تھے، میں نے ایک سوال اٹھایا کہ غیر مقلدین نے سب سے زیادہ پاکستان کے کس علاقہ میں کام کیا؟ اوکاڑوی صاحب نے فرمایا: آپ ہی بتا دیں۔ میں نے کہا گوجرانوالہ میں کہ اسماعیل سلفی غیر مقلد نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ میں جب گوجرانوالہ میں آیا تھا اس وقت اہلحدیثوں کی صرف دو مسجدیں تھیں اور اب اہلحدیثوں کی باون مسجدیں ہیں۔ میں نے پھر سوال کیا کہ غیر مقلدین کیخلاف اور ان کے رد میں سب سے زیادہ کام کہاں ہوا؟ اوکاڑوی صاحب نے فرمایا: آپ ہی بتائیں۔ میں نے کہا گوجرانوالہ میں کہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب نے جو تحریری کام غیر مقلدین کے رد میں کیا وہ کہیں نہیں ہوا۔ مگر فرق یہ ہے کہ مولانا سرفراز صاحب نے علمی حلقوں میں کام کیا اور اسماعیل سلفی صاحب نے عوام میں کام کیا۔ (مطلب یہ کہ عوام میں کام کرنے کی لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ اپنی آزاد مساجد ہوں) (دیکھیے: ۲/۲۵......۱/۵۴۹ [ادارہ])

۲۔ دوسرا واقعہ حضرت علامہ صاحب نے یہ سنایا کہ: حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ میرے والد صاحب کا مجھ پر ایک قرض ہے، وہ میں ادا نہیں کر سکا، وہ میری طرف سے آپ ادا کر دیں تو احسان ہوگا (حضرت قاضی صاحب کے والد گرامی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے روافض کے رد میں ایک مایہ ناز کتاب: آفتابِ ہدایت؛ لکھی تھی جس کا جواب شیعہ مصنف ڈھکو نے: تجلیات

صداقت: نامی کتاب لکھ کر دیا تھا اسکا مختصر رد اگر چہ حضرت قاضی صاحب نے: اجمالی نظر: نامی کتاب لکھ کر کر دیا تھا مگر قاضی صاحب اسکا تفصیلی جواب لکھنا چاہتے تھے جس کا انھیں موقع نہ مل سکا اسی کو وہ اپنے والد صاحب کا قرض سمجھتے تھے۔) حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا حضرت! آپ میرے ذمہ یہ کام اس وقت لگا رہے ہیں جب میری زندگی کی بھی شام ہورہی ہے، تاہم آپ دعا فرمادیں میں اس کام کی تکمیل کی کوشش کرونگا اور حضرت قاضی صاحب نے دعا فرمادی۔ علامہ صاحب نے فرمایا حضرت کی دعا کی برکت سے اس مختصر عرصہ میں آدھا کام ہوگیا ہے۔(اب دو ضخیم جلدوں میں: تجلیاتِ آفتاب: کے نام سے کتاب شائع ہوگئی ہے جو لائقِ مطالعہ اور قابلِ دید ہے اور علامہ صاحب کا عظیم قلمی شہکار) (دیکھیے :۱/۹۹[ادارہ])

ہم وہاں سے اٹھ آئے اور حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے، تھوڑی دیر بعد علامہ صاحب بھی وہاں تشریف لے آئے اور پھر وہ جگہ علوم ومعارف کے انوار کا منبع اور بقعہ تجلیات قدسیہ کا منظر پیش کرنے لگی۔ اسی موقع پر حضرت امام اہل سنت نے علامہ صاحب سے دعا کی درخواست کی کہ آخرت اچھی ہوجائے اور علامہ صاحب انھیں تسلیاں دیتے رہے کہ آپ کی دینی خدمات آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت ہیں اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں مقبول ہوں گی۔

اسی سیمینار کے موقع پر سب سے تفصیلی بیان حضرت علامہ صاحب کا ہی ہوا اور علامہ صاحب نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمات کے مختلف اور متنوع پہلوؤں پر بڑے خوبصورت پیرائے میں روشنی ڈالی۔ بعد میں علامہ صاحب کا یہ وقیع بیان کتابی صورت میں بھی شائع ہوگیا۔(دیکھیے :۲/۱۵۷[ادارہ])

ایک بار حضرت علامہ صاحب کا میرے نمبر پر فون آیا اتفاق سے میں حضرت کی کتاب عبقات کا مطالعہ کر رہا تھا، میں نے حضرت کو بتایا تو فرمانے لگے: اوہو اوہو یہ تو میری جوانی کا شہکار ہے۔(دیکھیے :۱/۶۲۵......۱/۶۶۱......۱/۳۳۷[ادارہ])

☆......۲۰۰۳ء میں چالیس روزہ صحافت کورس کے لیے میں جامعۃ الرشید کراچی میں تھا، جامعہ والے بعض اکابر کو بھی کبھی کبھی بیان اور نصائح کے لیے تکلیف دیتے رہے، اسی موقع پر دو دن علامہ صاحب بھی تشریف لاتے رہے، رد نصرانیت پر حضرت کا بیان ہوتا رہا، سبق کے آغاز میں ہم حضرت کی تقریر ساتھ ساتھ نوٹ کرنے لگے تو حضرت نے روک دیا اور فرمایا: یہ تو کاپیوں کا علم ہوگا، تمہارا نہیں، تمہارا علم وہ ہوگا جو تمھیں زبانی یاد ہوگا۔ طلبہ نے قلم روک لیے، حضرت نے مختصر تقریر کی اور اپنا بیان ذہن نشین کرانے کے بعد کچھ وقت دیا اور فرمایا: اب اپنی یادداشت قلمبند کرلو۔ اسی موقع پر فرمایا کہ نصرانی یہ کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام تھے حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نہیں تھے، جبکہ قرآن مجید سے اور اشارہ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کے موقع پر آیا ہے **بشرناہ باسحاق نبیامن الصالحین** (سورۃ الصفت آیت 112) یعنی خوش خبری دی اس کو ہم نے اسحاق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں۔ جب پیدائش کے وقت ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہ نبی ہوں گے تو امتحان کیسا؟ جبکہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کے موقع

پر آیا ہے: **فبشرناہ بغلام حلیم** (سورۃ الصّٰفّٰت آیت 101) یعنی پھر ہم نے خوش خبری دی اس کو ایک لڑکے کی جو ہوگا تحمل والا۔

اسی موقع پر ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سود کے متعلق عدالتی فیصلہ کو چند شرائط لگا کر ہم نے معلق کر دیا ہے، ورنہ وہ غلط فیصلہ فوری طور پر صادر ہو جاتا۔ (دیکھیے: ۸۱۱/۱ [ادارہ])

اسی کورس کے موقع پر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی دو دن تشریف لاتے رہے، حضرت چنیوٹی اپنے ساتھ اپنی کتاب ''ردقادیانیت کے زریں اصول'' بھی لائے تھے دوران درس اپنی کتاب کی اہمیت بیان کی اور اپنی کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ارشاد فرمائی کہ اس کا وقیع مقدمہ علامہ خالد محمود صاحب نے اتنا تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ مقدمہ ایک مستقل کتاب بن گیا ہے گویا ایک قیمت پر آپ کو دو کتابیں مل جائیں گی۔

☆......ایک بار میں نے فون کیا تو فرمایا: میں مولانا عبدالستار تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کی دستار بندی کے لیے گیا ہوا تھا، اب واپس جا رہا ہوں، مزید فرمایا کہ: حضرت کے جانشینوں نے مجھے اس لیے بلا لیا ہے کیونکہ اس قافلہ (تنظیم اہل سنت کے سرکردہ اور گویا بانی ارکان) میں سے میں اکیلا ہی رہ گیا ہوں پھر علامہ اقبال کا ایک مصرع پڑھا

ع ''میں بلبل نالاں ہوں اُجڑے گلستاں کا''

مجھ پر غم کی کیفیت طاری ہوگئی اور یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا کہ: ع تو بلبل نازاں ہے اجلے گلستاں کا

☆......بہاول پور کے قاری غلام یاسین صاحب اپنے مدرسہ جامعہ صدیقیہ کے سلسلہ میں برطانیہ جاتے رہتے تھے، ایک بار انھوں نے بتایا تھا کہ میں علامہ صاحب کا مہمان تھا، ایک گاڑی والے صاحب علامہ صاحب کو لینے کے لیے آئے ہوئے تھے، علامہ صاحب کو کچھ دیر تھی، میں نے گاڑی والے کو کہا آپ مجھے فلاں جگہ (قریب ایک جگہ کا بتایا) چھوڑ دیں، اتنے میں حضرت بھی فارغ ہو جائیں گے، وہ علامہ صاحب سے اجازت لینے گیا تو علامہ صاحب خود ہی میرے پاس تشریف لے آئے اور پہلے تو ایک واقعہ سنایا کہ: مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار ٹرین میں سفر کر رہے تھے، خدام حضرت کو دبانے لگے تو ایک اجنبی بھی آ کر حضرت کو دبانے لگا۔ حضرت کے ایک خادم نے اجنبی کے کان میں کوئی بات کی تو وہ فوراً اٹھ کر چلا گیا، حضرت تھانوی نے خادم سے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ خادم نے بتایا کہ: حضرت! وہ جیب کترا تھا، میں بھی پہلے یہی دھندا کرتا تھا، میں نے پہچان لیا اور اس کو کان میں کہا: میرا بھی وہی پیشہ ہے جو تو کام کرتا ہے، یہ میرا شکار ہے تو اور تلاش کر! یہ سن کر وہ بھاگ گیا۔ علامہ صاحب نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا: یہ کار والا میرا شکار ہے آپ اور تلاش کریں۔

قاری صاحب مذکور نے ہی یہ واقعہ سنایا تھا کہ ایک بار ہم ملتان جا رہے تھے، علامہ صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے، ہم نے کہا کہ ہم ملتان میں کپڑے تبدیل کریں گے، علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے بھی کپڑے تبدیل کرنے ہیں۔ ہمیں بڑی حیرت ہوئی، کیونکہ علامہ صاحب کے پاس پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ کوئی اضافی کپڑے نہیں تھے، ملتان پہنچ کر انھوں نے ایک

لنگی پہنی اور کپڑے اتار کر انھیں الٹ دیا اور دھوپ میں ڈال دیے، تھوڑی دیر بعد وہی کپڑے سیدھے کر کے پہن لیے اور فرمایا کہ: میں نے بھی کپڑے تبدیل کیے ہیں کہ اوپر والے حصے کو تبدیل کر کے اندر کر دیا، پھر اندر والا حصہ باہر والے حصہ میں بدل دیا؛ مزید فرمایا کہ: بعض اوقات کپڑے صاف ہوتے ہیں مگر ان میں پسینہ کی ہوا آنے لگتی ہے، دھوپ میں ڈال دینے کی وجہ سے پسینہ کا اثر جاتا رہتا ہے۔

قاری صاحب مذکور نے اور دوسرے احباب نے بھی ان کا مشہور واقعہ سنایا کہ ایک صاحب ناشتہ کرنے کی غرض سے ایک بہانہ تراش کر صبح صبح علامہ صاحب کے پاس پہنچ گئے، علامہ صاحب بھانپ گئے، دیر ہوگئی مگر ناشتہ کے آثار مہمان بننے والے صاحب کو نظر نہ آئے تو آخر اس نے پوچھ ہی لیا علامہ صاحب! آپ ناشتہ نہیں کرتے؟ فرمایا کرتا ہوں۔ پوچھا کس طرح؟ فرمایا: کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے اور ناشتہ کرا دیتا ہے۔ کہا: اگر آج کوئی بندہ نہ آیا تو؟ فرمایا: تھوڑی دیر کے لیے تم بندہ بن جانا۔ (واضح رہے کہ معاملہ اس صاحب کی تنبیہ کے لیے تھا ورنہ مولانا خالد محمود صاحب ٹیکسلا والوں سے علامہ صاحب کی فراخ دلی کے واقعات معلوم کر سکتے ہیں۔)

☆......حضرت الاستاذ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ نے سنایا کہ علامہ صاحب جب الیکشن میں حصہ لے رہے تھے تو اپنے مدمقابل میاں طفیل صاحب کی بابت ایک بڑے جلسہ میں شرکاء سے پوچھا بتاؤ ہمارے مقابل کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا: میاں طفیل؛ فرمایا: نہیں، اس کا نام ہے: میاں! تو فیل۔ (دیکھیے: ۳۶/۲[ادارہ])

☆......حضرت مولانا خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان) ایک بار میرے پاس تشریف لائے تو علماء کی موجودگی میں فرمایا کہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ خالد محمود صاحب کی ذہانت سے اور مولانا حق نواز جھنگوی شہید کی دلیری سے بہت متاثر تھے۔

☆......ایک بار مولانا عبد الکریم ندیم صاحب سے میرے سامنے ایک مولانا نے کہا: مولانا! آج رات ہمارے پاس قیام کریں؛ ندیم صاحب نے فرمایا: علامہ خالد محمود صاحب کو۔۔۔۔۔۔۔(ایک بڑے ادارہ کے مدیر وشیخ الحدیث کا نام لے کر) نے کہا کہ حضرت! آج رات یہاں قیام کریں، علامہ صاحب نے فرمایا: قیام کا معنی ہوتا ہے کھڑا ہونا تو کیا رات بھر کھڑا رہوں گا؟ رات کو آرام ہوتا ہے قیام نہیں۔ (دیکھیے: ۱۶۱/۲......۲۰۵/۲[ادارہ])

☆......یہ واقعہ مولانا حمزہ احسانی صاحب سے سنا کہ کسی نے علامہ صاحب سے کہا کہ حضرت! کھانا کھانا ہے؟ حضرت نے برجستہ جواب دیا: جی ہاں کھانا کھانا ہے، جس طرح پانی پانی ہے، رات رات ہے، اسی طرح کھانا کھانا ہے۔

☆......دار العلوم مدنیہ بہاولپور کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ صاحب کا گہرا دوستانہ تھا اور ان کی زندگی میں علامہ صاحب کثرت سے تشریف لاتے رہے ہیں، بعد میں آمد ورفت کم ہوگئی، مگر ایک بار اچانک حضرت کی آمد ہوئی، میں خوشی سے جھوم اٹھا، اس موقع پر مجھے خدمت کا موقع بھی خوب ملا، سوال جواب کی نشست بھی ہوئی، طلبہ

سے خطاب بھی ہوا اور خطاب سے پہلے میری ایک فی البدیہ نظم بھی پڑھی گئی جس کا پہلا مصرع تھا

ع اے علامہ ترا تشریف لے آنا مبارک ہو!

ایک شعر یہ بھی تھا

روافض ہوں کہ نصرانی، ہوں مرزائی کہ پرویزی
ہر اک باطل سے ضیغم! تیرا ٹکرانا مبارک ہو

پوری نظم اس وقت نہ دستیاب ہے اور نہ ہی مستحضر۔

اس موقع پر مختلف موضوعات پر سوالات اور ہر سوال کے تشفی بخش جواب کی وجہ سے ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا محمد رشید صاحب مدظلہ نے فرمایا: علامہ صاحب علوم کا ایک ایسا دریا ہیں جس کا رخ جدھر موڑ و مڑ جاتا ہے۔

☆......حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ اور دیگر علماء نے سنایا کہ علامہ صاحب نے کالج کے طلبہ کو ترغیب دی کہ علماء کے بیانات سنا کرو، ایک بار کچھ طلبہ نے ایک عالم کا بیان سنا وہ عالم استنجا کے مسائل بیان کر رہے تھے، طلبہ نے علامہ صاحب سے آ کر کہا: حضرت! دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور مولوی ابھی تک استنجے کے مسائل کر رہے ہیں، علامہ صاحب نے بڑا دلچسپ جواب دیا، فرمایا: کیا جو لوگ چاند پر پہنچ گئے ہیں انھوں نے پیشاب پاخانہ کرنا چھوڑ دیا ہے؟ طلبہ نے کہا: ایسا تو نہیں ہے، علامہ صاحب نے فرمایا: جب تک لوگ پیشاب پاخانہ کرتے رہیں گے مولوی اُستنجے کے مسائل بھی بیان کرتے رہیں گے (تا کہ لوگ پاکی ناپاکی کے مسائل سے آگاہ رہیں۔) اگر مولویوں کے استنجے کے مسائل سے بچنا ہو تو پیشاب پاخانہ کرنا چھوڑ دو۔ (دیکھیے: ۲/۲۷۷ [ادارہ])

☆......رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ: ایک بار قادیانیوں نے غیر مقلدین کے ساتھ مناظرہ طے کر لیا اور شرط لگا دی کہ بات قرآن اور حدیث سے ہوگی، مناظرہ بریلویوں کی مسجد میں تھا جس میں یا اللہ یا محمد لکھا ہوا تھا، مناظرہ غیر مقلدین کے بس سے باہر ہوا تو علامہ صاحب کی ضرورت پڑی، علامہ صاحب میدان میں آئے تو قادیانی مناظر نے گھبرا کر کہا: علامہ صاحب! شرائط دیکھ لیں، علامہ صاحب نے شرائط پر نظر ڈالی اور مرزا غلام قادیانی کی کتابوں سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کرنے لگے، قادیانی مناظر نے شور مچایا کہ یہ شرط کے خلاف ہے، شرط یہ تھی کہ بات قرآن و حدیث سے ہوگی، آپ نے مرزا کی عبارتیں پیش کرنا شروع کر دیں۔ علامہ صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ مرزا غلام قادیانی تمہارے نزدیک نبی ہے اور نبی کی بات حدیث ہوتی ہے یا تو تم اس کی نبوت کا انکار کر دو یا پھر اس کی باتوں کو حدیث مانو۔ کچھ دیر میں قادیانی ناکام ہوا تو بات کو دوسری طرف موڑنے کے لیے ایک موقع پر کہا: یہ جو یہاں لکھا ہوا ہے یا اللہ یا محمد کیا یہ درست ہے؟ علامہ صاحب نے فرمایا: بالکل درست ہے مسلمان یا اللہ کو مانتے ہیں یا محمد کو کسی قادیانی کو نہیں مانتے؛ قادیانی نے کہا: عربی کی یاء کو اردو کی یاء بنا دیا؛ علامہ صاحب نے فرمایا: آپ اردو والوں کی مسجد میں ہی بیٹھے ہیں، کیا آپ نے کسی عرب مسجد میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے؟ قادیانی مناظر لاجواب ہو گیا۔ (دیکھیے: ۱/۷۹۸......۲/۳۹۷ [ادارہ])

☆......جلالپور پیروالا میں حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیان میں حضرت سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا

واقعہ بھی بیان کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سنایا: **قوموا إلی سیدکم** اور مطلب یہ بیان کیا کہ: اپنے سردار کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ؛ بعد میں میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کے ترجمہ سے تو قیام تعظیمی ثابت ہوتا ہے، جبکہ علامہ خالد محمود صاحب نے لکھا ہے کہ یہاں **قوموا لسیدکم** نہیں ہے کہ سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ، بلکہ **الی سیدکم** ہے کہ سردار کی مدد کے لیے اٹھو (حضرت سعد زخمی تھے اور دوسروں کی مدد کے بغیر گھوڑے سے اترنا مشکل تھا) حیدری صاحب نے پہلے تو مزاح میں فرمایا: علامہ خالد محمود صاحب علامہ ہیں، میں علامہ نہیں ہوں؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں تو دونوں کو علامہ مانتا ہوں اب یہ فرمائیں کہ کس علامہ کی بات درست ہے؟ فرمایا: اچھا میاں! اب نہیں کہوں گا۔

☆......۲۰۰۹ء میں دو دن کے لیے میں بھی جامعہ حیدریہ سندھ گیا ہوا تھا ختم بخاری شریف والی رات علامہ صاحب نے خود اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ: میں نے یہاں لندن میں کچھ احباب کو جمع کیا ہوا ہے، آپ کے طلبہ کو صحیح بخاری شریف کا آخری سبق میں نے آن لائن پڑھانا ہے، چنانچہ علامہ صاحب نے پر مغز تقریر فرمائی، سسٹم کی خرابی کی وجہ سے بیان کبھی کبھی صاف سمجھ نہیں آتا تھا، حضرت حیدری شہید نے بعد میں اس کا خلاصہ بیان کیا۔ علامہ صاحب کا یہ بیان کتابی صورت میں چھپا ہوا ہے، جو قابل دید ہے۔ (دیکھیے: ۱/۴۳۷ [ادارہ]) ☆☆☆☆☆

مولانا محمد علی، ڈیرہ اسماعیل خان

آسمانِ علومِ نبوت کا درخشندہ تابندہ ستارہ، قافلہ حریت کا حُدی خواں، اہل حق کا سرخیل، یادگار اِسلام، محقق اعظم، مناظر اسلام، اُستاذنا المکرّم علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ ان مجاہدین اسلام میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر لمحہ دینِ حق کی سربلندی اور مسلمانان اسلام کے عقائد واعمال کی اصلاح وحفاظت کے لیے وقف تھا، ختم نبوت کے خلاف اُٹھنے والی ہر سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ ہمیشہ مجاہدینِ ختم نبوۃ کی صفِ اول میں رہے۔ فتنہ قادیانیت، عیسائیت، رافضیت، رضاخانیت وغیرہ کی تردید وتعاقب کو حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا تھا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اُٹھنے والی ہر سازش کا انہوں نے فکری، علمی، تعلیمی، تحریری اور عوامی سطح پر بھرپور مقابلہ کیا۔ آپ تحریر وتقریر کے ساتھ ساتھ باطل فرقوں کے ساتھ مناظرے بھی کرتے تھے اور طلبہ کو مناظرہ پڑھاتے بھی تھے۔

راقم الحروف جب (۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء) جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا تو سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور حضرت علامہؒ وقتاً فوقتاً تشریف لاتے اور طلبہ کی تربیت فرماتے۔ حضرت چنیوٹی صاحب کا موضوع ردِ قادیانیت ہوتا۔ اور علامہ صاحبؒ سے ہم نے زیادہ تر عیسائیت (تعارف عیسائیت، وانا جیل، مسئلہ گناہ، عقیدہ کفارہ، عقیدہ نجات وغیرہ) پڑھی۔

اللہ کریم حضرت علامہ صاحب سمیت تمام فوت شدگان مشائخ اور جملہ اہلِ اسلام کی بخشش فرمائے۔ بلند درجات عطا فرمائے۔ اور جو اکابر ومشائخ حیات ہیں ان کا سایہ تا دیر صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔ بجاہِ النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ☆☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد یوسف [معاون مفتی: دار العلوم مدنیہ بہاول پور]

چند یادیں، کچھ واقعات

سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت کب ہوئی؟ یہ تو اچھی طرح یاد نہیں، البتہ دورانِ تعلیم جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا میں حضرت علامہ صاحبؒ کی آمد ورفت مدرسہ اور آس پاس کے علاقے میں جب ہوتی تو زیارت اور بیان سننے کا شرف ضرور حاصل ہوتا تھا۔

مدرسہ میں چونکہ عام طور پر جلسہ وجلوس میں شرکت کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن جب حضرت علامہ صاحبؒ اور اس طرح کے کوئی علمی گفتگو کرنیوالی شخصیت کسی قریب جگہ میں تشریف لاتی تو استاذ جی مولانا عبد المجید لدھیانویؒ طلبہ کو جمع فرما کر خود یہ اعلان فرماتے کہ دیکھو بھائیو! جلسہ وجلوس میں شرکت ہمارے مدرسہ کے اصول ومزاج میں نہیں ہے، لیکن یہ حضرت علمی گفتگو فرماتے ہیں، جس سے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے، اس لئے ہم آپ کو اس پروگرام میں شرکت کی اجازت دیتے ہیں۔ استاذ جیؒ کے اس طرح کے فرمانے سے ہمارے دلوں میں ان حضرات کی عظمت مزید پیدا ہو جاتی تھی۔ (دیکھیے: ۱/۸۵ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحبؒ کی کوئی زیادہ باتیں تو بندہ کو یاد نہیں ہیں۔ البتہ چند متفرق باتیں تحریر کر دیتا ہوں تاکہ حضرت کے محبین میں کسی درجہ میں نام آجائے۔

۱۔ حضرت علامہ صاحبؒ کا ہمارے مدرسہ دار العلوم مدنیہ کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفٰے صاحبؒ سے دوستانہ تعلق تھا اسی بناء پر وقتاً فوقتاً حضرت دار العلوم میں بھی تشریف لاتے تھے۔ بندہ کے زمانہ تدریس کے ابتداء میں بھی حضرت علامہ صاحبؒ چند دن کے لیے دار العلوم تشریف لائے، فراغت کے اوقات میں ہم بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو ایک بار حضرت نے موجود اساتذہ سے ایک سوال کیا کہ (یاد رہے یہ ان دنوں کی بات ہے جب امریکہ نے افغانستان پر تازہ تازہ حملہ کیا تھا) کیا وجہ ہے کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور اس وقت کے علماء صلحاء عوام الناس دعائیں بھی کر رہے ہیں، اس کے باوجود مسلمان زیر عتاب ہیں تو کیوں؟ کیوں ہماری دعائیں قبول نہیں ہو رہیں اور اللہ پاک کی مدد ونصرت واضح طور پر نظر کیوں نہیں آرہی؟ حضرت کے سوال پر ہم سب نے خاموشی اختیار کی تو حضرت نے خود جواب ارشاد فرمایا۔

فرمانے لگے بتاؤ کتنے مسلمان ہیں جنہوں نے ان حالات میں اپنی حالت کو بدلا ہے اور اللہ پاک کی نافرمانیوں سے توبہ کر کے اس توبہ کو بطور وسیلہ پیش کیا ہو؟ پھر خود ہی فرمایا: ایسا کسی نے نہیں کیا، فرمایا: اگر چند ہزار افراد بھی پکی توبہ کرتے اور پھر اس توبہ کا وسیلہ دے کر رب العزت سے حالات بدلنے کی دعا کرتے تو یقیناً حالات بدل جاتے اور رب تعالیٰ کی نصرت اور مدد واضح طور پر نظر آتی۔ پھر اپنی بات کی مضبوطی کے لیے اُن تین افراد کے واقعہ سے استدلال فرمایا جو غار میں پھنس گئے تھے، پھر انھوں

نے اپنے اعمال کو وسیلہ بنا کر پیش کیا تو غار کا منہ کھل گیا تھا۔ پھر فرمایا اب بھی لوگ ایسا کرتے تو یقیناً حالات بدلتے اور یہ حالات نہ ہوتے جن سے ہم گزر رہے ہیں۔

۲۔ دارالعلوم مدنیہ کے مدرس مولانا محمد رشید صاحب دامت برکاتہم نے سنایا کہ میرے زمانہ طالب علمی میں حضرت دارالعلوم میں تشریف لائے، بیان فرمایا، بیان کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ کی قیام گاہ پر جا کر حضرت سے میں نے ایک سوال کیا، جس کا حضرت نے جواب دیا، میں واپس آ گیا۔ پھر تقریباً عرصہ پندرہ سال بعد لودھراں میں حضرت تشریف لائے، بیان فرمایا، بیان کے بعد سب نے مصافحہ کیا، مولانا فرماتے ہیں جب میں نے مصافحہ کیا تو علامہ صاحبؒ نے فوراً فرمایا: آپ وہی ہونا جس نے دارالعلوم میں مجھ سے سوال کیا تھا؟ مولانا فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے حافظہ پر بہت حیران ہوا کہ اتنے عرصہ بعد حضرت نے فوراً مجھے پہچان لیا۔

۳۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی:۔ استاذِ محترم مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ نے یہ واقعہ سنایا کہ جب مدرسہ خیر المدارس کا اہتمام مولانا محمد علی جالندھریؒ کے پاس تھا۔ تو مدرسہ میں تین دن کا جلسہ ہوا۔ ملک بھر سے علماء کرام کو مدعو کیا گیا تو مجھے بھی بلایا گیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ استاذ محترم فرماتے ہیں کہ: جب میرے بیان کا اعلان ہوا تو حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی رہائش گاہ پر موجود تمام حضرات (جن میں غالباً مولانا عبدالرحمٰن اشرفی بھی تھے) سے فرمایا آؤ مولانا محمد امین اوکاڑوی صاحب کا بیان سنیں۔ حضرت تشریف لائے اور ہمارے سٹیج پر جانے کے بجائے عام مجمع میں تشریف لے گئے اور عام سامعین کے ساتھ بیٹھ کر بیان سنا اور اپنے ساتھ موجود حضرات کو فرمایا: مولانا محمد امین صاحب کا بیان سنا کرو، ان کی گفتگو بڑی علمی ہوتی ہے۔ (دیکھیے: ۱/۴ ۱۰۴ [ادارہ])

۴۔ استاذی مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد مدرسہ خیر المدارس میں جلسہ ہوا، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ بھی تشریف لائے۔ دورانِ بیان فرمایا: مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، بلکہ وقت کے امام طحاوی تھے اور دونوں میں یہ مناسبت ہے کہ امام طحاویؒ شافعی المسلک تھے ان سے نکلے اور ان کے خلاف اور حقیقت کے اتباع میں استدلال کا وہ انداز اختیار کیا کہ تمام شوافع ان کے سامنے بے بس و عاجز ہیں، اسی طرح مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے غیر مقلدین سے نکل کر حنفیت قبول کی اور غیر مقلدین کے خلاف استدلال کا وہ انداز اختیار کیا کہ تمام غیر مقلدین اس کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ (دیکھیے: ۲/۲۰۷ [ادارہ])

۵۔ جامعہ خیر المدارس کے رئیس دارالافتاء مفتی محمد عبداللہ صاحب راوی ہیں کہ میں ایک پروگرام میں شریک تھا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کا بیان ہوا۔ ان کے بیان کے بعد مولانا محمد امین صاحبؒ کا بیان ہونا تھا۔ نقیبِ محفل نے جب مولانا کے بیان کا اعلان کرنا چاہا، تو مولانا نے مائیک اس سے لے لیا اور بیان شروع کرنے لگے تو حضرت علامہ صاحبؒ نے مائیک اپنے سامنے رکھا اور خود مولانا کے بیان کا اعلان فرمایا اور یہ بات فرمائی کہ ہمارا واسطہ جس فریق سے پڑا ہے (غیر مقلدین) وہ علمی لحاظ سے تہی دامن

ہیں۔علم سے بالکل کورے لوگ ہیں، علمی مسائل اور دلائل سمجھنا ان کے بس میں نہیں ہے، ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے شخصیت ہمیں عطا فرمائی ہے وہ علمی لحاظ سے بہت آگے ہے۔استدلال کے بادشاہ ہیں، بات سمجھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ سے لے کر پرائمری کے طالب علم تک کو اپنی بات سمجھانے کی پوری پوری صلاحیت اور ملکہ اللہ پاک نے ان کو عطا فرمایا ہے۔آپ پوری توجہ اور انہماک سے مولانا کا علمی بیان سنیں۔حضرت علامہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمی جلالت سے بھرپور نوازا تھا اس کا اندازہ حضرت کی تالیفات وتصنیفات وبیانات سے لگایا جاسکتا ہے۔(دیکھیے :۱/۷۸۸[ادارہ])

ایک عالم فرمانے لگے کہ حضرت کی تالیفات سونے کے وزن سے بھی ملیں تو لینے سے دریغ نہ کیا جائے بلکہ سونے کے بھاؤ میں خرید کر استفادہ کیا جائے۔مولانا رضوان عزیز صاحب فرماتے ہیں جب میں نے عالمی مجلس تحفظ کے ساتھ شمولیت اختیار کر کے کام شروع کیا تو میں قادیانیت کے وساوس وشبہات کے علمی تعاقب سے زیادہ واقف نہیں تھا۔لیکن چند ہی دنوں میں ہی میں نے ان کے تعاقب کی بھرپور صلاحیت حاصل کرلی۔ یہ برکت تھی حضرت علامہ صاحبؒ کی ان تالیفات کی جو حضرت نے عقیدہ ختم نبوت وعقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تالیف فرمائی تھی۔اور چار جلدوں میں چھپی ہوئی ہیں، فرماتے ہیں میں نے چند دن میں ان کا خوب مطالعہ کیا اور قادیانیت کے علمی تعاقب کے لیے مضبوط بنیاد نصیب ہوگئی۔(دیکھیے :۱/۷۰۴[ادارہ])

یہ چند ایک باتیں حضرت کی یادوں سے متعلق ذہن میں تھیں جو تحریر کردی ہیں اللہ پاک ان کو قبول فرمائے اور حضرت کی خدمات وحسنات کی برکت ہماری سیئات کو معاف فرمائے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی شعیب احمد، لاہور

کچھ یادیں کچھ تاثرات

حضرت علامہ صاحب کا نام اگر چہ زمانہ طالب علمی سے سن رکھا تھا اور تحریروں سے بھی ٹوٹا پھوٹا استفادہ ہوتا رہتا تھا، مگر قریب سے دیکھنے یا خدمت میں رہنے کا موقع نہ ملا۔ عزیزم مفتی صہیب ظفر سلمہ نے حضرت کی خدمت شروع کی تو ان کے واسطے سے حضرت کی باتیں اور مزاج سامنے آنے لگا۔

پہلی زیارت

حضرت کی پہلی باضابطہ زیارت آج سے تین سال پہلے تب ہوئی جب حضرت دارالافتاء والتحقیق جامعہ دار التقویٰ میں تشریف لائے۔ اس موقع کے کچھ اشارات بندہ نے اپنی ذاتی ڈائری میں نوٹ کر لیے تھے۔ جو قدرے تغیر کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

۲۰ رفروری ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ بروز پیر

کل بارہ بجے دن کے قریب عزیزم محمد صہیب سلمہ صاحب کا فون آیا کہ حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم (اب رحمہ اللہ) دارالافتاء میں استاد محترم حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم (اب رحمہ اللہ) سے ملاقات کے لیے تشریف لایا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ ہی دیر میں حضرت تشریف لائے، گاڑی دارالافتاء کے باہر رکی، معمولی سہارے سے چلتے ہوئے درسگاہ تخصص تک تشریف لائے، رفقاء دارالافتاء نے باہر استقبال کیا جبکہ حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر درسگاہ کے دروازے پر معانق ہوئے۔ حضرت علامہ صاحب حضرت ڈاکٹر صاحب کی نشست پر تشریف فرما ہوئے، ساتھ دوسری کرسی پر حضرت تشریف فرما ہوئے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے بلا تمہید مختصر گفتگو فرمائی جس میں ادارے میں آمد کی تمہید اور خوشی کا اظہار شامل تھا۔ ساتھ میں طلبہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے ہاں چار میدانوں میں کام کی ضرورت اور فائدہ ہے: ۱۔ قرآن، ۲۔ حدیث، ۳۔ فقہ، ۴۔ تصوف۔

ان چاروں شعبوں میں اپنے اکابر کی روشن روایات کی روشنی میں کام کریں اور جنہوں نے پہلے کام کیا ہوا ہے ان سے راہ و رسم رکھیں اور ان کی سرپرستی میں کام کریں ؎

ان سے ملنے کی ایک ہی ہے راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

عجلت کی وجہ سے حضرت چائے نوش کیے بغیر روانہ ہو گئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے خاصی دیر تک ایسا گہرا معانقہ فرمایا جیسے اپنے کسی پرانے بچھڑے ہوئے اور مستقبل کی امیدوں کے محور سے کیا جاتا ہے (چہرے کے تاثرات کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے)۔

اس سے قبل حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اپنی دو تالیفات (۱) ''صفات متشابہات اور سلفی عقائد''، اور (۲) ''عمار خان کا نیا اسلام'' پیش فرمائیں۔ حضرت نے سرِ ورق بغور مطالعہ فرما کر تبسم آمیز مسرت کا اظہار فرمایا اور نہایت تشکر کا اظہار فرمایا۔ درسگاہ سے نکلنے کے بعد دارالافتاء کے ہال میں پھر معانقہ فرمایا اور دارالافتاء کے دروازے پر پہنچ کر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اس ادارے کا اس منفرد انداز میں قائم ہونا ان شاء اللہ قبولیت کی علامت ہے۔ تقبل الله منا و منکم''

حضرت ڈاکٹر صاحب رخصت ومشایعت کے لیے گاڑی تک تشریف لے گئے، اور وہاں پھر معانقہ فرمایا۔ گاڑی میں تشریف فرما ہونے کے بعد حضرت علامہ صاحب نے رفقاء دارالافتاء مفتی رفیق صاحب ومفتی عبداللہ صاحب واحقر کو خاص طور سے یاد فرمایا اور الوداعی مصافحہ فرمایا اور ہمارے سروں پر دستِ شفقت پھیرا۔ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کی زندگی میں برکت نصیب فرمائیں اور صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھیں۔ (آمین)

آہ! اب یہ دونوں فاروقی مزاج ''سیوف اللہ'' ہماری نظروں سے یکے بعد دیگرے اوجھل ہو چکی ہیں۔ اب یہی دعا ہے کہ اے اللہ! ہمیں ان کی برکتوں سے محروم نہ فرما، ان کے بعد کسی آزمائش کا شکار نہ فرما، اور امت کو ان ہستیوں کے نعم البدل عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

دوسری زیارت

اس کے بعد ایک دفعہ حضرت کے ہاں ان کے ادارے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ، محمود کالونی نزد امامیہ کالونی، شاہدرہ، لاہور'' میں غالباً جمعرات کے روز حاضری ہوئی۔ بندہ اور رفیق محترم مفتی عبدالرحمٰن نذر مدظلہ تھے، مفتی صہیب ظفر صاحب حضرت کی خدمت میں تھے۔ حضرت بستر پر تشریف فرما تھے، کچھ عرصے سے لگا ثقل سماعت کا عارضہ برقرار تھا۔ حضرت نے تعارف پوچھا تو بتایا گیا کہ مفتی عبدالرحمٰن صاحب عقائد پر اختصاصی مطالعہ رکھتے ہیں بالخصوص سلفیوں کے عقائد پر۔ حضرت نے دلچسپی کا اظہار فرمایا اور فوراً ہی سوال کر دیا کہ آپ کی علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن القیم رحمہ اللہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: حضرت وہی ہے جو علامہ کوثری رحمہ اللہ اور مولانا احمد رضا بجنوری رحمہ اللہ کی ہے۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا: تو جو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے، یہ کیا ہے؟ اور پھر حافظے سے فوراً درج ذیل عبارت پڑھ دی:

ومن طالع شرح منازل السائرين اى مدارج السالكين لابن القيم تبين له انهما اى ابن تيمية وابن

القیم کان من اکابر اھل السنة والجماعة ومن اولیاء ھذہ الامة، وھما بریئان مما رماھما اعدائھما من التشبیه والتمثیل غیر انھما ذھبا فی باب الصفات الی مذھب السلف الذی علیه الائمة الکرام.

ترجمہ: ''جو آدمی ''شرح منازل السائرین''، یعنی ابن قیم رحمہ اللہ کی ''مدارج السالکین'' نامی کتاب کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ دونوں حضرات یعنی ابن تیمیہ اور ابن قیم اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر علماء اور اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔ وہ دونوں حضرت صفات خداوندی میں تشبیہ وتمثیل کے اس الزام سے بری ہیں جو ان کے دشمنوں نے ان پر لگایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صفات کے باب میں ان کا مذہب وہی ہے جو سلف کا مذہب ہے، (یعنی تفویض) اس مذہب پر اہل سنت کے ائمہ کرام ہیں۔''

اس پر مفتی صاحب نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت معلوم یہ ہوتا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کے سامنے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے عقائد تفصیل کے ساتھ نہیں تھے کیونکہ ''شرح فقہ اکبر'' میں ملا علی قاری رحمہ اللہ جن عقائد میں شارح ابن ابی العز پر رد کرتے ہیں وہ عقائد بعینہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہیں۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک عقیدہ غلط ہو اور اس کی تردید کی جائے اور عقیدہ رکھنے والے آدمی کی وکالت وصفائی دی جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تفصیلی اطلاع نہیں تھی۔

حضرت علامہ صاحب نے بات سن کر فرمایا: ''لگتا ہے تیرا مطالعہ ہے اس موضوع پر''

پھر پوچھا: ''اچھا تم استواء کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت آپ ہی فرمادیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا:

میں تو فرماؤں گا ہی آپ بھی تو فرمائیں۔ انہوں نے اپنی تقریر کی۔ پھر علامہ صاحب نے کہا اگر عوام میں ہم اسی مسئلے کو یوں بیان کریں کہ اللہ کے لیے علو/ بلندی ہے مگر یہ بلندی رتبہ کی ہے، تو کیا یہ تعبیر مناسب نہیں؟

پھر فرمایا: عوام میں ان مسائل کو تعبیر ایسے کیا جائے کہ جس سے اختلاف کم سے کم سامنے آئے تاکہ عوام اختلاف کی شدت سے مذہب سے دور نہ ہو جائیں۔

ایک سوال یہ بھی ہوا کہ آج کل تعلیمی اداروں میں دہریت کے جراثیم بھی پنپ رہے ہیں۔ حضرت نے پہلے تنبیہ کے انداز میں فرمایا: ''جب عوام میں اختلافات کی شدت لائی جائے گی تو نتیجہ یہی ہوگا۔ پھر مثبت انداز میں فرمایا: دہریت پر کام کرنے کے لیے قرآن پاک کا انداز اپنانا چاہیے یعنی اللہ کی قدرت کی آس پاس، انفس وآفاق میں پھیلی نشانیوں اور تنبیہات سے کام لینا چاہیے۔

اس موقع پر اور بھی یقیناً مفید باتیں ہوئی ہوں گی مگر اب حافظے کو نچوڑنے پر بھی اتنا کچھ ہی برآمد ہوا ہے۔

تیسری ملاقات

عزیزم مفتی صہیب ظفر صاحب سلمہ کے عقدِ نکاح میں شرکت کا موقع ملا، نکاح کی تقریب جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوئی جہاں علامہ صاحب قیام پاکستان کے دوران تشریف رکھتے تھے۔ نکاح کے خطبے کے بعد حضرت نے فرمایا: ''نکاح کے خطبے میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے: ﴿يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اسلام ہی کی حالت میں موت آنی چاہیے''۔

اس پر حضرت نے فرمایا: ''یہاں خطبہ نکاح کا ہے اور تذکرہ موت کا ہے، یہ کیا بات ہے یہاں کیا نکتہ ہے؟ علماء سے فرمایا: یہ اشارہ ہے اس طرف کہ نکاح کا عقد موت تک نبھانا ہے، یہ عقد دائمی ہے، عارضی نہیں ہوسکتا۔ عارضی نکاح نکاح نہیں۔'' (اشارہ تھا متعہ کی تردید کی طرف۔) (دیکھیے: ۱/۵۴۸ [ادارہ])

چوتھی اور آخری ملاقات

ہمارے حضرت استاذِ محترم حضرت مفتی عبدالواحد صاحب نور اللہ مرقدہ سے علامہ صاحب کو بہت شفقت اور محبت کا تعلق تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو جب رعشے کا عارضہ لاحق ہوا تو علامہ صاحب کو بہت تشویش لاحق ہوئی اور بار بار فرماتے رہے کہ بڑے کام کے آدمی ہیں، بڑے کام کے آدمی ہیں۔ پھر حضرت کے علاج کے لیے بھی متفکر ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات کے وقت علامہ صاحب لندن میں تھے، جب پاکستان تشریف آوری ہوئی تو علالت اور نقاہت کے باوجود تعزیت کے لیے جامعہ دارالتقویٰ تشریف لائے اور تعزیتِ مسنونہ فرمائی۔ یہ بھی حضرت کی وضعداری اور عالی اخلاق کا ایک نمونہ تھا۔

چند تاثرات

حضرت علامہ صاحب کی شخصیت میں چند اوصاف نمایاں نظر آئے۔

۱۔ حضرت انتہائی بامقصد زندگی گذارنے والے انسان تھے، اپنے اوقات کو بیش از بیش قیمتی بناتے، یہی وجہ تھی کہ حضرت غیر علمی سوال کو پسند نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی ذات سے متعلق سوال بہت گراں گذرتا تھا کہ اس بات کا کیا فائدہ؟ کوئی کام کی بات کرو یا پوچھو۔

۲۔ حضرت کی زندگی بہت سادہ اور کفایت شعاری کا نمونہ تھی، اسراف اور تعیش کا دور دور تک نشان نہ تھا۔

۳۔ حضرت کا مطالعہ بہت وسیع تھا، اور حافظہ بہت مضبوط تھا، حافظے کی یہ مضبوطی زندگی کے آخری سالوں تک قائم رہی۔

۴۔ قوت استنباط اور استخراج نتائج میں بھی قلیل النظیر تھے۔ معمولی معمولی باتوں سے بڑے بڑے نتائج نکال لیتے تھے، اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔

۵۔ آخری چند سالوں کے سوا زندگی بھر یہ معمول رکھا کہ لکھنے پڑھنے کا کام دن کی فطری روشنی میں کیا، مصنوعی روشنی سے لکھنے پڑھنے میں اجتناب برتتے تھے۔ سخت جاڑوں اور بارش کے موسم میں بھی دروازے یا کھڑکی کے قریب بیٹھ کر کام کرتے۔ ایسے

امور کا التزام واہتمام کرنا اور پھر انھیں نبھانا معمولی بات نہیں۔

۶۔امت میں پھیلنے والی بدعات خصوصاً اعتقادی فتنوں اور گمراہیوں پر نظر رکھتے تھے،اور اس حوالے سے فکر مند رہتے تھے، آپ کی تالیفات کا ایک بڑا حصہ اسی کے لیے وقف ہے۔

۷۔اگرچہ خود پچھلے زمانے بلکہ زمانوں کے آدمی تھے مگر معاصر فہم اور نوجوانوں کی الجھنوں اور خلجانات پر نظر رکھتے تھے۔ مخاطب کی نفسیات کی رعایت کرتے تھے۔آپ کی کتاب ''عبقات''اس کا عمدہ نمونہ ہے۔

۸۔تنقیدی اور تردیدی لٹریچر کے ساتھ ساتھ علامہ صاحبؒ نے مثبت علمی لٹریچر بھی تیار فرمایا کیونکہ اہل علم کی یہ دونوں ہی ذمہ داریاں ہیں جو حضرت نے عمدہ طریقے سے نبھائیں۔''آثار التنزیل''،''آثار الحدیث''،''آثار التشریع''اور''آثار الاحسان'' وغیرہ اس سلسلے کی قابل قدر کاوشیں ہیں۔

اللہ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے،اور اپنی شایان شان جزاؤں سے نوازے،ان کی کمی کو ان کے نعم البدل سے پورا فرمائے۔**آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین**

☆......☆......☆......☆

محمد حامد،یوکے

مفکر اسلام،محقق دوراں ولی کامل حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ بھی اصحاب علم وفضل کے سلسلۃ الذهب کی ایک مضبوط کڑی تھی،ان کا وجود گرامی کسی ایک خاندان یا قبیلہ ہی کے لیے موجب افتخار نہ تھا بلکہ تمام مذہبی طبقوں کے لیے قابل فخر تھا۔آپ کی ذات ایک بحر بے کراں تھی،جس میں موتی بھی تھے اور جواہرات بھی،وہ ایک ایسا گلدستہ تھا جس میں گلشن کے تمام مہکتے ہوئے پھولوں کا دلکش نظارا تھا۔اور یہ کیوں نہ ہوتا کیوں کہ آپ نے اکثر اکابرین علماء اہل سنت دیوبند کو دیکھا تھا اور ان کے ساتھ وقت گزارا تھا اور ان کے سامنے بیٹھ کر پڑھا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کے ہمارے اساتذہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے،میری مراد استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد السلام رحمہ اللہ ہیں بقول حضرت رحمہ اللہ کے کہ میری کتاب (مطالعہ بریلویت) جتنی مولانا عبد السلام نے تقسیم کی ہے شاید اور کسی نے کی ہو۔اس سے پہلے حضرت رحمہ اللہ کے حضرت شیخ القرآن رحمہ اللہ کے ساتھ بھی بہت ہی قریبی تعلقات تھے،ہمارے مادر علمی جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو میں غالباً ۲۰۱۰ء میں تشریف لائے تھے،ہمارا موقوف علیہ والا سال تھا اس وقت حضرت رحمہ اللہ سے ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہوئی تھی،استاذِ محترم نے ختم نبوت کے عنوان پر حضرت رحمہ اللہ کا بیان جامعہ میں بھی رکھا تھا اور واہ کینٹ میں بھی۔اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ جنت جنت نصیب فرمائیں۔آمین

محمد حامد 19.05.2020 حال مدرس مسجد ابوبکر کارڈف یوکے

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

علامہ صاحب کبھی نہیں بھولیں گے

سوال: (۱) حضرت علامہ صاحب سے آپ کا اول تعارف کب ہوا؟ پہلی ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: میں نے حضرت علامہ صاحب کو اپنی شعوری زندگی میں پہلی مرتبہ ۱۹۸۸ء کے ماہ ستمبر میں اس وقت دیکھا تھا جب جامعہ رشیدیہ بھکر کا تین روزہ سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے منتظم حافظ ممتاز علی مرحوم ہوا کرتے تھے جو بھکر کی مقامی سیاست میں معروف نام تھا اور جمعیت علماء اسلام کے ساتھ ساتھ ان کا تعلق تحریک تنظیم اہل سنت کے ساتھ بھی تھا۔ صدر ضیاء الحق کی شہادت کا سانحہ ابھی تازہ تھا کہ شہر کے در و دیوار پر بڑے بڑے اشتہارات چسپاں ہوئے۔ جن پر مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا تنویر الحق تھانوی اور دیگر علماء کرام کے نام درج تھے۔ میرے والد صاحب گرامیؒ علماء حق کی تقریریں سننے کے بڑے شوقین تھے۔ جلسہ کے تیسرے روز بعد از نماز ظہر پہلی تقریر علامہ خالد محمودؒ کی تھی اور دوسری مولانا عبدالستار تونسوی کی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ علامہ صاحب کی آمد سے پہلے جب ان کے نام کا اعلان ہوا تو سامعین آگے آگے ہو کر اپنے کاسۂ دل اور دامن خیال میں انمول موتی جمع کرنے کی غرض سے ہمہ تن گوش نظر آئے۔ اتنے میں علامہ صاحب پرانے کپڑوں میں ملبوس، جو غیر استری شدہ تھے، جناح کیپ سر پر رکھے جلوہ افروز برمنبر ہوئے۔ خطاب شروع ہوا تو لوگوں کی دلچسپی بڑھتی گئی جبکہ میں راہ فرار کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا مگر والد صاحب کے بغیر اٹھنے کی گنجائش نہ تھی۔ علامہ صاحب کی تقریر میں میرے لیے دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ کیونکہ تقریر میں کوئی ترنم یا جوش و ولولہ نہیں تھا، بس اتنا یاد پڑتا ہے کہ علامہ صاحب دونوں ہاتھ زور زور سے جب اپنی رانوں پر مارتے تو نعرہ ہائے تکبیر بلند ہو جاتے تھے۔ اور میں حیرت واستعجاب میں پڑ جاتا تھا کہ کام کی بات تو کہی کوئی نہیں، یہ لوگ نعرے کیوں لگا رہے ہیں؟ بچپن میں انسان کسی بھی شخصیت کی ظاہری چمک دمک اور وضع قطع سے زیادہ اثر لیتا ہے، وہ بھی علامہ صاحب میں مفقود تھے نہ سفید اُجلا استری شدہ لباس، نہ کاندھے پر رومال اور نہ ہی جیب میں پار کر کے اٹکے ہوئے قلم، اس وقت میرے دو بڑے بھائی کالج میں پڑھتے تھے وہ بھی اپنے چند دوستوں کے ساتھ علامہ صاحب کے خطاب میں داد دیتے نظر آ رہے تھے۔ اس کے بعد علامہ عبدالستار صاحب تونسویؒ کا خطاب تھا، اور اہل ذوق اس خطاب سے الگ لطف لے رہے تھے۔ مگر میں پورے جلسہ میں صرف حافظ سلطان مرحوم نعت خوان (میبل شریف، بھکر) اور طاہر جھنگوی برادران کی نظمیں سن کر ہی متاثر ہوا تھا۔ ان دونوں نعت خوانوں نے اپنے اپنے سینے پر ریوالور لٹکائے ہوئے تھے۔ میرے نزدیک امت مسلمہ کی کل متاع اگر تھی تو یہی ''ریوالور والے حضرات'' تھے۔ خیر جلسہ ختم ہوا۔ ہم پیدل جامعہ رشیدیہ سے اپنے گھر واقع محلّہ رحیم آباد کی طرف آ رہے تھے تو ہمارے محلّہ کی چند اہم شخصیات ماسٹر سلطان محمد خان مرحوم، چچا احمد نوازؒ (المعروف کپتان صاحب) اور حافظ شیر زمان مرحوم علامہ خالد محمودؒ کی تقریر کی تعریفیں کرنے لگے، گھر کے قریب آ کر میں نے قبلہ والد گرامیؒ سے طفلانہ سوال کیا، کہ

پرانے کپڑوں والے مولانا صاحب کی تقریر تو بس ایسے ہی تھی مگر لوگ اتنے خوش کیوں ہیں؟ تب والد صاحب مرحوم نے میرے گال تھپ تھپا کر کہا تھا: ''بیٹے جب آپ بڑے ہوں گے تو پھر آپ کو پتہ چل جائے گا۔'' یہ علامہ صاحب کے ساتھ شعوری زندگی میں میری پہلی شناسائی تھی۔ اس جلسہ میں علامہ صاحب سے میرے بڑے بھائی صاحب نے اپنی ڈائری پر آٹوگراف بھی لیا تھا، جواب تک محفوظ ہے، اس میں علامہ صاحب نے اپنے دستخطوں کے ساتھ لکھا تھا کہ: ''حق طاقت ہے، طاقت حق نہیں۔''

علامہ صاحب کی دوسری بار زیارت

۱۹۹۰ء میں مَیں فیصل آباد قرآن مجید حفظ کرنے کی غرض سے آ گیا، میرے والد صاحب نے مجھے یہاں غلام محمد آباد چاندنی چوک کی مکی جامع مسجد مدرسہ اشاعت القرآن میں داخل کروا دیا، یہاں جھور شریف ضلع میانوالی کے حضرت قاری محمد حیاتؒ عرصہ تیس سال سے (۱۹۹۰ء میں تیس سال) خدمت قرآن مجید میں مشغول تھے۔ ہمارے قاری صاحبؒ جمعیت اشاعت التوحید کے باقاعدہ نظریاتی رکن تو نہ تھے تاہم وہ مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی کے بہت معتقد تھے۔ استاذ محترم نے مولوی احمد سعید کی سو، ڈیڑھ سو کے لگ بھگ آڈیو کیسٹیں پال رکھی تھیں۔ اور جمعرات کے دن وہ طلبہ کو اکٹھا کر کے درمیان میں ٹیپ رکھ دیتے تھے اور مولوی صاحب کی تقریر سنواتے تھے۔ مولوی احمد سعید صاحب کے نام اور تقریر سے پہلی شناسائی مجھے فیصل آباد میں ہی ہوئی تھی۔ ہمارے مدرسہ سے کچھ ہی فاصلہ پر گول جامع مسجد واقع ہے جس میں حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ خطبہ جمعۃ المبارک دیتے تھے۔ اور مولانا قاسمی صاحب مرحوم کی تقریر سننے کے لیے فیصل آباد کے دور دراز دیہاتوں اور محلوں سے جوق در جوق لوگ جمع ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ائمہ وخطباء اپنی اپنی مساجد میں جمعۃ کی نمازیں پڑھا کر گول مسجد میں آ جاتے اور قاسمی صاحب کی تقریر سنا کرتے تھے۔ یہ بات میرے حاشیہ خیال میں اس لیے محفوظ ہے کہ ہم جمعۃ المبارک میں گول مسجد جاتے تھے تو قاسمی صاحب کا خطاب ختم ہوتے ہی ایک بڑی تعداد اٹھ کر مسجد سے باہر چلی جاتی تھی۔ تب ہم سوچتے تھے کہ یہ لوگ جمعۃ المبارک کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اور نہ ہی خطبہ سنتے ہیں؟ آمدہ دنوں میں پھر یہ حقیقت کھلی تھی کہ وہ لوگ نماز جمعۃ اپنی اپنی مساجد میں پڑھ کر آتے تھے۔ قاسمی صاحب کی تقریر میں ایک عجیب سماں ہوتا تھا، پورے شہر کی مساجد میں جمعۃ المبارک ادا ہو جاتا تھا اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا تھا مگر گول جامع مسجد کے بلند وبالا میناروں پر لگے لاؤڈ اسپیکروں سے مولانا قاسمی مرحوم کی گھن گرج جاری رہتی تھی۔ جب میں نے قاسمی صاحب کی مسجد میں پہلا جمعہ پڑھا تھا تو اس سے صرف ایک ہفتہ قبل مولانا حق نواز صاحب جھنگوی کا سانحہ شہادت پیش آیا تھا، چنانچہ قاسمی صاحب کی پُر جوش خطابت کی جھلکیاں پردہ دماغ پر اب تک محفوظ ہیں، بہرکیف، اگرچہ ہمارے مدرسہ سے ملحقہ مکی مسجد میں بھی نماز جمعۃ المبارک کا اہتمام ہوتا تھا مگر اس میں تقریر نہیں ہوتی تھی، ہمارے استاذ محترم قاری محمد حیات خطبہ وجماعت کرواتے تھے اور بس اور ہم طلبہ حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کی مسجد میں چلے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اعلان ہوا کہ آج گول جامع مسجد میں مفکر اسلام علامہ خالد محمود خطاب فرمائیں گے۔ مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ بھی ساتھ والی کرسی پر براجمان تھے۔ علامہ صاحب نے حقانیت اہل سنت پر خطاب فرمایا تھا، یاد پڑتا ہے کہ قاسمی صاحب اٹھ اٹھ کر علامہ صاحب کو داد دیتے تھے، کیونکہ مولانا قاسمی مرحوم جہاں داد لینے کے شوقین تھے وہاں داد دینے میں بخیل بھی نہیں تھے۔ اس تقریر کا لطف اور اکثر کلمات مجھے اب تک یاد ہیں اور والد صاحب کا

وہ جملہ اب آہستہ آہستہ اپنا رنگ دکھا رہا تھا کہ ’’آپ بڑے ہوں گے تو پتہ چل جائے گا کہ علامہ خالد محمود صاحب کس مقام کے انسان ہیں۔‘‘ یہ حضرت علامہ صاحب کو دیکھنے اور سننے کا دوسرا موقع تھا جس کے نقوش میرے لیے موسم گل میں رنگ و بو کی وہ چادر ہے جسے کوئی خزاں متاثر نہیں کر سکے گی۔

علامہ صاحب سے شناسائی کا تیسرا واقعہ

حفظ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد اگرچہ درس نظامی کی کتب کا آغاز میں نے جامعہ اسلامیہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد سے کیا تھا، مگر بوجہ پانی کی ناموافقت مجھے درمیان سال میں ہی چھوڑ کر گھر جانا پڑ گیا۔ دو ماہ گھر میں علاج و معالجہ کے بعد اب باقاعدہ میں نے مدرسہ رحیمیہ حسینیہ کلورکوٹ میں داخلہ لیا، دو سال کے بعد پھر تحصیل منکیرہ ضلع بھکر کے مدرسہ عزیز الاسلام، جامع مسجد نواب صاحب والی میں آ گیا جہاں حضرت مولانا محمد عبداللہ واصفؒ ایک زمانہ سے قلت وسائل اور شدید غربت کے باوجود چراغِ علم و فضل جلائے ہوئے مصروف خدمت دین تھے۔

استاذ محترم کی لائبریری میں مَیں نے پہلی بار علامہ صاحب کی کتاب ’’عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت‘‘ دیکھی اور چند دنوں میں اسے مکمل پڑھ لیا۔ میری مطالعاتی زندگی میں بچوں کے ماہانہ رسائل کے پڑھنے کا بڑا عمل دخل ہے۔ ہمارے گھر میں ماہنامہ تعلیم و تربیت، ماہنامہ آنکھ مچولی اور ماہنامہ پیغام ماہ بہ ماہ آتے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب ’’فضائل اعمال‘‘ کو میں حرف بحرف پندرہ بیس دن میں ختم کر کے پھر سے شروع کر دیتا تھا۔ یعنی شوقِ مطالعہ پہلے سے ہی تھا اور علامہ صاحب کے سامنے بیٹھ کر دو مواقع پر خطابات بھی سن چکا تھا۔ اب پتہ چلا کہ علامہ صاحب مصنف بھی ہیں، ہمارے استاذ محترم کے کتب خانہ میں تو علامہ صاحب کی فقط یہی ایک کتاب موجود تھی۔ تاہم منکیرہ میں ایک اہل حدیث عالم پروفیسر مجتبیٰ سعیدیؔ کی کافی بڑی لائبریری تھی جو ان کے والد مرحوم حکیم مولانا عبدالعزیز سعیدی کے ذوقِ علم کی آئینہ دار تھی۔ نکیرہ جیسے پسماندہ علاقہ میں اس وقت اس لائبریری کا وجود بڑی غنیمت تھا۔ چنانچہ میں علامہ صاحب کی مزید کتب کی تلاش میں وہاں چلا جایا کرتا تھا، وہاں سے مجھے مطالعہ بریلویت کی پہلی تین جلدیں اور آثار الحدیث مکمل پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ حنفی و ترک تقلید کے اختلافات سے قطع نظر مجھے وہاں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کا بہت سرور ملتا تھا۔ چند دنوں کے بعد مختلف کتابیں دیکھتے ہوئے میری نظر ’’آثار التشریع‘‘ پر پڑی تو اس کا بھی مطالعہ مکمل کیا، یوں اب میں عمر کے لحاظ سے جوں جوں بڑا ہو رہا تھا، والد صاحب گرامیؒ کے بابرکات کلمات مزید مٹھاس پیدا کرتے جا رہے تھے کہ جب آپ بڑے ہوں گے تو تب پتہ چلے گا کہ علامہ صاحب کس مقام کے انسان ہیں؟

علامہ صاحب کے ساتھ بالمشافہ پہلی ملاقات

۱۹۹۷ء میں میری لاہور آمد ہوگئی تو اب میں نے علامہ صاحب کو تلاش کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ سنت نگر میں واقع علامہ صاحب کے گھر کا پتہ کرتے ہوئے جب وہاں پہنچا تو زہے نصیب کہ علامہ صاحب مکان پر موجود تھے دیکھتے ہی ۱۹۸۸ء اور ۹۰ء والے نقوش تازہ ہو گئے اور مجھے پہچاننے میں ذرا برابر دیر نہ لگی، کیونکہ علامہ صاحب جوں کے توں بلکہ نوع بنوع تھے۔ وہی پرانا سا

سوٹ زیب تن کئے ہوئے آپ کچھ پرانی کتابوں کو دھوپ لگانے کے لیے زمین پر بچھی دری پر کتابیں بکھیر بکھیر کر رکھ رہے تھے۔ سر پر بے ترتیب سے انداز میں عربی سرخ رومال لپیٹ رکھا تھا، میں نے اپنا تعارف کروایا تو اگلے آدھ پون گھنٹہ کے بعد مجھے یوں لگا جیسے علامہ صاحب کے ساتھ میرا بہت پرانا تعلق ہے۔ میں دوپہر سے شام تک علامہ صاحب کے گھر ٹھہرا رہا تھا اور آتے وقت آپؒ نے مجھے اپنی کتاب ''مقام حیات'' عنایت فرمائی تھی جس پر اپنے دستخط بھی ثبت کئے تھے اور ''مقام حیات'' کا وہ نسخہ اب تک میری حیات کی تسکین بنا ہوا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

سوال :(۲) آپ کا علامہ صاحب سے تعلق کس نوعیت کا تھا؟ آپ ان کے شاگرد تھے یا بیانات و کتب سے استفادہ کرنے والوں میں سے تھے؟ اپنے تعلق کی کیفیت واضح کریں۔

جواب: مجھے اس بات کا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ میں علامہ صاحب کا شاگرد ہوں کیونکہ اس قدر عبقری صفت انسان کی شاگردی کا دعوی اور وہ بھی مجھ ایسے کی جانب سے، نرا ظلم اور صریح کذب ہوگا۔ ہاں البتہ میں نے علامہ صاحب کے جوتے بارہا مرتبہ صاف کئے ہیں۔ میں نے ان کے گھر میں موجود بڑا سا بیت الخلاء جس میں واٹر سپلائی کا ٹھنڈا پانی آتا تھا، اس پانی کے ساتھ بارہا مرتبہ بیت الخلاء کی صفائی کی ہے۔ میری عادت اپنی معلومات میں اضافہ کے لیے سوالات کرنے کی تھی، اور علامہ صاحب سوالات کرنے والے کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ سو میں نے علمی، تحریکی، سماجی اور دیگر کئی ایک موضوعات پر سوالات کیے اور علامہ صاحب نے مفصل جوابات دیئے جو میری ڈائریوں میں محفوظ ہیں۔ جہاں تک کتابوں سے یا بیانات سے استفادے کا تعلق ہے تو الحمد للہ کافی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ اگرچہ اس فائدے پر میری کم ہمتی اور کم علمی کا غلبہ رہا۔ علامہ صاحب اپنی مجلس میں بیتے دنوں کی خوشگوار یادیں جھنجھوڑتے تو رنگینیٔ محفل کو دمساز بنا دیتے تھے۔ میں جو کچھ پڑھتا تھا، اپنے مطالعہ سے سوالات کشید کر کے علامہ صاحب کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ میرے مشاہدے میں یہ حقیقت پوری آب و تاب سے نکھر کر آئی ہے کہ علامہ صاحب اپنی کتابوں اور مذہبی اجتماعات کے خطابات سے زیادہ نجی مجلسوں میں کھلتے تھے۔ آپ کی طبیعت سوالات کے مطابق کھلتی تھی؟ سوال جتنا باوزن، مختصر اور اہم ہوتا، علامہ صاحب کا جواب اتنا ہی مفصل، مدلل، محقَّق اور مکمل ہوتا تھا۔ میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ میرا علامہ صاحب کے ساتھ تعلق کس نوعیت کا تھا؟ اگر شاگرد کہتا ہوں تو درخت اپنے پھل سے، پیر اپنے مرید سے اور استاذ اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ علامہ صاحب کے مقام علم و تعلیم کی پہچان ہم ایسوں سے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی پناہ! اگر آپ کی کتابوں اور تقریروں سے مستفید ہونے کا دعوی ہو تو یہ بھی ناشنیدہ ہے۔ کیونکہ استفادے کا حاصل اور نتیجہ بھی علم و عمل ہے اور میں ان دونوں چیزوں سے تہی دامن ہوں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ اپنی ذات کی حد تک، میں نے علامہ صاحب کے بحر علم و عمل کی موجوں کا دور پرے کھڑے ہو کر نظارہ کیا ہے۔ مگر اس بحر تلاطم میں اتر کر اور ایک کامیاب تیراک بن کر ہیرے و جواہرات نکالنے سے اب تک محرومی ہی رہی۔ اور اگر خادم بن کر مدعی خدمت گار کے طور پر آگے آؤں تو بھی کون بر گوش آواز ہوگا؟ ہاں البتہ ایک بات پورے دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے اور وہ دعویٰ بھی اپنے کمال کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بنیاد پر ہے کہ میں نے زندگی میں کسی بھی محفل میں، حتیٰ کہ اپنے آپ کے ساتھ تصور میں بھی کبھی علامہ صاحب کی ذات کے متعلق منفی بات نہیں سوچی، علامہ صاحب

ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے تھے اور بسا اوقات وقتی طور پر خفا بھی ہو جاتے تھے مگر خفگی کے بعد ان کی شفقت اس قدر مزہ دیتی تھی کہ جی چاہتا تھا علامہ صاحب کبھی کبھار ناراض ہوتے رہا کریں، میں نے جبہ و دستار میں ملبوس کئی لوگوں کو علامہ صاحب کی ذات پر جملے کستے دیکھا، سنا اور جھوٹے قصوں پر مبنی تبصرے کرتے بارہا دیکھا، مگر اپنی آنکھوں کے مقابلہ میں لوگوں کی زبانوں کو ایک رائی کے ذرے کے برابر بھی کبھی کوئی اہمیت نہ دی۔ اور یہی ان شاء اللہ میرے لیے ذخیرہ آخرت بھی ہے اور دنیا کی زندگی میں تسکین کا راز بھی! گویا علامہ صاحب کے ساتھ میرے تعلق کی نوعیت آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کی محبت وعقیدت میں میری زبان اور دل کے مابین کوئی فاصلہ نہ تھا۔ علامہ صاحب میرے دل میں آباد تھے اور میری زبان پر ہر محفل میں ان کا ذکر خیر ہی ہوتا ہے۔ بس اس سے زیادہ تعلق کی کوئی نوعیت میرے ذخیرہ میں نہیں ہے۔

سوال: (۳) علامہ صاحب فن مناظرہ کے عظیم ماہر تھے۔ اس میدان میں ان کا اختصاص کیا تھا اور انداز گفتگو کیا تھا؟

جواب: علامہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے واقعی اس فن میں ممتاز اور یکہ تاز بنایا تھا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی فرقہ، مذہب یا مسلک ایسا ہو جس کے ساتھ علامہ صاحب کے مناظرے نہ ہوئے ہوں۔ قادیانیوں سے مناظرہ کی نوبت آ گئی تو علامہ صاحب پیش پیش ہیں، اہل تشیع کے ساتھ مباحثے کا موقع آ گیا تو علامہ صاحب آگے آگے ہوتے۔ اہل بدعت کے ساتھ کوئی معرکہ پیش آیا تو علامہ صاحب مشق سخن طرازی میں اول دستے میں موجود رہتے۔ بدھ بھکشو ہوں یا یہودی ربی، عیسائی پادری ہوں یا ہندو پنڈت و برہمن، مجوسی و پارسی رہنما ہوں یا رافضی گرو گھنٹال، علامہ خالد محمود کے سامنے جو بھی آیا اس نے منہ کی کھائی۔ علامہ صاحب فتح یاب ہوئے۔ شکست تو رہی ایک طرف، لفظی اور وقتی پریشانی بھی علامہ صاحب کو کبھی چھو کر نہیں گزری تھی۔ علامہ صاحب کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ حریف کے سامنے بیٹھ کر بھی کبھی مشتعل نہ ہوتے تھے بلکہ پورے تحمل و وقار کا مجسمہ بن جاتے تھے۔ ایک معروف شخصیت نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ اور علامہ خالد محمودؒ کے مناظروں میں فرق یہ ہوتا تھا کہ علامہ صاحب کی کوشش حریف کو خاموش کروانے کی جبکہ مولانا اوکاڑویؒ کی سمجھانے کی ہوتی تھی۔ کاتب السطور اس تجزیہ سے اتفاق نہیں کرتا۔ علامہ خالد محمودؒ گفتگو کی ابتداء ہی میں اتنے پختہ اصولوں پر اپنے موقف کی بنیاد رکھتے تھے کہ مدمقابل پر سکوت مرگ خود بخود طاری ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد کوئی سمجھائے تو کسے سمجھائے؟ البتہ موجودین اور سامعین میں درجنوں لوگ علامہ صاحب کے طرز استدلال اور مسکت جوابات سے ہدایت کی راہیں پا جاتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت مولانا اوکاڑویؒ حریف کو پکڑنے کی بجائے دوڑیں لگواتے تھے، یہاں تک کہ اس کی سانس پھول جاتی تھی۔ (دیکھیے: ۲/۲۱[ادارہ]) بہر کیف سمجھانے کے جذبہ سے تو دونوں ہی سرشار تھے۔ اور علامہ صاحب تو مولانا اوکاڑویؒ سے ہر میدان میں اور ہر زاویہ سے مقدم تھے۔ اور ان دو حضرات کا باہمی قرب و اعتماد بھی لائق دید تھا جس پر کئی ایک شواہد موجود ہیں۔ فن مناظرہ میں علامہ صاحب کی خصوصیت کے چند پہلو یہ ہیں:

ا) استدلال و استنباط کا قابل رشک ملکہ، علامہ صاحب آیات قرآنی اور احادیث طیبہ سے استدلال اور استنباط اس شان سے کرتے تھے کہ قرونِ اولیٰ کے فقہاء و محدثین کی یادیں تازہ ہوتی تھیں۔ بسا اوقات سننے والا محو حیرت ہو جاتا کہ علامہ صاحب

نے جو آیت پڑھی ہے یا جس حدیث کی عبارت پڑھی ہے اس کا بظاہر ان کے موضوع کے ساتھ کوئی ربط نظر نہیں آتا، مگر علامہ صاحب جب مفہوم وتشریح کے سرچشمہ سے استدلال کرتے تو ہر کوئی ہکا بکا رہ جاتا۔

۲) دورانِ مناظرہ علامہ صاحب لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھتے تھے۔ بس مقصد کی بات سے آغازِ کلام کرتے تھے۔ اور جس موقف سے آغاز کرتے، مناظرے کا دورانیہ خواہ پانچ گھنٹے کا ہوتا، اسی موقف پر جوں کے توں قائم رہتے تھے۔ اور ایک ہی اساسی بات پر سینکڑوں حوالہ جات کا انبار لگا دیتے تھے۔ اور حریف کو گھما پھرا کر پھر اسی پہلی بات پر لے آتے تھے۔

۳) علامہ صاحب دورانِ مناظرہ یا دورانِ وعظ وتقریر تکلف وتصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیتے تھے۔ بے تکلف، فی البدیہہ، فی الاصل اور فی الجملہ یعنی فی الفور انداز میں حقیقت پر مبنی حاصل کلام پیش کر دینا علامہ صاحب پر ختم تھا۔

۴) مناظرین کا عام طور پر تعلّی وتفاخر والا مزاج بن جاتا ہے۔ اور وہ حریف کے سامنے شر ربار گفتگو کے عادی ہو جاتے ہیں مگر علامہ صاحب کا یہ وصف خاص تھا کہ وہ خالص علمی ماحول میں متانت وتحمل کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور اس دوران لاف و گزاف سے مکمل پرہیز فرماتے تھے۔ مطبوعہ مناظرے پڑھ کر بخوبی اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں اہل تشیع کے ساتھ چک ذخیرہ ضلع حافظ آباد میں ہونے والے مناظرہ کی مکمل روداد اِسی اشاعتِ خاص میں شامل ہے۔ اس میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی جیسے ضدی وعنادی اور شری وفسادی بزرگ کو آپؒ نے سادگی ووقار اور کمال علم وحلم سے کس طرح لال بھبھوکا کر دیا تھا۔ (دیکھیے: ۲/۷۷ [ادارہ])

۵) علامہ صاحب اپنے کمالاتِ علمی اور فاتحانہ مناظروں کے ڈھنڈورچی نہیں تھے۔ حالانکہ آپ سرتاپاء جذبۂ مناظرہ میں لت پت رہتے تھے۔ کیونکہ علامہ صاحب کو مناظرہ کرنے کے لیے باقاعدہ کسی حریف کے چیلنج کا انتظار، مناظرے کا موقع یا ضابطہ مناظرے کی کارروائی کے تحت مناظرہ کرنے کی حاجت پیش نہیں آتی تھی۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، سفر وحضر میں، کھاتے پیتے اور بہار وخزاں غرضیکہ ہر موسم وہر کیفیت میں سدا بہار مناظر تھے، آپ کی کوئی بات فن مناظرہ سے ہٹ کر نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً ایک جلسہ کے بعد میزبانوں نے کہا حضرت کھانا تناول فرمائیں گے ناں؟ علامہ صاحب نے برجستہ جواب دیا ''جی ہاں گھر جا کر''۔ کسی موقع پر ایک واقف کار نے مروتاً کہا حضرت آج قیام ہمارے پاس ہو جائے؟ علامہ صاحب نے فرمایا کس قدر ظلم ہے کہ آپ ساری رات سوئے رہیں گے اور مہمان قیام میں رہے؟ (دیکھیے: ۲/۱۶۱...... ۲/۱۸۹ [ادارہ]) اسی طرح ایک مرتبہ ایک آدمی کو کوئی بات سمجھا رہے تھے تو اس نے سر ہلا کر کہا ''جی بالکل ظاہر ہے جی۔'' علامہ صاحب نے فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: ''ساری باتیں ظاہری نہیں ہوتیں کچھ باطنی بھی ہوتی ہیں۔'' ایک مرتبہ کاتب السطور علامہ صاحب کے پاس گیا تو اتفاق سے سموسے آئے ہوئے تھے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا ہوا آپ آ گئے، سموسے کھا لیتے ہیں، چنانچہ اس دوران لفظ ''سموسہ'' پر علامہ صاحب نے گفتگو شروع کر دی، فرمایا کہ سموسے کے تین کونے ہوتے ہیں، اصل لفظ ہے ''سہ، مُو، سا'' یعنی تین منہ ایک جیسے، ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کاریگر کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے سموسے

کے تین کونے برابر نہ ہوں تو کھاتے ہوئے طبیعت میں تکدر ہوتا ہے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے پیٹ میں کونے چبھ رہے ہیں۔
اس قدر مناظرانہ ذوق کی حامل شخصیت جو فقط علمی ہی نہیں بلکہ روزمرہ کی سماجی زندگی میں بھی مناظرہ سے ہی کام لیتی ہو، وہ کبھی تفاخر اور تکابر کے لہجہ میں بات نہیں فرماتے تھے بلکہ اکثر اوقات مناظروں کی روداد سنانے کے بعد فرماتے تھے ''بس وہ ہارے اور اسلام جیتا''۔ علامہ صاحب فتح کو اپنی ذات سے منسوب نہیں فرماتے تھے۔ آپ ''میں میں میں'' کے تکرار سے کوسوں دور تھے بلکہ کاتب السطور یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ فقط ''میں'' ہی تو تھی جس سے علامہ صاحب ناواقف تھے، باقی تو علم و معلومات کا کوئی ایسا دریا نہ تھا جس کے علامہ صاحب کامیاب تیراک نہ ہوں۔

٦) دوران مناظرہ علامہ صاحب اپنے حریف کے مقتداؤں کا ذکر شائستہ لہجے میں فرماتے تھے، غیر شائستہ اور دل آزار کلام علامہ صاحب کی لغت سے خارج تھا۔ اور اگر بقدر ضرورت و موقع کوئی بات کہنی بھی پڑ جاتی تو اس قدر عالی شان کنایات اور استعاروں کا استعمال فرماتے تھے کہ مخالف کے لیے اس میں استخفاف یا استحقار نام کی کوئی چیز نہ ہوتی، مثلاً شیفلیڈ (برطانیہ) والے مناظرہ میں بریلوی مسلک کے مناظر مولانا عنایت اللہ سانگلوی نے علامہ صاحب کے دلائل سے عاجز آ کر ایک موقع پر شدید غصے میں کہا ''اگر میں جواب نہ دوں تو اپنے باپ کا نہیں''۔ اللہ کی شان کہ اسی دوران مولانا سانگلوی کے بناوٹی دانتوں کی بتیسی اُچھل کر منہ سے باہر آ گئی، علامہ صاحب نے اس منظر پر یوں تبصرہ کیا کہ ''حضرات دیکھئے جو اپنے والد کی گستاخی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دانت نکال کر رکھ دیتے ہیں، مولانا سانگلوی کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''میں اپنے باپ کا نہیں ہوں گا اگر جواب نہ دوں'' حالانکہ جواب دینے یا نہ دینے کی دونوں صورتوں میں وہ بہر حال کسی باپ کی اولاد تو ہیں، تو جو شخص اپنی نالائقی کا وبال والد کی نسبت پر ڈالتا ہے، اللہ کریم اس کی بتیسی نکال دیتے ہیں۔'' اسی طرح ۱۹۶۲ء میں ہونے والے انارکلی لاہور کے مناظرہ میں مرزائی مناظر قاضی نذیر احمد ایک آنکھ سے بھینگے تھے۔ دورانِ مناظرہ انہوں نے کہیں کہہ دیا کہ ہم تو کسی کو کافر نہیں کہتے، ہم تو سبھی کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ علامہ صاحب نے برجستہ جواب دیا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ قاضی صاحب سبھی کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔'' (یہ اشارہ یک چشم گل کی جانب تھا)۔ اس قسم کی شگفتہ بیانی حضرت علامہ صاحب کے حُسن علم میں مزید نکھار پیدا کر دیتی تھی۔

٧) علامہ صاحب کے اختصاصِ فن مناظرہ میں ایک یہ اہم وصف بھی تھا کہ آپ زبانی یادداشت پر اکتفاء فرماتے تھے، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اکثر مناظروں میں مجھے کتابیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، زبانی حوالوں کو بیان کر دیتا تھا اور حریف کے مطالبہ پر انہی کے پاس موجود کتاب میں سے حوالہ دکھا دیتا تھا۔

٨) علامہ صاحب مناظروں میں منقح گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق جچی تلی اور ایسی بات کہنی چاہیے جو اہل سنت کے ہاں عمومی اتفاق کا درجہ رکھتی ہو کیونکہ بلا وجہ بات کو طول دینا سطحی درجہ کے مناظرین کا وطیرہ ہوتا ہے۔

۹) علامہ صاحب معاصر مناظرین کی صلاحیتوں کا بھی برملا اظہار فرماتے تھے اور جزوی فضیلتوں یا جزوی زائد صلاحیتوں کے معترف رہتے تھے۔ مثلاً مولانا عبدالستار تونسویؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ وہ بے حد ذہین اور اعلیٰ مناظر تو تھے ہی، جہیر الصوت بھی تھے۔ یعنی گرج دار آواز کے مالک تھے اور ان کا شخصی رعب حریف کو بھیگی بلی بنا دیتا تھا، علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ وہ بہت لائق مدرس تھے اور ان کی طبیعت پر علم منطق کے علاوہ علوم نحو کا غلبہ تھا اور وہ نحوی جال بچھا کر مدمقابل کو پھنسا لیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالویؒ کی خداداد صلاحیتوں کے تو بہت ہی قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ وہ بہت قیمتی انسان تھے اور غیرتِ مذہبی کا کھلا نشان تھے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ غیر مقلدین مناظرین کو مولانا پرائمری کے بچوں کی طرح سنبھال لیتے تھے اور غیر مقلد مناظر اپنے آپ پر ہی غصہ کھاتا رہ جاتا تھا کہ مولانا اوکاڑوی عوام کے سامنے ہمیں کس درجہ میں لا کر متعارف کروا رہے ہیں؟ تحریری مناظرین میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور مولانا محمد نافعؒ کی عظمتوں کا اکثر تذکرہ فرماتے تھے جبکہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ حضرت قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہر محاذ پر سرخرو رکھا ہے۔ (دیکھیے جلد اول کا باب باہمی تعلقات: ۱/۶۳ [ادارہ])

۱۰) علامہ صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ جیتنے اور حریف کو شکست دینے کی نیت سے مناظرہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف اور صرف دین حق کی سربلندی مقصود ہوتی تھی۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اردو، پنجابی، عربی، اور انگلش میں لاتعداد مباحثے کئے مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے ایک یہودی ربی کے ساتھ عبرانی زبان میں مناظرہ کرنا پڑ گیا، فرماتے تھے کہ اگرچہ عبرانی، عربی زبان کی بہن ہے، مگر اس کے لکھنے بولنے کا اب تک چونکہ اتفاق نہ ہوا تھا اور یہ پہلا موقع تھا تو میں نے صلوٰۃ الحاجت کے نوافل پڑھ کو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی، (یہ کہہ کر علامہ صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے) کاتب السطور نے کہا پھر اس مناظرے کا کیا ہوا؟ علامہ صاحب کی آنکھیں نمناک تھیں اور آنسو پونچھتے ہوتے فرمایا میرے اللہ نے اسلام کے نمائندہ سے چار گھنٹوں تک عبرانی زبان میں یہودی سے مباحثہ کروایا۔''

سوال: (۴) علامہ صاحب کی تصنیفات کا آپ نے مطالعہ کیا ہوگا؟ ان کی تالیفات کی خصوصیت کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب: جی ہاں، میں نے حضرت علامہ صاحب کی نگارشات میں سے اکثر کتب بالاستیعاب پڑھی ہیں ہفت روزہ ''دعوت'' کے اداریئے اور مضامین بھی پڑھے ہیں۔ دوسروں کی کتابوں پر مقدمات وتقاریظ بھی پڑھیں اور خطبات ومناظرات وغیرہ پر مشتمل کتب بھی اکثر پڑھنے کا شغف رہا۔ علامہ صاحب کا کمال یہ تھا کہ وہ آسان اردو ادب میں لکھنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ ہمارے ہاں اکثر وبیشتر جو لکھاری معروف ہیں وہ اردو عبارت میں دیگر زبانوں کی آمیزش کر کے رنگ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت علامہ صاحب کا شمار ان معدود افراد میں ہوتا ہے جو شستہ اور عام فہم انداز میں لکھتے تھے اور آپ کے قلم گوہر آبدار سے نکلنے والا ایک ایک

حرف دلوں کی گہرائی میں اتر جاتا تھا۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ علامہ صاحب اعلیٰ پایہ کے واقعی مصنف تھے، کسی ایک حوالہ کی روشنی میں اپنی فطری استعداد کو بروئے کار لا کر پندرہ بیس صفحات لکھ دینا اور نیا سے نیا موضوع وضع کر دینا علامہ صاحب کا خاص وصف تھا۔ تیسرا کمال یہ تھا کہ تحریر میں بھی تقریر کی طرح کوئی سطحی یا بے وزن جملہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ علامہ صاحب کے چوتھے وصف سے شاید بہت کم لوگ، بلکہ اِکا دُکا ہی واقف ہوں گے کہ علامہ صاحب کے دماغ پر جب آمد ہوتی تھی تو وہ متواتر کئی کئی گھنٹے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر لکھتے چلے جایا کرتے تھے اور جب مسودہ دیکھا جاتا تو اس میں لاتعداد کتابوں کے حوالے مع عربی و فارسی عبارات، بقید مطبع وسن تالیف تک درج ہوتا تھا۔ ''مطالعہ بریلویت'' کی چوتھی جلد کے بعد والی مجلدات اور ''تجلیاتِ آفتاب'' کے مسودات کے اکثر حصے کاتب السطور نے علامہ صاحب کے خامہ عنبر شمامہ سے چھلکتے دیکھے ہیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ علامہ صاحب کے علم وفضل کے پس منظر میں کوئی بہت بڑی روحانی مدد کارفرما ہوتی تھی۔ وگرنہ اس طرح کے مصنف یا عالم کو کم از کم بندہ نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا اور نہ قریب قریب کی کتابوں میں پڑھا۔ علامہ شمس الدین السرخسیؒ کے متعلق تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب انہیں بند کنویں میں قید کر دیا گیا تھا (اس زمانہ میں قید خانے زیر زمین ہوا کرتے تھے) تو انہوں نے حکام وقت کو درخواست پیش کی کہ میرے شاگردوں کو کنویں کی منڈیر پر آنے کی اجازت دی جائے تاکہ میں انہیں علم دین پڑھایا کروں۔ درخواست منظور کر لی گئی تو شاگردوں کی جماعت کنویں کی منڈیر پر آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ کنویں میں سے علامہ سرخسیؒ پڑھاتے جاتے اور اوپر بیٹھے ہوئے طلاب املاء کرتے چلے جاتے تھے۔ طویل مدت کے بعد جب رہائی عمل میں آئی تو ''**المبسوط للسرخسی**'' کے پندرہ مجلدات املاء ہو چکے تھے جو آج کل فی جلد دو دو حصوں میں منقسم کر کے تیس جلدوں میں شائع ہو رہی ہے، اسی طرح کے واقعات شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے خاندان حضرت شاہ ولی اللہؒ تک اور پھر اکابرین دارالعلوم دیوبند تک کئی اہل علم کے بھی مشہور ہیں۔ ہمارے علامہ صاحب بھی علم وفضل کی اس سنہری زنجیر کا تسلسل اور مضبوط کڑی کا نام تھا۔ کتاب پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ دورانِ تصنیف علامہ صاحب کے دائیں بائیں کتابوں کا انبار بکھرا پڑا ہوتا ہوگا جہاں جہاں سے حوالے چن چن کر آپ زیب کتاب کرتے اور ان پر تصنیفی تبصرے کرتے۔ مگر ہم نے تو واللہ ایسا کبھی کچھ نہ دیکھا۔ علامہ صاحب بلا تکان لکھتے چلے جاتے تھے۔ اور حوالوں پر حوالے نوٹ کرتے چلے جایا کرتے تھے۔ ہاں البتہ ایسا بارہا ہوا کہ آپ نے کسی محولہ کتاب کا نام اور مکمل عبارت پیش کر دی مگر آگے جلد نمبر یا صفحہ نمبر کی جگہ خالی چھوڑ دی، بعد میں پھر تحقیق کر کے صفحہ نمبر اور جلد نمبر والی جگہ پُر کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کتاب چھپ جاتی تھی، تب علامہ صاحب کو پتہ چلتا تھا کہ متذکرہ جگہیں خالی ہی رہ گئی ہیں۔ تب ہم ایسے طلبہ اور خدام پر آزمائش آجاتی تھی، کیونکہ علامہ صاحب فرماتے تھے اب تم یہ کتاب، مقام عبارت، صفحہ وجلد تلاش کرو تا کہ اگلے اڈیشن میں یہ کمی دور کر دی جائے۔ ہم بقدر ہمت کوشش کرتے تھے اور جب کبھی بوجہ غفلت یا عدم علم تاخیر ہو جاتی تو علامہ صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ لائق نظارہ ہوتی تھی۔ سچ پوچھیں تو علامہ صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ میں دودھ جلیبی والا مزہ آتا تھا۔ کیونکہ ڈانٹ ڈپٹ وہ ناقابل برداشت ہوتی ہے جس میں غیر اخلاقی کلمات کا استعمال ہو شدید وسنگین نہ سہی، خفیف سی گالی نما کوئی بات ہو یا کسی قدر

استخفاف وتذلیل ہو،مگر یہاں تو علامہ صاحب کو اپنی طبیعت اور زبان پر اتنا قابل رشک کنٹرول تھا کہ سلاست گفتگو تو درکنار لہجہ تک آلودہ نہیں ہوتا تھا، وگرنہ ہم نے تقدس مآبی کے پنجروں میں قید بے شمار حضرات کو ایسی ایسی گالیاں دیتے سنا کہ الامان! علامہ صاحب کے ہاں اس قسم کے لب و لہجے کا کوئی سوال نہ تھا،بعض اوقات شدید غیظ سے بوجہ ضعف بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا مگر مجال ہے کہ کوئی نازیبا جملہ منہ سے نکالتے زیادہ سے زیادہ ''حد ہوگئی''۔آپ ''کمال کرتے ہیں''''میں اتنا پریشان ہوں اور آپ اتنے غافل؟''اب میں اپنوں سے شکوہ نہ کروں تو کس سے کروں''۔آپ سے یہ توقع تو مجھے کبھی نہیں رہی''۔بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔واہ علامہ صاحب! آپ ہمیں بہت یاد آئیں گے۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

حضرت علامہؒ کے پاس ایک مخصوص قسم کا تعویذ تھا جو دورانِ تصنیف ٹوپی کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے بالخصوص جب کوئی کتاب دفاعِ صحابہ کرام یا رَدِ رفض پر لکھتے تو اس تعویذ کو سر پر رکھ کر اوپر ٹوپی اوڑھ لیتے۔کاتب السطور نے ''تجلیاتِ آفتاب'' کی املاء کرتے وقت علامہ صاحب کو اس کا کافی اہتمام کرتے دیکھا ہے۔فرقہائے باطلہ کی تردید میں لکھنے والوں کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہے کہ انہیں بعض دفعہ خاصی مشکلات اور حائل رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔موادِ علمی کی فراہمی میں بندشیں، کمپوزنگ وتصحیح کے مراحل کی اذیتیں، پریس کے معاملات میں حیران کن واقعات اور ترسیل ونکاسی کے دوران کی رکاوٹیں نیز مصنف کی طبیعت پر نادیدہ کسی طاقت کا بوجھ، مزاج میں تلون اور دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ حریف کی جانب سے جادو ٹونے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔اس سے بچنے کے لیے اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ کسی کامل بزرگ کی صحبت اور ان کی روحانی سرپرستی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ تجلیاتِ آفتاب کی کمپوزنگ کرنے والے نوجوان کا جب اچانک ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تو علامہ صاحب نے اس کا کافی غم لیا تھا، تب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ کی کتاب ''آفتابِ ہدایت'' کے پیچھے ایک بڑی روحانی طاقت نہ ہوتی تو شیعہ مصنف ڈھکو صاحب کی کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' کا جواب لکھنا طبعی طور پر (نہ کہ علمی طور پر) مشکل ہو جاتا، کیونکہ ''تجلیات صداقت'' کے مسودہ پر خطرناک ترین جادو کا کڑا لگایا گیا ہے، تاکہ اس کے جواب کی طرف التفات کرنے والا گوناگوں امراض کا شکار رہے۔حضرت علامہ صاحب نے بندہ کو بھی ایک خاص وظیفہ سکھایا تھا کہ شیعوں کی فلاں فلاں کتاب پڑھنے سے پہلے وہ ضرور پڑھ لیا کرو، الحمدللہ اس کا اہتمام کرنے سے معلوم ہوا کہ واقعی یہ عمل کرنے سے پہلے طبیعت بے چین ہو جایا کرتی تھی۔اور پڑھنے کے بعد اب روحانی تسکین بھی رہتی ہے۔اور دماغی واعصابی تھکاوٹ بھی نہیں ہوتی۔

حضرت علامہ صاحب باقاعدہ جیب میں قلم یا پین وغیرہ رکھنے کے عادی نہیں تھے۔بس جہاں کہیں لکھنے لکھانے پر طبیعت آمادہ ہوتی تھی تو اسی وقت دوکان سے بال پین منگوا کر لکھنا شروع کر دیتے تھے یا عام طور پر بیگ میں لکھنے کا ضروری سامان موجود رہتا تھا۔کاغذ کے لیے بطور خاص کاپی، رجسٹر یا دستہ کا ہونا بھی ضروری نہیں تھا،بعض اوقات اشتہارات اور پمفلٹوں کی دوسری

جانب لکھ لیا کرتے تھے اور لکھتے وقت کاغذ کو کونوں کھدوروں تک مکمل بھر دیتے تھے، (دیکھیے: ۲/۱۴۷[ادارہ]) فرماتے تھے کاغذ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے لکھنے میں باریک پوائنٹ سے لکھتے تھے۔ لکھتے ہوئے سوچنے کی ضرورت کم ہی پیش آتی تھی میں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۵ء کے ادوار میں بچشم خود یہ مشاہدہ کرتا رہا کہ علامہ صاحب لکھتے کیسے ہیں؟ چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ میں صبح کی نماز کے فوراً بعد ٹھوکر نیاز بیگ سے چلنے والی اُس دور میں ۹ رنمبر وین پر بیٹھ کر جو ہمارے علاقہ کھاڑک سبزہ زار سے ہو کر اسٹیشن کو جاتی تھی، سیکرٹریٹ اتر جاتا اور وہاں سے پیدل چل کر سنت نگر علامہ صاحب کے مکان پر پورا پورا دن گزار کر آتا تھا۔ شدید سردی میں علامہ صاحب نے پاس ہی گیس والا ہیٹر جلایا ہوتا تھا۔ چارپائی پر ایک معمولی سے گرم بستر میں بیٹھ کر علامہ صاحب قبلہ رُخ بیٹھ کر لکھ رہے ہوتے تھے۔ جب سورج نکلتا تو اب نشست تبدیل ہو جاتی، باہر صحن میں صف کے اوپر دری بچھا دی جاتی تھی، جس پر علامہ صاحب کا ایک خاص پرانا مصلّٰی رکھ دیا جاتا اور سامنے تپائی پر لکھنے کا ضروری سامان رکھ کر بعض دفعہ ظہر کی نماز تک مسلسل لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ میں پروف پڑھ رہا تھا کہ اوپر سے ایک کوے نے بیٹ کر دی جس سے مسودہ آلودہ ہو گیا، اس وقت تو میں نے فوراً اسے صاف کر دیا مگر جب علامہ صاحب نے سنجیدہ سے لہجے میں کہا ''دیکھو، بعض کوے کتنے شرارتی ہوتے ہیں، اب بھلا قضائے حاجت کا یہ کوئی موقع تھا۔'' یہ سن کر میری ہنسی چھوٹ گئی، علامہ صاحب کو غصہ آ گیا ''آپ عجیب آدمی ہیں اُدھر کوا اِدھر آپ''۔ میری ہنسی میں مزید اضافہ ہو گیا، مگر میں کیا کرتا؟ علامہ صاحب بات ہی ایسے کہہ دیتے تھے کہ ہنسی ضبط نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح دورانِ تصنیف درمیان میں کبھی رک کر کوئی علمی موضوع چھیڑ دیتے اور اس پر علم وعرفان کی ایسی بارش کرتے کہ دل کی دنیا جل تھل ہو کر رہ جاتی تھی۔ علامہ صاحب کی تصانیف میں وفورِ علم کے ساتھ ساتھ ایک خاص روحانی کیفیت بھی ہے جو قاری کو کسی اور جہان میں پہنچا دیتی ہے۔ علامہ صاحب نے جس موضوع پر لکھا تو لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ ان کی ''آثار التنزیل'' پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسے متقدمین مفسرین کی ایک جماعت کی زیارت نصیب ہو رہی ہے۔ ''آثار الحدیث'' قاری کو محدثین کے پُر انوار ادوار میں لے جاتی ہے۔ ''آثار التشریع'' کے مطالعہ سے قاری اپنے آپ کو فقہاء کرام کے مطہر طبقہ میں بیٹھا محسوس کرتا ہے، ''آثار الاحسان'' پڑھنے والا تصوف وسلوک کی منزلیں اس روانی سے طے کرتا ہے گویا روحانی پرواز کا ملکہ نصیب ہو جاتا ہے۔ ''مطالعہ بریلویت'' میں بدعات کی ظلمت میں جب علامہ صاحب توحید وسنت کی شعائیں اپنے قلم سے نکالتے ہیں اور شاندار وجاندار تبصروں سے اپنے دعاوی کو مبرہن ومزین کرتے ہیں تو ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔ عبقات، خلفائے راشدین، تجلیات آفتاب یا ''معیار صحابیت'' وغیرہ پڑھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے صحابہ کرامؓ کی جماعت ایک بند حویلی میں موجود ہے، اور باہر علامہ صاحب تیز دھار تلوار لے کر رفض وسبائیت اور ناصبیت وخوارج کے ایک ایک بت کو تہس نہس کرتے چلے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ علامہ صاحب کی ہر کتاب ایک مستقل جہان رکھتی ہے۔ ہر کتاب میں روحانیت اور علم وفضل کی الگ بہار ہے۔ دلائل واستدلال میں کوئی تکرار نہیں، الگ سے الگ اور نئی سے نئی بات قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ حقیقت اور مشاہدے کی بات ہے کہ علامہ صاحب کی کتابوں کی وجد انگیزی، ذوق آفرینی اور روح پروری ہدایت کی مسدود راہوں کو کھول دیتی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زیغ وضلال کے

بلبلے علامہ صاحب کی پھونکوں سے پھٹتے چلے جا رہے ہیں۔

سوال :(۵) کیا کبھی علامہ صاحب کے ساتھ آپ کو سفر کرنے کا موقع ملا؟ اگر ایسا ہے تو کچھ یادگار واقعات، تاثرات و مشاہدات اور علامہ صاحب کے معمولات سے آگاہ کر دیں۔

جواب: چند ایک مرتبہ شہر سے باہر اور بارہا مرتبہ شہر کے اندر مجھے علامہ صاحب کی رفاقت میں رہنے کے مواقع ملے ہیں جن کی بعض یادیں میرے لیے زندگی کا سرمایہ بھی ہیں اور نہایت دلچسپ بھی! علامہ صاحب نے شہر میں آنے جانے کے لیے اپنی سواری رکھی ہوئی تھی اور وہ تھا ''ویسپا اسکوٹر''! علامہ صاحب اس وقت ویسپا خود ہی چلاتے تھے بلکہ دوڑاتے تھے۔ بعد میں کافی عرصہ تک وہ ویسپا علامہ صاحب کے گھر میں کھڑا رہتا تھا، آہستہ آہستہ اس کے پُرزے گلنا اور گرنا شروع ہو گئے تھے۔ صحن میں بغیر کسی حفاظت کے کھڑا رہنے کی بناء پر بارش اور دھوپ وغیرہ کے موسمی اثرات کی وجہ سے ''ویسپا'' کی حالت بہت قابل رحم ہو گئی تھی۔ ٹائروں سے ہوا نکل گئی، جگہ جگہ زنگ چڑھ گیا۔ سیٹ پر پرندوں کی بیٹوں سے مختلف نقش و نگار وجود میں آ چکے تھے۔ اور گرد و غبار کی وجہ وے ''ویسپا'' قدیم یونان کے کھوئے خسروانہ کا پتہ دے رہا تھا۔ میں نے اس سکوٹر پر علامہ صاحب کے ساتھ مکان سے جامعہ اشرفیہ، رائل پارک، اردو بازار، شاہدرہ اور جامعہ مدنیہ کریم پارک تک لطف اٹھایا ہے۔ وقت وقت کی بات ہے، تب علامہ صاحب چاق و چوبند تھے۔ عمر اگرچہ ستر سال سے متجاوز ہو رہی تھی مگر بدن میں چستی، چال ڈھال میں پھرتی اور علم و فضل کے ساتھ ساتھ ظرافتِ طبع کی رعنایاں اپنے جوبن پر تھیں۔ ایک مرتبہ مکان پر مولانا علی شیر حیدریؒ اور مولانا محمد ضیاء القاسمی تشریف لائے، یہ وہ وقت تھا جب مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کا سانحہ شہادت لاہور سیشن کورٹ میں پیش آ چکا تھا اور مولانا محمد اعظم طارق شدید زخموں میں پابند سلاسل تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ محکمہ بیت المال پنجاب کے چیئرمین تھے، شہباز شریف و نواز شریف کی حکومت اپنے اقتدار کے آخری سانس لے رہی تھی۔ جگہ جگہ پولیس مقابلوں کا راج تھا اور لاہور میں خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ سپاہ صحابہ کی قیادت چاہتی تھی کہ جامعہ اشرفیہ والے حضرات ذاتی طور پر دلچسپی لے کر شہباز شریف کو مولانا محمد اعظم طارقؒ کی رہائی پر آمادہ کریں جبکہ جامعہ اشرفیہ والوں کے ساتھ علامہ خالد محمود کے تعلقات ایک زمانہ سے چلے آ رہے تھے۔ پھر علامہ صاحب کی مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ سے پرانی دوستی تھی، اور نہایت درجہ کی بے تکلفی بھی تھی۔ پہلے پہل جب مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ انگلینڈ جاتے تھے تو ان کی رہائش علامہ صاحب کی اکیڈمی میں ہوتی تھی۔ علامہ صاحب کا لباس اور روزمرہ کی زندگی بہت ہی سادہ اور درویشانہ تھی، علامہ صاحب کبھی کبھار حسب موقع و محل پینٹ کوٹ بھی پہنتے تھے، جو ایک کھونٹی سے لٹکے رہتے تھے۔ مولانا قاسمی مرحوم اکیڈمی میں علامہ صاحب کے پرانے شاگرد حضرت مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب کو کہا کرتے تھے ''یار بالیا، یہ علامہ صاحب کا کوٹ حضرت نوحؑ کے زمانے کا لگتا ہے۔'' (کاتب السطور کہتا ہے کہ مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کو اگر علامہ صاحب کے ''ویسپا'' کی بعد والی کیفیت دکھائی جاتی تو وہ اسے شاید قتل ہابیل سے بھی پہلے کی ایجاد قرار دیتے)۔ بہرکیف، اب صورتحال یہ تھی کہ سپاہ صحابہ کے قائدین کا مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کے ساتھ تعلق تھا، قاسمی صاحب کا علامہ صاحب کے ساتھ، علامہ صاحب کا جامعہ اشرفیہ کے

حضرات کے ساتھ اور حضراتِ جامعہ اشرفیہ کا اربابِ اقتدار کے ساتھ! تو ان مراحل سے گزر کر مولانا محمد اعظم طارق صاحب کی رہائی کی کوششیں کی جارہی تھیں۔ کچھ دیر مکان میں بیٹھ کر مشاورت کرنے کے بعد جب جامعہ اشرفیہ جانے لگے تو مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ نے علامہ صاحب کو اپنی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھانا چاہا، علامہ صاحب نے صریح انکار کر دیا اور فرمایا کہ آپ وہاں پہنچیں، میں آپ کے پیچھے آ رہا ہوں۔ یہ حضرات اپنی اپنی دو گاڑیوں میں بیٹھ کر جامعہ اشرفیہ چلے گئے تو علامہ صاحب نے مجھے فرمایا ''ویسپا جلدی جلدی صاف کرو، ہم تو اپنے اسکوٹر پر جائیں گے۔'' میں نے ایک ضابطے کی کارروائی کے تحت ویسپا صاف کیا، کیونکہ وہ اب اسی مقام پر پہنچ گیا تھا کہ اسکی صفائی کی ضرورت نہ تھی۔ ہم ویسپا پر چڑھے اور علامہ صاحب نے تیز رفتاری سے کام لے کر اچھرہ سے پہلے شمع سٹاپ پر جا کر قائدین سپاہ صحابہ کی گاڑیوں کو کراس کیا۔ عصر کی نماز جامعہ اشرفیہ میں ادا کی گئی، جامعہ اشرفیہ کی مسجد کے دائیں بائیں برآمدوں اور کمروں کی قطاروں میں سے داہنی جانب کے کونے والے کمرہ میں عین مینار کے نیچے بابا عبدالغنی مرحوم موذن کا کمرہ ہوا کرتا تھا، بابا عبدالغنی وہیل چیئر پہ بیٹھ کر اونچا اونچا کہنے لگے: ''علامہ خالد محمود آگئے، علامہ خالد محمود، علامہ خالد محمود۔'' اس کے بعد ایک کمرہ میں یہ سب حضرات مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کے ساتھ باہمی مشاورت کے لیے چلے گئے اور اندر سے دروازہ بند کر دیا، جبکہ میں باہر برآمدہ میں بیٹھا رہا۔ واپسی پر میں نے علامہ صاحب سے پوچھا کہ ہم مولانا قاسمیؒ یا مولانا علی شیر حیدریؒ کے ساتھ گاڑی میں کیوں نہ بیٹھے جبکہ وہ اصرار بھی فرماتے رہے؟ تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ دو نصیحتیں ہمیشہ یاد رکھنا:

نمبر ۱: دوسروں کی قیمتی گاڑیوں کو دیکھ کر اپنی کمزور سواری کو کبھی نظر انداز نہ کرنا، اس سے جان، مال، آبرو اور خودداری محفوظ رہتی ہے۔ اب دیکھو ہم اپنی مرضی سے اپنی ترتیب کے مطابق گئے ہیں اور اپنی ترتیب کے ساتھ واپس آگئے ہیں، دوسروں کے ساتھ نتھی ہو جانے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ پھر گاڑی میں چند دوسرے افراد بھی تھے جو شاید ہمارے ذوق کے نہ ہوں تو بلاوجہ سفر کو مصیبت بنا کر کیوں گلے میں ڈالا جائے؟ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اپنی چیز سے ہی کام لو، اس میں خیر ہی خیر ہے۔

نمبر ۲: دوسرے نمبر پر فرمایا کہ یہ حضرات ایک محاذ پر کام کر رہے ہیں، اگر چہ محاذ ہمارا بھی وہی ہے مگر ترتیب اور طریقہ جدا جدا ہے۔ یہ ہر وقت غیر محفوظ رہتے ہیں، تو بلاوجہ ان کے ساتھ سفر کرنا حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔ مزید فرمایا کہ مصلحت اور بزدلی میں بہت باریک فرق ہوتا ہے، ممکن ہے کہ کوئی شخص ہمارے اس عمل کو بزدلی قرار دے، مگر ہمیں تو پتہ ہے ناں کہ ہم حکمت سے کام لے رہے ہیں، اگر ہم بزدل ہوتے ان حضرات کے ساتھ تعلق ہی کیوں رکھتے؟

ایک یہ واقعہ میرے لیے بہت سبق آموز ہے اور زندگی کے آمدہ دنوں میں اس پر جس قدر بھی غور کیا، اتنا ہی علامہ صاحب کی بصیرت آشکار ہوتی چلی گئی۔

عربی و فارسی میں الف، لام کا ادخال

ایک مرتبہ اردو بازار سے نکلتے ہوئے بھاٹی چوک پر ہم نے مچھلی کھائی تھی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بھاٹی چوک پر ۱۹۳۵ء کے زمانہ سے معروف ''نصیر دار الماہی'' کے نام سے ایک مچھلی کی دوکان ہے۔ ان کا پرانا نام تو شاید ''بشیر دار الماہی'' ہے۔

مگر اس کی ایک شاخ نصیر دار الماہی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علامہ صاحب مچھلی کھانے کے بہت شوقین تھے، اگر چہ مچھلی کا سالن رغبت سے کھاتے تھے، تاہم تلی ہوئی مچھلی بھی تناول فرماتے تھے۔ ہم دونوں دوکان کے اندر بیٹھ گئے۔ جب ویٹر نے آ کر آرڈر لینا چاہا تو علامہ صاحب نے فرمایا پہلے یہ بتاؤ کہ دار عربی زبان کا لفظ ہے اور ماہی فارسی کا، تو عربی وفارسی میں الف لام کس ضابطے کے تحت کون سے علم کی رو سے داخل کیا گیا ہے؟ ویٹر نے آنکھوں کے اشارے سے مجھ سے پوچھنا چاہا کہ یہ بزرگ کیا کہہ رہے ہیں؟ خیر وہ چلا گیا۔ بعد میں وہاں بیٹھے بیٹھے علامہ صاحب نے فرمایا کہ ''دار السمک یا دار الحوت'' نام رکھ لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا اب کل کلاں کوئی ''دار الفش'' یا ''**دار المچھلی**'' کے نام سے دوکان کھول لے تو کیا بعید ہے؟ یہاں بیٹھے علامہ صاحب کا موضوع سخن ''مچھلی'' ہی رہا۔ فرمایا دراصل انسانی بازو کے کہنیوں سے اوپر اور کندھوں کے نچلے حصہ کو ''مچھلی'' کہتے ہیں، اسی طرح رانوں کو بھی مچھلی کہا جاتا ہے۔ تو چونکہ مچھلی کی ہیئت اور مشابہت بھی گوشت سے پُر اور نرم ران یا بازو کی طرح ہوتی ہے تو اسے اردو میں ''مچھلی'' کا نام دے دیا گیا۔ مزید فرمایا کہ مچھلی کھانے کا صحیح طریقہ عربوں کو آتا ہے یا بنگالیوں کو، باقی اہل عجم مچھلی چباتے اور نگلتے ہیں، کھاتے نہیں ہیں۔ (بوجہ تعظیم کاتب السطور علامہ صاحب سے پوچھ نہ سکا تھا کہ نگلنے سے قبل چبانے اور کھانے میں اصولی فرق کیا ہوتا ہے؟)۔ مزید فرمایا کہ مچھلی کانٹوں والی کھانی چاہیے تا کہ پتہ چلے مچھلی کھائی جا رہی ہے۔ اس دوران علامہ صاحب نے صحیح مچھلی پکانے کے آداب، طریقے، مچھلی کی مختلف اقسام اور مختلف موسموں میں مچھلی استعمال کرنے کے فوائد ونقصانات کا ذکر بھی کیا تھا، جن مچھلیوں کی قسمیں بتائی تھیں، ڈائری میں جمع شدہ ریکارڈ کے مطابق ان کے نام علامہ صاحب نے گلفام مچھلی، بڑی مچھلی، ملی مچھلی، کھگا، ٹھونگرا، سنگھارا، جھینگا، بام اور ڈنگیلا بتائے تھے۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ لذیذ گوشت ''شیر ماہی'' مچھلی کا ہوتا ہے۔ اب مدت سے یہ نایاب ہے جب ہماری جوانی تھی تو تب یہ بکثرت ملتی تھی۔ علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ دماغی کام کرنے والوں کو مچھلی کھاتے رہنا چاہیے۔ اس سے موٹاپا بھی نہیں ہوتا اور ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں، نیز دماغ پر خشکی نہیں چڑھتی، اور مچھلی کھانے سے نظر بھی تیز ہوتی ہے، اور ذہنی نشو ونما میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے جب زیادہ مچھلی کھانے کے نقصانات گنوائے تو اس کی بھی پوری فہرست تیار کر دی۔ یاد رہے کہ اس نشست میں کاتب السطور کے حصہ میں بہت کم مچھلی آئی تھی کیونکہ علامہ صاحب کی باتیں لکھنے کے اشغال اور شوق نے مجھے مچھلی سے زیادہ لطف دیا تھا۔

دال کھانے کا ایک باہمی معاہدہ اور خلاف ورزی

ایک مرتبہ کوٹ رادھا کشن، رائے ونڈ سے آگے کہیں جانا تھا تو علامہ صاحب نے کسی پرانے ہوٹل کا ذکر کیا کہ وہ بر لب سڑک واقع ہے اور وہاں دال اچھی بنتی ہے۔ لہٰذا ہمارے جلسہ کے میزبان جب کھانا دیں گے تو آپ نے کھانا نہیں کھانا بس دستر خوان پر بیٹھ جائیں گے اور سلاد وغیرہ کھانے میں تھوڑی دیر لگا کر پھر اجازت لے لیں گے، کیونکہ واپسی پر اس ہوٹل سے دال کھانی ہے۔ مگر ہوا یہ کہ علامہ صاحب کی تقریر کہیں دو گھنٹوں سے بھی اوپر چلی گئی۔ مجھے شدید بھوک کا تقاضہ ہوا، حسن اتفاق سے جب دستر خوان لگا تو کھانا بھی بہت معیاری بنا ہوا تھا۔ چنانچہ میں پورے انشراح کے ساتھ کھانا کھانے میں منہمک ہو گیا۔ علامہ صاحب اور میرے

درمیان تین چار حضرات کا فاصلہ تھا، علامہ صاحب کی پوری توجہ مجھ پر تھی ایک دو مرتبہ آگے جھانک کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر بلا کر میرے کان میں مکمل سنجیدگی کے ساتھ فرمایا: ''آپ کمال کے آدمی ہیں، جب ایک معاہدہ ہو گیا تو آپ کھانا کیوں کھا رہے ہیں؟ طے ہو چکا ہے کہ ہم نے دال کھانی ہے''۔ میں خاموش ہو گیا واپسی پر جب علامہ صاحب کے مطلوبہ ہوٹل کا پتہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو کب کا بند ہو چکا ہے، نہ دال اور نہ دلیہ، یاد پڑتا ہے کہ واپس آکر ٹھوکر نیاز بیگ کے قریب کہیں سے علامہ صاحب نے کھانا کھایا تھا۔ دال سے متعلقہ ایک اور واقعہ بھی پڑھ لیجیے۔ بادامی باغ لاری اڈہ پر علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں سے چاول دال کھا لیتے ہیں، تا کہ سفر میں بھوک نہ ستائے۔ ہم ایک دوکان پر گئے۔ علامہ صاحب نے فرمایا آپ چاول دال بیچتے ہیں یا دال چاول؟ اس نے حیران کن نظروں سے دیکھا اور کہا چاول دال! ہم نے آرڈر دیا تو پلیٹوں میں چاول کم اور اوپر دال زیادہ تھی۔ علامہ صاحب نے فرمایا دیکھا لوگ کس طرح غلط بیانی سے کام لیتے ہیں ہمیں تو چاول دال کی ضرورت تھی اور یہ لے آیا دال چاول!

لوگوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

ایک سفر میں بندہ نے حضرت علامہ صاحب سے سوال کیا کہ زندگی میں مختلف لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر ایک کا مزاج مختلف ہوتا ہے تو لوگوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کرنا چاہتے؟ فرمایا اس سلسلہ میں شیخ ضیاء الدین سہروردی رحمہ اللہ کا ایک قول ہمیشہ یاد رکھو کہ لوگوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱) ایک وہ جو غذا کی طرح ہوتے ہیں اور ان کے بغیر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔

۲) دوسرے وہ جو دوا کی طرح ہوتے ہیں جن سے بہ وقت حاجت کام نکالا جاتا ہے اور تکلیف میں کارآمد ہوتے ہیں۔

۳) تیسرے وہ جو بیماری کی طرح ہوتے ہیں، اور ان سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے۔ (علامہ صاحب نے اس کتاب کا نام بھی لیا تھا جس میں یہ قول موجود ہے، مگر کتاب کا نام ابھی مجھے یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ اس میں ''آداب'' کا لفظ آتا تھا، اللہ اعلم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر آنے پر علامہ صاحب رو پڑے

ایک مرتبہ چکوال کی مرکزی مدنی جامع مسجد میں ۱۲ ربیع الاول کو حضرت علامہ صاحب کی معیت میں سفر ہوا۔ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی جاری کردہ سالانہ سیرۃ النبی کانفرنس منعقد ہونا تھی اور حضرت امیر مرکزی مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر مدظلہ نے مجھے پابند فرمایا تھا کہ علامہ صاحب کے ساتھ آپ نے آنا ہے۔ اس پورے رستہ میں علامہ صاحب نے حسب طبیعت علم و عرفان کی بارش جاری رکھی۔ اور مختلف موضوعات پر آپ گفتگو فرماتے رہے۔ مدنی جامع مسجد میں جانے سے قبل ہمارا قیام حاجی برکت علی صاحب کی رہائش گاہ پر تھا۔ سردی کا موسم تھا اور دھوپ میں چارپائیاں بچھی تھیں۔ علامہ صاحب نے مجھے چپکے سے فرمایا کہ یہ عمومی مجلس ہے۔ آپ میری چارپائی ذرا فاصلے پر الگ سے ڈلوائیں اور میرے ساتھ بیٹھ کر علمی باتیں کریں، اس دن بھی علامہ صاحب کی طبیعت میں بہت نشاط تھا۔ اور میں بھی اپنے خیالات کو رفعت دینے کی کوشش میں تھا، چنانچہ

غنیمت جان کر ہم دونوں الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ فرمایا کوئی سوال کرو، میں نے کہا حضرت آپ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا ہے، تفاسیر واحادیث، اور تواریخ وقصص کا کوئی پہلو آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ معترضین کے اعتراضات تمام تر مزعومہ دلائل کے ساتھ آپ کے پیش نظر رہے۔ نفس حقیقت کی حد تک صحابہ کرامؓ کے مابین انتظامی اختلافات اور باقاعدہ جنگوں تک کی تفصیلات بھی آپ کے علم میں ہیں اور اہل بیتؓ وصحابہ کرامؓ کے مابین بعض وقتی غلط فہمیوں کی بنیاد پر روافض وخوارج کے تقابلی ٹکراؤ کا منظر بھی آپ کے سامنے ہے۔ یہ سارا نقشہ پیش نظر رکھنے کے بعد صحابہ کرامؓ پر آپ کا اعتماد کس درجہ کا ہے؟ میرے دل میں جو تھا میں نے کہہ دیا تھا، علامہ صاحب نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں کی بغلوں میں دبا رکھے تھے۔ میرا سوال سن کر گہری سوچ میں چلے گئے، سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر دیں، پھر اچانک جھٹک کر سر اوپر کو اٹھایا اور فرمایا: ”مجھے اپنے حلالی ہونے پر اتنا یقین نہیں جتنا صحابہ کرامؓ کے جنتی ہونے پر یقین ہے۔“ یہ کہہ کر علامہ صاحب رونے لگے، میرا کلیجہ دہل گیا، علامہ صاحب کا غنچہ علم چٹک رہا تھا جس کی مہک میری ہڈیوں تک میں محسوس ہو رہی تھی۔ مجھ سے علامہ صاحب کی یہ کیفیت دیکھی نہ گئی۔ اسی دورانِ ہم مدنی جامع مسجد میں چلے گئے۔ علامہ صاحب نے کھڑے ہو کر خطاب فرمایا اور سیرۃ النبی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی مدحت اور ترجمانی ایسے دلائل کے ساتھ کی کہ سامعین کے جذباتی نعرے پوری تقریر میں گونجتے رہے۔ جب تقریر ختم کر کے واپس کمرہ میں آئے تو میں نے کہا حضرت سفر کی تھکاوٹ بھی تھی اور ضعف وعلالت بھی، آپ بیٹھ کر خطاب فرما لیتے! علامہ صاحب نے فرمایا، میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ صحابہ کرامؓ کا مقدمہ بیٹھ کر لڑا جائے۔ ان کی وکالت کھڑے ہو کر کرنے میں ہی لطف آتا ہے۔

باراں کی طرح لطف و کرم عام کیے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ کام کئے جا

اس دوران علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ چکوال کی مٹی میں محبت صحابہ کرامؓ کی تاثیر موجود ہے اور یہاں آ کر عظمت صحابہ کرامؓ بیان کرنے میں طمانیت ولذت محسوس ہوتی ہے۔

علامہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ غالباً امریکہ کی کسی ریاست میں میرا ہندوؤں کے ایک فرقہ کے رہنما سے مباحثہ ہوا، وہ اسلام کے فلسفہ تعددِ ازواج پہ اعتراض کر رہا تھا کہ ہر مرد کی بیوی ایک ہی ہونی چاہیے اور اس پہ دلیل دیتے ہوئے کہنے لگا کہ لوگو! دیکھو! آپ نے درختوں اور بجلی کے تاروں پہ پرندوں کو تو بیٹھے دیکھا ہوگا، ہر پرندے کے ساتھ ایک مادہ ہوتی ہے، گویا یہ فطرت کا اشارہ ہے کہ جوڑا ایک مرد اور ایک عورت سے تشکیل پاتا ہے، لہٰذا اسلام جو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے تو یہ فطرتی اصولوں کے خلاف ہے۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا دیکھو بھائی پرندے اوپر اڑتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں، جبکہ انسان نیچے زمین پہ بستے ہیں، تو ہماری مثال زمین کے پرندوں کی ہونی چاہیے یا آسمانی پرندوں کی؟ سب نے کہا: ”زمینی مثال ہونی چاہیے۔“ تب علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بتاؤ مُرغے کے ساتھ ایک مرغی ہوتی ہے یا ایک سے زائد دانہ دنکا چگتی ہیں؟ سب نے کہا مُرغ کے ساتھ تو کافی ساری مرغیاں گھوم رہی ہوتی ہیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ انسانوں

کے لئے فطری اصول اگر پیش کرنا ہے تو پھراڑتے پرندوں سے نہیں بلکہ چلتی پھرتی مرغیوں سے پیش کرو کگڑوں کوں کگڑوں کُوں۔

ایک عالم دین علامہ صاحب کو ملنے آئے تو جاتے ہوئے موبائل نمبر مانگا تو علامہ صاحب نے عنایت کر دیا۔ انہوں نے بڑے ادب سے کہا ''حضرت اگر رات کو کال کرنی ہو تو؟'' ان کے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ رات کو بھی بات ہوسکتی ہے یا نہیں؟ علامہ صاحب نے برجستہ جواب دیا ''جی ہاں ''رات'' کے لئے بھی یہی نمبر ہے۔''

ایک واقعہ سن لیجیے! بندہ علامہ خالد محمودؒ کے ہمراہ تھا کہ اسلام آباد میں ایک صاحب کے ہاں مولانا پیر نصیر الدین گولڑوی مرحوم بھی آگئے، لاریب کے انہوں نے علامہ صاحب کی بہت تکریم کی اور علامہ صاحب نے بھی بے حد اکرام فرمایا، باتوں باتوں میں مرحوم کی کتاب ''نام ونسب'' کا ذکر آگیا، حضرت علامہ صاحبؒ کو علم تھا کہ اس میں انہوں نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق غیر محتاط الفاظ کا استعمال کیا تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے فرمایا: میری معلومات کے مطابق گیلانی لوگ حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ کیا ایسا ہی ہے؟ انہوں نے فرمایا: جی جی بالکل بالکل! علامہ صاحب نے فرمایا: تو آپ کے دادا نے تو پہلے ہی حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی تھی، اس لئے دنیا کچھ بھی کہے آپ حسنی اصولوں پہ قائم رہیں۔ مرحوم اس نکتہ آفرینی پہ داد دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

مولانا فضل الرحیم مہتمم جامعہ اشرفیہ کو دیکھتے ہی علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے: ان پہ تو ہمارے مفتی محمد حسن صاحب کی بسم اللہ پوری ہوتی ہے۔ یہ مفتی صاحب کے تین بیٹوں عبید اللہ، عبدالرحمٰن اور فضل الرحیم کے ناموں میں لفظ اللہ، رحمٰن اور رحیم کی طرف اشارہ تھا۔ (دیکھیے: ۸/۱/۷[ادارہ])

سوال :(۶) علامہ صاحب کے اخلاقِ عالیہ اور عام عادات ومزاج کیسے تھے؟ ان کے رویوں اور اداؤں کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب: الحمد للہ میرا شمار ان لوگوں میں ہے جو زندگی میں بھی حضرت علامہ صاحب کی عادات اور مزاج کے فریفتہ تھے۔ ہمارے ہاں عمومی عادت یہ پائی جاتی ہے کہ کسی بھی شخصیت کے متعلق سنی سنائی باتوں پر ہم یقین کر لیتے ہیں اور پھر انہیں آگے نشر کرنے کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، ہم علامہ صاحب کے جتنے قریب ہوتے گئے، ان کی شخصی عظمتوں کے ابواب اتنے اُجلے پن کے ساتھ مزید سے مزید کھلتے چلے گئے۔ علامہ صاحب صاف گو انسان تھے، دل ودماغ پر علم کا اتنا غلبہ تھا کہ بعض اوقات اس تغلّب کی وجہ سے وہ دوسرے سماجی تقاضوں کی جانب متوجہ نہ ہوسکتے تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا علم تھا، وہ چاہتے تھے کہ بس ہر جگہ ہر محفل میں علم کی باتیں ہوں۔ ہم نے اس دور میں بڑے بڑے مدعیان علم کو دیکھا کہ ان کی مجلسیں دنیاداری کے تلوث سے پاک نہیں ہوتیں، مہنگی گاڑیوں، مہنگے موبائلوں اور پلاٹوں کی معلومات رکھنے کے وہ نہایت شوقین ہوتے ہیں۔ مگر علامہ صاحب کی مجلس میں مجال ہے کہ یہ موضوعات کبھی انہیں چھو کر بھی گزرے ہوں۔ وہ ذاتی اور خاندانی احوال کا صرف ضرورت اور وقتی مجبوری کے

تحت بعض لوگوں سے تبادلہ خیال کر لیتے تھے۔ بطور مشن اور بطور لذت وہ ان چیزوں سے نہ صرف دور بلکہ سخت بیزار تھے۔ علامہ صاحب جب اپنے مکان پر ہوتے تو ان کا دروازہ صبح سے رات گئے تک کھلا رہتا تھا، لوگ آ جا رہے ہیں، کوئی دربان یا سخت گیر خادم ڈیوٹی پر مامور نہیں کہ جس کی منت کر کے علامہ صاحب سے ملاقات کی جاتی۔ علامہ صاحب اپنے کاموں میں مصروف ہیں تو کبھی آنے والے سے معذرت نہیں کی کہ میں مصروف ہوں، اس وقت آپ چلے جائیں، حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب اس زمانہ کے آدمی نہیں تھے۔ وہ قافلہ حق وصداقت کی اس بچھڑی ہوئی روح کا نام تھا جنہیں ہم صرف کتابوں میں ہی دیکھتے ہیں، معاملات کے نہایت صاف تھے۔ ان کا رویہ صاف عالمانہ اور ادائیں شفاف صوفیانہ تھیں، علامہ صاحب کی چہرے پر اور ان کی عادتوں میں اس قدر معصومیت تھی کہ نوے سال کی عمر میں بھی وہ بچے ہی دکھائی دیتے تھے۔ قدرت نے ان کے خدوخال میں ایک خاص قسم کی جاذبیت نچوڑ دی تھی جس سے وہ بہت پیارے لگتے تھے، وفورِ علم ان کی آنکھوں سے فوارے کی طرح اچھلتا تھا۔

''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجھے معاف کر دیں'' علامہ صاحب کی عاجزی نے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیئے:

یہ واقعہ بیان کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا تھا، مگر علامہ صاحب کی عظمت اور للّٰہیت کا ذکر آ گیا تو اب اخفاء میں رکھنے پر بھی دل آمادہ نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ علامہ صاحب نے مجھے حکم فرمایا کہ مسمی کا جوس بنوا کر لاؤ میں نے چوبرجی چوک سے مسمی کا جوس لیا اور واپس علامہ صاحب کے مکان پر آ گیا، اس وقت علامہ صاحب حسب عادت زمین پر چٹائی بچھا کر بیٹھے لکھ رہے تھے، اسی دوران علامہ صاحب کو نکسیر چھوٹ گئی اور سامنے پڑا ہوا لکھے ہوئے کاغذوں کا پلندہ خون آلود ہو گیا، علامہ صاحب ہاتھوں سے اشارہ کر رہے تھے کہ ان کاغذات کو پیچھے کرو جبکہ میں علامہ صاحب کا سر دبا کر ناک کے آگے ہاتھ رکھے ٹشو پیپر کے ساتھ خون صاف کرنے کی کوشش میں تھا، ایک طبیعت کی خرابی، تکلیف اور پھر ضعیف العمری، ساتھ ہی لکھے ہوئے کاغذات خراب ہونے کا خدشہ بھی تھا تو علامہ صاحب نے جلال میں آ کر الٹا ہاتھ میرے منہ پر مار دیا، کافی دیر کے بعد نکسیر رکی، کاغذات صاف کئے، میں نے سامان سمیٹ کر اندر رکھا، علامہ صاحب اکثر نکسیر بند ہونے کے بعد مخمور ہو جاتے تھے اور آپ کو نیند آتی تھی۔ علامہ صاحب اندر لیٹ گئے میں نے اجازت طلب کی تو آپ نے اشارے سے اجازت مرحمت فرما دی، میں واپس آ گیا، عشاء کی نماز پڑھ کر میں اپنے کمرے میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں پرچی پر میری قیام گاہ کا اڈریس لکھے مجھے تلاش کرتا ہوا پہنچا، اس وقت ابھی موبائل فون کی سہولت عام نہیں ہوئی تھی۔ اس آدمی نے مجھے پیغام دیا کہ علامہ خالد محمود نے آپ کا پتہ دیا تھا اور فرمایا کہ مولوی عبدالجبار سلفی کو کہو فوراً میرے پاس پہنچے، چنانچہ میں اپنے ایک دوست محمد شہباز کے ہمراہ سنت نگر پہنچا۔ علامہ صاحب مجھے دیکھتے ہی رضائی سے نکل کر بیٹھ گئے اور فرمایا الحمد للہ الحمد للہ آپ آ گئے، اچھا ہوا کہ آپ آ گئے، پھر فرمایا کہ میں نے شدت تکلیف کی وجہ سے ہاتھ اٹھایا تھا جو آپ کے منہ پر لگ گیا تھا، ''آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔'' یہ الفاظ سن کر مجھے یوں لگا جیسے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک رہی ہے۔ حضرت آپ کیا فرما رہے ہیں؟ علامہ صاحب نے اس دوران چارپائی سے پاؤں

نیچے لٹکا لیے تو میں زمین پر علامہ صاحب کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میں نے جب دیکھا حضرت علامہ صاحب بڑی تکلیف میں ہیں اور انہیں یہ احساس بے چین کئے ہوئے ہے کہ میرا ہاتھ اس کے منہ پر لگا ہے تو میں نے فوراً علامہ صاحب کی دل جوئی کے لیے کہا: ''حضرت آپ کو تسامح ہو رہا ہے۔ آپ کا ہاتھ تو میرے منہ پر لگا ہی نہیں تھا''۔ میری یہ بات سن کر علامہ صاحب فوراً مسرت کے انداز میں بولے: ''اچھا الحمد للہ الحمد للہ! میں کافی پریشان تھا کہ شاید آپ کو میرے ہاتھ سے تکلیف پہنچی، اب میں بالکل مطمئن ہوں اور سکون سے آرام کروں گا۔ اپنے دل پر پتھر کی سل رکھ کر یہ واقعہ میں نے حوالۂ قرطاس کیا ہے ؎

کہاں تک رازِ دل افشاء نہ کرتا
مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

علامہ صاحب کا شغفِ صوم وصلوٰۃ

اس دوران مجھے علامہ صاحب کی پابندی نماز، اہتمام تلاوت اور خصوصاً با جماعت نماز کے شوق نے بہت متاثر کیا۔ جماعت کا وقت جونہی قریب ہوتا تو نہایت پھرتی سے کھڑے ہو جاتے تھے اور قریبی مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا فرماتے۔ اور یہ اہتمام زندگی کی آخری نماز تک جوں کا توں رہا۔ فرماتے تھے سجدے کا مزہ تو زمین پر ہی آتا ہے۔ میں نے صحت کے دنوں میں بھی اور شدید علالت وضعف کے دنوں میں بھی علامہ صاحب کے ساتھ با جماعت نمازیں پڑھی ہیں۔ ڈیفنس میں جب کرنل محمد سلیم صاحب کے ہاں مقیم ہوتے تو کسی نہ کسی مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں کے ایک امام مسجد بندہ کو ملے تو انہوں نے واقعہ سنایا کہ علامہ صاحب ہمارے ہاں کسی کے ساتھ گاڑی پر مسجد آتے تھے۔ اور با جماعت نماز پڑھتے تھے۔ ایک دن میں نے قہوہ پینے کی دعوت دی تو قبول کرتے ہوئے فرمایا قہوہ تیار ہے یا بنانا ہے؟ میں نے کہا بنانا ہے، فرمایا گاڑی والے سے کہو کہ میرے لکھنے کا سامان مجھے پہنچا دیں۔ تاکہ قہوہ بننے تک وقت ضائع نہ ہو اور میں کچھ نہ کچھ لکھ لوں۔ زرد رنگ کی ایک تسبیح پر عموماً صبح کی نماز کے بعد اوراد پڑھتے ہوئے بہت بھلے لگتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فارسی ترجمہ والے قرآن مجید کے نسخہ پر تلاوت فرماتے تھے اور کبھی تفسیر عثمانی والے نسخہ پر بھی کرتے تھے۔ علامہ صاحب کو جس کسی نے وضو کرتے دیکھا ہے، بشرطیکہ اس نے بغور اس عمل کا جائزہ بھی لیا ہو تو وہ ضرور تائید کرے گا کہ علامہ صاحب وضو میں بہت لطف لیتے تھے اور دوران وضو مختلف دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ فرماتے تھے نماز اللہ تعالیٰ کی جانب سے واقعی بہت بڑا تحفہ ہے مگر یہ وضو بھی کوئی کم درجہ کی نعمت نہیں ہے؟ اسی طرح علامہ صاحب کو میں نے مکان پر اور دو تین مرتبہ سفروں میں نماز تہجد پڑھتے دیکھا ہے۔ اور نماز تہجد کے قیام، قرأت اور سجدوں میں علامہ صاحب کہیں اور ہی نظر آتے تھے۔ نوافل پڑھنے کے بعد بچوں کی طرح بلک بلک کر اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں مناجاتیں کیا کرتے تھے، یہ مناظر کوئی سنے سنائے نہیں، بچشم خود دیکھے ہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ میں نے علامہ صاحب کو بہت متقی پایا ہے۔ (دیکھیے: ۱/۵۶۳ تا ۵۶۵ [ادارہ])

اسی طرح رمضان المبارک کے روزے کسی حال میں قضاء کرنے کے روادار نہ تھے اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جس ماہ رمضان المبارک میں حضرت کا انتقال ہوا، اہل خانہ اور خدام کے مطابق پیرانہ سالی، شدید ضعف اور بخاری کیفیت میں بھی

کوئی روزہ قضا نہ کیا۔

چھوٹوں پر علامہ صاحب کی شفقت بہت مثالی ہوا کرتی تھی۔ اور سنتوں کا اکرام واہتمام تو بڑا ہی دلکش تھا، فرماتے تھے صحابہ کرامؓ کو اللہ نے چنا ہی اس لیے تھا کہ وہ میرے محبوب ﷺ کی اداؤں کو نوٹ کر کے آگے امت تک پہنچا دیں۔ فرماتے تھے آپ نے کبھی غور کیا کہ اخبار، یا کوئی کتاب پڑھتے ہوئے لوگ ہل ہل کر نہیں پڑھتے مگر جونہی قرآن مجید کی تلاوت شروع ہوتی ہے تو تلاوت کرنے والے ہلنے لگ جاتے ہیں اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ جب جبریل امین وحی لاتے تھے تو نبی ﷺ بھول جانے کے خطرہ سے جلدی جلدی ہل ہل کر یاد فرمایا کرتے تھے تو اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی اس ادا کو بھی امت میں جاری فرما دیا اسی طرح اکابر واسلاف کے تذکار سے ایک عجب سی حلاوت پیدا کر دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ، اہل بیت رسول میں سے سیدنا حضرت امام حسنؓ، فقہاء کرام میں امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، صوفیہ کرام میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، خاندان شاہ ولی اللہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، اور اکابرین دارالعلوم دیوبند میں سے حضرت الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقیؒ لکھنوی نیز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ معاصرین میں سے قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ پر بجان ودل فدا تھے اور فرماتے تھے: قاضی صاحب جیسا کام کوئی کر دکھائے تو مانیں، اسی طرح حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ کا ذکر آنے پر میں نے علامہ صاحب کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ تنظیم اہل سنت کے تمام اکابرین سردار احمد خاں پتافیؒ، حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ اور مولانا دوست محمد قریشیؒ کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔

سوال: (۷) علامہ صاحب نے اپنے خاندان، اساتذہ اور سلسلہ ہائے تعلیم کے متعلق کوئی بات ارشاد فرمائی ہو تو بتائیے۔

جواب: میرے دوسرے مضمون میں مکمل احوال موجود ہیں، جن میں سے اکثر علامہ صاحب سے میں سوالات کیا کرتا تھا اور حضرت علامہ صاحب جو جوابات دیتے، میں لکھ لیا کرتا تھا۔ وہاں تفصیلات ملاحظہ کر لی جائیں۔

سوال: (۸) علامہ صاحب کی زندگی کی کوئی اہم بات جو آپ کو بہت عجیب بھی لگی ہو؟

جواب: علامہ صاحب سوتے میں بہت اونچے اونچے خراٹے لیتے تھے۔ فرماتے تھے یہ میری مرض نہیں، بلکہ عادت ہے اور علامہ صاحب کا خراٹوں کے دوران بازو اوپر کو اٹھ جاتا تھا جو خراٹے کی آواز کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ نیچے کو آتا تھا۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب خواب میں تقریر بھی شروع کر دیتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ شہادتِ حضرت عثمانؓ کے متعلق کچھ بول سنے تھے۔ جو خواب میں مع خراٹے علامہ صاحب بیان فرما رہے تھے، یہ بات میرے لیے ایک حیران کن چیز ہے۔ (دیکھیے: ۱/۷۵۴)

شیعیت کا لفظی معنی، علامہ صاحب کے سمجھانے پر مولانا حق نواز جھنگویؒ بہت خوش ہوئے

علامہ صاحب نے ایک یہ واقعہ سنایا تھا کہ جب نئی نئی سپاہ صحابہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور ملک کے طول وعرض میں مولانا حق نواز صاحب جھنگویؒ کے طوفانی دورے اور بڑے بڑے جلسے ہو رہے تھے تو ایک مرتبہ (غالباً چنیوٹ) کے علاقہ میں مجھ سے پہلے مولانا

جھنگوی شہیدؒ خطاب فرما رہے تھے، انہوں نے خطاب کے آخر میں لوگوں کو اپنی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی اور کہا کہ دفاع صحابہ کرام پر جو کام آج ہم نے شروع کیا ہے، اس نہج پر پہلے نہیں ہوا، جب جلسہ ختم ہوا تو وہ میرے پاس تشریف لائے، ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا علامہ صاحب کوئی نصیحت فرما دیں۔ میں نے کہا اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ میں ایک مصروف ترین آدمی ہوں نہ میں مفصل کتابیں پڑھ سکتا ہوں نہ آپ کی طویل تقریریں سن سکتا ہوں، مجھے شیعیت کا یک لفظی مفہوم بتا دیں کہ شیعیت کسے کہتے ہیں؟ تو آپ کیا کہیں گے؟ یہ سن کر مولانا حق نواز شہید نے فرمایا کہ یہ بھی آپ ہی بتا دیں! علامہ صاحب فرماتے تھے میں نے کہا ''شیعیت کا معنی ہے امت کو پہلوں سے جدا کرنا۔'' تو جھنگوی صاحب کو میرے ان الفاظ پر وجد آ گیا اور وہ واہ واہ کی داد دینے لگے، میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا ہے کہ تحفظ ناموس صحابہ کرامؓ پر امت سوئی رہی اور اب آ کر ہم نے بیداری پیدا کی ہے تو آپ سے پہلے ہم تنظیم اہل سنت کے اسٹیج سے کیا کرتے رہے؟ مولانا قاضی مظہر حسینؒ تین چار نسلوں سے یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، اسی طرح علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت اور ان سے پہلے خاندان حضرت شاہ ولی اللہ اور ان سے پہلے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ تک سب کے سب یہی کام تو کرتے رہے۔ تو ایک لحاظ سے آپ بھی امت کو پہلوں سے کاٹ رہے ہیں گویا تھوڑی سی شیعیت آپ کے اندر بھی موجود ہے۔ کیونکہ آپ بھی تو پہلوں سے امت کو بدظن کر رہے ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۱۳۱......۲/۶۹......۲/۴۷۴ [ادارہ])

یہ سن کر مولانا حق نواز شہید کو احساس ہوا کہ واقعی یہ مجھ سے سبقتِ لسانی ہوئی ہے۔ انہوں نے وعدہ فرمایا کہ آئندہ میں ایسے الفاظ سے اجتناب کروں گا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا حق نواز کے اخلاص و جرأت مندی میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، فرماتے تھے کہ ان کا ایک وصف لائق تعریف تھا کہ اس قدر جوشیلی اور ولولہ انگیز تقریریں کرنے کے باوجود ان کی تقریر میں کوئی سطحی یا غیر اخلاقی بات نہیں ہوتی تھی۔ وگرنہ جوش میں انسان سے ایسے کلمات کا صدور بھی ہو جاتا ہے جو نازیبا ہوتے ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ جب مولانا حق نواز شہیدؒ نے جھنگ میں بریلوی عالم مولانا محمد اشرف سیالوی سے مناظرہ کیا تھا تو یہ ۱۹۷۹ء کا دور تھا۔ جھنگوی صاحب کی اپنے موضوع پر گرفت تو تھی مگر وہ فن مناظرہ کی باریکیوں سے واقف نہیں تھے جبکہ مدمقابل مناظر اس میدان کے پرانے شناور تھے تو انہوں نے فنی موشگافیوں سے جھنگوی صاحب کے حق میں نسبتاً کمزور دلائل رکھنے کا فیصلہ منصفین سے کروا لیا، بعد میں جھنگ کے بعض دیوبندی علماء نے، جو مولانا حق نواز سے حسد رکھتے تھے ایک پروپیگنڈا مہم شروع کر دی کہ انہوں نے فیصلہ کیوں مانا ہے؟ مولانا شہید نے مجھے کہا کہ علامہ صاحب آپ ان کا کوئی علاج کر دیجیے۔ انہوں نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چنانچہ جھنگ میں کسی مقام پر میری تقریر تھی تو میں نے پہلے ہی سے جھنگوی صاحب کو کہہ دیا تھا کہ آپ میری تقریر کے دوران اسٹیج پر آ کر بیٹھ جائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، جھنگ شہر کے اکثر علماء اسٹیج پر موجود تھے تو میں نے کہا کہ ابھی جو مولانا حق نواز صاحب نے مناظرے میں فیصلہ مانا ہے تو کچھ لوگ مولانا کے مخالف ہو گئے ہیں، حالانکہ مولانا تو تحکیم والے ہیں۔ اور تحکیم والے فیصلوں کو مان ہی لیا کرتے ہیں، اگرچہ بعد میں پھر آزمائشیں آ جاتی ہیں اور اختلافات نئے سرے سے رونما ہو جاتے

ہیں۔ میرا اشارہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کے مشاجرات میں حکمین کی جانب تھا، جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کی جانب سے تھے جبکہ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے حکم بنائے گئے تھے۔ اور ایک وثیقہ تحکیم لکھا گیا تھا جس کی سترہ شقیں تھیں اور اس کی رُو سے ماہ رمضان المبارک ۳۷ھ میں فریقین نے دومۃ الجندل کے مقام پر اکٹھے ہونا تھا، اور حضرت علیؓ نے حکمین کے فیصلے کو قبول فرمالیا تھا، مگر واپس جاتے ہوئے کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کردی کہ ہمیں یہ فیصلہ منظور نہیں، پھر اسی بغاوت سے ''خوارج'' نے جنم لیا۔ بعد میں روافض نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مکار اور دھوکے باز کے طور پر مشہور کردیا جبکہ خارجیوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو سادہ لوح، بزدل اور کمزور رائے رکھنے والا مشہور کیا، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے شہر والوں سے کہا کہ مولانا حق نواز تو علی والے ہیں جو حکمین کے فیصلے کو قبول کرچکے، اب ان کی مخالفت کرنے والے کیوں خارجیوں کی راہ پر چل رہے ہیں؟ بس پھر کیا تھا پورے شہر کی فضاء بدل گئی۔ اور مولانا حق نواز شہید مجھے بعد میں کہا کرتے تھے علامہ صاحب آپ نے تو علماء کرام کے دلوں سے کانٹے نکال کر رکھ دیئے ہیں۔ اب وہ سکون میں ہیں اور میرے خلاف بدخوئی نہیں کرتے۔

علامہ صاحب کی بصیرت کا ایک یادگار واقعہ

محمد حنیف شاہد رامپوری ایک معروف نعت خوان تھے اور اس سلسلہ میں انگلینڈ میں بھی جلسوں پر مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جلسہ میں وہ نظم پڑھ رہے تھے۔ میں اور علامہ صاحب مسجد سے ملحقہ کمرے میں موجود تھے جہاں لاؤڈ اسپیکر کی صاف آواز آرہی تھی۔ نظم پڑھتے ہوئے رامپوری صاحب نے مزاحاً کہا کہ اب جو میں مصرع پڑھنے لگا ہوں، اگر انگلینڈ میں پڑھتا تو پونڈوں کی بارش ہوجاتی۔ لوگ ہنس رہے تھے۔ یہ سنتے ہی علامہ صاحب بہت پریشان ہوگئے اور بار بار کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) پڑھنے کے بعد مجھے فرمایا کہ یہ صاحب ایسی باتیں ہر جگہ کرتے ہوں گے یا صرف یہیں پر ہی کی ہے؟ میں نے کہا حضرت عام طور پر یہ حضرات ہر جگہ ہی ہنسنے ہنسانے والی باتیں کرلیا کرتے ہیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا ''یہ بندہ کہیں قتل نہ ہوجائے''۔ فرمایا کہ پاکستان جیسے معاشرہ میں جہاں لوگ کام چور اور مادیت پرستی میں بڑھے ہوئے ہیں، وہاں ایسی باتیں کرنے سے بھتہ خور لوگ متوجہ ہوجاتے ہیں کہ ان کے پاس تو بڑے پیسے ہیں، چنانچہ وہ ان سے رقم کی ڈیمانڈ کریں گے اور جب یہ ان کی ڈیمانڈ پوری نہ کرسکیں گے تو ان کا چراغِ حیات گُل کردیں گے۔ یہ بات سن کر میں نے دل میں سوچا کہ ہمارے علامہ صاحب بھی بادشاہ انسان ہیں، اور ایک ایسا تفکر لے کر بیٹھ گئے ہیں کہ شاید اس کا نام ونشان بھی نہیں، مگر پھر ہم نے کیا، پورے ملک نے دیکھا کہ اس کے چند ماہ بعد بھتہ خوروں نے گوجرانوالہ کے اندر حنیف شاہد رامپوری کو نہایت سفا کی کے ساتھ شہید کردیا۔ علامہ صاحب بعض اوقات اپنی دوراندیشی اور فراست پر مبنی ایسی پیشنگوئیاں کیا کرتے تھے جو اکثر وبیشتر پوری ہوتی دیکھی گئی ہیں۔

''امام المنافقین'' کہاں چلے گئے؟

ایک مرتبہ میں علامہ صاحب کے مکان میں بیٹھا ہوا کسی کتاب کے پروف پڑھ رہا تھا کہ ایک قاری صاحب علامہ صاحب سے

ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائے، وہ کسی مسجد میں امام تھے اور علیک سلیک کے بعد اپنے مقتدیوں کے گلے شکوے شروع کردیئے اور بار باران الفاظ کو دہرایا کہ حضرت جی یقین کیجیے، میری مسجد کے سارے مقتدی بہت ہی منافق ہیں، علامہ صاحب کا مزاج اس قسم کے جلے کٹے شکوے بطور نقل سننے کا بھی نہ تھا۔ خیر، علامہ صاحب سنتے رہے اور بعض اوقات اپنی آنکھیں بند فرما لیتے۔ اس دوران علامہ صاحب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ امام صاحب بیت الخلاء میں داخل ہوگئے، علامہ صاحب جب کمرے سے نکل کر واپس آئے تو فرمایا ''وہ امام المنافقین کہاں چلے گئے۔'' اس برجستگی اور حسب تواضع تبصرہ کرنے پر ہم ہنس رہے تھے، جبکہ علامہ صاحب نے فرمایا کہ ائمہ مساجد، وارثین منبر ومحراب اور علماء کرام کو ایسے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں، فرمایا کہ علماء کرام طبیب ہیں جبکہ عوام روحانی امراض کا شکار ہیں، تو اطباء کو اپنے مریضوں کے امراض اُچھالنے کی بجائے ان کی شفاء یابی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیے۔ بعد میں حضرت علامہ صاحب نے انہیں بہت شفقت سے سمجھایا، جس سے ہمیں بھی بہت فائدہ ہوا۔

اتنی بھیڑوں میں ایک مینڈھا بھی تو ہونا چاہیے

علامہ صاحبؒ فرماتے تھے ایک زمانہ تھا کہ ہم آزادانہ اپنے مخالفین کے ساتھ فکر ونظر کا تبادلہ کیا کرتے تھے مگر برداشت اس قدر تھی کہ ہاتھا پائی یا لڑائی فساد تو درکنار زبان سے بھی ایک دوسرے کے خلاف لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ سنایا کہ جب میں سیالکوٹ سے ایم اے او کالج میں بطور پروفیسر ٹرانسفر ہو کر آیا اور پھر لاہور میں ہی اقامت اختیار کرلی تو میو ہسپتال سے متصل ایک عیسائی آبادی میں عیسائیوں کا مذہبی پروگرام تھا، میں اپنے کسی کام کے سلسلہ میں وہاں گیا اور مذہبی تقریب دیکھی تو خواہش پیدا ہوئی کہ ان کا یہ نظم دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ میں چرچ میں داخل ہوگیا۔ وہاں عیسائی قطاریں بنا کر کھڑے تھے اور ان کا ایک پادری ہر ایک کے پاس جا کر سوال کرتا تھا کہ '' آپ کون ہیں؟'' آگے سے جواب ملتا ''میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کھوئی ہوئی بھیڑ ہوں''۔ وہ ہر ایک سے یہ سوال کرتا اور مذکورہ جواب لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بھی پچھلی قطار میں آ کر کھڑا ہوگیا، جب وہ پادری ہماری قطار میں آیا تو حسب ضابطہ مجھ سے پوچھا '' آپ کون ہیں؟''۔ میں نے جواب دیا ''میں ایک محمدی مینڈھا ہوں''۔ پادری نے خلاف توقع یہ جواب سنا تو سمجھ تو گیا یہ کوئی مسلمان ہے، اس نے مجھ سے کہا یہ عیسائیوں کی تقریب ہے آپ کیا جواب دے رہے ہیں، میں نے کہا پادری صاحب ''اتنی ساری بھیڑوں میں کوئی مینڈھا بھی تو ہونا چاہیے''۔

سوال: (۹) علامہ صاحب کی وفات کی خبر سن کر آپ کی قلبی کیفیات کیا تھیں؟

جواب: مانچسٹر سے جب مجھے علامہ صاحب کی وفات کی خبر ملی تو یوں محسوس ہوا جیسے حقیقی والد فوت ہوگئے ہوں، علامہ صاحب کی بے پناہ شفقتیں جو بھول چکی تھیں، خبر وفات کے ساتھ وہ پھر سے تازہ ہو کر میرے دماغ میں گھومنے لگیں۔ پاکستان سے جو جو احباب فون کرتے تو از سر نو رونے کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور صبح سے رات گئے تک وہ سارا دن علامہ صاحب کی یادوں میں روتے گزر گیا۔ اسی کیفیت میں مَیں نے امیر تحریک خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر مدظلہٗ کو فون پر

خبر دی تو ان کی بھی ہچکی بندھ گئی اور فرمایا، آج والد گرامی حضرت ؒ کی نشانی دنیا سے اٹھ گئی۔ ہم یہاں غم واندوہ میں گھل رہے تھے مگر حضرت علامہ صاحب کا جسد بہشت ہزاروں میل ہم سے دور تھا، نہ ہم آخری دیدار کر سکتے تھے اور نہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو سکتے۔ البتہ آج کے جدید مواصلاتی نظام سے فائدہ اٹھایا، اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا محمد اقبال صاحب رنگونی دامت برکاتہم کو، کہ انہوں نے وٹس ایپ پر لحمہ بہ لحمہ براہِ راست جنازے اور تدفین کے مناظر دکھائے۔ اور میں یہاں ہزاروں میل دور بیٹھ کر اس شخصیت کو قبر میں اترتے ہوئے دیکھ رہا تھا، جس کی صحبتوں میں بیٹھ کر آنے والا لطف آج تک بے مزہ نہ ہوا۔ علامہ صاحب ؒ کے قریبی خدام جانتے ہیں کہ علامہ صاحب پاکستان سے واپس جاتے ہوئے جب بھی آخری ملاقات کرتے تو مجھے اپنے سینے سے لگا کر رویا کرتے تھے۔ اور جب کبھی میں کوئی اپنی پریشانی ذکر کرتا تو فرماتے تھے ہم آپ کی کمر نہیں لگنے دیں گے، آپ ہمارے ہی تو ہیں۔ آہ! علامہ صاحب! آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔ ہر آنے والے دن میں آپ کی یادیں اور آپ کی باتیں پہلے سے بڑھ کر ہمیں رلائیں گی اور تڑپائیں گی۔ کیونکہ میرے والد گرامیؒ نے بچپن میں مجھے کہا تھا: ''جب آپ بڑے ہوں گے تو پتہ چلے گا کہ علامہ صاحب کا مقام کیا ہے۔'' ...... یا اللہ! ہمارے علامہ صاحب کو خُلد بریں میں صحابہ کرامؓ کے قدموں میں راحت نصیب فرما اور جس طرح اس فانی زندگی میں تو نے ہمیں اپنے اُس مقبول بندے کا قرب عطا فرمایا تھا، جنت میں بھی ان کی معیت نصیب فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل، کبھی ایسی تو نہ تھی
لے گیا چھین کے کون آج میرا صبر و قرار
بے قراری مجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

☆......☆......☆......☆

مولانا ابومحمد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

یادوں کے چند منتشر اوراق

غالباً ۱۹۹۰ء میں ملتان کی کسی تنظیم نے جناح ہال گھنٹہ گھر میں خلیفۂ بلافصل صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمات کے حوالے سے سیمینار کا انعقاد کیا تھا، جس میں حضرت الاستاذ علامہ خالد محمودؒ بطور مہمان خصوصی مدعو کیے گئے تھے، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، علامہ تشریف لائے، مائیک پر جلوہ افروز ہوئے، حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی، مختصر خطبہ پڑھا اور مشہور حدیث ''**بنی الاسلام علٰی خمسٍ**'' کی تلاوت فرما کر گفتگو کا آغاز فرمایا تو سامعین کو جھٹکا سا لگا کہ اس حدیث کا زیر بحث موضوع سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ اور علامہ صاحب اس سے کیا استنباط فرمائیں گے؟ لیکن علامہ تو پھر علامہ تھے، انہوں نے اہلِ علم کے چہروں کو چند لمحوں میں پڑھا، ہلکا سا مسکرائے اور پھر حدیث پر گفتگو شروع کی تو ان کی زبانِ حق ترجمان سے گلِ لالہ کی برسات شروع ہوگئی۔ وہ فرمارہے تھے: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور وارثانِ پیغمبر یعنی علماءِ اُمت کے نزدیک ان پانچوں چیزوں کی بنیاد صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

فرمایا: اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اللہ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) استطاعت کی صورت میں حج کرنا۔ اب دیکھئے کہ توحید اور رسالت کا عقیدہ اسلام کی بنیاد میں اول نمبر پر ہے اور عرب کے معاشرے میں، آزاد مردوں میں اس عقیدے کو سب سے پہلے قبول کرنے والے، اس کے سب سے پہلے اور بنیادی گواہ، اس عقیدے کے پہلے مبلغ نیز اس عقیدے کی خاطر مار کھانے اور کفار کا تشدد برداشت کرنے والے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، (اس پر حضرت نے باقاعدہ مثالیں پیش کیں)۔

پھر فرمایا: اسلام کی بنیاد میں دوسری چیز نماز ہے، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نماز اس قدر بلند معیار کی تھی کہ آپ وہ واحد انسان ہیں جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں، اپنے مصلے پر، اپنے تمام مقتدیوں اور اپنے تمام اصحاب کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، چنانچہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کی تعمیل میں حیاتِ نبوی میں کم از کم سترہ نمازیں پڑھائیں اور یہ اتنا بڑا اعزاز تھا کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کرتے وقت آپ کے استحقاقِ خلافت کی دلیل کے طور پر فرمایا کہ آپ ہی وہی ہستی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے نماز کا امام بنایا ہے تو کیوں نہ ہم آپ کو دنیا کے تمام امور میں اپنا امام بنائیں۔

اسلام کی بنیاد میں تیسری چیز زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے مسئلے پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد منکرین کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی، اور اس مسئلے پر آپ کا جوش وجذبہ اس قدر عروج پر تھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے منع کرنے پر آپ برہم ہو گئے اور فرمایا: **"اینقص الدین و أنا حی ؟"** ''دین میں کمی واقع ہو جائے اور میں زندہ رہوں؟''۔

اسلام کی بنیاد میں چوتھی چیز رمضان المبارک کے روزے ہیں اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمت میں سب سے پہلے روزہ دار ہیں۔

اور فرمایا کہ اسلام کی بنیاد میں پانچویں چیز حج ہے، اسلام کے اس اہم رکن میں آپؓ کی کاملیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حج فرض ہونے کے بعد ۹ رہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حج کے موقع پر صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور دیگر صحابہ کرام کو اُن کے ماتحت رہ کر حج ادا کرنے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۃ توبہ کی آیات دے کر بھیجا تو اُن کو یہ حکم بھی فرمایا کہ آپ نے صرف آیات پڑھ کر سنانی ہیں اور حج صدیقِ اکبر کی امارت اور امامت میں ادا کرنا ہے۔

حضرت علامہ صاحب کی یہ بالکل اچھوتی اور مبنی بر حقائق تشریح سن کر حاضرین اَش اَش کر اٹھے، گفتگو تسلسل کے ساتھ جاری تھی، آپ احکامِ اسلام میں سے ایک ایک حکم کو اٹھاتے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے ساتھ گہرا تعلق ثابت کرتے چلے جا رہے تھے، جہادی خدمات کے حوالے سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت مسلّم ہے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے نتائج کی پروا کیے بغیر منکرینِ زکوٰۃ اور منکرینِ ختمِ نبوت کے خلاف نہ صرف جہاد کیا بلکہ مسیلمہ کذاب کے فتنے کو نیست و نابود کر ڈالا۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کے حوالے سے فرمایا کہ اس کا تحفظ تمام خلفاء راشدینؓ میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ قرآن کے حوالے سے فرمایا کہ اسلام کے تمام تر احکام و تعلیمات کی اوّلین بنیاد قرآن ہے اور قرآن کی جمع و تدوین کے متعلق صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کا انکار کسی بدترین جاہل سے ہی ممکن ہے۔

الغرض گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بیان میں اپنے موضوع پر حضرت علامہؒ نے اس قدر مفصل مدلل اور سیر حاصل گفتگو فرمائی کہ ایسی گفتگو نہ پہلے کسی سے سنی اور نہ بعد میں سننے کو ملی۔ پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا علامہ صاحب سے ہماری دلچسپی بڑھتی گئی، کیونکہ علامہ کی ہر تقریر ہی ایسی ہوا کرتی تھی، آپ کا ایک ایک جملہ علم و ذہانت میں گندھا ہوتا اور آپ کی تقریر کے دوران اہلِ ذوق سامعین کو گویا اپنا دامن پھیلا کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی ہر تقریر اور ہر گفتگو کا بیشتر حصہ کتابی نہیں وہبی ہوتا تھا۔ نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی میں حضرت علامہ اپنی مثال آپ تھے اور بلا مبالغہ آپ اس مقام و مرتبہ کے شخص تھے کہ صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ دنیا کے جس جس خطے میں اُردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے وہاں دین و مذہب کے پاسداران میں علم الکلام کی دنیا میں کوئی آپ کا ثانی دکھائی نہیں دیتا۔

راقم الحروف کو ۱۹۹۶ء میں حضرت علامہؒ سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جہاں دورہ حدیث کے طلبہ کو

مؤطا امام مالک پڑھانے کے لیے آپ ہر سال برطانیہ سے چند ماہ کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ دورانِ سبق معمول یہ تھا کہ کوئی ایک طالب علم عبارت پڑھتا اور حضرت علامہ صاحب حسبِ ضرورت حدیث کی تشریح فرماتے تھے اور وہ تشریح بعض اوقات فقط چند الفاظ پر مشتمل ہوتی تو گویا کوزے میں دریا بند ہو جاتا، جبکہ کبھی صرفی نحوی مباحث سے لے کر تصوف و تاریخ اور فرقِ باطلہ کے مختلف مسائل ومعاملات زیرِ بحث آ جاتے تو پھر آپ کی علمی اور مطالعاتی زندگی کے پرت کھلتے چلے جاتے۔ سبق کے اختتام پر طلبہ کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا تو حضرت علامہ صاحب بڑی بشاشت کے ساتھ ان کے جوابات مرحمت فرماتے، یہ مرحلہ نہایت دلچسپ ہوتا تھا، ایک دن میں نے ایک سوال پیش کیا: ''استاذ جی کیا واقعی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناراض ہوگئی تھیں اور تا دمِ آخر ترک کلام کر دیا تھا؟

یہ چٹ پڑھی تو طلبہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ سوال کس نے کیا ہے؟ میں نے ہاتھ کھڑا کیا، تو فرمانے لگے کہ اب مکمل توجہ کے ساتھ اس سوال کا جواب سمجھ لیجئے۔ فرمایا: ''مولوی صاحب! بی بی صاحبہ خلیفۃ الرسولؐ سے ناراض کیوں ہوتیں؟ کیا پورے ذخیرۂ حدیث میں بی بی صاحبہ کی زبان مبارک سے کہیں ایک جملہ بھی اس بارے میں ملتا ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں؟ عرض کیا: جی نہیں۔ فرمایا: دیکھئے! کسی سے ناراض ہونا کسی بھی انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے اور اس کے اظہار کے لیے دو میں سے ایک چیز کا ہونا بہرصورت لازمی ہے (۱) زبان سے اظہار (۲) چہرے کے تاثرات سے اظہار۔ یعنی جب تک ناراض ہونے والا خود اپنی زبان سے اظہار واقرار نہ کرے کسی دوسرے شخص کو کیسے خبر ہوسکتی ہے کہ یہ فلاں سے ناراض ہے؟ مثلاً میں اگر آپ سے ناراض ہو جاؤں تو آپ بتائیں کہ کسی اور تیسرے شخص کو کیسے پتہ چلے گا کہ میں آپ سے ناراض ہوں؟ ظاہر ہے کہ اس کے لیے میرا زبانی یا تحریری بیان ہونا لازمی ہے، اور میرا بیان ہی اس سلسلے میں معتبر ہوگا، نیز جب تک میں بیان نہ دوں کسی اور کا اپنی طرف سے یہ کہنا کہ ''علامہ صاحب اپنے فلاں شاگرد سے ناراض ہیں'' بالکل غلط ہوگا اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ عجیب بات ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں سیّدہ رضی اللہ عنہا کا کوئی دو لفظی بیان بھی موجود نہیں جس میں سیّدہؓ نے خود فرمایا ہو کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوں، پھر بھی صدیوں سے اس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ پھر فرمایا: ''آپ یہ بتائیں کہ بی بی صاحبہ جب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئی ہوں گی تو انہوں نے خلیفۃ الرسولؐ سے پردہ کیا ہوگا یا نہیں کیا ہوگا؟ عرض کیا: جی ضرور کیا ہوگا۔ فرمایا: اب سمجھئے کہ بی بی صاحبہ پردے میں تھیں اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حدیث سنائی، جس پر راوی کے بقول بی بی صاحبہ ناراض ہوگئیں تو بتایئے کیا بی بی صاحبہ نے کہیں خود بیان کیا کہ میں ناراض ہوں؟ ہرگز نہیں! جب بی بی صاحبہ کا اپنا ذاتی بیان اس معاملے میں کہیں بھی موجود نہیں تو یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ بی بی صاحبہ ناراض ہوگئیں؟ جبکہ بی بی صاحبہ پردے میں تھیں۔ نہ انہیں صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا نہ ہی کسی اور شخص نے، تو کیسے پتہ چلا کہ بی بی صاحبہ ناراض ہوئی ہیں۔ انسان کسی سے ناراض ہوتا ہے تو خود بیان کرتا ہے اور جتنا بھی حوصلے اور ہمت والا انسان ہو اپنے غصے کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہی بیان کرتا ہے، یا موقع پر موجود لوگ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ کرتے ہیں۔ بی بی

صاحبہ نے اپنی زبان مبارک سے خود کچھ بھی فرمایا نہیں، اور پردے میں ہونے کے سبب کسی نے ان کے چہرۂ مقدس کے اثرات دیکھے نہیں، بلاشبہ بی بی صاحبہ کو تو نبیؐ و علیؓ کے علاوہ کسی مرد نے دیکھا بھی نہیں، تو یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ بی بی صاحبہ ناراض تھیں؟ یہ دعویٰ بلا دلیل ہوا، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھر فرمایا: حدیث میں ''**غضبت فاطمة**'' کے الفاظ محض راوی کا ادراج ہے، جب تک بی بی صاحبہ کے قول و فعل سے اس امر کی تصدیق نہ ہو اس وقت تک اس بیان کو درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ ایسے ہی یہ کہنا کہ ''پھر بی بی صاحبہ آخر تک دم صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے نہیں بولیں''...... یہ بات صرف ان معنوں میں درست معلوم ہوتی ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی صاحبہ کے لیے غیر محرم تھے اور غیر محرم سے بی بی صاحبہ کا بولنا بنتا بھی نہیں! ...... لہٰذا معترضین کی بنائی ہوئی ساری کہانی باطل ثابت ہوتی ہے''۔ (دیکھیے: ۲/۲۳۵......۲/۳۹۰۔ [ادارہ])

یہ تھے ہمارے علامہ صاحبؒ، اور بلاشبہ تقابلِ ادیان اور ردِّ فرقِ باطلہ میں آپ کو اس قدر اختصاص حاصل تھا کہ بڑے بڑے جبال العلم کی نظریں آپ کی طرف اٹھتی تھیں، جو اپنی اُلجھنوں کو سلجھانے کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے اور اسرار و حِکَم سے اپنی جھولیاں بھرا کرتے تھے۔ یہودیت و عیسائیت اور مرزائیت و رافضیت پر آپ کو یکساں عبور حاصل تھا، زندگی میں بے شمار بار اِن مذاہب کے مربیوں اور پیشواؤں سے گفتگو ہوتی، مگر جب علامہ بولے تو "**فبهت الذی کفر**" کا نقشہ سامنے آ گیا، بالخصوص مرزائی مبلغین کو میدانِ مناظرہ میں حضرت علامہؒ نے جس ذلت و رُسوائی سے دوچار کیا وہ تحفظِ ختم نبوت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، آپ بلاشبہ امام المتکلمین اور رئیس المناظرین کے منصب پر فائز تھے، مناظرانہ گفتگو کے دوران آپ کا صرف دماغ ہی نہیں دل بھی مکمل طور پر بیدار ہوتا، آپ اپنے حریف پر برقِ صاعقہ بن کر ٹوٹتے اور اپنے استدلال سے باطل کے خرمن کو پھونک ڈالتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کے محاذ پر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ، رافضیت کے محاذ پر حضرت الاستاذ علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ اور ان سے قبل علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ بھی روافض کے خلاف مناظروں میں انہیں بطور معاون اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

قدرت نے آپ کو جو علمی استحضار عطا فرمایا وہ قابلِ رشک تھا، بڑھاپے میں عموماً جب انسان کے قوائے جسمانی زندگی بھر کے سفر کے بعد مضمحل ہو جاتے ہیں تو دماغی صلاحیتیں بھی ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہیں، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ علامہ صاحب پر اللہ کا خاص کرم تھا کہ ان کا حافظہ آخر تک مکمل بیدار اور علمی استحضار جوں کا توں برقرار رہا، **ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء!**

حضرت علامہ صاحبؒ زبان و قلم دونوں میدانوں کے شاہسوار تھے، تفسیر و حدیث، فقہ و علم الکلام، تصوف و مناظرہ اور ردّ فرقِ باطلہ پر آپ کی تصنیفات بلاشبہ بہت بڑا علمی ذخیرہ ہیں اور اپنے طرزِ استدلال کی بناء پر اہلِ علم کے لیے ان کی ایک ایک سطر گراں قدر تحفہ ہے، انہوں نے ختمِ نبوت اور تحفظِ ناموسِ صحابہؓ کی تحریکوں کی علمی طور پر آبیاری اور پشتیبانی کی، منکرینِ ختم نبوت اور دشمنانِ صحابہؓ کے رَد میں مفصل اور مدلل تحریروں کے ڈھیر لگا دیئے، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید علیہ الرحمہ کے

قومی اسمبلی میں پیش کردہ ناموسِ صحابہ بل کی حمایت میں شاندار مضامین لکھے، اور سرگودھا کے شیعی مصنف بشیر حسین کی کتاب ''معیارِ صحابیت'' کے جواب میں ''معیارِ صحابیت''، ہی کے عنوان سے معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس میں چودہ صدیوں کے اکابر اور اَسلافِ اُمت کے اقوال اور تشریحات کے ذریعہ سے ناموسِ صحابہؓ کی بنیاد مضبوط کی، اس بناء پر قائدینِ اہل سنت آپ کے انتہائی قدردان تھے۔(۱)

حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہما اللہ ہمیشہ آپ کی مدح سرائی کرتے تھے، یہ دونوں حضرات اپنے تحریکی مزاج کی بناء پر سراپا تحریک تھے اور حضرت علامہ صاحب اُن کو تحریکی نوعیت کے مشورے دیا کرتے تھے، یہ حضرات جب بھی برطانیہ کے دورے پر جاتے تو علامہ صاحب ان کے لیے چشم براہ ہوتے اور جب علامہ پاکستان آتے تو یہ دونوں حضرات آپ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے۔ اس وجہ سے خوب بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ غالباً ۱۹۹۸ء میں جب مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ اڈیالہ جیل راولپنڈی میں قید تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو کمرۂ ملاقات میں خوب محفل جمی اور مولانا شہید رحمہ اللہ نے حضرت علامہؒ کے لطائف سے محفل کو کشتِ زعفران بنائے رکھا۔ علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ کے مزاج پر علمیت غالب تھی، وہ بھی حضرت علامہؒ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اُن کی خواہش اور اصرار پر آپ کئی بار جامعہ حیدریہ تشریف لائے اور تخصص کے طلباء کو اسباق پڑھائے۔ غالباً ایک بار جب آپ تشریف نہ لا سکے تو ختم بخاری کے موقعہ پر برطانیہ سے صحیح البخاری کی آخری حدیث کا سبق آن لائن پڑھایا۔(۲) حضرت حیدری شہید رحمہ اللہ، حضرت علامہؒ کے سبق کے دوران شاگردوں کی صف میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے۔ عجز و انکسار اور تواضع کی حد تھی کہ کئی بار حضرت علامہؒ کے جوتے تک اٹھا لئے۔ یہاں بھی محبت شدید اور دو طرفہ تھی، حضرت حیدری رحمہ اللہ نے ۱۷ اگست ۲۰۰۹ء کی رات جامِ شہادت نوش کیا تو علامہؒ بہت روئے اور حضرت حیدریؒ کی شہادت کو علمی دنیا کا بہت بڑا نقصان قرار دیا۔

ناموسِ صحابہؓ کا کام کرنے والوں پر حضرت علامہؒ کی خصوصی نظرِ شفقت تھی۔ الحمدللہ! بندۂ ناچیز بھی انہی خوش نصیبوں میں شامل ہے۔ لاہور میں حضرت علامہؒ کے خادم خاص میرے عزیز دوست نوجوان خطیب حضرت مولانا مفتی ظہیر احمد ظہیر حفظہ اللہ اس معاملے کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت علامہؒ نے انہیں میرے سامنے بطورِ خاص ناموسِ صحابہؓ سے متعلق میری تمام تالیفات کی فہرست فراہم کر کے اپنے کاغذات میں رکھنے کا حکم فرمایا، جبکہ میں نے ''تاریخِ شیعیت'' سمیت اپنی متعدد کتب حضرت علامہ کو خود پیش کی تھیں، اور ''تاریخ شیعیت'' کو جب حضرت علامہؒ دیکھ رہے تھے، میں اس وقت کے ان کے تاثرات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

---

(۱) کتاب ''معیارِ صحابیت'' کے تعارف کے لیے دیکھیے مولانا عمر فرید کا مضمون: ۱/۱۷۶۔[ادارہ]

(۲) ''صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس'' کے نام سے یہ بیان مطبوعہ ہے۔ دیکھیے: ۱/۵۵۷۔[ادارہ]

مارچ ۲۰۱۹ء میں علامہ لاہور تشریف لائے تو میں متعدد بار زیارت اور ملاقات کی غرض سے جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا اور ایک دو بار مؤطا امام مالک کے سبق میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی، علامہ ان دنوں بہت بوڑھے ہو چکے تھے، ضعف اُن پر غالب تھا لیکن بخدا اُن کے چہرے پر نورانیت اپنے جلوے بکھیر رہی تھی۔ جامعہ کے طلبہ آپ سے والہانہ پیار کرتے اور جہاں آپ تشریف فرما ہوتے وہاں شمع کے گرد پروانوں کی طرح طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ الحمدللہ! دینی طلبہ کی یہ خصوصیت ہے کہ استاذ کو والد سے بڑھ کر احترام دیتے ہیں اور جب استاذ صاحب ضعیف العمری کو پہنچ جائیں تو گویا انہیں اپنے ہاتھوں پر اٹھائے رکھتے ہیں۔ دنیاوی وعصری علوم کی درسگاہوں میں استاد اور شاگرد کا رشتہ برائے نام ہوتا ہے، استاد کی بے توقیری عام ہو چکی ہے، حتیٰ کہ شاگردوں کی طرف سے انہیں مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنانے کے واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ بہرحال جامعہ کے طلبہ نے حضرت علامہ کی خوب خدمت کی، ہمارے پیارے دوست مفتی ظہیر احمد ظہیر صاحب کو بھی شرفِ خدمت نصیب ہوا، جب علامہ صاحب پاکستان تشریف لاتے تو خود کو اُن کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کاملہ کے ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے مالا مال فرمائے۔

۵/مارچ ۲۰۱۹ء کو راقم اپنی تالیف ''سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' پر تقریظ کی غرض سے حضرت علامہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہ میری آخری ملاقات ثابت ہوئی، حضرت علامہ ضعف کے سبب تقریظ لکھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اور ہم نے بھی ان کو تکلیف سے بچانے کے لیے پلاننگ کر لی تھی، اللہ تعالیٰ مفتی ظہیر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے حضرت علامہ کے پہلو میں مجھے کرسی فراہم کی، حضرت علامہؒ نے میری کتاب کا کمپوز شدہ مسودہ ملاحظہ کیا، اسے الٹ پلٹ کر مختلف مقامات سے کچھ دیر گہری نظر سے دیکھا۔ پھر فرمایا: ''مشاجرات والا باب دکھاؤ''۔ میں نے ارشاد کی تعمیل کی، حضرتؒ نے جمل وصفین کے واقعات اور ''حدیثِ فئہ باغیہ'' کی تشریحات غور سے ملاحظہ فرمائیں، چہرے پر تبسم کھیل رہا تھا، اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے کلماتِ تحسین لبوں سے پھولوں کی مانند جھڑ رہے تھے۔ دورۂ حدیث کے بیسیوں طلبہ کے علاوہ تین نامور علماء، مناظر اسلام علامہ عبدالغفار ذہبی، حضرت مولانا عبدالجبار سلفی اور حضرت مفتی ظہیر احمد ظہیر اس موقع پر موجود تھے، اسی دوران دورۂ حدیث کے طلبہ نے کافی تعداد میں اَسناد کا ڈھیر لا کر حضرت کے سامنے رکھ دیا، یہ طلباء ان اَسناد پر علامہؒ کے دستخط لینا چاہ رہے تھے۔ حضرت علامہؒ نے اَسناد کی طرف توجہ مبذول فرمائی تو میں نے ان کے وہ الفاظ جو کتاب کے بارے میں انہوں نے فرمائے تھے، مربوط انداز میں لکھنا شروع کر دیے۔ آپ اسناد کے معاملے سے فارغ ہو کر میری تحریر کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے وہ صفحہ سامنے رکھ دیا، حضرت نے بغور اس کا مطالعہ فرمایا اور اس چند سطری مضمون میں مزید چند الفاظ کا اضافہ فرما کر نیچے اپنے دستخط فرما دیے، جوں ہی حضرت نے دستخط فرمائے تو حاضرینِ مجلس کی طرف سے میرے لیے مبارکباد کا شور اُٹھا، علامہ عبدالغفار ذہبی بھی کتاب پر تقریظ لینے کے لیے آئے تھے، انہوں نے بھی ایسے ہی کیا، اور ان کا بھی کام بن گیا۔ علامہؒ کے مزاج شناس جانتے ہیں کہ یہ مرحلہ انتہائی مشکل تھا کہ اگر لکھنے سے معذوری ظاہر فرما دیتے تو اُن سے ایک لفظ بھی لکھوانا ممکن نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نہایت آسانی کے

ساتھ اس مسئلہ کو حل کروا دیا۔ **فلِلّٰہ الحمد حمداً کثیراً**

حضرت علامہؒ نے میری کتاب پر جو تحریر ثبت فرمائی اسے میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر کے اجازت چاہوں گا، ملاحظہ فرمایئے:

''عزیز مکرم مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی فاضل جامعہ اشرفیہ، جو میرے بھی عزیز تلامذہ میں سے ہیں، کی تالیف ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کو مختلف مقامات سے دیکھا، طبیعت از حد مسرور ہوئی، موصوف نے جمہور علماءِ اہل سنت کے مسلک اعتدال کی احسن پیرائے میں ترجمانی کی ہے۔ اس سے قبل موصوف حضرات خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر کتابیں تالیف فرما چکے ہیں، اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت پر ایک جامع کتاب تالیف فرما کر اور چوتھے خلیفہ راشد کو پہلے تین راشدین سے مِلا کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔

میں ان کے حق میں دعا گو ہوں اور ان کی تائید و توثیق کرتا ہوں۔ اللہ رب ذوالجلال ان کی تمام تحریرات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

واللّٰہ اعلم وعلمہٗ اتم وأحکم.

خالد محمود عفی عنہ نزیل جامعہ اشرفیہ، لاہور''

گرامی قدر قارئین! یہ الفاظ میرا سرمایہ اور میری سند ہیں، ویسے بھی میری سند حدیث متعدد اکابر علماء کے علاوہ حضرت علامہؒ کے دستخطوں سے مزین ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مجھ ناچیز کو اُن اکابر کے علوم کی اشاعت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

اللّٰھم صل علیٰ سیّدنا محمّدٍ وبارک وسلم.

ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

۱۱۔۸۔۲۰۲۰ء

مولانا ظہیر احمد ظہیر، چکوال

آہ! حضرت علامہ صاحب

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل اُن میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

عالم تو سبھی عالم ہیں، مگر ان میں علامہ تو ایک ہی تھے، امام اہل سنت، مخدومنا ومرشدنا، شیخ التفسیر والحدیث، سلطان العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن ایک نادرروزگار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی تقریر اور بیانات کا رنگ بالکل جداگانہ تھا۔ اللہ رب العزت نے افہام وتفہیم کا ایک خاص ملکہ آپ کو عطا کیا تھا۔ فرقہائے باطلہ کے رد میں عرب وعجم میں اس علمی قد کی مالک کوئی شخصیت موجود نہیں تھی۔

قادیانیوں کے منجھے ہوئے پاپی مناظرین ہمیشہ آپ سے منہ کی کھاتے، اور دوبارہ آنے کی ہمت نہ کرتے، اس بارے میں بہت سے محیر العقول واقعات بھی اپنی اپنی جگہ موجود ومشہور ہیں۔ یورپی ممالک بالخصوص امریکہ، برطانیہ اور ساؤتھ افریقہ کے جنگلوں سے لے کر عدالتوں تک قادیانیت کو علمی میدان میں مار بھگانے میں آپ اپنی مثال آپ ہیں، تحفظ عقیدہ ختم نبوت، مطالعہ قادیانیت کے حوالے سے چھوٹے رسائل کے علاوہ چار کتب میں سے ایک کتاب حضرت امیر شریعت کی زندگی میں ان کے فرمانے پہ لکھی تھی، ردقادیانیت میں اندرون وبیرون ملک آپ کی بہت گہری دوستی مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ سے رہی۔

آپ کی امتیازی خصوصیات میں سے اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ قادیانیت کی تردید کے ساتھ رد رافضیت پہ ایک پوری جماعت کا کام تنہا آپ نے کیا ہے۔ ردِرفض کے مورچے پر کھڑے پاکستان میں ہر خطیب، مقرر اور مناظر اور قائد کو آپ کی شاگردی پہ ناز ہے۔

امیر عزیمت مولانا حق جھنگوی شہید، حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید، مولانا محمد اعظم طارق شہید اور حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہم اللہ ہمیشہ آپ کا اعتماد حاصل کر لینا ہی میدان عمل میں اترنے کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ حضرت حیدری شہید عشق کی حد تک علامہ صاحب سے محبت کرتے تھے۔ دفاع صحابہ وتردید رفض پہ آپ کا کام آئندہ کے لیے سند اور مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ ع عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے

سیدی، ومرشدی حضرت علامہ خالد محمود صاحب کہ آج جن کو ''رحمہ اللہ'' کہنے اور لکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، یہ صدمہ بھی ہم نے اپنی زندگیوں میں سننا تھا، کہ اس بے بسی میں ہم سے ہزاروں میل دور ہمارے محبوب یوں جدا ہوں گے، کیا لکھوں اور کیا کہوں سوچیں گم ہوگئی ہیں کہ:

میں نے جتنے بھی لفظ سوچے ہیں
تیرے مقام تیری عظمتوں سے چھوٹے ہیں

حضرت علامہ صاحب کی جدائی پہ اس نقار خانہ خدا میں مخلوق خدا اور محبوبان بارگاہ الٰہی کی زبانوں پہ عجیب تذکرے ہیں۔کسی نے کہا کہ آج اچانک یوں لگا جیسے کوئی بہت ہی روشن چیز دنیا سے اُٹھ گئی ہو، ماحول میں اندھیرا اندھیرا سا لگ رہا ہے، کسی نے کہا کہ آج سنیت یتیم ہوگئی، کسی نے کہا کہ آج عرب وعجم اور یورپ وایشیا کے اس صدی کے سب سے بڑے عالم دین چل بسے، کسی نے کہا کہ اس صدی کا سب سے بڑا مناظر ومحقق رخصت ہوا، قائد محترم مولانا محمد احمد لدھیانوی نے فرمایا کہ: انھیں غزالی زماں اور رازی دوراں، مجدد زمانہ، یا وقت کا شاہ ولی اللہ جو کہو سب بجا ہے، کسی بزرگ نے فرمایا کہ علمی مقام تو حضرت کا مسلم تھا ہی روحانی پرواز ان کی اس سے بھی کہیں زیادہ اونچی تھی، کسی نے کہا کہ تحفظ عقیدہ ختم نبوت کا پشتیبان اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہ کا پاسبان چلا گیا، کسی نے کہا کہ مسلکِ اہل سنت دیوبند کا فخر چلا گیا، کسی نے فرمایا کہ حضرت پر قوتِ حافظہ، حاضر جوابی اور نکتہ رسی بھی ناز کرتی تھی، کسی نے فرمایا فقر اور درویشی کا تاجدار چل بسا، جو کہا جائے سب بجا ہے۔

میرے شیخ رحمہ اللہ کی خدمات کے کئی میدان اور برکات کے کئی دائرے تھے۔ہاں! زمانے کا حافظہ کبھی یاد کرے گا اور مؤرخ لکھے گا کہ پاکستان کی عدالتوں اور پارلیمنٹ سے لے کر برطانیہ، افریقہ، امریکہ، سعودی عربیہ کی مملکتوں تک کس نے اپنی نمود ونمائش سے کوسوں دور رہ کر فقر اور درویشی میں دین ومذہب کو کیسے کیسے وقت میں کس طرح سنبھالا دیا جس پہ عیسائیت اور یہودیت، تمام مذاہب پکار اٹھے کہ ہاں یہ ہے امت مسلمہ کا"علامہ وقت"۔

دنیا کے پرستار جب کبھی خواب غفلت سے بیدار ہوں گے تو ڈھونڈیں گے افریقہ اور گھانا کے خوفناک جنگلات میں ختم نبوت کی اذان کس نے دی تھی؟ زمانہ ایک دن خوب سوچے گا کہ کون تھا وہ عظیم شخص کہ جس نے نصف صدی سے زائد پوری دنیا کے اسفار اپنی ایک بوسیدہ قمیص اور ایک پرانی دھوتی میں کیے؟

ارے دنیا والو!! ایک مرد قلندر تھا، علامہ خالد محمود جو انگلینڈ کا شہری ہو کر اپنے جسم پہ جبہ اس لیے زیب تن کیے رکھتا تھا کہ کپڑوں کی بوسیدگی اور سیاہی کے داغ نظر نہ آئیں۔فقر کی شان بھی باقی رہے اور علماء کا مقام بھی رہے۔دین کے سارے شعبوں میں گراں قدر، عہد ساز خدمات کا عظیم تسلسل آپ کی ذات بابرکات تھی، جیسے زندگی بھرپور درویشی میں گزاری، انجام بھی اسی درویشی اور بےنفسی پہ ہوا۔

واہ میرے شیخ صدیوں اور قرنوں کا تجھے سلام، سورج غروب ہو چکا ہے وقت افطار قریب ہے، لیکن بندہ محسوس کر رہا ہے کہ جیسے عالم پھیکا پڑ چکا، دنیا اندھیری ہو چکی، مردوں کی بستی سے شاید زندہ آدمی خدا کے پاس پہنچ گیا، علمی وروحانی دنیا سکتہ کی حالت میں ہے، زمانے کے تیور بدلے محسوس ہو رہے ہیں، زندگی کا مزہ چھن گیا ہے

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پہ مہر مبیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زبان کا زور بیاں گیا ہے

موت العالم موت العالم کی حقیقت آج سمجھ آئی ہے۔**عبارتنا شتی وحسنک واحد،وکل اذاذاک الجمال یشیر** ۔وہ شخص اب یہاں نہیں ملے گا۔وہ شخص اب اک سحر کی صورت، جہاں میں پھیلا ہوا ملے گا۔سوگوار،اپنے مرشد کی جدائی کے غم میں ڈوبا ہوا۔**انا للہ وانا الیہ راجعون،اللھم اغفرلہ وارحمہ،وادخلہ الجنۃ فی الفردوس الاعلیٰ، اللھم لاتفتنا بعدہ ولاتحرمنااجرہ۔**

☆......☆......☆......☆

امام اہل سنت، مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایک عبقری صفت اور ہمہ جہت ہستی تھے۔علمی میدان میں ہر موضوع پر آپ نے بیان کیا اور لکھا ہے۔فرقہائے باطلہ میں سے نومولود فرقوں سے لے کر سن رسیدہ اور بوسیدہ فرقوں تک کون سا ایسا فرقہ ہے کہ جس کی آپ نے اپنے مخصوص انداز میں خبر نہ لی ہو۔آپ محدثین میں محدث،فقہاء میں فقیہ،ادیبوں میں ادیب، خطیبوں میں خطیب، مصنفوں میں مصنف،شعرا میں شاعر،مناظرین میں امام المناظرین، مبلغین میں استاذ المبلغین تھے،بڑی دیر تک اور بڑی دور تک یہ صدائے بازگشت سنائی دیتی رہے گی۔کہ ’’عالم تو بہت ہیں مگر علامہ ایک ہی ہے۔‘‘

اس فقیر کو چند سال حضرت علامہ صاحب کی رفاقت نصیب ہوئی،سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں علم اور حضرت علامہ صاحبؒ کا چولی دامن کا ساتھ دیکھا۔حضرت کے کون کون سے وصف کو بیان کیا جائے،کس کس مجلس کا ذکر کیا جائے اور کون کون سے علم وحکمت کے موتی اور نکات لکھے جائیں، یہ ایک طویل اور ہمہ پہلو عشق ومحبت کی داستان ہے جس پر بارگاہ ایزدی کی خصوصی نصرت کے ساتھ زندگی کے مختلف موڑوں پہ روشنی حاصل کر کے قطرہ قطرہ کر کے شاید کبھی قلزم بنا کر پیش کروں۔ان شاء اللہ۔ سرِ دست چند بے ربط سے واقعات ونکات پیش خدمت ہیں:

ایک اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) خطیب صاحب نے مجھ سے حضرت علامہ صاحبؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، میں انہیں لے کر حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا اور ان کا تعارف کرایا کہ حضرت یہ اہلحدیث عالم اور اچھے خطیب ہیں،شانِ صحابہؓ پر بہت اچھا بیان کرتے ہیں، حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: اچھا، ماشاء اللہ، آپ شانِ صحابہ بیان کرتے ہیں، مثلاً: حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سارا واقعہ آپ اپنے رنگ خطیبانہ میں بیان کرتے ہونگے؟ وہ کہنے لگے: جی! تو حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھوں کی تالی بجاتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب شان عمرؓ ہے اور تراویح کی بیس رکعات کو سنت ماننا یہ مقامِ عمر ہے۔بس یہ فرمانا تھا کہ وہ اہلحدیث عالم تو تڑپیں اور پھڑکیں۔حضرت علامہ صاحبؒ نے ایسے اُن کی نبض پر ہاتھ رکھا کہ ایک نکتہ شان صحابہ کا بیان کرتے اور دوسرا مقام صحابہ کا۔ بہت آسان اور عام فہم لفظوں میں حضرت نے اُن خطیب صاحب کو حجیت صحابہ اور اسلامی معاشرے میں ان کی اتھارٹی یعنی اُن کا قول وفعل سنت ہونا سمجھا دیا۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمانے لگے کہ: **والذین قتلوا فی سبیل اللہ اوماتو. قتلو ا فی سبیل اللہ** میں شہید آ گئے اور **ماتو** اکا مصداق سوائے انبیاء کے اور کون ہوسکتا ہے؟

حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ مماتی طبقہ کسی ایک بات اور ایک موقف پہ قائم نہیں رہتا۔ کبھی جسم مثالی کی اور کبھی حیات برزخی کی بحثیں چھیڑ دیتے ہیں۔ یا تو تقیہ کرتے ہیں یا پھر ان کی سمجھ ہی اتنی ہے۔

مقامِ ولایت:

ہندوستان کے لوگوں کا اولیاء سے محبت کرنا فطری ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کے ہم نے مقام ولایت کے عنوان ہے جو سالانہ جلسوں کا انعقاد کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہندوستان میں جو اسلام آیا ہے وہ اولیاء کے ذریعے سے آیا ہے، علماء بعد میں پہنچے۔ لہٰذا یہاں کی قومیں اولیاء کی مرہون منت ہیں، اس خطے میں جتنا مشکل عنوان ہو اور عقائد کی ساری محنت اولیاء کے عنوان سے آپ بیان کریں گے تو لوگ با آسانی قبول کر لیں گے۔

تبلیغی کام:

تبلیغی جماعت سے متعلق فرمانے لگے کہ جہاں کہیں ان کا کام حدِ اعتدال سے باہر نکل چکا ہے، اس کی وجہ کوئی آپ سے پوچھے تو کیا بتاؤ گے؟ یہ حضرت کی تربیت کا ایک انداز تھا۔ زیرو کو ہیرو بنانا۔ بندہ نے کہا حضرت آپ ہی ارشاد فرمائیں تو جواباً فرمایا کہ ان کو ایک ہی مشورہ دینا ہے کہ ہفتہ بھر کی تعلیم میں تین دن فضائل اعمال کی تعلیم کو دو اور تین دن عقائد اسلام کی تعلیم کو دو۔ بے اعتدالیاں اعتدال میں آ جائیں گی۔ (دیکھیے: ۱/۰۷ ......۵۷ ۲/۳۱۴......۲/۴۱۵۔ [ادارہ])

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ کی انگلستان آمد:

حضرت علامہ صاحبؒ کا ایک مضمون ہے "حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی کی انگلستان آمد" اس میں حضرت علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت قاری پاکستان تشریف لائے تھے اپنے کسی عزیز کو ملنے سیالکوٹ بھی آئے اور مرے کالج سیالکوٹ میں حضرت علامہ صاحبؒ پروفیسر تھے۔ غالباً ۱۹۶۰ء کے زمانے کی بات ہے، حضرت فرماتے تھے کہ میں نے قاری صاحب کو تجویز دی کہ یورپ کو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اسلامی فلسفہ اور عملیات سمجھانے آپ انگلستان کا سفر فرمائیں۔ تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے تو یورپ کی زبان انگریزی نہیں آتی ہے، تو علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت ترجمان ہر زبان کے با آسانی مل جاتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ، حضرت علامہ صاحب کی اس بات سے آمادہ ہوئے۔ بعد ازاں یہ کام پھر حضرت علامہ صاحبؒ سے ہی رب العزت نے لیا کہ یورپ میں پہلی بار حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ علامہ صاحبؒ کی میزبانی میں تشریف لے گئے اور اسلامی اکیڈمی مانچسٹر کی بنیاد رکھی، بیانات بھی فرماتے رہے۔ (دیکھیے: ۱/۲۱۰۔ [ادارہ])

اصلاح:

بندہ ناچیز تقریباً ۶ ؍سال جامعہ ملیہ اسلامیہ شاہدرہ کی جامع مسجد ختم نبوت میں حضرت کے حکم پر شروع میں جمعہ پڑھاتا رہا، حضرت جب پاکستان تشریف لاتے تو جمعہ سے پہلے والا بیان بدستور بندہ کرتا اور بعد نماز جمعہ حضرت مختصر سا خطاب فرماتے۔ ایک دفعہ میں نے تقریر میں شانِ مصطفیٰ پر مشہور شعر پڑھا

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
کسی کے بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

واپسی پر گاڑی میں بیٹھے ہوئے حضرت نے فرمایا: وہ آپ نے تقریر میں جو شعر پڑھا تھا دوبارہ پڑھنا، میں نے پورے اعتماد سے جو پڑھا تو حضرت نے جواباً فرمایا: اب سنو!

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئے نہ
کسی کی بزمِ خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

اس پر واقعتاً میں باوجود ناقص الفہم طالب علم ہونے کے والہانہ انداز میں تڑپ اٹھا۔ ہم جب کبھی واہ واہ اور ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کے الفاظ سے داد دیتے تو حضرت انتہائی انکساری میں بڑی دیر تک خاموش رہتے، سو آج بھی ایسا ہی ہوا۔

دو مجالس:

احباب خدمت گزاری میں مصروف تھے۔ ایک ہمارے پرانے دوست نے باغِ فدک کے متعلق سوال کیا۔ تو حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ یہ بتائیں کہ معترض نے کسی موقع پر سوال کیا ہے؟ تا کہ میں اسی زاویے سے جواب دوں، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ سوال کرنے والے پر آپ کا پہلا سوال یہ ہو۔ اولاً: سیدنا صدیق اکبرؓ نے باغِ فدک جو اپنے پاس رکھا، کیا بحق حکومت رکھا یعنی گورنمنٹ کی تحویل میں تھا یا بحقِ ذاتی ملکیت؟ ثانیاً: یہ کہ سیدہ فاطمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۶ ؍ماہ دنیا میں زندہ رہیں، آپؓ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ دونوں صاحبزادوں حضرات حسنین کریمینؓ اور دونوں صاحبزادیوں حضرت زینبؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کا خرچ کون لیتا تھا؟ خرچ کہاں سے آتا تھا؟ فرمایا: نہج البلاغہ کی جو شرح روافض کے زمانہ جدید کے مجتہد سید علی نقوی (ایرانی) نے کی ہے، اس کی جلد نمبر ۵ ؍ص: ۹۶۰ ؍پر لکھا ہے کہ ان حضرات کا خرچ دورِ صدیقی، فاروقی، عثمانی حتیٰ کہ دور علوی میں بھی فدک کی زمین سے ادا ہوتا رہا۔ یاد رہے کہ فدک والی زمین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین نازک دور میں حضرت علیؓ کے حصہ میں تھی، لیکن اس کے باوجود آپؓ نے اسے بحق ذاتی ملکیت نہ لیا بلکہ بحق گورنمنٹ ہی رہی۔ (دیکھیے: ۲/۲۲۶......۲/۳۹۰۔ [ادارہ])

ثالثاً: یہ کہ صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حصہ نہ دیا تو کیا اپنی بیٹی زوجہ رسولؐ سیدہ عائشہ کو کچھ دیا؟ (کیونکہ زوجہ نبیؐ ہونے کے اعتبار سے وہ بھی حصہ دار بنتی تھیں) جب ان کو بھی نہیں دیا اور یقیناً نہیں دیا تو معلوم ہوا سیدنا صدیق اکبرؓ کے سامنے کوئی اصولی بات تھی حق مارنا نہ تھا۔ اور وہ اُصولی بات کیا تھی کہ نبیوں کی

وراثت مال ومتاع اور اراضی کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ علم کی شکل میں ہوتی ہے۔اس پر شیعہ یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ قرآن مجید کے حوالے سے حضرت داوٗدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ٹھہرے، اس اعتراض کا جواب یہ ہوگا کہ یہاں بھی مراد وراثت علمی ہی ہے نہ کہ وراثت مالی، ورنہ حضرت داوٗدؑ کے اور فرزند بھی تھے، صرف سلیمانؑ کو قرآن نے کیوں وارث کہا؟ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ حضرت داوٗدؑ کی وراثت علمی آتی ہے۔

شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر:

حضرت علامہ صاحبؒ زندگی کو پر تعیش رکھنے کی بجائے سادہ رکھنے کی بہت تلقین فرماتے اور عملاً اس پر کاربند فرماتے تھے۔ایک مجلس میں اس کے متعلق بہت قیمتی نصائح ارشاد فرمائیں۔ مسلمان خصوصاً نوجوان کی زندگی بوجھ والی نہیں ہونی چاہیے بلکہ بالکل سادہ زندگی ہو۔ایسا نہ ہو کہ آسانیوں اور آسائشوں میں پلا بڑھا ہوا، بعض مواقع پہ زندگی مشکل اور نا قابلِ برداشت ہو جائے، اس ضمن میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے متعلق فرمایا کہ سخت دھوپ میں مسجد کے صحن میں دوڑ لگانے کی مشق فرماتے کہ جب کہیں ایسا دور آجائے تو مجھے اس سے نمٹنے کے لیے دوڑ دھوپ میں ماہر ہونا چاہیے۔فرمایا کہ: ہندوستان میں جو پہلا مسلمان آیا اور جس نے سندھ میں اول قدم رکھا وہ محمد بن قاسمؒ تھا۔ ہندو راجاؤں سے ٹکر لی اور ہندوؤں، راجاؤں پر فتح پالی۔ بعد ازاں محمد بن قاسمؒ نے تمام ریاستوں کے وزیروں اور سرداروں کی دعوت کی، دعوت میں بالکل سادہ سا کھانا کھلایا، لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں کیں، مخبروں نے محمد بن قاسم تک یہ بات پہنچائی۔ محمد بن قاسمؒ نے ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ سب کی دعوت کی اب کی بار بھرپور دعوت کا اہتمام کیا۔آخر میں محمد بن قاسمؒ نے مدعوین سے خطاب کیا اور فرمایا کہ جو کھانا ایک ہفتہ پہلے تھا وہ فاتح اور بہادر قوموں کا کھانا تھا۔ اور جو کھانا آج تم نے کھایا ہے یہ محکوموں اور غلاموں کا کھانا ہے۔اس کو علامہ اقبالؒ نے کہا کہ حضرت نے فرمایا میری بات کا حاصل یہ شعر ہے

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر سناں اول، طاؤس و رباب آخر

قوموں کی فتح کا نشان سادہ زندگی میں ہے، مشکلات کو ثابت قدمی سے برداشت کرنا فاتح قوموں کا شیوہ ہے۔اور رقص وسرود، ناچ گانا، تکلفات، نزاکت والی زندگی محکوم اور مغلوب قوموں کا نشان ہے۔اس ضمن میں حضرت علامہ صاحبؒ نے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا

تیرے صوفے ہیں افرنگی، تیرے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تَن آسانی

کھانے پینے، شادی، خوشی، غمی، مہمان نوازی کے ہر ہر عمل اور نمود ونمائش کر کے آج کل ہم اسے فخر اور اعزاز کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

نوید مسعود ہاشمی، روزنامہ اوصاف اسلام آباد

علم وفضل، زہد وتقویٰ کے خورشید جہاں تاب

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نور اللہ مرقدہ علم وفضل، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے ایسے خورشید جہاں تاب تھے کہ جو مانچسٹر میں ''غروب'' ہونے کے باوجود آج بھی پاکستان و ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف ''طلوع'' بلکہ علم وفضل کی کرنوں سے روشنی بکھیر رہے ہیں۔ بے شک موت کا ذائقہ ہر جاندار نے چکھنا ہے۔ موت حضرت اقدس علامہ خالد محمود صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کو بھی اُن کے عشاق سے چھین کے لے گئی۔ لیکن اُن کے علمی کارنامے اُن کی اسلامی خدمات بعد والوں کے لیے وہ مینارۂ نور ہیں کہ جنہیں نہ کوئی چھین سکتا ہے، نہ مٹا سکتا ہے اور نہ ہی بھلا سکتا ہے۔ جی ہاں وہ ۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو قصور میں پیدا ہوئے، لیکن پلے بڑھے اپنے آبائی شہر امرتسر میں، یوں کسی نے قصوری لکھا، کسی نے امرتسری لکھا، کسی نے کہا سیالکوٹی اور کسی نے لاہوری، کوئی لکھتا رہا مانچسٹر اور لندن، لیکن علم وفضل، زہد وتقویٰ کی کوئی سرحد تھوڑی ہوتی ہے کہ جسے کسی شہر، صوبے یا ملک کا پابند بنا دیا جائے؟ وہ تو پھر خورشید جہاں تاب تھے۔ اس لیے آپ کی علمی کرنوں نے مشرق ومغرب کے اہل دل مسلمانوں کو خوب متاثر کیا۔

میں نے اُن کا نام سب سے پہلے اپنے والد محترم حضرت اقدس مولانا قاری مقبول الٰہی ہاشمی حفظہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے سنا، تب میں گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں چھٹی کلاس کا طالب علم تھا۔ وہ جامعہ رشیدیہ تشریف لا رہے تھے۔ ابا جی حفظہ اللہ اس خاکسار کو بھی اُن کا خطاب سنوانے کے لیے اپنے ہمراہ جامعہ رشیدیہ لے گئے، اُن کے خطاب کا انداز مصلحانہ، مشفقانہ، متحملانہ، مدلل، پرمغز اور ادب کی چاشنی سے بھرپور ہوتا تھا۔

مجھ سے اگر کوئی سوال کرے کہ ''اعتدال'' کس کا نام ہے؟ تو میں یقین سے جواب دوں گا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کا۔ وہ واقعی اعتدال پسندی اور بردباری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ ورنہ گرجا و چرچ، مسجد و مدرسہ اور عرب وعجم کی علمی دانش گاہوں تک یکساں رسائی کوئی معمولی بات تو نہ تھی؟ آپ کو اگر علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ کہہ دیا جائے تو زیادہ درست ہوگا، اسلام کے خلاف جس فتنے نے بھی سر اُٹھایا آپ دلائل وبراہین کی تلوار سے لیس ہو کر اُس کی سرکوبی کے لیے ہمہ وقت تیار ہوتے۔

حضرت اقدس علامہ خالد محمود صاحبؒ نے ۹۷ رسال عمر پائی۔ لیکن اس حیات مستعار میں آپ نے بے شمار انسانوں کو شرک وبدعت اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید وسنت کے علم سے روشن راستوں پر چلایا۔ مسئلہ توحید ہو، تحفظ ختم نبوتؐ ہو، دفاع صحابہؓ ہو، شعائر اسلام ہوں یا مشاہیر اسلام، آپ نے ان کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ پرور کو للکارا۔

آج کی نوجوان نسل اُن کے کارناموں اور اسلامی خدمات سے کس قدر واقف ہے۔ یہ تو میں نہیں جانتا، لیکن آنے والی

نسلوں کے لیے اُن کے کارنامے مشعلِ راہ رہیں گے، قصور، امرتسر، لاہور، سیالکوٹ، مانچسٹر اور پھر وہاں سے دنیا کے مختلف ممالک میں دعوت وتبلیغ اور علم وعرفان کی سرگرمیاں جاری رکھنا یہ سب اُن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم تھا۔

مجھے زندگی میں اُن کے دو خطاب سننے کا موقع ملا، یقین مانیں فرقہ باطلہ کے خلاف آپ کا عالمانہ اور مناظرانہ انداز تو تھا ہی مگر آپ مجاہدانہ دبنگ انداز اپناتے ہوئے بھی دیر نہ لگاتے، میں یہاں پر روایتی طریقہ وتحریر کو چھوڑتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ جن مدارس اور تعلیمی اداروں کے بھی فارغ التحصیل تھے۔ انہوں نے جن جن اساتذہ وشیوخ سے بھی تعلیم حاصل کی، وہ سب کے سب سربلند اور عظمتوں کے مینار تھے۔ یہ اُنہیں تعلیم گاہوں، درسگاہوں، سربلند علماء کرام، اساتذہ اور شیوخ کا فیض تھا کہ آپ اپنی زندگی میں ایسا مینارہ نور ثابت ہوئے کہ جس کی روشنی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عشاق رسول ﷺ تک پہنچی، آپ حق گو، اور حق پرست عالم دین تھے۔ آپ کی حق گوئی کی وجہ سے جو آپ سے ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اصل میں حق میں تاثیر ہی ایسی ہے کہ جو حق پہچان لے۔ پھر دنیا بھر کی رنگینیاں اس کو پھیکی نظر آنے لگتی ہیں ''حق'' کے نظارے کے بعد کوئی حُسن اس کی نگاہوں میں نہیں جچتا، وہ جہاں بھی ہو، جس حال میں بھی ہو، وہی ایک سال اور ایک دُھن اُس پر سوار رہتی ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ تو علماء حق کی شان اور پہچان تھے۔

14 مئی کو یہ خاکسار کراچی میں تھا۔ کراچی سمیت ملک بھر بلکہ دنیا بھر میں کورونا وباء کا غلغلہ تھا۔ فضاء پر افسردگی طاری تھی۔ مساجد میں نمازیں ادا کرنے اور جمعۃ المبارک کی ادائیگی پر بھی پابندیاں عائد تھیں۔ تبلیغی جماعت والوں کو پکڑ پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ہر چند کہ کورونا وباء ایران سے درآمد کر کے پاکستان میں پھیلائی گئی تھی۔ لیکن سندھ کا متعصب وزیراعلیٰ مراد علی شاہ اس موذی وباء کو پھیلانے کا الزام بھی تبلیغی جماعت پر تھوپ رہا تھا۔ ایسے میں اسلام آباد سے ایک دوست کا فون آیا۔ اُس نے بتایا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ وفات پا گئے ہیں۔ تو دل پر برق سی گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس لیے نہیں کہ میرا حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے کوئی ذاتی تعلق تھا۔ بلکہ اس لیے کہ میرے نزدیک حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ اسلام کے وہ بطل جلیل تھے کہ جن کی زندگی مسلمانوں کے لیے ایک سہارا تھی۔

وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ دشمنان دین جن کے دلائل و براھین سے خوفزدہ رہتے تھے۔ جنہوں نے اپنی زبان اور قلم کے ذریعے اسلام کی سرحدات پر ہمیشہ سربکف پہریداری کا فریضہ سرانجام دیا۔

وہ دنیا بھر میں اسلام کے غیر متنازعہ وکیل اور پاکستان کے سرکاری مراعات کے بغیر سفیر تھے۔ قادیانیت ہو یا رضاخانیت، یہودیت ہو یا عیسائیت ہو یا الحاد پرست شیطانی قوتیں، دلائل کی دنیا میں آپ نے سب کا ہی ناطقہ بند کیے رکھا، میرا حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے ذاتی تعارف تو نہ بن سکا، جس کا آج بھی قلق ہے، بقول نوح ناروی مرحوم۔

رودادِ شوق و شرح محبت نہ پوچھیے
بس جان جائیے میری حسرت نہ پوچھیے

کیوں کر بسر ہوئی شبِ فُرقت نہ پوچھیے
سب مجھ سے پوچھیے یہ مصیبت نہ پوچھیے
کعبہ یہی ہے، دِہر یہی، طور بھی یہی
اس بے دلی سے دل کی حقیقت نہ پوچھیے

☆......☆......☆......☆

ضیاء المحسن طیب

ایک عہد تمام ہوا،علم وادب کا بحر کراں رخصت ہوا

بچھڑا کچھ اس طرح سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

انھوں نے زندگانی ایک جہد مسلسل کی طرح گذاری، بیماری، کبرسنی، بڑھاپا، اس نے کسی کو اپنے مشن میں رکاوٹ نہ بننے دیا، جب بھی اُن کو کسی نے پکارا، اُن کو حاضر پایا، ہر مسئلے اور سوال کا جواب اُن کے پاس موجود تھا، وہ علم کے ایک احد پہاڑ تھے، تمام علوم ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے، بات کی تہہ تک پہنچنا ان کا کمال تھا، وہ ایک عجیب نکتہ داں تھے، جب وہ کوئی نکتہ بیان کرتے تو بڑے بڑے علماء داد دیئے بغیر نہ رہتے، واہ واہ علامہ صاحب واہ علامہ صاحب! کی آوازیں ہر طرف گونج اٹھتیں، وہ اپنے علمی نکات سے علما کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے، اور سامعین اپنی انگلیاں اپنے منہ میں ڈال کر کہتے عہد حاضر نے اس سے بڑا عالم نہیں دیکھا، انھیں تمام علوم پر یکساں دسترس حاصل تھی، قرآن' حدیث' فقہ' منطق' فلسفہ' قانون سب انھیں ازبر تھا، وہ ایک محدث' مفسر' استاذ' شیخ' مناظر اور راہ نما تھے، وہ ہر میدان میں کھڑے نظر آئے، ہر میدان کے شہسوار، ہر میدان میں فاتح، عظیم اسلامی جرنیل خالد بن ولید کی طرح انھیں کسی محاذ میں ناکامی اور شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، وہ جس میدان میں بھی اترے کامیابی اور کامرانی نے ان کے قدم چومے، اللہ نے انھیں کیا علم اور حافظہ دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں انھیں دیں تو پھر وہ واپس نہیں لیں، آخری لمحے تک ان کا علم تازہ اور حافظہ برقرار تھا۔

امام اہل سنت ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ اسلاف کی آخری نشانی تھے، ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو سکے گا، اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ۔آمین ۔اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مریدین' متوسلین' لواحقین اور مداحوں کو جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائے۔آمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالستار معاویہ، حاصل پور

آہ! علامہ خالد محمودؒ

علامہ صاحب کی وفات کا علم ہوا تو ماضی کی یادوں میں کھو گیا، حضرت کی تقاریر سننے کا شرف قریباً پچاس برس حاصل رہا۔ ان کے علمی نکات سن کر میں ہی نہیں وقت کے جیّد علماء بھی حیران ہو جاتے تھے۔ حضرت کے علمی نکات علماء کی تقاریر بنتیں، وہ طویل علمی ابحاث کو قلیل وقت میں سمیٹنا جانتے تھے۔ میں نے حسب توفیق مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وقت گزارا، مولانا بھی علامہ صاحب کے نکات سے لطف اندوز ہوتے۔

مولانا قاضی مظہر حسین اکابر کا مسلک ہی پیش کرتے ہیں:

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی طرح ایک نقّاد عالمِ دین تھے، وہ مسلک کے بارے میں کسی بھی رو رعایت کے قائل نہ تھے، جن دِنوں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کا اختلاف چل رہا تھا، میں کافی پریشان تھا۔ اچانک علامہ صاحب کا ہمارے علاقہ میں آنا ہوا تو میں نے علامہ صاحبؒ سے اس اختلاف کے متعلق سوال کیا، تو علامہ صاحب نے جواب دیا کہ: ''حضرت قاضی صاحبؒ اپنی تو کوئی بات کرتے ہی نہیں، وہ تو اکابر کا ہی مسلک پیش کرتے ہیں۔ میں نے خود تائید میں کئی قسطوں میں مضمون لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کے حق دار چار یار ہی ہیں پانچ نہیں۔'' (دیکھیے: ۱/۶۴۳) وقتاً فوقتاً علامہ صاحب کی نزدیک و دُور صحبتیں نصیب رہیں تاوقتیکہ حضرت برطانیہ تشریف لے گئے۔ حضرت کے برطانیہ تشریف لے جانے کے بعد نیٹ کے ذریعے حضرت کے بیانات حاصل کر کے دل کو تسکین پہنچاتا۔

اب سے تقریباً اڑھائی برس قبل پتہ چلا کہ علامہ صاحب لاہور تشریف لائے ہیں تو میں اپنی مصروفیات ترک کر کے جامعہ اشرفیہ پہنچا، علماء موجود تھے، علمی سلسلے رواں دواں تھے۔ ہم نے بھی خوب استفادہ کیا۔

۲۰۱۸ء میں برادرم مولانا عبدالرحیم چاریاری نے بندہ سے فرمایا کہ: حضرت علامہ صاحب سے خصوصی ملاقات کے لیے وقت لے دیں، آپ نے بھی ساتھ چلنا ہے۔ چنانچہ علامہ صاحب کے خادم کے ذریعہ ہم نے فون پر وقت لیا، مقررہ تاریخ کو بندہ فیصل آباد پہنچا، وہاں سے مولانا عبدالرحیم کے ہمراہ لاہور گیا، سمن آباد کی نورانی مسجد میں علامہ صاحب کا بیان تھا، ہم بھی وہاں حاضر ہوئے، بیان کے بعد حضرت واپسی کے لیے گاڑی میں تشریف فرما ہوئے تو مولانا عبدالرحیم میری طرف دیکھنے لگے، جیسے پوچھ رہے ہوں کہ: ملاقات کہاں ہوگی؟ میں نے فوراً حضرتؒ کے اُن خادم کو فون کیا، وہ میرے پاس ہی موجود تھے، لیکن چہرے سے شناسائی نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی پہچان نہ ہوسکی۔

خیر انھوں نے حضرتؒ سے بات کی، حضرت نے مولانا عبدالرحیم کو اپنی گاڑی میں بٹھالیا، علامہ صاحب اگلی نشست پر

تھے، اور مولانا عبدالرحیم پچھلی سیٹ پر۔ تقریباً ایک گھنٹہ وہیں گاڑی میں ملاقات جاری رہی۔ امید ہے مولانا عبدالرحیم صاحب اپنے مضمون میں علامہ صاحب کے ارشادات وواقعات سے ہمیں مستفید فرمائیں گے۔ (دیکھیے: ۵۸۳/۲ [ادارہ])

ممّاتی فتنہ کی تردید میں علامہ صاحب کی اولیت:

مجھے اکابر علماء دیوبند کی کتب پڑھنے کا شوق بچپن سے ہی تھا، جب عنایت اللہ شاہ صاحب نے علماء اہل سنت دیوبند کے متفقہ مسلک کے خلاف توحید کے نام پر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی نئی بنیاد رکھی اور ان کے لوگوں نے المہنّد پر دستخط کرنے والوں کو قرآن کا مخالف کہا تو سب سے پہلے حضرت علامہ صاحب نے کتاب ''مقامِ حیات'' لکھ کر اِس فتنہ کی سرکوبی کی۔ اس کے بعد ملک کے جیّد علماء نے یہ ذمہ داری امامِ اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے سپرد کی۔ انہوں نے ''تسکین الصدور'' کے نام سے نہایت علمی انداز میں ایسا جواب دیا جو لاجواب تھا۔ جس پر اُس وقت کے جیّد علماء نے اپنی تقاریر لکھ کر خراجِ تحسین پیش کیا۔

اکابر کا مسلک ومشرب اور اصلاح مفاہیم کے بارے میں علامہ صاحب کی رائے:

آج سے پچیس تیس سال قبل جب ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی رسالہ سامنے آیا تو حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحبؒ نے مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مرحوم کو خط لکھ کر سمجھایا۔ (دیکھیے: تجلیاتِ صفدر جلد اول [ادارہ])

پھر کچھ عرصہ بعد مکی علوی کی کتاب ''مفاہیم'' کی شائع ہوئی اس سے اہل سنت کے مسلمہ عقائد میں دراڑیں پڑنے لگیں تو اِس کے سدِّ باب میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ، ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ، مفتی عبدالستارؒ، مفتی عبدالشکور ترمذیؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مفتی تقی عثمانی مدظلہ وغیرہ نے اہم کردار ادا کیا۔ (دیکھیے کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'')

بعد میں جب ہماری نظریں مولانا الیاس گھمن کی طرف لگیں تو اُن سے امید تھی (بلکہ ہمیں تو یقین تھا) کہ وہ بھی اپنے اکابر خصوصاً حضرت اوکاڑوی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حق کو اُجاگر کر کے سُرخرو ہونگے، مگر میں اُس وقت نہایت مایوس ہوا جب ایک نجی محفل میں ہمارے ایک ساتھی نے مولانا گھمن سے ''مفاہیم'' نامی کتاب کے متعلق اُن کی رائے دریافت کی تو مولانا نے اپنی رائے بتلانے کے بجائے برانگیختہ ہو کر کہا کہ: ''مولانا عبدالرزاق سکندر سے بھی آپ نے پوچھا ہے؟ اُن کی تقریظ بھی اُس کتاب پر موجود ہے!'' ہم خاموش ہوگئے۔ (اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ مولانا اسکندر بھی اپنی تقریظ سے رجوع کر چکے ہیں۔)

پھر ایک مرتبہ ہم علامہ صاحبؒ کے پاس موجود تھے تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ہمارے ملک میں ''مفاہیم'' نامی کتاب مختلف فیہ بنی ہوئی ہے، آپ ہی کچھ ارشاد فرمائیں! تو فرمایا: ''بھئی! میں نے ابھی تک دو مضمون پڑھے ہیں: ایک مفتی عبدالواحد صاحبؒ کا اور دوسرا مفتی عبدالستار صاحب کا، میں دونوں کی مکمل تائید کرتا ہوں۔'' (دیکھیے: ۵۸۴/۲ [ادارہ]) میں نے کہا: علامہ صاحب! (مولانا الیاس گھمن کہتے ہیں کہ:) ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب کی تقریظ بھی مفاہیم پر موجود ہے! تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ: مولانا الیاس گھمن صاحب متحرک لوگوں میں سے ہیں۔ اُن کو تو چاہیے کہ توجہ دلائیں اور مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب کو متنازعہ عبارتیں دکھائیں۔ (تاکہ باقی اکابر کی طرح وہ بھی اپنی تقریظ سے رجوع فرمالیں! نہ یہ کہ خود الیاس گھمن

صاحب مفاہیم کے بارے میں گول مول موقف اختیار کریں) خیر! ہمیں واپس جانا تھا ہم چلے آئے۔

اِس دفعہ سردیوں میں علامہ صاحب کی لاہور آمد کا پتہ چلا تو ہم جامعہ اشرفیہ لاہور حاضر ہوئے، کثیر تعداد میں علماء موجود تھے، ایک عالم نے حضرت علامہ صاحبؒ کو یہ خوشخبری سنائی کہ مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب نے ''مفاہیم'' پر اپنی تقریظ سے رجوع فرمالیا تھا، حضرت کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ استفسار کرنے پر بتایا گیا کہ مولانا عبدالرزاق سکندر صاحب خیر المدارس ملتان تشریف لائے تھے تو مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ نے ''مفاہیم'' کے وہ مقامات دکھائے جو علماء دیوبند کے معتقدات کے خلاف تھے تو مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم نے فوراً اپنی تقریظ سے رجوع نامہ لکھا اور مفتی عبدالقدوس صاحب کے حوالے کردیا، وہ رجوع نامہ جب حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ کے حوالے کیا گیا تو مفتی صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اِس طرح یہ فتنہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اگرچہ یہ انکشاف کافی دیر کے بعد ہوا، مفتی عبدالستارؒ وصال فرماگئے، مگر مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہ تو حیات ہیں، تصدیق فرمائی جاسکتی ہے۔

مولانا گنگوہیؒ مسلک دیوبند کی ریڑھ کی ہڈی ہیں:

علامہ صاحب نے اس بات پر زیادہ زور دیا کہ مولانا گنگوہیؒ مسلک اہل سنت علماء دیوبند کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہیں، پھر حضرتؒ نے مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ (جو مولانا گنگوہی کے مرشد تھے) کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' نامی رسالہ شائع ہوا اور حضرت گنگوہیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت نے فرمایا: اس کو بھٹی میں جھونک دو! ہم نے حاجی صاحب سے جو بیعت کی ہے، وہ تصوّف میں ہے، فقہی مسئلہ جب پیش آیا تو حاجی صاحب ہم سے پوچھیں گے۔

ہم نے جس پہلو سے بھی دیکھا، حضرت علامہ صاحب کو اکابر اہل سنت دیوبند کا مکمل ہم نوا پایا، آج کل لوگ دیوبندیت کے نام پر فتنے پھیلا رہے ہیں۔ یعنی نام دیوبند کا، کام بریلویوں والے۔ نام دیوبندیوں کا، کام یزیدیوں والے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ☆☆☆☆☆

مولانا حافظ محمد یوسف، گوجرانوالہ

اسلاف امت کی علمی وفکری روایات کے امین ووارث

فَسُبۡحَانَ مَنۡ جَمَعَ بَیۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ کی قدرت الٰہیہ کا عملی مظہر اور پرتو حضرت اقدس حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی وروحانی فیض مشرق ومغرب میں برابر پھیلا اور تا قیامت ان شاء اللہ تعالیٰ پھیلتا ہی رہے گا۔حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اسلاف امت کی علمی وفکری روایات کے حقیقی امین ووارث تھے۔زندگی بھراس امانت کی نشرواشاعت میں مصروف ومشغول رہے۔حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے مہر تاباں تھے جس کی ضوءفشانیوں سے ہزاروں چراغوں نے روشنی پائی اوراس روشنی سے امت تا قیامت ان شاء اللہ استفادہ کرتی رہے گی ؎

بدلا نہ میرے بعد بھی موضوع گفتگو
میں جا چکا ہوں پھر بھی تیری محفل میں ہوں

ذیل کی سطور میں ہم انتہائی اختصار کے ساتھ حضرت کی دوصفات عالیہ،آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی رسوخ وپختگی اوراکابرین امت کی علمی تحقیقات پرآپ کے اعتماد کا تذکرہ اس احساس کے ساتھ کہ "سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے" کرنا چاہ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ قبولیت وثمرات سے بہرہ ورفرمائیں۔آمین ثم آمین

علمی رسوخ وپختگی:

پروردگار عالم نے قرآن حکیم میں وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔(ترجمہ:اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین لائے،سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے) کے مبارک ارشاد میں راسخون فی العلم کی مدح فرما کرتا ابدان کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی مقبول ومحبوب جماعت کے ایک نمایاں فرد تھے۔علمی حلقوں میں آپ کے تعارف کی مختلف جہات میں سب سے نمایاں جہت آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی رسوخ ہی تھا۔ہمارے حضرت شیخ الحدیث امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کا وجود مسعود اسلام کی حقانیت کی کھلی دلیل تھا) جب آپ کا نام لیتے تو علامہ کے لقب سے موسوم فرماتے۔موقع محل کے مطابق بات،مختصر بات،مدلل بات اور بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے مشکل سے مشکل گتھیاں سلجھاتے چلے جانا آپ کے رسوخ فی العلم کا واضح ثبوت تھا۔ایک مرتبہ گوجرانوالہ میں فقہ حنفی کی خصوصیات اوراس ضمن میں قیاس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ایک مختصر جملہ دریا بکوزہ کے مصداق یوں ارشادفرمایا" قیاس پوری عدالتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے" ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

عصری علوم میں درجہ کمال تک پہنچنے کے باوجود بھی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی انفرادی واجتماعی دینی زندگی کے کسی گوشہ میں ذرہ برابر ابھی فرق نہ آیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی زندگی کا یہ تابناک پہلو ان تمام احباب کے لئے روشن مثال ہے جو دینی مدارس وجامعات کے علاوہ عصری جامعات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ گویا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ زندگی بھر بزبان حال یہ سبق دیتے رہے:

چمن کا رنگ تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

درس وتدریس سے وابستہ ہر فرد اور ہر ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات طیبہ کے اس نمایاں پہلو سے بطور خاص استفادہ کرے۔ معیار تعلیم کو نظر انداز کرتے ہوئے تعداد پر توجہ مرکوز کرنے کی رسم نے ہمارے پورے تعلیمی نظام کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ ہمارے حضرت (امام اہل سنت) رحمہ اللہ تعالیٰ اس رسم کو دینی مدارس کے تعلیمی نظام کے لئے انتہائی نقصان دہ خیال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بعض دینی مدارس میں علمی رسوخ و پختگی اور طلباء ومدرسین میں مطلوبہ استعداد وصلاحیت کو نظر انداز کرتے ہوئے درس نظامی کے تکمیلی درجہ "دورۂ حدیث شریف" کے آغاز کی رسم چل پڑی تو آپ نے اس کو ٹھوس علمی استعداد اور اجتماعیت ووحدت کے لیے نقصان دہ خیال فرمایا۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کے دیرپا فیصلے میدان جنگ میں نہیں بلکہ اس کے تعلیمی اداروں میں ہوا کرتے ہیں۔ تصور تعلیم، نظریہ تعلیم، معیار تعلیم، نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم ہی وہ بنیادیں ہیں جس پر کسی قوم کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس نمایاں خوبی "علمی رسوخ وپختگی" کو ہمارے دینی جامعات ومدارس میں بطور خاص زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اکابر واسلاف پر اعتماد:

اِعْجَابُ کُلِّ ذِیْ رَایٍ بِرَایِہٖ کے خودرائی کے نازک دور میں نصوص قطعیہ کی سلفی تعبیرات وتشریحات پر اعتماد ہی وہ فکری سلامتی کی راہ ہے جو انسان کو منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں بندگان خدا اسی راہ پر چلتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ **فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنَا مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ.** (ترجمہ: پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے، تو ہی ہمارا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں، موت دے ہم کو اسلام پر اور ملا ہم کو نیک بختوں میں)

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ زندگی بھر اکابرین امت واسلاف امت کے تصور دین (جس کا خلاصہ: دینی تعبیرات وتشریحات میں اکابرین امت پر اعتماد) کو اخلاف تک پہنچانے میں مصروف ومشغول رہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی پوری دینی جدوجہد، آپ کی تمام تصنیفات وتالیفات، وعظ وخطبات اور مناظرہ ومکالمہ اسی حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔

تحقیق کے نام پر تشکیک وارتیاب کی وادیوں میں گم ہو جانے والوں (واصل بن عطاء سے لے کر عصر حاضر کے نام

نہاد محققین تک) کی بنیادی خامی یہی رہی ہے کہ وہ نصوص قطعیہ کی دینی تعبیرات وتشریحات میں اکابرین امت واسلاف امت کے فہم کونظرانداز کرتے ہوئے خودرائی کے فتنہ میں مبتلا ہوئے۔ ہر دور میں اکابرین امت واسلاف امت نے اس فتنہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اخلاف کواس سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

سلف صالحین پراعتماد ہی وہ سد سکندری ہے جس کے ذریعے ہر فتنہ اورضلالت وگمراہی سے بچاؤ ممکن ہے۔اس ضمن میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے یہ الفاظ علمی وتحقیقی حلقوں میں "حدیث یارکہ تکرارمی کنیم" کا تقاضا کرتے ہیں:

"لوگ دین کے بارے میں آزادروش چھوڑکرتقیدکی راہ اختیارکریں،ایک خداایک خاتم الانبیاء نبی برحق ﷺ کے پابندہوکرساری دنیا کی قیدوبند سے آزادہوناسیکھیں اگرخدانخواستہ وہ اس دائرہ میں آزادفکراورآزادعمل ہوتے گئے جیسا کہ ہورہے ہیں اوراس کوبرخودغلط حریت وآزادی سمجھتے رہے توپھرانہیں دنیاکےایک ایک ذرہ کی قیدوبنداورغلامی اختیارکرنی پڑے گی جوذلت ورسوائی کی زندگی ہوگی۔نعوذباللہ منہ [معلم الدین:26]

تشکیک وارتیاب کے اس دورمیں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات طیبہ کا یہ پہلو (اکابر واسلاف پراعتماد) ہرباطل کے حملے سے بچاؤ کے لیے سد سکندری ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کواعلیٰ علیین میں مقام بلندعطافرمائے اورہم سب کوآپ کےنقوش قدم پرچلتے رہنے کی توفیق عطافرمائے۔آمین

اَللّٰھُمَّ لاتَحرِمْنَااَجرَہٗ وَلاتَفْتِنَّابَعْدَہٗ. آمین بجاہ النبی الکریم

مولانا نور حسین عارف گوجرانوالہ

مسلک حق اہل سنت کے عظیم ترجمان

غالباً ۱۹۶۹ء کی بات ہے، بندہ عاجز مرشدی قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے مدرسہ اظہار الاسلام میں قرآن کریم حفظ کرر ہا تھا۔ مفکر اسلام سرمایہ اہل سنت حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو سالانہ کانفرنس مقام بھیں کے لیے دعوت دی گئی۔ حضرت علامہ صاحب چکوال تشریف لائے اور کچھ دیر قیام کیا، بندہ کی ڈیوٹی علماء کرام کی خدمت کے لیے لگی تو پہلی دفعہ حضرت کی زیارت نصیب ہوئی اور خدمت کا موقع ملا۔ حضرت جس طرح باطنی اعتبار سے شفاف تھے اسی طرح ظاہری لحاظ سے بھی بڑے شفاف تھے۔ سفید لباس میں ملبوس بہت وجیہہ نظر آتے تھے۔ اس کے بعد بندہ مزید تعلیم کے لیے جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں آ گیا اور یہاں بھی متعدد مرتبہ حضرت کی زیارت ہوئی اور علمی بیانات سننے کا موقع بھی ملا۔

انہوں نے اپنی تمام زندگی اکابر اہل سنت دیوبند کے چمن کی رکھوالی کی اور ان کے گلستان کی آبیاری کرتے رہے۔ پوری جرأت اور علمی قوت کے ساتھ ہر باطل سے ٹکر لی، مذہب اہل سنت کا پرچم بلند کیا، تحریر وتقریر کے ذریعہ اصحاب رسول کی عظمت کو اجاگر کیا اور دشمنان اصحابِ رسول کو لگام ڈالی۔

دین اسلام کی حفاظت اور امت مسلمہ کی راہنمائی کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو وافر صورت میں عطا کیا ہوا تھا جس کو احسن طریقہ سے استعمال کیا اور کوئی رکاوٹ آڑے نہ آئی۔ اعلانِ حق اُن کا شعار اور باطل کی سرکوبی اُن کا شیوا تھا۔ اُن کی فکر اور سوچ اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی تحقیقات کی آئینہ دار تھی۔ اُن کی زندگی نمونہ اسلام اور ان کا طرز عمل بعد میں آنے والوں کے لیے ایک سند حیثیت کا حامل ہے۔ آپ جوش اسلام کے اعتبار سے عہد سلف کے واقعات کو زندہ کرنے اور ہر فتنہ کی سرکوبی کے لیے سیف بے نیام تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی عظمت وعقیدت میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ احقاق الحق اور ابطال الباطل میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مصلحت پسندی سے کوسوں دور تھے۔

حضرت علامہ صاحب کو فن تصنیف میں بھی بڑا عبور تھا۔ الحمد للہ اس وقت آپ کی بکثرت کتب موجود ہیں جو قیامت تک آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور مخلوق خدا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور اُن کی جملہ مساعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریمؐ

از ابو معاویہ نور حسین عارف، جامع مسجد فضل، فاروق گنج گوجرانوالہ

۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ ۱۸/جولائی ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ

راوی: صوفی محمد عنایت ۔قصبہ دھید وال، چکوال
المرسل: حافظ عبدالوحید الحنفی، چکوال

حضرت علامہ خالد محمود کی چکوال آمد، تاریخی واقعہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی للکار سے شیعہ ناکام ہوگئے

۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ ضلع چکوال کے گاؤں دھید وال میں بریلوی مسلک کی مسجد ''جامع مسجد غوثیہ'' میں علاقہ چکوال کے مشہور واعظ مولانا شاہ نواز صاحب اور ایک پیر صاحب جلسہ سے خطاب کے لیے گئے، گاؤں کے اہل تشیع کو جلسہ اور دونوں حضرات کی آمد کا علم ہوا تو غلام حسین نامی مقامی شیعہ نے مسجد میں جا کر جلسہ کے سامعین کو دھمکایا اور جلسہ رُکوا کر علماء کو مسجد سے نکال دیا۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو علم ہوا تو انھیں سخت افسوس ہوا کہ اپنے آپ کو ''سنی'' کہلوانے والوں کی، شیعوں کے مقابلے میں اتنی غفلت کہ علماء کا تحفظ بھی نہ کر سکے۔ اُسی گاؤں کے چند رہائشی (صوبیدار لال خان، حاجی بوٹا خان اور ہاشم علی) حضرت قاضی صاحب کے عقیدت مند تھے۔ حضرت نے انھیں بلوایا اور فرمایا: گاؤں میں جلسہ رکھو! گاؤں میں علمائے اہل سنت دیوبند کی کوئی مسجد نہ تھی، لہٰذا جلسہ صوبیدار لال خان کے گھر ہونا طے پایا۔ اسی گاؤں کے باشندے صوفی محمد عنایت صاحب (ولادت: ۱۹۴۱ء) راوی ہیں کہ وہ اس جلسہ میں موجود تھے، تب ان کی عمر تقریباً ۱۶ ر سال تھی۔

جلسہ میں حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اور حافظ اللہ داد گجراتی صاحب کا بیان ہونا تھا، جو وقت مقررہ پر پہنچ گئے، لاؤڈ اسپیکر بھی چکوال سے ساتھ لے گئے۔ صوبیدار صاحب کے مکان کے اوپر اسپیکر لگایا گیا، تلاوت و نعت کے بعد مولانا اللہ داد صاحب نے توحید و رسالت کے اثبات اور شرک و بدعت کی تردید پر بیان شروع کیا۔ گاؤں کے شیعوں نے اہل بدعت کو ورغلا کر ساتھ ملایا اور دونوں اکٹھے ہو کر جلسہ بند کرانے کی غرض سے صوبیدار صاحب کے مکان کی طرف آئے۔ ایک شیعہ نے ساتھ والے مکان پر چڑھ کر لاؤڈ اسپیکر اتارنے کی کوشش بھی کی۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ یہ صورت حال دیکھی تو مولانا اللہ داد صاحب سے مائیک لے کر پورے ایمانی جذبہ کے ساتھ صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا: ''اے سنیو! جاگو!'' نجانے حضرت نے کس درد دِل سے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ یہ سنتے ہی گاؤں کے بریلویوں کی جیسے آنکھیں کھل گئیں اور وہ شیعوں کا ساتھ دینے کے بجائے اُن کی مخالفت میں اہل سنت دیوبند سے آملے۔ اور شیعوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جلسہ جاری رہا۔ حضرت قاضی صاحب اور حضرت علامہ صاحب رحمہما اللہ نے ''حقانیت اہل سنت'' کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ دونوں حضرات کی تقاریر نے ایسا فوری اور زبردست اثر دکھایا کہ بریلوی اپنے کیے پر نادم ہوئے اور تلافی کی خاطر ''غوثیہ مسجد'' میں نماز عصر کی امامت کی درخواست کی، تمام لوگ جلوس کی شکل میں مسجد پہنچے، نمازِ عصر باجماعت ادا کی۔ یوں بریلویوں نے اپنے حقیقی دشمن کو پہچانا اور شیعہ ناکام و نامراد ہوگئے۔ (دستخط راوی عینی شاہد) صوفی محمد عنایت

مولانا خالد محمود قادری، فیصل آباد

حضرت علامہ صاحب کا علم وفکر

سیالکوٹ کی دو شخصیات ایسی ہیں جن کی وجہ سے لفظ ''علامہ'' کا دنیا میں بہت زبردست تعارف ہوا ہے۔ان میں سے ایک حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اور ایک ماضی کے علامہ اقبال! علامہ ڈاکٹر اقبال کو تو ہم نہ دیکھ سکے مگر ان کے پوتے منیب اقبال احمد ہو بہو اپنے دادا کا پرتو ہیں۔ان سے ملاقات کا موقع ضرور ملا۔علیک سلیک کے بعد پہلی فرصت میں ہی ان سے کہا کہ آپ تو علامہ صاحب ہی کی کاپی ہیں۔سن کر ایسا زبردست قہقہہ لگایا کہ گھنی مونچھوں میں سے دمکتے دانت کرنیں بکھیرنے لگے۔یہ تو تھیں اُن کی باتیں۔اب چلتے ہیں اپنے ہم نام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کی طرف کہ جن کا نام ''علامہ'' کے بغیر مکمل ہوتا ہی نہیں یہ ایسے ہی نہیں ہے۔آپ علامہ دہر تھے۔علم الکلام میں فی زمانہ شاید ہی آپ کا کوئی ہم پلہ ہو۔علوم قدیم وجدید پر دسترس ایسی کہ اگر آپ شیخ الحدیث رہے تو مختلف کالجوں میں پروفیسر کی حیثیت سے بھی علم کے موتی بکھیرتے رہے۔اور سپریم کورٹ کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اپیلٹ بینچ کے منصب پر بھی فائز رہ کر اسلامی عدالتی انصاف کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔آپ کی دینی و علمی خدمات کا دائرہ تقریباً ستر (۷۰) سال تک کا ہے۔

آپ جید علماء دین اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر تھے۔آپ اردو، عربی فارسی اور انگریزی سمیت کئی زبانوں میں یکساں عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔علمی نکات پر گفتگو ایسے کہ الفاظ ان کا انتظار کر رہے ہوں۔مشکل اور دقیق مسائل پر امت کی خوب رہنمائی کی، چلتا پھرتا کتب خانہ ہونا آپ کی خوبی تھی۔محقق اور مصنف ایسے کہ سینکڑوں کتابیں آپ کی قلم رو سے گزریں۔

توحید قرآن مجید رسالت ختم نبوت ﷺ، خلافتِ راشدہؓ، اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ، عقائد اہل سنت، حدیث تصوف، مناظرہ پر اور دوسری بہت سی کتابیں ہیں جو آپ کے علم وادب کا میدان ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔سربلندی اسلام کے لیے جامعہ ملیہ لاہور اور ۱۹۶۶ء میں برطانیہ جانے کے بعد مانچسٹر میں ایک اسلامک اکیڈمی قائم کی وہاں برطانیہ میں بھی اسلام کی اشاعت اور نصرت کے لیے محنت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔اسی سرتاپا جدوجہد میں ۱۲رمئی ۲۰۲۰ء کو ۹۶ربرس کی عمر میں آپ اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے اور برطانیہ میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔حقانیت اسلام کی خاطر بھی باطل فرقوں کی خوب سرکوبی کی آپ نے باطل فرقوں کے خلاف بہت سے مناظرے کیے اس سلسلہ میں ان کی کتابیں ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔تحفظ ختمِ نبوت ﷺ، ناموسِ رسالت ﷺ، ناموس صحابہؓ، حجیت حدیث دفاع سنت نبوی، عقائد اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کے تحفظ اور دفاع کے محاذ پر آپ کی خدمات کو بھلایا نہ جائے گا۔ساتھ ہی آپ کی سینکڑوں تقاریر، خطبات اور تجاویز ان کے لیے سرمایہ آخرت ہیں۔

علمی فکری جدوجہد کے ساتھ ساتھ کوچہ سیاست میں بھی آپ نے قدم جمائے رکھا۔۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی دستور سازی کو بام عروج تک پہنچانے میں آپ نے بھی حصہ ڈالا۔۱۹۷۰ء کے الیکشن کو شرف بخشتے ہوئے مختلف ادوار میں بھی

رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ (دیکھیے: ۱/۷۱۳۱......۲/۳۶۔[ادارہ])

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے آبائی گاؤں بھیں میں دین حق اسلام کی سربلندی اور تبلیغ کے لیے دوروزہ سنی کانفرنس کے شاندار انعقاد کا کئی برسوں سے سلسلہ شروع کیا ہوا تھا۔ کیا کہنے مرشد پاک کے، خلوص وللّٰہیت کے ایسے پیکر کہ اُن جیسا اَب ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا۔ محبت صحابہؓ میں ایسے مٹے ہوئے تھے کہ شاید ہی کسی تقریر یا گفتگو میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک اور حضور سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا تذکرہ نہ ہو۔ آپ کے دل کی گہرائیوں سے محبت صحابہ میں نکلے ہوئے الفاظ لوگوں کے دلوں میں ایسے پیوست ہوجاتے تھے کہ وہ بھی حُبِ صحابہ میں دیوانہ وار تڑپ اٹھتے تھے اور خلافتِ راشدہ ''حق چاریار'' کے فلک شگاف نعروں کا سیلاب اُمڈ آتا۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع سے ہی حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قریبی ساتھی تھے اور ابتداء ہی سے بھیں سنی کانفرنس میں شریک ہوتے تھے۔ (دیکھیے: ۱/۱۰۱۔[ادارہ]) آپ کی انہی عالمانہ تقاریر کے بارے میں والد محترم حاجی منظور حسین مرحوم سے سنا ہوا تھا جو کہ ان دنوں آپ کے خطاب سنتے رہتے تھے۔ تو میں بھی آپ کا خطاب سننے کا موقع تلاش کرتا رہا چکوال میں تو اس وقت کوئی موقع نہ مل سکا مگر فیصل آباد میں آنے کے بعد غالباً ۱۹۸۰ء میں آپ مدرسہ ام المدارس میں تشریف لائے مجھے پتہ چلا تو میں مدرسہ کے مہتمم حضرت قاری محمد ابراہیم صاحب کے پاس گیا ان سے میری پہلے ہی واقفیت تھی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت علامہ صاحب یہ کتابیں دے کر چلے گئے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مناظرہ شیفلیڈ اور ایک غالباً نماز کے بارے میں تھی۔ ان سے میں نے بھی لے لیں۔

۱۹۸۱ء میں تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کی طلبہ تنظیم، سنی تحریک طلبہ کی یہاں بنیاد رکھی گئی۔ جس کے پہلے صدر جامعہ قاسمیہ کے طالب علم قاری عبدالرحیم جو کہ حضرت مفتی عبدالرحمٰن دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کو سنی تحریک طلبہ فیصل آباد کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ یہی مولانا عبدالرحیم چاریاری بعد میں تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ فیصل آباد کے امیر بنے۔ اس وقت آپ کا سینہ حق چاریارؓ کے بیجز سے سجا ہوتا تھا۔ مشن خدام کا دم بھرتے اور اپنے مرشد وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ سے والہانہ محبت کرتے۔ ایک بار ہم دونوں فیصل آباد جلسہ کے سلسلہ میں اشتہار کا نقشہ لے کر تصحیح کرانے حضرت مرشد قاضی صاحبؒ کے پاس چکوال گئے تو حضرتؒ نے اپنے قلم سے بڑے بڑے القابات مٹا دیے اور صرف وکیل صحابہؓ والا رہنے دیا اور یہ فرمایا کہ ہم نے صحابہؓ کی وکالت تو کرنی ہی ہے۔ سبحان اللہ۔ ان دنوں چاریاری صاحب عظمتِ صحابہؓ کا علم اُٹھائے کوئی نہ کوئی پروگرام ترتیب دیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ۱۹۸۳ء میں مسجد فاروقِ اعظم سدھو پورہ میں خلافت راشدہ کانفرنس کا انعقاد کیا تو اس میں حضرت علامہ خالد محمودؒ کو مدعو کیا۔ وہیں پہلی بار میں نے حضرت علامہ صاحبؒ کی زیارت کی اور ان سے ملا۔ علماء کرام اور لوگوں نے حضرت علامہ صاحبؒ کا شاندار استقبال کیا، جلسہ میں بھرپور شرکت کی اور آپ کا خطاب سنا۔ اس جلسہ کے انتظام میں حضرت چاریاری صاحب کے شاگرد حافظ رانا شمیم صاحب نے بھی جانفشانی سے حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت علامہ خالد محمودؒ ۱۹۸۴ء میں بھی سنی تحریک طلبہ کے زیر اہتمام انوری مسجد سنت پورہ میں خلافتِ راشدہ کانفرنس میں شریک ہوئے۔ جس میں

وکیل صحابہؓ حضرت قاضی صاحبؒ نے آیت استخلاف کی ایسی جامع تشریح کی کہ مجھ پر بھی اس کے کئی پہلو پہلی بار آشکار ہوئے۔ محبت صحابہؓ میں مٹا ہوا حضرتؒ کا کیا پیارا سمجھانے کا انداز تھا۔ جو آج بھی میری نظروں میں گھوم رہا ہے۔ یہ محبّ صحابہ ولی کا فیض ہے جنہوں نے عظمتِ ناموس صحابہ کو لمحہ بہ لمحہ کوچہ وقریہ میں پہنچانے کے لیے جان جوکھوں میں ڈالے رکھی۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے بھی خطاب میں خلافتِ راشدہ کے عنوان پر علمی نکات کے دریا بہادیئے تھے، کیونکہ یہ جلسہ سنی تحریک طلبہ کے نوجوانوں کے زیر اہتمام تھا۔ آپ نے نوجوانوں کو خاص طور پر نصیحت کی کہ تحریکیں جوانوں کی وجہ سے جلد کامیاب ہوجاتی ہیں۔ اے نوجوانو! آپ بھی اس سلسلہ میں وکیل صحابہؓ حضرت قاضی صاحبؒ کا بھرپور ساتھ دو۔ اور تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ اور سنی تحریک طلبہ کو مضبوط بناؤ۔

اس کے علاوہ ایک بار آپ حضرت چار یاری صاحب کے مدرسہ جامعہ حنفیہ میں تشریف لائے تو اس وقت دشوار گزار رستے کی وجہ سے کافی تھک گئے تھے۔ تھکاوٹ اور کرب کی وجہ سے آپ کے چہرے پر اثرات بہت نمایاں تھے۔ جس کو میں کبھی بھی بھلا نہیں سکتا۔ اس کرب کی وجہ سے آپ بتا رہے تھے کہ میرے کندھوں اور کمر میں درد ہے۔ ہمارے علماء حق نے بڑھاپے میں بھی تکالیف برداشت کرتے ہوئے حق کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہیں کچھ لمحے بعد اسلام اخبار کے بیورو چیف سید ذکر اللہ حسنی نے آٹوگراف کے لیے کاپی آگے کی تو آپ نے فرمایا آٹوگراف نہیں ایک نصیحت ہے کہ تھکے ہوئے کو اور نہ تھکایا جائے۔ اسی وجہ سے مسجد میں جانے سے بھی قاصر تھے، وہاں کوئی کرسی نہ تھی تو مجھے فرمانے لگے کہ تکیہ یہاں رکھو، میں نے وہاں رکھ دیا تو فرمایا یہ دوسرا تکیہ بھی وہیں رکھو، میں نے تکیہ کے ساتھ دوسرا تکیہ بھی رکھا تو فرمایا کہ اس کے ساتھ نہیں تکیہ کے اوپر تکیہ رکھو۔ میں نے حیران ہوکر تکیہ اوپر رکھ دیا تو آپ فرش سے اُٹھ کر ان کرسی نما تکیوں پر بیٹھ گئے۔ تین تکیوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا اور آپ نے وہیں حجرے میں تھکاوٹ کی وجہ سے تکیوں پر بیٹھ کر خطاب کرنا شروع کردیا۔ ایسا منظر میں نے پہلی بار دیکھا کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے تکیوں پر بیٹھ کر بھی تبلیغ دین کی۔ یوں فیصل آباد میں مجھے بھی کئی بار آپ کی خدمت کا موقع ملا۔ جب بھی آپ فیصل آباد تشریف لاتے تو علماء کا ایک حلقہ علامہ صاحب کے گرد اکٹھا ہوجاتا تھا۔ آپ اتنے ذہین تھے کہ جب بھی کوئی بیان کررہے ہوتے تو الفاظ ایک خاص ترتیب سے آپ کی زبان سے ادا ہونے شروع ہوجاتے۔ جیسا کہ آپ علم وفنون کی کتاب کو دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ بہت سے علماء اور طلبہ آپ سے مسائل پوچھ کر اپنی علمی پیاس کو تسکین بخشتے۔ اس سلسلہ میں ہمیں بھی کئی بار مسائل کے بارے میں سوال کرنے کا موقع مل جاتا۔ آپ انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اگر علماء میں علمی دشواریوں کا حل بتاتے تو عوام میں سادہ خطاب فرماتے۔ اس کے علاوہ بھی آپ فیصل آباد میں بہت سے پروگراموں میں شرکت کرتے تھے جن میں سے کئی علماء حضرت چار یاری صاحب سے کہتے کہ حضرت علامہ صاحبؒ سے تقریر کا ٹائم ہمیں بھی لے کر دیں پھر یہ سلسلہ کبھی کبھی چلتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ محمدی مسجد کے ساتھ میاں خضر حیات سے بھی آپ کا گہرا لگاؤ تھا۔

ہمارے گاؤں بھیں کی سنی کانفرنس میں اگر آپ پاکستان ہوتے تو ضرور تشریف لاتے۔ عموماً بھیں سنی کانفرنس کا اختتام آپ کے شانِ صحابہؓ پر شاندار خطاب سے ہوتا۔ مگر آپ کے دو خطاب مجھے نہیں بھولتے، ایک جب آج سے تقریباً ۳۰ رسال قبل چکوال میں شہدا کانفرنس ہوئی، یہ باٹا کی دکان کے سامنے چھپڑ بازار میں ایک بہت بڑا جلسہ تھا، بہت سے لوگ گاؤں گاؤں سے

مختلف قسم کی گاڑیوں حتیٰ کہ ٹریکٹر ٹرالیوں کے ذریعے بھی اس میں شریک ہوئے۔ وہاں چھپڑ بازار تھا یا خدام تھے۔ علامہ صاحبؒ کی تقریر کا کیا سماں تھا، لوگوں کا جم غفیر تھا اور نعرے پہ نعرہ۔ حضرت علامہؒ سے علم کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ میں نے علامہ صاحبؒ کا اتنا زبردست خطاب زندگی میں نہیں سنا۔ اس کے ساتھ دوسرے مقرر کے بھی کیا کہنے۔ علماء حق کے دو علمی گھرانوں کے منظور نظر حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت قائد اہل سنت کی تربیت کے عکاس، ہمارے دوست حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر دامت برکاتہم زورِ خطابت کے جوہر دکھانے کے لیے بیتاب تھے۔ اپنے خطاب میں آپ نے شہادت کے عنوان کو جلا بخشی اور ایک عجیب سماں باندھا۔ آپ کی یہ تقریر ہر لحاظ سے خطابت کا ایک بہترین نمونہ تھا۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ کی دوسری وہ تقریر جو آپ نے حضرت مرشد وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نماز جنازہ سے پہلے گورنمنٹ ہائی سکول بھیں کے گراؤنڈ میں کی۔ ۱۴رجنوری ۲۰۰۴ء شام پانچ بجے سے پہلے بہت سے علماء کے تعزیتی بیانات ہوئے۔ حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی دامت برکاتہم کے بعد آخری تعزیتی خطاب حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کا ہوا۔ ان میں سے کچھ علماء کا آڈیو بیان میرے پاس ہے۔ اس دن جب سورج کی آخری کرنیں پڑ رہی تھیں اور علماء کے جلوس میں کھڑے ہو کر حضرت علامہ صاحبؒ اپنے محبوب ساتھی کو الوداع کہنے کے لیے خراجِ تحسین پیش کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجتہد لوگ مر نہیں سکتے وہ فقط راستہ بدلتے ہیں، ان کے نقشِ قدم سے صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں۔ اس علاقے میں حضرت قاضی صاحبؒ نے جب اپنا علمی تبلیغی اصلاحی پروگرام شروع کیا، تو اُس وقت سے ان کے ابتدائی ساتھیوں میں میں بھی شامل رہا اور آج ایک پوری زندگی کا باب ختم ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں کہ اپنی زندگی کی بھی شام ہو چکی ہے۔ اتنے عظیم کارکن اور مجتہد کو رخصت کرتے ہوئے ہمارے پاس الفاظ نہیں کہ اپنے دل کے غم کو آشکارا کر سکیں۔ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے روحانیت کے جو چراغ جلائے تھے، ان میں پاکستان میں ایک ایک کر کے سارے چلے گئے، اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے۔

انہوں نے اپنی پوری زندگی صعوبتوں اور مشکلات میں گزاری۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وہ ہر مشکل گھاٹی پر چڑھتے گئے۔ آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے وہ بوجھ اتار دیا اور جو محنتیں تھیں، کاوشیں تھیں آج ان کا ثمر اور پھل ان کے سامنے ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنی زندگی کی علمی خدمات میں جو مشکلات دیکھیں اس پر لوگ تعجب کرتے رہے کہ اتنی مشکلات حالات نے ان پر ڈال دیں، تو میں نے یہ کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں جو بھی حسینؓ کا مظہر بنا اس نے یہی کچھ دیکھا۔ آج ہم اس مظہر حسین کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ اِنا للہ: (کا مطلب یہ ہے کہ) ہم سب خدا کی ملکیت ہیں وہ ہمارا مالک ہے۔ ہم سب اس کی ملکیت ہیں۔ ہاں جدائی کا غم ہوتا ہے۔ اس کے لیے بشارت دی گئی کہ ہم پھر ملا دیں گے، لیکن ملانے کا طریقہ یہ نہیں کہ جانے والے نے آنا ہے بلکہ ہم سب نے جانا ہے۔ اِس عقیدے کو کہتے ہیں: وإنا الیہ راجعون۔ یہ تقریر لمبی ہے، اس تقریر کے آخری اشعار پر میں اقتباس ختم کرتا ہوں۔

زندگی لمحہ بہ لمحہ مختصر ہوتی گئی موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

مولانا محمد امجد خان، لاہور

مجاہد ختم نبوت، یادگار اسلاف

اس امت مرحومہ میں لاکھوں علماء اور صلحاء پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار دنیا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے، لیکن ایسی ہستیاں معدودے چند ہوتی ہیں جن کا فیض آفاقی اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہوتی ہے، جو رہتی دنیا تک حق قبول کرنے والے قلوب پر راج کرتے رہتے ہیں، بظاہر تو وہ دنیا سے پردہ کر جاتے ہیں، لیکن ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں، ہر مجلس خیر میں انکا ذکر خیر ہوتا ہے اور ہر علمی میدان میں ان کی کمی محسوس کی جاتی ہے

یادگار اسلاف عالم باعمل رئیس المناظرین علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالی انہی نامور بلند پایہ شخصیات میں سے ایک تھے جن پر علم وعمل کو سدا ناز رَہے گا۔ آپ اکابر علماء دیوبند کے فیض یافتہ اور اسلاف کی آخری نشانیوں میں سے تھے۔ آپ نے فراغت کے بعد زیادہ تر عرصہ لاہور میں گزارا اور لاہور سول سیکرٹریٹ کی مسجد میں خطیب رہے، چونکہ والد ماجد خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمہ اللہ بھی شعلہ نواء اور علمی خطابت سے لاہور شہر کو رونق بخشے ہوئے تھے اور جامع مسجد رحمانیہ کو جمعہ کے اجتماع اور دیگر مذہبی وسیاسی تحریکات کے کے حوالے سے مرکزی حیثیت حاصل تھی، چنانچہ ایک ساتھ جلسوں میں بھی آنا جانا ہوتا اور ایک دوسرے کے ہاں بھی آنا جانا ہوتا، ملک و بیرون ملک دیگر اکابر کے ساتھ حضرت خطیب اسلام اور حضرت علامہ صاحبؒ کے اکٹھے بیانات ہوتے اور علم وعمل کے موتی بکھیرے جاتے، احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ہمارے اکابر نے جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

آپ سپریم کورٹ کے شریعہ اپیلٹ بینچ کے جج بھی رہے۔ ساٹھ کی دہائی میں وہ پاکستان سے ہجرت کر کے انگلینڈ چلے گئے اور زندگی کا اکثر حصہ انگلینڈ میں ہی گزارا۔ اس دوران بھی آپ کا پاکستان آنے کا سلسلہ جاری رہا اور جب بھی پاکستان آتے تو ادارہ جامعہ رحمانیہ میں آپ کی آمد ہفتہ میں ایک مرتبہ لازمی تھی، علمی مجلس جمتی جس میں لاہور شہر کی دیگر بزرگ علمی شخصیات بھی شریک ہو کر اس محفل ومجلس کی رونق دوبالا کر دیتی تھیں، ایک جاذب نظر کہکشاں کا سماں ہوتا جو دن کے اجالے میں بھی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک دمک رہی ہوتی تھی، عقیدہ ختم نبوت، ناموس رسالت اور مسلک حق کے تحفظ وتبلیغ اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے صلاح ومشورے ہوتے اور پھر ان پر کام کیا جاتا، لاہور کو قطب البلاد بھی کہا جاتا ہے، لہٰذا ملک میں چلنے والی دینی تحریکات نے یہیں سے عروج پایا اور منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ ملک میں چلنے والی مذہبی تحریکات میں دیگر اکابر کے ساتھ حضرت علامہ صاحب صف اول میں نظر آئے۔ بالخصوص مسئلہ ختم نبوت پر مستند انداز میں قلمی معاونت فرمائی اور دلائل کے انبار لگا دیئے۔ آپ جس موضوع پر لکھتے تو پھر اس کا حق ادا کر دیتے، آپ کے قلم معجز رقم سے بیسیوں تصانیف منصۂ شہود پر آئیں۔ جن کو نہ صرف اہل علم نے ایک بہترین علمی ذخیرہ قرار دیا بلکہ یہ بھی لکھا کہ آپکی تصانیف نے اسی موضوع پر دیگر کتب سے

مستغنی کر دیا ہے۔واقعتہً آپ ایک علمی شخصیت تھے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ کی بلند و بالا علمی شخصیت اپنے مقام علم و عمل اور اپنے ہمہ جہت مطالعہ کے لحاظ سے دنیا بھر کے اصحابِ علم وفضل کے درمیان ایک بے حد ممتاز ترین اور نمایاں ہستی کی مالک تھی۔قدرت نے علامہ ڈاکٹر خالد محمود مرحوم سے اپنے دین کی بڑی خدمات لیں۔آپ کی علمی و دینی خدمات سے مشرق و مغرب کے مسلمان مستفید ہوئے اور آج تک آپ کے تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں مستفید ہورہے ہیں۔آپ انتہائی قوی حافظے کے مالک اور نکتہ سنج بھی تھے۔مناظر ہونے کی وجہ سے وہ مشہور ومعروف تھے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ آپ استاذ المناظرین تھے،آپ کے علمی بیانات سن کر کئی مناظر تیار ہوئے اور آج اس میدان میں کام کر رہے ہیں۔

علمی تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی دندان شکن جوابات کے بلاشبہ بادشاہ تھے۔نکتہ رسی آپ پر ختم تھی۔بات سے بات نکالنے اور بامقصد نتیجہ خیز بنانے میں مہارتِ تامہ کے حامل تھے۔یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے مناظر ان کا سامنا کرنے سے کنی کتراتے تھے۔مرزائیت تو آپ کا نام سن کے کانپتی تھی۔

عقیدۂ ختم نبوت ہو یا شرک وبدعات کے خلاف جنگ، ہر جگہ دیگر اکابر کے شانہ بشانہ نظر آئے۔فرق باطلہ کا سنجیدہ علمی تعاقب آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مہارت ودیعت کر رکھی تھی۔افریقہ کی عدالت میں آپ نے اس انداز میں دلائل دیئے کہ مرزائیت کا قلع قمع کر دیا۔

اللہ تعالی نے امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کو یہ کمال بخشا ہوا تھا کہ جس موضوع پر لکھتے مستند حوالہ جات سے کتاب کو اتنا مدلل ومزین کر دیتے کہ ارباب علم ودانش کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے اور اہل علم کی تشنگی کا پورا سامان ہوتا تھا۔

والد ماجد خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خاںؒ کی وفات پر تعزیت کے لیے تشریف لائے اور بڑی دیر تک ذکر خیر کرتے رہے اللہ تعالی نے بیسیوں بار آپ کی موجودگی میں خطاب کا موقع دیا، ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی اور مقبول دعاؤں سے نوازا۔اب تو دعا دینے والے بھی یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جارہے ہیں۔اللہ تعالی تمام اکابر کی جو دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں مغفرت فرمائیں اور جو اکابر حیات ہیں اللہ تعالی ان کا سایہ شفقت ہمارے اوپر دیر تک سلامت باکرامت رکھے آمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا سمیع اللہ [مدیر: جامعہ قاسمیہ، لالہ موسیٰ]

علامہ تو پھر علامہ ہے

میرے پیارے اور محترم بھائی مولانا حمزہ احسانی صاحب کا پیغام موصول ہوا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالاتِ زندگی پر مجلّہ ''صفدر'' کی طرف سے اشاعت خاص کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اِن سب حضرات اور ادارے کے لیے میرے دِل سے دعا نکلی۔ یہ سب ہمارے محسن ہیں جو اکابر کی دینی خدمات کو آنے والی نسلوں کے سامنے بطور اسوہ پیش کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

میری طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا، مَیں اُسوقت فخر اہل سنت وکیل صحابہ مولانا عبداللطیف جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم یادگار جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں زیر تعلیم تھا، مدرسہ میں جانے سے پہلے دائیں بائیں سے جو باتیں سننے کو ملتی رہیں تھیں اُن کی وجہ سے ذہن میں کچھ شکوک وشبہات تھے، اور اتنی ہمت نہیں تھی کہ اساتذہ سے سوال کر کے اپنی تشفی کر لی جائے۔ یہ تو وقت کے ساتھ ساتھ علم ہوا کہ دینی مدارس کے اساتذہ کس قدر محبت وشفقت کے پیکر ہوتے ہیں اور کس توجہ اور اہتمام سے طلبہ کے سوالات سنتے اور ان کے جوابات عنایت فرماتے ہیں۔ **جزاهم الله أحسن الجزاء**. اللہ پاک ہمارے تمام اساتذہ کو سلامت با کرامت رکھیں۔ آمین

اسی دوران قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے آبائی گاؤں بھیں ضلع چکوال کی سالانہ ''سنی کانفرنس'' قریب آ گئی، بہت سے طلبہ جانے کے لیے تیار ہوئے، میں بھی علماء کے بیانات سننے اور استفادہ کی نیت سے شامل ہو گیا۔ وہاں کافی بیانات سنے۔ یہ اعلان بھی سنا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کا بیان بھی ہوگا۔ مجھے نام سے کچھ واقفیت تھی، لیکن کبھی زیارت یا بیان سننے کا موقع نہیں ملا تھا۔ خیر حضرت کا بیان شروع ہوا، ابتدا ہی میں فرمایا: آپ حضرات توجہ رکھیں، میں کچھ شبہات کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ حضرت کا مخصوص انداز تھا کہ پہلے سوال کرتے تھے، جب مجمع متوجہ ہو جاتا تو جواب بھی خود ہی عنایت فرمادیتے تھے، اِس طرح بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی تھی۔ علامہ صاحب نے فرمایا: کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ معرکہ کربلا میں اکیلے کیوں گئے؟ اس وقت صحابہ کی اولادیں موجود تھیں، ان میں سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ میرے ذہن میں جو اشکالات وسوالات تھے، اُن میں سے ایک بڑا سوال یہی تھا۔ میں حیران بھی ہوا کہ اللہ کی شان جو سوال میرے دِل میں تھا، آج اُسی کا جواب ملنے والا ہے۔ چنانچہ میں متوجہ ہو گیا۔ حضرت علامہ صاحب نے مجمع سے پوچھا: سوال سمجھ آیا؟ سبھی لوگ متوجہ ہو گئے اور عرض کیا: جی! پھر فرمایا: حضرت حسین رضی اللہ عنہ لڑائی کے ارادے سے تو گئے ہی نہیں تھے۔ اگر لڑائی کے ارادے سے جاتے، اور اعلان کرتے کہ میں لڑنے جا رہا ہوں تب دوسرے ساتھ دیتے۔ دنیا کی کسی

معتبر کتاب سے کوئی دکھا دے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا ہو کہ میں جنگ کے لیے جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو۔ دوسری بات میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کوئی انسان لڑائی کے لیے جاتا ہے تو کیا اپنے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر جاتا ہے؟ حضرت علامہ صاحب کا جواب بالکل صاف ستھرا اور بے غبار تھا، اسی وقت میرے دل میں اتر گیا اور دِل مطمئن ہو گیا۔ اور یہ سمجھ آئی کہ حقیقت کچھ اور تھی، جبکہ اِس سے قبل ہمارے سامنے بیان کچھ اور کیا گیا تھا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی طرح اُن کی تحریرات بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار سے متعلق بیسیوں شبہات کے تسلی بخش جوابات پر مشتمل ہوتی تھیں۔ بلا مبالغہ اور بلا تردد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ دورِ حاضر میں علامہ صاحب کی تحریرات وتقریرات سنیوں کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

ایک مرتبہ بیان کے دوران حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: مرزا غلام قادیانی کی تیس (۳۰) کے لگ بھگ کتابیں ہیں، جو سب میں نے دیکھ رکھی ہیں، ان میں جو سب سے بڑی کتاب ہے، اس کا نام ہے روحانی خزائن۔ قادیانی خود کہتے ہیں کہ یہ ہماری سب سے بڑی (اور اہم) کتاب ہے۔ فرمایا: جن کی لائن ہی ''روحانی'' ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ نبوت کی لائن تو ''آسمانی'' ہوتی ہے۔ حضرت کے اِس عجیب وغریب نکتے پر سارا مجمع جھوم اُٹھا اور ہر طرف سے سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے بحر العلوم یعنی علوم کا سمندر تو بنایا ہی تھا، نکتہ رس ذہن اور عجیب وحیران کن طرزِ استدلال سے بھی نوازا تھا۔ اپنے زمانہ میں بے مثال شخصیت تھے۔ ہمارے استاذِ محترم مولانا عبدالودود صاحب مدظلہ العالی [استاذ الحدیث: جامعہ حنفیہ جہلم] کو جب کبھی میں علامہ صاحب کا بیان کردہ یا تحریر فرمودہ کوئی نکتہ سناتا تو بے ساختہ کہہ اُٹھتے کہ ''علامہ تو پھر علامہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو ان کے علوم و فیوض کی برکات عطا فرمائے۔ اور حضرت کی تقاریر وتحاریر کو ہم سب کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔ ☆☆

مفتی نجیب اللہ عمر، کراچی

علم وتحقیق کا ہمالہ

اب سے تقریباً آٹھ سال پیشتر مجھے ایک فون آیا، بات کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی آواز ہے۔ میرا نام دریافت کرنے کے بعد مجھ سے صحت طبیعت کا پوچھا اور پھر اپنا تعارف کرایا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ پھر فرمایا: آپ کا دوماہی مجلّہ ''نورسنت'' کراچی مجھے پابندی سے ملتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں رضا خانیت پر عمدہ رسالہ ہے اور اس کام کی اشد ضرورت بھی ہے، اسے جاری رکھیں۔

اس کے بعد فرمانے لگے کہ: مجھے آج سے کچھ عرصہ قبل کسی صاحب نے فون کر کے کہا تھا کہ وہ فاضل بریلوی پر نئے انداز میں کام کر رہے ہیں، بہت عرصہ ہوا نہ ان کا دوبارہ فون آیا اور نہ میرے پاس ان کا نمبر محفوظ ہے۔ دورانِ تذکرہ مجھے کسی صاحب نے بتایا کہ وہ صاحب آپ سے تعلق رکھتے ہیں تو میں نے آپ کا نمبر تلاش کر کے فون کیا ہے۔ حضرت نے جس صاحب کا دریافت فرمایا، وہ کراچی میں بندہ کا ایک شاگرد تھا۔ بندہ کے لیے یہ بات کسی اعزاز سے کم نہیں تھی کہ اتنی بڑی شخصیت نے گفتگو کا شرف بخشا۔ حضرت بیک وقت ایک مایہ ناز عالم، مصنف، مناظر، محقق اور قادیانیت' شیعیت' غیر مقلدیت' لامذہبیت اور بریلویت کے لیے بے نیام تلوار تھے۔

دوسال قبل لاہور سے مولانا ظہیر احمد صاحب کا فون آیا کہ علامہ صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں اور جامعہ اشرفیہ میں قیام پذیر ہیں۔ علامہ صاحب زید مجدہ نے ایک بار پھر یہ خواہش فرمائی ہے کہ: فاضل بریلوی کی شاعری پر کام کرنے والے دوست سے رابطہ کر کے بندہ (نجیب اللہ) اور ان سے ملاقات کی ترتیب بنائی جائے۔ میں نے اِس بار بھی اُن صاحب سے بہت بار رابطہ کیا۔ لیکن رابطہ نہ ہوسکا۔ بالآخر میں نے سوچا کہ میں خود جا کر حضرت کو ساری صورتحال سے آگاہ کروں۔ اس طرح مجھے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوجائیگا۔ اور حضرت علامہ صاحب کے درس حدیث میں بیٹھ کر شاگردی کا اعزاز بھی نصیب ہوگا۔ یوں میں نے فروری ۲۰۱۸ء میں لاہور کا رختِ سفر باندھا اور ۲۸ر فروری کو حضرت کے درسِ حدیث میں شمولیت کا موقع ملا اور ملاقات کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ تو اس طرح مجھے حضرت سے تلمذانہ تعلق کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ **فالحمدللہ علی ذلک**۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے مجھے اپنی تصنیف ''شاہ اسماعیل شہید'' کا ہدیہ بھی پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں، اُن کے فیوض وبرکات سے ہمیں محروم نہ فرمائیں اور اُن کے علوم سے ہمیں کماحقہ استفادے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

محمد اورنگ زیب اعوان، ہری پور ہزارہ

آہ! علامہ ڈاکٹر خالد محمود بھی چل بسے

کل نفس ذائقہ الموت ،سلطان القلم،سرتاج العلماء،ترجمان اسلام،نقیب اہل السنۃ والجماعۃ،محافظ عقائد علماء دیوبند،متکلم اسلام،مناظر ختم نبوت،دین دشمنوں کیلئے شمشیر بے نیام،علم وعمل کی چلتی پھرتی تصویر،معلومات کا خزینہ،ہمہ وقت اہل باطل کے مقابلہ کیلئے تیار،**اشداء علی الکفار** اور **رحماء بینھم** کی عملی تصویر،علم کا کوہ گراں مگر عاجزی وانکساری کا پیکر،متانت اور وقار کی تنویر علامہ ڈاکٹر خالد محمود بھی جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکے۔

آہ! موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

علامہ ڈاکٹر خالد محمود بیک وقت بلند پایہ محقق،مناظر اور بحر علم وعرفان کے شناور تھے۔انہوں نے یورپ کی تاریک فضاؤں میں روشنی کے دیپ فروزاں کیے،کفر کے اندھیروں میں اسلام کی شمعیں روشن کیں۔علامہ صاحب خرمن باطل پہ شعلہ فشاں ثابت ہوئے اور الحاد وزندقہ کے ناسور جڑ سے اکھاڑ دیے۔یقیناً علامہ صاحب جیسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔خال خال ہی ایسے نامور لوگ زمانے نے دیکھے ہوں گے۔آج تو المیہ یہ ہے کہ ہم اپنا تعارف خود کراتے ہیں،اپنے اشتہارات خود شائع کراتے ہیں،اپنے نام کے ساتھ بھاری بھرکم القابات خود تجویز کرتے ہیں اور پھر اپنے بیانات میں بھی اپنے فضائل وکمالات بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے۔تلبیس ابلیس کا اس حد تک شکار ہو جاتے ہیں کہ دل کی تسلی اور لوگوں میں اپنی ساکھ بحال رکھنے کیلئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ کوئی تکبر نہیں،غرور نہیں،تعلّی نہیں،فخر نہیں بلکہ **تحدیث بالنعمت** ہے جس کا اظہار کر رہا ہوں۔

مگر علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب تمام تر خوبیوں اور کمالات کے باوصف ان تکلفات سے کوسوں دور تھے۔کبھی خودنمائی غرور وتکبر کے الفاظ ان کی زبان پر نہیں آئے۔اب تو کل کے بچے بھی اپنے نام کے ساتھ ''حضرت اقدس'' لکھواتے ہیں اور خود کو علامہ سید انور شاہ کشمیری سے کم نہیں سمجھتے مگر علامہ ڈاکٹر خالد محمود ہمیشہ اپنے آپ کو اکابر کا خادم اور رضا کار سمجھتے اور نمود ونمائش سے کوسوں دور رہتے۔

علم،شہرت،دولت،عزت،مرتبہ،مقام،احترام،سب کچھ ہونے کے باوجود،بین الاقوامی پذیرائی،پوری دنیا گھومنے،ہر جگہ کلمہ حق کہنے،باطل کو للکارنے،دین اسلام کا پیغام پہنچانے،دنیا کی ہر سہولت اور آسائش کے موجود ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری دیکھی تو علامہ ڈاکٹر خالد محمود میں دیکھی یقیناً وہ گدڑی میں چھپے لعل تھے۔

اتنی خوبیوں اور کمالات کے باوجود اس عاجزی وانکساری کی وجہ احقر کے خیال میں یہ تھی کہ حصول علم کے ساتھ ساتھ

انھوں نے اپنے دور کے اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کی تھیں، اللہ والوں کی جوتیوں میں بیٹھے تھے، اللہ اللہ کرنا سیکھا تھا، اپنی تنہائیوں کو اللہ کے ذکر سے منور کیا تھا، مجاہدات و مراقبات کے مرحلوں سے گزرے تھے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے تھے، سلوک و عرفان کی منازل طے کی تھیں۔ ہم عصر اولیاء و صلحاء کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔ صوفیاء و اتقیاء کی توجہات ان کے شامل حال تھیں۔ وہ زاہد تھے، عابد تھے، ان کی خلوت اور جلوت یاد الٰہی سے عبارت تھی۔ وہ علم و عمل اور تقویٰ و پرہیز گاری کی تصویر تھے۔ ریا کاری اور دکھلاوے سے انہیں نفرت تھی۔

علامہ صاحب نے جتنا علمی کام کیا ہے، اس میں جتنا تنوع ہے اور جتنی جامعیت ہے وہ قابل رشک ہے۔ کمال یہ ہے کہ سب کام علامہ صاحب نے خود کیے ہیں، یہ نہیں کہ شاگردوں اور خدام کے ذمہ لگا دیا کہ اس موضوع پر کتاب لکھ دو اور بعد میں ان کی محنت پر اپنا نام لکھ کر ''مصنف کتب کثیرہ'' بن گئے ہوں۔ بارہا دیکھا کہ نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد نماز فجر سے پہلے پہلے علامہ صاحب کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ جاتے اور بے تکلف صفحوں کے صفحے لکھ ڈالتے۔

اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ انھیں عطا کر رکھا تھا، بڑی بڑی کتابوں کے حوالے، سطروں کی سطریں، جملوں کے جملے حتیٰ کے پورے پورے پیراگراف صرف اپنے حافظے کے زور پر لکھ لیتے۔ کوئی حیرانگی سے پوچھتا تو فرماتے وہ مطالعہ ہی کیا جو دماغ میں محفوظ نہ رہے۔ غرض یہ کہ علامہ صاحب کا دماغ اور قلم قدرت کا شہکار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی سے یہ خوبیاں اور صلاحیتیں انہیں عطا کر رکھی تھیں۔

سچ تو یہ کہ آج ہم کسی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں صرف اسے خوش کرنے کے لیے یا اس کے محبین و متعلقین سے داد و تحسین وصول کرنے کے لیے۔ خود بھی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، جھوٹ لکھ رہے ہیں، مگر ہم اسے اپنی معاشی مجبوری سمجھتے ہیں اور ذرے کو آفتاب بنا دیتے ہیں، جھوٹ کو سچ کر دکھاتے ہیں۔

مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ جیسے نابغہ روزگار بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر ان ساری خوبیوں سے نواز رکھا تھا، مگر کیا مجال کہ کبھی غرور و تکبر اور فخر و تعلّی کا ایک جملہ بھی زبان پر آیا ہو۔ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتے، اللہ کے حضور سراپا عجز و انکسار بنے رہتے اور تمام اوصاف و کمالات کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل گردانتے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے رکھتے، یہ ہوتے ہیں عباد الرحمٰن اور ان پر ہوتے ہیں اللہ کے احسان اور جب ایسے لوگوں کا دم واپسیں آتا ہے تو قدرت حق اعلان کرتی ہے: **یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**۔ شاید کہ کوئی ہم پر اعتراض کرے کہ خوامخواہ پاکیٔ داماں کی حکایت کو بڑھا رہے ہیں، تو یقین جانیے یہ سب دل کی ترجمانی ہے، آنکھوں دیکھا حال ہے، اس میں نہ تو مبالغہ آرائی ہے اور نہ ہی جھوٹ کی آمیزش، علامہ صاحب حقیقتاً ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ کے ان پہ بے شمار احسانات تھے، عنایات تھیں، کرم نوازیاں تھیں، بے پایاں رحمتیں تھیں جنھوں نے علامہ صاحب کو علم و عمل کا شہکار بنا دیا تھا۔

ہمارے بزرگ مولانا عبدالرحیم صاحب چار یاری کے بقول ''علامہ صاحب کے ہاں شعلہ نوائی اور مبالغہ آرائی نہیں تھی

بلکہ حقیقت سے بھرپور، عقل وخرد سے معمور اور سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے نایاب علمی موتی ہوتے تھے جو سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ سے بھی میسر نہ ہوں وہ آن واحد میں مل جاتے تھے۔علامہ صاحب بین الاقوامی خطیب، بہترین ادیب، گمراہ لوگوں کے لیے عالمی شہرت یافتہ طبیب، ایک درویش صفت مصلح، نقاد، عالم، مفکر اسلام....جس عنوان پر بھی گفتگو فرماتے اسی کے شہسوار معلوم ہوتے۔''

ہمارا علامہ صاحب سے پہلا غائبانہ تعارف ان کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' کے حوالہ سے ہوا۔غالباً ۱۹۸۶ء میں ہری پور دیوبندی، بریلوی نزاع کی زد میں تھا، ہمارے دوست مولانا قاری محمد نواز اعوان نے ایک کتاب مطالعہ کے لیے دی، اس کا نام تھا ''رضاخانی مذہب'' جس کے مصنف کوئی علامہ سعید قادری تھے، (جو بعد میں بریلوی بنے، بعدازخرابی بسیار پھر علماء دیوبند کے قدموں میں آئے اور اَب انھیں جانتا تک کوئی نہیں۔انا اللہ وانا الیہ راجعون) اس کتاب کے مطالعے نے اس موضوع پر مزید پڑھنے کی خواہش پیدا کی تو ایک مہربان نے بتایا کہ لندن میں ایک عالم دین ہیں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب، ان کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' پڑھو، اس حوالہ سے وہ حرف آخر ہے اور خوبی یہ ہے کہ انتہائی سنجیدہ اور علمی انداز میں لکھی گئی ہے۔

بڑی مشکل سے یہ کتاب حاصل کی (کتاب کا حصول ایک دردناک کہانی ہے اس لیے پھر کبھی سہی، کہیں یہ داستان طویل نہ ہو جائے) اب جو کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو حیران رہ گیا کہ مخالف کو اس انداز میں بھی مخاطب کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بھی پڑھے تو اَش اَش کر اُٹھے۔حسن وہ ہے جس کا سوکن بھی اعتراف کرے۔**الفضل ما شهدت به الاعداء.**

یقیناً یہ کتاب بریلوی مکتبِ فکر سے وابستہ افراد کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔اس کتاب کے مطالعے نے علامہ صاحب سے غائبانہ طور پر متعارف کرایا۔علامہ صاحب کا تذکرہ اور ان کی خدمات کے حوالہ سے سنا تو بہت کچھ مگر مزید مطالعہ کا موقع نہ ملا اور ان کی کوئی کتاب بھی ہاتھ نہ لگی۔

مخدوم محترم صاحبزادہ طارق محمود، استاذ گرامی قدر مولانا اللہ وسایا مدظلہ، مخدوم گرامی قدر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ سے علامہ صاحب کی حاضر جوابی اور علمیت کے بے شمار واقعات سنے، مگر کتاب پھر بھی کوئی نہ مل سکی اور اپنی کم علمی کے باعث کوئی خاص جستجو بھی نہ کی۔

اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ میرے ان ہی تین محسنین نے ۱۹۹۴ء میں بحیثیت مبلغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، اسلام آباد میں میری تعیناتی کردی، مجھ سے پہلے مولانا عبدالرؤف جتوئی وہاں اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے۔ان کے اچانک انتقال کے باعث یہ ذمہ داری مجھ ناتواں کے کندھوں پر آپڑی۔مولانا جتوئی مرحوم نے دفتر میں کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ان ہی کتابوں میں علامہ صاحب کی کتاب "عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت" بھی تھی۔یہ کتاب کا شاید پہلا ایڈیشن تھا جو ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا، اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو یہ جان کر حیرانگی ہوئی کہ علامہ صاحب کیسے بات سے بات نکالتے ہیں اور کس خوبصورت انداز میں اپنے موقف پر دلائل کا انبار لگاتے ہیں۔مسئلہ ختم نبوت کے حوالے سے پہلی دفعہ اتنی خوبصورت کتاب پڑھنے کا موقع ملا۔بعض مقامات سمجھ نہ آئے تو پنسل سے نشان لگالیے، چند دن بعد شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا اسلام آباد تشریف لائے تو وہ

مقامات انھیں دکھائے، انھوں نے کمال شفقت اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مشکل مقامات کو سمجھا دیا۔ اللہ تعالی انھیں جزاء خیر عطا فرمائیں کہ تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے میرے اولین استاد، مربی اور محسن وہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکتیں نصیب فرمائیں، ان کا سایہ تا دیر امت مسلمہ اور خدام ختم نبوت کے سروں پر قائم ودائم رکھیں۔ میرے مطالعاتی ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ ملتان دفتر مرکزیہ جب آؤ گے تو علامہ صاحب کی ختم نبوت کے حوالے سے مزید کتابیں بھی دکھاؤں گا، ان کا مطالعہ بھی ضرور کرنا۔

اب شوق مزید بڑھا۔ اتفاق سے تین ماہ بعد مبلغین کا دفتر مرکزیہ ملتان میں اجلاس تھا۔ اس میں شریک ہوا تو مولانا اللہ وسایا صاحب نے علامہ خالد محمود صاحب کی درج ذیل کتابیں مطالعہ کے لیے عنایت فرمادیں، نصرۃ الاسلام، قادیانیوں کی قانونی حیثیت، دورۂ یورپ وافریقہ، دورۂ افریقہ، مناظرۂ نائیجیریا، براءتِ حضرت تھانوی۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کتابوں کو اور ان کے مندرجات کو انتہائی غور سے پڑھو، جو بات سمجھ نہ آئے پوچھو، میں بعد میں تمہارا امتحان لوں گا۔ تقریباً ایک ہفتہ ملتان میں قیام رہا اور یہ کتابیں زیر مطالعہ رہیں، کوئی بات سمجھ نہ آتی تو مولانا اللہ وسایا صاحب سے پوچھ لیتا، وہ نہ ہوتے یا مصروف ہوتے تو مولانا خدا بخش صاحب سے رہنمائی لیتا، وہ بھی نہ ہوتے تو مفکر ختم نبوت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنی الجھن عرض کرتا تو وہ بڑے ہی پیارے اور احسن انداز میں اس الجھن کو دور فرماتے اور اس مقام کو کئی مثالوں کے ذریعے آسان فرمادیتے۔ اللہ تعالی نے بات کرنے اور سمجھانے کا خوب ملکہ انھیں عطا فرمایا ہے۔ وہ واقعی اپنے والد گرامی مجاہدِ ملت مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہ کے جانشین ہیں۔ ان ہی کی طرح بات سمجھانے کا انداز ہے۔

یوں علامہ خالد محمود صاحب کی ختم نبوت کے حوالے سے کتابوں کا مطالعہ کیا اور مشکل مقامات کو سمجھا۔ آخری دن جب اسلام آباد واپسی تھی حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کئی سوالات کیے، احقر نے طالب علمانہ جوابات دیے، مولانا نے تحسین فرمائی، اس موقع پر انھوں نے انعام سے بھی نوازا، اور وہ انعام تھا ایک سو روپے کا نوٹ، جو اس دور میں واقعی بہت بڑا انعام تھا۔ میں نے فرط عقیدت میں اس پر مولانا سے دستخط بھی لے لیے، جو میرے پاس بطور یادگار کافی عرصہ موجود رہا، بعد میں ایک حادثہ کی نذر ہوگیا۔

علامہ صاحب کی بعض کیفیات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم اور احسان کا معاملہ تھا، مشکل سے مشکل مقامات کو وہ چٹکیوں میں حل کرتے تھے، سوالات واشکالات کے جوابات میں وہ کوئی زیادہ غور وفکر کے قائل ہی نہ تھے، اِدھر سوال ہوا، اُدھر اس کا جواب تیار ہوتا تھا۔ احقر کے لیے وہ دن یادگار ہیں، جب دعوہ اکیڈمی اسلام آباد کے زیر اہتمام ''مطالعہ قادیانیت کورس'' کا انعقاد کیا گیا تھا، ان دنوں اکیڈمی کے ڈائیریکٹر ڈاکٹر انیس احمد صاحب تھے جبکہ کورس کے نگران اور ذمہ دار محترم جناب ڈاکٹر علی اصغر چشتی صاحب تھے۔ احقر کے ساتھ ان کا خصوصی شفقت کا معاملہ تھا۔ اس کورس کے حوالہ سے انھوں نے احقر کے مشوروں اور رائے کو خصوصی اہمیت دی تھی۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ، حضرت مولانا صاحبزادہ طارق محمودؒ، حضرت مولانا اللہ وسایا، محترم جناب محمد طاہر رزاق صاحبان کو اس کورس میں لیکچرز کے لیے مدعو کیا گیا۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے تو اپنی مصروفیات کے باعث معذرت کر لی تھی، جبکہ باقی حضرات تشریف لائے تھے۔ ان کی آمدورفت اور قیام وطعام کی ذمہ داری الدعوہ اکیڈمی کی طرف سے تھی۔ مجھے آج بھی یاد ہے ۶، ۷، ۸ر دسمبر ۱۹۹۴ء بروز منگل، بدھ، جمعرات کا وقت علامہ صاحب نے عنایت فرمایا تھا۔ اکیڈمی کی گاڑی میں انھیں لینے کے لیے میں اسلام آباد ائیرپورٹ گیا۔ اسلام آباد آمد سے لے کر لاہور واپسی تک یہ تین دن مسلسل علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہا۔ الدعوہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اکیڈمی کے ہاسٹل اور دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں علامہ صاحب کے ہمراہ رہا۔ ان دنوں جامعہ محمدیہ اسلام آباد کے نائب مہتمم، استاذ الحدیث مولانا تنویر احمد علوی صاحب جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں زیر تعلیم تھے اور چھٹیوں پہ اسلام آباد آئے ہوئے تھے، ان دنوں ہمارا خوب دوستانہ تھا اور برادرانہ تعلقات تھے۔ وہ بھی برابر علامہ صاحب کی خدمت میں شریک رہے۔ اس موقع پر انھیں علامہ صاحب کی بہت زیادہ خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اسلام آباد کے ہی ہمارے کرم فرما مولانا قاری خلیق الرحمان قاسمی صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ یہ تین دن ہم نے علامہ صاحب کے ساتھ گزارے، ان کا رات کا قیام دفتر ختم نبوت ہی میں ہوتا تھا، ان کے معمولات زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، ان کی علمی مجالس اور گفتگو سے اکتساب فیض کیا، کھانے پینے اور آرام کرنے میں ان کے انداز دیکھے، چائے کے متعلق ان کے خصوصی ذوق کا مشاہدہ کیا، سحری کے وقت ان کی عبادات اور قلمی مشاغل دیکھے، سبحان اللہ کیا دن تھے۔

عالمی تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما اور میرے مخدوم صاحبزادہ طارق محمود صاحب کا انتقال ۱۲ ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو ہوا تو چند دن بعد علامہ صاحب تعزیت کے لیے فیصل آباد تشریف لائے، احقر نے تعزیتی تاثرات لکھنے کی گزارش کی تو فوراً درج ذیل تعزیتی کلمات لکھ دیئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

> ”صاحبزادہ طارق محمود مرحوم نے جس طرح نامساعد حالات کے باوجود اپنے والد کے دینی اور تبلیغی مشن کو باقی رکھا اور مولانا تاج محمود مرحوم کے سانحہ وفات سے جماعت کی صفوں میں کوئی خلا پیدا نہ ہونے دیا، اللہ رب العزت صاحبزادہ مرحوم کے بیٹوں کو بھی توفیق وسعادت بخشیں کہ وہ اپنے خاندان کی دینی میراث کو نہایت صبر اور رضاء الٰہی سمجھ کر آگے جاری رکھیں۔
>
> حق تعالیٰ قدم قدم پر ان کی نصرت فرمائیں۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلے میں صاحبزادہ مرحوم کی علمی، تبلیغی اور ادبی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ دعا گو خالد محمود عفا اللہ عنہ۔ ۱۷ ر ستمبر ۲۰۰۶ء“

[حیات وخدمات، خطیب ختم نبوت صاحبزادہ طارق محمود: ۱۵۰، مؤلف: محمد اورنگ زیب اعوان]

علامہ صاحب جتنی دیر جامع مسجد محمود میں تشریف فرما رہے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری اور مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمود کی تحفظ ختم نبوت کے لیے خدمات کو سراہتے رہے۔ علامہ صاحب نے

اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ: لوگ تو کتابوں میں پڑھ کر یا دوسروں سے سن کر ان حضرات کے واقعات سناتے ہیں مگر میں تو آنکھوں دیکھے واقعات سناتا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی اعزاز اور فخر حاصل ہے کہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا اولین ممبر اور رکن ہوں۔

۱۹۵۳ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی فرمائش پر میں نے ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت'' نامی کتاب لکھی تھی، جسے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے شائع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اعجاز ہے کہ آج بھی اگر کوئی شخص اس کتاب کو ایک دفعہ پڑھ لے تو وہ کبھی بھی قادیانی دجل کا شکار نہیں ہوسکتا۔ آج تک اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور قادیانی اس کا کوئی جواب نہ آج تک دے سکے ہیں اور نہ ہی قیامت تک دے سکیں گے۔ علامہ صاحب نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا تاج محمودؒ نے ہفت روزہ ''لولاک'' شروع کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا تھا۔ لولاک نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی تردید میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ہفت روزہ ''لولاک'' مجلس تحفظ ختم نبوت کا شروع دن سے ترجمان رہا، اس کی صحافتی وادبی خدمات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ (دیکھیے: ۱/۲۴۶، ۴۰۸، ۶۲۵، ۶۶۳، ۷۰۴ (مضمون) ۳۵، ۵۹۵......۲، ۲۴/۲، ۲۶۲، ۴۷۱)

مولانا تاج محمود کے انتقال کے بعد ان کے قابل فخر فرزند صاحبزادہ طارق محمود نے ''لولاک'' کی ادارت سنبھالی اور اپنے خون جگر سے اس کی آبیاری کی، میں نے ان کی کئی تحریروں کو بطور خاص پڑھا ہے، ان کی تحریر میں آغا شورش کاشمیریؒ اور مولانا تاج محمودؒ کا رنگ نمایاں تھا۔ اس موقع پر علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ: میں جب بھی مانچسٹر سے پاکستان آیا اور فیصل آباد کے علماء کرام اور مدارس کے ذمہ داران نے مجھے یہاں آنے کی دعوت دی تو میرے ان میزبانوں میں حضرت مولانا تاج محمودؒ سرفہرست ہوتے تھے اور مجھے ان کے یہاں حاضر ہوکر دلی خوشی، سکون اور راحت ملتی تھی۔ مولانا کے انتقال کے بعد بھی جب کبھی فیصل آباد کا سفر ہوا تو ان کے فرزند ارجمند صاحبزادہ طارق محمود نے اپنے والد مرحوم کی روایات کو خوب نبھایا اور ہر طرح سے میری خاطر مدارت کی۔ میرا اس مسجد اور گھر سے پرانا تعلق ہے۔ افسوس کہ فوتگی کی اطلاع بروقت نہ مل سکی ورگرنہ میں نماز جنازہ میں ضرور شریک ہوتا۔

علامہ خالد محمود صاحب نے جتنا علمی کام کیا ہے ضرورت ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ مختلف رسائل وجرائد سے ان کے مضامین اکٹھے کر کے شائع کئے جائیں۔ ان کی تقاریر، دروس اور نجی مجالس کے موتی یکجا کیے جائیں تو ان شاء اللہ کئی جلدوں کا مواد جمع ہوجائے گا۔

برطانیہ میں کئی علماء کرام ایسے ہیں جن کے علامہ صاحب کے حوالے سے فیس بک پر کلپ تو گاہے بگاہے آتے رہتے ہیں، تصاویر بھی وہ خوب لگاتے ہیں، اپنے مرحوم اساتذہ کرام کے ساتھ علامہ صاحب کے تعلقات کا بھی خوب تذکرہ اور چرچا کرتے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ یہ علمی کام کریں اللہ تعالیٰ نے انھیں اسباب و وسائل سے بھی نواز رکھا ہے۔ علمی پس منظر بھی ہے، تعلقات بھی ہیں، اب جو کرنے کے کام ہیں وہ کریں اور علامہ صاحب مرحوم کی تعلیمات اور افکار کو عام کریں۔

تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی رہنما، مایہ ناز ادیب اور خطیب مولانا عبد الجبار سلفی اگر ہمت کریں تو علامہ

صاحب سے متعلق ایک ضخیم کتاب تیار کر سکتے ہیں کہ جماعتی پروگراموں میں بھی اور علامہ صاحب کے قیام لاہور کے موقع پر بھی انھوں نے علامہ صاحب سے بہت زیادہ اکتساب فیض کیا ہے۔اس لیے ان کا فرض بھی ہے اور ان کے ذمہ قرض بھی کہ وہ علامہ صاحب سے متعلق اپنی یادداشتوں کو مرتب کریں۔اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کے تمام محبین و منتسبین کو اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اپنی یادداشتوں کو مرتب کریں۔اس سے ان شاء اللہ بہت سا مواد جمع ہو جائے گا۔

علامہ صاحب سے وابستہ یادیں اتنی ہیں کہ قلم رکنے کا نام نہیں لے رہا،مگر اپنی بیماری کے باعث اب دماغ پہ زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔انہی چند بے ربط اور ٹوٹی پھوٹی سطروں پہ اکتفا کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور علامہ صاحب کے درجات کو بلند فرمائیں۔آمین

نہ ساقی ہے نہ میخانہ، نہ محفل ہے نہ پیمانہ
بہاریں لٹ گئیں ساری، فقط باقی ہے افسانہ
نگاہ مست تھی تیری نشاطِ جان و دل ساقی
چھلکتا ہی رہا ہر دم تیرا بھرپور پیمانہ
ارادہ تیرا مستحکم، نہ تھا کوئی بدل سکتا
کہ ہمت تھی جواں تیری، بھرا تھا جوشِ مردانہ
تکلم پُر لطافت ہے ہر اک سر شار ہوتا تھا
تھا تیرے گوہر اخلاق سے ممنون بیگانہ
کہاں وہ شوخیاں ہیں اب کہاں سرشاریاں باقی
کہاں ہے شیخِ میخانہ، کہاں ہے دور پیمانہ
کہاں جائیں کدھر ڈھونڈیں کہاں دیکھیں کدھر پوچھیں
نہیں سنتا کوئی فریاد اپنا ہو کہ بیگانہ

☆......☆......☆......☆

مولانا فضل الرحمٰن قاسمی، سرگودھا

عظیم راہبر میرے استاذ

مفکر اِسلام اُستاذ المکرّم حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب قدس اللہ سرہٗ و **برد اللہ مضجعہ** ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ **بمطابق** ۱۴رمئی ۲۰۲۰ء جمعرات کے روز اِس فانی دُنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف چلے گئے۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ** ط **اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا فِيْ مُصِيْبَتِنَا وَعَوِّضْنَا خَيْرًا مِّنْهَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَاشَيْخَنَا لَمَحْزُوْنُوْنَ۔**

(عجیب اِتفاق ہے کہ احقر جن حضرات سے روحانی سکون محسوس کرتا تھا، اُنہوں نے مئی کے مہینے میں دارِ آخرت کی طرف سفر کیا۔ میری مراد (۱) محیی السنۃ، عارف باللہ میرے شیخ اوّل شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحبؒ۔[وفات: ۱۶ر مئی ۲۰۱۹ء] (۲) بحر العلوم شیخ التفسیر والحدیث، امامِ اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ [وفات: ۵ر مئی ۲۰۰۹ء] (۳) مرشد العلماء، رأس الاتقیاء حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ [وفات: ۵ر مئی ۲۰۱۰ء] (۴)۔ مفکر اِسلام **رئیس المحققین** حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ [وفات: ۱۴ر مئی ۲۰۲۰]

اِس دورِ قحط الرجال اور عالمِ اضطراب میں اُستاذ العلماء، سُلطان المناظرین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب قدس اللہ سرہٗ و برد اللہ مضجعہ کا وجودِ مسعود اللہ تعالیٰ کا انعام تھا، ان کی ذات ستودہ صفات پورے عالمِ اسلام کے لیے ایک نہایت بے بدل سعادتوں اور انوارات وبرکات کا سرچشمہ تھی، شرور وفتن کے اِس دور میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اِجماعی عقائد ونظریات اور رشد وہدایت کے مینار تھے، ان کی پوری زندگی قال اللہ وقال الرسول کے لیے وقف تھی۔

اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبُ يَحْزُنُ وَمَانَقُوْلُ اِلَّا مَايَرْضىٰ بِهٖ رَبُّنَا

آنکھوں سے آنسو کے سیل رواں ہیں، اور دِل پارہ پارہ ہے، اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔

اہل نظر تصویرِ حیرت ہیں کہ متاعِ دِین ودانش لٹ گئی، علماء مدرّسینِ علومِ نبوت کے وارثان کی بساط اُلٹ گئی، دانش وروں کو غم ہے کہ فضیلت وسیادت کی مسند خالی ہوگئی، شمع ختم نبوت وعظمت صحابہ کے پروانے اُداس ہیں کہ اُن کا ہادی چل بسا، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ اُن کی ڈھال چھن گئی، علمی پیاس بُجھانے والے راہِ روانِ صفا کو صدمہ ہے کہ اُن کا مشفق ومربی اُٹھ گیا اور عالم اِسلام مغموم ومحزون ہے کہ ملت ایک دیدہ ور اور پاسبان سے محروم ہوگئی

وَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهٗ هُلْكَ وَاحِدٍ وَلٰكِنَّهٗ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

وہ شمع کی طرح خود پگھلتے رہے مگر خلقِ خدا پر ضوفشانی کرتے رہے خود جلتے رہے مگر دوسروں کو جِلا بخشتے رہے۔ مگر اِس

فرمانِ خداوندی کو وہ بھی وِردِ زبان اور حرزِ جان بنائے بغیر نہ رہ سکے: **کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ... کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ.** مگر وہ دُنیا سے جاتے ہیں تو اِس شان سے جاتے ہیں کہ چہار سوصفِ ماتم بچھ جاتی ہے، اُن کے فراق میں زمین وآسمان نوحہ کناں ہیں۔اور **مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ**.کا مصداق ہوئے۔

حضرت علامہ صاحبؒ ان نابغہ رُوزگار شخصیات میں سے تھے، برسوں خاک چھاننے سے بھی جن کی مثال ملنا ناممکن نہیں تو اِنتہائی مشکل ضرور ہے، وہ علم وفضل، نیکی وتقویٰ اور مستند عالم، اِفہام وتفہیم کی دولت سے مالا مال بہترین مدرس اور عمیق الرائے ودقیق النظر فقیہ بھی تھے، آپؒ نہ صرف مصنف بلکہ ایک بہترین خطیب اور مناظر اور فقہ حنفی کے صحیح معنوں میں وکیل تھے۔ اگر میں یوں کہوں کہ بلاشبہ وہ اس زمانہ میں علم وتحقیق کے امام تھے تو مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔جن کی خدمت میں بڑے بڑے جبال علم حاضر ہوکر علم کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے، آپؒ جیسے صاحبِ علم اور شریعت وطریقت کے وجودِ مسعود کے دم قدم سے ہی آج علم کا یہ جہان آباد ہے، آپ رحمہ اللہ کی حیات مستعار صبر وسخاوت، تسلیم ورضا اور سادہ لباس کی آئینہ دار تھی، اُن کی شخصیت میں کمال کا رُعب، دبدبہ، اور جلال ہونے کے باوجود اُنہیں دیکھ کر عجیب طمانیت محسوس ہوتی تھی۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ شدید گرم موسم میں ایک ٹھنڈے پانی کے چشمے کی مانند ہیں، جس سے مسافر اپنی پیاس بُجھاتے ہیں، بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے براہِ راست اِن سے فیض حاصل کیا اور اپنی علمی پیاس بُجھائی اور اپنی آنکھوں کو سُرور پہنچایا، ہم جیسے نالائقوں کے لیے صرف یہی کافی تھا کہ ہم حضرت کے وجود کو اُمت کے لیے بالخصوص اہل علم کے لیے ایک بڑی نعمت تصور کرتے تھے۔اُن سے دُور رہ کر بھی اُن سے قربت کا اِحساس رہتا تھا۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے نفاذِ شریعت اور تحفظِ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کے ناموس اور عقائد اہل السنّت کے تحفظ ودفاع میں بھرپور اور متحرک زندگی گزاری ہے اور عمر بھر اِن دائروں میں مسلسل سرگرم عمل رہے ہیں۔۱۹۵۶ء کے دستور کے نفاذ کے موقع پر جمعیت علمائے اِسلام پاکستان کے دستور کے حوالے سے کچھ تحفظات تھے، جن کے اِظہار کے لیے مولانا مفتی محمودؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، شیخ حسام الدین، اور حضرت علامہ خالد محمودؒ پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی جس نے تنقیدات وترامیم کے عنوان سے رپوٹ مرتب کر کے شائع کی۔

(راقم) احقر فضل الرحمٰن قاسمی غفرلہ کو بھی حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، (۲۰۰۳ء رمضان المبارک اِدارہ تنظیم اہل سنت ملتان میں حضرت والا طلبہ وعلماء کو پڑھانے کی غرض سے حضرت تونسویؒ کے پاس تشریف لائے تھے) **فللہ الحمد و لہ الشکر**۔(جامعہ اشرفیہ لاہور میرے موقوف علیہ اور دورہ حدیث والے سال حضرت کی آمد تو ہوتی تھی، لیکن اُن دِنوں حضرت نے جامعہ اشرفیہ میں پڑھایا نہیں تھا اگرچہ خواہش بڑی رہتی تھی کہ حضرت پڑھائیں۔۲۰۰۷ء میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تو حضرت والا حضرت اُستاذ جی مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کے گھر تشریف لے گئے، راقم بھی ساتھ تھا، باتوں سے باتیں نکلتی رہیں، بالآخر حضرت اُستاذ جی اشرفی صاحبؒ (راقم سمیت چند طلبہ کو) فرمانے لگے: جامعہ

اشرفیہ کے جلسے میں جب علامہ صاحب بیان فرماتے تو اباجی (حضرت مفتی حسن صاحبؒ) اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر علامہ صاحب کی پوری تقریر سنتے تھے۔)(دیکھیے :۱/۸/۷[ادارہ])

حضرت علامہ صاحب کو حق تعالیٰ نے وافر مقدار میں فہم سلیم اور علم صحیح تو عطا فرمایا ہی تھا، بایں ہمہ افہام وتفہیم اور دریا کو کوزے میں بند کرنے کی جو مہارتِ تامہ اور ملکہ کاملہ آپ کو حاصل تھا ایسا کہیں اور نہیں دیکھا۔ جس کا اندازہ حضرت کی کتب سے باحسنِ انداز ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کا درس کیا ہوتا تھا، علوم ومعارف کا ٹھاٹھیں مارتا ایک سمندر موجزن ہوتا تھا، آپ کے درس میں بیٹھنے والا ہر طالب علم صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر پختگی حاصل نہیں کرتا تھا بلکہ تمام تر باطل فرقوں کا ردّ بھی قرآن وسنت کے عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ اِختیار کرلیتا تھا۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی حضرت سے علمی اِستفادہ کے طور پر اِختلافی مباحث پڑھ لیتا تو اُس کے لیے اَدیانِ باطلہ سے بات کرنا بالکل سہل ہوجاتی۔ بہر حال وہ دُنیائے تدریس کے بے تاج بادشاہ تھے۔ بلکہ میں یوں کہوں کہ علامہ صاحب رحمہ اللہ ادیبوں میں ادیب، خطیبوں میں خطیب، مصنفوں میں مصنف، عالموں میں عالم، مناظروں میں مناظر، مفکروں میں مفکر، بلکہ اُن کی زبان ترجمانِ صداقت ہے، اُن کا قلم حقیقت رقم ہے، قوت حافظہ، وسعتِ مطالعہ، فصاحت وبلاغت اور علوم جدید وقدیم میں مہارت تامہ کے باعث علماء کے طبقہ میں اپنے شرفِ اِمتیاز کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہیں، یہ حقیقت بلاخوف وتردّد کہی جاسکتی ہے کہ اُن کی صداؤں نے ڈھلتی راتوں کے تاریک سناٹوں میں نبی پاک ﷺ کے اصحاب کا تذکرہ بلند کیا۔ نہ معلوم کتنے دماغوں میں توحید وختم نبوت کا اُجالا پھیلایا ہے، نہ معلوم کتنے اَن گنت دِل ایسے ہیں جن میں اُنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ثبت کردی ہے۔ حق یہ ہے کہ اُن کی شخصیت ''نگہ بلند، سخنِ دِلنواز، جان پرسوز'' کا حسین مرقع ہے۔

اُن کے تلامذہ اور متعلقین ہزاروں میں ہیں، جن میں بڑے بڑے علماء، محدث، مفسر، صوفی، ولی شامل ہیں، اسی طرح ان کے نیک ومتقی اولاد واحفاد جو یقیناً ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔ حق تعالیٰ حضرتؒ کی کامل مغفرت فرماکر انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں اور ان کے درجات بلند سے بلندتر فرمائیں، اولاد اور دیگر متعلقین کو ان کے نقش ہائے قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں۔ اب سوائے صبر اور دُعا کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ آخر میں صرف یہ عرض کروں گا کہ اپنی کیفیت تو آج کچھ یوں ہے

نہ ساقی ہے نہ میخانہ نہ محفل ہے نہ پیمانہ
بہاریں لٹ گئیں ساری فقط باقی ہے افسانہ

احقر فضل الرحمٰن قاسمی غفرلہ چک 73 جنوبی بھاگٹانوالہ (سرگودھا)

☆......☆......☆......☆

ابومعاذ اخلاق احمد، تلہ گنگ

نظریاتی سرحدوں کا بے لوث پہرے دار

۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۴/ مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات کو علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کی خبر سنی، دل پر رنج والم کے بادل چھا گئے۔ اہل علم وکمال کی کمی پوری نہیں ہوسکتی، ان کے ہمہ گیر اوصاف، ماہی بے آب کی سی تڑپ، علمی، فکری اور نظریاتی گہرائی و گیرائی، دینی حمیت اور حق گوئی جیسی استعدادیں بنتے بنتے بنتی ہیں۔ ماہرین علوم وفنون علماء ربانیین کا وجود مسعود فتنوں کے اس تاریک دور میں شجر طوبیٰ سے کم نہیں، اکابر کی علمی، فکری اور نظریاتی مسند کے فردِ فرید، بحر العلوم والفنون، علمی تعمق کے عظیم الشان مظہر، اپنے دور کے برصغیر پاک و ہند میں یکتائے زمانہ، حضرت العلام ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ رب العزت نے دینی کام کرنے کا خوب موقع اور ڈھنگ عطا فرمایا تھا، علماء محققین کی محفلوں میں وہ ایسے تھے جیسے گلدستہ میں گل سرسبد، جیسے بارات میں دولہا ہوتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علمائے سلف کی سیرت کے حامل تھے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو اگر الگ الگ عنوان دیا جائے تو ہر وصف مستقل کتاب ہے، قرطاس وقلم بہت کچھ لکھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں؟ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شب وروز "جہد مسلسل" کو عنوان بناؤں یا جرأت و بے باکی میں یکتائے روزگار کو، "سہل گوئی" لکھوں یا "کہنہ مشق اصولی ونظریاتی" "اندازِ تکلم۔" "ضیافتی سلیقہ مندی" لکھوں یا "اندازِ اکرام واحترام"۔ "فن مناظرہ کے سلطان" لکھوں یا "کہنہ مشق مدرس" جس طرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے رخ پھیرا باطل دوڑتا ہوا نظر آیا۔ ذہانت وفطانت، خود اعتمادی، قوتِ دلائل اور حق گوئی اللہ رب العزت نے خوب خوب عطا فرمائی خصوصاً اصحابِ رسول ﷺ کی عزت وناموس کے دفاع میں علمی سمندر میں بہت گہرائی تک گئے۔ **جزاہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً.**

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کے چند ملفوظات:

(۱)......امین ملت، فخر اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یاد رکھئے! یہ اجتماع اور جلسے تعزیتی نہیں بلکہ "تجدید عہد" کے جلسے ہیں کہ جس نقش پاک کو انہوں نے چھوڑا ہم ان کو باقی رکھیں گے، تعزیت تین دن کے بعد نہیں ہوتی، نہ ہی صحابہ کرامؓ کے عہد میں تعزیت کے لئے اجتماعات کرنے کا اہتمام تھا۔" (ماہنامہ الخیر ملتان، اشاعت خاص حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر: ۹۰) (دیکھیے: ۲۰/۲/۷)

(۲) فرمایا: "بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ دل وروح کے ساتھ ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ راہِ حق میں کیا ہے۔"

(سلسلہ وار نظام خلافت راشدہ ص: ۱۱، خصوصی شمارہ: ۱، ج: ۲، فروری ۲۰۱۱ء)

(۳) فرمایا: ''اہل حق کبھی تقیہ کی چادر نہیں اوڑھتے، نہ جھوٹ بولتے ہیں، مسلمانوں نے ابوجہل کو برسرِ میدان مارا ہے، اس کی لاش کو گھسیٹنے میں بہادری نہیں سمجھی۔'' (ایضاً)

(۴) فرمایا: ''ایسے مظلوم جن کی مظلومیت ان کے اس دنیا سے رختِ سفر باندھنے کے بعد بھی ختم نہ ہو، آپ کو اصحاب رسول ﷺ کے سوا کہیں اور نہ ملیں گے، یہ پاکیزہ جماعت تھی جن سے بہتر انسانوں پر انبیاء علیہم السلام کے بعد شاید ہی کہیں سورج چمکا ہو۔'' (ایضاً)

(۵) فرمایا: ''اہل فتن کا مقابلہ کرنا اہل عزیمت کا کام ہے۔''

(ماہنامہ الخیر اشاعت خاص حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر: ۹۴)

(۶) فرمایا: ''حضرت علیؓ کی خلافت حضور ﷺ سے چوبیس سال کے فصل سے قائم نہیں ہوئی، پہلے خلفاء کے تسلسل سے بلافصل قائم ہوئی، اہل سنت کے ہاں چوبیس سال کے بعد بلافصل خلافت کا عقیدہ بالکل غلط ہے۔'' (حق چار یار: ۴۴)

(۷) فرمایا: ''کسی مسلمان سے نہیں ہوسکتا کہ وہ خبر رسول مقبول کے بعد غلط تاریخ کی تاریکی میں گھسے۔''

(ماہنامہ حق چار یار ص: ۳۷، شمارہ اکتوبر ۲۰۱۴ء)

(۸) فرمایا: ''خدا کی زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنا جیسی اس کی بادشاہت آسمانوں پر ہے، یہ ہمت اور سعادت جن بزرگوں کے نام لکھی تھی وہ خلفائے راشدین تھے بلکہ مہدیین بھی تھے اور حضور ﷺ نے خود خبر دی کہ آپ کے جانشین مہدیین دونوں صفتوں والے ہوں گے۔'' (خلافت راشدہ حق چار یار: ۴۷، شعبہ نشر واشاعت تحریک خدام اہل سنت چکوال)

(۹) سالانہ سنی کانفرنس ۱۰ر جنوری ۲۰۱۰ء میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تابعین کی عزت اس لئے کرو کہ وہ صحابہ کی پیروی کرتے تھے ورنہ ان کا نام تابعین نہ ہوتا، تبع تابعین کی عزت اس لئے کہ وہ تابعین کے پیچھے چلتے تھے، تو یہ ایک تسلسل چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اسی تسلسل میں رکھے۔'' (ماہنامہ حق چار یار: ۴۰، شمارہ اکتوبر ۲۰۱۰ء)

(۱۰) فرمایا: ''اہل حق ہمیشہ سے صحابہؓ کی عظمتوں کے گرد پہرہ دیتے آئے ہیں جہاں کسی نے شک کا کوئی کانٹا لگایا اہل حق نے ان کے تزکیہ کی کھلی شہادت دی۔'' (ایضاً: ۳۴)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ **پر اکابر کے اعتماد کی ایک جھلک:**

☆ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: ''میں جب پاکستان میں رہتا تھا......تو غیر مقلدین کے میدان میں اس وقت ہم لوگ کام کر رہے تھے، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ آخری ایام میں ان مسائل کے حل کے لئے ایک تو اس عاجز (حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ) کا نام لیتے تھے اور ایک حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر زید مجدہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا......'' (ماہنامہ الخیر اوکاڑوی نمبر: ۹۴) (دیکھیے: ۲/۵۳......۲/۱۸۱۔ [ادارہ])

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ علماء محققین کی نظر میں:

☆ حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب مدظلہ العالی شاگردِ رشید مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ عربیہ چنیوٹ تحریر فرماتے ہیں:

''قادیانیوں نے ۱۹۵۳ء میں روزنامہ ''الفضل'' لاہور کا خاتم النبیین نمبر شائع کیا تھا جس میں حسب عادت انہوں نے صحابہ کرامؓ وبزرگانِ دین پر الزام لگایا کہ وہ عقیدہ اجرائے نبوت میں العیاذ باللہ ان کے ہم نوا ہیں، ان الزام تراشیوں کے حوالہ سے تین حضرات نے قلم اٹھایا اور خالص تحقیقی انداز میں قادیانی دجل وفریب کا تعاقب کیا......

(۱) فضیلۃ الشیخ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ پی ایچ ڈی (رحمہ اللہ تعالیٰ)......(۲) مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر قدس سرہ......(۳) مولانا محمد نافع زید مجدہ (رحمہ اللہ تعالیٰ)......

علامہ صاحب (علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ......از ناقل) کی کتاب مفصل ہے......مولانا محمد نافع مدظلہ...... نے احقر کو حکم دیا کہ ان کا رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'......اسے دوبارہ شائع کرنا ہے اس لئے احقر اس میں مزید تحقیقات کو سمو دے اور علامہ خالد محمود (جن سے استاذ مکرم کے بہت پرانے روابط ہیں) کی کتاب سے خصوصی استفادہ کرے......''

(مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین ص:۱۱-۱۲، طبع مارچ ۲۰۱۵ء دارالکتب لاہور)

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دفاع فقہ حنفی کے مشن پر لانے والے:

حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا اوکاڑوی مرحوم نے فرمایا کہ میرا اصل موضوع رَدِّ قادیانیت اور رَدِّ عیسائیت تھا، مجھے فقہ حنفی کے تحفظ اور رَدِّ غیر مقلدیت کے مشن پر لانے والے چار حضرات ہیں: شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم، حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بانی ومہتمم قاسم العلوم فقیر والی، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور عالمی سکالر رازیِ زماں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت فیوضہم (چاروں آفتابِ علوم دارِفانی سے رخصت ہو چکے (رحمہم اللہ تعالیٰ)......از ناقل)'' (ماہنامہ الخیر، اوکاڑوی نمبر: ۱۳۵)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ قدر شناس تھے:

☆ فرماتے ہیں: ''مولانا محمد امین صفدر نے اپنی پوری زندگی اس پیغام کے لئے وقف فرما دی جس پیغام کو عام علماء نے مصالح کے پردے میں لپیٹا ہوا ہے، کتنے خطیب ہوں گے اور مدرس جو اپنے وقت میں رسمی پیغامات اور رسمی خطبہ پر اکتفا کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کہیں اپنا امتیازی پہلو بیان کرنے میں کوئی ناراض نہ ہو جائے۔'' (ماہنامہ الخیر اشاعت خاص حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر: ۹۱)

علماء وطلبہ کے لئے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کا پیغام:

فرمایا: ''طالب علموں کے لئے ایک ہی پیغام ہے کہ مصالح یا مصلحت کو بالکل نظر انداز کر کے آپ حق بات کہنے کی

عادت بنائیں، جب آپ حق بات کہیں گے تو یہ اثر نہیں ہوگا کہ کون ناراض ہوتا ہے اور کون نہیں، یہ آپ کو فکر نہیں ہونی چاہیے، پھر دیکھو! اللہ آپ کی کتنی مدد کرتا ہے، آپ صرف حق بات کہیں، اس سے کسی کی دل آزاری یا کوئی بدمزگی اور خوشی مقصود نہ ہو بلکہ مقصد یہ ہو کہ حق کا نام اونچا رہے۔" (ماہنامہ الخیر اشاعت خاص حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر: ۹۵)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات ومقالات:

تصنیف وتالیف میں مدبرانہ، محققانہ، عالمانہ انداز تھا، ہر بات کی چھان بین کر کے خود جب مطمئن ہوتے تو لکھتے، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دین متین کی پہرے داری میں جہاں جب ضرورت پڑی پہرہ دیا اور ایسا دیا کہ دوبارہ کسی کو اس محاذ (عنوان) پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کو عوام وخواص اور محققین حضرات میں یکساں مقبولیت اور اعتماد واستناد حاصل ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ فقط دفاعی مجاہد نہیں بلکہ اقدامی حملے کا امتیاز رکھنے والے منفرد سپاہی بھی تھے، انہوں نے بہت سی تصنیفات چھوڑی ہیں جس کی مکمل تفصیل آپ حضرات اسی اشاعت خاص میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ خالص تحقیقی طرز پر تیار کئے گئے بڑے سائز کے پوسٹرز مختلف چھوٹی بڑی مساجد میں آویزاں ہیں جو کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہبی ذوق اور باریک بین مطالعہ کا مظہر ہیں۔ مختلف رسائل وجرائد میں بکھرے سیکڑوں مضامین بھی حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی وتحقیقی جواہر پارے ہیں جن سے دنیا سیراب ہوئی اور ہوتی رہے گی۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم ومعارف سے بڑے بڑے اساطین علم ودانش فیض یاب ہو رہے ہیں۔ علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ شب وروز کی تگ وتاز اور سعی مسلسل کر کے میدانِ علم وعمل میں شان امتیاز کے حامل بن کر جبین کائنات پر اپنی رفعت وعظمت کا نقش کندہ کر گئے، ان کی "بلند قامتی" کا سارے معاصرین لوہا مان گئے مگر لمحہ فکریہ ہے کہ ترقی کے اس دور سرعت تنور میں ہم اپنے اکابر کی زندگیوں کا مطالعہ کر کے اِن اصحابِ کمال کے باکمال ہونے کی منہاج کو اپنا کر باکمال بننے کی کوشش کریں، علم وعمل سے ٹوٹا ہوا تعلق بحال کریں، ہم اپنے اوقات کا نظم ونسق بنائیں اور اہل اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔

اللہ رب العزت اس آفتابِ علم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ہمیں ان کے علوم ونظریات پر تادم زیست کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حالات کے بھنور میں آوازِ حق نہ چھوڑی
دنیا کو چھوڑ ڈالا حق گوئی کرتے کرتے

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد عرباض خان سواتی (لندن)(۱)

قافلہ حق وصداقت کا نشان

دل زخم زخم لوگو کوئی ہے جسے دکھائیں
کوئی ہم نفس نہیں ہے غمِ جاں کسے سنائیں

آہ! عالم اسلام کی عظیم علمی و روحانی شخصیت، فخر اکابر، محقق دوراں، سلطان المناظرین، سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (انگلینڈ) حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب (P.H.D لندن) دار فانی سے دار بقا چل بسے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت علامہ صاحبؒ سے ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا باہمی تعلق کئی عشروں پر محیط ہے، بہت قریبی یادیں ان سے جڑی ہیں، اگر یہ کہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس دور کا سب بڑا شرعی قوانین کا ماہر آج ہم میں نہیں رہا، وہ وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے جج بھی رہے، انہوں نے باطل فرقوں کے خلاف علمی وتحقیقی وقلمی جہاد بھی کیا، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بے مثال قربانیاں دیں، صحابہ کرامؓ واہل بیت عظام کی عزت وناموس اور اسلاف کے لیے غیر معمولی خدمات انجام دیں، پاکستان، برطانیہ سمیت دنیا بھر کے سینکڑوں مدارس، اداروں، جماعتوں کے سر پرست تھے، بیسیوں کتابوں کے مصنف اور لاکھوں علماء کے استاذ محسن ومربی تھے، ان کی جملہ دینی، تعلیمی، قومی، ملی، تحقیقی، تصنیفی، تبلیغی شاندار خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، جو کہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکیں گے، اللہ پاک قبولیت سے نوازے، بلند سے بلند درجات عطا فرمائے، ان کے خاندان، شاگردوں، متعلقین ومتوسلین دنیا بھر میں چاہنے والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، حقیقت ہے کہ: ''آج پچھلے قافلہ علماء حق وصداقت کا یہ آخری چراغ بھی گل ہوا اور پچھلی صدی کا باب اس مرد قلندر کی مجددانہ خدمات پر ختم ہوا''۔

مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحبؒ کا ایک بڑا اعزاز:

والد محترم مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ نے ''شیخ الاسلام سیمینار منعقدہ ۲۰۰۵ء بہاولپور پاکستان'' کے موقعہ پر مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کے بارے میں تعریفی وخدماتی کلمات ادا فرمائے تھے جبکہ عم مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ بھی ہمراہ موجود تھے۔

''شیخ الاسلام سیمینار'' اپنی نوعیت کا ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا تھا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے اس دور کے تمام حیات شاگردوں کو مدعو کیا گیا تھا (ان بڑے ناموں کی ایک طویل ترین فہرست ہے) جن کی ایک

(۱) ابن مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

جھلک دیکھنے کے لیے ہزاروں علماء وطلبہ وعوام الناس کا مجمع اُمڈ پڑا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہندوستان سے خصوصی طور پر تشریف لائے تھے۔

اس اجتماع کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اسٹیج پر ایک ساتھ ان مبارک و پاکیزہ ہستیوں کی زیارت کروائی جائے اور ان کی شاندار خدمات پر خراج تحسین پیش کیا جائے، اکثریت اکابرین نے اس وقت اپنی کمزور صحت وضعف کی بناء پر مختصر مختصر کلمات ہی ادا فرمائے تھے تاہم یہ اعزاز بھی حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کے حصے میں ہی آیا تھا کہ آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حیات وخدمات پر اس عظیم الشان اجتماع میں سب بزرگوں کے اعتماد وتائید پر سب کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے یہ فریضہ بہ احسن خوبی ادا فرمایا تھا۔(۱)

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقعہ پر اسٹیج پر موجود اکابرین ویڈیوز بناتے کیمرہ مینوں کو دیکھ کر خاصے برہم بھی ہو گئے تھے۔ تو اس پروگرام کے میزبان مولانا مفتی مظہر اسعدی صاحب نے اکابرین سے کہا کہ: یہ ویڈیوز ہماری طرف سے نہیں، سیکورٹی اداروں کی طرف سے ہیں اور سیکیورٹی کے پیش نظر بنائی جا رہی ہیں، ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے، بعد میں ہم نے مفتی صاحب سے کہا کہ آج تو آپ نے ان کیمرہ مینوں کو ’’بابوں‘‘ کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بچا لیا ہے۔

حقیقت ہے کہ یہ بڑے ہی تاریخی اور یادگار دن تھے، جن میں ہم نے ان بزرگوں کی خوب زیارتیں، ملاقاتیں، خدمتیں اور شفقتیں سمیٹیں، جو ہمیشہ کے لیے دل ودماغ پر نقش رہیں گی، مولیٰ کریم سب کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے حسنات کے سلسلوں کو ہمیشہ جاری وساری رکھے اور ہمیں اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔☆☆

---

(۱) حضرت علامہ صاحب کا بیان زیر نظر اشاعت خاص میں شامل ہے۔ دیکھیے: ۱۵۷/۲۔[ادارہ]

مولانا محبوب احمد [مدرس جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا]

علامہ خالد محمودؒ! اک عہد اک تاریخ اور ہمہ جہت شخصیت

علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ ایک عظیم اسلامی سکالر، اور عبقری شخصیت تھے، حق تعالیٰ نے آپ سے ناموس رسالت، تحفظ ختم نبوت، اور تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا بڑا کام لیا ہے، ایسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے اٹھ جانے سے خلا ہی خلا رہ جاتا ہے۔

بندہ نے سب سے پہلے زمانہ طالب علمی میں غالباً ۱۹۹۷ء میں چنیوٹ کے ایک تبلیغی پروگرام میں حضرتؒ کی زیارت کی، حضرتؒ کا وعظ اور بیان سننے کی سعادت میسر آئی، آپؒ نے تقریباً دو گھنٹوں سے متجاوز عالمانہ اور حکیمانہ گفتگو فرمائی، پھر اسی عرصہ کے لگ بھگ مسجد بخاریاں چناب نگر تشریف لائے، وہاں استاذ محترم سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت علامہ صاحبؒ نے مسئلہ ختم نبوت تسلسل امت کے ذریعے سمجھایا، اور فرمایا: کہ حضورﷺ سے لے کر آج تک اس امت میں انقطاع نہیں آیا۔ اور ہم امت کے تسلسل کا حصہ ہیں، اب جو نبوت کا دعوی کرے گا، وہ دراصل امت نبویہ کے لیے قاطع ہوگا، اور امت کے تسلسل کے خاتمہ کا نام ہوگا۔ اور وہ ہم سے ہماری شناخت چھیننا چاہتا ہے، جو کوئی کسی سے اس کا اثاثہ چھیننا چاہے وہ ڈاکو ہوتا ہے۔ اور ڈاکو کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے ہمارے ایمان کے ڈاکو ہیں، ہماری شناخت کے ڈاکو ہیں، جو نبوت کی شناخت بھی ختم کرنا چاہتے ہیں اور امت کی شناخت بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔

علاقوں میں بھی جو لوگ کسی کے سامان کی حفاظت کریں وہ محسن ہوتے ہیں جو چوکیدار ہوتا ہے، وہ سب کا محافظ ہوتا ہے اور محسن ہوتا ہے۔ علماء کرام بھی تمہارے محسن اور محافظ ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حضرت علامہ صاحبؒ مختلف پروگراموں میں تشریف لاتے اور ان کے زریں افادات سے عقیدہ اور ایمان کو تازگی ملتی۔ حضرتؒ کا اسلوب انتہائی سادہ اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ علمی اور مدلل ہوتا۔ آپ سے تفصیلی ملاقات جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے تقابل ادیان کورس مئی ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔ جہاں آپ کو قریب سے دیکھنے کا اور سننے کا موقعہ ملا۔ آپ کا عنوان رد بدعت اور تحفظ سنت تھا۔ آپ نے اپنے موضوع کا حق ادا کیا، اور انتہائی علمی پیرائے میں رد بدعت اور تحفظ سنت کے اصول سمجھائے۔ (دیکھیے: ۲/۷۰۹۔ [ادارہ])

جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں آپ متعدد بار تشریف لائے، ایک دفعہ آپ نے حضورﷺ کے سفر آخرت کے عنوان سے دو گھنٹے طلبہ اور علماء میں بیان کیا۔ اور اسی سفر آخرت کے عنوان کو لے کر آپ نے مسئلہ قرطاس، مسئلہ وراثت انبیاء، مسئلہ

خلافت، اور عظمت صحابہ کرام کو عمدہ پیرائے میں بیان کیا۔

حضرتؒ جب لاہور تشریف لاتے، تو کوشش ہوتی کہ آپ کی زیارت سے ضرور بہرہ مند ہوا جائے۔ اس حوالہ سے کئی بار حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ اور حضرتؒ کے قیمتی، پُر حکمت افادات اور ارشادات کو سننے کا موقع میسر آیا۔ ایک بار فرمایا: **ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة** میں اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں اچھائی کو مانگنے کا کہا ہے، معلوم ہوا آخرت کی اچھائی اور دنیا کی اچھائی لازم ملزوم ہیں۔ دنیا میں اچھائی نیکی کی توفیق ہے، نیک لوگوں کی صحبت ہے، آسودہ زندگی ہے۔ اور آخرت کی اچھائی اس پر مرتب ہو کر جنت کی شکل میں مل جائے گی۔

ایک دفعہ فرمانے لگے: علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں ہے، علم کے لیے کاپی پر انحصار نہ ہو، اپنے دماغوں پر زور دو، علم کا بوجھ خارج پر نہ ہو، تمہارے جسم اور تمہارے دماغ پر ہو، اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ یہ علم تمہارے پاس محفوظ ہو جائے گا، تمہارے ذہنوں میں بیٹھ جائے گا، ورنہ جو کاپی میں لکھا جاتا ہے وہ کاپی کی نذر ہو جاتا ہے۔

استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدظلہم کے ساتھ حضرتؒ کا بڑی محبت، پیار اور شفقت کا دیرینہ تعلق تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ حضرت علامہ صاحب بڑے انشراح کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے، ایک دفعہ بندہ کو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ساتھ علامہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی، علامہ صاحبؒ نے مختلف عزائم اور موضوعات کے بارے میں اظہار خیال فرمایا۔ اور فرمانے لگے: اہل سنت کو سب سے زیادہ نقصان مختلف فرقوں سے اتحاد کے نعرے نے پہنچایا ہے۔ ہم نے اتحاد کا نعرہ لگایا، اور مسلک کی ترویج کی محنت چھوڑ دی، غیروں نے ہمیں غافل کر دیا، اپنے محاذ مضبوط کر لیے، وہ خود مسلح ہو گئے اور ہمیں نہتا کر دیا۔ اس چیز نے ہمیں معاشرے میں تنہائی دے دی ہے۔ اور ہمیں دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دے دیا گیا۔

استاذ مکرم حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اپنی ہر تحریر پہلے علامہ صاحبؒ کی عقابی نظروں سے گزرواتے، پھر اس کی اشاعت کرواتے، حضرتؒ کو علامہ صاحبؒ کے علم، بیدار مغزی، حاضر دماغی اور علمی قابلیت پر بڑا اعتماد تھا۔ بیرون ملک دوروں میں اکثر یہ دونوں حضرات اکٹھے ہوتے۔ بالخصوص افریقی اور مغربی ممالک میں قادیانیوں سے مناظرے اور مباحثے اکٹھے فرماتے، علامہ صاحبؒ انتہائی متحرک اور فعال شخصیت تھے۔ ہر وقت کتب بینی میں مصروف رہتے، اللہ نے بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا، بندہ نے خود دیکھا کہ صفحات کے صفحات ایک ہی مجلس میں قلمبند فرما دیتے۔ آپ کو سالہا سال کے واقعات پوری تفصیل اور جزئیات سمیت یاد ہوتے۔ (دیکھیے: ۱/۸۷۔ [ادارہ])

ایک دفعہ فرمانے لگے: عظمت صحابہؓ یا کسی بھی باطل فرقے کے رد کے لیے تحقیق اور دلیل کی زبان کو استعمال کرنا چاہیے، گولی یا گالی یہ متشددین اور باطل پرستوں کا کام ہے، گولی اور گالی کے ذریعہ نقصان تو پہنچا ہے، فائدہ نہیں ہوا۔ اس سے علم و تحقیق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور آدمی فائدے کے بجائے بہت نقصان کر بیٹھتا ہے۔

حضرتؒ علامہ خالد محمودؒ ختم نبوت کے محاذ پر مولانا لال حسین اخترؒ اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی صف کے آدمی تھے۔اور آپ کو قادیانی کتب بالخصوص مرزا قادیانی کے لٹریچر پر مکمل عبور اور دسترس حاصل تھی۔ختم نبوت کے حوالے سے آپ کی کئی تصانیف موجود ہیں۔عظمت صحابہؓ کے لیے آپ تنظیم اہل سنت کے بانیان اور سرکردہ علمی رہنماؤں میں سے تھے۔آپ تنظیم اہل سنت کے علمی ترجمان سمجھے جاتے تھے ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور کے آپ مدیر تھے، مختلف سوالات کے جواب تحریر فرماتے۔دعوت کے مختلف خصوصی نمبر شائع کیے۔آپ نے عظمت صحابہ کے لیے ہر پلیٹ فارم والوں کی سرپرستی کی، مثلاً مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ نے جب قومی اسمبلی میں ناموس صحابہ بل پیش کرنے کا پروگرام بنایا، وہ پہلے علامہ صاحبؒ کی خدمت میں گئے، اور علامہ صاحب کے سامنے صورتحال رکھی، کیونکہ علامہ صاحبؒ قانونی پیچیدگیوں کو بہتر جانتے تھے، اور اس کے ساتھ دفاعِ صحابہؓ پر آپ کا نام ایک حجت تھا۔اس لیے ناموسِ صحابہ بل مکمل طور پر علامہ خالد صاحب کا تیار کردہ تھا۔اور ممبران اسمبلی کے لیے بعض رافضی لٹریچر کے جواب میں معیار صحابیت نام کی ایک معیاری کتاب بھی تحریر فرمائی، جو آج بھی تعلیم یافتہ طبقے کو عظمت صحابہ سمجھانے کے لیے اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔(دیکھیے :۱/۱۷۔٦۷۔[ادارہ])

حق تعالیٰ نے حضرت علامہؒ سے دین اسلام کے ہر شعبہ میں کام لیا، شریعت بنچ سپریم کورٹ کے جج بھی بنے، جامعہ اشرفیہ میں حدیث کے منتخب مباحث بھی پڑھاتے۔ایک دفعہ فرمانے لگے: کہ میرا مزاج یہ ہے کہ میرے بیان سے پہلے بھی کسی کا بیان نہ ہو اور میرے بیان کے بعد بھی کسی کا بیان نہ ہو، چونکہ جس کا مجھ سے قبل بیان ہوگا، مجھے یا اس کی تائید کرنی پڑے گی یا رد کرنا پڑے گا۔اس سے اپنا موضوع رہ جائے گا، اور جو میرے بیان کے بعد آئے گا، وہ کہیں میری گفتگو کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

بہرحال! یہ قول علامہ صاحبؒ ہی فرما سکتے تھے، اور ایسا مزاج انہی کے بیان کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے۔علامہ صاحبؒ کی بڑی تڑپ تھی کہ اولیاء اللہ کی صحیح تعلیمات کو عام کیا جائے، برصغیر پاک وہند میں اولیاء اللہ کے ذریعے دین پھیلا ہے، لوگوں میں اولیاء اللہ سے محبت اور عقیدت بھی موجود ہے۔بعض لوگوں نے اولیاء اللہ کے نام پر بدعات ورسوم کا دھندا عام کیا ہوا ہے۔ان کی روک تھام کا ایک ہی علاج ہے کہ اولیاء اللہ کی حقیقی تعلیمات کو معاشرے میں عام کیا جائے۔اس سے بدعات اور رسوم خود بخود ختم ہو جائیں گی، اسی جذبہ کے تحت علامہ مرحوم نے لاہور میں مختلف اولیاء اللہ پر سالانہ پروگرام بھی کروائے۔

حضرتؒ کی زندگی انتہائی سادہ تھی، آپ تعیش، راحت پسندی اور تکلف سے کوسوں دور تھے۔آپؒ کی غذا اور طرزِ معاشرت بڑی سادہ تھی، علماء اور طلبہ کی بڑی حوصلہ افزائی اور قدردانی کرتے، چھوٹوں کو بڑا بنانے کی بھرپور کوشش فرماتے۔اللہ نے آپ کو رجال سازی کا فن عطا فرمایا تھا، آپ کی مجلس علم وحکمت سے معمور ہوتی تھی، ایک دفعہ بندہ نے ''النجم'' لکھنؤ کے بارے میں دریافت کیا، کہ حضرت النجم کے پرچے آپ سے مل سکتے ہیں، تو حضرتؒ نے فرمایا؛ انڈیا میں شاید سب سے زیادہ ریکارڈ ہمارے ہی پاس تھا، لیکن وہ سب وہیں رہ گئے، اب دستیاب نہیں ہیں۔

حضرت کی شخصیت ہم جیسے کوتاہ نظروں سے کیا تحریر میں آسکے گی، وہ بہت بلند اور ارفع تھی، حضرتؒ کی آخری زیارت ۱۶ر جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعرات جامعہ اشرفیہ لاہور میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کنونشن پر ہوئی، حضرتؒ نے اپنے مختصر خطاب میں وفاق المدارس کی تاریخ میں اپنے حصے کو بیان فرمایا: کہ جب وفاق المدارس العربیہ کی ملتان میں بنیاد رکھی گئی اور اس کی بنیادی تحریر لکھی جارہی تھی، وہ لکھنے والا میں ہی تھا، فرمایا: میرے لیے آج انتہائی خوشی کا دن ہے، کہ جس ادارے کی بنیاد میں میں شامل تھا اور اسے دیکھا تھا، آج اس کے شباب کو میں دیکھ رہا ہوں، میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے، دوسرا فرمایا: کہ یہ وفاق المدارس ہے، وفاق کا معنی ہوتا ہے موافقت پیدا کرنے والا، اتفاق پیدا کرنے والا، تو معلوم ہوا کہ مدارس نے آج تک محبت کا، اتحاد کا درس دیا ہے، یہاں سے نفرت نہیں پھیلی، تمام مدارس نے یہ عہد کیا ہوا ہے، کہ ہم محبت پھیلائیں گے۔ چاروں صوبوں میں اتحاد کا مظاہرہ کریں گے۔ وہ انہوں نے کر کے دکھا دیا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے، کہ اتحاد کے مقابلے میں انتشار کون پھیلا رہا ہے، نفرت کون پھیلا رہا ہے؟ ان کو پہچاننا چاہیے، ان سے بچنا اور بچانا چاہیے۔

یہ حضرتؒ کے آخری کلمات تھے، جو براہ راست حضرتؒ سے سنے، معلوم نہیں تھا، کہ یہ زیارت آخری زیارت ہوگی اور علم وعمل کا یہ کوہ پیاں کچھ ہی عرصہ بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوجائے گا۔ بڑی آرزوئیں تھیں، تمنائیں تھیں، لیکن وہ سب دل کی دل میں رہ گئیں۔

بلاشبہ حضرتؒ علماء حق کی یادگار، ان کے پیغام کے علمبردار، اور ان کے ترجمان تھے۔ مختصر سی علالت کے بعد آپ کی وفات پورے عالم میں علماء، طلبہ اور آپ کے متعلقین اور مستفیدین کے لیے انتہائی صدمہ کا باعث بنی۔ پورا عالم سوگوار ہوگیا۔ حق تعالیٰ حضرتؒ کے اعلیٰ علیین میں درجات بلند فرمائے، ان کی سیئات سے درگزر فرما کر ان کی حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آپؒ کے صدقات جاریہ کو قبول فرمائے۔ آمین

آخر میں بندہ اہل علم اور حضرتؒ کے متعلقین سے ملتمس ہے کہ حضرتؒ کی تصنیفات وتحقیقات کو حرز جان بنائیں، باریک بینی سے ان کا مطالعہ فرمائیں، انہیں خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں۔ مایوسی کو قریب نہ آنے دیں۔ جمود سے دور رہیں۔ حضرتؒ کی سیرت سے فعالیت اور تحریک کو اپنے اندر جلا بخشیں، پرفتن فضاؤں میں شمع حق کو فروزاں رکھیں، اندھیرے چھٹ جائیں گے، نور حق غالب تھا، ہے اور رہے گا۔ اِن شاء اللہ

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے ہونے کی گواہی دیں گے
عکسِ خوشبو ہوں بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد عنایت الکریم (۱)

مسلک حق کا ترجمان

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں پورے عالم اسلام کے لیے عموماً اور دینی حلقوں کے لیے خصوصاً ایک المناک حادثہ محقق العصر، ترجمان مسلک حق، مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب (پی ایچ ڈی لندن) قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی وفات حسرت آیات کا ہے۔ حضرت علامہ صاحب مرحوم اپنی بے مثل ذہانت وفطانت، لیاقت وذکاوت، وسعتِ مطالعہ، فصاحت وبلاغت، مناظرانہ صلاحیتوں، علوم جدیدہ وقدیمہ میں مہارت تامہ کے باعث طبقہ علماء میں اپنا ایک خصوصی امتیازی شرف ومرتبہ رکھتے تھے۔

آپ کی ذات ہر فتنے سے وقایہ تھی۔ آپ اپنی ذات میں انجمن تھے جو کام پوری ایک جماعت کے مل کر کرنے کا تھا۔ وہ تن تنہا آپ کی ذات نے کیا۔ درس وتدریس ہو یا تصنیف وتالیف کا میدان ہو یا مناظرہ ومباحثہ کی صورت میں باطل کا رد ہو۔ آپ ہر میدان کے شہسوار تھے، حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی۔ آخر عمر تک آپ دینِ حنیف کی حفاظت واشاعت کے لیے کوشاں رہے، آپ کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اور اہلِ حق کو صدمہ پہنچا ہے، وہ طویل عرصہ تک محسوس ہوتا رہے گا۔ علامہ صاحب اہل حق کا سرمایہ تھے، علمائے دیوبند کے مسلک کی تمام جزئیات پر آپ کی گہری اور مدلل نظر تھی۔

بندہ راقم الحروف کو آپ کی سب سے پہلی زیارت ۱۴۱۹ھ میں اس وقت ہوئی جب احقر ماہر علوم صرف ونحو حضرت الاستاذ مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہم (حال مقیم جامعہ محمدیہ اسلام آباد) کے ہاں درجہ اولیٰ کا طالب علم تھا۔ حضرت علامہ صاحب جامعہ خالد بن ولید (وہاڑی) تشریف لائے اور بیان بھی فرمایا۔ اس وقت لاشعوری کا زمانہ تھا، اس لیے وہ بیان زیادہ تو سمجھ نہیں آیا، البتہ ایک بات اس بیان کی اب تک یاد ہے، فرمایا کہ: ایک آدمی نے لندن میں مجھ سے کہا کہ دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور مولوی ابھی تک استنجاء کے مسئلے بیان کر رہے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ: دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے، کیا اس وجہ سے تم نے استنجاء کرنا چھوڑ دیا ہے؟ کیا چاند پر پہنچ جانے سے استنجاء کی ضرورت وحاجت ختم ہوگئی ہے؟ یاد رکھو جب تک استنجاء کی ضرورت باقی ہے، مولوی استنجاء کے مسائل بیان کرتا رہے گا۔ جس مسئلے کی لوگوں کو ضرورت ہوگی، مولوی اس کے مسائل ضرور بیان کرے گا۔ طلبہ کرام کو خاص طور پر نصیحت فرمائی کہ آپ نے پوری خود اعتمادی اور محنت سے دین پڑھنا ہے دنیا میں پھیلانا ہے اور کسی سے مرعوب نہیں ہونا۔ (۲)

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی دوسری زیارت وملاقات اس وقت ہوئی جب آپ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا تشریف لائے اور احقر وہاں درجہ ثالثہ کا طالبعلم تھا۔ چند منتخب طلبہ کرام کو حضرت علامہ صاحب کی خدمت کے لیے مقرر کیا گیا، خوش قسمتی

(۱) استاذ الحدیث: جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان (۲) دیکھیے: ۱۹۰/۲

سے احقر بھی ان میں شامل تھا۔علامہ صاحب کی خدمت میں مہمان خانہ میں حاضری ہوئی، علامہ صاحبؒ طلبہ کرام سے گھل مل گئے ، اپنے بعض مناظروں کی روئیداد بھی سنائی ، ایک مناظرے کا قصہ مختصر یاد ہے۔

فرمایا کہ: مشہور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی سے مناظرہ تھا اس نے کہا کہ بارہ اماموں کا ثبوت قرآن کریم میں ہے، وہ اس طرح کہ قرآن میں ہے:"**والشمس وضحها، والقمر اذا تلها.**" الشمس یعنی سورج سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد بارہ امام ہیں۔ وہ اس طرح کے ۱۲ر مہینوں کے ۱۲ر چاند ہیں اور ہر مہینہ کا نیا چاند ہوتا ہے اور ہر چاند سے مراد ایک امام ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں: جب میری گفتگو کی باری آئی تو میں نے کہا کہ: مولوی اسماعیل نے ایسی بے تکی اور کمزور بات کہی ہے کہ اس کا جواب نہیں دوں گا ، بلکہ مجمع میں جو کم عمر بچہ ہوگا ، وہ اس کا جواب دے گا۔ میں نے حاضرین سے کہا: کسی بچے کو کھڑا کریں، چنانچہ انہوں نے ایک ۱۲ر سال کے بچے کو کھڑا کیا ، میں نے پوچھا کہ: بیٹا! کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟ اس نے بتایا کہ: چھٹی جماعت میں پڑھتا ہوں ، میں نے پوچھا کہ: بیٹا! فلکیات وغیرہ کے متعلق کچھ پڑھا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا کہ: یہ بتاؤ کہ ہر ماہ نیا چاند نکلتا ہے یا ایک ہی چاند ہے جو ہر ماہ طلوع بھی ہوتا ہے اور پھر غروب بھی ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ: چاند تو ایک ہی ہے ، میں نے کہا کہ: یہ مولوی (اشارہ شیعہ مناظر کی طرف) کہتا ہے کہ ہر ماہ نیا چاند پیدا ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ مولوی جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے کہا کہ جب چاند ہی ۱۲ر ثابت نہ ہوسکے تو ۱۲ر امام قرآن کریم سے کیسے ثابت ہو گئے!؟

تیسری مرتبہ حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے استفادے کی نوبت وسعادت اس وقت حاصل ہوئی جب ۱۴۳۱ھ میں احقر جامعہ خیر المدارس ملتان میں درجہ موقوف علیہ کا طالب علم تھا ، جامعہ خیر المدارس کا تین دن کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اور خوش قسمتی سے ہماری مشکوٰۃ شریف کی پوری جماعت حضرات اکابر اور مشائخ کی خدمت کے لیے منتخب ہوئی۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے پورے تین دن جامعہ خیر المدارس ملتان میں قیام فرمایا اور اپنے علمی فیوض و برکات سے سامعین اور خدام کو خوب نہال فرمایا۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد عابد صاحب دامت برکاتہم کی بیٹھک میں حضرت علامہ صاحب کا قیام تھا۔ جب بھی موقع ملتا تو جی چاہتا کہ فوراً علامہ صاحب کی خدمت میں حاضری ہو ، علامہ صاحب اپنی حاضر جوابی سے عام گفتگو میں ایسی نکتہ رسی اور علمی لطافت پیدا فرماتے کہ حاضرین مجلس اس سے خوب محظوظ ہوتے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف اپنے دو ہم جماعت ساتھیوں کے ساتھ حاضر خدمت تھا تو حضرت نے استفسار فرمایا کہ کونسا درجہ پڑھتے ہو؟ عرض کیا کہ مشکوٰۃ شریف کا درجہ پڑھتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے دو سوال پوچھے ، ایک کا جواب بندہ کو آ گیا ، وہ بتادیا ، دوسرے سوال کا جواب کسی کو نہیں آیا۔ وہ دوسرا سوال یاد ہے ، پہلا بھول گیا ، دوسرا سوال یہ تھا کہ: صاحبِ مشکوٰۃ نے امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت کیوں نہیں لی؟ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی روایت لائے ہیں۔ جب کسی کو جواب نہ آیا تو خود ہی ارشاد فرمایا کہ: مشکوٰۃ شریف مختلف کتابوں سے اخذ شدہ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ صاحبِ مشکوٰۃ جو روایت لاتے ہیں انہیں کتاب کا

حوالہ دینا ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس سلسلہ میں اپنی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس لیے امام صاحب سے کوئی روایت صاحبِ مشکوٰۃ نہیں لائے۔(**اَو کماقال**)۔

پھر بندہ کی طرف نگاہِ التفات فرمائی اور فرمایا کہ تو مجھے ذہین معلوم ہوتا ہے، تو نے میری کتابیں پڑھی ہیں؟ عرض کیا کہ: نہیں! فرمایا کہ: میری کتابیں دیکھو۔ پھر اپنی کتاب ''مطالعہ قادیانیت'' عطا فرمائی۔ بندہ نے عرض کیا کہ: اس پر دستخط فرمادیں، تو اس پر اپنے قلم سے تحریر فرمادیا: ''ہدیہ بخدمت مولانا عنایت الکریم از مؤلف''

اس زمانہ میں جب بھی علامہ صاحب کی خدمت میں حاضری ہوتی تو یوں محسوس ہوتا کہ علامہ صاحب ایک خاص جذبے اور اخلاص سے اپنی مجلس میں حاضر ہونے والوں کو دینی وعلمی نفع پہنچانا چاہتے ہیں، گویا امام ابو حنفیہ رحمہ اللہ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو علمی مرتبہ حاصل ہونے کا راز کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ: "**ما استنکفت عن الاستفادة وما بخلت عن الإفادة**" کہ میں نے کبھی کسی سے استفادہ کرنے میں عار اور شرم محسوس نہیں کی اور کسی کو علمی فائدہ پہنچانے میں بخل نہیں کیا۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کے اسٹیج پر بڑی علمی شخصیات کی موجودگی میں حضرت علامہ صاحب نے اسی زمانہ میں فتنہ وحدت ادیان کے رد میں بڑی مدلل ومحقق اور مضبوط تقریر فرمائی۔ بیان شروع ہونے کے کچھ دیر بعد کسی وجہ سے معمولی سا وقفہ آیا تو حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم نے حضرات علماء وطلبہ اور سامعین کو خصوصی طور پر اس طرف متوجہ فرمایا کہ علامہ صاحب کی گفتگو بہت اہم موضوع پر ہے۔ بیرون ملک وحدت ادیان کا فتنہ بہت پھیل رہا ہے اس لیے خوب توجہ سے سماعت فرمائیں۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا وہ بیان غالباً ماہنامہ الخیر میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس بیان کی ایک بات یاد آرہی ہے فرمایا کہ: جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ رسالت پر ایمان ضروری نہیں ہے۔ خدا پر اور آخرت پر ایمان نجات کے لیے کافی ہے، لہٰذا جو مذاہب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے مگر آخرت پر اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ نجات پا جائیں گے۔ ان کا استدلال قرآن پاک کی آیت: **ان الذین امنو والذین ھادوا والنصٰریٰ والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عندربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون.** سے ہے کہ اس میں رسالت پر ایمان کا ذکر نہیں ہے۔ فرمایا کہ: اس آیت سے استدلال دو وجہ سے غلط ہے: (۱) عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔ ایک آیت یا ایک نص میں سب چیزوں کا بیان ضروری نہیں ہوا کرتا، اگر چہ اس آیت میں ذکر نہیں ہے، لیکن دوسری آیات قرآنیہ سے رسالت پر ایمان ضروری قرار پاتا ہے۔ (۲) اس آیت پر ایمان رسالت پر ایمان کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔ وحی اور اللہ کی کتاب تو رسول پر نازل ہوتی ہے۔ رسالت پر ایمان کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا وحی اور اللہ کی کتاب تو رسول پر نازل ہوتی ہے۔ رسالت پر ایمان لاؤ گے تو آیت کا سچا ہونا اور کلام اللہ میں سے ہونا ثابت ہوگا۔

حضرت علامہ صاحب مرحوم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ میں نے ۱۴ر کتابیں خاص طور پر علمائے کرام کے لیے لکھی ہیں،

علماء کو ان کے مطالعہ سے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا، ان کے نام یہ ہیں: (۱) آثار التنزیل (۲) آثار الحدیث (۳) آثار التشریع (۴) آثار الاحسان۔

مادر علمی جامعہ خیر المدارس ملتان میں قیام کے دوران ہی حضرت علامہ صاحب مرحوم نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ: ایک انگریز نے برطانیہ میں مجھ سے یہ سوال کیا کہ مذہب کو ماننا کیوں ضروری ہے؟ میں نے کہا: اس لیے ضروری ہے کہ خدا ہے، ہمیں اس کو راضی رکھنا ضروری ہے۔ وہ ہمارا مالک وخالق ہے۔ مذہب یہ بتائے گا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک مجلس میں یہ ارشاد فرمایا کہ: بعض لوگ خطیبانہ تکفیر کرتے ہیں، گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کو بالکل اسلام سے نکال دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے۔ اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

ہمارے ایک استاذ صاحب ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ: حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات نے فتنوں کے خلاف بڑا تحریری کام کیا ہے اور اہل حق کو بہترین علمی سرمایہ فراہم کیا ہے۔ علامہ صاحب کی کتابوں میں تحقیقی باتوں کے ساتھ ساتھ باطل کے الزامی جواب اور مناظرانہ نکات بھی ہیں جو خطباء اور مناظرین ومتکلمین کے لیے خاص طور پر بہت مفید ہیں۔ اور شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی کتابوں میں بڑے دلچسپ ادیبانہ چاشنی کے ساتھ خالص علمی باتیں اور دلائل ہیں۔ مدرسین اور اساتذہ حدیث اور تفسیر پڑھانے والے حضرات کو ان سے خاص طور پر فائدہ ہے۔ **(انتھیٰ کلامہ)**

آخر میں اپنے طالب علم ساتھیوں کی خدمت میں عرض کروں گا کہ حضرت علامہ صاحب اور ہمارے بہت سے بزرگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، اب انہوں نے واپس نہیں آنا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ یہ حضرات جو علمی دینی سرمایہ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں ہم ان سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں، خصوصاً امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ، حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، وکیل صحابہؓ واہلِ بیت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی۔ ان حضرات کی کتب وبیانات، ملفوظات وارشادات کو حرز جان بنائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو دینِ برحق کی صحیح معلومات حاصل ہوں گی، عقائد واعمال سب کی اصلاح ہوگی اور صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی وہ بات جو آپ نے حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کی تعزیت کے موقع پر بیان میں ارشاد فرمائی کہ: تجربہ یہ ہے کہ بزرگوں کے فیوض وبرکات ان کی وفات کے بعد بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بڑی تسلی دِہ

بات ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کے فیوض وبرکات تاقیامت باقی رہیں گے۔

ماہنامہ ''صفدر'' اہل حق کا ترجمان رسالہ ہے،اس نے حضرت علامہ صاحب کی شخصیت پر خصوصی نمبر شائع کر کے دینی حلقوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید توفیقات سے نوازیں۔

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ،حضرت علامہ صاحب مرحوم کی کامل ومکمل مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائیں ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں۔آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆......☆......☆......☆

حسنین شاہ اختر

میں سنی کیسے ہوا؟

میرے خاندان کے موجودہ نوجوانوں کی اکثریت شیعہ عقائد سے ناواقف مگر محبّ اہل بیت شیعہ تھی،لیکن ان کے عقائد میں شرک اور تبرا شامل تھا اور طعن صحابہ سے بھی باز نہیں آتے تھے،انہوں نے مجھے بھی تبلیغ کرنا شروع کی کہ خلافت سیدنا علی المرتضیٰؓ کا حق تھا جو صحابہؓ نے چھین لیا،اس پر بہت سے دلائل دیتے ''**من کنت مولاہ**'' والی حدیث کا پرچار کرنا اور طعن صحابہ کے لئے قصہ قرطاس بیان کرنا یا جنگ جمل وغیرہ بالآخر میں ان کی کی باتوں سے کافی حد پھسل گیا اور خود کو راہِ نجات سے ہٹا ہوا سمجھنے لگا۔

پھر راہ حق کی جستجو میں نکلا تو میرے ایک چچا خالد محمود نے حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اصلاحی درس جو ''حضورؐ کے بعد حکومت کیسے قائم ہوئی؟'' کے نام سے شائع ہوا تھا،مطالعہ کے لیے دیا،اس رسالہ کا کیا کہنا اس نے مجھے تحقیق کرنے پر مجبور کر دیا اور میرا ایک بہت بڑا مسئلہ ''مسئلہ خلافت بلافصل علی کرم اللہ وجہہ'' حل کر دیا،پھر علامہ صاحب کی مزید کتب کا مطالعہ کیا جیسا کہ ''خلفاء راشدین'' جو مسئلۂ خلافت پر تحقیقی دستاویز ہے،پھر ''عبقات'' نامی کتاب کا مطالعہ کیا جس نے مزید شبہات دُور کیے،اسی طرح ''تجلیات آفتاب'' سیف الاسلام کا کردار ادا کر رہی ہے۔آپ کی تالیفات کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آپ کو کوئی بھی بات ثابت کرنی ہو تو اس کے دلائل صدی با صدی مخالفین کی کتب سے پیش کرتے ہیں۔

(بی۔ایس) اپنی مصروفیات میں لگا رہا۔اللہ آپ کو جنت

الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

والسلام:سید حسنین شاہ،اختر آباد پاکستان 03035754552

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالمنعم فائز

ایک صدی کی تاریخ

یہ آج سے کم وبیش ۲۳ رسال پہلے کی بات ہوگی۔ اعلان ہوا کہ علامہ خالد محمود مانچسٹر والے تشریف لائے ہیں، ان کا بیان ہوگا۔ استاذِ محترم مفتی محمد عبداللہ صاحب فرمانے لگے: بہت بڑے عالم دین ہیں، مناظر ہیں اور گفتگو کے بادشاہ ہیں، بالخصوص قادیانیوں کے خلاف دنیا بھر میں بہت کام کیا ہے۔ جامعہ خالد بن ولید کی مسجد زیر تعمیر تھی اور اس کے جنوبی حصے میں بیان شروع ہوا۔ وسطانی درجات کے ایک طالب علم کے لیے تقریر بہت ہی حیران کن تھی۔ علمی چٹکلے، ادبی لطیفے اور فلسفیانہ موشگافیاں اور سب پر مستزاد علامہ اقبال کے اشعار کا تڑکا۔ علامہ اقبال کے یہ اشعار پہلی بار وہیں سنے:

گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی آسماں تابی
صدا تُربت سے آئی: ''شکوہ اہلِ جہاں کم گو
نوارا تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی''

آپ نے یہ اشعار پڑھے اور ان کا ترجمہ وتشریح بھی کی۔ حدی خوانوں کا تعارف کروایا۔ فارسی تو پڑھ رکھی تھی مگر اقبال کے اشعار کی گہرائی سے ابھی تک نابلد تھے۔ اس لیے یہ اشعار اسی وقت دل میں پیوست ہوگئے۔ آپ کے بیان کا لب لباب یہی تھا کہ بدترین حالات میں محنت وکوشش زیادہ کرنی چاہیے۔ معاشرے میں جتنی بے راہ روی پھیل رہی ہے، دین کے نام لیواؤں کو اپنی کوششیں اتنی ہی تیز کرنی ہوں گی۔

بیان ختم ہوا تو حضرت علامہ صاحب وہیں رک گئے۔ ہمیں علم ہوا کہ علامہ صاحب ذرا دیر رکیں گے، طالب علمانہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ آپ ایک کرسی پر براجماں تھے اور ہم چند طلبہ کو آپ کے پاؤں دبانے کی سعادت حصے میں آئی۔ مجلس میں بات حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے رفقاء کرام اور تحریک ریشمی رومال کی ناکامی سے متعلق جاری تھی۔ آپ فرما رہے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے قریبی رفقاء پر تحریک کو سبوتاژ کرنے کا الزام سراسر بہتان ہے۔ ثابت ہو چکا ہے کہ ملتان میں موجود عبدالحق نامی شخص نے انگریز کو مخبری کی تھی۔ یادش بخیر آپ کی عمر اس وقت ۷۰ رسال سے اوپر تھی، مگر پاؤں اور پنڈلیوں پر بہتیرا زور لگایا، دبائے نہ دبتی تھیں۔ آپ کی صحت اس وقت قابل رشک تھی۔ ہم بھی تحریک ریشمی رومال کی دلچسپ روداد سن کر واپس ہولیے۔

اب سوچتا ہوں تو ذہن میں علامہ خالد محمود کا لفظ پہلی بار اس وقت نقش ہوا جب اپنے دادا اور فاضل دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا خان محمد رحمہ اللہ کی کتابوں میں ''ترجمان اسلام'' کے پرانے شمارے نظر آئے۔ مدرسہ میں شعبان/رمضان کی چھٹیاں ہوتیں اور ہماری ڈیوٹی یہ ہوتی کہ اپنے دادا مرحوم کی لائبریری کی تزیین وآرائش کریں اور ان سے فارسی کی مختلف کتابیں پڑھیں۔اس کی برکت سے لائبریری میں موجود قدیم رسالے پڑھنے کا موقع بھی مل جاتا۔ان رسائل میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علوم پر مشتمل رسالہ ''الابقاء''، دارالعلوم دیوبند کا رسالہ،تکبیر کے پرانے رسائل، ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ وغیرہ کے ساتھ ساتھ ''ترجمان اسلام'' کے پرانے شمارے بھی تھے۔ترجمان اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو اس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیف ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' پر قادیانیوں کے اشکالات کا جواب ملا۔ یہ ایک تفصیلی جواب تھا جو کئی قسطوں میں چھپا تھا۔اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ حضرت کے مزاج میں تحقیق کس قدر تھی۔

۲۰۰۱ء میں ردقادیانیت کورس پڑھنے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کا سبق کیا ہوتا تھا؟ اک نعرہ مستانہ، اک ولولہ پیہم۔حضرت رحمہ اللہ کتابی باتیں کم اور آپ بیتی زیادہ سناتے۔آپ کی ساری زندگی قادیانیوں سے مناظروں میں گزری۔دنیا کا کون سا کونا تھا جہاں آپ مناظروں کے لیے نہ پہنچے۔ ان مناظروں میں خصوصا بیرون ملک متکلم کے فرائض علامہ خالد محمود رحمہ اللہ سرانجام دیتے۔آپ کی بذلہ سنجی اور نکتہ آفرینی نے مسلمانوں کو ہر جگہ سرخرو کیا۔

علامہ اقبال سے شغف، تحقیق پر توجہ،نکتہ سنجی اور حاضر جوابی، زبردست حافظہ، مناظرانہ ذہانت کا مرقع اور دینی وعصری علوم پر یکساں عبور آپ کے وہ اوصاف ہیں جو آپ کا ہی خاصہ ہو کر رہ گئے۔آپ کے وصال سے گزشتہ ایک صدی کی تاریخ رخصت ہوگئی۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ☆☆☆☆

مولانا عمر فاروق راشد، استاذ: جامعۃ الرشید کراچی

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

بلاشبہ ہم نے امام اعظم رحمہ اللہ جیسے آسمان علم کو نہیں دیکھا، امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کے حسنِ تابدار کی زیارت بھی ہماری قسمت میں نہیں تھی، ہمارا زمانہ فقیہ عرب وعجم علامہ رشید احمد گنگوہی جیسے ماہتاب علم کی کرنوں کو نہ پا سکا اور ہمارے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی شخصیت کا صحیح تصور بھی مشکل ہے، مگر ہماری ہزار خوش نصیبی کہ ہم نے علم وعمل کے ایسے بحر ذخار کو دیکھا جس میں ان تمام اکابر کا رنگ و بو نمایاں طور پر موجود تھا۔ ایک ایسی شخصیت جنہیں بجا طور پر نمونہ اسلاف کہا جا سکتا تھا۔
حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا نام بچپن میں شعور کے ابتدائی دنوں میں کانوں میں پڑا۔ کتابوں کی الماری میں پورے ریک کو بھر دینے والی ان کی ایک ایک کتاب کو دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ سمجھنا مشکل ہو جاتا کہ آخر ان کتابوں کو کیسے لکھا گیا ہوگا؟ لکھنے والے کس قدر عظیم شخصیت کے مالک ہوں گے۔ پھر ہمارے شعور کی منزلوں کے ساتھ ساتھ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ بھی بڑھتا گیا۔

حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لوگوں میں بہترین وہ ہے جس کی عمر طویل ہو اور اعمال نیک ہوں۔'' (رواہ الترمذی) ۹۷ر سال کی طویل زندگی اور علم وتقوی سے معمور حیات مستعار بلاشبہ یہ سعادت للہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے خواص کو ہی ملتی ہے۔ ایک دوسری حدیث مبارک ہے: حسد (رشک) صرف دو باتوں میں جائز ہے: ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔'' (متفق علیہ) بلاشبہ حضرت علامہ صاحب مرحوم دولتِ علم کے خزانے اس قدر وسیع، عمیق اور عریض تھے کہ دنیا کے ہر گوشے میں ان کا فیض پہنچا اور لوگوں نے اس بحر کنار سے اپنی پیاس بجھائی۔

آپ رحمہ اللہ کو اجازت وخلافت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی سے عطا ہوئی۔ آپ کو اپنے متعدد اساتذہ کرام میں سے جن سے سب سے زیادہ فیض ملا، وہ دو حضرات ہیں: ایک حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ۔

آپؒ قرآن فہمی کے لیے تفسیر عثمانی کا مطالعہ کرنے کا مشورہ کثرت سے دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے بجا طور پر امین تھے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے ایک خاص صحبت یافتہ حضرت مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ دونوں کے علوم ومعارف کے جامع اور ان کے امین تھے۔

اسی تناظر میں علامہ صاحب کا ایک واقعہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند (وقف) کے موجودہ مہتمم مولانا محمد سفیان قاسمی سے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ آپ کے گروپ میں بہت سے اہل علم بھی شریک تھے۔ اسی دوران آپ کی ملاقات ایک یورپی اسکالر سے ہوئی۔ حضرت نانوتویؒ چاہتے تھے کہ اس اسکالر سے بات چیت کریں اور انہیں اسلام کی روح سے آگاہ کریں، مگر انگریزی زبان سے عدم واقفیت رکاوٹ بن رہی تھی۔ پھر انہیں ایک ترجمان میسر آیا تو اس کے ذریعے سے گفت وشنید ممکن ہوئی۔ اس موقع پر حضرت نانوتویؒ نے ایک عجیب بات فرمائی۔ فرمایا: اگر زندگی نے ساتھ دیا تو میری شدید خواہش ہے کہ میں ہندوستان واپس جا کر انگریزی زبان سیکھوں گا، تاکہ میں یورپ کا سفر کرکے وہاں کے اہل دانش کو اسلام کی حقیقت اور فلسفے سے آگاہ کرسکوں۔" یہ واقعہ سنا کر علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی اس انمول خواہش اور دعا کو میرے ذریعے سے پورا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یورپ بھیجا، تاکہ میں ان کی اس آزرو کی تکمیل کا ذریعہ بن سکوں۔"

حضرت علامہ صاحبؒ نے عصری تعلیم میں بھی کمال کر دکھایا۔ اس پہلو سے بھی آپ نے وقت کے اسکالرز کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے قانون کی ڈگری ایل ایل بی حاصل کی۔ اس کے بعد دو زبانوں یعنی فارسی اور عربی میں ایم اے کرنے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ میں بھی ماسٹرز کی ڈگری کی حاصل کی۔ آپ تکمیل تجربہ کے لیے سیالکوٹ کے ایک کالج میں لیکچرر بھی رہے۔ پھر ۱۹۶۶ء میں آپ برطانیہ منتقل ہوئے تو ابتدائی سالوں میں ہی برمنگھم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی شروع کی اور تکمیل کے بعد ڈگری سے نوازے گئے۔

حضرت رحمہ اللہ کی زندگی میں خدمتِ دین کا ایک اہم اور منفرد موقع یہ بھی آیا کہ آپ پاکستان میں سپریم کورٹ کے شریعہ اپیلیٹ بینچ کے جج رہے۔ علاوہ ازیں کئی اداروں کے بورڈ ممبر بھی رہے، تاہم زندگی کے آخری لمحے تک اپنی تمام تر توجہات، خدمات اور کاوشوں کا محور ومرکز خدمت دین کو ہی بنائے رکھا۔ آپ کی زندگی کا مشن "دفاعِ صحابہؓ، تحفظ عقائد اسلامی اور ختم نبوت کے محاذ پر جہادِ مسلسل" سے عبارت تھا۔ اس سب کے ساتھ ساتھ تدریس کے میدان کو بھی اپنی خدمات سے محروم نہیں رکھا۔ آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں مؤطا امام مالک کا درس دیتے رہے۔ 2018ء میں شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، حضرت صوفی محمد سرور صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد اس ادارے کا درس بخاری بھی آپ کو تفویض ہوا۔

حضرت رحمہ اللہ کی تالیفات وتصنیفات کی طرف آیئے تو علم وحکمت کا ایک بحر بے کنار نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں کم وبیش ۵۰ر کتب تصنیف فرمائیں۔ جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ اکثر کتب اردو زبان میں لکھی گئی ہیں۔ یہ کتب علم وتحقیق کا خزانہ ہیں۔ اپنی ذات میں ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ اور اسلاف کی کتب کے حوالہ جات سے بھری ہیں۔ معروف کتب میں آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار التشریع اور آثار الاحسان دو دو جلدوں کی جامع کتب کا ایک مکمل سیٹ ہے۔ ان میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے بنیادی قواعد اور روح سے متعارف کروایا گیا ہے۔ اسی طرح دس جلدوں پر مشتمل "مطالعہ بریلویت" بھی اردو زبان کا نادر تحفہ ہے۔ حجیت حدیث انگریزی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار کتب نہایت لائق تحسین اور حضرت رحمہ

اللہ کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

دنیا ایک سرائے دہر ہے، یہاں ہر شخص مسافر اور راہگیر ہے۔اس نے اپنے اصلی گھر جانے سے قبل کچھ دن کے لیے یہاں عارضی قیام کرنا ہے۔اب ساری دوڑ دھوپ اس بات کی ہے کہ اس مختصر اور عارضی قیام کو عظمتوں کا حوالہ کون بنا کے جاتا ہے۔ اس چار دن کی زندگی کو نہایت بامقصد بنانے میں کون کامیاب ٹھہرتا ہے۔اور اگلے جہاں کی دائمی زندگی کے لیے یہاں رہ کر اعمال کا توشہ کون کتنا جمع کرتا ہے۔حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ بھی اسی قانون قدرت کے پابند تھے،طویل ترین عمر پائی،مگر باری آنے پر رخت سفر باندھ لیا۔ ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل،وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کی ۲۰/اور ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء کو ان کے نام داعی اجل کا بلاوا آگیا اور وہ ہمیں داغ مفارقت دے کر رخصت ہوگئے۔اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ہم پیچھے رہ جانے والوں کا کام یہ ہے کہ ان کی زندگی اور کردار سے سیکھیں اور خود کو ان کے نقش قدم پر چلاتے ہوئے سدھرنے اور سنورنے کی کوشش کریں۔ہم ان کی علمیت،ان کی روحانیت،ان کی سادگی،ان کی استقامت،ان کی لگن اور جہد مسلسل کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔بس یہی حقیقت ہے اور یہی ان کے تذکرے کا حاصل!باقی سب رسمی باتیں ہوتی ہیں اور رسومات چندروز کی مہمان ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حضرت رحمہ اللہ کی رحلت سے پیدا ہونے والے عظیم خلا کو اپنے غیب کے خزانوں سے پُر فرمائے اور مرحوم کے نام لیواؤں کو ان کی زندگی اور موت دونوں سے بہت کچھ سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین ☆☆☆☆

مولانا احمد علی محمودی

میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں جنھیں استاذِ محترم علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیابی کا شرف حاصل ہوا،حضرتؒ میرے استاذ اور مربی تھے۔ ۱۹۸۷ء میں موسم گرما کی تعطیلات میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کی مسجد واقع شیرانوالہ گیٹ،لاہور میں دورۂ ترجمہ وتفسیر قرآن کلاس کا اہتمام کیا گیا،جس میں اس عاجز کو بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی،ہمارے اساتذہ کرام میں ملک کے مایہ ناز علماء کرام شامل تھے،جن میں مولانا محمد اجمل خانؒ،مولانا حمید الرحمٰن عباسیؒ،مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ،مولانا اللہ وسایا قاسم اور علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کے اسمائے گرامی انتہائی نمایاں ہیں۔اس کلاس میں اور اس کلاس کے علاوہ جمعیت طلبہ اسلام کی تربیتی نشستوں اور جلسوں میں علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کے علمی نکات اور حاضر جوابی سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔علامہ صاحبؒ نے نفاذ شریعت اور تحفظ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کے ناموس کے تحفظ ودفاع میں بھرپور اور متحرک زندگی گزاری اور بے شمار لوگوں کی علمی وفکری تسکین اور اعتقادی پختگی کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ آج آپ ہم میں موجود نہیں مگر آپؒ کے قائم کردہ جامعہ ملیہ لاہور اور اسلامک سینٹر مانچسٹر،ان کی درجنوں تصانیف اور سینکڑوں بیانات وخطابات محفوظ حالت میں موجود ہیں،جو رہتی دنیا تک ان کے لیے ایسا صدقہ جاریہ ہیں،جن سے اہل علم ایک عرصہ تک مستفید ہوتے رہیں گے۔ سع خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا احسان اللہ فاروقی رحمہ اللہ [وڈالہ سندھواں ضلع سیالکوٹ] (۱)

بہترین ڈاکٹر

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اس فانی جہان سے ہر شخص نے کوچ کرنا ہے، مگر کچھ حضرات کا وجود مسعود اس قدر پرکشش ہوتا ہے کہ ان کے جانے پر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ کاش وہ کچھ عرصہ اور رہ جاتے کیونکہ ان کے اخلاق کریمانہ کی مہک ہمیشہ دلوں کو معطر رکھتی ہے۔ انہی نفوس میں استاذِ محترم علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ بھی تھے۔ ۱۹۸۷ء میں دفتر تنظیم اہل سنت نواں شہر ملتان میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ سے علم مناظرہ کی تعلیم کے لیے گیا، وہاں دیگر اساتذہ کے ساتھ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ سے بھی استفادے کا موقع ملا، آپ علم کے ایک بحر بے کنار تھے، اگرچہ اندازِ بیاں اتنا شوخ نہ تھا مگر جب بولتے تو موتی رولتے تھے، ایک ایک لفظ میں کئی کئی مسائل حل فرما دیتے تھے۔ کم لفظوں میں اس قدر جامع گفتگو آپ ہی کا طرہ امتیاز تھا۔ دورِ حاضر کے تمام فتنوں پر نہ صرف گہری نظر تھی بلکہ مضبوط گرفت بھی رکھتے تھے۔ قادیانیت، رضاخانیت اور غیر مقلدیت کے رد کے لیے آپ کی حیثیت ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر کی تھی۔ زمانہ بچپن ہی سے ہمارا تاثر یہ تھا کہ آپ ایک ماہر فن ڈاکٹر کی طرح عقیدہ کے مریضوں کے مرض کی تشخیص اور اس کے لیے دوا کی تجویز میں انتہائی تجربہ کار اور بے حد باکمال تھے۔

دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے دور دراز پسماندہ علاقوں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں تک گھنٹوں کے تھکا دینے والے سفر بھی خندہ پیشانی سے فرماتے، ڈی جی خان، تحصیل تونسہ کے علاقہ ٹبی قیصرانی کے مولانا غلام فرید صاحبؒ کے مدرسہ سراج العلوم میں مسلسل سالانہ جلسہ پر حاضرین وسامعین کی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ ۱۹۹۹ء میں ہمارے ہاں مدرسہ مرکز عمر فاروقؓ وڈالہ سندھواں تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے آئے اور آج تک لوگوں نے حضرت کے کئی ملفوظات یاد رکھے ہوئے ہیں۔

الغرض آپ ایک منفرد شخصیت تھے، جس نے پون صدی تک ہر باطل کا کامیاب تعاقب کیا اور مسئلہ ختم نبوت اور دفاع ناموس صحابہ کو پوری دنیا میں اجاگر کرتے کرتے اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور کروڑ کروڑ رحمتوں کا نزول فرمائے۔

والسلام......محمد احسان اللہ فاروقی

مرکز عمرِ فاروق وڈالہ سیدھواں ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

---

(۱) مورخہ ۳۰/مارچ ۲۰۲۱ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا عامر شعیب ڈیروی، استاذ: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان

صدیوں تجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اس فانی دنیا کی ہر شخصیت کو چاہے وہ کتنی ہی دلکش، ہر دلعزیز، زندگی افروز اور پُر بہار ہو، ایک نہ ایک دن دارفنا سے رخصت ہوکر دار بقا کی طرف جانا ہے۔ اس لیے شب وروز کے ہنگاموں میں نہ جانے کتنے لوگ دنیائے فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بہت سوں کی جدائی اور فراق سے دل حزین وغمگین بھی ہوتا ہے، مگر ایسی ہستیاں بہت کم ہوتی ہیں جن کی وفات، جدائی، فراق اور دنیائے فانی سے کوچ کر جانے کی خبر دلوں پہ بجلی سی گرا دے۔ جن کے آفتاب زندگی کے غروب ہونے سے مشرق ومغرب والے اندھیر امحسوس کریں۔

آپ رحمہ اللہ بلاشبہ، علم ومعرفت کے کوہ گراں، مشن شاہ ولی اللہؒ کے پاسباں، فکر نانوتویؒ کے باغباں، اسرار شریعت کے بحر بے کراں تھے۔ اپنے اخلاص، تقوی، خشیت، للّٰہیت، مجاہدانہ زندگی، پختہ علم وعمل اور پر خلوص خدمات کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے علم وفضل، جہد وعمل، ورع وتقوی، سادگی وانکساری، خشیت وانابت کو دیکھ کر خیر القرون کا کتابوں میں پڑھا منظر حقیقت میں ڈھلا نظر آتا، آپ اکابرین کی یادگار تھے۔ اشاعت دین، اتباع واحیاء سنت، اجتناب شرک، اماتت بدعت، تحفظ سنت، دفاع صحابہ واہل بیت اطہار، قرآن وسنت کی دعوت وتنفیذ آپ کا نصب العین تھا،

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، قادیانی دجل وفریب کے تار وپود کو ہر سطح پر بکھیرنے کے لیے، آپ فاتح قادیانیت حضرت مولانا محمد حیاتؒ اور حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے ساتھ صف اول کے کامیاب مناظر شمار ہوتے تھے، آپ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر جو محاذ قائم کیا، بلاشبہ وہ مسلمانوں کے عقائد کے تحفظ کا ایک مضبوط مورچہ ہے، یقیناً آپ ان اکابرین ختم نبوت میں شامل تھے، جنھوں نے اخلاص کے ساتھ مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیادوں کو استوار کیا اور اس عظیم مشن کے لیے جان جوکھوں میں ڈالی۔ صبح وشام، دن ورات، سفر وحضر غرض پوری زندگی کو تحفظ ختم نبوت کے لیے وظیفۂ حیات قرار دیا۔ آپ امت کے وہ محسن حضرات تھے جو عمر رفتہ کو آواز دیے بغیر اپنا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس اور ختم نبوت کے تحفظ پر قربان کر گئے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کیا۔

آپؒ نے حجیت حدیث، دفاع سنت نبوی، عقائد اہل سنت کے تحفظ کے محاذ پر بھی بھرپور اور متحرک زندگی گزاری، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حجیت حدیث آپ کا خاص موضوع تھا اور آپؒ اسے انوکھے انداز میں ثابت کرنے کے ماہر تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: ’’آپ لوگ اس بات کی دھوم مچا دو کہ حدیث کا تعلق قرآن سے ہے، اس سے بہت سے باطل فرقے اپنی موت آپ مرجائیں گے، یہ کہنا کہ احادیث کا ذخیرہ قرآن کے خلاف ایک سازش ہے، یہ جملہ خود ایک سازش ہے‘‘۔

ایک دفعہ فرمایا: ''ہمارے مدارس میں ہر سال ختم بخاری کے موقع پر بڑے فضائل بیان کیے جاتے ہیں، مگر اس بات کی وضاحت نہیں کی جاتی کہ بخاری کے علاوہ بھی بکثرت احادیث صحیحہ موجود ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عصری علوم کے طلبہ کالج ویونیورسٹی میں جا کر بہ آسانی بہک جاتے ہیں، اس لیے کہ ایک مخصوص فرقہ ان کو بخاری کی حدیث سنا کر کہتا ہے، تمہارا عمل اس کے خلاف ہے، وہ بے چارے شیوخ الحدیث سے بخاری کے بڑے فضائل سن چکے ہوتے ہیں، یوں ان کا شکار بن جاتے ہیں، اس طرح نہ جانے کتنے نوجوان اپنے مسلک کو ترک کر بیٹھے یا شبہات کا شکار ہو گئے۔

آپ کا انداز تدریس نمایاں اور منفرد تھا۔ درس میں ایسے محسوس ہوتا جیسے شفیق روحانی والد اپنے بچوں سے بالکل محبت بھرے کھلے ماحول میں اعتدال بھرے انداز میں محو گفتگو ہو۔ طلبہ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے، جس کا لفظوں میں اظہار ممکن نہیں۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس محبت اور عشق کا مظہر ہوتا۔ آپ بجا طور پر اپنے مشائخ اور اساتذہ کے حقیقی معنوں میں علمی جانشین، مزاج شناس، ہر فن وعلم اور حالات حاضرہ پر آگاہی میں معلومات کا خزانہ تھے۔ قوت حافظہ، وسعت مطالعہ، ذوق کتب بینی، علمائے اہل سنت دیوبند کے مسلک پر تصلب کے ساتھ وسعت نظر، زندگی میں نفاست، سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج، ان کی باغ وبہار علمی مجالس، دلنشیں انداز تدریس، غرض کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جاسکتا ہو؟ یہی وجہ تھی کہ دور دور سے تشنگان علوم اس بحر موجزن کے پاس آ کر اپنی علمی پیاس بجھاتے اور خوب سیراب ہو کر گھروں کو بخوشی واپس لوٹتے۔

آپؒ کی تصانیف پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اتنے دفاتر کیسے تحریر فرمائے؟ جا بجا قرآن وسنت، صحابہ وتابعین کے حوالے سے مضبوط علمی دلائل، شبہات کا ازالہ، اشکالات کا حل، اعتراضات کا مدلل اور شافی جواب، غرض امتیازات وخصوصیات سے بھرپور تصانیف آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ باطل فرقوں کے متعلق آپ نے تصنیفی طور پر تنہا ایک جماعت کا کام کیا، روافض ومبتدعین کی تردید کے لیے آپ کا کام موجودہ نسل کے لیے سند اور مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ رد رفض میں آپ کی اہم کتب ''عبقات، تجلیات آفتاب، خلفائے راشدین، معیار صحابیت، عظمت الاصحاب فی بیان ام الکتاب'' اور مبتدعین کے رد میں دس جلدوں پہ مشتمل مطالعہ بریلویت آپ کا عظیم علمی وتاریخی شاہکار اور لائق مطالعہ ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ آج ہم میں نہیں رہے، مگر ان کے قائم کردہ ادارے جامعہ ملیہ لاہور، اسلامک اکیڈمی مانچسٹر، درجنوں تصانیف اور محفوظ حالت میں سینکڑوں بیانات وخطابات، ان کی یادگار اور ایسا صدقہ جاریہ ہیں، جن سے اہل علم صدیوں مستفید ہوتے رہیں گے۔

تاریخ کے اوراق میں تو زندہ رہے گا
صدیوں تجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

☆......☆......☆......☆

مولانا عمر فرید، ایبٹ آباد

قافلہ حق کے چراغ

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پہلا انسان ہی حق کی تبلیغ وترویج کرنے والا نبی بنا کر بھیجا۔ کائنات کی ابتدا سے ہی دین حق کے نفاذ کی کوشش شروع ہوگئی۔ پھر ہر دور میں اہل حق نے اس خدمت کو آگے بڑھایا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابتدا سے ہی ہر دور میں باطل نے بھی سر اٹھایا اور اہل باطل نے حق کو مٹانے کی کوشش جاری رکھی۔ اہل حق نے ہمیشہ ہر میدان میں باطل کا مقابلہ کیا اور حق کے نور کو بجھنے نہیں دیا۔

یہ دنیا کا نظام ہے کہ اس میں حق اور باطل آپس میں ٹکراتے رہتے ہیں، متصادم رہتے ہیں، کشمکش کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں اور یہ کیفیت ہر دور میں جاری وساری رہے گی۔ حق تعالیٰ ان حالات میں حق کی نمائندگی کے لیے اپنے مخصوص بندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رئیس المحققین، عظیم مصنف اور مناظرِ اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ حضرت علامہ صاحب رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ویسے تو اس جہانِ فانی سے ہر شخص نے وقت مقررہ پر کوچ کرنا ہے، مگر آپ کی شخصیت کا صدمہ کسی ایک فرد، خاندان یا ادارے کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا ہے۔

علامہ صاحبؒ نے فرق باطلہ کے خلاف دینِ حق کا پرچم بلند کیا۔ مسلک حق کے خلاف سازشوں کا مؤثر انداز میں سدباب کیا۔ دور جدید کے تقریباً تمام فتنوں اور فرقوں کے رد میں علمی اور تحقیقی کام کیا اور اس کا خوب حق ادا کیا۔ اس سلسلے میں ان کی تصانیف وتقاریر شاہد ہیں۔ ان کی تصانیف میں ایک عظیم علمی شاہکار مطالعہ بریلویت ہے جو ۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے بریلویت کی تاریخ اور ان کی طرف سے دین میں شامل کی جانے والی ہر قسم کی بدعات کا علمی وتحقیقی جائزہ لیا ہے، ساتھ ساتھ اکابر دیوبند پر جو مختلف اعتراضات کیے گئے ہیں ان کے بھی بہت عمدہ اور تحقیقی جوابات دیے ہیں۔

اسی طرح معیار صحابیت، عبقات اور خلفائے راشدین وغیرہ کتب میں آپ نے شیعہ اور روافض کے تمام اعتراضات کا دندان شکن اور علمی وتحقیقی جواب دیا ہے اور اہل سنت کے عقائد کو دلائل وبراہین کے ساتھ مضبوط کیا ہے۔ موجودہ دور میں رفض کے سیلاب میں دفاع صحابہ کے محاذ پر آپ نے بھرپور تعمیری وعلمی کام کر کے شہر شہر قریہ قریہ میں عظمت صحابہ کے وہ چراغ روشن کیے جن کی تابانی رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

ختم نبوت سے متعلق آپ کا علمی کام اور تحقیقی کتب امت کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھ مل کر آپ نے ختم نبوت کے میدان میں جو کارنامے سرانجام دیے وہ سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے۔ الغرض آپ

قدیم اور جدید فتنوں کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہے اور دلیل و برہان کے ساتھ انہیں ہر میدان میں شکست دی۔ علامہ صاحب ردِ قادیانیت، رد اہل بدعت اور دفاع صحابہ کے میدان میں علمی و تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی جوابات کے بھی بادشاہ تھے۔ تحریر و تقریر میں علمی نکات اس خوبی سے بیان کرتے تھے کہ عوام بھی مطمئن ہوتے اور اَش اَش کر اٹھتے تھے۔

باطل کی تردید کے ساتھ ساتھ ان کا ایک علمی شاہکار یہ بھی ہے کہ انہوں نے قرآنی علوم سے متعلق آثار التنزیل دو جلدوں میں مرتب کی۔ اس میں قرآن سے متعلقہ بہت سے اہم علوم کا بڑی گہرائی اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، مثلاً علوم القرآن، تاریخ قرآن، جمع قرآن، ترتیب قرآن، تدوین قرآن، تجوید القرآن، فضائل قرآن، اعجاز قرآن وغیرہ بیسیوں ابواب اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح احادیث سے متعلق بہت سے اہم موضوعات اور علوم کو آثار الحدیث نامی کتاب میں دو جلدوں میں مرتب فرمایا۔ اس میں حجیتِ حدیث، تدوین حدیث، اسلوب حدیث، رجال حدیث اور ان جیسے بیسیوں ابواب کا علمی و تحقیقی انداز میں ذکر موجود ہے۔ گویا یہ ایک مکمل نصاب ہے جو کالج و یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے اسلامیات کے نصاب کا نہایت عمدہ اور موزوں حصہ بن سکتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ علماء اور دینی طلبہ کے لئے بھی ایک نہایت علمی و تحقیقی دستاویز ثابت ہوا ہے۔

علامہ صاحب اسلامی اور عصری علوم پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ قرآنی آیات اور احادیث سے دلائل و نکات کا استخراج و استنباط کرنے میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آپ کی تحریر، تقریر اور مجلس میں ہمیشہ علمی و تحقیقی موضوعات پر بحث ہوتی تھی۔ چالیس سے زائد تحقیقی تصانیف سے آپ کے علمی مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے علمی مقام اور مرتبہ کی وجہ سے "علامہ" کا لقب آپ کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ علامہ کا لفظ جب مطلق بولا جاتا ہے تو آپ ہی کی ذات مراد ہوتی ہے۔

بندہ جب متوسطہ کے سال میں تھا تو اس وقت رسائل وغیرہ مختلف کتب ولٹریچر پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ خاص طور پر ایسی کتب جو باطل فرقوں کے رد میں لکھی گئی ہوں، اس عمر میں ان کے پڑھنے کا اکثر شوق ہوتا ہے۔ ایک دن مدرسہ کی لائبریری میں رسائل کی چھان پھٹک کے دوران ایک کتاب سامنے آئی "عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت"۔ اس پر علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کا نام تھا۔ یہ نام پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ نام کے ساتھ ڈاکٹر اور پی ایچ ڈی کے الفاظ دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید یہ کسی کالج یا یونیورسٹی کے پروفیسر قسم کے آدمی ہیں، ان کا اس طرح کے تحقیقی کام سے کیا واسطہ ہے؟ دیکھنا تو چاہیے کہ اس بارے میں پروفیسر حضرات کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ جب اس کتاب کو کھولا تو اس میں ایسی عمدہ تحقیق تھی اور ایسے نکات تھے کہ ایک عام بندہ بھی اس کو آسانی کے ساتھ سمجھ جاتا اور مطمئن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ کتاب شروع کی اور پڑھتے پڑھتے ایک ہی مجلس میں اختتام پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد ان کے علمی مقام کا اندازہ ہوا اور پھر ان کی جس کتاب کا علم ہوا اس کو نہایت شوق سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور مطالعہ کر کے مستفید ہوا۔

پہلی دفعہ بندہ نے ان کی زیارت راولپنڈی کے ایک مدرسہ میں کی تھی جب علماء اور طلبہ کے ایک پروگرام میں ملک بھر کے جید علماء کرام تشریف فرما تھے۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب بھی مدعو تھے۔ آپ جب اسٹیج پر تشریف لانے لگے تو اس وقت ایک

نعت خواں حیات النبی پر ایک نظم پیش فرما رہے تھے۔ شعر میں یہ الفاظ تھے کہ اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ علامہ صاحب نے یہ الفاظ سن لیے۔ جب آپ کے بیان کی باری آئی تو اس میں انہوں نے ان الفاظ کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ آپ اجماع امت پر پہنچ گئے ہیں جو کہ تیسری دلیل ہے جبکہ یہ عقیدہ تو پہلی دلیل قرآن اور دوسری دلیل حدیث سے بھی ثابت ہے۔ اس پر انہوں نے قرآن کی آیات سے اور احادیث سے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے ایسے عمدہ دلائل اور نکات پیش کیے کہ بڑے بڑے جید علماء بھی ہمہ تن گوش سن رہے تھے۔ بہت سے علماء اور طلبہ کو آپ کی تقریر کے دوران علمی دلائل ونکات نوٹ کرتے ہوئے دیکھا۔

آپ کی وفات عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ اور بالخصوص علمی حلقوں کے لئے نا قابل تلافی نقصان ہے۔ ایسی عظیم المرتبت شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس دور پر فتن میں آپ کی ذات باطل عناصر کے سامنے حق کی ترجمانی کرنے کے لیے ایک سیسہ پلائی دیوار اور مضبوط چٹان کی مانند تھی۔ اپنی دینی وعلمی خدمات کی وجہ سے آپ امت مسلمہ کے لیے عالمی سطح پر ایک عہد ساز شخصیت ثابت ہوئے۔ آج جب حالات ایسے ہیں کہ باطل کی تند وتیز آندھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ حق کو مٹانا چاہتی ہے، بظاہر اہل حق بہت کمزور اور بے بس نظر آ رہے ہیں، لیکن ہم نے مایوس نہیں ہونا، حق باطل کے سامنے کمزور بھی ہو مگر ہمیشہ سرخرو رہے گا۔ باطل ہزار کوشش کر لے لیکن وہ اپنے مقصد میں نا کام ہی رہے گا۔ چونکہ حق نور الٰہی ہے جسے وقت کی تیز آندھیاں بجھا نہیں سکتیں۔ یہ ایک ایسا چراغ ہے جس کی ضیاء پاشی میں کبھی بھی زوال نہیں آ سکتا۔ پروردگار عالم اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: **"یریدون ان یطفؤ ا نور الله بافواههم ویابی الله الا ان یتم نوره ولو کره الکافرون"** ترجمہ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منہ کی پھونک سے مار کر بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کو تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کر دے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔ [سورہ توبہ:۳۲]

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ تعالی نے ہر دور میں باطل سے ٹکر لینے کے لیے علامہ صاحب جیسی شخصیات کا انتخاب کیا۔ آج جب کہ علامہ صاحبؒ ہم سے رخصت ہو چکے ہیں حق وباطل کا وہی معرکہ قائم ہے۔ حق وباطل کی پہچان مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ باطل ہمہ وقت حق کا لبادہ اوڑھے دھوکا دینے کو تیار ہے۔ اگر ہمیں حق کا غلبہ دیکھنا ہے تو علامہ صاحب کا رستہ چننا ہوگا اور ان کے مشن کو آگے بڑھانا ہوگا۔ علامہ صاحبؒ کے نقش قدم پر چل کر علم کی شمع کو لے کر ظلمت کے اندھیرے میں جانا پڑے گا، جہاں باطل بے نقاب ہوگا اور حق سرخرو ہوگا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ علامہ صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور امت مسلمہ کو ان کا بدل عطا فرمائے اور ہم سب کو اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی، مدیر مجلّہ صفدر

سلطان العلماء سے وابستہ چند یادیں

بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت وملاقات یاد نہیں، اِس لیے کہ سنی کانفرنس بھیں ضلع چکوال اور جامعہ حنفیہ جہلم کے سالانہ جلسوں میں بچپن ہی سے شرکت کا موقع ملتا رہا، اور وہاں بارہا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ انھی جلسوں کے موقع پر علماء کی قیام گاہ یا دفتر میں بھی بعض اوقات ان کی مجالس میں شرکت نصیب ہوئی، اجتماعات کے بیانات میں بھی ہم موجود تو ہوتے تھے، لیکن اُس وقت ہماری دلچسپی کا مرکز یا اللہ مدد، حق چار یار کے اسٹیکر، بیج اور سنی پرچم ہوتے تھے، ظاہر بات ہے کہ یہ چیزیں اسٹالوں سے دستیاب ہوتی تھیں۔ ہمارے جد امجد حضرت امام اہل سنت، ہمارے نانا جی حضرت قائد اہل سنت اور حضرت جہلمی رحمہم اللہ کے ساتھ تو حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق تھا ہی، ہمارے والد گرامی مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہم پر بھی وہ بہت شفیق اور اُن کی صلاحیتوں کے معترف تھے، وفات سے دو تین سال قبل اصرار کر کے والد گرامی کی کتاب ''علماء دیوبند کا عقیدہ حیات النبی اور مولانا عطاء اللہ بندیالوی'' اُنھوں نے طلب فرمائی تھی۔ نیز جب والد محترم کی کتاب ''تنظیم فکر ولی اللہی اور مولانا عبید اللہ سندھی'' طبع ہو کر آئی تو ایک دن والد صاحب نے بتایا کہ: علامہ خالد محمود صاحب اِس پر بہت خوش ہوئے اور ڈھیروں ڈھیر شاباش سے نوازا۔

حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے جنازے کے موقع پر حضرت علامہ صاحب نے خطاب کے دوران یہ جملہ بھی فرمایا تھا کہ: ''وقت کا انور شاہ چلا گیا۔'' میں نے حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے متعلق یہ بات پہلی مرتبہ سنی تھی۔ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو بہت سے علماء کو ''انور زمانہ'' کہتے سنا تھا، لیکن حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ سے متعلق یہ بات پہلی مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ سے ہی سنی۔ اسی طرح علامہ صاحب کا ہی ارشاد ہے کہ: ''قاضی صاحب اپنی کوئی بات تو کرتے ہی نہیں، اکابر اہل سنت کی بات ہی پیش کرتے ہیں۔'' تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا عبد الستار معاویہ کا مضمون: ۲/۲۴۰

شیخ الاسلام سیمینار بہاول پور (منعقدہ ۶/مارچ ۲۰۰۵ء) میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو خطاب فرمایا، اس کے کچھ الفاظ حافظے میں محفوظ ہیں، جن میں یہ مصرع بھی شامل ہے، جسے حضرت علامہ صاحب نے علمائے اہل سنت دیوبند کی شان میں ایک سے زائد بار دوہرایا ''جن کے آگے کفر ناچا بارہا تگنی کا ناچ۔'' حضرت کا وہ بیان بھی شامل اشاعت ہے۔ ۲/۱۵۷

یکم تا ۵/مئی ۲۰۰۵ء کو جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا میں ''دورۂ تقابل ادیان'' منعقد ہوا، اس میں حضرت علامہ صاحب بھی تشریف لائے اور ''سنت وبدعت'' کے عنوان پر اسباق پڑھائے۔ وہ اسباق بھی زیر نظر اشاعتِ خاص میں شامل ہیں۔ ۲/۲۰۹

اسی دورۂ تقابل ادیان کے دوران حضرت علامہ صاحب کی خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ جن طلبہ کو دورہ تقابل ادیان میں تشریف لانے والے اکابر علماء کی خدمت کے لیے چنا گیا تھا، ان میں بندہ کا نام شامل نہیں تھا، لیکن حضرت علامہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے ایک روز قبل یعنی منگل کو استاذِ مکرم مولانا مفتی طاہر مسعود مدظلہم نے مجھے کسی کام سے مہمان خانہ میں بلایا اور وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا، اس دن صبح کی نشست میں مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم نے سبق پڑھایا تھا، اِس بہانے اُن کی خدمت کی سعادت مل گئی۔ اس کے بعد بندہ بلا اجازت ہی وہاں موجود خدمت والے احباب میں شامل ہوگیا، شاید نسبت کے لحاظ میں کسی نے ٹوکا بھی نہیں، یوں دو اڑھائی دن مختلف علماء کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے تو میں ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا، بعض موجودین کو نا گوار ہوا، ہونا بھی چاہیے تھا، بندہ نے جلدی سے ایک پلیٹ لی، اس میں سالن ڈالا، اچھی سی بوٹیاں چن کر پلیٹ میں ڈال لیں، اِس پر حاضرین کو مزید تعجب ہوا، شاید یہ خیال بھی آیا ہو کہ کاش! اِسے یہاں نہ ٹھہرنے دیا ہوتا۔ پھر بندہ نے بوٹیاں ہڈیوں سے الگ کیں اور چھوٹے چھوٹے حصے کر کے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھنے شروع کیے، الحمدللہ حضرت نے خوب تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد پھل پیش کیا گیا تو بندہ نے لوکاٹ لیے، چھلکا اتارا، بیج الگ کیے اور گودا صاف کر کے حضرت کے سامنے رکھنے شروع کیے۔ ماشاء اللہ حضرت نے بڑی رغبت سے تناول فرمائے۔ اور آخر میں فرمایا: ''میں نے زندگی میں کبھی اتنے لوکاٹ نہیں کھائے جتنے آج آپ نے مجھے کھلا دیئے ہیں۔'' اس پر بندہ کو اپنے اساتذہ کی طرف سے بھی شاباش ملی اور خدمت پر مامور طلبہ اور ان کے نگران استاذ صاحب نے بھی بخوشی مزید خدمت کا موقع عنایت فرما دیا۔ **جزاهم الله أحسن الجزاء**

اسی روز امام پاکستان مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ کے فرزند مولانا سید قاسم شاہ بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علامہ صاحب سے کچھ لکھنے کی درخواست کی، غالباً اپنے والد مرحوم ومغفور کے بارے میں کچھ لکھوانا چاہ رہے تھے، چنانچہ حضرت نے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہی غالباً ایک ڈیڑھ صفحہ انھیں تحریر فرما دیا۔ اُس وقت تک حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو حضرت قائد اہل سنتؒ اور حضرت امام اہل سنتؒ سے بندہ کے نسبی تعلق کا علم نہیں تھا، اور بندہ کا جی مچل رہا تھا کہ کسی طرح گوش گزار کروں تا کہ شفقتوں اور عنایات سے وافر حصہ مل سکے، لیکن جھجک بھی تھی کہ خود اپنے منہ میاں مٹھو کیسے بنوں؟ اِسی سوچ بچار میں بندہ سے ایک بیوقوفی سرزد ہوگئی، کہ دورانِ تحریر ہی کسی انداز میں حضرت کو بتانے کی کوشش کر بیٹھا، تو حضرت نے شفقت سے روک دیا اور فرمایا: ''ابھی میرا ذہن لکھنے کی طرف متوجہ ہے، فارغ ہو جاؤں، پھر آپ کی بات سنتا ہوں۔'' بعدازاں از خود متوجہ ہوئے اور فرمایا: اب بتائیں! آپ نے کیا کہنا تھا؟ حضرات **شیخینؒ** سے نسبی تعلق کا علم ہوا تو شفقت میں اضافہ فرمایا۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے جنازے کا منظر بھی بندہ کی نظروں کے سامنے ہے، جب حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گاڑی سے اتر کر عصا پکڑے اسٹیج کی طرف جا رہے تھے، اس وقت جو خطاب فرمایا، اُس کا خلاصہ مولانا احسان اللہ احسان نے اپنے مضمون میں نقل کر دیا ہے۔ قارئین اِسی اشاعت خاص میں ملاحظہ فرمالیں گے۔ نیز حضرت امام اہل سنت سے متعلق علامہ صاحب کا ہی ارشاد ہے کہ: ''پاکستان میں غیر مقلدیت کی تردید میں سب سے زیادہ اور مضبوط علمی کام حضرت امام اہل سنتؒ نے کیا۔'' تفصیل مولانا منیر احمد منور کے مضمون میں دیکھی جا سکتی ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ سال جب حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضعف وعلالت کے باوجود فتنۂ غامدیت کی سرکوبی کے

لیے مسلسل فکر مند تھے، تو حضرت نے اپنے خدام سے غامدی کے حوالے سے معلومات رکھنے والے کسی شخص کا دریافت فرمایا تو مولانا ظہیر احمد ظہیر نے ہمارا نام لے دیا، حضرت نے ہمیں طلب فرمایا، ہم غامدی کی کتب، غامدی سے متعلق علمائے اہل سنت دیوبند کی کتب اور ردِ غامدیت سے متعلق مضامین پر مشتمل مجلّہ صفدر کے متفرق شمارے بلکہ بعض سالوں کی مکمل جلدیں لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت جامعہ اشرفیہ میں مقیم تھے، اور غالباً مسجد سے اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے، کمرے میں داخل ہوئے تو ہمارا تعارف کرایا گیا کہ یہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے نواسے ہیں، ان کے داماد مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب کے بیٹے ہیں۔ ثقل سماع کے باوجود حضرت کو ''مولانا قاضی مظہر حسین کے داماد'' اور ''مولانا عبدالحق خان بشیر'' کے الفاظ سمجھ آ گئے تو حضرت چلتے چلتے وہیں رک گئے اور برادر مکرم مولانا احسن خدامی کی طرف غور سے دیکھا اور اپنے خدام سے فرمایا: کیا بات ہے، میں انھیں پہچان نہیں رہا؟ قاضی مظہر صاحب کے داماد کو تو میں اچھی طرح پہنچانتا ہوں۔ تو خادم نے قریب ہو کر دوبارہ عرض کیا کہ: یہ قاضی صاحب کے نواسے ہیں، اُن کے داماد کے بیٹے ہیں۔

پھر حضرت تشریف فرما ہوئے، ہم نے مجلّہ صفدر کا فتنہ غامدی نمبر پیش کیا، حضرت نے سرورق ملاحظہ فرمایا، پھر کہا: اس کے سرورق پر آپ نے دو نام لکھے ہیں اور نام بھی دو بڑے آدمیوں کے لکھے ہیں۔ کیا اِس کے اندر اُن کی تحریرات شامل ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں! تو فرمایا: یہ طریقہ تو درست نہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ: ان کے نام ''بیاد'' اور ''بفیضان'' کے طور پر ہیں۔ تو فرمایا: ''پھر بھی میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر چہ ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے، بہت سے لوگ اپنے رسالوں پر اکابر کے نام لکھتے ہیں، بلکہ کئی لوگوں نے اپنے رسائل پر میرا نام بھی لکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ: جب رسالے میں شامل تحریرات میری نہیں ہیں تو اوپر میرا نام کیوں لکھا؟ تو ایک صاحب نے جواب میں کہہ دیا کہ: اس میں ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ آپ کا ہی فیض ہے۔ آپ کی کتابوں اور تقریروں سے استفادہ کر کے ہی ہمیں یہ باتیں سوجھی ہیں۔ (سوجھی کے لفظ کو حضرت نے خوب زوردار طریقہ سے ادا کیا۔) تو میں نے اُن سے کہا کہ: آج تو تمہیں یہ ''سوجھی'' ہیں، کل تمہیں کچھ اور ''سوجھے'' تو وہ بھی میرے نام لگا دو گے!! لہٰذا میرا نام ہٹا دو!'' یہ حضرت رحمہ اللہ کے ذوق کی بات تھی جو اس ملاقات میں اُن کی زبانی معلوم ہوئی۔

مجلس کے آخر میں فرمایا کہ یہ جتنی کتابیں اور رسالے وغیرہ لائے ہو یہ سب مجھے دے جاؤ، پھر فرمایا: کسی اور کو دو گے تو وہ سمجھے گا کہ اس میں مولانا سرفراز خان صفدر اور مولانا قاضی مظہر حسین کی تحریرات ہیں، اور وہ نہیں ہوں گی۔

ہم نے مجلّہ صفدر کا ایک شمارہ پیش کیا، جس میں ہمارے والد گرامی زید قدرہ کا مضمون ''آئین محمدی اور قانون غامدی'' شامل تھا۔ حضرتؒ نے مضمون کا عنوان دیکھا اور سر جھکا لیا، ڈیڑھ دو منٹ مکمل خاموش رہے، پھر سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ: کیا اسے دیکھ کر دِل پھٹتا نہیں کہ ''آئین محمدی'' اور ''قانون غامدی'' کو تقابل میں برابر کر دیا؟ مجھے تو دیکھ کر اتنا صدمہ ہوا کہ دو منٹ منہ سے بات نہیں نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابل کوئی بنایا ہی نہیں، نہ اِس (خیر کی) جانب میں، نہ اُس (شر کی) جانب میں۔ جو مقام رفعت وبلندی حضور کو خیر ونیکی میں حاصل ہے، وہ بلندی کسی کو شر اور برائی کی طرف میں بھی حاصل نہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے، لیکن حضور کا مقابل وہ بھی نہیں، اِس لیے اُس فتنے کو ختم کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو پہلے سے

زندہ آسمانوں پر اُٹھالیا کہ وہ دجال کا مقابلہ کریں گے۔اور اسے قتل کریں گے۔حضور کا مقابل تو اُس طرف بھی کوئی نہیں۔اور یہ نکتہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔اِس لیے ’’قانون محمدی‘‘ اور ’’آئین غامدی‘‘ کا تقابل کرنا درست نہیں۔

پھر ہم نے حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کا رسالہ ’’تحفہ غامدی‘‘ پیش کیا تو سرورق دیکھتے ہی فرمایا: یہ رسالہ اچھا ہوگا۔میں نے ابھی پڑھا نہیں،لیکن مجھے امید ہے کہ یہ اچھا رسالہ ہوگا۔

اسی مجلس میں یہ قصہ بھی سنایا کہ: میں ایک مرتبہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے جلسہ میں گیا، وہاں قریب ہی غیر مقلدین کا مدرسہ ’’جامعہ اثریہ‘‘ ہے۔غیر مقلدین کے طلبہ اپنے مدرسہ کے باہر جمع تھے،جب بھی کوئی مہمان آتا تو زور زور سے نعرے لگاتے: ’’فقہ محمدی، زندہ باد‘‘۔مولانا جہلمیؒ نے مجھے کہا کہ: ان کی وجہ سے پریشانی ہے، یہ نعرے بازی کرکے مہمانوں کو پریشان کرتے ہیں۔تو میں نے اپنے بیان کے دوران کہا کہ: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کو اللہ تعالیٰ نے جن شاگردوں کے ذریعہ پھیلایا، ان میں بہت بڑا نام امام محمد کا ہے۔تو فقہ حنفی امام محمد کی نسبت سے ’’فقہ محمدی‘‘ ہوئی۔لہٰذا جو لوگ نعرہ لگاتے ہیں فقہ محمدی آپ بھی ان کے ساتھ ’’زندہ باد‘‘ کہا کریں۔جب امام محمد کی فقہ زندہ باد تو اُن کے استاذ امام ابوحنیفہ کی تو بات ہی کیا ہے۔پھر فرمایا: اِس بات پر حضرت جہلمیؒ بہت خوش ہوئے اور غیر مقلدین کی طرف سے نعرے بازی بھی بند ہوگئی۔

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ سندھ اسمبلی کا صرف ایک ہی رکن تھا، ہم کراچی گئے ہوئے تھے، ایک مولوی صاحب بھی میرے ساتھ تھے، اچانک سندھ اسمبلی کے وہ رکن بیٹھے نظر آئے تو میرے ساتھ والے مولوی صاحب کہنے لگے: ’’وہ دیکھیں سندھ اسمبلی بیٹھی ہوئی ہے۔‘‘

الغرض اس مجلس میں بعض چیزوں پر تنبیہ بھی خوب فرمائی، اکابر کے واقعات بھی سنائے، علمی نکات اور مفید افادات سے بھی فیض یاب فرمایا، اور پھر ہم اجازت لے کر واپس آ گئے۔

۱۱رجنوری ۲۰۲۰ء کو یادگار اسلاف شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہم کی لاہور تشریف آوری کے موقع پر ان کے ہمراہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔سبق میں بھی شرکت کا موقع ملا۔سبق کے دوران غالباً نہج البلاغہ کی ایک طویل عبارت بھی زبانی سنائی۔مشاجرات کی بحث چل رہی تھی، حضرات حکمین کا تذکرہ آیا، ابھی بات مکمل نہ ہوئی کہ سبق کا وقت ختم ہوگیا۔اور ’’باقی کل ان شاءاللہ‘‘ پر یہ مجلس ختم ہوگئی۔پھر مہمان خانہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت دھرم کوٹی مدظلہم سے ملاقات پر خوشی کا اظہار فرمایا۔اس کے علاوہ بھی جامعہ اشرفیہ میں ایک دو مرتبہ حضرت کے سبق میں شرکت کی سعادت ملی، جس کی تفصیلات فی الحال ذہن میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں، ان کے علوم و فیوض کو تا قیام قیامت جاری و ساری رکھیں۔ جملہ اہل اسلام کو ان کی تحریرات وتقریرات سے استفادہ کرتے ہوئے مذہب حق اہل السنۃ والجماعۃ کی اشاعت و حفاظت کے سلسلہ میں مخلصانہ وحکیمانہ مفید ومقبول خدمات کی توفیق مرحمت فرمائیں۔اور کسی بھی صحیح العقیدہ مسلمان کو ان کی برکات سے محروم نہ فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ ☆......☆......☆......☆

محمد شاہد اختر کھرساوی قاسمی، فاضل دار العلوم دیوبند الہند

رئیس المناظرین حضرت العلام مولانا ڈاکٹر خالد محمود صاحب

لوگ اچھے ہیں بہت دل میں اتر جاتے ہیں
ایک برائی ہے تو بس یہ کہ مر جاتے ہیں
(رئیس فروغ)

خطہ برصغیر میں بے شمار ایسے اصحاب علم وفضل نے جنم لیا، جن کی انتھک جدوجہد، جہدِ مسلسل اور سعی پیہم سے پوری دنیا روشن ومنور ہے، جنہوں نے اپنی حیات مستعار میں دین اسلام کی بے شمار خدمات انجام دیں ہیں، جو تاریخ کا ایک زریں باب ہے، ان ہی شخصیات اور بوریہ نشین افراد میں سے عالم اسلام کی ایک مشہور ومعروف شخصیت رئیس المناظرین حامی سنت، ماحی شرک وبدعت، جیدالاستعداد عالم دین، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات مختصر علالت کے بعد ۹۵ر سال کی عمر میں برطانیہ شہر مانچسٹر میں انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

زندگی ایک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی جس کا سلسلہ ختم ہوتا نہیں
(جگر مرادآبادی)

حضرت علامہ کا شمار عالم اسلام کے جلیل القدر جیدالاستعداد فاضل میں ہوتا تھا، آپ کی علمی لیاقت وصلاحیت مسلّم تھی، بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے ادب واحترام سے علمی موشگافی دور کرتے تھے، آپ کی شخصیت مرجع الخلائق تھی، علم وعمل کے سنگم تھے، فرقہ باطلہ کے تعاقب وبیخ کنی کے لئے آپ نے پوری زندگی کھپادی، مفکر اسلام کے نام سے جانے جاتے تھے، بہترین مناظر اور فتنہ قادیانیت کے خلاف آپ کا عملی اقدامات روز روشن کی طرح عیاں ہیں، آپ کی شخصیت قدیم وجدید علوم سے مزین تھی، علماء اہلِ السنۃ والجماعۃ کے بہترین یادگار وترجمان تھے، علماء حق کے زبردست ومثالی نقیب تھے، وسعت مطالعہ مسلک حنفیہ کے وکیل، فکر ونظر میں گہرائی وگیرائی، ذہین وفطین، قوی حافظہ، برجستہ کلام میں ماہر، شیریں بیاں خطیب، حاضر دماغ وحاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے، الزامی جوابات دینے میں بھی آپ ماہر تھے، جوبات کہتے دلائل وشواہد کے بنیاد پر کہتے، دقیقہ سنجی ونکتہ رسی میں بھی ضرب المثل تھے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اپنے خطبات، صحافت اور تصنیفات وتالیفات کے ذریعہ پوری دنیا میں جانے پہچانے

جاتے تھے، اور اس میدان میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات کو خوب مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی اور ہر تصنیف آپ کی علمی مواد سے لبریز ہے، بے شمار علماء وفضلاء آپ کی تصنیفات سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے، آپ نے گراں قدر اور وقیع علمی سرمایہ اہل علم حضرات کے لیے تیار کیا، جس سے بے نیازی ممکن نہیں، آپ نے ورثہ میں کئی اہم علمی کتب بطور یادگار چھوڑیں۔

ناکارہ حضرت مولانا کی شخصیت اور نہ ہی ان کی تصانیف سے واقف تھا بلکہ ناآشنا تھا، آپ سے عقیدت ومحبت اس وقت ہوئی جب کہ راقم الحروف ایک علمی وتحقیقی مقالہ لکھ رہا تھا، واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ: یہ سیاہ کار ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں ۲۰۱۷ء عیسوی مطابق ۱۴۳۸ھ میں سال ہفتم عربی میں زیر تعلیم تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی قائم کردہ بزم شیخ الاسلام مدنی دارالمطالعہ سے منسلک تھا، سال کے آخر میں حضرت سرپرست محترم استاذ گرامی قدر امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے مسابقہ صحافت کے لئے نظما کے لئے ''سلف صالحین کا تفسیری منہج اور حضرت تھانوی کی تفسیری خدمات'' کے نام سے ایک عنوان پاس کیا، دارالمطالعہ کے نگران جناب مولانا شمشیر احمد صاحب مہاراشٹری مالک مکتبہ عکاظ دیوبند کے توسط سے برادر مکرم جناب مولانا محمد تنویر صاحب سدھارتھ نگری سابق ناظم مدنی دارالمطالعہ نے حضرتؒ کی کتاب ''آثار التنزیل'' کا پرنٹ نکلوایا، اس وقت ہم نے ''آثار التنزیل'' کا مطالعہ کیا اور مقالہ کے لئے ''آثار التنزیل'' کے خاص خاص مقامات کا بغور کئی دفعہ مطالعہ کیا اور حضرت مولانا کی کتاب سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، حضرت مولانا نے انتہائی عرقِ ریزی سے اس کتاب میں محنت کی، کتاب کے مباحث، عنوانات اور ترتیب میں حضرت مولانا نے کافی محنت کی جو کہ قابل دید ولائق تقلید ہے، اس وقت سے میں حضرت العلام کا معتقد ہوں، کتاب آثار التنزیل انتہائی جامع ومدلل کتاب ہے، ہر ایک کو اس کتاب مطالعہ کرنا چاہیے، پھر بعد میں حضرت کی علمی شخصیت کے بارے میں مزید پڑھا اور علم ہوا، اللہ حضرت والا کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، متعلقین ومتوسلین، اقارب، پسماندگان اور تلامذہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین ☆☆☆☆

مولانا گل احمد الاظہری (آ)

ہر شاخ پہ اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

علامہ کا لفظ جس شخصیت کی پہچان تھا اور حقیقت میں یہ لفظ اسی شخصیت پر جچتا بھی تھا، تحقیق وتدقیق کا یہ بحر بیکراں تقریبا اپنی حیات مستعار کی پچانویں بہاروں تک اپنے آفتاب علم وتحقیق کی شمعوں سے جہاں کو روشن کرتا رہا پھر زبان حال سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوا

ہمارے بعد اندھیرا ہی رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

یقیناً جہاں کی زینت اہل علم ہی سے ہے کیونکہ یہ زمیں کا نمک اور کائنات کی روح ہیں، پھر ان میں بھی بالخصوص ایسی ہستیاں جنھیں اہل علم اپنا سرخیل سمجھتے ہوں یقیناً ان کا وجود دنیا کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے اور ان کا کائنات سے چل بسنا دنیا کو یتیمی کے داغ سے داغدار کرنے کے مترادف ہے ؎

اب دنیا میں نہ آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈنے نہ پائیں گے یہ لوگ

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ ایک ایسی عہد ساز شخصیت تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، جن کو حق تعالی شانہ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا، جن کی وسیع معلومات بذات خود ایک لائبریری سے کم نہ تھیں۔ میری ناقص دانست کے مطابق اب جہاں میں علامہ کا ثانی نظر نہیں آرہا اور میرے دلی جذبات یہ کہنے پر مجبور ہیں میرے انہی جذبات کی ترجمانی آتش لکھنوی نے یوں کی ہے ؎

ممکن نہیں ہے دوسرا تجھ سا ہزار میں
ہوتا ہے اک بہشت کا دانہ انار میں

شاید ہی ایسا کوئی فن ہو جس میں حضرت علامہ صاحب نے اپنی یادگار نہ چھوڑی ہو، یوں لگتا ہے کہ ان کی روح انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کہہ رہی ہے ؎

ارباب چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے ہر شاخ پہ اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

(آ) خطیب جامع مسجد مدنی چکوٹھی، آزاد کشمیر

فرق باطلہ کے خلاف آپ کی تحقیقی تصانیف رہتی دنیا تک تشنگان تحقیق کے پیاسے دلوں کی سیرابی کرتی رہیں گی۔آپ کی زندگی کی چندامتیازی کاوشیں جوشاید اس انداز سے کسی اور کے حصے میں آئی ہوں۔ایک آپ کی حاضر جوابی آپ کی مناظرانہ صلاحیتیں اور آپ کا انداز تحقیق ہنستے مسکراتے انداز سے دھیمے اور دل کوموہ لینے والے لہجے سے کفر کے ایوانوں میں سکوت کی کیلیں ٹھونکنا آپ کا ہی خاصہ تھا، بلاشبہ آپ کی ذات عصر حاضر میں عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ تھی جس پر عالم اسلام کی تمام شخصیات اور درسگاہیں ناز کرتی تھیں،آپ کی ہمہ گیر شخصیت نے نہ صرف کسی ایک زبان میں بلکہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبان میں دین حق کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے،شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا خطہ ہو جہاں آپ کی آواز نہ پہنچی ہو،شاید ہی کوئی ایسا محقق عالم ہو جس کے زیر مطالعہ آپ کی تصنیفات نہ ہوں،اور شاید ہی کوئی ایسی وسیع لائبریری ہو جہاں آپ کی کتب نہ ہوں۔

عاجزی اور انکساری آپ کی ذات کا خاصہ تھی، آپؒ کو دیکھنے والا کبھی بھی یہ محسوس تک نہ کرسکتا تھا کہ آپ ہی علامہ کے وصف کے ساتھ متصف ہیں، اپنے آپ کو پردہ عاجزی میں رکھنے کے باوجود آپ کا شہرہ آفاق تک پہنچا۔اکبر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

حقیقت ہے کہ آپ کی عجز وانکساری والی ذات کو خوشبوئے علم نے جہاں میں متعارف کروایا ہے، دنیا کے اطراف و اکناف میں بسنے والے مسلمانوں کو آپ کی ذات اپنی آخری عمر تک فیض یاب کرتی رہی اور ضلالت کی وادیوں میں گم شدہ انسانوں کو راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتی رہی، یوں علم وعمل کا یہ آفتاب، تحقیق وتدقیق کا یہ مہتاب اس جہان فانی سے مانچسٹر انگلینڈ میں رمضان المبارک کی بابرکت ساعات میں جمعۃ المبارک کے دن ۲۱ر رمضان المبارک کو شہادت سیدنا حضرت علیؓ کی عظیم مناسبت پاتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مانچسٹر میں محو استراحت ہوا، زمین کا وہ حصہ جہاں آپ کا مرقد مبارک ہے زبان حال سے یوں کہہ رہا ہے جس کی ترجمانی اقبال مرحوم نے یوں کی ؎

اس خاک کے ذروں سے شرمندہ ہیں ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

اللہ تعالی ان کی مرقد مبارک پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے اور امت مسلمہ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین یارب العلمین بجاہ النبی الامی الکریم

☆......☆......☆......☆

عبدالمالک بھٹو، ٹنڈو جام، ضلع حیدر آباد

وہ اپنے زمانے کے امام تھے

اللہ رب ذوالجلال کا ارشاد گرامی ہے: ''**وفوق کل ذی علم علیم** '' کہ ہر عالم سے بڑا عالم موجود ہے۔ اس بنا پر یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ اِس دور کا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کے حوالے سے حضرت العلام الدکتور مولانا خالد محمود علیہ الرحمۃ کی عظیم الشان خدمات کی بنا پر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے اور اپنے زمانے میں منصبِ امامت پر فائز تھے۔

دس جلدوں میں حضرت کی ضخیم تصنیف مطالعہ بریلویت ایسی متاثر کن کتاب ہے جس کے اثرات ہمارے معاشرے میں کھلی آنکھوں سے دیکھے جاسکتے ہیں، جس نے منصف مزاج لوگوں کو شرک وبدعات کے حقائق سمجھنے اور اہل بدعت کے مغالطّوں سے نکالنے اور بچانے میں تاریخی کردار ادا کیا، اِسی طرح دیگر موضوعات میں سے جن عنوان پر بھی حضرت نے قلم اُٹھایا تو نہ صرف یہ کہ حق ادا کر دیا بلکہ ان کا لکھا ہوا حرف آخر قرار پایا۔

حضرت علامہ صاحب کا علمی فیض ان شاء اللہ صدیوں تک جاری رہے گا۔ اللہ پاک نے حضرت کو جن خصائل اور اوصاف سے نوازا تھا، ان میں آپ کی حاضر جوابی، علمی استحضار اور کسی بھی موضوع پر گفتگو کے دوران مدِمقابل کو جدید سے جدید تر انداز میں شکست سے دوچار کرنا حضرت کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ آج حضرت دنیا میں نہیں ہیں، لیکن ان کی علمی خدمات، علامات اور آثار ان کی تصنیفات کی شکل میں موجود ہیں۔

حضرت علامہ کو قدرت نے فنِ مناظرہ میں جو خصوصی مہارت عطا فرمائی تھی بلاشبہ وہ بھی بے مثال ہے۔ انہوں نے زیادہ تر مناظرے مرزائیوں، عیسائیوں اور روافض سے کیے۔ اور جس مناظرے میں علامہ شریک ہوتے تھے، اس مناظرہ میں اہل حق کی فتح یقینی ہوتی تھی۔ ع بڑی خوبیاں تھیں جانے والے میں

اللہ رب ذوالجلال حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پُر انوار کو اپنی رحمتوں سے بھر دے اور ہم سب کو حضرتؒ کے علوم سے مستفیض ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد رشیدی، لاہور

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی عاجزی وانکساری

۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۷ء کے درمیان کی بات ہے، جب ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام کی عرفات پارک شاہدرہ اور سگیاں روڈ والی شاخیں نہیں بنیں تھیں، عیدگاہ روڈ والے پانچ مرلے کے گھر میں ہی بنین و بنات کا مدرسہ کچھ اس انداز میں جاری وساری تھا کہ جگہ کی کمی اور طلبہ کی کثرت کے باعث بڑی بڑی سفارشیں کروا کر طلبہ وطالبات کے داخلے ہوا کرتے تھے، معیارِ تعلیم بالخصوص حفظ با تجوید کا مشاہدہ کرنے کیلئے ملک بھر سے علماء و بزرگانِ دین کی تشریف آوری ہوا کرتی تھی اور سب ہی طلبہ وطالبات سے قرآن مجید سن کر انگشت بدنداں ہوتے اور کہے بغیر نہ صرف یہ کہ اپنے متعلقین کو مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیتے بلکہ مدرسہ کے رجسٹر میں اپنے تاثرات بھی قلمبند فرماتے، ابا جی حضرت مولانا قاری عبدالجلیلؒ بتاتے تھے کہ:

’’میں معمول کے مطابق ایک دن بیٹھا پڑھا رہا تھا، بچے نے آ کر اطلاع دی کہ: باہر کوئی خالد محمود صاحب آئے ہیں آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بچے سے کہا نیچے تہہ خانے میں ہی بلا لاؤ، جب بچہ لے کر آیا تو دیکھا مفکرِ اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب تھے، میں حیران رہ گیا اور شرمندگی بھی ہوئی کہ پتہ ہوتا کہ حضرت تشریف لائے ہیں تو باہر جا کر استقبال کرتا، خیر حضرت نے بیٹھتے ہی فرمایا:

قاری صاحب! مجھے کسی نے بتایا ہے کہ آپ کو مکان/ مساجد/ مدارس وغیرہ کا نقشہ اور بالخصوص تہہ خانہ بنانے اور تھوڑی جگہ کو کثیر مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں مہارت ہے، سو اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کا بنایا تہہ خانہ بھی دیکھ لوں اور یہاں امامیہ کالونی شاہدرہ لاہور میں اپنے مدرسے کے لیے لی گئی جگہ کے نقشے اور تہہ خانے کا مشورہ بھی لے لوں۔ مجھے حیرت اور شرمندگی کا ایک اور جھٹکا لگا اور عرض کی کہ: حضرت آپ کسی کے ہاتھ پیغام بھجوا کر مجھے بلوا لیتے، میں حاضر ہو جاتا، بہرحال آپ کی خصوصی شفقت اور ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے ہمارے گھر و مدرسہ کو اپنی آمد سے مشرف کیا، پھر گھر میں دستیاب کھانے سے حضرت علامہ صاحب کی تواضع کی اور ان کے ہمراہ امامیہ کالونی جا کر جگہ کے مطابق نقشے اور تہہ خانے وغیرہ کا مشورہ دیا۔

یہ تھی اس بحرِ علم کی عاجزی وانکساری کہ جن کو دنیا مفکرِ اسلام قاطعِ مذاہبِ باطلہ ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے، اس شخصیت کی سادگی کہ جن کے علم کا ڈنکا پون صدی تک بجتا رہا، آخر وقت تک جب بھی دیکھا ایسے ہی دیکھا، نہ تو گاڑیوں کے سائرن ہوتے اور نہ سیکیورٹی کے نام پر ہٹو بچو کے دھکے، ان کو راہ میں روک کر بھی کوئی سلام کے لیے کھڑا ہو جاتا تو کبھی انکار نہ فرماتے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

☆......☆......☆......☆

مولانا خبیب عثمانی، کھاریاں

آہ! علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ صاحب

آج رات فلائٹ اُترے گی اور کل ہی حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم ہمارے درمیان ہوں گے۔ حسب معمول دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو مؤطا امام مالک کا درس بھی ارشاد فرمائیں گے۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت مہتمم صاحب حفظہ اللہ نے اعلان فرمایا تو طلبہ کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر کوئی حضرت علامہ صاحبؒ سے کسب فیض کے لیے ابتداء سال سے ہی منتظر تھا اور دعاؤں میں حضرت کی پاکستان آمد کے لیے متمنی۔

چونکہ جامعہ اشرفیہ ایک عظیم دینی درسگاہ ہے چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ ہر سال مانچسٹر سے پاکستان آتے، تقریباً ایک ماہ جامعہ اشرفیہ میں مؤطا امام مالک کا درس ارشاد فرماتے تھے۔ اور معمول یہی تھا کہ ہر سال دورۂ حدیث کے دو طلبہ حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے۔ ۲۰۱۸ء بمطابق ۱۴۳۹ھ کو یہ سعادت مجھے اور میرے ہم درس مولوی مجاہد صاحب کو نصیب ہوئی۔ الحمدللہ

حضرت علامہ صاحبؒ ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں، چند صفحات میں اُن کی خدمات کا تذکرہ کرنا ناممکن ہے، چند روز جو بندہ کو علامہ صاحب کی خدمت میں نصیب ہوئے، اُنہی کی تفصیلات درج کی جائیں ایک طویل مضمون تیار ہوجائے۔ حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت کے دوران جو چیزیں بندہ کے سامنے آئیں، اُن میں سے چند اہم چیزیں درج ذیل ہیں:

☆ آپؒ انتہائی نڈر، بے باک اور بہادر تھے۔ اگرچہ بالوں میں سفیدی آچکی تھی، لیکن دل جوان تھا اور حوصلہ مند۔ اکثر یہی فرمایا کرتے تھے کہ تگڑے مولوی بنو!

☆ اگرچہ میں خدمت کے لیے ہی متعین تھا لیکن صرف بقدرِ ضرورت خدمت لیتے تھے، اکثر اپنے کام خود سرانجام دینے کی کوشش کرتے تھے اور چاپلوسی، مدح سرائی کے سخت مخالف تھے اور جو ایسا کرتا اُسے ڈانٹ دیتے تھے۔

☆ بہت ہی بے نیاز طبیعت کے مالک تھے، اگرچہ ضعیف العمر ہوچکے تھے، لیکن کسی کا سہارا لے کر چلنا معیوب سمجھتے تھے، اکثر یہی فرماتے کہ مجھے خود اٹھنے دیا کرو، خود چلنے دیا کرو، جب ضرورت محسوس کروں گا خود کہوں گا۔

☆ نماز باجماعت کا بہت اہتمام تھا۔ اذان سے پہلے ہی وضو کر کے نماز کے لیے تیار ہوجاتے۔ اور ماشاء اللہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے تھے، بیماری اور کمزوری کے باوجود آخری عمر تک یہی سلسلہ رہا۔ عمر کے آخری سال بھی تراویح کا معمول رہا۔ (دیکھیے: ۱/۵۶۳......۲/۲۱۸۔[ادارہ])

☆ دن کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیفی کام میں گزرتا تھا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ علامہ صاحب اس دارِ فانی سے رخصت

ہونے سے پہلے پہلے سارا علم زیبِ قرطاس کرنا چاہتے ہیں، اور انھوں دِن رات انتھک محنت کر کے اپنی بیسیوں کتابوں کی صورت میں اپنا علمی فیضان امت کے لیے چھوڑا۔

☆ حضرت نے اپنے رسالہ ''درسِ قرآن'' کی پروف ریڈنگ میرے ذمہ لگائی تھی۔

☆ مؤطا امام مالکؒ کا سبق پڑھاتے ہوئے حضرت علامہ صاحب ایسے ایسے بہترین نکات بیان کرتے تھے جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں ہوتے تھے۔ اکثر موضوعِ سُخن عظمتِ اصحاب پیغمبر واہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کرتا تھا۔ صحابہ واہل بیت کی شان جس انداز میں حضرت علامہ صاحبؒ بیان کرتے تھے ایسی میں نے کبھی کسی سے نہیں سُنی نہ کسی تصنیف میں پڑھی۔ یہ مبالغہ آرائی نہیں حقیقت ہے۔

☆ حضرت علامہ صاحبؒ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ جوان کی خدمت کرتا ہے اس کی تربیت بھی خوب کرتے تھے۔ سو فیصد ایسا ہی معاملہ تھا۔ کبھی کبھی بہت ناراضی کا اظہار فرماتے کہ یہ کام ایسا کیوں ہوا! جب کہ شریعت کا حکم تو اس میں یہ تھا۔ اور خود بھی فرماتے تھے کہ یہ تمہاری تربیت کے لیے کرتا ہوں تا کہ کسی میدان میں ناکامی نہ ہو۔

☆ حضرت علامہ صاحب کو میرا نام یاد ہو گیا تھا، خود فرماتے تھے کہ خبیب مجھے کسی خادم کا نام یاد نہیں ہوتا، تیرا نام یاد ہو گیا ہے، تو نے میری بہت خدمت کی ہے۔

حضرت استاذ جیؒ کی شفقتیں اور محبتیں لکھنے میں نہیں آسکتیں۔ آنکھیں نم ہیں، سارا سے مناظر سامنے ہیں، جب حضرت علامہ صاحبؒ اپنے اس تدریسی دورے سے واپس جانے لگے تو میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فرمایا تیری ختم بخاری پر بشرطِ صحت میں ضرور آؤں گا۔ کسی پنجابی شاعر کا خوب شعر ہے

ٹُر گئے یار محبتاں والے پپلاں تھلے ٹھُّے رہ گئے

واقعتاً وہ محبتیں اور وہ پیار کسی اور سے نہیں مل سکتا۔ یہ حضرت علامہ صاحبؒ کا ہی خاصہ تھا۔ آخر میں حضرت علامہ صاحبؒ کے چند اہم اقوال اور نکات پیش خدمت ہیں: علامہ صاحبؒ اکثر فرماتے تھے:

''جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ قرآن نے ان کو ''ابتر'' کہا ہے، سو آج ان (گستاخوں) کی اولاد میں سے کوئی بھی نہیں۔ قرآن میں کہا گیا: ''**اِنَّ شَانِئَکَ هُوَالابتَرَ.**'' خلفائے ثلاثہ اگر اہل بیت کرام رضوان اللہ اجمعین کے دشمن ہوتے تو آج روئے زمین پر نہ کوئی صدیقی ہوتا، نہ فاروقی، نہ عثمانی حالانکہ قریش کی ان لڑیوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ صاحبؒ کا موقف تھا کہ!

''مدحِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین واجب ہے۔'' اور اس کے وجوب کی تین وجوہات ہیں:

ا۔ صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر شعائرِ اہل سنت میں سے ہے، اور شعائر واجبات میں سے ہوتے ہیں۔

۲۔جس معاشرے میں تین وقت اذان کے نام پر **علی ولی الله ، وصی رسول الله، خلیفته بلافصل** جیسے الفاظ اور دیگر ہفوات کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کے خلاف بدگمانی پھیلائی جاتی ہو وہاں مدح صحابہؓ کا وجوب اور بڑھ جاتا ہے۔

۳۔جس جگہ سنی مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کے مبارک تذکرے کرنے سے روکا جائے تو وجوب میں اور قوت آ جاتی ہے۔

اس لیے مدحِ صحابہ ہر سنی مسلمان پر ہر صورت واجب ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا قول اکثر نقل فرماتے تھے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں بارِ نبوت کو اُٹھانے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ اور آپ ﷺ کے بارِ ولایت اُٹھانے والے حضرت علی المرتضیٰؓ رہے۔یہی وجہ ہے کہ ولائت کے زیادہ سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر پہنچتے ہیں۔اور حضرت عثمان غنیؓ کی پوزیشن ان دونوں کے درمیان تسلیم کر لی گئی آپؓ بارِ نبوت اور بارِ ولائت دونوں کے اُٹھانے والے رہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے استاذ جی کی قبر کو منور اور روشن کرے۔ہمیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔انؒ کے فیوض وعلوم وبرکات کو تا قیام قیامت جاری وساری فرمائے۔آمین

فقط: خادم علامہ صاحبؒ خبیب عثمانی (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) (کھاریاں گجرات)

محمد دانیال کلاچوی، رکن القاسم اکیڈمی نوشہرہ

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، معقولی اور صوفی صافی تھے اور ہر تازہ فتنہ کی گہری جڑوں پر پوری نظر رکھنے والے تھے۔حمایت ونصرت اسلام میں ہزار ہا ہزار صفحہ لکھ ڈالے۔آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے وہ راستہ منتخب کیا جو ''ما انا علیہ واصحابی'' کا مصداق تھا۔وہ حقیقی معنوں میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ترجمان تھے۔خرافات وبدعات کا رد کرتے رہے اور قدم قدم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقوں پر عمل پیرا ہوتے اور یہی زندگی کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ فرماتے ہیں: ''دعوت'' کے مطالعہ سے بھی مشرف ہوا۔مضامین اعلیٰ اور معلومات افزاء ہیں کتابت وطباعت معیاری اور دیدہ زیب ہے۔گویا کہ دعوت کا پرچہ اپنے اندر دعوت کو پورا مفہوم'' **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنه رجادلهم بالتی هی احسن** '' لیے ہوئے ہیں۔ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔

آپ کی علمی ادبی، روحانی تصنیفی تالیفی اور تحقیقی خدمات پون صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہیں۔آپ نے جس بے جگری سے باطل نظریات وعقائد کا قلع قمع کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔آپ نے موضوعات مسائل اور عقائد پر بڑے دوٹوک اور تحقیقی انداز سے قلم اٹھایا اور جس موضوع پر بھی لکھا کمال کا لکھا۔

قاری عبدالرشید اولڈھم

مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمودؒ

علامہ خالد محمود مرحوم کی شخصیت نگہ بلند، سخن دلنواز، جان پر سوز کا حسین مرقع تھی (۱۹۲۵ء تا ۲۰۲۰ء) ۹۵ رسالہ قابل فخر تاریخ مکمل ہوئی۔ تقریر ہو یا تحریر وہ لمبی تمہید باندھنے اور اپنا ذاتی تعارف کروائے بغیر اصل موضوع پر بولنا یا لکھنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ ہر کام میں وقت بچانے اور تھوڑے وقت میں زیادہ بات کرنے اور لکھ جانے کی خداداد صلاحیت سے مالا مال تھے۔ ان کی ذات کا تعارف کرانے کے لئے بس ان کا نام ہی کافی ہے۔ وہ مسلمانوں کا سرمایہ اور مسلک اہل السنة والجماعة علماء دیوبند کے بے باک ترجمان تھے۔ ان کی زندگی میں ہی علماء کرام اور ان کے خدام ان کے ذاتی حالات زندگی جاننا چاہتے تھے۔ لیکن کس میں ہمت کہ وہ ان سے ان کی ذاتی زندگی سے متعلق سوال کر سکے؟ جو بھی ان کے پاس آتا اس کی ذہنی استعداد کا اندازہ کر کے اس کی جھولی میں علم وعمل کے موتی ڈال دیتے۔ آنے والوں کے ہجوم کے باوجود ان کے لکھنے پڑھنے اور بولنے کے اوقات میں اللہ تعالی نے برکت اور خصوصی تاثیر رکھی تھی۔ اکثر لوگ مجھ سے ان کے ذاتی حالات پوچھتے تو میرے پاس کوئی جواب نہ ہوتا، جتنی کتب ان کی میرے پاس موجود ہیں ان میں صاحب کتاب کے ذکر کا باب ہی موجود نہیں۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے نام کی تشہیر کے سرے سے قائل ہی نہیں تھے۔ وہ کام (دین اسلام کی اشاعت وحفاظت) کی تشہیر کو ترجیح دیتے تھے۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ ہمت باندھ کر اس رمضان المبارک کے بعد ان سے خصوصی وقت لے کر ایک انٹرویو کی صورت میں ان کے ذاتی وخاندانی حالات معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ ۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ء مطابق ۵ر مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل کو نماز تراویح کی تیاری کے لیے بستر سے اٹھیں گے اور گر جائیں گے جس سے ان کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ جائے گی اور ان کو ہسپتال لے جایا جائے گا، آپریشن ہوگا، ہڈی تو جوڑ دی جائے گی، لیکن وہ خود پوری طرح ہوش میں ہی نہیں آئیں گے۔ اور جو ہوش آئے گا بھی تو وفات سے صرف ایک دن پہلے اتنے وقت کے لیے کہ جس میں وہ اپنے خادم خاص اور جانشین باوفا مفتی فیض الرحمٰن صاحب کو تقریباً ۲ر گھنٹے تک پاس بٹھا کر ضروری ہدایات اور نصیحت وصیت کے امور نمٹائیں گے اور پھر آنکھیں بند کر لیں گے۔ مفتی صاحب یہ سمجھ کر اطمینان سے واپس گھر آئیں گے کہ الحمدللہ طبیعت اَب سنبھل رہی ہے اور حضرت علامہ صاحب جلد واپس اپنی قیام گاہ میں تشریف لے آئیں گے۔ لیکن ان کو یہ خیال ہی کب تھا کہ آج یہ ملاقات بھی آخری ہے اور یہ دیدار بھی آخری ہے۔ اَب ان کی واپسی دنیا کی عارضی قیام گاہ کی بجائے آخرت کی دائمی آرام گاہ کی طرف ہو جائے گی۔

قارئین کرام: ہم سب کب یہ چاہتے تھے کہ یہ کچھ ہو جائے اور ایسی خبر ہمیں سننے کو ملے کہ جو ہوش اڑا دے۔ لیکن اللہ تعالی چاہتے تھے کہ میرا یہ بندہ میرے دین کی خدمت کرتے کرتے زندگی کے پچانوے برس گزار چکا ہے۔ اس تھکے مسافر کو اَب

دائمی آرام کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالی کی مرضی غالب آ گئی اور ہم سب کو اپنے خالق و مالک کی مرضی کے آگے راضی بقضاء ہونا پڑ گیا۔ یوں ۲۱ رمضان ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰ مئی ۲۰۲۰ء جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ہم نے اللہ کی امانت کو فی امان اللہ کہہ کر مانچسٹر کے قبرستان میں سپرد خاک کر کے حوالۂ خدا کیا۔ **طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه.**

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۴ء مانچسٹر یونیورسٹی کے قریب ایک بلڈنگ کرایہ پر لے کر اس میں ''اسلامک اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی، جس کا شہرہ ساری دنیا میں آپ کے نام کی وجہ سے ہوا، اشتہارات میں آپ کے نام کے بعد پی ایچ ڈی لندن اور ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر لکھا جاتا تھا، اسی اکیڈمی میں بیٹھ کر آپ نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام بھی کیا۔ ہفتہ وار درس قرآن خصوصی طور پر مشہور رہا، جس کو سننے کے لئے قرب و جوار کے شہروں اور ملک کے طول و عرض سے علماء اور عوام آتے۔ یہاں پر آپ کو خصوصی فکر ساری دنیا سے آئے ہوئے مسلمان سٹوڈنٹس کی ہوتی، ان کے لیے خصوصی پروگرام ترتیب دے کر ان کو اسلام کی حقانیت کے دلائل کے ساتھ اسلام مخالف خصوصا قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں سے انکو آگاہ کرتے۔ ان کے دلائل کا جواب دیتے، جس وجہ سے ہزاروں نوجوان قادیانی فرقے کے جال میں آنے سے محفوظ رہے۔ یہ آپکی ایسی کاوش تھی کہ اس کا دائرہ طلبہ سے ملنے والی اطلاعات ومعلومات کی روشنی میں آپ نے ''ختم نبوت فورم'' نامی تنظیم قائم کر کے سارے یورپ تک وسیع کر دیا اور سالانہ ختم نبوت کانفرنس مانچسٹر کا آغاز بھی کر دیا جو سال ۲۰۱۹ء تک آپ کی سرپرستی وصدارت میں منعقد ہوتی رہی۔ اس میں مرکزی خطاب آپ کا ہی ہوتا تھا۔

۱۹۹۷ء میں آپ نے سٹاک پورٹ روڈ پر پاکستانی کمیونٹی سنٹر کے قریب کونسل سے زمین خرید کر اس پر سٹی جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ اسی زمین پر ایک کیبن لگا کر آپ نے اس میں ڈیرے ڈال دیئے، ساتھ مسجد کی تعمیر کا کام بھی چلتا رہا۔ تعمیر جب مکمل ہوگئی تو کرایہ والی بلڈنگ سے درس وتدریس خطاب جمعہ کا سلسلہ مستقل طور پر نئی تعمیر ہونے والی مسجد میں شروع کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کیبن والی جگہ پر آپ نے چھوٹے کمرے میں اپنی رہائش رکھ لی اور دوسرے کمرے میں نماز و جمعہ اور تعلیم کا سلسلہ شروع کروادیا۔ آخر کار آپ اسی کیبن کے کمرے میں ۵ مئی کو گر کر زخمی ہوئے، ہسپتال لے جائے گئے اور واپس ۱۴ مئی کو رحمۃ اللہ علیہ ہو کر تشریف لائے۔ اس کمرے اور کیبن میں آپ نے زندگی کے بائیس (۲۲) سال سے زائد کا عرصہ گزارا۔ جن لوگوں نے وہ کیبن اور کمرہ دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ حضرت علامہ کی زندگی میں سادگی و عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ پہلے زمانے کے قافلوں سے بچھڑے ہوئے ایک مسافر عملی طور پر دکھائی دیتے تھے۔

۲۰۰۸ء میں آپ کی اہلیہ فوت ہوگئی تھیں۔ آپ کے پسماندگان میں تین بیٹے ایک بیٹی، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، خصوصی خدام، اور ہزاروں شاگردوں کی فوج ظفر موج اور لاکھوں معتقدوں کا لشکر رہ گیا ہے۔

آپ نے برطانوی مسلمانوں کے مسائل کے حل اور ان کی دینی رہنمائی کے لیے علماء کرام کی ایک تنظیم جمعیت علمائے برطانیہ کے نام سے قائم کی، جس کے آپ بانیوں میں شمار ہوتے ہیں، بقول بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبدالرشید ربانی مدظلہ العالی آف ڈیوزبری ان کی رفاقت علامہ صاحب کے ساتھ نصف صدی سے زائد پر محیط ہے۔ ایک وقت تھا کہ علامہ صاحب

جمعیت علمائے برطانیہ کے صدر اور ربانی صاحب سیکٹری جنرل تھے۔

آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کے بے شمار واقعات ہیں، ان میں سے صرف دو پیش کرتا ہوں: [۱]......آپ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ وضو اور سجدے کی طاقت سے مجھے محروم نہ کرنا۔ یہ دعا قبول ہوئی، صحت کی حالت میں زندگی کی آخری نماز مغرب کے لیئے وضو کیا اور سجدے کے ساتھ نماز ادا کی۔[۲]......مدرسہ ارشاد الاسلام اولڈھم برطانیہ (جس میں بیٹھ کر اس وقت یہ سطور لکھ رہا ہوں) کی توسیع کے لیے دعا۔ بریڈفورڈ کے سفر میں مفتی فیض الرحمٰن صاحب اور راقم الحروف علامہ صاحب کے ساتھ تھے۔ واپس آئے تو نماز مغرب مفتی فیض الرحمٰن صاحب کی امامت میں ہم دونوں نے ادا کی۔ اور مجھے فرمایا: یہاں نماز شروع کرو، میری عادت یہ تھی کہ میں ان کے سامنے بہت کم بولتا تھا، لیکن اس دن میرے منہ سے نکل گیا کہ حضرت جگہ بہت تھوڑی ہے، اس لیے باقاعدہ نماز باجماعت شروع نہیں کی، میری بات سنی دروازے سے باہر نکلے اور کھڑے ہو کر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: یا اللہ! قاری (عبدالرشید) صاحب کو بڑی جگہ عطا فرما۔ اگلے چند ماہ میں مدرسہ کی بلڈنگ کے ساتھ خالی جگہ پر کام شروع ہو گیا۔ اور اگلی بار مدرسہ کے سالانہ پروگرام میں تشریف لائے تو نئی عمارت میں خطاب کیا۔ صرف راستہ بنانا باقی تھا، اتفاق یہ کہ آج اپنی دعا میں اس راستہ کے لیے بھی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسباب دے کہ آئندہ آؤں تو یہ راستہ بھی بن چکا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ یہ نئی بلڈنگ ہمارے حضرت علامہ صاحب کی دعا ہے، جس کو آپ دو منزلہ عمارت کی صورت میں دیکھ رہے ہیں، یہ حضرت علامہ صاحب کی کرامت ہے۔

اللہ پاک حضرت علامہ صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆

مولانا عزیر اللہ جوسکی

برصغیر پاک وہند میں جن جن اہل علم نے علوم دین کی نشر واشاعت درس وتدریس اور تالیف وتصنیف کی آبیاری کرتے ہوئے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں ان ہی عظیم شخصیات میں سے ایک عظیم رہنما یادگار اکابر، نمونہ اسلاف، علوم ربانیہ کے امین، پیکر صدق وصفا نمونہ زہد وتقوی قاطع شرک وبدعت حضرت اقدس علامہ مولانا خالد محمود صاحب ہمیشہ کیلئے ہمیں داغ مفارقت دے کر راہی آخرت ہوئے۔

یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں دین اور شریعت کے مطابق اور تحفظ کے لیے وقف ہوں اور اسی حال میں جہان فانی سے رخصت ہوں، ایسی عظیم ہستیاں اپنے حُسنِ کردار اور ناقابل فراموش قربانیوں کے باعث رہتی دنیا تک یاد رہتی ہیں، حضرت علامہ خالد محمود نوراللہ مرقدہ انہی اوصاف سے متصف ایک عظیم علمی سرمایہ تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ یقیناً حضرت کی رحلت سے ہم علمی دنیا میں ایک عظیم علمی ورثہ سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے۔

مولانا عزیر اللہ جوسکی، مدیر: جامعہ خلفائے راشدین، تربت بلوچستان

محمد ادریس، برطانیہ

منتشر یادیں......ڈائری کے چند اوراق

۱۹/اپریل ۲۰۱۴ء

آج ظہر کی نماز کے بعد دنیائے اسلام کے عظیم عالم دین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مدرسہ ارشاد الاسلام اولڈھم کے مہتمم مولانا قاری عبدالرشید صاحب مدظلہ کے ہمراہ علامہ صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ لمحات گزارنے کا موقع ملا، علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ پی ایچ ڈی نے امریکہ شکاگو سے آئے ہوئے مہمانوں کو قاری عبدالرشید صاحب مدظلہ کا تعارف اس طرح کرایا: میں جامعہ اشرفیہ [لاہور] کے بنیادی اراکین میں سے ہوں اور وہاں کا مدرس بھی رہا ہوں۔ اور اب بھی جب جاتا ہوں تو وہاں پڑھاتا ہوں، پھر فرمایا کہ: یہ قصور میں جامعہ اسلامیہ میں مدرس بھی رہے ہیں اور میری جائے پیدائش بھی قصور ہے، وہاں میرے والد صاحب سکول ہیڈ ماسٹر تھے۔

علامہ صاحب مدظلہ نے شکاگو امریکہ کے مہمان کو فرمایا: میں نے ایک کتاب لکھی ہے ''مطالعہ بریلویت'' اس کی تقریبا دس جلدیں ہیں، اس میں ان بدعات کی تردید کی گئی ہے جن میں بریلوی مکتب فکر کے لوگ مبتلا ہیں، اب ارادہ ہے کہ اہل حدیث بدعات اور بعض دیوبندیوں کی شروع کردہ بدعات پر ایک کتاب لکھوں۔ کیونکہ بریلوی بدعات پر تو مواد سارا موجود ہے، اس پر سب کے لیے بات کرنا آسان ہے، لیکن اپنے لوگوں کی شروع کردہ بدعات ہیں اس پر کوئی نہیں بولتا۔

علامہ صاحب مدظلہ سے کسی نے کہا حرمین شریفین جانا ہے کوئی نصیحت فرمائیں؟ تو علامہ صاحب مدظلہ نے فرمایا ایک تو یہ ہے کہ ہم سب کی طرف سے روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش فرمانا۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ وہاں جا کر حرمین شریفین کی حفاظت کے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی سیاست کی غلط کاریوں سے حرمین شریفین کی حفاظت فرمائے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ فروعی مسائل میں اختلافات کی بنا پر الگ الگ مسجدیں بنانا بھی بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

امام اہل سنت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ آف مانچسٹر اور دارالعلوم بری کے مایہ ناز شیخ اور قابل قدر استاذ مولانا حافظ احمد صاحب مدظلہ اور دیگر اہل علم کی محفل میں شرکت: علامہ صاحب نے فرمایا: مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اُمِّــــــی کہا جاتا تھا اور عیسائیوں اور یہودیوں کو اس زمانے میں ''اہل کتاب'' کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل ہوا کہ ہم لوگ اب ان اہل کتاب کے ملک میں اپنی کتاب لے آئے ہیں اور تدریس کر رہے ہیں۔

مزید فرمایا: جس طرح ہر گھر کا ایک دروازہ ہوتا ہے، اس طرح نبوت کا بھی ایک دروازہ ہے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اجمعین ہیں۔ ہم اس دروازے کو مجروح نہیں ہونے دیں گے، ورنہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اور فرمایا: اپنی زبان (اردو) نہ چھوڑو، مسلمان جہاں کہیں گئے، وہاں انہوں نے اذانیں اور نمازیں عربی میں ادا کی ہیں، قومیں اپنی زبان کو زندہ رکھنے سے زندہ رہتی ہیں۔

۱۹/اگست ۲۰۱۵ء:

حضرت علامہ کی خدمت میں جب بھی حاضری ہوتی ہے تو وہ ضرور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کا ذکر خیر فرماتے ہیں۔ اِس دفعہ ارشاد فرمایا کہ: میں (صحیح العقیدہ) علماء چھچھ کے حق میں اور ان کی حمایت میں ہی بولتا ہوں۔ دل کو بہت تسلی ہوئی کہ الحمدللہ اکابر علماء کرام کی دعائیں علاقہ چھچھ اٹک کے ساتھ ہیں۔ اور فرمایا کہ: ایک دفعہ میں انگلینڈ سے پاکستان روانہ ہوا، میں ابھی گھر نہیں پہنچا تھا کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ میرے استقبال کے لئے میرے گھر موجود تھے۔ شیخ القرآن نے مجھے فرمایا: آپ اکیلے آدمی نے بدعات کی تردید اور سنت کی اتنی ترویج کی کہ میں نے اپنے اوپر لازم سمجھا کہ آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سب سے پہلے پہنچوں۔

علامہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے ایک زمانے میں خواب دیکھا تھا کہ میں چھچھ کے علاقے میں ہوں اور وہاں شیخ اور قطب الاقطاب علامہ رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تشریف فرما ہیں، اور حضرت گنگوہیؒ مجھے خواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں زندہ ہوں، جو کہتے ہیں میں مرگیا ہوں، وہ غلط کہتے ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں: میں نے اس خواب کی تعبیر یہ سمجھی کہ علاقہ چھچھ اٹک سے تردید بدعات کا کام ہوتا رہے گا، اور انہوں نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کو اپنے اس خواب کا مصداق ٹھہرایا۔

نیز اِس ملاقات میں رئیس المفسرین امام الموٴحدین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کسی بریلوی صاحب کی ایک کتاب کا جواب لکھنے کی ترغیب بھی دی۔ آخر میں ہمیں خوب دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالیٰ اس ہیرے کی ہمیں قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ہمیشہ ان کی شفقتیں اور عنایات ہمارے اساتذہ کرام اور ہم خدام پر گھنے بادل کے بارش کی طرح برستی ہیں۔

اس ملاقات میں میرے ساتھ میرے ماموں مفتی محمد زکریا صاحب (فاضل بنوری ٹاؤن وشاگرد ترجمان علمائے اہل سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ) اور سلیم ماموں اور مصطفیٰ ماموں جان اور بھائی شریح بھی موجود تھے۔ نیز اس مجلس کی ریکارڈنگ بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ادریس

۵/جون ۲۰۱۹ء۔ ۲/شوال المکرم ۱۴۴۰ھ، بروز بدھ:

گزشتہ کل مورخہ ۵/جون ۲۰۱۹ء بمطابق ۲/شوال ۱۴۴۰ھ بروز بدھ بعد از نماز عصر میں اور میرے ماموں حاجی محمد سلیم صاحب اور مدرسہ ارشاد الاسلام اولڈھم کے مہتمم مولانا قاری عبدالرشید صاحب حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ آف مانچسٹر کی خدمت میں عید الفطر کی تہنیت دینے اور ان کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود

صاحب مدظلہ سے ہمیں اور ان کو ہم سے محبت ہے۔ ان کی محفل میں جب بھی حاضری دیتے ہیں تو علامہ صاحب مدظلہ اپنی یادوں کے دریچے کھول دیتے ہیں اور ہم علامہ صاحب مدظلہ کی باتیں دل کے کانوں سے سن کر ان کو محفوظ کرتے ہیں۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ سے مل کر ہمیں دلائل کا انبار اور عمل کا جذبہ ملتا ہے۔

علامہ صاحب مدظلہ جہاں رہتے ہیں نہ وہ جگہ عالیشان محل ہے اور نہ انگلینڈ کی ساری سہولیات وہاں میسر ہیں۔ بلکہ سادگی ہی سادگی ہے، لیکن اس کے باوجود دین کا جتنا کام انگلینڈ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا ہے شاید کسی اور کو یہ اعزاز نصیب ہوا ہو۔ دین کا کام اونچے محلات اور خوبصورت قالینوں اور نرم نرم صوفوں اور تزئین وآرائش کے جملہ سامان کا محتاج نہیں ہے، بلکہ انار کے درخت تلے کوئی دین کا کام شروع ہو یا علامہ صاحب مدظلہ کے خستہ حال کیبن کی طرح کسی مقام میں دین کا کام شروع ہو اس کا اثر پوری دنیا پر ہوتا ہے، بشرطیکہ اخلاص ہو۔ درس قرآن کا سب سے پہلے انگلینڈ میں اجراء کی بات ہو یا جمعیت علماء برطانیہ کو قائم کرنے کی بات ہو، سینٹرل مسجد برمنگھم کا قیام ہو یا اکابر علماء دیوبند کا سب سے پہلے اس ملک میں تعارف کی بات ہو، قادیانیت کی یلغار کو روکنا ہو یا ختم نبوت کانفرنسوں کی داغ بیل ڈالنے کی بات ہو، یہ سب علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ آف مانچسٹر کی انتھک کوششوں کا ثمر ہے۔

مجلس میں میں نے پوچھا حضرت رمضان المبارک کیسے گزرا؟ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ: پوری تراویح کھڑے ہو کر ادا کی ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ: آپ کی اسی بات کا تذکرہ ہم ہر جگہ کرتے ہیں کہ عمر کے اس حصے میں بیماریوں کے باوجود آپ کھڑے ہو کر نماز بجا لاتے ہیں۔ تو فرمانے لگے: قرآن مجید میں جہاں جہاں نماز کے بارے میں آیا ہے: **اقیموا الصلوۃ** تو اس میں قیام لپٹا ہوا ہے، بیٹھ کر نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں ہے۔

اس کے بعد مجھ ناچیز کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا کہ: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ الگ الگ ریاستیں تھی یہ کب ایک ہوئی اور کیوں ایک کی گئی؟ اس سوال کا جواب حضرت خود دینا چاہ رہے تھے تو بندہ خاموش رہا، تو حضرت مدظلہ نے میرے ماموں صاحب کو المارى سے قرآن مجید مجھے دینے کا کہا اور پھر مجھے ارشاد فرمایا کہ: سورہ الفتح کی آیت نمبر ۲۶ رنکالو، میں نے حسب حکم وہ آیت نکال کر حضرت کو دکھائی، حضرت نے مجھے کہا کہ اس کو پڑھو، میں نے وہ آیت تلاوت کی، پھر اس کے بعد حضرت نے ایک ایک لفظ کی تشریح فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اس آیت نے مکہ اور مدینہ کی ریاستوں کو ایک کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ: ایک کرنے کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تا قیامت سب لوگ مکہ رمدینہ کی ماتحتی میں رہیں، اب جو لوگ مکہ مدینہ کی ماتحتی میں نہیں رہیں گے، مثلاً: پرویزی، چکڑالوی، قادیانی اور شیعہ تو یہ ٹھیک نہیں ہیں۔ علامہ صاحب نے یہ آیت پڑھا کر مجھے اپنے تلامذہ میں شامل کرلیا۔

جزاه الله أحسن الجزاء

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: جب بہودی، حضرو میں مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ صاحب کی والدہ فوت ہوئیں تو قبر پر میں نے بیان کیا تھا۔ حضرت نے قاری عبدالرشید صاحب کے حسن انتظام اور بہترین مدرسہ کے قیام پر ان کی حوصلہ افزائی کی اور اس کی نسبت بھی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے جوڑی اور فرمایا کہ اِس میں بھی شیخ القرآن کی تاثیر ہے کہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک

شعر سنایا اور ارشاد فرمایا کہ: میں خاموش ضرور ہوں مگر حالات پر میری نظر ہے۔

چونکہ حضرت بدعات کے سخت مخالف ہیں، فرمایا کہ یہ قرین انصاف نہیں کہ بدعات کے ارتکاب پر ہم بریلویوں کو کوسیں اور اگر وہی بدعات ہمارے حلقہ دیوبندیت میں در آئیں تو خاموش رہیں۔ فرمایا میں نے ایک کتاب لکھی ہے، جو ابھی طبع نہیں ہوئی اس کا نام ہے: دیوبندی بدعات۔ پھر اپنے مزاج اور تحقیق کی بناء پر فرمانے لگے کہ یہ جو بزرگوں کے خاص نمبر چھپتے ہیں، ان پر قوم کا پیسہ خرچ ہوتا ہے، اور ایک مرتبہ پڑھ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاص نمبر چھپا تھا؟ جواب نفی میں ہوگا۔ ہم نے عشاء کی نماز کے لیے واپس پہنچنا تھا تو ہم نے نہ چاہتے ہوئے بھی حضرت سے رخصت لی۔ خدا تعالیٰ حضرت مدظلہ کا سایہ ہم پر قائم دائم رکھے، آمین۔

دیوبندی مسلک کے حضرات علماء کرام کے برعکس حضرات نے گزشتہ کل عید منائی۔ ہر محقق کو اور تبحر عالم کو اپنی رائے قائم کرنے کا اختیار ہے۔ میں بار بار حضرت کو دیکھتا رہا بالکل سادہ لباس، تکلف سے عاری زندگی، سلف صالحین کا انداز اور سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر یہ شعر ذہن میں گردش کرتا رہا

أولئک أبائی فجئنی بمثلهم

إذا جمعتنا یا جریر المجامع

آہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی وہ محفل:

عید کے بعد ہماری عید تو علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی زیارت ہوتی تھی۔ وہ بزرگوں کے تذکرے، وہ علامہ صاحبؒ کے علمی نکات، اور وہ آبشار علم وعمل کے مزے اور وہ حسین لمحات۔ بحر العلوم کے سامنے ہم پر سکوت طاری ہوتا تھا اور وہ علم کے موتی ہمارے سامنے رولتے تھے۔ بات کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہوتی تھی، مگر ان کی گفتگو سے ہمارے بہت سارے اشکالات دُور ہو جاتے تھے، جب کبھی ہم ان کی محفل سے اٹھتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کچھ لمحے پہلے ہم یہاں نہیں صدیوں پہلے کسی بڑے امام کی محفل میں تھے، اب وہاں سے واپس ہوگئے ہیں۔ ان کی گفتگو میں ہم نے کبھی دنیا کی بات نہیں سنی، بلکہ علم کی بات کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے پوچھ لیا کہ مانچسٹر کیوں آئے تھے؟ میں نے کہا کہ: دوستوں کے ساتھ کھانے پینے کے لئے آیا تھا، تو دل چاہا کہ آپ کی زیارت بھی کرلوں۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میری جو اصلاح فرمائی۔ لیکن انکی ڈانٹ اور ان کی بظاہر سخت طرز کلام کے پیچھے بھی محبت اور شفقت کا ایک سمندر موجزن ہوتا تھا۔ اس کے بعد بندہ کبھی اس غرض سے مانچسٹر نہیں گیا ہمیشہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رح کی زیارت ہی مقصود ہوتی تھی۔

لانبی بعدی سے متعلق ایک نکتہ:

ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے کہ: ''**لا نبی بعدی**'' میں نفی ہے۔ اور نفی کے ساتھ ساتھ اثبات بھی ہوتا ہے، اس نفی کے ساتھ "**العلماء ورثة الأنبیاء**" ہے۔ (دیکھیے ۴۱۵/۲:۔ [ادارہ])

باتیں ان کی یاد رہیں گی:

برطانیہ میں آنے سے بہت پہلے درجہ سادسہ پڑھنے کے زمانے میں حضرت علامہؒ کے تذکرے اکثر سنا کرتا تھا، پھر متعدد بار حضرو اٹک شرف ملاقات نصیب ہوا۔ برطانیہ آنے کے بعد تو ان کی محافل میں بیٹھنے کا خوب موقع ملا۔ ان کے جواہر اور منہ سے نکلے موتی میں اپنی ڈائری پر لکھتا تھا۔ ہمیشہ وہ علمی گفتگو فرماتے تھے۔ کبھی دنیاوی بات انکی زبان سے نہیں سنی۔

۱۲/ مارچ ۲۰۱۰ء بروز ہفتہ:

مدرسہ ارشاد الاسلام اولڈھم کے مہتمم مولانا قاری عبدالرشید صاحب کی معیت میں برطانیہ آنے کے بعد پہلی ملاقات ہوئی تو اس ملاقات میں ارشاد فرمایا:

۱......قادیانیوں نے اب مناظرے کرنا چھوڑ دیئے ہیں، اب ان کا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو علماء کرام سے متنفر کرتے ہیں۔

۲......دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ شیعہ لوگ: **کذلک کدنا لیوسف.** سے تقیہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، لیکن انکا یہ استدلال غلط ہے، اس لئے کہ تقیہ تو ڈر کی وجہ سے کیا جاتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام تو بادشاہ تھے، انہیں مخلوق کا ڈر نہیں تھا، تو انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی؟

۳......امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: ان کی ایسی عجیب اور کامیاب حکمت عملی تھی کہ پوری حکومت کو شکست دی۔

۴......ان دنوں قادیانیوں نے چالیس زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کرایا تھا، علامہ صاحبؒ اس پر تشویش کا اظہار فرما رہے تھے۔ ظاہر ہے قادیانیوں نے اپنی باتیں اس میں داخل کر دی ہونگی۔

۵......علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ مسلک اہل سنت دیوبند کے دعویداروں کے آپس کے اختلافات پر بڑے افسردہ تھے، فرمانے لگے: آج اگر کوئی کمزور ہو رہے ہیں تو ہم اہل سنت دیوبند والے کمزور ہو رہے ہیں۔ علماء اہل سنت دیوبند کا اتفاق اور اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۶......اس مجلس میں علامہ صاحبؒ نے علامہ احسان الٰہی ظہیر کا ذکر بھی کیا، فرمانے لگے: یہ اپنے والد مکرم کے ساتھ میرے درس میں آیا کرتے تھے۔

۲۴/ مارچ ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ

ارشاد فرمایا کہ: ہمیشہ انجام پر نظر رکھنی چاہئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ شیعہ لوگ جواز ماتم پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بات: **یا اسفی علی یوسف** . سے استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال غلط ہے، کیونکہ یہ جملہ یعقوب علیہ السلام کی زبان سے

بے اختیار نکلا تھا، جبکہ ماتم اختیاری ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ: یہ جملہ یعقوب علیہ السلام کی زبان سے پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ نکلا تھا، جبکہ شیعہ تو اہتمام سے (سال میں کئی مرتبہ) ماتم کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ: یعقوب علیہ السلام کی زبان سے جب یہ جملہ نکلا تھا اُس وقت وہ نیا غم تھا جبکہ یہاں غم پرانا ہے۔ پھر فرمایا کہ: وہ انفرادی معاملہ تھا، یہ لوگ اجتماعی طور پر غم مناتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے جملے سے اپنے ماتم کی جواز پر استدلال درست نہیں ہے۔

۳۰/جون ۲۰۱۳ء بروز اتوار مدرسہ ارشاد الاسلام اولڈھم:

بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے فرمایا: علماء اہل سنت دیوبند شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے پہلے شریعت کا بیان کیا، اَب طریقت کا بیان کر رہے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ: محدثین کی حیثیت وکیل کی سی ہے اور مجتہدین کی حیثیت بیرسٹر کی سی۔ دوران گفتگو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: امام مسلمؒ نے کتاب الایمان سے ابتداء کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ''فضائل اعمال'' نہیں ''فضائل ایمان'' بھی پڑھنا چاہیے۔

(دیکھیے: ۱/۵۷۰......۲/۲۳۴......۲/۴۱۵۔ [ادارہ])

فرمایا کہ: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ دعا مانگا کرتے تھے: ''یا اللہ! جو پڑھا ہے وہ بھولے نہیں۔'' مشکوۃ کی آخری حدیثوں کے متعلق فرمایا: ممکن ہے کہ صحابہ کرام کے اجر تک کسی عمل میں کوئی پہنچ جائے، لیکن صحابہ کرام کے درجے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مزید فرمایا کہ: ہم صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، اگر کوئی کہے کہ ان میں تو آپس میں اختلاف تھا ہم کہیں گے اختلاف کے وقت ہم صرف ایک کی اتباع کریں گے اور دوسرے کو کچھ نہیں کہیں گے۔

۱۶/جولائی ۲۰۲۰ء

حضرت علامہ صاحبؒ جیسی علمی اور عبقری شخصیت میں نے نہیں دیکھی ہے، اِس دور میں جب بھی لفظ ''علامہ'' بولا جاتا ہے تو نام کے ساتھ تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ بدیہی طور پر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت کا تصور آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆☆

محمد کاشف تبسم

لفظ نکلے نہ کوئی، بات ادھوری نہ رہے!

بیس دسمبر ۲۰۱۹ء کی ٹھٹھرتی لاہوری شام زلزلے سے تھرتھرا اُٹھی، پل بھر میں موت اور بس موت کا نقشہ کھنچا اور پھر زندگی دوبارہ رواں ہوگئی، زمین زور سے دھڑکی اور دھڑکتی رہی، مگر پھٹنے کے اٹیک سے بچ گئی! کل بروز جمعہ تقریباً پونے پانچ بجے کے قریب زلزلے کی لہر نے زندگیاں دہلا کر رکھ دیں۔ میں کرسی پر بیٹھا علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کو ایک کاغذ پر کچھ لکھنے میں منہمک دیکھ رہا تھا، اسی دوران کسی نے زور سے میری کرسی کو کھینچا، میں اٹھ کھڑا ہوا مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا، اور اب صرف کرسی ہی نہیں پورا کمرہ جھول رہا تھا، میں بیٹھ گیا، معلوم ہوا زلزلے کے جھٹکے ہیں، زبان اور دل اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، سامنے بیٹھی بزرگ شخصیت دیکھ کر اطمینان ملا کہ اچھی رفاقت ہے، موت تو ہمیں بہرحال آنی ہی ہے! لاہور کے معروف دینی ادارے جامعہ اشرفیہ میں ایک بار پھر حاضری کی سعادت ملی، حضرت الشیخ ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب کی زیارت کے شوق میں ہم یہاں کھنچے چلے آئے۔

شوقِ منزل تھا بُلاتا مجھ کو راستہ تک نہیں ڈھونڈا میں نے

حضرت دامت برکاتہم کے بارے بس اتنا ہی معلوم تھا کہ آج کل جامعہ اشرفیہ لاہور کو رونق بخش رکھی ہے، اس کے علاوہ حضرت سے نہ کوئی رابطہ تھا، نہ واسطہ ملا، سینکڑوں اندیشے ہزاروں وساوس پھن پھلائے سامنے آتے کہ نجانے ملاقات ہو یا نہ ہو۔ کراچی سے نکلنے لگے تو بس کی تین دن تک بکنگ بند ملی اور ٹرین تو ایک ہفتے تک بیوفا تھی، ڈائیوو اڈے پر پہنچا تو ٹکٹ مل گئی، پندرہ گھنٹے کے سفر سے آزاد ہوا تو دس منٹ بعد بس اسٹاپ پر ہی ایک دیرینہ ساتھی آ ملے، نوخیز مصنف اور ابھرتے لکھاری مولانا احتشام الحسن صاحب چکوال سے اسی وقت آن پہنچے تھے، مجھ سے پوچھا: کیا شیڈول ہے؟ جواب دیا: ''بس حضرت سے ملنے چلنا ہے۔'' حضرت جامعہ اشرفیہ ہوں گے؟، کسی سے رابطہ؟ ملاقات ہو سکے گی؟ کلمہ چوک سے جامعہ اشرفیہ گئے، بن بلائے مہمان خانے جا پہنچے، اندر قدم رکھتے ہی سامنے نظر پڑی تو چند لمحے کائنات تھم گئی، حضرت سامنے تشریف فرما ہیں، آس پاس کچھ خادمین ہیں، ایک خادم کی انگلی اٹھی، کسی کو اشارہ کر کے کہا: ''ان سے کہہ دو عصر کے بعد آ کر ملیں۔'' عصر کا وقت قریب تھا، ہم واپس پلٹے اور دروازے میں ہی بندہ اپنے ساتھی کی منت سماجت کرنے لگا کہ ان کو بتائیں: ''بہت دور سے آ رہے ہیں، ابھی ملاقات کرنے دیں، معلوم نہیں عصر کے بعد حضرت کی کیا مصروفیت ہو یا کوئی اہم مہمان آ گئے تو پھر شاید نہ مل سکیں گے۔'' وہ نہیں مانے اور کہا: ''اب دوبارہ جانا مناسب نہیں، مسجد میں چلتے ہیں، نماز کے بعد دیکھا جائے گا۔''

ان سے مایوس ہوا تو بے تابانہ خود ہی واپس پلٹا، وہ بھی پیچھے چلے آئے، اور سیدھے ایک خادم کے پاس پہنچے، اور بتایا کہ بہت دُور سے آئے ہیں، اس موقع پر مولانا ظہیر صاحب کی کمی محسوس ہوئی، گزشتہ برس انہی کی شفقت سے حضرت سے دو تین

گھنٹوں بہت کچھ سیکھنے اور برکات سمیٹنے کی سعادت ملی تھی، مفتی صاحب ایک حادثے میں شدید متاثر ہوئے اور ابھی وہ اپنے گاوں میں تھے، ان کے لیے دعائیں بھی تھیں کہ اللہ تعالی انہیں جلد شفایابی دیں۔

اس بار علامہ صاحب قدرے جلال میں تھے حضرت سے خاموش مجلس رہی مگر اس دوران بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا رہا، ملاحظہ کیجیے: (۱) سخت سردی اور بارش میں بھی حضرت اس قدر پیرانہ سالی کے باوجود عصر کی نماز پڑھنے مسجد تشریف لے گئے۔ (۲) کمپوزر کے ساتھ بیٹھ کر روزانہ کا کام چیک کرتے ہیں، ہاتھ میں قلم لیے پروف ریڈنگ بھی خود فرما رہے تھے۔ (۳) چائے نوش فرمانے کے بعد پاس بیٹھے ایک خادم سے فرمایا کہ میں جب چائے پی رہا تھا، تو آپ کو چاہیے تھا کہ میری کمر پر ہاتھ رکھ کر ذرا سہارا دے کر سیدھا کرتے تا کہ ٹیک لگا کر نہ پیوں۔ (۴) زلزلے کے جھٹکے لگے، حضرت اس دوران کام میں مگن تھے، نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر اپنے کام میں گم ہوئے، جیسے کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ اس خاموش مجلس کے بعد مغرب کو ہم حضرت سے مصافحہ کر کے واپس آگئے۔

میری کوشش ہے کہ میں اس سے کچھ ایسے بولوں لفظ نکلے نہ کوئی، بات اُدھوری نہ رہے!!

مردِ قلندر کی بارگاہ میں:

یہ جامعہ اشرفیہ لاہور کا مہمان خانہ ہے، حضرت الشیخ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب سامنے تشریف فرما ہیں، انتہائی سن رسیدہ یہ عظیم بزرگ کم عمری سے ہی تحقیق و مناظرہ کے میدان میں شہرت پا چکے ہیں۔ آج ہماری سعادت کی بات تھی کہ حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، حضرت آنکھیں بند کیے کسی فکر میں ڈوبے ہیں یا مراقبہ فرما رہے ہیں، مجلس پر ایک سکوت طاری ہے، اچانک آنکھیں کھولیں اور ذرا پُر جوش انداز میں حاضرین مجلس سے سوال کیا: آپ لوگ درس و تدریس سے وابستہ ہیں، ایک بات بتائیں کہ اس وقت مسلمانوں کا قرآن کریم سے تعلق جوڑنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت نے سامنے بندہ اور ایک ژوب سے آئے مولوی صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: پہلے آپ جواب دیں، پھر مجلس میں موجود ایک سن رسیدہ وسیع مطالعہ رکھنے والے کرنل صاحب بتائیں اور پھر حضرت کے خادم اپنی رائے دیں، یہ فرما کر حضرت نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں، اب مجلس کے یہی چند شرکاء آپس میں اس پر مذاکرہ کرنے لگے، کرنل صاحب کا فرمانا تھا کہ ہم جدید ذرائع خصوصاً سوشل میڈیا کے بھر پور استعمال سے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے پر توجہ دیں، حضرت نے کچھ دیر بعد پوچھا تو کرنل صاحب کی یہ رائے پیش کر دی گئی۔ اس پر حضرت فرمانے لگے:

تمام جدید ذرائع کے بھر پور استعمال کے لیے باطل فرقے تو ناجائز طریقوں سے کمائی ہوئی رقم ان پر خرچ کرتے ہیں، ہمارے پاس اتنے وسائل ہی نہیں ہیں، مزید بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہم اہل حق بہت کمزور ہوتے جا رہے ہیں، جب کہ باطل کے تمام فرقے اُبھرتے جا رہے ہیں، کچھ حل بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے؟ تا کہ ہم قرآنی تعلیمات کو امت میں خوب عام کر سکیں۔ حضرت کی اس عمر میں ایسی تڑپ دیکھ کر مجھے تو حضرت ابوالحسن علی ندویؒ کی طرف منسوب پڑھا ہوا ایک قول یاد آنے لگا، فرمایا: ''اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی دردمندی اور اندرونی سوز کی، ایک ایسی حرارت کی جو اندر اندر جلا رہی

ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو۔'' حضرت بھی ایسی ہی تڑپ سے بار بار پوچھ رہے تھے، بتاؤ! ہمیں امت کے لیے کیا کرنا چاہئے!؟

بندہ کی طرف دیکھا تو عرض کیا کہ: حضرت! ہمیں رجال سازی پر توجہ دینی چاہئے تا کہ رجالِ کار پیدا ہوں اور کچھ کام کریں، یہ سنتے ہی حضرت کی گفتگو کا رخ اسی طرف سمٹ آیا، فرمانے لگے: ''اگر رجالِ کار کچھ اور لوگ پیدا ہوں گے تو ہم کیا کریں گے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم خود کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے، مجھے خود مودودی نے بتایا تھا کہ میں جمعیۃ علماء ہند میں کام کرتا تھا، وہاں یہی رجال سازی کی بات ہوتی تھی اور علماء کہتے تھے کہ رجالِ کار کی کمی ہے، اس پر مودودی نے کہا کہ: میں ہی رجلِ کار بنتا ہوں اور اپنی جماعت بنالی۔ اسی طرح آج کے دور میں غامدی نے بھی خود کو رجلِ کار بنایا ہے اور خوب کام کر رہا ہے، آخر ہم نے کیا کرنا ہے؟''

اب کی بار سب نے عرض کیا کہ: حضرت آپ ہی بتا دیں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت پہلے تو مسکرائے اور فرمایا: ''آپ لوگوں کو بتانے کا کیا فائدہ؟'' آپ نے تو رجال کار کے پیدا ہونے کا کہہ کر گویا خود رجال کار نہ بننے کا اعلان کر دیا ہے۔'' پھر کام کرنے کا طریقہ بتانے لگے فرمایا: ''اس دور میں کام کرنے کا طریقہ قادیانیوں کا دیکھو، وہ لوگ کس طرح ایک ایک فرد پر جا کر محنت کرتے ہیں، ہر ایک سے تعلق بناتے ہیں، ہم لوگ خطابت ہی سیکھنے سکھانے پر زور دیتے رہتے ہیں، مگر وہ لوگ تقریروں اور جلسوں کی بجائے ایک ایک فرد پر جا کر محنت کرتے ہیں۔''

یہ مجلس عصر سے عشاء تک رہی، درمیان میں صرف مغرب کی نماز کا وقفہ ہوا، سب سے عجیب بات یہ تھی کہ حضرت ہر آنے والے مہمان کو انتہائی اپنائیت سے اپنے علمی اور فکری جواہرات سے نوازتے رہتے ہیں، لطیفے، ماضی کے بیتے دنوں کی یادیں، مناظروں کے دلچسپ واقعات اور خالص علمی نکات سے حاضرین مجلس خوب خوب استفادہ کرتے ہیں، اس میں حضرت کی طبیعت کی روانی کا بھی دخل ہوتا ہے، بعض دفعہ کافی وقت بالکل خاموش رہتے ہیں، میں تو حضرت کے علمی مقام اور شہرت و ناموری کے بلند رتبے کی وجہ سے ذہن میں ایک قیمتی ترین پوشاک میں ملبوس، خادمین کے جھمگٹے میں سخت مزاج بزرگ کا تصور جمائے ہوئے تھا، مگر جب قربت ملی تو ایسی شفقت فرمائی کہ پہلی مجلس کے آخر میں فرمایا کہ ہم نے اسکول و کالج کے طلبہ کو قرآنی عربی سکھانے کے لیے ایک کتابچہ لکھا ہے، آپ مجھ سے کچھ پڑھ لیں اور پھر اسے دوسروں کو پڑھائیں، میں مزید ایک دن اس سعادت کے لیے رک گیا، اگلے دن حضرت اپنے ساتھ ہی بٹھا کر خود اس کتابچہ سے کچھ پڑھتے رہے اور اسے پڑھانے کا طریقہ سمجھایا، پھر یہ مجلس بھی کافی دیر رہی۔(۱)

اور جب حضرت نے دورۂ حدیث میں مسند حدیث پر بخاری کی پہلی تین احادیث کا درس دیا تو انہی احادیث سے ہی ایسے ایسے علمی موتی نکال لائے کہ کسی کا نام لیے بغیر تمام باطل فرقوں کی تردید دِلوں میں پیوستہ کرتے گئے، یہ تصوف وفقہ کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور یہ عظمت صحابہ اور عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کو دلائل سے ثابت کر رہے ہیں، اصول فقہ کی پیچیدہ گتھیاں سلجھا رہے ہیں، اور ابھی ''ضمنی بات'' کے نام سے کسی مناظرے کی داستان سنا کر اس سے علمی موتی پیش کر رہے ہیں، حجیت حدیث آپ کا خاص موضوع ہوتا اور اسے انوکھے انداز سے ثابت کرتے جاتے، مثلاً: فرمانے لگے کہ: ''امام بخاریؒ حدیث کی اہم ترین کتاب

---

(۱) اس کتابچہ کے تعارف کے لیے دیکھئے مولانا احسن احمد بہاول پور کا مضمون: ۱۶۹/۲۔ نیز دیکھیے: ۶۲۷/۱، ۶۵۲/۱، ۳۴۹/۲ [ادارہ]

کی ابتدا میں ”**کیف کان بدء الوحی**“ کا باب لائے، یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حدیث کا تعلق قرآن سے ہے، آپ لوگ اس بات کی دھوم مچا دو کہ حدیث کا تعلق قرآن سے ہے، اس سے بہت سے باطل فرقے اپنی موت آپ مر جائیں گے، یہ کہنا کہ احادیث کا ذخیرہ قرآن کے خلاف ایک سازش ہے، یہ جملہ خود ایک سازش ہے۔“

اللہ نے حضرت کو عجب عالمانہ شان سے نوازا ہے، مگر اس کے ساتھ آپ کی سادگی کا یہ عالم کہ شاید میری طرح قارئین بھی اس بات پر فوری یقین نہ کر سکیں، حضرت کے خادم بتانے لگے کہ میں پندرہ سال سے حضرت کا ایک ہی کپڑوں کا جوڑا دیکھ رہا ہوں، اس کے علاوہ دوسرا جوڑا میں نے نہیں دیکھا۔

علماء کو جدت و ترقی کے نام پر مختلف پیشے اپنانے اور ملازمتوں کی طرف دھکیلنے والے آئیں اور راہِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جیتی جاگتی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھیں، شاید دنیا پرستی کا نشہ اترے اور دینی خدمت کی راہیں ان پر بھی آشکارا ہو سکیں!!!

مردِ قلندر چلے گئے:

حضرت علامہ خالد محمود آج بیس رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** . انتہائی دل شکستگی سے یہ الفاظ لکھتے ہوئے لفظ لفظ شرم سے پانی پانی ہے کہ حضرت کے ایک درسِ حدیث میں شرکت کا موقع ملا، میں ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا تھا، اسی دوران معلوم ہوا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب لاہور میں تشریف فرما ہیں، میں لاہور جا پہنچا، یہ جنوری ۲۰۱۹ء کی ایک نیم ٹھنڈی میٹھی صبح تھی، آسمان سے رم جھم برستی بارش نے موسم کو مزید یخ بستہ اور خوش گوار بنا دیا تھا، اس دوران جب ایک عظیم الشان مسجد میں روئے زمین پر کتاب اللہ (قرآن کریم) کے بعد سب سے بہترین کتاب یعنی بخاری شریف کی پہلی حدیث کے سبق کے لیے حضرت علامہ رحمہ اللہ نعروں کی گونج میں جلوہ افروز ہوئے تو ایمانی محبت کا کیسا حسین منظر عیاں ہوا، ایک طرف تو حضرت کے ایسے پرستار طلبائے کرام تھے جو حضرت کی زبان سے ادا ہوتا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دل پر نقش کر رہے تھے، پلکیں جھپکائے بغیر حضرت کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر رہے ہیں، کوئی گردن اٹھا کر ذرا دائیں بائیں سر ہلاتا کہ حضرت کا سراپا نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور کوئی ذرا ذرا آگے کو سرکتا کہ حضرت سے قرب کا ایک ایک انچ بھی سعادت کا خزینہ تھا، میں اسی دوران وہاں پہنچا تھا سب سے آخر میں بیٹھنے کو جگہ ملی، رات بھر سفر کی تکان، سرد موسم اور پھر بیماری نے طبیعت کو بجھا بجھا سا بنا رکھا تھا، مگر اس مبارک مجلس میں شرکت کرتے ہی طبیعت میں عجیب سی سرشاری اور فرحت محسوس ہونے لگی، مجھے اپنے آگے بیٹھے ایک سن رسیدہ نحیف سے بابا جی کبھی نہیں بھولیں گے جو پرانے دور کے طلبہ کرام کی ایک سچی تصویر معلوم ہو رہے تھے، انھوں نے اپنے ساتھ ایک کپڑے کا تھیلا رکھا ہے جس میں چند کتابیں ہیں اور ایک رجسٹر پر حضرت کی تقریر کو لکھنے میں مگن ہیں، مگر دوسری طرف ان سینکڑوں طلبۂ حدیث کے مجمع میں چند ایسے محروم لوگ بھی ہیں جو چادر تانے پیچھے سو رہے ہیں اور یہاں سے چند میل ہی کے فاصلے پر موجود مزارِ اقبال سے یہ صدا گونج رہی ہے ۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی　　کہ تُو گُفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیّارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی　　ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حضرت کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی، بچپن سے ہی پوری زندگی علمی، تحقیقی اور دعوتِ دین کے مبارک کام میں گزری، ختم نبوت کے محاذ کے آخری سانس تک پہرہ دار رہے، یقیناً ان کی عظیم قلندرانہ صفات، علمی و تحقیقی کارناموں اور مناظروں کی دلچسپ کارگزاریوں پر ہزاروں صفحات لکھے جائیں گے، حضرت کی وفات کے بعد ہی بہت سے لوگوں کو اب حضرت کے مقام کا اندازہ ہوگا، آخر ہم زندگی میں ہی قدرت کے ان شاہکار لوگوں سے محروم کیوں رہتے ہیں؟

حضرت رحمہ اللہ سے جدائی کے اس موقع پر ہم حضرت کے لیے مغفرت اور درجات میں بلندی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے لیے بھی ایک دعا کا اہتمام ضرور کرلیں کہ یا اللہ ہمیں اپنے بزرگوں کی زندگی میں ہی ان کا سچا قدردان بنادیجئے (آمین)

☆......☆......☆......☆

مولانا ابومحمد سلیم اللہ چوہان

رئیس العلماء، محقق العصر حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ بھی انتقال فرما کے اپنے رب کے حضور پیش ہوگئے۔ حضرت والا بڑے پایہ کے مصنف تھے، آپ کے افکار، خیالات اور علمی وفکری معیار انتہائی بلند مرتبہ تھے۔ آپ نے جن اساطین علم کے ساتھ مل کر باطل کے خلاف علمی وقلمی جہاد کیا تھا، ان میں آپ کا نمایاں کردار شامل تھا۔ بلامبالغہ آپ عالم اسلام کی عبقری شخصیت تھے، آپ نے تقریباً پون صدی تک دین اسلام کی علمی، تبلیغی، تصنیفی اور تعلیمی خدمات سرانجام دی ہے۔ بندہ کی حضرت سے ملاقات تو نہ ہوسکی، البتہ ایک مرتبہ فون پر بات ہوئی تھی، جب حضرت والا برطانیہ میں تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ایک مضمون امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے دفاع میں لکھا ہے، جس کا عنوان تھا ''امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ آخر دم تک فکر ولی اللہی اور دیوبند کی عقیدت میں'' جوکہ ماہنامہ الخیر ملتان میں شایع ہوا ہے۔ بندہ اس کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنا چاہ رہا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا، الحمدللہ! وہ مضمون سندھ کے مختلف رسائل ماہنامہ الفاروق سندھی کراچی اور ماہنامہ شریعت سکھر وغیرہ میں شائع ہوا۔ (دیکھیے: ۲/ ۳۰۷۔[ادارہ])

حضرت علامہ صاحبؒ بہترین مصنف تھے، آپ کا زیادہ تر کام رد مذاہب باطلہ پر تھا، دلائل وبراہین کے بادشاہ تھے، تحریر وتقریر کا منہج اور اسلوب کے ماہر تھے۔ علماء اہل سنت دیوبند کے فکر وفلسفہ کے امین تھے۔ آپ کی وفات پر جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ برسوں پر ہونا مشکل ہے۔ اللہ رب العزت حضرت والا کے درجات کو بلند فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ومرتبہ عطا فرمائے آمین۔

خاکپائے حضرت سندھیؒ (امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ) ابومحمد چوہان سلیم اللہ سندھی

ڈائریکٹر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اکیڈمی راجو گوٹھ، تحصیل لکھی غلام شاہ ضلع شکارپور

۲۶/ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ......۱۵/ ستمبر/ ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد عطاء اللہ، مدیر مدرسہ تعلیم القرآن مڈھ رانجھا

بکھرے موتی

علامہ خالد محمود صاحب ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔آپ علم وعمل، زہد وتقویٰ، موقع شناسی، مردم شناسی اور حاضر دماغی جیسی کئی ایک صفات کے جامع انسان تھے۔خوب صورت، خوب سیرت اور سادہ پوشاک ہونے کے ساتھ ساتھ تواضع وانکساری کے پیکر تھے۔ بندہ کو حضرت سے باضابطہ تلمذ کا موقع تو نہیں ملا، البتہ مختلف دینی اجتماعات میں استفادہ کا موقع ملا، ایک واقعہ اور چند متفرق علمی نکات پیش خدمت ہیں۔

(۱)...... بندہ جب ۱۹۷۶ء میں مڈھ رانجھا ضلع سرگودھا گیا تو وہاں غالباً محمد شبیر ہرل نامی ایک قادیانی تھا جو بعد میں قادیانیت کا مربی بھی بنا۔ یہ شخص مڈھ رانجھا کے اپنے ایک عزیز مولوی صاحب سے سوال جواب کی صورت میں بحث کرتا رہتا تھا، لیکن جب اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نظر نہ آئی تو اس نے اپنے ایک اور عزیز ماسٹر محمد یعقوب پر قادیانیت کے حوالہ سے ڈورے ڈالنے شروع کیے، ماسٹر صاحب موصوف اس وقت دریائے چناب کے کنارے واقع ایک بستی راجہ ڈاہر میں رہائش پذیر تھے، چونکہ بندہ مڈھ رانجھا کی مرکزی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتا تھا تو ماسٹر محمد یعقوب صاحب کبھی خود اکیلے اور کبھی اپنے اس بزرگ مولوی صاحب کو لے کر میرے پاس آتے اور قادیانیت کے اشکال پیش کر کے جواب طلب کرتے، بندہ کو چونکہ اس بارے میں کچھ زیادہ معلومات اور تحقیق نہ تھی تو سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ سے وقتاً فوقتاً استفادہ کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نے مولانا عبدالرحیم منہاس کو بھیجا کہ وہ محمد یعقوب کی تسلی وتشفی کریں، بندہ مولانا عبدالرحیم صاحب کو راجہ ڈاہر چھوڑ آیا، عبدالرحیم صاحب نے ایک رات وہاں گزاری، واپسی پر ان پر مایوسی کے تاثرات تھے۔

اسی دوران ایک دفعہ ماسٹر یعقوب اپنے انہی عزیز مولوی صاحب کو ساتھ لے کر ''حیرت انگیز انکشافات'' نامی پمفلٹ لے کر بندہ کے پاس آیا اور دکھایا، بندہ نے غالباً تحقیق پر بات چھوڑ دی۔

اس رسالہ میں طرز یہ اختیار کیا گیا تھا کہ ایک طرف حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عبارت باحوالہ اور دوسری طرف مرزا غلام قادیانی کی عبارت باحوالہ درج تھی۔تاثر یہ دیا گیا تھا کہ جب دیوبندی مکتبہ فکر کے اتنے بڑے عالم جو کئی کتابوں کے مصنف اور حکیم الامت کہلاتے ہیں وہ بوقت ضرورت مرزا غلام قادیانی سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں تو آپ مرزا صاحب کو کیوں نہیں مانتے؟ (دیکھیے: ۱/۴۰۵......۲/۳۷......۲/۳۷۷۔[ادارہ])

بندہ نے اپنی معلومات کے مطابق کراچی، لاہور مختلف حضرات کے پاس خطوط بھیجے لیکن کسی طرف سے بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اسی دوران رد مذاہب باطلہ کورس کا ایک اشتہار بندہ کی نظر سے گزرا جس میں مدرس حضرت علامہ خالد محمود صاحب تھے، بندہ

جب گھر چھٹی پر آیا تو اس مقصد کے لیے سرگودھا گیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ ایک بلاک والی مسجد کے برآمدوں میں سبق پڑھا رہے تھے، سبق میں علماء طلبہ سبھی طرح کے لوگ شریک تھے، جب سبق کے دوران حضرت علامہ صاحبؒ کچھ وقفہ کے لیے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تو بندہ نے حضرت سے سوال کیا کہ آج کل قادیانیوں کی طرف سے ایک رسالہ حیرت انگیز انکشافات نامی شائع کیا جارہا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

اس پر حضرت علامہ صاحبؒ چونک اٹھے اور ٹیک چھوڑ کر فرمانے لگے کہ بھائی بات سنو کہ آپ اپنے اکابر پر اتنا پختہ اعتماد رکھیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے لیکن آپ کے اس یقین میں کوئی تزلزل نہ آئے کہ الحمدللہ ہمارے اکابر کی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق گزری ہیں اور غالباً چند حضرات کے نام بھی لیے جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے اسمائے گرامی شامل تھے۔

فرمانے لگے اسی اعتماد پر یقین کرتے ہوئے الحمدللہ بندہ نے سمندر میں چھلانگ لگائی اور ایک مضمون لکھا اور چیلنج کیا۔ یہ مضمون اپنے رسائل البلاغ، بینات وغیرہ میں اشاعت کے لیے بھیجا تو ان کو بھی اس کی اشاعت کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر میرا وہ مضمون ترجمان اسلام لاہور اور ماہنامہ الرشید (ساہیوال) نے شائع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دستگیری فرمائی اور ایک آدمی جس کے ساتھ میری جان پہچان بھی نہیں تھی، میرا وہ مضمون پڑھ کر اصل کتاب لے کر میرے پاس آیا، اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مرزا قادیانی کے دور میں ایک آدمی نے ایک کتاب لکھی، جس میں اس نے کچھ غلطیاں بھی کیں، جس پر حضرت تھانویؒ نے کسی مصلحت کے تحت اس کا نام لیے بغیر اس کی اچھی باتوں سے استفادہ اور غلط پر نکیر کی۔ اس سے قادیانیوں نے مذکورہ پروپیگنڈہ کیا تھا۔ اَب جب کہ حضرت تھانویؒ کے بڑے بڑے خلفاء اور ان کے صحبت یافتہ علماء اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو قادیانیوں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ رسالہ شائع کیا کہ اب اس کا جواب دینے والا تو کوئی دنیا میں رہا نہیں، اس لیے انہوں نے یہ چال چلی۔

(۲)......ایک دفعہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ جھاوریاں تشریف لائے، خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ بھائی (اہل سنت کے تمام مسالک کا) عقیدہ ایک ہے مگر عمل میں وسعت ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ارشاد فرمائی کہ خدا ایک، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور مسئلہ قیامت اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں، البتہ عمل میں وسعت کی مثال جیسے ظہر کی نماز کا وقت تو زوال کے بعد شروع ہوجاتا ہے، لیکن جماعت کا وقت ہر مسجد میں اپنی سہولت سے الگ ہوتا ہے۔

(۳)......ایک دفعہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ موضع چک مبارک کے ایک مدرسہ میں بیان کے لیے تشریف لائے، خطبہ مسنونہ کے بعد مجمع سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ میرا ایک سوال ہے کہ اللہ رب العالمین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کو مشقت میں مبتلا نہیں کرتا، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **ما اوذی فی اللہ نبی کما اوذیتُ** (اللہ کے لیے کسی نبی کو اتنا نہیں ستایا گیا جتنا مجھے ستایا گیا ہے) اس کی کیا وجہ ہے؟ مجمع پر سناٹا چھا گیا، پھر خود ہی فرمانے لگے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو امتحانوں کی بھٹیوں سے گزر کر آئے وہی نمونہ بن سکتا ہے، چونکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری کائنات کے لیے نمونہ تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر امتحانات اور مشقتیں زیادہ ڈالیں۔ (دیکھیے: ۱/۴۹۰۔[ادارہ])

(۴)......ایک دفعہ گھنگوال (جو کہ جھاوریاں کے مضافات میں ایک گاؤں ہے) تشریف لائے فرمانے لگے کہ میں نے جو بیان کرنا ہوتا ہے پہلے ذہن میں اس کا ایک نقشہ تیار کرتا ہوں، بیان کے نکات ترتیب دیتا ہوں کہ اس ترتیب سے بیان کرنا ہے، پھر ہر نکتہ پر فریق مخالف کی طرف سے متوقع اشکالات اور ان کے جوابات سوچتا ہوں، اس کے بعد بیان کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

محمد معاذ ہاشمی، چکوال

صاحبِ اولاد حضرات لقمۂ اجل بنیں تو صرف اُن کی اولاد یتیم ہوتی ہے، خاندان کے سربراہ کے جانے سے فقط ایک خاندان یتیمی کا شکار ہوتا ہے، لیکن رب ذوالجلال کی اس سرزمین پر بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں جن کی رحلت سے پوری امت اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتی ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ بھی ایسی ہی عظیم الشان ہستیوں میں سے تھے۔ موت العالم موت العالم کا ایسا مصداق شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ تو بچپن سے سنتا چلا آیا تھا، لیکن کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوسکا تھا۔ ایک مرتبہ اچانک ''مقام حیات'' کہیں سے ہاتھ آ گئی، اس کے تفصیلی مطالعہ کی سعادت ملی، حضرت کی علمی وسعت، گہرائی وگیرائی اور نکتہ رس ذہانت وفطانت نے دل ودماغ میں اُن کی عظمت کے ایسے نقوش ثبت کیے جنھیں تا عمر محو کرنا محال ہے۔ حضرت کی دیگر تصانیف بھی حاصل کیں اور مطالعہ کا شرف حاصل کیا۔ دورِ حاضر میں اُن جیسا عظیم مصنف، مبلغ، مناظر، مفکر، مدبر اور محدث کم از کم میرے علم میں نہیں۔ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے ۵۰/سالہ رفیق، مصنف کتب کثیرہ حضرت حافظ عبدالوحید حنفی ناظم مدنی مسجد بھی اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ: ''ہماری معلومات کے مطابق اِس وقت دنیا میں علمائے اہل سنت دیوبند کے سب سے بڑے عالم حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ ہیں۔'' آہ! مسند علم کا شاہ نشین رخصت ہو گیا۔

علم وفضل کے ٹھاٹھیں مارتے اس سمندر نے اپنی تحریرات وتقریرات میں علوم کے بیش بہا ذخائر قیامت تک کی انسانیت کے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑے۔ قرآن وسنت کے علوم اور جملہ فنون میں مہارت تامہ کے حامل اس عبقری انسان کو اللہ تعالیٰ نے علوم عالیہ وآلیہ میں بے مثال درک کے ساتھ ساتھ عام فہم انداز بیان وتفہیم سے بھی نوازا تھا۔ زبان وقلم پر الہامی علوم کا گمان ہوتا تھا۔ کسی بھی علم وفن میں گفتگو فرماتے تو یوں لگتا ساری عمر اسی فن کے ساتھ خصوصی وابستگی میں گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گئے گزرے دور میں پیاسی امت کی سیرابی کے لیے اپنے خاص فضل وکرم سے حضرت علامہ صاحب کا سینہ کھولا تھا، ان شاء اللہ یہ امت تا قیامت اُن کے علوم سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔

الفت قریشی

اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر

قد بلند و پست کے بیچوں بیچ......سنجیدہ چہرہ......آنکھوں میں فتح کی چمک...... چال تیموری...... کتابی چہرہ......لہجہ شگفتہ......کھلا ماتھا......رنگ اجلاء......طبیعت شناس......نسلوں کے واقف......جسم مضبوط......طبیعت میں دبدبہ......شرافت کے مرقع......دل جری......نگاہ کھری......بدمعاش فریب دے نہ سکے......شریف زک اٹھا نہ سکے......قاہری ودلبری کا مجموعہ۔

دامن داغوں سے دھلا ہوا......نفس سونے میں تلا ہوا......ذہانت ان کی لونڈی تھی......علم کا ایک ایسا چشمہ جس سے ہر شخص بقدر ضرورت......بقدر طلب......بقدر ظرف......پانی پی سکتا ہے......اپنے منصب سے غایت درجہ محبت رکھتے......عشق رسول ﷺ میں اپنی مثال آپ......ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کی زبان......ہاتھ......قلم......سے کسی کو کبھی کوئی ضرر نہیں پہنچا۔علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کی عملی تصویر

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یہ تھے سلطان القلم، ترجمان اہل سنت، مناظر ختم نبوت، خزینہ علوم، حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ

جن سے مل کر زندگی کو عشق ہوجائے ایسے لوگ آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

انسان فانی ہے، موت اٹل ہے۔ زندگی کو دوام نہیں، جو پیدا ہوا وہ موت کا مسافر ہے۔ انسان پیدا ہی مرنے کے لیے ہوتا ہے۔ ایک اللہ کی ذات ہے جس کو فنا نہیں۔ باقی سب کے لیے موت ہے، نہ کوئی شخص موت سے لڑ سکتا ہے، نہ آئی ٹال سکتا ہے۔ اگر انسانوں کو ان کے امتیازی خصائص اور خصوصی امتیازات کی وجہ سے موت نہ آتی تو بے شمار انسان قیامت کی صبح تک زندہ رہتے۔ اس لئے جب کوئی شخص اللہ کو پیارا ہوتا ہے تو ہمیں موت حادثہ معلوم نہیں ہوتی بلکہ جو شخص اٹھ جاتا ہے اس کی رحلت ایک سانحہ نظر آتی ہے۔ پھر جب کوئی بلند و بالا عابد و صالح اور عالم و محدث عمر فانی پوری کر کے رہ گرائے عالم بقا ہوتا ہے تو صدمہ یہ نہیں ہوتا کہ موت نے اپنا مشن کیوں پورا کیا......صدمہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن اور جی لیتا تو اس میں حرج ہی کیا تھا۔ زندگی کے سمٹ جانے کا افسوس ہوتا ہے۔ بعض وجود اتنے بابرکت ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی گرد و پیش کے لئے رحمت وحیات کا سرچشمہ ہوتی ہے۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

قدرت کچھ لوگوں کو خاص مقاصد کے لیے دنیا میں بھیجتی ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ یقیناً اسی قبیلے کے فرد تھے۔ کسی علم دوست قوم میں ہوتے تو جانے کتنے ہی اعزازات حاصل کر چکے ہوتے۔ مگر افسوس کہ ایسی قوم میں آئے جس کے ہاں آفتاب کا نور۔ جگنو کی روشنی سے ہار جاتا ہے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ ایک فرد نہیں تھے بلکہ ایک ادارہ تھے۔ جو کچھ جانتے تھے اسے دوسروں تک پہنچانے اور دلوں میں اتارنے کے فن اور ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ ہر جماعت ہر طبقہ کے لوگ آپ کی سرپرستی پہ ناز کرتے ہیں۔ جب بھی ان کی تصویر نظر کے سامنے آتی ہے......سوچتا ہوں کہ کاش نہ مرتے......لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے۔

ع ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

بار ہا محسوس ہوتا کہ وہ مرے نہیں زندہ ہیں۔ وہ رخصت بھی اس خاموشی کے ساتھ ہوئے کہ یقین کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن۔ سوائے یقین لانے کے اب اور کوئی چارہ ہے ہی نہیں......!!

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے نہ اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ اہل سنت کے علمی حلقے کی انگوٹھی میں جڑے ہیرے کی مانند تھے جو ہر جگہ جگمگاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔ اور اپنا تعارف یا اپنا مقام بتانے کے لیے کبھی کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوا۔ مگر اسے عظیم لوگ بھی اس خاک میں گمنام ہو گئے......اس خاک کو ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی ایسی شخصیات کو بھی اپنے سینے میں دفن کر گئی......مرزا غالب نے کیا خوب کہا

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ: اے لئیم! تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی ۹۴ رسالہ زندگی کسی مجاہدہ سے کم نہ تھی۔ انہوں نے کہیں بھی کبھی بھی کلمہ حق کہنے سے گریز نہیں کیا۔ ممکن ہے کچھ لوگ ایسے ہوں جوان کے ارادوں پہ شک کرتے ہوں، لیکن خود ان کو کبھی اپنے فیصلوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ انہوں نے کبھی کسی تحریک، تنظیم اور قائد و جماعت کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔ وہ خطابت و ضمیر کی سودا بازی کے بازار سے آشنا ہی نہیں تھے۔ ان پر زمانے نے بہت گرد و غبار پھینکا اور خود فروشوں نے الزامات کے چولہے سے چنگاریاں لے کر بار ہا ان کی دستار فضیلت پر پھینکیں، مگر وہ تہمتوں کے بازار سے کنکریاں کھاتے ہوئے نکل گئے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو گئے ہیں۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن بھی سرخرو ہی اٹھیں گے۔

کہاں گئے ہیں وہ یارانِ خوش خصال کہ اب ڈھلی ہے رات مگر میکدے میں کوئی نہیں

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا خمیر روایتی علماء کی طرح نہ تو یبوست سے اٹھا اور نہ انہوں نے اپنے اوپر مسکنت و عاجزی طاری کیے رکھی۔ وہ عاجزوں کے ساتھ عاجز اور متکبروں کے ساتھ متکبر تھے۔ انہوں نے شرک سے لے کر سرکار تک کا خوف اپنے دل سے نکال رکھا تھا۔ بادشاہوں تک کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے۔ ان کا وجود اس امر کی دلیل تھا کہ جس کے پاس دین کا علم ہو وہ امراء کے آستانے پر جاتا ہے نہ درباروں کے طواف کرتا ہے نہ ہی بادشاہوں کے قصائد اور ثناء خوانی کو اپنے سجادے کی آبرو گردانتا ہے۔ وہ ان سب سے بے نیاز ہوتا ہے۔ انہوں نے کفرستان میں توحید اور ختم نبوت کی شمع جلائے رکھی۔ ان کا سر جھکا تو صرف خدا کے سامنے۔ مساجد میں بیٹھے ہوتے لیکن ہر آتے جاتے غیر مسلم مرد و زن کو اسلام کی دعوت دیتے۔ ان گنت لوگوں

نے ان کے ہاتھ پہ کلمہ حق پڑھ کر خاتم النبین ﷺ کی غلامی قبول کی ۔

میرے اسلاف کی اقدار ہیں فرسودہ کیا؟ کیوں نئے دور کی تہذیب سکھاتا ہے مجھے

مولانا قلم کے میدان کے شہسوار تھے۔اس میدان میں خوب کارنامے سرانجام دیے۔تصانیف کے میدان میں ان کے کارنامے ان گنت ہیں۔ان کی پہلی تصنیف ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ چھپی تھی۔اس کے بعد الحمدللہ یہ قلم چلتا ہی رہا اور ہر محاذ پر انہوں نے ایک علمی شاہکار پیش کیا۔تحریر کا انداز انتہائی خوبصورت، مہذب، سلجھا ہوا، بات سمجھا تا ہوا اور دل کو چھونے والا ہوتا ۔

یوں تو مشہور ہیں وہ شیریں بیاں دنیا میں تلخ الفاظ بھی کہنے کا ہنر رکھتے ہیں

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ واقعی قرن اول کے قافلے کے شاہسوار کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔جن کے وجود میں علم و عمل اور غیرت وحمیت سمٹ آئے تھے۔بسا اوقات معاشرہ کے افلاس پر طبیعت جھنجھلا جاتی ہے۔علم اوباشوں کے نرغے میں ہے، دین اپسراؤں کے جھرمٹ میں اور سیاست لقوں کے ہاتھ میں ہے۔یہ سب دیکھ کر جی چاہتا ہے اس آبادی سے تو ویرانہ اچھا ہے۔ لیکن جب نگاہیں اس وجاہت کے خال خال انسانوں پر اٹھتی ہیں جس وجاہت کا نمونہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ تھے تو طبیعت کو اطمینان ملتا ہے کہ خدا کی زمین ابھی تک اللہ والوں سے خالی نہیں ہے۔

اب یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ ہم حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو واپس تو نہیں لا سکتے ،البتہ جس مشن کو وہ چلاتے رہے، جس مشن ہی نے انہیں محبوب ومحترم بنایا، جس مشن پہ چلتے ہوئے انہوں نے جان جانِ جاناں کے سپرد کی ہم اس مشن کو جاری رکھ سکتے ہیں......اور یہ مشن ان کا ہم پر قرض ہے...... جسے ہم نے ہر حال میں...... ہر صورت میں ادا کرنا ہے۔جانے والے واپس نہیں آتے۔لیکن جانے والوں کے مشن کو کون کیسے سنبھالتا ہے...... یہ قرض کیسے ادا کیا جاتا ہے......ان سب سوالوں کا جواب دینا اب ہمارے ذمہ ہے......آغا شورش کاشمیری نے کیا خوب کہا تھا ۔

وہ دن بھی تھے کہ ہم ان آندھیوں کا رخ پلٹے تھے اب اپنے حال پر صرصر کے جھونکے مسکراتے ہیں
کہاں ہو، اس چمن سے جانے والو، اب تو آجاؤ بہاروں میں سنا ہے لالہ وگل لوٹ آتے ہیں
ہمارے بعد بھی شاید یہاں سے دیدہ ور اٹھیں ہم ایسے لوگ اب شورشؔ فسانہ ہوتے جاتے ہیں

☆......☆......☆......☆

محمد عارف جی سل میری

ایک جامع کمالات شخصیت

رئیس المحققین ،استاذ العلماء وسلطان المناظرین علامہ خالد محمود صاحبؒ بھی حیاتِ مستعار کی ستانوے بہاریں دیکھ کر برطانیہ کے معروف شہر مانچسٹر میں راہیِ آخرت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ اس وقت علمائے دیوبند کے سرخیل تھے اور تقریباً ایک صدی کی علمی و دینی یادیں ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھیں، وہ اس وقت عالمی شہرت یافتہ ان معدودے چند علماء میں سے ایک تھے، جنھیں عربی وفارسی اور اردو وانگریزی وغیرہ مختلف زبانوں پر کامل مہارت وبصیرت حاصل تھی اور تبحر علمی کے باعث مختلف اہم علمی و دینی اور ملی وسیاسی مسائل میں نگاہیں ان کی جانب اٹھتی تھیں، ان کے حادثۂ ارتحال پر عالمی سطح کی مختلف دینی وملی تنظیموں و جماعتوں نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ایسا ہونا ایک فطری امر ہے کہ حضرت علامہؒ کی ذات سے ان سب کو روشنی و مدد فراہم ہوئی ہے اور اللہ رب العزت نے انھیں جن علوم ومعارف سے نوازا تھا، مختلف زبانوں میں مہارت اور ان کے ذریعے اپنے افادات کی ترسیل واشاعت کے سبب ان کا دائرۂ افادیت دنیا کے اکثر ملکوں تک ممتد تھا۔ **وذلک فضل الله یؤتیه من یشاء**

علامہ صاحبؒ نے برٹش دورِ حکومت کے متحدہ ہندوستان میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات سے اس دور میں سندِ فراغت حاصل کی، جب یہاں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ جیسے اساطین علم وفضل مسندِ تدریس پر متمکن تھے، ذہانت وفطانت، علم دوستی اور مناظرے ومباحثے کے فن سے دل چسپی کے سبب، وہ ابتدا ہی سے اکابر کے منظورِ نظر رہے۔ علامہ اپنے عہد کے جن نامی گرامی اکابر علماء کا اعتماد حاصل کرنے میں کام یاب رہے تھے، ان کی فہرست کافی طویل ہے

آپؒ نے مفتی حسن صاحب امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے یہ کہنے پر کہ: ''تم جامعہ اشرفیہ سے دورۂ حدیث دوبارہ پڑھ لو، اس سے تم کو اور جامعہ اشرفیہ کو دونوں کو فائدہ ہوگا۔'' جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورۂ حدیث پڑھا اور اس طرح علمِ حدیث سے ان کا تعلق مزید مضبوط و مستحکم ہوا، جس سے عملی زندگی میں انھوں نے لائقِ رشک فائدہ اٹھایا۔

علامہ صاحبؒ نے دینی اور دنیاوی علوم کو کامل انہاک سے حاصل کیا تھا، قرطاس وقلم سے ان کا تعلق زمانۂ طالب علمی سے شروع ہو کر آخر عمر تک باقی وبرقرار رہا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے بزرگوں کی صحبت کے طفیل مناظرے کا رنگ ان پر بھی خوب چڑھا اور فرقہ ہائے باطلہ کے تعاقب میں مثالی خدمات سرانجام دیں۔

آج سے کم وبیش ستر سال پہلے جب کہ سفر کے موجودہ ذرائع و وسائل کا تصور تک بھی ایک مستبعد امر تھا، آپؒ کو

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ کی معیت و رفاقت میں گھوڑیوں پر سوار ہو کر پاکستان کے ان مقامات کے دینی و دعوتی اسفار پر جانے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی، جو علمی و دینی لحاظ سے بالکل ویران و بنجر تھے اور زمین کی ناہمواری موٹر سائیکل کے ذریعے سفر سے مانع تھی۔ اللہ نے ان مخلصانہ اسفار کو شرفِ قبول بخشا اور آج میانوالی اور سرگودھا کے اطراف میں واقع انھیں علاقوں میں مدارس و مراکز اور علماء و مبلغین بڑی تعداد میں مصروفِ خدمت ہیں۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ ۱۹۶۶ عیسوی میں مستقل طور پر برطانیہ منتقل ہو گئے تھے، لیکن پاکستان کے ایسے جملہ علاقوں سے ان کا تعلق آخر تک قائم رہا اور وہ وقتاً فوقتاً وہاں تشریف بھی لے جاتے رہے۔

مناظروں اور مباحثوں کی آج کل ایک طبقہ مخالفت کرتا ہے، علامہ صاحبؒ نے انوارِ قاسمی میں شامل اپنی ایک مبسوط تحریر میں اس طبقے کو مخاطب بنایا ہے، تحریر اگرچہ قدرے طویل ہے، لیکن مولانا مرحوم کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے حوالے سے بڑی اہم بھی ہے، اس لیے خوفِ طوالت سے بے پرواہ ہو کر اسے درج کیا جاتا ہے۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ رقم طراز ہیں:

''آج برصغیر پاک و ہند میں کئی ایسے لوگ ملیں گے، جو اپنے آپ کو دیوبندی سمجھتے ہیں اور اپنی دینی مجلسوں میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ دوسرے مذہب پر تنقید کرنا اور ان سے بحث اور مباحثے کرنا یہ ایک فتنہ ہے، اس سے بچنا چاہیے، دعوت کے کام میں کوئی بات اختلافی نہیں ہوتی، عافیت اسی میں ہے اور اس میں کوئی ذہنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑتی، یہ سوچ علمائے دیوبند کے مسلک کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے دہلی کے پادری تارا چند سے مناظرہ کیا، میلہ خدا شناسی میں حضرت خود تشریف لے گئے اور وہاں انگلینڈ سے آئے ہوئے پادری سے حضرت نے گفتگو کی، حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ سارے آئے، پھر اگلے سال چاندا پور میں میلہ خدا شناسی لگا، اس میں بھی حضرت نانوتویؒ نے شرکت فرمائی، تقریر بھی فرمائی، کہ دیوبند کا نام پوری دنیا میں گونجا، اس کے اگلے سال پھر بڑا مذہبی اجتماع ہوا، پادری بھی آئے، اس مرتبہ اپنے ساتھ ایک اور پادری کو بھی لے کر آئے، ہندوؤں کی طرف سے پنڈت دیانند سرسوتی آئے اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت نانوتوی اس میں شامل ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ جب مختلف اہلِ مذاہب سے مناظرے کر رہے تھے، تو اس وقت حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ؛ ان سب حضرات کے مرشد عالی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ زندہ تھے اور یہ حضرات ہمیشہ حضرت نانوتویؒ کے لیے دعا گو رہے، کسی نے کبھی یہ رائے نہیں دی کہ مناظرات میں پڑنا، باطل کی تردید میں اترنا، مذہبی بحث میں الجھنا مسلمانوں میں کوئی فتنہ پیدا کرے گا، مسلمانوں کو صرف عمل کی دعوت دینی چاہیے، علم کی نہیں، علم سے کچھ نہیں بنتا، جب تک عمل ساتھ نہ ہو، یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ علم سے کچھ نہیں بنتا جب تک عمل ساتھ نہ ہو، بل کہ یوں کہنا چاہیے کہ آخرت کی پکڑ سے بچنے کے لیے صرف علم کافی نہیں، عمل بھی درکار ہے، عمل کی ترغیب بیشک مفید ہے اور ہونی چاہیے، لیکن نیک اعمال کے انہماک سے جس شخص کے دل میں علم سے نفرت پیدا ہو جائے اور ایسے لوگ پھر علماء سے بدگمان ہونے لگیں اور آپس میں بیٹھے یہاں تک کہہ جائیں کہ علماء نے قرآن و حدیث کے درس دے کر آج تک کیا کر لیا ہے، تو یقیناً یہ

ایک زندقہ کی راہ ہوگی اور وہ نیک اعمال جن کے گمان میں وہ لوگ علم سے اس طرح ہٹتے ہیں، آخرت میں ان کے منہ پر مارے جائیں گے۔''

علامہ خالد محمود صاحبؒ نے دنیا کے مختلف ملکوں میں مناظرے کیے اور ہر جگہ احقاقِ حق وابطالِ باطل کا حق ادا کیا، کسی بھی مناظرے میں ان کی شرکت اس کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، آپؒ کی مناظرے کے موضوع پر تقاریر ہوں یا مناظرانہ رنگ لیے ہوئے آپؒ کی تصانیف ہوں، وہ سنجیدہ، پُر مغز اور اپنے موضوع پر ایسی جامع ومانع ہیں کہ جن کے مطالعے سے صراطِ مستقیم روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے، راقم سطور نے آپؒ کی دو تین کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، جن میں سے ایک کتاب میں شیعیت کی تاریخ، اس کے دجل وتلبیس اور اس کے کامیاب تعاقب کے طرق پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسری کتاب حضرت والا تھانویؒ کی کتاب "احکامِ اسلام عقل کی نظر میں" پر قادیانیوں کے وارد کردہ اعتراضات کا معقول ومسکت جواب ہے۔

مطالعہ کردہ ان کتابوں کی روشنی میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ لکھی جاتی ہے کہ اسلامی فقہ اور تقابلِ ادیان ومذاہب پر ان جیسی عمیق ودقیق نظر رکھنے والے اس دور میں کم لوگ ہیں، آپؒ اس کم زوری سے واقف تھے کہ عصری اداروں میں زیرِ تعلیم ہمارے نوجوان دینی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر شیعوں قادیانیوں اور یہودیوں وعیسائیوں کی مغالطہ آمیز باتوں سے مرعوب ومتاثر ہو جاتے ہیں اور اپنے مسلک ومشرب اور دین وایمان کو لے کر قسم قسم کے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں، آپ نے اس کم زوری کے ازالے کے لیے آخر تک کوششیں کیں، سیال کوٹ، خانیوال اور لاہور کے عصری اداروں میں بہ طورِ پروفیسر خدمات انجام دیتے ہوئے، عصری تعلیم یافتہ طبقے میں اپنے مذہب کی بنیادی وضروری تعلیم کے حصول کا ذوق وشوق پیدا کرنے کا کام بڑے سلیقے کے ساتھ کیا، برطانیہ کے قیام میں جب انھوں نے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کے حسبِ ایما اسلامک اکیڈمی کی بنیاد رکھی اور تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع کیا، تو اپنے تحریری منصوبوں میں بھی عصری تعلیم یافتہ طبقہ کے دینی مفادات کو اہتمام کے ساتھ جگہ دی اور آثار الحدیث، آثار التنزیل، آثار التشریح، آثار الاحسان کے نام سے کئی قیمتی کتابیں خاص اس طبقے کے لیے تالیف فرمائیں۔ عقائدِ اہلِ حق کا تحفظ ودفاع اور نوجوانواں میں در آنے والے دینی شکوک وشبہات کو دور کرنا، یہ ان کی حیات کا ایک روشن باب ہے، جس کی کماحقہ تفصیل مستقل ایک کتاب کی متقاضی ہے۔ شاید ہی کوئی فرقہ ایسا ہوگا، جس نے عقائدِ اہلِ حق پر ڈاکہ زن ہونے کی سعی مذموم کی ہو اور اس کے خلاف آپؒ نے زبان وقلم کا بھرپور استعمال نہ کیا ہو۔

علامہ مرحوم نے اپنے اکابر واسلاف کے مزاج ومذاق کو پورے طور پر جذب واخذ کیا تھا اور ان کی لسانی وقلمی کاوشوں کا مطالعہ بھی بڑی دل جمعی کے ساتھ کیا تھا، برسہا برس کے مطالعہ کے بعد، جب ان کا قلمی سفر شروع ہوا، تو بے تکان چلتا ہی رہا اور فرقہ ہائے ضالہ وباطلہ کے علاوہ تفسیر وحدیث اور فقہ وتصوف کے موضوع پر ان کے قلم سے پچاس سے زائد بیش قیمت کتابیں نکل کر

منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور یہ ایک حیرت انگیز کمال ان کی ذات میں من جانب اللہ ودیعت ہوا تھا کہ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے تھے، ممکن حد تک اس کے جملہ پہلوؤں کو سمیٹ لیتے تھے اور عجیب وغریب اسرار ولطائف اور حقائق ومعارف ان کی تحریروں میں جگہ پاتے تھے۔

وہ جہاں بھی رہے اور جہاں بھی گئے اپنے مسلک ومشرب کے ترجمان ومبلغ بن کر رہے، یورپ کو آپ کی ذات سے گوناگوں دینی فوائد حاصل ہوئے، ایک ایسے ماحول ومعاشرے میں جہاں کی دنیا طلبی معروف ومشتہر ہے، یہ مردِ قلندر حب مال وجاہ سے اوپر اٹھ کر لوگوں کو اصلاحِ اعمال واخلاق کی دعوت دیتا رہا اور یکسوئی کے ساتھ اتنا بڑا کام کر گیا، جو بہ ظاہر کئی اکیڈمیوں کے کرنے کا تھا۔ حق گوئی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر ان میں بھرا ہوا تھا، ان کی مطبوعہ تصانیف وتقاریر سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حکم شرعی کے بیان میں ان کے ہاں پوری صفائی سے کام لیا جاتا تھا، نہی عن المنکر کے مواقع پر سمجھوتہ کرنے سے تو جیسے ان کی زبان وقلم آشنا ہی نہ تھے، کسی بھی چیز کے غلط ہونے کو وہ پیرایے بدل بدل کر ایسی عمدگی کے ساتھ سمجھاتے تھے کہ وہ بات دل میں گھر کر جاتی تھی، وہ کس درجہ صاف گو واصول پسند تھے، اس کا اندازہ خطباتِ خالد میں منقول اس واقعہ سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے، ایک دفعہ دورانِ سفر آپؒ سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت دھوکہ وچوری سے حاصل شدہ مال پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ غالباً یہ صاحب غلط طور پر ذخیرہ اندوزی کا مرتکب ہوے تھے اور علماء نے اس عمل پر کھل کر نکیر بھی تھی۔ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت والا تھانویؒ کے اُصول کے مطابق میرا معمول یہ ہے کہ دورانِ سفر کسی مقام پر قیام کے دوران کسی بھی فقہی سوال کا جواب دینے سے میں گریز کرتا ہوں، کیوں کہ ہمارے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اور خود بھی عمر بھر اسی پر کاربند رہے کہ فقہی مسائل مقامی علماء سے پوچھے جائیں نہ کہ مسافر اور مہمان علماء سے۔ ان صاحب نے کہا کہ مقامی علماء سے تو اس کے بارے میں پوچھا جا چکا ہے، جب آپ تشریف لائے ہیں، تو ہماری خواہش ہے کہ اس بابت آپ سے بھی رہنمائی حاصل کی جائے۔ جب اصرار بڑھا، تو آپ نے فرمایا: اچھا بتاؤ کہ آپ کے استفسار پر مقامی علماء کا جواب کیا تھا؟ کہا گیا کہ انھوں نے ایسے مال پر زکوۃ فرض نہ ہونے کی بات کہی ہے۔ آپ نے بڑا عجیب جواب دیا، فرمایا میں مقامی علماء کے اس جواب سے متفق نہیں ہوں۔ اپنے مخصوص انداز میں دو ہی جملوں یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا کہ حلال مال پر صرف ڈھائی فی صد ہی زکوۃ واجب ہے، جبکہ حرام مال پر تو سو فی صد زکوۃ واجب ہے اور حلال مال پر تو سال گزرنا بھی شرط ہے لیکن یہاں سال گزرنا بھی کوئی شرط نہیں۔ جواب کا مطلب صاف تھا کہ اس پورے مال کو فوری طور پر اپنے سے جدا کر دیا جائے اور اس سے کسی بھی طرح کی کوئی منفعت ہرگز حاصل نہ کی جائے۔

پاکستان کے سپریم کورٹ نے بھی ایک زمانے میں آپ کی خدمات حاصل کی تھیں، اس مدت میں شریعت بینچ کے جسٹس کے طور پر انھوں نے کئی اہم فیصلے صادر کیے۔ وفاق المدارس پاکستان کی بنیاد جن اکابر کے ہاتھوں رکھی گئی، ان میں آپؒ کا نام بھی شامل تھا، بلکہ وفاق المدارس کے طریقِ کار اور اس کے اہداف ومقاصد پر مشتمل تجویز آپؒ ہی نے لکھی تھی۔ علامہ صاحبؒ کی خوش

نصیبی کہ انھیں اپنے مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف کی تدریس کا شرف حاصل ہوا، ان کی اس تدریسِ بخاری سے طالبانِ علوم نبوت کو تعلیمی وتربیتی بہر دو لحاظ سے خوب فائدہ ہوا اور آج ان کے سینکڑوں شاگرد دنیا کے مختلف ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یورپ اور پاکستان کے متعدد مرکزی ادارے آپ کو اپنے ہاں مدعو کرتے تھے اور ان مدارس میں علامہ صاحبؒ فرق باطلہ پر اپنے محاضرات پیش کیا کرتے تھے۔ مختلف ملکوں کے ایسے اداروں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہوگی، جن کے سرپرست یا بانی حضرتؒ تھے، درسِ قرآن وحدیث کا سلسلہ برسوں انھوں نے جاری رکھا اور ان میں سے کچھ دروس تحریری شکل میں بھی شائع شدہ ہیں۔

علامہ صاحبؒ کے خاندان میں علم وفضل کا سلسلہ الحمدللہ جاری ہے، آپؒ کے انتقال کے بعد آپ کے خادم خاص مفتی فیض الرحمٰن صاحب مدظلہم کو آپ کا علمی وروحانی جانشین مقرر کیا گیا ہے، ہمیں امید ہے کہ حضرتؒ کی روحانی اولاد اور ان کے سینکڑوں شاگرد یہ سب ان کے مشن کی تکمیل کے لیے عمر بھر ساعی وکوشاں رہیں گے اور ان کے نام وکام کے بقائے دوام کا ذریعہ بنیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالی حضرتؒ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی حسنات میں ہمیں ان کے کامل اتباع کی توفیق مرحمت فرمائے۔

☆......☆......☆......☆
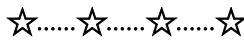
مولانا لعل محمد مہر سومرانوی

بندہ کے مطالعہ کی حد تک تاریخ وسیرت میں حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بعد خالد نام کی نمایاں شخصیت حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی نظر آتی ہے۔ آپؒ سے کبھی ملاقات تو نہ ہوسکی لیکن آپ کی گراں قدر دینی ودنیوی خدمات دیکھ کر آپ کے عشاق میں نام درج کرانے کی آرزو رہی۔ ۲۰۱۹ء میں احقر جامعہ عربیہ چناب نگر میں تخصص کا طالب تھا، استاذِ مکرم مولانا رضوان عزیز صاحب دورانِ سبق حضرت علامہ صاحب کے واقعات وملفوظات سناتے رہتے تھے، ایک دن فرمایا کہ علامہ صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ مولوی رضوان صاحب! آپ کے والد عالم یا پیر ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو ایک عام دیہاتی مزدور کا بیٹا ہوں۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بات سنیں اور مانیں، یا آپ کا نام روشن ہو تو آپ کو خوب محنت کرنا ہوگی، کیونکہ آپ نہ تو کسی پیر کے بیٹے ہیں، نہ کسی مولوی کے۔ آج کل لوگ پیروں اور مولویوں کے بیٹوں کی بات تو بلا دلیل بھی مان لیتے ہیں، لیکن کسی دوسرے کی بات سننے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔

اللہ پاک علامہ صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام: بندہ مفتی لعل محمد مہر سومرانوی

خانقاہ سومرانی شریف تحصیل لکھی غلام شاہ ضلع شکارپور سندھ

مولانا محمد دانیال اقبال، میانوالی

امام اہل السنۃ کے قافلے کی دوسری شخصیت

جامعہ خیر المدارس ملتان میں ہمارے استاذ حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری صاحب دامت برکاتہم تھے، وہ فرماتے: طالبعلم تو وہ ہے جس کے ذہن میں ہر وقت چلتے پھرتے بیٹھتے علم کے علاوہ کچھ نہ چل رہا ہو، حضرت علامہ صاحب کی بھی ایک ہی دھن تھی کہ مجھ سے کوئی علمی سوال کرے اور کوئی بھی بات مشکل ہو تو پوچھ لے۔ ایک مرتبہ جامعہ صدیقیہ میر پور آزاد کشمیر تشریف لائے تو ہمارے مدرسہ کے کچھ طلبہ علامہ صاحب سے ملنے گئے، جب ملاقات ہوئی تو علامہ صاحب نے ان سے کہا: بیٹا آپ طالب علم ہو، کوئی سوال کرنا ہو یا کوئی کتاب سمجھ نہ آئی ہو تو پوچھ سکتے ہو، انھوں نے سوال کیا کہ اہل بدعت سورہ فیل کی آیت ''الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیل'' سے آپ علیہ السلام کے لیے حاضر وناظر کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں، تو علامہ صاحب نے فوراً اس کے جواب میں یہ آیتیں پڑھ دیں: ۱۔ الم یرو کم اھلکنا من قبلھم من قرن. [سورہ الانعام:٦] ۲۔ اولم یرو انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا. [سورۃ الرعد:۴۱]

خود مجھ پر ایک بیان سنتے ہوئے یہ عقدہ کھلا کہ علامہ صاحب صدیقی النسل ہیں، شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں: میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں، میں بھی صدیقی ہوں۔ [۲۱۹/۱]

حضرت ڈاکٹر صاحب کا مقام ومرتبہ:

حضرت علامہ صاحب اس سے بہت بلند ہیں کہ ہم انھیں کسی مقام ومرتبہ پر فائز کریں، ابھی آپ عنفوان شباب میں ہی تھے کہ ''علامہ'' آپ کے نام کے ساتھ لازم ہو گیا تھا، کبار اور جلیل القدر علماء آپ کو اسی نام کے ساتھ پکارتے تھے، لیکن میری نظر میں حضرت ڈاکٹر صاحب امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اسی منہج ومقام کے ہی شخص تھے، شاید میری اس بات سے کوئی اختلاف کرے، لیکن مجھے یہی حقیقت لگی، جس طرح امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع شخصیت تھے اسی طرح علامہ صاحب بھی جامع صفات رکھتے تھے، امام اہل السنۃ نے ہر باطل کو للکارا اسی طرح علامہ صاحب بھی ہر باطل کے خلاف برسرپیکار رہے۔

علامہ صاحب اور تصنیف کا میدان:

علامہ صاحب تصنیف کے میدان کے خوب شہسوار تھے، آپ کی تحریر میں تسلسل اتنا ہوتا تھا کہ دل کرتا ہے آدمی پڑھتا جائے اور چھوڑے نہیں، ردّ رفض اور دفاع صحابہ آپ کا خاص موضوع تھا، لیکن آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا، شمار کرنے والوں نے آپ کی تصانیف کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی ہے۔

علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا، آپ کی تحریر میں سنجیدگی اور اَدب کا اتنا خیال ہوتا ہے کہ مخالف کو گالیاں تو درکنار طنز و تشنیع کا بھی ذکر نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی اہل بدعت کے رد پر لکھی گئی گرانقدر تصنیف ''مطالعہ بریلویت'' کا ''محاسبہ دیو بندیت'' کے نام سے جواب لکھا جا رہا تھا، جس کی دو ہی جلدیں آئی ہیں، وہ پڑھ کر بندہ کانوں کو ہاتھ لگائے، جو جواب لکھا وہ بھی گالیوں سے معمور اور پرانے الزامات کے علاوہ کچھ نہیں۔ کہاں علامہ صاحب کا طرز تحریر اور کہاں یہ مجیب! خود بریلوی علماء اِس جواب کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ (دیکھیے: ۶۱۵/۲۔ [ادارہ])

آپ سے منسوب ایک کتاب ''مناظرے ومباحثے'' ہے جس میں آپ کے علماء کو پڑھائے گئے دروس ہیں، بہت سے نوجوان اس کتاب کو پڑھ کر مناظر بن گئے، خود مجھے بھی اس کتاب سے بہت فائدہ ہوا، اس کتاب کے متعلق جامعہ صدیقیہ میں ہی فرمایا تھا کہ: ''اس آدمی نے مجھ سے پوچھے بغیر یہ کتاب چھاپ دی ہے، اگر مجھ سے مشورہ کر کے چھاپتا تو میں کافی مزید اور مفید چیزیں شامل کرواتا۔'' لیکن اب کیا ہوسکتا ہے جو ہے اسی کو غنیمت سمجھا جائے، یہ تمام کتابیں اس لائق ہیں کہ ہر سنی مسلمان ان کو مطالعہ میں رکھے اور علماء طلبہ کے لیے تو از حد ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

آخر میں مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتا ہوں جو انہوں نے علماء کی مجلس میں فرمایا تھا کہ: ''اصل علم کتب ہیں، سماعت علم کا کمزور ذریعہ ہے۔''

علامہ صاحب اور تقریر ومناظرہ:

علامہ صاحب کا تقریر ومناظرہ کا میدان کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، آپ کی سینکڑوں تقاریر موجود ہیں جن میں آپ کا علم چھلکتا ہے، تصنیف کی طرح تقریر بھی خوب علمی اور مدلل ہوتی تھی، لیکن عام عوام کو سمجھانا آپ ہی کا کمال تھا، بات کو سمجھانے کے لیے تکرار یعنی بات کو بار بار دہراتے تا کہ ذہن میں بات خوب پکی ہو جائے، آپ نے غیر مسلموں کو دین اسلام کی دعوت بھی دی، بندہ کو ان کی متعدد تقاریر و بیانات سننے کا موقع ملا، آپ کے بیانات سے کئی اشکالات دُور ہو جاتے ہیں، آپ کے بیان کردہ نکات جو آپ ہی کا کمال ہے سن کر بندہ داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، آپ کے زیادہ تر بیانات دفاع صحابہ اور رد شیعہ پر ہیں، لیکن اگر آپ سیرت یا اتحاد امت کے موضوع پر تقریر کرتے تو اس موضوع کا حق ادا کرتے کہ مخالف بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا، اللہ عزوجل نے عجیب کمالات سے نوازا ہوا تھا، یہی حال آپ کا مناظرہ میں تھا۔

آپ کا ایک مناظرہ پڑھنے کا اتفاق ہوا جو جنوبی افریقہ میں مشہور شیعہ عالم آیت اللہ حسینی سے شیعی عقیدہ ''تقیہ'' کے موضوع ہوا تھا، جس کا علامہ صاحب اپنے بیانات میں ذکر بھی کرتے تھے، آپ شیعہ کی عبارات ایسے پڑھتے تھے گویا حافظ ہیں، شیعہ عالم بھی حیران و پریشان ہو جاتا تھا شیعہ عالم بار بار موضوع کو تبدیل کرتا یا ایک ہی بات کرتا یعنی اس کی پٹاری میں ایک ہی سکہ تھا۔ آخر کار چیئر مین مجلس نے حکم دے کر کہا کہ: بار بار ایک ہی بات کرنے کا کیا فائدہ؟ بعد ازاں نیا موضوع اختیار کیا گیا جو خمینی کی انبیاء کے متعلق عبارت تھی، شیعہ عالم نے یہاں بھی منہ کی کھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے خمینی کی

بلکہ تمام شیعہ کی گستاخیاں کھل کر سامنے آئیں جو عوام نے بھی خوب ملاحظہ کیں۔ اللہ کرے کوئی صاحب علامہ صاحب کے تمام مناظروں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کردے۔ (دیکھیے: ۱/۴۴۲) آخر میں علامہ صاحب کے چند انمول موتی ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے:

علامہ صاحب کی خواہش تھی کہ تبلیغی جماعت کے طرز پر ایسے افراد تیار کیے جائیں جو انفرادی محنت کر کے لوگوں کا ایمان بچائیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دفاع کریں، فرمایا کرتے تھے: میری خواہش ہے کہ طریقہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ہو، بولنے والے عام عوام ہوں اور علم مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہو۔

فرماتے کہ: شیعہ مناظر جب تمام موضوعات فدک، قرطاس وغیرہ میں لاجواب ہو جاتا ہے تو کہتا ہے: خلفاء ثلاثہ کا ایمان ثابت کرو! اس لیے کہ ایمان اندر کی چیز ہے جو بتائی نہیں جاسکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ خود بتادے یا اللہ بتائے؟ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے آخر میں فرمایا ہے: ''کل اٰمن باللّٰہ'' سب ایمان والے ہیں، سب میں خلفاء ثلاثہ بھی ہیں، اللہ نے کسی کی نفی نہیں کی، اللہ نے سب کو مومن کہا اور صحابہ نے حضور پر ایمان لاکر اپنا ایمان ظاہر بھی کر دیا۔

ایک مرتبہ مولانا ابوایوب قادری صاحب سے ملنے جھنگ جانا ہوا تو مولانا سے آزادانہ ماحول میں بڑی لمبی گفتگو ہوئی، دوران گفتگو ''اکابر کی تعیین'' کے متعلق سوال پر حضرت نے فرمایا کہ علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اکابر وہی ہیں جن کے المہند پر دستخط ہیں یا جو ان سے اوپر کے ہیں، ان سے نیچے کے حضرات اکابر میں شمار نہیں ہوتے۔'' ہاں لغوی طور پر تو سب کو اکابر کہا جاسکتا ہے۔

موجودہ مجالس ذکر پر بات چل پڑی تو مولانا ابوایوب قادری نے فرمایا: میں آج کل ان کی تردید پر بہت بیان کر رہا ہوں، علامہ صاحبؒ نے مجھے (قادری صاحب کو) فرمایا: اِن پر بیان نہ کیا کرو، ورنہ سب اپنے تیرے خلاف ہو جائیں گے۔ (یعنی اپنوں پرایوں سب کی مخالفت مول لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، اگر سب کی مخالفت برداشت کرنے کا حوصلہ ہو تو پھر تو فرض کفایہ ہے۔ اور اگر برداشت کی ہمت نہیں تو پھر خاموشی بہتر ہے۔) قادری صاحب فرماتے ہیں: میں نے پوچھا کہ: حضرت! آپ کا موقف کیا ہے؟ علامہ صاحب نے فرمایا: ''میں نے تو مولانا صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ (ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات) کی تصدیق کی ہے، میرا وہی نظریہ ہے جو انہوں نے لکھ دیا ہے۔ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس مولانا صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ان کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی چھپا تھا میں اس وقت درجہ موقوف علیہ کا طالبعلم تھا، مجھے وہ رسالہ حضرت مولانا مفتی انوراوکاڑوی صاحب دامت فیوضھم نے دیا تھا۔ (دیکھیے: ۲/۴۶۶......۲/۵۳۵......۲/۱۴۷۔ [ادارہ])

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت علامہ صاحبؒ کے مشن ومقصد پر کاربند رہنے اور اس کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)

محمد دانیال میانوالوی فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی نائب خطیب مجاہد فورس (پاکستان آرمی)

☆......☆......☆......☆

مقصود احمد ضیائی
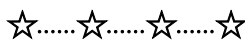
ایک عہد ساز شخصیت، بزم ہستی سے روٹھ کر خلد آشیاں ہوگئی

اس جہان آب وگل اور عالم رنگ وبو میں قدرت ایزدی کے کرشمہ ہائے بے شمار ہیں، یہ جہان مالک کون ومکاں وخالق ایں وآں کی قوت لامحدود کی عظیم جلوہ گاہ ہے، جہاں خالق کائنات کی تخلیق کردہ مخلوق روز وشب اپنی حیات مستعار گزارتی رہتی ہے اور پھر ہر ذی روح شئے اپنی زندگی کی متعینہ مدت پوری کر کے خس وخاشاک میں تبدیل ہوجاتی ہے، اس دنیائے جہاں میں جس طرف بھی نگاہ اٹھایئے ہر چیز خالق کائنات کی کاری گری کی عظیم شاہکار دکھائی دیتی ہے، لیکن یہ باغ وبہار وقت گزرتے گزرتے دیکھتے ہی دیکھتے خزاں رسیدہ ہوجاتا ہے، خالق کائنات کی تخلیق کردہ مخلوقات میں سے اشرف المخلوقات کائنات انسانی کے ساتھ بھی موت وحیات کا رشتہ جڑا ہوا ہے، تاہم حضرت انسان کا اختصاص یہ ہے کہ انسانوں میں سے بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جو بعد از مرگ بھی اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے بعد والوں میں زندہ وتابندہ رہتی ہیں، انہیں نصیبہ وروں کے کہکشانی سلسلہ کی ایک اہم شخصیت حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر خالد محمود (پی ایچ ڈی) لندن بھی تھے جو ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق: ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء، بروز جمعرات ماہ صیام کے مقدس ومتبرک ایام میں تاابد آسودہ خاک ہوگئے۔

اس ہستی تاباں کے بارے میں یہ بتانا ذرا مشکل ہے کہ ان کا نام سب سے پہلے کب سنا تھا، جب اس جانب خیال جاتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نامور ہستی ہمیشہ سے ہی معروف رہی ہے، مجھے ان کا تعارف ان کی معروف تصنیف ''مطالعہ بریلویت'' کے ذریعے ہوا تھا جو ان کی دیگر تصانیف کے حصول کا سبب بنی، آپ ستر کی دہائی میں انگلینڈ چلے گئے تھے اور زندگی کا اکثر حصہ انگلینڈ میں ہی گزارا، انہوں نے مختلف محاذوں پر کام کیا اور ہر محاذ کی صف اول کی قیادت میں رہے، مناظر ہونے کی وجہ سے وہ مشہور ومعروف تھے، مطالعہ بریلویت علامہ کی مشہور ومعروف کتاب ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے،[آ] علامہ مرحوم ملت بیضا کی شمع تھے، ان کے وصال سے ایک روشن چراغ گل ہوگیا ہے، علامہ صاحب کے وجود سے دنیائے علم میں جو رونق تھی وہ سونی پڑ گئی، ان علماء کی بساط کم وبیش خالی ہوگئی جو حرکت وعمل دعوت وعزیمت اور فکر وخیال کی ایک اپنی منفرد تاریخ رکھتے تھے، علامہ ڈاکٹر خالد محمود مرحوم صدی پر محیط عرصہ اس دنیائے آب وگل میں رہے مگر قدرت نے ان سے اپنے دین کی بڑی خدمات لیں، مرحوم حوصلہ مندی، عالی ہمتی، جوش اور شوق فراواں دل کے پیکر تھے۔

آپ نے اس وقت ختم نبوت پر کام شروع کیا کہ جب چند شخصیات ہی اس کام میں لگی تھیں علامہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حکم پر آپ نے ۱۹۵۳ء میں ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت'' جیسی مایہ ناز کتاب تصنیف کی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور حکیم

(آ) مطالعۂ بریلویت کے تعارف کے لیے دیکھیے: ۱/ ۴۱۳، ۵۵۴، ۶۲۷ تا ۶۲۹...... ۵۹۹/۲، ۶۳۸، ۶۰۲۔ [ادارہ]

الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ اپنی مجالس میں علامہ صاحب کی کتب کے نکات سے سامعین کو بھی محظوظ فرماتے تھے، آپ قدیم و جدید فکر و فلسفہ کے بھی شناور تھے، ان کی دینی خدمات سے مشرق و مغرب کے مسلمان مستفید ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ شیخ الجامعہ الاشرفیہ کے اصرار پر دورۂ حدیث کے طلبہ کو مؤطا امام مالک کا درس دینے میں صرف کرتے، علامہ صاحب کا درس علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوا کرتا تھا، جس سے آپ کے درس میں بیٹھنے والا ہر طالب علم صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر پختگی ہی حاصل نہیں کرتا تھا بلکہ تمام تر باطل فرقوں کا رد بھی قرآن وسنت کے عقلی ونقلی دلائل کے روشنی میں کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ حاصل کر لیتا تھا۔ حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر خالد محمود صاحب مرحوم کی بلند و بالا علمی شخصیت اپنے مقام علم وعمل اور اپنے ہمہ جہت مطالعہ کے لحاظ سے دنیا بھر کے اصحاب علم وفضل کے درمیان ایک بے حد ممتاز ترین اور نمایاں ہستی کی مالک تھی۔

حضرت علامہ صاحب انتہائی سیال حافظہ کے مالک اور نکتہ سنج بھی تھے، آپ کی بے پناہ علمی صلاحیت کا اہل علم کا ایک بڑا حلقہ معترف رہا ہے، علامہ صاحب کو دیکھنے اور پرکھنے والوں کو اس بات کا بھی بخوبی اعتراف تھا کہ ان کی دینی وعلمی جدوجہد کسی مصلحت کا قطعاً معاملہ نہ تھا، بلکہ یہ جذبۂ خدمت ان کے خون میں جاری وساری تھا جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں قدرت نے لوہے کو موم کر دیا تھا (**والنا له الحديد**) بعینہ ان کے لیے یہ کام قدرت نے سہل کر دیئے تھے، آپ دل دردمند اور زبان ہوش مند کے عظیم پیکر تھے۔

حضرت علامہ صاحب نے ساری زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزاری، ردِ فرق باطلہ میں بالخصوص انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خاص بات یہ کہ آپ کا تعارف آپ کے اساتذہ کرام نے کرایا۔ چنانچہ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ آپ کے تعارف میں فرماتے تھے کہ: قادیانیت کے رد میں ڈاکٹر خالد محمود مرزا کی کتابوں کی ایسے عبارتیں پڑھتے ہیں جیسے یہ مرزا کی کتابوں کے حافظ ہوں۔ حضرت مولانا رسول خان ہزاروی جو علامہ انور شاہ کشمیری کے ہمعصر تھے وہ آپ کے علم کا اعتراف کرتے تھے اور آپ کی باتیں مجمع عام میں بیان کیا کرتے تھے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جس کتاب پر علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کا نام آجائے اس کتاب کی حقانیت کے لے اتنا ہی کافی ہے۔ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ علامہ خالد محمود صاحب کو موجودہ وقت کے سب سے بڑے عالم دین گر دانتے تھے۔

علامہ صاحب کا عرصہ حیات اس دنیائے آب وگل میں لگ بھگ ایک صدی پر محیط ہے، آپ سے قدرت نے بڑی خدمات لیں جوان کے جذبہ اسلامی، سوز دروں، جہد مسلسل اور عمل پیہم کی منہ بولتی تصویر ہے

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود

ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ ایسا کارنامہ ہیں جو انمٹ نقوش کا کام دیں گے

تلک آثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود علیہ الرحمہ کا بذریعہ سوشل میڈیا یہ پیغام سننے کو ملا وہ فرماتے تھے کہ: ''ردقادیانیت کے سلسلے میں ہمیں سب سے زیادہ سپورٹ کشمیر کی طرف سے حاصل ہوئی، محدثین میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ تھے کہ جو صدر المدرسین تھے دار العلوم دیوبند کے، لیکن چونکہ وہ تھے کشمیری اس لیے اس کا کریڈٹ ان کو جاتا ہے، مناظر جو قادیانیوں کے مقابلے میں تھے وہ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمہ تھے جو اصلاً کشمیر ہی کے تھے، شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال جنہوں نے اپنی جگہ مفکرانہ سدا بلند کی وہ بھی کشمیر کے تھے۔'' فرمایا کہ: اگر ہم ''کشمیر کے لوگوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں اور ان کے لیے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار نہ ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تاریخ کی اس خدمت کو جو ختم نبوت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے پہچانا ہی نہیں، صداقت کو جانا ہی نہیں اور جو نہ جانے وہ کیا جانے کہ پروانے کی سدا کیا ہوتی ہے۔''

مختصر یہ کہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود مرحوم ایک جید عالم دین محدث فقیہ اور مناظر تھے ملت اسلامیہ جو ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ختم نبوت کے اہم سپہ سالاروں میں سے تھے اس دور قحط الرجال میں ایسے لوگ ناپید ہیں جو اہل باطل کا مدلل اور خوش اسلوبی کے ساتھ جواب دینے کا سلیقہ رکھتے ہوں لیکن ڈاکٹر صاحب کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

ہمدرد قوم وملت علامہ ڈاکٹر خالد محمود تو واصل بحق ہو گئے ہیں اب آں مرحوم کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے اور ان کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اس ملت پر ہے ان کے چاہنے والوں پر ہے

خلوص و ہمت اہل چمن پہ ہے موقوف
کہ شاخ خشک میں پھر سے برگ و بار آئے

ع ایں دعا از ما واز جملہ جہاں آمین باد ☆☆☆☆

محمد عمر خان نواسہ سید امین شاہ صاحبؒ مخدوم پور

ڈاکٹر علامہ خالد محمود پی ایچ ڈی لندن علمی دنیا کا ایک روشن ستارہ تھے۔ آپ کی تصانیف حق وصداقت کے روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے علمی طور پہ فرقہ باطلہ کا تعاقب تا حیات جاری رکھا۔ آپ کے دلائل کی قوت اپنے تو اپنے اغیار بھی تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مناظرہ کے جوہر بھی ہیں، علم کی چاشنی بھی ہے، ایمان کا نور بھی ہے، معرفت کی چمک بھی ہے، اخلاص کی کشش بھی ہے، صداقت کا وقار بھی ہے، جرأت کا نقش بھی ہے، عزیمت کا استقلال بھی ہے، شرافت کا تقدس بھی ہے، غیرت کا نشان بھی ہے، حریت کی مشعل بھی ہے، للّٰہیت کا عروج بھی ہے، مذہب کی حقانیت بھی ہے، مسلک کی خدمت بھی ہے، نظر کا فروغ بھی ہے، اہل سنت کا دفاع بھی ہے، اہل بدعت کا رد بھی ہے، رفض کا سد باب بھی ہے، بے ادبی پر تنقید بھی ہے، قادیانیت کا مقابلہ بھی ہے، افکار باطلہ پر چوٹ بھی ہے الغرض ہر اس شخص کے لئے جو سعادت، ہدایت، دیانت، صداقت، عظمت اور عدالت کے راستے پر چلنے کا متمنی ہو مکمل زاد راہ موجود ہے۔ ☆☆☆☆

مفتی محمد اظہر [بانی ومدیر مرکز دعوت وتحقیق جھنگ]

علامہ خالد محمود صاحبؒ کا ذوقِ تحقیق

کائناتِ رنگ وبو میں بے شمار ہستیاں آئیں اور آتی رہیں گی، یہ آنے جانے کا سلسلہ روز اول سے چل رہا ہے ،اور چلتا رہے گا۔ یہ دنیا دار الفناء ہے، آخرت کا جہاں دار البقاء ہے۔اس فانی جہان سے ہر کوئی رخصت ہو جائے گا،مگر کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے دل یہ چاہتا ہے کہ وہ تا صبح قیامت زندہ رہتیں اور امت ان سے استفادہ کرتی رہتی، انہی مقدس شخصیات کی عظیم مالہ میں پروئے جانے والے انمول موتی سلطان المناظرین، امام المحققین استاذ مکرم علامہ خالد محمود صاحبؒ تھے، جو اچانک ہم سے الوداع ہوئے اور ہم سب کو یتیم کر گئے۔ بزم علم وتحقیق سونی ہوگئی، وعظ ونصیحت کے وہ پیرائے جو ہر خاص وعام کے لیے مشعل راہ تھے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے۔آپ کی حیات طیبہ ہمہ جہت اوصاف وخصائل حمیدہ سے مرقع تھی، دین کے مختلف شعبوں میں خدمت کرنے والے اہل علم وفضل آپ کے وجود کو امت مسلمہ کے لیے باعث رحمت سمجھتے تھے۔آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے جہاں فن مناظرہ میں انوکھی دسترس عطا فرمائی تھی، وہیں آپ بھر پور استقامت کے ساتھ تصنیف وتالیف میں اس قدر ید طولی رکھتے تھے، کہ بہت سارے مصنفین کی تصانیف اہل علم کے ہاں اس وجہ سے مقبول ہوئیں کہ ان پر حضرت علامہ صاحبؒ کے وقیع مقدمات موجود ہیں۔آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو منظر عام پر لانے کے لیے مجلّہ ''صفدر'' فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے میدانِ عمل میں اترا، اور اس عظیم کاوش پر مجلہ صفدر کے تمام ذمہ داران بالخصوص برادر مکرم مولانا محمد حمزہ احسانی صد تحسین کے قابل ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

علامہ صاحبؒ کا مزاجِ قلندرانہ:

آپؒ کی زیارت سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کے ہاں فتح مباہلہ کانفرنس پر ہو چکی تھی ،لیکن استفادہ کی خواہش جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا کے ہفت روزہ تقابل ادیان کورس میں پوری ہوئی ،گویا آپ سے تلمذ کا پہلا موقع تھا،علم وفضل کے بحر بیکراں نے سب طلبہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا،قرآن مجید کی آیت مبارکہ ''**وللآخرة خير لک من الاولی**'' آپ کا ہر بعد والا لمحہ پہلے لمحے سے بہتر ہے۔تقریباً تین گھنٹے اس ایک آیت پر آپ نے اس قدر جامع درس دیا کہ تمام فرقہائے باطلہ وضالہ کا رد بھی ہوتا جارہا تھا، اور ایمان بھی تازہ ہو رہا تھا۔اس کے بعد کئی مواقع پر آپ کی زیارت سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ میں تواضع وبے نفسی حد درجہ تھی،لباس وپوشاک میں حد درجہ سادگی تھی، اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کو کسی عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جس کی طرف ہمہ وقت متوجہ ہیں اور اس کو پورا کیا جارہا ہے۔باقی آرائش وتعیش دور دور تک آپ کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔

علامہ صاحبؒ کا ذوقِ تحقیق:

آپؒ کی زندگی کا ایک طویل حصہ استاذ محترم سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کے ساتھ گزرا، آپؒ عمر بھر ان کے علمی معاون رہے، آپ کی طبیعت میں بے شمار چیزیں قابل رشک تھیں لیکن زیر نظر مضمون میں آپ کے ذوقِ تحقیق کے حوالے سے چند گزارشات ضروری سمجھتا ہوں، قحط الرجالی کا دور ہے، قرب قیامت کی وجہ سے علماء ربانیین اٹھتے جارہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اب بھی علماء اور فضلاء کی کوئی کمی نہیں ہے، کمی صرف اس بات کی ہے کہ امت اور معاشرے کو جس علاج کی ضرورت ہے، اس علاج کے اطباء میسر نہیں آرہے۔ سنی سنائی باتوں پر نہ صرف اکتفاء کیا جارہا ہے بلکہ ان کو عوام کے سامنے بڑی بے باکی سے پیش کر کے دادِ تحسین بھی حاصل کی جارہی ہے۔ یہ وہ روگ ہے جس کی وجہ سے اس شجر سایہ دار کی چھاؤں میں مسلسل کمی آنا شروع ہوگئی ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے ہمیشہ اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جس عنوان پر بھی آپ نے قلم اٹھایا اس کی تہہ تک پہنچے، کسی بھی موضوع پر رطب ویابس کا جمع کر کے ضخیم مسودہ تیار کر لینا کوئی کمال نہیں ہے، نہ ہی ایک آدھ تحقیقی مضمون لکھنے سے کوئی محقق بن جاتا ہے، بلکہ تحقیق ایک ایسا وصف ہے جب کسی شخص کو نصیب ہوتا ہے تو وہ ''پہلے تولو پھر بولو'' کا ایسا مصداق نظر آتا ہے، کہ اپنی ہر چیز کو تحقیق کی چھانی میں چھانتا ہے، اور جب کسی شخص کا یہ مزاج بن جائے تو پھر اس کی تصانیف وتالیف سے لے کر وعظ ونصیحت، درس قرآن سے لے کر درسِ حدیث تک حتیٰ کہ عام مجلس بھی اس قدر قابل اعتماد اور باحوالہ ہوتی ہے کہ ان مجالس کو بھی بطور حوالہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

علامہ صاحب موصوفؒ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا، تمام عمر اسی مشغلے میں گزاری، ہفت روزہ ''دعوت'' کی ادارت سے لے کر مانچسٹر اکیڈمی کی نگرانی تک آپ مسلسل تحقیق کی وادیوں سے گزرتے گئے، اور امت سے دعائیں حاصل کیں، ''مطالعہ بریلویت'' سے لے کر ''عظمت الاصحاب فی تفسیر ام الکتاب'' تک یہ طویل سفر ایسے انوکھے پیرائے میں طے کیا، کہ آج وہ نشانِ راہ ونقش پا منزل کو پانے کیسے لیے مکمل راہ نمائی کررہے ہیں۔ جب بھی کسی فرقِ باطلہ کی طرف سے کوئی اعتراض اٹھتا، تو سب کی نظریں آپ کی شخصیت پر جاٹھہرتیں۔

اصحاب قلم کی حوصلہ افزائی:

جو شخص جس وادی سے گزرتا ہے، اسے اس راہ کی دشواریوں کا نہ صرف اندازہ بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلم سے تعلق رکھنے والے ہی اصحاب قلم کی مشکلات کو سمجھتے ہیں۔ آپؒ نے تمام عمر یہ فریضہ بھی بخوبی نبھایا کہ اصاغر کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے، اور ان کی کمی وکوتاہی کی بھرپور نشاندہی فرمائی، علماء وطلبہ کو اس کی ترغیب وتشویق دیتے رہے، مختلف موضوعات پر لوگوں کو تیار کیا، لیکن اس سب میں جس بات کا غلبہ آپ کی ذات پر رہا، وہ یہ تھی کہ احقاقِ حق اور ابطال باطل میں بڑی بڑی جماعتوں کو متوجہ کرنے کے باوجود خود کو بھی میدانِ عمل میں ایسا اتارا کہ آخر دم تک قلم آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ مختلف نفیس موضوعات پر آپ کی زبان وقلم پیرانہ سالی میں رواں رہے۔

زندگی کے آخری ایام بھی تحقیق پر وقف نظر آئے:

گزشتہ سال کے آخر میں آپؒ حسب معمول جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو پڑھانے تشریف لائے، اس سال طبیعت میں نقاہت حد درجہ تھی، لیکن پھر بھی صحیح بخاری کتاب الایمان اور پھر مؤطا امام مالکؒ کی تدریس فرماتے رہے، راقم بھی وقتاً فوقتاً آپ کے درسِ حدیث میں حاضر ہوتا تھا۔ اور آپ کے تمام درس کی املاء بھی محفوظ کرتا رہا، لیکن آپ کی رہائش گاہ پر ملاقات کی ترتیب نہ بن سکی۔ بالآخر ۱۷ر جنوری ۲۰۲۰ بروز جمعۃ المبارک مغرب کی نماز کے بعد آپ کی رہائش گاہ پر جامعہ اشرفیہ میں عزیز القدر مولوی زین الدین متعلم دورۂ حدیث شریف کے ہمراہ حاضر ہوا، استقبالیہ میں موجود معزز علماء کرام سے شناشائی نہ ہونے کی وجہ سے کافی دیر بیٹھے رہے، عشاء کے قریب برادر مکرم مفتی عزیز الحسن صاحب سلمہ سے تعارف ہوا، انہوں نے نماز عشاء کے بعد ملاقات کی ترتیب بنائی۔ آپؒ نماز کی تیاری کر کے باہر نکلے۔ آج عجیب وغریب منظر تھا، کہ شاگردوں اور رفقاء نے سہارے دیے ہوئے تھے، سماعت حد درجہ متاثر تھی، بہ مشکل گاڑی میں بٹھایا گیا۔ اور نماز بھی بیٹھ کر ادا فرمائی، آپ کی طبیعت کو دیکھ کر دل چاہ رہا تھا، کہ صرف زیارت پر ہی اکتفا کر لیا جائے تاکہ حضرت کو تکلیف نہ ہو، لیکن مفتی عزیز الحسن صاحب نے نماز کی طرف جاتے ہوئے کچھ بتا دیا تھا، جس کی وجہ سے ملے بغیر جانا بے ادبی تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد کمرے میں واپس تشریف لائے، سادگی اور تواضع کا عجیب مظہر، رفقاء کے سہارے کرسی پر بٹھائے گئے، اور چشم فلک بھی اس بوڑھے محقق کی طرف نگاہیں ٹیکے ہوئے تھی، کہ جو صدی کے لگ بھگ دفاع صحابہؓ وعقائد اہل سنت پر احقاق حق اور ابطال باطل کی ذمہ داری پوری کر چکا ہے۔ اس کی طلب اور امت کے درد کا یہ عالم ہے، کہ رفقاء نے آنکھوں پر چشمہ لگایا، اور آپ نے ''عظمت الکتاب فی تفسیر ام الکتاب'' کے مسودہ پر نظر ثانی اور تصحیح شروع فرما دی۔ سبحان اللہ! اس پیرانہ سالی میں بھی بڑے انہماک سے مسودہ دیکھ رہے ہیں، تھوڑا توقف کیا اور تبادلہ احوال ہوا، مفتی عزیز الحسن صاحب ترجمانی کر رہے تھے، راقم کے بارے میں بتایا کہ پہلے جھنگ میں تدریس کرتا تھا اب لاہور آیا ہے۔ تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے: ''بہت اچھا ہوا وہاں سے چھوڑ کر آیا ہے تو اب ترقی کر جائے گا۔''

اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ یہ مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنویؒ کے ''النجم'' پر کام کر رہے ہیں، مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کا نام سنتے ہی آپ کی طبیعت میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شاید عہد رفتہ کی وہ یادیں آنکھوں میں پھرنے لگی ہوں، جب امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے ساتھ پاکستان کے دورے میں آپ بطور خادم ساتھ رہے تھے، اور تکوینی طور پر آپ کو فکر لکھنویؒ کا ترجمان بنایا جا رہا تھا۔

وہ لمحات نظروں سے اوجھل نہیں، ایک غلام بے دام کے ہاتھ اپنے استاذ کے ہاتھوں میں تھے، اور اپنی تصانیف اور تحقیقات کے حوالے سے ایک ناکارہ خادم کو بتاتے ہوئے خوش ہو رہے تھے، راقم نے عرض کیا؛ کہ مدح صحابہؓ پر حق تعالیٰ شانہ نے آپ سے انوکھے انداز میں کام لیا ہے۔ تجلیات آفتاب کا نیا ایڈیشن دکھایا، کافی دیر یہ مجلس جمی رہی، رفقاء سے فرمایا کہ اس کا فون نمبر

لکھ لو اور اپنے ساتھ کام میں شامل رکھنا۔ نا کارہ اپنی بے مائیگی کے باوجود اساتذہ کے حسن ظن کی بناء پر اللہ کا شکر گزار ہے، حق تعالی شانہ ہمیں اپنے اکابر کے ساتھ نتھی رہنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں:

آہ! ابھی تو بزم سجی تھی، ابھی تو کارواں میر کارواں کی سر پرستی میں چلا تھا، آپ کو اچانک برطانیہ واپس جانا پڑ گیا، دو دن بعد آپ لاہور سے چلے گئے، ہم پُر امید تھے کہ دوبارہ مارچ میں تشریف لائیں گے۔ لیکن ۱۲ مئی کو آپ کی صحت کی ناسازی کی خبر نے بے چین کر دیا، بالآخر ۱۴ مئی بروز جمعرات اس جانکاہ خبر سے دل پارہ پارہ ہو گیا، کہ سلطان المناظرین، **امام المحققین** محقق اہل سنت حضرت العلام علامہ خالد محمود صاحبؒ دار فانی سے دار بقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قارئین گرامی قدر! ایسی ہستاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، آج امت مسلمہ مختلف فتنوں کا شکار ہے، اس کے لیے اسی جذبہ خالد کی ضرورت ہے، کہ احقاق حق اور ابطال باطل میں اپنا ٹھوس مطالعہ کر کے امت کے پیدا ہونے والے اس خلا کو پُر کیا جائے۔ آپ دنیا سے رخصت ہوئے، لیکن آپ کے علوم اور مزاج و مذاق رخصت نہیں ہونے چاہییں، دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے خود بھی آگے بڑھتے رہنے کی کوشش جاری رکھی جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں دوسروں کی حوصلہ افزائی کا ولولہ بھی عطا فرمائے، اور خود کو بھی اسی جذبہ کے ساتھ قلم تھامے چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آج بھی افراد کی کمی نہیں، استعدادوں کا فقدان نہیں، کاش! اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے ہم میں سے ہر ایک وہ کردار ادا کرے جو علامہ صاحبؒ نے ادا کیا۔

☆......☆......☆......☆

ڈاکٹر احسان الرحمٰن عثمانی، مدیر ماہنامہ العصر پشاور، جامعہ عثمانیہ پشاور

مجھے حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شرف تو حاصل نہ ہوا تھا، تاہم آپ کی تحریرات و تحقیقات اور بعض خطابات سننے سے استفادے کے کئی مواقع ہاتھ آئے۔ موصوف کو حق تعالی نے تحقیق کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ نے جہاں کہیں بھی کوئی جدید فکر یا حالات کے حوالے سے کوئی تجزیہ پیش کیا ہے تو کبھی بھی اسے اپنے ذاتی زاویہ خیال سے نہیں بلکہ سلف صالحین اور اکابر اہل علم کی طرف منسوب کر کے کیا ہے۔ عصر حاضر میں بہت سے لوگ نت نئی تحقیقات کے نام پر جو دین کا حلیہ بگاڑنے بیٹھے ہوئے ہیں، ایسے ماحول میں آپ کی یہ ایک نمایاں عظمت تھی کہ اپنے اساتذہ اور شیوخ کی نسبت سے دین اسلام کی اشاعت میں حصہ وافر حاصل کیا۔ قدرت نے اس کے طفیل آپ کو تمام مکاتب فکر میں خوب مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ عصر حاضر کے بیشتر فتنوں کے تعاقب میں اور بالخصوص تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت میں آپ کی مدلل وکالت، حاضر جوابی اور مد مقابل کو ان کے اپنے خیالات و افکار ہی میں اپنے دعوے کا ثبوت فراہم کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ امید ہے کہ جو دینی معرکے انہوں نے لڑے ہیں وہ تمام آپ کے بارگاہ الٰہی میں قرب اور رحمتوں میں ڈھانپنے کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆

مولانا عبداللہ اسد، بورے والا

ایک عبقری شخصیت

سیدنا حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی رکھتا ہے اُسے دین کا فہم عطاء کرتا ہے (الحدیث)۔

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ کا واضح اعلان ہے کہ بے شک علماء ہی اللہ سے خشیت وخوف رکھتے ہیں۔ دنیا میں بہت کم ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کا نام تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے۔ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ صاحب سے کون واقف نہیں؟ آپ کے علمی کمالات و فیوضات سے مشرق ومغرب میں روشنی پھیلی۔ آپ بیک وقت مبلغ، مفسر، مدرس اور مناظر تھے۔ آپ نے ساری زندگی احقاق حق وابطال کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ آپ جامع العلوم شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکِ اعتدال پر سختی سے کاربند تھے۔ رمضان المبارک (۱۴۴۱ھ) میں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ نے لاکھوں جو بندگانِ علم کو یتیم چھوڑ کر جنت مکانی فرمائی۔ موت العالم، موت العالم کے آپ حقیقی مصداق تھے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

علامہ صاحبؒ کا وصال علم وحلم، تدبر وحوصلہ، جرات وشجاعت اور عقل ودانش کی ایک طرح موت ہے۔ اللہ آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

کچھ شک نہیں کہ آپ کا تعلق حلقہ علم ودانش سے تھا۔ پاکستان کے علمائے دین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ نے دینی و دنیاوی علوم میں مہارت حاصل کی تھی۔ آپ نے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ ابتداء میں مرے کالج سیالکوٹ میں پروفیسر بھی رہے۔ تحریک ختم بنوت میں آپؒ کی خدمات کا احاطہ ناممکن ہے۔ آپ تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے دفاع صحابہؓ واہل بیتؓ کا فریضہ خلوص سے سرانجام دیتے رہے۔ ملک کے طول وعرض میں آپؒ نے تحفظ ناموس رسالتؐ، دفاع صحابہؓ، اور دفاع مسلک اہل سنت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے قلمی جہاد سے باطل یلغاروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہفت روزہ ''دعوت'' نے رفض وبدعت اور الحاد کا سیلاب روکا۔ یہ رسالہ تنظیم اہل سنت نے آپ کی ادارت میں جاری کیا تھا۔ آپ نے عیسائیت، قادیانیت، غیر مقلدیت، بریلویت اور اسلام کے بدترین دشمن روافض کا جرات سے مقابلہ کیا۔ باطل یلغاریں جب پاکستان میں بے بس ہوگئیں تو یورپ میں سر اٹھانا شروع کردیا۔ آپ ۱۹۶۶ء میں انگلستان چلے گئے تاکہ فتنہ وفساد کی سرکوبی کی جاسکے۔ آپ نے عظیم مبلغ ہونے کی حیثیت سے عظمت اسلام کی صدائیں بلند کیں اور اشاعتِ حق کا زبردست فریضہ سرانجام

دیا۔آپ بین الاقوامی شہرت کے حامل اور مایہ ناز مصنف تھے۔

ردِ قادیانیت میں آپؒ مناظر ختم نبوت حضرت مولانا منظور چنیوٹیؒ کے شانہ بشانہ تھے۔ردِ رفض میں آپؒ علامہ دوست محمد قریشیؒ، مولانا سید نورالحسن شاہ بخاریؒ، مولانا عبدالستار تونسویؒ کے ہم نوا تھے۔آپؒ نے حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کے مشن کی آبیاری کی یہی وجہ ہے کہ حضرت لکھنویؒ کے مشن کی آبیاری کی ہی وجہ ہے کہ حضرت لکھنویؒ کے جانشین حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی دامت برکاتہم العالی آپ کے نہایت عقیدت مند تھے۔

آپؒ نے بلند پایہ اکابرین سے تعلیم وتربیت اور فیض حاصل کیا۔علم الکلام میں آپ حضرت کاندھلویؒ کی ہو بہو تصویر تھے۔آپ کے تفسیری افادات بہت زیادہ مقبول ومعروف تھے۔آپؒ کی شخصیت جامع العلوم تھی۔ ہر موضوع پر وسیع مطالعہ تھا اس کا اندازہ آپ کے افادات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔قائدِ اہل سنت حضرت قاضی مظہر حسینؒ آپؒ کے بڑے مداح تھے۔حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند آپؒ کی کمال شخصیت کے ہمیشہ سے معترف رہے۔آپؒ کا تعلق قرونِ اولیٰ سے لگتا ہے مگر شاید کسی قافلہ علم و دانش سے بچھڑ کر ہمیں مستفیض کرتے رہے۔ایک صدی سے چند برس کم آپ اس فانی دنیا میں حیات رہے۔آخر ۱۲ارمئی ۲۰۲۰ءکو آپؒ مانچسٹر میں انتقال کر گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

علامہ صاحبؒ کو خدا نے افہام وتفہیم کا جو ملکہ عطاء کیا تھا اس سے آپؒ پیچیدہ مسائل کو چٹکی میں حل کر دیتے تھے۔جس موضوع پر گفتار ہوتی ایسے لگتا کہ شاید ان کا خاص موضوع ہی یہی ہے۔مگر یہ کثرت مطالعہ اور آپ کی فراست کے سبب تھا۔ختم نبوت کے جلسوں میں آپ مسئلہ نبوت، رفع ونزول مسیحؑ اور مرزا قادیانی کا دجل وفریب اس انداز سے بیان کرتے کہ سامعین اش اش کر اٹھتے۔عوامی سطح پر آپؒ مثالوں کے ذریعے بات اس طرح بیان کرتے کہ مقصد بھی پورا ہو جاتا اور لطف وسرور کی فضاء بھی پیدا ہو جاتی۔آپ کے تفسیری خطبات اور دروس القرآن ابھی حال ہی میں کتابی صورت میں طبع ہوئے ہیں۔آپؒ کے چند بیانات کافی عرصہ پہلے کتابی شکل میں بنام ''خطبات خالدؒ'' چھپ چکے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے محرم میں آپ نے ایک سیریز میں تقریباً ۱۰ رخطبات بنام ''کربلا اور شہادت حسینؓ'' ارشاد فرمائے جو معتدل تاریخ اور اس حوالے سے اکابرین کے مسلک ومشرب کی وضاحت کرتے ہیں یہ خطبات افراط وتفریط سے پاک ہیں۔جدید دور کے تقاضوں کے تحت انہیں نشر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے فدک، مسئلہ خلافت وامامت، انسان کی حقیقت، مقام صحابہؓ، حرمت ماتم، توحید وشرک، ایمان و عمل، معجزہ کیا ہے؟ حفاظت قرآن، حیات عیسیٰؑ، وحی کا نزول، تاریخ متعہ، سفر معراج، حقیقت نبوت، حجیت حدیث، تقدیر، اختلافِ امت، آدمؑ اور ابلیس، حقیقتِ کفر وشرک، بدعت کی مذمت، حقانیت اہل السنۃ والجماعۃ، تقلید واجتہاد، سنت و بدعت جیسے لاتعداد موضوعات پر اہم مفصل خطبات دیے جو میڈیا پر بھی نشر ہوئے اور علماء عوام کے لیے لاجواب تحفہ ہیں۔

مناظروں اور مجادلوں کی روداد شروع سے چلی آرہی ہے مگر اصل معنوں میں مناظر بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ اہل باطل کا مقصد فریق مخالف کی ہتک کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر باطل مناظرین اِدھر اُدھر کی ہانک کر وقت کا ضیاع کرتے ہیں، مگر علامہ صاحب کا خاص طرز تھا۔ آپؒ فریق مخالف کو نہ موضوع سے ہٹنے دیتے تھے اور نہ راہِ فرار کا موقع دیتے تھے۔ بے شروع سے ہی علامہ صاحب فنِ مناظرہ میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ آپؒ نے بے شمار مناظرے کیے اور باطل کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ آپؒ نے عیسائیوں، قادیانیوں، پرویزیوں، بریلویوں اور روافض و منکرین تقلید سے کامیاب مناظرے کیے۔

علامہ صاحبؒ عیسائیت کے مقابلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ڈاکٹر وزیر خانؒ علامہ آل حسن نہانی اور ولی اللہ حافظؒ جیسے بے باک اور جید مناظرین کی حیثیت رکھتے تھے۔ چونکہ کثیر المطالعہ اور حاضر جواب تھے، اس لیے عقلی ونقلی دلائل سے فریقِ مخالف کو لاجواب کر دیتے۔ عیسائیت پر جب بات کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ سامنے حضرت کیرانویؒ بیٹھے ہیں اور ''اظہار الحق'' پڑھی جارہی ہے۔ جو حضرت کیرانویؒ کی مایہ ناز تصنیف ہے اور عیسائی دنیا کے لیے زہر قاتل ہے۔ ایک دفعہ ایک پادری مناظرے میں کہنے لگا کہ خدا تین ہیں کوئی ایک ثابت نہیں کر سکتا۔ علامہ صاحبؒ نے سادہ مگر منہ توڑ جواب دیا ارشاد فرمایا کہ تین میں سے ایک تو ہمارا، باقی دو کے ہم منکر ہیں، لو ثابت ہو گیا۔ پادری یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اس کی مزید ہمت نہ ہوئی۔

علامہ صاحبؒ ہرفن مولا تھے اس لیے حضرت نانوتویؒ کی طرح ہر فتنے سے ٹکراؤ لینا جانتے تھے۔ عیسائی پادری تثلیث، کفارہ، نبوت محمدی پر مناظرہ کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں تا کہ تحریفِ بائبل سامنے نہ آئے۔ جب عیسائیت کا ماخذ ہی تحریف شدہ ہے تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ پادری تحریف کو مانتے ضرور ہیں، مگر کاتب کی غلطی کا نام دے کر جان چھڑاتے ہیں۔

فتنہ قادیانیت کے مربیوں سے علامہ صاحبؒ کے یادگار مناظرے ہوئے۔ آپؒ ان مناظروں میں مربی حضرات کو ایسا لاجواب کرتے کہ دوبارہ سامنے آنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا تھا۔

علامہ صاحبؒ کے روافض کے ساتھ بھی کامیاب مناظرے ہوئے۔ علامہ صاحبؒ کا اوریئنٹ ہال ڈربن ساؤتھ افریقہ میں رافضی آیۃ اللہ الحسینی ایرانی سے فیصلہ کن مناظرہ ہوا جس میں ایرانی مناظر کو شکست فاش ہوئی۔ اس کا موضوع تقیہ تھا جو اصل میں منافقت کا دوسرا نام ہے۔ اس مناظرہ کی مکمل کاروائی بنام ''تقیہ نہ کیجیے''۔ حافظ عرفان عالم صاحب فاضل اشرفیہ نے مرتب کی اور اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر نے اسے طبع کیا۔ اس مناظرے کے بعد ایرانی مناظر کو ایرانی مجتہدین کے مشورے سے واپس بلالیا گیا اور سفارت خانے کو ہدایت کی کہ مسلمانوں سے عقائد پر چھیڑ چھاڑ نہ کریں یعنی تقیہ کریں۔ [ص:۱۲] (۱/۴۴۲)

منکرین حدیث، منکرین تقلید، اہل بدعت وغیرہ کے ساتھ بھی علامہ صاحبؒ کے کامیاب مناظرے ہوئے۔ بخوفِ طوالت ان کی تفصیل سے گریز کیا جاتا ہے۔

جہاد بالقلم زمانہ قدیم سے ہی علوم کی نشر واشاعت کا ذریعہ رہا ہے۔ علامہ صاحبؒ نے قلمی جہاد کے ذریعے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے ملفوظات سے نوازا۔ آپؒ کا اسلوب تحریر دلکش وممتاز ہے۔ جملوں کی بناوٹ میں حُسن کی روشنی آفتاب کا کام دیتی ہے۔ علامہ صاحبؒ نے متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور رہتی دنیا کے لیے قیمتی جواہرات عنایت کر گئے۔

علامہ صاحب کی جامعیت:

ماضی میں حضرت نانوتویؒ کی شخصیت جامعیت کا مکمل نمونہ تھی۔ آپؒ نے احقاق حق کے لیے مختلف مذاہب کے لوگوں سے فیصلہ کن مناظرے کیے۔ مباحثہ شاہ جہان پور ایک انمول مثال ہے اس کے علاوہ آپؒ دوسرے علوم میں بھی مہارت نامہ رکھتے تھے۔ علامہ صاحبؒ کے معاصرین میں جامع العلوم شخصیات میں امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ تھے۔ ان شخصیات کی زبانی کئی بار علامہ صاحبؒ کی تعریف سنی۔ علامہ صاحبؒ ردِ قادیانیت کے سلسلے میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی اور ردِ بدعت والحاد کے سلسلے میں حضرت اوکاڑویؒ کے ساتھ اکثر مناظروں میں نظر آتے ہیں۔ آپؒ کے پاس ابطال باطل کا خاص گُر تھا۔ عقل ونقل سے مسئلے کی یوں وضاحت کرتے کہ سامعین کی تشنگی ختم ہو جاتی۔ ملحدین کے اشکالات وشبہات کو براہین قاطعہ سے دور کرتے۔ عبقات جلد دوم میں نظریہ وحدت ادعیان کی علمی اور تحقیقی تردید واضح مثال ہے۔ خیر کوئی بھی میدان ہو علامہ صاحب پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کی تالیفات سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کی محققانہ تصنیفات ہمیشہ علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

علامہؒ موصوف نے ساری زندگی ختم نبوتؐ، دفاع صحابہؓ واہل بیتؓ، دفاع مسلک اہل سنت اور تردید فرقہ ھائے باطلہ میں صرف کرنے کے ساتھ ساتھ مسلک اعتدال پر بسر کی۔ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو اِس دور کا سب سے بڑا عالم فاضل سمجھتے تھے۔

آپؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھری، علامہ دوست محمد قریشیؒ، علامہ عبدالستار تونسویؒ، مولانا محمد نافعؒ، مفتی محمودؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ کے سلسلے کی ایک زبردست کڑی تھے۔ آپؒ تو خالقِ حقیقی سے جا ملے اور خدا تعالیٰ کی ہمیشہ ہمیشہ رحمت کے سائے میں سکونت اختیار کی اب ہماری ذمہ داری آپؒ کی خدمات سے کماحقہ فائدہ اٹھا کر آپؒ کے عظیم مشن کی تکمیل ہے۔ اللہ علامہ صاحبؒ کو فردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور ہمیں مسلکِ اعتدال پر دائم وقائم رکھے۔ آمین۔ ☆☆☆☆

خرم شہزاد صدیقی، پھالیہ

مفکر اسلام **رئیس المحققین** حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہ کی وفات سے علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پر ہوتا نظر نہیں آ رہا، آپ کی دینی خدمات قابل تحسین وقابل قدر ہیں، ساری زندگی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور ناموس صحابہ واہل بیت کے دفاع کے لیے متحرک رہے، جلسوں میں تقریریں کی، میدان مناظروں میں مناظرے کیے، دلائل کے ساتھ تمام فتنوں کا تعاقب کیا اور باطل کو ہمیشہ علامہ صاحبؒ کے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط دلائل کے سامنے رسوا ہونا پڑتا، مسلک اہل سنت دیوبند کے حقیقی معنوں میں علمی ترجمان تھے۔ اللہ پاک اُن کی دینی خدمات کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے، اور اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

محمد صبیر شمسی، متعلم جامعہ دارالتقویٰ لاہور

علامہ صاحب کی یاد میں

اس عالم کون و مکان میں شروع دن سے ہی حق و باطل کی معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری ہے۔حضرت آدم علیہ السلام رشدوہدایت کے آفتاب بن کرآئے تو دوسری طرف شیطان ان کے مقابلہ میں کفروضلال کا سب سے بڑا داعی تھا۔

خالق کائنات نے جہاں ہدایت کے دستوروقانون کے طور پر کتابیں نازل فرمائیں وہیں ان قوانین کی تشریح وتنفیذ کے لیے رجال کار بھی بھیجے تھے۔اِن رجال کار یعنی حضرات انبیاء کرام **علیهم التحية والسلام** نے جہاں اشاعت حق کے لیے جدوجہد کی وہیں دفاع وصیانت حق کے لیے بھی کوشاں رہے۔گویا انبیاء کرام بشمول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنیادی طور پر دو کام ہوا کرتے تھے،ایک اشاعت دین،دوسرا صیانت دین یعنی جہاں ان کی کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ پیغام ربانی امت کے ایک ایک فرد تک پہنچ کر اس کی زندگی کے سُدھار کا باعث بنے وہیں ان کی صلاحیتیں اس دین حق کے روشن چہرہ پر پڑنے والی تشکیک وتضلیل کی دھول صاف کرنے میں بھی صرف ہوتیں۔اس مقصد کے لیے مناظرہ کی نوبت آئی تو وہ بھی کیا اور اگر فریق مخالف معاند تھا یا دلیل سے حق کو سمجھنے سے قاصر تھا تو دعوت مباہلہ بھی دی۔چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مناظرہ (سورۃ شعراء:۱۵۔۲۸)،حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ ومباحثہ (سورۃ بقرۃ:۲۵۸) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیسائیوں کو دعوت مباہلہ (آلِ عمران ۶۴) خود قرآن کریم میں مذکور ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہؓ میں بھی ایسے راسخ فی العلم حضرات موجود تھے جن میں ایسی جامعیت تھی کہ مسند درس پر بیٹھے تو معارف نبوت کے موتی بکھیرتے نظر آئے اور تشنگان علم نے اطراف واکناف عالم سے جوق در جوق ان کے حلقہ درس کا قصد کیا اور اپنی پیاس کو بجھایا اور یہی لوگ انتصارِ حق اور دفاع دین متین کے میدان میں اُترے تو باطل پرستوں کے تمام عقائد ونظریات کو دلائل براہین کے بے خطا ہتھیاروں سے چکنا چور کردیا۔اور فضائے آسمانی میں ان کی ایسی دھجیاں بکھیریں اور ان کے بخیے ایسے ادھیڑے کہ دنیا بھر کے رفوگران کو ملا نہ سکے۔

جن دلوں پر شکوک وشبہات کی دبیز تہیں جم چکی تھیں کفروضلال کے خول ان پر چڑھ چکے تھے،وہ ایمان ویقین کی کھلی فضاء میں سانس لینے لگے۔ان حضرات نے فتنوں کا قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔اس سلسلہ میں ترجمان القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہؓ بن عباس کا خوارج سے مناظرہ مشہور ومعروف ہے اور اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطل پرستوں کو موقع بموقع دندان شکن جوابات دینا بھی کتب احادیث اور تاریخ میں ملتا ہے۔اسی طرح اُمتِ محمدیہ علی صاحبها الف الف تحية میں وارثانِ علوم نبوت میں ایسے جامع افراد ہر دور میں رہے ہیں،جو بیک وقت اشاعتِ دین اور صیانتِ دین

دونوں میدانوں کے شاہ سوار تھے۔اس کام کے لیے جس قدر استقامت وجرات، تحمل وصبر پیہم کی ضرورت ہے، قدرت نے ان میں ودیعت فرمادیا تھا۔انہوں نے پھر بڑے بڑے علمی فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔انہی چند ہستیوں میں سے ایک شخصیت اس صدی کی نابغہ روزگار ہستی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کی تھی۔آپ کا شمار اس لشکر کے ہراول دستہ کے شاہسواروں میں تھا۔قدرت نے آپ کا انتخاب دین حق کی نصرت کے لیے کیا تھا اور بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں ذہانت وفطانت، قوت حافظہ اور حاضر جوابی سے استعارہ تھی۔مشکل سے مشکل مسئلوں کو چٹکیوں میں حل کردینا، بَلا کا افہام وتفہیم آپ ہی کا خاصہ تھا۔

آپ کی تقریرات وتحریرات آشیانہ باطل پر برق آسمانی بن کر گرتی تھیں، آپ کا وجود اہل باطل کے لیے شمشیر بے نیام تھا۔فاطر ہستی نے آپ کو فتنوں کے سیل رواں کے سامنے کسی مضبوط بند کے طور پر چن لیا تھا۔آپ اس دور میں یقیناً اس حدیث مبارکہ کے مصداق تھے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تصریف الغالین انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین۔[مشکوٰۃ شریف کتاب العلم]** جس کا مفہوم یوں ہے کہ اس علم کو ہر آنے والے دور میں معتبر لوگ حاصل کریں گے، وہ اس سے حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریف کو، باطل پرستوں کی دروغ گوئی کو اور جاہلوں کی تاویل کو مٹاتے رہیں گے۔

قادیانیت، رافضیت، رضاخانیت، ترک تقلید، انکارِ حدیث، عیسائیت غرض کہ ہر فتنے کا آپ نے ہر سطح پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کا بھرپور تحفظ کیا۔

آپ نے نوے برس سے زائد عمر پائی اور ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزار دی۔کتابیں لکھیں، بیانات کیے، مناظرہ کے میدان سجائے، اپنے مشن کے لیے ملکوں کے سفر کیے۔بظاہر آپ بوڑھے تھے لیکن جذبہ جوان تھا، سینے میں کسی شیر کا دل تھا۔آپ کا بڑھاپا کبھی آپ کے ارادوں کی تکمیل میں حائل نہ ہوسکا۔حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک بڑی خوبی اور کمال یہ تھا کہ اہل باطل کے اشکالات تو اکثر وہی پرانے ہوتے تھے، مگر علامہ صاحبؒ سابقہ جوابات سے ہٹ کر آسان اور عام فہم جواب ارشاد فرمائے۔مثلاً حدیث: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** کے متعلق ایک اصولی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ یہ حدیث فضائل کے باب میں ہے نہ کہ عقائد کے باب میں، لہٰذا اس سے کوئی عقیدہ گھڑنا درست نہیں، اور اس وجہ سے بھی کہ عقیدہ تو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص سے ثابت ہوتا ہے۔جب کہ یہ روایت تو ضعیف بھی ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ حدیث میں وارد لفظ ''مولیٰ'' سے اگر حاکم کا معنی مراد لیا جائے جیسا کہ روافض لیتے ہیں تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ لفظ دو دفعہ مذکور ہے۔ایک مولیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اور دوسری سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات، تو حاکم والے معنی مراد لینے کی صورت میں بیک وقت دو امیر اور حاکم تسلیم ماننے پڑیں گے۔جو کہ مستبعد ہے جب کہ مولیٰ کا وہ معنی مراد لیا جائے جو اہل سنت نے لیا یعنی ''دوست ومحبوب'' تو اس میں کوئی خرابی نہیں کہ ایک وقت

دونوں کی محبت کو جمع کیا جاسکتا ہے۔تو حدیث سے حاکم اور امیر کے معنی مراد لینا درست نہیں کیونکہ الفاظ حدیث تو تعدُّد کے متقضی ہیں جب کہ ہر مذہب تَوحُد کو چاہتا ہے۔تو یہ ایسی عام فہم بات ہے کہ ہر کوئی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور شاید متقدمین کی طرف سے اس انداز میں یہ بات نہ سمجھائی گئی ہو۔

اسی طرح حضرت علامہ صاحبؒ کی فطانت اور حاضر جوابی کا ایک اور واقعہ یاد آیا جو میں قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ایک دفعہ لاہور میں شمس الدین نامی ایک قادیانی سے علامہ صاحب کا مناظرہ ہو رہا تھا، علامہ صاحب کی مضبوط گرفت کے نتیجے میں وہ بوکھلا گیا اور اس نے جلدی جلدی سامنے کھلی کتابیں بند کرنا شروع کر دیں تو علامہ صاحب نے جلتی پر تیل چھڑکنے کے لیے یہ آیت پڑھ دی: "**اذا الشمس كورت.**"اس کا نام شمس الدین تھا تو اس کی طرف اشارہ تھا۔

بندہ کو حضرت علامہ صاحبؒ سے عقیدت اور نیازمندی حاصل ہے، اگرچہ ان سے ملاقاتیں دو تین ہی ہوئیں لیکن ان کے کارناموں کے تذکرے بہت سنے، ان کی تقریریں بھی سنیں، جس وجہ سے شروع ہی سے حضرت علامہ صاحبؒ سے عقیدت اور ملاقات کا اشتیاق رہا۔

پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب بندہ کی عمر پندرہ سولہ برس تھی۔ یہ ۲۰۱۱ء کی بات ہے، جب علامہ صاحب لاہور عامر ہوٹل میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔اس وقت استقبالیہ میں حضرت علامہ صاحب کی زیارت اور مصافحہ کا شرف حاصل ہوا تھا۔اور وہ منظر اب بھی نظروں میں ہے کہ استقبالیہ کے سامنے دیوار پر بڑا سا فلیکس آویزاں تھا جس پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کا علمی شجرہ درج تھا۔اور علامہ صاحبؒ چلتے چلتے رک کر نظر اٹھا کر اسے بغور دیکھتے رہے۔یہ ملاقات بس اتنی سی ہی تھی۔

اس کے بعد مدرسہ میں آجانے کے بعد اپنے اساتذہ اور علماء کی زبانی علامہ صاحب کے کارنامے اور ان کی مسلکی خدمات کا تذکرہ سننے کو ملتا جس سے ان سے ملاقات کا شوق مزید بڑھتا رہا۔دوسری مرتبہ زیارت اور ملاقات کا موقع شاہدرہ لاہور میں علامہ صاحب کے مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ ولایت میں ہوئی جب کہ یہ ہمارا مدرسہ میں خامسہ کا سال تھا۔علامہ صاحب کا بیان بھی سنا۔اس جلسہ کا عنوان حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کی شخصیت تھی۔

علامہ صاحب کے بیان فرمودہ نکات میں سے ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ حدیث ''خیر القرون قرنی'' میں لفظ ''قرنی'' میں خلفاء راشدین کی ترتیب کی طرف اشارہ موجود ہے۔''ق'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی کے آخری حرف ''قاف'' کی طرف جب کہ ''ر'' سیدنا عمرؓ اور ''ن'' سیدنا عثمان غنیؓ اور ''ی'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسماء گرامی کی طرف مشیر ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی باہمی مشاورت میں سے یہ بھی ہے کہ جس طرح نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسینؓ بن علیؓ وقت کی ایک ناحق حکومت سے ٹکرا گئے اور اپنے موقف پر اتنے مضبوطی سے جمے کہ خود کو قربان کروا دیا اسی طرح نواسۂ صدیق حضرت عبداللہ بن زبیر بھی وقت کے ایک ظالم و جابر حکمران حجاج بن یوسف سے ٹکر لی اور اسے خلیفہ تسلیم نہ کیا۔اسی جرم کی پاداش میں ظلماً شہید کر دیئے گئے۔علامہ صاحب نے حضرت ابن زبیرؓ کی والدہ سیدہ

اسماءؓ کا جب ایمان افروز واقعہ سنایا کہ وہ کس طرح اپنے فرزند کو جرأت و ہمت کا سبق پڑھا رہی تھیں اور شہید ہو جانے کی ترغیب دے رہی تھی تو علامہ صاحب نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''ایک ماں میں نے بھی دیکھی ہے'' یہ کہہ کر کچھ سکوت فرمایا اور آبدیدہ ہو گئے، پھر گویا ہوئے کہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، شاید کسی بڑے کے ساتھ جلسہ میں گیا تھا جہاں مجاہد تحریک خلافت مولانا محمد علی جوہرؒ تقریر فرما رہے تھے اور پیچھے ان کی والدہ پردہ میں موجود تھیں، اور یہ نعرہ مستانہ لگ رہا تھا۔

کہتی ہے اماں محمد علی کی

جان بیٹا خلافت پہ دے دو

اسی بیان میں علامہ صاحب نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ افریقہ میں میرا ایک قادیانی سے مناظرہ ہوا اور وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت ہمیں پہنچی۔ اتنا کہہ کر علامہ صاحب نے اسٹیج پر موجود مولانا الیاس چنیوٹی صاحب دامت برکاتہم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کے والد گرامی مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب بھی میرے ہمراہ تھے، جب تک وہ حیات تھے وہ اس واقعہ کے گواہ تھے میں سنا دیا کرتا تھا لیکن اب میرا کوئی گواہ نہیں رہا تو اب نہیں سناتا، مجمع کے اصرار پر علامہ صاحب واقعہ سنانے پر راضی ہو گئے اور فرمایا کہ اس قادیانی کا دعویٰ تھا کہ مرزا قادیانی اس صدی کا مجدد ہے اور میں کہتا تھا کہ نہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس صدی کے مجدد ہیں۔ اس پر اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ کیا دلیل ہے ان کے مجدد ہونے پر؟ علامہ صاحب نے فرمایا کہ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں مجمع کے بیچ سے اچانک ایک سیاہ فام شخص ہاتھ میں ایک کتاب لے کر نمودار ہوا اور اس نے مجھے پکڑا دی۔ کتاب کے سرورق پر عنوان تھا ''**المجددون**'' میں نے کتاب کھولی تو چودھویں صدی کے مجدد کا نام اس میں حضرت تھانویؒ کا درج تھا۔ میں نے کتاب کا حوالہ قادیانی مناظر کو دکھا دیا۔ اور پھر وہ کتاب اسی سیاہ فام شخص کو واپس کر دی۔ کتاب لے کر وہ شخص مجمع کی طرف جا کر اچانک نظروں سے غائب ہو گیا۔ علامہ صاحب فرمانے لگے کہ آج تک میں نہیں جان سکا وہ کتاب کیا تھی اور وہ شخص کون تھا؟ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد تھی۔ (دیکھیے: ۳۴۴/۱، ۵۹۶/۱)

راقم الحروف کی آخری ملاقات حضرت علامہ صاحبؒ سے سادسہ کے سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوئی، جب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ظہر کے بعد تکرار سے رخصت لے کر ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علامہ صاحب نے تعارف کے بعد ہم سے مختلف علمی سوالات قرآن کریم سے متعلق پوچھے پھر خود ہی ان کے جوابات ارشاد فرمائے۔ اسی دوران آپ نے ہمیں اپنی ایک تازہ تالیف ''مختصر دورہ تفسیر قرآن'' کا تعارف کروایا اور مدارس دینیہ میں سالانہ تعطیلات میں مروجہ ''دورہ تفسیر'' پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا۔

حضرت نے بتایا کہ اس کا خاکہ تو میرے ذہن میں پہلے سے تھا پھر ہندوستان کے مولانا سالم قاسمیؒ صاحب سے بھی مشاورت ہوئی تو انہوں نے اس کام کو میرے ہی سپرد کر دیا۔ چنانچہ کتاب پر ان کی تقریظ بھی موجود ہے۔ علامہ صاحب نے اس کتاب میں قرآن کریم کے ہزارہا مضامین کو ایک تعلیمی مقصد کے لیے بیس بڑے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جیسے کتاب التوحید،

کتاب الایمان، کتاب الکفر والالحاد اور کتاب المنافقین وغیرہ۔

ان ابواب کے تحت کچھ ذیلی عنادین قائم کر کے قرآنی آیات کی نشاندہی کر دی ہے اور ہر عنوان کے ذیل میں کچھ ایسی اصولی باتیں ذکر کر دی ہیں، جن پر غور کرنے سے بہت سی گمراہیوں کے دروازے خود بند ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب کے دوسرے جزو میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کو قرآن کے قریب کرنے کے لیے مختصر لغات القرآن کے نام سے عربی گرائمر کے سولہ اسباق تیار کر رہے ہیں جن کے پڑھ لینے سے قرآن کریم سے اجنبیت جاتی رہتی ہے۔ شائقین علوم قرآن کے لیے علامہ صاحب کی طرف سے یقیناً یہ ایک قیمتی تحفہ ہے جس سے علماء وطلباء کے علاوہ عصری فنون کے حاملین بھی برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۷۲۶......۱/۶۵۲......۲/۱۶۹......۲/۷/۳۱۷۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سے متعلق ایک اور اہم بات بھی ہے جو یہاں ذکر کر دی جائے تو ان شاء اللہ قارئین کے لیے خاص کر علامہ صاحبؒ کے تلامذہ اور معتقدین کے لیے مفید ہوگی۔ بندہ نے یہ بات اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا نعیم الدین صاحب زید مجدہ سے سنی، لہٰذا انہی کی زبانی نقل کی جاتی ہے۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ نے صفہ ٹرسٹ مؤنی روڈ لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ تقابل ادیان کورس کے آخری بیان میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی جب کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ بھی موجود تھے۔ فرمایا تھا کہ میری ساری زندگی مناظروں میں گزری ہے۔ طویل تجربات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اب مناظرے نتیجہ خیز ثابت نہیں رہتے، بلکہ اکثر بدمزگی کا باعث بن جاتے ہیں۔ لہٰذا اب مناظروں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کی جگہ تقریر اور خطابت کا فن سیکھنا چاہیے۔ اس سے عوام کو اپنا موقف کھل کر اچھی طرح سمجھانا چاہیے۔ اب میں تو یہی کرتا ہوں۔ مثل مشہور ہے: "**سل المجرب ولا تسئل الحکیم**" تجربہ کار لوگوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ علامہ صاحبؒ تو اس میدان کے آدمی تھے، پون صدی سے زیادہ کا عرصہ اس میدان میں گزارا ان کی یہ بات اپنے بعد آنے والوں کے لیے یقیناً سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات وکارنامے تو اس قدر ہیں کہ شمار کرنا مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو وہاں کی راحتیں نصیب فرمائے اور ان کے اخلاف کو اسلاف کا حقیقی جانشین بنائے۔ یہاں حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کا شعر یاد آ رہا ہے اسے لکھ کر اپنی بات مکمل کرتا ہوں

؎

بھولے ہیں نہ بھولیں گے نفیس اہل محبت
کچھ اہل دل و اہل نظر یاد رہیں گے

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہوگئی

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

دنیا کی زندگانی عارضی ہے، حقیقی زندگی تو آخرت کی ہے، اس دنیا میں آنا ہی واپس جانے کی تمہید و دلیل ہے، دنیا اور آخرت کے درمیان موت ایک آڑ، ایک دیوار یا ایک پل ہے، موت کے ذریعہ ہی آخرت کی دائمی نعمت سے سرفرازی ہوتی ہے؛ اس لیے موت من جملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اسی کے ذریعہ سے رب کا مقرب بندہ اس کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے، انسان چاہے کتنا ہی بڑا ہو موت سے دوچار ضرور ہوگا، کسی کے مرنے کے بعد اس کے دوست، احباب اور متعلقین کو صدمہ ہونا بھی انسانیت کا تقاضا ہے، جس سے جتنا تعلق ہوتا ہے اس کی جدائی اتنا ہی ستاتی ہے اور دل کو تڑپاتی ہے، آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کے افادے کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہوتا ہے۔ وفات کے بعد غم واندوہ سے دوچار ہونے والے بھی اسی قدر کثیر ہوتے ہیں، اور محبت کی قیمت بھی جدائی کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

۱۴ رمئی بروز جمعرات، ۲۰ ررمضان المبارک امام المتکلمین رئیس المحققین امام اہل سنت مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بھی ایک دو نہیں ہزاروں، لاکھوں افراد رنج وغم اور تکلیف وکسک سے دوچار ہوئے۔ مرحوم کی وفات صرف ان کے شاگردوں، خاندان، اہل وعیال کے لیے حادثہ نہیں ہے؛ بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے یہ ایک بڑا حادثہ ہے ؎

اے خطہ فردوس کے راہی تو پلٹ آ
رحلت پہ تری غلغلہ آہ و فغاں ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے صلاح وتقوی، اذکار واوراد، دعا وانابت، تدبر وتفکر، دیانت وامانت، تحمل وبردباری، تواضع، ہم دردی وغم خواری، قدردانی وخوردہ نوازی وغیرہ جیسی بلند وبالا صفات میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام کے حامل تھے، وہ ایک سچے معلم ومدرس، مئولف ومصنف تھے، خود ان کی شخصیت ان کے اسلوب درس کی طرح مختلف پھولوں کے عطر کا مجموعہ، اہل دل کے دلوں کی تپش، شب گداز، شعروادب کے قلم کا ساز، اہل فکر وعمل کا ذوقِ جستجو اور مجاہدین کی روح عمل یہ سب کچھ ان کی ذات میں اس طرح جمع ہوگیا کہ ان کی شخصیت سب سے منفرد اور سب سے ممتاز ہوگئی تھی، اس میں جامعیت بھی تھی اور اعتدال بھی، جمال بھی تھا اور کمال بھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بیشمار کمالات وخوبیوں سے نوازا تھا، وہ جہاں ایک تبحر صاحبِ نظر عالم، دیدہ ورفقیہ، عظیم محدث ومفسر، صاحبِ طرز ادیب، اور بے مثال معلم ومدرس تھے، وہیں عملی دنیا میں زہدوتقوی، انابت الی اللہ، تواضع وانکساری، حلم وبردباری، بے نفسی وخداترسی، رحم دلی وہمدردی جیسی عظیم ملکوتی صفات ان کی ذات میں اس طرح پیوست تھیں جیسے گلوں میں خوشبو، آفتاب میں روشنی اور بندگانِ خدا سے الفت ومحبت، یہ سب صفات اس عظیم شخصیت میں پائی جاتی تھیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ مجسم عبادت وریاضت، زہد واستغنا اور خوفِ آخرت اور خشیت الٰہی کے پیکر، صلاح وتقوے کے ماہتاب، اسلاف کی پاکیزہ روایتوں کے امین، جادہ عشق ووفا کے بے باک پاسبان اور ہمہ گیر شخصیت تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر بہت سی خصوصیات اور کمالات کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا، حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علامہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سرشار رہتے، کھانے پینے میں، لباس اور وضع قطع میں سنتوں کا خیال فرماتے، آپ کی زبان سے نکلے ہوئے جملوں پر اور قلم سے لکھے گئے حروف پر عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگی ہوئی تھی۔

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پُر اسرار

آپ رحمۃ اللہ علیہ سے راقم الحروف کو ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں ہوا البتہ آپ کے بیانات سوشل میڈیا کے ذریعے بارہا سننے کا موقع ملا۔ آپ کی نجی محفلیں ہوں یا پندونصائح کی محفلیں جب زبانِ حق کھلتی تو وہ علمی جواہر پارے بکھیرتے کہ آنکھیں خیرہ اور دل ششدر رہ جاتے۔

جس طرح ذہانت وفراست اور تعلیم وتعلم میں مولانا کی ایک انفرادی شان تھی اسی طرح تحریر وتقریر میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ کے قلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی روانی عطا کی ہوئی تھی کہ آج ہر موضوع پر آپ کے کتب پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ ہمیشہ چھوٹوں سے محبت وشفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ کی محفل میں بیٹھنے والے ہر ایک شخص کے دل میں آپ کی محبت پیوست ہو جایا کرتی تھی کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

کتب احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ آپ کے پاس آنے والا ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زیادہ محبت کرتے ہیں، یہی حال حضرت مولانا کا تھا آنے والے سے مسکرا کر ملتے تھے، اس کی تواضع فرماتے تھے، مولانا کی پوری زندگی ورع وتقوی، عزم واستقلال اور زہد واستغنا سے عبارت تھی، دنیا اور متاعِ دنیا کی طرف کبھی آپ کی نگاہ نہیں اٹھی، مال ودولت، جاہ ومرتبہ کی ذرا بھی محبت آپ کے دل میں نہیں تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا صاف ستھرا اعلی ادبی ذوق، فکر کی گہرائی، تخیل کی بلند پروازی، قلب کا سوزِ دروں وہ عطیہ الٰہی ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، آپ نے خداداد لیاقت وصلاحیت، مطالعہ کی وسعت، علم کی گہرائی وگیرائی کے ساتھ ساتھ خیال کی

انفرادیت، جملوں کی فصاحت، الفاظ کی بلاغت، جاں نواز متنوع پیرایہ بیان، اسلوب کی طرح داری، طرزِ ادا کی جادو بیانی، خوبصورت تشبیہات اور عمدہ استعارات سے مرقع تحریروں کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ تحریر وتقریر کے میدان میں زبان وقلم کے اصول وضوابط اور اس کے اسرار ورموز کے علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شناور تھے۔انہوں نے فرقہ ہائے باطلہ کے رد میں عرب وعجم میں نمایاں کتب لکھی ہیں۔آپ تحفظ ختم نبوت کے بے لوث سپاہی اور عالم اسلام کے ایک عظیم محقق ومصنف وعلمی شخصیت کے مالک تھے۔آج قضاوقدر کے فیصلے سے دنیا اگرچہ آپ کے جسمانی سایہ سے محروم ہوگئی لیکن ان شااللہ آپ کا علمی سایہ پوری ملت وامت پر تادیر قائم رہے گا۔

علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے خدمات قابل فخر ہیں اور ان کی زندگی علماء کے لیے اور بالخصوص خدام تحفظ ختم نبوت کے لیے مشعل راہ ہے۔انہوں نے پوری دنیا میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ختم نبوت پر حملہ آور فرقوں، جماعتوں اور شخصیات کے ردوتعاقب میں نیز عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے علمی وقلمی میدانوں میں مثالی کارنامے انجام دیئے ہیں جو بلاشبہ حضرت مرحوم کے لیے آخرت کا توشہ اور خدائے عزوجل کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

جب حضرت مولانا خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سنی تو ایسا محسوس ہوا کہ شاخِ گل سے پھول ٹوٹ کر گر گیا، ایک مردِ صالح رخصت ہوا، انھوں نے بڑی جاں فشانی اور خلوص کے ساتھ تا دمِ آخر دینِ متین کی خدمت کی ے

تیرے بغیر رونق دیوار ودر کہاں شام وسحر کا نام ہے شام وسحر کہاں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے اس محبوب بندے کو بے پایاں رحمتوں اور نوازشات سے سرفراز فرما، جنت الفردوس میں انبیاء، شہداء وصالحین کی معیت عطا فرما، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہم لوگوں کو توفیق نصیب فرما (آمین یارب العالمین بحرمۃ سیدالانبیاء والمرسلین)

☆......☆......☆......☆

مولانا ظہیر محمد، گلگت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صرف زیادہ حدیثیں یاد کرنا یا بہت باتیں کرنا علم نہیں تا وقتیکہ خوفِ خدا نہ ہو۔(معارف القرآن) حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ بھی انہی علمائے حق میں سے ایک ہیں جو علم میں رسوخ کے ساتھ ساتھ خدا خوفی اور معرفت الٰہی کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔بعض علماء کرام سے بندہ نے سنا کہ: مولانا خالد محمود صاحب وقت کے امام اعظم ہیں۔اگرچہ بندہ کو بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تاہم بندہ نے اپنی کتاب ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات بینات کی روشنی میں'' کی تالیف کے دوران آپ کی کتب مثلاً ''عبقات'' اور ''تجلیات آفتاب'' سے خوب استفادہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمادیں (آمین)

ظہیر محمد نگران شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت

مولانا اسد اللہ خان (ا)

ایک محقق عالم دین اور بہترین مصنف

بندہ نے درس نظامی کی مکمل تعلیم تبلیغی مدارس میں حاصل کی ہے، جہاں کا ایک خاص نظام تعلیم ہے، جس میں بنیادی تعلیم کی پختگی پر مکمل توجہ دی جاتی ہے اور طلبہ کو خارجی کتابوں کے مطالعہ سے سختی کے ساتھ روکا جاتا ہے۔ تبلیغی مدارس کے اصول کے مطابق سالانہ چھٹیوں میں طلبہ چلہ لگاتے ہیں۔ غالباً ۱۹۹۹ء میں درجہ ثالثہ کے سال میرا پہلا چلہ لگا تھا اور خانیوال تشکیل ہوئی تھی۔ اس وقت میری عمر پندرہ یا سولہ سال تھی۔ خانیوال میں جن مساجد میں ہماری تشکیل تھی وہ بریلوی حضرات کی تھی۔ ایک مسجد میں امام مسجد نے جماعت میں چلنے والے طلبہ کو اپنے پاس بلایا، ان کی تپائی پر ایک موٹی سی کتاب ''جاء الحق'' رکھی تھی، انہوں نے ہمیں پیار بھرے لہجے میں بتایا کہ تمہارے اکابرین جیسے مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ سب گستاخ رسول ہیں، یہ ان کی کتابوں کی عبارتیں ہیں۔ مجھے ان کے بتانے سے پہلے یہ باتیں بالکل بھی معلوم نہ تھیں۔ جس ماحول میں ہم نے چار پانچ سال پڑھا تھا، کبھی دیوبندی، بریلوی اختلافات کا ذکر نہیں آیا تھا۔ نیز مذکورہ اکابرین کے بارے میں روزمرہ مدرسے کے ماحول میں تواتر کے ساتھ ایسے تذکرے سنے تھے کہ ہمارے دلوں میں مذکورہ بالا حضرات کی بے پناہ عقیدت تھی۔ جب اُس بریلوی عالم نے بعض عبارات کو سامنے رکھ کر یہ دعویٰ اپنے تئیں مدلل کر دیا کہ اکابر علماء دیوبند گستاخ رسول ہیں، تو میرے دِل میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ اس تشکیل میں میرے ساتھ میرے بھائی مفتی رحیم داد صاحب بھی تھے، جو اگر چہ میرے ہم کلاس تھے، لیکن اللہ تعالی نے انھیں حاضر جوابی کا ہنر دیا تھا، چنانچہ انھوں نے اسی کتاب ''جاء الحق'' سے ان کو جواب دیا کہ دیکھیں اس عبارت میں غور کریں، اس کا درست مطلب یہ ہے۔ اور پھر مجھے بھائی نے بتایا کہ تم پریشان نہ ہو، اس کے جوابات پر ہمارے اکابر نے کتابیں لکھی ہیں۔

تشکیل ختم ہونے کے بعد مجھے اس کے جوابات کے لئے کتابوں کی تلاش کا شوق ہوا، اور پھر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی کتاب ''عبارات اکابر'' ہاتھ لگی۔ اس کتاب کو بار بار پڑھا، اور اس کے بعد حضرت امام اہل سنتؒ کی تمام کتابیں خرید کر پڑھیں، بعض کتابیں تو دس مرتبہ سے بھی زیادہ پڑھیں۔ اس کے بعد بریلوی دیوبندی متنازعہ مسائل، اسی طرح اہل حدیث اور مماتی حضرات سے متعلقہ متنازعہ مسائل کے بارے میں کوئی قابل ذکر کتاب مطالعہ سے نہیں رہی تھی۔ اسی دوران حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ سے بھی تعارف ہوا، اور ان کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ میری ایک عادت ہے کہ جو مصنف مجھے پسند آجائے میں اس کی تمام کتابیں اور تحریرات بالاستیعاب پڑھتا ہوں۔ حضرت علامہ صاحب کی کتب سے بھی اُن اعتراضات کی قلعی خوب کھلی، جو اہل بریلی نے اکابر اہل سنت دیوبند پر کر رکھے ہیں۔

(ا) مدرس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ پشاور

علمی وتنقیدی کتابوں کے پڑھنے کا فائدہ:

حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت علامہ صاحبؒ کی کتابوں کے مطالعہ سے کافی فوائد حاصل ہوئے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مذکور بالا حضرات کا طرز تحریر نہایت علمی تھا، ہر فن کے مستند مراجع کی طرف ان کو رسائی حاصل تھی، حوالہ جات کا اہتمام تھا، اس لئے ہر فن کے مستند مراجع کے بارے میں جانکاری ملی۔ بعد میں جب بنوری ٹاون کراچی میں تخصص فی الحدیث کے لئے داخلہ لیا، اور پہلی مرتبہ تہذیب التہذیب، لسان المیزان اور میزان الاعتدال وغیرہ کتابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور براہ راست اس کے حوالے نکالے، تو بہت ہی عجیب لگ رہا تھا۔ حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت علامہ صاحبؒ کی کتب کی بدولت اس جیسی ہزاروں علمی کتابوں سے واقفیت ہوئی۔ بندہ کا یہ خیال ہے کہ مذکورہ بالا حضرات کے اس علمی طرز تصنیف سے میری طرح ہزاروں طلبہ نے لکھنا سیکھا۔

مناظرانہ مضامین کی حوصلہ شکنی کی نئی روایت:

پاکستان میں یہ وہ دَور تھا جب کہ ہر طرف سے نقد ونظر کے سلسلے میں علمی کتابیں لکھی جارہی تھیں، اور علمی مناظرے بھی ہوتے تھے، ان علمی مناظروں اور تنقیدی کتابوں کے اگرچہ بعض منفی اثرات بھی تھے، لیکن اس کے فوائد بھی تھے، ایک تو ہر فریق نے اپنا نتیجہ فکر مدلل شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی، دوسرے، اس سے اہل علم کی استعدادیں تحقیق کے لئے استعمال ہو رہی تھیں، اور کئی علمی کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔ ہمارے استاذ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر علامہ نواب صدیق حسن خان اہل حدیث عالم نہ ہوتے تو علامہ عبدالحئی لکھنویؒ کی علمی شاہکار کتابیں کیسے منظر پر آتیں؟

لیکن جب سے دنیا بھر میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور مسلم ممالک کے سیاسی احوال کشیدہ ہو گئے ہیں، تو اختلافی مسائل میں تنقیدی ومناظرانہ طرزِ بیان عام طور پر کم ہو گیا ہے، تاکہ اغیار، مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو اپنے مفاد میں استعمال نہ کرسکیں۔ الغرض علمی، تحقیقی اور تنقیدی لٹریچر کا سلسلہ اب بھی نہیں رکنا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پہلو کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ ادب کے دائرے کے اندر رہو، تاکہ علمی ترقی کا دروازہ بھی بند نہ ہو اور مخالفت کی وجہ سے نقصان بھی نہ ہو۔

اُردن کے معروف عالم شیخ سعید فودہ مدظلہ جو خاص طور سے علم کلام میں آج کل بہت مشہور ہیں، میں ایک مرتبہ ان کا ایک محاضرہ سن رہا تھا جس میں وہ علامہ ابن تیمیہؒ کے صفات باری تعالی سے متعلق نظریہ پر تنقیدی بیان فرمارہے تھے۔ سوالات کے حصہ میں ایک شخص نے ایسا سوال کیا جس سے شیخ سعید فودہ صاحب خوب ہنسے، سوال بہت عجیب تھا، اور اُنہوں نے جو جواب دیا وہ بہت قیمتی ہے، مجھے وہ بہت پسند آیا اور اس سے ایک علمی اشکال دُور ہوا۔ سائل نے سوال کیا کہ اس وقت پورا عالم عرب جل رہا ہے، لیبیا جل رہا ہے، فلسطین جل رہا ہے، عراق جل رہا ہے اور آپ لوگ ابن تیمیہؒ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ وہ کافر ہے یا نہیں؟ شیخ سعید ہنسے اور پھر اس کو تفصیل سے بتایا کہ اگرچہ میں نے علامہ ابن تیمیہؒ پر تنقید کے سلسلہ میں باقاعدہ مجلس منعقد کی ہے اور علمی تنقید کر رہا ہوں، لیکن میرے کئی سلفی دوست ہیں جو اس نظریے میں میرے بالکل خلاف ہیں، وہ میرے پاس آتے ہیں، میں ان کے

پاس جاتا ہوں، ہم ایک دوسرے کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، گپ شپ لگاتے ہیں، لیکن علمی مسائل میں دلیل کے ساتھ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ یورپ والے جو آج متحد ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے علمی واختلافی مسائل پر عرصہ دراز سے مکالمے اور مناظرے کئے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایک نتیجے پر پہنچے ہیں۔

(بندہ اس کی مثال اس طرح دیتا ہے کہ مسلمانوں میں کافی عرصے تک حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ مذاہب سے متعلق اختلافات تھے، بحث ومناظرے تھے، جس کی وجہ سے ہر فریق نے اپنا مسلک خوب مدلل انداز میں بیان کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم کس قدر آرام سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ مذاہب سب کے سب درست ہیں جو جس پر عمل کرے وہ ٹھیک ہے، اور کوئی کسی دوسرے کو غلط نہ کہے، کیونکہ ہر فریق کے پاس دلائل ہیں، جس سے چھٹکارہ نہیں ہے، یہ اتنا واضح فیصلہ اس وجہ سے ہم کر سکتے ہیں کہ اس موضوع پر کئی صدیوں تک بحث ومباحثہ ہوا ہے۔)

تو شیخ سعید فودہ نے فرمایا کہ یورپ والوں میں بھی مذہبی اختلافی مسائل تھے، لیکن انہوں نے اس میں خوب بحث ومباحثہ کر کے ایک فیصلہ کر لیا ہے اور اب وہ ان اختلافی مسائل سے فارغ ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ تجاہل کبھی بھی کسی قوم کی علمی ترقی کا سبب نہیں بن سکتا، جو مسائل واقعی ہیں اور اس کے پیچھے دلیل ہے، اس اختلاف سے صرف نظر کرنا اس خیال سے کہ اس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، یہ تجاہل ہے، جس میں آپ اصل حقیقت سے اپنی نظریں بند کر رہے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ان اختلافی مسائل میں گفتگو کر کے راجح اور قوی تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، اس سے قوموں کی علمی ترقی آتی ہے۔ نیز اگر کسی صاحب کی اتنی استعداد نہیں اور اس کا مزاج یہ ہے کہ وہ علمی وتحقیقی اختلافی مسائل میں بحث کو نہیں سمجھ پا رہا ہے، یا وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، تو اللہ تعالی نے اس کو اس کے لئے پیدا ہی نہیں کیا ہے، وہ ان علمی وتحقیقی مباحث کو ان لوگوں کے لئے چھوڑ دے جن کا دماغ اس کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے تقسیم ہے۔

اس موضوع پر یہ تفصیلی بات اس لئے کی ہے کہ بعض مرتبہ اختلافی مسائل میں تنقیدی مضامین لکھنے والے اہل علم کی بالکل ہی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، اور ان کے کام کو بالکل غلط کہا جاتا ہے، جو بندہ کے خیال میں درست نہیں ہے۔ مثبت طرز تبلیغ وتربیت اور اختلافی مسائل کو بالکل زیر بحث نہ لا کر دعوتی کام کے بیشک بہت سے ثمرات ہیں، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن واقعاتی مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اگر کوئی ادب الاختلاف کا خیال رکھتے ہوئے خدمت دین سرانجام دے رہا ہے، تو اس کی حوصلہ شکنی مناسب نہیں۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بعض افراد یا بعض مواقع میں ان اختلافی مسائل میں پڑنا مناسب نہ ہو تو یہ اور بات ہے۔ میں جس زمانے میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی کتابیں پڑھتا تھا، تو ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لئے گیا تھا، میں نے حضرت سے پوچھا کہ میں کونسی کتابوں کا مطالعہ کروں؟ حضرتؒ نے پوچھا کہ کونسے درجے میں ہو؟ میں نے عرض کیا ہدایہ پڑھ رہا ہوں، تو انہوں نے فرمایا کہ نصابی کتابوں پر توجہ کرو۔ میں حیران ہو گیا، میں سمجھ رہا تھا ابھی خارجی کتابوں کی ایک طویل فہرست بتائیں گے۔

حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات:

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی کتابیں پڑھنے کے بعد ان سے ملاقات کا شدت سے اشتیاق تھا، اور اللہ تعالی نے اس کا موقع بھی دیا۔ بہاولپور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمات کے بارے میں ایک وقیع سیمینار تھا، بندہ اس وقت بنوری ٹاون میں تخصص فی الحدیث کر رہا تھا، ہمارے استاذ محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم نعمانی صاحب بھی اس میں مدعو تھے، ہم تین چار طلبہ (مولانا ساجد صدوی، مولانا احسن احمد، مولانا محمد احمد رضا اور بندہ اسد اللہ خان) اُن کے ساتھ گئے تھے، جو میری زندگی کا ایک بہت ہی یادگار سفر تھا، اس سفر کی مکمل تفصیل اپنی ڈائری میں لکھ چکا ہوں۔ اس سیمینار میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں موجود حضرت مدنیؒ کی بقید حیات شاگردوں کو مدعو کیا گیا تھا، اس طرح کرۂ ارض سے سارا گلشن بہاولپور میں جمع تھا۔ حضرت مدنیؒ کے بیسیوں شاگرد اور خاص صاحب نسبت بزرگ یہاں موجود تھے، اس میں ایک حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ بھی تھے، ذاتی ڈائری کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب کی زیارت کا بہت شوق تھا، اللہ تعالی نے وہ بھی پورا کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان بہت عمدہ اور جوشیلا تھا، کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا۔ (دیکھیے: ۱۵۱۷/۲۔ [ادارہ])

مغرب کے بعد جب مجلس برخاست ہوئی تو میرا شوق ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہو، میں عام جلسہ گاہ میں تھا، رش کی وجہ اسٹیج کی طرف لوگوں کو روکا جا رہا تھا اور ایک ایک حضرت، موٹر میں بیٹھ کر قیام گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، میں بالآخر سٹیج کی طرف جانے میں کامیاب ہوا، جیسا ہی آگے بڑھا، حضرت ڈاکٹر صاحب موٹر میں بیٹھنے والے تھے، مصافحہ تو نہیں ہو سکا، لیکن پیچھے سے میں نے آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر شانے کو چوما اور یوں میں نے اپنی پیاس بجھائی۔“

۲۰ رجمادی الاولی ۱۴۴۲ھ۔ ۵ رجنوری ۲۰۲۱ء

قاری محمد الیاس، جھنگ

اہل حق کے قافلہ کے سالار حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ دینی حلقوں کے ساتھ ساتھ کالج اور یونیورسٹی کے حلقہ کی دینی ذہن سازی اور ان کے دِل ودماغ میں عقائد کی اہمیت بٹھا کر انھیں مسلک حق کی اشاعت وحفاظت کے میدان میں اتار دینا آپ کا انتہائی عظیم الشان اور واجب التقلید کارنامہ ہے۔ عرب وعجم میں آپ کی علمیت، عبقریت اور صدی بھر کی مسلسل محنت کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ خصوصاً تحفظ ختم نبوت اور دفاع ناموس صحابہ کے میدان میں آپ کا علمی سرمایہ اہل اسلام کے لیے گراں قدر ذخیرہ ہے۔ تاریخ اسلام کی قد آور اور جامع ترین شخصیات کی فہرست آپ کے نام کے بغیر اُدھوری رہے گی۔ غضب کا حافظہ، حیران کن قوتِ استدلال، مزاج کی سادگی اور تواضع جیسی آپ کی بلند پایہ صفات کا تذکرہ تا قیامت ہوتا رہے گا۔ تحریر، تقریر، تدریس اور مناظرہ میں آپ کی وقیع خدمات کا فیضان ہمیشہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کو شرف قبول سے نوازیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائیں۔ آمین

مولانا محمد نوید لاہور

سلسلہ اسلاف کی ایک کڑی

رمضان المبارک میں حسبِ معمول نماز تراویح میں سنانے کے لیے منزل کی دھرائی کرر ہا تھا کہ اچانک علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی خبر بجلی بن کر میرے موبائل فون پر چمکی، اس خبر کو پڑھتے ہی یک دم سکتہ طاری ہوگیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون، اسی وقت مسجد میں بیٹھے بیٹھے علامہ صاحب کے ساتھ پہلی ملاقات سے لیکر آخری ملاقات تک کے سارے مناظر نظر کے سامنے سے گزرنے لگے۔ جو بہت سے اکابر کے تعارف، مختلف فرق ومسلک کا تعارف، بے شمار مسائل کا علمی وتحقیقی تشفی بخش جواب اور علامہ صاحب کی سفر وحضر کی بہت ساری باتوں پر مشتمل تھے، اگر ان تمام حالات و واقعات کو یکجا جمع کیا جائے تو یہ ایک مستقل ضخیم کتاب بن جائے، ان میں چند باتوں کا ذکر یہاں مضمون میں کرتا ہوں، اور بقیہ باتوں کو کسی دوسرے موقع کے لیے چھوڑتا ہوں۔

۲۰۰۴ کی ایک شام لاہور میں دار العلوم کراچی کے کچھ نئے نئے فاضلین سے ملاقات ہوئی، ان علماء کا لاہور آمد کا مقصد یہاں کے علماء ومشائخ سے ملاقات اور ان کی زیارت کرنا تھا، بندہ نے لاہور کے کچھ بزرگوں کا ذہن میں رکھ کر اگلے دن کی ترتیب بنائی، ان میں علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، اگلی صبح ان دوستوں کو لے کر چل پڑا، اتفاق ایسا ہوا کہ ان دوستوں کی تو علامہ صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی لیکن راقم الحروف کی ملاقات ہوگئی جو عصر کی نماز سے لے کر رات گئے تک جاری رہی، یہ میری علامہ صاحب سے پہلی اور تفصیلی ملاقات تھی، شروع میں تو کافی اجنبیت محسوس ہو رہی تھی مگر کچھ دیر بعد یہ اجنبیت، اپنائیت میں تبدیل ہوگئی۔ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ بندہ نے علامہ صاحب سے اجازت چاہی تو فرمایا ابھی کچھ دیر ٹھہرو، کچھ دیر بعد جب دوسری مرتبہ اجازت چاہی تو وہی جواب دیا کہ کچھ دیر ٹھہرو، کچھ دیر بعد جب تیسری مرتبہ اجازت چاہی تو پھر وہی جواب دیا کہ کچھ دیر ٹھہرو، اَب کے بار میں نے دل میں سوچا کہ اَب اجازت نہیں لینی خود ہی جانے کا حکم دیں تو اٹھوں گا، آخر میں علامہ صاحب نے فرمایا: پتہ نہیں کیوں تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے، تمہارے آباء کا تعلق کس علاقے سے ہے؟ میں جواب میں کہا کہ میرے دادا امرتسری تھے کیونکہ وہ وہیں سے لاہور تشریف لائے تھے، اور میں لاہوری ہوں، یہ سننا تھا کہ علامہ صاحب نے کمالِ محبت سے فرمایا: ایک مرتبہ پھر ملو کیونکہ میں بھی امرتسری ہوں۔ اس کے بعد جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا لاہور ہی میں رہتے ہو، آتے جاتے رہا کرو اور پھر فرمایا ایک اور نکتہ لیتے جاؤ ''حدیث درحقیقت سنت کی تاریخ کا نام ہے۔'' اس ملاقات کے بعد استفادے کا سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آخری وقت تک جاری رہا۔

راقم الحروف نے کسی ملاقات میں علامہ صاحب سے پوچھا کہ کسی بھی موضوع کا مطالعہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس

بارے میں کوئی رہنمائی فرمائیں تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ اس کام کے لیے میری کتابوں کا بغور مطالعہ کرو اور پھر خود ہی فرمایا کہ آجکل میں اپنی کتابوں کو از سر نو مرتب کر رہا ہوں، جس کے لیے مجھے ایک معاون کی ضرورت ہے، اگر آپ برا نہ منائیں تو میری کتابوں کی پروف ریڈنگ کرنے میں شریک ہو جائیں، علامہ صاحب کی دعوت میرے لیے کسی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ تھی جس کے لیے میں فوراً ہی تیار ہو گیا، اور اسی مجلس میں علامہ صاحب نے آثار التشریع میرے حوالے کر دی اور پھر ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب اور پھر تیسری کتاب اور پھر ایک سلسلہ چل نکلا، اس ساری مشق سے راقم الحروف کو تین بڑے فائدے محسوس ہوئے ایک تو علامہ صاحب ہی کی متعدد کتب خود علامہ صاحب ہی کی زیرِ نگرانی بالاستیعاب مطالعے سے گزر گئیں، دوسرا فائدہ: علامہ صاحب کا اسلوبِ تحریر سمجھنے کا موقع ملا اور تیسرا فائدہ علامہ صاحب کی علمی معاونت تھی۔ اس وقت تو کام کا اندازہ نہیں ہوا کہ علامہ صاحب کے کام میں کتنی معاونت ہوئی لیکن بعد میں جامع مسجد مدنی نیشنل بنک کالونی، سمن آباد میں علمائے کرام سے خطاب کے دوران بندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مولانا محمد نوید کے ملنے سے میرے کئی سالوں کے رکے ہوئے کام مکمل ہو گئے اور اگر اس علاقے کے اور علماء بھی اسی طرح کچھ وقت نکال لیں تو دین کا کتنا کام ہو سکتا ہے۔ [الحمد للہ]

علامہ صاحب کی مجلس میں چند دن بیٹھنے اور ان کی تحریروں سے استفادے کے بعد ان کے تعارف میں اس سے زیادہ جامع اور کوئی مثال نہیں ملی کہ جو علامہ صاحب نے خود ہی ایک اجتماع عام میں امت مسلمہ کے علمی تسلسل کو بیان کرتے ہوئے پیش کی اور فرمایا کہ امت مسلمہ کے علمی تسلسل کو اس معمار کے کام سے سمجھنا چاہیے جو سارا دن ایک ہی دیوار کی تعمیر میں لگا رہے اور شام تک اپنے حصے کا کام مکمل کر کے بقیہ کام کو اگلے روز آنے والے معمار کے لیے اس طرح چھوڑتا ہے کہ ہر اگلی اینٹ کے ساتھ پچھلی اینٹ کے لیے جگہ چھوڑی ہوتی ہے اور جب بعد میں آنے والا معمار کام شروع کرتا ہے تو اسی جگہ پر اپنے حصے کی اینٹیں لگاتا جاتا ہے اور یوں وہ دیوار کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈالتا ہے اور دو الگ بندوں کے کام کے باوجود دیکھنے میں ایک ہی کام نظر آتا ہے، یہی امت مسلمہ کی خصوصیت ہے کہ روزِ اول سے لے کر اب تک اس کا ہر لاحق دستہ اپنے ماقبل دستے کا جانشین بنتا چلا آ رہا ہے اور یہ تسلسل قیامت تک جاری رہے گا۔ اِن شاءاللہ

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکابر علمائے اہل سنت دیوبند کو پڑھنا ہے تو ان کو ایک اکائی کے طور پر نہ دیکھو، بلکہ علمائے اہل سنت دیوبند ایک جماعت کا نام ہے جو ایسے افراد کے مجموعے کا نام ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو بھی اس سے الگ کرو گے تو نہ جماعت باقی رہے گی اور نہ ہی وہ فرد خود باقی رہے گا۔ علامہ صاحب نے علمائے اہل سنت دیوبند کی ترجمانی کا جو راستہ اختیار فرمایا اس کو نہ صرف اپنی شناخت بنایا بلکہ اسی پر استقامت کے ساتھ زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہے اور علماء کی طرف سے کسی حد تک فرض کفایہ ادا کرتے رہے۔ علامہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علماء میں وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ اگر وہ چھوٹی سے چھوٹی تحریر بھی اپنے نام سے مارکیٹ میں چھوڑ دیتے تو لاکھوں چاہنے والے اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے، مگر علامہ صاحب نے تصنیف برائے تصنیف کو اپنا کام نہیں بنایا بلکہ علامہ صاحب کا مقصد احقاق حق اور علمائے اہل سنت دیوبند کی ترجمانی تھا، اسی

لیے علامہ صاحب نے کتاب پر کتاب نہیں لکھی بلکہ صرف انہیں موضوعات پر قلم اٹھایا کہ جہاں ان کے سامنے اکابرین کا کوئی کام سامنے نہ تھا، اور اگر کسی دوسرے عالم کا کوئی کام علامہ صاحب کو نظر آیا جو وقت کے تقاضوں کو پورا کر رہا تھا تو علامہ صاحب نے اسی کو آگے بڑھایا، علامہ صاحب نے کئی مرتبہ فرمایا کہ اپنا کام کرنے کی بجائے اکابر ہی کے کام کو آگے بڑھاؤ اور انہیں کے کام سے لوگوں کو متعارف کرواؤ، جب تم ان کے کام کو آگے بڑھاؤ گے تو ان کے کام کے ساتھ ہی تمہارا بھی تعارف ہو جائے گا، راقم الحروف نے جب علامہ صاحب کے نظریہ اکابر شناسی کو سامنے رکھا تو علامہ صاحب کی ان تمام مطبوعات کا مقصد بھی بآسانی سمجھ آگیا جو بظاہر تو علامہ صاحب کی طرف منسوب ہے مگر درحقیقت وہ متفرق علماء کی تحریروں کا مجموعہ ہے، جو لوگ علامہ صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ردعیسائیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں کتاب الاستفسار ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے یہ کتاب مولانا آل حسن مہانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اس کی افادیت اور جامعیت کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ صاحب نے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنے کی بجائے اسی پر ایک مفید مقدمے کا اضافہ کر کے بعینہٖ اسی کتاب کو چھپوا کر اگلوں کے کام سے پچھلوں کو متعارف کروایا، ایسے ہی خلفائے راشدین ہی کی دونوں جلدوں کو لے لیں وہ صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں بہت سارے اکابرین کے مقالات کا مجموعہ ہے جن میں علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ظفر احمد عثمانی، مولانا ادریس کاندھلوی، علامہ محمد یوسف بنوری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا نور الحسن شاہ بخاری، علامہ دوست محمد قریشی علامہ عبدالستار تونسوی رحمہم اللہ شامل ہیں، یہ دونوں کتابیں علامہ صاحب کے مقصدِ تصنیف کو واضح کرتی ہیں، ان کتابوں کے بعد تجلیات آفتاب کا پس منظر کسی پر مخفی نہیں ہے، جب یہ کتاب مکمل ہوئی تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہ ایک علمی قرض تھا جو بندہ نے ادا کر دیا ہے۔ (الحمدللہ)

علامہ صاحب اپنی تحریروں میں طرزِ استدلال متقدمانہ رکھتے تھے جو ہمیں معاصرین کی تحریروں میں نظر نہیں آتا، جیسے محدثین ایک ہی آیت اور حدیث سے بیسیوں مسائل اخذ کرتے ہیں، ایسے ہی علامہ صاحب اپنی تحریروں میں ایک ہی عربی عبارت کے مختلف پہلوؤں سے متعدد مسائل کا استدلال کرتے، جو علماء علامہ صاحب کی کتابوں کے مطالعے کا شوق رکھتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ علامہ صاحب کی کتابوں میں اگرچہ بعض عبارات مکرر ہیں، مگر وہ اپنے تکرار کے باوجود اپنی افادیت باقی رکھتی ہیں اور پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ بالکل ہی نئی عبارت ہے۔

ایک مرتبہ علامہ صاحب نے راقم الحروف کے سامنے اپنے کچھ علمی کاموں کا ذکر کیا جن میں کچھ ادھورے اور کچھ کاموں کا ارادہ رکھتے تھے، ان کاموں میں ایک کام امام بخاریؒ کی طرف منسوب دو رسالے جزء القرآت اور جزء رفع الیدین تھے، علامہ صاحب ان کی مستقل شرح لکھنا چاہتے تھے، علامہ صاحب نے فرمایا کہ یہ دو رسالے امام بخاری کی طرف منسوب ہیں، لیکن درحقیقت ان کی نسبت ثابت نہیں ہے، جب علامہ صاحب اپنی بات مکمل کر چکے تو راقم نے عرض کیا کہ ان پر مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کام کر چکے ہیں، جب علامہ صاحب کو اس کا علم ہوا تو شکر ادا کیا اور فرمایا الحمدللہ ایک کام تو مکمل ہو گیا۔ (بقیہ کاموں کا ذکر پھر کسی دوسرے موقع پر کر دوں گا) ان باتوں سے علامہ صاحب کا مقصدِ تصنیف واضح ہو رہا ہے کہ ان کا مقصد مسلک

حقہ کی ترجمانی اور وکالت کرنا تھا نا کہ محض کتاب پر کتاب لکھنا، اسی لیے اگر اس مسئلے پر کسی دوسرے نے یہ کام کر دیا ہوتا تو علامہ صاحب اسی کو اپنا کام سمجھتے اور اسی کو آگے بڑھاتے تھے۔

علامہ صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ بیرون ملک گزرا تھا، اس کے باوجود علامہ صاحب یہاں کے علماء کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور پاکستان میں کس طرز کے کام کی ضرورت ہے، اِس سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور اس کے لیے متفکر بھی رہتے تھے، اس حوالے سے علامہ صاحب کی دو نصیحتیں یہاں ذکر کرتا ہوں جو وہ عام طور پر علماء کو کیا کرتے تھے۔

ا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ہمارے مدارس سے ہر سال ہزاروں طلبہ سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں، اگر ان میں سے ہر سال ایک دو ایسے علماء پیدا ہوں جائیں جو اپنے اکابرین ہی کے علوم و معارف پر کام کریں اور انہیں میں مہارت حاصل کریں، کوئی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ماہر ہو، کوئی مولانا گنگوہیؒ کا ماہر ہو وغیرہ۔ اور جب معاصرین کو ان اکابر کے بارے میں کسی مسئلے کی تحقیق کی ضرورت ہو تو وہ انہیں کی طرف رجوع کریں تو دیکھیں چند سالوں میں علمائے اہل سنت دیوبند کی شخصیات کا کیسا تعارف منظر عام پر ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ فرماتے تھے کہ ہماری مساجد میں رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک مکمل سنایا جاتا ہے اور تکمیل قرآن کی بڑی بڑی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جس میں فضائل قرآن پر تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ علامہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ اس تقریب کا عنوان فضائل قرآن کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قرآنی خدمات ہونا چاہیے، جس میں حضرت عثمانؓ کی اشاعت قرآن والی خدمت کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا جائے۔

میں اپنے مضمون کو علامہ صاحبؒ کے متعلقین کی خدمت میں ایک یاد دہانی پر ختم کرتا ہوں، ان کی نظر میں علامہ صاحب کے جو کام ابھی مکمل ہونے والے رہتے ہیں وہ علامہ صاحب ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں کو آگے بڑھائیں۔ اور اِس خصوصی نمبر کی قبولیت کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد رستم خان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی رہی
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ اہل علم کے لیے بھی انتہائی دکھ، افسوس اور رنج کا مرحلہ ہے۔ چونکہ رب العالمین نے یہ نظامِ کائنات بنایا ہی اس طرح ہے۔ لہذا جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو بغیر چوں وچرا کے رضا مند ہونا ہر مومن بندہ کا کام ہے۔ حضرت علامہؒ کی دینی، ملی خدمات کا اللہ تعالیٰ بدلہ دے۔ اور اہلِ علم کی قدر کی اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ والسلام مفتی مولانا محمد رستم خان، علی پوری

بنت شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ

آنکھوں سے اوجھل مگر دل کے قریب شخصیت

بحر العلوم ،لفظوں اور نکات کے بادشاہ ، دلائل کے سلطان ، خطابت کے بے تاج بادشاہ ، مفکر اسلام ، جن کی شان ہمارے اکابرین سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ،مولانا محمد علی جالندھریؒ ،مولانا مفتی محمد حسنؒ ،مولانا خیر محمدؒ اور حضرت قاری محمد طیبؒ جیسے حضرات بیان کریں وہاں میری کیا اوقات ہے؟ تاہم اظہارِ عقیدت اور اتمامِ حجت کے لیے یہ سطور پیش کی جارہی ہیں۔

میرا حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے انتہائی والہانہ ،عقیدت مندانہ اور روحانی تعلق تھا اور ہے۔ میرا سارا خاندان ہی حضرت کا معتقد ہے، بالخصوص میرے خاوند مفتی فیض الرحمٰن ان کے خادم ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ یہاں انگلینڈ میں ہر ایک کی زبان پر یہی ہے کہ مفتی صاحب نے ایسے حضرت کی خدمت کی جیسا کہ خدمت کرنے کا حق ہے۔

یہ تکوینی فیصلہ ہے کہ مفتی صاحب کے طفیل مجھے بھی حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت اور ان سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ میرا جو حضرت سے تعلق ہے میں خود بھی اس کو سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت اپنے حجرے میں رہتے تھے، لیکن مجھے لگتا تھا کہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ میں پاکستان میں ہی تھی جب میرے والد محترم (حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان) مجھے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں تقدیر وہاں لے جارہی ہے تو علامہ صاحب کے بیانات ضرور سننا اور ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے کہ صرف سننے ہی نہیں بلکہ علمی نکات کو قلمبند بھی کرنا ہے۔ پھر جب بھی فون پر بات ہوتی تو ضرور پوچھتے کہ علامہ صاحب کے بیانات سنتی ہو؟ اور فرماتے کہ بڑے قیمتی شخص ہیں، اللہ ان کو سلامت رکھے اور لمبی عمر عطا کرے۔

ایک دفعہ علامہ صاحب نے میرے والد صاحب کو کوئی تحریر بھجوائی، میں نے پوچھا مل گئی؟ تو فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: پسند آئی؟ فوراً فرمایا: تحریر تو پسند آئی، لیکن تمہارا سوال پسند نہیں آیا۔ علامہ صاحب کی تحریر پر یہ سوال اٹھتا ہی نہیں کہ پسند ہے یا نہیں۔

میرا حضرت سے بواسطہ مفتی صاحب ایک گہرا تعلق تھا۔ اس لیے آپ کی ذاتی ، علمی ، عالمی ، تصنیفی ، تدریسی ، تصوفی اور دیگر بہت ساری صفات اور آپ کی شب و روز سے واقف ہوں۔ آپ کی باقی صفات یہاں بیان کرنے کے لیے تو علماء ہیں ہی۔ میں آپ کی سادگی پر بات کروں گی جو کہ آج کل علماء میں بھی مفقود ہوتی جارہی ہے۔ حضرت کی زندگی ، کھانا ، پینا ، لباس ، رہن ، سہن سب کچھ بے پناہ سادہ تھا۔

کپڑوں کی خستگی اور بنیان کے سوراخ اور پیوند دیکھ کر تو یادِ عمر رضی اللہ تعالی عنہ تازہ ہو جاتی۔ اوپر سے ایک جُبہ پہنا کرتے تھے، جس کو لطفِ طبع کے لیے ستار فرمایا کرتے تھے کہ لباس کی بوسیدگی اس میں چھپ جاتی ہے۔ کوئی بھی شخص جس وقت، جب چاہے آ کر ملتا، اس کو بھرپور توجہ دیتے، کسی قسم کا کوئی تکلف نہ تھا۔ اور اپنے حجرے کا فون آخر تک خود ہی اٹھاتے۔

برجستگیاں:

(۱)......حضرت علامہ صاحبؒ اکثر سفر میں رہتے، صحت کے زمانے میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مانچسٹر تشریف لاتے اور اگلے دن یا دو دن بعد کسی دوسرے ملک کی فلائٹ ہوتی۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا حضرت آپ کا قیام کہاں ہوتا ہے؟ ہنستے ہوئے فرمایا: پوری دنیا میں۔

(۲)......پاکستان میں خانیوال کے قیام کے دوران ایک پیشہ ور بھکاری آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اس کی تجہیز وتکفین کے لئے امداد کر دیں۔ فرمایا کہ ہم ساتھیوں نے مل کر اس کی امداد کر دی۔ تیرہ سال بعد پھر کہیں قدرتاً ملا اور اس نے پھر وہی بہانہ کر کے پیسے مانگے تو پہچان کر فرمایا: تیری ماں تو آج سے تیرہ سال پہلے بھی مری تھی، وہ فوراً رفو چکر ہو گیا۔

(۳)......ایک دفعہ یہاں کسی نے کہا کہ فلاں مسجد میں آمین بالجہر پر مناظرہ ہے، آپ کوئی رہنمائی فرمائیں۔ فرمایا: جن کو سنتا ہی اونچا ہے، ان کو بندہ کیا سمجھائے؟

(۴)......ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ سِکھ ملنے کے لیے آ گئے۔ ان کو دیکھتے ہی فرمایا: آؤ سکھو! کچھ سکھاؤ تے کچھ سکھو۔ (دیکھیے: ۳۹۰/۲۔ [ادارہ])

(۵)......ایک دفعہ اکیڈمی میں بیان میں بتایا کہ کچھ عیسائی آ کر کہنے لگے کہ ہم تو عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں، آپ اپنا ایک خدا ثابت کریں۔ فرمانے لگے کہ: میں نے ان کو جواب دیا کہ ہمارا ایک تو ان تین میں ثابت ہے جس کو تم بھی مانتے ہو، تم اپنے دو اور ثابت کرو۔ وہ اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ (دیکھیے: ۳۴۳/۲۔ [ادارہ])

(۶)......حضرت علامہ صاحبؒ نے ۱۹۷۴ء میں چرچ میں اسلامک اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ اور پھر اسی کے زیر تحت جگہ خرید کر سٹی جامع مسجد اور جامعہ اسلامیہ پروجیکٹ شروع کیا۔ یہ کافی بڑی جگہ ہے اور مانچسٹر کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ یہ کافی غیر محفوظ اور بے آباد تھی۔ ایک کیبن رکھ کر مسجد کی تعمیر شروع کی گئی اور حضرت تا دم آخر اس کیبن میں ہی رہے۔ بڑے بڑے پروگرام اکیڈمی میں کرتے، لیکن کیبن میں ہر وقت لوگوں کا بالخصوص علماء کا آنا جانا لگا رہتا۔ فجر کے بعد لکھنے کا معمول تھا تقریباً دوپہر تک لکھتے رہتے اور اس کے بعد جب بھی کوئی آتا تو اس کو بھرپور وقت دیتے تھے۔ عقائد پر بات کرنا تو آپ کا مشغلہ تھا۔

(۷)......ایک دن ہسپتال گئے۔ وہاں پر ایک پادری بھی انتظار گاہ میں بیٹھا تھا۔ اس نے دورانِ گفتگو کہا کہ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا تصور لوگوں، بالخصوص عیسائی قوم میں ہے کہ وہ لوگوں کو شفا دیتے تھے۔ اسی نہج پر چلتے ہوئے ابھی تک ہم ہسپتالوں میں مریضوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ جب کہ تمہارے نبی کے متعلق تصور یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں جنگیں کیں اور وہ کوئی امن پسند نہیں تھے۔ (معاذ اللہ) فرمایا کہ: جب تم نے تاریخ پڑھی تو ساتھ یہ بھی پڑھا تو ہوگا کہ وہ جنگ کہاں ہوئی؟ مکہ مکرمہ میں یا مدینہ منورہ میں؟ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ مکرمہ میں تو ظلم وستم برداشت کرتے رہے، جب ان کا وہاں رہنا دوبھر ہو گیا تو بھی لڑائی نہیں کی بلکہ ہجرت کی اور پھر جب مدینہ منورہ میں بھی ان کو چین سے نہ رہنے دیا گیا اور ان پر حملے

کیے گئے تو اپنا دفاع تو ان کا حق تھا۔

رمضان ۲۰۱۴ء میں حضرت والد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی دعاؤں کے ساتھ علامہ صاحب کی سرپرستی میں جامعہ اسلامیہ میں لڑکیوں کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ جس میں حضرت نے جس طرح رہنمائی فرمائی اور تعاون کیا، میرے خیال میں ذرہ نوازی کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ اس پیرانہ سالی میں بھی سیڑھیاں چڑھ کر پڑھانے کے لیے تشریف لاتے۔ ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف پڑھاتے۔ جب ہماری طالبات بخاری شریف والے سال تک پہنچ گئیں تو علامہ صاحب کی تجویز پر افتتاحِ صحیحین کے عنوان سے پروگرام کیا گیا۔ جس میں پورے برطانیہ سے علماء تشریف لائے اور حالات حاضرہ کے حساب سے اس عنوان کے انتخاب پر بڑی تحسین کی۔

یہاں برطانیہ میں بچوں اور بچیوں کی اردو کافی کمزور ہوتی ہے۔ میں درسگاہ میں بچیوں کے ساتھ بیٹھ جاتی کہ اگر بچیوں کو کوئی بات سمجھ نہ آئے تو میں بعد میں سمجھا دوں گی۔ علامہ صاحب کی کرامت ہی تھی کہ اس ملک میں، پردہ کے پیچھے سے سپیکر پر علامہ صاحب پڑھاتے اور کئی دفعہ بیچ میں فارسی کے لفظ بھی بول جاتے، میں بعد میں لڑکیوں سے پوچھتی سمجھ آئی؟ تقریباً سب کا ہی جواب ہوتا جی! پھر میں چیک کرنے کے لئے سنتی بھی تو واقعی وہ صحیح سمجھی ہوتیں۔ تب میں دل میں سوچتی کہ واقعی استاد کے اخلاص میں کتنی بڑی طاقت ہے۔

کیبن سے مسجد کے درمیان صرف پارکنگ کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ زیادہ تو نہیں، لیکن پارکنگ چونکہ ابھی زیرِ تعمیر ہے اس لئے خطرناک ہے اور خاص کر برف باری کے دنوں میں تو پھسلن کی وجہ سے جوان بھی چلتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ دسمبر میں برفباری کی وجہ سے میں نے مفتی صاحب کو فون کیا کہ علامہ صاحب سے درخواست کریں کہ سبق کے لئے زحمت نہ فرمائیں۔ تھوڑی دیر بعد مفتی صاحب کا فون آیا کہ علامہ صاحب تشریف لا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ کیا پتا آج کا سبق ہی آخرت کے لیے نجات کا سبب بن جائے۔

ان کا یہ جواب ہمارے لئے مشعل راہ ہے کہ ساری عمر دین میں وقف کی پھر بھی ایک، ایک نیکی کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے اور اس کی فکر میں لگے رہے اور ہم کس قدر غافل ہیں۔ برف باری یا کرونا کی وجہ سے آخری وقت تک گھر والوں نے اور سب لوگوں نے مسجد جانے سے بڑا منع کیا۔ مجال ہے کہ استقامت میں ذرا بھی تزلزل واقع ہوا ہو۔ مشیت الٰہی نہ تھی تو برف باریوں میں بھی نہ پھسلے اور نہ گرے لیکن جب تقدیر غالب آئی تو اپنے بیڈ سے گر گئے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے رحم مانگو۔ ڈر لگدا اودیاں بے پروائیاں توں۔ میں اس کو حضرت کی کرامت سمجھوں یا روحانی توجہ؟

ایک دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا کہ مجھے کسی مسئلہ میں کوئی اشکال ہوتا یا سوال کا جواب چاہیے ہوتا تو حضرت علامہ صاحب اپنے ہفتہ وار درسِ قرآن میں اس کو بیان فرما دیتے یا آپ سے میں نے کسی درس میں وہ سنا ہوتا تو اگلے ہی دن یا کچھ دنوں بعد کوئی عورت مجھ سے وہ سوال کر لیتی۔

مثال کے طور پر ایک دن حضرت نے تراویح کے بعد بیان فرمایا کہ مسئلہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں وتر کی جماعت فرضوں کی جماعت کے تابع ہے یا تراویح کی جماعت کے تابع ہے؟ اور پھر ثمرہ اختلاف بھی سمجھایا، اگلے ہی دن جب تراویح کے بعد وتروں کی جماعت کھڑی ہونے لگی تو ایک عورت کہنے لگی: باجی! آج ہم لیٹ ہو گئے تھے۔ جب پہنچے تو تراویح شروع ہو چکی تھی۔ پھر فرض پڑھے بغیر ہی میں نے تراویح پڑھنا شروع کر دیں اب میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ سکتی ہوں یا پہلے مجھے فرض پڑھنے ہوں گے؟ یہ ایک دفعہ کی رہنمائی یا تعلیم نہیں بلکہ ہزار بار حضرت کی ایسی اداؤں اور رہنمائی نے مجھے رُلایا ہے۔

حضرت علامہ صاحب ایک انسان یا ایک شخص نہ تھے بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ وانجمن تھے، ان پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ ہم سب کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ انہوں نے جو لکھا ہے خاص کر فتنہ قادیانیت کے بارے میں لکھا اس سے استفادہ کریں اور اس کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

ایک دفعہ درس کے دوران قادیانیوں سے اپنے ایک مناظرہ کے بارے میں بتایا (ملک کا نام تو مجھے سمجھ نہیں آیا لیکن یہ بات فرمائی کہ وہ کالوں کا ملک تھا) کہ وہاں پر قادیانی کے مبلغوں نے کافی لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا ہوا تھا، وہاں کے مقامی علماء نے حضرت کو بلایا۔ ان کا وہاں پر مناظرہ ہوا۔ جس قادیانی سے مناظرہ ہوا۔ وہ جواب نہ دے سکا اور بھاگ گیا۔ وہاں پر بہت سارے لوگ جوان کے دجل میں آ چکے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اقرار کیا۔ ہنستے ہوئے بتایا کہ: مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب ایک حبشی شدتِ جذبات سے آگے بڑھا اور مجھے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے نے اسی طرح کافی دیر تک باری باری وہ مجھے اپنے کندھوں پر ایک بچے کی طرح اٹھائے جھومتے رہے اور خوشی سے نعرے لگاتے رہے۔

علامہ صاحب کی باتیں اور یادیں لکھنے، سننے اور کرنے سے دل تو بھرتا ہی نہیں۔ ہمارے گھر میں تو ہر وقت ان کے تذکرے ان کی زندگی میں بھی ہوتے تھے اور ہماری زندگی تک باقی رہیں گے۔ یہ فیصلہ کرنا ہی مشکل ہے کہ کیا لکھیں اور کیا چھوڑیں۔ لہٰذا تبریک کے لیے انہی کے الفاظ کے ساتھ اختتام کرتی ہوں۔ جو انہوں نے اپنی کتاب عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت کے شروع میں لکھے: ”اے رب کریم! تو اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کو (مضمون کو) تمام قادیانیوں کے قادیانیت سے توبہ کرنے کا ذریعہ بنا اور اس ناچیز مؤلف کو ختم نبوت کی اس خدمت سے آخرت میں خدامِ ختم نبوت کی صف میں جگہ عطا فرما۔“

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

اللہ رب العزت کی رحمت واسعہ سے امید ہے کہ ہجومِ عاشقاں میں اللہ تعالیٰ نے ان کو شامل فرما دیا۔

بنت (مولانا) محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ [شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان]
حال مقیم، مانچسٹر۔ یو۔ کے

باب نمبر۹

افادات

(حصہ اول)

حضرت امام اہل سنتؒ کے سامنے ایک جلسہ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر علامہ صاحب نے اتنی گہرائی سے بیان کیا کہ باوجود اس کے کہ حضرت امام اہل سنتؒ اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ''**أحسن الکلام**'' لکھ چکے تھے، پھر بھی علامہ صاحب کے بیان پر حیران اور ششدر رہ گئے اور فرمایا: علامہ صاحب آپ اتنی گہری باتیں اور نفیس نکتے کہاں سے پیدا کر لیتے ہیں!؟ [۳۷۲/۲]

ایک دفعہ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: ایک منکر حدیث پرویزی سے میری بحث ہوئی، اس نے کہا کہ: وضو کے چار فرائض قرآن میں ہیں، تم نے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اپنی طرف سے اضافہ کر رکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اس سے کہا: ان چار پر عمل کرنے سے پہلے ہاتھ میں پانی لے کر پانی کی رنگت دیکھ لیں، پھر منہ میں ڈال کر ذائقہ چکھ لیں اور ناک میں ڈال کر بو سونگھ لیں تاکہ پانی کے صحیح ہونے کی تسلی ہو جائے تو تب باقی فرائض پورے کریں اس نے کہا کہ: یہ پھر حدیث والا وضو ہو گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ: حدیث اور سنت کے بغیر تو قرآنی حکم پر عمل ممکن ہی نہیں۔ اس پر وہ لاجواب ہو گیا۔ [۳۹۸/۲]

میں نے ایک دفعہ کہا: استاذ جی! آپ کی دو کتابیں ''تقیہ نہ کیجیے، متعہ نہ کیجیے''....تو اس پر علامہ صاحبؒ نے فرمایا: نہیں! میری ایک کتاب ہے ''نہ کیجیے'' اس کے چار حصے ہیں: ۱۔ تقیہ نہ کیجیے، ۲۔ متعہ نہ کیجیے، ۳۔ تبراء نہ کیجیے، ۴۔ ماتم نہ کیجیے۔ [۴۴۳/۲]

ایک تندرست آدمی ہے، ایک ضعیف آدمی ہے اور ایک مردہ، اب بتاؤ کہ ضعیف' مردہ کے قریب ہے یا تندرست کے؟ (طلبہ: تندرست کے قریب ہے) ضعیف آدمی اگرچہ تندرست کی طرح نہ سہی لیکن کھاتا پیتا تو ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث ''صحیح'' کے قریب ہے نہ کہ ''موضوع'' کے۔ [۴۶۲/۲]

استاذ محترم فرمایا کرتے تھے کہ: شیعہ اور غیر مقلدین میں قدرِ مشترک زندہ مجتہدین کی تقلید کرنا ہے، جب وہ مر جائے تو بیزار ہو جانا، لہٰذا غیر مقلدین بھی اپنی گلی محلّہ کی مسجد کے امام پر اعتماد کرتے ہیں اور اس سے مسائل پوچھتے ہیں اور یہی تقلید ہے، اگر یہی اعتماد ہم امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ پر کریں تو ہمیں مشرک گردانتے ہیں، شیعہ اور غیر مقلد زندہ مجتہد کی تقلید کرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ غیر مقلدین صرف فعلاً کرتے ہیں جبکہ شیعہ قولاً اور فعلاً دونوں کرتے ہیں۔ [۴۸۷/۲]

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی (۱)

بحر العلوم علامہ خالد محمودؒ کے علم کی جھلکیاں

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ: یہ جہان جس میں ہم رہتے ہیں اس میں رہتے ہوئے ہمیں سالہا سال ہو گئے، لیکن ہم اب تک اس کی حقیقت نہیں پا سکے، حالانکہ ہم اس میں رہتے بستے ہیں تو اگلا جہان جس میں داخل ہی نہیں ہوئے، اس کو ہم کیسے پا سکیں گے؟ اس لیے مناسب یہی ہے کہ جتنی باتیں خدا، رسول نے فرمائی ہیں ان کو بلا چوں وچرا مان لو، وہ جہان ماننے کا ہے سوچنے کا نہیں۔

جہان تین ہیں: اب سنئے! جہان تین ہیں: دنیا، برزخ، آخرت۔ اور ایک جہان دنیا میں آنے سے پہلے کا ہے، اس کو بھی شمار کر لو تو جہان چار ہیں: عالمِ ارواح، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالمِ آخرت۔ یہ ایک لائن ہے، جس میں ہم رہتے ہیں، ایک اور جہان بھی ہے جسے عالمِ مثال کہتے ہیں وہ اس لائن میں نہیں وہ اس کے متوازی اور متقابل ہے اور اُس جہان کے حقائق اور ہیں۔

عالمِ مثال کیا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حقائق ومعانی کے متصل اور متوازی ایک حقیقت کا جہاں بھی رکھا ہے، اُسے ''عالمِ مثال'' کہتے ہیں، جو اس جہان میں نقشے کے تحت چلتی ہیں، جو کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اپنے مقرب بندے کو عالمِ مثال کی کوئی چیز دکھا دیتے ہیں، وہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ میں نے عالمِ مثال دیکھا ہے۔

ہدایت: ہدایت ایک مصنوعی چیز ہے، جو اس جہاں میں آ اور جا رہی ہے، اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ معراج کی رات جب حضور علیہ السلام آسمانوں پر گئے تو آپ ﷺ کے سامنے برتن پیش کئے گئے جو اوپر سے ڈھکے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے بحکم الٰہی کہا آپ ان میں سے جس پر چاہیں ہاتھ رکھ دیں، آپ ﷺ نے ایک پر ہاتھ رکھا دیکھا تو اندر دودھ تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا حضور ﷺ آپ کو مبارک ہو آپ کی امت آپ کے بعد بھی ہدایت پر رہے گی، گمراہ نہیں ہو گی اور اگر آپ ہاتھ شراب والے برتن پر رکھ دیتے تو پھر آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ تو اس مثال میں ہدایت کو دودھ اور گمراہی کو شراب کہا گیا ہے۔ اَب اِس پر تفریع ہے، اسلام ہدایت کی شکل ہے، مگر لفظِ اسلام میں تو نہیں، ہدایت ایک معنوی چیز ہے، اسی طرح گمراہی بھی معنوی چیز ہے۔ اگر اسلام وضلالت کو کوئی شکل دے دی جائے تو اسلام کی شکل حضرت عمرؓ کی سی ہو گی۔ اور اگر قرآن کو کوئی شکل دی جائے تو وہ حضرت محمد ﷺ جیسی ہو گی۔ تو ان کا عالمِ مثال ہے تو گویا اگر معنوی چیزوں کو کسی صورت متشکل کر دیا جائے تو وہی عالمِ مثال ہے۔

اسی طرح اگر صدق وسچائی کو متشکل کیا جائے تو اس کی شکل حضرت صدیق اکبرؓ جیسی ہو گی اور اگر حلم وحیا کو شکل دی جائے

---

(۱) **تلمیذ:** حضرت بنوریؒ **خلیفہ مجاز:** حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ **شیخ الحدیث:** جامعہ مدینۃ العلم بہاول پور

تو وہ حضرت عثمانؓ کی ہوگی۔ علامہ صاحبؒ نے تو نہیں بیان کیا، میں کہتا ہوں کہ اگر شجاعت اور بہادری کو شکل دی جائے تو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسی ہوگی۔ اب سمجھو ہماری لائن کے چار جہانوں کے بالمقابل جو حقیقت کی ایک لائن ہے اس کو عالمِ مثال کہتے ہیں۔

مثال کی جھلک دنیا میں: غالباً علامہ ابن العربیؒ خانہ کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے۔ ان کی ملاقات ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کی روحِ پُرفتوح سے تو اس روح نے آواز دی، اے ابن عربی! تو میری اولاد میں سے ہے، میں نے پوچھا آپ کیسے دنیا میں آئے؟ کتنا عرصہ ہوا ہے؟ کیونکہ بہت فاصلہ ہے، تو میں نے کہا آدم کے بارے میں تو اتنا ہے کہ ان کو چھ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہوئے، تو آپ مجھ سے بہت پہلے ہیں، تو اس روح نے پوچھا کہ تم کس آدم کے بارے میں پوچھتے ہو؟ کیونکہ دنیا کئی دفعہ بنی، کئی آدم آئے اور کئی دفعہ دنیا آباد ہوئی، اور کئی دفعہ قیامتیں، تو تم کس آدم کے بارے میں پوچھتے ہو؟ تو اس پر ابن عربی کہتے ہیں میں خاموش ہوگیا اور اپنے آپ کو یوں سمجھایا کہ اللہ کے رازوں، نقشوں کو اللہ ہی جانے۔ اگر وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے کہ کتنا عرصہ ہوا، اس کا حساب لکھواؤ اور کتنے سال ہوگئے ہیں اور اس کا حساب بنتا یا نہ بنتا اور کتنی قیامتیں اور کتنے آدم پھر ہمیں ضرورت کیا ہے، ہمیں زندگی کے لیے اس کی کیا ضرورت ہے۔ اس کو امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے اور قرآن کہتا ہے: **وما یعلم جنود ربک الاھو** تو جب عقیدہ یہ ہے تو وحی جانے تو کیا ضروری ہے کہ ہم اس احاطہ کریں؟

عالمِ لاہوت کا تعارف: ایک اور جہان ہے، یہ جہاں جس میں ہم رہتے ہیں اس کا نام ہے انسانوں کا جہان اسی کو عالمِ ناسوت کہتے ہیں، اس سے پہلے جو جہان تھا وہ تھا عالمِ ارواح۔ انسانوں کا جہاں عالمِ ناسوت تو ترتیب یہ ہے: عالم ارواح، عالمِ ناسوت، عالمِ ملکوت (فرشتوں کا جہاں) پھر اس کے علاوہ اور جہاں ہے جہاں فرشتے بھی نہیں گزر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال کی لہریں وہاں اُترتی ہیں، اس کا نام ہے عالمِ لاہوت (جو الوہیت سے بنا ہے) پھر عالم جبروت۔ اس کی صاف ستھری ترتیب یہ ہے: ۱: عالم ارواح۔ ۲: عالم ناسوت۔ ۳: عالمِ ملکوت۔ ۴: عالمِ لاہوت۔ ۵: عالمِ جبروت۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طاقتور قوتِ سماع:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبروں کے پاس سے گزرتے تو میت کے عذاب وثواب کو سن لیتے تھے۔ اس حدیث میں ہے: **”مر النبی ﷺ بقبرین فقال: انھما لیعذبان، وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لایستنزہ البول.... واما الآخر فیمشی بالنمیمة.“[بخاری و مسلم]** تو آپ نے ان کی آوازیں برحق سنیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کر کے تم کو بھی سنوا دیتا۔

آگے مردوں کے سننے کے متعلق حضرت علامہؒ نے لمبی بحث کی ہے جسے میں طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتا ہوں۔

اللہ ہمیں اپنے اکابرِ حق کے نقشِ قدم پہ آخری سانس تک چلتا رکھے اور نئے نئے فتنوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔ ☆☆

مولانا مفتی محمد رویس خان ایوبی [ریٹائرڈ ضلع مفتی آزاد حکومت جموں و کشمیر]

علم کا بحر او قیانوس، دورِ حاضر کا ابوذر

میری ان سے شناسائی اُس دور میں ہوئی جب میں طریقۂ جدیدہ پڑھتا تھا، دراز قد، سیاہ ریش مبارک، سرخ رنگت، سلیٹی رنگ کی شیروانی، قراقلی ٹوپی، دارالعلوم مدنیہ [ڈسکہ] کے سالانہ جلسے میں تشریف لاتے، خطاب فرماتے، ہمیں تو اتنی سمجھ نہیں تھی کہ اسوقت ان کے طرز استدلال کو سمجھتے، بس ہم تو ان کا سراپا دیکھتے رہتے، اعلان ہوتا: ''مرے کالج سیالکوٹ کے عربیک کے پروفیسر علامہ خالد محمود خطاب فرمائیں گے۔'' کیا کہکشاں سجتی تھی دارالعلوم کے سٹیج پر، امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، حافظ اللہ داد گجراتیؒ، سید عنایت اللہ شاہ بخاری، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ، مولانا نورالحسن شاہؒ، علامہ دوست محمد قریشیؒ، مولانا محمد حیات پسروریؒ، قاضی محمد اسلمؒ، سید عبدالمجید شاہ ندیم اور دیگر درجنوں علماء، کیا بہار تھی، پھر ہم بھی بڑے ہو گئے۔

میں نے علامہ صاحب اور مولانا اشرف ہمدانی کو علاقہ جیٹھی کی دعوت دی، علامہ صاحب نے رسول اللہ کی سیرت پر خطاب فرمایا، خطبہ مسنونہ کے بعد **لقد کان لکم**... پڑھ کر شعر پڑھا ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

پھر آپ نے لفظ ''حمد'' کی تشریح فرمائی اور فرمایا: محمد باب تفعیل سے ہے، جس کا مطلب ہے: جس کی ہر ادا، ہر موومنٹ، ہر سانس قابل تعریف، ہر لفظ قابل تعریف، جیسے **قتل یقتل تقتیلا** کے معنی ہیں: ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ اسی طرح **حمد یحمد تحمیدا** کے معنی ہیں، مفصل تعریف۔ اور محمد جو سرتاپا قابل ستائش۔ آپ کا خطاب ایک گھنٹہ جاری رہا، پنجابی' اردو' فارسی' انگریزی چاروں زبانوں میں کبھی اشعار' کبھی اقوال اور مغربی مفکرین کے حوالے غرضیکہ آپ ہفت زباں خطیب تھے۔

۲۰۰۵ء میں فقیر نیویارک میں تھا، مدنی مسجد برونکس میں جمعہ اور درس کے فرائض انجام دیتا تھا، علامہ صاحب کا پتا چلا کہ مکی مسجد بروکلین میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مجھ سے احباب نے فرمائش کی کہ قادیانیت کے رد میں علامہ صاحب کا بیان مدنی مسجد میں کروانا ہے۔ علامہ صاحب کی سادگی اور معروف کرائے کے واعظوں سے موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ علم کا یہ بحر بیکراں دور حاضر کا ابوذر رہے۔ چنانچہ میں بروکلین پہنچا، دھوتی پہنے مسجد کے تہ خانے میں تشریف فرما تھے، مجھے یوں لگا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کاغذ قلم پکڑے بیٹھے ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آ وَ جی آ وَ جی! کی حال ہے؟ اے ڈسکے والیو! تسیں وی نیویارک وچ بیٹھے او؟ علامہ صاحب نے فرمایا: کیہ حال اے دارالعلوم مدنیہ دا، تے تسی نوکری چھڈ دتی اے؟ میں نے عرض کیا: ڈسکہ ٹھیک ہے، مدرسہ چل رہا

ہے، نوکری برقرار ہے، چھٹی لیے کر آیا ہوں۔ ہور فیر! مولانا گویا ہوئے، میں نے عرض کیا: مینوں ڈر لگدا ائے، کیویں اکھاں۔ او جھلیا دس کی گل اے؟ حضرت! اوہ برونکس مسجد والے چاہندے نے کہ اج تہاڈا بیان رکھیا اے۔ چل فیر! شلوار قمیص زیب تن کی، پرانی قراقلی سر پہ رکھی، مکی مسجد کی سیڑھیوں پر، آگے ڈرائیور گلی سے گاڑی نکالنے لگا، گاڑی آئی، نہ جبہ نہ دستار، نہ جوتے اٹھاؤ نہ حضرت حضرت کی سدا۔ چل ہن توں وی۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔

گاڑی بروکلین سے نکلی اور برونکس کی طرف روانہ ہوگئی۔ افوہ! کناں بدل گیا اے ایہہ علاقہ، اج توں دس سال پہلاں ایتھے ٹاواں ٹاواں پاکستانی نظر اوندا سی، وہ ٹھیٹھ سیالکوٹی پنجابی بول رہے تھے، نہ انگریزی نہ اردو، یوں لگتا تھا کہ شہاباں کا کوئی عام دکاندار ہے، نہ تسبیح کی نمائش نہ ضربیں، گاڑی مدنی مسجد کے گیٹ پر رکی، قاری ایوب امام مسجد، برادر احمد جان، برادر گل اور دیگر مقتدی چشم براہ تھے، مسجد اور اس سے ملحقہ ایک مسقّف برآمدہ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

مسجد میں نماز عشاء میں نے پڑھائی، جلسے کا آغاز تلاوت سے ہوا جو قاری ایوب صاحب نے کی، شبیر گل صاحب نے نعت رسول پیش کی، میں نے تعارف کروایا اور حضرت کی عمر زیادہ کہہ گیا تو فوراً ٹوکا اور درست عمر بتائی! میں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ختم نبوت پر بیان ہوگا۔ مولانا نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور قرآن کی آیت تلاوت فرمائی: **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** ۔ میں نے چٹ دیدی کہ مسئلہ ختم نبوت بیان کرنا ہے۔ علامہ صاحبؒ نے فرمایا: تتی کر کے نہ کھا، منہ سڑ جائے گا، ذرا صبر کر۔

اس کے بعد انہوں نے شروع کیا اور فرمایا کہ ''**انا**'' کا لفظ تاکید کے لیے ہے اور جمع کا صیغہ ہے، جمع کا صیغہ اس لیے استعمال کیا کہ یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ادب شرافت اور توقیر کے لیے واحد کو، مفرد کو جمع کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ عربوں میں پہلے سے رواج تھا، آج کل بھی شاہی فرامین کے اندر اور بڑے لوگ جو تخت نشین ہیں یا فرمان رواں ہیں وہ بھی واحد کو جمع کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ''**انا**'' جو ہے یہ جمع متکلم کا لفظ ہے، جملہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے ہم کا لفظ استعمال کرنا بطور ادب اور توقیر جائز ہے اور یہ توحید کے خلاف نہیں ہے۔ ایک بات تو یہ ہوئی۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ تاکید کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ یہ منزَّل کلام ہے، اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ نے نازل کیا ہے اور یہ کسی بندے کا کلام نہیں ہے۔

تیسری بات انہوں نے یہ بتائی کہ ''**نزلنا**'' باب تفعیل سے ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں: ہر ہر جزء کو زیر بحث لانا، جیسے محمد کا معنی ہے ایسا قابل تعریف، ایسا قابل ستائش جس کا ہر عضو، ہر سانس، ہر حرکت قابل تعریف وستائش ہو۔ اسی طرح **نزل ینزل تنزیلا** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس کو مختلف اوقات میں مختلف ٹکڑوں میں نازل کیا۔

اور نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سے نازل ہوا ہے وہ ہماری سطح سے اوپر ہے۔ جیسے سماء اوپر ہے۔ اسی طرح جو منزل من اللہ کلام ہے، یہ بھی اوپر سے آرہا ہے۔ اب اوپر کون سی جگہ ہے؟ اس کی توضیح وتشریح احادیث نبویہ نے کی، فرمایا کہ وہ لوح محفوظ ہے۔ تو معلوم ہوا لوح محفوظ عرش باری اور سماء یہ سب اوپر ہیں، اور ہم زمین پر جو رہ رہے ہیں، ہم اس پستی میں ہیں اور

نزول جو ہے وہ بلندی سے پستی کی طرف ہوتا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ہم گول ہیں، یہ ایک ایسا نقطہ نظر ہے کہ آپ گھومتے ہیں تو خلاء میں گھوم رہے ہیں، آپ اوپر نہیں گئے۔ اس لیے جب بھی راکٹ چھوڑا جاتا ہے وہ اوپر چھوڑا جاتا ہے، چاہے وہ مریخ پر چھوڑا جائے اور چاہے وہ چاند پر چھوڑا جائے اور سائنسدان بھی یہی کہتے ہیں کہ اوپر۔ یعنی ہمارا سیارہ یا ستارہ نیچے ہے۔

اور **الذکر** یاددہانی کے معنی میں آتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ قبل ازیں تمہیں سب کچھ بتایا جا چکا ہے، اَب یاددہانی ہے، کب بتایا تھا؟ یہ ہم قرآن سے پوچھتے ہیں۔ یہ ہے وہ وعدۂ **اَلَست** جسے قران میں یوں بیان کیا گیا ہے: **الست بربکم قالوا بلی** ۔ ہم سب نے اقرار کیا کہ ہاں! اللہ ہی ہمارا رَب ہے، یہاں ''اللہ'' اسم ذات کے بجائے صفاتی نام سے اقرار کروایا گیا کہ وہ مالک جس نے بتدریج تربیت کی، پالا پوسا، روح سے حمل تک اور حمل سے پیدائش تک، پیدائش سے عالم طفولیت شروع ہوا اور **الذی خلق ثم ھدی** کے مناظر سامنے آنے لگے، بچہ کو خوراک کہاں سے ملے گی؟ قدرت نے راہ نمائی کر دی کہ ماں کی چھاتیاں تیرا فوڈ سنٹر ہے، وہ ہمیشہ ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے، وہ حیوان کا بچہ ہو یا انسان کا، ہر خطرے کی ڈسک اس کے دماغ میں فٹ کر دی، خوشی اور غم غصہ اور فرحت کے تمام انسٹرومنٹ فٹ کر دیئے، یہ ہے ربوبیت۔ اور **بَلٰی** وہ اقرار ہے جو یوم میثاق میں کیا گیا۔ اس لیے اب فرمایا: **الذکر** کہ دراصل تو تم نے میری ربوبیت کا اقرار کیا ہوا ہے، انبیاء صرف تذکیر کے لیے آئے اور یہ قرآن بھی تذکیر ہے۔ اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تذکیری عمل کسی وقت کسی گڑ بڑ کا شکار ہو کر ناکارہ ہو سکتا ہے؟ تو اس کے لیے اسم فاعل کا صیغہ استعمال کیا گیا جو استمرار کا متقاضی ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ حفاظت یوم الدین اور یوم الحساب تک جاری رہے گی اور اسے بھی تاکیدی لفظ سے تعبیر کیا گیا ''**انا**'' کے ساتھ، تاکہ کوئی چور اُچکا درمیان میں آ کر مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، مرزا غلام قادیانی کی طرح نبوت کا دعوی نہ کرے۔

لہٰذا نص قرآنی جہاں **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** کے ذریعے آسمانی وحی کے انقطاع کی قطعی دلیل ہے، وہیں قادیانی دجل کے تار و پود بکھیرنے کے لیے **لحافظون** کا صیغہ استعمال کر کے تمام ظلی بروزی حیلوں پر پانی پھیر دیا، کیوں کہ اگر استمراریت نہ رہی تو حافظون غلط اور ظاہر استمرار کا انقطاع اللہ کی ریٹائر منٹ پر منتج ہوتا ہے، لہٰذا قادیانی عقیدے کے مطابق **لحافظون** کا جب استمرار نہیں کہ حفاظتِ ذکر نہ ہو سکی، تب نئی نبوت کی ضرورت پڑی، کیوں کہ حفاظتِ ذکر نہ ہوئی، سواَب آپ قادیانیوں سے سوال کریں کہ کیا قرآن میں ردوبدل ہوا، ذکر نزول کے بعد غیر محفوظ ہو گیا؟ تب نئے نبی کی ضرورت پیش آئی۔ پھر علامہ صاحب نے مرزائیت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا: او مرزایو! تم اسے نبی کہتے ہو، جبکہ میں اس کو شریف انسان سمجھنے سے قاصر ہوں۔

جلسہ رات بارہ بجے ختم ہوا۔ کیا سادگی، کیا شان استغنا، اللہ اللہ! وہ بندۂ خدا علم کا بحر او قیانوس تھا، مجھ سے ہمیشہ شفقت سے پیش آتے، میں ان کے ساتھ برمنگھم، مانچسٹر، نیو جرسی، اوھایو تک ساتھ رہا۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ مقام عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆ ☆☆☆☆

مولانا مفتی امداد اللہ انور، ملتان

بکھری یادیں

عـمـدۃالـمـحـققین والمصنفین، رئیس المناظرین، سلطان العلماء، مفکر اسلام، مجاہد ختم نبوت، سرخیل اہل سنت دیوبند، عالم عبقری، ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب قدس اللہ سرہ کا سانحہ ارتحال اہل السنۃ والجماعۃ عوام وخواص پر اندوہناک حادثہ کی شکل میں سامنے آیا جس سے دل کانپ گئے، لوگ امام رازی کو دلائل کا بادشاہ کہتے تھے، کچھ اس طرح کی مثال کو علامہ خالد محمود پر منطبق دیکھتے ہیں۔

این است کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

میرے استاذِ مکرم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فرماتے تھے پہلے زمانوں میں علماء میں علم میں عمق وگہرائی ہوتی تھی، اب کے لوگوں کے علم میں سطحیت ہے۔

اسی علمی عمق اور گہرائی کو ہم حضرت علامہ صاحب کے علم میں مشاہدہ کرتے تھے۔

علمی نفیس نکتے:

(۱) راقم الحروف کو حضرت علامہ صاحبؒ نے سنایا تھا کہ حضرت امام اہل سنتؒ کے سامنے ایک جلسہ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر علامہ صاحب نے اتنی گہرائی سے بیان کیا کہ باوجود اس کے کہ حضرت امام اہل سنتؒ اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک ضخیم کتاب **أحسن الكلام** لکھ چکے تھے، پھر بھی علامہ صاحب کے بیان پر حیران اور ششدر رہ گئے اور فرمایا: علامہ صاحب آپ اتنی گہری باتیں اور نفیس نکتے کہاں سے پیدا کر لیتے ہیں!؟

مصباح الظلام:

(۲) حضرت علامہ صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے بھی مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''مصباح الظلام فی ترک القراءۃ خلف الامام'' ہے۔ (دیکھیے: ۲۳۲/۱...... ۲۴۲/۱۔ [ادارہ])

میری کتاب پر پیش لفظ:

(۳) راقم الحروف نے بھی فاتحہ خلف الامام پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جس کا مقدمہ حضرت علامہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا یہ آج سے ۳۰ سال پہلے کی بات ہے، جب علامہ صاحب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مدرسہ میں مولانا محمد اجمل قادری صاحب کے ہاں طلبہ کو مختلف موضوعات پر مناظروں کا کورس کروانے کے لیے تشریف لے گئے تھے، میں بھی اس وقت

علامہ صاحب کے ساتھ تھا۔

میاں اجمل قادری صاحب کو نصیحت:

(۴) اسی قیام کے دوران علامہ صاحبؒ نے میاں اجمل قادری صاحب کو فرمایا کہ دین کی خدمت میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے، اگر میں مرکز خدام الدین کے دروازے پر کھڑے ہو رسالہ کرتقسیم کروں تو مجھے کوئی عار نہیں ہوگی۔

علامہ صاحب سے میری پہلی ملاقات:

آج سے ۳۶ رسال قبل کافیہ والے سال کے بعد جب میں امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ کے پاس دورۂ تفسیر پڑھنے کے لیے حاضر ہوا تو حضرت علامہ صاحبؒ بھی طلبہ کو تقابل ادیان کے متعلق تربیت دینے کے لیے تشریف لائے، علامہ صاحبؒ کی زیارت اور پہلی ملاقات وہیں مدرسہ نصرۃ العلوم میں حاصل ہوئی، چونکہ میں نے ایک سال غیر مقلدین کے پاس پڑھا تھا، اس لئے مجھے اختلافی مسائل اور ان کے موضوعات پر کام کرنے والے اہل علم سے شناسائی تھی، اس لئے میں روزانہ علامہ صاحب کی خدمت میں مدرسہ کے مہمان خانے میں حاضر ہوتا، ان کی خدمت کرتا اور مختلف مسائل پر استفادہ کرتا تھا، تو علامہ صاحبؒ وہاں موجود علماء کے سامنے میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

علامہ صاحب کے مناظرے:

جلالپور پیروالا کے غیر مقلد مولانا سلطان محمود کے ساتھ ہوا، چونکہ مجھے اس مناظرہ کا پتہ تھا تو میں نے علامہ صاحب سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جب میرا سلطان محمود سے مناظرہ شروع ہونے لگا تو میں نے ان کو کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کا تعارف معلوم ہونا چاہیے، اس لئے میں سب کو بتاتا ہوں، میرا نام خالد محمود ہے، اور میں اہل السنۃ والجماعۃ سے ہوں، آپ اپنا تعارف کروائیں تو انہوں نے کہا میرا نام سلطان محمود ہے، اور میں اہل حدیث ہوں۔ علامہ صاحب نے کہا میں سنت کو مانتا ہوں اور سنت کا معنی ہے حضور ﷺ کا وہ طریقہ جو صحیح اور ثابت ہو منسوخ نہ ہو، آپ بھی حدیث کا معنی بتائیں، انہوں نے کہا اچھا آپ بتائیں، علامہ صاحب نے فرمایا: حدیث کا معنی ہے بات، تو اہل حدیث کا معنی ہوا باتوں والے، اور ہم ہیں سنت والے۔ جب میں نے یہ کہا تو غیر مقلد اسلحہ لے کر آگئے تو ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھی مجھے کسی محفوظ مقام پر لے گئے اور اس طرح یہ مناظرہ نہ ہوسکا۔

علامہ صاحب کی سفر میں سادگی:

ایک مرتبہ کراچی کے سفر میں جب علامہ صاحب جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں سالانہ تعطیلات کے ایام میں مدرسہ کے طلباء کو مناظرہ کی تربیت دیتے تھے تو رات کا قیام مولانا فیض اللہ آزاد کے مدرسہ جامعہ دارالعلوم حنفیہ کورنگی میں ہوتا تھا اور یہ بنوری ٹاؤن سے کافی فاصلے پر تھا علامہ صاحب اور میں روزانہ رکشے پر آتے جاتے تھے، میں نے ایک دن ان کو کہا، رکشے کا شور ہوتا ہے مٹی سے کپڑے اور جسم خاک آلود ہوجاتے ہیں کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ ٹیکسی کرلیا کریں کیونکہ کرایہ کا کوئی خاص فرق تو نہیں ہے، پھر علامہ صاحب ٹیکسی پر آتے جاتے تھے۔

گرم روٹی:

کراچی میں ایک مشہور مدرسہ ہے مولانا فیض اللہ آزاد صاحب کا، اس مدرسہ کا نام دار العلوم حنیفہ ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، حضرت علامہ صاحب جب بنوری ٹاؤن میں طلبہ کو درس دیتے تھے تو شام کو اس مدرسہ میں چلے جاتے تھے اور وہاں بھی تقابل ادیان پر طلبہ کے سامنے درس دیتے تھے اور مجھے بھی فرمایا کہ آپ بھی ان کو تقابل ادیان پر پڑھائیں، مدرسہ کے مہمان خانے میں ہماری رہائش کا انتظام تھا، حضرت نے ایک مرتبہ مدرسہ والوں کو کہا کہ ہمیں گوشت دے دیا جائے ہم خود پکائیں گے، چنانچہ حضرت نے خود گوشت پکایا اور مہتمم صاحب کے گھر میں پیغام بھیجا کہ تازہ روٹی توے سے اتارتے جائیں اور ہمیں بھیجتے جائیں، چنانچہ گھر سے ایک ایک گرم روٹی آتی گئی اور علامہ صاحب گوشت کے ساتھ تناول کرتے رہے۔

مچھلی خود پکانا:

چنیوٹ کے سفر میں حضرت چنیوٹیؒ کے جامعہ میں کورس کے لیے تشریف لے گئے اور مہمان خانہ میں قیام ہوا اور وہاں ایک طالب علم کو فرمایا: بازار سے مچھلی لے آؤ، وہ جب مچھلی لے آیا تو اس کو حضرت نے فرمایا کہ: لہسن چھیل کر کوٹ کر مچھلی کو لہسن اور نمک لگا لو، اب اس نے بات کو صحیح طریقے سے نہ سمجھا اور لہسن اور نمک میں مچھلی کو ابال کر لیکر آ گیا حضرت کو بہت افسوس اور دکھ ہوا کہ یہ ہماری مرضی کو سمجھا نہیں اور مچھلی کو ضائع کر دیا ہے۔

چنیوٹ کے سرخ پہاڑ:

چنیوٹ کے سفر میں میں حضرت کے ساتھ تھا جب دریائے چناب کے کنارے پہنچے تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ میں ساری دنیا گھوما ہوں جس طرح کے یہ سرخ پہاڑ یہاں ربوہ میں ہیں، میں نے اس طرح کے پہاڑ کہیں بھی نہیں دیکھے، ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ یہ جہنم کے عذاب میں جل رہے ہیں کیونکہ انہیں پہاڑوں کے قریب ہی مرزائیوں کا مقبرہ ہے۔

چنیوٹ میں ربوہ کے قادیانیوں کو چیلنج:

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور علامہ خالد محمودؒ کے ساتھ ہم گاڑی میں جب چنیوٹ سے روانہ ہوئے اور دریائے چناب کے کنارے پہنچے جس کے بعد چناب نگر شروع ہوتا ہے، وہاں پر مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے اسپیکر لگوایا اور اس میں مرزائیوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا، حضرت چنیوٹیؒ کا یہ ہر سال دستور ہوتا تھا کہ اس تاریخ پر جا کر وہ مرزائیوں کو مباہلہ کا چیلنج دیتے تھے۔ اس مباہلہ کے جلسہ میں علامہ صاحب نے بھی خطاب کیا تھا، لیکن کبھی بھی قادیانی مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ کے سامنے مباہلہ کے لیے نہیں آئے تھے۔

مولانا حق نواز جھنگویؒ کی شہادت:

جب مولانا حق نواز جھنگویؒ کی شہادت ہوئی تو علامہ صاحب بہاولنگر کے کسی جلسہ میں شریک تھے، وہاں پر شاید مولانا منظور احمد کہروڑ پکا والوں نے حاضرین کے سامنے خطاب کرتے ہوئے یہ دعا کروائی کہ: یا اللہ ہمیں بھی مولانا حق نوازؒ کی شہادت جیسی

شہادت نصیب فرما، تو لوگ کہہ رہے تھے آمین آمین۔ تو علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ دیکھو یہ کیسی دعا مانگ رہے ہیں؟ مولانا جھنگوی کو تو جب وہ گھر میں موجود تھے دروازہ پر لوگ آئے اور بلا کر گولیاں ماردیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے گھروں میں بیٹھے ہوں اور ہمیں بھی اس طرح سے گولیاں ماردی جائیں۔

لباس کی سادگی:

عموماً حضرت کا لباس سادہ ہوتا تھا بلکہ بعض دفعہ پھٹا ہوا بھی اور بعض دفعہ لباس صاف ستھرا ہونے کی بجائے میلا بھی ہوتا تھا لیکن جب کہیں جلسہ میں جانا ہوتا تھا تو جیسے حرمین شریف کے ائمہ جبہ اوڑھ کر آتے ہیں اس طرح کا جبہ حضرت زیب تن کر کے جلسہ میں جاتے تھے سردی کے موسم میں ایسا کرتے تھے گرمی کے موسم میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

خوراک کی سادگی:

حضرت علامہ صاحب کے گھر میں لاہور میں جانا ہوتا تھا تو حضرت کو ہم نے بارہا دیکھا کہ سادہ سا کھانا کھا رہے ہوتے تھے ایک مرتبہ دہی بڑے کے ساتھ بھی ان کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔

لیموں کا رس:

حضرت کو لیموں کا رس بہت پسند تھا ایک گلاس میں بہت سارے لیموں نچوڑ کر پانی اور نمک ڈال کر نوش کر لیتے تھے۔

ذاتی حالات پوچھنے پر خاموشی:

جب حضرت سے ذاتی حالات پوچھے تو کبھی ان کی تفصیل نہیں بتائی بلکہ خاموش ہو جاتے تھے شاید یہ ان کی تواضع تھی۔

ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ یہ سپاہ صحابہ کے حضرات اور تنظیم اہل سنت کے حضرت علماء مبلغین مختلف جلسوں میں جاتے ہیں، ان کے خلاف مختلف قسم کے مقدمے بنتے ہیں، گرفتار ہوتے ہیں، حوالات میں یا جیل میں قید بھی ہوتے ہیں، آپ کے بارے میں ہم نے اس طرح کی کوئی چیز نہیں دیکھی، تو آپ اس طرح کا طرز کیوں نہیں اختیار کرتے؟

فرمایا: شروع میں ہمارا بھی یہی طریقہ ہوتا تھا جب تک ہمارے والد صاحبؒ حیات تھے تو ہمارے مقدمات کی وہ پیروی کرتے تھے اور ہمیں چھڑا لیتے تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد ہم نے اپنا طرز بدل لیا۔

دھماکہ:

جب بریلویوں کے عالم مولانا ارشد القادری نے علماء دیوبند کے خلاف اپنی کتاب ''زلزلہ'' لکھی تو علامہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ''دھماکہ'' رکھا تھا لیکن دھماکہ پر کسی مؤلف کا نام نہیں لکھا تھا حضرت نے خصوصی طور میرے سامنے اس کا اظہار کیا تھا کہ یہ کتاب میں نے لکھی تھی۔

شیعہ عقائد:

ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ میری ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''شیعہ عقائد'' مجھے بھی دکھائی تھی، ایک رسالہ کی شکل تھی، تو فرمایا

کہ حکومت نے اس پر پابندی لگادی ہے، پھر ہنس کر فرمایا کہ حکومت نے شیعہ عقائد پر پابندی لگادی ہے۔(آ)

حقوق اہل سنت:

تنظیم اہل سنت ملتان میں مولانا عبدالشکور دین پوریؒ اور مولانا عبدالمجید ندیم مرحوم بھی مرکزی مبلغ کی حیثیت سے موجود تھے، انہوں نے تنظیم کے حضرات سے اختلاف کیا اور اپنی ایک الگ جماعت بنالی اور اس کا نام ''حقوق اہل سنت'' رکھا، تو علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ دیکھو حقوق تو اقلیت والوں کے ہوتے ہیں، اہل سنت تو پاکستان میں اکثریت کے ساتھ ہیں، تو انہوں نے یہ نام شیعوں کے مقابلہ میں رکھا ہے، حالانکہ شیعہ اقلیت میں ہیں، تو شیعوں کو چاہیے کہ وہ کہیں: حقوق شیعہ، جو اہل سنت کثرت کے ساتھ موجود ہیں وہ کیوں اپنی جماعت کا نام حقوق اہل سنت رکھتے ہیں؟

حاصل مطالعہ:

حضرت علامہ صاحب اپنے مطالعہ کو محفوظ کرتے تھے، اس کی شکل یہ تھی کہ مختلف موضوعات کے متعلق کاپیاں بنائی تھیں اور ہر کاپی میں کسی نہ کسی مسئلہ کے متعلق تمام حوالے جمع کر رکھے تھے، اس لئے جس موضوع پر کتاب لکھنی ہوتی تو علامہ صاحب اپنی اس کاپی کو سامنے رکھ کر مرتب کرتے تھے اور ایک کتاب لکھ دیتے تھے۔

کتابوں کی پیٹیاں:

علامہ صاحب کے گھر میں دو تین بڑی پیٹیاں کتابوں کی بھری ہوئی دیکھی تھیں لیکن ہم نے بہت کم دیکھا کہ علامہ صاحب ان پیٹیوں سے کتابیں نکال کر کچھ لکھ رہے ہوں حضرت کا طریقہ وہی تھا کہ مطالعہ انہوں نے پہلے کر لیا تھا اور کتابوں سے حوالے نوٹ کر لئے تھے عبارتیں لکھ لی تھیں اور ان کو تصنیف کے موقع پر مرتب کر دیتے تھے۔

جماعت اسلامی:

اسی طرح سے جماعت اسلامی کے بارے میں فرمایا کہ کوئی اور جماعت نہیں جو اسلام کے نام کو استعمال کرتی ہو، انہوں نے ڈائریکٹ جماعت اسلامی کا نام اپنی جماعت کے لیے رکھا کہ یہ اسلامی جماعت ہے، یعنی اس کا ہر فعل اسلام ہے، جب کہ علماء دیوبند نے براہ راست اس طرح نسبت نہیں کی، بلکہ جمعیت علماء اسلام اور اس طرح کے ملتے جلتے نام رکھے، یعنی براہ راست اسلام کا نام استعمال نہیں کیا۔ لیکن اب تو کئی جماعتیں وجود میں آگئیں ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی کی طرح نام رکھے ہیں جیسے دعوت اسلامی، تنظیم اسلامی، وغیرہ۔

تنظیم اہل سنت کی سرپرستی

حضرت علامہ صاحب علماء کی جماعت تنظیم اہل سنت کے طویل عرصے تک سرپرست اعلیٰ رہے۔ جس جماعت میں علامہ عبد الستار تونسویؒ، مولانا سید نور الحسن بخاریؒ، مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ اور بہت سارے اکابر شریک تھے۔

(آ) یہ کتابچہ ہے، جو قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی ایماء پر علامہ صاحبؒ نے لکھا تھا۔ اس کا پورا نام ''عقائد الشیعہ، بلا تبصرہ'' تھا۔ اور یہ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوا تھا۔ دیکھیے: ۱/۴۴۷......۱/۶۲۵۔ [ادارہ]

حضرت علامہ صاحب اس تنظیم اہل سنت ملتان کے دفتر میں تقریباً ہر سال شعبان رمضان میں مدارس کی تعطیلات کے زمانے میں تشریف لاتے تھے طلباء کو مناظرہ کا کورس کراتے تھے اور مجھے بھی حضرت نے تقریباً دو سال تنظیم اہل سنت میں مناظرہ کے کورس کا حکم دیا، میں نے بھی طالبعلموں کو بعض مخصوص عنوانات پر پڑھایا تھا۔

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾:

جلالپور پیروالا ضلع ملتان میں ایک اہلحدیث حضرات کا دارالحدیث محمدیہ کے نام سے ایک مدرسہ ہے۔ جس کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود تھے میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ قرآن کریم کی آیت ﴿**كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ** [سورۃ المجادلہ: 21]﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ جبکہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور رسولوں کو ناحق قتل کیا گیا تو کیا یہ رسولوں کا قتل ہونا اس آیت کے خلاف نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ کوئی نبی اور رسول قتل نہیں ہوا، جن مقامات پر رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر آتا ہے اس کا معنی ہے کہ وہ لوگ ان رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے قتل نہیں کرتے تھے۔ جب میں نے ان کی یہ تفسیر اہلحدیث عالم معین الدین لکھوی سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ قتل ہوئے ہیں میں نے کہا جو ان کے قتل ہونے کا انکار کرے؟ تو کہا: وہ کافر ہے۔ میں نے ان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ قتل کا منکر کون ہے، ورنہ وہ مولوی سلطان محمود صاحب کو کفر سے بچانے کیلئے کوئی تاویل گھڑ لیتے، اس کے بارے میں جب میں نے علامہ صاحب سے پوچھا تو فرمایا: جن رسولوں کے قتل کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے ان سے مراد وہ رسول ہیں جن کا ذکر سورۃ یٰسین کے شروع میں آتا ہے اور یہ اصطلاحی رسول نہیں تھے بلکہ پیغام رساں کے معنی میں رسول تھے۔

قوت حافظہ:

علامہ صاحب کی قوت حافظہ بھی غضب کی تھی مختلف موضوعات پر حضرت بیان فرماتے تھے تو اپنے حافظہ سے عبارتوں کے ڈھیر بھی لگا دیتے تھے۔

حضرت تھانویؒ پر سرقہ کی تہمت اور علامہ صاحب کا دفاع

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک کتاب **"المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ"** لکھی ہے جس کا اردو نام "احکام اسلام عقل کی نظر میں" ہے مرزائیوں نے بہت عرصہ پہلے حضرت تھانویؒ پر یہ اعتراض لگایا کہ ہمارے ایک عالم کی لکھی ہوئی کتاب سے چرائی گئی ہے تو علامہ صاحبؒ نے ایک طویل مضمون حضرت تھانویؒ کی براءت کے متعلق لکھا اور اس میں بے شمار ایسے دلائل بیان کئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرزائیوں کی تہمت تھی اور حقیقت اس کے برعکس تھی، یہ مضمون ماہنامہ الخیر میں کئی قسطوں میں چھپا تھا۔ (دیکھیے: ۱/۴۰۵......۱/۶۲۴......۲/۳۷......۲/۳۲۰۔ [ادارہ])

ایک مرزائی سے گفتگو

ایک مرتبہ علامہ صاحبؒ ملتان تشریف لائے ہوئے تھے گھنٹہ گھر سے جو تغلق روڈ نکلتا ہے، اس میں کوئی جوتوں کی دوکان تھی،

جس کا مالک مرزائی ہو گیا تھا تو دفتر ختم نبوت ملتان کے حضرات نے علامہ صاحب سے درخواست کی کہ اس مرزائی کے ساتھ گفتگو کریں تو ختم بنوت کے کچھ علماء بھی آئے، میں بھی اس میں موجود تھا، حضرت نے اس کے ساتھ گفتگو کی، وہ حضرت کے علم کا اور گفتگو کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا تھا، حضرت نے اس کو سمجھایا اور مرزے کی چند ایسی باتیں سامنے رکھیں جو ناممکنات میں سے تھیں، ایک مثال حضرت نے یہ بھی بیان کی کہ مرزا قادیانی نے دعوی کیا تھا کہ یہ چودھویں صدی آخری صدی ہے، اس کے بعد پندرھویں صدی نہیں آئے گی اگر پندرھویں صدی آجائے تو میں جھوٹا۔ تو اب دیکھو پندرھویں صدی تو آگئی ہے، تو اس سے ثابت ہوا کہ مرزا قادیانی جھوٹا تھا مگر وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا اور مرزائیت سے توبہ کی توفیق بھی اس کو نہیں ہوئی تھی۔

کیا اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں؟

ایک مرتبہ میں نے ملتان کے سفر میں علامہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ سنن ابوداود میں امام ابوداودؒ کا ایک قول موجود ہے **"لیس فی حدیث اهل کوفة نور"** تو اب امام ابوحنیفہؒ اور ائمہ احناف بہت سارے ہمارے کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں تو اس قول میں ائمہ احناف پر اعتراض واقع ہوتا ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟ علامہ صاحب نے ایک عجیب سا جواب ارشاد فرمایا: کہ قاضی نور اللہ شوستری شیعوں کا ایک بڑا عالم گزرا ہے جس نے ''مجالس المؤمنین'' کے نام سے فارسی میں کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ جب تک اہل کوفہ میں کسی کے سنی ہونے کی تحقیق نہ ہو جائے تو بالعموم تم کوفہ میں رہنے والوں کو شیعہ جانو پھر علامہ صاحب نے نور اللہ شوستری کی اس کتاب سے وہ عبارت ایک ڈیڑھ صفحہ کی اپنے حافظہ سے سنا دی۔

مناظرہ شیفیلڈ

علامہ صاحبؒ نے ایک مناظرہ کی رُودَاد ''مناظرہ شیفلیڈ'' کے نام سے چھاپی تھی یہ شیفلیڈ انگلینڈ میں ایک شہر کا نام ہے جس میں مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ بھی شریک تھے بلکہ وہ متکلم تھے اور علامہ صاحب صدر مناظر تھے۔(۱)

استنباط مسائل کا ملکہ

علامہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ مجھے جس آیت یا جس حدیث کے متعلق کہو جس قسم کے مسئلہ کا میں اس آیت سے یا اس حدیث سے نکال سکتا ہوں۔

میں نے جن حضرات کو علمی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھا:

(۱) ایک تو ہمارے چچا حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ جنہوں نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے امیر سوئم اور ناظم اعلی اور ناظم تبلیغ کی حیثیت سے مجلس میں خدمت سرانجام دی تھیں، ان کو ہمیشہ کتابوں کے مطالعہ میں دیکھا وہ مرزائیوں کی کتابوں کے حافظ سمجھے جاتے تھے۔

(۲) دوسرے حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کو دیکھا وہ بھی ہر وقت کسی نہ کسی کتاب کے مطالعہ میں ہوتے تھے۔ ایک

---

(۱) اِس مناظرہ کی مکمل کارگزاری مولانا عبدالجبار سلفی کے مضمون میں موجود ہے۔ دیکھیے: ۱/۱۷۱۔[ادارہ]

مرتبہ مجھے فرمایا کہ میں غیر مقلدین کی کتابیں پڑھ کر پریشان ہوتا ہوں رات کو مجھے جب نیند نہیں آتی تو میں آپ کی کتابیں پڑھ کر سکون محسوس کرتا ہوں اور پھر نیند آجاتی ہے، بڑے لوگوں کی بڑی بات تھی ہمارے لئے حوصلہ افزائی تھی۔

(۳) اور تیسرے حضرت علامہ صاحبؒ کو دیکھا کہ وہ فارغ نہیں بیٹھتے تھے، ہر وقت کسی نہ کسی کتاب تصنیف یا تصحیح وغیرہ میں مصروف رہتے یا پھر بیانات کے سلسلہ میں سفر میں ہوتے تھے۔ انہوں نے یہ مزاج اکابر علماء اہل سنت دیوبند سے پایا تھا۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ کا سلوکہ:

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے دیوبند میں صرف ایک آدمی کو دیکھا جو انتہائی گرمی کے ایام میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ایک ہی سلوکہ (چھوٹا سا باریک سا کرتہ) میں پھرتا تھا اور کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا اور وہ تھے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

تقریب احکام القرآن میں شرکت:

دارالعلوم اسلامیہ لاہور میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے مقرر کردہ کتاب احکام القرآن کی تصنیف کا جب کام مکمل ہوا تو اسی مدرسہ میں ہی اس کی اختتامی تقریب کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں جناب محمد رفیق تارڑ صاحب سابق صدر پاکستان جو ابھی صدر نہیں بنے تھے ان کو بلایا گیا اور جناب محمود غازی صاحب جو بعد میں وفاقی وزیر مذہبی امور بنائے گئے تھے ان کو بھی بلایا گیا تھا۔

اس تقریب میں حضرت علامہ صاحبؒ اس نسبت سے کہ ہمارے اکابرین کی طرف سے ایک طے شدہ کتاب مکمل ہوئی ہے، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تقریب میں جناب رفیق تارڑ صاحب اور محمود غازی صاحب جیسے حضرات نے بیان کیا اور علامہ صاحب کو دو جملے بھی بولنے کے لیے سٹیج پر بلانے کی زحمت گوارا نہ کی گئی۔

بعد میں جب علامہ صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو علامہ صاحب بڑے حیران ہوئے کہ چھ سال آپ نے چوتھی منزل کے تمام احکام پر ائمہ اربعہ کے دلائل اور مسائل اور جوابات کو مرتب کیا اور کتابوں سے نکالا اور ترتیب دیا مگر پورے اجلاس میں میں اس بات کی طرف متوجہ رہا کہ کسی جگہ تو آپ کا نام لیا جائے گا لیکن آپ کا نام تک نہیں لیا گیا۔ اس جلسہ میں مفتی جمیل صاحبؒ نے خود کچھ بیان کیا تھا۔

مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے نزدیک علامہ صاحب کا علمی مرتبہ:

ایک مرتبہ ایک مسئلہ کے بارے میں مفتی جمیل احمد تھانویؒ سے گفتگو ہوئی تو میں نے علامہ صاحب کا قول نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی کوئی دلیل قرآن شریف میں موجود نہیں ہے تو مفتی جمیل صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ صاحب بہت زیرک آدمی ہیں جب وہ یہ بات فرما رہے ہیں تو وہ واقعی اس میں کوئی دلیل نہیں ہوگی۔

علامہ صاحب کے تبلیغی اسفار:

تبلیغ کی کتنی بڑی اہمیت ہے اس کا اندازہ تو تبلیغ کرنے والے علماء کو معلوم ہے کہ اس کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہے اور روحانی طور پر اس کے کیا اثرات ہیں علامہ خالد محمود صاحبؒ نے بھی اس فن میں ایک منفرد ذوق پایا تھا حضرت دنیا بھر میں مختلف ملکوں میں، مدارس میں، مساجد میں، یونیورسٹیوں میں، سیمینارز میں شرکت فرماتے تھے اور مختلف زبانوں میں خطاب فرماتے تھے۔

علامہ صاحب تیونس یونیورسٹی میں:

ہمارے ایک دوست جو تیونس یونیورسٹی سے پڑھ کر آئے تھے مجھے بتایا کہ علامہ خالد محمود صاحبؒ ہماری یونیورسٹی میں تشریف لائے تو فی البدیہ انگریزی میں بیان شروع کر دیا تو وہاں کے پروفیسر ز اور سکالرز بڑے حیران اور ششدر ہو رہے تھے، علامہ صاحب سمجھ گئے کہ ان کو میری بات پوری طرح سمجھ نہیں آ رہی تو انگریزی زبان کو چھوڑ کر فی البدیہ عربی میں خطاب کیا اور وہ خطاب ایسا عجیب و عظیم تھا کہ وہاں کے اہل علم نے کہا کہ ہم نے آج تک پوری زندگی میں ایسا شخص نہیں دیکھا۔

علامہ صاحب کے مختلف خطبات:

علامہ صاحبؒ کے ساتھ میں نے بہت سارے اسفار میں ان کی تقاریر کو سنا ہے وہ جب کسی موضوع پر بیان کرتے تھے تو اس موضوع کا مدلل طور پر احاطہ کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جب ایک جگہ ایک بیان ہو جائے تو اسی موضوع پر دوسرا بیان دوسرے انداز سے ہو جس میں پہلے بیان کی باتیں نہ آئیں سوائے ضروری باتوں کے۔

علامہ صاحب کے خطبہ کا آغاز:

علامہ صاحب اپنا خطبہ شروع کرتے یا کتاب شروع کرتے یا تقریر شروع کرتے تو اس کے شروع میں قرآن کریم کی آیت ﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى**[سورة النمل: 59]﴾ کا انتخاب فرماتے تھے۔

علامہ صاحب کا مسلکی مزاج:

علامہ صاحب کا تحقیقی اور مسلکی مزاج چونکہ حضرات علماء اہل سنت دیو بند کے مزاج کا ترجمان اور مؤید تھا اس لئے ہمارے اکابر مشائخ میں سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی جامعہ خیر المدارس ملتان، حضرت علامہ صاحب کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ اور خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں حضرت کو بطور خاص دعوت دیتے تھے اور مخصوص عنوان پر ان سے مفصل بیان کروایا کرتے تھے۔

ایک عجیب واقعہ:

علامہ صاحب نے مجھے ایک مرتبہ عجیب لطیفہ سنایا کہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں ہم اسٹیج پر موجود تھے اس وقت (حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ اجل) حضرت مولانا زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے تھے، وہ تقریر میں بار بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا

ذکر کرتے تو تقریر میں ابوبکر نام کو ابو بکر بولتے تھے تو ہمیں بڑی ہنسی آتی چونکہ ہم اسٹیج پر بیٹھے تھے تو بار بار ہنسی کو روکنا مشکل ہو رہا تھا، تو میں نے اپنے دوست مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کو کہا کہ آؤ ذرا باہر گھوم پھر آئیں، چنانچہ ہم دونوں باہر چلے گئے، مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ ملتان میں ہمارے ایک دوست ہیں ان کے گھر چلتے ہیں چائے پیتے ہیں پھر واپس آجائیں گے، چنانچہ ہم ان کی طرف چلے گئے، وہاں ان کے گھر میں پہلے ایک واقعہ ہو چکا تھا، ان کی لڑکی کو کوئی لڑکا فون کرتا تھا، گھر والوں کو جب معلوم ہوا تو فون پر رابطے میں ایک دوسرے کو دھمکیاں دی گئیں اور گھر والوں نے کہا کہ اب تو آکر دیکھ پھر ہم تیرا کیا حشر کرتے ہیں، تو اس نے کہا تیار ہو جاؤ میں آرہا ہوں، اتنا واقعہ ہمارے جانے سے پہلے ہو چکا تھا اور ہمیں اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں تھی، جب ہم اس گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو گھر سے آواز آئی ''آ گئے ہو'' تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے کہا ہاں۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے اور میں ایک طرف کھڑا تھا جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا اور یہی سمجھا کہ یہ وہی لڑکا ہے اور انہوں نے مولانا کو پکڑا اور گھر میں گھسیٹا، نیچے پھینکا اور اوپر سے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ مولانا چیخ رہے ہیں، چلا رہے ہیں، رات کا وقت ہے، میں چونکہ باہر دروازہ کی ایک طرف کھڑا تھا، تو میں نے شور کیا تو لوگ جمع ہو گئے اور مولانا کو اس طرح سے میں نے ان کے حملہ سے چھڑوالیا۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ اب کبھی مولانا عبدالرحمٰن اشرفی سے ملاقات ہو تو ان کو کہنا کہ وہ ملتان والوں نے کیا کہا تھا ''آ گئے ہو'' اور آپ نے کہا تھا کہ آ گیا ہوں تو پھر کیا بنا تھا؟

بہر حال جامعہ اشرفیہ والوں کے ساتھ علامہ صاحبؒ کے بہت گہرے تعلقات تھے اور یہ چونکہ دوستانہ تعلقات میں ایسی بے تکلفی بھی ہو جاتی ہے تو اس لئے علامہ صاحب نے اس واقعہ کو یہ رنگ دیا۔

جنرل ضیاء الحق کے نفاذ اسلام کی کوشش کا ایک واقعہ:

مجھے حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ نے بیان کیا تھا کہ صدر ضیاء الحق مرحوم نے جامعہ اشرفیہ والوں سے رابطہ کر کے کہا تھا کہ میں پاکستان میں اسلام کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہوں اور پاکستان میں جید علماء کو اپنی میٹنگ میں بلا کر اس کا طریقہ کار طے کرنا چاہتا ہوں اس لئے آپ بڑے بڑے علماء کو بذریعہ جہاز لے کر اسلام آباد تشریف لے آئیں، پھر ضیاء الحق مرحوم نے PIA کو بطور خاص ہدایات دیں کہ اس طرح سے علماء اسلام آباد کے لئے جو ٹکٹ بک کروائیں تو ان کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔

چنانچہ جس تاریخ کو علماء نے اسلام آباد جانا تھا اور جس جہاز سے جانا تھا اس جہاز کے استقبال کے لئے خود صدر ضیاء الحق مرحوم تشریف لے گئے، جب دیکھا کہ جہاز سے ڈاڑھی مونڈے لوگ نکل رہے ہیں اور دو چار ڈاڑھی والے علماء اترے ہیں تو دلبرداشتہ ہو کر واپس چلے گئے اور اپنے کسی نمائندہ کو کہا کہ ان حضرات کے ساتھ کچھ گفتگو کر کے اور کھانا کھلا کے ان کو واپس بھیج دینا۔

جامعہ اشرفیہ والوں نے ضیاء الحق مرحوم کے اس تقاضے پر اس طرح عمل کیا تھا کہ اپنے چند لوگوں کو جہاز پر سوار کر کے اسلام

آباد پہنچایا اور باقی جتنے لوگوں کے لیے ضیاء الحق نے تقاضا کیا تھا وہ علماء نہیں تھے بلکہ مساجد کے ائمہ اور موذنین تھے ان کو بذریعہ ریل سیٹیں بک کروا کر پنڈی کے راستہ سے اسلام آباد بلایا گیا، جب ضیاء الحق نے یہ طریقہ دیکھا تو وہ سمجھ گیا اور خود مذاکرات نہ کیئے اور اپنے نمائندوں کے ذمے لگا دیا تو انہوں نے کچھ مذاکرات بھی کر لیئے اور ان کو کھانا کھلا کر واپس رخصت کر دیا تھا۔

اس ہولناک واقعہ سے مجھے بڑی تشویش ہوئی میں نے اس کا ذکر علامہ خالد محمود صاحب سے کیا کہ میں نے یہ واقعہ ایسے سنا ہے اس کے بارے میں آپ کو کچھ معلوم ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مشورہ جامعہ اشرفیہ والوں کو میں نے دیا تھا کہ اس طرح کر لو۔

میں نے پوچھا آپ نے یہ مشورہ کیوں دیا انہوں نے کہا کہ مجھے اندازہ تھا کہ یہ علماء جب ضیاء الحق کے سامنے جائیں گے تو اسلام کے نفاذ کا صحیح طریقہ کار بیان نہیں کر سکیں گے اور آپس میں لڑ پڑیں گے، بجائے اس کے کہ علماء کی لڑائی کو ضیاء الحق دیکھے اور بد دل ہو یہ بہتر ہے کہ علماء ہی نہ جائیں اور یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تاکہ علماء کی بے عزتی نہ ہو تو مجھے علامہ صاحب کے اس مشورے پر بھی بڑی حیرت ہوئی کہ اگر یہ مشورہ نہ دیتے اور علماء کو وہاں میٹنگ میں موقعہ مل جاتا تو ہو سکتا ہے کچھ صحیح صورتحال بن جاتی۔ بہر حال وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

مولانا مشرف صاحب نے یہ بھی آگے سنایا تھا کہ اس کے بعد ضیاء الحق مرحوم نے حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سے رابطہ کیا کہ آپ پاکستان بھر کے جید علماء کو اپنے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر بلا کر میرے پاس لے آئیں تاکہ میں ان سے اس اسلام کے نفاذ کے متعلق گفت وشنید کر سکوں تو مولانا مالک صاحب کوئی علماء نے یہ جواب دیا کہ آپ کے بلانے سے تو ہم نہیں جاتے، اگر صدر صاحب خود ہمیں ڈائریکٹ بلائیں گے تو پھر ہم جائیں گے۔

جب یہ جواب صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کو سنایا تو ضیاء الحق نے مولانا صاحب کو کہا کہ اب ایک طریقہ اور ہے وہ یہ ہے کہ لاہور پنجاب یونیورسٹی میں کئی مربعہ زمین خالی پڑی ہوئی ہے میں وہاں آپ کو ایک اسلامک انسٹیٹیوٹ بنا دیتا ہوں جس میں آپ علماء کو ایسی تربیت دیں جو پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لئے مددگار ثابت ہو سکیں اور پاکستان میں اسلامی نظام کو چلا سکیں۔ مولانا محمد مالک صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اب میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اتنا بڑا ادارہ مجھ سے نہیں چل سکے گا۔

اس طرح سے ضیاء الحق مرحوم کی اس خواہش کا جنازہ نکل گیا اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ ضیاء الحق مرحوم کے دفتر میں جب ہم جاتے تو ہم اس کی سیکرٹری سے کہتے تھے کہ صدر صاحب کو ملنا ہے تو وہ کہتی پاگل کو ملنا ہے، دیوانے کو ملنا ہے، وہ ہر وقت یہی رٹ لگاتا ہے: اسلام اسلام اسلام۔ بہر حال ہمارے لوگوں نے تو ضیاء الحق مرحوم کو نہیں پہچانا امریکہ تک پہچان گیا تھا جس نے ان کا طیارہ ہی کرش کروا دیا تھا۔

مختلف کالجوں میں لیکچرار اور پروفیسر:

پاکستان میں علامہ صاحب کئی کالجوں میں پروفیسر رہے خانیوال میں، لاہور میں، اور سیالکوٹ کے مرے کالج میں اسی طرح سے علامہ صاحب نے بتایا کہ انگلینڈ کے بھی کئی کالجوں میں مجھے اعزازی لیکچرار رکھا گیا ہے۔

علامہ صاحب کی تصنیفات:

علامہ صاحب نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں جن کی لسٹ مکمل طور پر شائد کسی کے پاس نہیں ہوگی، جو کتابیں چھپی ہوئی ملتی ہیں عام مل جاتی ہیں وہ تو بیس، پچیس، تیس کے قریب ہیں اور جو نادر و نایاب ہیں وہ بہت ساری ہیں، علامہ صاحب کے بہت سارے مضامین جو قدیم رسائل میں چھپے ہیں سینکڑوں کی تعداد میں ان کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ بہر حال حضرت کی کتابیں بہت گہری اور علمی مواد سے بھرپور ہیں اور اکابر کے علوم اور مسلک کی ترجمان ہیں۔

مولانا محمد صادق کی اولاد کی حوصلہ افزائی:

بہاولپور میں ایک مولانا محمد صادق صاحب تھے، مقدمہ بہاولپور جو مرزائیوں کے خلاف مشہور مقدمہ تھا اس میں ان کی بڑی خدمات ہیں، علامہ صاحب کے ساتھ میں بہاولپور کے سفر میں مولانا صادق صاحب کے گھر گیا تھا جبکہ ان کی اولاد موجود تھی خود مولانا صادق صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔

ایک تبصرہ پر علامہ صاحب کا تبصرہ:

ایک مرتبہ میں علامہ صاحب کے گھر گیا، علامہ صاحب کے سامنے ایک کتاب رکھی ہوئی تھی جس پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا تبصرہ لکھا ہوا موجود تھا۔ علامہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ یہ تبصرہ پڑھو میں نے جب پڑھا تو مجھے فرمایا: اس میں کوئی کام کی بات آپ کو نظر آتی ہے؟ تو میں خاموش ہو گیا میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔ شاید حضرت مولانا محمد تقی صاحب کا وہ تبصرہ علامہ صاحب کے معیار کا نہیں تھا۔

چند اہم باتیں:

علامہ صاحب کے ساتھ ہم نے بہت زیادہ سفر کیے تھے دو چار باتیں سفر کے متعلق بھی ان کی ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ سفر میں سامان کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ جب سواری پر بیٹھنا ہو تو سامان کے جتنے پیس ہوں ان کو گن لیا جائے اور اترتے کے وقت اپنے سامان کی ان پیسوں کی تعداد کو پورا کر لیا جائے اس طرح سے کوئی سامان گم نہیں ہوتا اور چھوٹتا بھی نہیں اور بھولتا بھی نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کسی جگہ جانا ہو اور کرایہ معلوم نہ ہو مثلاً رکشہ پر جانا ہے تو ایک رکشہ والے سے پوچھ لو کم سے کم وہ کتنا مانگتا ہے، پھر دوسرے سے پوچھ لو اور چاہو تو تیسرے سے بھی پوچھ لو۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس جگہ کا کتنا کرایہ ہے۔

(۳) علامہ صاحب ایک مرتبہ بنوری ٹاؤن میں تربیتی کورس کے لئے تشریف لے گئے پھر کپڑوں کی دھلائی کروائی تھی تو میں بھی حضرت کے ساتھ تھا، ہم ایک دھوبی کی دکان پر گئے اور اپنے کپڑے دھونے کے لئے اس کو دیئے اس نے نام پوچھا تو حضرت نے فرمایا: محمود، اپنا پورا نام نہیں لکھوایا۔ یہ بھی احتیاط کی بات تھی۔

(۴) اسی طرح جب کہیں سفر پر جاتے تھے تو گاڑی میں کوئی پوچھتا یا سیٹ بک کروانی ہوتی اور نام لکھوانا پڑتا تو اس میں

خالد محمود نہیں لکھواتے تھے، فقط ''محمود'' لکھواتے تھے، تا کہ کسی کو میری پہچان نہ ہو اور وہ مجھے نقصان نہ پہنچائے۔

علامہ خالد محمود صاحبؒ نے جب کتاب ''مقام حیات'' لکھی جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی کا مدلل مفصل بیان فرمایا تو اس میں یہ بات لکھی کہ مناظرہ میں مخالف کے مقابلے میں پہلا نمبر جس دلیل کا ہے وہ حدیث ہے، پھر قرآن کا درجہ ہے تو یہ بات منکرین حیات کو ناگوار معلوم ہوئی اور اشاعت التوحید و السنۃ کے سرپرستوں میں مولانا قاضی شمس الدین گوجرانوالہ کے بھی تھے، انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام شاید ''مسالک العلماء'' رکھا، (۱) اس میں کہا کہ علامہ صاحب نے یہ غلطی کی ہے کہ دلائل کی ترتیب میں پہلے قرآن ہے پھر حدیث ہے اور انہوں نے حدیث کو پہلے رکھ دیا اور قرآن کو بعد میں رکھ دیا، پھر انہوں نے اصول فقہ کی کتابوں سے اور دوسری کتابوں سے اپنے دلائل جمع کر کے بیان کر دیئے کثیر تعداد میں کہ دیکھو پہلے قرآن کا درجہ ہے پھر حدیث کا۔ لیکن افسوس کہ قاضی شمس الدین صاحب کو اس بات کی طرف توجہ نہ ہوئی کہ یہ جو ترتیب ہے دلائل کی یہ مسائل کے اجتہاد اور قیاس کے موقعہ پر ہے نہ کہ مناظرہ کے مواقع میں اور علامہ خالد محمود صاحب کی دلیل حضرت علیؓ کا فرمان ہے جب خارجیوں کے ساتھ مناظرے کے لیے حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو روانہ کیا تھا تو فرمایا تھا: کہ حدیث کی رو سے مناظرہ کرنا قرآن کی رو سے نہ کرنا کیونکہ قرآن کریم کا جو پیرائے بیان ہے اس میں کئی احتمال نکل سکتے ہیں اور یہ مخالف ان احتمالات کی وجہ سے ادھر ادھر بھاگتے ہیں اور حدیث میں جو مفہوم ہوتا ہے وہ متعین ہوتا ہے اس لئے مخالف اور گمراہ کو بھاگنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

علامہ صاحب کا میری کتابوں پر تجزیہ:

ایک مرتبہ علامہ صاحب ملتان میں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس میرے گھر میں بھی تشریف لے آئیں تو میں حضرت کو اپنے گھر لے آیا، میں نے ان سے اس موقع پر پوچھا کہ آپ نے میری کتابیں دیکھی ہیں؟ تو فرمایا: ہاں، تو میں نے کہا کہ آپ نے ان کو کیسا پایا؟ کہنے لگے: ان میں دو خامیاں ہیں، میں نے کہا وہ کیا؟ کہنے لگے ایک تو آپ نے یہ کتابیں جلدی میں لکھی ہیں، دوسری خامی یہ ہے کہ آپ نے کتابیں تو لکھی ہیں لیکن اپنے مسلک کی تائید میں کوئی کتاب نہیں لکھی، تو میں نے کہا: حضرت یہ تو کوئی خامیاں نہیں ہیں یہ بتائیں کہ جو میں نے جلدی میں کتابیں لکھی ہیں یہ صحیح ہیں یا غلط ہیں کہنے لگے: ہیں تو صحیح، غلط تو نہیں ہیں۔ تو میں نے کہا بس جب صحیح ہوں چاہے جلدی میں لکھی جائیں تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہو سکتی، باقی میں نے کہا مسلک کی خدمت تو وہ الحمد للہ احکام القرآن للتھانوی کی شکل میں عربی زبان میں چار جلدوں میں موجود ہے اور آئندہ بھی میں ارادہ رکھتا ہوں، چنانچہ ان کے توجہ دلانے سے میں نے مستند نماز حنفی لکھی جو مقبول عام کتاب اور حنفی مسلک والے حضرات کیلئے بہت مضبوط اور مفید کتاب ہے۔

---

(۱) علامہ صاحبؒ نے جواب الجواب کے طور پر ''مسالک العلماء'' کے تمام اعتراضات کا رد ''مقام حیات'' کے دوسرے اڈیشن میں کر دیا تھا۔ [ادارہ]

معجم علوم الحدیث النبوی:

میں نے ایک مرتبہ فون پر حضرت سے رابطہ کر کے کہا کہ میں علوم حدیث پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں جو معجم کی شکل کی ہوگی تو علامہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تو بہت بڑا کام ہے جو آپ نے شروع کیا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کتاب کو دیکھوں اور اس سے استفادہ کروں۔ بہر حال کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ میں اخیر عمر میں علامہ صاحب کی ملاقات کو جا سکتا اور ان کو یہ کتاب بھی پیش نہ کر سکا حالانکہ ان کی حیات میں یہ کتاب چھپ کر آ گئی تھی۔ پھر ایک آدمی کے ذریعہ میں نے کتاب بھجوائی تو علامہ صاحب سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ علامہ صاحب پہلے انگلینڈ جا چکے تھے۔

ایک مرتبہ علامہ صاحب کے گھر میں میں اپنے دونوں بیٹوں مولوی محمد اور حافظ ابوبکر کو لے کر گیا تا کہ یہ بھی علامہ صاحب کی زیارت کر لیں اور ان کی مجلس سے کچھ استفادہ کر لیں، الحمد للہ یہ ملاقات بھی میرے بیٹوں کے لیے اعزاز کی بات ہے۔

مجھے اپنے ساتھ کام کی دعوت:

جب میں حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے ساتھ تفسیر احکام القرآن للتھانوی کی تصنیف کر رہا تھا تو علامہ صاحب نے مجھے پیش کش کی کہ آپ مفتی صاحب کے پاس کام چھوڑ دیں، میرے پاس میرے مدرسہ جامعہ ملیہ شاہدرہ لاہور میں آ جائیں جو کچھ تنخواہ اور مراعات آپ کو یہ دار العلوم اسلامیہ والے دے رہے ہیں وہ سب میں دوں گا لیکن میں ان کی اس بات کو بوجوہ قبول نہ کر سکا۔

مناظرہ میں مخالف پر گرفت:

حضرت علامہ صاحب کا مزاج مخالف مناظر کے سامنے اپنے مسلک کے دلائل بیان کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ دلائل کی روشنی میں فریق مخالف کو گرفت میں لیتے تھے گرفت سے اس کا بچنا محال ہو جاتا تھا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کے متعلق جو بریلویوں کا عقیدہ ہے اس کے متعلق حضرت فرماتے تھے بریلویوں سے جب حاضر ناظر کے متعلق گفتگو ہو تو ان سے یہ پوچھو کہ حضور کسے کہتے ہیں جسم اور روح کو یا صرف جسم کو یا روح کو؟ تو وہ کہیں گے جسم اور روح دونوں کو کہتے ہیں دونوں کے مجموعہ کا نام حضور ہے۔ تو فرمایا کہ پھر ان سے کہو کہ جسم وہ ہوتا ہے جو نظر آئے اور روح وہ ہوتی ہے جو نظر نہ آئے تو وہ اس بات کو بھی مان لیں گے، پھر آپ کہیں کہ اب آپ کے عقیدہ کے مطابق نبی ﷺ جب جسم اور روح دونوں کا مرکب ہیں تو حاضر ناظر ہونے کے عقیدہ کے مطابق آپ ﷺ کا ہر کسی کو ہر جگہ نظر آنا لازمی بات ہے تو پھر وہ جان چھڑانے کے لیے کہیں گے نہیں جی نہیں حضور کا جسم حاضر ناظر نہیں حضور کی روح حاضر ناظر ہوتی ہے۔ تو پھر آپ ان کو جواب دیں کہ حضور تو جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے جب جسم حاضر ناظر نہ ہوا اور روح حاضر ناظر ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدھے حضور حاضر ہیں اور آدھے غائب ہیں۔

حضرت علامہ صاحب اسی طرح کے طریقے مخالفین کے ساتھ گفتگو کرنے کے بیان فرماتے تھے۔

عمومی گفتگو کا طرز

بلکہ حضرت علامہ صاحب کا عمومی طور پر اپنے لوگوں کے ساتھ بھی گفتگو کا طرز مناظرانہ ہوتا تھا فرماتے تھے کہ اس طرح سے مناظرہ کی پریکٹس رہتی ہے۔

فرماتے تھے کہ مناظرے کے موضوع کو کریدنا چاہیئے اس پہ گرفت کرنی چاہیئے مخالف کو دلائل کی شکل میں جواب دینے کی بجائے سوال پر سوال کرنا چاہیئے کیونکہ سوال کرنا آسان ہوتا ہے اور جواب دینا مشکل ہوتا ہے اسی کے اندر ہی مخالف پھنس جاتا ہے۔

اگر فریق مخالف کے سامنے غلطی ہو جائے:

فریق مخالف کے سامنے اگر آپ سے غلطی ہو جائے اور مخالف آپ پر گرفت کرے تو آپ سادہ سے لفظوں میں کہہ دیں میری اس طرف توجہ نہیں گئی، اور جب اپنے حضرات کے سامنے غلطی ہو اور وہ آپ کو متنبہ کریں تو آپ ان کے سامنے برملا کہہ دیں کہ غلطی ہو گئی ہے۔

تربیتی پروگرام میں مخصوص عنوانات:

تربیتی کورسز میں حضرت علامہ صاحب کے کچھ خاص عنوان ہوتے تھے جن میں طلبہ کو تربیت فرماتے تھے خصوصا اکابر علماء دیوبند کے متعلق ایک تو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اوپر جو اعتراضات اور الزامات تھے ان کو واضح کرتے اور ان کے جواب دیتے تھے۔ دوسرے درجہ میں حضرت نانوتویؒ پر اعتراضات ہیں ان کا جواب دیتے تھے۔ اور پھر گنگوہیؒ پر جو الزام اور اعتراض ہیں ان کا جواب دیتے تھے۔ اسی طرح سے حضرت تھانویؒ پر جو اعتراضات تھے ان کے جوابات دیتے تھے۔

وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس

علامہ صاحب کو سپریم کورٹ میں وفاقی شرعی عدالت کا جسٹس بھی مقرر کیا گیا تھا، یہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت کا زمانہ تھا۔ علامہ صاحب کو بہت ساری زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا جیسے انگلش، عربی، فارسی، اردو، پنجابی وغیرہ۔ علامہ صاحب جب اہل علم کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو بہت علمی گفتگو فرماتے تھے اور دلائل میں کتابوں کی طویل طویل عبارتیں بھی پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کلمات کو قبول فرمائیں۔

امداد اللہ انور 18-08-2020

☆......☆......☆......☆

مولانا عطاء اللہ، خانقاہ بہاول پور

وہ واقعی علامہ تھے

حضرت علامہ خالد محمودؒ کا وصال تمام اہل علم کے لیے اور دین دار طبقہ کے لیے پُر درد و پُر الم سانحہ ہے۔ وہ وقت کے علامۃ الدہر تھے، علماء کا ماویٰ اور ملجا تھے، اولیاء کے محبوب تھے، کتابوں کے حافظ تھے، اسلام کی سیف بے نیام تھے، مشکل مسائل کا حل پیش کرنے والے مردِ قلندر رہتے تھے، باطل فرقوں کے خلاف ہر دم مسلح اور تیار رہتے تھے، آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہیں تو بے جا نہیں۔

ایک مرتبہ حضرتؒ نے خود فرمایا کہ میرے ہاتھ پر بہت سے غیر مسلموں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ آپ کو تمام دینی جماعتوں میں قیادت کا مقام ملتا رہا۔ برطانیہ میں جمعیت علماء برطانیہ کے آپ بانی تھے۔ آپ کو علامہ اپنوں نے بھی کہا اور غیروں نے بھی، **والفضل ماشھدت به الاعداء**۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور بھی تھا، پوری جماعت کا کام اس فرد واحد نے کیا، تقریراً بھی تحریراً بھی اور مناظرانہ طور پر بھی۔ ہر میدان میں بلاخوف و خطر اترنے والے تھے، آپ کی جدائی سے عالمِ اسلام کو بڑا نقصان ہوا ہے، وہ صحابہ کرامؓ کے شیدائی، ختم نبوت کے فدائی اور اسلام کا غم رکھنے والے تھے، واقعی علامہ کے اسمِ با مسمیٰ تھے۔

محمد بن نیشاپوریؒ نے فرمایا تھا: **لا یعرف قدر الغزالی من جاء بعد الغزالی.** علامہ تاج الدینؒ نے اس پر مزید فرمایا: **إلا أن یکون مثل الغزالی أوفوق الغزالی.**

حضرت تمام مناظرانہ گفتگو میں **"وجادلھم بالتی ھی احسن"**. پر عمل پیرا تھے، یہ جدال اسلام کی اشاعت، دین کے تحفظ، ایمان کی بقاء، حق کا نور دکھانے، ظلمت کی نشان دہی اور باطل کے بطلان کے لیے تھا۔ بطور نمونہ علامہ صاحبؒ کے مناظروں کے سوال و جواب اور نجی محفلوں کی چند چیزیں پیش خدمت ہیں۔

سوال: جھنگ میں علماء کا اجتماع تھا میں بھی شریک تھا۔ حضرت علامہؒ سے سوال ہوا کہ ہر فرقے والا کہتا ہے کہ: ہم ہی حق پر ہیں، اس پر وہ دلائل بھی پیش کرتے ہیں، آپ ایسی دلیل پیش کریں جس سے ہمارا حق پر ہونا بھی ثابت ہو اور اس کا توڑ بھی نہ ہو۔

جواب: فرمایا قرآن سے دلیل پیش کرتا ہوں، جو عام فہم بھی ہے اور ہر آدمی اس دلیل سے ہمارا حق ہونا سمجھ بھی سکتا ہے۔ **اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور** ۔ ظلمات جمع اور نور مفرد ہے، آپ تمام دنیا کے نظریات کو دیکھیں ان کا رخ کن کے خلاف ہے۔ اس وقت وہ واحد جماعت علماء اہلِ سنت دیو بند ہیں، باقی تمام ظلمات ہیں اور علماء دیو بند نور ہیں۔

سوال: حضرت علامہؒ فرماتے ہیں: میں ایک جگہ گزر رہا تھا، ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا کہ: امیر معاویہؓ کون تھے؟ پہلے نے کہا: وہ یزید کے باپ تھے! دوسرا حقارت سے کہنے لگا: اچھا! وہ یزید کے والد تھے!! میں نے اس آدمی سے کہا: تیرا جواب غلط ہے، میں صحیح جواب دیتا ہوں، پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کاتبِ وحی تھے، رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، ان کو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چنا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا انتخاب تھے۔ تیسرا جواب: حضرت عثمانؓ نے ان کو پورے شام کا گورنر بنا دیا اور چالیس سال گورنری کی۔ چوتھا جواب: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دوسرے بعض صحابہ نے ان کو مشورہ دیا کہ یزید کو ولی عہد بناؤ۔ صحابہؓ کے مشورے سے آپ نے ایک دُعا کی جو طبری میں موجود ہے کہ اے اللہ! اگر میرا یہ فیصلہ غلط ہو تو اس کو تباہ کر دے اور یزید کو وصیت کی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے کا لحاظ کرنا۔

سوال: کیا خلفاء راشدین میں آپس میں اختلاف تھا اور ایک دوسرے کے متعلق ناراضی بھی تھیں۔

جواب:۔ کربلا میں سب سے پہلے جو شہید ہوئے عثمان بن علی تھے، ان کی اولاد میں ابوبکر بھی ہے، عمر بھی ہے اور عثمان بھی، یہ نام محبت کی وجہ سے رکھے گئے تھے۔

سائل نے کہا: اپنے بچوں کے یہ نام کوسنے کے لیے رکھے گئے ہیں۔

حضرت علامہ نے فرمایا: تم اپنے بچوں کے نام فرعون، ہامان، شداد، ابوجہل وغیرہ رکھو اور ان کو کوستے رہو!! نام محبت کی وجہ سے رکھے جاتے ہیں کوسنے کے لیے نہیں۔

سوال: ایک طالب علم نے سبق کے دوران سوال کیا: آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کا احترام کرو۔ ان میں شرابی بھی ہیں، زانی بھی ہیں وہ کیسے قابلِ احترام ہوئے؟

جواب:۔ میں فتویٰ نہیں دیتا، میں کہتا ہوں کہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد قابلِ احترام ہے، میں کہتا ہوں جیسے کوئی کاتب قرآن کی آیت غلط لکھ دے۔ تو ایسے قرآن کی تلاوت نہ کریں، لیکن اس قرآن کو پاؤں سے ٹھوکر مارنا بھی جائز نہیں۔ جواب۲: کوئی سونے کا ٹکڑا تھا جو گندگی میں گر گیا اس کو اٹھا کر دھوئیں اور جیب میں رکھ لیں، گندگی صاف کرنے کے بجائے اسے پھینک دینا عقلمندی نہیں۔ ہمارے اکابر کا یہ عقیدہ ہے:

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین

ایمانِ ما محبت آلِ محمدؐ است

ایک حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا احترام کرو اللہ کے لیے اور محبت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے۔

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم جیسے انسان ہیں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان تو ہیں، مگر نرالے۔ نبی تو نبی ہے۔ قرآن نبی کی بیویوں سے کہہ رہا ہے: **"یا نساء النبی لستن کاحد من النساء"**. کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تو خود نبی عام انسانوں جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟

سوال: حضرت علامہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہم انگلینڈ میں لوگوں سے طعنے سنتے ہیں کہ بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہے، اتنے مسلمان قتل ہو گئے ہیں۔ (مطلب اسلام و مسلمان ختم ہو رہے ہیں۔)

جواب: میں نے کہا ہم ختم نہیں ہوسکتے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم قیامت تک رہیں گے، سورج کی طرح اِدھر ڈوبا اُدھر نکلا۔ اس وقت بھی نظام اللہ کے ہاتھ میں ہے اور بروز قیامت بھی اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔

مشورہ: حضرتؒ نے فرمایا میرا مشورہ ہے کہ: ہر مسلمان اپنے ایمان، تاریخ اور علم کو تازہ کرتا رہے۔ وہ اس طرح کہ اپنے بڑوں کا تذکرہ ان کی قربانیوں اور ان کے کمالات کو مجمع عام میں بیان کرتا رہے، جس طرح میں نے آج حضرت حسینؓ کا تذکرہ کیا۔

ایک حدیث کی تشریح: ملتان میں آپ نے ایک حدیث پڑھی: **من عرف نفسه فقد عرف ربه**. اپنی پہچان کا کیا طریقہ ہے، آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں جواب دیتا ہوں کہ اپنی پہچان یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں، ہم کعبہ کے وارث ہیں، ہم اللہ کے بندے ہیں۔ یہ تین نسبتیں نہ توڑیں اِدھر توڑیں اُدھر جوڑیں۔

سوال: کعبۃ اللہ کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟

جواب: فرمایا: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ: کعبۃ اللہ کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے، نظام ترکوں کے پاس تھا، خلافتِ عثمانیہ قائم تھی، شریفِ مکہ نمائندہ بنا کر مقابل کھڑا کیا گیا، اسلام کا نقصان ہوا، خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی۔ علامہ اقبال نے اس کو اپنے اس شعر میں یوں بیان کیا ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفٰے
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سرخ پوش

سوال: ہم کہتے ہیں نبوت بند ہے، وحی بند ہے، لیکن یہ بات درست نہیں۔ کیوں؟

جواب: اس لیے کہ قرآن کہتا ہے: "**ان الشياطين ليوحون الى اوليائهم**". اسی طرح ملائکہ بھی وحی کرتے ہیں، بلکہ شہد کی مکھی کو بھی وحی ہوتی ہے: "**واوحی ربک الی النحل**". اور عورت کو بھی وحی ہوتی ہے: "**واوحينا الى ام موسى**". اس لئے مرزائی جو شوشہ چھوڑتے ہیں کہ وحی جاری ہے، اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: وحی نبوت و رسالت بند ہے، لیکن الہام اولیاء اللہ کو ہوتا آرہا ہے، اس پر کافی دلائل اور شواہد موجود ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا: مجھ سے جو سوال چاہو اسلام کے متعلق پوچھو، میں یا تو کتابوں سے دیکھ کر جواب دوں گا یا مجھ پر وحی آئے گی یعنی الہام ہوگا۔ حضرت نے بطور لطیفہ کے فرمایا ہندوؤں کے سکھ وہ ہیں جو ہندوستان میں رہتے ہیں اور ہمارے سکھ قادیانی ہیں۔

سوال: اللہ نے نبوت والی وحی کو ختم کیوں کیا؟

جواب: نبوت کے کمالات جاری ہیں، جیسے شیخ احمد سرہندیؒ اور دیگر بہت سے اولیاء میں کمالاتِ نبوت پائے گئے، (پھر فرمایا کہ میں نے سرہند میں بھی نماز عید پڑھائی ہے۔) نبوت کے کمالات جاری ہیں، علماء کا ہونا، اولیاء کا ہونا، مناظرین کا ہونا اور براہین کا ہونا یہ کمالاتِ نبوت ہیں۔

حضرت نے فرمایا: میں چالیس سال سے انگلینڈ میں کام کر رہا ہوں، مگر میں کسی سے لڑا نہیں ہوں، دلائل سے جواب دیا،

ابن العربیؒ نے فرمایا کہ: نبوت کی مثال فانوس کی سی ہے، جتنی چاہو روشنی حاصل کرو۔

حضرت نے فرمایا: ایک مناظرہ میں مخالف (عیسائی) مناظر نے مجھ سے کہا: تم حضرت حسینؓ کے بڑے فضائل بیان کرتے ہو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بڑی تعریف کرتے ہو تو انہوں نے اپنے نواسے کو کیوں نہ بچایا؟

(عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور یہ نظریہ بھی ہے کہ انھیں پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ تو اُن کے اِس عقیدے پر چوٹ کرتے ہوئے) حضرت علامہ صاحب نے فرمایا: حضرت حسین کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا ایک ہی بیٹا تھا، لوگوں نے وہ بھی پھانسی چڑھا دیا، میں اُسے نہیں بچا سکا، آپ کے حسین کو کیسے بچاؤں؟

ایک علمی ضابطہ: خاتم النبیین اس کا معنی: نبوت ختم ہے، یوں نہ کہو کہ نبی نہیں آئے گا، بلکہ یوں کہو کہ نبی پیدا نہیں ہوگا، جو آئے گا وہ ہمارے عقیدے کے خلاف نہیں، کیونکہ معراج کی رات تو سارے ہی آئے، مطلب یہ ہے کہ نبی پیدا نہیں ہوگا۔

میں ایک یہ بات بھی کہتا ہوں نبوت بھی ختم، صحابیت بھی ختم۔ ایک رسالہ شیعہ کی طرف سے اسمبلی میں تقسیم ہوا تھا ''معیارِ صحابیت'' اس میں صحابہ پر تنقیص تھی، میں نے اس کا جواب لکھا۔[۱/۱۷۶] جس میں چار آیات بھی لکھیں، جس طرح نبوت عطاء الٰہی ہے، اسی طرح صحابیت بھی عطاء الٰہی ہے، کسی طرح یہ رسالہ دیو بند پہنچا، اس پر نعرے لگ گئے: نبوت بھی ختم صحابیت بھی ختم۔

لطیفہ: میں انگلینڈ میں تھا، کچھ سکھ اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لیے آئے، وہ میری بھی ملاقات کے لیے آگئے، میں نے کہا: او سکھو! کچھ سیکھو کچھ سکھاؤ۔ (دیکھیے: ۲/۳۶۲۔[ادارہ])

اسی طرح ایک مرتبہ دریائے جہلم بڑے زوروں پر تھا، نالیوں میں بھی دریا کا پانی چلا گیا، ہندو پانی کو جل کہتے ہیں، وہ ہاتھ باندھ کر کہتے تھے: جل ماتا! میں بھی وہاں موجود تھا، ایک مسلمان نے بلند آواز سے کہا کہ: دیکھو ہندو کیا کہہ رہا ہے کہ: نالی میں میرا خدا بہہ رہا ہے۔

سوال: حضرت ابو بکر نے چونکہ حضرت فاطمہ کو باغ فِدک نہیں دیا، اس لئے ہم ابو بکر کی قدر نہیں کرتے۔

جواب: میں نے اس کے دو جواب دیئے:

۱۔ حضرت ابو بکر نے سیدہ فاطمہ کو باغ فدک اس لیے نہیں دیا کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کو نہیں دیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس غلام و باندیاں آئی تھیں، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کو بھیجا تم بھی جا کر اپنے لیے ایک باندی، غلام لے آؤ۔ حضرت فاطمہ گئیں، لیکن حضورؐ نے غلام و باندی نہیں دی۔ چونکہ حضورؐ نے نہیں دیا، لہٰذا ابو بکرؓ نے بھی نہیں دیا۔ اس طرح تو ابو بکرؓ سے پہلے رسول اللہؐ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کیوں نہیں دیا۔

۲۔ پہلے چیز کی ملکیت ثابت کی جاتی ہے، پھر بیچی یا ہبہ کی جاتی ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ یہ مال حضورؐ کی ملک ہی نہیں تھا، اس لئے نہیں دیا۔ کیونکہ فدک مالِ فے تھا، وہ کسی ایک کا حصہ نہیں ہوتا، وہ بہت سے لوگوں کا مشترک ہوتا ہے، اس سے انتفاع

تو ہو سکتا ہے ملکیت نہیں ہوتی۔ (دیکھیے: ۲۲۶/۲......۲۳۵/۲۔[ادارہ])

فائدہ: مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے قادیانیت کے رد میں ایک کتاب: ''ردِ قادیانیت کے زریں اصول''، لکھی، اس میں حضرت علامہ خالد محمودؒ نے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، اس میں الحاد کی تعریف اور ایک حدیث بھی نقل کی کہ جو لوگ ملحدوں سے لڑیں گے، ان کا کیا اجر ہے، خواہ روافض ہوں یا خوارج ہوں، ان کے خلاف کام تقریر کی صورت میں ہو یا تحریر و مناظروں کی صورت میں یا نعروں کی صورت میں، ان سب پر ثواب ملے گا، جس طرح دورِ اول کے مسلمانوں کو ان کی اطاعت پر ثواب ملتا تھا۔ امام بیہقیؒ نے یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن علاء حضرمیؓ سے نقل کی، جنھوں نے خود حضورؐ سے سنی تھی کہ: **"سیکون فی آخر ھذہ الأمة قوم لھم مثل اجر اولھم، یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و یقاتلون اھل الفتن"**.[دلائل النبوۃ: ۵۱۳/۶] مرقاۃ میں لکھا ہے کہ: وہ لڑیں گے فتنہ پیدا کرنے والوں سے، ہاتھوں سے بھی، زبانوں سے بھی۔

مناظرے:

حضرت علامہ صاحب کے مناظروں میں اسلام پر کئے گئے اعتراضات کے زبردست جوابات موجود ہیں۔ ان میں ایک مناظرہ وہ ہے جو نائیجریا میں ہوا، دو دن مناظرہ انگلش میں ہوا، مولانا منظور چنیوٹیؒ بھی ہمراہ تھے۔ جے بونڈی ایک ''مرزاڑہ'' ہے، اس کے قریب ایک ہال ہے جس میں مناظرہ ہوا، یہ جمعرات ۱۲/ اگست ۱۹۷۶ء کو دوپہر بارہ بجے شروع ہوا، ۶/ قادیانی مدمقابل تھے۔ اس میں خطبہ کے اندر حضرت نے پڑھا: **"ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین"**. پھر مرزا نے قرآن اور حدیث پر جو جھوٹ بولے وہ ثابت کئے، مرزائی امام مناظر نے کہا: ہم نماز پڑھتے ہیں، اسلامی شرائع کو مانتے ہیں، آپ اصولی بحث کریں، اِن جزوی باتوں کو چھوڑیں، حضرت علامہ نے فرمایا تم جو کلمہ پڑھتے ہو وہ صحیح نہیں کیونکہ ''لا الہ الا اللہ'' کلمہ توحید ہے اور مرزا توحید کا دشمن ہے، مرزا کہتا ہے: مجھے مارنے زندہ کرنے کی صفت دی گئی اور **کن فیکون** کا اختیار مجھے دیا گیا۔ اور مرزا نے کہا کہ: میرے اللہ نے کہا کہ تو میرے لیے بمنزلہ اولاد کے ہے۔ (مناظرہ نائیجریا دیکھیے: ۴۷/۲۔[ادارہ])

سوال: مرزائی مناظر نے کہا ہم نے شریعتِ محمدی کا ایک شوشہ بھی نہیں چھوڑا۔

جواب: علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: تم شریعت کی بات کرتے ہو، یہ بتاؤ کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (اس نے کہا: جی! علامہ صاحب نے فرمایا:) یہ مرزے کے لڑکے کی کتاب ہے۔ سیرت المہدی اس کے تیسرے حصے ص ۱۳۸/ پر لکھا ہے کہ گرمیوں کے موسم میں مغرب کی نماز میں تیسری رکعت کے رکوع کے بعد مشہور دعاؤں کے ساتھ جھوم جھوم کر یہ فارسی نظم پڑھی: ''اے خدا! اے چارۂ آزار ما'' یہ ڈیڑھ سو اشعار کی نظم ہے۔ اور براہین احمدیہ [ص: ۵۲۴] پر درج ہے۔ یہاں نہ امام کی نماز ٹوٹی نہ مرزا کی، نہ کسی مقتدی کی۔

سوال: کیا نماز میں فارسی اشعار پڑھنا شریعت میں تبدیلی ہے یا نہیں؟ مرزائی مناظر نے کہا: پتہ نہیں اس وقت مرزا صاحب کس حالت میں ہوں، شاید وہ بے ہوش ہوں۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا کہ: پیغمبر کبھی حواس نہیں کھوتا کہ اُسے شریعت کے بگڑنے کا پتہ ہی نہ چلے۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا، اس کو چھوڑو۔ مرزا صاحب نے زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی کی ہو یا روزوں کے متعلق کوئی ضابطہ بدلا ہو وہ بتلاؤ۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: زکوٰۃ اڑھائی فیصد ہے، اس سے زیادہ مہر اور صدقہ وفطر واجب ہے۔ مگر مرزا کی شریعت میں ماہانہ چندہ بھی فرض ہے، اگر تین مہینے میں کسی نے جواب نہ دیا تو اس کا نام بیعت سے کاٹ دیا جائے گا۔ عجیب بات ہے کہ مرزا اسماعیل کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔ سیرت المہدی: ۱۱۹۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا: اس کو چھوڑو! روزوں کے متعلق اگر کوئی تبدیلی کی ہو وہ بتلاؤ۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا کہ: شریعت میں یہ ہے کہ بیمار آدمی جب تندرست ہو جائے تو اس کی قضا کرے اور مرزا نے ایک سال تو روزے نہ رکھے، فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرے سال بھی روزے نہ رکھے فدیہ ادا کیا اور اس کے بعد قضا نہیں کی۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا ہم نہ صرف روزے رکھتے ہیں بلکہ روزے کے وقت کی ابتداء وانتہاء کو بھی اسی طرح مانتے ہیں جس طرح شریعت میں ہے۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا کہ: مرزا تو صبح کی اذان کے وقت بھی کھاتا رہتا تھا۔ سیرۃ المہدی: ۱/۱۳۱۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا کہ: یہ فروعی مسائل چھوڑو اصولی بات کرو۔ ہم نے اسلام کی تبلیغ کے لیے مشن قائم کئے اور اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور تم مسلمان فرقہ بندی میں پڑے رہے۔ کیا تم میں سے کوئی افریقہ میں آیا؟

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: میں کئی سالوں سے برطانیہ میں تبلیغ کر رہا ہوں، میرے ہاتھ پر کئی عیسائی مسلمان ہوئے۔ میں جمعیت علماء برطانیہ کا بانی ہوں جس میں اڑھائی سو علماء ہیں، اکابرِ اسلام یعنی مولانا قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا یوسف بنوری، مولانا اسعد مدنی، مولانا سمیع اللہ خاں، مولانا لال حسین اختر یورپ اور افریقہ کے کامیاب دورے کر چکے ہیں اور تبلیغی جماعت میں ہزاروں مسلمان اسلام کا پیغام لے کر دنیا میں پھیل چکے ہیں۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا: ہم نے بہت لٹریچر لکھا۔ براہین احمدیہ ہم نے لکھی۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا کہ: مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اظہار حق اور ابوالمنصور نے نویدِ جاوید، مولانا قاسم نانوتوی نے، مولانا عبدالحق حقانی نے مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ادریس کاندھلوی وغیرہ نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ مرزائیوں کی تمام کتابیں ان علماء کی کسی ایک کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا ہماری تنظیم بہت مضبوط ہے مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: خود کاشتہ پودے قطاروں میں ہوتے ہیں، قدرتی پودے بے قطار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے حق پر ہونے کا یہ قدرتی نشان ہے کہ اسلام کا شجر پوری قوت کے ساتھ لہلہار رہا ہے۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا کہ جم کر جواب دو! شریعتِ محمدیہ میں مرزا صاحب نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: میں نے ثابت کیا کہ: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب میں مرزا نے تبدیلیاں کیں۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا مرزا کے آنے سے کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو بتلاؤ!

جواب: مرزا کے آنے سے پہلے حیاۃِ مسیح کے قائل گناہ گار نہیں تھا۔ اب مرزا کے آنے کے بعد اگر وہی عقیدہ رکھے تو وہ مشرک گناہ گار ہے، بخشش کے لائق نہیں۔ یہ تبدیلی مرزا کے آنے سے ہوئی۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا: حیاۃ مسیح کا عقیدہ پہلے بھی غلط تھا، اَب بھی غلط ہے۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: یہ حقیقت الوحی مرزا کی کتاب ہے، اس کے صفحہ ۴۲ر پر ہے کہ جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں، حیات مسیح کے عقیدے میں ان پر کوئی گناہ نہیں، وہ بری ہیں۔ اس پر حضرت نے کافی حوالہ جات دیئے اور یہ ثابت کیا کہ مرزا کے آنے سے شریعت میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اور مرزا نے اپنی حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹ر پر لکھا ہے کہ یہ بُری بات ہے کہ کہا جائے عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے، یہ ایسا شرک ہے جو سب نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا: ہمیں کافر کہنا کتنا ظلم ہے، پاکستان میں ہم پر ظلم کیا گیا ہے، مگر ہم نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی بلکہ تبلیغ کرتے ہیں۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا: یہ قرآن کے خلاف ہے قرآن کہتا ہے: **"جزاء سیئة سیئة مثلها"**. یہ بھی شریعت میں تبدیلی ہے۔

سوال: مرزائی مناظر نے کہا: ہم مسلمان ہیں، صحابہ کو مانتے ہیں، قرآن کو مانتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں۔

جواب: علامہ صاحب نے جواب دیا کہ صحابہ کو وہی لوگ مانتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں، جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اور نبی پیدا ہوگا تو ان کے صحابہ بھی اور ہوں گے وہ خاتم النبیین کے صحابی کو صحابی نہیں مانتے، یہ عقیدے میں تبدیلی ہے۔

پھر علامہ صاحب نے فرمایا کہ مرزا کہتا ہے جو میری جماعت میں شامل ہوا وہ بہترین پیغمبر کے صحابہ میں شمار ہو گیا۔ علامہ صاحب نے فرمایا: مرزا نے جہاد کا انکار کیا، یہ بھی شریعت کی تبدیلی ہے۔

سوال: مرزائی امام نے کہا کہ: انگریز ہندوستان میں حاکم تھا۔ اور مسلمانوں کو **اولو الامر** کی تابعداری کا حکم ہے۔ اس لئے اہل ہند پر مسیح موعود کے ساتھ انگریزوں کی اطاعت فرض تھی۔

جواب: علامہ صاحب نے فرمایا **اولو الامر** کے ساتھ لفظ **"منکم"** ہے یعنی جو تم میں **اولو الامر** ہو یعنی مسلمان ہو۔ اس پر مرزائی مناظر نے لاجواب ہو کر کہا کہ ہمیں تیاری کا موقع دو۔

خلاصہ:

حضرت علامہؒ کے مناظرے بہت ہیں، مختلف مذاہب سے عیسائی، یہودی، غیر مقلد، قادیانی بریلوی۔ خالص انگریز، ان سب سے مناظرے ہوئے جو کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے، لیکن یہ چند مناظرے جو قادیانیت کے متعلق ہیں، ان میں سے ایک مناظرہ جو مال روڈ لاہور پہ ہوا بڑا زبردست مناظرہ ہے۔ غیر مقلد مناظر کیسے لا جواب ہوا۔ پھر حضرت علامہ صاحب اس کی جگہ کیسے آئے۔

چند مختلف چیزیں:

سوال: مسئلہ حیات النبی پر مولانا قاضی زاہد الحسینی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''رحمتِ کائنات'' ہے، حضرت علامہ حسینی صاحب کو ایک مولوی نے کہا: یہ کیا کتابیں ہیں، خواب نامے لیے پھرتے ہو!

جواب: علامہ صاحب کا جواب: تم نے غصہ نکال لیا، اَب میری بات سنو۔ قرآن پاک میں سورہ یوسف میں موٹی اور پتلی گائے اور سات سال قحط والے خواب کا ذکر ہے، اسی طرح جیل جانے کا خواب بھی قرآن میں موجود ہے، یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھنے والا خواب بھی اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھنے والا خواب بھی۔ ان روایتوں کو لے کر کوئی عیسائی یا یہودی کہے کہ یہ کیسا قرآن لئے پھرتے ہو جس میں سارے خواب نامے ہیں تو تم کیا جواب دو گے؟ مولوی صاحب رو پڑے اور کہنے لگے ہم نے یہ سوچا بھی نہیں تھا۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث طیبہ میں بھی خوابوں کا تذکرہ موجود ہے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں کنویں سے ڈول کھینچ رہا ہوں۔

میں نے کہا کہ اکابر اہل سنت دیوبند معاذ اللہ، پاگل نہیں ہیں کہ خوابوں کو جمع کر رہے ہیں۔

سوال: ایک عیسائی پادری تلاش کرتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ سے ملنے آیا ہوں، میں نے کہا: کیوں ملنے آئے ہو؟ اس نے کہا میں پیام بر ہوں، میں نے کہا: مجھے پیغام نہ دو مہربانی کرو۔ وہ کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا میں اپنی اصل کے لحاظ سے اسماعیلی ہوں، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل کی اولاد میں سے عرب ہوں، لہٰذا مجھے پیغام نہ دو! کہنے لگا: کیوں؟

جواب: حضرت نے فرمایا: حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ میں تو صرف بنی اسرائیل کے لئے آیا ہوں کہ اسرائیلی بھیڑیں اپنا راستہ کھو چکی ہیں، میں ان کو بتانے کے لیے آیا ہوں۔ پادری صاحب! جاؤ میں تو اسماعیلی ہوں، اسرائیلی نہیں، لہٰذا مجھے پیغام نہ دو۔ وہ بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا: یہ بات کہاں لکھی ہے؟ میں نے کہا: بائبل لاؤ میں دکھاتا ہوں، جب میں نے دکھایا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کیسے گئے جبکہ راستے میں کرۂ نار ہے، انہوں نے وہ کیسے عبور کیا؟

جواب: جیسے حضرت آدم علیہ السلام جیسے اسے عبور کر کے دنیا میں تشریف لائے، ایسے عیسیٰ علیہ السلام اسے پار کر کے آسمان پر چلے گئے۔ اور قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے: **"ان مثل**

عیسی عند الله کمثل آدم"۔ لہٰذا جیسے آدم علیہ السلام آسکتے ویسے ہی حضرت عیسیٰ جا بھی سکتے ہیں۔

سوال: غیر مقلدین نے غائبانہ نمازِ جنازہ کے عنوان پر مناظرہ رکھ لیا، اُن کے مناظر نے آتے ہی تقریر شروع کر دی کہ غائبانہ جنازہ جائز ہے، دلیل میں نمازِ جنازہ کی دعا پڑھی: "**اللهم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا**"۔ یعنی "**غائبنا**" سے غائب کا جنازہ جائز ہوا۔

جواب: جب ہماری باری آئی تو ہم نے کہا: غائبانہ اُن کے نزدیک جائز ہے جن کے زندوں کی بھی نمازِ جنازہ جائز ہے، جن کے نزدیک زندوں کی جائز نہیں غائب کی بھی نہیں۔ ہم نے پوچھا زندوں کی نماز جنازہ جائز ہے؟ کہنے لگا: نہیں! میں نے کہا کہ جب ہم دعا مانگتے ہیں تو کہتے ہیں: "**اللهم اغفر لحینا**" تو پہلے تم زندوں کا جنازہ پڑھ لو تو ہم بھی غائب کا پڑھ لیں گے۔ اگر تم زندوں کے قائل نہیں تو ہم غائبین کے قائل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ غیر مقلدین بار بار **شاهدنا و غائبنا** کے الفاظ دوہرا رہے تھے، جواباً ہمارے ساتھی **حینا و میتنا** کے الفاظ کہنے لگ گئے۔ وہاں اگر چھوٹے قد والے ہوتے تو **صغیرنا و کبیرنا** بھی کہتے۔

سوال: پھر نجاشی کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں پڑھا؟

جواب: ہمارا موقف یہ ہے کہ جس کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی، اس کا غائبانہ جنازہ جائز نہیں۔ نجاشی کا جنازہ پڑھا ہی نہیں گیا تھا، اس لئے اس کی غائبانہ پڑھی گئی۔ وہ جنازۂ اُولیٰ تھا۔ ہم جنازۂ ثانیہ کو ناجائز کہتے ہیں۔

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے	واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے	کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جلا کر چل دیئے

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ "**إن لله ما أخذ وله ما أعطیٰ وکل شئ عنده باجل مسمی**"۔

☆......☆......☆......☆

مولانا نور محمد آصف (۱)

چند یادیں

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق چند یادیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ مرحوم کے بیانات بارہا سننے کا موقع دیا۔ احقر نے جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں موقوف علیہ تک کتابیں پڑھیں، جامعہ میں سالانہ جلسہ میں حضرت اکثر تشریف لایا کرتے تھے، اسی طرح چکوال میں اکثر سالانہ ''سُنی کانفرنس'' میں تشریف لاتے تھے، ایک دفعہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں فرق باطلہ کے خلاف طلبہ کی تربیت کے لیے بھی تشریف لائے۔ فرماتے تھے: لکھو کم اور ذہن میں بات کو بٹھاؤ۔ ایک دفعہ تقلید کا مضمون بیان کرتے وقت یہی مذکورہ بالا آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ: اس سے تقلید کا لازم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی آسان اور عام فہم دلیل ہے کہ: رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآنی مثالیں ہم نے سب لوگوں کے لئے بیان فرمائی ہیں لیکن ان کو سمجھنے والے صرف علماء ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ غیر عالم کیا کریں تو ان کو سمجھنے کے لیے علماء پر اعتماد اور ان کی اتباع لازم ہے اور یہی تقلید ہے۔

حضرت علامہ مرحوم اس وقت علماء دیوبند میں بڑا علمی مقام رکھتے تھے، کسی اہم مسئلہ میں دیوبند موقف کی وضاحت کی ضرورت پڑتی تو ہمارے بزرگوں میں یہ تین شخصیات امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہم اللہ کے نام سامنے آتے تھے اور ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

حضرت قائد اہل سنت اور حضرت جہلمی سے تعلق:

حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کے خادم خاص اور قابل اعتماد حافظ عبد الوحید حنفی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ اپنے دینی پروگراموں میں حضرت قاضی صاحبؒ جن علماء کو بلاتے تھے اور ان کے نام اشتہار میں لکھتے تو ''علامہ'' کا لفظ صرف دو بزرگوں کے ناموں کے ساتھ لکھتے تھے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہما۔ راقم الحروف نے کئی جلسوں میں حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے وقت دیکھا کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ سٹیج پر بیٹھ کر حضرت علامہ صاحب کی تقریر خود سنتے تھے۔ (دیکھیے: ۱/۹۹۔[ادارہ])

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے بانی مجاہد ملت پیر طریقت حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا گہرا تعلق تھا، جامعہ میں تشریف لاتے تو فرماتے تھے کہ: مجھے یہاں دار العلوم دیوبند کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ انگلینڈ میں علامہ صاحبؒ نے بہت وقت گزارا اور حضرت جہلمی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں تبلیغی دوروں کے لیے اکثر تشریف لے جاتے تھے اور مسلک

---

(۱) مدیر: مدرسہ اہل سنت حیات النبی، خطیب: جامع مسجد حق چار یار، ٹمن، تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال

علماء دیوبند کی اشاعت اور تحفظ میں یہ سارے ہی حضرات بہت متحرک اور حساس تھے۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر بھی عطا فرمائی اور نیک اعمال کے ساتھ طویل عمر ملنا بھی بڑی سعادت کی بات ہے۔

ویسے تو آپ تمام علوم وفنون کے جامع اور ہر میدان میں یکتا تھے، مگر فن مناظرہ آپ پر تمام تھا، ابتدائی زمانہ میں ایک کہنہ مشق قادیانی سے مناظرہ کیا، عمر مبارک اس وقت سترہ سال تھی اور اس کو چند لمحوں میں شکست دی۔ (دیکھیے: ۲۴۳/۱) ہر باطل کے رد میں بڑی اہم تصانیف تحریر کیں جو علماء اور عوام دونوں کے لیے بڑا علمی خزانہ ہے۔ رئیس المناظرین حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' کے جواب میں ایک رافضی نے ''تجلیات صداقت'' نامی کتاب لکھی، جس کا مختصر جواب ہمارے مرشد حضرت قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ''اجمالی نظر'' کے نام سے لکھا اور حضرت قاضی صاحبؒ کے ارشاد پر دو جلدوں میں تفصیلی جواب حضرت علامہ صاحب نے ''تجلیات آفتاب'' کے نام سے رقم فرمایا۔ (دیکھیے: ۹۹/۱۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحب پر مماتی ہونے کا بے بنیاد الزام:

ایک دفعہ ایک منکر حیات النبی نے دوران سفر مجھے کہا کہ علامہ خالد محمود صاحب مماتی ہوگئے ہیں، میں نے کہا کہ انہوں نے کب اور کہاں اپنے مماتی ہونے کا اعلان کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: بنوری ٹاؤن کراچی میں! اُس نے دعویٰ تو کر دیا، لیکن میرے مطالبے کے باوجود کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا۔ دوسرے نمبر پر میں نے اسے کہا کہ: جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن حیاتیوں کا مدرسہ ہے۔ ''تسکین الصدور'' پر حضرت بنوری کی تقریظ موجود ہے۔ اگر علامہ صاحب معاذ اللہ مماتی ہو بھی جاتے تو مماتیوں کے کسی مدرسہ میں اعلان کرتے۔ نمبر۳: کیا علامہ صاحب نے حیات النبی کے اثبات میں لکھی ہوئی اپنی کتاب ''مقام حیات'' سے رجوع کر لیا ہے؟ وہ کسی بات کا جواب نہ دے سکا۔ افسوس ایسے متصلب اکابر پر بہتان باندھنے سے بھی لوگ باز نہیں آتے۔

قادیانی مناظر لاجواب ہوگیا:

ایک دفعہ لاہور میں قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ تھا، مسلمانوں کی طرف سے ایک غیر مقلد عالم مناظر تھے، اور غیر مقلدین کی من پسند شرط یہ تھی کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی بات نہ ہوگی۔ غیر مقلد عالم اپنی اس شرط کے مطابق مناظرہ میں کامیابی نہ پا سکے تو مجبوراً حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو بلایا گیا، آپ تشریف لے آئے، قادیانی مناظر کہنے لگا: علامہ صاحب! آج بڑی سخت شرط ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی بات نہ ہوگی۔ علامہ صاحب نے مرزا قادیانی کی کتاب پڑھنی شروع کر دی، تو اس نے کہا: یہ شرط کے خلاف ہے، علامہ صاحب نے فرمایا: کیا شرط ہے؟ اس نے کہا: صرف قرآن حدیث سے بات ہوگی، علامہ صاحب نے پوچھا: حدیث کسے کہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا: نبی کے قول، فعل، تقریر کو۔ تو علامہ صاحب نے فرمایا: اگر تم مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہو تو اس کی کتاب تمہارے لیے حدیث ہونی چاہیے، اور اگر اسے نبی نہیں مانتے تو جھگڑا ختم۔ اس پر قادیانی مناظر مبہوت ہو کر لاجواب ہوگیا۔ (دیکھیے: ۱۹۰/۲۔ [ادارہ])

قرآن پاک کی موجودہ ترتیب کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل:

ایک تقریر میں فرمایا کہ: دیکھو! کہ قرآن مجید کی ترتیب بھی رب تعالیٰ کی طرف سے، دوسری سورۃ میں ہے: **فاتوا بسورۃ** کہ ایک سورت لاؤ کہ کفار کو چیلنج۔ اور گیارھویں سورۃ میں ہے: **فاتوا بعشر سُور** کہ لے آؤ دس سورتیں! تو یہ انسانی سوچ نہیں ہوسکتی کہ پہلے ایک کا مطالبہ کیا جائے، اس سے عاجز آجانے پر زیادہ کا مطالبہ کردیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موجودہ ترتیب بھی من جانب اللہ ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ: موجودہ ترتیب نزولی نہیں، رسولی ہے یعنی نازل ہونے کی ترتیب اور ہے لیکن یہ ترتیب بھی اللہ کے حکم سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مقرر فرمائی ہے، صحابہ کرامؓ نے اپنی طرف سے نہیں طے کی۔ باقی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے سورۂ توبہ کے شروع میں نہیں، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوائی صحابہ کرامؓ نے لکھی، جہاں نہیں لکھوائی، نہیں لکھی۔ (دیکھیے: ۶۸/۲۔ [ادارہ])

حدیث وسنت کے بغیر قرآنی حکم پر عمل ممکن نہیں:

ایک دفعہ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: ایک منکرین حدیث پرویزی سے میری بحث ہوئی، اس نے کہا کہ: وضو کے چار فرائض قرآن میں ہیں، تم نے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اپنی طرف سے اضافہ کر رکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اس سے کہا: ان چار پر عمل کرنے سے پہلے ہاتھ میں پانی لے کر پانی کی رنگت دیکھ لیں، پھر منہ میں ڈال کر ذائقہ چکھ لیں اور ناک میں ڈال کر بو سونگھ لیں تاکہ پانی کے صحیح ہونے کی تسلی ہوجائے تو تب باقی فرائض پورے کریں اس نے کہا کہ: یہ پھر حدیث والا وضو ہوگیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ: حدیث اور سنت کے بغیر تو قرآنی حکم پر عمل ممکن ہی نہیں۔ اس پر وہ لاجواب ہوگیا۔

''قرآن کی تشریح کا حق پارلیمنٹ کو ہے'' کا جواب:

ایک دفعہ واقعہ سُنایا کہ: لاہور میں کالج کے کچھ پرویزی ذہن کے طلبہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: قرآن مجید پر عمل کرنے کے لیے حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: پہلے غلام احمد پرویز سے جا کر پوچھو! وہ گئے، آ کر کہا کہ: وہ کہتے ہیں کہ مرکز ملت یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ کا ادارہ قرآن مجید کی تشریح اور مراد جو بیان کرے وہ کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں۔ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب قرآن مجید پر عمل کرنے کے لیے دوسری کسی چیز کی ضرورت وہ بھی جانتے ہیں تو قومی اسمبلی اور سینیٹ سے بہتر حدیث رسول اور سنت رسول ہیں۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے تو کئی ارکان قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم سے لاعلم ہیں تو ان کی بات کیسے حجت ہوسکتی ہے؟ حجت تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بات ہے جو وحی کی روشنی میں فرماتے تھے، اگر کبھی اجتہاد سے کچھ فرمائیں تو وحی کے ذریعے اس کی تائید یا اصلاح کردی جاتی ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ آوالہ وسلم کہ آپ پڑھنے میں جلدی نہ فرمائیں کہ بھول نہ جائے آپ کے سینے میں سب کچھ جمع کردینا اور آپ کی زبان سے ادا کرانا بھی ہمارے ذمہ ہے، بلکہ فرمایا: **"ثم ان علینا بیانہ"** ۔ کہ قرآن کا بیان یعنی تشریح اور مراد بیان کروانا بھی ہماری ذمہ داری

ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کی زبان عربی تھی، پھر بھی کئی مواقع پر وہ قرآن کی مراد خود نہ سمجھ سکتے تھے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر پوچھتے تھے اور پھر اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس لیے قرآن مجید سمجھنے کے لیے حدیث اور سنت کی ضرورت ہے اور حدیث اور سنت کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم پر اعتماد ضروری ہے۔

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد جب ان کے حالات زندگی پر ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور نے ''قائد اہل سنت نمبر'' شائع کیا تو چکوال میں اس کی تقریب رونمائی ہوئی، اس میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لائے [۱/۱۰۰] اور فرمایا کہ: مجتہد لوگ مرا نہیں کرتے، رستہ بدل لیتے ہیں، یعنی ان کی تعلیمات اور تصانیف کے ذریعے ان کا مشن جاری رہتا ہے، ورنہ موت کا منکر کوئی نہیں۔ شہید پر بھی موت آتی ہے، تب اسے شہید کہتے ہیں اور موت کے بعد روح کا تعلق ہے عالم برزخ میں اسے حیات جاوید نصیب ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی برزخ میں حیات اتنی قوی ہے کہ اس کے احکام دنیا میں بھی باقی ہوتے ہیں، ان کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح نہیں کرسکتا، اور ان کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی جیسا کہ بانی دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ''ہدیۃ الشیعہ'' میں اور دیگر اکابر نے اس کی وضاحت فرمائی۔

علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: عقیدہ حیات النبی کا انکار معتزلہ وکرامیہ نے کیا ہے، وہ کہتے تھے کہ: وفات کے بعد نبی حقیقی نبی نہیں رہتا، مجازی نبی ہوتا ہے۔ اِس لیے علماء اہل سنت نے ہمیشہ ان کا رد لکھا ہے، آج کل کے منکر حیات بھی مشن معتزلہ کا ہی پھیلا رہے ہیں، الفاظ کچھ بدل دیتے ہیں۔ جس طرح ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے شیعی نظریات پھیلانے میں الفاظ میں کچھ تبدیلی کردی، بظاہر حضرت امیر معاویہؓ کو صحابی اور جنتی اور واجب التعظیم بھی لکھتے ہیں اور پھر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے معیارِ حق ہونے کا منکر ہیں۔ اسی طرح آج کل کے خارجی یزیدی بھی بظاہر اہل بیتؓ کے ساتھ ادب کے الفاظ سیدنا لکھتے ہیں لیکن ان کی توہین کرکے خارجیت میں پھیلا رہے ہیں، یہی حال مماتیوں کا بھی ہے کہ مشن تو معتزلہ کا ہی پھیلا رہے ہیں، لیکن الفاظ میں دھوکہ دے دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اور ان کے علوم اور تصانیف سے ہم سب کو اور پوری امت کو ہمیشہ مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائیں۔ اپنے اکابر کی طرح اخلاص اور استقامت نصیب فرمائیں اور مسلک حقہ اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند کی تبلیغ واشاعت اور خدمت کے لیے موت تک قبول فرمائیں۔ اور اپنی رضا نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

خادم اہل سنت نور محمد آصف غفرلہ

۱۲رشوال المکرّم ۱۴۴۱ھ......۴رجون ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالقیوم قاسمی (آ)

بحر العلوم کی بارگاہ ناز سے خوشہ چینی

کافی دیر غور وفکر کے بعد بھی سمجھ نہیں آرہی کہ بات کی ابتداء کہاں سے کروں۔الفاظ کا ذخیرہ کم پڑتا دکھائی دے رہا ہے، کچھ لکھنے کو الفاظ ہی نہیں مل رہے یا پھر الفاظ اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔حضرت امام اہل سنت **حامل علوم المتقدمین والمتاخرین حجة الاسلام والمسلمین** وکیل صحابہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات بلا مبالغہ ایک عظیم سانحہ ہے۔جس کا اثر ہر چیز پر محسوس ہو رہا ہے، ہر چیز سے اداسی ٹپکتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ع ''ویراں ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں۔'' رب العالمین امت مسلمہ کو یہ عظیم سانحہ برداشت کرنے اور صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

کچھ القابات انسان کی پہچان بن جاتے ہیں، اگر نام کے بجائے صرف لقب ہی ذکر کر دیا جائے تو سننے والے سمجھ جاتے ہیں کہ کس کی بات ہو رہی ہے۔جیسے **قدوۃ السالکین** محدث العصر مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ''شیخ الحدیث'' کا لقب۔

خطیب اعظم مجاہد ختم نبوت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ''امیر شریعت'' کا لقب۔یا شہید ناموس اصحاب رسول حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ''امیر عزیمت'' کا لقب۔ایسے ہی ہمارے مخدوم مکرم محقق العصر حضرت ڈاکٹر صاحب کے لیے ''علامہ'' کا لقب ان کے نام کا جز ولاینفک بن چکا تھا۔اور حقیقت یہ ہے آپ اس لفظ کے حقیقی مصداق تھے۔میدانِ تحقیق کے ایسے شہسوار کہ گھمبیر مسائل کی گتھیاں چٹکیوں میں ہی حل کر لیں، اعتدال ایسا کہ ہر بات جیسے ناپ تول کر کی ہو۔اختلافی مسائل میں بقول شاعر ع مستند ہے آپ کا فرمایا ہوا

علامہ صاحب کی شخصیت کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس نے آپ کے دامن فیض سے اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ لیا ہو۔آپ نے ایک موقع پر قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ: بڑے لوگ ہمیشہ مختصر بات کرتے ہیں، یعنی بات تو تھوڑی ہوتی ہے مگر اس میں اتنی تفصیل کر دی جاتی ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔اور حقیقت یہ ہے یہ وصف خود آپ کی ذات میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔آپ کا ایک ایک جملہ علماء کرام کو بیان کے لئے پورا پورا مواد فراہم کر دیتا تھا۔

علامہ صاحب کی شخصیت اور علمی قد کاٹھ کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آج سے پچپن سال قبل حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ: ''دعوت'' کی تالیف اور سنجیدہ علمی مضامین کی عظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ فاضل محترم علامہ خالد محمود صاحب کا اسم گرامی لے لیا جائے۔[۵۴/۱] سچ ہے کہ: قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری

چونکہ میں ایک طویل عرصے سے تفسیر قرآن کی خدمت سے منسلک ہوں۔اور استاذِ مکرم محدث اعظم مولانا محمد سرفراز

(آ) مدیر: جامعہ معارف اسلامیہ، سعید آباد، کراچی

خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت تلمذ کی برکت سے مسائلِ اختلافیہ میں اپنے اکابرین کی تحقیقات پر بھروسہ کرتا ہوں اور انہی کی پیروی میں رہنے کو باعث نجات سمجھتا ہوں۔اس علمی سفر میں حضرت الاستاذ کے بعد راقم کو جس شخصیت سے سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے وہ حضرت علامہ صاحب کی ذات ہے۔

علامہ صاحب کے علوم سے خوشہ چینی کر کے کچھ پھول اور موتی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔جس سے آپ ان کے علمی تبحر، بات کی پختگی اور خداداد ذہانت وفطانت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

استواء علی العرش:

یہاں ﴿**ثم استوی الی السماء**﴾ استواء سے مراد قصد کرنا ہے، پہلے اس نے زمین بنائی، پھر آسمان کی طرف استواء فرمایا اور سات آسمان برابر کیے۔امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابوالعالیہ سے اس کی یہ تاویل نقل کی ہے: **قال ابو العالیة استوی الی السماء ارتفع فسواھن خلقھن وقال مجاھد استوی علا علی العرش** . یہاں دنیوی بادشاہوں کی طرح عرش پر بیٹھنا نہیں، **لیس کمثله شیء** قرآن کریم کی محکم آیت ہے سو متشابہ کو اس کے تابع کیا جائے گا۔پس امام بخاری کے ہاں استواء سے علوشان اور رفعت مرتبت ہی مراد ہو سکتا ہے۔اہل حق کے ہاں بس اتنی شرح کی گنجائش ہے، لیکن اسے بھی قطعی نہ سمجھئے۔ہم استواء کی حقیقی مراد اللہ ہی کے سپرد کرتے ہیں۔

حاضر وناظر:

میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ یہ اہل بدعت حضور اکرم ﷺ کی بے ادبی میں بہت دور جا چکے ہیں اور لوگوں میں الٹا مشہور ہے کہ یہ حضور ﷺ کی تعظیم وعقیدت میں غلو کرتے ہیں، بات اس طرح نہیں۔

ایک مثال لیجئے! بچوں کی سکول میں حاضری لی جاتی ہے۔استاد بچوں کا نام لیتا چلا جاتا ہے، اور ہر بچہ اپنے کو ''حاضر'' کہہ کر اپنی حاضری دیتا ہے۔سو حاضر کون ہوا؟ چھوٹا! اور جس کے پاس حاضری دی جائے اسے کہتے ہیں: ''حضور'' یعنی بڑا۔استاد شاگرد کو آواز دیتا ہے، شاگرد کہتا ہے: ''حضور'' میں آیا۔شیخ مرید کو آواز دیتا ہے وہ کہتا ہے: حضور میں آیا۔تو حاضر کون ہوتا ہے جو چھوٹا ہو، اور حضور کون ہوتا ہے جو بڑا ہوا۔باپ بیٹے کو بلائے تو فرمانبردار بیٹا باپ کو حضور کہتے ہوئے اس کی طرف آتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی حضور کی تھی۔امت کے گناہ گار آپ کے پاس دعائے مغفرت کے لئے حاضری دیتے تھے اب یہ اچھے باادب ہیں جو حضور ﷺ کو اپنے ہاں حاضر کرتے ہیں۔اور اپنی مجلسوں میں بلاتے رہتے ہیں۔**ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک.** [پارہ:۵/النساء:۶۴] ترجمہ؛ اور اگر وہ جب انہوں نے گناہ کیا تھا آپ کے پاس آجاتے۔

لوگ آج بھی حج کے بعد مدینہ منورہ جا کر حضور ﷺ کے روضہ انور پر حاضری دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی شخصیت کریمہ صدیوں سے ''حضور'' چلی آرہی تھی اور غلام اور خدام ''حاضر'' ہو کر آتے تھے۔مگر افسوس کہ اہل بدعت آپ ﷺ کو حضور کے بجائے حاضر قرار دے کر اپنے پاس بلانے کے خوگر ہو چکے ہیں۔جہاں ان کے چند پیر اور مولوی بیٹھیں وہاں یہ چند منٹوں میں حضور کو حاضر کر دیتے ہیں اور صرف حاضر نہیں ناظر بھی (حکم کے منتظر) استغفر اللہ العظیم

سامعین کرام! آپ بتائیں آپ حضرت خاتم النبیین ﷺ کو حضور مانتے ہیں یا حاضر و ناظر؟ (پورے مجمع سے حضور حضور کی آوازیں اٹھتی ہیں) (ایک شخص نے سوال کیا) کیا ہم خدا کو حاضر ناظر کہہ سکتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: ہاں!! اللہ تعالی جنس واشتراک سے پاک ہے، وہ ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسے ''تو'' کہہ کر بھی بلائیں تو بے ادبی نہیں، جہاں ایک جنس یا اشتراک کے دو افراد ہوں تو بڑا حضور اور چھوٹا حاضر ہوگا۔ اور جو ایک ہی ہو اسے ''تو'' کہنا اس کی بے ادبی نہیں۔ کیا ہم اپنی دعاؤں میں اس طرح نہیں کہتے، اے اللہ! تو جانتا ہے، تو ہماری بے کسی کو پہچانتا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ ہم بے ادبی کر رہے ہیں۔ تو کیا کوئی شخص حضور ﷺ کو ''تو'' کہہ کر بلائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ ہماری جنس سے ہیں، ابنائے آدم میں سے ہیں، صفات انسانی میں ہمارے ساتھ شریک ہیں، یہاں چھوٹے بڑے کا امتیاز رکھنا ہوگا۔ چھوٹے کو حاضر کہا جائے گا اور بڑے کو حضور۔ ع با خدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہوشیار باش (دیکھیے: ۲/۲۱۔ [ادارہ])

(اب دیکھئے کہ علامہ صاحب نے کس طرح عام فہم انداز میں مسئلہ حاضر و ناظر سمجھا دیا کہ ایک عام سے فہم کا مالک انسان بھی با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں ایسے مسائل پر اہل بدعت نے وہ طوفان برپا کر رکھا ہے کہ الامان والحفیظ۔)

نظریہ وحدتِ ادیان کی تردید:

جب ہر دین و مذہب اپنے عقیدہ پر عمل پیرا ہونے کے باعث لائقِ نجات وفلاح رہا تو پھر سارے بنی نوعِ انسان خدا پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے کے باعث مومن ٹھہرتے ہیں۔ اور اس صورت میں دنیا میں (ماسوائے دہریہ لوگوں کے) کوئی کافر نہیں رہتا۔ جبکہ قرآن کریم میں ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی عقیدوں کے لوگ ہوں گے: ۱/ مومن۔ ۲/ کافر (اس تقسیم پر قرآن کریم کی بہت ساری آیات پیش فرماتے ہیں)

(راقم یہاں عرض کرنا چاہتا ہے کہ جس طرح کچھ لوگوں کو ''وحدت ادیان'' کا شوق ہے، ایسے ہی موجودہ زمانے میں تبلیغ کے منبر سے شہرت حاصل کرنیوالے ایک مبلغ (مولانا طارق جمیل [ادارہ]) کو ''وحدتِ امت'' کا خمار چڑھا ہوا ہے۔ جو اپنی من مانی تشریحات کی وجہ سے غیروں کو قریب کرنے کے چکر میں خود اکابر اہل سنت دیوبند اور مشائخ تبلیغی جماعت کے افکار و نظریات سے مسلسل دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔)

ختم نبوت:

ہم سب سمجھیں کہ ختم نبوت سے کیا مراد ہے؟ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب نبوت کا ملنا ختم ہوا، اب کسی کو نبوت نہ دی جائے گی، انشاءِ نبوت اب کسی اور کے لیے نہیں۔ یہ نہیں کہ نبوت ہی ختم ہو چکی، حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی اور جاری وساری رہے گی۔ اللہ تعالی اس جہاں کو کبھی نبوت سے خالی نہیں رکھتے، نبوت اللہ تعالی کی ایک بڑی رحمت ہے، اس سے دنیا کو کیسے خالی رکھا جا سکتا ہے، جو شخص یہ سمجھے کہ نبوت ہی ختم ہوگئی وہ کسی دین کے دائرے میں نہیں رہا۔ نہ اسے مسلمان سمجھا جا سکتا ہے۔ (دیکھیے: ۲/۴۴۹۔ [ادارہ])

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کے بعد کسی پیرائے میں بھی کسی نبی کے پیدا ہونے کی صورت ہوتی تو حضور ﷺ کے بعد اس امت میں مجتہدین کا سلسلہ نہ چلتا جو حضور ﷺ کی شریعت کے منصوص مسائل سے قیامت تک پیش آنے والی ہر ضرورت کا حل کشید کرتے رہے، انہی مسائل غیر منصوصہ کو فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔ **ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین.** مرزا غلام احمد قادیانی کے جال میں زیادہ تر وہی لوگ آئے جو فقہ کے خلاف چلے۔ اس سے پتہ چلا کہ فقہ سے تمسک عقیدہ ختم نبوت کا ایک فطری پہرہ دار ہے۔ ایک اہلحدیث عالم نے کہا: پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔

بشریت رسول: عجیب انکشاف!

آنحضرت ﷺ کو جو نور کہا جاتا ہے، وہ باعتبار صفات اور باعتبار رشد و ہدایت کے ہے، نور کیا آپ تو ''منیر'' تھے، بمعنی دوسروں کو نور بنانے والے، جس آفتاب رشد و ہدایت نے لاتعداد ذروں کو نورِ ایمان سے منور کر دیا، اس کے اپنے نور ہونے میں کسے اختلاف ہو سکتا ہے؟ ہاں ذات کے لحاظ سے اور نوع کے لحاظ سے آپ یقیناً انسان تھے اور نوع بشر میں سے تھے۔ یاد رکھیے کہ ایسے نور کا دعوی جس میں بشریت کا انکار ہو یہ اہل سنت کے اپنے گھر کی آواز نہیں بلکہ غیروں نے حضرت ابوبکر کو آنحضرت ﷺ سے الگ کرنے کے لئے ان مسئلوں کو ہوا دے رکھی ہے۔ تاکہ پھر وہ یہ نتیجہ پیدا کر سکیں کہ جب حضور ﷺ نور تھے تو پھر ان کا جانشین بشر کیسے ہو سکتا ہے۔

غیر نبی کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھنا:

کسی نے سوال کیا کہ: ''دعوت'' رسالے میں بعض جگہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھا ہوتا ہے۔ اگر یہ لکھنا جائز ہے تو پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے نام کے ساتھ کیوں نہیں لکھا جاتا؟

اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے بھی اسطرح بالاستقلال صلوۃ وسلام لکھنا اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک جائز نہیں، آپ نے ''دعوت'' کے جن پرچوں میں حضرت علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا دیکھا ہے، وہ کاتب کی غلطی ہے، ادارے کی نہیں۔ کاتب لوگ عام طور پر صاحبِ علم نہیں ہوتے، اور جہاں کسی بزرگ یا شخصیت کا نام آجائے وہیں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ تعظیمی الفاظ لکھ دیتے ہیں اور ایسا زیادہ تر اس رواج عام کی بناء پر ہے جو عملاً پہلے سے رائج ہے۔ مسئلہ وہی ہے جو ہم نے لکھ دیا ہے۔ اور اگر علیہ السلام، اور السلام علیہ میں فرق نہ بھی کیا جائے اور اسلئے کہ ہم روزمرہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہتے ہیں اور تمام بزرگان دین کے نام کے ساتھ لکھنے کو جائز قرار دیا جائے تو بھی اس میں اہل بدعت کے شعار پر عمل لازم آتا ہے، اس لئے ایسے تمام آداب سے بچنا لازم ہے، سیدنا حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح فقہ اکبر کے ملحقات میں فرماتے ہیں: **ان قول علی علیہ السلام من شعار اھل البدعۃ فلایستحسن فی مقام المرام.** [شرح فقہ اکبر: ۲۰۴ مطبوعہ کانپور]

(دیکھئے! حضرتؒ نے واضح انداز میں صحیح بات کی نشاندہی کی، اور ان لوگوں کو دعوت فکر دی ہے جو موجودہ دور میں اہل بدعت کی دیکھا دیکھی یا خود کو اہل بیت کا سب سے بڑا حبدار ثابت کرنے کے چکر میں اہل سنت کے طریق سے ہٹے ہوئے ہیں۔)

شبِ معراج پچاس نمازوں کو پانچ کرانا:

شب معراج جب نبی کریم ﷺ اللہ رب العزت کی جانب سے پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر آئے تو راستے میں حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پچاس نمازوں کا سن کر انہوں نے واپس جانے اور تخفیف کروانے کا کہا، اس تناظر میں حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

ہوسکتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے دل میں وہ ارمان ابھی باقی ہو کہ جب میں نے رب العزت کی دولت دیدار سے فیضیاب ہونے کی تمنا کی تھی، جو مالک حقیقی کی شانِ بے نیازی سے تشنۂ تکمیل رہی۔ اب جب حضرت موسی علیہ السلام یہ دیکھتے ہیں کہ رب العزت اپنے محبوب خاتم کو خود اپنے حریم ناز میں بلا رہے ہیں اور جو مرتبہ وہاں طلب پر بھی نہ ملا، اس سے یہاں بلا طلب نوازا جا رہا ہے تو حضرت موسی علیہ السلام حضور ختم مرتبت کے راستے میں کھڑے ہو گئے کہ اگر اپنی آنکھیں اس حسن حقیقی اور جمال مطلق کے دیدار کا شرف نہیں پا سکیں تو جو آنکھیں اس نور سے منور ہو کر آ رہی ہیں ان آنکھوں کے دیدار سے ہی اپنی آنکھوں کو تسکین دے لوں۔ چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام نے اس حسن مطلق کا مطالعہ حضور رسالت کی مبارک آنکھوں کے صفحات میں فرمایا۔

(ایک یہودی نے مناظرہ میں علامہ صاحبؒ سے کہہ دیا کہ: تم پر تو ہمارے نبی کا احسان ہے کہ نمازیں پانچ ہوگئیں، ورنہ ۵۰ پڑھنی پڑتیں۔ اِس پر علامہ صاحبؒ نے فرمایا: بلکہ بات یوں ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام نے سوچا ہوگا کہ مجھے تو دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہوسکا، جو آنکھیں اِس سعادت سے بہرور ہو کر آئی ہیں اُنہی میں جلوے دیکھ لوں۔ اِسی لیے بار بار واپس بھیجا تا کہ مزید جلووں سے آنکھوں کو تسکین حاصل ہو۔ علامہ صاحبؒ کے اِس جواب پر تالی بج گئی اور اسلام کے حق میں جیت کا فیصلہ ہوگیا۔ [ادارہ])

صحابہ کرام انبیاء اور عام امت میں وسط ہیں:

سو یہ حضرات ہم احاد امت کی طرح نہیں، ان کا درجہ ہم سے اوپر اور انبیاء کرام سے نیچے ہے۔ انہیں درمیانی مقام میں سمجھو کہ یہ حضرات ہم پر اللہ کے دین کے گواہ بنائے گئے ہیں اور اللہ کا رسول ان پر اللہ کے دین کا گواہ ہے جس طرح کعبہ قبلہ نماز ہے یہ حضرات قبلہ عوام ہیں۔ **و کذالک جعلناکم امة وسطالتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا.**

صحابہ کرام کی تعدیل:

صحابہ کرام مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالی جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے ان کی تعدیل کر چکا ہے۔

شیعہ کا تضلیل امت کا عقیدہ:

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اثنا عشری شیعوں کے وجوہ کفر میں ان کے عام امت محمدیہ کے گمراہ ہوجانے کے

عقیدے کو بھی ذکر کیا ہے۔ ائمہ کو انبیاء و مرسلین سے افضل ماننا بھی ایک مستقل وجہ کفر ہے۔ خمینی اپنی کتاب **الحکومۃ الاسلامیہ** میں لکھتا ہے: "ہمارے مذہب شیعہ کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے (بارہ) اماموں کا درجہ اتنا بلند ہے کہ مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین بھی اسے نہیں پہنچ سکتے۔" ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے نظریات کو مستقل وجہ کفر لکھا ہے۔

کافر کو کافر نہ کہنا:

تحریف قرآن پر بات کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: اور ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کریم کے ساتھ اس قسم کے طنز اور استہزاء پر آجائے جو اثنا عشری عقیدے میں اسی آیت (**کنتم خیر امۃ اخرجت**) سے ہوتا گیا ہے وہ کسی صورت مسلمان نہیں رہ سکتا اور جو شخص ان سب باتوں کے باوجود اسے مسلمان سمجھتا ہے اس کا اپنا کفر بھی طے ہو چکا ہے۔

حضرت علامہ صاحب کے علمی جواہر پاروں سے اہل علم ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں گے اور ان آب دار جواہر کی تابانی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ آپ کے شہ کار قلم سے نکلے ہوئے موتی آنے والے دور میں دلیل کے طور پر پیش کئے جائیں گے۔ آپ کا یہ وہبی علم "صراط مستقیم" کے طلب گاروں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہے گا۔ اختلافی مسائل میں آپ کا قول ان شاء اللہ ہمیشہ "فیصل" رہے گا۔

آپ نے زندگی بھر صحابہ کرام کی مقدس جماعت کا دفاع کیا، عمر عزیز کی بہاریں ان کی وکالت میں گذار دیں۔ اور دم آخر بھی آپ کی زبان پر صحابہ صحابہ تھا۔ اللہ پاک ان پاک باز ہستیوں کا قرب نصیب فرمائے۔

میں بھی اپنی تحریر کا اختتام انہی پاک باز ہستیوں کے متعلق علامہ صاحب کے ان قیمتی الفاظ پر کرتا ہوں جن سے تشکیک تمام جال تار عنکبوت کی طرح نیست و نابود ہو گئے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں:

قرآن پاک نے منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بات بھی بیان کی ہے کہ آپ اپنے فیض صحبت سے ایک جماعت کے دل پاک کریں۔ سو آنحضرت ﷺ نے اس حکم الہٰی کے تحت صحابہ کے دل بالتدریج پاک کیے۔ ہم جو سب صحابہ کو پاک اور تزکیۂ قلب کی دولت سے سرفراز مانتے ہیں، وہ حضور ﷺ کے عمل تزکیہ کے بعد سے مانتے ہیں، یہ نہیں کہ وہ پہلے سے ہی دل کی ہر آلودگی سے پاک تھے۔ یہ حضور ﷺ کا فیض صحبت ہے جس نے آپ کے سب صحابہ کو ہدایت کے ستارے بنا دیا۔

اب اس تربیت کے دوران جن صحابہ سے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خود ناپسندیدہ ہو گئے۔ دوران تربیت شاگردوں کی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں اور پھر استاد ان کی اصلاح کرتا ہے، تب کہیں جا کر ان کی زندگیاں معیاری بنتی ہیں۔ تربیت کے دوران ان سے جو کمزوریاں صادر ہوئیں وہ ان میں ہرگز موجب قدح نہیں ہو سکتیں۔ وہ حضرات تکمیل شریعت کے مختلف مراحل میں بمنزلہ آلات استعمال ہو گئے۔ اب ان کے اس دور کے واقعات کو اٹھانا اور ان پر جرح کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی [مانسہرہ]

ملفوظات وارشادات

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھا جائے گا۔آج کی محفل میں ان کے چند اقوال پیش کیے جا رہے ہیں۔ ہر ارشاد ایک پھول اور موتی ہے۔

صدائے حق اور ہزارہ:

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ بار ہا تشریف لائے اور مختلف مقامات پر ان کے بیانات ہوئے۔ مانسہرہ میں گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول مانسہرہ اور بعد ازاں وکلاء کو بار روم میں بھی خطاب کیا۔یاد رہے کہ آپ کا اصل پروگرام مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں تھا۔آپ جب بھی مانسہرہ تشریف لاتے مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں ضرور قیام فرماتے تھے۔مرکزی جامع مسجد جس طرح نام سے مرکزی جامع مسجد ہے، اسی طرح کام سے بھی مرکزی جامع مسجد ہے۔اہل حق کا ہمیشہ یہ مرکز رہی ہے اور ہے اور ان شاء اللہ مرکز ہی رہے گی، حق وصداقت کی آواز یہاں سے بلند ہوتی رہے گی، ان پروگراموں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ راقم الحروف بھی تھا، حضرتؒ کے یہ بیانات اگر مرتب ہو جائیں تو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔اور **ھزارہ کالبخارہ** کے ساتھ حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور آمد کا بھی پتہ چلے گا۔اور مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں ان کے ورودِ مسعود کا منظر بھی سامنے آئے گا، یہ ہی چیزیں تاریخ کا حصہ ہوا کرتی ہیں اور آئندہ نسلوں کیلئے مشعل راہ بھی ہے۔حضرت علامہ صاحب نے دنیا کے ہر ملک میں جا کر صدائے حق لگائی ہے اور حق کی آواز کو دلائل اور براہین کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا، ان کی یادیں ان کی باتیں وفائیں ان کی ادائیں، ہمیشہ قائم اور دائم رہیں گی، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔آمین

وہ تو علم کا آفتاب بن گیا:

عقل اللہ کی بڑی نعمت ہے، پھر ساتھ محنت اور مشقت رنگ لاتی ہے اور اکابر پر اعتماد اور اکابر علماء کا کسی پر اعتماد ہو جائے تو یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت بن جاتی ہے، یہی بات اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ خالد محمودؒ میں رکھی تھی۔اسی بات پر ساری زندگی عمل پیرا رہے۔اگر یہ شعر نقل کر دیا جائے تو عکس کا کمال ہوگا۔

خود اپنے چمکنے کی جس میں ہو قدرت وہ ذرہ منظرِ فیضِ آفتاب نہیں

علم کے دریا بہائے:

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اللہ تعالیٰ نے لاتعداد خوبیاں رکھی ہوئی تھیں۔وہ جب گفتگو کرتے تو علم کے دریا بہایا کرتے تھے۔جب لکھتے تو سمندر کو حقیقت میں کوزے میں بند کر دیا کرتے تھے۔وہ مخالف کو دلائل کے ساتھ لاجواب کرتے تو

مسکراتے چہرے کے ساتھ اس کو دعوت فکر بھی دیتے۔ وہ سب سے پہلے مخالف کو اسی کی گفتگو سے پکڑ لیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے جو آپ نے کہا اس میں تو ہمارا جواب موجود ہے۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سچے عاشق تھے، یہ شعر ان کے عشق کی ترجمانی کرتا ہے۔

مَنَمُ اَدْنیٰ ثَنَا خوَانِ مُحَمَّدٌ ﷺ

غلامِ از غلامانِ محمد ﷺ

فکر اور طریقہ:

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے ترجمان تھے کہ ہماری فکر ولی اللّٰہی ہے اور ہمارا طریقہ مجددی ہے۔ فکر ولی اللّٰہی اور مجددی طریقہ کے ترجمان حضرت مولانا خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر جہاں اسلام کی ترجمانی کی، وہاں ختم نبوت کی پاسبانی بھی کی ہے۔ اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی رکھوالی بھی کی ہے۔ اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی پاسداری بھی کرتے رہے ہیں۔ بچپن جوانی اور بڑھاپا بھی انہی سلاسل مقدسہ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ حقیقت میں خود بہت بڑے عالم تھے، محقق، مصنف، مورخ ان لاتعداد صفات کے باوجود وہ اپنے اکابر کے دامن کو پکڑنا ضروری قرار دیتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم اور معارف سے جہاں برطانیہ محروم ہو گیا وہاں تمام مسلمان ان کی خیر و فلاح والی زندگی سے محروم ہو گئے۔ ان کی جدائی حقیقت میں بڑا صدمہ لائی ہے۔ ان کی جدائی سے حضرت علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ کہ اُن کے جانے سے ایک علم کا پہاڑ چلا گیا۔ اور علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے جانے سے بھی ایک علم کا پہاڑ چلا گیا۔

نبوت کی تکمیل کے بعد صحابہ (رضی اللہ عنہم) پیشوا ہیں:

مااَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے پیشوا ہیں ان کے بعد تابعین اور مجتہدین اس راہِ امت کے پیشوا ہوں گے۔ [عقیدۃ الامت: ۳۳]

صحابہ کرام اپنے اجماع میں معصوم ہیں:

جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ذوات قدسیہ میں معصوم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اجماع میں ہر خطا سے معصوم ہیں۔ [ایضاً: ۳۴]

سلامتی کا شہزادہ سب سے آخر میں:

آیت ۸۱/ پارہ نمبر ۳/ سورۃ آل عمران کی تشریح میں ایک جملہ ارشاد فرمایا: یہاں لفظ ثم کے ساتھ اس کے سب سے آخر میں آنے کی خبر دی گئی ہے، یہ سب انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے حلقے میں سلامتی کے پیغمبر رہے اور وہ سب سے آخر میں آنے والا سلامتی کا شہزادہ ٹھہرا۔ اس پر سب قومیں اکٹھی ہوں گی۔ اور سب دنیا ایک ہو گی جس طرح اللہ رب العزت

ساری دنیا کے لیے ایک معبود ہے، اس طرح وہ ساری دنیا کے لیے ایک نبی اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔[ایضا:۴۶]

حق سلب کرلیا:

ختم نبوت کا عقیدہ انسانی آزادی پر آئندہ کوئی آسمانی پابندی نہ لگنے کی ایک ضمانت ہے۔ آئندہ جو شخص کسی قسم کا دعویٰ نبوت کرے وہ اس سے ملت کا یہ حق سلب کرتا ہے اور اب یہ اس امت کا حق ہے کہ وہ اس سے مسلمان کہلانے کا پہلا حق جو اُسے حاصل تھا سلب کرلے۔[ایضا:۷۹]

ختم نبوت دائمی نعمت: ختم نبوت سے کوئی نعمت ہم سے چھنی نہیں بلکہ ہم دائمی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مالا مال کردیئے گئے۔[ایضا:۸۱] (دیکھیے: ۴۵۸/۲۔[ادارہ])

کون کس کا امام؟

سنن دارمی میں عباد بن عبدالخواص الشامی سے منقول ہے۔ **کان القرآن امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اماماً لأصحابه وکان اصحابه ائمة لمن بعدهم.** سنن دارمی: ۱۶۰/۱۔ ترجمہ: قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امام تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے امام تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بعد میں آنے والے لوگوں کے پیشوا ہیں۔[ایضا:۹۰]

نبوت نجات کی ضمانت دیتی ہے:

نبوت اپنے ماننے والوں کو آخرت میں نجات کی ضمانت بخشتی ہے، نبی کی پیروی کرنے والوں کی نجات جاتے ہی ہو جائے گی۔ گناہگاروں کی' کچھ سزا کے بعد ہوگی، تاہم نبوت کو ماننے والے کی نجات یقینی ہے۔[ایضا:۱۲۹]

ایک ہی قوم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب جہانوں کیلئے بشیر ونذیر تبھی ہو سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد نہ کہیں کوئی اور نبی ہو۔ اور نہ کبھی اور کوئی نبی آئے۔ ابتداء عالم میں جس طرح دنیا ایک قوم تھی آخر میں بھی دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحدتِ رسالت سے ایک قوم بن کر رہے۔[ایضا:۱۴۱]

دجال کی تعریف: دجال وہ ہوتا ہے جو حق اور باطل کو ملا کر چلے، (یعنی) وہ کسی نبی برحق کا تابع کہلا کر (پھر اپنے) نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے ہر مدعی نبوت کو کذاب کے علاوہ دجال بھی کہا ہے۔ اور دجال کا کام یہی ہے کہ دھوکہ وفریب میں آخری بازی لگادے۔[ایضا:۱۷۳، ۲۸۹]

نئی نبوت کی نفی ہے، کسی پہلے نبی کے آنے کی نہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور قرآن کی شہادت لا نبی بعدی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت العلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں نبی نہ آنے سے مراد نبوت کی نفی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہ

ملے گی۔ نبی کی آمد منتفی نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسراء (معراج) کی رات تمام انبیاء (علیہم السلام) بیت المقدس میں آئے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات بھی ہوئی اس کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔ **فلاتکن فی مریة من لقائه.** (پارہ:۲۱ سورۃ السجدہ:۲۳] ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔ سو موسیٰ علیہ السلام کا اس رات بیت المقدس آنا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کی علامت کے طور پر دوبارہ اس زمین پر اترنا حدیث لا نبی بعدی کے خلاف نہیں۔ [حوالہ بالا:۱۷۴]

نبی وصدیق......اور ضروریات دین:

حضرت علامہ بحر العلوم عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں: ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ علیہ کا سب صحابہ اور اولیاء سے افضل ہونا یہ دو ایسے قضیے ہیں جو امت میں درجہ یقین تک پہنچے ہیں اور ضروریات دین میں سے ہیں۔ [ایضا:۱۹۶]

بیت العلم: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) کے والد شاہ عبد الرحیم اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک رہے، آپ برصغیر پاک و ہند کے تمام علماء حق کے سرتاج ہیں، آپ کا گھرانہ بیت علم الحنفیہ (احناف کے علم کا گھر) کے نام سے معروف تھا۔ [ایضا:۲۴۱]

دو پہلو: عقیدہ ختم نبوت کے دو پہلو ہیں: (۱) نیا کوئی نبی پیدا نہ ہو اور (۲) پہلا کوئی نبی آ جائے تو وہ اپنی شریعت پر عمل نہ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ماتحت رہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ''خاتم النبیین'' (فارسی) میں اسی کو عقیدہ ختم نبوت قرار دیا ہے۔ [ایضا:۲۸۶]

سر درد نہیں ہوا: فرعون نے چار سو برس تک حکومت کی اور اس مدت دراز میں اُسے کبھی سر درد تک نہ ہوئی۔ [ایضا:۲۹۱]

قادیانی مبلغ لا جواب ہو گیا:

قادیانی مبلغ جلال الدین شمس نے ایک دفعہ چیلنج دیا کہ آیات الٰہیہ پر ایمان کی بحث ہو اور پھر آخرت کا ذکر ہو تو اس سے یوم آخرت مراد نہیں ہوتا۔ ہم نے اُسی وقت یہ آیت پڑھ دی۔ واما الذین کفروا و کذبوا بایتنا ولقائ الاخرۃ فاولئك فی العذاب محضرون (پارہ:۲۱ سورہ الروم:۱۶] ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کے دن کو وہ عذاب میں اتارے جائیں گے۔ آیات الٰہیہ سے صرف قرآنی آیات مراد نہیں پہلی وحی الٰہی بھی اس میں داخل ہے۔ اس کی تکذیب بھی کفر ہے۔ اس کے ساتھ یہاں آخرت کی تکذیب کا بھی تذکرہ ہے اور یہاں آخرت سے مراد آخری وحی نہیں ہے، پھر یہاں صرف آخرت نہیں فرمایا: لقاء الآخرۃ فرمایا، تاکہ کوئی شخص آخرت کے سوا کوئی اور معنیٰ کر نہ سکے۔ اس سے یقیناً یوم آخرت کی حاضری مراد ہے، **فبھت الذی کفر** اس پر ششدر رہ گیا۔ پھر ہم نے جواب آں غزل کے طور پر چیلنج دیا کہ قرآن کریم میں کہیں متقین کا ذکر ہو اور ان کے ضمن میں آخرت کا لفظ آیا ہو اور آخرت کے معنی اگلا جہاں نہ ہو۔ اس ضابطے کو تم توڑ و اور اس پر آیت پیش

کرو جب وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا تو ہم نے یہ آیت پڑھ دی۔ **وان کل ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیا والآخرۃ عند ربک للمتقین.** [پارہ:۲۵/سورۃ الزخرف:۳۵] ترجمہ: اور سب کچھ نہیں مگر سامان دنیا کی زندگی کا اور آخرت تیرے رب کے ہاں انہی کی ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

یہاں متقین کی بحث ہے اور اس میں لفظ آخرت وارد ہے اور وہ بھی صریح طور پر حیات دنیوی کے مقابل وارد ہے کیا، اب اس ملحدانہ تاویل کی کوئی راہ ہے کہ یہاں آخرت سے مراد یوم آخرت نہیں؟ یا قوم! **الیس منکم رجل رشید.**

[ایضا:۱۵۲،۱۵۱]

انبیاء کا دماغ ہمیشہ دِل کے تابع:

انبیاء علیہم السلام کا دماغ ہمیشہ دل کے تابع رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نیند کے تقاضے کو آنکھوں تک محدود بتلایا اور دل کی بستی ہمیشہ آباد بتلائی جس پر اللہ کا نور بے حجاب اترتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ان عینی تنامان ولاینام قلبی (رواہ الشیخان)** صرف میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا وہ بیدار رہتا ہے۔ [مناظرے:۱۳]

حیات عیسیٰ علیہ السلام:

بعض لوگوں نے یہ سوال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور ہزار ہا سال سے زندہ ہیں، وہ وہاں رہ رہے ہیں تو کھاتے پیتے کیا ہوں گے؟ کھانے پینے کے بغیر یہ حیات ناسوتی کیسے قائم رہی ہوگی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اتنی لمبی عمر کھانے کے بغیر کیسے پائی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس کی عجیب حکمت بیان فرمائی ہے آپ نے علماء سے اصحاب کہف کا قصہ بارہا سنا ہوگا۔ کئی سو سال گزر گئے اور وہ سوئے رہے، پھر جب اٹھے تو وہی سکے جیب میں تھے۔ اُن کو پتہ نہ تھا کہ اتنا دور گزر گیا۔ وہ اُسی سکے کے ساتھ بازار میں سودا لینے گئے۔ دکانوں کے حلیے بدل چکے تھے، انسان پہچانے نہ جاتے تھے۔ سکہ متعارف نہ تھا۔ دنیا عجیب تھی۔ جب دکان سے کھانا لینے گئے تو پولیس نے پکڑ لیا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ یہ پرانے سکے تمہارے پاس کہاں سے آئے۔ اس قصہ میں من جملہ اور حکمتوں کے ایک راز یہ بھی تھا کہ دنیا کو بتایا جائے کہ اگر اصحاب کہف جو کئی سو سال بغیر کھائے پیئے سوئے رہے۔ ایسے ہی سالہا سال وہ بغیر کھائے پیئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ نہیں رکھ سکتا؟ بے شک رکھ سکتا ہے۔ [ایضا:۳۵،۳۶]

سب سے اعلیٰ روح سب سے اعلیٰ بدن میں:

اب آپ بتائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جب سب سے اعلیٰ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن طیب سب سے اعلیٰ مخلوق ہے۔ اس کے برابر کوئی مخلوق نہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے روح قبض کرنے کے بعد اعلیٰ علیین میں رکھ دے۔ اور اعلیٰ علیین کا وہ درجہ نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا ہے۔ بلکہ درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ ہو اعلیٰ علیین کا درجہ اتنا نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اعلیٰ بدن سے نکال کر علیین

کے ادنی مقام میں رکھ دی اور اگر اعلیٰ علیین کا درجہ اعلیٰ ہو تو اس کا مطلب صاف یہ ہوگا کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن اعلیٰ نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات نہیں، اعلیٰ وہ جگہ ہے جو علیین ہے۔[ایضا:۴۹]

ایک انکار سے دوسرا اِنکار:

لوگ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے حیاتِ مسیح علیہ السلام کا انکار کرنے لگے ہیں۔......ہم اہل اسلام نہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے منکر ہیں، نہ حیاتِ شہداء کے اور نہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔[ایضا:۵۰]

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین رضی اللہ عنہما:

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر کی روضہ رسول میں تدفین کے بعد حضرت عائشہؓ پردہ کے ساتھ قبر مبارک پر جاتی تھیں۔حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس کے روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات اقدس اوران کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔مقام حیات :۶۵۸۔[نورالقمر سیرت عمرؓ:۵۵۹]

حضرت صوفی سواتی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ آپ نے ''دمغ الباطل'' شائع کر کے ایک طرف اس خاندان دہلی کا حق وفا ادا کیا ہے تو دوسری طرف اس پر نہایت علمی اور جامع مقدمہ تحریر کر کے مسلمانان پاک و ہند پر عظیم احسان کیا ہے،ضروری مقامات پر حواشی لکھ کر آپ نے موضوع کو نہایت سہل کر دیا ہے۔[ایضا:۲۸](دیکھیے :۶۸۸/۲۔[ادارہ])

قبر میں تین سوال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں یہ سوال ہوں گے۔مَنْ رَّبُکَ؟ مَنْ نَبِیُّکَ؟ مَادِیْنُکَ؟ اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔اس میں صراحت ہے کہ وہاں نبوت کے متعلق سوال ہوگا۔تو یہی ہوگا کہ مـــن نبیک؟ تیرا نبی کون ہے؟ یہاں نبی واحد ہے جس کی جمع انبیاء آتی ہے۔پس اگر اس امت کے لیے ایک سے زائد انبیاء مقدر ہوتے تو صورت سوال یوں ہوتی کہ تیرے نبی کون کون ہیں۔پس جب ایسا نہیں تو ثابت ہو گیا کہ ہمارے لئے بس ایک اور ایک ہی نبی ہے۔اور وہ تاجدار ختم نبوت آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔[ایضا:۹۱]

کئی غیر مسلم میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے:

مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں اسلام کا کام کر رہے ہیں، میں خود کئی سالوں سے برطانیہ میں تبلیغ اسلام کر رہا ہوں۔خدا کے فضل سے کئی غیر مسلم میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔وہاں جمعیت علماء برطانیہ کا بانی ہوں جس میں اڑھائی سو سے زائد علماء شامل ہیں۔[ایضا:۱۵۸]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہوں، ان کے عقیدے میں جب اور نبی پیدا نہ ہوگا تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہی ان کے عقیدے میں صحابی ہوں گے۔[ایضا:۱۶۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں کوفہ آئے، آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آکر ان تمام باتوں کو بحال رکھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ تھیں، کیا یہ صریح طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت پابندی نہیں اور پھر اس کی حد بندی کوفہ تک نہ تھی آپ رضی اللہ عنہ نے اُسے ایک اصول کے طور پر قبول فرمایا ہوا تھا۔ خلفائے راشدین:۳۶۲[ایضا:۴۹۸]

کفر وشرک سے پاک:

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعلان نبوت سے پہلے ہر طرح کے کفر وشرک سے پاک تھے۔ اسی طرح ان کے رضا یافتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہر طرح کے کفر اور اس کی آلائشوں سے بالکل پاک تھے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رضا بالکفر لازم آتی ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) [عبقات:۸۲، بحوالہ: سیدنا صدیق اکبرؓ:۵۵/ مولانا محمد اقبال رنگونی]

شیطان کا نام عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگنا:

بعض روایات کی رو سے شیطان آپ رضی اللہ عنہ سے ایسا بھاگتا ہے جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ میں اور شیطان میں دوری اور ایک فطرتی اور دائمی صورت رکھتے تھے۔ یہ گناہوں سے بچاؤ کی کتنی عظیم خبر ہے۔ یہ معصومیت تو نہیں، معصومیت خاصہ انبیاء ہے۔ لیکن عصمت خداوندی کے رنگ میں رنگین ہونا یہ بھی کچھ کم فضیلت نہیں ہے۔ خلفائے راشدین:۳۳۰[نور القمر سیرت عمرؓ:۴۸۴]

الف سے ے تک:

ختم نبوت کی عظیم معرکہ آرائی جو علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے الف سے شروع ہوئی تھی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''ی'' پر ختم ہوگئی۔[ایضا:۴۳۹]

حضرت بنوری، ایک ادارہ نہیں ایک عہد:

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ اپنی ذات میں ایک شخصیت نہیں ایک ادارہ تھے، ایک ادارہ نہیں ایک عہد تھے۔

[ایضا:۴۳۹]

ہم یزید کی حمایت کیوں نہیں کرتے:

یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ سادات کا احترام کرنا، اپنے بڑوں کا خیال رکھنا، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کا ادب واحترام کرنا، ہر طرح ان کا ادب کرنا۔ جب اُس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خیال نہیں رکھا تو ہم کیوں اُس کی حمایت کریں۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی رشید احمد، اوکاڑہ

دورِ حاضر کے پیکر عجز و انکسار امام المتکلمین

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے
ان کی سعی مسلسل کار گر ہوتی گئی
زندگی لحظہ بہ لحظہ مختصر ہوتی گئی
سانس کے پردے میں یوں بجتا رہا ساز حیات
موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

قارئین کرام! یہ اشعار حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ کی وفات پر مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے فیصل آباد میں مؤرخہ ۲۲ رجنوری ۲۰۰۰ء کو پڑھے تھے۔ اور آج وہی اشعار ان کی اپنی وفات پر تقریباً بیس سال بعد ان کی آڈیو تقریر سے اخذ کر کے تعزیت کے لکھ رہا ہوں۔ یقیناً آج علمی حلقوں میں یتیمی کا احساس ہو رہا ہوگا۔ باب المعارف، رئیس المناظرین، امام اہل سنت، اسلاف کی نشانی اور اہل حق علماء کا آخری ریفرینس جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

چار عبقری شخصیات:

معزز قارئین! مسند تدریس پر بیٹھ کر علمی مسائل حل کرنے والے حضرات اور غیر علماء میں بیان کرنے والے واعظین حضرات میں یہ فرق ہوتا ہے کہ پہلے طبقہ کی پذیرائی خواص میں ہوتی ہے، اور دوسرے طبقہ کی پذیرائی عوام میں ہوتی ہے۔ مگر زمانہ قریب میں چار عبقری شخصیات ایسی گزری ہیں جن کو اللہ تعالی نے خواص و عوام دونوں حلقوں میں بے حد مقبولیت عطا کر رکھی تھی، استاذ العلماء، **امام المحققین**، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ۔ دوسری شخصیت مجدد العصر، سلطان العارفین، امام اہل سنت، معیارِ دیو بندیت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین [فاضل دیو بند و خلیفہ اجل: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ]۔ تیسری شخصیت رئیس المناظرین، امام فن اسماء الرجال، فرید الدہر، وکیل احناف، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی تھے جنہیں اللہ تعالی نے یہ خصوصیت عطا کر رکھی تھی کہ رسوخ علمی اور ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت ایسی کہ وہ خالص علمی اصطلاحات کو عام عوام کے ساتھ اس انداز سے کھولتے تھے کہ وہ انہیں سمجھ سکیں۔ چوتھی شخصیت **امام المتکلمین**، امام المناظرین، اسلاف کی نشانی، مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے یہ خصوصیت وہبی طور پر عطا کر رکھی تھی کہ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ رسوخ علمی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ علمی اصطلاحات کو اس انداز سے کھولتے تھے علماء

اور غیر علماء دونوں طبقے انہیں سمجھ سکتے ہیں۔ یہ انداز علامہ صاحب کی تمام تالیفات خصوصاً ان کی آثار نامی چار کتابوں کا خاصہ ہے۔ مشکل سے مشکل خالص علمی نکات کی تعبیرات کی ایسی تسہیل فرمائی کہ انہیں اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے عوامی زبان کا لبادہ پہنا دیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کا یہ اسلوب ہمارے لیے رہنمائی ہے کہ ان علمی اصطلاحات کو آج کے تحقیقی زمانہ میں عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ اس دور کے فتنوں پر قابو پایا جاسکے، یہ حضرت علامہ صاحب کا ہی کمال ہے کہ قرآنی علمی اصطلاحات کو آثار التنزیل میں، حدیث کی علمی اصطلاحات کو آثار الحدیث میں، فقہ کی علمی اصطلاحات کو آثار التشریع میں اور سلوک کو احسان یا تصوف کی علمی اصطلاحات کو آثار الاحسان میں امت کے جمہور علماء کے ساتھ سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسے انداز سے پیش فرمایا کہ ان سے دوری کا احساس بھی نہ رہے اور سمجھ بھی سکیں۔

ملفوظات علامہ صاحب:

ہمیشہ وہ علمی گفتگو فرماتے تھے۔ کبھی دنیاوی بات ان کی زبان سے نہیں سنی۔

ارشاد فرمایا: قادیانیوں نے اب مناظرے کرنا چھوڑ دیئے ہیں، اَب انکا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو علماء کرام سے متنفر کرتے ہیں۔

دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ: شیعہ لوگ **کذلک کدنا لیوسف** سے تقیہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، لیکن انکا یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ تقیہ تو ڈر کی وجہ کیا جاتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام تو بادشاہ تھے انہیں مخلوق کا ڈر نہیں تھا تو انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی؟

دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ: اپنی رازوں کو ظاہر مت کیا کرو۔ احرار والوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ: **صدور الاحرار قبور الاسرار**. احرار والوں کے سینے اسرار اور رازوں کی قبریں ہیں۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: ان کی عجیب حکمت عملی تھی کہ پوری حکومت کو شکست دے دی۔

ان دنوں قادیانیوں نے چالیس زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کرایا تھا، علامہ صاحب اس پر تشویش کا اظہار فرمارہے تھے، ظاہر بات ہے قادیانیوں نے اپنی باتیں اس میں داخل کر دی ہونگی۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مسلک اہل سنت دیوبند کے آپس کے اختلافات پر بڑے افسردہ تھے، فرمانے لگے آج اگر کمزور ہو رہے ہیں تو ہم دیوبند والے کمزور ہو رہے ہیں۔ علماء اہل سنت دیوبند کا اتفاق اور اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: ہمیشہ انجام پر نظر رکھنی چاہئے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے فرمایا: علماء اہل سنت دیوبند شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے پہلے شریعت کا بیان کیا، اب طریقت کا بیان کر رہے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: محدثین کی حیثیت وکیل کی سی ہے اور مجتہدین کی حیثیت بیرسٹر کی سی۔

دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ: امام مسلمؒ نے کتاب الایمان سے ابتداء کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فضائل اعمال نہیں فضائل ایمان بھی پڑھنا چاہیے۔ (دیکھیے: ۱/۰۷۵......۲/۲۳۴......۲/۳۱۴۔[ادارہ])

فرمایا کہ: شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ جو پڑھا ہے وہ بھولے نہیں۔

مشکوۃ کی آخری حدیثوں کے متعلق فرمایا: ممکن ہے کہ صحابہ کرام کے اجر تک کسی عمل میں کوئی پہنچ جائے، لیکن صحابہ کرام کے درجے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

مزید فرمایا کہ: ہم صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، اگر کوئی کہے کہ ان میں تو آپس میں اختلاف تھا، ہم کہیں گے اختلاف کے وقت ہم صرف ایک کی اتباع کریں گے اور دوسرے کو کچھ نہیں کہیں گے۔

فرمایا: بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا بدل نہیں ہوتا۔

علامہ صاحبؒ نے ایک محفل میں فرمایا کہ: **لا نبی بعدی** میں نفی ہے اور نفی کے ساتھ ساتھ اثبات بھی ہوتا ہے (جیسے پہلے کلمہ طیبہ میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی) فرمانے لگے کہ لا نبی بعدی کے ساتھ اثبات یہ ہے: **العلماء ورثة الأنبياء**. [۲/۳۱۲]

ایام محرم میں دوران بیان آپ نے ارشاد فرمایا: قرآن پاک میں اجتماعی طور پر ماتم کرنے، اجتماعی طور پر اس کے لیے جلوس نکالنے کی کوئی مثال نہیں ملتی، اس لئے ہم اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ اسلام میں اجتماعی ماتمی جلوس کی کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔ قرآن کریم میں اجتماعی طور پر سوائے اس کے کہ حضرت یوسف علیہا السلام کے بھائی جب حضرت یوسف کو کنویں میں اتار کر اپنے والد کے پاس گئے تو انہوں نے بے شک ایک اجتماعی جلوس نکالا، قرآن میں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: **وَجَاءُوا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ**. [پ۱۲، یوسف:۱۶] کہ حضرت یوسف کے بھائی (جو تھے) وہ (ایک اجتماعی شکل میں) اپنے باپ کے پاس آئے روتے ہوئے "ہائے یوسف ہائے یوسف" کہتے ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی رونے اور جلوس نکالنے کا قرآن وسنت میں کہیں ذکر نہیں ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر جو قرآن نے کیا وہ مقام محمود نہیں تھا، بلکہ وہ ایک فرضی اور اپنے جھوٹ کو چھپانے کی غرض سے کیا گیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ جب خواب کی تعبیر مکمل ہوئی تو انہوں نے اپنے اس عمل پر اظہار شرمندگی کیا اور حضرت یوسفؑ سے معافی مانگی۔

عزاداری اور سانحہ کربلا:

اس ایک منظر کے سوا اور کوئی ذکر نہیں ملتا، تو میں توجہ اس طرف دلاتا ہوں کہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے دل جو ہیں وہ غمگین ہیں، سانحہ کربلا پر ہمارے دل اُن مظلوموں کے ساتھ ہیں، لیکن ہم مجالس میں یہ بیان کریں تو تاریخی یاد کے طور پر بیان تو کریں، لیکن ہم اس کا نام عزاداری نہیں رکھتے کیوں؟ اس لئے کہ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ اے اللہ! تیرے فیصلے پر ہم راضی ہیں، اور اسکو قبول کرتے ہیں، اور نہ بھی کریں تو ہم کر کیا سکتے ہیں؟

لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنا؟ جس طرح حکومتوں کے خلاف احتجاج ہوتے ہیں، بادشاہوں کے خلاف احتجاج ہوتے ہیں، Public کرتی ہے، تو اللہ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنا، کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ماننے کا اس میں کوئی پہلو بھی پایا جاتا ہے؟ (سامعین: نہیں!) اللہ کے فیصلے کو ماننے کی اسمیں کوئی جھلک ہے؟ (سامعین: نہیں!)

ایک اہم ملفوظ: ہمارا ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا یہ اعتقاد ہے، کہ نبی پاک ﷺ کی تشریف آوری پر عرب لوگ جو متفرق زندگی گزار رہے تھے وہ ایک ہوئے، اور جو دیرینہ جنگیں اور جو تعصّبات کی لہریں تھیں، وہ ساری دب گئیں، اور قوم ایک ہوگئی۔

کلفت اور لذت:

نیکی اور گناہ یہ دو مقابلے کے الفاظ ہیں، نیکی کی بنیاد اس پر ہے کہ اس میں کلفت ہوتی ہے، کلفت کا معنی تکلیف۔ اور گناہ میں لذت ہوتی ہے، یعنی گناہ بے لذت نہیں ہوتا اور نیکی بغیر کلفت کے نہیں ہوتی۔ کوئی گناہ بغیر لذت کے نہیں ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس میں لذت نہ ہو، مثلاً چوری ہے کوئی آدمی چوری کرتا ہے تو اسکی غیرت کہتی ہے کہ پیسہ دوسرے کی جیب میں ہے، وہ میری جیب میں آجائے، جو اس کی جیب میں میری جیب میں آجائیں، اس نے لالچ کیا کہ پیسے میرے پاس آجائیں، اب چوری کر کے وہ خوش ہوگا کہ پیسے میرے پاس آگئے ہیں، تو معلوم ہوا کہ گناہ کے ساتھ لذت ضرور ہے، دنیا میں کوئی ایسا گناہ نہیں جس میں لذت نہ ہو۔ گناہ جب بھی ہوگا ساتھ لذت ہوگی، نیکی جب بھی آئے گی کلفت ساتھ ہوگی۔ نیکی کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے لئے بوجھ ہوتا ہے، اور گناہ کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ لذت آتی ہے۔

دنیا میں ہمیشہ بڑوں نے چھوٹوں پر غلبہ حاصل کیا:

میں آپ لوگوں کو سمجھا رہا ہوں، یہ نہ سمجھیں کہ شاید آپ کے احترام یا تکریم میں کچھ کمی کروں، لیکن میں (علامہ ڈاکٹر خالد محمود) عمر کے لحاظ سے تو بڑا ہوں ہی اور علم میں بھی بڑا ہوں، آپ مسجد میں آتے ہیں، درس میں آتے ہیں، ہر طرف سے آتے ہیں، صفیں بچھاتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں اور جب قابو کر لیا اور یہ پتہ چل گیا کہ یہ شخص پڑھا لکھا ہے تو آپ نے میری باتیں سن لیں، تو یہ ہے چھوٹوں کو قابو کرنا۔ پہلے یہ تصور لینا کہ میں تم میں بڑا ہوں اور پھر ان کو قابو کرنا۔ تو میں نے آپ کو قابو کر لیا ہے تو دنیا میں یہی چلا آرہا ہے کہ جہاں چھوٹوں کو پاؤ قابو کرلو۔

دنیا کی پہلی شخصیت جس نے بادشاہوں کو للکارا:

لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ نے جب اعلان نبوت کیا تو یہ پہلی شخصیت ہے کہ جنہوں نے بادشاہوں کو خط لکھے ہیں، ہمیں چھوٹوں کو قابو کرنا ہے، انھوں نے بڑوں کو خطوط لکھے، بادشاہ بڑے ہوتے ہیں، کوئی مذہب کا بانی بتاؤ جس نے بڑوں کو، بادشاہوں کو، دولت مندوں کو قابو کیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسائیوں کو اور بادشاہوں کو خطوط لکھے کہ اے روم کے بادشاہ، اے فلاں ملک کے بادشاہ، **أسلم**، اسلام لے آ، میں خدا کا پیغمبر ہوں، **اسلم** اسلام لے آ، **تسلم** بچ جائے گا، **فان تولیت** اگر تو نے روگردانی کی، تو گناہ گار جتنے تیرے ماتحت ہیں سب کا گناہ تجھ پر۔ اس طرح بادشاہوں کو چیلنج کرنا، اب تک تم جتنے مذاہب والے

بیٹھے ہو، اپنے اپنے پیشواؤں کی زندگیوں کو مستحضر کر کے بتاؤ کہ کسی نے اب تک دنیا میں بادشاہوں کو اسطرح دعوت دی ہو؟ اور ایسا رعب کے اسے بتاتے ہوئے بھی میرا دل ڈوبتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ان بڑوں کو کہا تو آپ نے ان سب بادشاہوں کو فرمایا! مان جاؤ، مان جاؤ، مان جاؤ۔ کوئی منت کر کے نہیں فرمایا **اسلم** اسلام لے آ، **تسلم** بچ جائے گا، دو الفاظ اور پھر کسی بڑے کو اس انداز سے دعوت دینا۔ اس پر غور فرمائیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی اور ایک ڈارھی شیو کا لطیفہ:

ایک شخص نے آئینہ سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ داڑھی شیو کر رہا تھا، تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے قریب سے گزرتے ہوئے فرمایا: بیٹا! جتنی بھی محنت کرلو، اَب عورت نہیں بن سکتے۔ اَب مولانا نے کہا کہ میری بات کو کاٹنا ہے تو دلیل سے کاٹو۔

احکام شریعت کی اقسام اور اجتہاد کی تعریف:

احکام شریعت دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن کا حکم قرآن وحدیث میں پوری صراحت سے مذکور ہے اور دوسرے وہ جن کا قرآن وحدیث میں کوئی صراحت نہیں، ایسے موقعوں پر مسائل منصوصہ (جو نص سے ثابت ہیں) کا حکم مسائل غیر منصوصہ (جو واضح طور پر مذکور نہیں) پر اجتہاداً منطبق کیا جاتا ہے، اجتہاد کی تعریف علمائے اصول نے یہ کی ہے: **تعدية الحكم من الاصل الى الفرع** ۔ کسی حکم کو اصل سے فرع تک لے جانا۔ فقہاء کرام قرآن وحدیث کی نصوص پر غور وفکر کر کے غیر منصوص مسائل کا حکم دریافت کرتے ہیں اور مسائل اجتہادیہ پر عمل کرنے کی راہیں کھول دیتے ہیں، جن ائمہ کرام کو قرآن وحدیث پر پوری نظر کے ساتھ یہ قوت استنباط اور ملکہ اجتہاد حاصل ہوا انہیں مجتہد کہا جاتا ہے۔

فقہ کا معنی: فقہ کے معنی سمجھ اور دانش کے ہیں، جن علماء امت کا علم شریعت میں سمجھ اور دانش کا یہ درجہ حاصل ہو کہ قرآن وحدیث سے مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرسکیں یا کسی مجتہد کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں وہ جزئیات (علیحدہ علیحدہ جزئی مسائل) کا استخراج کرسکیں انہیں فقہاء کہا جاتا ہے۔ علم شریعت کے یہ وہ امین ہیں جن کی پیروی سے غیر مجتہد کو چارا نہیں۔ قرآن وحدیث میں شریعت کی اس سمجھ پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اسلام اور تہذیب: اسلام اگر ایک زندہ مذہب ہے، تو تاریخ اسلام کے ہر دور میں اس کا زندہ رہنا ضروری ہے، زندگی تسلسل کے بغیر زندگی نہیں اور اس کے تمام دور آپس میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط ومنظّم ہونے چاہئیں، اسلام، تاریخ کے مختلف دوروں میں خواہ کسی پیمانے میں رہا اور ناسازگار حالات میں سے اسے کیسے کیوں نہ گزرنا پڑا اسلام کی شاہراہ حیات ہر دور میں موجود رہی اور اس پر کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ اس کی اساسی حیثیت کلیۃً مٹ چکی ہوں اور آئندہ پھر نئے سرے سے طلوع اسلام ہو۔

علامہ صاحبؒ جیسی علمی اور عبقری شخصیت میں نے اور کوئی نہیں دیکھی، اِس دور میں جب بھی لفظ علامہ بولا جاتا ہے تو تعریف یا دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی تصور بدیہی کے طور پر علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی ذات بابرکت کا تصور آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے آمین۔ ☆☆☆☆

مولانا عبدالسلام ابراہیم ماروپالاجپوری (۱)

متکلم اسلام، وکیل احناف، سلطان المناظرین، یادگار اسلام کا کچھ ذکر خیر

علامہ خالد محمود صاحبؒ کا غائبانہ تعارف سن رکھا تھا، ۲۰۰۳ء کی بات ہے، میں مرکز الدعوۃ والارشاد (جو ولی آدم مسجد کے نام سے مشہور ہے) ایسٹ ہام، لندن کی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہا تھا، ایک صاحب نے بتایا کہ تین دن بعد مسجد قوۃ الاسلام، اپٹن لین، لندن میں فلاں وقت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا بیان ہے، میں وقت مقررہ پر پہنچ گیا، یہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی پہلی زیارت تھی۔

پہلی ملاقات:۔

ان سے ملنے کی ہے یہی اک رہ ملنے والوں سے رہ پیدا کر

پھر کچھ عرصہ بعد رفیق مکرم مولانا ابرار بن حضرت مولانا سعید احمد قاضی، امام مسجد ہدایہ، مانچسٹر کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی، ان کے توسط سے حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی اس طرح حضرت سے پہلی ملاقات کا شرف اور دلی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ رفیق مکرم مولانا ابرار کے ہم منصب مسجد ہدایہ کے پیش امام وخطیب جنھیں اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات سے نوازا ہے، ان سے تعارف ہوا، تعارف تعلق اور تعلق دوستی میں تبدیل ہوا، نیز مانچسٹر کی مسجد نور کے پیش امام قاری محمد صاحب نرولی سے بھی اچھی خاصی بے تکلفی ہوگئی۔ الغرض! حضرت مولانا محمد حنیف صاحب کا حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے، اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا محمد حنیف صاحب کی معیت میں ایک سے زائد مرتبہ علامہ صاحبؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو شاہی دماغ عطا فرمایا تھا، آپ کی قوت یادداشت خوب تھی، عمر نوے سال سے متجاوز تھی مگر حافظہ بالکل جوان تھا، بلکہ بڑھتی عمر نے اس میں مزید نکھار پیدا کر دیا تھا، آپ سے جب بھی کوئی علمی سوال کیا جاتا اور اس کے جواب میں جب آپ بولنا شروع کرتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا ایک دریا جو بہہ رہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرتؒ اس سلسلہ میں بالکل تازہ مطالعہ کر کے آئے ہیں اور جواب دے رہے ہیں۔ (حالانکہ بات ایسی نہیں ہوتی تھی)۔

جب بھی بولتے تھے علمی موتی رولتے تھے:

طبیعت میں سادگی اور بہت حد تک بے تکلفی تھی، گفتگو عالمانہ ہوتی تھی، جب بھی بولتے تھے علمی موتی رولتے تھے، آپ

---

(۱) خطیب: مسجد قباء اسٹامفورڈ ہل، لندن

کی مجلس سے اٹھنے والا ہر فرد یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اپنے دامن میں قیمتی علمی جواہرات بھر کر لے جا رہا ہے، مشکل سے مشکل مضامین کو منٹوں میں حل کرنے کا آپ کو ہنر آتا تھا۔ اکابر اربعہ کے خوب مداح تھے ۔

اکابر دیوبند میں حجۃ الاسلام، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خوب مداح تھے۔

مشکل سے مشکل علمی مسائل کو عوامی انداز میں:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ، سابق مہتمم ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے متعلق کہا جاتا ہے کہ: علم کے اظہار اور ابلاغ کے لئے حضرتؒ کا انداز اسلوب ایسا حکیمانہ اور فطری تھا کہ کسی ان پڑھ دیہاتی کو بھی اسے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی، تقریباً یہی حال حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا تھا کہ مشکل سے مشکل علمی مسائل کو عوامی اجتماع میں ایسے دلکش اور بے تکلفی کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ سننے والوں میں سے شاید ہی کوئی استفادہ سے محروم رہتا۔

تصنیف کا کام بھی بہت مشکل ہے جو:

رہتا قلم سے نام زمانے تلک ہے اے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت، چار پشت

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے مختلف جہات سے دین کا کام لیا، آپ نے تصنیفی لائن سے بھی خوب کام کیا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر لکھا اور خوب لکھا، تصنیفی کام اور وہ بھی علمی و تحقیقی کام ہو تو وہ بہت سارا وقت، یکسوئی اور خوب توجہ چاہتا ہے، اس سے وہی لوگ واقف ہیں جو اس راہ کے راہی ہے، لکھنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ پڑھنا اور علمی و تحقیقی کتاب کی تصنیف کے لئے بقول فقیہ الامت، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، عمر نوح، صبر ایوب، اور خزانہ سلیمانی، کی ضرورت ہوتی ہے۔

حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ:

''تصنیف کا کام بھی بہت مشکل ہے، جو کام کرتا ہے، وہی جانتا ہے کہ کیا کیا مشکلات پڑتی ہیں، آج کل کی جو اکثر تصنیفات ہیں کہ مصنفین برساتی مینڈک کی طرح امنڈ پڑتے ہیں، اس وقت ان کا ذکر نہیں، ان کا تو یہ قصہ ہے کہ ایک پہلو لے لیا اور رسالہ لکھ مارا، چاہے آگے پھر کچھ ہوا کرے، ذکر ان مصنفین کا ہے کہ جو محقق ہیں کہ جن کے سامنے ہر پہلو ہے، ہر جزئی اور کلی پر نظر ہے اور اس حالت میں پھر تصنیف کرتے ہیں، ان کی حالت تصنیف کے وقت ایسی ہوتی ہے جیسے جاں کنی کے وقت ہوتی ہے، ابھی ایک کتاب میں لکھ رہا تھا اب تو وہ چھپ کر تیار ہوگئی مگر تصنیف کے زمانہ میں مجھے یاد ہے کہ اس کے ایک مقام پر الجھن پیدا ہوئی، بہت غور و فکر کی مگر کچھ نہ لکھ سکا بالآخر چھوڑ دیا، صبح کو قرآن شریف پڑھتا ہوا جنگل گیا، اسٹیشن کے قریب پہنچ کر وہ مقام حل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے ساختہ دل میں ڈال دیا، وہاں سے محض اس خیال سے لوٹ کر آیا کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائے اور ذہول نہ ہو جائے، یہاں آکر وہ مضمون لکھ کر پھر جنگل گیا اور مضمون دو سطریں تھیں، اب کسی کو کیا خبر کہ کام کرنے والے پر کیا گذرتی ہے اور

دیکھنے والوں کو اس کی کیا خبر ہوگی کہ یہ دو سطر کیا چیز ہیں۔[الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۳۴۴]

یقیناً علامہ صاحبؒ بھی دوران تصنیف اس طرح کے کئی مراحل سے گذرے ہوں گے۔

اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ: ''اکابر کے علوم سے اپنے علوام کی موافقت بڑی دولت ہے، جو صحت مذاق وسلامت فہم، کی علامت ہے۔'' [کمالات اشرفیہ:۳۱]

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے علوم کا بھی یہی حال تھا۔

علامہ صاحبؒ بہت اچھے مناظر بھی تھے، بوقت ضرورت مناظرہ کرنا یہ بھی دین کی عظیم خدمت ہے، اس شعبہ میں بھی ضرورت محسوس ہونے پر ہمارے اکابر نے خوب کام کیا ہے۔ علامہ صاحبؒ نے باطل اور گمراہ فرقوں سے کئی مناظرے کئے اور مخالفین کو بتوفیق الٰہی ہمیشہ دھول چٹائی (شکست فاش دی)۔

مناظرہ کرنا اور مناظر ہونا کوئی آسان عمل نہیں ہے:

مناظرہ کرنا اور مناظر ہونا کوئی آسان عمل نہیں ہے، حکیم الامت، حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ:

''مناظرہ بہت خطرناک چیز ہے، اس لئے ہر شخص کو مناظرہ کرنا مناسب نہیں، اس کے لئے بڑے ہی فہم اور عقل وعلم کی ضرورت ہوتی ہے، میں نے خود بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ مناظرہ کرتے کرتے خود بگڑ گئے اور بددین ہوگئے۔''

[الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص۳۳۴]

نیز فرمایا کہ:

''مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہئے کیونکہ پہلوان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ مقابل میں اپنے سے کمزور ہے یا زبردست، اگر کمزور ہو تو مقابلہ کرے، ورنہ اس سے دور ہی رہے، ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے زبردست ہو، پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کے رد کے درپے ہو، کیونکہ غیر محقق پر اندیشہ ہے کبھی خود ہی شک میں نہ پڑ جائے۔'' [کمالات اشرفیہ ص۶۸]

استاذ کی گواہی شاگرد کے حق میں:

علامہ صاحبؒ کے مناظرے کی ایک مثال:

علامہ عبدالصمد ازہریؒ اپنی کتاب ''شرح اسماء الحسنی ص۷۰۴'' پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ لندن میں تمام مذاہب کی عالمی کانفرنس منعقد کی گئی، ہر مذہب کے پیشوا نے اپنے مذہب کے نظریات پیش کئے اور اس کے تفوق پر دلائل دیئے، ایک پادری نے عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کیں اور بڑے فخر کے ساتھ دین اسلام پر دین عیسوی کے تفوق کے لئے کہا کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی قربانی دی یعنی باپ نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔

ہمارے شاگردوں میں علامہ خالد محمود بڑے ہی ذہین عالم ہیں، انہوں نے فوراً برجستہ ایک سوال ٹھونک دیا کہ ابراہیم علیہ

السلام نے تو اپنے بیٹے کی قربانی خدا کی رضا جوئی کے لئے کی تھی، خدا نے اپنے بیٹے کی قربانی کس کے لئے دی تھی؟ وہ بشپ منہ دیکھتا رہ گیا، جس بات کو بڑے فخر سے پیش کیا تھا گلے پڑ گئی اور کوئی جواب نہ بن سکا۔''

باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت وتبلیغ ہی کی ایک قسم ہے:

علامہ صاحبؒ نے باطل اور گمراہ فرقوں کا خوب تعاقب کیا، مفسر قرآن، سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ملفوظ ہے کہ:

''باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت وتبلیغ ہی کی ایک قسم ہے، نیز فرمایا کہ اہل بدعت کی تردید صرف اس شخص کو کرنا چاہیئے جو کتاب وسنت کے غوامض اور اہل بدعات کے شبہات ووساوس سے پورا واقف ہو، تاکہ وہ لوگ اس پر غالب نہ آسکیں، ورنہ جو شخص اس درجہ کا نہ ہو اس سے بسا اوقات ایسے کلمات نکل جاتے ہیں کہ اہل باطل ان پر گرفت کر کے اور زیادہ عروج پالیتے ہیں۔'' [معارف مفتی اعظم]

حضرت اسد بن موسیٰ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

''جب کسی بدعت وضلالت کے ذریعہ اسلام کے اصول صحیحہ سے کید ومکر کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا کوئی ''ولی'' اس کی مدافعت کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو اس کی قلعی کھول دیتا ہے۔''

علامہ صاحبؒ انہیں اولیاء اللہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی تھے۔

حفاظت دین بھی دین کا اہم شعبہ ہے:

حفاظت دین بھی دین کا اہم شعبہ ہے، اسی بات کو بتانے کے لئے حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں آخری باب قائم کیا ہے۔ ''**کتاب الردعلی الجهمية**''۔ حضرت الامام اس باب کو قائم کر کے یہی سبق دینا چاہتے ہیں کہ جو بھی باطل اور گمراہ فرقے اور فتنے اٹھتے ہوں عقیدہ کے اعتبار سے ان کی سرکوبی ضروری ہے۔ علامہ صاحبؒ زندگی بھر باطل اور گمراہ فرقوں کا بھرپور تعاقب کرتے رہے، آپ کا مشن یہی تھا کہ ؎

ہمیشہ حق سے باطل کو جدا کرتے رہیں گے یہ حق ہے اہل حق کا حق ادا کرتے رہیں گے

علامہ صاحبؒ کے بیان کردہ چند علمی جواہر پارے:

(۱)......پیغمبروں کے نام مفرد ہوتے ہیں:۔

فرمایا کہ: مرزا کا نام بھی نبیوں والا نہیں، کیوں کہ نبیوں کے نام مفرد ہوتے ہیں، جیسے: آدم، موسیٰ، عیسیٰ، یحییٰ، الیاس، سلیمان، ایوب، یوسف، یعقوب وغیرہ۔ یہ سب نام مفرد ہیں۔ اور غلام احمد یہ مرکب ہے، تو جب تمام پیغمبروں کا نام مفرد رہا تو یہ مرکب نام والا کہاں سے آگیا!؟

(۲)......ہمارا نام ہے اہل السنۃ والجماعۃ:۔

فرمایا کہ ہمارا نام ہے ''اہل السنۃ والجماعۃ''، اہل السنۃ کا معنی: نبی کی بات کے پابند۔ ''والجماعۃ'' نبی کی جماعت کے

پابند۔ہم نہ نبی کی بات کو چھوڑیں، نہ جماعت کو چھوڑیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر آئیں اہل السنۃ کہلائیں اور جماعت پر آئیں والجماعۃ کہلائیں۔

اور یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے، حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے، مگر سنت کبھی ضعیف نہیں ہوتی، حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے کبھی منسوخ مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔(دیکھیے:۴۴۹/۲، ۵۲۱، ۵۶۶۔[ادارہ])

اور یادرکھیے کہ آپ کا نام حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نہیں، یہ چاروں طریقے ہیں، فرقے نہیں، بطور فرقے اور طبقے کے آپ کا نام ہے: اہل السنۃ والجماعۃ، اور اہل السنۃ والجماعۃ کا تقابل ہے: رافضی، خارجی، معتزلہ، جبریہ، قدریہ، کرامیہ سے۔لیکن یہ جو چار طریقے ہیں، یہ فرقے نہیں، ابھی ہم نے نماز پڑھی۔فرض نماز میں امام نے اور سنتوں میں ہم سب نے سورۃ فاتحہ پڑھی ہے، سورۃ فاتحہ میں ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا؟ **اھدنا الصراط المستقیم.** اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا! **صراط الذین انعمت علیھم** صراط مستقیم راہ ہے ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا۔

صراط مستقیم کس کی راہ ہے؟ صرف نبیوں کی نہیں، نبیوں کی، صدیقوں، شہداء کی، اور صالحین کی، ان چاروں کو کہا جاتا ہے کہ ان پر اللہ کا انعام ہوا، تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں صرف یہ کہنا کہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر چلا ہم نے کسی اور کو نہیں ماننا، یہ ہرگز اہل حق کا طریقہ نہیں ہے، جن جن پر تیرے انعام ہوئے ہم ان سب کے طریقے پر چلنے کی دعا کرتے ہیں، سورہ فاتحہ کیا سکھاتی ہے؟ سورہ فاتحہ یہ سکھاتی ہے کہ ہم نے صرف نبیوں کے راستے پر نہیں چلنا، بزرگوں کے راستے پر بھی چلنا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات کی پیروی بھی کرنی ہے۔''**صراط الذین انعمت علیھم** ''تو **انعمت علیھم** میں چاروں آتے ہیں یا نہیں؟ آتے ہیں، تو پھر آپ نے چاروں کا راستہ مانگا یا نہیں؟ مانگا تو بزرگوں کی پیروی ان کی تقلید میں ہے، صحابہ کرام کے طریقوں پر چلنا، صالحین کے طریقوں پر چلنا، آئمہ دین کے طریقوں پر چلنا، امام ابوحنیفہؒ کے طریقے پر چلنا، امام مالک کے طریقے پر چلنا، کیا یہ سب لوگ اللہ کے انعام یافتہ لوگ نہ تھے؟ تھے!

(۳)......درود شریف کا ایک اہم فائدہ:۔

فرمایا کہ: پاکستان کی بات ہے، میں ایک دفعہ ٹرین میں سفر کر رہا تھا، فیصل آباد اور وزیر آباد کے درمیان ٹرین چل رہی تھی، میں تھکا ہوا ایک کنارہ پر بیٹھا تھا، میں نے دیکھا کہ دوسری طرف کچھ نوجوان لڑکے ہیں، ان کے پاس دو پادری بیٹھے ہوئے تھے، ایک پادری نے سوال کیا کہ بیٹا! تم مسلمان ہو میں تم سے کوئی مذہب کی بات پوچھوں تو کوئی حرج تو نہیں، لڑکوں نے کہا کہ جی پوچھیے، کہنے لگا کہ درود شریف یاد ہے؟ بچوں نے کہا: جی یاد ہے۔اور انہوں نے درود شریف سنایا، پادری کہنے لگا اس کا ترجمہ بھی بیان کرو، لڑکوں نے کہا کہ ترجمہ تو ہم کو نہیں معلوم، پادری کہنے لگا اچھا ترجمہ میں کرتا ہوں، اے اللہ! تو رحمت بھیج محمد پر اور ان کی آل پر جیسا کہ تو نے آل ابراہیم پر رحمت بھیجی، پھر وہ کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی تک خدا کی رحمت آپ پر پوری نہیں ہوئی، تو آپ رحمت کا مصداق ہونے میں کامل ہوئے یا وہ ابھی تک ناقص ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے نقطہ ہدایت کس

طرح بنے ؟ کہ امت دعا کر کے آپ کے مصداق رحمت ہونے کو پورا کر رہی ہے، ورنہ آپ ابھی تک اپنے مقام پر ناقص ہیں (معاذ اللہ) امت محمد یہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور درود پڑھ رہی ہے اتنے درود کے بعد بھی وہ کامل نہیں ہوا؟ تم اپنے علماء سے پوچھنا یہ کب پورا ہوگا، اس کا فقرہ بڑی ہی زہریلا تھا، اَب مجھ سے رہا نہیں گیا، میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ بات کروں، کیونکہ سفر ہی کی وجہ سے ہم کچھ آرام کر لیتے ہیں، ورنہ اتنی ہماری زندگی قیام میں نہیں گذری جتنی سفر میں گذری ہے۔

منزلوں کی بات چھوڑ کس نے پاس منزلیں کیں　　یا سفر اچھا لگا یا ہم سفر اچھا لگا

تاہم ایمانی رگ پھڑک اٹھی ، میں پادری سے مخاطب ہوا اور کہا کہ آپ نے جو بات کی ہے اس میں لفظ واضح نہیں ہوئے ، دو لفظ آپ نے بولے ہیں ناقص اور کامل ، مجھے ان الفاظ کے معنی سمجھ میں نہیں آئے ، آپ دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو واضح کر دیں، کہ ناقص کیا ہے؟ کس کی نسبت سے کس کو ناقص یا کامل کہا جاتا ہے، حقائق اضافیہ بالمقابل ہوتے نہیں ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے، اس طرح کہ یہ اس کے مقابلے میں ناقص ہے یا اس سے کامل ہے۔

آپ نے لفظ ناقص بولا ہے یہ رومال ہے اس کی لمبائی دو فٹ ہے، یہ چار فٹ والے رومال سے چھوٹا اور ایک فٹ والے رومال سے بڑا ہے، تو ناقص کا لفظ مفہومات اضافیہ میں سے ہے، جب تک آپ وہ بندھن نہ توڑیں اور بتائیں نہ کہ اس کے معنی کیا ہے؟ نہ بچے سمجھ سکتے ہیں نہ میں سمجھ سکتا ہوں، ناقص کس کے مقابلے میں ہے؟ تم نے کہا تم اپنے پیغمبر پر درود بھیجتے ہو اس کا معنی یہ کہ ابھی تک وہ ناقص ہیں، تم نے یہ کہا ہے لیکن ناقص کا لفظ یہ مفہومات اضافیہ میں سے ہے، کس کی نسبت سے آپ انہیں ناقص کہہ رہے ہیں۔

پادری چپ ہے، کہنے لگا کہ یہ تو میں بھی نہیں سمجھا، آپ بتا دیں، میں نے کہا لفظ تم بولو اور معنی میں بیان کروں، یہ کوئی دیانت ہے؟ دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو لفظ تم بولتے ہو اس کے معنی تمھیں آتے ہوں اور جو لفظ میں بولتا ہوں، اس کا معنی مجھے آتے ہوں۔تم نے جرم کیا ہے اور تمہیں اپنے جرم کی معافی مانگنی ہوگی۔اس نے معافی مانگی اور کہنے لگا کہ اب آپ مجھے اس کا مطلب بیان کر دیں، میں نے کہا: یہاں ناقص کا لفظ خدا کے مقابلے میں بولا گیا ہے، پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل کیوں نہ ہو، فضل در فضل کیوں نہ ہو لیکن کبھی وہ نقطہ نہیں آئے گا کہ خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہ رہے۔

پیغمبر کا لینا ختم نہیں، اور خدا کا دینا ختم نہیں:

اللہ تعالیٰ کے خزانے اتنے لامحدود ہیں کہ جتنا درود امت پڑھ چکی کروڑ ہا سال اور پڑھتی رہے پھر رسول اور خدا ایک نہیں ہو سکتے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان وسیع ہے کہ ان پر خدا کی رحمت برسے ان کا لینا ختم نہیں، اور اللہ کے خزانے اتنے لامحدود کہ اس کا دینا کسی مد پر ختم نہیں۔(دیکھیے :۲۳۹/۱۔[ادارہ])

ہم جو درود پڑھتے ہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات کامل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برابر نہیں، اللہ نے ہمیں درود شریف دیا اور ہمیں توحید پر رکھا، دنیا کی دوسری قوموں کو توحید صرف اس لئے نصیب نہیں ہوئی کہ ان کے ہاں درود شریف کا

تصور نہیں، ہمارا درود ایک ایسی چیز ہے کہ اس نے ہمارا سب کچھ بچالیا درود شریف اللہ اور رسول میں ہمیشہ فاصلہ بتلائے گا۔

(۴)......قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ وہ عاجزی قبول نہیں کرتا:۔

فرمایا کہ: قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ وہ عاجزی قبول نہیں کرتا۔ اسی لئے نماز میں قرآن کریم صرف قیام میں پڑھا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رکوع میں قرآن نہ پڑھو، جب کہ قرآن کریم پڑھنا بھی عبادت اور رکوع بھی عبادت، لیکن فرمایا کہ رکوع میں قرآن کریم نہیں پڑھنا، نیز فرمایا کہ سجدے میں قرآن نہ پڑھنا، کیوں؟ اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس کو عاجزی کے محل میں نہ اتارو، رکوع اور سجدہ عاجزی کے محل ہیں۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے قرآن نہ پڑھے، کیوں؟ مقتدی ہونا ماتحتی کا نشان ہے، تو قرآن کو ماتحت نہ بناؤ، قرآن جہاں بھی رہے امام ہو کر رہے، قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے متعلق ہے کہ ''**ومن قبلہ کتاب موسی اماما ورحمۃ**'' موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اگر شانِ امامت رکھتی ہے تو آقا کی کتاب کیوں نہیں۔

(۵)......حق، باطل اور دجل:۔

فرمایا کہ: اس امت میں پہلی امتوں کے مقابلہ میں ایک خاص چیز پائی جاتی ہے جو پہلی امتوں میں نہ تھی، دو لفظ تو آپ نے عام سنے ہوں گے ''حق اور باطل'' حق و باطل کی معرکہ آرائیاں پہلی امتوں میں بھی رہیں۔ اس امت میں صرف حق اور باطل نہیں بلکہ تین چیزیں ہیں۔ وہ چیز ہے تو باطل میں سے لیکن عنوان اس کا اپنا ہے، وہ تین چیزیں کیا ہیں: ا۔حق ۲۔باطل ۳۔دجل

دجل سے نکلا ہوا ہے لفظ ''دجال'' اور پیغمبر جو گذرے ان کی امتوں پر تو قیامت کا آنا نہیں، قیامت کا آنا تو اس امت پر مقدر ہوا، اس امت کا جو آخر ہوگا وہ قیامت ہے، اور اس میں پھر دجال کا بھی ظہور ہوگا، تو اس میں یہ ایک امر حقیقی ہے کہ دجل یعنی دھوکہ اور فریب اس امت میں خوب چلے گا، حق بالکل واضح ہے اور باطل بھی بالکل واضح ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان ایک لائن اور آنکلی ہے دجل کی، اور دجل کہتے ہیں حق اور باطل کو ملا کر چلنا، اسے ''تلبیس'' بھی کہتے ہیں، قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ ''**ولا تلبسوا الحق بالباطل**'' حق اور باطل کو آپس میں نہ ملاؤ۔

اگر انسان صرف باطل پر چلے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل باطل میں سے ہے، لیکن حق و باطل کو آپس میں ملانا اس میں ایک نہیں بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر قرنوں کے قرن وہ اس مغالطے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس سے پھر تحریکیں بنتی ہیں، اسی سے فرقے بنتے ہیں، سو یہ راہ الحاد ہے، یہ اس امت کے لئے ایک نئی راہ، فتنوں میں تمیز پیدا کرنے کے لئے آج بھی الحمدللہ حق کے پیمانے اتنے ہیں کہ ان کی لائن پر جب بھی دعوت دی جائے تو فطری طور پر ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے جو سچ کی راہ تلاش کر ہی لیتا ہے، حق کے لئے ایک کشش پیدا ہوتی ہے، اور وہ اس زمانے میں بھی موجود ہے لیکن لوگ جس چیز سے پریشان ہے وہ ہے دجل، دجل یہ ہے کہ کسی کو تشکیک کے کانٹوں میں بکھیر دیا جائے اور اسے اس مقام پر رکھا جائے کہ وہ کسی یقینی چیز کو پا ہی نہ سکے۔

لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ کس کا یقیں کیجیے، کس کا نہ کیجیے

تو دجل حق وباطل میں اس طرح ملے دکھائی دیتے ہیں کہ دیکھنے اور سننے والا کبھی آسانی سے اس آگ کے دریا کو عبور نہیں کر پاتا۔

دجل کا مطلب ہے کہ باطل پر حق کا لیبل اس طرح لگا دینا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ ہی حق ہے اور اس پر حق کا نشان موجود ہے، مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ قرآن کریم ایک چشمہ علم ہے، قرآن ایک منبع نور ہے لیکن اس منقبت کے ساتھ وہ ایک اور بات بھی کہہ گیا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، اب اس میں وہ کیا کہہ گیا؟ وہ کہہ گیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں اس کا جاننا قرآن کریم کے جاننے کے لئے کوئی ضروری نہیں، یہ کھلم کھلا کفر ہے کہ ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں، اب دیکھیئے کوئی اس تیسری بات کو قبول کرے گا؟ ہرگز نہیں، اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا، لیکن اس نے کیا کہا یہی نا کہ قرآن منبع نور ہے، قرآن ایک ایسا چشمہ علم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، حاصل اس کا یہی ہے جو میں نے کہا لیکن پہلی بات کھلم کھلا انکار ہے، اور دوسری بات جو کہی وہ بھی وہی بات ہے صرف فرق یہ ہے کہ پہلی کھلی طور پر کہی گئی ہے اور دوسری از راہ دجل کہی گئی ہے۔

(۶)......حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں بے لگام لگتے ہیں:۔

فرمایا کہ: حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں بے لگام چلتے ہیں، پس اس کا کسی ثقہ کو مجہول قرار دیدینا اور مجہول کو ثقہ کہہ دینا کوئی امر بعید نہیں، وہ چاہے تو علم حدیث کے مسلم ثقہ امام ترمذیؒ کو جن کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں خاص درجہ رکھتی ہے مجہول قرار دیدے اور چاہے تو نافع بن محمود جیسے مجہول الحال راوی کو ثقہ کہہ جائے، اس کے کہنے سے کیا بنتا ہے۔

(۷)......لکھنے والے نے صحیح لکھا ہے تم نے غلط پڑھا، یا غلط سمجھا ہے:۔

فرمایا کہ: بعض اوقات جلدی بات کی جائے تو بات کی وضاحت کرنے کا موقع نہیں ملتا، میں نے کہیں بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص شرط لگائے دوڑ کی، لیکن شرط ہو یک طرفہ کہ اگر تم اتنا دوڑ و تو ہم یہ دیں گے، اس کو انعام بھی کہا جاتا ہے، شریعت میں اس کی گنجائش ہے، میری اس بات کو اخبار والوں نے اس طرح لکھ دیا کہ شرط لگانا جائز ہے، شرط کا معنی لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ دوطرفہ ہے، اخبار والے بھی ایسے ہیں کہ لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لئے ایسی سرخی جماتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہنا کیا چاہتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ دوطرفہ شرط یہ قمار ہے، حرام ہے اور کوئی شخص اس کو جائز نہیں کرسکتا، تحریم وتحلیل کا اختیار اس ایک ذات کے سوا کسی اور کو نہیں، ہاں! اس کی طرف سے جو اس کا پیغمبر بیان کرے ہم اس کو بھی مانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ کہا، جو کچھ کیا ہمیں اسے اسی طرح لینا چاہئے، یہ نہیں کہ کہنے والا کچھ کہہ رہا ہو اور سننے والا کچھ اور سن رہا ہے۔

(۸)......اختلاف دو قسم کے ہیں:۔

فرمایا کہ: اختلاف دو قسم کے ہیں: (۱) اختلاف علمی (۲) اختلاف شکمی، شکم کہتے ہیں پیٹ کو، علمی اختلافات تو دلائل اور افہام وتفہیم سے حل ہو جاتے ہیں، مگر شکمی اختلافات حل نہیں ہوتے۔

(۹)...... یہ ساری تہذیب اندھیر ستان ہے:۔

فرمایا کہ: ایک آدمی نے سوال پوچھا کہ سینما دیکھنا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ جسے تم سینما کہتے ہو اس کو دیکھنے سے پہلے تم نے ایک حقیقت پر غور نہیں کیا، وہ یہ کہ جب سینما دکھانا ہوتا ہے تو پورے ہال میں اندھیرا کر دیا جاتا ہے، اگر اس میں کوئی روشن پہلو ہوتا تو اندھیرے میں کیوں دکھاتے؟ پتہ چلا یہ ساری تہذیب اندھیر ستان ہے۔

(۱۰)......شان صحابہ:۔

فرمایا کہ: میں اپنا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہوئے اور تفسیروں کا مطالعہ کرتے ہوئے عمر گذری، ایک معاملے میں میں بہت پریشان رہا کہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے اگر کوئی ایسی بات سرزد ہو جو خدا کو پسند نہیں، پیغمبروں سے گناہ تو ہو نہیں سکتا لیکن کوئی ایسی بات سرزد ہو جو پیغمبر کی شان کے لائق نہیں اور ان کے منصب کے مناسب نہیں، جب کبھی کوئی بات کسی سے سرزد ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کا نوٹس لیا۔ لیکن میں حیران تھا کہ صحابہ سے کبھی ایسی بات سرزد ہوئی جو حکم خداوندی اور حکم رسول کے خلاف تھی، نوٹس لینے کی بجائے خدا ان کا وکیل بن گیا، تو میں بہت حیران تھا کہ نبیوں کی شان تو بہت اونچی لیکن کیا وجہ کہ نبیوں سے اتنی بات سرزد ہو جائے تو تنبیہ ہو جائے کہ ایک دفعہ پیغمبر بیٹھے ہیں، مجلس ہو رہی ہے آپ اللہ کی باتیں کر رہے ہیں اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال آیا کہ نابینا کے آنے کی وجہ سے مجلس درہم برہم ہوئی تو غیر اختیاری طور پر آپ کی پیشانی پر شکن آ گئے، خدا نے ''**عبس و تولی ان جاء ہ الاعمی**'' تو جو خدا پیغمبر کے اشارے پر نوٹس لے، وہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ سے جب کبھی کوئی بات سرزد ہو بجائے نوٹس کے وکیل بنے؟

میں ایک مثال عرض کرتا ہوں، جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ فلاں مورچہ کو خالی مت چھوڑنا وہاں سے مت ہٹنا، صحابہ نے اجتہاد کیا اور اس مورچہ کو چھوڑ دیا مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، تو مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی، منتشر ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب دس گیارہ صحابہ رہ گئے اور حضرت طلحہؓ نے کفار کے تیروں کو اپنے ہاتھ سے روکا، ہاتھ زخمی کرا لیا، لیکن عشق مصطفیٰ ﷺ اپنے جوبن پر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماتھے پر آنچ نہ آنے دی، اب آپ غور کریں کہ اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا کہ میرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ میں نے نصیحت کی تھی یہ مورچہ نہ چھوڑنا، اب اللہ نے اس واقعہ کو قرآن کریم میں ذکر کیا اور فرمایا اے میرے محبوب ''**واعف عنھم**'' ان کو معاف کر دے، انہوں نے بے وفائی نہیں کی، بزدلی نہیں دکھائی، اچانک یہ دخل شیطانی ہو گیا، میں حیران تھا کہ یا اللہ! کیا معاملہ ہے کہ جب صحابہؓ سے کوئی بات سرزد ہو تو وکیل بن جائے، اے اللہ! تجھے یہ نفوس قدسیہ کتنے پیارے تھے، کہ اتنا بڑا معرکہ ہوا اتنا بڑا کام ہوا مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، قومی سطح پر جرم ہوا لیکن اے اللہ تیری نگام کرم کے کیا کہنے کہ فرمایا: ''**واعف عنھم واستغفر لھم**'' بلکہ اس سے آگے یہ فرمایا کہ ''**وشاورھم فی الامر**'' آپ بتائیں قصور واروں سے یہ سلوک ہوتا ہے؟

خدا جانتا تھا کہ یہ وہ طبقہ ہے کہ جن کے عملوں سے بحث نہیں ہونی چاہئے، جو ہو گیا سو ہو گیا، جو لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ پر

تنقید جائز ہے، ان کے عملوں سے بحث کرنا جائز ہے، میں پوچھتا ہوں کہ ہم قرآن کو کیسے چھوڑ دیں اللہ کا معاملہ ان لوگوں سے کیا ہے، اور تم اتنی بات ماننے کو تیار نہیں کہ ان کے اعمال سے بحث نہیں ہونی چاہیے، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ صحابہ وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جن کو صحابیت کا مقام خدا کی عطا سے ملا اور جن کو مقام عطا سے ملا ہو ان کے اعمال پر بحث نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بشری تقاضہ کی وجہ سے ان کے خلاف صدمہ محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ شانہ ان کا وکیل بن گیا، تو قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت پریشانی رہی کہ یا اللہ! تیرا یہ کیا معاملہ ہے کہ پیغمبر سے جب کوئی بات سرزد ہو تو اللہ اس پر نوٹس لے اور جب صحابہ سے سرزد ہو الٹا وکیل بن جائے، بہت طبیعت پریشان رہی کہ وجہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی توفیق نے دستگیری کی تو بات سمجھ میں یوں آئی کہ نبیوں کے بارے میں اللہ کو علم تھا کہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ مسلم ہوگا کہ پیغمبر معصوم ہیں تو معصومیت انبیاء کا عقیدہ علماء اور امت کے دماغوں میں اس قدر غالب ہوگا کہ جب بھی کبھی ایسی آیت پر گذریں جس میں خدا نے نوٹس لیا ہو تو جو عالم بھی ہو وہ عقیدہ معصومیت کے سائے میں واقعہ کی تاویل کرے گا، لیکن صحابہ پر چونکہ یہ معصومیت کی چادر نہیں تھی ان کو بچانے کے لئے خدا نے کہا جن کا کوئی نہیں ان کا میں ہوں، عصمت انبیاء کے لئے تو قانون موجود تھا اور جن کے لئے قانون نہیں ان کا خدا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ صحابہ کے ساتھ کیا ہمیں اسے سامنے رکھ کر چلنا ہے کہ یہ وہ طبقہ ہے کہ جن کے اعمال سے بحث نہیں کی جاتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی ہے کہ ''**من احبھم فبحبی احبھم**'' اس حدیث نے بھی بتایا کہ صحابہ کیساتھ محبت ان کے اعمال پر نہیں، ان کے کردار پر نہیں بلکہ پیغمبر سے ان کے تعلق پر ہے۔

(۱۱)......آمین کی برکت:۔

فرمایا کہ: قرآن کریم میں ایک مقام پر ہے ''قال موسیٰ''، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ''**ربنا اطمس علی اموالھم**'' ''**قال**'' یہ واحد کا صیغہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جب دعا ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا ''**اجیبت دعوتکما**''، تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، دعا تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی تو قبول دونوں کی کیسے ہوگی؟ قربان جائیں اصحاب رسول کے حضرت ابن عباسؓ نے یہ تفسیری نکتہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام دعا پر آمین کہتے تھے تو چونکہ آمین کہنے والے کو دعا خود ملتی ہے تو خدا نے کہا: ''**اجیبت دعوتکما**'' قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات کہی نہ جائے مگر آمین کہی جائے اللہ رب العزت اس کو اپنی شمار کرتے ہیں، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا حضرت ہاروں علیہ السلام کے آمین کہنے پر خدا تعالیٰ کے ہاں اس طرح شمار ہوتی ہے کہ دعا حضرت ہارون نے بھی کی، تو جب ہمارا امام الحمد شریف پڑھے ہم پیچھے آمین کہتے تو اس کی پڑھی الحمد شریف ہمارے کھاتے میں نہیں آئے گی؟ آئے گی تو بھائی ان باتوں پر جھگڑا کیا؟ ان باتوں پر اختلاف کیا؟ ائمہ مجتہدین کا احترام کیجیے۔

(۱۲)......اگر توحید ہی نہ ملے تو ہم نے رسالت سے کیا پایا؟:۔

فرمایا کہ: ہمارے آقاؐ کی سیرت میں جو چیز جلی طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے خدا کا پتہ بتایا اور اگر حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے ،نعت خوانی کرتے ہوئے آپ کی مدح وستائش کرتے ہوئے خدا کا پتہ نہ ملے،توحید نہ ملے،تو پھر ہم نے رسالت سے کیا پایا؟ کچھ بھی نہیں۔

مزاح اور خوش طبعی:

احباب اور متعلقین کا دل خوش کرنے کے لئے مزاح،خوش طبعی اور دل لگی کی باتیں کرنا، یہ بھی ہمارے اکابر واسلاف کا معمول رہا ہے۔

تمہاری روٹی سے تو میری ہتھیلی بڑی ہے:۔

(۱) علامہ صاحبؒ کی آمد ایک مرتبہ ماہ رمضان المبارک میں ہماری مسجد ''مسجد قبا اسٹامفورڈ ہل''،لندن میں ہوئی تھی، حضرت رحمہ اللہ کا تعلق پاکستان سے تھا اور ہماری مسجد کے مصلیوں میں اکثریت گجرات،انڈیا سے ہے، گجراتی لوگ جو روٹی پکاتے ہیں وہ سائز میں پاکستانی روٹی کے مقابلے میں کافی چھوٹی ہوتی ہے،علامہ صاحبؒ ہنستے ہوئے فرمانے لگے کہ تم گجراتیوں کی روٹی تو میرے ہاتھ کی ہتھیلی سے بھی چھوٹی ہوتی ہے''۔

میرے لئے روکھا سوکھا:۔

(۲) حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نوراللہ مرقدہ کا جو آخری سفر برطانیہ ہوا اس سفر میں رمضان المبارک کے بعد حضرت کی قاری زبیر صاحب بلیشوری کے مکان پر کھانے کی دعوت تھی،اس دعوت میں علامہ صاحبؒ بھی موجود تھے،سب مہمانوں کے لئے زمین پر کھانا لگایا گیا، علامہ صاحب (تنہا) صوفے پر تشریف فرما تھے،فرمانے لگے کہ اچھا اچھا کھانا سب گجراتیوں نے اپنے پاس رکھ لیا اور میرے لیے روکھا سوکھا۔

اپنے سرنیم کی طرح تم بھی آزاد ہو:۔

(۳) حضرت مولانا فیض اللہ صاحب آزاد دامت برکاتہم العالیہ کی کراچی، پاکستان سے ہر سال رمضان المبارک میں برطانیہ تشریف آوری ہوتی ہے،ایک مرتبہ وہ مجھے سنانے لگے کہ علامہ صاحب کی مسجد میں علامہ نے میرا بیان رکھا تھا، میں نے تقریر شروع کرنے سے پہلے علامہ صاحب سے پوچھا کہ کتنی دیر بات کرنی ہے؟ اس پر علامہ صاحب نے فرمایا کہ اپنی سرنیم (آزاد) کی طرح تم بھی آزاد ہو تمہارے لئے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ع ارشاد تو ہو چکے اب ذرا دلشاد ہونا چاہئے۔

چھوٹا سا کمرہ بڑے بڑے علمی کام کا گہوارہ رہا:۔

علامہ صاحب کے ایک قریبی ساتھی نے بتایا کہ کھانے پینے،اور رہن سہن کے اعتبار سے حضرت کے مزاج میں بالکل سادگی تھی، آپ نے اپنی زندگی کے اخیری کئی سال مسجد کے ایک چھوٹے سے کمرے میں گذار دیئے،آپ نے بڑے بڑے علمی کام یکسوئی کے ساتھ اسی چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر انجام دیئے۔

معمولی سا بستر:۔

آپ کا بستر بھی بہت معمولی تھا، بستر کیا تھا ایک میٹرس تھا جسے زمین پر بچھا دیا گیا تھا، آپ چار پائی کا استعمال نہیں فرماتے تھے۔ دو سال پہلے آپ کی آنکھ میں موتیا اتر آیا تھا جس کا آپریشن ہونے کے بعد سے دو میٹرس استعمال فرماتے تھے، دن رات میں جب بھی آرام کرنا ہوتا آپ اس پر دراز ہو جاتے۔

تین جوڑے کپڑے اور مرغوب غذا:۔

آپ کے پاس صرف تین جوڑے کپڑے تھے، اسی کو باری باری زیب تن فرماتے، کپڑے عموماً بغیر استری کیئے ہی زیب تن فرما لیتے، کھانا بھی بالکل سادہ ہوتا تھا، کھانے میں چکن کا سوپ اور مچھلی آپ کو مرغوب تھی۔

جو بھی کھانا تناول فرماتے اسے خوب چبا چبا کر کھاتے:۔

کھانے کی کوئی بھی چیز ہوتی آپ اسے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھ کر خوب شوق سے لذت لے لے کر نوش فرماتے، ہر ہر لقمہ اس طرح تناول فرماتے اسے خوب چبا چبا کر کھاتے، اس وجہ سے کھانے میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ (اطباء لکھتے ہیں کہ کھانا کھانے میں بہت جلدی کرنا صحت کے لئے مفید نہیں، کھانا ہمیشہ آرام سے کھانا چاہیئے، اس سے ذہنی سکون بھی ہوتا ہے اور کھانے کی صحیح مقدار کا اندازہ بھی، نیز اس طرح کھانے سے پیٹ میں گیس کی شکایت بھی دور ہوتی ہے اور معدہ مضبوط ہوتا ہے، نیز لکھتے ہیں کہ کھانا منہ سے ہضم ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر پیٹ میں باقی ہضم ہوتا رہتا ہے اس لئے خوب چبا چبا کر کھانا چاہیئے) تازہ اور گرم کھانا پسند فرماتے، مائیکرو وے گرم کیا ہوا کھانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ (دیکھیے: ۲/۲:۷، ۱۴۳، ۴۸۸۔ [ادارہ])

صحت:۔

آپ کی صحت قابل رشک تھی، صحت ایسی تھی کہ نوجوان بھی شرما جائے، صحت کا حال یہ تھا کہ عمر نوے سال سے متجاوز تھی مگر ساری نمازیں باجماعت کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے، سجدہ بھی زمین پر ادا فرماتے، اپنے متعلقین سے فرماتے رہتے کہ میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ پاک ہمیشہ مجھے مٹی (زمین) پر سجدہ کرائے، رمضان المبارک میں تراویح بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے، البتہ اخیری عمر میں حالت قعدہ میں زمین پر بیٹھنا مشکل ہوتا تھا، تو پوری نماز کھڑے ہو کر ادا فرماتے، صرف حالت قعدہ میں کرسی پر بیٹھتے تھے۔ گذشتہ سال تک یعنی ۱۴۳۹ھ تک جتنے بھی رمضان پائے سب رمضان کے سارے روزے رکھے تھے۔ اس سال بھی جس دن آپ کو ہسپتال لے جایا گیا وہاں تک رمضان المبارک کے روزے رکھے، دینی کتابوں کا مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا اور محبوب مشغلہ تھا، آنکھوں کی بینائی کا یہ حال تھا کہ بغیر عینک لگائے کتابیں پڑھتے بھی تھے اور تصنیفی کام بھی کرتے تھے، ہاں کبھی ضرورت پڑنے پر بلوری کانچ کا استعمال فرماتے۔

آپ کا خط بڑا نفیس تھا:۔

مرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے ان کا سایہ حضور خواجہ مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے

خوش رنگ، خوش مزاج اور خوش گفتار تو تھے ہی، آپ کا خط بھی بالکل نفیس تھا، مشہور خطاط و شاعر سید نفیس الحسینیؒ کی طرح۔

ایک خواہش جس کی تکمیل نہ ہو سکی:

اس عمر میں عموماً صحت اس طرح کی نہیں ہوتی کہ آدمی ہوائی جہاز کے سفر کے قابل رہے، مگر آپ موت سے پہلے تک ہوائی جہاز سے برابر سفر کرتے رہے، انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان سے ہو آئے تھے۔ جب آپ کو یہ خبر سنائی گئی کہ پاکستان میں نمازیوں کو مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کی اجازت مل گئی ہے (کچھ شرائط کے ساتھ) چونکہ کورونا وائرس کی وجہ سے پابندی عائد کی گئی تھی، تو بہت خوش ہوئے اور پاکستان جانے کا خیال ظاہر کیا۔ مگر لاک ڈاؤن کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا، چنانچہ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمانے کے بعد معاً یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ٹکرانا نہیں چاہئے۔ دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے۔

احقر نے حضرت کی آخری زیارت گزشتہ سال برمنگھم کی ایک مسجد میں ختم نبوت کے عنوان سے ایک جلسہ تھا، جس میں بڑے بڑے علماء کرام تشریف فرما تھے، مہمان خصوصی کے طور پر مفسر قرآن، محدث کبیر، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی موجود تھے، یہ آپ کی عالم فانی میں احقر کی آخری زیارت تھی، گویا آپ مجھ سمیت کئی حاضرین سے کہہ رہے تھے۔

دیکھ لو آج ہم کو جی بھر کے　　　کوئی آتا نہیں ہے پھر مر کے

(مرزا شوق لکھنوی)

یہ آپ کی آخر تقریر تھی جو براہ راست حضرت کے سامنے بیٹھ کر کر سنی۔

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
آپ ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

(ثاقب لکھنوی)

سیالکوٹ نے دو مردِ مجاہد پیدا کئے:۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سرزمین سیالکوٹ نے دو مرد مجاہد پیدا کئے ہیں (۱) علامہ اقبال، (۲) علامہ خالد محمود دونوں حضرات کے نام کے ساتھ ''لفظ علامہ'' لگتا تھا، علامہ صاحبؒ کے متعلق میرے ان طالب علمانہ تاثرات کو شاعر مشرق، علامہ اقبالؒ کے ایک شعر پر مکمل کرتا ہوں۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

عبد السلام ابراہیم مارویا، لاجپوری......یکم ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

مولانا مفتی رب نواز (۱)

وکیل احناف

اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی فقہ ''فقہ حنفی'' کو بہت زیادہ مقبولیت بخشی ہے۔ یہ فقہ اپنے ابتدائی دَور سے کر اَب تک دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت کا دستور العمل رہی ہے۔ اس حقیقت کو غیر احناف بھی تسلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ مخالف گروہ کے مصنفین کو بھی اعتراف کرنا۔ مثلاً: مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد اپنی کتاب '' رفع الالتباس عن بعض الناس '' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کے فضائل کا شہرہ مشارق ومغارب میں ہو چکا ہے اور آپ کے فضل وکمال کے سورج تمام اطراف وجوانب ارض کو روشن کر چکے ہیں، حتی کہ ان کا بیان صحراء وبیابانوں کے مسافروں اور گھروں کی پردہ نشین کی زبانِ زد ہو چکا، تمام آفاق کے لوگوں نے ان کو نقل کیا اور اہلِ شام وعراق نے ان کا اقرار واعتراف کیا۔ غرض وہ امام جلیل، عالم، فقیہ نبیہ، سب سے بڑے فقیہ تھے کہ ان سے خلق کثیر نے تفقہ حاصل کیا۔ متورع، عابد، زکی، تقی، زاہد فی الدنیا، راغب فی الآخرۃ تھے۔''

[ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۷ رستمبر ۲۰۰۲ء صفحہ: ۲۸ بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام: ۳۱۷]

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اپنی کتاب ''علمائے اسلام'' میں امام صاحبؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''اسلامی دنیا کے اکثر حصے میں آپ ہی کے مقلد ومعتقد ہیں۔ اور ان ممالک میں آپ کا مذہب صدیوں سے رائج ہے۔ براعظم ایشاء کے اکثر ملکوں میں صرف آپ ہی کے مقلد، اور ان میں اکثر آپ ہی کے فقہ کے مطابق امور شرعیہ فیصلہ پاتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے مقلد اِن کے مقابلے میں بالکل بہت تھوڑے ہیں۔'' [دوماہی مجلّہ زمزم انڈیا جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ صفحہ: ۲۲ بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ کا محدثانہ مقام: ۶۲۶]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی کی یہ مقبولیت حاسدین کو کھٹکنے لگی یہاں تک کہ غیر مقلدین کا ایک گروہ تسلسل کے ساتھ امام صاحبؒ اور ان کی فقہ سے لوگوں کو بدظن کرنے میں مصروف ہو گیا۔

امام ابو حنیفه رحمه الله کی منقبت اور ان کا دفاع

جب مخالفین بے جا اعتراضات کر کے اودھم مچانے میں مست ہوئے تو اللہ کی توفیق سے اہل سنت کے کچھ علماء امام صاحبؒ اور ان کی فقہ کے دفاع میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جن علماء کرام نے دفاعی محاذ سنبھالنے اور فقہ حنفی کی وکالت کرنے کا عظیم کام سرانجام دیا، ان میں حضرت علامہ مولانا خالد محمود رحمہ اللہ بھی ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے دروس، بیانات اور تحریروں خاص کر اپنی کتاب ''آثار التشریع'' میں امام صاحبؒ اور ان کی فقہ پر اچھا خاصا کام کیا ہے۔ کہیں تو مخالفین کا اعتراض

(۱) مدیر اعلیٰ: مجلّہ الفتحیه، مدرس: دار العلوم فتحیه احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور

دہرا کر جواب عنایت فرمایا اور کہیں اعتراض دہرائے بغیر محض جواب تحریر فرما دیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس حوالہ سے جو دفاعی خدمت سرانجام دی ہے، اس کی کچھ جھلکیاں ہم قارئین کرام کی خدمت پیش کرتے ہیں۔

امام شارع نہیں، شریعت پہ چلانے والا ہوتا ہے

مخالفین کی طرف سے کہا جاتا ہے تم نے امام کو شارع بنا رکھا ہے یعنی وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے امام نے شریعت محمدیہ کے خلاف ایک الگ و مستقل شریعت بنا رکھی ہے تم اسی بنائی ہوئی شریعت پر چلتے ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ امام شریعت بنانے والے نہیں، شریعت پہ چلانے والے ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''بایں ہمہ مقلدین میں سے کسی کے ہاں امام کا درجہ شارع کا نہیں سمجھا جاتا... یہ سب ائمہ علم ہیں جو محض اس لیے پیشوا مانے گئے ہیں کہ یہ ہمیں کتاب و سنت کے قریب کرنے والے اور کتاب و سنت کے سمندر میں اتر کر ان کے مسائل غیر منصوصہ کو دریافت کرنے والے تھے اور ہم ان مسائل میں ان کے پیرو ہیں۔'' [آثار التشریع :۶۱/۲]

حضرت علامہ صاحبؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''فقہاء احکام کے موجد نہیں صرف مظہر ہیں۔'' [آثار التشریع :۱۲۷/۲] مطلب وہی ہے کہ فقہاء نے شریعت سازی نہیں کی بلکہ شریعت کے پوشیدہ مسائل کو ظاہر کیا ہے۔ جس طرح کوئی ماہر انسان زمین میں بور کر کے نلکا یا موٹر کے ذریعہ پانی نکالتا ہے تو یہ بندہ پانی کا خالق نہیں بن جاتا، پانی تو اللہ کا پیدا کردہ ہے البتہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ چھپے پانی کو اپنی مہارت سے ظاہر کیا ہے۔ جس طرح پانی ظاہر کرنے والے کو پانی کا خالق سمجھنا غلط ہے، اسی طرح شریعت کے پوشیدہ مسائل کو ظاہر کرنے کی وجہ فقہاءؒ کو شریعت ساز قرار دینا غلط ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور بشارت نبوی

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی تھی کہ ایمان ثریا یا ستاروں پر بھی جا لٹکے تو بھی ابناء فارس سے ایک شخص اسے پالے گا۔ یہ پیش گوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم :۳۱۲/۲ میں موجود ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ مذکورہ حدیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ایمان ثریا ستارے پر بھی جا لٹکے تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے پالے گا اس کا مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ تھے۔ اس کا اعتراف دوسرے مسالک والوں نے بھی کیا ہے۔'' پھر اس پر علامہ جلال الدین سیوطی شافعی (**تبييض الصحيفة**) اور علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ (الخیرات الحسان) کا حوالہ دیا ہے۔ [آثار التشریع:۲۲۵/۲، ۲۲۶] یہ دونوں شافعی المسلک رغیر حنفی بزرگ ہیں اور دو مزید حوالے ملاحظہ ہوں۔

علامہ معین الدین سندھی جنہیں شیعہ اور قیاس و تقلید کا منکر کہا گیا ہے وہ کہتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں متعصبین کی کوئی جرح قابل قبول نہیں کیونکہ: ''**وَعَظِيمُ مَنْقَبَةِ الَّذِىْ نَالَ بِهَا الْعِلْمُ فِى الثُّرَيَّا عَلٰى مَايُشِيرُ اِلَيْهِ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ فِى الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ**'' [**دراسات اللبيب** :۲۸۹] وہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں نے ثریا سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو فارسی نسل کے کچھ لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔''

غیر مقلدین کے مجدد نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں: ’’صواب آنست کہ ہم امام (ابوحنیفہ) دراں داخل است وہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص۔‘‘ [اتحاف النبلاء :۴۲۴] یعنی درست بات یہی ہے کہ اس بشارت میں امام (ابوحنیفہؒ) اور فارس کے تمام محدثین اشارۃ النص کے اعتبار سے داخل ہیں۔

سیوطی، ابن حجر مکی، معین الدین سندھی اور نواب صاحب یہ چاروں مصنف حنفی نہیں مگر انہوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ذکر کی گئی بشارتِ نبوی کا مصداق ہیں، گویا اپنوں کی طرح پرائے بھی امام صاحب رحمہ اللہ کو بشارت نبوی کا مصداق قرار دے رہے ہیں۔ ؎

بشارت جس کی پیغمبر نے دی ہے وہ فارس کا مکیں ہے ابوحنیفہؒ

مرتب جس نے کی شرح پیمبر وہ امت کا امیں ہے ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ’’امامِ اعظم‘‘ ہیں

حضرت علامہ صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی برتری جتلانے کے لیے فرمایا وہ ’’امامِ اعظم‘‘ ہیں۔ انہیں حافظ ذہبیؒ، مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے ’’امامِ اعظم‘‘ کہا ہے۔ [آثار التشریع :۲۲۹/۲] سیالکوٹی صاحب اور نواب صاحب کی طرح دوسرے کئی غیر مقلدین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ’’امامِ اعظم‘‘ کہا ہے۔ مثلاً: حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد نے امام ابوحنیفہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے: ’’آپ کے ہم عصر لاینحل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، علم کی خوبیوں اور بلندیوں کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہوگئے۔‘‘ [سبیل الرسول: ۳۴۴] مولانا محمد جوناگڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’الحمدللہ! ہم امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی عداوت سے، انہیں بُرا کہنے اور بُرا جاننے سے پاک ہیں۔‘‘ [مشکوٰۃ محمدی: ۲۳] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ’’امامِ اعظم‘‘ تسلیم کرنے والے مزید غیر مقلدین کے نام مع حوالہ کتاب درج ذیل ہیں۔

(۱)......مولانا محمد یوسف جے پوری۔ [حقیقۃ الفقہ: ۱۸۳]

(۲)......مولانا فضل حسین بہاری صاحب۔ [الحیاۃ بعد المماۃ: ۵۹۱]

(۳)......مولانا عبدالمتین میمن صاحب۔ [حدیثِ نماز: ۱۲۵]

(۴)......مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب۔ [رسائلِ ثنائیہ: ۶۱]

(۵)......علامہ وحید الزمان صاحب۔ [لغات الحدیث: ۹۵/۲: ص، ۱۳۶/۲: ج]

(۶)......مولانا عبدالسلام بستوی صاحب۔ [اسلامی خطبات: ۲۸۴/۱]

مذکورہ بالا مصنفین کی عبارات بندہ نے اپنی کتاب ’’فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع‘‘ (جلد اول) میں نقل کر دی ہیں۔ [۵۶/۲]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور علمِ حدیث

امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ امام صاحب ’’محدث‘‘ نہیں تھے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے

اس اعتراض کے جواب میں بڑے بڑے محدثین: حافظ ذہبی، ابن عبدالبر اور خطیب تبریزی وغیرہم کے حوالے نقل کئے ہیں کہ یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے محدث ہونے کی گواہی دیتے ہیں بلکہ امام صاحبؒ کے علمی مقام کا اعتراف کرنے والے درج ذیل دو غیر مقلدوں کی بھی عبارات نقل کیں۔

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی لکھتے ہیں: ''آپ کا دماغ فقہی مسائل کے استخراج اور اصول مقرر کرنے کے لیے نہایت مناسب تھا اور آپ کی قوت استدلال نہایت زبردست تھی۔ [احکام المرام: ۵۵]

مولانا محمد اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) عراق سے اُٹھنے والے فتنوں کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جس قدر یہ زمین سنگلاخ تھی اس قدر وہاں اعتقادی اور علمی اصلاح کے لیے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی جس کے علم وعقل کی پہنایاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں۔ میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخص امام ابوحنیفہ تھے جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال وتجہم کے ساتھ رفض وتشیع کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اللھم ارحمه و اجعل الجنة الفردوس ماواه.'' [فتاوی سلفیہ: ۱۴۱]

حضرت علامہ صاحب نے یہ دو حوالے اپنی کتاب آثار التشریع: ۲/۲۴۰ پر نقل کئے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور قیاس

حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''رہا یہ وہم کہ آپ پر فقہ کا غلبہ تھا اس لیے آپ زیادہ تر رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے سو اس کے جواب میں ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ اس سوء ظن سے پہلے کم از کم ایک دفعہ آپ کے نظریہ حدیث پر ضرور غور کریں اسے ہم مستقل عنوان سے پیش کرتے ہیں۔'' [آثار التشریع: ۲/۲۴۱]

اس کے بعد علامہ صاحبؒ نے ''حضرت امام کا نظریہ حدیث'' عنوان قائم کر کے محدثین کی گواہیاں پیش کی ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل تھی۔ بلکہ علامہ صاحبؒ نے حافظ ابن حزم اور حافظ ابن قیم کے حوالے نقل کئے کہ امام صاحب تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے تھے۔ آگے لکھا: ''ضعیف حدیث کو اس [قیاس (ناقل)] پر مقدم کرنا بتلاتا ہے کہ ضعیف حدیث میں حجت ہونے کی قیاس سے زیادہ اہلیت ہے گو اس کا درجہ اپنا ہو۔'' [آثار التشریع: ۲/۲۴۳]

مناسب ہوگا کہ ہم یہاں غیر مقلدین کے کچھ ایسے حوالے نقل کر دیں جن سے علامہ صاحب رحمہ اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ متبع سنت تھے اور مزید یہ کہ انہوں نے قیاس کو صرف مجبوری کے وقت استعمال کیا۔

☆...مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''جب امام (ابوحنیفہ) صاحب کی حیات پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ راز بے نقاب ہوگا کہ آپ عامل بالحدیث تھے اور خلاف قرآن وسنت ایک قدم آگے بڑھنا کسی صورت گوارہ نہ کرتے تھے۔'' [سیرۃ ثنائی: ۵۶]

☆...مولانا داؤد ارشد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''ہم امام (ابوحنیفہ) صاحب کو مسلمان، پرہیزگار، متقی، اللہ کو یاد

کرنے والا، قرآن کا خادم، حدیثِ رسول کا فدائی، اسلام کا محسن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تصوّر کرتے ہیں۔'' [دین الحق: ۵۱۷/۱]

☆...مولانا محمد یحییٰ گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''**امام الفقهاء** ابوحنیفہ فقاہت میں لاثانی، تقویٰ وورع میں بے مثال، حدیث پہ عمل کرنے، ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم سمجھنے والے تھے...خدا اُن پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کی قبر کو منور فرمائے وہ ان مقدس ہستیوں میں ایک تھے جنہوں نے قیاس کو عندالحاجت (مجبوری کے وقت) استعمال کیا لیکن حدیث کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، آپ عامل بالحدیث تھے۔'' [مقلدین ائمہ کی عدالت میں: ۱۰۳]

گوندلوی صاحب نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قیاس کو مجبوری کے وقت استعمال کیا، وہ تو حدیث کے شیدائی تھے۔

فقه حنفی کی اهمیت اور اس کا دفاع

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب'' آثار التشریع '' مطلقاً بھی فقہ کی ضرورت، اہمیت اور افادیت تفصیل سے بیان کی۔ پھر خاص کر فقہ حنفی کی امتیازی شان درج فرمائی۔ مزید یہ کہ اس فقہ پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات بھی تحریر فرمائے۔ حضرت نے'' دقائق الفقه ''عنوان قائم کر کے فقہ حنفی کا دفاع کیا ہے۔ اور یہ سلسلہ آثار التشریع جلد دوم ۳۵۵/ سے ۳۹۶/ تک پھیلا ہوا ہے۔

کتے کی کھال کو دباغت دینا

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں لکھا ہے کتے کی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے جب کہ کتا تو نجس جانور ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے ان کے اس اعتراض کا تفصیل سے جواب دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے: ''ایما اهاب دبغ فقد طهر. [سنن نسائی: ۱۶۹/۲] ترجمہ: جو چمڑا بھی دباغت کیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔'' ایما کا عموم ان جانوروں کو بھی شامل ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کو بھی جن کھانا حلال نہیں ہے جیسے گدھا اور کتا۔ علماء کی کثرت اسی طرف گئی ہے۔ خنزیر کا استثناء دوسرے دلائل کی وجہ سے ہے، ورنہ وہ بھی عموم میں آجاتا۔ [آثار التشریع :۳۶۰/۲]

پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کی کتاب میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ خنزیر کی کھال بھی۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے نزل الابرار: ۲۹/۱ کے حوالہ سے یہی مسئلہ نقل کیا ہے۔ [آثار التشریع :۳۶۰/۲] نزل الابرار کے مصنف نے اس مسئلہ کو'' فقہ نبوی'' کے طور پر پیش کیا ہے۔ کیونکہ کتاب کا نام'' نزل الابرار من فقه النبی المختار'' جس کا ترجمہ'' نبی مختار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فقہ سے نیک لوگوں کی مہمانی'' ہے۔

پھر دوسری بات بھی حیرت کی ہے کہ غیر مقلدین نے بعد دباغت کتے کی کھال پاک قرار دینے پر تو اعتراض کر دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ ان کے ہاں تو سرے سے کتا ناپاک ہے ہی نہیں۔ چنانچہ امام آلِ غیر مقلدیت مولانا وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کے نزدیک کتا نجس نہیں ہے۔'' [رفع العجاجہ: ۴۵/۳] دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''کتے کا جھوٹا پاک ہے اور کتا نجس نہیں ہے...... امام بخاریؒ اور محققین اہلحدیث کا یہی قول ہے۔'' [لغات اہلحدیث: ۲۳/۲، ذ] ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''بعضوں نے ...کتے کی طہارت پر دلیل لی ہے محققین اہلحدیث کا یہی قول ہے۔'' [لغات الحدیث: ۷۹/۲، ر]

وحید الزمان صاحب اپنی مزعومہ ''فقہ نبوی'' میں لکھتے ہیں:

''اختلفوا فی لعاب الکلب والخنزیر وسورھما والارجح طہارتہ کمامر وکذلک فی بول الکلب وخراء ہ والحق انہ لادلیل علی النجاسۃ. لوگوں نے کتے اور خنزیر کے لعاب اور دونوں کے جوٹھے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، لیکن زیادہ راجح یہی قول ہے کہ وہ پاک ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ اسی طرح لوگوں نے کتے کے پیشاب اور پاخانے کے متعلق اختلاف کیا ہے، حق بات یہ ہے کہ ان کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔ [نزل الابرار: ۴۹/۱]

تیمم جنس زمین سے جائز ھے

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اب ان غیر مقلدین کی ایک اور جسارت سنیے: تیمّم پاک مٹی پر ہی ہوسکتا ہے قرآن پاک میں ہے: فتیمموا صعیدا طیبا. حنفی فقہ میں ہے تیمّم پتھر اور چونے پر بھی ہو جاتا ہے۔ ان چٹانوں پر بھی ہو جاتا ہے جن پر مٹی کا کوئی گرد وغبار نہ ہو مٹی کے بغیر تیمّم کی راہ فقہ حنفی نے ہی دکھائی ہے۔

الجواب: پختہ غور و فکر کے بغیر فقہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن پاک میں تیمّم صعید طیب سے کرنے کا حکم ہے اس میں مٹی کی تخصیص نہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ صعید کسے کہتے ہیں؟ لغت میں صعید مٹی اور زمین دونوں کو کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو سب طہور (تیمّم) بتایا ہے۔ مٹی سے اس کی تخصیص نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مَسجِدًا وَّطھورًا. [صحیح مسلم: ۱۹۹/۱] ترجمہ: پورا صفحۂ زمین میرے لئے سجدہ کی جگہ اور سبب پاکیزگی بنایا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے روئے زمین کو تیمّم کا محل بنایا ہے تو اب اس کی مٹی سے تخصیص کیسے جائز ہوگی۔ ہدایہ میں: الصعید التراب او وجہ االارض ۔ (ہدایہ) ترجمہ: صعید مٹی کا نام ہے یا روئے زمین کا۔ نواب صدیق حسن صاحب اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''والثانی ھو الظاھر من لفظ الصعید لانہ ما صعد ای علا و ارتفع علی وجہ الارض و ھذہ الصفۃ لا تختص بالتراب و یؤید ذلك حدیث جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مَسجِدًا وَّطھورًا۔ [روضہ ندیہ: ۳۹] ترجمہ: لفظ صعید کے یہ دوسرے معنی ظاہر ہیں اس سے مراد جو اوپر آئے یعنی بلند ہو اور زمین پر اوپر آئے اور یہ صفت مٹی سے خاص نہیں کی جاسکتی اور یہ حدیث کہ پوری زمین میرے لیے مسجد اور محل تیمّم بنائی گئی ہے اس کی تائید کرتی ہے۔'' [آثار التشریع: ۳۶۷/۲]

نواب صدیق حسن خان کی طرح غیر مقلدین کے ایک اور نواب وحید الزمان صاحب کی بھی سن لیں۔ وہ حدیث نبوی ''جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مَسجِدًا وَّطھورًا'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور اوزاعیؒ

وغیرہم نے دلیل لی کہ تیمّم ہر چیز سے درست ہے جو زمین کی قسم سے ہو مٹی یا پتھر یا اینٹ وغیرہ۔[تیسیر الباری:۲۶/۱] وحید الزمان صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''یعنی زمین کی ہر چیز پر نماز اور اس سے تیمّم کرنا درست ہے مگر جہاں کوئی دلیل اس کی ہو کہ وہ نجس ہے یا وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔''[تیسیر الباری:۳۱۶/۱ نعمانی کتب خانہ]

فقہ حنفی ''شورائی فقہ'' ہے

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اسلام کا قانونی مجموعہ ان کی شخصی آراء پر مبنی ہو، آپ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس نے اس پر ایک ماہ یا چند ماہ نہیں برسوں اس پر محنت کی تب کہیں یہ شورائی فقہ مرتب ہوئی'' [آثار التشریع :۱۲۷/۲]

ظاہر ہے کہ شخصی رائے کی بہ نسبت شورائی رائے میں خطاء کا احتمال نسبۃً کم ہوتا ہے۔ حنفی فقہ کا شورائی ہونا چوں کہ امتیازی خوبی ہے، اس لیے مخالفین کو یہ خوبی بھی راس نہ آئی اور کہہ دیا کہ فقہ حنفی کو ''شورائی فقہ'' کہنا جھوٹ ہے۔(تبلیغی جماعت، تاریخ وعقائد صفحہ ۸۳، طالب الرحمٰن) حالانکہ فقہ حنفی کا شورائی ہونا اک ایسی حقیقت ہے کہ اسے خود غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے: ''امام اعظم نے بے شک اپنے زمانے کے مقتضیاتِ تمدن کو سامنے رکھ کر قرآنی طریقہ شوریٰ کے ذریعہ اسلامی قوانین اور فقہ کی تدوین فرمائی اور حقیقت میں یہ عظیم الشان کام تھا اس کی عظمت اور ضرورت کا انکار ناممکن ہے۔'' [۸/ جولائی ۱۹۶۰ء بحوالہ تجلیاتِ صفدر:۶۴۰/۱] آلِ غیر مقلدیت کے مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: ''تدوینِ فقہ کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نامِ نامی سرِ فہرست نظر آتا ہے وہ پہلے جلیل القدر بزرگ ہیں جو اقتدارِ بنو امیہ کے خاتمے کے بعد اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس میدان میں اُترے۔'' [برصغیر میں اہلحدیث کی آمد:۲۲۲] مولانا ابوزکی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے قریباً چالیس (۴۰) علماء پر مشتمل ایک علمی کونسل (Asademic council) بنائی جس کے سربراہ آپ خود تھے۔ اس علمی کونسل نے نوے ہزار (۹۰،۰۰۰) فتاویٰ اور آراء مرتب کیں جو ساتھ ساتھ تمام ملک میں پھیلتی جاتی تھیں۔'' [فقہی مسلک کی حقیقت: ۴۸] معلوم ہوا کہ تدوینِ فقہ کے مبارک عمل میں امام صاحب اکیلے نہ تھے بلکہ ان کے شاگرد حضرات بھی ساتھ تھے اس لیے ان کی فقہ کو شورائی کہنا درست ہے۔

غیر مقلدین فقہ حنفی پر عمل پیرا

موجودہ غیر مقلدین اگرچہ فقہ حنفی پر اعتراض کیا کرتے ہیں مگر ان کے بڑے اس فقہ پر عمل پیرا رہے، جیسا کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں: ''برصغیر پاک و ہند میں غیر مقلدین مسائل غیر منصوصہ میں پہلے فقہ حنفی کو تسلیم کرتے تھے۔'' [آثار التشریع :۳۹۷/۲] شاید کوئی غیر مقلد مذکورہ بات کا انکار کر دے اس لیے مناسب ہوگا کہ یہی بات ہم ان کی اپنی کتابوں سے ثابت کر دیں۔ مولانا سلطان محمود غیر مقلد کہتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہادات کا ایک بڑا حصہ

برصغیر کے عاملین بالحدیث نے قبول کر رکھا ہے۔‘‘ [مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری: ۲۸] یاد رہے کہ غیر مقلدین کے ہاں ’’عاملین بالحدیث‘‘ سے مراد غیر مقلد ہوا کرتے ہیں۔

وکیل اہل حدیث کہلائے جانے والے مصنف مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

’’شیخنا شیخ الکل حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین، جن کا تمام عمر یہی عمل رہا جو اس خاکسار کا عمل ہے میاں صاحب کے بہت سے شاگرد اور ان کے دیکھنے والے زندہ ہیں وہ ایمانی شہادت دے سکتے ہیں کہ منصوصات میں ان کا عمل قرآن حدیث پر تھا اور غیر منصوصہ مسائل میں کتبِ فقہ: ہدایہ، عالمگیری وغیرہ پر عمل اور فتویٰ تھا۔‘‘ [اشاعۃ السنہ: ۱۷/۲۳]

بٹالوی صاحب اپنے مذہب اہلِ حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جہاں نصوص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً مذہبِ حنفی کی جن کے اصول وفروع کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں اگر ہم کو عام مسلمانانِ اہل سنت سے ممتاز کر کے کوئی خصوصیت کے ساتھ خطاب دینا ہے تو اہلِ حدیث کا خطاب دیا جاوے اس سے بھی زیادہ خصوصیت کرنی ہو تو اہلِ حدیث حنفی کہا جائے۔‘‘ [اشاعۃ السنہ: ۲۹۰/۲۳]

مختصر...مختصر

حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ’’امام ابوحنیفہؒ اپنے وقت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہی علمی جانشین ہوئے اور آپ کی فقہ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مکتب فکر ہے۔ جس طرح ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ سر فہرست ہیں فقہاء میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر تاج ہیں۔‘‘ [آثار التشریع: ۱۵۸/۲]

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: ’’ائمہ اربعہؒ میں تابعی ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔‘‘ [آثار التشریع: ۲۲۹/۲] ’’مولانا فضل حسین بہاری (غیر مقلد) آپ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے ذکر میں لکھتے ہیں: آپ کا مجتہد، متبع سنت، متقی اور پرہیز گار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ [الحیات بعد الممات: ۵۹۳]‘‘ .... [آثار التشریع: ۲۳۴/۲] ’’صاحب مشکوۃ علامہ خطیب تبریزی نے الاکمال میں حضرت امام (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے وفور علم (اچھلتے علم) کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔‘‘ [آثار التشریع: ۲۳۸/۲] ’’یہ حضرات [امام شعبی، امام نخعی رحمہما اللہ (ناقل)] بے شک آپ [امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (ناقل)] کے اساتذہ بھی تھے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کئی دفعہ شاگرد اساتذہ پر علم میں سبقت لے جاتا ہے۔‘‘ [آثار التشریع: ۲۴۱/۲] ’’امام اوزاعیؒ باوجود یہ کہ امام ابوحنیفہؒ سے چھوٹے تھے آپ نے ان سے روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے طور پر روایت بھی لی ہے۔ حضرت امام نے اس طرح امام مالکؒ سے بھی روایت لی ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس طرح اپنے شاگرد امام ترمذی سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔‘‘ [آثار التشریع: ۲۴۵/۲] ’’حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا کی پیش کش قبول نہ کی۔‘‘ [آثار التشریع: ۲۴۶/۲]

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ مشہور غیر مقلد مصنف مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی عبارت ’’احکام المرام باحیاء مآثر

علماء اسلام: ۵۵" کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق نقل کرتے ہیں: "آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں کو پہنچے چنانچہ ان میں امام ابو یوسف قاضی القضاۃ اور امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام زفر وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں۔" [آثار التشریع :۲/۲۵۰] حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ مولانا عبداللہ روپڑی غیر مقلد (فتاویٰ اہلِ حدیث ۱/۴۲) کے حوالے سے لکھتے ہیں: "ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے۔" [آثار التشریع : ۲/۳۳۹] "محدثین ابتداء سے فقہ کی عظمت بیان کرتے آئے ہیں۔ یہ کیسے اہلِ حدیث ہیں جو محدثین کے اس مسلک کو چھوڑ کر جہاں دیکھو اس ایک نعرے پر متفق ہیں کہ دین میں قرآن وحدیث کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" [آثار التشریع : ۲/۳۵۶] "اس تفصیل سے یہ بات کھل کر قارئین کے سامنے آئے گی کہ فقہ حنفی حدیث کے کس قدر قریب ہے اور یہ کہ دقت نظری میں شاید اور کوئی فقہ اس کی برابری نہ کر سکے۔" [آثار التشریع :۲/۳۶۶] "اگر کسی فقیہ کا حضرت امامؒ [ابوحنیفہ] کے اس استدلال سے اختلاف ہو تو بطور مجتہد اسے اختلاف کا حق ہے لیکن فقہ حنفی کے اتنے کھلے دلائل سے اختلاف ان غیر مقلدوں کو زیب نہیں دیتا جو مجتہد نہیں ہیں۔" [آثار التشریع :۲/۳۶۷] "لیجیے پہلے نمبر کے اعتراض کو لیجئے کیا یہ بات بعینہ جامع ترمذی میں موجود نہیں؟ فرق ہے تو فقہ حنفی میں یہ بات فقہاء کے نام سے ہوگی اور ترمذی میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام سے۔ آپ فرماتے ہیں: جو کسی چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں لگتی۔ [جامع ترمذی: ۱/۱۷۶، سنن ابی داؤد: ۲/ص ۶۱۳] اس پر امام ترمذی کہتے ہیں: یہ بات حدیث اول سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے ہاں اسی پر عمل رہا۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے اور امام اسحاق بن راہویہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔" [آثار التشریع :۲/۳۷۲]

"ایک شخص کسی باکرہ عورت سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے وہ امام شافعیؒ کا مقلد ہے اور اس حدیث کو اپنے ظاہر پر صحیح مانتا ہے: ترجمہ: جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح نہیں ہوتا، نہیں ہوتا، نہیں ہوتا (انتھی الحدیث) اب سوال یہ ہے کہ ایسا نکاح ہوا تو کیا شافعی مذہب میں اب ان دونوں پر زنا کی حد قائم کی جائے گی؟ نہیں یہ نکاح بے شک اس حدیث کی رو سے باطل ٹھہرا لیکن عقد نکاح سے کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ ان پر زنا کی حد نہ لگے گی، نکاح حرام سے حد قائم نہیں ہوتی لیکن دوسری سزا ضرور ہے۔ سو امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہہ کر کہ ایسے شخص پر (جس نے محرمہ عورت سے نکاح کر کے ہم بستری کی) حد زنا نہیں، کوئی نئی بات نہیں لیکن غیر مقلدین کا یہ بغض باطنی ہے جو عوام میں اسے علمی پیرایہ میں پیش کرنے کی بجائے ایک استہزائی پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔" [آثار التشریع :۲/۳۷۸]

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے علوم سے مستفید ہونے کی توفیق سے نوازے آمین۔

رب نواز عفا اللہ عنہ، بروز جمعۃ المبارک ۹/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ بمطابق ۳۱/جولائی ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالغنی طارق (۱)

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کون تھے؟ اور کیا تھے؟

۱۴۴۱ھ کی آخری سہ ماہی نے عوام وخواص کو بہت ساری خیر بلکہ خیر کثیر سے محروم کردیا ہے۔ اہل علم وتقویٰ کا مسلسل یکے بعد دیگرے دنیا سے چلے جانا جہاں علمی قحط کا پیش خیمہ ہے وہیں امت مسلمہ ان حضرات کے علوم وفنون اور شفقت سے بھی محروم ہوگئی ہے۔ خصوصاً رئیس المحققین، فاتح قادیانیت ورافضیت، مفکر اسلام، مناظر اسلام، رہبر کامل، جبل علم، مجتہد وقت، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ، **امام المتکلمین** حضرت مولانا علامہ خالد محمودؒ ۲۰؍رمضان ۱۴۴۱ھ جمعرات کو مانچسٹر میں دار فانی سے دار بقاء کو کوچ کرگئے۔ اب ہماری ہر بات اور ہر سوال کا جواب کون دے گا؟ آپ کے بعد آپ جیسا کون ہوگا؟ آج سے تقریباً بیس سال قبل مناظر اسلام، شمشیر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کی وفات کے وقت جو کیفیت تھی، آج بالکل وہی کیفیت ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ ایک عہد ساز شخصیت تھے، اہل بدعت خواہ کسی بھی نام سے میدان میں آئے حضرت علامہ صاحبؒ نے ان کا خوب تعاقب کیا، اندرون اور بیرون ملک تک ان کو نہ چھوڑا، یورپی ممالک، خصوصاً امریکہ، برطانیہ ساؤتھ افریقہ کے جنگلوں سے لے کر عدالتوں تک علمی میدان میں ان کو شکست دی، حضرت علامہ صاحبؒ زرخیز دماغ کے مالک تھے۔ حاضر جوابی آپ پر ختم تھی، دندان شکن اور الزامی جواب کے بادشاہ تھے، بات سے بات نکالنے کے ماہر تھے۔

میری خوش بختی:۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات تو بار بار ہوتی رہی، خدمت کا موقع بھی ملا، خوب استفادہ بھی کیا، بیانات بھی کثرت سے سنے، دلِ ودماغ خوب محفوظ بھی ہوا، لیکن حضرت صاحبؒ سے اجازت حدیث کا موقع نہ ملا، بالآخر حضرت کی وفات سے تقریباً آٹھ ماہ قبل اجازت حدیث کے لیے حضرت کے خادم جامعہ اشرفیہ لاہور سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت اجازت حدیث نہیں دیتے، ہاں جو شخص حضرت کے سبق میں شریک ہوجائے اسے اجازت عنایت فرمادیتے ہیں۔ اور کئی ماہ بعد جامعہ اشرفیہ تشریف لاتے ہیں۔ بندہ کو پریشانی ہوئی کہ حضرت کے آنے تک طالب نہ رہے یا مطلوب نہ رہے۔

حضرت کے خادم سے لندن کا فون نمبر لے کر ایک دوست محمد ابراہیم کو دیا اور ساتھ ہی ایک عرضی نامہ عربی میں لکھ کر روانہ کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو پیش کردیا جائے، بھائی ابراہیم صاحب اپنے امام مسجد کی رفاقت میں حضرت العلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرضی نامہ پیش کیا، جس پر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے پڑھ کر فرمایا کہ میں بیمار ہوں، زیادہ بول نہیں سکتا، لیکن انہوں نے (بندہ) جس جذبہ تاریخی سے مجھ سے اجازت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ حضرت کی اس شفقت کی بدولت

---

(۱) مدیر واستاذِ حدیث: جامعہ حمیر اللبنات، رحیم یار خان پاکستان

بندہ کی نسبت حضرت کے واسطہ سے حضرت کے تمام اساتذہ سے بھی قائم ہوگئی۔ الحمدللہ!

آٹھ تراویح کی دلیل کا جواب:

غیر مقلد عموماً حضرت عائشہؓ کی یہ روایت پیش کیا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ تھی۔ اس پر حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو اس پر ایک مسیحی اعتراض وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کے نبی نے امت کو رمضان میں عبادت کی اور کثرت عبادت کی بڑی ترغیب دی ہے، لیکن خود اس پر بالکل عمل نہیں کیا، کیونکہ آپ کی رمضان اور غیر رمضان کی نماز میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اس لیے اس روایت کا وہ مطلب لیا جائے گا جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر اعتراض وارد نہ ہو۔

عیسائی لاجواب ہوگیا:

حضرت فرماتے تھے کہ ایک عیسائی میرے پاس آتا جاتا تھا۔ اکثر یہ کہتا: ’’اوپر والا بہتر ہے نیچے والے سے۔‘‘ میں نے ایک دفعہ کہا: آپ کا اس جملہ سے کیا مطلب؟ کہنے لگا آپ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ہیں اور تمہارے نبی زمین میں دفن ہیں، میں نے کہا بالکل ہمارا یہی عقیدہ ہے، کہنے لگا کہ: اسی لئے میں کہتا ہوں اوپر والا بہتر ہے نیچے والے سے۔ حضرت نے سوچا کہ اس جاہل کو کوئی علمی دلیل تو سمجھ نہیں آئے گی، لہٰذا کوئی اور انداز اپنانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے کچھ دن انتظار کیا، آم کا موسم آ گیا، میرے پاس عمدہ آم آئے ہوئے تھے، وہ حسب عادت آیا اور اپنا جملہ دہرایا، میں نے کہا: باہر میرے بڑے عمدہ آم آئے ہوئے ہیں، لیکن ایک بڑا ہے اور ایک چھوٹا ہے آپ کونسا پسند کریں گے؟ کہنے لگا بڑا، میں نے کہا بڑا میں رکھونگا، چھوٹا آپ کو دونگا، وہ بڑے پر اصرار کرتا رہا، میں چھوٹے کا کہتا رہا، بالآخر میں نے کہا ذرا صبر کرو، ابھی آپ کے حصہ کا فیصلہ ہوجائے گا۔ میں نے ترازو منگوایا، ان کو الگ الگ پلیٹ میں رکھا۔ بڑا نیچے جھک گیا، چھوٹا اوپر اٹھ گیا، میں نے کہا: لو! فیصلہ ترازو نے کردیا، وہ کہتا ترازو نے میرے لیے چھوٹے آم کا فیصلہ کس طرح کردیا؟ میں نے کہا تو روزانہ کہتا تھا: ’’اوپر والا بہتر ہے نیچے والے سے، اوپر والا تیرا اور نیچے والا میرا‘‘ **’’فبھت الذی کفر‘‘**۔ پھر میں نے کہا یہ اوپر نیچے ہونا افضل ہونے کی دلیل نہیں۔ مثلاً:

(۱) بیت اللہ شریف نیچا ہے اور کوہ ہمالیہ کی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ اونچی ہے، کیا یہ چوٹی بیت اللہ کا مقابلہ کرسکتی ہے؟

(۲) کیا ہوائی جہاز میں سفر کرنے والا زمین پر چلنے والے سے افضل ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۳) موتی دریا سمندر کی تہہ میں اور بلبلہ اوپر ہوتا ہے، کیا کوئی عقل مند بلبلہ کو اس لیے افضل کہے کیونکہ وہ اوپر ہے؟؟ ہرگز نہیں۔!!

استاذ محترم کی ہر بات نرالی تھی، ہر جواب عجیب تھا، ہر دلیل وزنی، ہر باطل کی دلیل کا جواب دندان شکن جواب، اللہ تعالیٰ شیخ محترم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کے علماء سرمایہ سے امت کو استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

بندہ عبدالغنی طارق لدھیانوی...... یکم ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ۔ 23-07-2020

مولانا خالد محمود، ٹیکسلا

افادات وواقعات

☆......میں نے حضرت استاد جیؒ سے پہلی ملاقات میں پہلا سوال یہ کیا کہ: مولانا احمد رضا خان صاحب نے ''دوام العیش'' نامی کتاب لکھی ہے، اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو شرعی طور پہ ہماری فکر سے ٹکراتی ہو تو یہ ہمارے خلاف کیسے ہوئی؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ اصل میں اس وقت یہ اختلاف نہ تھا کہ بارہ ائمہ قریشی ہوں گے یا نہیں، بلکہ اس وقت برٹش حکومت کا مقابلہ سلطنتِ عثمانیہ کے ساتھ تھا، علماء دیوبند سلطنت عثمانیہ کے ساتھ تھے جب کہ مولانا احمد رضا خان صاحب برٹش حکومت کے ساتھ تھے، تو انہوں نے دو کتابیں لکھیں جس پہ ان کو انعام ملا تھا۔(۱)**دوام العیش بان الائمة من القریش** ،(۲)**إعلام الإعلام بأن هندوستان دار الإسلام**. تو انہوں نے باور کرایا کہ ترکی حکمران قریشی نہیں، لہٰذا تسلیم نہیں، جب کہ علماء اہل سنت دیوبند نے کہا کہ بھلے قریشی نہیں، مسلمان تو ہیں، عیسائیوں سے کئی درجہ بہتر ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام کو اپنایا اور اسلامی نظام اپنی مملکت پہ پھیلایا اور نافذ کیا۔

☆......ایک دفعہ میں نے سوال کیا کہ! مفسرین میں وہ کون سا طبقہ ہے جن کا اتفاق مفسرین کا اتفاق کہا گیا؟ اور ان کے اختلاف کو مفسرین کا اختلاف کہا گیا؟ (جب کہ عموماً تصور یہ ہے کہ جس پر اکثر تفاسیر متفق ہو جائیں تو اسے اجماع مفسرین سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ اکثر کو ''کل'' قرار دے کر اجماع کا دعویٰ کر دیا جاتا ہے۔ اِس پر میری ایک مصنف سے بھی بات ہوئی تھی، انھوں نے ایک مسئلے پر اجماع نقل کیا تھا، میں نے اُن سے عرض کیا کہ: جس مفسرین کی آپ بات کر رہے ہیں، انھوں نے ہی ''اکثر مفسرین'' لکھا ہوا ہے۔) تو حضرتؒ نے اُس وقت دو وجہیں بتائی تھیں، جو میں نے لکھ لی تھیں، ایک یاد ہے، (دوسری جو بعد کے تفسیری اقوال کے معیار سے متعلق تھی، وہ ابھی مل نہیں رہی کہ کہاں لکھی تھی۔) فرمایا کہ شروع میں یہ اصول ہوتا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن کے سات شاگرد معیار ہیں، ان کے اتفاق کو مفسرین کا اتفاق ان کے اکثر کو اکثر اور بعض کے اقوال بعض مفسرین کی رائے سمجھا جاتا ہے۔ دوسری بات بھی اس کے ساتھ ہی تھی، یہ اکیلا اصول کئی مواقع تفسیر پہ منطبق نہیں ہوتا۔ دونوں کو پیش نظر رکھ کر ہی کامل استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

☆......آج کل کے علماء احناف کا تذکرہ چل نکلا تو فرمایا: (شیخ المحدثین حضرت) مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ انے اپنی ''کشف الباری'' میں کئی مقامات پر مولانا یونس جونپوریؒ پہ اعتماد کیا ہے، حالانکہ وہ اپنے دروس میں اکابر علماء کے حوالے سے متصلب نہیں بلکہ غیر مقلدین سے متاثر ہیں، تبھی ان کی گفتگو میں عموماً احناف کمزور ہی نظر آتے ہیں۔ تو اس پر میں نے پاکستان

میں چھپی کتاب شرح ترمذی شریف کے متعلق یہی کہا کہ اس میں فلاں فلاں مسئلہ میں احناف سے اعتماد اٹھایا گیا ہے۔تو حضرتؒ نے اسی شرح ترمذی کی اگلی جلدوں کا متعہ والا مقام دکھایا اور فرمایا کہ: دیکھو! یہاں خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے اعتماد اُٹھایا جارہا ہے، حالانکہ وہ اس میدان (ردِشیعیت) میں اسپیشلسٹ ہیں۔یعنی جس کتاب کا میں نے اشارہ دیا، حضرت علامہ صاحبؒ نے پہلے ہی اس کو بعض مقام سے کمزور نشان زدہ کیا ہوا تھا۔پھر مجھ سے پوچھا کہ آپ حنفی مذہب کی مضبوطی کے لیے کس کو پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کہ: ناقد الرجال حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کو۔فرمایا: بہت خوب، فرمایا: میں نے اگرچہ ان کی کتب نہیں پڑھیں، لیکن وہ اِس دور میں صحیح معنوں میں حنفی تھے۔پھر فرمایا کہ میں نے تو شروع ہی سے علامہ عینیؒ کی رائے کو لیا اور انہی کی رائے کو پسند کرتا ہوں۔ماشاءاللہ آپ نے بھی صحیح انتخاب کیا ہے۔

☆......مسلم شریف میں ایک صحابی کا واقعہ کہ جس کا ہاتھ خراب ہوا تو انہوں نے کاٹ دیا فوت ہونے کے بعد اس ہاتھ کے علاوہ جنت میں تھے۔اِس قسم کے واقعات کے متعلق میں نے سوال کیا تو حضرت علامہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ یہ واقعات تربیتی دور میں وفات کے ہیں، زیر تربیت ہونے کی دلیل ہے ناپا کی (پیشاب کے چھینٹوں) سے نہ بچنا، یا ہاتھ خراب ہو تو کاٹ دینا، یہ دَورتربیت کا دور تھا، اسی دوران اس دنیا سے چلے گئے، پھر عذاب والی کیفیت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جو قبول ہوگئی، عذاب ٹل گیا۔جبکہ رضا والے سرٹیفکیٹ کے بعد کوئی عذاب میں مبتلا ہوا ہو تو بات کرو۔جیسے چاند پہلی رات کو ہلال پھر قمر پھر بدر۔بدر چودھویں رات والے چاند کو بولا جاتا ہے، جب مکمل ہوتا ہے تو بدر ہے، پہلے چاند تو ہے لیکن روشنی کامل نہیں، استفادہ کامل نہیں، ہاں البتہ جب مکمل ہو تو ہر انسان اس کو کامل کہتا ہے، پھر اس رات کو روشنی نہ دے تو شکوہ کیا جاسکتا ہے، پہلے نہیں۔اسی طرح یہاں بھی تکمیل سے پہلے شکوہ کو شکوہ نہیں کہا جائے گا۔غلطی ایسے انداز میں پیش نہیں کی جائے گی کہ تنقید کی جاسکے۔جب کہ صحابہ کرامؓ کی تکمیل عرفہ والے دن ہوئی جس کا اعلان قرآن مجید کے ذریعے سے کرایا گیا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**۔ یہ ایسی تکمیل ہے کہ اب کوئی پہلو تربیت کا باقی نہ تھا، تبھی تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نسبت بھی صحابہ کرامؓ کی طرف کردی ہے۔ہاں البتہ ایک پہلو ظاہری باقی تھا جس کا تصور حیات رسول میں ممکن نہ تھا، اس تصور کو عملی طور پر اگرچہ بعد از وفات رسول عمل میں لایا گیا لیکن اس کے نتائج وثمرات اور اس کا حل، ان طبقوں کا اسلام وایمان، دین وایقان پہلے واشگاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، یہ حقیقی طور پر خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عمل کر دکھلایا اور ایسے ہی خلیفہ عادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمل کر دکھلایا اور یہی معاملہ تھا اس وقت کے تمام مسلمانوں کا۔

☆......میں نے ایک دفعہ کہا: استاذ جی! آپ کی دو کتابیں ''تقیہ نہ کیجیے، متعہ نہ کیجیے''....تو اس پر علامہ صاحبؒ نے فرمایا: نہیں! میری ایک کتاب ہے ''نہ کیجیے'' اس کے چار حصے ہیں: ۱۔تقیہ نہ کیجیے، ۲۔متعہ نہ کیجیے، ۳۔تبراء نہ کیجیے، ۴۔ماتم نہ کیجیے۔

☆......ایک مرتبہ حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا کہ ''کافی'' کا وہ مقام آپ کے علم میں ہے جس میں ایک یہودی نے آکر حضرت عمرؓ پہ تبراء کیا اور کہا کہ ہم حضرت علی المرتضیٰؓ کے علم کو مانتے ہیں، میں ابھی سکوت میں تھا کہ حضرتؒ نے فرمایا: یہ وہ مضبوط حوالہ ہے کہ شیعیت کی بنیاد کا پتہ دیتا ہے کہ شیعیت کا اپنا دماغ نہیں یہودیت کا اثر خامہ ہے۔ پھر فرمایا: جب پاکستان میں امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ تشریف لائے تھے تو اس وقت میں خانیوال میں تھا۔ حضرت وہاں بھی تشریف لائے تو میں نے جب یہ حوالہ دکھایا تو حضرت امام اہل سنت بہت خوش ہوئے اور حوالہ نوٹ کیا مجھے بہت دعاؤں سے نوازا۔

یہ روایتیں اصول کافی [۱/۵۲۹]، دوسری روایت [۱/۵۳۱] پر موجود ہیں، پہلی روایت نمبر۵/ دوسری روایت نمبر ۸/، طوالت کی وجہ سے مکمل نہیں لکھ رہا، مخصوص الفاظ یہ ہیں: ''**فأقبل غلام يهودی جميل (الوجه) يهئ عليه ثياب حسان وهو من ولد هارون حتى قام علىٰ رأس عمر، فقال: يا أمير المؤمنين! أنت أعلم هذه الأمة بكتابهم أم نبيهم؟ قال: فطأطأ عمر.... فقال: إياک اعنی واعاد عليه القول فقال له عمر لم ذلک؟ قال إنی جئتک مرتادا لنفسی شاكا فی دينی....**''۔ رجال کشی کی روایت ''**ان التشيع مأخوذ من اليهودية**'' سے یہ روایت مضبوط ہے اور صریح بھی، شیعوں کے دعویٰ سے پہلے یہی دعویٰ یہود کا تھا، جب وہ ناکام ہوئے تو اپنا چہرہ بہ شیعہ قوم کی شکل میں چھوڑ دیا۔

☆......حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی سے عاریتاً لی ہوئی کتاب واپس کرنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے، بعض اوقات طویل عرصہ گزرنے کی وجہ سے مالک کو یاد بھی نہیں ہوتا تھا، لیکن حضرت علامہ صاحبؒ پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے کتاب واپس کرتے تھے اور اس معاملہ میں بہت محتاط رہتے تھے اور خود ہی یاد رکھتے تھے کہ فلاں کتاب فلاں سے لی ہے، اسے واپس کرنی ہے۔ استاذِ مکرم علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ سے اکثر و بیشتر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ عاریتاً کتب لیتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب نوراللہ مرقدہ جامعہ حیدریہ خیرپور سندھ تشریف لائے، تین چار کتب انھیں مطلوب تھیں، جن میں دو کتب شیعوں کی بھی تھیں، حضرت حیدری شہیدؒ نے مجھے فرمایا: ایک کتاب تو ہمارے پاس موجود ہے، دوسری کتاب کی پہلی جلد علامہ صاحب کو مطلوب ہے، جبکہ ہمارے پاس اس کی پہلی جلد نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ: شیعوں کے کتب خانہ سے منگوالوں؟ تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: منگوالو! جب کتاب آگئی تو پوچھا کس نام سے منگوائی؟ میں نے عرض کیا کہ عبدالستار کے فرضی نام سے، میں نے مزید بتایا کہ پہلے بھی اُن کے کتب خانہ سے کتابیں لانے کے لیے اِسی نام سے جاتا رہتا ہوں، تو حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ کو میری یہ بات پسند نہیں آئی، فرمایا: کتابیں آپ کو من جانب اللہ مل ہی جایا کریں گی، آج کے بعد یہ ظاہری تقیہ بھی نہ کیا کرو۔ اگرچہ آپ تقیہ کو ثواب نہ سمجھو، لیکن مشابہت تو ہے ہی۔ اس کے بعد میں نے اُن کے کتب خانوں میں جانا ترک کردیا، کسی طالب علم وغیرہ کے ذریعہ کتابیں منگوالیتا تھا۔

☆......**ان جاء كم فاسق بنباء.** پر تفسیر کبیر کے حوالے سے جو سوال و جواب مجھے آتا تھا، وہ میں نے سنایا تو فرمایا:

ان اطلاق لفظ الفاسق علی الولید شیٔ بعید .اس عبارت سے امام فخر الدین رازیؒ دفاع صحابہ کا حق ادا کر دیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ لفظ فاسق کا صحابی پہ اطلاق بہت بعید ہے۔ مزید دیکھیے [تفسیر کبیر: ۱۱۹/۲۸، اسی آیت کے تحت]

☆......ایک دفعہ ماہِ رمضان المبارک میں لاہور میں ختم قرآن مجید کے موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے بیان فرمایا، بعد میں بیٹھے تھے، ایک آدمی نے کہا کہ: حضرت! کیا یہ سچ ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حفظ نہیں کیا تھا اور فرماتے تھے کہ جب میں قرآن مجید پڑھتا ہوں تو اس کی گہرائی یعنی استنباط مسائل میں چلا جاتا ہوں اس لیے مجھ سے یاد نہیں ہوسکتا؟ تو برجستہ فرمایا: وہ تو ہم بھی قرآن مجید ایسے ہی جلدی جلدی پڑھتے ہیں، ورنہ جب ہم اس کے مسائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں بھی ہر ہر آیت روکتی ہے۔

چند ملفوظات:

☆......آگ پرست سمجھتے ہیں: حکمران کا تعین آسمانی حق ہے، اس سے جب اسلام ملا تو مسئلہ امامت کھڑا ہوا۔

☆......جب آگ پرست اور اسلام کی آمیزش ہو تو شیعیت پیدا ہوتی ہے۔

☆......خالص اسلام کے ساتھ ہندو تہذیب ملے تو بریلویت بنتی ہے۔

☆......خالص اسلام کے ساتھ اہل اقتدار کی آمیزش ہو تو قادیانیت بنتی ہے۔

☆......مرنے والے کو کھانا بھیجنا ہندو اور چائنا کے لوگوں کا اطوار ہے۔

☆......چراغ کے قریب روشنی زیادہ ہوتی ہے، تبھی نبوت کے بعد امت میں پہلا نمبر صحابہؓ، کیونکہ بلا واسطہ روشنی ان پر پڑی، دوسرا نمبر تابعین، تیسرا تبع تابعین پھر بعد والی اُمت محمدیہ!

☆......یہودی سوچ یہ ہے کہ روحانی رشتہ پہ مشن نہیں چلتا بلکہ خونی رشتہ پر مشن چلتا ہے۔ جبکہ اسلامی سوچ یہ ہے کہ مشن خونی رشتہ نہیں روحانی رشتہ پہ چلتا ہے۔ استدلال میں یہ آیت پڑھی تھی، **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین.** ۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ محمد ابتر ہے، پریشان نہ ہوں، ان کا مشن ان کی زندگی تک ہے، پھر ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد ﷺ کی اگرچہ اَولاد ذکور نہیں، البتہ رسول تو ہیں، رسول کی رسالت والا مشن اس کی امت سنبھالتی ہے اور وہ موجود ہیں، یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، تو قیامت تک امت کی بقا کا اعلان ہے، لہٰذا مشن بھی قیامت تک باقی ہے، جب اُمت ختم ہوگی تب مشن ختم ہوگا۔

☆......اسلام کے مدِ مقابل سب سے پہلا مذہب خارجیت ہے، شیعیت اس کے بعد کی پیداوار ہے، اگرچہ شیعی تخیلات پہلے سے تھے، لیکن ان کا نعرہ مذہبی نہ تھا، سیاسی تھا۔

☆......۲۵۴ھ تک شیعہ مذہب (ہر مذہب اپنے مدون ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے) کا وجود نہ تھا کیونکہ یہ اثنا عشری ہیں، اور اُس وقت تک ان کا بارھواں پیدا ہی نہ ہوا تھا۔

☆......عیسائیوں سے ہمارا اختلاف چار چیزوں پر ہے: (۱) نجات (۲) توحید (۳) تحریف بائبل (۴) اس بائبل کی رو سے حضور ﷺ کی بشارت ہے یا نہیں۔

☆......عام علماء کرام کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے خلاف نکلنے والے خارجی ہیں، میری تحقیق یہ ہے کہ جو حضرت عثمانؓ کے خلاف نکلے ہوں، بعد میں حضرت علیؓ کے ساتھ ملے، بعد میں ان سے بھی خارج ہو گئے، تو یہ خارجی ہیں۔

☆......ایک دفعہ ایک ہندو نے سوال کیا کہ جس کو خدا مارے وہ حرام جس کو تم مارو وہ حلال؟ میں نے کہا آپ کی شادی ہوئی ہے؟ کہتا ہے: ہاں! میں نے کہا: آپ کی بہن کی شادی کہاں ہوئی؟ کہا: وہاں (ہندو مذہب میں چچازاد، ماموں زاد وغیرہ سے شادی نہیں ہوسکتی) میں نے کہا خدا نے جو عورت آپ کے گھر میں بھیجی وہ تو حرام اور جو عورت آپ خود اپنے گھر میں لائے وہ حلال؟ تو اِس پر وہ بہت گھبرایا، حتیٰ کہ اس نے پانی مانگا، کسی نے نہ دیا تو جا کر ٹونٹی سے پانی پیا، تو میں نے پوچھا: یہ ٹونٹی کس نے لگائی ہے؟ کہنے لگا کہ: مستری نے، میں نے کہا مستری کی لگائی ٹونٹی سے پانی پینا جائز ہے، خدا کی لگائی ہوئی ٹوٹی سے پانی حرام؟

☆......اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اللہ رب العزت کا فضل ہے، اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ جبکہ عیسائی کہتے ہیں خدا پہ عدل لازم ہے، اس لیے اپنے بیٹے کو بھیج کر عدل کیا کہ سولی پر لٹکا دیا گیا۔ شیعہ مذہب میں بھی عدل لازم وَاجب ہے۔ حالانکہ عدل لائق تحسین تب ہے جب مد مقابل ظلم ہو، اگر مد مقابل فضل ہو تو فضل کا درجہ اوپر ہے۔ فضل کو رحمت بھی کہتے ہیں، جیسے ہے: **یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ، اما ابیضت وجوہ ففی رحمة الله،** یہ فضل خدا تعالیٰ ہے۔

☆......حضرت علی المرتضیٰ کی حکومت آسمانی ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے مخالفین کو مسلمان نہ کہا جاتا، حالانکہ حدیث میں ہے: "**لعل الله يصلح بين الفئتين المسلمين.**" گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کہا، پھر بڑی بات یہ کہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے حضرت معاویہؓ کی لڑائی ہوئی، لیکن فوت صلح پہ ہوئے۔ **انما الاعمال بالخواتیم.**

☆......ایک آدمی نے سوال کیا کہ آپ کا حضرت معاویہؓ کے بارے کیا عقیدہ ہے؟ میں نے کہا: جو حضرت حسنؓ کا، اُنہوں نے صلح کی، میری بھی صلح ہے۔

☆......رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک جو فیصلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تھے، وہی فیصلے ہمارے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے جنگ جمل وصفین کے میدانوں میں اپنے اور مخالفین کے مقتولوں کے جنازے پڑھائے اور فرمایا یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ جب کہ خارجیوں کے جنازے نہیں پڑھائے اور نہ ہی ان کو مسلمان کہا۔

☆......طلبہ تخصص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جہاں آپ کی دادرسی ہر کوئی چھوڑ دے، اُس وقت آپ کی دادرَسی قرآن مجید کرے گا۔ الحمد للہ میں ہر مسئلہ کو قرآن مجید سے نکالتا ہوں، اس لیے آپ ایک قرآن مجید کا نسخہ لے لیں جو آپ کا ذاتی ہو بلکہ دو نسخے ہوں ایک مستقل سفر میں، ایک گھر میں۔ کل مسائل ۸۰ر ہیں جن کا بوجھ آپ نے اٹھانا ہے۔ یعنی اہل بدعت وکفر کے ساتھ اختلافی مسائل ۸۰ر ہیں جن پہ مناظرے ہوتے ہیں۔

☆......سوال: ماتم حضرت اویس قرنیؒ سے ثابت ہے کہ انہوں نے سارے دانت توڑ دیئے تھے۔ جواب:۔ میں نے کہا آپ اویس قرنیؒ کے دانتوں کی بات کرتے ہو، حضرت علیؓ، حسنؓ و حسینؓ نے تو گردنیں کٹوا دیں، تم اب ان کی اتباع میں کٹواؤ۔ پھر علامہ صاحبؒ نے فرمایا: جن قوموں کو پہلے کے لوگوں پر رونے سے فرصت نہ ہو تو وہ نئے شہداء کہاں سے لا سکتے ہیں؟

☆......الحمدللہ میرے تمام اساتذہ قابل فخر ہیں، لیکن میرے دو اساتذہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے اسلام سے حقیقی محبت اور کفار سے حقیقی نفرت میری رگوں میں پیوست ہوئی۔ (۱) حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ۔ (۲) مفکر اسلام، حضرت العلام ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، سابق جسٹس شریعت بنچ آف پاکستان۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ احسان عظیم ہے کہ یہ حضرات جب اس دنیا سے گئے تو ان دونوں حضرات کی کفار پر کاری ضربیں بطور قرض موجود تھیں اور خود بے داغ اسلام کی پہریداری اور حفاظت کرتے ہوئے اس دنیا کے ہر میدان میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں لگاتے ہوئے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کرتے ہوئے دار الفناء سے دار البقاء کی طرف چل دیے۔ **اِنا للہ وَ اِنا الیہ راجعون.** ☆☆

مولانا محمد صفی اللہ، استاذ: جامعہ مظاہر علوم، کوہاٹ

خوانِ خالدؒ سے خوشہ چینی

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ سے بندہ کو اگر چہ براہ راست استفادہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، تاہم ان کی کتب کے ساتھ کافی عرصہ سے تعلق رہا ہے، نکتہ شناسی، حسن استخراج، ٹھوس علمی تاصیل اور پھر اس پر بلا تکلف تفریع آپ کا خاصہ ہے، ذیل میں کچھ ایسے نمونے آپ کی مختلف کتابوں سے پیش کیے جاتے ہیں جو بندہ نے دورانِ مطالعہ نوٹ کیے ہیں۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ علمی افلاس کے اس دور میں اپنے طالب علم ساتھیوں کو اسلاف کی کتب کا مطالعہ، اس سے استفادے اور درپیش مسائل میں ان کے تتبع پر برانگیختہ کیا جائے، جو کبھی ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز تھا اور افسوس کہ اَب ہم اس سے بالکل عاری نظر آتے ہیں۔

(۱)......حفاظتِ قرآن کا مطلب:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت ذمہ اٹھا رکھا ہے، اور اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ احادیث بھی محفوظ ہیں، لیکن حفاظت کا کیا مطلب؟ بہت کم لوگوں کا دھیان اس طرف جاتا ہے، چناں چہ آپ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حفاظت سے مراد یہ نہیں کہ اس میں کوئی غلطی نہ لگے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس میں غلطی راہ نہ پائے۔ جب بھی غلطی لگے یا کوئی بات رہ جائے تو اس کی اصلاح واتمام کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں اور وہ وسائل ضرورت کے موقع پر میسر آسکیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے، لیکن کیا آپ نے کسی حافظ یا قاری کو تلاوت میں بھولتے یا متشابہ لگتے نہیں سنا؟ کیا بعض نادان قرآن کریم کو غلط نہیں پڑھتے؟ کیا کسی کاتب سے قرآن پاک کی کتابت میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ اور کیا کسی پریس میں زیر وزبر کی فروگذاشت نہیں پائی گئی؟ ان سب سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ غلطی لگ جانا اور بات ہے اور غلطی کا راہ پاجانا اور بات ہے۔ جب تک کوئی غلطی راہ نہ پا جائے establisheb نہ ہو جائے ہم نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کی حفاظت نہیں رہی۔ جب تلاوت وقرات میں بھول چوک حفاظتِ قرآن کو مجروح نہیں کرتی تو نقل وروایت کی کسی غلطی سے یا راوی کی بھول چوک سے بھی حفاظت حدیث مجروح نہیں ہوتی۔'' [آثار الحدیث: ۱/۱۱۴]

(۲)......انکارِ حدیث کے مختلف پیرائے:

احادیث مبارکہ ہویٰ پرست حضرات کی گمراہ کن تاویلات اور تحریفات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس لیے ایسے لوگوں کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ حدیث کو راہ سے ہٹا دیں، تاکہ ان کی تحریفات اور باطل تاویلات کو راہ مل جائے، اس لیے وقتاً فوقتاً پیرائے اور اسلوب کی تبدیلی کے ساتھ انہوں نے مختلف کوششیں کی ہیں مگر ہمیشہ ان کو اس میدان میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے، یہ اسالیب اور پیرائے کون سے ہیں؟ آپؒ بڑی خوبی کے ساتھ اس کا احاطہ کرتے ہیں:

''انکار حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی، اس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے۔

۱: منکرین حدیث کبھی جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اٹھے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں۔)۔

۲: کبھی انہوں نے کہا کہ قرآن کریم کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں، قرآنی احکام کی جو تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئی وہ صرف اس دور کے لیے تھی، اس نئے دور میں قرآنی احکام کی تشکیل اسمبلیوں کے ذریعے ہونی چاہیے۔

۳: کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا سہارا لیا اور اس کے ذریعے کل ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا، ابتدائی عنوان ان کا یہ رہا کہ ہم حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں یہ مضامین ہیں، ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث کل احادیث ہی لائق انکار ٹھہرادیں۔

۴: کہیں انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں، تمہارے ذخیرہ حدیث میں ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں، اہل قال اہل حال کو کیا سمجھیں۔'' [آثار الحدیث:۴۸۹/۲]

(۳)......حدیث وسنت کا فرق:

حدیث وسنت کے فرق کو آپ نے کیسے دلچسپ پیرائے میں واضح فرمایا ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں:

"سنت کا لفظ عملِ متوارث پر آتا ہے، اس میں نسخ کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے اور کبھی منسوخ، مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔ سنت ہے ہی وہ جس میں توارث ہو اور تسلسل عملی ہو..... حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے کبھی صحیح، یہ صحت اور ضعف کا فرق ایک علمی مرتبہ ہے، ایک علمی درجہ کی بات ہے۔ بخلاف سنت کے، کہ اس میں ہمیشہ عمل نمایاں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مسلک کے لحاظ سے اپنی نسبت ہمیشہ سنت کی طرف کی ہے اور اہلِ سنت کہلاتے ہیں۔ حدیث کی طرف جن کی نسبت ہوئی اس سے ان کا محض ایک علمی تعارف ہوتا رہا ہے اور اس سے مراد محدثین سمجھے جاتے تھے، مسلکاً یہ حضرات اہل سنت شمار ہوتے تھے۔'' [آثار الحدیث:۶۰/۱] (دیکھیے: ۴۲۲/۲......۵۲۲/۲......۵۶۶/۲۔[ادارہ])

(۴)......ختم نبوت کے معنیٰ:

''ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب نبوت کا ملنا ختم ہوا، اب کسی کو نبوت نہ دی جائے گی، انشاء نبوت اب کسی اور کے لیے نہیں، یہ نہیں کہ نبوت ختم ہو چکی۔ حضرت خاتم النبیین کی نبوت قیامت تک باقی اور جاری وساری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس جہان کو کبھی نبوت سے خالی نہیں رکھتے، نبوت اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے اس سے دنیا کو کیسے خالی رکھا جاسکتا ہے، جو شخص یہ سمجھے کہ نبوت ہی ختم ہوگئی وہ دین کے کسی دائرے میں نہیں رہا، نہ اسے مسلمان سمجھا جاسکتا ہے"۔ [عبقات:۹۹/۲] (دیکھیے: ۴۰۲/۲)

(۵)......عہد نبوی کے منافقین:

الحاد زدہ ذہنیت کی طرف سے یہ سوال بکثرت کیا جاتا ہے کہ محدثین نے صحابہ کرام کو جرح وتعدیل کے اصول سے کیوں

مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ حالانکہ اگر تمام صحابہ کو عدول مانا جائے تو بھی اس میں دو رائے نہیں کہ اس زمانے میں بہت سارے منافقین تھے، جو مسلمانوں کے لبادے میں رہتے اور مسلمان نہیں تھے، ان کا مسلمانوں سے کوئی امتیاز نہیں تھا، ہوسکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) ان رواۃ میں کوئی درحقیقت صحابی نہ ہو بلکہ منافق ہو؟! عہد نبوی کے منافقین کی صورت حال پر آپ نے جو عالمانہ گفتگو کی ہے اس سے اس مغالطہ اور شبہ کے تار و پود بکھر جاتے ہیں:

"۱: ایک وقت تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان [منافقین] کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

۲: پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی اطلاع دے دی، مگر کچھ وقت کے لیے آپ کو ان کے خلاف کسی کارروائی سے روک دیا گیا تھا، آپ نے صحابہ کرام کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا، آپ نے فرمایا: **أولئک الذین نهانی الله عنهم.** [**مسند الإمام أحمد:**۱۶۹/۹]

۳: پھر ایک وقت آیا کہ آپ نے ان کے خلاف کھلی کارروائی کی اور انھیں اپنی مجلس سے اٹھا دیا، نام لے لے کر آپ نے انھیں نکلنے کے لیے کہا:

أخرج ابن أبی حاتم والطبرانی فی »الأوسط« وغیرهما عن ابن عباس –رضی الله عنهما– قال: قام رسول الله –صلّی الله علیه وسلّم– یوم الجمعة خطیبًا، قال: قم یا فلان، فاخرج؛ فإنک منافقٌ، اخرج یا فلان؛ فإنّک منافقٌ، فأخرجهم باسمائهم.

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ جمعہ میں نام لے کر فرمایا: اے فلاں! اٹھ اور نکل جا، تو منافق ہے، پھر دوسرے کو اسی طرح کہا: تو بھی نکل جا، آپ نے انہیں اس دن نام لے لے کر وہاں سے نکالا۔ [روح المعانی]

اب یہ مسجدوں میں تو نہ آتے نہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کھلے اعلان کے بعد کسی میں یہ حوصلہ نہ رہا تھا کہ کھلے بندوں اپنے آپ کو مسلمان کہے۔" [**عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام:**۳۱۶]

(۲)......شرائط ترجمہ:

ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی مضمون کا ترجمہ ایک مشکل کام ہے جو انتہائی احتیاط کا تقاضہ کرتا ہے، یہ ہر کس و نا کس کا کام نہیں، بلکہ اس کے اپنے کچھ اصول و شرائط ہیں، آپؒ ان شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترجمہ کرنے کے لیے چند شرطیں ہیں؛

۱: مترجم دونوں زبانوں میں مہارت رکھتا ہو، خصوصاً جس زبان سے ترجمہ کرنا ہے اس پر پورا عبور ہونا لازمی ہے۔ اس کی لغات، اسلوب، محاورات، ادب اور گرائمر پر پوری نظر ہونی چاہیے۔

۲: جس عبارت کا ترجمہ کرنا ہے اگر اس میں کئی معانی کا احتمال ہے تو ترجمہ میں خاص ایک معنیٰ کو نہ لینا چاہیے، بلکہ اس کے لیے دوسرے زبان کے بھی ایسے ہی الفاظ اختیار کرنے چاہییں جن میں خود اصل کی طرح جملہ معانی کا احتمال ہو۔

۳: اصل کلام میں اگر ایسے قیود موجود ہوں جو تخصیص و تعمیم یا اطلاق و تقیید سے متعلق ہیں تو دوسری زبان میں بھی ویسی ہی قیود لگانی چاہئیں۔ کنایات و استعارات کو صراحت اور حقیقت میں لانے کی بجائے دوسری زبان میں بھی کنایات اور استعارات کی

صورت میں ہی لانا چاہیے۔

۴: علمی اور مرکزی کتابوں کے ترجموں میں دوسری زبانوں کے کسی ایک علاقے کے محاورات کی پابندی نہیں ہونی چاہیے، انہیں دوسری زبان کے ایسے انداز میں ترجمہ کیا جائے جو زیادہ سے زیادہ آبادی کے لئے سمجھنے کا موجب ہو۔

۵: ترجمے کو اصل سے بڑھنے نہ دے، اپنے کسی خاص غرض کیلئے پہلے ترجموں میں تصرف کرنا یا بین القوسین جملے ساتھ لگانا ترجمہ پر ایک اضافہ ہے۔

یہ ترجمہ کے عام اصولی تقاضوں کا بیان تھا، قرآن کریم کے ترجمہ کیلئے حضرت شیخ ابو محمد عبدالحق دہلویؒ نے کچھ اور شرطیں بھی بیان کی ہیں:

۱: مترجم بد مذہب اور بے قید نہ ہو، جس طرح تفسیر میں متدین ہونے کی شرط ہے، اسی طرح ترجمہ میں بھی غیر متدین کے فاسد اور غلط خیالات کی آمیزش سے اس کا ترجمہ قابلِ اعتماد نہیں رہ سکتا۔

۲: علوم مذکورہ جو تفسیر کیلئے ضروری ہیں، مترجم کے لیے بھی ان میں ماہر ہونا ضروری ہے، خصوصاً علم قراءات، صرف ونحو، علم ادب، معانی و بیان، فقہ وحدیث اور کلام کا ضرور فاضل ہو۔" [عبقات: ۱/ ۳۳۸]

(۷)......صفات باری تعالیٰ کی ایک اہم بحث:

صفات باری تعالیٰ ایک مزلۃ الاقدام بحث ہے، معمولی غلو سے تشبیہ و تعطیل کی طرف جانے کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں اسلم مذہب یہی ہے کہ اول وہلہ میں تفویض کی جائے، موجودہ دور کے سلفی حضرات لیس کمثلہ شیء کی قید کو ملحوظ رکھ کر ان صفات کے حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں، جس سے تشبیہ اور تفویض کا ایک عجیب ملغوبہ تیار ہو جاتا ہے، چناں چہ وہ **فی السماء** کے حقیقی معنیٰ کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں اور کچھ تو غلو کر کے جہت بھی ثابت کرتے ہیں، آپؒ اس مسئلہ پر انتہائی محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہوئے سلفی حضرات کی اس غلط فہمی کو واضح کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے لیے علو ماننا اور ہے اور اسے اوپر کی جہت میں ماننا اور ہے۔ آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ ان کا قبلہ مسجد حرام ہو جائے، آپ اس امید میں آسمان کی طرف منہ کرتے اور دعا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس پر منع وارد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ذاتِ عالی ماننا فطرت کا تقاضہ ہے جو بھی اس کی طرف متوجہ ہوا اس نے اوپر ہی نظر کی۔ **قد نری تقلب وجھک فی السمآء** [البقرۃ: ۱۴۴]۔ جہت ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے جہت میں محصور و محاط مانا جائے، یہ احاطے میں مخلوق کی صفت ہے خالق کی نہیں، وہ احاطہ ونہایت اور جہت سے پاک ذات ہے۔" [عبقات: ۲/ ۲۹]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اگر ہم دعا میں آسمان کی طرف دھیان کرتے ہیں تو یہ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، بلکہ اس لیے کہ آسمان قبلہ دعا ہے، اور یہ اسی طرح ہیں جیسے کعبہ قبلہ نماز ہے، یہ نہیں کہ خدا وہاں استقرار کیے ہے۔" [ایضاً: ۲/ ۴۰]

☆......☆......☆......☆

مولانا احسان اللہ احسان (۱)

رأس المحققین کی رحلت

علم کے پہاڑ ان اکابر کا دنیا سے پَے درپَے یوں اٹھتے چلے جانا کسی بڑے خطرے سے کم نہیں، جن کا وجود فتنوں کے سامنے سدسکندری سے زیادہ مضبوط ہوان کا اٹھ جانا اشخاص وافراد کا اٹھنا نہیں بلکہ صادق ومصدوق پیغمبر علیہ السلام کی لسان نبوت کی سچی پیشگوئی کے مطابق ''علم'' کے اٹھائے جانے کا حکم رکھتا ہے۔ان اکابر کے جانے سے جو علمی نقصان ہوا وہ پورا ہوتا نظر نہیں آرہا۔تو پھر اس نبوی پیشنگوئی کا مصداق یہ دور اگر نہیں تو اور کونسا دور ہوگا؟اسی قافلہءحق وصداقت اور طائفہءرشد وہدایت کے ایک نیّر تاباں ہمارے ممدوح حضرت علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے جو کہ ایک فرد نہیں اپنی ذات میں ایک جماعت اور انجمن تھے،بلا مبالغہ انکے جانے سے ایک انسان نہیں ایک جہانِ علم اٹھ گیا۔**فیا اسفیٰ**

حضرت کی پہلی اور آخری زیارت:

حضرت کی زیارت کا شرف سیدی ومرشدی امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے جنازے پر حاصل ہوا۔جنازہ پڑھنے کے بعد ہم غمگین حالت میں کھڑے اپنی محرومی پہ اشک بہارہے تھے کہ سامنے سے ایک بزرگ دو آدمیوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے خراماں خراماں آرہے تھے، ہماری توجہ ادھر ہوئی تو کسی نے بتایا کہ یہ علامہ خالد محمود صاحب ہیں، ہم لپک کر گئے اور جا کر آپ سے مصافحہ کیا، پریشان دل کو کچھ تسلی ہوئی کہ شیخ کے بعد ایسی ہستی کی زیارت ہوگئی جو ان کے ہم مشرب وہم جماعت اور اُنہی کی طرح خوگر تحقیق ہیں۔جن کے علم اور تحقیق پر امام اہل سنتؒ پر ہی اعتماد کی طرح آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔یہی پہلی زیارت بھی تھی اور آخری بھی کہ اسکے بعد پھر شرف زیارت حاصل نہ ہوسکا۔

درجہء اجتہاد کو پہنچا ہوا علم:

ہمارے علاقہ '' درابن کلاں'' میں حضرت مولانا قاری محمد مہربان صاحبؒ (بڑے قابل و ذہین اور صابر وشاکر انسان تھے ۱۳ برس تک بستر پہ پڑے رہے اور ایسی بیماری کہ کروٹ بدلنا بھی محال تھا،اعضاء سوکھ چکے تھے،ہڈیوں میں گودا خشک ہو چکا تھا، جوڑ اپنی اپنی جگہ پہ رُک گئے تھے،صرف ہاتھوں کو تھوڑا بہت ہلا لیتے تھے باقی جسم کا کوئی حصہ نہیں ہلا سکتے تھے۔لیکن قربان جاؤں اپنے اللہ کی شان پر کہ اس حالت میں بھی اپنے اس بندے سے قرآن کی خدمت لیتے رہے،حفظ وناظرہ کے ساتھ ساتھ تجوید وقراءات کے اسباق بھی پڑھاتے تھے،قراءات میں شیخ القراء حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ شاگرد تھے اور درس نظامی سے فراغت جامعہ امدادیہ فیصل آباد سے تھی ،حضرت مولانا شیخ نذیر احمد صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی) ہوتے تھے ان کو حضرت علامہ

---

(۱) مدیر: مدرسہ سیدنا اُبی بن کعبؓ، خطیب: جامع مسجد سیدنا علی المرتضیٰؓ نیو مدنی ٹاؤن، ڈیرہ اسماعیل خان

صاحبؒ بڑی عقیدت ومحبت تھی، فرماتے تھے کہ ''علامہ خالد محمود کا علم درجۂ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہے۔''

ایک بار سنایا کہ میں چونکہ تیمّم کر کے نماز پڑھتا ہوں اور چارپائی کے ساتھ والی دیوار پر ایک ہاتھ پھیر سکتا ہوں دوسرا جا نہیں سکتا اور کروٹ بھی میں نہیں بدل سکتا اور نہ ہی کسی اور چیز سے تیمّم کر سکتا ہوں، بس ایک ہاتھ پھیر کر دوسرے پہ مل کے تیمّم کر لیتا ہوں۔ ایک بار میرے پاس ایک بزرگ آئے اور میری اس کیفیت کو دیکھ کر نماز اور وضو کے بارے میں پوچھا میں نے بتایا، کہنے لگے جب تک دونوں ہاتھ دیوار پر نہیں پھیرو گے تمہارا تیمّم نہیں ہوگا، مجھے بڑی پریشانی ہوئی ایک تو گذشتہ نمازوں پر اور دوسری اپنی اس مجبوری پر سارا دن بے چین رہا، اسی پریشانی میں سویا تو خواب میں علامہ صاحبؒ کی زیارت ہوگئی اور میں نے اپنی پریشانی ان کے سامنے رکھ دی، اور عرض کی کہ حضرت! آپ کا علم بھی تو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہے آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ علامہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ جس ہاتھ کو دیوار پر پھیرتے ہو اس کو تیمّم کرنے سے قبل دوسرے ہاتھ پر ملتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا تمہارا تیمّم ہو جاتا ہے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ جب بیدار ہوا تو مجھے دَوہری خوشی ہوئی کہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اور علامہ صاحب کی زیارت بھی ہوگئی۔

اپنے بڑوں اور ہم عصروں کی نظر میں:

حضرت العلامؒ کو اللہ کریم نے اپنے بزرگوں اور ہم عصروں کے ہاں بھی قبولیت عطاء کی ہوئی تھی، بزرگ لوگ تو شفقتِ کریمانہ کے سبب اپنے چھوٹوں پہ مہربان ہوتے ہیں مگر معاصرت تو چیز ہی ایسی ہے کہ ہم عصروں کو بڑی مشکل سے کوئی قبول کرتا ہے۔ عیاں راچہ بیاں!

لیکن علامہ صاحبؒ کا معاملہ اس سے جدا تھا ان پر خدا کا خصوصی کرم بھی تھا اور جن معاصر شخصیتوں سے ان کا تعلق تھا وہ بھی رب کے برگزیدہ اور اخلاص وتقویٰ کے پیکر، علم وعمل کے جامع، کردار وگفتار کے کوہ ہمالیہ، اخلاق حسنہ سے مزیّن، اخلاق رذیلہ سے مبرّا، پاک دل، پاک باز، آسمان رشد وہدایت کے چمکتے سورج اور مہکتے دمکتے چاند تھے۔

حضرت امیر شریعت کا ملفوظ اور حضرت قاری طیب رحمہ اللہ کی تحریر تو مشہور ہے ہی۔ امام اہل سنت سیدی ومرشدی حضرت الشیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی گواہی بھی پڑھ لیجیے، فرماتے ہیں: ''علامہ خالد محمود ہماری جماعت کے محقق عالم ہیں، بہت کام کر رہے ہیں، مجھ سے کافی چھوٹے ہیں، اسوقت انگلستان میں ہیں۔'' [ملفوظات امام اہل سنت: ۲۹۱] یہ الفاظ اس ہستی کے ہیں جو خود علم وتحقیق کے بادشاہ اور بحر العلوم والفنون تھے۔ سچ کہا کہنے والے نے کہ **''انما یعرف ذالفضل من الناس ذووہ''**

میرے شیخ ومربی حضرت استاذ العلماء مولانا علاء الدین نور اللہ مرقدہ (المتوفّٰی ۱۲ر صفر ۱۴۳۵ھ بعمر ۱۰۴ر سال) ایک بار ''خطبات علامہ خالد محمود'' کا مطالعہ فرما رہے تھے، میں نے عرض کیا استاذ جی! یہ خطبات کیسے ہیں؟ فرمانے لگے: ''بہت اچھے ہیں اور علمی خطبات ہیں۔'' دیکھا آپ نے؟ کتنے بڑے شناورانِ علم ہمارے ممدوح علامہ خالد محمود نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں کتنی

بڑی گواہیاں دے رہے ہیں۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

لگے ہاتھوں ایک واقعہ اور بھی پڑھ لیجئے اور پھر مؤخر الذکر بزرگ (یعنی حضرت الاستاذؒ) اور علامہ صاحبؒ ہر دو بزرگوں کی ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دلوں میں جو عظمتیں تھیں ان کا اندازہ لگا لیجئے! مولانا محمود عالم صفدر حضرت مولانا محمد امین صفدر نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مناظرے (جو کہ ہمارے ہاں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے علاقہ ''کمبوہ'' میں بریلوی مناظر مولوی سعید اسد صاحب کے ساتھ نور و بشر کے موضوع پر ہوا تھا) کے بارے میں اپنے مضمون میں فرماتے ہیں کہ: ''حضرت (اوکاڑوی) رحمہ اللہ نے بتایا کہ میں اور علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ ہم وہاں مناظرہ کے لیے پہنچے تو جس مکان میں ہمیں بٹھایا گیا تھا وہ بھی کٹر بریلویوں کا تھا۔ ہم اس مکان میں جا کر بیٹھ گئے تو کوئی سلام تک کرنے نہ آیا۔ اَب میری توجہ تو ان باتوں کی طرف نہیں جاتی، لیکن علامہ صاحب نے محسوس فرما لیا اور مجھے کہا: کیا بات ہے، کسی نے سلام تک نہیں کیا۔ اَب جو آدمی ہمیں لے کر آیا تھا، جب وہ پانی لے کر آیا تو علامہ صاحب نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ گھر بریلویوں کا ہے۔ اس پر علامہ صاحب نے فرمایا: کسی دیوبندی کے گھر کیوں نہیں بٹھایا؟ تو اس نے بتایا کہ پوری بستی میں دیوبندیوں کا ایک گھر بھی نہیں ہے۔

حضرت علامہ صاحب ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ اٹھے اور جا کر ڈیرہ اسماعیل خان مولانا علاؤ الدین صاحب کو فون کر دیا کہ ہم اس طرح پھنس چکے ہیں۔ فوراً آدمی لے کر پہنچو! مولانا علاؤ الدین صاحب بس بھر کے آدمیوں کی پہنچ گئے۔ وہاں آ کر انہوں نے پولیس کو فون کیا تو کافی پولیس کے آدمی بھی وہاں پہنچ گئے۔ اب پولیس کہے: مناظرہ نہیں ہونے دینا۔ مولانا علاؤ الدین صاحب نے فرمایا: اب مولوی اکٹھے ہو چکے ہیں، انہیں ذرا لڑ لینے دیں۔ چنانچہ مناظرہ شروع ہو گیا، ادھر دیوبندیوں کی جانب سے میں مناظر تھا اور علامہ صاحب معین مناظر تھے اور بریلویوں کی جانب سے مولوی سعید اسد تھا۔ چنانچہ گفتگو ہوتی رہی، جب انہیں شکست واضح نظر آنے لگی تو ایک اس علاقے کا بدمعاش اٹھا اور کھڑے ہو کر اعلان کر دیا ہم بریلوی جیت گئے، دیوبندی ہار گئے۔ (مناظرہ کی جو آڈیو ریکارڈنگ تھی اس میں بھی اس شخص کا شور واضح سنائی دیتا ہے۔ احسان) اس پر لوگوں نے اس کی خوب اچھی طرح پٹائی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مناظرہ ختم ہو گیا اور وہ بریلویوں کی جو مسجد تھی شام تک پولیس نے اس کو تالا لگا دیا۔

[ماہنامہ ''الخیر'' اشاعت خاص، بیاد حضرت اوکاڑوی: ۴۶۲]

ناظرین کرام: ان حضرات کی محبتیں اور ان کا خلوص اور ایک دوسرے کے لیے قربانی دینا، ہاں ہاں فون کی ایک کال پر لبیک کہہ کر چل دینا اور وہاں جا کر حالات کو کنٹرول کرنا، سب آپ پڑھ چکے۔ اور امید ہے کہ اس پر مرتب ہونے والے اثرات بھی آپ کے اخّاذ ذہن میں آ چکے ہوں گے، تو پھر مجھے یہ کہنے کا حق بھی دیجئے کہ

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی — فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بڑھکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی — شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ — جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

شریعت کے قبضے میں تھی باگ انکی :

ہمارے اسلاف و بزرگان دیو بند کا طغرہ امتیاز یہی تھا اور ہے کہ اتباع سنت ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ پورے عالم میں پہچانے جاتے ہیں۔ایک ایک سنت پر ان کی تحقیق ہوتی تھی، علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھنے والوں نے لکھا نہیں کہ ان کے عمل سے دنیا سنتوں کو تلاشتی تھی، حضرت مدنی قدس سرہ نے دارالحدیث رو کر فرمایا نہیں تھا کہ میں نے آج تک کوئی قدم خلاف سنت نہیں اٹھایا۔اب آیئے ذرا اپنے اس ممدوح کے عمل اور تحقیق کو دیکھئے۔

کسی نے سوال کیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد کل کتنی سنتیں ہیں، کیا جمعہ کے بعد چار اور دو مسلسل سنتیں ہیں اور کیا بعد نماز جمعہ فقیہِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے مطابق چھ سنتیں پڑھنی جائز ہیں، تفصیل سے روشنی ڈالئے؟ جواب میں حضرت علامہ صاحبؒ نے (عبقات: ص ۳۱۷ تا ۳۱۸ میں) ایسی عظیم الشان تحقیق فرمائی کہ عقل ششدر رہ جاتی ہے۔(۱)

اندازہ لگائیں ایک مسئلہ میں جو اتنی چھان بین اور اتنی تحقیق رکھتے ہوں اور صرف اسلئے کہ اصل سنت تک پہنچ جائیں یہ عشق رسول نہیں تو اور کیا ہے۔اپنے آقا ﷺ کی سنتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے عمل میں لانا انہی کا کام تھا، اللہ تعالیٰ ان کے نام لیواؤں کو بھی ایسا ہی متبع سنت بنادے۔ان کے شاگرد اور قریبی ساتھی مولانا محمد اقبال صاحب رنگونی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:(۲)

منع کرنے کے باوجود آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔۹۷۔۹۸ سال کا آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے......
آپ سے کسی نے کہا علامہ صاحب بیٹھ کر نماز پڑھ لیا کریں، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ''وہ نماز ہی کیا جس میں قیام ہی نہ ہو''۔
......حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم جو کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ [خلیفہ مجاز: حضرت تھانویؒ] کے خلیفہ مجاز ہیں۔فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے مجھ سے فرمایا کہ: میرے لئے آپ اس بات کی دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ سجدہ علی الطین کی سعادت میں رکھے، یعنی زمین پر سجدہ کرنے کی سعادت کبھی نہ چھینے..الخ''

[ماہنامہ القاسم شوال ۱۴۴۱ھ:۸۶]

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

''خطباتِ خالد محمود'' سے چند اقتباسات:

قارئین ذی وقار! جی چاہتا ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کے خطبات میں سے کچھ موتی آپ کی جھولی میں ڈال دوں۔ ملاحظہ کیجئے!

حضور ﷺ کی وجہ سے خشک تنے میں آثارِ حیات:

حضرت ایک مسئلہ فرمائیں کہ حضور ﷺ جب خطبہ دیا کرتے تھے اور ایک سوکھی لکڑی کا تنا تھا...اسطوانہ حنانہ..جس پر

(۱) سوال وجواب کی مکمل عبارت مولانا شفیق احمد سلیم کے مضمون میں ملاحظہ فرمالی جائے: ۱۲۹/۲۔[ادارہ]

(۲) تفصیل کے لیے اسی اشاعت خاص میں شامل مولانا اقبال رنگونی کا بیان دیکھ لیا جائے: ۷۵۹/۱۔[ادارہ]

آپ ﷺ ہاتھ رکھ کر خطبہ دیتے تھے..جب حضور ﷺ نے اس پر سہارا لینا اور خطبہ دینا چھوڑ دیا....منبر بن گیا تو اس لکڑی کے درخت کے اندر سے رونے کی آواز آئی یا نہیں؟....(آئی)...یہ حدیث صحیح ہے نا؟...(صحیح ہے)..میں کہتا ہوں درخت کے اندر حیات انسانی کا کرشمہ ظاہر ہوا..رونا تو حیات انسانی کے ساتھ خاص ہے..تو جس طرح ضحک اور ضرر یہ خاصہ ہے انسان کا..تو اس کا عکس ہے رونا..تو یہ جو رونے کی آواز آ رہی ہے اندر سے...یہ انسانی رونے کی تھی..تو رونا انسانی حیات کا نشان ہے...رونا انسانی زندگی کا نشان ہے..تو لکڑی کے اندر انسانی حیات کیسے آئی..کیونکہ اسکے اوپر حضور ﷺ کا دست مبارک لگا تھا..تو جس ہاتھ میں اور جس جسم میں یہ شان ہو کہ لکڑی کا درخت جو خشک ہو چکا ہو اسکے اوپر لگے..اس میں بھی انسانی حیات ابھرے..تو پھر خود حیات نہیں ہوگی...اسطوانہ حنانہ میں جو حیات آ گئی وہ کہاں سے آئی؟

لکڑی کا ایک درخت جو مدت سے خشک تھا چھو کر میرے مسیح نے بخشی اسے حیات
میں تو کہوں گا قبر بھی زندہ ہے آپ کی واعظ کو شک ہے کس طرح زندہ ہے ان کی ذات

جسکے سہارے لگانے سے، جس کے اوپر دست مبارک کے لگنے سے لکڑی میں زندگی کے آثار پیدا ہوں..تو اس بدن کے بارے میں کہنا کہ وہ زندہ نہیں...کچھ خیال نہیں آتا....بے حسی اتنی ہوگئی...[خطبات خالد:۱/۲۷۰،۲۷۱]

سماع احیاء اور سماع موتیٰ کا جوڑ نہیں:

جب ہم حضور ﷺ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ زندہ ہیں تو یہ بحث سماع احیاء کی ہے یا سماع موتی کی ہے؟..(سماع احیاء کی)....تو حیات النبی کے سلسلہ میں جو لوگ سماع موتی کی بحث چھیڑ دیتے ہیں وہ بالکل بے سمجھ ہیں....کیوں؟ ...جب دعویٰ کرنے والوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ زندہ ہیں تو بحث تو یہ ہے کہ زندے سنتے ہیں یا نہیں..کیونکہ حضور ﷺ کو مردہ تو ہم مانتے ہی نہیں..کہ مردہ کے سننے کا سوال پیدا ہو...آپ بتائیں حضور ﷺ زندہ یا مردہ؟...(زندہ)..ان کے بارے میں یہ بحث چلانا کہ مردے سنتے ہیں کہ نہیں یہ بے عقلی ہے یا نہیں ہے.؟..(ہے)

تو آج کچھ علماء نے مسئلہ پوچھا جس سے یہ بات چل نکلی تو میں نے ان کو کہا حیات النبی ﷺ پر آپ بے شک بحث کریں..لیکن سماع موتی کی بحث کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں..سماع موتی کو بالکل علیحدہ رکھیں کیوں؟...اسلئے کہ انبیاء موتی ہیں ہی نہیں.....رہے احیاء...تو ان کے لئے سماع موتی کی بحث کیوں ہو۔[ایضا:۲/۲۷۲]

غور کیا آپ نے؟ کتنی عجیب بات کر گئے ہمارے علامہ علیہ الرحمۃ گویا دریدہ دھن ٹولے کی بنیاد ہی گرا دی کیونکہ آج تک وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی عدم حیات پر بزعم خود استدلال کرنے کے لیے ظاہراً سماع موتی کی نفی والے دلائل پیش کرتے آئے ہیں۔حضرت العلام نے ان کی اساس ہی پر تیشہ چلا دیا کہ جب انبیاء مردہ ہیں ہی نہیں تو ان کے لئے سماع موتی کی بحث چہ معنیٰ دارد..؟

علم غیب اللہ کے سوا کسی کو نہیں:

حضرت سیدنا ابرہیم علیہ السلام کی کی قربانی کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اگر جانتے تھے کہ بیٹا قربان نہیں ہوگا پھر تو قربانی نہ ہوئی ڈرامہ ہوا کیونکہ ڈرامہ میں یہی ہوتا ہے کہ پہلے سے ساری باتیں طے ہوتی ہیں میں یہ کروں گا تم یہ کرنا...اور جب کسی کو یہ یقین ہو جائے بیٹے پر کوئی آنچ نہیں آئیگی پھر تو یہ ڈرامہ ہر کوئی کرنے کو تیار ہے...ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اس وقت قربانی کہلائی جائے گی، جب یہ پتہ نہ ہو کہ بیٹا صحیح سلامت بچ جائے گا اور اس پتہ نہ ہونے کو علم غیب کہتے ہیں، معلوم ہوا انبیاء علیہم السلام غیب کا علم نہیں رکھتے۔

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار ہر کہ گوید کہ بدارم تو از وباور مدار

[ایضاً ص ۳۵و۳۶ ملخصاً]

ابلیس کے چھ نمبر:

تبلیغ والوں کے چھ نمبر ہیں نیک ....اور اس کے مقابلہ میں ابلیس نے بھی چھ نمبر بنا رکھے ہیں ....(۱) مولویوں کی مخالفت...(۲) ڈاڑھی کی مخالفت..(۳) مدارس عربیہ کی مخالفت..(۴) حدیث کی مخالفت.. (۵) مذہب کی مخالفت.. (۶) دہریت کے جھنڈے اٹھالو........[ملخصاً:۵۲۷]

علامہ صاحبؒ ایک جامع شخصیت:

اللہ نے آپ کو ایک جامع شخصیت بنایا تھا، انکا ذہن اخّاذ، علم عمیق، مطالعہ وسیع، حافظہ قوی، فکر رفیع، نگاہ بلند، سخن دلنواز۔ بولتے تو پھول جھڑتے تھے، لکھتے تو موتی پروتے تھے۔ واللہ یہ مبالغہ نہیں، یہ گز یہ میدان جس کا جی چاہے ان کی تقاریر سن اور تصانیف پڑھ کے دیکھ لے۔ حسینوں کو مصنوعی میک اپ اور ایک نمبر مال کو مصالحہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رب کریم نے آپ کو بہت نوازا تھا آپ جس موضوع پہ بولتے یا لکھتے تو حق ادا کر دیتے تھے، مناظرہ کے میدان میں اترتے تو مدمقابل کو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ خاموش کرا دیتے، بعض دفعہ تو ان کی دلیل کو انہی کے خلاف پیش کر دیتے اور مدمقابل دیکھتا رہ جاتا۔ آپ نے جس باطل کو للکارا وہ آپ کی للکار کی تاب نہ لا سکا اور آپ کے سامنے چاروں شانے چت ہو گیا۔

عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ:

ویسے تو اللہ نے آپ سے ہر میدان میں دین متین کی خدمت لی ہے۔ الحمد للہ۔ لیکن عقیدہ ختم نبوت اور ناموس صحابہ واہل بیت کے تحفظ کے لیے آپ کی خدمات اتنی ہیں کہ لگتا ہے گویا اللہ نے آپ کو پیدا ہی اسلئے کیا تھا۔ **ذالک فضل اللہ یوتیه من یشآء.** ذرا ان کے افادات بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

تکمیل انسانی کے تمام پہلو رسالت محمدی کی خاتمیت میں:

حضرت العلامؒ اپنی کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنٰی ختم النبوت'' میں اس عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور مصلحتوں کیلئے دنیا میں پیغمبر بھیجے تھے وہ سب حکم ومصالح حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئیں، عالم انسانیت وحی کے نور اور ملأ اعلیٰ کی روشنی میں جس حد تک فیضیاب ہوسکتا تھا اس سے معمور ہوگیا اور تکمیل انسانی کے تمام پہلو دنیا کے سامنے علماً اور عملاً واضح ہوگئے۔ [صفحہ:۲۱]

ایک شبہ کا جواب:

قادیانی لوگ عام طور پر دین سے بے خبر اور کم علم لوگوں کے ذہنوں میں ایک شبہ ڈالتے ہیں کہ جب نبوت اللہ کی نعمت اور رحمت ہے تو اس کو ختم نہیں ہونا چاہئے بلکہ جاری رہنا چاہئے۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسالت محمدی کی خاتمیت سے مراد یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی ایک نعمت جو انسانوں کو پہلے ملا کرتی تھی اب بند ہوگئی ہے، بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اب وہ نعمت جو پہلے تغیّر پذیر رہتی تھی، اب اپنے پورے کمال کے ساتھ نوع انسانی کے پاس ہمیشہ کیلئے موجود رہے گی، ختم نبوت سے کوئی نعمت ہم سے چھنی نہیں بلکہ دائمی طور پر حضور ﷺ کی نبوت سے مالا مال کر دئے گئے...... جس طرح سورج نکلنے کے بعد کسی چراغ کی ضرورت نہیں رہتی اس لیے نور آفتاب سے ہر در و دیوار روشن ہے، اسی طرح حضور آفتابِ رسالت ﷺ کے بعد نوعِ انسانی کسی اور چراغ نبوت کی محتاج نہیں، آپ کی رسالت ختم نہیں، آپ پر رسالت ختم ہے، یہ رسالت باقیہ ہے اب رسالت کا ملنا ختم ہے کیونکہ حضور ﷺ کے آفتاب رسالت کو کبھی غروب نہیں کہ نبوت کے کسی نئے طلوع کی ضرورت ہو، اب طلوع اسلام کی کوئی نئی دعوت نہ دی جاسکے گی۔'' [صفحہ:۲۱،۲۲] (دیکھیے:۴۰۸/۲۔[ادارہ])

اللہ اکبر: کتنے عام فہم انداز میں جھوٹے مدعی نبوت کے ماننے والوں کے شیطانی وار کو ایمانی پھونکوں سے اڑا دیا کہ ہمارے عقیدہ ختم نبوت کا مطلب جو تم لے رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ آقاء دو جہاں ﷺ کی نبوت اپنے کمال کو پہنچ کر پورے عالم پر بلکہ ''عالمین'' پر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ چھا کر قیامت تک کے لیے قائم ہو چکی ہے اور کسی ظلی، بروزی، عکسی، مثیلی نبی کی ضرورت اب نہیں ہے، جب ضرورت نہیں تو آنے کا سوال کیسے پیدا ہو؟

رسالت محمدی کی جامعیت ہر دائرۂ زندگی کو شامل ہے:

پھر آپ کی رسالت آپ کی دنیوی حیات تک محدود نہیں، ابدالآباد تک ہے اور انسانی زندگی کے ہر دائرہ کو شامل ہے، تبلیغ شریعت، تدبیر منزل، نظم ملت، قیام عدالت، تہذیب اخلاق، انتظام سلطنت اور ہر تقاضائے بشری کا حل اسی دائمی نبوت میں ملے گا، ان سب امور میں ہم حضور ﷺ کی تعلیمات کے دستِ نگر ہیں کسی اور وحی کے محتاج نہیں۔ [صفحہ:۲۳]

ایک اور شبہ کا جواب:

قادیانیوں کی طرف سے اکثر یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قرب قیامت میں نازل ہونگے اور دجال کو قتل کریں گے، ادھر کہتے ہو: نبوت ختم ہوگئی، آقا ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، ادھر عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ آنا مانتے ہو جو کہ نبی ہیں، اب یا تو ختم نبوت کا عقیدہ نہ رکھو یا نزول عیسیٰ کا انکار کرو۔ العیاذ باللہ۔

حضرت العلام اس کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اکابر علماء اسلام نے اس حدیث (کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) کے یہی معنی بتلائے ہیں کہ اب کسی کو نبوت نہ ملے گی، یہ نہیں کہ پہلی سب رسالتیں ختم ہوگئی ہیں، ہاں اب ان رسالتوں میں سے کسی کا حکم جاری اور نافذ نہیں، مفہوم ختم نبوت تقاضا کرتا ہے کہ پہلے پیغمبروں میں سے بھی کوئی آنکلے تو وہ اب آپ کی شریعت کے ماتحت ہوکر رہے۔ کیونکہ یہ دور دورِ محمدی ہے۔

یعنی جس طرح سورج کی موجودگی میں ستاروں کی روشنی نافذ نہیں ہوسکتی اس طرح نبوت کے ''سراج منیر'' ﷺ کے جلوہ گر ہونے کے بعد گذشتہ انبیاء جو کہ ''نجوم نبوت'' تھے ان کی نبوت اب نافذ نہیں ہوگی۔ صرف ایک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نہیں بالفرض اگر سارے انبیاء بھی تشریف لے آئیں تب آپ ہی کی نبوت اور آپ ہی کا سکہ چلے گا۔

نبوت ہے ازل سے ابد تک میرے پیمبر کی
کوئی بھی دَور ہو ہر دَور ان کا دَور ہوتا ہے

حضور ﷺ کی شانِ خاتمیت کے دو پہلو ہیں:

اول یہ کہ کسی قسم کا کوئی نیا نبی پیدا نہ ہو۔ دوم یہ کہ پہلوں میں سے کوئی آ جائے تو وہ آپ کے احکام کے تابع ہوکر رہے۔ جیسے معراج کی رات بیت المقدس میں تمام پہلے پیغمبروں نے حضورؐ کے ماتحت نماز ادا کی تھی اور آپ ہی امام الانبیاء تھے۔

پس ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں کہ خود نبوت ختم ہوگئی ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے باقی اور جاری ہے۔ ختم نبوت سے سے مراد یہ ہے کہ اب نبوت کا ملنا ختم ہے۔ خاتم النبیین ﷺ کے بعد اب کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔ پہلے سے کسی کو ملی ہو تو اس کی زندگی کا باقی رہنا حضور ﷺ کی نبوت سے متصادم نہیں، بشرطیکہ یہ پہلی نبوت اب نافذ نہ رہے، نہ اسکے احکام باقی سمجھے جائیں۔ [ص۲۲]

مطلب یہ کہ ''نئی نبوت'' کے ساتھ ''نیا نبی'' نہیں آسکتا، آپ ﷺ کے بعد اگر گذشتہ نبیوں میں سے کوئی نبی آجائے (جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تو اس سے نہ آپ کی نبوت میں فرق آئے گا ہے اور نہ ہی اس آنے والی نبی کی نبوت نافذ ہوگی۔

لکھ دیں گے اپنے خون سے بالفاظِ احمریں
بعد از رسولِ ہاشمی کوئی نبی نہیں ہے

تحفظ ختم نبوت کیلئے خدمات:

اس حوالے سے ان کی خدمات کیا تھیں؟ مولانا اقبال رنگونی مدظلہ، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا بلال احمد چنیوٹی، مولانا رضوان عزیز اور پروفیسر بشیر حسین حامد مرحوم کے مضامین میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

تحفظ ناموس صحابہ واھل بیتؓ:

اس حوالے سے اپنے تو جانتے ہیں، پرائے بھی معترف ہوں گے کہ حضرت العلامؒ کی ساری زندگی ان مقدس شخصیات

کی عزت وحرمت کے گرد پہرہ دینے میں گذری اور ان کے لیے علامہؒ کی ایک مخصوص اصطلاح تھی ''ہم نشینان پیغمبر''۔افسوس کہ اس راقم بے بضاعت کے پاس اتنا وقت نہیں (ادھر مجلّہ ''صفدر'' کی انتظامیہ کا مقرر کردہ وقت سر پر آن پہنچا ہے۔) ورنہ صحابہ کرام واہل بیت عظامؓ کے بارے میں حضرت کی گراں قدر کتب سے ''لعل و گوہر'' چن کر آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔اس موضوع پر حضرت کے قلم کی جولانیاں دیکھنی ہوں تو آپ کی کتب ملاحظہ فرمائیں خیالات کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی معطر شمامہ عنبر سیرت کی خوشبو سے دل دماغ کو تسکین وفرحت بھی ملے گی۔ان شاءاللہ العزیز

اہل حق کی خدمات ناموس صحابہ کے حوالے سے:

فرماتے ہیں: اہل حق ہمیشہ سے صحابہ کی عظمتوں کے گرد پہرہ دیتے آئے ہیں، جہاں کہیں کسی نے شک کا کوئی کانٹا لگایا اہل حق نے ان کے تزکیہ کی کھلی شہادت دی، جہاں کہیں تبرّا کی آواز اٹھی اہل حق تولا کی دعوت سے آگے بڑھے اور نفاق کے بت ایک ایک کر گرادیئے۔'' [ص: ۳۰]

رد عیسائیت میں خدمات:

آپؒ چونکہ انگلستان میں رہتے تھے اور وہاں اکثر عیسائی مذہب کے لوگ ہیں اس لیے ان سے بھی آپ کا بکثرت واسطہ پڑتا تھا،آپ نے ان کے بارے میں خوب لکھا ہے اور ان سے مناظرے ومباحثے بھی آپ کے ہوتے رہتے تھے،اس حوالہ سے مولانا رنگونی اور برادرم مولانا اسلم معاویہ کے مضامین میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔(دیکھیے: ۱/۱۷۸ـ۶۷ [ادارہ])

غرض یہ ہے کہ اللہ نے آپ سے احقاق حق اور ابطال باطل کی خوب خدمت لی ہے اندرونی و بیرونی ہمہ قسم کے فتنوں کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہمیشہ کامیابی سے ہم کنار ہوئے خصوصاً رفض ومرزائیت، رضاخانیت ومماتیت کو تو آپ نے چھٹی کا دودھ یاد دلایا۔مولا کریم آپکی تمام خدمات جلیلہ وجمیلہ کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبولیت کا شرف نصیب فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم کی پیروی نصیب فرمائے۔**اٰمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وصحبہٖ واتباعہٖ اجمعین**

یہ چند بے ربط قسم کی باتیں لکھ دیں فقط اس امید کے ساتھ کہ اللہ کے ایک مقبول بندے کے تذکرہ نگاروں میں اس رو سیاہ کا نام بھی آجائے اور کل قیامت کو ذریعۂ نجات بن جائے۔

احب الصالحین و لست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحا

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی قاسم محمود (۱)

کچھ یادداشتیں

ہر دور میں اللہ تعالیٰ چند ایسے افراد کو روئے زمین پر صرف اپنے دین کے پرچار کی خاطر پیدا فرماتے ہیں، جو اپنے علم و فن اور مشن میں بے مثال ہوتے ہیں، ان کی اس خداداد بے مثال کی صفات کو ہر صاحبِ علم و فن ماننے پر کبھی تو مجبور ہوتا ہے، اور کبھی دل و دماغ خود ہی بغیر دلیل اضافی کے ماننے لگتے ہیں۔

ایسے افراد معاشرے میں ایک فرد کی حیثیت سے زندہ نہیں ہوتے بلکہ خود میں ایک انجمن ہوتے ہیں، ان کو موسم اور تغیر زمانہ کی بھی کوئی خاصی فکر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ آنے والے حالات کے مطابق ان کو مزید آراستہ کر کے مضبوط کر دیتے ہیں۔

انہی بے مثال صفات کے حامل افراد میں سے ایک شخصیت جن کو دنیا علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے نام سے جانتی ہے، علامہ ڈاکٹر صاحب کی علمی قابلیت پر دلیل دینا ایسے ہی ہے، جیسے: سورج کو چراغ دکھانا۔ چند دن پہلے علامہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر ملی تو دل بہت رنجیدہ ہوا۔ اس پُرفتن دور میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالدؒ صاحب کا وجود ایک ایسے سائے کی طرح تھا کہ جس کی طلب ہر اس فرد کو رہتی ہے جو فتن کی تپش سے بچنا چاہتا ہے۔

میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بھی اس شجر سایہ دار کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ۱۰/ جنوری ۲۰۱۹ م بروز جمعرات استاذِ محترم حضرت الشیخ مولانا فضل الرحیم اشرفی دامت برکاتہم صحیح بخاری جلد اول کا سبق پڑھانے کے لیے آئے، اور اعلان کیا کہ حضرت علامہ ڈاکٹر صاحب تشریف لا چکے ہیں اور آپ کو مؤطا امام مالک کا سبق پڑھائیں گے، اس خوشی میں چار چاند اس وقت لگے جب حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب نے اپنے پہلے سبق میں یہ اعلان کیا کہ میں اس سال مؤطا امام مالک کے بعد بخاری شریف کا بھی کچھ حصہ پڑھاؤں گا۔ اس طرح حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب سے ہمیں بخاری شریف اور مؤطا امام مالکؒ دونوں اہم کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب کے پڑھانے کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ علامہ صاحب روزانہ ایک نیا مسئلہ بیان کرتے پھر اس مسئلہ کے استنباط میں روایات پر بحث فرماتے، مخاصم کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے احناف کے دلائل کو بیان کرتے اور ان پر نقلی و عقلی دلائل کا انبار لگا دیتے۔

حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب کے اسباق کی کچھ یادیں:

۱۳/ جنوری ۲۰۱۹ م مؤطا امام مالک کے سبق کے ابتداء میں حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب نے موجودہ دور میں ضعیف

---

(۱) فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

حدیث کے متعلق ایک بڑی غلطی جس میں تقریباً ہر کوئی مبتلا ہے، کہ ضعیف حدیث کو سنتے ہی ان کی طبیعت میں ایک تنفر سا پیدا ہو جاتا ہے، اوراس کو چھوڑنے کی بات کرتے ہیں، اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے دو مثالوں سے سمجھایا کہ یہ طرز عمل صحیح نہیں ہے۔

(۱)......فرمایا کہ آپ میری بات توجہ، خواہش اور محبت سے سن رہے ہیں کہ نہیں؟ طلباء: جی، (پھر فرمایا) میں ایک ضعیف آدمی ہوں، لیکن آپ میری بات توجہ سے سن رہیں کہ نہیں؟ طلباء: جی، (اس کے بعد فرمایا) اس سے پہلا سبق یہ ملا ہے کہ ضعیف سے نفرت نہ کرو، جوں ہی کسی حدیث کے بارے میں بات آجائے کہ ضعیف ہے تو ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوڑ دو، چھوڑ دو۔ لہٰذا لوگوں میں یہ بات پھیلا دو کہ ضعیف سے نفرت نہیں کرنی۔

(۲)......ایک تندرست آدمی ہے، ایک ضعیف آدمی ہے اور ایک مردہ، اب بتاؤ کہ ضعیف؛ مردہ کے قریب ہے یا کہ تندرست کے؟ طلبہ: تندرست کے قریب ہے، ضعیف آدمی اگر چہ تندرست کی طرح نہ سہی لیکن کھاتا پیتا تو ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث صحیح کے قریب ہے نہ کہ موضوع کے قریب ہے۔

کبھی کبھی حضرت علامہ صاحب اپنے مناظروں کی کارگزاری بھی سنایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مناظرے میں حالات کے مطابق بات کس طرح کرنی چاہیے، فرمانے لگے کہ ایک دفعہ (غالباً مرید کے میں) رفع الیدین کے موضوع پر مناظرہ تھا ان ہی دنوں پاکستان کے انڈیا کے ساتھ کچھ جنگی حالات بنے ہوئے تھے۔ جب میری باری آئی دلائل دینے کی، تو میں نے کہا کہ آدمی ہاتھ اس وقت اُٹھاتا ہے، جب وہ کہے کہ میری بس ہوگئی ہے پھر میں نے لوگوں کو کہا کہ: لوگو! دعا کرو کہ پاکستانی فوج انڈین فوج کے آگے رفع الیدین نہ کرے۔ (دیکھیے: ۱/۱۰۹۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی مسئلہ بیان کرو تو اسے فقہ اور حدیث کے مطابق بیان کرو، لیکن قرآن کی روشنی میں اس طرح بیان کرو کہ اس کی تائید میں فقہ اور حدیث کو لاؤ۔

ایک مرتبہ قرآن پاک کا مختصر سا ربط کچھ اس طرح بیان کیا، کہ برائی دو قسم کی ہیں: (۱) اعتقادی برائی اور (۲) معاشرے کی برائی، پھر فرمایا کہ اعتقادی کی برائیاں؛ یہود و نصاریٰ میں ہیں اور معاشرے کی برائیاں یا تو عورت کے گرد گھومتی ہیں یا دولت کے گرد۔ اگر اعتقاد کے فتنے سمجھنے ہوں تو سورۃ البقرہ و آل عمران کو پڑھو، (سورہ بقرہ میں یہود کے فتنوں کا اور آل عمران میں نصاریٰ کے فتنوں کا ذکر ہے) اور معاشرے کے فتنے سمجھنے ہوں تو سورۃ النساء والمائدہ کو پڑھو، (معاشرے کا مسئلہ یا تو عورت کے گرد ہے یا دولت کے گرد، عورت کے مسائل ہیں تو سورۃ النساء پڑھو، اور دولت کے مسائل ہیں تو سورۃ المائدہ پڑھو) اس سے آدھا قرآن آپ کو سمجھ آجائے گا، جب سورۃ المائدہ کو پڑھ لو گے تو قرآن کا درمیان آجائے گا، پھر سورۃ الاعراف ہے، ''اَعراف'' درمیانی مقام کو کہتے ہیں، جس کے دونوں طرف حصہ ہوتا ہے، اور اَعراف کے بعد پھر میدان میں نکل آؤ، جب میدان میں نکلو گے تو لڑنے کا بھی موقعہ آجائے گا، تو پھر "یسئلونك عن الأنفال" اور پھر سورۃ التوبہ، اب آپ زمین کے نہ رہے بلکہ آپ علم میں اُڑیں گے، تو پھر اگلی آیت: ﴿سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى﴾ اسی طرح آگے چلتے

جائیں، (پھر حضرت علامہ صاحب فرمانے لگے کہ) کافروں کو کافر کہنا کوئی برائی نہیں، کہہ دو: ﴿قل یا یها الکفرون﴾ جب کافر کہہ دیا تو پھر لڑائی ہوگی، لڑائی میں فتح ہوتی ہے یا پھر شکست ہوتی ہے، اس کے آگے بتا دیا کہ ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ کہ تمہاری فتح ہی فتح ہے، اور جب فتح ہوتی ہے تو کفر جب ذلیل ہوتا ہے، ﴿تبت یدا أبي لهب وتب﴾، کفر جب ذلیل ہوتا ہے تو پھر توحید کا جھنڈا اُونچا ہوتا ہے، ﴿قل هو الله أحد﴾، اب دعا کرو کہ کہیں نظر نہ لگے، ﴿قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس﴾۔

حضرت علامہ صاحبؒ ایک جہاں دیدہ شخص تھے، وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ ایک کامیاب ادارہ کیسے بنتا ہے، ایک بار انہوں نے اسی موضوع پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع جملہ ارشاد فرمایا کہ ادارے کی کامیابی اس کے سربراہ کے اخلاص پر منحصر ہے، اور ادارے کے ساتھ اس کے سربراہ کا اخلاص اس بات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اگر اس نے اپنے سے قابل افراد کو ادارے میں رکھا ہوا ہے تو وہ اس ادارے کے ساتھ مخلص ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کا سکہ چلنا بند ہو جائے۔

معزز قارئین کرام یہ مذکورہ بالا ملفوظات حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ صاحب کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے آپ حضرات کے گوش گزار کیے گئے، اللہ تعالی اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور حضرت علامہ ڈاکٹرؒ صاحب کے درجات کو بلند فرمائیں۔ آمین ثم آمین

ابوسفیر خیر الامین قاسمی مردان

بحر العلوم

هیهات لایاتی الزمان بمثله

ان الزمان بمثله لبخیل

علامہ صاحبؒ کی عظمت اس وقت دل میں بیٹھ گئی تھی جب میں درجہ ثانیہ میں زیر تعلیم تھا، خاندان میں عقیدہ حیات النبی پر بحث چل پڑی، وجہ اس کی یہ تھی کہ بندہ عاجز کے ایک ماموں غالی قسم کے مماتی ہیں، بلکہ آج کل وہ جماعت المسلمین کے نظریات پر کاربند ہیں۔ انھوں نے آئے دن یہ کہنا شروع کیا کہ عقیدہ حیات النبی شرک ہے اور اس کے ماننے والے مشرک اور ابوجہل کی اولاد ہیں۔ مسئلہ ہمارے گھر تک پہنچا، حتی کہ عید الفطر کے دن بھی ہمارے گھر میں یہ بحث چل پڑی، مجبوراً میں نے اس مسئلے کے بارے میں اپنے استاذِ محترم سے راہنمائی حاصل کی، استاجی فرمانے لگے کہ: اس مسئلہ پر سب سے محقق کتاب امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے لکھی ہے، جس کا نام تسکین الصدور ہے، آپ اس کا مطالعہ کریں، چھٹی ہونے پر سیدھا مکتبہ پہنچا اور تسکین الصدور خرید کر گھر لے آیا، بسم اللہ پڑھ کے مطالعہ شروع کیا، بالکل ابتدائی صفحات میں حضرت امام اہل سنتؒ نے حضرت علامہ خالد محمودؒ کے حوالے سے ایک بات تحریر فرمائی ہے:

''ان میں سے بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ مدلل اور بہترین کتاب مقام حیات لکھ کر اہل علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے ۔ اس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور ان سے طرز استدلال میں تو علمی اور تحقیقی طور پر اختلاف ہوسکتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ [تسکین الصدور: ۷، طبع پانزدہم]

جب میں نے یہ جملہ پڑھا تو دل میں حضرت علامہ صاحبؒ کی عقیدت پیدا ہوگئی کہ یہ کیسی شخصیت ہوگی جن کی کتاب سے امام اہل سنت شیخ صفدرؒ جیسی شخصیت استفادہ کررہی ہے۔

اسی طرح استاذ المناظرین مولانا محمد اسماعیل محمدی صاحبؒ سے دوران درس ایک جملہ سنا کہ: ''ہمارے متاخرین اکابر اہل سنت دیوبند میں سے چار شخصیات ایسی ہیں کہ ان کی کتب سے علم کے سمندر بہہ رہے ہیں۔ اور وہ شخصیات یہ ہیں: امام اہل سنت شیخ سرفراز خان صفدرؒ، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، امین ملت حضرت علامہ امین صفدر اوکاڑویؒ اور بحر العلوم سلطان المحققین حضرت علامہ خالد محمودؒ'' پھر محمدی صاحبؒ نے ''مقام حیات'' کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ صاحب کی چند کتب کے نام لئے، جو الحمد للہ بندہ عاجز کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ اور اکثر کا مطالعہ کئی بار کرچکا ہوں۔

عقیدہ حیات النبی کے موضوع پر مطالعے سے خوب دلچسپی پیدا ہوئی، چنانچہ اپنی مسلکی کتب اور مماتیوں کی مختلف کتب ورسائل کا مطالعہ شروع کیا، مماتیت کی طرف سے ایک اشکال درپیش تھا، جو بہت سے علمائے کرام کے سامنے رکھا، لیکن ہر ایک جواب کو تاویل بنا کر پیش کیا جس سے مجھے اطمینان قلب نصیب نہیں ہوا، آخر علامہ صاحب کا جواب پڑھنے کو ملا اور میرے دل سے بے اختیار دعا نکلنے لگی۔ اور اپنے رب کا شکر ادا کیا کہ ایسے اکابر کے ساتھ وابستہ کیا ہے جنہوں نے اہل باطل کے ہر اعتراض کا جواب دے دیا ہے، اور اہل بدعت کو ناکوں چنے چبوائے ہیں۔

مماتیت کا اشکال اور علامہ صاحبؒ کا جواب:

آنحضرت ﷺ نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور پھر چھٹے آسمان پر بھی دیکھا۔ اور باقی انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں اور آسمانوں پر دیکھا کیا سب جگہوں پر جسمانی حیات کے ساتھ زندہ تھے؟ کیا اپنی قبریں شق کر کے نکلے تھے؟

حضرت علامہ صاحب کا جواب:

''بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلی میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا قرین قیاس ہے۔ تو پھر دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قرین قیاس نہیں، پھر حضرت عیسیٰ کا اسی جسد عنصری کے ساتھ ملاء اعلی میں پہنچنا اگر محال نہیں تو باقی انبیاء کرام کا اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقول تو یہاں پر بھی موجود ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اسی رات انبیاء کرام کا اصل اجساد عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلی اور ایسا ''**اذا القبور بعثرت**'' سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ تو جواباً عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰؑ کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب وسنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں جن میں ان کا آنا قیامت میں مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب وسنت میں ان کی جس آمد کی خبر کی گئی ہے وہ آمد اصلاح احوال اس زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے **اذا القبور بعثرت** وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے وہ وہ ہے جو حساب کتاب اور حشر کے لئے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء کرامؑ کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔'' [**لطمة الحق** :۳۹۹۔ ضمن **القول المعتبر فی حیاۃ خیر البشر**، مولانا عبدالجبار سلفی] (دیکھیے: ۱/۹۸......۱/۲۰۳......۱/۲۷۹......۱/۶۲۹......۱/۶۶۵......۱/۷۰۷۔ [ادارہ])

اسی طرح آج کل اہل بدعت غیر مقلدین نے مسئلہ ذات وصفات باری تعالی خصوصاً استویٰ علی العرش میں اتنا غلو کیا ہے کہ بالکل مجسمہ فرقے جیسے نظریات اپنا لیے ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس حوالے سے بھی کافی کچھ مواد چھوڑا ہے۔

اگر ہم اس حوالے سے حضرت علامہ صاحبؒ کے مضامین سے استفادہ کریں تو لامذہب کبھی بھی ان مسائل میں دھوکہ میں نہیں ڈال سکتے۔

غیر مقلدین عام طور پر کہتے ہیں کہ ہم صفات کو ظاہری معنی میں لیتے ہیں لیکن ان صفات متشابہات کی کیفیت مجہول ہے۔ لہٰذا ہم میں اور فرقہ مجسمہ میں کافی فرق ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''ان چار معانی سے اللہ تعالی کے استوء علی العرش کی وضاحت کی جارہی ہے، یہ کہنا کہ وہ عرش پر چڑھ گیا یا اس سے جم گیا کیا آیات صفات کی تشریح نہیں؟ پھر اس بات کے کیا معنی رہ گئے کہ کیفیت مجہول ہے؟ جب انہوں نے ظاہری معنی مراد لئے اور ان معنی سے یہ الفاظ ہمیشہ اجسام کے لئے استعمال ہوتے آئے تو کیا اب بھی ان میں اور مجسمہ کے عقیدہ میں کوئی فرق رہ جاتا ہے؟ کیا پھر بھی کیفیت مجہول رہی؟ جب یہ لوگ ظاہری معنی پر بلا تاویل جمے ہوئے ہیں تو اب ان کا کہنا کہ کیفیت مجہول ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔'' [عبقات: ۲۹/۲]

اسی طرح باری تعالی کے لیے جو معیت نصوص میں آیا ہے وہ معیت ذاتی ہے یا معیت علمی ہے، اس پر کافی مواد عبقات جلد دوم میں موجود ہے۔ اور آج کل تو معاملہ ایں جا رسید ہے کہ اہل حق (علمائے اہل سنت دیوبند) کے ابناء میں یہ مسئلہ مناظرے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ اور اجتماعی ذکر کی مجالس:

اجتماعی ذکر کی مجالس کے حوالے حضرت علامہ صاحبؒ کی رائے کے لیے آثار الاحسان جلد اول [ص: ۳۶۰،۳۶۱] دیکھیے۔ جس میں انھوں اثر ابن مسعودؓ اور فقہ حنفی کی کتب کثیرہ سے استدلال کرتے ہوئے ان مجالس کو ممنوع قرار دیا۔ جو حضرات سنی دیوبندی کہلوانے کے باوجود ان مجالس کا اہتمام والتزام اور ان کے لئے تداعی کرتے ہیں، ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے اکابر کا موقف سمجھیں اور وہی اپنائیں۔ البرکۃ مع الاکابر۔ (دیکھیے: ۳۳۳/۲......۵۳۵/۲......۴۱/۲ ۷۔ [ادارہ])

تقسیم خلافت اور علامہ صاحب کی تنبیہ:

حضرت علامہ صاحبؒ ساتویں بدعت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ:

''خلافت کی عام تقسیم''۔ کسی کو اپنا خلیفہ بنانا درحقیقت اسے اپنی نیابت پر لانا ہے اور یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ جس کو خلافت دی جارہی ہے، اگر وہ اس منصب کا اہل ہے تو یہ نیکی بھی ہے، اور ارشاد کا دائرہ عمل بھی، اور نا اہل کو منصب خلافت پر لانا بدی بھی ہے اور فتنہ کا دخل بھی۔ صوفیہ کرام کے ہاں خلافت اہل کو دی جاتی ہے یا پھر کسی کی اصلاح وہدایت اور اسے برائی سے نیکی پر لانے کے لئے دی جاتی ہے۔ یہ ایک حکیمانہ طرز عمل ہے، صوفیہ کرام نے کبھی کسی کو خلافت اس لئے نہیں دی کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اس شیخ کی گیت گاتے رہیں اور لوگوں کو کھینچ کھینچ کر اس کے قدموں پر لاتے رہیں۔ یا دوسرے مشائخ کے حلقہ اثر کو گھٹانے یا مٹانے کے لئے محنت کرتے رہیں۔ جو پیر محض اپنے حلقہ اثر کو بڑھانے کے لیے خلافتوں کی عام تقسیم کرتا ہے وہ اس سلسلے میں بدعت کو جنم دیتا ہے۔ سلسلے کو آگے بڑھانا ہرگز طریقت میں مطلوب نہیں۔ اس کی نظر حق تبلیغ پر ہونی چاہیے، گو وہ دوسرے شیخ

طریقت کے حلقے میں ہو۔'' [آثار الاحسان: ۱/۴۵۰]

آج کل جو اہل حق کہلوانے والوں کے ہاں سالانہ خلافتوں کی دستار بندی ہوتی ہے، دو سال پورا ہونے پر خلافت دی جاتی ہے، چاہے اصلاح ہوئی ہے یا نہ، وہ حضرات حضرت علامہ صاحبؒ کی اس نصیحت پر عمل کریں اور خدا کے لئے اس پاک محنت میں بدعات کو داخل نہ ہونے دیں۔ تصوف تو قال کا نام نہیں ہے کہ دو اڑھائی سال میں وہ اَوراد اور اشغال کے نام یاد کرتے ہیں، مخصوص اصطلاحات یاد کرتے ہیں اور پھر خلافت حاصل کر کے اجتماعی مجالس ذکر شروع کر کے اپنی خانقاہ بناتے ہیں۔ ماضی قریب کے اکابر اہل سنت دیوبند کے احوال پر نظر رکھیں جنھوں نے ہزاروں بلکہ بعض نے لاکھوں مریدین کے باوجود چند گنے چنے افراد کو خلافت دی، یعنی صرف ان کو دی جو واقعی اہل تھے۔ حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا نمونہ ہمارے لیے واجب التقلید ہے۔

بہرحال حضرت علامہ صاحبؒ ہرفن مولا تھے۔ مختلف جہات سے انہوں نے دفاع دین کا کام کیا ہے۔ ساری زندگی اسی میں گزاری اور آخر میں **قبرہ روضة من ریاض الجنه** میں **الی یوم البعث والنشور** کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ اللہ پاک حضرت کے بلند درجات نصیب فرمائے اور حضرت کے روحانی وجسمانی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

منصور الحق، ساہیوال

چند منتشر یادیں اور باتیں

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نابغہ روزگار عالم، جامع صفات وکمالات اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک یاد رکھے جاتے ہیں۔ اپنے علم وفضل کی جامعیت کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز اور منفرد تھے۔ وسعت مطالعہ، قوت حافظہ اور علوم اسلامیہ پر کمال درجے کی دسترس اور مہارت تامہ کے باعث اہل علم کے طبقہ میں سب سے فائق تھے۔ حضرت علامہ مرحوم حقیقی معنوں میں عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے بارے میں جو بات علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمائی تھی کہ سید صاحب علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کے فرہاد ہیں، یہ بات اس دور میں علامہ خالد محمودؒ کے بارے میں صادق آتی تھی۔ حضرت علامہ صاحب کی شہرت تو ایک مناظر کے طور پر تھی مگر حقیقت میں ان کی علمی اور دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ایک طرف تحقیق وتصنیف اور درس وتدریس حضرت کا میدان تھا تو دوسری طرف مناظرے کے میدان میں پوری دنیا میں تحفظ عقائد اسلامیہ کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ درس قرآن اور وعظ ونصیحت کے ذریعے عوام کے عقائد ونظریات کی اصلاح فرمائی۔ وہ مفسروں میں مفسر، محدثوں میں محدث، فقیہوں میں فقیہ، مناظروں میں مناظر اور علوم سلوک واحسان کے شناور تھے۔ علوم اسلامیہ میں سے جس موضوع پر بھی حضرت علامہ صاحب نے قلم اٹھایا اسی میدان کے امام نظر آئے۔ آپ بلاشبہ علم وتحقیق کے میدان کے گنج ہائے گراں مایہ اور چمنستان علم کے گل سرسبد تھے۔ اسلامی عقائد کے معاملے میں حضرت علامہ انتہائی حساس اور بیدار مغز عالم تھے اور اس معاملے میں کسی مداہنت یا رواداری کے قائل نہیں تھے۔ فتنوں کے اس دور میں ایسے علماء کا وجود امت کے لیے بہت بڑی خیر کا باعث ہوتا ہے اور نہ جانے کتنے فتنوں کے لیے رکاوٹ بنا ہوتا ہے، اس لیے علامہ خالد محمودؒ کا رخصت ہو جانا ملت اسلامیہ کے لیے عظیم نقصان ہے۔

بندہ کی حضرت علامہ خالد محمودؒ سے پہلی ملاقات ۲۰۰۴ء میں ہوئی تھی جب وہ ساہیوال تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس ملاقات کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ بندہ جن دنوں کالج کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، انہی دنوں میں علماء کرام کے ساتھ ایک تعلق بنا، علماء کے پاس جانا اور ان کی مجالس میں بیٹھنا شروع کیا تو بعض جاننے والے بریلویوں سے میرا علماء اہل سنت دیوبند سے یہ تعلق برداشت نہ ہو سکا، چنانچہ انہوں نے اکابر علمائے اہل سنت دیوبند کی بعض عبارات کو لے کر شکوک وشبہات میرے ذہن میں ڈالنا شروع کر دیے۔ ان عبارات کے حوالے سے مجھے زیادہ علم نہیں تھا، اس لیے ایسی عبارات دیکھ کر بہت زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ ہمارے محلے کے ایک بزرگ حاجی محمد عالم رحمہ اللہ حضرت علامہ صاحب کے دوست تھے۔ حاجی صاحب نے زندگی کا بڑا حصہ برطانیہ میں گزارا، اکابرین اہل سنت دیوبند سے عشق کے درجہ میں محبت اور عقیدت رکھتے تھے، پاک وہند سے بڑے بڑے

اہل علم جب وہاں برطانیہ تشریف لے جاتے تو حاجی صاحب ان کے میزبان ہوتے تھے۔ حضرت حاجی عالم صاحب کی علامہ صاحب سے بہت گہری دوستی تھی۔ علامہ صاحب جب بھی ساہیوال تشریف لاتے تو کئی مرتبہ قیام حاجی صاحب کے گھر پر ہوتا۔ بندہ نے ایک دن حضرت حاجی عالم صاحب سے اس بات کا تذکرہ کیا کہ علمائے اہل سنت دیوبند کے حوالے سے بریلوی حضرات بعض ایسی عبارات پیش کرتے ہیں جنکے بارے میں ان کا دعوی ہوتا ہے یہ گستاخانہ عبارات ہیں اور علمائے دیوبند نے یہ عبارات اپنی کتب میں لکھی ہیں۔ حاجی عالم صاحب نے فرمایا کہ حضرت علامہ صاحب چند دنوں میں ساہیوال تشریف لا رہے ہیں، ان سے ملاقات کر کے اپنے سوالات حضرت کے سامنے رکھنا۔ چند دن بعد حضرت علامہ صاحب ساہیوال تشریف لائے اور قیام حاجی عالم صاحب کے گھر پر تھا، بندہ نے وہاں پہلی مرتبہ حضرت علامہ صاحب کی زیارت کی اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس پہلی ملاقات میں بندہ نے بریلویوں کی جانب سے اٹھائے گئے سوالات حضرت علامہ صاحب کے سامنے رکھے جن کے حضرت نے تشفی بخش جوابات عنایات فرمائے۔ ایک سوال جو حضرت علامہ صاحب سے بندہ نے پوچھا کہ بریلوی حضرت تھانویؒ کے بارے میں یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ قادیانیوں کے بارے میں نرم موقف رکھتے تھے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے ایک ہزار سے زائد کتب لکھیں مگر قادیانی فتنہ کے رد پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ میری بات سن کر حضرت علامہ صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ حوالے نوٹ کرو۔ حضرت نے جو حوالے نوٹ کروائے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ''**اکفار الملحدین**'' میں قادیانیوں کے کفر پر دلائل جمع کیے گئے ہیں اور اس کتاب کی تائید حضرت تھانویؒ نے فرمائی اور اس پر تقریظ بھی لکھی۔

۲۔ حضرت تھانویؒ کے مجموعہ فتاویٰ ''امداد الفتاویٰ'' کی جلد ۲ رمیں قادیانیوں کے کفر پر فتویٰ موجود ہے۔

۳۔ حضرت تھانویؒ نے فتنہ قادیانیت کے رد پر مستقل رسالہ ''**الخطاب المليح فى تحقيق المهدى والمسيح**'' کے نام سے لکھا ہے۔

یہ حوالے لکھوانے کے بعد حضرت فرمانے لگے اتنا کافی ہے یا اور حوالے لکھوا دوں؟ بندہ نے عرض کیا کہ یہی کافی ہیں۔ حضرت علامہ صاحب سے بندہ کی یہ پہلی ملاقات تھی، حضرت کے تصنیفی کام سے واقفیت بالکل نہیں تھی۔ بندہ نے حضرت سے ان کے تصنیفی کام کی تفصیل سے متعلق استفسار کیا۔ حضرت نے اپنے تصنیفی کام کی تفصیل بتانے کے بعد فرمایا کہ میں نے قرآن، حدیث، فقہ اور سلوک واحسان کے موضوع پر ۸ رجلد میں ایک نصاب تیار کیا ہے، اس نصاب کا مطالعہ کر کے سکول اور کالج کے وہ نوجوان جو علماء اور دین سے قریب ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے علماء کی باتیں سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ لاہور واپس پہنچ کر **آثار التنزیل، آثار الحدیث** اور **آثار التشریع** کا سیٹ بندہ کے لیے بھیج دیں گے، چند دن کے بعد وہ سیٹ حضرت نے بھیج دیا اور اس کے ساتھ رد بدعت کے موضوع پر ایک بہترین کتاب ''**بدعت اور اہل بدعت**'' بھی عنایت فرمائی۔ اسی ملاقات میں حضرت علامہ صاحب نے اپنی تصنیفی کام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل وہ ایک نئی کتاب ''تجلیات

آفتاب“ پر کام کر رہے ہیں۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کا پس منظر بھی حضرتؒ نے بیان فرمایا۔ چند سال بعد حضرت علامہ صاحب سے ہی معلوم ہوا کہ تقریباً ۱۵۰۰ رصفحات پر مشتمل ”تجلیات آفتاب“ دو جلدوں میں مکمل ہوگئی ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ صاحب کا ایک عظیم علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس کتاب کو حضرت علامہ صاحب نے جب لکھنا شروع کیا تھا تو اس وقت عمر ۸۰ر سال سے متجاوز تھی۔ مگر اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا تحریر کے عمدہ طرز استدلال اور کثرت دلائل کی وجہ سے کسی جگہ بھی یہ محسوس نہ کر سکے گا کہ یہ عظیم علمی کارنامہ ایک کہنہ سال عالم کے ہاتھوں سرانجام پایا ہے۔ (دیکھیے: ۱/۹۹......۲/۱۸۷......۲/۵۰۰۔ [ادارہ])

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ انور شاہ کشمیری کے قوت حافظہ، علمی گہرائی و گیرائی اور علم و تحقیق کے تذکرے علماء سے بار بار سننے کو ملتے رہتے ہیں۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے علمی و تحقیقی کام اور مقام کا تعارف ہوا اور حضرت کی مجالس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی تو وہ واقعات جو متذکرہ عبقری شخصیات کے بارے میں سنے یا پڑھے تھے ان کی ایک جھلک دیکھنے کو مل گئی۔ حضرت علامہ صاحب ایک چلتا پھرتا کتب خانہ تھے کسی بھی علمی موضوع پر جب بات کرتے یا لکھتے تو معلومات کا دریا بہا دیتے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کتابیں حضرت کے سامنے کھلی پڑی ہیں اور وہ دیکھ کر حوالے بیان کرتے جا رہے ہیں، لمبی لمبی عبارات زبانی سناتے جا رہے ہیں، یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ بڑھاپے کی آخری منزل پر پہنچ چکے تھے، عمر ۸۰ر سال سے متجاوز تھی، بڑھاپے میں بھی ایسا شاندار حافظہ تھا تو نجانے جوانی میں حافظے کا حال کیا ہوگا۔ خالی حافظہ کمال نہیں، کمال تو وہ نکات اور نتائج تھے جو چند لمحوں میں اپنی معلومات کے وسیع ذخائر سے اخذ کر لیا کرتے تھے، کمال وہ علم و تحقیق کے موتی تھے جو چند لمحوں میں اپنی معلومات کے گہرے سمندر سے نکال کر پیش کر دیتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کے جتنے بھی بیانات سننے کا موقع ملا وہ سب اس وقت کے ہیں جب حضرت کی عمر ۸۰ر سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ اور اکثر بیانات ایک گھنٹے سے اوپر کے ہیں کئی بیانات کا دورانیہ دو گھنٹے تک کا بھی ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ نوجوان علماء مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم سے تو ایک گھنٹہ کا بیان بھی مشکل سے ہوتا ہے آپ اتنے لمبے بیانات کیسے کر لیتے ہیں؟ حضرت علامہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں نہیں بولتا میرا ایمان بولتا ہے۔ آخری عمر میں تقریباً ہر سال حضرت کا قیام چند ہفتوں کے لیے لاہور میں ہوتا۔ دوران قیام آپ جامعہ اشرفیہ میں مؤطا امام مالک یا بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ ان دروس کو سننے والے کسی شخص کے لیے اندازہ لگانا مشکل ہوتا تھا کہ حضرت علامہ صاحب کی عمر ۹۰ر سال سے متجاوز ہے۔ احادیث کی شرح کرتے ہوئے علم و حکمت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے یوں محسوس ہوتا کہ علم و حکمت کا ایک سمندر ہے جو جوش میں آیا ہوا ہے اور سننے والوں کی جھولیاں علم و حکمت کے موتیوں سے بھرنے کو بے چین ہیں۔ حضرت کا انداز بیاں ایک آبشار کی طرح ہوتا جو ایک خاص لَے میں اپنی بات سننے والے کے دل و دماغ میں اتار کر اس کی پیاس بجھا دیتا۔

حضرت کی خاص بات یہ تھی کہ وہ سوال کرنے والے کو غور سے سنتے، اور چند جملوں میں اسکو جواب دے کر مطمئن کر دیتے۔ کوہ ہمالیہ جیسا علمی قد رکھتے ہوئے بھی اپنے سامعین پر علمی رعب نہیں ڈالتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب مطالعہ کی بہت

ترغیب دیتے تھے۔ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ:

''اہل سنت نے بھی ایک غلط عقیدہ بنالیا ہے کہ مطالعہ نہیں کرنا۔جلسوں اور تقریروں کے لیے تو وقت نکال لیتے ہیں، واہ واہ بھی خوب کر لیتے ہیں مگر مطالعہ نہیں کرتے ،اللہ تعالی نے پہلی وحی جو غار میں اتاری اس کا نام ہی **اقرأ** تھا کہ پڑھو، ہمارے دین کا آغاز ہی اسی بات سے ہوا کہ پڑھو۔اللہ تعالی قرآن پاک کا آغاز اسی بات سے فرمارہے ہیں کہ **اقرأ** پڑھو مگر ہمارے لوگ پڑھتے نہیں۔''

حضرت علامہ صاحب نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا۔علامہ صاحب کی کتب اپنے زور استدلال اور حوالہ جات کی کثرت کے باعث محققین کے لیے نہایت اہمیت کی حامل ہیں، کئی کئی صفحات کا نچوڑ چند جملوں میں سمو دینا حضرت کا ہی کمال تھا۔حضرت کی کتب کا مطالعہ کرنے سے دل و دماغ پر علم و تحقیق کے نئے دریچے وا ہونے لگتے ہیں۔علامہ صاحب کی کتب کی شان جامعیت یہ ہے کہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد مرتب کی گئی ہیں، تحریرات میں دیے گئے حوالہ جات کی کثرت پڑھنے والے کے لیے تحقیق کے نئے زاویے سامنے لاتی ہے۔کسی بھی کتاب کو شروع سے آخر تک اٹھا کر دیکھ لیں، مغز ہی مغز ملے گا، پوست شاید کہیں بھی نظر نہ آئے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے محاذ پر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ختم نبوت کی تحریک ہو یا قانون کی جنگ، مناظرے کا میدان ہو یا تصنیف و تالیف کا، حضرت علامہ صاحب نے ہر محاذ پر اپنی خدمات پیش کیں۔یہ بات بندہ نے خود حضرت علامہ صاحب سے سنی کہ ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک کے دور میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے حکم پر علامہ صاحب نے کتاب ''**عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت**'' تصنیف کی تھی۔یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود ضخیم کتب پر بھاری ہے۔اس کے مضامین نہایت وقیع ہیں۔(دیکھیے: ۱/۲۰۷......۱/۲۴۶......۱/۴۰۸۔[ادارہ])

ہمایوں بادشادہ نے جب ایران کے صفوی حکمرانوں کی مدد سے برصغیر میں دوبارہ حکومت حاصل کی تب سے ہندوستان میں شیعت نے ڈیرے ڈالنے شروع کیے۔یہاں کی مسلمان آبادی جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و نظریات کی پابند تھی، جہانگیر کے دور میں نور جہاں کی وجہ سے یہاں شیعیت نے سر اٹھانا شروع کیا، روافض کے عقائد کا پرچار ہونے لگا۔رفض کے راستے میں بند باندھنے کے لیے امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ اور انکے خلفاء نے بہت محنتیں کیں۔جس مشن کو امام ربانیؒ نے شروع کیا بعد میں حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ نے اس کی آبیاری کی، اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے شاہ عبد العزیزؒ اور ان کے عظیم شاگردوں نے علماء کا ایک قافلہ تیار کیا۔تاریخ کے اوراق اٹھا کر دیکھ لیں علمائے اہل سنت دیوبند اور علمائے فرنگی محل لکھنو اسی مشن پر گامزن نظر آئیں گے۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسی مشن پر چلتے ہوئے رد رفض اور دفاع و عظمت صحابہؓ کی صدائیں بلند کیں۔حضرت علامہ صاحب نے علمائے اہل سنت دیوبند کی اس محاذ پر خدمات کا تذکرہ اپنی کتاب ''خلفائے راشدین [جلد اول: ۲۴] میں کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے اس مشن پر علمائے فرنگی محل لکھنو گامزن نظر آتے ہیں۔اسی قافلے کے سب سے

اہم رکن رکین علامہ عبدالشکور لکھنویؒ تھے، جو دفاع صحابہؓ اور رد رفض کے مشن پر اپنے معاصرین میں سب سے فائق نظر آتے ہیں، اللہ تعالی نے علامہ لکھنویؒ اوران کے شاگردوں سے وہ عظیم کام لیا کہ ان کی خدمات پوری ایک صدی پر محیط ہیں اور بعد میں اس مشن پر کام کرنے والے علامہ لکھنویؒ کی خدمات سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔ علامہ عبدالشکور لکھنویؒ کی اس مشن پر عظیم خدمات اور علمائے دیوبند کی ان کے ساتھ وابستگی کو علامہ صاحب نے اپنی کتاب ''خلفائے راشدین'' [۲۱/۱] میں والہانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی شخصیت مجمع البحرین تھی ہوئی۔ ایک تو اس طرح سے کہ علمائے اہل سنت دیوبند اور علمائے فرنگی محل لکھنو کی دفاع صحابہؓ پر خدمات کے دونوں دھارے حضرت علامہ صاحب میں جمع ہو گئے تھے اور دوسرے یہ کہ علمائے دیوبند کے تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور دفاع صحابہؓ کے مشن کے دونوں دھارے بھی حضرت علامہ صاحب میں جمع ہو گئے۔ علامہ صاحب کی خدمات کا مطالعہ کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کی پوری زندگی کا بڑا حصہ ان دو محاذوں پر گذرا۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ اور امام شاہ ولی اللہؒ نے جس عظیم مشن کی بنیاد رکھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی سلطان العلماء علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تھے، جس قافلے کے رہبر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ تھے حضرت علامہ صاحب اسی قافلے کے راہرو اور اسی مشن کے امین تھے۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے تنظیم اہل سنت سے وابستہ ہو کر تحفظ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، تحفظ عقیدہ ختم نبوت، تحفظ ناموس صحابہؓ اور رد رفض وبدعت کے موضوع پر شاندار خدمات سرانجام دیں۔ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے پنجاب کے بعض علاقوں میں رفض کی ظلمتیں ہر طرف پھیل چکی تھیں، تنظیم اہل سنت نے ان ظلمتوں کے دور میں روشنی کے چراغ جلائے، اصلاح عقائد پر شاندار محنت کی، عوام کے دلوں میں عظمت صحابہ کو راسخ کیا، روافض کے گمراہ کن عقائد کی حقیقت کھول کھول کر بیان کی۔ اس عظیم تنظیم کی بنیاد کن بزرگوں کے مشورہ سے، کن حالات میں رکھی گئی اور اسکا مقصد کیا تھا؟ حضرت علامہ صاحب نے اس کی تفصیل عبقات جلد اول میں بیان فرمائی ہے۔

تنظیم اہل سنت نے تحفظ عقائد اہل سنت اور باطل عقائد کے رد کے لیے ایک وقیع مجلّہ ہفت روزہ ''دعوت'' جاری کیا جسکی سرپرستی کے فرائض حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے انجام دیے۔ سنجیدہ اور ٹھوس علمی و تحقیقی مضامین اس مجلّہ کی خاصیت رہی۔ اس مجلّہ کا ایک اہم اور مقبول ترین سلسلہ باب الاستفسارات تھا جو کہ علامہ خالد محمودؒ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہوتے۔ حضرت علامہ صاحب کی سرپرستی نے بہت تھوڑے عرصہ میں ہفت روزہ دعوت کو شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیا۔ علمی حلقوں میں اس کی بہت زیادہ پذیرائی ہوئی۔ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح میں اس مجلّہ کا بہت اہم کردار رہا۔ ہفت روزہ دعوت کا علمی مقام اہل علم حضرات کے ہاں کیا تھا، اس کے لیے ہمارا دوسرا مضمون ''علامہ صاحب اکابر کی نظر میں!'' ملاحظہ فرمائیں۔ (دیکھیے: ۵۳/۱۔ [ادارہ])

''ہم سا کوئی نہیں'' سے احتراز:

اب ایک رواج ہو چلا ہے کہ جو شخص دین کے کسی میدان میں محنت کرتا ہے اس کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ آج سے پہلے کسی

نے اس انداز سے محنت نہیں کی، چودہ صدیوں سے امت میں ایسے علماء پیدا نہیں ہوئے جو دین کی محنت اس شاندار انداز میں کرتے، حضرت علامہ صاحبؒ نے بیک وقت بہت سے محاذوں پر دین کی محنت کی، دشمنان اسلام کو چاروں شانے چت کیا، مگر ساری عمر کبھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ جو کام وہ کررہے ہیں وہ آج سے قبل کسی نے نہیں کیا، بلکہ حضرت علامہ صاحب چودہ صدیوں کے علمائے امت کا تذکرہ خاص طور پر بار بار انتہائی شاندار انداز میں کرتے اور فرماتے کہ جو کام ہم کررہے ہیں یہ وہی ہے جو پہلے سے علمائے امت کرتے رہے ہیں۔ دفاع ناموس صحابہؓ کے مشن پر اپنے کام کا تعارف کرواتے ہوئے علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''ہم نے خود اپنی راہیں تلاش نہیں کیں اور نہ کرنی ہیں، ہمیں اس لائن پر لگایا گیا ہے، اور یہ لائن پہلے سے چلی آرہی ہے۔ ہم اسی لائن پر چلنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم لوگ پہلے اپنے بڑوں کو پہچانیں، دو شخص ہمارے امام ہیں جن کے علم پر الحمدللہ مجھے پورا اعتماد ہے، ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اور دوسرے شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ پہلے لوگوں میں سے یہ دو حضرات ہیں جن کا مثل آسمان نے نہیں دیکھا اور ان حضرات نے اصولی درجے میں نبی علیہ السلام کی امت کو بتایا کہ صحابہؓ کا مقام کیا ہے؟ ان کی خلافت کا نظام کن اصولوں پر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے پہلے وکیل اس انداز (دفاع صحابہؓ) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہیں جنہوں نے **منہاج السنہ** لکھی اسی وجہ سے ان کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے، اور دوسرے وکیل ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں جنہوں نے **ازلۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء** لکھی۔''

فہم امت کے تسلسل سے وابستگی ضروری ہے:

حضرت علامہ صاحبؒ کی خاصیت یہ تھی کہ وہ اس اصول پر نہایت سختی سے کاربند تھے کہ دین کے کسی بھی میدان میں فہم امت کے تسلسل سے ہٹ کر کوئی الگ رائے قائم نہ کی جائے، اس بات کا تذکرہ اپنی تقریر اور تحریر میں بار بار فرماتے کہ فہم امت کو ساتھ لے کر چلنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم اور سنت نبی رؤف رحیم ﷺ کو اسی طرح سمجھا جانا چاہئے جس طرح اسے ان لوگوں نے سمجھا جن میں قرآن اترا تھا اور اس پر اسی طرح عمل کیا جانا چاہیئے جس طرح اس امت کے پہلے طبقے نے اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ اس امت کے جلیل القدر حکیم امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے اسے فہم امت سے تعبیر کیا ہے اور اسے حجت گردانا ہے آپ ''الاقتصاد'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی صحیح مرادات سمجھنے کے لئے فہم امت کو ساتھ ساتھ لینا ہوگا اور اسی سے اسلام کی عملی تاریخ چلے گی۔ سو صحابہؓ کے بعد جو لوگ آئے وہ ان کے تابعینؒ کہلائے یہ آئندہ آنے والے تبھی تابعین ہوسکتے ہیں کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) متبوعین تسلیم کئے جائیں۔ اسی کو ہم تسلسل امت کہتے ہیں کہ یہ امت مجموعی طور پر کبھی باطل پر جمع نہ ہو سکے گی۔ جس طرح انبیاء کرام علیہ السلام فرداً فرداً معصوم ہیں، یہ امت اجماعاً معصوم ہے، اسی اجماع کی چھتری تلے قرآن کریم یکجا جمع ہوا ہے اور اب تک اسے کتاب لاریب مانا جارہا ہے۔'' [عقیدہ خیر الامم: ۵۵]

اسلاف پر اعتماد نجات کا واحد راستہ ہے:

حضرت علامہ صاحبؒ اس بات پر بہت زور دیتے کہ اسلاف امت پر اعتماد نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی جگہ فقہاء اسلام میں کسی رائے کا اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف نفرت پھیلانے والے دراصل شیعیت ہی کی قبیل سے ہیں۔ حضرت علامہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''ائمہ اربعہ کے اختلاف کو لائق نفرت ٹھہرانا اسی طرح سمجھا جانا چاہیے جس طرح کوئی صحابہؓ کے اختلاف کو قابل نفرت ٹھہرائے۔ سو جس طرح صحابہؓ کے خلاف اظہار بیزاری کرنے والے شیعہ کہلائے ائمہ اربعہ کے خلاف فضائے نفرت پھیلانے والوں کو بھی شیعہ ہی سمجھنا چاہیے، شیعیت نام ہے پہلوں سے اظہار بیزاری کا اور ان سے کٹنے کا۔ سو جس طرح صحابہؓ سے کٹنے والے بڑے شیعہ شمار ہوتے ہیں ائمہ اربعہ کے اختلاف سے بیزاری کرنے والے بھی تو چھوٹے شیعہ ضرور ہی سمجھے جانے چاہییں۔'' [عبقات: ۲/۲۰۶]

دین کے مختلف میدانوں میں محنت کرنے والے افراد بعض اوقات افراط وتفریط کا شکار ہو کر اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دین کا جو کام وہ کر رہے ہیں چودہ سو سال سے امت اس کام سے غافل رہی اور اس بات کا پرچار شروع کر دیتے ہیں کہ دین کی محنت وہ جس انداز میں کر رہے ہیں آج سے پہلے امت میں کسی نے اس انداز سے دین کی محنت نہیں کی۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ دین کے کسی میدان میں محنت کرنے والے اپنے کام کو اس انداز میں پیش کریں کہ ایک طرف اپنے کام کی بڑھائی ثابت کرنا مقصود ہو اور دوسری طرف چودہ سو سال سے دین کی محنت کرنے والی امت کے بارے میں یہ باور کروایا جائے کہ پوری امت اس کام سے غافل رہی۔ جو ایسا کرتا ہے وہ دراصل امت کے تسلسل کو کاٹنا چاہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ:

''دین جتنا بھی ہم تک پہنچا ہے وہ پہلوں کی محنت سے۔ اگر آج کوئی یہ دعویٰ کرے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں، آج سے پہلے کسی نے نہیں کیا تو اس نے پہلوں کو پچھلوں سے کاٹ دیا۔ اگر پہلوں کو پچھلوں سے کاٹ دیا جائے تو یہ بھی ایک قسم کی شیعیت ہی ہے۔'' (دیکھیے: ۱/۱۳۱......۲/۶۹......۲/۲۱۹۔[ادارہ])

حضرت علامہ صاحب کا تعلق تنظیم اہل سنت سے رہا مگر جتنی بھی دوسری معاصر جماعتیں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں، ہمیشہ ان کے کام کو شاندار طریقے سے خراجِ تحسین پیش کیا، ایک جگہ حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''علماء اسلام نے ان نفوس قدسیہ (صحابہ) پر کیے گئے جملہ اعتراضات کے بڑے شافی ووافی جواب دیئے ہیں جس کو ضرورت ہو وہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے لے کر حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کی تالیفات کو دیکھے پھر اسی پندرہویں صدی کی دفاع صحابہؓ پر لکھی گئی عمدہ اور اعلیٰ تالیفات بھی اس باب میں قابل قدر علمی سرمایہ ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگردوں: مولانا قاضی مظہر حسینؒ، مولانا سید نور الحسن بخاریؒ، مولانا عبد الستار

تونسویؒ اور محقق العصر حضرت مولانا محمد نافعؒ نے اس محاذ پر سبائیوں کے جملہ اعتراضات کے نہایت شافی اور وافی جواب دیئے ہیں، اور الحمدللہ ان کے اچھے خاصے اثرات ہوئے اور برصغیر پاک و ہند کے متعدد ایسے حلقے ملیں گے جہاں لوگ ارتداد کی آغوش میں جاتے ہوئے ان عملی محنتوں کے سبب بچے اور حوزہ اسلام محفوظ رہا۔'' [مقدمہ امیر عزیمت]

ہم عصر اہل علم کے درمیان معاصرانہ چشمک ایک عام سی بات ہے جس کی بنیادی وجہ عام طور پر دل کی تنگی اور تعصب ہوتا ہے۔ مگر حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی شخصیت میں دو نمایاں صفات خاص طور پر قابل ذکر رہی ہیں ایک ان کی وسعت قلبی اور دوسرا تعصب سے دوری۔ حضرت علامہ معاصرانہ چشمک اور چپقلش سے میلوں دور تھے۔ اپنے معاصرین کے کام کا تذکرہ نہایت والہانہ انداز میں کرتے، مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی وفات پر خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ صاحب نے شاندار انداز میں خراج تحسین پیش کیا، علامہ صاحب نے فرمایا کہ:

''مولانا محمد امین صاحب کا نام سنا تو خوشی ہوئی وہ تھوڑے عرصہ میں ہی پورے ملک پر چھا گئے اور ہم سے بھی آگے نکل گئے، مولانا محمد امین صفدر رحمہ اللہ اس زمانہ کے امام طحاوی رحمہ اللہ تھے، نہ ان جیسا کوئی تھا نہ ان جیسا کوئی ہے، وہ بھی باہر سے آئے تھے (یعنی غیر مقلدیت سے حنفیت کی طرف) اور سب پر چھا گئے، بعض لوگ ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ جنت ان کا استقبال کرتی ہے، مولانا محمد امین صفدر رحمہ اللہ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کا جنت استقبال کرتی ہے۔'' [الخیر خصوصی نمبر بیاد مولانا امین صفدر اوکاڑوی] (دیکھیے: ۲/۲۰/۷۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحب جہاں مناسب سمجھتے اپنے چھوٹوں کی اصلاح بھی فرماتے۔ جن دنوں مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ اور مولانا محمد اعظم طارقؒ کو حکومت کی جانب سے پابند سلاسل کر دیا گیا تھا، حضرت علامہ صاحب کی ان حضرات سے جیل میں جو ملاقات ہوئی اسکا احوال بیان کرتے ہوئے مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

''حضرت علامہ خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ نے ملاقات کے وقت اس خدشہ کا اظہار کیا کہ ملک بھر میں ہر شخص یہ خطرہ محسوس کر رہا ہے کہ قائدین سپاہ صحابہؓ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راستہ سے ہٹانے کی تیاریاں ہو چکی ہیں۔ ایران اور پاکستانی حکومت میں سپاہ صحابہؓ کو مکمل طور پر ختم کرنے کا سمجھوتہ ہو چکا ہے، تم اپنے موقف میں لچک پیدا کرو۔ حکمرانوں سے مذاکرات کر کے معاملات کو سلجھاؤ، اپنے اور جماعت کے لئے مشکلات پیدا نہ کرو۔ راقم نے دست بستہ عرض کیا کہ کہ حکومت کی شرائط ماننے سے بہتر ہے کہ ہمیں سزائے موت دے دی جائے۔ ہم بے نظیر سے سمجھوتہ اور شیعہ کی تکفیر پر کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ یہ سب کچھ ہمارے نظریات کی جنگ ہے۔ اس موقف پر مولانا حق نوازؒ سمیت پونے چار سو نوجوان جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اس میں کیونکر تبدیلی ہوسکتی ہے؟ میری باتیں سن کر علامہ صاحب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، وہ زار و قطار روتے ہوئے ہماری جانوں کے خطرات پر گفتگو کرتے رہے، میں برابر اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ مولانا محمد اعظم طارق نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ مخدوم مکرم! صحابہ کرامؓ کی محبت و ناموس کے تحفظ کا راستہ آپ ہی لوگوں نے ہمیں دکھایا ہے۔ ہم نے حکمرانوں کے سامنے حق و صداقت کا موقف اختیار کیا ہے، ہم جیل یا موت سے ڈر کر سرنگوں نہیں ہوسکتے۔ علامہ صاحب کی محبت بھری نصیحتوں اور درد بھری

وضاحتوں نے کئی دریچے وا کیے، کئی گتھیاں سلجھائیں، کئی گرہیں کھولیں، کئی راستے دکھائے، کئی آپشن دیئے، کئی مصلحتوں اور حکمتوں کا درس دیا۔ وہ برابر اصرار کرتے رہے، ہم پے در پے انکار پر جمے رہے۔ آخر کار علامہ ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔'' [پھر وہی قید وقفس: ۱۸۵]

ایک مجلس میں بندہ نے حضرت علامہ صاحب سے سوال کیا کہ پاکستان میں روافض کا زور بہت زیادہ ہو گیا ہے اور سادہ لوح عوام میں یہ لوگ اپنے کفریہ عقائد کا پرچار کر کے ان کو گمراہ کر رہے ہیں جیسے قادیانیوں کو قومی اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا کیا اس طرح سے ان روافض کو قومی اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا سکتا ہے؟ حضرت علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قادیانیوں کو قومی اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار دینا دو وجہ سے ممکن ہو سکا، پہلی وجہ یہ کہ قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر ملک کے اندر ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ قومی اسمبلی تک معاملہ لے جانے سے قبل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا گیا۔

اور جو رافضی ہیں ان کو قومی اسمبلی میں غیر مسلم قرار دلوانا دو وجہ سے مشکل ہے، پہلی یہ کہ ان کا ہیڈ کوارٹر ملک سے باہر ہے اور دوسرے یہ کہ رابطہ عالم اسلامی تک اس بات کو لے جا کر ان کو قائل کرنا ضروری ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جب ملکی حالات رافضیوں کی وجہ سے بہت خراب ہو چکے تھے تب ایک وقت اس بات کے بارے میں سوچا گیا کہ رابطہ عالم اسلامی تک اس بات کو لے جایا جائے اور اس کام کے لیے حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے میری (علامہ خالد محمود) اور علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کی ذمہ داری لگائی تھی کہ رابطہ عالم اسلامی کے سامنے روافض کے کفریہ عقائد رکھے جائیں اور ان کو قائل کیا جائے کہ اس گروہ کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ مگر بعض وجوہات کی بناء پر یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ کیوں کہ ایرانی انقلاب کے بعد ہمارے ملک کے حالات بہت خراب ہو رہے تھے اور مختلف تحریکی کام اپنے زوروں پر شروع ہو چکا تھا۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ کا زور اس بات پر ہوتا تھا کہ مقام صحابہؓ کو پہچانو۔ کیوں کہ صحابہؓ کا مقام جب تک سمجھ نہیں آئے گا اس وقت تک روافض کے دجل وفریب کو سمجھنا ممکن نہیں۔ صحابہؓ کی فضیلت کی بنیاد ان مقدس ہستیوں کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق ہے۔ صحابہؓ کی بناءِ فضیلت کو بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:

''علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ ان دونوں حضرات کے کلام میں ہمیں جو بات سکھلائی گئی ہے وہ یہ کہ صحابہؓ کے بارے جو بنائے فضیلت ہے اس کو پہچانو۔ فضیلت کی بناء کیا ہے؟ یہ سوال بہت گہرا ہے، جتنا اس کی گہرائی میں جائیں گے آپ محسوس کریں گے کہ ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ فضیلت کی بناء نسبت ہے۔ جیسا کہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ پیغمبروں کا رتبہ بہت اونچا ہے، ان کی شان بہت بلند ہے۔ اس بلند رتبہ اور شان کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے نمائندے ہیں ان کی عزت کا باعث اللہ تعالی کی نسبت ہے۔ کمالات کا خزانہ اللہ کی ذات ہے، ہمارے عقیدے میں فضیلت کا معیار نسبت ہے، سب سے اونچا درجہ پیغمبروں کا ہے۔ اسی طرح سے صحابہؓ کی فضیلت نسبت کی وجہ سے ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے بہت سے کمالات ملے، اس طرح سے حضور ﷺ کے جو صحابہؓ ہیں انکی فضیلت کی وجہ حضور ﷺ سے نسبت ہے۔ پیغمبروں کی عزت اللہ تعالی کی نسبت کی وجہ سے ہے اور صحابہؓ کی عزت حضور ﷺ کی نسبت کی وجہ سے ہے۔''

شجرۂ مودت:

روافض اور نواصب کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اصحابِ رسول اور خاندان رسول میں دوریاں دکھائی جائیں۔ حضرت علامہ صاحب سے اپنے بیانات میں بار بار اس بات کا تذکرہ فرماتے سنا کہ صحابہؓ اور خاندان نبوت سب ایک تھے دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اس حوالے سے حضرت نے فرمایا کہ:

''ہمیں دارالعلوم دیوبند سے جو سبق ملا ہے وہ یہ ہے کہ

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین

ایمان ما محبت آل محمد است

دیوبند کی بنیاد رکھنے والے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی اولاد تھے۔ بعد میں اسکی سرپرستی مدتوں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کی جو سیدنا عمر فاروقؓ کی اولاد تھی۔ پھر اسکو بام عروج پر پہنچانے والے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ تھے جو سیدنا عثمانؓ کی اولاد تھی۔ اور پھر مولانا حسین احمد مدنیؒ نے دیوبند کی خدمت کی جو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی اولاد تھی۔

محبت کیا ہے ایک ورثہ محمد ﷺ کے گھرانے کا

نیا عنوان ہے حق و باطل کے افسانے کا

شہید عشق ہی واقف ہے اسرار محبت سے

ورنہ کس کو آتا ہے سلیقہ سر کٹانے کا

رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے ساتھ محبت کا احساس ہو کیوں کہ نسبت دیکھی جاتی ہے۔'' (دیکھیے: ۱۵/۲: ۱۷۔ [ادارہ])

صحابہؓ اور خاندان رسول کے باہمی تعلق کے بارے میں روافض کی جانب سے تشکیک کے کانٹے پھیلائے جاتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمانوں میں اس باطل نظریے کو فروغ دیا جائے کہ صحابہؓ اور خاندان رسول کی باہم دشمنی تھی۔ اس باطل نظریے کی تردید کے لیے حضرت علامہ صاحب نے ایک رسالہ ''شجرہ مودت'' کے نام سے ترتیب دیا اور اس میں صحابہؓ و اہل بیتؓ کے باہمی تعلق اور رشتہ داریوں کو بیان کیا تا کہ مسلمانوں پر واضح ہوسکے کہ صحابہؓ و اہل بیتؓ کے باہم محبت اور مودت کا تعلق تھا اسی وجہ سے ان حضرات نے آپس میں رشتہ داریاں قائم کیں۔ حضرت علامہ صاحب شجرہ کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ شجرہ مودت ان حضرات کے باہمی ربط و تعلق کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ یہ تعلقات نسب وصہر کے رشتے اور بار بار کے رشتے کبھی ان لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتے جن کے دل ایک نہ ہوں اور شریعت میں تو نکاح مومنین میں ہی طے پاتے ہیں غیر مومنین کو لڑکیاں نہیں دی جاسکتیں۔'' [شجرۂ مودت: ۳]

صحابہؓ و اہل بیتؓ کے باہم قائم رشتہ داریوں پر غور کرنے کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب مسلمانوں کو دعوت فکر دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''ہم اسی نہج پر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ صحابہؓ، اہل بیتؓ اور ذریت طاہرہؓ کے مقام کو اگر آپ قرآن وحدیث سے نہیں سمجھ پاتے تو ان مبارک رشتہ داریوں پر ہی غور کر لو، حق کی راہ ان کی مودت میں ہے، عداوت میں نہیں۔ اسلام کی خدمت ان کی وحدت میں ہے، تقسیم میں نہیں۔ مبارک ہیں وہ جو توحید ملت کی اس محنت میں ہمارا ساتھ دیں۔'' [شجرہ مودت: ۳]

مناظرہ ومجادلہ کے میدان میں کام کرنے والے حضرات عام طور پر خودرائی، استکبار اور عجب کا شکار ہو جاتے ہیں مگر حضرت علامہ صاحب ان بیماریوں سے کوسوں دور رہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کی تربیت اپنے وقت کے صاحبِ نسبت اولیاء اللہ کے ہاتھوں میں ہوئی۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مفتی محمد حسنؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ جیسے اولیاء اللہ کا دامن حضرت علامہ صاحب نے تھامے رکھا۔ ان بزرگوں کا بھی حضرت علامہ صاحب سے بہت محبت کا تعلق رہا۔

مولانا قاری حنیف جالندھری نے اپنے دادا مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے حوالے سے فرمایا کہ:۔

''ہمارے دادا مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ بانی جامعہ خیر المدارس کا حضرت علامہ صاحب سے بہت پیار کا تعلق تھا۔ خیر المدارس کے سالانہ جلسے کے لیے مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ خصوصی طور پر علامہ صاحب کو مدعو کرتے۔ جلسے میں علامہ صاحب کا اہمیت کے ساتھ بیان ہوتا تھا اور بڑے بڑے اکابر اس بیان کو سنتے تھے۔'' (دیکھیے: ۱۳۰/۱۔[ادارہ])

حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے فرمایا کہ: ''جس دن خیر المدارس کی بلڈنگ میں وفاق المدارس کی پہلی نشست رکھی گئی تھی، جس کے محرک مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تھے کہ علماء اور مدارس کی ایک تنظیم قائم کی جائے، اس کی تحریر میں نے لکھی تھی، اس کی اصلاح مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے کی۔ پہلے اجلاس میں تقریباً چھ علماء شامل تھے۔''

جامعہ اشرفیہ کے ایک عالم سے یہ بات سنی کہ مفتی محمد حسن رحمہ اللہ بانی جامعہ اشرفیہ کا علامہ صاحب سے تعلق اتنا گہرا تھا کہ علامہ صاحب کو اپنے بیٹوں میں شمار کرتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ علامہ صاحب پر اعتماد بہت زیادہ تھا اور جامعہ کے سالانہ اجلاس میں علامہ صاحب کو بیان کے لیے مدعو کرتے، بیماری کی وجہ سے خود سٹیج پر تشریف نہ لا سکتے مگر گھر کی کھڑکی کھول کر علامہ صاحب کا بیان سماعت فرماتے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور یہ سادگی یورپ کی چکا چوند زندگی میں بھی برقرار رہی، پاکستان کی سب سے بڑی عدالت کے جج مقرر ہوئے، وہاں بھی اسی سادہ زندگی کو اپنایا۔ ایک واقعہ جس کا بندہ عینی شاہد ہے کہ ۲۰۰۴ء کی بات ہے، جن دنوں حضرت علامہ صاحب سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ میں جج تھے، حضرت ساہیوال تشریف لا رہے تھے، حضرت کو لینے کے لیے بس سٹینڈ جانا ہوا، کیا منظر دیکھا کہ حضرت علامہ صاحب بس سے اتر کر روڈ کے کنارے بینچ پر بیٹھے ہیں، ہاتھ میں کپڑوں کا بیگ ہے۔ دیکھنے والا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا کہ علم کا سمندر، ملک کی سب سے بڑی عدالت کا جج یوں سادہ زندگی بھی گذار سکتا ہے۔ حالانکہ حضرت سپریم کورٹ کے جج تھے، ججز کا ایک مکمل پروٹوکول ہوتا ہے، مہنگی گاڑیوں کے ساتھ آگے پیچھے پولیس کی سیکورٹی، مگر حضرت ان چیزوں سے کوسوں دور تھے۔ سپریم کورٹ کے تمام ججوں کو حکومت کی طرف سے الگ الگ گاڑیاں ملی ہوتی ہیں۔ حضرت علامہ صاحب عدالت جانے کے لیے حکومت کی طرف سے دی جانی والی گاڑی استعمال

نہیں کرتے تھے، بلکہ قریب میں رہنے والے ساتھی جج کے ساتھ ہی ان کی گاڑی میں عدالت تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے جب ایک ہی جگہ جانا ہے اور دو الگ الگ گاڑیاں استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، ایک ایسی تلخ سچائی ہے جس کا ہر ذی نفس کو سامنا کرنا ہے، اللہ تعالی کی برگزیدہ ہستیاں انبیاء، صدیقین اور صالحین ہر ایک نے موت کا جام پیا ہے، جو بھی اس دنیا میں آیا اسکو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے۔ جب حضرت علامہ خالد محمودؒ کی وفات کا سنا تو ایسے محسوس ہوا جیسے زندگی کی بہت عزیز شے گم ہوگئی ہو۔ پون صدی تک اندھیروں میں علم وحکمت کے چراغ روشن کرنے والے حضرت علامہ صاحب کے رخصت ہو جانے سے علم وتحقیق کی تاریخ کا روشن باب بند ہوگیا۔ ایک طرف اس بات کا غم ہے کہ جن کے وجود سے علم وحکمت کی محفلیں آباد تھیں وہ رخصت ہوگئے تو دوسری طرف اس خیال سے غم دو آتشہ ہو جاتا ہے کہ ان کے بعد اس خلا کو پر کرنے والا دور دور تک نظر نہیں آتا۔ ان کی وفات سے جو علمی دنیا کو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی بہت مشکل نظر آرہی ہے، یقیناً اللہ تعالی اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ اپنے دین کے تحفظ کے لیے علامہ صاحب جیسے جبال علم سے اس زمین کو بھر دے، مگر دور دور تک اب ایسا صاحب علم وتحقیق نظر نہیں آتا۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا غم بلاشبہ اپنی جگہ ہے مگر اس بات سے کچھ تسلی ملتی ہے کہ وہ اپنے پیچھے کتب کا ایک بہترین ذخیرہ چھوڑ کر گئے ہیں جو تحفظ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ اور رد فرق باطلہ کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ہمیشہ کارگر ثابت ہوتی رہیں گی۔ کچھ لوگ اس شان سے دنیا سے جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے ان کے کارناموں کے چرچے رہتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت علامہ کے کارناموں کے چرچے رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو دفن کرنے والے جس وقت دفن کررہے تھے، اسی وقت بے ساختہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے یہ شعر نکل پڑا، روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

مٹی میں کیا سمجھ کر دباتے ہو دوستو گنجینۂ علوم ہے، یہ گنج زر نہیں

الامام الکبیر کے روحانی فرزند حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی تدفین کا منظر تصاویر میں دیکھ کر ذہن اسی طرف منتقل ہو رہا تھا کہ آج پھر سے گنجینۂ علوم کو مٹی میں دفن کر دیا گیا ہے۔ حضرت علامہ صاحب واقعی گنجینۂ علوم تھے گنج زر نہیں تھے۔ جب اس بات کو سوچتا ہوں کہ جو گنجینۂ علم حضرت کے ساتھ دفن ہوگیا تو حضرت کی وفات کے غم کی شدت دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی حضرت علامہ خالد محمودؒ کی خدمات کو حسن قبول سے نوازے اور ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت اور مغفرت کا معاملہ فرمائے۔ اللہ تعالی حضرت کی قبر پر اپنی شان کے مطابق کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے زباں کا زور بیاں گیا ہے
تیری لحد پر ہو رب کی رحمت ، تیری لحد کو سلام پہنچے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

مولانا مطیع الرحمٰن حنفی

مناظرہ کے عجیب واقعات

فاتح فرقہ باطلہ ومذاہبِ باطلہ حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ پی ایچ ڈی لندن مجتہدِ زمانہ اورولی زمان کے منصب پر فائز تھے، چونکہ حضرت ہمارے استاذ ہیں، ہم نے ۲۰۱۹ء جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورۂ حدیث کیا، حضرت وہاں تشریف لاتے تھے اوران کی عمر لگ بھگ نوے سال سے تجاوز کرچکی تھی، حضرت کی اس عمر میں بھی فہم وفراست، علم وتقوی، قوتِ استدلال، علم ودیانت اور پھر ہر اعتراض کو سمجھ کرفوراً بغیر کسی وقفہ کے برجستہ جواب دیدینا ان ہی کا حصہ تھا اوران کے اس برجستہ جواب سے طلباء اُش اُش کراُٹھتے تھے۔

حضرت غیرمعمولی حافظہ کے حامل تھے، کیونکہ ہمیں بخاری اور مسلم کا کچھ حصہ اورموطا مالک پڑھائی۔ لیکن اسی دوران کسی قسم کی بحث سامنے آجاتی تو اس انداز میں حل فرماتے کہ کوئی اعتراض بھی باقی نہ رہتا۔ تاریخ کی کتب ہوں یا حدیث کی یاتفسیر کی یا پھر شاہ ولی اللہ کی مشکل ترین عربی وفارسی کتب علامہ صاحب ان کے کئی کئی صفحات کلاس میں عربی عبارت کے زبانی پڑھ دیتے تھے، جیسے حافظ تراویح میں قرآن سناتے ہیں اور یہ ایک بار نہیں کئی بار کلاس میں ایسا ہوا کہ کبھی **البدایہ والنہایہ** پر کوئی بحث چھڑی تو حضرت نے کئی سطریں عربی عبارت زبانی پڑھ دی۔

اکثر وبیشتر شیعیت، قادیانیت، غیرمقلدیت، مماتیت اور بریلویت ان پر کسی بھی مسئلہ پر بات ہوتی تو ابحاث سے کتراتے نہ تھے بلکہ اس پر کھل کر بات کرتے تھے، دلائل عقلیہ ونقلیہ سے باطل کی خوب تردید کرتے تھے۔

ایک صاحب کی طرف سے عربی زبان میں مناظرے کا چیلنج:

ایک صاحب چیلنج کرتے تھے کہ مجھ سے عربی زبان میں کوئی مناظرہ کرے، اردُو میں نہیں۔ حضرت علامہ صاحب کولایا گیا، اَب وہ تو عربی عربی کی رٹ لگارہا تھا، حضرت نے سوچا کہ عوام کوتو عربی سمجھ نہیں آنی، لہٰذا یہ بھاگنا چاہتا ہے۔ اُس کوسمجھایا کہ اُردو میں بات کرلیتے ہیں، لیکن وہ نہ سمجھا اورصرف عربی میں گفتگو پر مصر رہا۔ علامہ صاحب نے کہا: چلوعربی میں مناظرہ کرلیتے ہیں، لیکن پہلے یہ بتاؤ یہ جو سامنے درخت ہے (جو شہتوت کا تھا) اس کوعربی میں کیا کہتے ہیں؟ اَب اس اچانک سوال سے تووہ چونک گیا، کیونکہ ایسی چیزوں کے نام عموماً یادنہیں ہوتے، اُس سے جواب نہ بن پڑھا۔

اس نے الٹا علامہ صاحب سے سوال کردیا کہ آپ بتائیں کیا کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ بھی چپ رہنے والا نہ تھا، فوراً یہ سوال کیا: آپ بتاؤ اس کا نام۔ حضرت نے فوراً بتادیا۔ حضرت کے بتاتے ہی لوگوں نے خوب نعرے لگائے۔ یوں اُن صاحب کی عربیت کا نشہ ہوا ہوگیا۔

غیر مقلدوں سے مناظرہ کا واقعہ:

ایک غیر مقلد نے کہا امام کی اقتداء میں فاتحہ پڑھنی ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے اسے کہا: جی اچھا، لیکن مجھے یہ سمجھا دو اس کے پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ امام کے آگے رہے یا پیچھے؟ یعنی امام کے پڑھنے کے بعد پڑھے یا پہلے پڑھ لے؟ اس نے کہا یہ کون سا مشکل ہے جب امام **الحمدلله رب العالمين** پڑھے تم بھی اس کے بعد **الحمدلله رب العالمين** پڑھ لو اس طرح جب وہ **الرحمن الرحيم** پڑھے تم بھی بعد میں **الرحمن الرحيم** پڑھو۔ چلتے چلتے جب وہ اس مقام پر پہنچا کہ جب امام **غير المغضوب عليهم ولاالضالين** پڑھے تم بھی **غير المضوب عليهم ولاالضالين** پڑھو۔ حضرت علامہ صاحب نے فرمایا ایک منٹ رک جاؤ۔ تمہاری یہ بات حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں تو ہے کہ جب امام **غير المغضوب عليهم ولاالضالين** پڑھے تو تم آمین کہو۔ اور تم کہتے ہو کہ نہیں بلکہ **غير المغضوب عليهم** ہی پڑھے، اب بتاؤ تمہاری بات مانیں یا حدیث کی؟ اس پر وہ لاجواب ہو گیا۔ (دیکھیے: ۷۰۴/۲۔ [ادارہ])

اللہ رب العزت حضرتؒ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا امتیاز نسیم، بھنڈ گراں گجرات

منتشر یادیں

۱- میرا حضرتؒ سے تعارف:

علامہ صاحبؒ کا نام سب سے پہلے ناچیز نے اپنے ماموں راجہ محمد شریف صاحب سے سنا جو علامہ صاحب سے اِرادت کے ساتھ ساتھ دوستی کا تعلق بھی رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ انگلینڈ کے قیام کے دوران کئی سفر کر چکے تھے۔ انہی سے لے کر حضرتؒ کی تصنیف مطالعۂ بریلویت کی پہلی جلد پڑھی تھی۔

۲- حضرتؒ کی پہلی زیارت:

جامعہ حنفیہ جہلم میں رسمی طالب علمی کے ابتدائی سالوں میں ایک ساتھی سے مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب کی کتاب، ''بدعت اور اہلِ بدعت اسلام کی نظر میں'' مطالعہ کے لیے لی تو اس پر حضرت علامہ صاحبؒ کا طویل فاضلانہ مقدمہ پڑھ کر آپ کے قلم کی روانی، تحریر کی سلاست اور نکتہ دانی نے حیران کر کے رکھ دیا اور دِل میں حضرت کی زیارت کی خواہش مچلنے لگی۔ آپؒ کی زیارت کا پہلا موقع موضع بھیں ضلع چکوال کی سُنّی کانفرنس کے دوران ملا۔ آپؒ کا سنہری کناری والے براؤن جُبّے میں ملبوس ہو کر عالمانہ خطاب کا منظر اس وقت بھی گویا آنکھوں کے سامنے ہے۔

۳- چائے کے حوالے سے حضرت رحمہ اللہ کا ذوق:

حضرتؒ جامعہ حنفیہ جہلم تشریف لائے۔ ان دنوں آپ پاکستان سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج کے عہدے پر فائز تھے۔ بیان کے بعد بڑے میاں کلاتھ والے بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت کی ضیافت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد چائے پیش کرنے والے ساتھی نے چینی ذرا کم ڈالی تو فرمایا، ''چائے کا ذوق رکھنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو چائے پینے کے لیے اس میں کچھ میٹھا ڈال لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو چائے پیتے ہی میٹھے کے لیے ہیں، میرے تعلق اسی دوسری قسم سے ہے۔'' اُسی مجلس میں چائے کے بارے میں یہ فارسی شعر بھی سنایا ؎

آں رُو سیاہ کہ نامش چاہ است
قاطعِ نوم و قاطعِ باہ است

''وہ سیاہ چہرے والی کہ جس کا نام چائے ہے، نینداور باہ دونوں کو قطع کرنے والی ہے۔''

۴- حضرت رحمہ اللہ کا حافظہ:

اس کے کچھ ماہ بعد ایک بار پھر جامعہ کے مفتی محمد شریف عابر صاحب کے پاس تشریف لائے۔ حضرتؒ کے سیکرٹری بھی

ساتھ تھے۔ناچیز بھی حسنِ اتّفاق سے موجود تھا۔دونوں بزرگوں کی ملاقات کے دوران علاّمہ تفتازانی کی تفضیلیّت کی بات چلی تو فرمانے لگے، کافی عرصہ پہلے دیکھا تھا کہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے مکتوبات میں غالِباً مکتوب نمبر فلاں میں علامہ تفتازانی پر ردّ فرمایا ہے۔بعد میں ناچیز نے مکتوبات شریف کا متعلقہ مقام دیکھا تو مکتوب نمبر بعینہٖ وہی تھا جس کا حضرت نے غالِباً کے لفظ سے ذکر فرمایا تھا۔

۵-تکلُّفات سے اجتناب اور وقت کی قدر:

اسی ملاقات میں حضرت نے سرائے عالمگیر کے ایک مولانا صاحب سے کسی کام سے ملنے کی ضرورت کا ذکر فرمایا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ حضرت نے مولانا مذکور کا مدرسہ دیکھا ہوا نہیں تھا۔حضرت مفتی محمد شریف صاحب نے ناچیز کو راستہ بتانے کی غرض سے ساتھ روانہ فرمایا۔مولانا صاحب سے ملاقات ہو جانے کے بعد حضرتؒ نے واپسی چاہی تو مولانا فرمانے لگے کہ حضرتؒ! آدھے گھنٹے میں کھانا تیار ہو جائے گا۔حضرتؒ نے فرمایا کہ دیکھ لیں اگر یقیناً آدھے گھنٹے میں تیار ہو سکتا ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم لیٹ ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔مولانا نے یقین دِلایا کہ آدھ گھنٹے میں ہر صورت میں تیار ہو جائے گا۔یہ کہہ کر مولانا کھانا تیار کروانے میں مصروف ہو گئے اور ناچیز حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا۔جب بتائے ہوئے آدھے گھنٹے سے مزید پندرہ منٹ اوپر ہو گئے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے گُوناں گُوں مسائل کی ایک بڑی وجہ یہ بے جا تکلُّفات بھی ہیں۔اب یہی دکھ لیجیے، میں نے کہا بھی ہے کہ کھانے کی ضرورت نہیں ہے، وقت زیادہ اہم ہے لیکن انہوں نے اصرار کر کے ہمیں لیٹ کر دیا۔

۶-تنہائی کے لیے جامعہ عربیہ بھدر(گجرات) کا انتخاب اور میری خوش قسمتی:

ناچیز جامعہ عربیہ بھدر(گجرات) میں تدریس کرتا تھا کہ ایک دِن مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب سے یہ خوشخبری سننے کو ملی کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی تصنیفی کام کر رہے ہیں، جس کے لیے یکسوئی اور تنہائی کی خاطر حضرت کی نظرِ انتخاب جامعہ عربیہ پر ٹھہری ہے۔لہٰذا حضرت تین دن یہاں قیام فرمائیں گے۔حضرت تشریف لائے۔سردی کا موسم تھا۔مہتمم صاحب نے حضرت کے خادم کے طور پر ناچیز کی ڈیوٹی لگائی۔ہم روزانہ صبح دھوپ نکلتے ہی حضرت کے لیے مسجد کی چھت پر گدا بچھا کر تپائی، کتابیں اور دیگر لکھنے کا سامان رکھ دیتے اور حضرت گھنٹوں تصنیف میں مشغول رہتے تھے۔

۷-حضرت کی نُکتہ سنجی:

جامعہ عربیہ کے شعبہ طالبات سے ملحقہ دفترِ اہتمام کے بارے میں مہتمم صاحب سے سن رکھا تھا کہ علامہ صاحب نے اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے اسے سردخانہ کا نام دے رکھا تھا۔اس دفعہ کے قیام میں ناچیز نے حضرتؒ کی موجودگی میں مہتمم صاحب سے سردخانے کا تذکرہ کیا تو علامہ صاحب نے وجہِ تسمیہ سمیت ایک نئے نام کا ذکر فرمایا۔فرمایا، آپ چونکہ یہاں سے دشمنانِ صحابہؓ، منکرینِ تقلید اور اہلِ بدعت کے ہر سِہ قسم کے فتن کی تردید کی ترتیب کرتے ہیں، اس لیے یہ سِہ رَدّ خانہ ہے۔

۸-حضرتؒ سے اولاد کے بارے میں سوال:

انہی دِنوں ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے عرض کیا کہ حضرتؒ کی اولاد کتنی ہے؟ جواب میں حضرتؒ کے چہرہ پر ناگواری کے اثرات اور مکمل خاموشی دیکھ کر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضرتؒ نے اس وقت تو کچھ نہیں فرمایا، لیکن دوسرے دِن صبح مسجد کی سیڑھیاں چڑھنے کے دوران ارشاد فرمایا، ''آپ نے کل میرے بچوں کے متعلق پوچھا تھا تو وہ یوں ہے کہ وہ دنیاوی حساب سے تو کامیاب ہیں اور انگلینڈ میں ہی کام کرتے ہیں لیکن دینی حوالے سے کچھ خاص نہیں پڑھ سکے۔'' یہ فرماتے وقت حضرتؒ کے چہرے پر پڑتی تشویش کی پرچھائیاں ناچیز کو اب بھی کھٹکتی ہیں۔

۹-عِلم دَرکَلَّہ، زَر دَر پَلَّہ:

شعبان ررمضان ۱۴۲۴ ہجری میں درجہ عالیہ کی تکمیل کے بعد حضرت تونسویؒ کے زیرِ سایہ مرکز تنظیم اہل سنت ملتان کے زیرِ اہتمام ۴۵ رروزہ **دارُالمبلِّغین کورس** میں شرکت کا موقع ملا۔ اس کورس کے دوران دوروز کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ سے پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ حضرتؒ کا سبق شروع ہوتے ہی جب ہم نے حسبِ معمول ہم نے لکھنا شروع کیا تو حضرتؒ نے یہ فرما کر لکھنے سے روک دیا

عِلم دَرکَلَّہ، زَر دَر پَلَّہ (علم وہ ہے جو دماغ میں ہے اور پیسہ وہ ہے جو جیب میں ہے)

سفینوں میں لکھا علم اور گھر میں موجود مال اچانک ضرورت پڑنے پر، کیا پتہ کام آسکے یا نہ۔

۱۰-اپنی لڑائی خود لڑنے کی تیاری کرو:

سبق کی ابتدا ہی میں فرمایا، آپ لوگ اپنی رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد جب اپنے اپنے علاقوں میں جائیں گے تو آپ کو مختلف فتنوں اور ان کے پرچارکوں سے واسطہ پڑے گا تو اس وقت فون کر کر کے اور خط لکھ لکھ کر بڑے حضرات کو اپنے ہاں بلانے کی بجائے ابھی سے اپنی لڑائی خود لڑنے کی تیاری کریں، کیونکہ اکابرین آپ کی رہنمائی کر دیں گے ضرورت پڑنے پر ضروری مواد فراہم کر دیں گے، مگر اپنی لڑائی آپ نے بہر حال خود ہی لڑنی ہے۔

۱۱-اللہ تعالیٰ کا آسمانِ دُنیا پر تشریف لانا متشابہات میں سے ہے:

حاضر و ناظر کے متعلقہ سبق کے دوران میں نے عرض کیا، حضرت جی! جب ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے سے معراج اور ہجرت کا انکار لازم آتا ہے کہ جب آپ ﷺ پہلے ہی ہر جگہ موجود ہیں تو پھر مکہ سے مدینہ یا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کا کیا معنی ہوگا؟ تو فریقِ مخالف کی طرف سے الزاماً کہا جاتا ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ شبِ قدر میں آسمانِ دنیا پر تشریف لاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مانتے ہوئے تم (اہل سنت دیو بند) اس کی کیا توجیہہ کرو گے؟' حضرتؒ نے جواب میں فرمایا، 'اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دُنیا پر تشریف لانے کو متکلمینِ اسلام نے متشابہات میں سے لکھا ہے۔ تو کیا ہمارے یہ کرم فرما نبی کریم ﷺ کی ہجرت اور معراج کو بھی متشابہات میں سے سمجھتے ہیں؟ الزام تو برابری کی صورت میں

دیا جاتا ہے۔

۱۲- یزید اگر مغفور لھُم میں سے ہے تو اہل سنت اس کو فاسق کیوں کہتے ہیں؟:

فرمایا: ' مغفوراً لھُم والی حدیث کے مختلف جوابات علماء ارشاد فرماتے ہیں، حالانکہ اس سے فسقِ یزید کی نفی ہی نہیں ہوتی، کیونکہ فسق اور مغفرت جمع ہو سکتے ہیں۔ اگر اس کے فسق کے باوجود اللہ اس کو معاف کرنا چاہے تو یہ اس کا اللہ کے ساتھ معاملہ ہے۔ ہم تو اس کے اعمال کی روشنی میں اسے فاسق ہی کہیں گے۔

۱۳- ہماری کتابیں ہی ہمارے آٹو گراف ہیں:

ناچیز نے حضرت کی کتاب خُلَفائے راشِدین جلدِ اول خریدی تو عرض کیا کہ حضرت اس کے سرِ ورق پر بطور آٹو گراف کچھ رقم فرما دیں۔ فرمایا ہماری کتابیں ہی ہمارے آٹو گراف ہیں۔ لیکن ناچیز کے نیاز مندانہ اصرار پر کتاب کے اندرونی ٹائٹل پر اپنے دستخط ثبت فرما دیے جو مجھ ناچیز کے لیے حضرت کی یاد کا بہانہ اور سرمایہ ہے۔

یادوں کا ایک سلسلہ ہے جو حضرت علامہ صاحب رَحِمَہُ اللہ کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اسی دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی حسَنات کو قبول فرماتے ہوئے بلندیِ درجات کے ساتھ آپؒ کا اکرام واعزاز فرمائے۔ امین

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

☆......☆......☆......☆

محقق عالم دین مولانا مجیب الرحمٰن کے
مجلّہ صفدر میں شائع شدہ مضامین

۱......حدیث کلابِ حوأب کا مصداق اور جناب قاضی طاہر ہاشمی کی تحقیق پر ایک نظر......سات قسطیں

۲......اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''خدا'' کا اطلاق......۲۵ صفحات......جنوری ۲۰۱۷ء

۳......مشاجراتِ صحابہ اور اہل سنت کا مسلک اعتدال......۵۰ صفحات......اپریل ۲۰۱۸ء

۴......جاوید احمد غامدی: بعض افکار کا محققانہ جائزہ......تین قسطیں......ستمبر تا نومبر ۲۰۱۸ء

۵......مروان بن حکم اور اس کے کارنامے......چھ قسطیں......مارچ تا نومبر ۲۰۱۹ء

۶......ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف کی تحقیقات پر ایک نظر......۳۲ صفحات......مارچ ۲۰۲۰ء

۷......جاوید احمد غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر......قسط وار......آغاز: مئی ۲۰۲۰ء تا حال جاری

مولانا محمد رحمت اللہ، ہری پور

خالد خلد بریں کا راہی

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہم مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم ہری پور سے درجہ سادسہ مکمل کرنے کے بعد اس سوچ میں تھے کہ اب اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے ملک کے کس مادر علمی کا رخ کریں؟ اس گفت وشنید کے طویل سلسلہ میں ملک کے مختلف جامعات کے نام زیر بحث آئے۔ بحث کے دوران ہمارے انتہائی شفیق مربی اور ہر دل عزیز استاذ جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب مدظلہ بھی تشریف فرما تھے، چنانچہ ملک بھر کے جامعات کے اساتذہ اور ماحول کو زیر بحث لایا گیا، تمام ساتھیوں نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا، میں نے اپنی رائے میں ملک کے قدیم وعظیم ادارے جامعہ اشرفیہ لاہور کے انتخاب کو پیش کیا۔ حضرت استاد محترم کو میری رائے پسند آئی، کیونکہ جامعہ کے تمام اساتذہ جہاں شہرہ آفاق ظاہری اور باطنی شخصیات کی حامل ہستیاں ہیں وہیں ان میں ایک نام بحر العلوم سلطان العلماء عمدة المحققين حضرت علامہ ڈاکٹر مولانا خالد محمود پی ایچ ڈی لندن علیہ الرحمہ جیسی عبقری شخصیت بھی موجود تھیں، جن کے علمی تبحر کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں سماعتوں سے ٹکرا رہا تھا۔ چنانچہ میری رائے کو حتمی تصور کرتے ہوئے استاد محترم نے ہمیں جامعہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور ہری پور کا یہ مختصر سا تشنگان علم کا کاروان ۱۱/ شوال کو لاہور کی سرزمین پر آپہنچا۔

خالد کی یادیں رفتہ رفتہ:

جامعہ اشرفیہ میں بیتے لمحات میں علامہ صاحب سے مختلف اوقات میں سنے گئے علمی جواہر قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ سے والہانہ عقیدت:

استاذِ محترم کو علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ سے بے پناہ محبت تھی، ان کی علمی وعملی اور سیاسی کاوشوں کے قدردان تھے، ایک موقع پر فرمایا میں نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ سے پڑھا ہے جنہوں نے تحریک پاکستان کی قیادت کی۔ تمام مسالک کو سیاسی جد وجہد میں اپنے ساتھ ملایا، پیر جماعت علی شاہ صاحب (مرحوم) جیسے حضرات کے سامنے اکابر علمائے اہل سنت دیوبند کے عقائد کی وضاحت کی اور ان سے علمائے دیوبند کے علم کا لوہا منوایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کی عادت تھی کہ وہ مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے اور وہ مخصوص طلبہ باقی طلبہ کو پڑھاتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ نے شیخ الہند کو اور شیخ الہند نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے مجھے پڑھایا ہے۔ اور ایک ہم ہیں کہ آپ سب کو پڑھا رہے ہیں۔ اس پر تمام طلبہ نے سبحان اللہ اور الحمد للہ کا نعرہ بلند کیا۔

استاذِ محترم نے فرمایا کہ میں اپنی جماعت میں سب سے خوبصورت بھی تھا اور ذہین بھی، میں نے امت مسلمہ کے گذشتہ تمام علماء کو پڑھا دیکھا، ان میں بعض علماء اصحاب تفویض یعنی علماء محدثین تھے اور بعض علماء متکلمین تھے اور دونوں طبقے ایک دوسرے سے کوسوں دور رہے ہے، اصحاب تفویض محدثین عقائد کی بحث میں زیادہ کرید نہیں کرتے تھے، جبکہ متکلمین فلاسفہ اور عقل پرستوں کے سوالات کا سامنا کرتے اور جواب دیتے، میں نے ان دونوں علوم کے جامع اور سنگم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ کو پایا اور ان کی کتابوں کی تاکید کیا کرتے تھے، ان کی شہرہ آفاق کتب میں سے خصوصاً تفسیر عثمانی، **فتح الملہم** شرح صحیح مسلم، فوائد عثمانی، العقل والنقل کو اپنے زیر مطالعہ رکھنے کی بھرپور ترغیب دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے سیاست اسلامی سمیت جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

درس قرآن مجید کی اہمیت:

استاذ محترم فرماتے تھے کہ: فرقہ باطلہ نے حدیث اور فقہ دونوں پر نشتر چلائے ہیں قرآن پر کوئی کھل کر تنقید نہیں کرتا، آپ یہاں سے فارغ ہو کر مساجد میں درس قرآن کے حلقے قائم کیجیے! حدیث اور فقہ کی حفاظت کے لیے درس قرآن کے حلقوں کا سہارا لیجیے۔

قرض چکا دیا:

فرمایا کرتے تھے کہ ہم پر اکابر کا جو قرض تھا ہم نے چکا دیا، لہٰذا میری کتابیں صرف مطالعہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ساری زندگی اپنے سامنے رکھنے کے لیے ہیں، اپنی الماریوں میں لغت اور میری کتابیں سامنے رکھنا کافی مشکلات سے نجات مل جائے گی۔

شیعہ اور غیر مقلدین میں قدرِ مشترک:

استاذِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ: شیعہ اور غیر مقلدین میں قدرِ مشترک زندہ مجتہدین کی تقلید کرنا ہے، جب وہ مر جائے تو بیزار ہو جانا، لہٰذا غیر مقلدین بھی اپنی گلی محلّہ کی مسجد کے امام پر اعتماد کرتے ہیں اور اس سے مسائل پوچھتے ہیں اور یہی تقلید ہے، اگر یہی اعتماد ہم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ پر کریں تو ہمیں مشرک گردانتے ہیں، شیعہ اور غیر مقلد زندہ مجتہد کی تقلید کرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ غیر مقلدین صرف فعلاً کرتے ہیں جبکہ شیعہ قولاً اور فعلاً دونوں کرتے ہیں۔

ہم خدا کو کیوں مانتے ہیں؟

ایک مرتبہ ہم نے سوال پوچھا کہ استاذ جی ہمارے ملک میں دہریت سر اٹھا رہی ہے، لوگ اللہ کے وجود پر عقلی دلائل مانگتے ہیں، استاذِ محترم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: تم ان سے کہو کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں، کیوں کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موجود قائم دائم متصرف ہے۔ اَب دہریوں کو ہم سے سوال کرنا چاہیے کہ آپ محمد ﷺ کو کیوں مانتے ہو؟ تو آپ جواباً کہو کہ دنیا میں کسی شخصیت پر اعتماد کرنے کے لئے جو اوصاف اور امتیازات درکار ہوتے ہیں ان اوصاف میں سے کون سا ایسا وصف ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں موجود نہیں؟ قارئین کرام! گزشتہ برس ماہِ رمضان المبارک میں دو نوجوانوں سے پالا پڑا، اِسی انداز

سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، الحمدللہ استاذِ محترم کا تیر بہدف پہنچا۔

صحت کا راز:

جامعہ کے گزرے اوقات میں ہم نے علامہ صاحب کو ہمیشہ تندرست وتوانا دیکھا۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے صحت کا راز پوچھا تو فرمایا: کھانا چبا کر کھاتا ہوں اور مطالعہ عموماً دن کے وقت کرتا ہوں، رات کو سوچتا ہوں، تدبر وتفکر سے کام لیتا ہوں، اس لیے نظر سلامت ہے۔ (دیکھیے: ۶/۲ ۷......۱۳۳/۲......۴۲۹/۲۔[ادارہ])

لتنذرام القریٰ:

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں انگلینڈ کے ایک شاپنگ مال میں خریداری کر رہا تھا کہ وہاں موجود ایک یہودی نے اعتراض کیا کہ آپ کے نبی عالمگیر نہیں بلکہ محدود رسالت کے حامل ہیں، مکہ اور اس کے گرد ونواح کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ: **لتنذرام القریٰ ومن حولها** [انعام:۹۲] میں نے جواب دیا: جس قرآن نے یہ بات فرمائی اس قرآن نے یہ بھی کہا ہے: **تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبده لیکون للعلمین نذیرا۔** یعنی وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ تمام جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔ [فرقان:۱] اس پر وہ یہودی بالکل لاجواب اور خاموش ہو گیا۔

تصور امامت:

ایک مرتبہ فرمایا کہ: امامت کا تصور اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں بھی موجود ہے، مگر اہل تشیع سے بالکل مختلف ہے، وہ امامت کے آسمانی ہونے کے قائل ہیں جبکہ اہل سنت کے ہاں امامت کا تصور علمی ہے، علم کی بنیاد پر آدمی امام بن سکتا ہے، جیسا کہ امام باقر، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام بخاری وغیرہ ذالک رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (دیکھیے: ۶۵۷/۲۔[ادارہ])

عقیدہ یوں بیان کریں:

فرمایا کرتے تھے کہ: عقائد بیان کرتے ہوئے احادیث طیبہ اور صحابہ کرام کا سہارا لینا چاہیے، صرف قرآن پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ قرآن بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، اس کے ایک لفظ میں کئی کئی معانی کا احتمال ہوتا ہے، قرآن کی وضاحت پیغمبر علیہ السلام اور اصحاب پیغمبر رضی اللہ عنہم سے ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیجا تو ان سے کہا: قرآن مت پیش کرنا! احادیث مبارکہ کا سہارا لینا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ذلت اور رسوائی خوارج کا مقدر ہوئی۔

تقیہ مان لو!

ایک مرتبہ وضو میں پاوں دھونے کی احادیث پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ: مشہور شیعہ عالم محمد بن حسن طوسی کی کتاب ''تہذیب الاحکام'' میں حضور اقدس ﷺ کے پاوں دھونے کا ذکر ہے، اس پر شیعہ کہتے ہیں: تقیہ کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ تقیہ مان لو اور عمل شروع کردو۔

دعوت دین زبان کی محتاج نہیں:

ایک مرتبہ فرمایا کہ انگلینڈ میں برمنگھم کی ایک مسجد میں دوران درس ایک نوجوان نے سوال کیا کہ آج کے جدید دور میں مسلمان کس طرح غیر مسلم کو مطمئن کرے گا؟ بہت سارے مسائل ہیں، انہی میں ایک زبان کا مسئلہ بھی ہے، اسی دوران آپ نے رائیونڈ سے آمدہ ایک جماعت کو وہاں سے گزرتے دیکھا، ان میں سے ایک جوان کو بلایا اور پوچھا کہاں سے آئے؟ اور زبان کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں پاکستان کے شہر پشاور سے آیا ہوں اور میری زبان پشتو ہے، پوچھا کیا لوگ آپ کی بات سن رہے ہیں اور کیا مطمئن ہوکر مسلمان ہورہے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہماری محنت سے کہیں زیادہ بہتر نتیجہ سامنے آرہا ہے۔

فساد فی الارض سے بچاؤ

ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ شیعہ اور سنی ایک ملک میں کیسے رہیں؟ فرمایا: جیسے ایران میں حکومت شیعہ کی ہے اور شیعہ اکثریت میں ہے اور سنی اقلیت میں حکومت تو شیعہ رول کے مطابق ہوگی، لیکن سنی مذہب کے رواداروں کو مکمل آزادی ہونی چاہیے، اسی طرح پاکستان میں سنی اکثریت میں ہیں اور شیعہ اقلیت میں، قانون رائج سنیوں کا ہونا چاہیے، لیکن شیعہ کو اپنی مذہبی آزادی ہونی چاہیے وہ اپنی عبادت گاہوں میں رہ کر عبادت کریں اسی طرح فساد فی الارض سے بچاؤ ہوگا۔

اعتماد کے دور کی کتاب:

استاذی المکرّم نے ہمیں موطا امام مالک پڑھائی، ہمیشہ کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: میں وہ کتاب پڑھاتا ہوں جو امام مالک نے ساری امت کو سامنے رکھ کر لکھی ہے، اور اعتماد کے دور کی کتاب ہے، بخاری و مسلم سنن اربعہ دیگر کتب احادیث جرح و تعدیل کے دور کی کتب ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے بخاری و مسلم سند حدیث اور صحت حدیث کو سامنے رکھ کر لکھی ہے۔ کبھی کوئی بڑائی کی بات ان کے منہ سے نہ سنی تھی، ازراہ تفنن فرمایا کرتے تھے ہم پر دنیا اعتماد کرتی ہے، اس لیے اعتماد والی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۱۶۷...... ۲/۲۰۶۔ [ادارہ])

صحیح حدیث کا مطالبہ:

ایک مرتبہ فرمایا کہ غیر مقلدین ہر مسئلہ میں صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر ذخیرہ حدیث میں صرف صحیح حدیث ہی معتبر ہے تو محدثین نے درجہ حسن اور ضعف کی روایات کیوں جمع کی ہیں؟ تین قسم کی احادیث کتب احادیث میں ملتی ہیں: صحاح، حسان اور ضعاف۔

یادرفتگاں:

استاذ محترم اکثر اپنی مجالس میں بانی جامعہ اشرفیہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین،

مولانا عبداللطیف جہلمی ، امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، حضرت مولانا دوست محمد قریشی اور مولانا عبدالستار تونسوی علیہم الرحمۃ والرضوان کا تذکرہ فرمایا کرتے اور اپنی دوستی اور مسلک حقہ کے لئے خدمات کا ذکر کیا کرتے تھے۔اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں وہی منزل نہ بن جائے

افسوس جامعہ اشرفیہ مولانا مفتی عبیداللہ صاحب، شیخ الحدیث مولانا صوفی سرور صاحب، حضرت مولانا یعقوب خان صاحب اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے محروم ہوگیا اور یہ حضرات پر نہ ہونے والا خلا اپنے پیچھے چھوڑ کر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، یہ نہ صرف جامعہ کا علمی و عملی نقصان ہے بلکہ پورا عالم اسلام ان جیسی تاریخ ساز ہستیوں سے محروم ہوگیا جن کا وجود امت کے لئے جہالت کی تاریکیوں میں درخشندہ آفتاب تھا۔ بقول شاعر ؎

لقد فارق الناس الاحبة قبلنا
واعیٰ دواء الموت کل طبیب

☆......☆......☆......☆

باب نمبر۹

افادات

(حصہ دوم)

’’بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی: بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں تا کہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم خطاء فی الفکر اور خلط مبحث سے بچ سکیں۔ ا۔ بدعت کی یہ بحث تخاطب شرعی میں ہے، یہ لفظ اگر کہیں تخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا تخاطب عرفی میں تو اس سے ہمیں بچ کر نکلنا ہوگا۔ ۲۔ بدعت کا لفظ کس کے بالمقابل ہے؟ **الأشياء تعرف باضدادها.** یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ ۳۔ بدعت کا موضوع تعبدی اُمور ہیں، یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ دنیوی ایجادات اس کا موضوع نہیں جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ ۴۔ بدعت کی حد ہی صحابہؓ کے بعد شروع ہوتی ہے، ان کے اپنے عمل ہمارے لیے آفتاب رسالت کی روشنی ہیں۔ ہر وہ کام جسے صحابہ کرامؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہوسکتا۔ ۵۔ بدعت کا تعلق مسائل سے ہے، ذرائع سے نہیں، مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہوسکتے ہیں۔ قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے۔ عجمی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں اُن کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیریں زبریں لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے، مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہے، خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ سے ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، یہ واقعی دین میں اضافہ ہے اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ [۵۲۵/۲]

’’مسئلہ بتانے والے کی نظر شریعت پر جبکہ بنانے (گھڑنے) والے کی نظر حالات پر ہوتی ہے۔‘‘ [۵۷۶/۲]

’’خوب صحت منداور انتہائی توانا انسان بھی جسم میں داخل ہونے والا معمولی تنکا برداشت نہیں کرتا، کیونکہ وہ جزوِ بدن نہیں۔ اِسی طرح شریعت خود ساختہ چیزوں (بدعات) کو ہرگز برداشت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ دین کا حصہ نہیں۔‘‘ [۵۷۶/۲]

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعبیر صرف چاروں کو آگے لا رہی ہے، خلفائے راشدین میں اگر کوئی پانچواں نام بھی ہوتا تو اسے بھی اسی ترتیب میں افضلیت ملتی۔ [۵۷۸/۲]

مولانا خالد محمود، ٹیکسلا

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اور دفاع صحابہؓ

استاذ جی حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی دفاع اسلام پر گزری، لیکن انتھک محنت دو مورچوں پر فرمائی جس کی وجہ سے بقیہ تمام مورچے، شعبے، شعائر مامون و محفوظ رہتے ہیں:

۱۔ تحفظ ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر میدان میں سرخرو فرمایا۔ پھر ان کے ماتحت جتنے بھی راستے تصور کیے جاسکتے ہیں، ضالین نے ان راستوں کو جتنا بھی ضلالت سے مزین کیا، اللہ تعالیٰ نے ان ضالین کی ملمع سازی کو مکمل ملیامیٹ کرنے کی سعادت حضرت کو بخشی، بلکہ ہمت متصرفہ کے ساتھ ان کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ بس وہ اپنے ہی زخم چاٹتے رہ گئے۔ یہ سب خصوصی توفیق خداوندی علامہ خالد محمود صاحبؒ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے علماء اہل سنت دیوبند کو عطا فرمائی تھی۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.**

مفتی اعظم سندھ حضرت مفتی غلام قادر ٹھیرڑھی جو کہ مسند تدریس پر ۶۵ رسال تک فائز رہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم طالب علم تھے، علامہ صاحب تب بھی علامہ ہی تھے۔ قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے دو علماء کرام کے نام کے ساتھ لفظ علامہ لکھا: شیخ الحدیث امام اہل سنت مرشدی و مربی مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ اور استاذ مکرم حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے نام کے ساتھ۔ (دیکھیے: ۱/۵۷.....۲/۳۹۶۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحب کی علمی و عملی عظمت کا اندازہ اِس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ استاذ مکرم علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ علامہ خالد محمود صاحب کی محفل میں بیٹھ کر ان کا ایک ایک جملہ ہماری گھنٹوں کی تقریر کے لیے رہنما ثابت ہوتا ہے۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے خصوصی طور پر جن دو شعبوں میں خدمات انجام دیں، ان میں سے میری گفتگو کا محور دوسرا عنوان یعنی تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کا مزاج اور طریقہ تھا کہ کسی عنوان پر بھی گفتگو کرتے تو پہلی صدی، دوسری تیسری اس طرح چودھویں صدی تک کے حوالہ جات بالترتیب نقل فرما کر اپنی گفتگو مکمل کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ کسی عنوان پر اکابر اہل سنت کے فتاویٰ جمع کر رہا تھا تو مجھے بھی صدی بہ صدی تسلسل امت کو ثابت کرنے کی اسی ترتیب کا حکم دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کہ حضرت علامہ صاحب کی اپنی زندگی کو اس طرح ترتیب وار بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ وجہ یہی ہے کہ انھوں نے تمام عمر اپنے آپ کو ذاتی تعریف اور شہرت سے دُور رکھا، نہ خود اپنے قلم یا زبان سے اپنے حالات ترتیب دیئے، نہ کسی کو اجازت دی کہ وہ اس کام میں مصروف رہے، بلکہ ایسا شوق رکھنے والے ہر شخص سے یہی فرماتے کہ اپنا قیمتی وقت دفاع

اصحابِ رسول میں صرف کرو۔

مجلّہ ''صفدر'' کی انتظامیہ کی طرف سے مجھے ''دفاعِ صحابہ کے حوالے حضرت رحمہ اللہ کی خدمات وافادات'' کے عنوان پر مضمون تحریر کرنے کا کہا گیا ہے، لہٰذا اِسی عنوان پر چند بے ترتیب گزارشات پیش خدمت کروں گا، بندہ تحریر کے میدان کا آدمی نہیں، اس لیے کمی بیشی سے درگزر فرمائیں۔

(۱)......لفظ ''صحابی'' اہل سنت کی اصطلاح:

حضرت علامہ صاحبؒ فرماتے تھے: ''صحابی یا صحابہ کا لفظ ایک سُنی اصطلاح ہے، اور یہ مسلّمہ اُصول ہے کہ جس کی اصطلاح ہو اس کی تفصیلات بھی اسی سے معلوم کی جاتی ہیں، کسی کی قائم کردہ اصطلاح کا خود سے کوئی مفہوم یا مصداق طے کر لینا، علمی دنیا میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ لہٰذا لفظ صحابی/صحابہ کا معنی ومفہوم، مطالب ومقاصد اور مصداق سب کچھ اہل سنت سے پوچھا جائے گا اور انہی کی بات تسلیم کی جائے گی۔ ان الفاظ کی اہمیت، ان کے مصداق کی فضیلت، ان کی حیثیت سب اہل سنت ہی بتائیں گے۔ اور عقیدہ ''امامت'' اہل تشیع کی اصطلاح ہے، اس لیے اس کا مقصد ومصداق بھی اہل تشیع سے پوچھا جائے گا۔''

حضرت استاذ جی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی دشمنِ صحابہ لفظ صحابیت یا مصداق صحابیت پہ اعتراض کرے تو ہم اسی انداز سے لفظ امامت اور اس کے متعلقات پر اعتراض کر کے دشمن کو اس کی اصلیت آسانی سے سمجھا سکتے ہیں۔

(۲)......پھر کیا ہوا؟

حضرت علامہ صاحبؒ کی ذہانت وفراست کا شاہکار ایک ارشاد جسے ''اصول'' کہنا زیادہ مناسب ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ: عموماً کسی صحابی پر کوئی شخص اعتراض کرے تو بالکل آسان سا تین لفظی جواب ہے: ''پھر کیا ہوا؟'' پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جواب سے معترض پریشان ہو جائے گا کہ میں نے اتنی لمبی چوڑی تقریر جھاڑی اور یہ کہتا ہے: ''پھر کیا ہوا؟'' گویا اس پر میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا، ساری تقریر رائیگاں گئی۔ دوسرے نمبر پر اس جملے کا مطلب سمجھیں، اس کا مطلب یہ کہ اے معترض، تو نے صحابی پر اعتراض کیا، تیرے خیال میں یہ صحابی کی غلطی تھی، بلکہ شاید تو اسے بہت بڑی غلطی بھی شمار کرتا ہو، لیکن یہ بتا کہ اس صحابی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مومنین کرام رضی اللہ عنہم نے کیسا رویہ رکھا؟ اس پر کوئی زبانی حکم لگایا؟ اسے منافق یا فاسق قرار دیا؟ جس عمل کو تم غلطی کہہ رہے ہو اُسے سب نے نظر انداز کیا اور خاموشی اختیار کی، یا عملی اقدام کر کے اس صحابی کو کوئی سزا دی، مارا، مجلس سے نکال دیا، جان سے مار ڈالا؟ جب رسول خدا ﷺ نے قولی یا عملی کوئی اقدام اس پر نہیں فرمایا تو ہم کیسے کوئی اقدام کر سکتے ہیں؟ الغرض صحابہ دشمن اس جملے کی قوت برداشت نہیں کر سکے گا نہ ہی آپ کے سامنے ٹھہر سکے گا۔

فائدہ: اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ کرام سے صادر ہونے والے مختلف اعمال کے بعد اُن کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کا رویہ کیسا رہا، مثلاً

ا۔ حضرت ماعز اسلمیؓ کا منفی تذکرہ برداشت نہ ہوا اور فرمایا: ترازو کے ایک پلڑے میں ماعز کی توبہ اور دوسرے پلڑے

میں پوری دنیا کی توبہ رکھی جائے تو ماعز والا پلڑہ بھاری ہو جائے گا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ کے بعد گناہ کا تذکرہ بھی برداشت نہیں فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا رویہ معلوم ہونے کے بعد بھی اگر ہم صحابہؓ پر انگلی اٹھاتے ہیں تو آقا مدنی ﷺ کی ناراضگی مول لینے کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں؟ ہم نے جو سوال کیا تھا ''پھر کیا ہوا؟'' اس کا جواب یہی ہے کہ رسول اکرم جب صحابہ کا منفی تذکرہ برداشت نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں؟

۲۔ ایک جنگ کے دوران کافروں نے مسلمانوں کو حملہ آور ہوتا دیکھا تو جلدی سے کلمہ (لا الہ الا اللہ) پڑھنے لگے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید موت سے بچنے کی خاطر محض زبانی کلمہ پڑھ رہے ہیں، دل سے اسلام نہیں لائے، بظاہر صورتِ حال بھی ایسی ہی تھی، چنانچہ انہوں نے اُن کی کلمہ گوئی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کو قتل کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ کو بہت رنج پہنچا (کہ ممکن دِل سے ہی کلمہ پڑھا ہو۔ نیز ہم تو ظاہر کے مکلّف ہیں، ظاہراً کلمہ پڑھ لیا تو ہم مسلمان سمجھیں گے۔ باطنی معاملہ خدا کے حوالے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنج والم اور شدید غصہ کا اظہار فرمایا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: ''کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس صدمہ کا سبب تو نہ بنتا۔'' لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے شدید غصہ کے باوجود نہ تو حضرت خالدؓ کو قصاصاً قتل کیا، نہ مسلمانوں کی جماعت سے نکالا، نہ ہی آئندہ جنگ میں شرکت سے منع کیا۔ یہ ہے ہمارے سوال ''پھر کیا ہوا؟'' کا جواب۔ یعنی پھر یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صحابہ کی جماعت میں شامل رکھا، مسلمانوں کا رویہ بھی اُن کے ساتھ حسب سابق رہا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا اُن کے ساتھ رویہ اور معاملہ حسبِ سابق ہی رہا تو ہم کون ہوتے ہیں ان پر تنقید کرنے والے؟ اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۳۔ ایک واقعہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں پیش آیا، جسے واقعہ قرطاس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی وجہ سے نشانہ تنقید بنایا جاتا ہے، سابقین اولین میں سے وہ شخصیت جنھوں نے ساری عمر بڑی جاں نثاری اور اخلاص سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی، رسول اللہ کی پیروی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، کیا وہ رسول اکرم ﷺ کی حیات کے آخری دنوں میں اپنی تمام نیکیوں پر پانی پھیر دیں گے؟ کہا یہ جاتا ہے کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم اور دوات لانے کا کہا، سیدنا فاروق اعظمؓ اس حکم کی تعمیل میں رکاوٹ بن گئے، اور کہہ دیا: **حسبنا کتاب اللہ**'' حضرت عمر فاروقؓ پر اِس اعتراض کے بہت سے جوابات ہیں، جو مولانا محمد اقبال رنگونی دامت برکاتہم کی کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں، میرے پیش نظر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا وہ مخصوص جواب ہے کہ: ''پھر کیا ہوا؟'' مخالف جتنے بھی زوردار انداز میں یہ اعتراض کرے، آپ اتنے ہی بے خوف ہو کر کہیں ''پھر کیا ہوا؟'' وہ آگ بگولہ ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل سے روک دیا اور تم کہتے ہو پھر کیا ہوا؟ گویا تمہارے نزدیک یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں، گویا تمہارے اندر ایمان کی رتی تک باقی نہیں رہی۔ اس کے جوش وغضب سے بے پرواہ ہو کر مطلب بیان کیجیے کہ ذرا بتاؤ کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ ان کو مسلمانوں کی جماعت سے نکال دیا، انھیں منافق یا جہنمی قرار دیا؟ انھیں نافرمان اور

گستاخ کا لقب دیا؟ یا اس واقعہ کے بعد پانچ روزہ حیات میں دوبارہ قلم دوات طلب نہ فرما کر فاروق اعظمؓ کی رائے کی تصویب فرمائی؟ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم سمیت کسی کو بھی حضرت عمرؓ کے بارے میں کوئی حکم نامہ جاری نہیں کیا، نہ ہی ان حضرات نے خود حضرت عمرؓ سے بائیکاٹ وغیرہ کیا، نہ خود کسی نے قلم دوات لا کر دی، بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو اس معاملے میں حضرت فاروقؓ کے ہمنوا ہو گئے، فرمایا: ''اگر چہ قلم دوات لانے کا حکم مجھے تھا، لیکن میں اس لیے نہیں گیا کہ کہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری سانس میری عدم موجودگی میں نہ نکل جائے تو میں نے عرض کیا کہ آپ فرمادیں ہم زبانی یاد کرلیں گے۔ اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک مجھے بھول گئی۔'' تو گویا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ پانچ دنوں میں اس وقوعہ کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ کو معتوب فرمایا اور نہ ہی خارج از اسلام قرار دیا تو ہم ایسا حکم کیونکر لگا سکتے ہیں؟

یہ سب واقعات تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات ہیں۔ اَب دیکھتے ہیں ان واقعات کو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئے، ان میں ''پھر کیا ہوا؟'' کا مطلب۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پیش آنے والے جن واقعات کا تذکرہ مخالفین کرتے ہیں یا اس دور کے حوالے سے صحابہ پر جو الزامات لگاتے ہیں، ان میں چند اہم الزامات و واقعات یہ ہیں:

۱۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والی بیعت، مسئلہ خلافت، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا واقعہ اور دھمکیاں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے مختلف حیلے اور مکر و فریب جن سے صدیق اکبرؓ کے دشمنوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو جلانا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حضرت علیؓ کے قتل پر اُبھارنا، قرآن مجید کو دھتکارنا وغیرہ جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اقرباء پروری اور مروان بن حکم کو بلانا اور خاص عہدوں اور خاص مال غنیمت سے نوازنا وغیرہ جن سے کتب دشمن حضرت عثمان رضی اللہ عنہا بھری پڑی ہیں۔

اسی طرح جنگ جمل اور صفین وغیرہما کے واقعات اور اس میں حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہ اور خصوصاً حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق انتہائی بیہودہ اور گندے الزامات جن کی بنیاد پر انھیں فاسق و فاجر ہی نہیں کافر تک کہا جاتا ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: ان سب کے جواب لیے اور ایسی زہریلی گفتگو کے لیے یہ تین الفاظ تریاق اور اکسیر ہیں۔ بفرض محال اگر ہم تمہارے یہ تمام دعوے تسلیم کرلیں تو یہ بتاؤ کہ خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان تمام صحابہ کے ساتھ کیا سلوک اور رویہ روا رکھا؟ جنگ جمل کو دیکھیں تو تمہارے ہی بقول اپنے مخالف اول حضرت زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی وعید سنا کر حضرت زبیرؓ کا جنازہ پڑھا رہے ہیں، حضرت زبیرؓ کے دست و بازو حضرت طلحہؓ کو بار بار چوم کر فرما رہے ہیں:

"لو ددت أن أموت قبل عشرين سنةً". (کاش کہ آج سے بیس سال قبل ہی میں دنیا سے چلا گیا ہوتا۔) پھر ان کا جنازہ بھی پڑھایا۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ کے مخالفین میں تیسرا بڑا نام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے (جو نہ تو جنگ کرنے کے ارادے سے تشریف لائیں، نہ ہی لڑنے والوں کی قیادت فرمائی۔ مؤمنوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے جنگ بندی کی خاطر تشریف لائی تھیں) وہ اور حضرت علیؓ دونوں ایک دوسرے سے تعزیت کرتے اور دوسرے کی تعزیت قبول بھی کرتے ہیں۔ یہاں ''پھر کیا ہوا؟'' کا جواب یہ ہے کہ: جب وہ ایک دوسرے کو کافر و منافق نہیں سمجھتے، نہ ہی بائیکاٹ کرتے ہیں تو ہم کیوں کر ایسا باطل خیال دِل یا زبان پر لا سکتے ہیں؟

یہی معاملہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سب کو اپنا اسلامی بھائی کہتے اور سمجھتے رہے، اور سب کے ساتھ رویہ اور معاملہ بھی مسلمانوں والا رکھا۔ لہٰذا ہم بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نظریہ وسوچ کو اپناتے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی بے شمار مثالیں بیان فرمایا کرتے تھے، ہم نے ''پھر کیا ہوا؟'' کی مختصر توضیح کے لیے چند مثالیں پیش کر دیں، سر دست ہم انھی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

(۳)......مصداقِ خلافت راشدہ:

امتِ محمدیہ میں اَب سے کچھ عرصہ قبل تک خلافتِ راشدہ اور خلفائے راشدین کا مصداق بالاتفاق چار حضرات کو ہی قرار دیا جاتا رہا ہے، ملکہ وکٹوریہ کی اجازت سے نئے مذاہب تشکیل دیئے گئے تو نئے عقائد و نظریات بھی امت میں پھیلانے کی کوششیں شروع ہو گئیں، لہٰذا خلافت راشدہ کے حوالے سے اُمت کے متفقہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کسی نے کہا ''خلفائے راشدین پانچ ہیں۔'' کسی نے کہا ''خلفائے راشدین چھ ہیں۔'' اور کسی نے حق چار یارؓ کے خلافت راشدہ کے مفہوم سے جدا قرار دے کر ''حق سب یار'' کا نعرہ لگا دیا۔ اس قسم کی باتوں سے اہل السنۃ والجماعۃ میں تشویش کی لہر دوڑنا ایک فطری اور لازمی چیز تھی۔ خلافتِ راشدہ کے مصداق کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر و تشریح بہت عجیب ہے، ایک مرتبہ مولانا پیر نصیر الدین صاحب گولڑوی مرحوم کے نظریہ (حضرت حسنؓ بھی خلیفہ راشد ہیں) پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی تکمیل نہ کی، اور خود ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت چھوڑ دی، تو ہم کیوں کر انھیں خلیفہ راشد قرار دیں؟ جو چیز خود انھوں نے اپنے لیے تسلیم نہیں کی، نہ ہی اس کی تکمیل کی، ہم اُن کے لیے کیسے تسلیم کر لیں؟ ہاں البتہ اُن کے اِس فعل سے امت محمدیہ نے حدیث کی روشنی میں اُن کو بجا طور پر ''سید'' مانا ہے۔ اور امت کا سید ہونا بہت بڑا اعزاز و اکرام ہے۔ بعد میں حضرتؒ کا یہ مضمون ماہنامہ حق چار یار میں دو قسطوں میں شائع بھی ہوا۔ (دیکھیے: ۲/۵۰۴، ۵۵۳، ۵۷۶۔ [ادارہ])

(۴)......مصداق پنج تن:

عام طور پر ''پنج تن پاک'' کا لفظ بولا جاتا ہے، اس کے حوالے سے حضرت استاذ جیؒ فرماتے تھے کہ: پنج تن کے ساتھ

پاک کا لفظ شیعہ سنی، دونوں کے نظریہ کے مطابق درست نہیں۔ کیونکہ پاک کا ترجمہ عربی میں ''معصوم'' کیا جاتا ہے۔ اور اصل لفظ پنج تن سنیوں کی اصطلاح ہے، شیعوں کی نہیں۔ سنی حضرات پنج تن سے مراد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین لیتے ہیں۔ حضرتؒ نے ''عبقات'' میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ اور شیعہ اصطلاح کے مطابق پنج تن کا مصداق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان علی المرتضی رضی اللہ عنہم ہے۔ اَب شیعہ سنی دونوں کی اصطلاحات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ''پنج تن'' کہنا تو صحیح ہوگا، لیکن ''پنج تن پاک'' کہنا صحیح نہیں۔ جو لوگ پاک کا لفظ بھی ساتھ بولتے ہیں وہ اپنی اصطلاح سے ناواقف ہیں۔ سنی اپنی اصطلاح کے مطابق پنج تن کے مصداق میں سے صرف ایک کو معصوم مانتے ہیں۔ بقیہ چار کو نہیں۔ لہٰذا اُن کے لیے پانچ کے لیے ''پاک'' کا لفظ استعمال کرنا درست نہ ہوا۔ اور شیعہ چودہ اشخاص کو معصوم مانتے ہیں، صرف پانچ کو نہیں۔ لہٰذا ان کے نظریہ کے مطابق پانچ کے ساتھ پاک کا لفظ بڑھانا غلط ہوا۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ تشریح و توضیح یہاں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ: بعض لوگ سنیوں کا عقیدہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں، پھر بھی ممکن ہے کبھی غفلت میں پنج تن کے ساتھ پاک کا لفظ بول دیتے ہوں تو حضرت علامہ صاحبؒ نے مضبوط پہریداری فرماتے ہوئے سنیوں کو غفلت سے بھی دور کیا۔

(۵)......حضرت علامہ صاحب کی دیگر خدمات:

دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے حضرت علامہ صاحبؒ کی اتنی خدمات ہیں کہ شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ گزشتہ صدی کی چالیس کی دہائی میں قریہ قریہ، بستی بستی پہنچ کر دفاع صحابہ کی آواز لگانے کی وجہ سے جس شخصیت کا نہ صرف مقام بن چکا تھا بلکہ عروج بھی نصیب ہو چکا تھا، تنظیم اہل سنت کے ترجمان ''دعوت'' کے ایڈیٹر دوم کے طور پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں، کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، جب ردقادیانیت کے لیے مجلس احرار اسلام ایک جماعتی حیثیت سے میدان میں آچکی تھی تو رد رفض و دفاع صحابہ میں یہی ''دعوت'' دشمنان صحابہ کے سامنے سد سکندری قائم کیے ہوئے تھا، دعوت کے خلفائے راشدین پر چار خصوصی نمبر، باب الاستفسار کے نام سے سوال و جواب کا سلسلہ ''خلفائے راشدین'' اور ''عبقات'' نامی کتابوں کی صورت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان خدمات کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات نے یہاں تک فرمادیا کہ: حضرت علامہ صاحب کی ساری زندگی تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے دفاع صحابہ کے میدان میں گزر گئی۔ حالانکہ ردِقادیانیت کے سلسلہ میں جو عالمگیر کام حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، اس کا تذکرہ اِسی خاص نمبر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ صاحب کو بارہا یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: عقائد اہل سنت کے تحفظ کے میدان میں جو علمی قوت و کثرت تنظیم اہل سنت کو حاصل ہوئی، کسی اور کے نصیب میں نہیں آئی۔

اور یہ بات بھی کئی مرتبہ سنی، فرماتے تھے کہ: میں نے امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کو یہ پیشکش کی تھی کہ آپ اپنا

نعرہ سٹیج سے لگانا بند کرادیں، نیز آپ اپنی بات پوری کریں، لیکن اس کا نتیجہ خود نکالنے کے بجائے عوام پر چھوڑ دیں، (یعنی تکفیر شیعہ وغیرہ نتائج خود نہ نکالیں) تو میں تنظیم اہل سنت کی ساری کھیپ آپ کے پیچھے لگادوں گا، یہ آپ کی حمایت بھی کریں گے اور سرپرستی بھی۔

طریقہ کار سے اختلاف کے باوجود دفاع صحابہ کا علم بلند کرنے کی وجہ سے سپاہ صحابہؓ کے ساتھ محبت و پیار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے سبق کے دوران یہ جملہ شعر کے طور پر پڑھا:

ہر طرف اندھیرا ہر سو اُداسی
بس پچاسی چھیاسی ستاسی اٹھاسی

سبق کے بعد جب اپنے کمرے کے باہر دھوپ میں تشریف فرما تھے تو مجھے فرمانے لگے: میرا شعر سمجھے تھے؟ میں ابھی خاموش ہی بیٹھا تھا تو خود ہی فرمانے لگے کہ: مولانا حق نواز صاحب شہیدؒ نے پچاسی چھیاسی میں جماعت بنائی تھی۔ وہ سُنیت کے لیے ایک امید کی کرن ٹھہرے، اَب پھر وہی حالات ہیں۔

(۶)......ناموس صحابہ بل اور کتاب معیار صحابیت:

سپاہ صحابہؓ کی قیادت نے بھی ہر دور میں حضرت علامہ صاحبؒ کو اپنا علمی سرپرست سمجھا، بڑا سمجھا، جب پارلیمانی ہاؤس میں ناموس صحابہ بل پیش کرنا تھا تو اس وقت جماعتی فیصلہ کے مطابق مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ کو بھیجا گیا۔ وہ مانچسٹر گئے اور حضرت علامہ صاحبؒ سے بل لکھوا کے لائے تھے۔ مولانا اعظم طارق شہیدؒ کے الفاظ یہ تھے کہ: میں نے کہا علامہ صاحب! بل آپ لکھیں، پاس میں کراؤں گا، ان شاء اللہ۔ پھر اس بل پر جب دشمن صحابہ بشیر حسین نے تنقید لکھی اور ''معیارِ صحابیت'' کے نام سے کتابچہ شائع کیا تو حضرت علامہ صاحبؒ نے پہلی بار اس کے سائز اور صفحات کو سامنے رکھ کر اسی نام سے جواب لکھا تو دشمنان صحابہؓ میں صف ماتم بچھ گئی۔ کچھ عرصہ تک تو اس کا کوئی جواب نہ لکھا گیا، پھر جب بشیر نے اپنی وہی کتاب دوبارہ طبع کرائی تو ضمیمہ کے طور پر علامہ صاحبؒ کی کتاب کا جواب لکھنے کی کوشش کی، حضرت علامہ صاحبؒ نے بھی اگلی طبع میں اس کا جواب الجواب لکھ کر ایسا ناطقہ بند کر دیا کہ ان شاء اللہ قیامت تک اس کا معقول وصحیح جواب کسی سے نہ بن پڑے گا۔ (دیکھیے: ۱/۱۷۶۔ [ادارہ])

(۷)......آفتاب ہدایت کا تاریخی مقدمہ ''تجلیات آفتاب''

تنظیم اہل سنت سے پہلے علماء اہل سنت دیوبند کے علاوہ تحفظ ناموس رسالت اور دفاع صحابہ کے میدان میں کام کرنے والی علاقہ چکوال کی نمایاں شخصیت حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر نور اللہ مرقدہ ہیں جن کی مقبولیت عامہ اچھی خاصی تھی، جنھیں حق تعالیٰ نے بعد میں علماء اہل سنت دیوبند کے ساتھ وابستہ فرمادیا، اور اسی وابستگی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت دبیرؒ نے دفاع صحابہ میں بھی کئی کتب لکھیں جن میں سے ''آفتاب ہدایت'' شہرۂ آفاق ثابت ہوئی، دشمنان صحابہ اُن کی زندگی میں اس کا جواب لکھنے کی ہمت نہ کر سکے، اُن کی وفات کے بعد محمد حسین ڈھکو شیعہ مجتہد نے خامہ فرسائی کی، قائد اہل سنت

وکیل صحابہ واہل بیت جانشین حضرت دبیر مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے اجمالی جواب لکھ کر تفصیلی رد کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ کا انتخاب فرمایا، علامہ صاحبؒ نے ''تجلیات آفتاب'' لکھی، ایک مرتبہ استاذ جی حضرت علامہ صاحبؒ موضع بلکسر ضلع چکوال تشریف لائے، وہاں جانشین قائد اہل سنت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر زیدہ مجدہ [امیر: تحریک خدام اہل سنت] سے ملاقات کے دوران فرمایا: میں نے یہ کتاب ''تجلیات صداقت'' کے جواب کے طور پر نہیں، ''آفتاب ہدایت'' کے مقدمہ کے طور پر لکھی ہے۔ اور آفتاب ہدایت کی اہمیت پر ہی زور دیا ہے اور یہ چیز باور کرائی ہے کہ اس آفتاب ہدایت والے آفتاب کی تجلیات ہی کافی ہیں۔جس پر بھی پڑیں گی وہ (ڈھکو) کمزور باتوں کو سننے والے نہیں۔اس کتاب کی اہمیت پہلے ہی کی طرح مضبوط اور روشن ہے۔ آفتاب ہدایت اور تجلیات آفتاب کا مطالعہ کرنے والے قاری پر یہ بات واضح ہے کہ اگرچہ آیات کا ترجمہ اور مختصر مگر جامع تفسیر حضرت دبیرؒ نے تحریر فرمادی تھی، لیکن ان کو چار چاند حضرت استاذ جی علامہ صاحبؒ نے لگائے ہیں۔جو کسی سے مخفی نہیں۔اور ڈھکو نے جو کانٹے بکھیرے تھے، حضرت نے انہی کے منہ پر دے مارے، باوجود اب تک زندہ ہونے کے ڈھکوان کا جواب دینے کی ہمت نہ کرسکا۔(دیکھیے: ۱/۹۹......۱/۱۲۴......۱/۵۴۲......۱/۶۳۲......۱/۶۶۱......۲/۱۸۷......۲/۴۷۰۔[ادارہ])

حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ اُن کی کتاب کا جواب لکھنے والے جناب محمد حسین ڈھکو خود شیعہ قوم کو تقسیم کرنے کا ذریعہ بن گئے، یہ پھوٹ اُن کے لیے شاید فخر اور باقی شیعہ قوم کے لیے مصیبت ناگہانی ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی کتاب تجلیات آفتاب اَب حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے مقدمہ کے ساتھ سنی قوم کے لیے آیات خلافت کا انسائیکلو پیڈیا اور ان پر شیعہ اعتراضات کے زہر کا تریاق ہے۔**فجزاھما اللہ عنا وعن سائر المسلمین.**

(۸)......دشمنان صحابہ کو اپنی صفوں میں شامل کرنا کب جائز ہے؟

جب بعض مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین نے دشمنان صحابہ کو اپنے ساتھ ملانا چاہا تو اس وقت تقریباً ہر جگہ یہ موضوع زیر بحث تھا، اسی دوران ایک مرتبہ ایک مدرسہ میں کسی طالب علم نے سوال کیا کہ: کیا اِنھیں اپنی صفوں میں شامل کرنا جائز ہے؟ تو حضرت علامہ صاحبؒ نے برجستہ جواب دیا کہ: ہاں! ایک صورت ہے، وہ یہ کہ ہم دعائے قنوت کے الفاظ: **نخلع ونترک من یفجرک** ۔اپنی دعاؤں اور نمازوں سے نکال دیں تو پھر گنجائش ہوسکتی ہے، جب تک یہ الفاظ دعائے قنوت میں موجود ہیں اور دعائے قنوت ہماری نمازوں میں شامل ہے، تب تک یہ اتحاد جائز نہیں۔

(۹)......مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو قیمتی مشورہ:

متحدہ مجلس عمل بننے کے بعد کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ جامعہ خالد بن ولید ٹھینگی وہاڑی میں تشریف

فرماتے تھے، ایک صاحب نے سوال کیا کہ: حضرت! کیا آپ نے اس عنوان پہ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن سے بات کی ہے؟ تو حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: ''جی بالکل! میں نے انہیں کہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کی اعلیٰ رکنی کمیٹی تشکیل دیں جو ردِ رفض کا کام آپ کے اسٹیج سے کرے، تاکہ ہر ایک کو یہ پیغام جائے کہ سیاسی مسئلہ اپنی جگہ، مولانا نے اپنی مذہبی حیثیت واضح کردی ہے۔ تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اکابر حضرات کی محنت بھی رائیگاں نہیں جائے گی اور آپ کو اگر واقعی کوئی سیاسی مجبوری ہے تو وہ بھی پوری ہوجائے گی۔'' تو اس پر اُن صاحب نے پوچھا کہ: مولانا فضل الرحمٰن نے کیا جواب دیا؟ (غالباً مولانا فضل الرحمٰن نے حسبِ معمول جواب میں خاموشی اختیار فرمائی ہوگی۔ اِس لیے) علامہ صاحبؒ نے فرمایا: وہ مجھے کیا جواب دیتا، وہ میرے بچوں کی طرح ہے۔ میں نے تو اس کے والد کے ساتھ کام کیا ہے۔ پھر علامہ صاحبؒ نے طویل خاموشی کے بعد فرمایا: ''اگر یہ کام کرلیا جاتا تو اِس وقت دیوبند کو یہ ہزیمت نہ اٹھانا پڑتی اور نہ ہی دیوبندیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی۔'' مزید یہ بھی فرمایا کہ: سپاہ صحابہ والے اس (رد رفض کے) مسئلہ کو جتنا بھی اُٹھائیں اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا جمعیت کے اسٹیج سے (اس محنت کا) ہونا تھا۔

مولانا فضل الرحمٰن تو ابھی حضرتؒ کے مشورہ پر عمل نہ کرپائے تھے، لیکن شاید ملت جعفریہ والوں کو یہ بات پہنچ گئی اور اُنھوں نے اس پر عمل کرلیا۔ اُن کے خاص لوگ بلکہ خود ساجد علی نقوی کہتے ہیں کہ: ''متحدہ مجلس ہم نے بنائی تھی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ غلیظ لٹریچر بند ہوگیا۔'' اور دوسری طرف یہ بھی علی الاعلان کہتے نظر آتے ہیں کہ: ''میں خلفاء کی خلافت کا منکر ہوں۔'' ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرات کو توفیق دیں کہ وہ مسلکی خدمات کو بھی سیاسی خدمات کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر اہمیت دیں، عقائد کی اشاعت وحفاظت سے غفلت برتنے سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائیں۔

(۱۰)......علامہ علی شیر حیدریؒ کی شدید پریشانی اور حضرت علامہ صاحبؒ کا اہم مشورہ:

جب متحدہ مجلس عمل کے نام سے ہونے والے اتحاد میں دشمنانِ صحابہ کو بھی شامل کیا گیا تو حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد پریشانی لاحق ہوئی، رنج والم کا یہ عالم تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے خود ہوکر عوامی بیانات میں اس کا اظہار کربیٹھتے، اور نجی مجالس میں تو یہ موضوع اکثر ہی زیر بحث رہتا تھا۔ طبیعت پر اِس سانحہ کا اِس قدر اثر تھا کہ اگر کوئی ہاتھ چومتا تو فرماتے کہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی اوروں کی طرح ہوجاؤں، پھر تم کہو کہ ہم تو اس لیے اِسے چومتے چاٹتے رہے کہ اکابر کے موقف پر قائم ودائم ہے، اور اَب یہ بھی اکابر کے فتوؤں سے پھر گیا ہے۔ اُن کی اُس وقت کی کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے، جنھوں نے اُس وقت انھیں دیکھا وہی اُن کے کرب کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر ہمارا دِل گھٹنے لگتا تھا، اور اُن کی تسلی کے لیے بھی ہمارے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ ایسی کیفیت میں اللہ تعالیٰ ہی اپنے پیاروں کو سنبھالتے ہیں، میری معلومات کے مطابق دو شخصیات نے حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ کو مشورہ دیا اور اس پریشانی سے نکلنے کا حل بتایا۔ ایک ہمارے استاذِ مکرم شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد انور رحمہ اللہ، سابق مدیر وشیخ الحدیث دارالعلوم عید گاہ کبیر والا اور دوسرے استاذ جی حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کی روافض کے ساتھ تعلقات اور دینی یا سیاسی تحریکات میں ان کو

شامل کرنے کے حوالے سے شرعی حکم پر مبنی فتویٰ حاصل کیا جائے۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے فرمایا: موجودہ حالات میں ایسا فتویٰ کوئی بھی نہیں دے گا، بلکہ اگر آپ فتویٰ لیں گے مزید دِل شکستہ ہوں گے، اِس لیے کسی دوسرے سے فتویٰ لینے کے بجائے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ والا طریقہ اپنائیں۔ خود ہی استفتاء لکھ کو خود ہی جواب لکھیں، پھر [۱] علماء سے کہیں کہ اِس پر اپنی رائے دیں، اگر صحیح لکھا ہے تو تائید کریں، اور اگر غلط ہے تو غلطی واضح کریں، تا کہ اصلاح ہو جائے۔ [۲] اکابر کی خدمت میں خود جائیں۔ [۳] نئے (نوجوان) علماء کے بھی دستخط کرائیں، کیونکہ عنقریب ان لوگوں نے ہی اکابر بننا ہے۔ ایسا فتویٰ دینا اِس لیے بھی ضروری ہے تا کہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ سب نے ہی اس اتحاد کو درست تسلیم کر لیا تھا اور کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ تحریری طور پر جب کثیر علماء کی اختلافی رائے موجود ہوگی تو علماء سے بدظنی کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ: اتحاد کے جائز ہونے پر سب متفق تھے۔

استاذ جی حضرت مفتی محمد انور رحمہ اللہ سے حضرت حیدریؒ نے عرض کیا کہ: آپ نے مشورہ دیا ہے تو اپنی زندگی میں ہی اپنے مدرسہ کی تائید بھی عنایت فرما دیں، آپ کے بعد کسی نے ہمیں تائید بھی نہیں لکھ کر دینی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت مفتی محمد انورؒ کے دور میں جو فتویٰ تائید کے لیے جاری ہونا تھا، وہ نہ ہوسکا، بلکہ نا موافق سا ماحول بن گیا۔ پھر مفتی محمد انور صاحبؒ کی وفات ہوگئی، ان کے بعد جب علامہ علی شیر حیدریؒ اُن کے مدرسہ میں گئے تو اُن کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ البتہ بعض اساتذہ نے ذاتی حیثیت سے تائیدات سے نوازا۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء**

علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ نے ہر دو حضرات کے مشورے کے مطابق فتویٰ جاری کیا اور علماء سے تائیدات کے لیے رابطہ فرمایا تو یہ صورتِ حال سامنے آئی کہ متحدہ مجلس عمل کے نام سے اہل تشیع کے ساتھ کیے گئے اِس اتحاد کے حامی علماء کم اور اتحاد کے مخالف اور اسے ناجائز قرار دینے والے علماء زیادہ تھے۔ اس مہم کے بعد حضرت علامہ حیدری شہیدؒ کی دلی پریشانی کافی حد تک کافور ہوئی، اور خود فرمایا کہ: اب میری پریشانی کم ہوئی۔ یعنی حق و باطل کے خلط ملط ہونے اور آنے والی نسلوں کے ایمان وعقیدہ بگڑنے کا جو خطرہ سر منڈلا رہا تھا، اس کے سد باب کے لیے جب راستہ مل گیا تو استاذ جی کو تسلی ہوگئی۔ حضرت علامہ علی شیر حیدری رحمہ اللہ تو شہید ہو گئے مگر اُن کی جاری کردہ یہ محنت جاری رہی، اور ان کی یاد میں منعقدہ پہلی کانفرنس پر دارالعلوم دیوبند کی تائید بھی موصول ہوگئی۔ **فلله الحمد**

اس میں کوئی شک نہیں کہ فتنہ قادیانیت کی کفریات کو پہلی فقہی کتب میں دیکھ کر حکم لگانا ہو تو مثال میں روافض وشیعہ کی کفریہ عبارات اور ان کے احکام سے ہی قیاس کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ یہ بات عالم جلیل حضرت الشیخ مولانا موسیٰ خانؒ نے مقدمہ شرح تفسیر بیضاوی یعنی **آثار التکمیل** میں لکھ دی تھی، مگر یہی بات جب حضرت علامہ حیدری شہیدؒ نے ایک اسٹیج پہ کر دی تو اُن میزبانوں نے ساری زندگی کے لیے حضرت حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بائیکاٹ کر دیا۔ **فیا للعجب.**

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد اسماعیل ریحان

ردِ ناصبیت میں حضرت سلطان العلماء کی کاوشیں

سلطان العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے نصرانیت، قادیانیت، رافضیت، غیر مقلدیت اور اہلِ بدعت سمیت اپنے زمانے کے ہر فتنے کے سامنے دلائل کے ایسے بلند و بالا پہاڑ کھڑے کر دیے ہیں جنہیں سر کرنا ممکن نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک ایسے نوخیز فتنے کی طرف بھی توجہ دینے میں کمی نہیں فرمائی جو برصغیر پاک و ہند میں سن پچاس عیسوی کی دہائی میں ابھرا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں پھیلاتا گیا۔ اس فتنے کے اصل بانی مشنری ادارے تھے۔ مشہور مشنری ماہنامہ ''**البشیر**'' (بیروت) کے ایڈیٹر ہنری لامیس نے ''خلافتِ یزید'' نامی کتاب لکھ کر پہلی بار دُنیا کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ یزید عادل اور مظلوم شخصیت تھا جبکہ حضرت حسینؓ کا موقف غلط اور ان کی جدوجہد محض ہوسِ اقتدار کی کارفرمائی تھی۔ اس کے بعد عالمی طاغوتی ادارے ناصبیت کے احیاء کے لیے باقاعدہ سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ بغداد کی شارع الرشید پر ''**دعوة احياء الاموية اليزيدية**'' کا باضابطہ دفتر قائم ہوا اور یہ فتنہ برگ و بار لانے لگا۔

پاک و ہند میں اس فتنے کی پہلی چنگاری محمود احمد عباسی نے سلگائی اور ''خلافتِ معاویہ و یزید'' لکھ کر وہی موقف پیش کیا جو ہنری لامیس نے متعارف کرایا تھا۔ وہ لوگ جو روافض کی ہفوات سے تنگ تھے اور ان پر شدت سے ردّ کرنے کے خواہاں تھے، محمود احمد عباسی کے اَفکار سے متاثر ہوئے اور اسی قسم کی کتب اور کتابچے لکھنے میں مصروف ہو گئے جن میں مولانا اسحاق سندیلوی کی ''اظہارِ حقیقت'' کو بڑی شہرت ملی اور علماء کا ایک طبقہ بھی اس فتنے کی لپیٹ میں آ گیا۔

اس موقع پر جن علمائے ربانیین نے اس فتنے کے رد پر سب سے پہلے توجہ دی، ان میں محققِ زمان علامہ عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اور امام اہلِ سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔ آخری زمانے میں حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ نے اس فتنے کے رد اور دفاعِ اہلِ بیت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔

ان اساطینِ اُمت کے ساتھ اس میدان میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کا کام بھی بہت اہم اور وقیع ہے مگر جس طرح وہ دیگر فرقوں کے مقابلے میں ایک منفرد اور ممتاز اندازِ بحث کے حامل تھے، اسی طرح یہاں بھی انہوں نے ایک الگ طرزِ استدلال اپنایا۔ انہوں نے ناصبیت کو ہوا دینے والوں کا نام لے کر ان پر براہِ راست اعتراضات سے احتراز کیا۔ اس کی جگہ انہوں نے ناصبیت کے بنیادی اصولوں پر غور کیا، ان کے استدلالات کو سامنے رکھا اور پھر ان کے ٹھوس اور علمی جوابات ایسے غیر جانبدارانہ اور محققانہ انداز میں پیش کر دیے کہ کسی کو انگلی رکھنے کی مجال نہ رہی۔

جس طرح رافضیت کے رَد میں ناصبیت کی طرف میلان ہونے کا خطرہ رہتا ہے اورصرف علمائے محققین ہی اس آزمائش پر پورے اتر سکتے ہیں، اسی طرح ناصبیت کا رَد کرتے ہوئے رفض کی طرف میلان کا فتنہ آس پاس منڈلاتا رہتا ہے اوراس سے بچ نکلنا اللہ کی خاص توفیق ہی سے ممکن ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ حق تعالیٰ کے ان خصوصی الطاف وعنایات کے مورِد تھے۔ انہوں نے اللہ کی خاص توفیق سے اپنی تحقیقات میں ہر جگہ یہ پیشِ نظر رکھا کہ ناصبیوں پر رَد کرنے والی کسی عبارت سے روافض فائدہ نہ اٹھانے پائیں۔ اہلِ بیت کی عظمت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب اور یزید کی زیادتیاں بیان کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو ہر بار پر داغ نہ لگیں۔ ان باریک مسائل کو حل کرتے ہوئے انہوں نے جس دِقتِ نگاہ کا ثبوت دیا ہے، اسے دیکھ کر انسان متحیر رہ جاتا ہے۔

نواصب کی مشہور تلبیسات یہ ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافتِ راشدہ موعودہ کے حامل تھے۔ یزید عادل اور صالح خلیفہ تھا۔ تب ہی صحابہ نے اس کی حکومت تسلیم کی۔ غلطی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تھی۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت علامہ صاحبؒ نے ان میں سے ہر شبہے کے تار و پود بکھیر دیے۔ علامہ صاحب کی جرح عمیق مؤثر ہے جو امراض کے لیے تریاق بن جاتی ہے۔ ماسوا اِنتہائی ضدی اور متعصب لوگوں کے ہر طبقے کے بے شمار لوگ ان استدلات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنا قبلہ درست کرلیا۔

خلافتِ راشدہ خلفائے اربعہ میں محصور نہیں، ناصبی عقیدہ:

نواصب کا عقیدہ ہے کہ خلافتِ راشدہ خلفائے اربعہ میں محصور نہیں بلکہ ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ عقیدہ پوری اُمت کے اجماع کی کھلی مخالفت ہے۔ اس شبہے کے جوابات علماء نے اپنے اپنے انداز میں دیے ہیں اور ہر ایک نے موضوع کا حق ادا کیا ہے مگر حضرت علامہ صاحبؒ کا اس بارے میں کلام بھی نہایت نفیس، دقیق اور منفرد ہے۔ (دیکھیے: ۲/۴۹۷، ۵۵۳، ۵۷۸۔ ادارہ)

ہر صحابی خلیفۂ راشد نہیں ہوسکتا:

علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ’’اپنی ذات اوراعمال میں تو سب صحابہ راشدون ہیں: **أُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (پ ۲۶، الحجرات)** لیکن حکومتی ذمہ داریوں کو رشد وہدایت سے نبھانے اور ہر ایک کو اس کا حق دلانے میں جس حسنِ تدبیر، اصابتِ رائے اور جرأت مندانہ عزم کی ضرورت ہوسکتی ہے، ضروری نہیں کہ ملّت کا ہر فرد اس سے اسی طرح عہدہ برآ ہو جس طرح حضرت خلفائے راشدین عزائمِ امور میں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ میدانِ جہاد میں ہر جانباز مؤمن انتہائے اخلاص سے لڑتا ہے لیکن کمانڈ کرنے، کام کو ترتیب دینے اور فوجوں کو لڑانے کے لیے جس حسنِ تدبیر، اصابتِ ظن اور جرأت مندانہ اقدام کی ضرورت ہوتی ہے کیا یہ ضروری ہے کہ ہر لڑنے والے جانباز میں یہ صفات اسی طرح موجود ہوں جس طرح حضرت ابوعبیدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہم میں تھیں۔'' [خلفائے راشدین: ۵۲/۱]

سلطان العلماء کا یہ حکمت آفرین کلام مسئلے کو اس قدر خوبی کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ اس پر کسی اضافے یا تبصرے کی ضرورت نہیں رہتی۔

چار یار کا عقیدہ پہلی صدی ہجری سے اہلِ حق کا شعار ہے:

ایک اور مقام پر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ خلفائے اربعہ کی عقیدت کو اہلِ حق کا شعار اور خلافتِ راشدہ کو خلفائے اربعہ میں محصور ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اہلِ حق انہی چاروں حضرات کی عقیدت سے پہچانے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن خباب کو خارجیوں نے گھیر لیا۔ حافظ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: **فسئلوه عن ابی بکر وعمر و عثمان وعلی.** حضرت عبداللہ بن خباب نے چاروں کے خیر ہونے کی شہادت دی۔ انہوں نے اس پر انہیں قتل کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن دنوں اہلِ حق کا نشان ان چاروں کی عقیدت تھی۔''

(خلفائے راشدین: ۶۶/۱)

یہ بظاہر ایک عام واقعہ ہے اور اسے بے شمار علماء نے بار بار پڑھا ہوگا۔ راقم بھی اسے کتنی بار سرسری انداز میں پڑھ کر گزر گیا۔ مگر اس بظاہر عام سے دکھائی دینے والے واقعے سے اتنے بڑے مسئلے پر اتنا زبردست استدلال حضرت سلطان العلماءؒ ہی کا کمال تھا۔

امام ابوحنیفہ کے قول سے استشہاد:

خلفائے راشدین کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا درجِ ذیل ارشاد بہت مشہور ہے:

''اَلسُّنَّةُ أَن تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبُّ الْخَتَنَيْنِ''

''شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو افضل ماننا اور دونوں دامادوں (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اہلِ سنت کا شعار ہے۔''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے استشہاد کرتے ہوئے علامہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی یہ تعبیر صرف چاروں کو آگے لا رہی ہے۔ خلفائے راشدین میں اگر کوئی پانچواں نام بھی ہوتا تو اسے بھی اس ترتیب میں افضلیت ملتی۔'' [خلفائے راشدین: ۵۴/۱]

اس کے بعد علامہ صاحبؒ نے کئی صفحات میں چودہ صدیوں کے اکابر کی عبارات نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ علمائے اہلِ سنت ہر دور میں خلافتِ راشدہ کو چار خلفاء میں محصور مانتے آ رہے ہیں۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلائل:

نواصب کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہلِ شام نے بیعت نہیں کی تھی، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پوری طرح قائم نہیں ہوئی تھی اور اہلِ شام پر ان کی اطاعت واجب نہ تھی۔ اس لیے انہیں خلیفہ راشد کہنا درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اس شبہے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت ان لوگوں نے کی جو پہلے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کر چکے تھے۔ انہوں نے جواَب آپ کی بیعت کی تو وہ اسی عقیدے سے کی کہ آپ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔'' [خلفائے راشدین:۲/۷۷۳]

نیز آپؒ نے اس نکتے کو بھی متعدد مواقع پر واضح کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں پورے عالم اسلام کے خلیفہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

''وقتِ انعقادِ خلافت آپ رضی اللہ عنہ کی سلطنت پوری قلمرو اسلامی تھی۔ ایسے مواقع پر حاضرین کا فیصلہ غائبین پر ہی لوٹتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف اس کے بعد کا ہے اور شام اس کے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دائرۂ سلطنت سے نکلا ورنہ پہلے آپ اہلِ شام کی طرف سے بھی خلیفہ تھے۔'' [خلفائے راشدین:۲/۴۰۰]

ایک دوسرے مقام پر حضرت علامہ صاحبؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عقدِ خلافت کے وقت آپ کی خلافت تامّہ تھی اور یوں پوری قلمرو اسلامی کو شامل تھی۔''

چند سطروں بعد مزید فرماتے ہیں:

''حضرت علیؓ جب خلیفہ بنے تو آپ اپنے عقیدہ اور اہلِ مدینہ کے نظریہ کے مطابق حضرت عثمانؓ کے جانشین اور پوری قلمرو اسلامی کے حکمران تھے۔ یہ بعد کے حالات سے پتہ چلا کہ کہاں آپ کی حکومت تسلیم نہیں کی گئی۔'' [خلفائے راشدین:۱/۶۶۲]

اسی مسئلے کو ایک مقام پر یوں بیان فرماتے ہیں:

عقدِ خلافت کے وقت آپ کی خلافت تمام قلمرو اسلامی کو شامل تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ شام بھی ان کے دائرہ حکومت میں ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنر شام ہونے کے عہدے سے نہ ہٹاتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی تعمیل حکم میں یہ نہیں کہا کہ میں آپ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتا۔ یہی کہا کہ پہلے قاتلانِ عثمان کو پکڑیں۔ خلیفہ وہی ہونا چاہیے جو مضبوط سے مضبوط دشمن پر بھی گرفت کر سکے۔

اس صورتحال سے پتہ چلتا ہے کہ گو بعد میں شام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ قلم نہ رہا، لیکن عقدِ خلافت کے وقت حضرت علیؓ کے ذہن میں اور ان سے بیعت کرنے والوں کے ذہن میں پوری قلمرو اسلامی خلافت تھی۔'' [خلفائے راشدین:۳۸۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی:

حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کو خلفائے ثلاثہ کے طرز پر ثابت کرنے کے لیے زبردست دلائل دیے ہیں۔ ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

''سب مہاجرین وانصار جو مدینہ میں تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد چہارم مان لیا اور اس طرح آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس وقت تمام قلمرو اسلامی میں اس کا انکار نہ کیا گیا۔ شام میں بھی یہ انکار اس وقت ہوا جب آپ نے گورنر تبدیل کیے۔ پھر بھی حضرت معاویہؓ نے صرف اپنے گورنر ہونے کی حیثیت باقی رکھی۔ متبادل خلافت کا اعلان نہ کیا۔ اس صورتحال سے پتہ چلتا ہے

کہ حضرت علیؓ کی خلافت، آپ کی سبقت فی الاسلام اور آپ کی سیاسی بصیرت سے اور آپ کے علم و تقویٰ سے پوری اُمت میں کسی کو انکار نہ تھا۔ آپ اپنی شہادت سے ایک سال پہلے ۴۰ھ میں حضرت معاویہؓ سے بھی ایک گونہ صلح کر گئے۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ کے آپ کی قلمرو میں خلیفہ راشد ہونے کا کھلا اقرار تھا۔'' [خلفائے راشدین: ۳۷۶/۲، ۳۷۷]

خلافتِ علی رضی اللہ عنہ خلافتِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تسلسل تھا:

حضرت علامہ صاحبؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پہلی تینوں خلافتوں پر مبنی تھی۔ اس کا انتخاب بھی مدینہ منورہ میں عمل میں آیا تھا۔ آٹھ ماہ تک آپؓ نے مدینہ منورہ کو ہی دار الخلافہ رکھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ حضرت ام المؤمنین، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بصرہ جا رہے ہیں تو آپؓ بھی حالات کا سامنا کرنے کے لیے سوئے عراق چلے۔ بصرہ کے حالات درست ہونے پر آپ کوفہ آئے اور نئے حالات میں آپ نے کوفہ کو دار الحکومت بنانے کی تدبیر کی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ عقدِ خلافت کے وقت آپ کا دار الحکومت بھی مدینہ منورہ ہی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت نوعاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہی سی تھی اور اس وقت کے عام مسلمان آپ کی خلافت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تسلسل ہی سمجھتے تھے۔'' [خلفائے راشدین: ۳۸۹/۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ بیت میں سے تھے:

نواصب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہلِ بیت میں شمار نہیں کرتے اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ آلِ رسول میں سے نہ تھے۔ حضرت علامہ صاحبؒ ایک صحیح حدیث کی بنیاد پر مدلل انداز میں اس شبہے کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ گو اصالۃً حضور کے اہلِ بیت و ذرّیت میں سے نہ تھے، مگر حدیثِ کساء کی رُو سے آپ حضور کے اہلِ بیت ہونے کا شرف پا گئے۔ آں حضرت نے انہیں ایک چادر میں لے کر اپنی ذرّیت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اور حضراتِ حسنین کریمینؓ کے ساتھ بٹھایا اور ان پر (اہلِ کساء پر) آیتِ اہلِ بیت پڑھی جو پارہ ۲۲ / سورۃ الاحزاب آیت ۳۳ / میں ہے۔ اس میں اہلِ بیت سے خطاب ہے۔

سیدنا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اصل سادات ہیں اور وہ جس طرح آن حضرت کی اولاد ہیں، وہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی اولاد ہیں۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اہلِ بیت میں شمار کیا جا سکتا ہے۔'' [خلفائے راشدین: ۴۴۳/۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سابقہ گورنروں کو معزول کیوں کیا:

نواصب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے سبائیوں کے کہنے پر سابقہ گورنروں کو معزول کیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس بے بنیاد تلبیس کا جواب فلسفیانہ انداز میں یوں دیتے ہیں:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ یہ گورنر سبائیوں کو مدینہ منورہ آنے سے روکنے میں ناکام رہے ہیں، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ میں قاتلانِ عثمان پر قابو پانے کے لیے اپنی خلافت کو مختلف صوبوں کی جڑوں سے مستحکم کریں۔ جو استحکام

اطراف سے آئے گا، وہ ایک مضبوط مرکز کا سبب ہوگا۔'' [خلفائے راشدین:۳۹۳/۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کیوں چھوڑا:

ناصبی وخارجی ذہنیت والے لوگ یہ بھی الزام تراشی کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سبائیوں کے بہکاوے میں آکر مدینہ کی جگہ کوفہ میں رہائش اختیار کی اور اسلام کو نقصان پہنچایا۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس الزام کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''خارجی لوگ اکثر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے اسلام کی پہلی مرکزیت چھوڑی اور مدینہ کی بجائے کوفہ کو پسند فرمایا۔ صورتحال یہ نہیں تھی۔ یہ اس لیے نہ تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو حضرت حسنؓ نے جب خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تو پھر وہ مدینہ منورہ آکر سکونت اختیار نہ کرتے۔'' [خلفائے راشدین:۴۰۰/۲]

میرے مطالعے کے مطابق علامہ صاحبؒ علمائے اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس الزام کو رفع کرنے کے لیے یہ ناقابلِ تردید نکتہ پیش کیا ہو۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے یہاں تک شبہے کا ازالہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ پیش کر کے کیا۔ چند سطور کے بعد اسی مسئلے کو مزید واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں بھانپ لیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس اُمت کے وہ امام ہیں جن کے قتل پر مسلمانوں میں وحدت نہ رہے گی اور بہت ممکن ہے ان کی آپس میں جنگیں ہوں جو اَب تک نہ ہوئی تھیں۔ آپ نے اسی خدشے سے اپنا دارالحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کر لیا مبادا کہ باہمی اختلافات میں کہیں مدینہ منورہ کی حرمت ریزی ہو۔ یہ حرم رسول ہے۔ اسے اسی عزت وآبرو سے رہنا چاہیے۔'' [خلفائے راشدین:۴۰۱/۲] (دیکھیے:۱۳۷/۲۔ [ادارہ])

نواصب کا الزام، حضرت علی رضی اللہ عنہ ناکام حکمران تھے:

نواصب کا یہ پروپیگنڈا بہت عام ہے کہ حضرت علیؓ ایک ناکام حکمران تھے۔ ان کی ضد اور ناسمجھی کی بناء پر خانہ جنگیاں ہوئیں اور ان کے دور میں خلافتِ اسلامیہ کو استحکام نصیب نہ ہوا۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس پروپیگنڈے کا ازالہ یوں فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس حسنِ تدبیر سے ان بغاوتوں کو فرو کیا اور ان علاقوں میں دوبارہ امن قائم فرمایا اس سے آپ کی سیاسی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان علاقوں میں بغاوتوں کے فرو ہونے پر اس عدل وانصاف سے حکومت کی کہ ایران کے لوگوں نے نوشیروان میں بھی اس قدر عدل وانصاف نہ دیکھا ہوگا۔ افسوس کہ بعض جلد باز اور خام علم اہلِ قلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کی خانہ جنگی سے ان کی سیاسی بصیرت پر انگلی رکھتے ہیں۔

ان (حالات) کا سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ تھی۔ اس وقت اگر کوئی اور بھی خلیفہ ہوتا، اسے اس جال کے توڑنے میں اس سے زیادہ دِقتیں پیش آتیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (پیش) آئیں۔ یہ جال عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے آخری سالوں میں صحابہ کے خلاف پورے ملک میں صوبہ بہ صوبہ بُن چکے تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حالات پر قابو نہ پا سکے تو کوئی دوسرا شخص بھی یہ کام نہ کر سکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سبقتِ ایمانی، تقویٰ طہارت اور غزارتِ علمی مسلمانوں میں مُسلّم تھی اور اس میں مسلمان کہیں بھی دو

رائے نہیں رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس مزاج اور نرمی نے آپ کے مخالفین کو بھی آپ کے بارے میں ان پہلوؤں سے نرم گوشہ کر رکھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جہاں بھی دیکھا کہ خونریزی سے بچ سکتے ہیں، آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ جنگ صفین آخری مرحلے میں تھی۔ آپ کے فوجی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن آپؓ نے کہا: شامیوں نے بانسوں پر قرآن بلند کیے ہیں۔ میں قرآن کے سامنے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔

آپ کے ساتھیوں نے جب چاہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر کفر کا فتویٰ دیا جائے تو آپ نے کہا:

''**اخواننا بغوا علینا**'' یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے بغاوت کر رہے ہیں۔ آپؓ نے انہیں کافر کہنے سے کھلے عام احتراز کیا۔''

[خلفائے راشدین:۲/۴۰۳، ۴۰۴]

غور فرمائیے کہ کتنا متوازن اور مدلل اور منطقی کلام ہے جس سے چند سطور میں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کا دفاع ہو گیا۔

مسئلہ مشاجرات میں حضرت علی کے موقف کی وضاحت اور ان کا بھرپور دفاع:

روافض کا مذہب مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب اور اہلِ شام کی تکفیر ہے۔ اس کے ردِ عمل میں نواصب کا مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تخطیہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصویب ہے۔ جبکہ اہلِ سنت کا موقف متوازن ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب یا اولیٰ بالحق کہا جاتا ہے اور ان کے بالمقابل صحابہ کو مجتہدِ مخطی کہا جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ تمام صحابہ کی عدالت وثقاہت، اخلاص ودیانت اور ان کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان کا پورا پورا اِحترام ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ اسی موقف کو بڑے معتدل انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

''سب اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین میں چوتھے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا، لیکن اس میں اہلِ سنت کا محتاط موقف یہی رہا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے کی بجائے یوں کہا جائے کہ ان میں اولیٰ بالحق حضرت علیؓ تھے یعنی نیت دونوں کی درست تھی۔ منزل دونوں کی حق تھی۔ حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔ دوسری طرف باطل کا لفظ لانے سے احتراز کیا جائے۔'' [خلفائے راشدین:۱/۵۴]

حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات اور بلوائیوں کے بارے میں ان کی حکمتِ عملی کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو بے شک شہید ہو گئے مگر خلافت نہ ٹوٹی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا اعلان کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل ہیں اور اس کی پوری بصیرت رکھتے ہیں، آئندہ خلافت کے لیے کسی تجویز کا محتاج نہ رہا۔ بس ایک تعمیل درکار تھی جو لوگوں نے اپنے ہاتھ بڑھا کر کر لی۔ افسوس صرف اس بات کا رہا کہ ان ہاتھ بڑھانے والوں میں وہ لوگ بھی گھس آئے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور حضرت علیؓ نے بھی اسے بادلِ نخواستہ اس لیے قبول کر لیا کہ یہ باغی لوگ آئندہ اپنی حکومت علیحدہ نہ بنا سکیں۔ آپ آہستہ آہستہ مسلمانوں کے تمام سیاسی حالات کی اصلاح کرنا

چاہتے تھے۔ بڑے خطرے سے بچنے کی یہ ایک سیاسی راہ تھی۔ مگر افسوس کہ حضرت امیر معاویہؓ اسے سمجھ نہ پائے۔ وہ سمجھے کہ آپ ان باغیوں کو رعایت دے رہے ہیں کہ وہ کہیں ان پر بھی حملہ نہ کر دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قریبی رشتہ ہونے کی وجہ سے شاید وہ یہ بھی سمجھ رہے ہوں کہ ان باغیوں کو آپ کی حمایت حاصل ہے۔ [خلفائے راشدین: ۳۸۱]

حضرت علامہ صاحبؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درپیش ان کمر توڑ مسائل اور جاں گسل مصائب کی وضاحت کرتے ہیں جس کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ قتال پر بادلِ نخواستہ مجبور ہوئے۔ حضرت سلطان العلماءؒ فرماتے ہیں:

''اہلِ شام کا اطاعت سے انکار یہ وہ داعیہ کبریٰ ہے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ قابو نہ پا سکے، سلطنتِ اسلامی میں حجاز، عراق، مصر اور شام میں سے تین بڑے علاقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ خلافت تھے۔ شام میں گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انہیں دست بردار کرنے کا حکم نہ مانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ سب سے بڑا اور مضبوط محاذ بنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور آپ نہ صرف قصاصِ خونِ عثمان کے طالب تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس میں شریکِ جرم سمجھتے تھے۔ ان حالات میں ان کا کسی مصالحت یا معاہدے پر آنا بہت مشکل تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لیے خلافت کے مدعی نہ تھے بلکہ بطورِ گورنرِ شام آپ برابر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار رہے اور باغیوں کے پکڑے جانے کے بغیر آپ کسی کو خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہ ہو سکے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بطورِ خلیفہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ قلمروِ اسلامی کے جو گورنر ان کے زیرِ حکم نہ آئیں، انہیں باغی سمجھتے ہوئے آپ ان پر چڑھائی کر دیں۔'' [خلفائے راشدین: ۲/۴۴۷] (دیکھیے: ۲/۵۴۴......۲/۵۷۵۔ [ادارہ])

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت خلافتِ راشدہ موعودہ میں کیوں داخل نہ تھا؟

علمائے اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت خلافتِ راشدہ موعودہ میں شامل نہ تھا۔ اصطلاحی خلفائے راشدین کا رُتبہ ان چار افضل ترین صحابہ کرام ہی کو نصیب ہوا جو سبقت فی الاسلام اور ہجرتِ مدینہ کا شرف رکھتے ہیں جنہوں نے شروع سے مشکلات اور قربانیوں کا خارزار عبور کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سب سے زیادہ مستفید ہو کر آپ کے علوم و معارف کو اپنے اندر سمو لیا۔ اس بارے میں اسلاف نے طویل ابحاث کی ہیں اور اس مسئلے کو ہر لحاظ سے بے غبار کر دیا ہے۔ انہی دلائل میں سے بعض نکات قرآنِ مجید کی نص ''**لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ**'' سے مستفاد ہیں۔

حضرت سلطان العلماءؒ نے بھی اس نص سے استدلال کیا ہے مگر ایسے عجیب و غریب انداز میں کہ جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں:

''یہ سوال جب سامنے آتا ہے کہ آپ (حضرت معاویہ) رضی اللہ عنہ کس کے جانشین تھے؟ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت میں چھ سات سال کا فصل ہے۔ خلافت آپ کو تسلسل سے نہیں ملی۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشین بھی نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آخر دم تک خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا۔ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بھی جانشین نہیں کیونکہ

آپ نے انہیں بھی خلیفہ نہ مانا تھا اور ان کے دورِ خلافت میں آپ ایک برابر کے حصے پر مستقل حکمران تھے، سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ آپ استخلافاً نہیں صلحاً سریرآرائے خلافت ہوئے تھے۔ سو باوجودیکہ آپ نے عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی، شاہراہِ سنت کو قائم رکھا، کتاب اللہ اور اہلِ بیت کو ساتھ لے کر چلے لیکن عقدِ خلافت بطریقِ استخلاف نہ ہونے کی وجہ سے نیز مہاجر نہ ہونے کی وجہ سے آپ اصولاً آیتِ استخلاف کا مصداق نہ رہے۔ گو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح آپ نے خلافتِ عادلہ کی ہے جسے بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حکماً خلافتِ راشدہ کے قریب کہا جا سکتا ہے۔‘‘

[خلفائے راشدین: ۱/۶۶۴، ط **محمود پبلیکیشنز** لاہور]

سبحان اللہ! اس پیراگراف کو جتنی بار پڑھیے، لطف بڑھتا جاتا ہے۔ ہر فقرہ دقتِ نگاہ، وسعتِ مطالعہ، حسنِ عبارت اور اعتدال وتوازن کی انتہا پر محسوس ہوتا ہے۔

یزید کی شخصیت کی بابت اہلِ سنت کے موقف کی ترجمانی:

اہلِ سنت اور نواصب کے درمیان ایک اہم مسئلہ یزید کی شخصیت کا ہے۔ اہلِ سنت یزید کو ظالم اور فاسق مانتے ہیں جبکہ نواصب کے نزدیک وہ ایک مثالی حکمران تھا جس کے دامن پر کسی گناہ یا ظلم کا دھبہ نہ تھا اور اس کی حکومت گویا خلافتِ راشدہ کا نمونہ تھی۔

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے اس قسم کی تلبیسات پر خالص علمی وفقہی انداز میں مفصل رَد کرتے ہوئے ’’ولایتِ یزید: نظریۂ ضرورت کے تحت شرائطِ امامتِ کبریٰ میں پہلا انحطاط‘‘ کے عنوان سے کئی اوراق میں ایک بیش قیمت علمی مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ بطورِ نمونہ اس کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

’’اسلام میں یہ بات بالاتفاق چلی آ رہی ہے کہ مسلمانوں کی ولایتِ عامہ اسی کے لیے متفقہ ہو جو علومِ شرعیہ اور فتوے میں اور تفقہ میں مجتہد درجے کا ہو۔‘‘

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک سربراہانِ اسلام اس علمی درجے کے رہے کہ ان پر بجا طور پر مجتہد کی علمی جھلک نمایاں رہی۔ یزید بن معاویہ تاریخ کا پہلا حکمران ہے جس کی علمی عبقریت کی صدا کہیں ان دنوں کی علمی محفلوں میں سنائی نہیں دیتی، نہ کسی نے اسے علمی مسند پر بیٹھے پایا ہے۔‘‘ [خلفائے راشدین: ۲/۵۱۵]

’’یزید تاریخِ اسلام کا پہلا حکمران ہے جو علم شرائع میں مجتہد کی بصیرت نہ رکھتا تھا۔ عملی طور پر بھی اس کی کوئی اچھی شہرت نہ تھی۔ لیکن وہ بنواُمیہ کی سیاسی قوت کے بل بوتے پر قلمرو اسلامی پر (ماسوائے عراق کے) تسلط پا چکا تھا۔‘‘ [ایضاً: ۲/۵۱۶]

’’ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام میں امامتِ کبریٰ کے لیے جو شرائط کارفرما رہی تھیں، ان میں پہلا انحطاط یزید کی خلافت سے واقع ہوا تھا۔ علمی طور پر وہ کسی اونچے درجے کا نہ تھا۔‘‘ [ایضا: ۵۲۱]

’’عملی طور پر اس میں کئی کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔‘‘ [خلفائے راشدین: ۲: ۵۲۱/]

یزید کے دفاع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کی آڑ لینے والوں پر جرح:

یزید کے حامی اس کے دورِ حکومت میں بہت سے صحابہ کرام کی خاموشی اور خاص کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کو

یزید کے صالح و عادل ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس تلبیس کا پردہ چاک کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ان صحابہ کرام کا یزید کے دور میں سکوت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کرنا اس مصلحت کے پیشِ نظر تھا کہ کہیں یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے سے امنِ عامہ متاثر نہ ہو اور فتنہ مزید نہ بڑھ جائے۔ ظاہر یہ صورتحال پسندیدگی اور مسرت کی نہیں، مجبوری اور اضطرار کی تھی۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''جن صحابہ نے اس حکومت کو تسلیم کیا، وہ کرہاً کیا، طوعاً نہیں۔'' [خلفائے راشدین:۲: ۵۲۰]

''یہی وہ مصلحت تھی جس کے پیشِ نظر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کے اقتدار کو تسلیم کیا اور اس کے دور میں جو بدسلوکی حضرت حسینؓ سے کی گئی، آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ اس میں مظلوم جانا۔'' [خلفائے راشدین:۲/۵۲۱]

نیز فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیاست میں نہ آنا چاہتے تھے۔ یزید کی حکومت گو آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ناپسندیدہ تھی، لیکن اس کے خلاف کسی اور کو کھڑا کرنے میں مسلمانوں کی عام خونریزی اور اَمن کے اٹھ جانے کا شدید خطرہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے جا چکے تھے۔ ان حالات میں آپؓ نے یزید کو حکمران اس کی کسی اہلیت کی بنا پر تسلیم نہ کیا تھا۔ یہ ایک مکروہ صورت تھی جس میں آپ نے اس کی حکومت تسلیم کی۔ آپ اس کا ذکر کسی عزت و تکریم سے نہ کرتے تھے۔ ایک عام آدمی کی حیثیت سے کرتے تھے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا: **''انا قد بایعنا ھذا الرجل علیٰ بیعة الله ورسوله''(صحیح بخاری)** ترجمہ: ہم نے اس آدمی کی بیعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو قائم رکھنے کے لیے کی ہے۔''

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی یزید سے بیعت کوئی تکریم و استحقاق کی بیعت نہ تھی۔ یہ ایک مجبوری کی صورت تھی جس کا سامنا آپ کو کرنا پڑا۔ ابن خیاط کھل کر کہتا ہے کہ آپ کی بیعت ایک مجبوری کی صورت میں تھی۔ کہاں یزید اور کہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ وہ (خلیفہ بن خیاط) کہتا ہے: **''ان بیعة عبدالله لیزید کانت کرھا''** ترجمہ: بے شک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یزید سے حکومت کی بیعت ناپسندیدگی سے ہوئی تھی۔''

پھر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اس بارے میں علامہ شاطبی الغرناطی کی کتاب ''الاعتصام'' کے کچھ اقتباسات مع ترجمہ پیش کر کے آخر میں فرماتے ہیں:

''جن صحابہ نے یزید کی بیعت کی، ان کا نقطۂ نظر اس عبارت میں پوری طرح واضح ہے۔ یہ کوئی یزید کی عزت و تکریم اور اہلیت و بصیرت کا اقرار نہیں جو یزید کے لیے کسی فخر و مباہات کا باعث ہو۔ حالات کا یہ وہ تجربہ ہے جو اس مجبوری میں اس طرح عمل میں آیا۔ اسلام کی شرائطِ امامتِ کبریٰ میں یہ پہلا انحطاط تھا جو اس مجبوری میں گوارا کیا گیا۔ اس ناگواری کے عمل سے یزید کی کسی فضیلت پر استدلال نہ کیا جائے۔'' [خلفائے راشدین:۲/۵۱۹]

اس کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمدرد اور حضرت حسین مظلوم رضی اللہ عنہ تھے۔ فرماتے ہیں:

''ان (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی ہمدردیاں آخر تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں۔ وہ کسی درجہ میں بھی

یزید کے مدح خواں نہ تھے۔عراق کے کچھ لوگ آپ سے موسمِ حج میں ایک مسئلہ پوچھنے آئے۔آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ توانہوں نے کہا: ہم عراق کے ہیں۔آپ نے فرمایا: **اهل العراق یسألون عن الذباب وقدقتلوا ابن بنت رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **وقال النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **هما ریحانتای من الدنیا(صحیح بخاری)** ترجمہ: اہل عراق احرام میں مکھی مارنے کے بارے میں تو پوچھتے ہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو شہید کر چکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما میرے باغِ دنیا کے دو پھول ہیں۔اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کیے جانے کو ایک مظلوم کی شہادت سمجھتے تھے۔'' [خلفائے راشدین: ۵۱۹/۲]

اسی مقالے میں آپؒ یزید کے کردار پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں؛

اس میں شک نہیں کہ یزید ایک امیرانہ ماحول میں پرورش پانے والا آزاد روش نوجوان تھا۔کسی سلطنت کے مرکزی عہدے دار کے لیے جو پختگی اور تدبر درکار ہوتا ہے، وہ اس میں نہ تھا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بہت سی نصیحتوں کے ساتھ نامزد کیا تھا۔انہیں امید تھی کہ وہ ان نصائح پر کاربند ہوکر رہے گا۔حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ وہ ایک نوآموز اور آزاد رَو نوجوان ہے، مروّت سے خالی ہے۔

حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے، دونوں صحابی ہیں۔ان کی رائے یزید کے بارے میں کیا تھی۔حافظ ابن کثیرؒ نے اسے نقل کیا ہے۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی والیٔ مدینہ کو لکھا کہ وہ اہلِ مدینہ سے اس کے لیے بیعت لے۔اس وقت ان دو صحابیوں نے یزید کے بارے میں اپنی یہ رائے دی تھی: **"هو یزید الذی نعرف ،والله ما حدث له عزم ولا مروّة"(البدایة والنهایة)** ترجمہ: یہ وہی یزید ہے جو ہمارا جانا پہچانا ہے۔اللہ کی قسم اس میں کوئی پختگی پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس میں مروت کا کوئی احساس نظر آتا ہے۔'' [خلفائے راشدین: ۵۳۹/۲]

چند سطور کے بعد اسی مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتویٰ سے اپنے کلام کو مؤید فرماتے ہیں؛

''اگر اس (یزید) میں کچھ بھی مروت کا احساس ہوتا تو وہ حضرت حسینؓ سے ملنے کے لیے خود عراق جاتا۔عبیداللہ بن زیاد کو نہ بھیجتا۔اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت کا کچھ احساس نہ کیا اور ابن زیاد جیسے ظالم کو وہاں گورنر بنا کر بھیج دیا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ یزید کربلا میں پیدا ہونے والے حالات کے باعث فاسق ہوا۔یہاں تک کہ مدینہ کے لوگ جو اس سے بیعت کر چکے تھے، وہ بھی نقضِ بیعت پر تُل گئے۔ماسوائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے۔ان کا خیال تھا کہ اب اس کے مقابلہ میں زیادہ خونریزی ہوگی۔اس سے اُمت کو بچانا ضروری ہے۔امام زین العابدینؒ کی بھی آخری رائے یہی تھی۔تاہم یہ نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں اس کا کوئی احترام ہو۔حضرت مولانا گنگوہی لکھتے ہیں:

''کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں۔یزید مؤمن تھا۔بسببِ قتلِ (حسین) کے فاسق ہوا۔کفر کا حال دریافت نہیں۔کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدۂ قلب پر موقوف ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۳۸) [خلفائے راشدین: ۵۳۹/۲، ۵۴۰]

حدیث اثنا عشر خلیفۃ سے نواصب کے استدلال کا مسکت جواب:

یزید کے مداح صحیح مسلم کی حدیث ''**اثنا عشر خلیفۃ**'' کو لے کر یہ پرچار کرتے ہیں کہ یزید بھی ان بارہ خلفاء میں سے ایک ہے۔ چونکہ یہاں بعض شارحین کی عبارات میں بھی یزید کا نام آگیا ہے، اس لیے نواصب کو یہاں اپنے تلبیسات کا جال پھیلانے کا بخوبی موقع ملا ہے، حالانکہ ان شارحین کا مقصد یزید کی تعدیل اور مدح وثنا ہرگز نہ تھا جیسا کہ سیاق وسباق میں ان کی عبارات ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ مگر اصل عبارات کو دیکھنے کا موقع محققین کے سوا کون نکالتا ہے۔

ایسے میں حضرت علامہ خالد محمودؒ علمائے حق کی بہترین ترجمانی کرتے ہوئے اس مسئلے پر علم وحکمت کے موتی یوں بکھیرتے ہیں:

''یہ بے شک صحیح ہے کہ بارہ امراء کی اس روایت میں ''**لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ عَزِیْزًا**'' کہ یہ دین ان بارہ امراء کے زمانے تک ضرور غالب رہے گا، کے الفاظ ضرور وارد ہیں لیکن اس غلبے سے مراد دین کا ''داخلی غلبہ'' نہیں کہ ان کے زمانے کے لوگ بڑے نیک اور دین دار قسم کے ہوں گے، بلکہ یہاں غلبے سے مراد ''دین کا خارجی غلبہ'' ہے کہ کوئی غیر مسلم بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکے گی، کسی بیرونی سلطنت کو اسلامی سلطنت کی طرف منہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی اور قبۂ اسلام ہر مخالف سلطنت کے لیے ایک ''ارضِ منیع'' ہوگا۔ یہ ایک ایسا محفوظ علاقہ ہوگا جس کی طرف رُخ کرنے کی ہر غیر مسلم طاقت کو رکاوٹ ہوگی۔

عزیز کے یہ معنیٰ کہ دین کا خارجی غلبہ مراد ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ عَزِیْزًا مَنِیْعًا اِلٰی اثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَۃً**'' علاوہ ازیں یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ یہاں عزیز ہونا دین کی حالت کا بیان ہے، ان بارہ امراء کی صفت نہیں، یعنی اگر ان بارہ امراء میں سے اگر بعض ظالم اور غلط کار بھی ہوں مگر عوامی سطح پر دین غالب رہے تو ایسا بسا اوقات ہوا ہے کہ رب العزّت فساق وفجار سے بھی دین کا کام لے لیتے ہیں۔'' [عبقات: ۱/۳۷۷]

یہ مختصر مگر جامع کلام اس موضوع پر نواصب کی تمام تلبیسات کا یکسر قلع قمع کر دیتا ہے اور قارئین کو حدیثِ مبارکہ کے صحیح مفہوم سے اس طرح روشناس کراتا ہے کہ تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور حق واضح ہو جاتا ہے۔

یزید کی زشت کرداری اور زیادتی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت اور حقانیت کو بیان کرنے کے ساتھ حضرت سلطان العلماءؒ اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق قارئین کو یہ یاددہانی کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام پوری طرح ملحوظ رہے۔ آپؒ فرماتے ہیں؛

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں۔ آپ کی اسلام میں بہت خدمات ہیں اور آپ سالہا سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کا تارا رہے۔ سو اس میں احتیاط درکار ہے کہ یزید کی وجہ سے کہیں آپ کا دامن گرد آلود نہ ہونے پائے۔'' [خلفائے راشدین: ۲/۵۴۱]

یہ ردِ ناصبیت کے باب میں حضرت سلطان العلماءؒ کی خدمات کا استیعاب نہیں بلکہ ایک ادنیٰ جائزہ ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عالم بے بدل کے علوم ومعارف سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہنے اور ان کے مشن پر چلنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد طارق محمود(۱)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیثی خدمات

تلک آثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

یہ ہمارے نشانات ہیں جو ہمارا پتا دیتے ہیں ☆ ہمارے بعد ہمارے نشانات دیکھ لینا

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کی حدیثی خدمات سے آگاہی کے لیے ہمارے پاس دو بنیادی ماخذ ہیں۔۱: حضرت کی تصانیف۔۲: حضرت کے محاضرات و دروس۔ یوں تو حضرت کی تقریباً سبھی تصانیف اور محاضرات حدیث شریف کی دل نشیں تشریحات اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں، لیکن خاص حدیث شریف کے موضوع پر مستقل مجموعے بندہ کی معلومات کے مطابق تین ہیں۔۱: آثار الحدیث ۲ جلد۔۲: دوازدہ حدیث ا جلد۔۳: درس صحیح بخاری کے امالی۔

زیر نظر مضمون میں پہلے ان تین مجموعوں کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا اور پھر حضرت کی عمومی حدیثی خدمات کا ایک خاکہ پیش کیا جائے گا۔

خصوصی حدیثی خدمات:

۱: آثار الحدیث:(۲)

حضرت رحمہ اللہ نے علم حدیث سے متعلق مختلف موضوعات پر علمی دروس دیے تھے۔ جنھیں طلبہ نے لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ اور پھر یہ دروس حضرت کی نظر ثانی اور اضافات کے بعد کتابی شکل میں آثار الحدیث کے نام سے شائع ہوئے۔ ان دروس میں حضرت کے پیش نظر علوم الحدیث کے مختلف گوشوں کا مستند اور مفصل تعارف رہا ہے، تاکہ مستشرقین اور مستغربین کے شبہات سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ متاثر نہ ہو پائے۔ اور اگر کوئی خدانخواستہ کسی شبہہ کا شکار ہو جائے تو اس کتاب کے مطالعے سے اسکا ذہن صاف ہو جائے۔ اب اس اجمال کی تفصیل حضرت کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

"افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ مطالعہ اسلام کے لیے بھی مغربی ماخذ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے باعث اصل ماخذ تک انکی رسائی نہیں ہوتی۔ علماء کی اردو میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ان جدید طلبہ اور دانشوروں کے بڑے پیمانے پر سیمینار منعقد

---

(۱) متخصص فی الحدیث، متخصص فی الفقہ والافتاء، مدرس و معین مفتی: جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور......(۲) ۱/۶۲۲......۲/۶۵۲۔[ادارہ]

کیے جائیں۔اوراسطرح انھیں اسلام کے اس ماخذ علمی پر مطمئن کیا جائے۔پچیس سال پہلے راقم الحروف نے پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں میں حدیث کے موضوع پر کچھ لیکچرز دیے تھے۔ان کی ابتدا مرے کالج سیالکوٹ سے ہوئی تھی۔گورنمنٹ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے بعض طلبہ اسلامیات نے ان مضامین کو مختلف سیمیناروں میں سنا اور لکھا، یہاں تک کہ یہ علمی تحریرات نظر ثانی کے لیے میرے پاس پہنچ گئیں۔اشاعت کی جلد صورت سامنے نہ آئی تو احقر نے بعض مضامین ملک کے مختلف جرائد میں شائع کرا دیے۔اوراس طرح طلبہ کی یہ محنت افادہ عام کے لیے منظر عام پر آ گئی۔

طلبہ علوم اسلامی کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس سرمایہء علم پر پوری فنی محنت کریں۔اس کے ایک ایک موضوع کا فکری نظری اور تاریخی جائزہ لیں۔دیگر فنون سے دورہ تحصیل سے مناسبت رہے تو وہ ساری عمر کام دیتی ہے،مگر فن حدیث اپنے کمال میں پوری عمر مانگتا ہے۔جو طلبہ دورہ حدیث سے فارغ ہوئے انھیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم اس منزل کو طے کر چکے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اب ہم اس لائن پر چلنے کے لائق ہوئے ہیں۔اوراب اس راہ میں ہمیں ساری عمر چلنا ہے۔علما کی زندگی کا یہ سب سے اشرف موضوع ہے،جس طرح دروہ حدیث طلبہ علوم اسلامی کی سب سے بڑی کلاس ہے۔

آثار الحدیث ان شاء اللہ العزیز آپ کی زندگی کے اس پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی۔آپ بھی پوری توجہ سے اس کا ساتھ دیں۔اسے پڑھیں اور پڑھائیں۔حدیث کے خلاف پھیلائے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائیگی۔اورآپ کو اس میں حدیث کی صداقت پر ایک کھلا نور،سکون اور اطمینان ملے گا۔ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد۔

احقر نے ان مضامین میں فنی اصطلاحات کو اپنے روایتی مفہوم میں محدود نہیں رکھا۔بات کو جدید ذہنوں میں اتارنے کے لیے کچھ وسعت سے کام لیا ہے۔علمائے حدیث نے اس علم کا موضوع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔احقر نے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا ہے۔حدیث کی کوئی کتاب ان کی مرویات کے بغیر جامع اور سنن نہیں،ضروری سمجھا کہ اس موضوع کی وسعت میں ہم ان نفوس قدسیہ کو بھی ساتھ رکھیں جو اس قریب تعلق سے خود بھی اس فن کا موضوع بن گئے تھے۔

طلبہ علوم اسلامیہ ان علوم کے تحقیقی مراحل میں مستشرقین سے کہیں تائید لے لیں تو اس میں حرج نہیں۔لیکن ان تحقیقات کے کسی باب میں ان پر بھروسہ نہ کریں۔یہ اس فن کی کہیں تعریف بھی کریں گے تو اس کے آخر میں مگر کا الارم دیکر طالبین کو شک کی ایک ایسی گہری وادی میں دھکیل دیں گے جس میں گرتے تو کئی دیکھے گئے،لیکن نکلنے والا خوش قسمت کوئی کوئی رہا......درایت اس کتاب کا موضوع نہیں۔اس کی بحث آپ کو ان شاء اللہ العزیز آثار التشریع میں ملے گی......آثار الحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔آپ پوری کتاب نہ بھی پڑھیں تو جس موضوع کی آپ کو ضرورت ہو اسے اس کے متعلقہ عنوان میں آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے۔ہر عنوان اپنی جگہ ایک پورا مضمون ہے۔اسے پڑھیے،آپ کے ذہن میں اس موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔بعض عنوان ایسے ہیں جن میں کچھ قدر مشترک ہے۔یہ قدر مشترک آپ کو مختلف

عنوانوں میں موضوع کی مناسبت سے ملے گی۔اسے تکرار بے جا نہ سمجھا جائے۔ ہر عنوان کو جامع بنانے کے لیے اس کا وہاں دیا جانا ضروری تھا۔حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے **الصحیح** کے باب باندھے تو آپ کو بھی بعض احادیث ان میں تکرار سے لانی پڑیں۔حدیث پر کام کرنے والوں کے لیے اس سے گریز ممکن نہیں......دورۂ حدیث کے طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر دورہ حدیث شروع کریں تو اساتذہ کی تحقیقات کو وہ بڑی آسانی سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ دے سکیں گے......ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اب حملہ آور آنہیں رہے، اٹھ رہے ہیں۔لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اندورنی دشمن کا سامنا کرنا بیرونی حملہ آوروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سخت ہوتا ہے۔'' [آثار الحدیث: مقدمہ: ۲۲ تا ۳۲ ملخصا بلفظہ]

اس کتاب میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے کل ۲۹ رعنوانات پر مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے: (واضح رہے کہ یہ تفصیل دار المعارف، اردو بازار، لاہور کی طبع اول کے مطابق ہے)

جلد اول میں ۱۵ ر موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔۱: لفظ حدیث۔۲: تاریخ حدیث۔۳: موضوع حدیث۔۴: ضرورت حدیث۔۵: مقام حدیث۔۶: اخبار حدیث (یعنی غیبی خبریں)۔۷: قرآن الحدیث (یعنی حدیث میں قرآن مجید کو کس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے)۔۸: حجیت حدیث۔۹: حفاظت حدیث۔۱۰: تدوین حدیث۔۱۱: رجال حدیث۔۱۲: شیعہ اور علم حدیث (اہل تشیع کے سلسلہ حدیث پر کلام)۔۱۳: اسلوب الحدیث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب بیان)۔۱۴: امثال الحدیث (احادیث میں آنے والی مثالیں)۔۱۵: غریب الحدیث (حدیث شریف کے دقیق الفاظ کی وضاحت)۔

جلد دوم میں ۱۴ موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔۱: آداب الحدیث۔۲: قواعد الحدیث۔۳: اقسام الحدیث۔۴: متون الحدیث۔ ۵: شروح الحدیث۔۶: تراجم حدیث (دوسری زبانوں میں حدیث کے ترجمے)۔۷: ائمہ حدیث۔۸: فقہائے حدیث۔۹: ائمہ جرح وتعدیل۔۱۰: ائمہ تالیف۔۱۱: ائمہ تخریج۔۱۲: اہل حدیث۔۱۳: منکرین حدیث۔۱۴: مدارس حدیث (حدیث شریف کی درس گاہیں)۔

الغرض آثار الحدیث کہنے کو تو دو جلد پر مشتمل ایک کتاب ہے، لیکن درحقیقت علوم الحدیث کے مختلف موضوعات پر ۲۹ ر وقیع مقالات اور رسائل کا مجموعہ ہے۔جن میں عام فہم زبان اور رواں اسلوب میں قارئین کو معلومات ذہن نشین کرائی گئی ہیں۔اور افہام وتفہیم کے ذریعے شبہات کے کانٹے دور کر دیے گئے ہیں۔نیز علوم الحدیث کی تاریخ کا ایک مرتب اور منضبط خاکہ سامنے لایا گیا ہے۔

۲: دوازدہ حدیث:

اس کتاب میں حضرت رحمہ اللہ نے ۱۲ ر احادیث کی تشریح کی ہے۔یہ وہ احادیث ہیں جن کے معانی بگاڑ کر اہل باطل اپنے فاسد عقائد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔حضرت نے ان احادیث کی کافی وشافی وضاحت سپرد قلم فرمائی ہے۔اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کا صحیح مطلب سمجھایا ہے۔کتاب کے مطالعے کے بعد منصف مزاج آدمی کے لیے شک وشبے کی کوئی گنجائش

نہیں رہتی۔ان احادیث کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: **انک لاتدری ما احدثوا بعدک** ۔۔۔آپ نہیں جانتے انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں اختیار کر لی تھیں۔(حدیث حوض)

۲: **انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما** ۔۔۔میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔(حدیث ثقلین)

۳: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** ۔۔۔جس کا میں دوست ہوں علی بھی اسکا دوست ہے۔(حدیث ولایت)

۴: **لایزال الاسلام عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة** ۔۔۔اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا۔(بارہ امام کی حدیث)

۵: **فاطمة بضعة منی فمن ابغضها فقد اغضبنی** ۔۔۔فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا حصہ ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔(حدیث اغضاب فاطمہ رضی اللہ عنہا)

۶: **ان امتی سیبلغ ملکھا مازوی لی منھا** ۔۔۔میری امت کا قبضہ ان سب پر ہوگا جو میرے سامنے جمع کیے گئے۔(عالمی غلبہ رسالت کی حدیث)

۷: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے باغِ فدک کا حصہ مانگا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا۔(حدیث فدک)

۸: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں کاغذ قلم مانگا جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ دیا۔(حدیث قرطاس)

۹: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں **لااشبع اللہ بطنه** (اللہ اسکا پیٹ نہ بھرے) ارشاد فرمایا۔(حدیث فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

۱۰: صحابہ کرام کی باہمی لڑائیاں۔(حدیث وحدت امت)

۱۱: نجران کے عیسائیوں سے مباہلے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں آئے تھے۔(حدیث مباہلہ)

۱۲: حضرت مہدی علیہ الرضوان کون ہیں؟۔(حدیث خروج مہدی)

مذکورہ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر برصغیر کے بہت سے مدارس دینیہ نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا ہے، جیسا کہ کتاب کے ص ۲۲۳ پر وضاحت کی گئی ہے۔اگر دیگر اہل مدارس بھی اس طرف توجہ فرمائیں تو یقیناً طلبہ کے لیے بہت مفید ہوگا۔کتاب کے ذائقے سے آشنائی کے لیے ایک اقتباس ملاحظہ ہو: (حدیث وحدت امت کی شرح میں ارشاد ہے:)

”امت مسلمہ کا ایک سے دو ہو جانا تاریخ اسلام کا نہایت افسوسناک موڑ تھا۔اب انتظار تھا کہ یہ دو پھر کب سے ایک ہوتے ہیں۔اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی چلی آرہی تھی۔جس کے پورا ہونے کا وقت اب آگا تھا۔حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو حدیث وحدت امت کہتے ہیں۔اور آج کی مجلس میں بس اس کا بیان ہوگا۔**واللہ ھو الموفق لمایحبہ ویرضی بہ**۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا خاصا اثر تھا اور آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنی چاہی اور دونوں بھائیوں نے اس پیش رفت کے ذریعے پھر سے امت کو دوسے ایک کر دیا۔حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،آپ نے کہا:**سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن علی جنبہ ینظر الی الناس مرۃ والیہ مرۃ ویقول ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین**.[صحیح بخاری:۱/۵۳۰]ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سنا جب کہ آپ کی دائیں جانب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔آپ ایک دفعہ لوگوں پر نظر کرتے اور ایک دفعہ حضرت حسن کی طرف اور آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالی اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے گا۔صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ اسطرح بھی آئے ہیں:**فئتین عظیمتین من المسلمین**۔ترجمہ: یہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کی صلح ہوگی۔یہاں سے ہر ایک جماعت کیلیے فئہ عظیمہ کی ایک اصطلاح بن گئی۔حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی یہ صلح کوئی مجبوری کی صلح نہ تھی۔مجبوری تب ہوتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عراق گئے ہوں۔جہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے،لیکن اگر یہ دونوں بھائی شام آئے ہوں تو اسے مجبوری کی فتح اور طاقت کی فتح نہیں کہا جا سکتا۔پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلح کو عزت کے پیرائے میں بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی بات ظاہر داری کی نہیں ہوسکتی۔پیغمبر کا ایسا بول وحی الٰہی سے ہوتا ہے۔**وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**۔حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وظائف بھی لیتے رہے اور حضرت حسینؓ اپنے بھائی کی شہادت کے بعد بھی اپنے وظائف لیتے رہے۔اور مدینہ میں ہی مقیم رہے۔تو کیا یہ کسی حدیث میں بھی مجبوری کی صلح ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں!''[دوازدہ حدیث:۱۷۷تا۱۷۹،محمود پبلی کیشنز،شاہدرہ،لاہور،ط:۲۰۱۸م](دیکھیے:۱/۶۵۲۔[ادارہ])

۳: درس بخاری کی تقریرات:

حضرت علامہ رحمہ اللہ نے اس آخری سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں درس بخاری میں جو تقریرات فرمائیں ان میں سے کچھ جواہر پارے درج کیے جاتے ہیں: سند کے اعتبار سے تین کتب اہم ترین ہیں: بخاری،مسلم،ابوداود۔......ترمذی کی خصوصیت یہ ہے کہ وفی الباب سے دوسرے صحابہ سے جو احادیث اس بارے میں آئی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور دوسرے حدیث کے ساتھ امت کا عمل بھی بیان کرتے ہیں۔......جو استاذ ترمذی میں ماہر ہوگا وہ سارے علم حدیث پر حاوی ہوگا۔مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے مدرسے میں ترمذی خود پڑھاتے تھے،بخاری کوئی اور پڑھاتا تھا۔(بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ہاں دورہ حدیث میں سب سے پہلے ترمذی کا درس ہوتا تھا،جس میں مباحث کی تفصیل ذکر کی جاتی،ترمذی پوری ہوجانے کے بعد دوسری کتاب شروع ہوتی۔طارق)......وحی کی ابتدا کیسے ہوئی یہ بخاری جلد ا کے شروع میں ہے،یہی بات دوسری جلد میں بھی

ہے، پہلے حصے کو سمجھنے کے لیے دوسری جلد میں جانا پڑے گا، ابواب فضائل القرآن کا پہلا باب۔...... جب کوئی مسئلہ پوچھے تقدیر کا تو اس سے پوچھیں کہ معلق پوچھ رہے ہو یا؟ مبرم تو اللہ کی مشیت کا فیصلہ ہے، تقدیر کی بات منوانے کے بجائے مشیت کا اقرار کروالیں، اس سے خود بخود تقدیر بھی مان لے گا۔غلام احمد نے کہا کہ میری پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو کیا ہوا؟ ابراہیم علیہ السلام کی پیش گوئی بھی پوری نہیں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ خواب دیکھا کہ ذبح کررہے ہیں جب لٹالیا تو ذبح نہ ہوا بیٹا معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بات پوری نہ ہوئی۔اسے یہ جواب دیں کہ خواب میں دیکھا کہ **أَذْبَحُ** ذبح کررہا ہوں، یہ نہیں ہے کہ ذبح کر چکا ہوں تو جب چھری چلائی تو کہہ سکتے ہیں کہ ذبح کررہے ہیں تو بات پوری ہوگئی۔اگر لفظ **ذبحتُ** ہوتا تب آپ کہتے کہ بات پوری نہیں ہوئی۔...... امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر راوی کو اپنی لکھی ہوئی روایت یاد نہ ہو تو صرف کتابت سے بیان کرنا درست نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں درست ہے، بخاری شریف کی اکثر روایات کتابت سے ہیں، یادداشت سے نہیں۔......مباہلہ کے بارے میں یاد رکھیں کہ مباہلہ ہوا ہی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دعوت الی المباہلہ دی تھی، وقت جواب دینے کا وہ مانگتا ہے جسکا کیس تیار نہ ہو، عیسائیوں نے بھی وقت مانگا تھا، لہٰذا مباہلہ نہیں ہوا، مباہلہ اور ہے دعوت الی المباہلہ اور ہے۔...... جب آپ سے بھی کوئی کہے کہ حدیث بتاؤ علما کی بات نہ کرو تو ان سے کہیں کہ امام بخاری نے کہا ہے: **وقال عدة من اهل العلم** امام بخاری نے اہل علم کا حوالہ دیا ہے، کیا امام بخاری کو حدیث یاد نہیں تھی؟...... اگر سعودی حکومت آل سعود حنفیوں کے خلاف ہے تو عقیدہ طحاویہ مدینہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیوں کی گئی ہے؟...... **اريت النار** سمجھیں۔آگ دکھائی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے وہ آگ نہیں دیکھ رہے تھے۔اگر پیغمبر حاضر ناظر ہو تو وہ تو ہر وقت دیکھ رہا ہوگا، تو پھر **اريت النار** کے معنی نہ ہوں گے۔...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سب سے زیادہ غم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تھا، لیکن اللہ تعالی نے سب سے زیادہ ہوش، ضبط اور برداشت انھیں عطا کیا اور انھوں نے سب کو ایسا سنبھالا کہ دنیا میں مثال نہیں...... میں نے ایک دوست سے پوچھا کہ جو خود کو اہل حدیث کہتے تھے، کہ تم سب کے سب نے حدیث پڑھی ہوئی ہے؟ کہنے لگے نہیں، جو نہیں پڑھے ہوئے وہ علما سے پوچھ کر عمل کرتے ہیں، میں نے کہا تمہارے لیے تقلید جائز ہوگئی، اپنے لیے تقلید جائز سمجھتے ہو تو ہمارے لیے کیوں ناجائز سمجھتے ہو۔......(درس بخاری کے یہ نکات بندہ نے عزیزم مولوی عبداللہ احمد کی ضبط شدہ تحریرات سے نقل کیے ہیں۔مولوی صاحب نے اس سال [۲۰۱۹ء] جامعہ اشرفیہ سے دورہ حدیث شریف کیا ہے۔) (دیکھیے: ۶۹۲/۲۔[ادارہ])

عمومی حدیثی خدمات:

حضرت علامہ رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف اور محاضرات میں حدیث شریف کی جو تشریحات ذکر فرمائی ہیں، وہ گوناگوں خصوصیات کی حامل ہیں۔اس عنوان کے تحت ہم ان خصوصیات کا مختصر تذکرہ پیش کرتے ہیں:

۱: مستند حوالہ جات کا اہتمام: حضرت جس موضوع پر کلام فرماتے ہیں ٹھوس اور مستند حوالہ جات سے بات کرتے ہیں۔

۲: عام فہم اور شافی تشریحات: سادہ الفاظ میں حدیث کا مطلب کھول کر بیان کرتے ہیں، جس سے سننے والے کا دل

مطمئن ہو جاتا ہے۔

۳: حدیث کی شرح حدیث سے: ایک حدیث کی مختلف سندوں کے الفاظ کو یکجا ذکر کر کے حدیث کی مراد واضح کرتے ہیں۔ اور ایک مضمون کی احادیث سے بھی ایک دوسری کی شرح کرتے ہیں۔

۴: حدیث کے روایت کے لحاظ سے معیارات کا لحاظ: حدیث شریف کو جس درجے کے دعوے کی دلیل بنایا جارہا ہے اس کی سند میں بھی اتنی قوت ہو، اس کا لحاظ فرماتے ہیں۔

۵: استناد الی الاکابر: حتی الامکان اکابر اہل علم کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ سخت ضرورت کے بغیر اپنی رائے کا ذکر نہیں فرماتے۔ حتی کہ اساتذہ کی اردو کتب سے اقتباسات لیتے ہیں۔

۶: اپنی رائے کا ذکر اور تواضع: مجبوراً اپنی رائے کا ذکر کرنا پڑے تو بڑے عاجزانہ انداز میں کرتے ہیں۔

۷: شرح حدیث میں اصول درایت کا لحاظ: متن کی تشریح میں اس موضوع سے متعلق دیگر دلائل شرعیہ کے مفہوم اور درجے کا لحاظ رکھتے ہیں۔

۸: تشریح میں تدریجی ارتقا: آسان اور عام فہم مضامین سے آہستہ آہستہ قاری کو ساتھ لیکر دقیق اور غامض مضامین کی طرف بڑھتے ہیں۔

۹: تفصیلی مباحث کی تلخیص: شروح حدیث کی مطول کتب میں پھیلے ہوئے مباحث کا عمدہ اختصار کرتے ہیں۔

۱۰: لطیف استنباطات: اپنی جودت طبع سے بسا اوقات باریک نکتے استخراج کرتے ہیں۔ **تلک عشرة كاملة.**

مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ان سب خصوصیات کی ایک ایک مثال حضرت علامہ رحمہ اللہ کے کلام سے ہدیہ قارئین کرتا، لیکن **ما لا یدرک کله لایترک کله** کے مصداق چند ایک شذرات پیش کرتا ہوں، تا کہ مشتے نمونہ از خروارے کا کام دیں۔

ایک درس میں لفظ ''سنت'' کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''الفاظ اپنی ضد سے پہچانے جاتے ہیں، توحید کے مقابل لفظ شرک ہے۔ شرک دنیا میں کہیں وجود نہیں رکھتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کہیں خدا کا کوئی شریک ہو، ہاں اشراک ضرور موجود ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوششیں۔ جو لوگ ان ناکام کوششوں میں لگے ہیں انھیں مشرک کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی بعض ایسے بدنصیب ہیں جن کے عقائد اشراک کی عملی صورت ہیں۔ اب دوسرا لفظ ''سنت'' بھی سمجھ لیجیے! یہ لفظ کبھی فرض اور واجب کے مقابل آتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں یہ کام فرض ہے یا سنت؟ یہ لفظ کبھی بدعت کے مقابل آتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں کام کرنا بدعت ہے یا سنت؟ یہ لفظ کبھی حدیث کے مقابل آتا ہے۔ طلبہ پوچھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی روایت حدیث ہے یا سنت؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تراویح باجماعت چھوڑنا یہ حدیث ہے یا سنت؟ نماز کی حالت میں کسی دوسرے سے کلام کرنے کی روایت حدیث ہے یا

سنت؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی قبر پر ٹہنیاں رکھنا حدیث کہلائے گا یا سنت؟ حدیث کا لفظ کبھی قدیم کے مقابل آتا ہے۔قرآن کریم (اللہ کا کلام) قدیم ہے، حادث نہیں، اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حدیث ہے۔سنت کا لفظ کبھی سنت نبوی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔اسکے مقابل سنت (خلفائے) راشدین اور سنت صحابہ کا لفظ آتا ہے۔آج اس اجتماع میں لفظ سنت بدعت کے مقابلہ میں لیا جارہا ہے۔'' [عبقات:۲/ ۲۵، دارالمعارف، اردو بازار لاہور] (دیکھیے :۲/۴۲۲، ۴۴۹، ۵۶۶۔)

اہل علم پر مخفی نہیں کہ لفظ سنت کے یہ سب اطلاقات اگر پیش نظر رہیں تو بہت سی الجھنوں سے نجات ہو جاتی ہے۔

بارہ خلفا میں مروان بن حکم کی حکومت داخل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اپنی رائے کا ذکر ان متواضعانہ الفاظ میں فرماتے ہیں: ''احقر کی رائے ہے کہ مروان بن حکم کی حکومت بھی اس فہرست میں شامل نہیں، بلکہ اسوقت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت ہی اولی تھی۔یہی امام مالک کی رائے ہے، اور یہی محدث ابن جوزی کا فیصلہ ہے۔**واللہ اعلم بحقیقة الحال**۔'' [عبقات:۱/ ۳۷۶]

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''علمائے دیوبند اس کے قائل ہیں کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیائے سابقین سے ملاقات ہوئی۔وہ دونوں باتوں کو ممکن سمجھتے ہیں کہ:

۱: ان کی ارواح بامر الٰہی خود ان کے اجسام کی صورتوں میں متشکل ہوگئی ہوں اور یہ ان کا ایک مثالی ظہور ہو۔

۲: یا اللہ تعالی نے انھیں ان کے اپنے اصلی اجساد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم واقتدا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کا موقع دیا ہو۔حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ صحیح بخاری کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: **ثم استشکل روية الانبيا فی السموات مع ان اجسادهم مستقرة دفی قبورهم. واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقاته صلی الله عليه وسلم ذلک الليلة تشريفا وتكريما له**. ترجمہ: پھر آسمانوں میں آپ سے انبیا کی ملاقات میں یہ اشکال ہے کہ یہ کیسے ہوئی؟ کیونکہ ان کے اجساد مبارکہ تو اپنی اپنی قبروں میں قرار پکڑے ہوئے ہیں! (وہی قبریں ان کا مقر ہیں)۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح مبارکہ ان کے اجساد کی صورتوں میں متشکل ہوئیں۔اور وہ اس رات ان ابدان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے بھیجے گئے اور یہ سب آپ کے شرف اور آپ کی تکریم کے لیے ہوا۔(صحیح بخاری:۱/ ۹۴۵)

سو واضح ہوا کہ علمائے دیوبند پر یہ اعتراض ہرگز صحیح نہیں کہ جس طرح وہ اپنے بعض اساتذہ کرام کا پھر سے ایک بدن مثالی میں ظہور ممکن سمجھتے ہیں وہ حضرات انبیائے کرام کے لیے اس مثالی ظہور کو کفر وشرک قرار دیتے ہیں۔اسی طرح وہ اس بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتے کہ انبیائے کرام امر الٰہی سے کبھی اپنی قبروں سے بھی ایک لمحہ کے لیے کہیں حاضر کردیے جائیں اور اس سے ان کا ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔'' [عبقات:۲/ ۲۸۹، ۲۸۸]

حضرت علامہ رحمہ اللہ کا سارا کلام اس طرح کی دلآویز حدیثی تشریحات سے لبریز ہے۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں بھی حضرت کا مخصوص انداز گفتگو عطا فرمائیں۔آمین یارب اللعالمین۔

☆☆☆☆

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمودؒ اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ

راقم ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک بہاولپور میں مبلغ رہا، بہاولپور میں ہمارا دفتر جامع مسجد الصادق کے بالمقابل چوک بازار میں واقع تھا، لیکن اس کا دروازہ رنگیلا بازار کی طرف کھلتا تھا، یہ دفتر معلمین کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تھا، شارٹ سرکٹ کی وجہ سے نیچے دو کانوں کو آگ لگی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے دفتر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، معلمین کا ریکارڈ، راقم کی کتابیں اور کاپیاں سب جل کر راکھ ہو گئیں تو دفتر عارضی طور پر چوک شہزادی میں دودھ دہی کی دوکان کے اوپر منتقل کر لیا۔ اس دوران مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہ کسی پروگرام سے فارغ ہو کر تشریف لائے، راقم نے خوش آمدید کہا، حسب تقاضا اکرام کیا۔

حضرت علامہ ایک مرتبہ بہاولپور تشریف لائے اور آپ نے جامع مسجد الصادق میں عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب لاجواب سے دو تین باتیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: او موت سے ڈرنے والے بزدلو! اگر موت کسی کے اختیار میں ہوتی تو خالد کبھی کا مر چکا ہوتا۔ کیونکہ میرے جسم کا رواں رواں تلواروں اور تیروں کے زخموں سے چُور چُور ہوا، لیکن شہادت کی بجائے بسترِ مرگ پر خداوند قدوس کو جان دے رہا ہوں۔

اس واقعہ پر حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک اشکال اور پھر اس کا جواب دیا۔

اشکال: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مقام اور مرتبہ میں چھوٹے چھوٹے صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آپؓ کیوں محروم رہے؟

جواب: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خاتم النبیین ﷺ نے ''سیف اللہ'' کا لقب ارشاد فرمایا۔ اگر خالد میدان جہاد میں کام آجاتے تو اللہ پاک کی تلوار ٹوٹ جاتی۔ جب اللہ پاک کی تلوار کو ٹوٹنا نہیں تھا۔ اس لئے آپ شہادت کے عظیم الشان منصب سے محروم رہے۔

۲۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے دوسرا واقعہ یہ ارشاد فرمایا کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کا ارادہ فرمایا تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔

اس پر بھی ایک اشکال اور پھر اس کا جواب ارشاد فرمایا۔

اشکال یہ ہے کہ اوروں کی بیٹیوں پر سوکن کی اجازت ہے (کہ مرد دو دو، تین تین، چار چار شادیاں کر سکتا ہے) لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی پر سوکن برداشت نہیں۔

جواب میں فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر دو سوکنیں الجھتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ماں باپ پر زبانِ طعن دراز کرتی ہیں۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے دوسری شادی کی اجازت نہیں دی۔ اگر خدانخواستہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی سوکن آپؓ کے والدین سے متعلق کوئی نازیبا الفاظ کہتی تو یہ اس کے سلبِ ایمان کا ذریعہ بن جاتا۔

ایک جگہ پر مناظرہ تھا، جب شرائط مناظرہ طے ہونے لگیں تو قادیانی مناظر نے حسب ذوق دو موضوعات پیش کئے: وفات عیسیٰ علیہ السلام اور اجرائے نبوت۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ میرے بھی دو موضوعات ہوں گے: مرزا قادیانی گوہ کھاتا تھا، مرزا البشیر الدین محمود زانی اور بدکار تھا۔ (دیکھیے: ۱۰۹/۲۔[ادارہ])

مرزائی مناظر نے ان دو موضوعات پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ان دو موضوعات پر گفتگو کرنا ان کی موت ہے۔ بات شرائط پر لمبی ہوگئی اور بیل منڈھے نہ چڑھی۔ لہٰذا مناظرہ نہ ہوسکا۔

جب یہ گفتگو راقم نے سُنی اور حضرت علامہ سے لاہور میں ملاقات ہوئی تو میں نے پہلے موضوع سے متعلق حوالہ دریافت کیا تو فرمایا آپ کو جماعت میں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟ راقم نے بتلایا تو فرمایا کہ اتنا اہم ترین حوالہ اور آپ کو معلوم نہیں آپ کیسے تبلیغی ہیں؟ راقم نے اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا تو فرمایا کہ مرزا قادیانی کی کتاب ضمیمہ خزائن: ۳۴۳ نمبر پر حوالہ موجود ہے کہ جھوٹ بولنا گوہ کھانا ہے۔ جب میں اس کے چند حوالہ جات پیش کرتا تو کہتا کہ مرزا نے یہاں بھی گوہ کھایا اور یہاں بھی گوہ کھایا۔

حضرت علامہ صاحب کی رہائش اسلام پورہ لاہور میں سابق گورنر میاں محمد اظہر کی کوٹھی کے قریب تھی، چونکہ آپ کے بچے انگلینڈ میں رہتے تھے اور آپ نے اپنے مکان کی بالائی منزل کرایہ پر دی ہوئی تھی، حضرت علامہ کی خورد ونوش کی ذمہ داری بھی کرایہ داروں پر تھی، راقم آپ کی خدمت میں جاتے ہوئے دودھ سموسے اور خورد ونوش کی چیزیں حسب الحکم لے جاتا تو آپ کرایہ دار کو آواز دے کر بلاتے اور وہ چائے بنوا کر لاتا اور یوں کچھ لمحات چائے کے بہانے آپ کی خدمت میں حاضری کے مل جاتے۔

آپ جب ملک عزیز میں ہوتے تو چنیوٹ کانفرنس بعد ازاں چناب نگر کانفرنس اور ختم نبوت کے دوسرے پروگراموں میں شرکت فرما کر ہم جیسے نو آموز مبلغین کی تربیت فرماتے۔ اللہ پاک آپ کی حسنات کو قبول فرمائیں اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ (آمین)

☆......☆......☆......☆

مولانا ابوایوب قادری، جھنگ

حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور اُصول بدعات

نحمده و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم ،اما بعد

قارئین ذی قدر! حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات یقیناً ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند و بالا فرمائے۔ سنت کی اشاعت اور توضیح کے لیے حضرت کی خدمات رہتی دنیا تک یاد رہیں گی۔ جہاں تک بدعات کی تردید کا تعلق ہے تو ہر ذمہ دار کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے منصب کا خیال کرتے ہوئے بدعات کی تردید کرے، کیونکہ ہمارے اکابر کا مزاج یہی ہے کہ وہ بدعات کے حوالے سے خاموشی یا چشم پوشی روا نہیں رکھتے۔

قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کی سوانح میں ہے کہ: ''بدعات کے متعلق حقیقت میں آپ کو تشدد پسند تھا اور یہ ثمرہ تھا اس تنفر طبعی کا جو سنت کے عشق کی بدولت ضلالت کے ساتھ آپ کے قلب میں پیدا ہوا تھا۔ [تذکرۃ الرشید: ۸/۲] حضرت گنگوہیؒ کے فیض یافتہ فخر المحدثین، خلیل الملۃ الدین مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر علماء عوام کو بدعات سے منع نہ کریں تو مداہن فی الدین ہوویں گے اور بحکم حدیث شیطان اخرس ہوویں گے اور دین میں فساد ہوگا، سو یہ مؤلف (مولوی عبدالسمیع رامپوری) کو ہی مبارک ہے، اہل سنت کا کام تو نہی عن المنکر ہے۔'' [براہین قاطعہ: ۱۱۳] حضرت علامہ صاحب بھی اسی قافلہ کے فرد ارجمند تھے، لہٰذا اُنہوں نے بھی بدعات کا خوب خوب رد کیا ہے۔ **فجزاہ اللہ أحسن الجزاء.**

مجلّہ ''صفدر'' کی انتظامیہ کی طرف سے مجھے اِس اشاعت خاص کے لیے ''سنت و بدعت کے اصول علامہ صاحب کی نظر میں'' نامی عنوان سونپا گیا ہے، اِسی حوالے چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

پانچ مبادی بدعت:

حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی: بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں تاکہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم خطاء فی الفکر اور خلط مبحث سے بچ سکیں۔ ۱۔ بدعت کی یہ بحث تخاطب شرعی میں ہے، یہ لفظ اگر کہیں تخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا تخاطب عرفی میں تو اس سے ہمیں بچ کر نکلنا ہوگا۔ ۲۔ بدعت کا لفظ کس کے بالمقابل ہے؟ **الأشیاء تعرف باضدادها.** یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ ۳۔ بدعت کا

موضوع تعبدی اُمور ہیں، یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ دنیوی ایجادات اس کا موضوع نہیں جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔۴۔ بدعت کی حد ہی صحابہؓ کے بعد شروع ہوتی ہے، ان کے اپنے عمل ہمارے لیے آفتاب رسالت کی روشنی ہیں۔ ہر وہ کام جسے صحابہ کرامؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہوسکتا۔۵۔ **بدعت کا تعلق مسائل سے ہے، ذرائع سے نہیں**، مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہوسکتے ہیں۔قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے۔عجمی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں اُن کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیریں زبریں لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے، مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہے، خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ سے ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، یہ واقعی دین میں اضافہ ہے اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے: **من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد أو كما قال صلى الله عليه و آله وسلم.**" جو اس میں سے نہیں، دین میں سے نہیں" کے الفاظ توجہ طلب یعنی گو وہ کام اس شکل میں شریعت میں موجود نہ ہو لیکن اس کی اصل دین میں موجود ہو اور یہ کام اس سے مستنبط ہو یہ اس صورت میں بدعت شمار نہ ہوگا۔"

ایک جگہ حضرت علامہ صاحب فرماتے ہیں:

"بدعت کی ایک اور قسم ہے کہ اعمال کے ڈھانچے تو وہی ہوں جو پہلوں سے ہمیں ملے ہیں، لیکن ان کا رکھ رکھاؤ اور ظاہری اہتمام پہلے سے کچھ بدل جائے اور اس پر صحابہؓ کا عمل ثابت نہ ہو، مثلاً تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے دور میں عام طور پر گھر میں پڑھی جاتی تھی، اَب اگر اسے اعلان و اہتمام کے ساتھ مسجد میں پڑھا جانے لگا اور یہ کبھی کبھار کی بات بھی نہ ہو تو کیا یہ ایک نیا عمل نہ سمجھا جائے گا؟ کسے معلوم نہیں کہ چاشت کی نماز (**صلوة الضحی**) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن لوگوں نے جب اسے مسجد میں اہتمام سے پڑھنا شروع کیا تو سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کلمہ پڑھنے کو کسی خاص وقت یا کسی خاص حیثیت یا کسی خاص عمل سے خاص کر لینا یہ اپنی طرف سے ایجاد بندہ ہے۔ سوال:۔ کیا صحابہ کرامؓ کے عہد میں بعض مسجدوں میں اجتماعی صورت کلمہ اور درود پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا۔ جواب:۔ صحابہ کرامؓ اس عمل میں ہرگز شریک نہ ہوتے تھے اور جہاں ان کا بس چلتا وہاں وہ ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے۔"

اس تمہید کے بعد اَب بدعت کی تعریف ملاحظہ فرمائیں: "بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب وسنت میں کوئی دلیل ہو نہ کوئی نظیر ہو۔" آگے فرماتے ہیں: "وہ چیز جو بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے؟ ا۔ شریعت نے کسی عمل کو کسی اور عمل سے خاص

کیا ہو، جیسے اذان کو نماز سے یا نومولود کے کان سے۔ اَب اگر کوئی شخص اسے ان مظان شرعیہ سے نکال کر عام عبادت کے درجے میں لاتا ہے، یا اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے تو اب یہ عمل سنت نہ رہے گا بدعت ہو جائیگا۔ ۲۔ اسلام کی کسی نیکی کو ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں اور یہ اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد بھی نہیں کہ اس نے کسی دُور کی علت کو پالیا۔ بلکہ مطلق مقلد ہے تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا کیونکہ استنباط کرنا مجتہد کا کام تھا۔ ۳۔ نیک اعمال رضا کارانہ طور پر بجالانا۔ ان اعمال کا صحیح حکم تو یہ ہے کہ یہ حرام ہیں۔ قرآن شریف پڑھنا، درود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا اور ذکر واذکار اگر محض دکھاوے کے لیے ہوں تو یہ عمل حرام ہیں، لیکن ان دکھاوے کی مجلسوں اور پُر رونق محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعت بھی بن جائیں گے۔ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میلاد اور آپ کے نسل ونسب کے بیان کو مستحب لکھا ہے، لیکن اسے بھی اگر اگر آپ ؐ کے یومِ پیدائش سے خاص کر کیا جائے اور اسے بیان وعمل کی بجائے چراغاں کر کے منایا جائے تو اب یہ مستحب نہ رہیگا۔ [فتاویٰ رشیدی: ۱۰۲/۱، براہین قاطعہ] ۴۔ نئے حالات میں دین کے تقاضوں کو نئی شکل دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت شریعت کا ایک بنیادی تقاضا ہے، کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک آپ ﷺ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو، لیکن ان اظہار محبت کے لیے اگر وہ ایسی باتیں بناتا ہے جو صحابہؓ کے دور میں نہ تھیں (جیسے محفل میں مٹھائی رکھ کر کہنا کہ اب حضور ﷺ یہاں آگئے اور پھر اچانک آپ ؐ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اور پھر پوری مجلس میں مشہور ہو جانا کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں) تو اس اظہار محبت کی ادائیں اس نئی شکل میں ہرگز دین نہ بن سکیں گی۔ بدعات سمجھی جائیں گی۔ ۵۔ اپنے پیروں کے مشرب کو مذہب بنا لینا: پیران کرام اپنے مریدوں کے روحانی امراض کو دُور کنے کے لیے ان کے حسب حال کوئی عمل یا وظیفہ لازم ٹھہراتے ہیں، یہ لازم کرنا بطور علاج ہوتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی ان کے اس مشرب کو مذہب سمجھ لینا اور انہیں اس ترتیب اور تعین سے دین سمجھنا یا اپنے پیروں کے عمل کو شرعی حیثیت دینا ہے، جب لوگ اپنے پیروں کے عمل کو امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں کے درجے میں لینے لگیں تو یہ بدعت کی حد شروع ہو جائے گی۔''

علامہ صاحب ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

''بدعت سے اجتناب کرنے کے اعتقادی فوائد۔ ۱۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضمانت:۔ حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب ذرا بدعت کی بھی گنجائش نہیں تو نئی نبوت کی کس طرح گنجائش ہوگی؟ سو جو شخص بدعت کو بھی ساتھ بھٹکنے نہ دے گا، وہ کبھی نئی نبوت کے جال میں نہ پھنسے گا، یاد رکھیے بدعت سے کلی اجتناب عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے۔ ۲۔ شیعی اثرات سے بچنے کی کلی حفاظت: شیعہ مذہب کے دو حصے ہیں، عقائد اور اعمال، عقائد صرف علماء کو معلوم ہوتے ہیں، عوام ان کے اعمال سے اُن کو پہچانتے ہیں، اعمال میں شیعہ مذہب کی بناء ہی خلاف سنت پر ہے، ان کے ہاں سنت کا لفظ اہل سنت کے

معنی میں ہے۔ بدعت سے اجتناب شیعہ اثرات سے بچنے کی ایک قوی ضرورت ہے۔۳۔تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت۔ ۴۔صحابہ پر تنقید کرنے سے کلی حفاظت۔۵۔خاندان رسالت سے عقیدت ومحبت۔

ایک جگہ اس عنوان سے تحریر فرماتے ہیں: بدعات کے سیاہ سائے: ۱۔بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں۔۲۔بدعتی کو پناہ دینے کا انجام یہ ہے کہ خدا، رسول، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت اور نہ فرض مقبول نہ نفل۔۳۔بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے۔۴۔بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام یہ ہے کہ خدا، رسولؐ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔۵۔بدعت میں دوسروں کا بوجھ بھی سر پر ہوتا ہے۔۶۔حوض کوثر سے محرومی ہوتی ہے۔۷۔بدعت کی نحوست سے سنت سے محرومی ہوتی ہے۔ ۸۔بدعتی کو جہنمی کہتے ہیں۔۹۔بدعت ایک فتنہ ہے۔۱۰۔سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یہ چند باتیں بے جوڑ سی ان کی کتب سے اختصاراً نقل کردی ہیں، تاکہ علامہ صاحبؒ کا بدعات کیخلاف میدان میں لڑنا آنکھوں کے سامنے آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان بدعات سے بچائے اور ردوتردید کرنے کی بھی توفیق نصیب فرمائے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن (۱)

مروجہ بدعات: مطالعۂ بریلویت سے ایک انتخاب

دورِ حاضر کی ایک رسم جس کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے دور میں جاری ہونے والی رسم فرمایا، وہ شہرت طلبی ہے۔ حضرت علامہ سے یہ رسم بد کوسوں دور تھی، باوجودیکہ آپ مختلف بزرگوں کے خلیفہ مجاز تھے آپ نے کبھی اپنے آپ کو اِس نسبت سے مشہور نہ ہونے دیا۔ وہ واقعی محققِ عصر حاضر تھے، واقعی مناظر اعظم اور متکلمِ اسلام تھے، واقعی وکیل احناف اور ترجمانِ اسلام اور ترجمان اہل سنت دیوبند تھے، وہ دوسروں کے حوالوں اور کتابوں اور تحریروں سے اپنا نام چمکانے کے بجائے اصل کتابوں سے براہِ راست علم لینے والے تھے، اور اپنے ہی علم وملکہ سے تحریر وتقریر کے شاہسوار تھے، ہم اخلاف کو بھی اپنی علمی وعملی زندگی کے ذریعے بہت کچھ سمجھا گئے ہیں، اُن کی زندگی کے سبق ہیں کہ صوفیت محض ذکر وعبادت کے دائرہ میں بند نہ سمجھو، صوفی مجاہد اور مناظر بھی بن سکتا ہے، زیادتِ علم میں خوب محنت کرو، کبھی علم کی پیاس بجھنے نہ پائے، مطالعہ سے زندگی کو تھکا دو، ہر باطل کے خلاف دلائل اور دلائل کی زبان کے ساتھ مسلّح رہو، براہینِ حق سے ہر باطل کو دبا دو، باطل کے رد میں تحریر وتقریر اور مناظرہ ومباحثہ کے دوران غصہ سے مغلوب نہ ہو، فقرے نہ کسو، ہنستے مسکراتے ہوئے مضبوط دلائل اور جواب سے باطل کو عاجز کردو، اُس کو راہِ ہدایت پر لانے کی نیّت رکھو، کسی باطل کو میدان میں عُرّاتا نہ چھوڑو، جب اور جس میدان میں باطل اترے اُس کا سامنا کرنے کی ممکن حد تک کوشش کرو، بزدل نہ بنو، ماحول کی فضاء سے متأثر ہو کر مداہن بھی نہ بنو، اکابر کے مسلک سے سر مو نہ ہٹو، خود مجتہد بن کر نئے نظریات وعقائد گھڑ کرامت میں فتنہ نہ بنو، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہر مسلمان کو اُن کے علمی فیوض سے بہت بہت فائدہ حاصل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

نیم دیوبندی لوگوں کے کام حضرت علامہ کی تحریر کی روشنی میں:

حضرت علامہ کی تحریرات کے بہت سے پہلو قابلِ ذکر ہیں، جیسے کئی مسلمان اسلام کی تعلیمات سے ہٹ کر چل رہے ہیں، ایسے ہی اہلِ حق کی جماعت میں سے کئی دیوبندی بھی مسلک اہل سنت دیوبند سے ہٹ کر چل رہے ہیں، حضرت علامہ کی تحریرات میں اِن دیوبندیوں کے لئے بہت کچھ موجود ہے، مثلاً:

تیجہ خیرات، اجتماعی قرآن خوانی:

مختلف علاقوں میں دیوبندی کہلانے والے بھی فوتگی کی کئی رسومات لازم کئے ہوئے ہیں، جن میں سے ایک قرآن خوانی (یا قُل خوانی) کے نام سے اجتماع کر کے خیرات کی دیگیں چڑھانا اور کھانا ہے، حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ ”اہلِ میّت

---

(۱) مدیر: دار العلوم الاسلامیہ ماہڑہ، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

کے کھانے کی شرعی حیثیت'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''اب آیئے دیکھیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ صحابی رسول ﷺ حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں: **کُنَّا نَرَی الْاِجْتِمَاعَ اِلٰی اَهْلِ الْمَیِّتِ وَصَنْعَةِ الطَّعَامِ مِنَ النِّیَاحَةِ** . ہم اصحاب رسول اہلِ میّت کے ہاں جمع ہونے اور اُن کے ہاں کھانا تیار کرنے کو جاہلیت کے دور کا ماتم سمجھتے ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

''علماء سوء نے اِن (اہلِ میّت) پر دعوتوں کا عجیب بوجھ ڈال رکھا ہے، پہلے تیسرے دن ایک کھانے پینے کی مختصر دعوت ہوتی ہے، قُل شریف کے نام سے حاضرین اور ہمسائے اور مولوی صاحبان پھل فروٹ وغیرہ کے گرد خوب اہتمام سے جمع ہوتے ہیں، اور گھر والے اپنی میت کی محبت میں اُن کو خوب کھلا پلا رہے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کھانے گویا مردے ہی کھا رہے ہیں اور واقعی (یہ زندہ) مردے ہی کھا رہے ہیں، دسویں دن پر ایک ایسی مجلس ہوتی ہے، پھر اکیسویں دن اس ماتم والے گھر میں کھانے کی ایک اور دعوت اڑائی جاتی ہے، اور پھر کچھ دنوں بعد چہلم کا دن آجاتا ہے، دیگیں پکتی ہیں، شادی کی مجلسوں کی طرح خیمے لگتے ہیں، اعزہ واقارب اور ہمسائے اور دوست، اغنیاء اور حکام کے درجے کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں، مولوی لوگ ختم پڑھتے ہیں، اور پھر سب لوگ کھانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے فوجی دشمنوں پر'' [مطالعہ بریلویت:۲۹۹/۶]

''گیارہویں صدی کے محدث حضرت شیخ عبدالحق دہلوی (۱۰۵۲ھ) سے سن لیجیے:

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند بر سر گور ونہ غیر آں، وایں مجموع بدعت است،........ [مدارج النبوۃ] قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ طریقہ نہ تھا کہ میت کے لئے اکٹھے ہوں، اور قرآن کریم پڑھیں، اور قبروں پر آکر یا کسی دوسری جگہ ختم پڑھیں، یہ سب کام بدعت ہیں''

[مطالعہ بریلویت:۳۰۱/۶،۳۰۲]

''ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اہلِ میت کے ہاں دعوتیں اڑانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں، جس روایت کے برتے بریلوی علماء لمبے چوڑے ختم پڑھنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں یہ اُن کی اپنی بنائی راہ ہے، فقہ حنفی میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' [مطالعہ بریلویت:۳۰۷/۶]

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا:

بریلویوں کی طرح کئی دیوبندی کہلانے والے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا کرتے اور کرواتے ہیں، اگر کوئی یونہی انفرادی طور پر بغیر کسی کو سنائے اور بغیر وہاں ٹھہرے دعائیہ کلمات کہہ دے تو کچھ حرج نہیں بشرطیکہ اُس کو عادت نہ بنائے اور لازمی نہ سمجھے، لیکن التزام کے ساتھ اجتماعی دعاء فقہ حنفی کی کتابوں میں منع ہے، مولانا احمد رضا خان کے ملفوظات میں ہے کہ قبرستان میں مٹھائی لے جانا (درست نہیں کیوں کہ) علماء نے منع لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ منع صرف وہ کام نہیں ہوتا جس کو خاص کر قرآن مجید میں منع کیا گیا ہو، یا خصوصاً حدیث میں منع آئی ہو، بلکہ علماء فقہاء بھی منع کر دیں تو ایسا کام منع ہے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین نے کبھی کسی جنازہ پر نماز جنازہ کے بعد دعاء نہ مانگی تھی، جنازہ میں میت کے لئے دعاء نماز کے اندر ہے نماز کے باہر نہیں، نماز جنازہ کی دعاء آپ جس سے پوچھیں یہی بتلائے گا: **اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا ...**

اب آپ ہی بتائیں یہ دعا کہاں پڑھی جاتی ہے نماز کے اندر یا نماز کے باہر، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے جنازہ پر بعد نماز اجتماعی دعا اسی لئے نہ کی گئی کہ سنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا، اور حضرت انتہاء درجے کے پابند سنت تھے۔''

[مطالعہ بریلویت: ۲۲۹/۶]

''سلام پھیرنے کے بعد پھر اکٹھے دعا کرنا اصل نماز میں اضافہ ہے یا کم از کم اضافے کا ایک گمان ضرور ہے، دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں: **ولا یدعو للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ** [**مرقات**] اور میت کے لئے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اس سے نماز کی شرعی حیثیت میں زیادتی کا گمان ہوتا ہے۔''

[مطالعہ بریلویت: ۲۳۳/۶]

اہم فائدہ: بریلویوں نے جن روایتوں کا سہارہ لیا ہے اول تو حنفی مقلد ہوتے ہوئے اُن کا بالکل حق نہیں کہ غیر مجتہد اور مقلد ہو کر غیر مقلد مجتہد بنیں، مقلد کا کام اپنی فقہ کی نصوص دیکھنا ہے اور وہ بھی وہ نصوص جن کے مقابلہ میں فقہ میں کوئی مخالف نص نہ ہو، دوسرے: وہ روایات بعض وہ ہیں جن کا تعلق نماز جنازہ کی اندر کی دعا سے ہے، اور پھر وہ جنازہ کے اندر تیسری تکبیر کے بعد کی دعا سے متعلق ہیں، صرف ایک روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی چوتھی تکبیر کے بعد کی دعاء سے متعلق ہے جو ضعیف ہے اور اس پر شوافع کا عمل ہے حنفیہ کا نہیں ہے، یا پھر وہ روایات دفن کے بعد کی دعاء سے متعلق ہیں، نماز جنازہ کے فوراً بعد سے متعلق نہیں ہیں، کھینچ تان کر تحریف معنوی کر کے اُنہیں نماز کے فوراً بعد سے متعلق قرار دے دیا گیا ہے، اور بس۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے متعلق بدائع میں وارد ہوئی ہے، ہمارے اکابر نے بدائع پر اعتماد کر کے جواب دینے کی جو کوشش کی ہے، وہ احتمالی جواب ہیں، قارئین سے عرض ہے کہ بڑی تحقیق وجستجو کے بعد بندہ کو یہ روایت امام ابن ابی الدنیا کے حدیثی مجموعہ رسائل میں ملی ہے، تو اُس کی حقیقت قارئین کے سامنے کھول دوں، یہ حقیقت کسی کتاب اور تحریر میں آپ کو نہیں ملے گی، آج یہ موضوع چھڑ گیا تو داعیہ پیدا ہوا کہ قارئین کو اس نئی تحقیق سے آگاہ کر دیا جائے۔

امام ابن ابی الدنیا بسند اسحاق بن اسماعیل، وکیع بن جراح، سالم ابوالعلاء مرادی سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ساریہ کہتے ہیں:

جاء عبد اللہ بن سلام بعد ماصُلی علی عمر رضی اللہ عنہ فقال ان کنتم سبقتمونی بالصلاۃ علیہ فلا تسبقونی بالثناء ثم قام فقال نعم اخو الاسلام کنت یاعمر جواداً بالحق بخیلا بالباطل ترضی حین الرضا وتسخط حین السخط لم تکن مد احاً ولا مغتاباً طیّب الظرف عفیف الطرف (موسوعۃ الامام ابن ابی

الدنیا ج۵ ص ۴۰۲ کتاب ذکر الموت رقم الحدیث ۱۵ ط بیروت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو فرمایا اگر تم لوگ نماز میں مجھ پر پہل لے گئے ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنے میں مجھ پر پہل نہ لے جاؤ پھر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے عمر: تو اسلام کا اچھا بھائی تھا حق کا سخی باطل کا بخیل تھا، خوشی کے وقت خوش ہوتا اور ناراضگی کے وقت ناراض ہوتا، نہ تو بہت تعریف کرنے والا تھا نہ غیبت کرنے والا تھا، پاکیزہ برتن والا اور پاک نگاہ والا تھا۔

روایت کی اس اصل عبارت کے بعد کچھ خفا نہیں کہ نہ تو اُن کے جنازے کے بعد دعا ہو رہی تھی، اور نہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دعا میں شامل ہونے کے لیے ان حضرات کو آواز دی ہے، اور شاید کچھ لوگ تعریف کر رہے ہوں تو اُن میں شامل ہوئے ہیں، اور محض تعریف کی ہے،، لہٰذا اہل بدعت کی ذرا برابر بھی دلیل نہیں بنتی، اگر کوئی ضدی مولوی ضد کرے اور مُصِر ہو تو اس کو چاہیئے کہ ہماری طرح حدیث کی کسی اصل کتاب سے حوالہ پیش کرے، ہر جگہ محض کچھ باتیں کہہ لینے سے کام نہیں بنتا، اس لئے سند اور متنِ حدیث پیش کر کے بات کرے۔

اس سے یہ بھی صاف ظاہر ہوا کہ اکثر فقہی کتابوں میں روایت بالمعنیٰ ہے، اس لئے اہل بدعت وہاں ذکر کردہ روایات کے الفاظ پر لغوی اور اصول فقہ کے قاعدے جاری کر کے بدعتی گاڑی چلانے کا کاروبار بند کر دیں۔

یہ تو ہوئی روایت کے متن کی بات کہ اس میں دعاء کا کچھ ذکر تک نہیں ہے، سند کی پوزیشن بھی پیش نظر ہونا ضروری ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابو العلاء مرادی کیسا ہے؟ اس کی کنیت ابو العلاء ہے اور نام سالم ہے مگر اس نام اور کنیت کے دو راوی ہیں: ایک سالم ابو العلاء مرادی مولی ابراہیم الطائی ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی مجہول ہونے کا اشارہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سے عبدالصمد بن عبدالوارث تنوری کے سوا کسی نے حدیث نہیں بیان کی (المغنی ۱/۳۹۰ میزان ۲/۱۱۴) امام ابن جارود نے اس کو ضعیف کہا ہے (لسان المیز ان ۳/۷) اس نام کا دوسرا راوی ابو العلاء سالم بن عبدالواحد یا ابن العلاء مرادی شیعہ ہے جس کو امام ابن معین ونسائی نے ضعیف کہا ہے (المغنی ۱/۲۸۸)

اور روایت کا دوسرا راوی عبداللہ بن ساریہ بالکل مجہول ہے جس کا کچھ حال ذکر نہیں ہے، اور یہ مستدِل کے ذمہ ہے کہ اپنے مستدَل کو صحیح ثابت کرے، معترض کے ذمہ جرح کا ثبوت تب ہے جب مستدِل راوی کا تعیّن کرے، یہاں راوی مجہول ہے، مُستدِل اُس کی جہالت رفع کر کے اُس کا ثقہ ہونا ثابت کرے۔

مساجد میں محافل نعت خوانی: محافل حمد ونعت:

خود کو دیوبندیت کی طرف منسوب کرنے والے مختلف علاقوں کے لوگ ہیں جو سالانہ محافلِ نعت خوانی اور محافل حمد ونعت کے نام سے اجتماع کرتے ہیں، نعت خوان حضرات نے اپنی اتنی بڑی بڑی فیسیں مقرر کر رکھی ہیں کہ خدا کی پناہ، شیخ الحدیث اور مفکر اسلام کو اتنا اعزاز نہیں ملتا جتنا نعت خوان پیسہ بٹورتے ہیں، عام شیخ الحدیث کا سفر خرچ زیادہ سے زیادہ ۱۵۰۰۰، اور چھوٹا

نعت خوان ۲۵۰۰۰ سے کم پر بات نہیں سنتا، بڑے نعت خوان ۵۰۰۰۰ تک بھی پہنچ جاتے ہیں، کئی نعت خوانوں کا حکم ہوتا ہے کہ میں تب آؤں گا جب فلاں نعت خوان کو بھی بلاؤ، اور یہ نعت خوانی بھی کیسی ہوتی ہے؟ نعت خوان پہلے کوئی گانا سنتا ہے پھر اُس کی طرز پر نعت بناتا ہے، اور وہ پھر سٹیج پر سناتا ہے، اور گانے کی طرز پر سناتا ہے، اور آدھے مصرع پر زبردستی داد لیتا ہے، ذرا خاموش نہیں رہنے دیتا یعنی مسجد میں **سُبْحَانَ اللّٰهُ** کے نعرے لگواتا ہے تب آگے پڑھتا ہے، اور کئی رقص بھی کرتے ہیں، اور کھانے اور چائے کے نخرے اِس کے علاوہ ہیں، کئی شاعر اور کئی علامے بھی حکم دیتے ہیں کہ کئی بندے مسلسل میرے بدن کو دبانے والے ہوں۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مسجد میں وعظ ونصیحت کے ضمن میں کوئی شعر پڑھا جائے یا نعت پڑھی جائے تو یہ مجلس یا محفل ہمہ تن شعر خوانی کی مجلس نہ ہوگی، شعر خوانی کی مجلس وہی سمجھی جائے گی جس میں وعظ و بیان یا تذکیر وتسبیح بالکل نہ ہو، سب لوگ شعر خوانی میں لگیں، اور سب کی توجہ اسی پروگرام پر ہو، نعت خواں حضرات ایک دوسرے سے بڑھ کر حسن صوت ترنم اور شعر خوانی کا مظاہرہ کریں، اس میں (مجلس شعراء میں) مسجد سے وہ کام لیا جا رہا ہے، جس کے لئے مسجدیں بنی نہیں، وہ اللہ تعالی کی یاد کے لئے بنی ہیں، نہ شعر خوانی کی رونق کے لئے، مسجد میں شعر خوانی یا نعت خوانی وہ جائز ہے جہاں یہ قرآن وحدیث اور بیان وتقریر کے ضمن میں آئے، نعت خوانی کے مستقل محافل مساجد میں قائم نہ کی جائیں، قرونِ اولیٰ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مساجد میں صرف نعت خوانی کے لئے مجلسیں اور محفلیں منعقد کی گئی ہوں، آج اگر کہیں ایسی بات ہو تو یہ ایک نئی بات ہوگی۔''

''رہی نعت خوانی کی وہ مجالس جن میں شعر ہی شعر ہوں وعظ ونصیحت سرے سے نہ ہو، تو اس طرح کی شعر خوانی مسجدوں میں جائز نہیں ہے، یہ وہ بات ہے جس کی اصل پہلے ادوار میں نہیں پائی گئی، اور اب وہ سبب جس کے لئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی بھی باقی نہیں ہے، شرح سنن ابی داؤد میں ہے: **فالحق كان مع عمر فان العلة التى رخص لها انشاد حسان فى المسجد قد ارتفعت** ترجمہ: پس حق حضرت عمر کے ساتھ ہے (جنہوں نے حضرت حسان کو مسجد میں شعر پڑھنے سے روک دیا) کیوں کہ وہ علت جس کے باعث حضرت حسان کو مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی اٹھ چکی ہے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۶/۴۱۱]

''ہم کہتے ہیں کہ حضرت حسان کا مسجد میں شعر پڑھنا صرف ایک استثنائی صورت عمل تھی، اصل مسئلہ یہی ہے کہ مسجدیں شعر خوانی کے لئے نہیں بنیں، اور نہ اُن میں عام محافل نعت خوانی منعقد کی جاسکتی ہیں، جیسا کہ بریلوی حضرات نے آج کل کر رکھا ہے، جو روایت خلافِ قاعدہ ہو وہ اپنے مورد پر بند رکھی جاتی ہے، اس سے عام استدلال نہیں کیا جاسکتا۔''

[حوالہ بالا: ۶/۴۱۴]

''اور جو لوگ پیشہ ور نعت خواں ہوں اور یہ اُن کی کمائی کا ذریعہ ہو اس سے اُن کی شہادت لائق قبول نہیں رہتی، سو اُن کو مسجدوں میں ایسی محفلیں قائم کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے، فتاوی شامی میں ہے:

ومن كثر انشاده وانشاءه حين تنزل به مهماته ويجعله مكسبة له تنقص مروئته وترد شهادته

اور جو عام شعر خوانی کریں اور جب موقع لگے وہ پہنچ جاتے ہوں اور اُنہوں نے اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہو، تو اُن کی مروت

ناقص ہوجائے گی، اوران کی شہادت لائق قبول نہ ہوگی۔'' [۶/۴۱۷]

ذکر بالجہر اور مجالس ذکر بالجہر:

ہمارے حضرات کا ایک بڑا حلقہ ذکر بالجہر کرتے ہیں اور وہ بھی اجتماعی صورت میں، ذکر میں اصل اخفاء ہے جہر اصل نہیں ہے، عاشقانِ صادق کے لئے کہا گیا۔ لبوں پہ خامشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ [مسند احمد ح۱۴۷۷] افضل ذکر آہستہ ہے۔

اور افضل ہی اصل ہوتا ہے، گو غیر افضل کبھی کبھی کرنا جائز ہوتا ہے، لیکن اُس کی عادت بنانا اور اُس کو لازم کرکے اُس سے نہ ہٹنا مکروہ ہوتا ہے، جو دوام کی صورت میں بدعت بھی کہلاتا ہے۔

مشائخ بطور علاج کسی کسی مرید کو ذکر بالجہر کی تاکید فرماتے تھے، اور وہ اُسی فرد کے لئے انفراداً ہوتا تھا، جماعت کے لئے اور اجتماعی نہیں ہوتا تھا، جس عمل میں ذرا شک وشبہ آجائے اگر جواز کا پہلو ہو بھی تب بھی اُس سے پرہیز بہتر ہوتا ہے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں چاروں مذاہب کے لوگ اس کے عدمِ استحباب پر متفق ہیں، حافظ ابن کثیر (۷۷۵ھ) نقل کرتے ہیں: **المذاهب الاربعة على عدم استحبابه.** [البداية].

امام نووی بھی لکھتے ہیں: **ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم رفع الصوت بالذكر والتكبير** [شرح صحيح مسلم] بیشک وہ تمام مذاہب جن کی اس امت میں پیروی جاری ہوئی اور ان کے علاوہ اور بھی سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیے۔

اور امام ابوحنیفہ تو کھل کر کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر (مسجد میں) بلند آواز سے کرنا بدعت ہے، اور قرآن کے خلاف ہے۔

حنفیوں کے جلیل القدر عالم علامہ حلبی لکھتے ہیں: **ولابی حنيفة ان رفع الصوت بالذكر بدعة مخالف للامر فى قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعًا وخفية** [كبيرى] امام ابوحنیفہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا بدعت ہے، اور قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے کہ اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے یاد کرو'' [مطالعہ بریلویت: ۶/۱۷۳]

''ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بے علم مسلمانوں میں جو بدعات راہ پا چکی ہیں ان میں یہ عمل بھی ایک بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے'' [مطالعہ بریلویت: ۶/۱۷۷]

''ہمارے بعض علماء نے یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو وہ ذکر ہی کے لئے کیوں نہ ہو حرام ہے۔ **وقدنص بعض علمائنا بان رفع الصوت فى المسجد ولو بالذكر حرام** [مرقات] اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی ہو حرام ہے۔'' [مطالعہ بریلویت ۶/۴۱۵]

''سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مسجد میں حمد باری تعالی کرنے یا نعت خوانی کرنے کی اجازت دی ہے؟

جواب: یہ حضرت امام پر افتراء ہے، آپ مسجد میں ذکر بالجہر کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مسجد میں

نعت خوانی کی محافل قائم کرنے کو جائز ٹھہرائیں، ملاعلی قاری نے حضرت امام پر باندھے گئے اس افتراء کی پرزور تردید کی ہے۔

نسبة نفی مطلق الکراهة الی الامام الاعظم هوافتراء علیه اذمذهبه کراهة رفع الصوت فی المسجدولو بالذکر نعم جوازالتدریس فی المسجدوالبحث فیه لم یشوش علی المصلین اولم یکن هناک مصلون امام ابوحنیفہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ آپ مطلق کراہت کے قائل نہیں، یہ آپ پر جھوٹ باندھنا ہے، آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز اونچی کرنا گووہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے، ہاں مسجد میں درس دینا اور مسائل میں اس طرح بحث کرنا کہ وہ نمازیوں پر باعث تشویش نہ ہو جائز ہے، یا اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہاں عام نماز پڑھنے والے نہ ہوں۔'' [مطالعہ بریلویت:۶/۴۱۵]

''تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بلند آواز سے تسبیحات کا ثبوت نہیں ملتا، یہاں آواز جہر سے کچھ نیچے ہونی چاہیے، تسبیح مذکور باخفاء پڑھنا بہتر ہے، جہر کرنا خصوصاً جہر مفرط کرنا نہ چاہیئے، امام بھی اخفاء پڑھے اور مقتدی بھی باخفاء پڑھیں [فتاوی دارالعلوم دیوبند]'' [مطالعہ بریلویت:۶/۱۸۹]

اجتماعی حلقہ ذکر:

''سوال: اگر یہ عمل بدعت قرار پایا تو جو روایات اجتماعی حلقہ ذکر کے بارے میں ملتی ہیں اُن کا محمل پھر کیا ہوگا؟

جواب: ان حلقوں میں ہر کوئی اللہ کا ذکر اپنے طور پر کرتا تھا ایک ایک کلمہ کو مل کر نہ کہتے تھے، نہ اُن میں کہیں ذکر بالجہر ہوتا تھا، یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالی کی شان وقدرت اور رحمت ونصرت کا بیان ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک بیان کرتا ہو اور دوسرے سنتے ہوں، حضرت امام احمد کی روایت میں ایک حلقہ ذکر اسی طرح ملتا ہے: **کنا نجتمع فی حلقة فنذکر الله و کان یجلس معنافکان اذاذکرهووقع حدیثه من قلوبناموقعالایقع حدیث غیره .** ہم اجتماعی حلقہ قائم کرتے تھے پس اللہ کا ہم ذکر کرتے، اویس قرنی بھی ہمارے ساتھ بیٹھتے جب آپ اللہ کا ذکر کرتے تو آپ کی باتیں ہمارے دلوں میں اس طرح اترتیں کہ ایسا کسی دوسرے کے ذکر سے نہ ہوتا تھا۔

اس میں ذکر سے مراد اللہ تعالی کی صفت وثناء اور شان وعظمت کا مجلس میں بیان کرنا ہے، صحابہ کا اجتماعی حلقہ یہی ہوتا تھا نہ کہ ہر ایک اونچی آواز سے ذکر کرے۔'' [مطالعہ بریلویت:۶/۳۵] (دیکھیے: ۲/۳۳۳......۲/۴۶۶......۲/۴۲۷۔[ادارہ])

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا:

''نکاح مسلمان گواہوں کے سامنے عورت اور مرد کے ایجاب وقبول کا نام ہے، نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے، بریلویوں نے نکاح میں ایک تیسرے جزو کا بھی اضافہ کیا ہے، اور وہ کلمے پڑھانا ہے، صحابہ وتابعین کے دور میں یہ نہ تھا، بریلویوں نے اسے خواہ مخواہ سنت ٹھہرا رکھا ہے، ان کے بڑے مولوی اسے صرف مباح کہتے ہیں کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے اس مباح کو جو نکاح کے وقت کے ساتھ جوڑا ہے اور لوگوں نے اسے ایک نیکی اور کارخیر

سمجھا تو اب یہ کیسے مباح رہا؟ آپ نے اسے ایسی ہیئت دے دی جو کہ کتاب وسنت میں کہیں نہیں پائی گئی، اب اس ہیئت کے ساتھ یہ عمل مطلق مباح نہ رہا، یہ وقت اور ہیئت کی تخصیص اسے دین کی صورت میں لے آئی، اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں ہے، اور نہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی شہادت موجود ہے، سواسے بدعت تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔''

[مطالعہ بریلویت:۶/۱۹۴]

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی کتب سے ردِ بدعات پر اس انتخاب سے مقصد اصلاح کی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سن کو سنت نبویہ کے عین مطابق زندگی بسر کرنے اور بدعات سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

آپ کا خیر خواہ مجیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ.....۱۳/جولائی ۲۰۲۰ء

جاوید احمد غامدی کے بارے میں مجلّہ ''صفدر'' میں شائع ہونے والے مضامین

۱.....فتنہ غامدی نمبر کی تیاری، اہل علم توجہ فرمائیں.....حمزہ احسانی.....جنوری ۲۰۱۵ء

۲.....فتنہ غامدیت کی حشر سامانیاں.....مولانا مفتی عارف محمود.....فروری ۲۰۱۵ء

۳.....فتنہ غامدی نمبر (اشاعت خاص: جس میں ساٹھ سے زائد مضامین شامل ہیں۔).....جون ۲۰۱۵ء

۴.....جاوید احمد غامدی کا شرعی حکم (شمارہ خاص: ۱۳/متفرق تحریرات وفتاویٰ پر مشتمل شمارہ).....اگست ۲۰۱۵ء

۵.....فتنۂ الحاد، عصر حاضر میں.....محمد فاروق.....ستمبر ۲۰۱۵ء

۶.....غامدی: مرزا قادیانی کا وکیل صفائی.....مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ.....اکتوبر ۲۰۱۵ء

۷.....غامدی کے بارے میں سنی دارالافتاء کا فتویٰ.....مولانا مفتی محمد اعظم ہاشمی.....فروری ۲۰۱۶ء

۸.....جاوید احمد غامدی، اپنی تحریر کی روشنی میں ملحد وجاہل.....مئی ۲۰۱۶ء

۹.....غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ.....شکیل عثمانی مرحوم.....جون ۲۰۱۶ء

۱۰.....جاوید احمد غامدی: شخصیت وافکار کا تعارف.....صہیب احمد.....مارچ ۲۰۱۷ء

۱۱.....جاوید احمد غامدی.....فتویٰ دارالعلوم دیوبند.....فروری ۲۰۱۸ء

۱۲.....آئین محمدی اور قانون غامدی.....مولانا عبدالحق خان بشیر.....مارچ ۲۰۱۸ء

۱۳.....سورۃ الفیل میں غامدی واصلاحی کی من گھڑت تفسیر.....مولانا مجیب الرحمٰن.....جون ۲۰۱۸ء

۱۴.....حجیت حدیث اور جاوید غامدی.....مولانا قاضی نثار احمد.....جولائی ۲۰۱۸ء

۱۵.....جاوید غامدی کے بعض افکار کا محققانہ جائزہ.....مولانا مجیب الرحمٰن.....ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۸ء

۱۶.....غامدی نظریات قرآن وسنت کے خلاف.....فتویٰ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی.....ستمبر ۲۰۱۸ء

۱۷.....غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر.....مولانا مجیب الرحمٰن.....قسط وار.....آغاز: مئی ۲۰۲۰ء

مولانا مفتی عبدالصمد ساجد [دارالافتاء جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا]

دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

......"عبقات" کی روشنی میں......

بحر العلوم ملک العلماء علامہ خالد محمود صاحب قدس سرہ کی خدمات کا باب وسیع ہے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق و تدقیق، تصنیف و تالیف، مناظرہ و مباحثہ، وعظ و تقریر اور اصلاح و ارشاد ہر میدان میں بے مثال اور لازوال خدمات چھوڑیں، احقاق حق و ابطال باطل ان کی حیاتِ مبارک کا عظیم مقصد اور مشن تھا، ان کی تابناک زندگی کا روشن باب دفاعِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بابرکت کاز سے معمور ہے، اس دورِ سیاہ میں جب کہ توہین و استہزاء اور بدتمیزی کا طوفان بپا ہے سیاہ روئی کا بازار گرم ہے دیگر ہرزہ سرائیوں کے ساتھ اصحابِ پیغمبر رضی اللہ عنہم کی ذواتِ قدسیہ بھی طاعنین کے حملوں اور اعتراضات سے محفوظ نہیں، روز افزوں اس بدباطنی میں اضافہ ہو رہا ہے ضرورت تھی کہ اس کے سامنے سدِ سکندری قائم کی جائے اور نجومِ ہدایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجلے، روشن اور بے داغ کردار کو امتِ مرحومہ کے سامنے پیش کیا جائے، چنانچہ حضرت علامہ مرحوم نے اپنی حیات کا بیشتر حصہ اسی کام میں صرف کیا، اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی چوکھٹ پر چوکیداری ان کا فخر اور عزت تھی، صحابہ کرام میں ایک مظلوم شخصیت سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے جن کے بارے میں تاریخ میں طعن و تشنیع کا بازار گرم رہا ہے، امام اہل سنت حضرت لکھنوی قدس سرہ کی رقم کردہ تفصیل کے مطابق سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے غیر بھی ہیں اور بظاہر اپنے بھی، جو اپنا انتساب اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف کرتے ہیں حضرت علامہ مرحوم ان معتدل شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پائی جانے والی افراط و تفریط سے نہ صرف خود کو محفوظ رکھا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے صحیح مقام و مرتبہ کو واضح کیا اور اُن پر ہونے والے اعتراضات و اشکالات کا بھی ہر میدان میں جواب دیا اور شکوک و شبہات کا ازالہ کیا، آنمرحوم کی تحاریر کی روشنی میں ذیل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی:

علامہ مرحوم اپنی مایۂ فخر کتاب "عبقات" کے مقدمہ میں مقامِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت (جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد منعقد ہوئی) کے برحق ہونے پر صحابہ کی موجودگی سے استدلال کیا ہے اس میں ان کی اسی حیثیت کا اقرار ہے کہ یہ لوگ کبھی باطل پر جمع نہیں ہو سکتے تھے، حافظ ابو زرعہ الدمشقی (۲۸۲ھ) لکھتے ہیں: "عن الأوزاعی قال: أدركت خلافة معاوية عدة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم: سعد، وأسامة، وجابر، وابن عمر، وزيد بن ثابت، ومسلمة بن

مخلد ، و أبـو سـعيد ، ورافع بن خديج ، و أبو أمامة ، و أنس بن مالك ، ورجال أكثر ممن سميت بأضعاف مضاعفة، كـانـوا مـصابيح الهدى ، وأوعية العلم ، حضروا من الكتاب تنزيله ، وأخذوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم تـأويله "(تاريخ ابی زرعة: ۳۰۹/۱) ترجمہ: امام اوزاعی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کی خلافت بہت سے اصحاب رسول نے پائی ہے، ان صحابہ میں حضرت سعد، حضرت اسامہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مسلمہ بن خالد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوامامہ، حضرت انس بن مالک اور کئی اور حضراتِ صحابہ جو ان حضرات سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کے میں نے نام لیے، یہ سب حضرات اندھیروں کے چراغ تھے، علم کے مٹکے تھے، نزول قرآن کے موقعوں پر حاضر و موجود تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مرادِ قرآن سمجھی ہے۔(عبقات: ۱/۳۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں روایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی حدیث ثابت ہے یا نہیں، اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، جن کے دستِ مبارک پر سیدنا حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے بیعت فرمائی اور جتنا عرصہ حضرت امیر معاویہ زندہ رہے، امام حسن اور امام حسین ان کے تابع دار رہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیے ہوئے وظائف قبول فرماتے رہے اور ان کی گزراوقات زیادہ تر اسی وظیفہ مقدسہ پر رہی، اب ایسی ہستی کے متعلق لب کشائی کسی طرح مناسب نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حق اسلام کی ایک کافی وافی شہادت ہے: اللّٰھم اجعل معاوية هاديا و مهدياً (اخرجه احمد والترمذی) ترجمہ: اے اللہ! تو معاویہ کو ہدایت پھیلانے والا اور ہدایت یافتہ فرما۔

یاد رہے کہ ایسے ہی الفاظ مسندِ احمد کی روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی منقول ہیں، پس ان الفاظ کے مبنی بر فضیلت ہونے سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا۔ ورنہ اس روایت میں جا کر بھی ان الفاظ کا وہی وزن لیا جائے گا جو یہاں لانے کی کوشش کی جاتی ہے، فرمایا اگر تم علی کو امیر بناؤ گے تو اسے ہادی اور مہدی پاؤ گے، اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان صفات کا پورا ظہور حکومت پر آنے سے ہی ہوتا ہے سو کیا یہ پہلی روایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برسرِ حکومت آنے کا اشارہ نہیں؟ ہاں آپ کے اصرار کی وجہ سے ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے: يبعث الله معاوية يوم القيامة و عليه رداء من نور الايمان(کنزالعمال: ۱۹۰/۱) اللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیامت کے دن اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر نورِ ایمان کی ایک چادر ہوگی۔

فضائل میں کسی حدیث کا کمزور یا ضعیف ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا اور یہی محدثین کا فیصلہ ہے ہاں اثباتِ عقیدہ امرِ دیگر ہے۔''(عبقات: ۱/۴۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی:

یزید کی ولی عہدی اور حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کے جرائم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یزید نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس عمل سے بالکل پاک اور بری ہیں، اگر ان پر یہ ذمہ داری اس لیے ڈالی جائے کہ انہوں نے یزید کو اربابِ حل وعقد کے شورائی فیصلہ سے اپنا ولی عہد بنایا تھا، تو یہ بار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے نہیں آتا کہ انہوں نے ولی عہد بنانے کے ساتھ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی واشگاف الفاظ میں حکم فرما دیا تھا، شیخ ابن بابویہ قمی سندِ معتبر سے حضرت زین العابدین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے یزید سے کہا:

''لیکن حسین کے متعلق تو تو جانتا ہی ہے کہ اسے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی قرابت اور نسبت حاصل ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت اور خون ہی کے پروردہ ہیں مجھے پتہ ہے کہ اہل عراق انہیں اپنے ہاں بلائیں گے اور پھر ان کی مدد نہیں کریں گے بلکہ انہیں تنہا چھوڑ دیں گے، اگر تجھے ان پر کامیابی حاصل ہو تو ان کے احترام کا پورا حق ادا کرنا، ان کے درجے اور ان کی پیغمبر کے ساتھ قرابت کو یاد رکھنا، اور ان کے کسی بھی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان کے ساتھ مضبوط کیے ہیں انہیں ہرگز نہ توڑنا دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں کوئی دھوکہ اور تکلیف تمہاری طرف سے پہنچے۔'' (جلاء العیون، ص ۳۸۸ طبع ایران، طبع دوم، ص ۳۴۸۔)

اتنے واضح ارشادات اور اتنی کھلی ہدایات کے بعد اب جو کچھ بھی یزید کا عمل ہو اس کی ذمہ داری سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہرگز عائد نہیں ہوتی، یزید نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی، ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بدسلوکی کا موجب ہوا، یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں، اصولی طور پر ان احکام کا وجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامنِ اقدس پر کوئی دھبہ آنے نہیں دیتا اور ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک علمِ غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے، اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ یزید ان احکام کی کہاں تک پابندی کرے گا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصور نہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''علم غیب خاصہ خدا است پیغمبراں ہم نظر بحال ظاہر آرایاں خراب نفاق پیشہ میشوند تا وقتیکہ وحیِ الٰہی و وقائع الٰہی کشفِ حال شاں بکند'' (تحفہ اثنا عشریہ: ۳۰۵ لکھنو)

پھر آگے لکھتے ہیں:

''امام را علمِ غیب ضرور نیست کہ در حسنِ ظن خطا نکند و ہر کس را بحسبِ آنچہ از وصادر شدنی است بداند'' [ایضاً: ۳۰۷]

(حاصل ترجمہ: علمِ غیب کا لزوم یہ صرف شیعوں کا عقیدہ ہے حق یہ ہے کہ علمِ غیب خاصہ خدا ہے پیغمبر بھی ظاہر حال پر حکم کرتے ہوئے بعض اوقات باطن خراب اور نفاق پیشہ لوگوں کا اعتبار کر لیتے ہیں اور جب تک وحیِ الٰہی اور واقعات حالات کا انکشاف نہ کر دیں، پیغمبروں کا ظاہر بھی حالات پر ہی مبنی ہوتا ہے، امام کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنے حسن ظن میں خطا کر ہی نہ سکے، اور جو کچھ آگے ہوتا ہے وہ اسی پوری طرح جانتا ہو)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفصیل سے یہ امر از خود واضح ہے کہ یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ

عنہ کے ساتھ جو سلوک بھی کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

۲: یزید کی بجائے اُس وقت اگر خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برسرِ حکومت ہوتے تو واقعاتِ کربلا کا نقشہ اس طرح ہرگز نہ ہوتا، اولاً اس لیے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیالات اور ارادے جو محولہ بالا ارشادات سے ثابت ہوتے ہیں ہر ممکن بدسلوکی سے مانع ہوتے۔

ثانیاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ جذبات عقیدہ کے درجہ تک پختہ تھے کہ آلِ رسول اور حضراتِ اہلِ بیت کے ساتھ تعلقات و روابط مضبوط سے مضبوط تر کرنے چاہئیں، جیسا کہ جلاء العیون کی مذکورہ بالا عبارت سے از خود واضح ہوتا ہے۔ (عبقات: ۱/ ۱۲۷)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بلادِ روم فتح ہوئے اور مسلمان قسطنطنیہ تک جا پہنچے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بحری جنگوں کے لیے خاص طور پر مشاق کرایا تھا، آپ نے ۴۹ھ میں بلادِ روم سے جو جنگ کی اس میں امیر لشکر یزید تھا اس کے ساتھ اور کون کون تھے اس کے لیے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمرو ابن عباس و ابن زبير و أبو أيوب الانصاري رضي الله تعالىٰ عنهم'' (البدایۃ والنہایۃ: ۳۲/۸) اب آپ کیا گمان کر سکتے ہیں کہ اتنے جلیل القدر صحابہ کسی فاسق معلن کی قیادت میں جہاد جیسی عبادت میں نکلے ہوں اور پھر کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ممکن ہے کہ وہ ان اکابر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو کسی فاسق کے جھنڈے تلے آنے کا مشورہ دیں معرکہ قسطنطنیہ میں ہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور یزید نے ہی آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی: ''وهو الذي صلى عليه'' (البدایۃ والنہایۃ: ۵۸/۸) اور یزید نے ہی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

کیا اکابر صحابہ کی موجودگی میں ایک فاسق معلن ایک جلیل القدر صحابی کی نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟ یہ اس وقت کی بات ہے جب یزید فاسق نہ تھا، کیا یہ حضرت گنگوہی کے ارشاد کی تائید نہیں؟ پھر ہم اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ قسطنطنیہ کے اس غزوہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کی قیادت میں جہاد میں شامل تھے، ابن کثیر لکھتے ہیں: ''وقد كان في جيش الذين غزوا القسطنطنية مع ابن معاوية يزيد في سنة احدى و سبعين'' (ایضاً، ۱۵۱) ترجمہ: اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں تھے جنہوں نے یزید کے ساتھ مل کر قسطنطنیہ کی جنگ لڑی، یہ سن ۵۱ھ کا واقعہ ہے۔

اب تابعین کی شہادت لیجیے، حضرت محمد بن حنفیہ جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اکابر تابعین میں سے ہیں ان سے اس وقت کے لوگوں نے یزید کے خلاف کچھ باتیں کہیں اس پر آپ نے کہا: ''ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته و أقمت عنده و رأيته مواظباً على الصلوٰة متحرياً للخير يسأل عن الفقه ملازماً للسنة.'' (ایضاً: ۲۳۳)

ترجمہ: میں نے تو اس میں وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم بتلاتے ہو میں اس کے پاس کتنی دفعہ گیا ہوں اس کے پاس ٹھہرا بھی ہوں میں

نے تو اس کو نماز کا پابند اور نیکیوں کا متلاشی ہی پایا ہے، مسائل پوچھتا تھا اور سنت کو لازم پکڑتا تھا۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت یزید کا فسق کسی درجے میں نمایاں نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسے کبھی بھی اپنا ولی عہد مقرر نہ کرتے، اور یہ رائے کہ یزید صالح ہے کربلا سے پہلے فاسق نہ تھا صرف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی نہیں دوسرے اکابر علماءِ اہل السنۃ کی بھی یہی رائے ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

''وقتیکہ امیر معاویہ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کہ کردہ باشد در پردہ باشد کہ امیر معاویہ را ازاں خبر نبود علاوہ ازیں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از مشہود شد معروف است۔(تحقیق و اثبات:۷۲)

ترجمہ: جس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد کیا اس وقت وہ فاسق معلن نہ تھا اگر اس نے فسق کا ارتکاب کیا بھی ہو تو پردے میں کیا ہوگا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہ ہوگی اس کے علاوہ جہاد میں حسنِ تدبیر جو اس سے دیکھنے میں آئی اپنی جگہ معروف ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجاہد صحابہ میں سے تھے آپ کا خلافت کے باب میں مسلک یہ تھا کہ جو نظامِ سلطنت بہتر کر سکے اور جنگوں کو صحیح ترتیب دے سکے اسے ہی آگے کرنا چاہیے، اگر زہد و تقویٰ اور عزائم الامور میں اور حضرات افاضل موجود ہوں پھر بھی اگر کوئی شخص آپ پر اعتراض کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکے گا کہ آپ نے ترکِ اولیٰ کیا، بہتر تھا کہ آپ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ایک کمیٹی کے سپرد کر جاتے، ہم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں ہوسکتا ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ گمان ہو کہ کمیٹی اس مسئلے کو مؤثر درجے میں حل نہ کر سکے گی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''استخلاف افضل است نہ واجب لیکن ایں قدر را گناہ نتواں گفت کہ بسب وشتم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیش آئیم۔''

[مکتوبات مولانا محمد قاسم:۳۹]

ترجمہ: افضل شخص کو خلیفہ بنانا افضل تو ہے لیکن واجب نہیں اور اتنی بات کو (غیر افضل کو خلیفہ بنانے کو) گناہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے دلیل بنا کر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگ جاویں۔

سو اس پہلو سے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنایا آپ کو قطعاً برا بھلا نہیں کہا جا سکتا، آپ سیاست میں نہایت مدبر اور دینی سمجھ میں اونچے درجے کے فقیہ تھے آپ نے حالات پیش آمدہ کے تحت جو کیا وہ ان کا اجتہاد تھا، آپ ایک نیک جذبے سے کلمۂ امت کو ایک رکھنا چاہتے تھے اس کا کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا، آپ کو استخلافِ یزید کے وقت اس کی کسی ایسی بات کا علم نہ تھا جو اہلیتِ خلافت کے منافی ہو اور غیب کا علم اللہ ہی کو ہوتا ہے بدوں اس کے بتلائے کوئی کیسے غیب کی بات جان سکے، اس نے غیب دانی کی چابی کسی کے ہاتھ میں نہیں دی، وہ بڑے سے بڑا ولی کیوں نہ ہو اور جلیل القدر صحابی کیوں نہ ہو۔(عبقات: ۱/۴۱۰،۴۱۱)

اس سوال کے جواب میں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنے بیٹے کی بیعت کے لیے مجبور کرتے اور

حکومت کی طرف سے بیعتِ یزید کے لیے بھاری رشوتیں دی گئیں اور زیادہ کا تعاون لینے کے لیے بہت حیلے کئے گئے اور دھوکہ اور فریب سے کام لیا گیا۔

جواباً حضرت علامہ مرحوم ارقام فرماتے ہیں:

''ہم اس سلسلے میں مشہور شیعہ مؤرخ احمد بن ابی یعقوب الکاتب الیعقوبی کی شہادت پیش کرتے ہیں:

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یعقوبی سن ۴۹ھ کے واقعات کے تحت لکھتا ہے: ''و حج معاوية تلك السنة فتألف القوم و لم يكرهم على البيعة '' (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۲۹) ترجمہ: اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی سال حج کیا، آپ نے قوم کے دلوں کو جیتا اور ان سے جبراً (یزید کی) بیعت نہ لی۔

مخالفین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھاری رشوت دے کر اپنا ہم نوا بنایا اسے ثابت کرنے کے لیے وہ بے سروپا روایات کا سہارا لیتے ہیں، ان روایات کا ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) لکھتے ہیں: ''قال البخاری : منكر الحديث و قال ابوزرعة: في حديثه خطأ كثير '' (میزان الاعتدال: ۲۲۸/۴) ''اذا انفرد بحديث وجب أن يتوقف '' (تہذیب التہذیب، ۱۰، ۳۸۱)

صحابہ کرام کا تزکیہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اور یہ عقیدے کا موضوع ہے جو روایات عقائد کی سرحدوں کو چھوتی ہوں وہ اعلیٰ معیار کی ہونی چاہئیں انہیں محض تاریخی روایات نہ سمجھنا چاہیے، ان کے اعتبار سے اسلامی عقائد کی وہ کڑیاں ٹوٹتی ہیں جو کتاب وسنت نے قائم کی ہیں۔'' (عبقات: ۱/ ۴۱۱)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ کی بیعت

ثالثاً: اگر اُس وقت یزید کی بجائے خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ہوتی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی مخالفت میں نہ آتے بلکہ وہ حضرت امیر معاویہ کا مقام مرتبہ اور پالیسی پہچانتے تھے، اگر ان کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت لائقِ احترام نہ ہوتی تو وہ ان کی ہرگز بیعت نہ فرماتے اور انہیں ہرگز اپنا راہنما تسلیم نہ کرتے۔

رجال کشی میں صاف طور پر منقول ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ان دونوں بزرگوں نے حضرت امیر معاویہ کی بیعت فرمائی تھی۔

ملا باقر مجلسی نے پوری وضاحت کے ساتھ اس بیعت کو تسلیم کیا ہے، پس یہ تو تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جس ہستی کو بیعت کرنے کے لائق سمجھتے ہیں وہ ان کی مخالفت پر اتر آئے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ (عبقات: ۱/ ۱۲۷)

حضرت علامہ مرحوم مزید لکھتے ہیں:

''شیعہ کی نہایت معتبر کتاب رجال کشی ص ۸۹ر میں موجود ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما

دونوں بزرگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی تھی، یہاں لفظ بیعت صراحت کے ساتھ موجود ہے، ملا باقر مجلسی بحارالانوار ج ۱۰ ص ۱۲۴ میں رقم طراز ہیں: فقام فبایع ''امام حسن نے کھڑے ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔'' (عبقات: ۱/۱۳۰)

نیز لکھتے ہیں:

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہی نہ کی تھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی فرمائی تھی، بلکہ ان کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، رجال کشی میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امام حسن اور امام حسین اور قیس بن سعد بن عبادہ انصاری وغیرہ جب شام آئے تو: فأذن لهم معاوية و أعدلهم الخطباء فقال یاحسن قم فبایع ثم قال: للحسین قم فبایع فقام فبایع، (بحارالانوار، ج ۱۰، ص ۱۲٤، ایران) ترجمہ: پس امیر معاویہ نے انہیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کے اعزاز میں خطیب بلائے اور امام حسن سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیں امام حسن کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی پھر امام حسین سے کہا کہ آپ کھڑے ہوں اور بیعت فرمائیں امام حسین کھڑے ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمائی۔

حضرت امام حسن کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی بیعت کرنا ہرگز غلطی نہ تھا بلکہ اسی مصالحت نے انہیں ''سید'' ہونے کی شان سے ممتاز فرمایا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میرا یہ بیٹا ''سید'' ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اصلاح فرمائیں گے۔ (حدیثِ نبوی)

یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ یہاں سے لسانِ نبوت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے لیے بھی مسلمان ہونے کے الفاظ وارد ہیں پس یہ اختلافات کوئی کفر و اسلام کے اختلافات نہ تھے محض انتظام و معاملات کے تھے، غور کیجیے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اگر غلط ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انہیں ''سید'' ہونے کی بشارت نہ دیتے۔

پھر حضرت امام باقر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: "والذی صنعه الحسن ابن علی کان خیراً لهذه الأمة مماطلعت علیه الشمس" (بحارالانوار: ۱۰/۱٦٤) ترجمہ: امام حسن نے جو کچھ کیا وہ اس امت کے لیے ہر اس چیز سے بہتر تھا جس پر کبھی سورج طلوع ہوا ہو۔

آپ ہی غور کریں کہ اگر امام حسن کا ظاہر و باطن ایک نہ ہوتا اور دل و جان سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ ہوتے تو اس معاہدہ میں باقاعدہ شرائط نہ ہوتیں کیونکہ جبری اطاعت میں شرطیں نہیں ہوا کرتیں، امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرط لی تھی: ''صالحه علی أن یسلم الیه ولایة المسلمین علی ان یعمل فیهم بکتاب الله و سنة رسول الله و سیرة خلفاء الصالحین ''(بحارالانوار: ۱۰/۱۶۴، ایران) ترجمہ: امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے

مصالحت کرتے ہوئے اس شرط کے ساتھ مسلمانوں کی ولایت ان کے سپرد کی تھی وہ کتاب وسنت کے مطابق حکومت کریں اور خلفائے صالحین راشدین کی سیرت پر چلیں۔ کتبہ خالد محمود عفا اللہ عنہ،۱۹ اپریل،۱۹۶۳ء۔(عبقات:۱/۵۴،۵۵)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت صرف یہی نہ تھی کہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے تھے بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی باقاعدہ بیعت کی تھی، رجال کشی، بحار الانوار اور حبیب السیر وغیرہ کتبِ معتبرہ میں صراحت کے ساتھ بیعت کے الفاظ موجود ہیں اس موقع پر جو شرائط فریقین میں طے پائی تھیں وہ بھی کتابوں میں بصراحت موجود ہیں جو بیعت مجبوری کی حالت میں ہوتی ہے اس میں کسی قسم کی شرائط کا سوال پیدا نہیں ہوتا، شرائط کا طے ہونا ہی اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ بیعت بالرضا تھی، اس میں جبر واکراہ کا کوئی دخل نہ تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں یزید کو جو وصیت فرمائی (اسے ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب جلاء العیون میں نقل کیا ہے) اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان حضرات اہل بیت کے ساتھ محکم اور استوار رکھے ہیں انہیں ہرگز قطع نہ کرنا۔''

(جلاء العیون،۳۸۸)

یہ الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان حضرات کے تعلقات حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آخری وقت تک سازگار اور خوشگوار رہے، یہ صحیح ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ہر بات میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ برابر شامل رہے اور انہوں نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باقاعدہ بیعت کی تھی اس امر کی تصریح کتبِ امامیہ میں واضح موجود ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ امامین کریمین (حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) ہر دو حضرات سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ وظیفہ وصول فرماتے رہے، ان بزرگوں کا اس وظیفے کو قبول کرنا اور مسلسل کرتے رہنا، اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان حضرات کے تعلقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوری طرح سازگار تھے اور باہمی مصالحت پوری طرح قائم تھی۔''(عبقات:۱/۳۴۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی مشاجرات

۳: باقی رہا یہ امر کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگیں کیوں کیں؟ سو یہ ہے ہی سرے سے غلط، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف کبھی لشکر کشی نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگیں کیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو صرف دفاع کر رہے تھے کہ جب تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قاتلینِ امام مظلوم سیدنا حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو گرفتار نہ کر لیں وہ ان کے احکام متعلقہ عزل ونصبِ عمال ماننے کے لیے تیار نہیں، اور یہ محض اجتہادی امور تھے، اور جب سیدنا حضرت امام

حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان تمام واقعات اور جنگوں کے پس منظر کے باوجود صلح کر لی تو اس صلح کے بعد اب پچھلے اختلافات کو اچھالنا کوئی علمی شان نہیں اور نہ یہ دیانت کا مقتضا ہے۔ (عبقات: ۱/ ۱۲۵) [۲/ ۵۷۵، ۵۰۹]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

۴: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا رائے تھی؟ اس کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل ارشاد کافی وافی ہے فرماتے ہیں:

''بخدا سوگند کہ معاویہ از برائے من بہتر ازیں جماعت اینہا دعوی میکنند کہ شیعہ من اند و ارادہ قتل من کردند و مال مرا غارت کردند بخدا سوگند اگر از معاویہ عہدے بگیرم و خون خود را حفظ کنند و ایمن گردم و اہل و عیال خود بہتر است برائے من از آنکہ اینہا مرا بکشند (جلاء العیون، ص ۲۹۰، مطبوعہ ایران)

ترجمہ: خدا کی قسم معاویہ میرے لیے ان لوگوں سے بہتر ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں، اگر میں معاویہ کے ساتھ صلح کر لوں اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر لوں یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میرے اپنے ہونے کا دعویٰ کرنے والے مجھے مار ڈالیں''

نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ نہایت واضح ہے کہ آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ایمان میں زیادہ نہیں اور نہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایمان میں آگے ہیں، مومن بہ امور میں سب برابر ہیں، سب کا خدا ایک، پیغمبر ایک، قبلہ ایک ایک، کتاب اور دعوت الی الاسلام ایک، یہ جو کچھ اختلافات ہوئے صرف انتظامی امور میں ہوئے کہ قاتلین امام مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کس طرح نمٹا جائے اور خدا گواہ ہے کہ ہم اس خون سے بالکل بری ہیں او کما قال رضی اللہ عنہ۔'' (عبقات: ۱/ ۱۲۵ تا ۱۲۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی یا فاسق کہنا:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی کہنا کیسا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت العلام قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی پر مختلف دور گزرے ہیں آپ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو کس دور میں باغی سمجھتے ہیں پہلے اس دور کی تعیین کریں جس کے سیاق میں آپ انہیں باغی کہنا چاہتے ہیں اور بتلائیں کہ کیا ان کو سفرِ آخرت اپنی اسی حالت میں پیش آیا یا وقتِ وفات آپ عالمِ اسلام کے متفق علیہ حکمران تھے؟ جواب دیتے ہوئے آپ کی سیاسی زندگی کے یہ دور ملحوظ رہیں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ والی درارضِ شام بہ دورِ اسلام

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنرِ شام بعہدِ حضرت عثمان

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنرِ شام بعد از شہادت عثمان

(۴) خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف میدانِ صفین میں، دفاعاً۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ۴۰ ھ میں عدمِ قتال کے معاہدہ (مہاونت)

(۶) حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد آپ بالاتفاق خلیفۃ المسلمین تھے۔

جو شخص ان ادوارِ ستہ پر غور سے نظر کرے گا وہ حق کو پالے گا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اگر ان کے آدمیوں کے ہاتھ شہید ہوئے تو آپ کے ان ساتھیوں کو جنہوں نے حضرت عمار کو شہید کیا تھا زیادہ سے زیادہ سے ان ادوارِ ستہ میں سے چوتھے دور میں باغی کہا جاسکے گا اور **تقتلک الفئة الباغية** کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ اس دورِ مقاتلہ میں جس میں جنگِ صفین واقع ہوئی اہلِ شام بنا بر تاویل باغی تھے، ان کے پاس عذر اپنی جگہ موجود تھا لیکن ایسا ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں اس پانچویں اور چھٹے دور میں بھی باغی کہا جائے، ۴۰ ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مصالحت ہوگئی تھی پھر آپ ہی سوچیں بغاوت کہاں رہی؟ اور باغی کا حکم کیسے رہا؟ اور پھر ۴۱ ھ کو تو عام الجماعۃ کہا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے پھر سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا تھا، اور اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمام عالمِ اسلام کے ایک متفق علیہ حکمران اور خلیفۃ المسلمین تھے، آپ لوگ جو ان کا حکم (کہ انہیں باغی کہا جاسکتا ہے یا نہ؟) معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ چوتھے دور کے اعتبار سے پوچھتے ہیں یا پانچویں اور چھٹے دور کے اعتبار سے؟ چوتھے دور میں اگر ان پر حدیث **تقتلک الفئة الباغية** کی رو سے فئۃ باغیۃ کا حکم ہو بھی تو ۴۰ ھ کی مہاونت یا ۴۱ ھ کی مصالحت کے بعد نہ بغاوت باقی رہی، نہ ان پر باغی ہونے کا حکم باقی رہا، یاد رکھیئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انما العبرة بالخواتیم، کہ سبق پچھلے اور آخری دور سے لینا چاہیے نہ کہ اول یا وسطیٰ دور سے، اور اس چوتھے دور میں بھی تو وہ اجتہاداً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہٹے ہوئے تھے مقابلاً نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ''انهم لم يخرجوا بذلك عن حد الولاية والنبوة فذلك الامر فيما جرىٰ بين الصحابة'' [تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۲۲] ترجمہ: برادرانِ یوسف باہمی رقابت کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود میں رہے اسی طرح وہ اختلافات ہیں جو صحابہ میں جاری ہوئے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی ان لوگوں کی جو صفین میں قتل ہوئے، نمازِ جنازہ نہ پڑھاتے، حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ ھ) عقبہ بن علقمہ سے نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''شهدت مع علي يوم صفين فأتى بخمسة عشر اسيراً من أصحابِ معاوية فكان من مات منهم غسله و كفنه و صلى عليه'' (تلخیص تاریخ ابن عساکر: ۱/ ۴۷) ترجمہ: میں جنگِ صفین میں حضرتِ علی کے ساتھ تھا آپ کے پاس امیر معاویہ کی جماعت کے پندرہ قیدی لائے گئے ان میں سے جو بھی فوت ہوا، آپ نے اسے غسل دلوایا، کفن پہنایا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں کو کافر نہ سمجھتے تھے انہیں مؤمن سمجھتے اور ان کے ساتھ مؤمنین والا برتاؤ ہی کرتے، اگر آپ کا مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ ہوتا یا آپ اپنے لیے کسی آسمانی حقِ امامت کے مدعی ہوتے تو

آپ قطعاً اپنے محاربین کو مؤمن نہ کہتے، نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھتے ۔سو حکیم محمد بن حسن طوسی (صاحبِ تجرید) کی یہ بات درست نہیں کہ آپ کے (حضرت علی) کے مخالف فاسق ہیں اور محارب کافر، ذاکروں کی یہ بات بالکل بے سروپا ہے۔

محدثِ شہیر ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) بھی روایت کرتے ہیں: "ان علیا قال یوم الجمل اللهم لیس هذا أردت، اللهم لیس هذا أردت"[**المصنف**: ۱۵/۲۷۵] ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے دن فرمایا: اے اللہ! گواہ رہ، میرا ارادہ جنگ کرنے کا نہ تھا، اے اللہ! تو گواہ رہ میں نے جنگ کا قصد نہ کیا تھا۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''یابُنیّ انی لم أر أنّ الأمر یبلغ هذا" (البدایة:۲٤٠/٤، کنزالعمال:۸۵/٦) ترجمہ: اے بیٹا مجھے اندازہ نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا (جنگ کی صورت اختیار کرلے گا) (عبقات،۱/۱۴۴،۱۴۶)

دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

''علامہ تفتازانی عقائد کی مشہور کتاب ''شرح مقاصد'' میں اہل شام کے بارے میں لکھتے ہیں:"ولیس کفاراً و لافسقة و لا ظلمة لما لهم من التأویل و ان کان باطلاً فغایة الأمر أخطأوا فی الاجتهاد و ذلك لایوجب التفسیق فضلاً عن التکفیر ولهذا منع علی أصحابه عن لعن أهل الشام و قال اخواننا بغوا علینا" (شرح مقاصد، ج۲،۲۲۳) ترجمہ: اور وہ کافر نہیں، نہ فاسق ہیں، اور نہ ہی انہیں ظالم ٹھہرایا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی وجہ ضرور تھی، گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد میں خطا کی اور اس سے فسق لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر، اور اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو اہل شام پر لعنت کررہے تھے اس سے روکا اور فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہی ہیں جو ہم پر چڑھ دوڑے ہیں۔

علم کلام کی مشہور تالیف کتاب ''التمہید'' میں علامہ ابوالشکور السالمی لکھتے ہیں:"ان الباغی لایفسق لان شهادته مقبولة بالاتفاق والثانی أن الباغی مؤول فی دعواه"[**کتاب التمهید** :۱۶۸] ترجمہ: باغی فاسق نہیں ٹھہرتا کیونکہ اس کی شہادت بالاتفاق مقبول ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ باغی اپنے دعویٰ میں کسی تاویل سے کام لے رہے تھے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:"ولأنه یجوز الصلاة و الجمعة و الحج و تولیة القضاء وغیرذلك من الولایة من جهة الباغی دلّ أنه ماکان فاسقاً" ترجمہ: باغی کی طرف سے حق ولی قائم ہونا تولیۃ القضاء، ادائیگی حج اور اس کا نماز و جمعہ جائز ہے یہ صورتِ حال بتلاتی ہے کہ وہ باغی فاسق نہ تھا۔

محدثِ جلیل ملا علی قاری بھی لکھتے ہیں: "کان معاویة مخطئاً الیٰ أنّه فعل مافعل عن تأویل فلم یصر به فاسقاً" (شرح فقہ اکبر:۸۲) حضرت معاویہ (اپنے اجتہاد میں) خطا پر تھے، انہوں نے جو کچھ کیا سو کسی تاویل کے سہارے کیا ہو، آپ اس سے فاسق نہیں ہوئے (آپ کا عادل ہونا مجروح نہیں ہوتا)

حق یہی ہے اور یہی اہل حق کا مسلک ہے، البتہ معتزلہ ان حضرات کو فاسق قرار دیتے ہیں اور علماءِ حق نے ان کی پر زور تردید کی ہے علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں: ’’وذهب جمهور المعتزلة الىٰ أن عائشة وطلحة والزبير و معاوية و جميع اهل العراق و الشام فساق بقتالهم الامام الحق ‘‘[جامع الاصول:۸۳/۱] ترجمہ: جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور جمیع اہل عراق اور اہل شام سب امامِ برحق سے لڑنے کے باعث فاسق قرار پائے ہیں۔

پھر آگے جا کر ان الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں: ”وكل هذا جرأة على السلف يخالف السنة فان ماجرىٰ بينهم كان مبنياً على الاجتهاد“ ترجمہ: یہ سلف پر ایک بہت بڑی جرات ہے اور یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ ان میں جو کچھ بھی پیش آیا اور جو کچھ ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔

امامِ ربانی حضرت احمد مجددِ الف ثانی فرماتے ہیں: ”كتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادى كماصرح به الغزالى و القاضى أبوبكر وغيرهما پس تفسيق و تضليل درمحاربانِ حضرت امير جائز نباشد“ (مکتوبات) ترجمہ: اور اہل السنۃ کی سب کتابیں اس خطا کے اجتہادی ہونے سے بھری پڑی ہیں جیسا کہ امام غزالی، قاضی ابوبکر باقلانی اور دوسرے اکابر اہل حق تصریح کر چکے ہیں سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محاربہ کرنے والوں کو فاسق کہنا یا انہیں گمراہ قرار دینا کسی طرح جائز نہ ہوگا (کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اس میں ان کے پاس کوئی نہ کوئی عذر یا تاویل ضرور موجود تھی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ شخص جو مملکت کے کسی طاقت ور فرد یا گروہ پر انصاف کا ہاتھ نہ ڈال سکے وہ خلافت کے لائق نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں حکومت کا جو چارٹر پیش کیا اس میں صراحت کی تھی کہ تم سے جو جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے (مجھ سے اپنا حق لینے میں طاقت ور ہے) اور جو قوی اور طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے اس پر ہر حال میں انصاف کا ہاتھ ڈالا جائے گا، خلافت کے اس اصول کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پکڑ نہیں سکتے اور عذر کرتے ہیں کہ باغی اس قدر قوت اختیار کر چکے ہیں کہ میں سرِ دست ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو وہ خلافت کی ذمہ داریوں کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس اصول کو تسلیم کرتے تھے لیکن اس وقت ان کا خلافت سے دستبردار ہونا سلطنتِ اسلامی کے لیے اور بھی مہلک ہو سکتا تھا ان کا اجتہاد یہ کہتا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے پہلے اپنی بکھری قوتوں کو جمع کیا جائے اور پھر قاتلانِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالا جائے، اصولاً وہ خود مانتے تھے:

”أيها الناس ان أحق الناس بهذا الأمر أقواهم و أعلمهم بأمر الله فيه“(نهج البلاغة،ج ۱، ۳۲۱)

اس نازک صورتِ حال میں دونوں طرف اجتہاد کی گنجائش ہے سو ان دونوں گروہوں میں کسی کی تفسیق جائز نہ ہوگی گو اکابر صحابہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی‘‘ (عبقات، ۱/۱۶۰ تا ۱۶۲)

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے بے شک طائفہ باغیہ ہوں گے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے ماتحت نہیں آتے، اس لیے کہ باغی اسے کہتے ہیں کہ جو کسی حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے خلاف ہو جائے، اور جو شروع سے ہی مخالف ہو اس پر باغی کا لفظ پورا منطبق نہیں اترتا، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور پھر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہوں، ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے والے اس حدیث کی رو سے طائفہ باغیہ ہیں لیکن جب تک ان قاتلوں کی نشان دہی نہ ہو جائے، ہم اس حدیث کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پورے لشکر پر منطبق نہیں کر سکتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو اپنی وفات کے وقت مسلمانوں کے بالاتفاق حکمران تھے مختلف شخصیت نہ تھے وہ باغی کیسے ہو سکتے ہیں؟ خلیفہ برحق بے شک حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تھے لیکن اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام عالمِ اسلام کا اجماع نہ ہوا تھا، اہل السنۃ کا اس خلافت پر کلی اجماع ایامِ خلافت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد منعقد ہوا، اس کے بعد جو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف ہو وہ بے شک گمراہ ہے لیکن ان ایامِ اختلاف میں جب دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعدد افراد ہوں ہم خطائے اجتہادی کے کسی بھی مرتکب کو کسی طرح موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے، بلکہ مجتہدِ مخطی بھی ارشادِ نبوت کی رو سے مثاب و ماجور ہوتا ہے۔'' (عبقات، ۱/۳۷۹)

مطالبہ قصاص میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا صحابہ:

دربارِ صحابہ کے پہرے دار الدکتور علامہ خالد محمود رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

''یہ غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس مطالبۂ قصاصِ عثمان میں شامل نہ ہوئے تھے، حضرت عبادہ بن صامت (۳۴ھ) اور حضرت ابوالدرداء (۳۲ھ) اکابر صحابہ وہاں موجود تھے اور یہ سب حضرات اس مطالبہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے یہ حضرات خود ہرگز شریکِ اقتدار نہ تھے کہ ان کے متعلق یہ شبہ راہ پا سکے کہ یہ خود کسی مصلحت سے خونِ عثمان کے قصاص کے لیے اٹھے ہوں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''وقام في الناس معاوية وجماعة من الصحابة معه يحرضون الناس على المطالبة بدم عثمان، ممن قتله من أولئك الخوارج :منهم عبادة بن الصامت، وأبو الدرداء 2)) ، وأبو أمامة، وعمرو بن عنبسة وغيرهم''(البداية و النهاية:۲۲۷/۷) ترجمہ: اور لوگوں میں امیر معاویہ اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی جو لوگوں کو ان خارجیوں سے جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لیے آمادہ کرتے تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوالدرداء حضرت ابوامامہ اور عمرو بن عنبسہ سبھی شامل تھے۔

یہ بھی غلط ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود خلیفہ بننے کے لیے بیعت مرتضوی سے انکار کیا تھا، آپ نے

مطالبہ قصاص عثمان ۳۵ھ میں کیا اور اہل شام نے آپ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بیعت ۳۷ھ کے آخر ذوالقعدہ میں کی ہے اور یہ بھی اس وقت جب حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص) قیامِ امن اور صلح فریقین میں کامیاب نہ ہو سکے تھے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے ہٹانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس صورتِ حال میں لوگوں میں اختلاف اور پھیلتا جا رہا تھا، خلیفہ ابن الخیاط لکھتا ہے: ”وبايع أهل الشام لمعاوية بالخلافة في ذي القعدة سنة سبع و ثلاثين“ (تاریخ خلیفہ: ۱/ ۱۷٤) ترجمہ: اور اہل شام نے حضرت معاویہ کی خلافت کی بیعت ۳۷ھ ذوالقعدہ میں کی ہے۔

..................سو مطالبہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی بات ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی اس کے لیے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام بنانا درست نہیں ہے۔ (عبقات: ۱/ ۱۷۳، ۱۷۴)

یومِ معاویہ منانے کا حکم:

دن منانے کے بدعت ہونے کا سوال یومِ معاویہ سے ہی متعلق نہیں بلکہ سوال یومِ صدیق اور یومِ فاروق کے متعلق بھی بعینہ وارد ہوتا ہے اس سوال کی روح دَبے انداز میں یومِ صدیق اور یوم فاروق اور ہر ایسے عنوان کے خلاف بھی مصروفِ پیکار ہے نہایت تعجب ہے کہ جن حلقوں میں بیسیوں دفعہ یومِ صدیق، یومِ فاروق اور یومِ ذوالنورین وغیرہ منائے جا چکے ہوں اور جس ملک میں ہر سال یومِ اقبال بڑے تزک و وقار سے منایا جاتا ہو وہاں یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقع پر اس کے بدعت اور عدمِ بدعت کی بحث چھیڑی جائے، سوال مسئلے سے نہیں تخصیص سے ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معترض حضرات کی اصل ناراضگی اس یوم کے شرعی یا انتظامی تعین سے نہیں بلکہ اس کی بناء سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وہ پرانا بغض ہے جسے ہمارے آئمہ اعلام اور اسلاف کرام ایک بدعت شمار کرتے آئے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا احترام مسلکِ اہل سنت ہے اور ان سے کسی قسم کا بغض یہ خود ایک بدعت ہے مقامِ حیرت ہے کہ وہ لوگ جو خود اس داغِ بدعت سے داغ دار ہیں سنت کے عقیدے پر نہیں رہے، سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دائرہِ اہل سنت میں کسی قسم کی مجال گنجائش نہ پا کر اب یومِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت کو زیرِ بحث لا رہے ہیں، یاد رکھیئے کہ کسی بزرگ کے یوم پیدائش یا وفات کے تعین کے بغیر جو یوم منایا جائے اور پھر اس یوم کا بھی سالانہ التزام نہ کیا جائے بلکہ کبھی کسی موقع پر اور کبھی کسی موقع پر یہ تبلیغی تقریب منعقد ہو جائے ہر سال ایک ہی تاریخ پر نہ ہو تو اس طرح یوم منانے کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، یہاں یوم کا تعین محض ایک انتظامی امر ہے کوئی شرعی معاملہ نہیں اور یوم کا معنٰی یہاں صرف یہ ہے کہ پورا دن اس بزرگ کے کمالات و محامد اور فضائل و خدمات کے بیان کے لیے ہے اور بلا التزام تاریخ یہ اس دن کا ایک انتظامی پروگرام ہے اس طرح کی ”یوم کی تقریبات“ اس بدعت کے ذیل میں نہیں آتیں، جس سے ہمارے بزرگوں نے روکا ہے ہاں احتیاط یہ ہے کہ اسے یوم کی بجائے یاد سے موسوم کر لیا جائے جیسے یادِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں جلسہ لیکن حکومت کی مشینری اور نظامِ تعطیلات میں اسے یوم کے بغیر جگہ نہ دی جا سکے گی، واللہ اعلم بالصواب، ہاں یہ صحیح ہے کہ یوم کے نام سے یادِ رفتگان منانا سلف صالحین سے نہیں ملتا اور جو ان کے نزدیک دین نہ تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا۔“ (عبقات: ۱/ ۱۸۴، ۱۸۵)

حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے تعلقات:

حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک حضرت امام حسین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات اچھے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش تھی کہ وہ روابط جوانہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت بہترین انداز میں قائم کرر کھے ہیں ٹوٹنے نہ پائیں، شیخ ابن بابویہ قمی حضرت زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں یزید کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی:

''حق حرمتِ اور ابشناس ومنزلت وقرابتِ اورا باپیغمبر بیاد آوردبا کردہ ہائے اومواخذہ مکن وروابطی کہ من با او دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن۔'' (جلاء العیون: ۳۸۸، ایران) ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقِ احترام کو پہچاننا اور انہیں جو قرب اور درجہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حاصل ہے اسے یاد رکھنا، ان کے کسی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان سے نہایت مضبوط کرر کھے ہیں انہیں ہرگز قطع نہ کرنا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک وہ وظیفہ وصول کرتے رہے، جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بوقتِ صلح مقرر ہوا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آخر دم تک کوشاں رہے کہ اہلِ بیت کے ان بزرگوں کے ساتھ تعلقات نہایت اچھے اور محبت کے انداز میں قائم رکھے جائیں۔

مشاجرۂ صفین، شانِ رحماء بینہم اور حضرت معاویہ کا مسلمانوں کے باہمی جنگ سے تنفر:

حضرت علامہ سے سوال کیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں قرآن شریف میں لکھا ہ رحماء بینھم وہ آپس میں بہت رحم دل تھے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں سے کیوں لڑتے رہے؟ جواب میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''یہ الزام واقعات کی روشنی میں بالکل غلط ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کے موجب ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ آپ اس بات سے طبعاً متنفر تھے کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کے مقابلہ میں بے نیام ہو، آپ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی باہمی خون ریزی سے اس درجہ متنفر تھے کہ آپ نے شہادت قبول فرمالی مگر مدعیانِ اسلام کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی، اسی طرح آپ کے یہ تاثرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں پوری طرح جلوہ گر تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے سے حکمتِ ایزدی نے تکویناً روک رکھا تھا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ عہدِ جاہلیت میں ایک عرصہ تک مسلمانوں کے مقابلہ میں برسرِ کمان رہے، ان کی عمر کا بیشتر حصہ انہی مہم آرائیوں میں گزرا، یہ امر بہت عجیب ہے کہ ان تمام معرکوں میں ان کے ساتھ ان کے بیٹے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کہیں نظر نہیں آئے اور بدر سے لے کر جنگِ احزاب تک کوئی شخص آپ کی نشان دہی نہیں کرتا کہ کبھی آپ بھی اپنے باپ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ

رب العزت نے تکوینی طور پر آپ کو اس سے بچا رکھا تھا کہ آپ مسلمانوں کے مقابلہ میں چڑھائی کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عجمی بغاوت زوروں پر تھی اور آپ کے زیرِ کمان شامی افواج بہت مضبوط تھیں اس وقت بھی آپ نے ازخود کوئی پیش قدمی نہ فرمائی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی منشا کا پوری طرح احترام کیا کہ ان کی حیاتِ طیبہ میں مسلمانوں کی باہمی خون ریزی کسی صورت میں واقع نہ ہونے پائے، پھر جنگِ جمل میں جب کہ حضرت علی اور حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان چھڑ گئی تو باوجودیکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صاف نہ تھا آپ نے ان کی مخالفت میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی شرکت نہ کی، ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سے طبعاً متنفر تھے کہ مسلمان کی تلوار مسلمان سے ٹکرائے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”لم یکن معاویة ممن یختار العرب ابتداءاً بل کان من أشد الناس حرصاً علیٰ أن لایکون بین المسلمین قتال“ (منهاج السنة: ۲۱۹، ۲۲۰) ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ کی ابتداء کرنے والے نہ تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں ہوتے تھے کہ مسلمانوں میں باہمی قتال ہرگز نہ ہو۔

جنگِ صفین میں بھی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف چڑھائی نہیں کی بلکہ اس میں پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی اور جب عراقی افواج مقام وخلیہ تک پہنچیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجبوراً دفاع کے لیے نکلنا پڑا، ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک امام مظلوم کے قاتل گرفتار نہ کرلیے جائیں وہ نئے خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے وہ خود مدعیِ خلافت ہرگز نہ تھے صرف اس امر کے منتظر تھے کہ امام مظلوم کا بے گناہ خون دادرسی پاسکے، پھر اس جنگِ صفین میں بھی باوجودیکہ شامی افواج بہت قوی اور کثیر تھیں آپ نے کھلے ہوئے قرآنوں کا واسطہ دے کر خون ریزی کو بند کرایا اور معاملہ کو حل کرنے کے لیے فکرو تدبر اور نظر واستدلال کی راہ اختیار فرمائی، یہ گمان ہرگز نہ کیا جائے کہ آپ کا لڑائی سے طبعاً دور ہونا کسی کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے تھا، جس ذاتِ گرامی نے روم کی سیاسی قوت پر وہ کاری ضرب لگائی ہو کہ صدیوں کا تمدن اور سالہا سال کی قوت سب پامال کرکے رکھ دیے ہوں اس کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، علامہ ابن کثیر ”البدایۃ والنہایۃ“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رومی ممالک پر سولہ دفعہ حملہ آور ہوئے تھے، بحری لڑائیوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی تاریخ اسلام کے وہ انمٹ نقوش ہیں جنہیں مستقبل کی کوئی غلط بیانی نہیں دھوسکتی۔ (عبقات، ۱/ ۲۲۹ تا ۲۳۱)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے واقعاتِ جمل یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام تر اختلافات فسادِ نیت پر نہیں صرف غلط فہمیوں پر مبنی تھے بایں ہمہ ان حضرات میں رحماء بینهم کی جھلک پھر بھی کسی نہ کسی انداز میں موجود تھی ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اختلافات کی پوری شدت کے وقت بھی اس صفت رحماء بینهم سے ممتاز تھے یعنی کفر کے مقابلے میں اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے سے شفیق ورحیم تھے یہی وجہ ہے کہ جب قیصرِ روم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو

امداد کی پیش کش تو آپ نے باہمی شدتِ اختلاف کے باوجود اسے یہ جواب دیا کہ تیری جو آنکھ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھے گی وہ نکال دی جائے گی اور جو ہاتھ اٹھے گا وہ کاٹ دیا جائے گا۔" (عبقات:۱/۳۱۱)

خلافتِ راشدہ کا مصداق:

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

"خلفائے راشدین چار ہیں انہیں ائمہ اربعہ بھی کہتے ہیں ان کی خلافت مطلق حکومت نہیں خلافتِ نبوت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس پیشین گوئی میں بارہ مضبوط حکمرانوں کی خبر دی گئی ہے وہ مطلق حکمران ہیں جن میں اچھے اور برے دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں ہاں غیر مسلموں کے مقابلے میں وہ مضبوط حکومت کے مالک ہوں گے ان میں پہلے چار کی حکومت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حکومت تو راشدہ تھی لیکن غیر تامہ تھی آپ اس سے دستبردار ہو گئے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت بے شک ایک مضبوط حکومت تھی نظامِ عدل کتاب وسنت کے موافق تھا مگر آپ کا عقدِ حکومت استخلافاً نہیں صلحاً وجود میں آیا تھا...... خلفاءِ راشدین ان چھ میں سے چار ہیں جو آیتِ استخلاف کا مصداق ہیں" (عبقات:۱/۲۸۶)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کے الزام کا جواب:

اس شیعی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت العلام انشاء پرداز ہیں:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمے یہ بات لگانا کہ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا ایک بڑا بہتان ہے اور کذبِ محض، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی ضرورت کیا پڑی تھی؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تا حیاتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ رہے انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا بگاڑا تھا جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگر زندہ رہتے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑتا، علم سے نابلد لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیا ضرورت تھی جو وہ اس کا ارتکاب کرتے، خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کو دے چکے تھے، دونوں بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو چکے تھے، ان کے وظائف لیتے رہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک فدک کی آمدنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد اور حضرت حسین کی اولاد کو ملتی رہی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو ایک کیا، سلطنت اسلام متحد ہوئی اور پھر تا حیات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کے مابین کوئی دل خراش واقعہ پیش نہیں آیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر مدینہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اموی نے پڑھائی اور انہیں اس کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آگے کیا، شہادتِ حسن رضی اللہ عنہ میں اگر کسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملوث ہوتے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر کو کبھی نمازِ جنازہ کے لیے آگے نہ کرتے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو آگے کرتے ہوئے فرمایا: "لو لا السنة لماقدمتك." ترجمہ: اگر سنتِ طریقہ نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی آگے نہ کرتا (سنت یہ کہ حاکمِ وقت امامت کرائے)

امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے بعد ہر سال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے رہے، وہ پوری طرح ان کا اکرام کرتے اور انہیں بڑے تحفے اور ہدایا دے کر رخصت کرتے، یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خوانی کا الزام کذبِ محض ہے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعظمه ویکرمه.[البدایة والنهایة:۳/ ۱۵۰، تاریخ ابن عساکر:۴/ ۳۱۱] ترجمہ: جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس وفد بن کر جاتے، آپ انہیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کو بہت عطیے دیتے اور ان کا بڑا اکرام فرماتے۔

مشہور شیعی مؤرخ احمد بن داؤد الدینوری (۲۸۲ھ) لکھتا ہے: "ولم یرالحسن ولاالحسین طول حیاة معاویة منه سوءً فی أنفسهما ولامکروها ولاقطع عنهما شیئاً مما کان شرط لهما ولاتغیر لهما عن بر" (الاخبار الطوال: ۲۲٦) ترجمہ: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے حق میں کوئی بدخواہی نہیں دیکھی، نہ ان کا اپنے بارے میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھا نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات جس پر آپ نے انہیں عہد دیا تھا توڑی اور نہ ان دونوں کے ساتھ آپ نے کسی نیکی میں دریغ کیا۔

پہلے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) وغیرہما میں سے کوئی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتا، حاکم (۴۰۵ھ) نے زہر دیے جانے کا واقعہ تو نقل کیا ہے مگر زہر دینے کے مجرمین کی کوئی نشان دہی نہیں کی، سب سے پہلے ابن اثیر الجزری (٦۳۰ھ) نے اس زہر دینے کی نسبت آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کی طرف کی ہے اور پھر صیغۂ تمریض سے کہا ہے کہ کچھ لوگ اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس پر ابن اثیر نے کوئی صحیح روایت پیش نہیں کی، نہ اس الزام کی کہیں توثیق کی ہے، حافظ ابن تیمیہ (۷۱۸ھ) لکھتے ہیں: "ان معاویة سمّ الحسن فهذا مماذکره بعض الناس ولم یثبت ذلك ببینة شرعیة أو اقرار معتبر ولانقل یجزم به" (منهاج السنة، ج۲، ۲۲۵) ترجمہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا ہے یہ وہ بات ہے جو بعض لوگوں نے ذکر کی ہے اور یہ بات کسی واضح شرعی دلیل یا اقرارِ معتبر سے ثابت نہیں، اس پر کوئی نقل نہیں ملتی جس پر یقین کیا جا سکے۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے آخری وقت میں پوچھا کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نام بتانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کو ترک کر دیں، اس کا فیصلہ اللہ کے ہاں ہوگا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج۸، ص۴۳)

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں: "ومایںقل ان معاویة دس الیه السم مع زوجته جعده بنت اشعث بن قیس فهو من أحادیث الشیعة و حاشا لمعاویة من ذلك" (تاریخ ابن خلدون، ج۲، ص۱۱۳۹) ترجمہ: اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ مل کر زہر دلایا تھا یہ شیعوں کی باتیں ہیں

حاشا وکلا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہو۔

یہ سوال کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دشمنی کن سے تھی یہ ضرور غور طلب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک بیان سے اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نئی شادیوں کا بہت شوق تھا، اسی بناء پر آپ کو حسن مطلاق کہا جانے لگا تھا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" مازال الحسن يتزوج ويطلق حتى حسبت أن يكون عداوة في القبائل" (المصنف لابن شيبه، ج٥/٢٥٤) ترجمہ: حضرت رضی اللہ عنہ متواتر شادیاں کرتے رہے اور طلاقیں دیتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خدشہ گزرا کہ اس اندازِ عمل سے کہیں قبائل میں عداوت کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔

اس پس منظر میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ یہ آپ کی کسی بیوی ہی کی سازش ہو گی لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ قرائن سے ملتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے محض مخالفین کی اختراع سے کسی مسئلے کا اثبات نہیں ہوسکتا۔" (عبقات، ۱/ ۳۸۹ تا ۳۹۱)

ھو من الطلقاء کا جواب:

حضرت علامہ سے سوال کیا گیا کہ تین صحابہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوالدرداء اور عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے............حضرت عبدالرحمٰن بن غنم نے کہا کہ معاویہ طلقاء میں سے ہیں ھو من الطلقاء الذين لايجوز لهم الخلافة، اس کے جواب میں حضرت علامہ مرحوم ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کی حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے یہ ملاقات بے شک بعض مؤرخین نے نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں عویمر بن عامر ابوالدرداء کا اس سے بہت پہلے دورِ عثمانی میں انتقال ہو چکا تھا، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا دور نہیں پایا، حافظ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ گو بعض اہلِ اخبار نے کہا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے بعد فوت ہوئے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی: "والأكثر والاشهر والأصح عند أهل الحديث أنه توفى في خلافة عثمان بعد ان ولاه معاوية قضاء دمشق" (الاستیعاب، ج۳،ص ۱۷) ترجمہ: اکثر اور زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح بات محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے خلافتِ عثمانی میں وفات پائی بعد اس کے کہ انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق میں قاضی مقرر کیا ہوا تھا۔

ابن اثیر جزری بھی لکھتے ہیں:"ان أبا الدرداء تقدمت وفاته عن الوقت الذى بويع فيه على فى أصح الأقوال" (اسد الغابه، ج٣، ٣١٩) ترجمہ: زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال اس سے پہلے ہو چکا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعتِ خلافت لی گئی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تہذیب التہذیب ج۸،ص ۱۷۶ پر عویمر بن عامر ابوالدرداء کے ترجمہ میں آپ

کا سن وفات ۳۲ھ لکھا ہے سو یہ قصہ ہی غلط ہے کہ ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لائق نہیں سمجھا تھا، اس مسئلے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل صحیح ہے اور لسانِ رسالت سے بھی اس کی تائید موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے حسن کے ذریعہ میری اس امت کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا، سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، سو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس مفروضہ واقعہ سے کسی قسم کا اعتراض کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔'' (عبقات: ۱/ ۳۹۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور کتابتِ وحی:

حضرت العلام نکتہ رسی فرماتے ہیں:

''حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:"وكان زيد بن ثابت من ألزم الناس لذلك، ثم تلاه معاوية بعد الفتح،فكانا ملازمين الكتابة بين يديه، صلى الله عليه وسلم، فى الوحى وغير ذلك، لا عمل لهما غير ذلك"(جوامع السير لابن حزم الاندلسی، ص۲۷) ترجمہ: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابتِ وحی پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے، فتح مکہ کے بعد پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کام کو لازمی درجے میں اختیار کر لیا، یہ دونوں حضرات حضور کے سامنے ہر وقت موجود رہتے کہ کتابتِ وحی ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یہ دونوں لکھ لیا کریں، اس کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ تھا۔

یہ صحیح نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد ہی رہے تھے مدینہ نہ آئے تھے آپ کا مدینہ منورہ آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمہ وقت رہنا اور کاتبِ وحی کی یہ خدمات سرانجام دینا ایک نا قابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز۔'' (عبقات، ۱/ ۳۹۹)

معاویہ نام اور اس کا معنیٰ:

حضرت علامہ لکھتے ہیں:

''عویٰ کے معنی آواز دینے کے ہیں عاواھم کے معنٰی ہیں اس نے لوگوں کو آواز دی (قاموس، مادہ عویٰ) سو معاویہ کے معنیٰ ہیں لوگوں کو آواز دینے والا، اس لفظ کے آخر میں تاء تانیث کے لیے نہیں اسے اسی طرح سمجھیں جیسے عکرمہ، طلحہ، ساریہ، حمزہ وغیرہ، جانوروں کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مادہ سگ کو کہتے ہیں لیکن یہ استعمال انسانوں پر منطبق نہیں کیا جا سکتا جیسے جعفر کا لفظ جب جانوروں کے لیے آئے تو اس کے معنیٰ شتر اونٹ کے ہیں لیکن امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے معنیٰ اس طرح نہیں کیے جا سکتے، أعلام میں ابتدائی لفظی معنٰی مراد نہیں لیے جاتے خصوصاً ان أعلام میں جو منقول عنہ کے درجہ میں ہوں اگر اس نام میں کوئی برائی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نام کو ضرور بدل دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ نام لے کر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے لیے یہ دعا فرمائی ہے:"اللهم اجعل معاوية هادياً و مهديا"

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں معاویہ بن ثور بن عبادہ اور معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بھی تھے، (الاصابہ لابن حجر، ج۳،ص۴۱۰، تاج العروس شرح قاموس، ج۱۰،ص۲۵۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بھی کسی کا نام نہیں بدلا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے انہوں نے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا تھا۔(تنقیح المقال ج۳،ص۲۲۲) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ایک شخص معاویہ بن صعصعہ تھا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اس کا نام نہیں بدلا۔ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے شاگردوں میں معاویہ بن سعید الکندی اور معاویہ بن سلمہ النضر ی سے کون شخص واقف نہیں ہے؟ (ایضاً، ص۲۲۴،) حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ایک داماد کا نام معاویہ تھا آپ کی صاحبزادی رملہ پہلے ابوالہیاج کے نکاح میں تھیں ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح مروان بن حکم کے بیٹے مروان سے ہوا تھا۔ (عبقات، ص۴۰۰، ۴۰۱)

روایت ”لا أشبع الله بطنه“ کی حیثیت اور تشریح

جسٹس (ر) مناظرِ اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود بردالله مضجعہ علم و تحقیق کے موتی بکھیرتے ہیں:

”روایت ضعیف ہے اس کے راویوں میں ایک راوی ابوحمزہ قصاب ہے اس کا نام عمران بن ابی عطا تھا میزان الاعتدال میں اسے ضعیف لکھا ہے (میزان الاعتدال، ج۳،ص۲۳۹) ابوزرعہ اسے لین الحدیث کہتے ہیں، پھر اس روایت میں یہ کہیں نہیں کہ بلانے والے (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ آئے ہوں جب آپ کو بلانے والے نے اطلاع ہی نہیں دی تو آپ کے ذمہ نہ آنے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا، کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو کہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں وہ خود ہی انہیں کھانا کھاتے دیکھ کر واپس لوٹتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ معاویہ میرے بلانے کے باوجود نہیں آرہا، اس پر آپ نے (بشرطیکہ روایت صحیح ہو) یہ جملہ کہا، علمِ غیب خاصۂ باری تعالیٰ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو نہ بتلایا کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے بلانے کی اطلاع نہیں دی، صرف دیکھ کر آ گیا ہوں، اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ایسا کہا بھی ہو تو یہ ایک محض غلط فہمی پر مبنی ہوگا یہ اسی طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو سزا دیں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل اس کے حق میں ایک دعائے رحمت اور منقبت بن جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انی اشترطت علی ربی فقلت: إنما أنا بشر، أرضى كما يرضى البشر، وأغضب كما يغضب البشر، فأيما أحد دعوت عليه، من أمتي، بدعوة ليس لها بأهل، أن يجعلها له طهورا وزكاة، وقربة يقربه بها منه يوم القيامة“ (صحیح مسلم: ۲،۳۲۴) ترجمہ: میں نے اپنے رب سے عہد لے رکھا میں نے کہا میں بھی تو انسان ہوں خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں سے گزرتا ہوں جیسے انسان ان دونوں سے دوچار ہوتے ہیں سو اپنی امت میں سے جس کسی کے خلاف میں نے دعا کی ہو

اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو اے اللہ تو اسے اس کے لیے سببِ طہارت، پاکیزگی اور موجبِ قرب بنادے جس سے تو اسے قیامت کے دن مقرب فرمائے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام مسلم نے ابوحمزہ القصاب کی وہ روایت درج کی ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس دعا کے مستحق نہ تھے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لا أشبع اللــه بطنه**، کہہ دیا تو یہ جملہ آپ کے حق میں اب کلمۂ دعا اور کلمۂ رحمت ہو گیا، امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’وقد فهم مسلم رحمه الله من هذا الحديث أن معاوية لم يكن مستحقا للدعاء عليه فلهذا أدخله فى هذا الباب وجعله غيره من مناقب معاوية لانه فى الحقيقة يصير دعاء له ‘‘(شرح نووی :۳۲۵) ترجمہ: امام مسلم اس حدیث سے یہی سمجھتے ہیں کہ معاویہ اس دعا کے مستحق نہ تھے سو آپ اس روایت کو اس باب میں لائے ہیں اور دوسروں نے اسے مناقبِ معاویہ میں لکھا ہے کیونکہ آپ کا یہ فرمانا اب حقیقت میں معاویہ کے لیے دعائے قرب بن گیا، امام نووی نے صحیح مسلم میں اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: ’’باب من لعنه النبى صلى الله عليه وسلم، أو سبه، أو دعا عليه، وليس هو أهلا لذلك، كان له زكاة وأجرا ورحمة ‘‘(صحیح مسلم: ۳۲۳/۲) ترجمہ: یہ باب اس کے متعلق ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر کی ہو یا اسے برا کہا یا اس کے خلاف دعا کی ہو اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو آپ کا اس کے خلاف ایسی بات فرمانا اس کے لیے گناہوں کے اترنے، اجر پانے اور رحمت کا مستحق ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

عربوں کا اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی خلافِ توقع دیکھیں تو بات کا رخ موڑنے کے لیے کوئی ایک آدھ سخت جملہ بول جاتے ہیں، نہ اس کا مدلول لفظی مراد ہوتا ہے نہ اس کی تمنا، صرف پہلی بات کی اہمیت پیشِ نظر ہوتی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: ’’انا لمواخذون بمانتكلم به‘‘ ترجمہ: جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا ہم اس پر پکڑے جائیں گے؟۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ثكلتك أمك يامعاذ وهل يكب الناس فى النار على وجوههم أو على مناخرهم الاحصائد السنتهم ‘‘(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ: ۱۴) ترجمہ: تیری ماں تجھ پر بین کرے اے معاذ! کیا جہنم میں لوگ منہ کے بل یا نتھنوں کے رخ الٹائے جائیں گے ہاں مگر اپنی زبانوں کی کاٹ سے (یعنی زبان کو سنبھال کر رکھنا از حد ضروری ہے)

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی یہ طلب ہرگز نہ تھی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ اس پر روئے یا یہ کہ وہ فوت ہوں، اس قسم کی بات میں اس کے واقع ہونے کی دعا نہیں ہوتی، کبھی کہہ دیتے ہیں ’’تربت يداه ‘‘(اس کے ہاتھ سوکھ جائیں) اسی طرح ’’لا أشبع اللــه بطنه ‘‘(اس کا پیٹ نہ بھرے) کے الفاظ کو سمجھ لیجیے، پھر بھی الفاظ میں کچھ سختی ہو تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ الفاظ اس شخص کے لیے الٹا دعا اور اجر و رحمت بن جاتے ہیں، ایسے کلمات اسلوبِ عرب میں بغیر قصد کے صادر ہوتے ہیں۔

عمدۃ المحدثین ملا علی قاری فرماتے ہیں: ’’هذا دعاء لا يراد وقوعه، بل عادة العرب: التكلم بمثله على سبيل

التلطف............لا للقصد إلى وقوع مدلوله الأصلي، والدلالة على التماسه "(مرقاۃ:۳۲۷/۵/۲) ترجمہ: یہ ایسی دعا ہے جس کا وقوع مراد نہیں ہوتا، عربوں کی عادت ہے وہ ایسی بات از راہِ تلطف کہتے ہیں......اس قصد سے نہیں کہ اس کا مدلول اصلی واقع ہو نہ ایسا واقع ہونا ان کی تمنا ہوتی ہے۔

سوحق یہ ہے کہ ایسے الفاظ غیر ارادی کلمات کے زمرہ میں آتے ہیں اور یہ عربوں کا اسلوبِ بلاغت ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر ایسی بات کہہ جاتے ہیں، روٹی کھانا یا آہستہ آہستہ کھانا شرعاً ممنوع نہیں فعلِ مباح پر بددعا کسی ضابطہ اخلاق میں نہیں آتی، سو اسے سنجیدگی پر محمول کرنے کے بجائے عرب کے اسلوب پر محمول کرنا ہی بہتر ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ کے لیے دعا نہ کرتے، ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے پیچھے سوار تھے اور آپ کا پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پاک سے لگ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! معاویہ کے پیٹ کو علم اور حلم سے بھرپور فرما، امام بخاری فرماتے ہیں: "كَانَ مُعَاوِيَةُ رَدِفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقال يَا مُعَاوِيَةُ مَا يَلِينِي مِنْكَ؟ قَالَ بَطْنِي قَالَ اللَّهُمَّ امْلأْهُ عِلْمًا وَحِلْمًا." (تاریخ کبیر، امام بخاری: ۱۸/۴)

اب آپ ہی انصاف کریں اس روایت کے ہوتے ہوئے "لاأشبع الله بطنه " کو اس کے ظاہر الفاظ پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟ پھر جب دیکھا جائے کہ اس روایت کے ان طرق میں جن میں ابوحمزہ القصاب نہیں ہے یہ جملہ سرے سے ہی نہیں، تو بات یہاں آکر ٹھہرتی ہے کہ کہیں یہ اس راوی کی زیادتی ہی تو نہیں، اس جملے کے بغیر یہ روایت مسند امام احمد ج اول ص ۲۹۱ / میں موجود ہے۔

اس روایت پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ علم کبھی پیٹ میں بھی ہوا ہے؟ اس کا محل تو دل و دماغ ہیں پیٹ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کیسے کی ہوگی اے اللہ! معاویہ کے پیٹ کو علم سے بھر دے۔

ہم عرض کریں گے یہ اطلاق بطور محاورے کے ہے، کیا شیعہ علماء نہیں جانتے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت کی، حضور! علی کا پیٹ بڑا ہے، معلوم ہے آپ نے اس کا کیا جواب دیا یہ ملا باقر مجلسی سے پوچھیئے وہ کہتا ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا میری پیاری بیٹی کیا تو نہیں جانتی کہ وہ علم سے بھرا ہوا ہے۔ "أما علمت أنه قد ملئى علماً" (بحار الانوار: ۳۲/۱۰)

سو اگر علی رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے بھرا ہوا تھا تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ علم سے نہیں بھر سکتا؟ کچھ تو انصاف کیجیے، یہ دونوں بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو شیعہ امام بخاری کی اس روایت پر کرتے ہیں۔ (عبقات: ۴۰۱، ۴۰۴)

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناجائز طریقے سے مال کھاتے تھے؟

حضرت علامہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ کہتے ہیں معاویہ ہمیں باطل طریقے سے مال

کھانے اور لوگوں کو بے جا قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں، کیا کسی صحابی سے ممکن ہے اور کیا اس حدیث پر سب محدثین کا اتفاق ہے؟

جواب میں حضرت علامہ لکھتے ہیں:

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ ایک دفعہ کعبہ کے سائے میں احادیث سنا رہے تھے اور لوگ آپ کے گرد جمع تھے آپ نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے حدیث کا یہ حصہ پڑھا:''ومن بايع اماماً فأعطاه صفقة يده و ثمرة قلبه فليطعه مااستطاع فان جاء أحد ينازعه فاضربوا رقبة الآخر ''(سنن نسائی:۱۶۵/۲) ترجمہ: اور جس نے کسی امام کی بیعت کی اور اس کے ہاتھ میں دستِ وفا اور دل کا خلوص دیا، اسے چاہیے کہ اس کی پوری اطاعت کرے جہاں تک کر سکے پھر اگر کوئی حکمران اٹھے جو اس کے خلاف ہو تو تم اس دوسرے کی گردن ماردو۔

یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں اختلافات زوروں پر تھا، عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیعت کیے ہوئے تھے ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ساری مہم اور ان کا اپنے لشکر پر مال خرچ کرنا یہ سارا سلسلہ اکلِ اُموال بالباطل اور بے جا قتل وقتال کے ذیل میں آتا ہے ہم جب ایک امام کی بیعت کر چکے تو اب ہم دوسرے کی کیوں سنیں؟ یہ تو اس کی دعوت ہے کہ ہم اپنے آپ کو یونہی ضائع کریں اور فوجی اپنے وظیفے غلط لیتے رہیں، عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ نے اسی ذہن سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۶۷ھ) سے اس وقت جب وہ مذکور حدیث بیان کر چکے، کہا:''هذا ابن عمك معاوية يأمرنا أن نأكل أموالنا بالباطل و نقتل أنفسنا ''(مسلم:۱۲۶/۲) ترجمہ: یہ آپ کا چچازاد بھائی ہمیں کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے اموال غلط طور پر کھاتے ہیں اور اپنی جانیں یونہی لڑاتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن کا اشارہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظم مملکت اور مالی نظام کے غلط ہونے کی طرف نہ تھا، اس سیاسی اختلاف کی طرف تھا جو امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے خلاف اختیار کیے ہوئے تھے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مظلومانہ قتل کے خلاف ایک اصولی آواز تھی یہ مسئلہ صحابہ میں مجتہد فیہ تھا، اور دونوں طرف صحابہ موجود تھے، اب جن وجوہ سے ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس اجتہادی موقف کا حق دیتے ہیں اسی جہت سے ان کا اپنے لشکروں پر خرچ کرنا اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی دعوت دینا''لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل ''اور ارشادِ خداوندی'' ولاتقتلوا أنفسكم '' کے ظاہر سے نکل جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس اپنے اس موقف کی تائید میں بہت سی وجوہ ہیں جن کی بنا پر انہیں بطور مجتہد اجتہاد کا حق پہنچتا ہے۔

سو یہ الفاظ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتے ہیں: أن نأكل أموالنا بيننا بالباطل و نقتل أنفسنا'' اپنے ظاہر پر مبنی نہیں، یہ راوی عبدالرحمٰن کا اپنا اعتقاد تھا کہ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی حمایت سے یہ بات لازم آتی ہے نہ یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کھلے لفظوں میں اکلِ اموال بالباطل کی تعلیم دے رہے تھے، حاش وکلا ایسا کہنا کسی صحابی سے کیسے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں، سو یہ سننے والے کا اپنا اندازہ ہے جو ان لفظوں میں بول رہا ہے شارحینِ حدیث نے یہاں صاف اسے راوی کا اپنا عقیدہ قرار دیا ہے:''فاعتقد هذا القائل هذا الوصف فی معاوية لمنازعته علياً ''(شرح نووی:۱۲۶/۲) ترجمہ: اس کہنے والے

کے ذہن میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات تھی بایں وجہ کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑ رہے تھے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کے مابین یہ آخری بات کانوں کان ہورہی ہے حدیث کے ختم ہونے پر عبدالرحمٰن ان کے قریب گئے (فدنوت منه) اور ان سے پوچھا: واقعی آپ نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ اس کے بعد انہوں نے اپنے احساسات ان سے کہے اور انہوں نے کہا: آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صرف انہی باتوں میں تعمیل کریں جو طاعتِ الٰہی کے تحت ہوں یعنی اگر آپ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کیے ہوئے ہیں تو اب بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکروں میں شامل ہوں۔

یہ عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ صحابی نہیں، انہوں نے جو بات کہی یہ ان کے اپنے سیاسی احساسات ہیں ان کی کبھی ملاقات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہو اور انہوں نے انہیں یہ أکل أموال بالباطل کی ترغیب دی ہو یہ کہیں ثابت نہیں، اب محض اتنی وجدانی بات سے ایک جلیل القدر صحابی کی دیانت مجروح کرنا، یہ کون سا انصاف ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اس آخری حصے کے نقل کرنے پر سب محدثین متفق نہیں ہیں، امام نسائی نے پوری حدیث بیان کی ہے اور عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس گفتگو کو نقل نہیں کیا اور حدیث بیان کر کے لکھ دیا: الحدیث متصل۔ (سنن نسائی: ج ۲/۱۶۵) یہ اشارہ ہے کہ اس کے آگے حدیث کا کوئی جزو نہیں، سنن ابن ماجہ میں بھی یہ ٹکڑا نہیں ملتا (سنن ابن ماجہ: ۲۹۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رُواۃ میں کوئی ایسا راوی ہے جو کبھی اسے روایت کرتا ہے اور کبھی نہیں، پھر عبدالرحمٰن اسے بلفظ جمع نقل کرتے ہیں: یأمرنا أن نأكل أموالنا بالباطل و نقتل أنفسنا، اور اس کی تصدیق میں عبدالرحمٰن کے سوا ہمیں ایک شخص بھی نہیں ملتا جس نے یہ کہا ہو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ بات کہی ہے، عبدالرحمٰن سے نیچے اس کا راوی زید بن وہب کوفی ہے علماء نے اسے بھی ثقہ لکھا ہے لیکن یہ بھی تصریح کی ہے: ''في حديثه خلل كثير'' (تہذیب التہذیب: ۳/۴۲۷) اس کی روایت میں بہت خلل واقع ہوئے ہیں۔

اس اس کی روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت پر جرح کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور پھر جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو صحتِ خلافت کی سند دے دی تو پھر کیا یہ صورت باقی رہی جس کی عبدالرحمٰن بن عبد خبر دے رہے ہیں؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: العبرة بالخواتيم، صحیح نہیں اور کیا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اکل أموال بالباطل کے مرتکب تھے؟ ہرگز نہیں، پھر آپ سوچیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اموال اور بیت المال کو کس طرح اموال باطلہ کہا جاسکتا ہے۔'' (عبقات، ۱/۴۱۲ تا ۴۱۴)

خال المؤمنین:

سیدنا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے فضائل کے باب میں آپ کی ایک فضیلت اور اعزاز یہ بھی ہے آپ کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مبارک میں تھیں، بنابریں آپ کو خال المؤمنین (ایمان والوں کے ماموں) کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے، جس پر ناقدینِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ برہم و چیں بجبیں نظر آتے ہیں،

بالکل یہی اشکال ایک عرصہ قبل سرگودھا کے ایک رافضی نے اپنے بدبودار مضمون ''معیار صحابیت'' میں کیا تھا، جس کا جواب ملک العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ نے اپنی یادگار تصنیف ''معیارِ صحابیت'' میں تحریر فرمایا۔ چنانچہ حضرت العلام رقم طراز ہیں: '' النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ، ترجمہ: نبی مؤمنین پر اتنا حق رکھتے ہیں کہ انہیں خود بھی اپنے اوپر وہ حق ولایت حاصل نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مؤمنین کی مائیں ہیں۔

یہاں ایمان کے رشتہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماننے والوں پر پورا حق ولایت رکھتے ہیں، اور اسی نسبتِ ایمانی سے آپ کی ازواج پوری امت کی مائیں تسلیم کی جاتی ہیں، قرآن کریم نے اسی نسبت سے انہیں مومنوں کی مائیں ٹھہرایا ہے، سو ان ازواج کو دونوں شانیں حاصل ہیں، (۱) وہ مؤمنات بھی ہیں اور (۲) جملہ مؤمنین کی مائیں بھی ہیں، اب آپ ہی غور کریں کہ اثنا عشریوں کا یہ عقیدہ کس بے دردی سے اس آیت کے اس مفہوم کو پامال کر رہا ہے:

''ازواج النبی کے امہات المؤمنین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی بہنیں مومنین کی خالائیں اور ان کے بھائی ماموں کہلائیں (۷۰)''

امہات المؤمنین کے دوسرے رشتے بھی ان ماؤں کے اسی احترام کی نسبت سے لائق تکریم ہیں، جہاں بھی ایمان اور رشتہ پایا جائے گا، البتہ بے ڈھب کے بغض کا کوئی علاج نہیں۔ بشیر حسین بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہنے کے خلاف قلم اٹھایا ہے، آپ اس کے دلائل کا جائزہ لیں اور دیکھیں دعویٰ اور دلیل میں کیا یہاں کچھ بھی مطابقت ہے، اس کی پہلی دلیل یہ ہے:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر کو کیوں خال المؤمنین نہیں کہا جاتا۔ ص ۶۹۔

جواب: آپ کو انہیں خال المؤمنین کہنے سے کس نے منع کیا ہے؟ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے؟ اگر کسی نے انہیں اتفاقاً اس نسبت سے ذکر نہیں کیا تو اس سے آپ نے یہ نتیجہ کیسے حاصل کر لیا کہ اب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی خال المؤمنین کہنا جائز نہیں، ان دونوں حضرات کی نسبت پہلے سے بہت اونچی ہے اور یہ اُن کا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے انتساب ہے، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی نسبت سے انہیں خال المؤمنین کہنا یہ دوسرے درجے کی نسبت ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہی نسبت سب سے اونچی ہے، اس لیے انہیں اس اعزاز سے ذکر کیا گیا ہے۔

بشیر حسین کی دوسری دلیل: خدا کی طرف سے کوئی ایسا حکم نہیں کہ صرف ایک زوجہ کا بھائی ہی خال المؤمنین کہلا سکتا ہے۔ ص ۶۹۔

جواب: جب اس بات کا کوئی مدعی نہیں تو خواہ مخواہ اس پر منفی دلیل کا مطالبہ جہالت اور سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ کاش کہ بشیر حسین نے اس پر کچھ غور کیا ہوتا۔ ناظرینِ کرام! آپ اثنا عشریوں کے علم کا اس سے اندازہ کر لیں کس طرح بے تکی

ہانکتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت نبی پاک اور امہات المؤمنین کے صرف مقام تکریم اور حق ولایت کو بیان کر رہی ہے رہا ان سے (امہات المؤمنین سے) امت کے مردوں کا نکاح ناجائز ہونا تو یہ اس بات میں نہیں، اس کا حکم ایک دوسری آیت میں دیا گیا ہے، یہ آیت اکیسویں پارے کی ہے اور وہ بائیسویں پارے کی ہے......اس آیت میں صرف اُن کے تعظیماً اور اکراماً مومنہ اور ماں ہونے کا بیان ہے، جب یہ نسبت خود اکرامی ہے (رشتوں کے بھائیوں کو کیوں خال المؤمنین نہ کہا جاسکے گا؟) اس نسبت سے امہات المؤمنین کے جملہ رشتہ داروں کو یہ اکرامی نسبت حاصل ہے اور ان کے بھائیوں کو خال المؤمنین کہا جاسکے گا۔

ہاں نکاح کی حرمت کے اعتبار سے خالات المؤمنین اور اخوال المؤمنین کی نسبتیں قائم نہ ہوں گی، مفسرین نے جہاں بھی ان نسبتوں کی نفی کی ہے، وہ رشتے اور نکاح کے سلسلہ کی ہے، تعظیم اور اکرام کے پہلو سے نہیں، اکراماً انہیں اخوال المؤمنین اور خالات المؤمنین کہنے میں قرآن وسنت میں کوئی مانع نہیں ہے......اخوات المؤمنین اور اخوال المؤمنین کی نسبتوں کا یہ انکار مسائل نکاح کی رُو سے ہے، اکرام وتعظیم کی رُو سے نہیں، مسائل نکاح کو تعظیمی اور اکرامی القابات میں لانا اہلِ علم کے ہاں کسی درجے میں لائق قبول نہیں ہے، یہاں انگلینڈ میں جو بچیاں اپنے باپ سے ملنے والوں کو انکل کہتی ہیں اُس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ ان سے نکاح حرام ہوجاتا ہے کہ وہ چچا ہو گئے تھے اور چچا محرم ہوتا ہے۔'' (معیارِ صحابیت)

حاصل کلام

مذکورہ بالا اکثر عبارات حضرت علامہ مرحوم کی مایہ ناز کتاب ''عبقات'' سے لی گئی ہیں جن کا موضوع سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے مطاعن اور اعتراضات کا جواب ہے، اس میں تحقیق وتدقیق بھی ہے اور نکتہ آفرینی ونکتہ دانی بھی، ان عبارات اور تفصیلات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ رحمہ اللہ کسی بھی مقام پر جمہور اہل السنۃ کے مسلکِ اعتدال سے سرِ مو منحرف نہیں ہوئے، ان کا مجموعی موقف وہی رہا جو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے، اس میں نہ تو وہ حبِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں جنابِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے جادہ اعتدال سے پھرے اور نہ ہی دفاعِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ میں انہوں نے یزید کی توصیف وثنا میں زمین آسمان کے قلابے ملائے، نیز انہوں نے جمہور متکلمین ومحدثین کی عبارات کے نقل اور توضیح میں بھی کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا، ان کی ان عبارات میں علم وتحقیق کے ساتھ ساتھ نکتہ رسی، ذہانت وذکاوت، الزامی مناظرانہ جواب اور انفرادیت بجا طور پر موجود ہے، ایسی کوئی بات مشکل ہی ملے گی جس سے جمہور کے اجتماعی واتفاقی موقف وخیال پر زد پڑتی ہو۔

اس موضوع پر زیادہ تر مواد اسی کتاب میں موجود تھا دیگر بعض کتب میں جزوی تحاریر وشذرات پائے جاتے ہیں جو کسی موقع پر نذرِ قارئین ومحبین کر دیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام خدماتِ دینیہ قبول فرمائیں اور ان کا حشر انبیاء کرام اور جماعتِ صحابہ رضوان اللہ عنہم کے ساتھ کریں۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

ابوالخیر عارف محمود، سابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی و مدیر دارالتصنیف مدرسہ فاروقیہ کراچی

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کا ذوقِ حدیث

مفکر اسلام، حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر دل پر صاعقہ بن کر گری، یوں تو موت برحق ہے، لیکن بعض شخصیات سے قلبی تعلق ایسا ہوتا ہے کہ دل و دماغ ان کے بارے میں موت جیسی حقیقت بھی بآسانی قبول نہیں کرتے، سیدی و مرشدی استاذی و شیخی رئیس المحدثین، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ وہ دوسری شخصیت ہیں جن کی جدائی قبول کرنے پر دل کو کسی طرح بھی آمادہ نہیں پایا۔

بندہ کو حضرت علامہ صاحب قدس سرہ سے اگر چہ براہ راست تلمذ کا موقعہ تو نہیں مل سکا، لیکن آپ کی کتابوں سے استفادہ کا وقتاً فوقتاً موقعہ ملتا رہتا تھا، حلقہ احباب میں برادرم جناب مولانا حافظ ندیم صاحب (مدیر دارالکتاب لاہور) اور برادرم جناب مولانا ظفر اقبال صاحب سے جب بھی ملاقات و نشست ہوتی تو حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ذکر خیر، آپ کے علم و تحقیق کے محیر العقول واقعات اور اہل سنت کے مسلک کے دفاع اور تائید و ترویج کے حوالہ سے گفتگو یادگار رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے آپ سے عقیدت و احترام کے ساتھ ساتھ دلی تعلق قائم ہو گیا تھا، چناں چہ آپ کے سانحہ انتقال پر ملال پر احقر کی وہی کیفیت تھی جو اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال کے وقت تھی، دل و دماغ پر اس سانحہ کا یہ اثر نقش ہو چکا تھا کہ:

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

حضرت علامہ رحمہ اللہ واقعی اسم بامسمی تھے، علم آپ کے چاروں جوانب سے چھلکتا تھا، آپ حقیقی علامہ تھے، لگتا تو ایسا ہے کہ آپ وہبی علم لے کر اس دنیا میں آئے تھے اور خلاق ازل کی طرف سے آپ کی تخلیق ہی بطور علامہ کے ہوئی تھی۔ آپ جیسی جامع الصفات والکمالات شخصیت کے محاسن، تقوی و پرہیز گاری، علم و فضل، تحقیق و تدقیق، فرقہ باطلہ کی مضبوط علمی گرفت، بیانات و تصنیفی خدمات اور اکابر اہل سنت کے موقف پر استقامت میں سے ہر ایک پہلو کو بیان کرنے کے لیے مستقل الگ الگ دفاتر بھی کم پڑ جائیں گے، بندہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حضرت کے حوالہ کچھ لکھ کر قلبی تعلق کے اظہار کا موقع ملے گا، لیکن محبت خود ہی آداب محبت سکھا دیتی ہے، مدیر مجلّہ صفدر کے حکم پر یہاں اپنے قلبی تعلق کے اظہار کے لیے حضرت علامہ صاحب ہی کی کتاب ''آثار الحدیث'' کی روشنی میں حضرت کے حدیثی ذوق کو ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالی ہمیں اپنے ان اکابر جیسا دینی تصلب اور علمی و تحقیقی ذوق و شوق نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ دینی علوم میں پختگی کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے جس کی وجہ سے

قدیم مصادر اور دینی مدارس کے طلبہ کرام کی علمی ضروریات کے علاوہ جدید مصادر (مستشرقین کی کتب) تک رسائی اور کالجز و یونیورسٹیز کے طلبہ کی کیفیت اور ان کی علمی ضروریات کا خوب ادراک رکھتے تھے، چناں چہ مقدمہ کتاب، صفحہ: ۳۱ ر پر فرمایا کہ
''دورہ حدیث کے طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر دورہ حدیث شروع کریں تو اساتذہ کی تحقیقات کو وہ بڑی آسانی سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ دے سکیں گے۔'' (دیکھیے: ۲/۵۱۷۔ [ادارہ]) جدید اذہان کی رعایت کے حوالہ سے مقدمہ کتاب، صفحہ: 26 پر فرمایا کہ ''احقر نے ان مضامین میں فنی اصطلاحات کو اپنے روایتی مفہوم میں محدود نہیں رکھا، بات کو جدید اذہان میں اتارنے کے لیے کچھ وسعت سے کام لیا ہے''، نیز موضوع میں مزید وسعت پیدا کر کے حضرات صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کو بھی فنِ حدیث میں بطور موضوع شامل کرنے کے حوالہ سے فرمایا کہ ''علماء حدیث نے اس علم کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے، احقر نے اس میں صحابہ کرام کو بھی ساتھ لیا ہے، حدیث کی کوئی کتاب ان کی مرویات کے بغیر جامع اور سنن نہیں، تو ضروری سمجھا کہ اس موضوع کی وسعت میں ہم ان نفوس قدسیہ کو بھی ساتھ رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قریب کے تعلق سے خود بھی اس فن کا موضوع بن گئے تھے۔''

آثار الحدیث میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ عصری اداروں کے انہی طلبا کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث شریف اور علومِ حدیث سے متعلق بنیادی اور ٹھوس معلومات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین حدیث اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات، ان کے پیدا کردہ بے بنیاد شبہات کے حل اور ان کے تشکیکی حملوں کو ناکام بنا کر گویا ان دروس کے ذریعہ سد سکندری کی طرح ایک مضبوط باب باندھ دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اذہان کی تفہیم کی خاطر کتاب کے اسلوب و تعبیر میں انگریزی زبان کی اصطلاحات جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔

آثار الحدیث جلد اول پندرہ مرکزی عنوانات/ لیکچرز و دروس پر مشتمل ہے۔ (دیکھیے: ۱/۶۲۲......۱/۲۸۷۔ [ادارہ]) ان مضامین میں سے ہر ایک مضمون ایسا دلنشین اور خوبصورت انداز میں لکھا گیا ہے کہ ہر ایک گویا مستقل مضمون یا کتاب ہے، جب کہ ان عناوین کو جامع بنانے کی غرض سے حسب ضرورت و مناسبت بعض باتوں کا تکرار بھی کیا گیا ہے، اسی بات کو بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ مقدمہ کتاب، صفحہ: ۲۹ ر میں رقم طراز ہیں کہ

''آثار الحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے، آپ پوری کتاب نہ بھی پڑھیں تو جس موضوع کی آپ کو ضرورت ہوا سے اس کے متعلقہ عنوان میں آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے، ہر عنوان اپنی جگہ ایک پورا مضمون ہے، اسے پڑھیے آپ کے ذہن میں اس موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔ بعض عنوان ایسے ہیں جن میں کچھ قدر مشترک ہے، یہ قدر مشترک آپ کو مختلف عنوانات میں موضوع کی مناسبت سے ملے گی، اسے تکرار بے جا نہ سمجھا جائے، ہر عنوان کو جامع بنانے کے لیے اس کا وہاں دیا جانا ضروری تھا، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے الصحیح کے باب باندھے تو آپ کو بھی بعض احادیث ان میں تکرار سے لانی پڑیں، آپ نے اس قدر مشترک کو ہر باب میں جگہ دی، حدیث پر کام کرنے والوں کے لیے اس سے گریز ممکن نہیں۔''

حضرت علامہ خالد محمود صاحب قدس سرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے آثار الحدیث میں قدیم وجدید اذہان کو سامنے رکھ کر حدیث اور علوم حدیث کی تفہیم فرمائی ہے، جب کہ اس کے ساتھ ساتھ منکرین حدیث، مستشرقین اور فرقہ شیعہ کو حدیث اور علوم حدیث کے تناظر میں موضوع بحث بنایا ہے، ہم انہی مرکزی عنوانات کو سامنے رکھ کر حضرت علامہ صاحب کی گراں بہا تحقیقات کے بحر بے کراں میں سے چند موتی منتخب کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

حدیث اور علوم حدیث میں علامہ صاحب کی نکتہ دانی:

حدیث اور علوم حدیث کی خدمت کو حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دربار عالیہ ومقدسہ اور علم رسالت کی پہرہ داری قرار دیتے ہوئے اسے دنیا کا سب سے بڑا اعزاز سمجھتے ہیں، چناں چہ آثار الحدیث کی اشاعت کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے شکر وامتنان کے ساتھ ساتھ (مقدمہ، صفحہ: ۳۰/ پر) بطور دعا تحریر فرماتے ہیں کہ ''جس ذات اقدس کے گرد یہ علم گھومتا ہے راقم الحروف کو اس کے غلاموں اور پہرداروں میں جگہ دے ؎

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

اس دنیا میں دربار رسالت کی پہرہ داری سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے؟! صحابہ رضی اللہ عنہم ساری امت میں اسی اعزاز سے ممتاز ہوئے کہ وہ ذات رسالت کے حلقہ دار اور علم رسالت کے پہرہ دار تھے، اور انہوں نے چہرہ رسالت کا عینی دیدار پایا تھا، آپ کی وفات کے بعد پھر اور وفادار اٹھے جو علم رسالت کے گرد پہرہ دار ہوئے اور انہوں نے علم رسالت کو ہر دخل بے جا اور ملاوٹ سے نکھارا اور امت کو راہ سنت پر چلنے کے لیے ابھارا، ہزاروں عشاق اسی غواصی میں کھوئے گئے اور ان بزرگوں کی بھی کمی نہیں جو کامیابی سے ساحل مراد پر اترے۔''

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

حدیث کی اہمیت:

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے بقول حدیث کو جانے بغیر اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوتا، قانون اسلامی کا ماخذ ہو یا قرآن کریم کی تفہیم وتفصیل یا فقہ کی سند، سب کا سرا حدیث سے جا ملتا ہے، اس موضوع پر قدیم وجدید دور میں کام کی وسعت اور تالیفات کی کثرت پتہ دیتی ہے کہ علوم اسلامی میں حدیث کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے۔ (دیکھئے، ص: ۳۳)

حدیث اور سنت میں فرق:

علامہ صاحب نے لفظِ حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قولی، فعلی اور تقریری) معرض بیان میں حدیث کہلاتی ہیں اور معرض عمل میں ہوں تو سنت کہلاتی ہیں، سنت میں نسبتِ

عمل اور حدیث میں نسبتِ بیان ممتاز رہی، علمائے سلف میں یہ فرق عام اور معروف تھا، ناقد حدیث امام کبیر عبدالرحمٰن بن مدنی نے فرمایا: " **سفیان الثوری إمام فی الحدیث، ولیس إماماً فی السنة، والأوزاعی إمام فی السنة، ولیس إماماً فی الحدیث، ومالک بن أنس إمام فیهما جمیعاً** ." (دیکھئے، ص: 34، 35 اور اس کا حاشیہ) (دیکھیے: ۵۲۲/۲۔[ادارہ])

لفظ حدیث کی قرآنی اصل:

لفظ قدیم اور حدیث کا فرق بیان کرنے کے بعد لفظ حدیث کی قرآنی اصل بیان کرتے ہوئے علامہ ظفر احمد عثمانی کی صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم سے نقل کیا کہ ارشاد خداوندی: **وأمّا بنعمة ربک فحدث** [الضحیٰ: ۱۱] (سو آپ اپنے رب کی نعمت کو آگے بیان کریں) اس بیان کرنے کو قرآن کریم نے "حدِّث" کے لفظ سے پیش کیا ہے، حدیث کی یہی قرآنی اصل ہے۔ اس کے بعد **سورة الضحی** میں وارد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین احوال اور ان پر مرتب ہونے والے تین احسانات (یتیمی اور احسانِ ایواء، ناداری کے بعد غنا اور تلاش واضطراب کے بعد راہِ ہدیٰ) کو ذکر فرمایا۔ اس کے بعد لفظ حدیث کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام استعمال کو بیان کیا اور اسلام کے دور اول میں سے مراد کو واضح کیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ وتابعین اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لیے استعمال کیا کرتے تھے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سرچشمہ ہدایت کے طور پر کسی دور متاخر کی ایجاد نہیں، اس کے بعد لفظ حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی زبان سے استعمال کی مثالیں رقم کی ہیں کہ یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے علاوہ صحابہ کرام خاص طور پر حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ (دیکھئے، ص: ۳۵/ سے ۴۹/ تک)

دور آخر میں لفظ حدیث سے مراد:

دور آخر میں لفظ حدیث سے مراد کے عنوان سے لکھا ہے کہ جب علم حدیث کتابوں اور تحریرات میں مدون ہو گیا تو اسے زبانی یاد اور اس کی نقل وروایت کی وہ حاجت باقی نہ رہی جو تدوین سے پہلے تھی، اس اصولی سہلوت نے محض زبانی یاداشت کو پیچھے چھوڑ دیا اور پھر ایک ایسا دور آیا کہ حدیث سے یہی تحریرات حدیث (Documentary evidence) مراد لی جانے لگیں، یہ دور آخر کی اصطلاح ہے کہ حدیث سے حدیث کے علاوہ تحریرات حدیث بھی مراد لی جانے لگیں۔

اس کے بعد علماء اصول فقہ اور علماء حدیث کے درمیان ایک اصولی فرق کو بیان کیا ہے کہ علماء اصول فقہ حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریر میں محدود سمجھتے ہیں، جب کہ محدثین کرام ان کے علاوہ آپ کے صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام حالات کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں جو بظاہر شریعت وقانون کا عنوان نہیں بنتے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک، ولادت، اور وفات وغیرہا امورِ غیر اختیاریہ کی بھی روایت کرتے ہیں، اسی طرح ابتدائی دور میں حدیث کے لیے اثر اور خبر کا لفظ بھی استعمال کیا گیا اگرچہ بعد میں ان میں کچھ فرق کیا جانے لگا۔ (آ)

☆☆☆☆

(آ) حاشیہ: صاحبِ مضمون مصروفیات کی بناپر مضمون کی تکمیل نہیں کر سکے۔ تکمیل پر "صفدر" کے کسی شمارے میں شائع کر دیا جائے گا۔ ادارہ

مولانا احسن خدامی

مشاجرات صحابہ اور حضرت علامہ صاحبؒ

مشاجرات صحابہ کا مسئلہ اسلامی عقائد میں انتہائی نازک اور حساس نوعیت رکھتا ہے، یہ مسئلہ پل صراط کی طرح نازک اور دقیق ہے جس میں ذرا سی بھی اونچ نیچ اور افراط وتفریط سے انسان گمراہی کی کسی بڑی کھائی میں گر سکتا ہے، اسی لیے اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس نازک معاملے میں گفتگو کرنے سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، احتیاط فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی بلاضرورت اس میں گفتگو سے منع فرماتے تھے۔

دوسری طرف یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی احادیث نبویہ، باطل فرقوں کی چھیڑی ہوئی ابحاث اور اسلامی تاریخ کے بہت سے واقعات واحوال مشاجرات صحابہ کے واقعات کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے اسلامی تاریخ پر بات کرنے والے، ان موضوعات سے متعلق احادیث کی تشریح کرنے والے، اور ان معاملات میں افراط وتفریط میں مبتلا باطل فرقوں کے ساتھ گفتگو کرنے والے حضرات کو کہیں نہ کہیں، خواہی نخواہی ان معاملات پر قلم اٹھانا ہی پڑتا ہے۔

ایسے میں ہمارے اسلاف کرام اور اکابر عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا ہمیشہ التزام کیا ہے، ایک تو یہ کہ صحابہ کرام کے آپس کے مشاجرات اور مناقشات کے اگر بیان کی ضرورت پیش آئے بھی تو حتی الامکان الفاظ اور تعبیر میں کسی بھی قسم کی بے احتیاطی یا بے ادبی سے گریز کیا جائے۔

2: یہ کہ ان کے بارے میں اسی موقف پر مضبوطی اور سختی سے قائم رہا جائے جس پر آج تک امت مسلمہ کے جمہور اہل علم کا اتفاق رہا ہے اور جسے امت مسلمہ کے محدثین، فقہاء، مفسرین اور متکلمین حضرات بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ امت مسلمہ کے جمہور اہل علم سے ہٹ کر کسی بھی انفرادی اور شاذ رائے کو قائم اور بیان کرنے سے سختی سے اجتناب کیا جائے۔

ہمارے ممدوح علامہ الدہر، حضرت مولانا ڈاکٹر جسٹس خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی حیات طیبہ کے دیگر پہلوؤں کی طرح اس معاملے میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ اپنے اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔

مشاجرات صحابہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے باہمی اختلافات اور مناقشات کی بحث میں داخل ہونے والے کسی بھی شخص کو سب سے پہلے یہ اشکال پیش آتا ہے کہ ایسی جماعت جو بالاتفاق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تاریخ انسانی کی سب سے مقدس اور پاک باز جماعت ہے، اس امت میں سب سے افضل، اعلیٰ اور ارفع جماعت ہے، جس جماعت کا تزکیہ خود نبی اکرم مزکیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، جس جماعت کے قلوب کے چراغ خود سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کی لو سے روشن ہوئے، جس جماعت کو اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں رضا اور خوشنودی کے تمغے عطا فرمائے تھے، آخر اس

پاکباز اور مقدس جماعت میں ایسے جھگڑے اور مشاجرات پیش ہی کیوں آئے؟ حرب وضرب اور پھر مسلسل قتال تک نوبت ہی کیوں پہنچی؟ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحماء بینہم کے تمغے والی جماعت میں آخر اتحاد واتفاق کیوں برقرار نہ رہ سکا اور جدال و مناقشات رونما ہی کیوں ہوئے؟

عصر حاضر کے ملحدین، سیکولر مفکرین، اسلام دشمن حضرات بھی اس سوال کو مختلف انداز سے بڑے زور سے اٹھاتے ہیں اور دور حاضر میں تاریخ وحدیث کا ایک طالب علم بھی تاریخ کے ان ابواب سے گذرتے ہوئے عموماً اس سوال سے بڑے درد وکرب سے نبرد آزما ہوتا ہے۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم ایک ضروری تمہید اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کردیں، حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا پہ اللہ کے آخری رسول اور پیغمبر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اس دھرتی پر اللہ جل شانہ کی طرف سے آخری شریعت ہے، اس لئے ضروری تھا کہ اب قیامت تک کے انسانوں کو جس قسم کے معاملات، ضروریات اور مسائل پیش آسکتے ہیں ان تمام کے احکامات کو شریعت محمدیہ میں واضح کردیا جائے تاکہ قیامت تک آنے والی انسانیت اپنی زندگی کے کسی بھی گوشے کے بارے میں تذبذب اور اضطراب کا شکار نہ رہے۔

اسی لیے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے امام الانبیاء، خاتم المرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو جامع صفات شخصیت بنایا گیا، ہر قسم کے کمالات آپ کی ذات پُر انوار میں جمع کردیئے گئے، اور زندگی کے ہر گوشے سے متعلق آقا علیہ السلام نے علمی اور عملی رہنمائی امت کو فراہم کی، یعنی علمی طور پر زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکامات بھی جاری فرمائے اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اپنے آپ کو عملی طور پر کامل اسوہ بنا کر بھی پیش کیا۔ چنانچہ سیرت نبوی کے طالب علم کو معلوم ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، سیاست، حکومت، جہاد، تجارت، معاشرت، خانگی زندگی اور دیگر تمام معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی طور پر رہنمائی بھی موجود ہے اور عملی طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشک وشبہ اسوۂ حسنہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر آدم کا بیٹا خطا کا پتلا ہے اور آدم کی اولاد میں بہترین خطا کار وہ ہیں جو خوب توبہ کرنے والے ہوں، چنانچہ جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے اور جب تک انسان اس دنیا میں رہے گا تب تک انسان سے خطا وگناہ کا سلسلہ کسی نہ کسی طور پر جاری رہا ہے اور جاری رہے گا، اس لئے یہ ضروری تھا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ان کے گناہوں اور خطاؤں کے بارے میں بھی ایک کامل رہنمائی فراہم کردی جائے کہ اگر کسی سے گناہ ہوجائے تو اسے توبہ کیسے کرنی ہے، اس کو سزا کیسے دی جائے گی، حدود اور تعزیرات کا نفاذ کیسے کیا جائے گا، جرائم کا خاتمہ کیسے ہوگا، عدالتی نظام کیسے چلے گا اور معاشرے میں امن وامان کیسے قائم ہوگا؟

انسان کے گناہوں کی ایک قسم تو وہ ہے جسے بھول چوک اور لغزش کہتے ہیں، یہ چیز تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام، جو کہ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے منجانب اللہ معصوم ہوتے ہیں ان سے بھی صادر ہوسکتی ہے، قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام

سے صادر ہونے والی بعض خطاؤں کا ذکر آیا ہے تاہم اپنے بلند مقام کے باعث ان حضرات کو ان کی معمولی سی کوتاہی پر بھی متنبہ کر دیا جاتا ہے، وہ اس پر کامل توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کرتے ہیں جس کے بعد ان کے مقام اور مرتبے میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

لیکن بعض گناہ ایسے ہیں جن کا صدور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے محال ہے، اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ گناہ بالکل ہی وجود میں نہ آتے تو قیامت تک کے لیے ان گناہوں کے بارے میں احکامات، ان سے توبہ کا طریقہ، ان سے متعلق احکامات امت سے مخفی رہتے اور امت ان تمام علوم سے محروم رہ جاتی، اس لئے حق تعالیٰ شانہ کی حکمت بالغہ کا فیصلہ یہ ہوا کہ جو گناہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے منافی ہیں۔ وہ گناہ تکوینی امور کے تحت صحابہ کرام کی پاکیزہ اور مقدس جماعت کے بعض افراد سے اکا دکا کے طور پہ صادر ہو جائیں، پھر ایک طرف تو ان گناہوں سے متعلق احکامات اور حدود وتعزیرات مدون ہو کر ہمیشہ کے لئے امت کے سامنے آجائیں اور دوسری طرف ان پاکیزہ ہستیوں کو ایسی شاذ ونادر کامل توبہ کی توفیق نصیب ہو جو قیامت تک کے گناہ گاروں کے لیے لئے باعث رشک اور لائق اتباع ہو۔

چنانچہ اسی حکمت کے تحت حضرات صحابہ کرام کی جماعت کے بعض افراد سے احیاناً اللہ جل شانہٗ کے امر تکوینی کے باعث چند کبائر کا صدور ہوا جن کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

جس طرح دیگر انواع واقسام کی خطائیں حضرتِ انسان کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اسی طرح خانہ جنگی، اختلاف رائے اور اس اختلاف کے نتیجے میں لڑائی اور فسادات بھی ہمیشہ سے انسانوں میں چلے آئے ہیں۔ جب تک انسان اس زمین پر ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی آپس کی جنگوں لڑائیوں اور اختلاف کا سلسلہ کبھی ختم ہو سکتا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم الشرائع شریعت مطہرہ میں جس طرح باقی گناہوں کے بارے میں رہنمائی ضروری تھی اسی طرح اس معاملے میں بھی راہ نمائی ضروری تھی کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس میں باقاعدہ لڑائی ہو جائے، جنگ ہو جائے، بادشاہت کے معاملے پر، خلافت کے معاملے پر، یا کسی اجتہادی وسیاسی مسئلہ پر، تو ان لڑائیوں کے احکامات کیا ہوں گے؟ کیا ان میں سے ایک گروہ کافر ہو جائے گا یا دونوں گروہ مسلمان رہیں گے؟ اگر دونوں گروہ مسلمان رہیں گے تو ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کسے سمجھا جائے گا اور غلطی پر کسے سمجھا جائے گا؟ اور کیا عام مسلمانوں کو دونوں گروہوں سے لاتعلق رہنا چاہیے یا کسی ایک کی مدد کرنی چاہئے؟ اگر کسی ایک کی مدد کرنی چاہئے تو کس کی؟ اور جس کے خلاف لڑنا چاہیے ان کے احکامات کیا ہوں گے؟ کیا ان کو کفار کی طرح لونڈی غلام بنایا جائے گا؟ کیا ان کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ کیا ان کو کافر کہا جائے گا؟ یہ تمام معاملات ایسے تھے جن کا بہر طور امت پر واضح ہونا ضروری تھا اور دین کے تمام شعبوں کی طرح ان اہم مسائل میں بھی امت کو علمی و عملی دونوں طرح کی رہنمائی کی ضرورت تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے خلاف باقاعدہ لشکر کشی کرتی، اگر نعوذ باللہ کوئی ایسا کرتا تو فوراً مرتد ہو جاتا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام دو باقاعدہ گروہوں میں تقسیم ہو جاتے اور ان دونوں گروہوں میں باقاعدہ جنگ ہوتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی لڑائی کی صورت میں دونوں فریقوں سے لاتعلق تو رہ ہی نہیں سکتے تھے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک فریق کے برحق ہونے کا فیصلہ فرما دیتے تو اس کے بعد بھی اگر بالفرض کوئی دوسرا فریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرتا تو اس کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا۔

ایسے میں حق تعالیٰ شانہ کا تکوینی فیصلہ یہ ہوا کہ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد صحابہ کرام کی جماعت میں اس قسم کے اختلافات رونما ہوں جو باہمی مسلح جنگ تک جا پہنچیں۔ اور دوسرا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مشاجرات اور تنازعات کے متعلق ایسے ارشادات پہلے سے بطور پیشنگوئی کے امت کو دے کر چلے جائیں جن کی وجہ سے یہ باہمی تنازعات امت کے حق میں مفید ثابت ہو سکیں اور ان سے مسائل کا اخذ کیا جا سکے، چنانچہ ہم ذخیرہ احادیث میں نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مشاجرات صحابہ سے متعلق تین قسم کے ارشادات آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث میں وارد ہیں۔

نمبر **1**: مشاجرات کی پیشنگوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں اپنے بعد صحابہ کرام میں مشاجرات اور جنگوں کی پیشنگوئی فرمائی ہے۔ جیسے **ابنی هذا سید** اور اس قسم کی دیگر احادیث۔

2: ان مشاجرات میں صواب و خطا کا تعین، کہ مستقبل میں پیش آنے والی ان جنگوں میں حق پر کون ہوگا اور خطا پر کون ہوگا، اس بابت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارات ارشاد فرمائے ہیں، ایسے اشارات جو ان لڑائیوں کے زمانے تک تو قدرے مبہم رہیں لیکن لڑائیوں کے بعد کے لوگ ان کو واضح طور پر سمجھ سکیں، یہ اس لیے کہ اگر اشارات دینے کے بجائے وضاحت اور قطعیت سے حق و باطل کا فیصلہ فرما دیا جاتا تو اس کے بعد تو اس خطا پر قائم ہو جانا یا ڈٹ جانا کسی کے لیے جائز ہی نہ رہتا۔ جیسے **اولی الطائفتین بالحق، کلاب حوأب، فئة باغیه** والی احادیث۔

3: ان مشاجرات اور جنگوں میں شامل دونوں گروہوں کے ایمان اور اسلام کی گواہی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاجرات کی پیشین گوئی والی احادیث میں عمومی طور پر بھی دونوں گروہوں کے ایمان و اسلام کی شہادت ارشاد فرمائی ہے اور خصوصی طور پر بھی ان مشاجرات میں شامل دونوں گروہوں کے اکابر صحابہ کرام کے ایمان اسلام اور جنتی ہونے کی بشارتیں مختلف پیرایوں میں ارشاد فرمائی ہیں۔ **لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المؤمنین، قداوجبوا** وغیرہ احادیث۔

اس پوری تفصیل کو اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو ایک طرف ان اختلافات کے واقع ہونے پر پیدا ہونے والے تذبذب اور پریشانی کے بادل انسان کے دِل سے چھٹ جاتے ہیں تو دوسری طرف امت مسلمہ کے جمہور اہل علم کا موقف روز روشن کے سورج کی طرح چمک کر اور نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ نہ تو ان اختلافات اور تنازعات کے واقع ہونے پر کوئی اشکال باقی رہتا ہے، نہ صحابہ کرام میں سے کسی کی بے ادبی دل میں آتی ہے، اور نہ امت مسلمہ کے جمہور اہل علم کے اجماعی موقف میں کوئی کجی اور خرابی

محسوس ہوتی ہے۔

ہمارے ممدوح حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالی اپنے باقی علمی وفکری سفر کی طرح اس معاملے میں بھی اپنے اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالی کے قدم بقدم اور دوش بدوش تھے اور دیگر عقائد وافکار کی طرح یہاں بھی اپنے اسلاف کے موقف سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے، اور وہی موقف، وہی عقیدہ ونظریہ اور وہی فکر رکھتے تھے جو صدر اول سے آج تک جمہور امت مسلمہ رکھتی چلی آئی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی مشاجرات اور تنازعوں میں سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے اصحاب حق پر تھے اور ان کے مخالفین سے خطا اجتہادی صادر ہوگئی تھی، اور خطاء اجتہادی نہ صغیرہ گناہ ہے نہ کبیرہ گناہ بلکہ حدیث شریف کی رو سے اجتہادی خطا پر مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے، اور یہ خطا اجتہادی ایسی چیز ہے جس سے انبیائے کرام علیہم السلام حتی کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی معصوم نہیں ہیں، اس لیے اس خطا اجتہادی پر کسی کو طعن کرنا، کسی کی بے ادبی کرنا، کسی کی شان میں گستاخی کرنا، کسی کو لعن طعن کرنا اپنی بدبختی میں اضافے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی نے جس دین کو حضور ختمی مرتبت پر مکمل فرمایا اس کی تاریخ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی اور حضرت عمرؓ پر اسلام کا پہلا چلہ مکمل ہوا، حضرت عثمانؓ بنوامیہ کی سیادت اور وجاہت سے رسول ہاشمی کے خدمت گزار بنے اور حضرت علی المرتضیؓ نبوت کے زیر سایہ جواں ہوئے۔ ان چار حضرات کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی برسر اقتدار آئے جیسے حضرت حسن حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین لیکن ان چار بزرگوں میں خلافت افضلیت کے ساتھ ساتھ چلی، اس لئے ان چار حضرات کو جو شرف وکمال ملا وہ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی اساس ہے اور اس کے گرد پہرا دینا وہ اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کے ذمہ ہے کہ وہ ان پاک بازوں کے گرد بچھائے گئے کانٹوں کو ایک ایک کر کے چنیں اور ابناء آدم کو بتائیں کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کو بطور طبقہ اخلاق فاضلہ کی جلا بخشی تھی اور انہیں کفر، گناہ اور نافرمانی سے دوری صرف از حکمِ شریعت نہیں، از راہِ طبیعت حاصل ہو چکی تھی، شریعت کے تقاضے ان کی طبیعت بن چکے تھے اور اللہ تعالی نے ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا۔ ہمارے اس عقیدہ پر قرآن کریم کی کھلی شہادت موجود ہے۔

"ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون ". ترجمہ: پر اللہ تعالی نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور کھپا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور لائق نفرت بنا دیا تمہارے دلوں میں کفر، گناہ اور نافرمانی، وہ ہیں راشدین۔

ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑ پڑیں تو وہ رہیں گی مومن ہی .... ان کے اختلاف کا منشا غلط فہمی تو ہو سکتا ہے لیکن بدنیتی نہیں، سوء اعتقاد نہیں۔ ایمان اپنی بنیادی شان سے ان کے دلوں میں جگہ پا چکا ہے، ان میں خونریزی تک دیکھو تو بدگمانی کو راہ نہ دو، یہ سب بھائی بھائی ہیں، بدگمانی سے انتہا تک بچو، ان میں سے کسی سے بڑے

سے بڑا گناہ دیکھو تو بھی بدگمانی نہ کرو، اس کا ظہور بتقاضائے فسق نہیں ہوا، محض اس حکمت سے وجود میں آیا ہے کہ اس پر شریعت کی ہدایت اترے اور یہ لوگ تکمیلِ شریعت کے لئے استعمال ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی وقت نماز کی رکعتوں میں بھولنا از راہِ غفلت نہیں تھا، اس حکمت الٰہی کے تحت تھا کہ لوگوں پر سجدہ سہو کا مسئلہ کھلے اور شریعت اپنی پوری بہار سے کھِلے۔ سو ایسے امور جو شانِ نبوت کے خلاف نہ تھے ان کے حالات حضور پر ڈالے گئے، اور جو گناہ کی حد تک پہنچتے تھے انہیں بعض صحابہ پر ڈالا گیا اور وہ حضرات اس طرح تکمیلِ شریعت کے لیے بطور سبب استعمال ہو گئے، ان حالات سے گزرنے کے بعد ان کا وہ تقدس بحال ہے جو انہیں بطور صحابی کے حاصل تھا اور ان کی بھی بدگوئی کسی پہلو سے جائز نہیں۔ [عبقات: ۱/ 27 / 28]

سوال: واقعۂ جمل میں جو لوگ شہید ہوئے کیا وہ مسلمان رہے یا محاربۂ علی کے باعث وہ کافر ہو گئے؟ کیا انہیں مشرک کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ مفسدین کی سازش کے باعث ان کا عمل ظاہری صورت میں بغاوت کی شکل اختیار کر گیا تھا؟

جواب: یہ حضرات، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت ام المومنین کے ساتھی اصلاً باغی نہ تھے لیکن مفسدین کی سازش سے ظاہراً باغی کے انداز میں آ گئے، سو انہیں مسلمان کہنا اور انہیں اسلامی برادری میں رکھنا ضروری ہے، انہیں کافر یا منافق کہنا کسی طرح صحیح نہیں، ملا نصیر طوسی نے تجرید الاعتقاد میں محاربینِ علی کو کافر لکھا ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس کے برعکس ان حضرات کو اپنے بھائی فرمایا ہے: **سئل عليا عن اهل الجمل قيل أ مشركون هم؟ قال من الشرك فروا، قيل أ منافقون هم؟ قال ان المنافقين لا يذكرون الله الا قليلا، قيل فما هم؟ قال اخواننا بغوا علينا.** ترجمہ: حضرت علی سے اہل جمل کے بارے میں سوال کیا گیا، پوچھا گیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا شرک سے وہ فرار کیے ہوئے تھے، پھر پوچھا گیا، کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا: منافق اللہ کو اتنا یاد نہیں کرتے جتنا یہ کرتے تھے۔ پھر پوچھا گیا کہ پھر ان کا حکم کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے (مفسدین کی سازش سے) ہم پر چڑھائی کر دی۔

شیعہ کی مستند کتاب قرب الاسناد میں بھی اسی طرح ہے: **ان عليا عليه السلام لم يكن ينسب احدا من اهل حربه الى الشرك ولا الى النفاق ولكن يقول هم اخواننا بغوا علينا.** [**قرب الاسناد، عبد الله بن جعفر الحميری ص 45**] ترجمہ: بیشک حضرت علیؓ اپنے لڑنے والوں میں سے کسی کو شرک یا نفاق کا ملزم نہ ٹھہراتے تھے، بس یہی کہتے: "یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہم پر چڑھ دوڑے۔" [عبقات: ۱/۱۴۷]

سوال: جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی خلافت نہ مانی اور ان کے خلاف بغاوت کی، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ فاسق ہیں؟ اور کیا پھر ان کی شہادت مردود ٹھہرے گی؟

جواب: علامہ تفتازانی عقائد کی مشہور کتاب شرح مقاصد میں اہل شام کے بارے میں لکھتے ہیں: "**و ليسوا كفارا و لا فسقة ولا ظلمة لما لهم من التأويل وإن كان باطلا، فغاية الأمر أنهم أخطأوا فى الإجتهاد وذلك لا يوجب التفسيق فضلا عن التكفير ولهذا منع على اصحابه عن لعن أهل الشام و قال اخواننا بغوا**

علینا".(شرح مقاصد، ج 2، ص 223)

ترجمہ:"اور وہ کافر نہیں، نہ فاسق ہیں، اور نہ ہی انہیں ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد میں خطا کی اور اس سے فسق لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر، اور اسی لئے حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جو اہل شام پر لعنت کر رہے تھے اس سے روکا اور فرمایا وہ ہمارے بھائی ہی ہیں جو ہم پر چڑھ دوڑے ہیں۔"

علم کلام کی مشہور تالیف کتاب التمہید میں علامہ ابوالشکور السالمی لکھتے ہیں:

"ان الباغی لا یفسق لان شهادته مقبولة بالاتفاق والثانی ان الباغی مأول فی دعواه "(کتاب التمهید، ص 168) ترجمہ: باغی فاسق نہیں ٹھہرتا کیونکہ اس کی شہادت بالاتفاق مقبول ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ باغی اپنے دعوے میں کسی تاویل سے کام لے رہے تھے۔"

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

"ولانه یجوز الصلاة والجمعة والحج وتولیة القضاء وغیر ذلک من الولایة من جهة الباغی دل انه ما کان فاسقا".

محدث جلیل ملا علی قاری بھی لکھتے ہیں:

کان معاویة مخطأ الا انه فعل ما فعل عن تأویل فلم یصر به فاسقا "(شرح فقه اکبر، ص 82) ترجمہ: حضرت معاویہ اپنے اجتہاد میں خطا پر تھے انہوں نے جو کچھ کیا سو کسی تاویل کے سہارے کیا، آپ اس سے فاسق نہیں ہوئے (آپ کا عادل ہونا مجروح نہیں ہوتا)

حق یہی ہے اور یہی اہل حق کا مسلک ہے، البتہ معتزلہ ان حضرات کو فاسق قرار دیتے ہیں اور اہل حق نے ان کی پرزور تردید کی ہے۔ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں: **و ذهب جمهور المعتزلة الی ان عائشة و طلحة و الزبیر و معاویة و جمیع اهل العراق و الشام فساق بقتالهم الامام الحق .** (جامع الاصول) جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ، اور جمیع اہل عراق اور اہل شام سب امام برحق سے لڑنے کے باعث فاسق قرار پائے ہیں۔

پھر آگے جا کر ان الفاظ میں ان کی تردید کرتے ہیں:

وکل هذا جرأة علی السلف یخالف السنة فان ما جری بینهم کان مبنیا علی الاجتهاد . ترجمہ:"یہ سلف پر ایک بہت بڑی جرات ہے، اور یہ سنت کے خلاف ہے، کیونکہ ان میں جو کچھ بھی پیش آیا اور جو کچھ ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔"

امام ربانی حضرت احمد مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"و کتب القوم مشحونة بالخطأ الاجتهادی کما صرح به الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرهما، پس تفسیق و تضلیل در محاربان حضرت امیر جائز نباشد ". (**مکتوبات**) **ترجمہ: "اور اہل سنت کی سب کتابیں اس خطا کے اجتہادی ہونے سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ امام غزالی قاضی ابوبکر باقلانی اور دوسرے اکابر اہل حق تصریح کر چکے ہیں، سو حضرت علیؓ کے ساتھ محاربہ کرنے والوں کو فاسق کہنا یا انہیں گمراہ قرار دینا کسی طرح جائز نہ ہوگا، (کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اس میں ان کے پاس کوئی نہ کوئی عذر یا تاویل ضرور موجود تھی۔)** [عبقات:۱/۱۶۲]

حضرت علیؓ مرتضی کو واقعہ جمل کے بعد جو جو لاشیں ملیں، خواہ وہ کسی فریق کی ہوں، آپ نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھائی، ابن کثیر لکھتے ہیں: **"صلی علی القتلی من الفریقین و خص قریشا بصلوة من بینهم"** (البدایہ، ج7، ص 244) (ترجمہ): "آپ نے دونوں طرف کے مقتولوں کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ میں قریش کے مقتولوں کو اولیت بخشی۔" نماز جنازہ کیا ہے؟ مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرنا، جب حضرت علیؓ دونوں فریق کے مقتولوں کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں تو اب کسی کو ان میں سے کسی پر اعتراض کرنے کا حق نہ رہا، صاحبِ حق ان میں سے ہر کسی کو اپنا حق معاف کر چکے، اب ان میں سے کسی کو کسی پر اعتراض کا حق نہیں رہتا۔ [عبقات:۱/۱۵۱]

پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ ہجری (عام الہدنہ) میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو عارضی معاہدہ کیا، اس کی رو سے حضرت امیر معاویہؓ اپنے علاقے میں عہدِ بغاوت سے نکل کر ایک قانونی حیثیت میں آ گئے کہ خلیفۂ وقت نے انہیں اس علاقے پر حکومت کرنے کی عارضی اجازت دے دی، یہ صلح نامہ حضرت کی کل قلمرو اسلامی میں خلافت تامہ کا ایک حکم نامہ تھا، اگلے سال حضرت علیؓ کو ایک خارجی نے شہید کر دیا، اگر کسی شامی نے شہید کیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے اس صلح نامہ کو توڑ دیا، ایسا نہیں ہوا، حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک اس صلح پر پابند رہے، سو حضرت علی المرتضیؓ کا دور حکومت آپ کی خلافت تامہ ہی رہا، ایک تاویل سے آپ کی خلافت پورے قلمرو اسلامی میں رہی اور حضرت معاویہؓ بھی دور بغاوت سے نکل کر دورِ مصالحت میں آ گئے۔" [خلفائے راشدین:۲/۲۸۲] (دیکھیے:۲/۵۴۴۔ [ادارہ])

☆......☆......☆......☆

حمزہ احسانی، مدیر مجلّہ صفدر

مسئلہ خلافت راشدہ اور حضرت علامہ صاحبؒ

نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے امت کو''خلافت'' کی نعمت عطا فرمائی، اور الحمد للہ مسلمان اِس نعمت کے صحیح قدردان ہیں۔
کسی بھی شرعی حکم کی صحیح قدر کا پہلا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ: اس کے بارے میں عقیدہ درست رکھا جائے۔ جو حیثیت شریعت نے اس حکم کو عطا فرمائی، اسے بلا کم و کاست قبول کیا جائے، ذہنی پراگندگی، دائیں بائیں کے حالات اور مخالفین کے اعتراضات کو اس میں آڑے نہ آنے دیا جائے۔ حضرت علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''مسئلہ بتانے والے کی نظر شریعت پر جبکہ بنانے (گھڑنے) والے کی نظر حالات پر ہوتی ہے۔'' [سبق دورہ تقابل ادیان، مفتاح العلوم سرگودہا] (دیکھیے: ۲/۷۰۹۔ [ادارہ])

شرعی احکامات میں خودساختہ کمی بیشی کو قرآن نے نہ صرف جرم عظیم بلکہ خدائی کے دعویٰ کے مترادف قرار دیا ہے۔ **''والذین اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ''**. اہل کتاب نے اپنے علماء کو خدا تجویز کرلیا، اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے بعض صحابہ نے اس پر حیرت کا اظہار کیا کہ: ہم اپنے علماء کو خدائی کے منصب پر فائز یا شریک تو نہیں سمجھتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ہمارے علماء کو حلال و حرام میں اختیار حاصل ہے؟ تحلیل و تحریم تو خدائی اختیار ہے۔

معلوم ہوا کہ حکم شرعی میں خودساختہ کمی بیشی کو شریعت کسی درجہ میں برداشت نہیں کرتی، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خوب صحت مند اور انتہائی توانا انسان بھی جسم میں داخل ہونے والا معمولی تنکا برداشت نہیں کرتا، کیونکہ وہ جزوِ بدن نہیں۔ اِسی طرح شریعت خودساختہ چیزوں (بدعات) کو ہرگز برداشت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ دین کا حصہ نہیں۔'' [سبق دورہ تقابل ادیان، مفتاح العلوم سرگودہا]

''خلافت'' اللہ تعالیٰ کی نعمت اور امت کے لیے ایک حکم شرعی ہے، اور دیگر شرعی احکامات کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت بھی قیامت تک کے لیے نمونہ ہے، بالخصوص ''خلافتِ راشدہ'' کو سنتِ نبویہ کے ساتھ جوڑ کر اس کی عظمت و رفعت اور امتیاز کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمایاں فرمایا ہے۔ اَب اِس نعمت کی قدر دانی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی طرف سے اِس میں کمی بیشی کیے بغیر اسے تسلیم کیا جائے۔ اس کے معنی و مفہوم اور مصداق میں قرآنی تعلیمات، نبوت تصریحات، صحابہ کے آثار اور چودہ سو سالہ امت کے موقف و نظریہ کو دِل و جان سے لگا کر اس کی اشاعت و حفاظت میں اپنی زندگی کھپا دی جائے اور اس کے منکرین کے آگے جرأت و حکمت کے ساتھ دلائل و براہین کی سدِ سکندری قائم کی جائے۔ اور اس کے مفہوم یا مصداق میں خودساختہ کمی بیشی والوں کا بھی بھرپور تعاقب کیا جائے، اور اُن کے پیش کردہ اعتراضات کے منصفانہ تسلی بخش جوابات کا اہتمام کیا جائے۔

دیگر اکابر اہل سنت کی طرح ہمارے ممدوح حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی پورا فرمایا، ضرورت اِس بات کی ہے کہ حضرت کے افادات سے روشنی حاصل کر کے اِسے سمجھا جائے اور پھر ''خلافت راشدہ حق چار یار'' کی دھوم مچادی جائے۔ سر دست یہاں حضرت رحمہ اللہ کی تقریرات وتحریرات کا خلاصہ ہی پیش کرنے کی گنجائش ہے، بلا پابندی الفاظ پیش خدمت ہیں: حضرت فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے راشد ہونے سے کوئی سنی انکار نہیں کرسکتا، نہ ہی خلفاء صحابہ کی صفت رشد و ہدایت کا انکار اہل سنت کا موقف ہے۔ ہر صحابی راشد ہیں، اور سات صحابہ جو خلیفہ ہوئے، وہ خلیفہ بھی ہیں اور راشد بھی۔ یہ اُن کی ذاتی صفت ہے۔ لیکن اُن کی خلافت' خلافتِ راشدہ ہے یا نہیں؟ اِس کے لیے قرآن وسنت اور امت کے دروازے پر جانا ہوگا۔ قرآن نے مہاجر صحابہ سے وعدۂ خلافت کیا، اور مہاجرین میں سے چار ہی خلیفہ ہوئے۔ حضور نے زمانہ خلافتِ راشدہ کی مدت ۳۰ سال بیان کی، حذفِ کسر کے ساتھ وہ مدت بھی چاروں پر ہی مکمل ہوئی۔ جمہور اُمت نے چار یاروں کو ہی اِس وعدہ الٰہی اور بشارتِ نبوی کا مصداق ٹھہرایا۔

لہٰذا ''خلافت راشدہ'' سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ: قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کی موعودہ خلافت جسے اصطلاح میں ''خلافتِ راشدہ'' کہا جاتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف حدیث ''**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین** '' میں جن کی سنت کو اپنی سنت کی مثل امت پر لازم قرار دیا، اس کے مصداق چار حضرات ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

اَب اگر اِس سے ہٹ کر کوئی موقف یا تعبیر ہے تو یا تو وہ اِس پیرائے میں نہیں، یا پھر اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ نہیں۔ مثلاً: بعض اکابر نے یہ کہہ دیا کہ: خلفائے راشدین صرف پانچ ہیں۔ چار مذکورہ بالا حضرات اور پانچویں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ۔ جبکہ بعض اکابر نے کہا: خلفائے راشدین چار ہی نہیں، ہزاروں ہوسکتے ہیں اور سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس میں شامل بتایا۔ بعض حضرات نے خلفاء صحابہ کے لیے ''خلافت راشدہ موعودہ'' اور ''خلافت راشدہ عادلہ'' کی الگ الگ تعبیرات اختیار کیں۔ بعض نے ''عادلہ'' کی جگہ ''مطلقہ'' کہا۔ اِن اکابر کے ارشادات مختلف پس منظر رکھتے ہیں، مثلاً: بعض نے ظاہری سادگی، فقر وفاقہ اور درویش مزاجی کو پیش نظر رکھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد شمار کیا، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شمار نہیں کیا۔ بعض نے طریق خلافت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا کہ خلیفہ کی تقرری کے وقت کیا شرائط ہونی چاہییں، کن خلفاء کے تقرر کے وقت وہ شرائط پائی جاتی تھیں، اُن کے ارشاد کا مدار شرائطِ خلافت ٹھہریں۔ بعض نے خلافت سے قطع نظر کرتے ہوئے محض خلیفہ کی صفتِ رُشد و ہدایت کو سامنے رکھا تو تمام خلفاء صحابہ، اور بعد کے رشد و ہدایت سے متصف سلاطین کو بھی ''خلفائے راشدین'' شمار کیا۔ یہ سب مختلف تعبیرات ہیں۔ اِن میں سے بعض تعبیرات کو خلافِ اولیٰ، خلافِ احتیاط وغیرہ تو کہا جاسکتا ہے، لیکن اہل سنت کے موقف کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جب حیثیت، پیرایہ اور مدار ہی الگ الگ ہے تو تضاد کیسا؟

البتہ بعض لوگ رفض مخالفت میں یا ناصبیت کے زیر اثر خلافت راشدہ کا انتہائی ظالمانہ مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں صرف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شمار نہیں کرتے۔ اس میں نہ لغت کا اعتبار ہے نہ اصطلاح کا، نہ خلافت کی شرائط پیش نظر ہیں نہ خلیفہ کی۔ یہ راستہ اور طریقہ اہل سنت کا نہیں۔ اہل سنت کا موقف یہی ہے کہ خلیفہ کی صفتِ رشد و ہدایت کا اعتبار کیا جائے تو تمام خلفاء صحابہ خلیفہ راشد ہیں، جن کی تعداد سات ہے: چار مذکورہ بالا، پانچویں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، چھٹے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ساتویں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ اور اگر قرآن کی موعودہ خلافت اور نبوی بشارات کی مصداق خلافت کو دیکھا جائے تو اس کے تاجدار صرف چار یار ہیں۔ مشہور سنی نعرہ ''خلافت راشدہ: حق چار یار'' میں اہل سنت کے اسی عقیدے کا اظہار ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند عبارات ملاحظہ ہوں:

''اپنی ذات اور اعمال میں تو سب صحابہ راشدون ہیں۔......خلفائے راشدین چار ہیں پانچ نہیں۔ ......سلف کی اصطلاح میں راشدین مہدیین حضرات شیخینؓ اور حضرات ختنینؓ ہیں۔......تیس سال خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں داخل ہیں۔...... یہ حدیث ائمہ اربعہ کی خلافت کی ایک غیبی خبر ہے۔......چاروں ایک دوسرے سے مسلسل تھے۔......امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعبیر صرف چاروں کو آگے لا رہی ہے، خلفائے راشدین میں اگر کوئی پانچواں نام بھی ہوتا تو اسے بھی اسی ترتیب میں افضلیت ملتی۔......اہل حق کا نشان ان چاروں کی عقیدت تھی، اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے۔''

[خلفائے راشدین: ۱/۵۰ تا ۶۶]

''ان چار حضرات کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی برسر اقتدار آئے، لیکن اِن پہلے چار بزرگوں میں خلافت افضلیت کے ساتھ چلی، اِس لیے ان چار حضرات کو جو شرف و کمال ملا وہ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی اساس ہے۔......صحابیت میں سب صحابہ راشد اور مہدی تھے۔ مگر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہوئے جو نظم امورِ سلطنت میں بھی راشد اور مہدی ہوئے۔... یہ حضرات وہی نفوس قدسیہ ہیں جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار کہا جاتا ہے۔'' [عبقات: ۱/۲۷، ۲۸]

''خلفائے راشدین چار ہیں، انھیں ائمہ اربعہ بھی کہتے ہیں، ان کی خلافت مطلق حکومت نہیں، خلافت نبوت تھی۔...... پہلے چار کی حکومت خلافت علی منہاج النبوۃ تھی۔......خلفائے راشدین ان چھ میں سے چار ہیں جو آیت استخلاف کا مصداق ہیں۔ ......صحابہ میں حق کا نشان یہی ائمہ اربعہ ہیں، جنھیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔'' [عبقات: ۱/۲۸۷، ۲۸۸]

تفصیلی عبارات کے لیے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون (چودہ صدیوں کی شہادت، خلفائے راشدین چار ہیں پانچ نہیں)، محولہ بالا تحریرات، مولانا محمد اسماعیل ریحان [۲/۵۰۴ تا ۵۱۱] کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

(دیکھیے: ۲/۴۹۷......۲/۵۵۳۔ [ادارہ])

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد زعفران ہزاروی(۱)

متکلمِ اسلام کی فقہی خدمات

۱۴۳۶ھ کی بات ہے، بندہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف کا طالب علم تھا۔ دورہ حدیث شریف کے اسباق مسجد حسن میں ہوتے تھے۔ ہماری بدقسمتی کہ اس سال علامہ صاحب بیماری کی وجہ سے جامعہ اشرفیہ تشریف نہ لا سکے، یوں ہم علامہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے محروم رہے۔ دورانِ سال ایک مرتبہ ہماری جماعت کے کسی ساتھی نے مائیک سے یہ اعلان کیا کہ علامہ خالد محمود صاحب کی کتب آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار التشریع اور آثار الاحسان محدود تعداد میں موجود ہیں۔ شائقین حضرات کمرہ نمبر فلاں میں چھٹی کے وقت رابطہ کرلیں۔ بندہ کو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا تعارف پہلے سے تھا۔ اس لیے اس اعلان کے مطابق سبق کے بعد متعین کمرے میں پہنچا تو طلبہ کا ایک ہجوم لگا ہوا تھا۔ دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں میرا نمبر آنے سے پہلے ہی کتب ختم نہ ہو جائیں۔ خیر اللہ اللہ کر کے طلبہ کا ہجوم کم ہوا بندہ کا نمبر آیا۔ میرا چونکہ چاروں سیٹ خریدنے کا ارادہ تھا اس لیے پیسوں کا انتظام کر کے گیا تھا لیکن کتب بیچنے والا طالب علم کہنے لگا تین سیٹ ملیں گے، چوتھا سیٹ ''آثار الاحسان'' ختم ہو گیا۔ یہ سن کر ایک جھٹکا سا لگا اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ پہلے کیوں نہ پہنچ گیا، چاروں سیٹ مل جاتے۔ میں نے تین سیٹ خریدے اور چوتھے سیٹ کی حسرت لیے اپنے کمرہ میں جہاں رہائش تھی چلا گیا۔ پہلی فرصت میں کتابوں پر تاریخ اور قیمت لکھی۔ بندہ کا یہ معمول ہے کہ کتاب خریدتے ہی اس پر تاریخِ آمد، قیمت اور مقامِ خریداری لکھ لیتا ہوں۔ بعد ازاں کتابوں کے اوراق الٹنے پلٹنے لگا، فہرست پر نظر دوڑائی، علم کے سمندر میں غوطہ زن رہا۔ غالباً ۱۴۳۷ یا ۱۴۳۸ھ کا سال تھا۔ جامعہ اشرفیہ میں مجلس صیانۃ المسلمین اور فضلاء جامعہ اشرفیہ کا اجتماع تھا۔ اجتماع کے موقع پر بندہ نے ''آثار الاحسان'' کی دو جلدیں خرید کر اپنی پیاس کو بجھایا۔ یقیناً علامہ صاحب کے آثارِ اربعہ (التنزیل، الحدیث، التشریع اور الاحسان) ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہیں۔

فقہ کے موضوع پر ''آثار التشریع'' آپ کا شاندار کارنامہ ہے۔ آپ نے اس کتاب میں دقیق علمی مباحث کو جس آسان اور تحقیقی پیرائے میں بیان فرمایا ہے وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ مولانا حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی نے بڑی محنت کے ساتھ ان بکھرے ہوئے مضامین کو جمع کیا اور دار المعارف لاہور نے دو جلدوں میں ''آثار التشریع'' کے نام سے شائع کیا۔

حافظ محمد اقبال صاحب رنگونی اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک علمی تاریخ اور تحقیقی پیش کش ہے، اسے کوئی فرقہ وارانہ اور مناظرانہ پیرائے کی

---

(۱) رفیق شعبہ تحقیق و دار الافتاء: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

کتاب نہ سمجھا جائے۔حضرت علامہ صاحب نے طلبہ کے لیے فقہی اختلافات کو ان کے اصولوں اور نتائج کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔آپ اس میں کسی فریق کی تائید یا تردید نہیں کرتے۔طلبہ کے ذہن کو روشن کرنے کے لیے فقہی اختلافات کو ان کی اصل صورت میں سامنے کر دیتے ہیں۔۔۔آپ نے تقریباً ہر موضوع میں مختلف مسالک کے فقہاء اور محدثین کی عبارات پیش کی ہیں۔ان کے جامع مطالعہ سے طالب علم اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ مختلف مسالک فقہ اسلامی کی وسعت ہیں۔یہ کوئی جنگ کے میدان نہیں جو لڑنے کے لیے ہموار کیے گئے ہوں۔ان مباحث سے غرض مختلف مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے،اختلافات کو بڑھانا نہیں۔طلبہ اسے اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ یہ اسلامی رواداری کی طرف ایک مؤثر قدم ہو گا۔" [آثار التشریع:۱/۲۶] (دیکھیے:۱/۶۲۳......۱/۳۴۷۔[ادارہ])

تمام مذاہب و ادیان میں صرف اسلام ہی برحق اور سچا مذہب ہے۔اور اب اخروی نجات اسی میں منحصر ہے۔اس برحق مذہب کے اہم اور بنیادی ستون قرآنِ کریم،حدیث شریف،اجماعِ امت اور فقہ و قیاس ہیں۔پہلے تین ستون تو اتنے واضح اور بیّن ہیں کہ ان کے اثبات کے لیے کسی برہان و حجت کی ضرورت نہیں کیونکہ آمدِ آفتاب دلیلِ آفتاب است۔البتہ چوتھا ستون معرضِ اخفا ہو سکتا ہے لیکن دلائل کے لحاظ سے اس میں بھی اخفاء نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ فقاہت فی الدین کے بغیر دین کی تہہ تک پہنچنا بہت ہی مشکل امر ہے۔قرآن و حدیث میں تفقہ فی الدین کی نہ صرف یہ کہ مدح ہی بیان کی گئی بلکہ اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے: **"فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین"** ۔اس سے معلوم ہوا تفقہ فی الدین شرعی طور پر مطلوب ہے۔جو لوگ دین کی فقاہت اور بصیرت سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے: **لا یکادون یفقھون حدیثا**۔معلوم ہوا دینی باتوں کو نہ سمجھنا ایک مذموم صفت ہے۔

علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے بندہ عاجز کو قرآن کریم کے تعارف میں آثار التنزیل،حدیث کے تعارف میں آثار الحدیث اور فقہ کے تعارف میں آثار التشریع الاسلامی لکھنے کی سعادت بخشی۔اسلام میں علم کے یہی تین مآخذ ہیں:۱۔قرآن کریم،۲۔سنت، ۳۔اجتہاد۔سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کو بھی شامل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ما انا علیہ و اصحابی کہہ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ شامل فرما گئے۔پھر اجتہاد متفق علیہ درجے کا ہو تو اسے اجماع کہہ دیتے ہیں۔مجتہدین کا اپنا اپنا استنباط ہو تو اسے فقہ کہتے ہیں۔جو مسائلِ شریعت اجتہاد کی راہ سے معلوم ہوں وہ بھی عین دین ہیں کیونکہ انہوں نے کتاب و سنت کے چشمے سے ہی ظہور پایا ہے،سو انہیں بھی اسی درجہ میں مانا جائے گا جس درجہ میں ہم نے کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کی ہے۔یہ فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں ان کے برابر کا ایک علمی مآخذ ہے۔

سو علم انہی تین دائروں میں ہے:۱۔آیتِ محکمہ،۲۔سنتِ قائمہ،۳۔فریضہ عادلہ۔

اس کے سوا جو ہیں وہ واردات ہیں یا بدعات۔ انہیں شریعت نہیں کہا جاسکتا۔'' [آثار التشریع، کلمۂ تشکر: ۱/۲۷]

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب ''آثار التشریع'' میں فقہ کے متعلق مختلف ومتنوع موضوعات کو جمع کیا گیا ہے۔ ان عنوانات سے ہی حضرت علامہ صاحب کے فقہ میں مہارت اور واقفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ نہ جانے کتنی ہی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ علامہ صاحب نے ہم طلبہ کے سامنے رکھ دیا۔

ذیل میں علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس جو انہوں نے ''الموافقة بين الحديث و الفقه'' عنوان کے تحت ذکر فرمایا، درج کیا جاتا ہے:

''کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ یہ دونوں کمالات ۱۔ فہمِ حدیث جسے فقہ کہتے ہیں اور ۲۔ علمِ رجال پر نظر جو فنِ حدیث کا موضوع ہے، یکجا جمع ہوں۔ اس صورت میں فاضل گروہ کون سمجھا جائے گا؟

الجواب: ہاں ایسا بھی ہوا ہے حضرت امام بخاری اور امام ابوداؤد محدث بھی تھے اور فقیہ بھی۔ امام بخاری اصولِ فقہ میں زیادہ امام شافعی کے اصول پر چلے ہیں اور امام ابوداؤد، حضرت امام احمد کی راہ پر۔ لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فقہ واجتہاد میں جو مقام ائمہ اربعہ کا ہے امام بخاری اور امام ابوداؤد کے اجتہادات امت میں کبھی اس پائے کے نہیں سمجھے گئے جو پایہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے اجتہادات کا ہے۔ اتنی بات تو غیر مقلدین حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حافظ محمد عبداللہ روپڑی ایک جگہ لکھتے ہیں: محدثین صحاحِ ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں ہے۔ [فتاویٰ اہلحدیث: ۱/۷]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کتنے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں جو گوئے سبقت ائمہ اربعہ لے گئے امت میں اس کی ضرورت اور قدر تاریخ کی ہر نئی کروٹ میں اور زیادہ محسوس ہوتی رہے گی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس امت کے اہلِ علم دو حصوں میں کیوں بٹے؟ اور پھر ایک تیسرا محروم القسمت گروہ بھی آ نکلا جو لوگ نہ محدثین بنے، نہ فقہاء اور نہ وہ کسی فقیر کی پیروی میں چلے۔ امت کی یہ زمین تین حصوں میں کیوں بٹ گئے؟ یہ غیر مقلدین کہاں سے آ نکلے؟

الجواب: یہ فطری تقسیم ہے اور فطرت اس میں اپنے تمام تقاضے ظاہر کرتی ہے، ہر علم اپنا حق اور وقت مانگتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہ بارانِ رحمت تھی جو اس امت پر برسی۔ مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انسانی نگاہ انکار نہ کر سکے گی کہ:

۱۔ زمین کے کچھ زرخیز حصے ہوتے ہیں۔ یہ زمین پانی پیتی ہے اور خوب پیتی ہیاور پھر یہ فصلیں اُگلتی ہیاور پورے پھیلاؤ میں شادابی اور بہار لاتی ہے۔ اس زمین نے پانی اپنے اندر سمویا اور اپنے سے پھر وہ دولت پیدا کی کہ عام انسانی نگاہ اس کا تصور نہ کر سکتی تھی کہ یہ مٹی اس طرح کے رنگ رنگ کے پھول اور مختلف ذائقوں اور خوشبوؤں کے پھل اس کثیر مقدار میں اُگلے گی۔

۲۔ ایک اور زمین بھی تھی جو اپنے اندر پانی جذب نہ کر سکی مگر اس کے پتھریلے کناروں نے پانی کو اپنے اندر روک لیا اور پھر وہ انسانوں اور جانوروں اور دوسری زمینوں کے کام آتا رہا۔ اس زمین نے پانی کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔ یہ دوسرے درجہ کی زمین تھی اور یہ بھی اپنی جگہ بہت لوگوں کے کام آئی۔

پہلے درجے کے اہلِ علم اس امت کے فقہاء مجتہدین ہیں، دوسرے درجے کے اہلِ علم محدثین ہیں جو حدیث کو جمع کرتے ہیں اور اسے ترتیب دیتے ہیں۔ اگر یہ دین بارانِ رحمت ہے اور یقیناً ہے تو اس میں فقہاء اور محدثین دونوں طرح کے علماء ہونے چاہئیں۔ ہاں جو لوگ محدث نہ ہوں نہ فقیہ ہوں اور نہ کسی فقیہ کے پیرو ہوں یہ وہ حصہ زمین ہے جو نہ قابلِ کاشت ہے اور نہ قابلِ ذخیرہ۔ یہ اس امت کے وہ محروم القسمۃ ہیں جو دینِ فطرت کی راہ پر نہیں چلے، بارانِ رحمت سے حصہ نہیں لے سکے، نہ محدث ہوئے نہ فقیہ اور نہ کسی فقیہ کے پیرو۔‘‘

آگے چل کر علامہ صاحب فرماتے ہیں:

’’جس طرح زمین اپنے خزانے اُگلتی ہے، فقہاء کرام کتاب وسنت کی حدود سے اس کے دبے خزانوں کو باہر نکالتے ہیں اور اپنے استنباط سے ہر نئی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ پانی کو ذخیرہ رکھنے والی زمین اس امت کے محدثین ہیں اور جو لوگ نہ اس طرف رہیں کہ فقہاء کے پیچھے چلیں اور نہ اُس طرف کے ہوں کہ علمِ حدیث حاصل کریں یہ وہ سادہ لوح لوگ ہیں جو علمِ حدیث نہیں رکھتے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو اہلِ حدیث، محدث اور محقق سمجھتے ہیں۔ یہ زمین نہ قابلِ کاشت ہے نہ پانی روک رکھنے والی ہے۔ ان محروم القسمت غیر مقلدین کو بس اسی طرح سمجھیں جنہوں نے اس آسمانی ہدایت کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر بھیجے گئے۔

بارہا اساتذہ سے یہ سننے کو ملا کہ متکلمِ اسلام علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ، امامِ اہلِ سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، قائد اہلِ سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور امینِ ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے مطالعہ سے مسلکِ حق کو سمجھنا اور جادہ مستقیم پر قائم رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ متلاشیانِ حق کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کی فقہی خدمات سمیت تمام مساعی وخدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے اور ہمیں ان کے علوم جو ان کی تالیفات وتصنیفات میں موجود ہیں، سمجھنے کی اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

۹ر ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

مولانا عبدالرحیم چار یاری، جامعہ حنفیہ فیصل آباد

حضرت علامہ صاحبؒ اور فتنہ علوی مالکی

سرمایہ اہل سنت، سلطان العلماء، امام المناظرین، حقیقی متکلم اسلام، محافظ مسلک حقہ، پاسبان نظریات وعقائد اکابر اہل سنت دیوبند، مخدومی ومکرمی حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی ہر صفت محمود تھی جو اُن میں ہر وقت موجود تھی، آپ کی حیاتِ مبارکہ اپنی مثل آپ تھی، فرق باطلہ کے تعاقب میں جتنا کام اللہ رب العزت نے دورِ حاضر میں آپ سے لیا، شاید ہی کسی اور کے حصہ میں آیا ہو، میری ناقص رائے میں آپ کے ہم عصر لوگوں میں اتنا بڑا مفکر، مناظر، محقق، متکلم، مؤرخ، مدبر، معلم، مربی اور مشفق انسان اور کوئی نہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بندہ کا نیاز مندانہ تعلق ۱۹۸۰ء سے لے کر انتقال پُر ملال تک قائم رہا، فیصل آباد میں اکثر وبیشتر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی میزبانی کا شرف واعزاز احقر کے حصہ میں ہی آیا۔ بیسیوں اجتماعات میں ہمارے ہاں قدم رنجہ فرماتے رہے۔ اہل سنت کے قلوب واذہان کو خداداد بصارت اور بصیرت سے ایمان کی جلا بخشتے رہے، آپ کی رحلت پر یہی عرض ہے

کبھی آہ دِل سے نکل گئی، کبھی اشک آنکھوں سے ڈھل گئے
یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں، کبھی بجھ گئے کبھی جل گئے

رحلت سے کچھ عرصہ قبل حضرت سے ملاقات ہوئی، نورانی مسجد سمن آباد لاہور کی مسجد میں آپ کا بیان تھا، برادرِ مکرم مولانا عبدالستار معاویہ [حاصل پور] بندہ کے ہمراہ تھے، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''حقانیت اہل سنت'' کے مقدس عنوان پر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی غیر مسلم ہم سے سوال کرے کہ ۲۳ رسال میں دین اسلام مکمل ہوا، تکمیل دین ہوتے ہی داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے، اب یہ بتاؤ کہ وہ دین نافذ کہاں ہوا؟ اس غیر مسلم کو مطمئن کرنے کے لیے ہمارے پاس کیا جواب ہے؟ اگر خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کو پیش نہ کیا جائے تو ہم اس غیر مسلم کو کبھی مطمئن نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ یاد رکھو کہ دین کی تکمیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہوگئی تھی، لیکن اس کی تنفیذ حضرات خلفائے راشدین کے دور میں ہوئی۔ (دیکھیے: ۱/۱۳۳۔ [ادارہ])

بیان کے بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا: چار یاری! میں تمہیں بھولا تو نہیں!؟ میں حیران رہ گیا کہ بڑھاپا، ضعف، ایک طویل عرصہ بعد ملاقات لیکن حضرت نے فوراً پہچان لیا۔

پھر قضیہ علوی مالکی سے متعلق اکابر اہل سنت کی تحریرات کے مجموعہ ''تحفظ عقائد اہل سنت'' کے حوالے سے ایک گھنٹہ حضرت کی گاڑی میں گفتگو ہوئی، کتاب کی ترتیب، اسلوب، انداز تحریر اور مندرجات کے حوالے سے اہم مشورے دیئے اور اسے

مزید بہتر بنانے کے لیے عمدہ تجاویز بھی، بعض چیزوں پر تنبیہ بھی فرمائی، لیکن الحمد للہ، فتنہ علوی مالکی کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اکابر اہل سنت دیوبند والا ہی تھا، وہ فرماتے تھے: میں نے اِس عنوان پر سب کی تحریرات پڑھی تو نہیں، لیکن مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اور مولانا مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے جو لکھا ہے میری بھی وہی رائے اور موقف ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''نوٹ: شیخ علوی مالکی جن سے صوفی اقبال صاحب پھر جا کر مرید ہوئے اور ان سے خلافت پائی، ان کے اپنے عقائد معلوم کرنے ہوں تو ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کے مختصر رسالہ (''شیخ محمد بن علوی مالکی اپنی تحریرات کے آئینے میں'') کو ملاحظہ فرمائیں۔ یا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت فرمائیں۔''

[آثار الاحسان:۱۶۹/۲]

نیز مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ [شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس، ملتان] کے رسالہ ''ذکر و اعتکاف پر مروجہ بدعات'' پر حضرت علامہ صاحب کی تائید و تقدیم بھی موجود ہے۔ دونوں بزرگوں کی آراء پیش کرنے سے قبل فتنہ علوی مالکی کا مختصر پس منظر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ (دیکھیے: ۷۴۱/۲۔ [ادارہ])

(۱)...... جناب محمد بن علوی مالکی کے افکار و نظریات:

مکہ مکرمہ کے رہنے والے ایک عرب گھرانے کے فرد محمد علوی مالکی صاحب (جو مسلکاً بریلوی تھے۔ ان کے والد اور دادا دونوں کو جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کے بیٹے مصطفیٰ رضا خان صاحب سے اجازت و خلافت حاصل تھی اور خود محمد علوی صاحب احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین قادری مدنی کے خلیفہ تھے۔ [دیکھیے: مقدمہ زبدۃ الاتقان، مترجم، مطبوعہ: فرید بک سٹال، لاہور]) نے اپنی کتب **''الذخائر المحمدیه''، ''حول الاحتفال بذکری المولد النبوی شریف''، ''مفاهیم یجب أن تصحح''،** اور **''هو الله''** وغیرہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف سے ہٹ کر کچھ نظریات پیش کیے، جن میں درج ذیل افکار بھی شامل ہیں:

[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر چیز حتی کہ روح اور مغیبات خمسہ کا بھی علم دیا گیا ہے۔ [المحمدیه: ۲۰۵]...... [۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''علم غیب'' دیا گیا ہے۔ [مفاهیم یجب أن تصحح: ۸۳]...... [۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ [الذخائر المحمدیه: ۲۵۹] محفل میلاد میں رسول اللہ کی روح حاضر ہو جاتی ہے۔ [حول الاحتفال]...... [۴] اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے تمام خزانے حضور کو دے دیئے، اب آپ ہی مخلوق میں رزق تقسیم کرتے ہیں۔ [الذخائر: ۱۱۰]...... [۵] اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی ہر قسم کی حاجتیں پوری کرنے کی قدرت دی ہے۔ [مفاهیم: ۱۷۴]...... [۶] زندہ اور وفات یافتہ انبیاء اور اولیاء سے غیر مقدور العبد چیزوں کا سوال کرنا جائز ہے۔ [مفاهیم: ۱۸۱]...... [۷] ارواح کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے پکارنے والوں کو زندوں سے بڑھ کے جواب دے سکیں۔ [۱۸۷]...... [۸] کسی رسول کے ذکر میں صرف اتنا کہنا کہ وہ بشر ہیں، ناجائز اور جاہلی طریقہ ہے۔ [هو الله: ۸۴]...... [۹] جو شخص میلاد النبی کے اجتماعات سے دینی نفع حاصل نہیں کرتا وہ خیر سے محروم ہے۔ [مفاهیم: ۳۶۵]...... [۱۰] احمد

رضا خان صاحب بریلوی سے محبت سنی ہونے کی علامت اور ان سے بغض بدعتی ہونے کی نشانی ہے۔[ماہنامہ جہانِ رضا:۲۱،فروری ۱۹۹۶]

برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ جناب صوفی محمد اقبال صاحب اور اُن کے زیر اثر مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی اور حافظ صغیر احمد مرحومین وغیرہ نے اپنا تعلق جناب محمد بن علوی مالکی سے قائم کرلیا، اور نہ صرف تعلق قائم کیا بلکہ اُن کے مذکورہ بالا نظریات پر مشتمل کتاب ''مفاہیم'' کی نشر واشاعت، ترجمہ اور پاکستان میں اس کی تشہیر وترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس کتاب میں درج نظریات کو چودہ سو سالہ اکابر اہل السنۃ والجماعۃ خصوصاً علمائے اہل سنت دیوبند کے نظریات قرار دیا۔

(۲)......رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب''

پھر مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا گیا جس میں عرس، میلاد، تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب اور نقشہ نعل شریف سے استبراک کو بالکل جائز، مباح بلکہ اکابر اہل سنت دیوبند کا مسلک ومشرب کہا گیا۔ اور جناب احمد رضا خان اور اُن کے ہم عقیدہ لوگوں کو بھی اہل سنت میں شامل بتایا گیا۔

(۳)......اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے انھی خلفاء نے اکابر اہل سنت دیوبند بلکہ چودہ سو سالہ اہل سنت کے برخلاف مجالس ذکر کی ایک ایسی صورت اختیار کرلی جسے علمائے اہل سنت بدعت قرار دیتے چلے آئے ہیں، لیکن یہ حضرات اُسی صورت پر مصر رہے اور تا زندگی اُس کی اشاعت وترویج میں مصروف عمل بھی۔ اور مانعین کے لیے جولب ولہجہ، الفاظ اور انداز انہوں نے اختیار کیا، اُس نے علمائے اہل سنت دیوبند سے اِن کی محبت وعقیدت کے دعووں پر بھی سوالیہ نشان قائم کردیا۔ اِن حضرات کے نزدیک ذکر کے لیے مستقل مجالس قائم کرنا، اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، بلانا (تداعی) اور پھر آواز ملا کر ذکر کرنا اور تعلیم اور علاج سے ہٹ کر' تاعمر اسی ترتیب کو باقی رکھنا مستحب رسنت ہے۔ اور ذکر میں جہر بھی مقصود ومطلوب ہے۔

مذکورہ بالا نظریات سے متعلق حضرت علامہ صاحب کی رائے

(۱)......ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اکابر اہل سنت دیوبند کی تصریحات کے بالکل خلاف اور اُن کے موقف سے متضاد ہے، جیسا کہ حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب میں بریلویوں کے ''عقائد خمسہ'' اور ''بدعات عشرہ'' میں ان چیزوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مولانا احمد رضا خان کے دین ومذہب کے پانچ ارکان یہ ہیں: [۱] اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ نے حضرت شیخ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیئے، اب دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں، لہٰذا حاجات اُن سے مانگو۔ [۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں انسان نہ تھے، صرف ظاہری شکل میں بشر تھے۔ [۳] آنحضرتؐ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ [۴] اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب کی چابی عطا کر رکھی ہے۔ [۵] آنحضرتؐ مختار کل ہیں۔ [مطالعہ بریلویت:

۶۴/۵]

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے، دیکھ لیجیے ان تمام نظریات کو احمد رضا خان صاحب اور بریلویوں کے عقائد شمار کیا ہے جنھیں جناب محمد بن علوی مالکی نے اپنا رکھا ہے۔

(۲)......نیز علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''عقائد میں بریلوی ان عقائد خمسہ سے پہچانے جاتے ہیں، اور اعمال میں بدعاتِ عشرہ سے ان کا تعارف ہوتا ہے:

......[۷] ہر سال میلاد کا جلوس نکالتے ہیں۔......[۸] مزاراتِ اولیاء کرام پر سالانہ عرس کرتے ہیں۔'' [مطالعہ: ۶۴/۵]

''تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے علماء حق اہل السنۃ والجماعۃ سے مکمل علیحدگی کے لیے اپنے طریقہ کو ایک نئے دین ومذہب کے طور پر پیش کیا اور ان کے معتقدوں اور شاگردوں نے ان کے بعد اپنے عقائد کے ایسے محاذ بنا لیے کہ بریلوی جماعت مستقل طور پر اہل السنۃ والجماعۃ سے کٹ گئی۔'' [مطالعہ: ۱۱۲/۵] ''یاد رکھیے بدعتی کو سنی کہنا سخت گناہ ہے۔......حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ برے اثرات رکھتی ہے۔'' [۱۳۶/۶]

علامہ صاحب کی اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علامہ صاحب نے مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے چار خلفاء کی ترویج، تشہیر اور تائید کردہ اشیاء کو ''بریلوی بدعات'' میں شمار کیا ہے۔ بریلویوں کو اہل سنت سے کٹا ہوا بتلایا ہے اور بدعتی کو سنی قرار دینے کو ''سخت گناہ'' لکھا ہے۔

(۳)......اور ذکر کی اجتماعی مجالس کے بارے میں حضرت علامہ صاحب فرماتے ہیں:

''درود شریف پڑھنا....اور ذکر اذکار...کی مجلسوں اور پر رونق محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعات بھی بن جائیں گے۔'' [مطالعہ: ۱۰۶/۶]

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر اثر ابن مسعودؓ سے استدلال فرمایا ہے، جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں اجتماعی صورت میں ذکر کرنے والوں کو بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال دیا تھا۔ [مطالعہ بریلویت: ۲۳۲/۳۔ ۳۶/۶، ۵۹] اور لکھتے ہیں:

''ایک سوال: اگر یہ عمل بدعت قرار پاتا ہے تو جو روایات اجتماعی حلقہ ذکر کے بارے میں ملتی ہیں، ان کا محمل پھر کیا ہوگا؟

جواب: ان حلقوں میں ہر کوئی اللہ کا ذکر اپنے طور پر کرتا تھا، ایک ایک کلمے کو مل کر نہ کہتے تھے، نہ ان میں کہیں ذکر بالجہر ہوتا تھا.....

صحابہ کا اجتماعی حلقہ یہی ہوتا تھا نہ کہ ہر ایک اونچی آواز سے ذکر کرے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۳۸/۶]

خلاصہ بحث:

گزشتہ صفحات وسطور کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب محمد بن علوی مالکی نے اور ان کی پیروی میں جناب صوفی محمد اقبال صاحب مرحوم نے جو متنازعہ افکار واعمال اختیار کیے تھے، حضرت علامہ صاحب کی نظر میں وہ سب اہل سنت سے الگ اور دائرہ ''بریلویت'' میں شمار ہوتے ہیں۔ اِس حوالے سے حضرت علامہ صاحب کو قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی

عبدالوحد رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد تھا، اِس لیے دونوں بزرگوں کے چند انتہائی مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علوی مالکی صاحب نہ صرف کٹر بریلوی ہیں بلکہ فنافی البریلویت ہیں۔[آپ کے مسائل: ۱۰/۱۲۲]

''ان عقائد کے ہوتے ہوئے انہوں نے مکی مالکی سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا ہے۔تو صوفی محمد اقبال صاحب کا بھی روح شریف کی حاضری کے متعلق وہی عقیدہ ہوگا جو مکی مالکی کا ہے۔ان حالات میں اگر صوفی محمد اقبال صاحب کو مکی مالکی کا مرید و خلیفہ ہونے کی بناء پر بریلوی کہا جائے تو کیا اس حقیقت سے انکار ہوسکتا ہے؟'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۲۱۵]

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب موصوف سے تعلق زیادہ رہا ہے۔آپ عصری فتنوں کے خلاف ہیں اور مجاہدانہ مزاج رکھتے ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ وہ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کے زیر اثر آہستہ آہستہ دیوبندی تحقیقی مسلک سے ہٹتے جا رہے ہیں۔''

[تحفظ عقائد اہل سنت: ۳۸۵]

''جناب صوفی محمد اقبال صاحب' مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی کے شیخ و مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ نے بھی بجائے حضرت حاجی صاحبؒ کے عمل کے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ کے مسلک وموقف کو ہی حق اور صواب تسلیم کیا ہے۔تو اس کے باوجود صوفی صاحب وغیرہ حضرات اگر مولانا مکی مالکی کے مسلک ومشرب کو صحیح اور قابل اتباع قرار دیتے ہیں۔تو انہوں نے اپنا راستہ اکابر دیوبند سے جدا کرلیا ہے۔''

[تحفظ عقائد اہل سنت: ۲۴۲]

فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''محمد علوی مالکی صاحب کے ان عقائد کو دیکھنے سے اس بات کو جاننا اور اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے یقیناً خارج ہیں۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۱۲۰]

''صوفی اقبال صاحب کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اور خلفاء جن کا صوفی اقبال صاحب سے خاص تعلق تھا، مثلاً: مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب اور حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ، ان سب نے بھی صوفی صاحب کے ساتھ موافقت کی اور نتیجہ میں یہ سب حضرات راہِ راست سے بھٹک گئے۔[تحفظ عقائد اہل سنت: ۱۲۳]

(تفصیلات کے لیے دیکھیے: کتاب تحفظ عقائد اہل سنت)

علوی مالکی افکار کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اور علوی مالکی سے وابستہ اشخاص کے حوالے سے حضرت قائد اہل سنتؒ اور حضرت مفتی عبدالواحد صاحبؒ کی عبارات ہم نے نقل کردی ہیں، اَب اگر کوئی شخص اِس سے ہٹ کر کوئی رائے یا نظریہ رکھتا ہے تو اتنی بات یقینی ہے کہ اِس معاملے میں اُس کا تعلق اِن بزرگوں کے ساتھ قطعاً نہیں ہے۔نہ ہی وہ ان کے طریق پر ہے۔

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کے رجوع کا قصہ:

ممکن ہے بعض حضرات کے ذہن میں مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب کے رجوع کا کوئی تذکرہ ابھرے تو اس سلسلے میں ہم عزیزم مولانا حمزہ احسانی کی ایک تحریر پیش خدمت کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مرحوم بھی دنیا سے چلے گئے، کسی مسلمان کے دنیا سے جانے کے بعد ہمیں اُس کی ذاتی اور شخصی خامیوں اور انفرادی کوتاہیوں سے زبان وقلم کو بند رکھنے کا حکم ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا غیر شرعی عمل یا نظریہ متعدی ہو تو وہ اِس سے مستثنٰی ہے۔...... اِس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا مرحوم نے جناب صوفی محمد اقبال مرحوم کے زیر اثر شیخ محمد بن علوی مالکی کے غلط افکار ونظریات کی جو تائید وحمایت کی تھی، اُس سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں آخر دم تک رجوع نہیں کیا، مولانا کا یہ طرز یقیناً نا قابل قبول اور لائق ترک ہے۔ نئے قارئین کی معلومات کے لیے ہم اختصار کے ساتھ اس کی حقیقت پیش کرنا چاہیں گے۔

شیخ محمد بن علوی مالکی اور جناب صوفی محمد اقبال مرحوم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ: ''عرس، میلاد، تعیین وقت کے ساتھ ایصال ثواب وغیرہ کا اہتمام علمائے دیوبند کا مسلک ومشرب ہے۔'' مولانا ہزاروی مرحوم نے اُن کے اس دعویٰ کی پرزور تائید ان الفاظ کے ساتھ کی: ''(نہ صرف علمائے دیوبند بلکہ) چودہ سو سالہ محققین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہی ہے۔''

اُس وقت کے اکابر اہل سنت دیوبند (مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا یوسف لدھیانوی، مولانا عبد الشکور ترمذی، مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا مفتی عبدالواحد رحمہم اللہ وغیرہم) نے ان حضرات کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے اکابر اہل سنت دیوبند کو ان بدعات سے پاک قرار دیا۔ مولانا ہزاروی مرحوم نے محققین اکابر کی بات تسلیم کرنے کے بجائے صوفی محمد اقبال مرحوم کا ہی ساتھ دینے کو پسند کیا۔ سات (۷) سال بعد جب جناب صوفی محمد اقبال صاحب کی وفات ہوگئی، تب مولانا نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور کہا: ''میں علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہر چیز کو غلط سمجھتا ہوں اور اس سے رجوع کرتا ہوں۔''

مولانا مرحوم نے اِس ملفوظ میں کوئی نئی بات نہیں فرمائی، نہ ہی یہ جملہ اُن کے فکر ونظر میں کسی رجوع یا تبدیلی کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ جو موقف انھوں نے جناب صوفی محمد اقبال مرحوم کے زیر اثر اختیار کیا تھا، اُسے بھی مولانا نے ''علمائے اہل سنت دیوبند کا مسلک'' ہی قرار دیا تھا۔ لہٰذا مولانا کی دونوں تحریریں ملانے سے اِس کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا کہ: مولانا پہلے سے جو موقف اپنائے ہوئے تھے، اَب بھی اُسی پر قائم ودائم ہیں، اور اُس کے خلاف ہر چیز کو غلط قرار دے کر اس سے رجوع کر رہے ہیں۔ ایں چہ بو العجبی است

لہٰذا مولانا سے بجا طور پر اس وضاحت کا مطالبہ کیا گیا کہ: مذکورہ بالا معاملات میں آپ کے نزدیک علمائے دیوبند کا مسلک وہ ہے جو صوفی اقبال مرحوم وغیرہ نے علمائے دیوبند کی طرف منسوب کیا تھا،؟ یا آپ حضرت گنگوہی، تھانوی، مدنی، سہارنپوری وغیرہ کے اختیار کردہ موقف کو مسلک دیوبند سمجھتے ہیں جس کی ترجمانی حضرت امام اہل سنت، حضرت قائد اہل سنت، حضرت شہید اسلام وغیرہ نے فرمائی؟

لیکن مولانا نے آخر دم تک اِن معاملات میں نہ اکابر دیوبند کے حقیقی مسلک کو صراحتاً درست قرار دیا، نہ کبھی اپنے رسالے،

بیان وغیرہ میں اکابر اہل سنت دیوبند کا یہ مسلک بیان کیا۔ اور نہ ہی علوی مالکی افکار کی تغلیط اور اس سے براءت کا واضح اظہار فرمایا۔

ان حقائق کے اظہار پر بعض احباب سیخ پا ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ لڑنے جھگڑنے کی نہیں، سمجھنے سمجھانے کی بات ہے۔ ۸، ۱۰ سال تک احباب سے ہم مسلسل گزارش کرتے رہے کہ آپ ہی مولانا سے کسی طرح معلوم کرلیں کہ عرس، میلاد وغیرہ کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مسلک ہے کیا؟ لیکن کرنے کا یہ کام، نہ وہ کر سکے، نہ کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ شیخ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے جب یہی بات مولانا ہزاروی مرحوم سے دریافت کی تو مولانا ہزاروی نے اس وقت بھی اس حوالے سے اپنا نظریہ ظاہر نہیں کیا۔ ہم یہ سمجھنے سے آج تک قاصر ہیں کہ مولانا مرحوم کو ان معاملات میں اپنا نظریہ پوشیدہ رکھنے کی آخر مجبوری کیا تھی؟

”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کے ناشرین کی خیانت:

عنوان سے مطابقت کے پیش نظر شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعض صاحبزادگان کی علمی خیانت اور اپنے والد اور اُن کے مسلک و مشرب سے لاپرواہی کو بھی اِس اشاعتِ خاص کے ذریعہ تاریخ کا حصہ بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ فتنہ علوی مالکی اور پاکستان میں اس کے اثرات ظاہر ہوئے تو جن اکابر اہل سنت دیوبند نے اس فتنے کا تعاقب کیا، اُن میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ اور اُن کی اہمیت اِس لیے بھی زیادہ ہے کہ وہ بھی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اور انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں علوی مالکی افکار کو اکابر اہل سنت دیوبند کے نظریات کے خلاف اور بدعتی افکار قرار دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”میں آج بھی علوی مالکی کو بریلوی عقیدہ کا حامل اور مبتدع سمجھتا ہوں۔ میں نے آج تک اُس کی شکل نہیں دیکھی اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بدعت و ہویٰ کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتا ہوں۔“ [آپ کے مسائل: ۱۰/۲۲۶، قدیم]

حضرت لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریرات میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تحریرات کا نہ صرف حوالہ دیا بلکہ کئی صفحات نقل بھی فرمائے، حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی یہ تحریرات اُن کی زندگی میں ”ماہنامہ بینات“ وغیرہ میں اور اُن کی شہادت کے بعد ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی دسویں جلد کا حصہ بنی تھیں۔ لیکن افسوس کہ حضرت لدھیانوی کے جانشین مولانا سعید احمد جلال پوری رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد حضرت لدھیانوی کے بعض صاحبزادگان نے مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے وہ تمام تحریرات اپنے والد محترم کی کتاب سے خارج کر دیں۔ چنانچہ ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ کی موجودہ طباعت میں یہ تحریرات شامل نہیں ہیں، جو یقیناً ایک بڑی علمی خیانت اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور خون سے غداری اور بے وفائی کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ تمام تحریرات ہم نے ”تحفظ عقائد اہل سنت“ میں شامل کر دی ہیں، وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۳۲......۱/۱۱۷۔ [ادارہ])

حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات کے موقع پر بندہ نے عرض کیا کہ اِس کتاب [تحفظ عقائد اہل سنت] پر آپ کی تائید

بھی چاہیے، اور اِس فتنہ کے حوالے سے کوئی چیز اگر اِس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں، یا کوئی چیز آپ کو ضرورت سے زائد اور محض بھرتی معلوم ہو تو اس سے بھی آگاہ فرمادیں، تو فرمایا: اَب اِس وقت تو یہاں گاڑی میں ملاقات ہو رہی ہے، اِن شاء اللہ اگلی ملاقات میں اِس حوالے سے بات کریں گے، میری کتاب مطالعہ بریلویت کی آخری دو جلدوں (یا ایک جلد کا فرمایا) میں اِس حوالے سے مواد موجود ہے، مَیں ان شاء اللہ آپ کو بھی مہیا کروں گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس وعدے پر یہ ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی، لیکن پھر بندہ عارضہ قلب میں مبتلا ہوگیا، اس کے بعد حضرت برطانیہ جا چکے تھے، آئندہ سال ان کی پاکستان تشریف آوری کے موقع پر مختلف عوارض کی وجہ سے حاضری نہ ہوسکی، اور گزشتہ ماہِ رمضان میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مقربین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور اُن کے علوم وفیض سے جملہ اہل اسلام کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

مجلّہ صفدر کے دستیاب خاص نمبرات اور اہم مضامین

حقیقت میلاد نمبر......میلاد کے بارے میں اکابر اہل سنت کی تحریرات کا مفید مجموعہ......ش:۸۲...... قیمت:50

گوشۂ خاص......بیاد: شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ......ش:۱۳/۱۲...... قیمت:30

گوشہ خاص......مشاجرات صحابہ اور اہل سنت کا مسلک اعتدال......مولانا مجیب الرحمٰن......شمارہ:۸۶، قیمت:25

گوشہ خاص......''صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد'' چند اعتراضات کا جائزہ......مولانا مفتی عبدالواحد......ش:۹۰

مولانا زاہد الراشدی اور عمار خان ناصر کے نام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا مکتوب گرامی......ش:۴۴......35

مولانا راشدی کی الشریعہ اور عمار خان سے براءت: حقیقت کیا ہے؟......ش:۶۲/۶۱/۶۰...... قیمت:75

غامدی کا جوابی بیانیہ، از: شکیل عثمانی......ش:۶۴...... قیمت:25

آئینِ محمدی اور قانون غامدی......مولانا عبدالحق خان بشیر......شمارہ:۸۵...... قیمت:25

اہل یورپ کی قیامت تک دنیا پر حکومت، خدائی فیصلہ یا غامدی خواہش؟......مولانا احسن خدامی......شمارہ:۹۲

حدیث کلابِ حوأب اور قاضی طاہر ہاشمی کی تحقیق پر نظر، از: مولانا مجیب الرحمٰن......ش:۶۵ تا ۷۵...... قیمت:150

اَفکارِ علوی مالکی: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی رائے اور مولانا نثار حسینی کی ناانصافی......ش:۴۷

عریضہ بخدمت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، بابت عقیدہ امامت اور مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ......ش:۸۳...... قیمت:۲۵

عقیدہ امامت اکابر اہل سنت کی نظر میں (پچیس سے زائد اکابر اہل سنت کے حوالہ جات)......ش:۸۳

مسئلہ ختم نبوت اور شیعہ، ادارہ لولاک کی خدمت میں......حافظ محمد عدیل عمران......شمارہ:۹۳......

مودودی جماعت کی پانچ بنیادی گمراہیاں......مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری......شمارہ:۸۸......

ہم اپنے ہاتھوں سے مدارس کو اُجاڑ رہے ہیں......شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ......شمارہ:۹۵

مولانا خادم حسین بدر

مولانا احمد رضا خان اور رضا خانیت علامہ صاحب کی نظر میں!

حدیث مبارکہ میں آتا ہے:"**اذکروا محاسن موتاکم**".اپنے فوت شدگان کی خوبیاں بیان کرو،اس حدیث کے پیش نظر ہم ایسی شخصیت کا تذکرہ کریں گے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے انتہا خوبیوں سے نوازا تھا۔میری مراد بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود نور اللہ مرقدہ ہیں جن کے بارے میں حضرت علامہ علی شیر حیدریؒ شہید فرماتے تھے کہ: موجودہ دور میں اِس سرزمین پر اگر کسی کو علامہ کہلوانے کا حق ہے تو وہ علامہ خالد محمود صاحب ہیں۔علامہ صاحبؒ کی بے انتہا خوبیوں میں سے یہ خوبی بھی واضح تھی کہ جب بھی مناظرہ کی ضرورت پڑتی، علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیار ہوتے تھے اور میدان مناظرہ میں ان کی گرفت سے فریق مخالف ساکت ہو کر رہ جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو ایسا مستحضر علم دیا کہ کہیں بھی کسی عنوان پر بیان، گفتگو یا مناظرے کی ضرورت پڑ جاتی تو آپ فوراً میدان میں پہنچ جاتے تھے۔آپؒ کی یہ خوبی دوسرے مسلک والوں کو بھی تسلیم ہے، رضا خانی عالم پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

''دیوبندی عالم ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی مؤلف مطالعہ بریلویت و آثار الحدیث وغیرہ کے سامنے یوں ساکت وصامت ہو کر رہ گئے ہیں کہ اب ان کی حالت قابل دید ہی نہیں قابل رحم بھی ہے۔یقین نہ آئے تو مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ سے چھپنے والی تحذیر الناس طبع دوم کا مقدمہ پڑھیے جس میں ڈاکٹر خالد محمود نے پیر صاحب کو لاجواب کر کے رکھ دیا ہے۔ڈاکٹر خالد محمود نے آپ کو پھر گرفت میں لے لیا اور ایسا گرفت میں لیا کہ جواب کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔[علمی محاسبہ] **والفضل ما شهدت به الأعداء**

ہر دَور کے اہل حق علماء ومشائخ کی طرح حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی زندگی بھر باطل فرقوں کی سرکوبی کے لیے قلمی جہاد کا فریضہ سرانجام دیا ہے، اِس اعتبار سے آپ کا شمار امت مسلمہ کی محسن ہستیوں میں ہوتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون کے بارے میں:

مجلّہ ''صفدر'' کی انتظامیہ کی جانب سے بندہ کو جس عنوان پر مضمون تحریر کرنے کا کہا گیا ہے، وہ ہے: ''مولانا احمد رضا خان اور رضا خانیت، علامہ صاحب کی نظر میں''۔اختصار کے ساتھ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کی روشنی میں باحوالہ چند گزارشات پیش خدمت کرنا چاہوں گا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر باطل فرقوں کی طرح اِس دور کے اہل بدعت کا بھی بھرپور علمی تعاقب فرمایا، اور اُن کے عقائد واعمال کے گہرے جائزے اور تبصرے کے ساتھ ساتھ اُن کی تاریخ وسرگذشت بھی پوری طرح بیان فرمائی ہے،

کیونکہ کسی بھی فرقہ کے عقائد و افکار کے لیے اس کی تاریخ سے واقفیت ایک لازمی چیز ہے۔اس حوالے سے تمام تفصیلات اور تاریخی وعلمی مباحث کے لیے تو حضرت علامہ صاحب کی مشہورِ زمانہ کتاب ''مطالعہ بریلویت'' کا مطالعہ ناگزیر ہے۔البتہ مذکورہ بالا عنوان کے تحت چند گزارشات ہم زیرِنظر تحریر میں قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

بریلویت کیا ہے اور بریلوی کسے کہتے ہیں؟ علمائے اہل سنت دیوبند اور علمائے بریلی کے مابین اختلاف کی نوعیت کیا ہے اور یہ کس درجے کا اختلاف ہے؟ آیا یہ اختلافات بنیادی اور اُصولی ہیں یا محض ضمنی اور فروعی؟ نیز علمائے بریلی نے جن نظریات کو سینے سے لگا رکھا ہے، اُن کے بارے میں اکابر اہل سنت دیوبند کی رائے کیا ہے؟ اور خود بریلویوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ اُن کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں علامہ صاحب کی رائے کیا ہے؟ زیرِنظر مضمون میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کی روشنی میں اِنہی سوالات کا جواب پیش کیا جائے گا۔لیکن جواب سے قبل دو بنیادی چیزیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

دو بنیادی باتیں:

(۱) پہلی یہ کہ کسی بھی فرقہ وگروہ کے شرعی حکم سے متعلق اُن علماء کی رائے اور فتویٰ معتبر ہوتا ہے جنھیں فقہ وفتویٰ کے ساتھ ساتھ اُس گروہ سے بھی گہری واقفیت حاصل ہو۔لہٰذا جن اکابر اہل سنت نے بریلویوں کی کتب بینی اور عوام الناس میں پھیلے افکار و اعمال کی جانچ پڑتال میں زندگیاں کھپائیں، ملت بریلویہ کے بارے میں اُنہی کی رائے قابل قبول ہوگی۔اُن کے علاوہ دیگر اہل علم کا علمی وروحانی مقام اپنی جگہ،لیکن فرقہ بریلویہ کے حوالے سے اُن کی رائے یقیناً محتاجِ تحقیق ہوگی۔

(۲) دوسری بات یہ کہ کسی بھی فرقہ کے عقائد و افکار اور اُن کی تشریح وتوضیح میں اُس مسلک کے اُن علماء کی بات قابل توجہ ہوتی ہے جو اُس مسلک کے ''مسلکی ترجمان'' سمجھے جاتے ہیں۔سیاسی، علمی یا دعوتی میدان میں شہرت حاصل کرنے والے حضرات چاہے اپنی نسبت کسی مکتبِ فکر کی طرف کرتے رہیں،لیکن اُس مکتبِ فکر کی ''فکری ترجمانی'' کا حق اُنھیں حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا مسلکِ اہل سنت دیوبند کی ترجمانی کے لیے مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور مولانا علامہ خالد محمودؒ کے مقابلے میں مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا زاہد الراشدی جیسے لوگوں کے حوالے پیش کرنا یا ان کا اعتبار کرنا مسلک اہل سنت دیوبند کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔اِسی طرح فرقہ بریلویہ میں ماضی قریب کے مولانا محمد عمر اچھروی، مفتی احمد یار گجراتی وغیرہ کے بجائے بریلوی افکار وآراء میں مفتی محمد شفیع اوکاڑوی بریلوی اور مولانا انس نورانی کے حوالے دینے سے بعض حضرات کے بے جا شوقِ اتحاد کی تسکین اور اور سیاسی مقاصد کی برآوری تو شاید ہو جائے لیکن علم وتحقیق اور دیانت وانصاف کے تقاضے کسی طرح پورے نہیں ہوسکتے۔

بریلویت کا تعارف:

تاریخ کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ ملت بریلوی کے بانی مبانی جناب مولانا احمد رضا خان صاحب ہیں، جنھوں نے انگریزی حکومت کی خواہش پر علمائے اہل سنت دیوبند کی مخالفت شروع کی، اور اسی مخالفت پر ہی بریلویت کا مدار رہے۔لیکن رفتہ رفتہ احمد رضا خان صاحب نے نہ صرف اعمال بلکہ عقائد وافکار میں اپنی راہیں اہل سنت بلکہ بعض معاملات میں اہل اسلام سے جدا کرلیں۔حتیٰ کہ ''اپنے مذہب'' کو تمام چیزوں سے اہم اور ضروری قرار دے دیا۔چنانچہ حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر پاک و ہند میں ایک تحریک اُٹھی، اس تحریک سے اسلام کے قلعہ میں ایسا شگاف پڑا کہ دیکھتے دیکھتے ہندوستان کے سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے دو ٹکڑے ہو گئے، تکفیر کی ایسی آندھی چلی کہ راہ دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اہل سنت کے دو طبقوں میں نہ صرف رسمی اختلافات اُٹھے بلکہ کفر و اسلام تک کے فاصلے قائم ہو گئے اور وہی کچھ ہوا جو برٹش انڈیا میں انگریز چاہتے تھے، ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو!'' اس سے کون واقف نہیں۔ اس تحریک کے بانی مولانا احمد رضا خاں (متوفی: ۱۹۲۱ء) گزرے ہیں، آپ کی نصف صدی کی جدوجہد سے پاک و ہند کے اہل سنت مسلمان دو ٹکڑوں میں بٹ گئے اور ایسے بٹے کہ آئندہ کہیں وہ ایک ہوتے نظر نہیں آتے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۶۲/۱]

''بانس بریلی ہندوستان کے ایک صوبہ یوپی کا ایک شہر ہے، جہاں مولانا احمد رضا خاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایک مذہب ترتیب دیا اور اپنے پیروؤں کو اس پر چلنے کی وصیت کی: ''میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔'' وصایا شریف: ۸۔ اسی نسبت سے اس مذہب کو بریلوی مذہب کہتے ہیں۔ بریلوی مذہب کا صحیح تعارف وہ عقائد و نظریات ہیں جو مولانا احمد رضا خاں سے ایک خاکہ مذہب کی صورت میں آگے چلے۔ اور ان کے پیروؤں نے ان کے التزام سے اپنے آپ کو باقی امت سے علیحدہ کانٹوں کی باڑ پر لا کھڑا کیا اور اب تک اسی درخت کے کڑوے پھل امت کے کام و دہن کو تلخ کر رہے ہیں۔''... ''بریلوی صرف وہی لوگ ہیں جو مولانا احمد رضا خاں سے اپنی نسبت جوڑتے ہوئے اپنے سوا باقی سب امت کو کافر سمجھیں۔... بریلویت کی حقیقت یہی ہے، مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی عددی اکثریت جتلانے کے لیے ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے لگے جو دوسروں کو کافر قرار دینے کی رضاخانی کارروائی سے قطعاً متفق نہ تھے، مگر گھروں میں عام رسم و رواج کی پابندی اور بدعات کے اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے تھے۔ یہ لوگ بدعتی تو ہو سکتے ہیں لیکن بریلوی نہیں۔ بریلویت کا مدار مولانا احمد رضا خان کی اصولی نسبت پر ہے۔ یہ بریلویوں کی حیلہ سازی ہے کہ غیر بریلوی بدعتیوں کو اپنے ساتھ شامل بتلا کر ان کو بھی، اپنے آپ کو بھی اور عام لوگوں کو بھی بریلوی اکثریت کا مغالطہ دیتے ہیں۔'' [ایضا: ۱۹/۱]

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو محض چند رسموں کے عادی ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے ہیں۔...... بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب انھوں نے مولانا احمد رضا خاں کی کتابیں دیکھیں تو برملا کہہ اُٹھے کہ ہمارے تو یہ عقائد نہیں۔ ہم تو یونہی اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے رہے۔ یقین کیجیے بریلوی مسلمانوں میں پانچ فیصدی سے زیادہ نہ ملیں گے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۴۷/۱]

''صدیوں کی ابتدا تھی، مشرق کی سیاست میں مسلمانانِ ہند ترکوں کا ساتھ دے رہے تھے، انگریز ترکوں کے خلاف تھے، برصغیر میں عجیب کشمکش تھی۔ اس وقت مسلمانوں میں سخت اتحاد کی ضرورت تھی، ایسا اتحاد جس میں کوئی رخنہ نہ پڑ سکے۔ بریلی سے مولانا احمد رضا خان اٹھے اور آپ نے دو کام سرانجام دیئے۔ مسلم ممالک میں ترکی سب سے طاقت ور تھا اور پورے یورپ پر اس کا رعب تھا۔ ''اعلیحضرت'' نے ایک نازک دور میں ''دوام العیش'' کے نام سے مستقل رسالہ لکھا اور مسلمانوں کو بتایا کہ خلافت ترکوں کا حق نہیں۔...... مولانا احمد رضا خاں نے دوسرا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو ایک نئے اختلاف سے روشناس کیا، ایک نیا اختلاف چھیڑا، ایسا اختلاف جو اختلاف اتحادِ ملی کی ہڈیاں توڑ دے، ایک خدا، ایک رسول، ایک قبلہ اور ایک کتاب کے ہوتے ہوئے مسلمانوں میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کر دے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا دے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۲۸/۲]

''اس زمانے کے بریلوی ابتداءً صرف بدعت فی الاعمال کے ملزم تھے۔ بدعت فی العقائد سے اہل السنۃ والجماعۃ سے نہ گئے تھے، لیکن تعصب، بے جا ضروریات دین میں تاویل اور امتداد زمانہ نے ان میں سے بہت کو اب بدعت فی العقائد کے محاذ پر لا کھڑا کیا ہے۔'' ...... ''تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء حق اہل السنۃ والجماعۃ سے مکمل علیحدگی کے لیے اپنے طریقے کو ایک نئے دین و مذہب کے طور پر پیش کیا اور ان کے معتقدوں اور شاگردوں نے ان کے بعد اپنے عقائد کے ایسے محاذ بنا لیے کہ بریلوی جماعت مستقل طور پر اہل السنۃ والجماعۃ سے کٹ گئی۔'' [مطالعہ بریلویت: ۱۱۲/۵]

''مولانا احمد رضا خان پہلے شخص ہیں جنھوں نے باقاعدہ دعوت دی کہ: ''میرے دین و مذہب پر چلو۔'' اسلام کی چودہ صدیوں میں ایک ایسا مسلمان نہ ملے گا جو لوگوں کو اپنے دین و مذہب پر چلنے کی دعوت دیتا ہو۔...... آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ شریعت کی پیروی تو حتی الامکان کریں مگر ان کے مذہب کی پیروی کو سب سے بڑا فرض جانیں۔'' [ایضا: ۳۰/۲]

بانی فرقہ بریلویہ کے حوالے سے دیکھا جائے تو حقیقی معنی میں بریلوی کہلانے کے حق دار صرف وہ لوگ ہیں جو احمد رضا خان صاحب کے عقائد و افکار سے پوری واقفیت رکھتے ہوئے اُن سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ اور ایسوں کا تناسب، جیسا کہ علامہ صاحب کی تحریر سے ظاہر ہے پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔

لیکن عقائد و افکار سے ہٹ کر جن عملی بدعات اور رسوم و رواج کو احمد رضا خان صاحب نے سند جواز فراہم کی، اُن میں ملوث و شامل لوگ بھی اپنی نسبت فرقہ بریلویہ کی طرف کرتے ہیں، بلکہ عرف عام میں ہر اس شخص کو بریلوی ہی تصور کیا جانے لگا ہے جو رسوم و رواج میں اکابر اہل سنت دیوبند کا طریقہ چھوڑ کر اہل بدعت کا عمل اختیار کر لے۔

بریلویت کی طرف منسوب افراد کی اقسام:

چنانچہ رضا خانی یا بریلوی گروہ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے لوگ مختلف اقسام کے ہیں:

۱۔ جو بعض اُصولی عقائد و ضروریات دین میں اہل اسلام سے بالکل جداگانہ رائے رکھتے ہیں۔

۲۔ جن کے غلط عقائد' اسلام کے بنیادی عقائد سے تو نہیں ٹکراتے، لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمات سے الگ افکار و تشریحات پر اُنھیں بہر حال اصرار ہے۔ حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''اہل بدعت دو قسم کے ہیں: ایک اہل بدعت تو وہ ہیں جو مولانا احمد رضا خاں کی پیروی میں عقائدِ خمسہ کے داعی اور بدعاتِ عشرہ پر ضد کیے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو دیکھا دیکھی بھیڑ چال میں بدعتیوں کا ریلہ بن گئے ہیں۔'' [مطالعہ: ۷۳/۵]

عقائدِ خمسہ اور بدعاتِ عشرہ:

حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

بریلویت کا عام تعارف چند عقائد اور چند اعمال سے ہے، جو اس ریلے میں آ گیا وہ بریلوی سمجھا جاتا ہے، گو اس نے بانی مذہب مولانا احمد رضا خان کا نام بھی نہ سنا ہو۔ بریلی سے اس راہ میں آنے والا بریلوی ہے اور ریلے کے طور پر اس بھیڑ میں شامل ہونے والا ''ریلوی''۔ بریلوی ہوں یا ریلوی، عام لوگوں میں ان کا تعارف ان پانچ عقائد سے ہوتا ہے، اسی طرح چند اعمال ہیں

جن سے یہ قوم عام لوگوں میں متعارف ہوتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان کے دین و مذہب کے پانچ ارکان یہ ہیں:

۱۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خدائی اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو تفویض (عطا) کر رکھے ہیں۔ اَب دنیا کا یہ سارا نظام حضرت پیرانِ پیر ہی چلا رہے ہیں۔ بس اب اپنی ضروریات میں انہی کو پکارو اور حاجات میں انہی سے مانگو۔

۲۔آنحضرتؐ حقیقت میں انسان نہ تھے، صرف ظاہری شکل میں بشر تھے، اندر سے نُور تھے، اور خدا کے نور میں سے نور تھے، نورٌ من نور اللہ، قرآن شریف میں جو آپ کو بشر کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں۔

۳۔آنحضرت ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، کسی ایک جگہ پر نہیں، ہر آن ہر جگہ بالفعل موجود ہیں اور آپ ہر چیز کو خود دیکھ رہے ہیں، کوئی چیز آپ سے مخفی نہیں۔

۴۔اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو علم غیب کی چابی عطا کر رکھی ہے کہ غیب کی کوئی بات جب چاہیں بلا کسی کے بتلائے جان لیں۔ اسے یہ عطائی علم غیب کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ایک جزئیہ میں وہ موقع پر اعلام الٰہی کے محتاج ہوں۔

۵۔آنحضرتؐ مختارِ کل ہیں۔ کائنات میں جب چاہیں اور جو چاہیں آپ کر سکتے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پورے اختیارات دے رکھے ہیں، جس طرح چاہیں کائنات میں تصرف فرمائیں۔

عقائد میں بریلوی ان عقائد خمسہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور اعمال میں بدعاتِ عشرہ سے ان کا تعارف ہوتا ہے۔

۱۔ان کی اذانوں میں صلاۃ وسلام کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۲۔اذان سنتے یہ اپنے انگوٹھے چومتے ہیں آنحضرتؐ کا نام لیتے وقت۔

۳۔نماز جماعت کے لیے تکبیر قد قامت الصلوۃ سے پہلے کھڑا ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

۴۔فرض نمازوں کے بعد یہ مل کر بہ آوازِ بلند کلمہ پڑھتے ہیں۔

۵۔آنحضرتؐ کے تصور میں کھڑے ہو کر تعظیمی قیام کرتے ہیں۔

۶۔ان کے ہاں مسجد میں گیارہویں کا ختم ہوتا ہے۔

۷۔ہر سال میلاد النبی کا جلوس نکالتے ہیں۔

۸۔مزاراتِ اولیاء کرام پر سالانہ عرس کرتے ہیں اور بڑے بڑے چڑھاوے ساتھ لاتے ہیں۔

۹۔کھانا سامنے رکھ کر ختم کے لیے قرآن پڑھتے ہیں اور ڈکار لیتے ہیں۔

۱۰۔نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا مانگتے ہیں۔'' [مطالعہ بریلویت: ۶۳/۵، ۶۴]

جب بریلوی کہلوانے یا سمجھے جانے والے سب لوگوں کے عقائد و افکار یکساں نہیں تو لامحالہ سب کا شرعی حکم بھی یکساں نہیں ہوگا۔ اسی لیے اکابر اہل سنت دیوبند کے معتدل و متصلب حضرات نے بطور فرقہ بریلویوں کو اسلام سے خارج یا کافر قرار نہیں دیا۔ بلکہ اُن عقائد و افکار کی شرعی حیثیت واضح کی اور انھیں اپنانے والے کا حکم بیان کیا ہے۔ اگرچہ افراط و تفریط کی جانبوں میں

لڑھک جانے والے بعض افراد نے تمام بریلویوں کے کفر وارتداد کے فتاویٰ بھی جاری کیے اور دوسری طرف بعض حضرات نے دیوبندی بریلوی اختلاف کو نہ صرف فروعی بلکہ ''لفظی اختلاف'' قرار دیتے ہوئے تمام بریلویوں کو ''اہل السنۃ والجماعۃ'' میں داخل و شامل قرار دے دیا، جس کے رد میں دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارن پور کو فتویٰ جاری کرنا پڑا کہ بریلویوں کو اہل سنت کہنا صریح گمراہی ہے۔ لیکن معتدل و منصف اکابر اہل سنت خصوصاً بریلوی عقائد و افکار اور فتاویٰ و اصول فتویٰ سے گہری واقفیت رکھنے والے اکابر اہل سنت دیوبند نے افراط و تفریط کی ان دوراہوں کے درمیان اعتدال کی رائے اختیار کی۔

بریلوی اَفکار، اکابر اہل سنت کی نظر میں:

اسلام میں عقیدہ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ذات، صفات اور عبادات میں وحدہ لاشریک تسلیم کیا جائے۔ مخصوص خدائی صفات (جنھیں ''صفاتِ لازمہ'' کہا جاتا ہے۔) کو غیر اللہ کے لیے تجویز کرنا توحید کے منافی اور کفر و شرک کی بات ہے۔ اور ایسے عقیدہ کے کفریہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''شرک کی اساس: ہر مذہب کی اساس عقائد پر ہوتی ہے، اعمال ان کی روشنی بنتے اور پھیلتے ہیں۔ بریلوی عقائد کی تہہ میں آپ کو شرک کا نہایت گہرا کنواں ملے گا اور ان کے اعمال بدعت اندھیروں میں کھانے پینے نذر و نیاز کے گرد دائرے بناتے نظر آئیں گے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۵۵/۳]

''یہ عقائد بتلا کر بریلوی علماء اپنے عوام کو شرک کی اس وادی میں لے جاتے ہیں جہاں سے کوئی شخص ایمان کی سلامتی کے ساتھ واپس آتا نہیں دیکھا گیا۔'' [مطالعہ بریلویت: ۵۴/۵]

''علماء حق نے اس باب میں ہمیشہ حق سے کام لیا ہے، کبھی مداہنت نہیں کی، کفر کو ہمیشہ کفر بتلایا اور اسلام کو اسلام کہا۔ علماء دیوبند نے کبھی غیر اسلام کو اسلام میں جگہ نہیں دی، نہ انہوں نے کبھی دین کے دائرے میں کسی بدعت کو داخل ہونے دیا۔ **شکر الله مساعيهم وانجز دواعيهم**...... مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر ناظر نہ سمجھنا چاہیے ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا۔'' [فیوض قاسمیہ: ۴۸]...... مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: ''فخر عالم علیہ السلام کو مجلس مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اور باعلام اللہ جاننا ہے تو شرک نہیں ہے، ورنہ شرک ہے۔'' [فتاویٰ رشیدیہ: ۱۰۳]...... حضرت گنگوہیؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب غیب کو جانتے ہیں، شرک قبیح جلی ہوئے گا...... پس ایسا عقیدہ والا مشرک ہوا...... جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دُور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب تو خود کفر ہے...... یہ عقیدہ کہ آپ کو علم غیب تھا، صریح شرک ہے۔''

[مطالعہ بریلویت: ۶۶/۵]

''بریلویوں کے کفری عقائد کو علمائے دیوبند نے ہمیشہ کفر کہا ہے: انبیاء علیہم السلام کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا کفر ہے، اسے علماء دیوبند نے.... کفر کہا ہے۔ بشریت النبی کے انکار کو بھی سب نے کفر کہا ہے۔ اللہ کے ماسوا کے لیے علم غیب کا اقرار یہ بھی سب کے نزدیک کفر ہے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۶۷/۵]

''حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی) علیہ الرحمۃ کی شان میں یہ عقیدہ اختراع کرتے ہیں کہ عیاذاً باللہ خدا نے ان کو مثل اپنے بلکہ اپنے سے بڑھ کر بنا دیا جو حقیقتاً کفر صریح ہے۔''
فتاویٰ امدادیہ:۶/۷۷۔'' [مطالعہ بریلویت:۶۹/۵]

معلوم ہوا کہ بریلوی علماء ومشائخ جن افکار کو جانتے بوجھتے سینے سے لگانے پر بضد ہیں، انھیں دائرہ اسلام میں جگہ دینے کی کوئی گنجائش، اکابر اہل سنت دیوبند کے ہاں نہیں ہے۔ اِسی سے دیوبندی بریلوی اختلافات کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اور اُن حضرات کی غلطی کا صریح ہونا بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دیوبندی بریلوی اختلاف محض فروعی یا لفظی اختلاف ہیں۔

بریلوی اَفراد، اکابر اہل سنت کی نظر میں:

بریلویوں کے عقائد خمسہ اور بدعاتِ عشرہ وغیرہ اور بریلویت کی طرف منسوب لوگوں کی مختلف اقسام کے پیش نظر اکابر اہل سنت دیوبند کی اعتدال والی رائے یہی رہی ہے کہ اِن خلافِ اسلام عقائد کو بلا تاویل اپنانے والے تو اسلام کے دائرے میں شمار نہیں کیے جاسکتے۔ اِسی طرح اِن عقائد کے انکار کے لیے اجماع امت کے خلاف کوئی تاویل اختیار کرنے والے بھی حدودِ اسلام سے باہر شمار ہوں گے۔ مولانا احمد رضا خان کے بارے میں علامہ صاحب لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خان کا انکارِ ختم نبوت:

مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات کے بعد پھر سے رسالت کا آغاز ہوگا، یہ کہو کہ وہ شیخ عبدالقادر کا تابع بھی ہوگا۔'' [حدائق بخشش:۲/۲۷] اِس عقیدے میں دو کفر لپٹے ہوئے ہیں، ایک ختم نبوت کا انکار، دوسرا یہ کہ ولی نبی سے افضل ہوسکتا ہے۔ [ایضاً:۲/۳۰۶]

احمد رضا کا شعر ؎

میں مالک ہی کہوں گا کہ جو مالک کے حبیب
کیونکہ محبوب و محبّ میں نہیں تیرا میرا

اس شعر کے قائل پر حضرت تھانویؒ نے مشرک اور خارج از اسلام کا فتویٰ دیا ہے۔ [ایضاً:۹/۷۰]

''احمد رضا شیعیت کی حمایت میں نادِ علی کے بہت قائل تھے، اور مدد کے لیے حضرت علیؓ کو پکارتے تھے، یہ ان کے ہاں ایمان کی جان تھی، اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا نادِ علی کا مضمون شرک ہے، اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ [مطالعہ بریلویت:۹/۷۱]

''اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بتائیں کہ یہ طبقہ مسلمان نہیں اور یہ انگریز کی سازش تھی کہ اسلام اور سنی کے نام پر یہ سامنے آجائیں۔'' [مناظرے اور مباحثے:۳۵]

البتہ محض بدعات کے مرتکب یا مناسب تاویل کرنیوالوں پر فتویٰ کفر نہیں لگایا جائے گا، بلکہ انھیں اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی وگمراہ قرار دیا جائے گا۔ حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں:

’’بریلوی جماعت مستقل طور پر اہل السنۃ والجماعۃ سے کٹ گئی۔‘‘ [مطالعہ بریلویت: ۱۱۲/۵]

’’ساٹھ علمائے کرام نے بالاتفاق فیصلہ دیا کہ مولانا احمد رضا خان اور اُن کے پیرو ہرگز اہل سنت نہیں۔ اور جو شخص ان کے عقائد جانتے ہوئے انھیں اہل سنت کہے وہ سخت گناہ گار ہے کہ اس نے دانستہ بدعت کو سنت کہا اور اہل بدعت کو اہل سنت کہا۔‘‘ [مطالعہ بریلویت: ۲۴/۲]

’’حضرت تھانویؒ دونوں کو حق سے ہٹا ہوا اور بدعت میں جکڑا ہوا سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: اہل بدعت کی دو قسم ہیں: بریلوی اور رریلوی۔ الکلام الحسن: ۱۰۴/۲۔ [مطالعہ بریلویت: ۷۳/۵]

’’ہم صرف ان کے عوام کو واپس عقائد اہل سنت پر لانا چاہتے ہیں۔...... ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت کے عقیدے سے نکلی ان بھولی بھالی بھیڑوں کو پھر سے اہل السنۃ والجماعۃ میں داخلہ نصیب فرمادے۔‘‘ [مطالعہ بریلویت: ۵۴/۵]

اکابر اہل سنت دیوبند کے فتاویٰ وعبارات کی روشنی میں علامہ صاحب کے اختیار کردہ موقف سے یہ واضح ہے کہ تمام بریلوی اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی تو ضرور ہیں۔ اور جانتے بوجھتے مناسب تاویل کے بغیر عقائد خمسہ اپنانے والوں کا حکم اِس سے بھی بڑھ کر ہے۔

بریلویوں کے پیچھے نماز کا حکم:

حضرت علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ بریلویوں کے بارے میں عمومی طور پر فتوی کفر احتیاطاً نہیں ہے، لیکن اُن کے خطرناک عقائد کے پیش نظر اُن کے پیچھے نماز پڑھنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔ الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

’’چونکہ ان کو عام طور پر انہی عقائد پر پایا جاتا ہے اور انہی کی وہ دن رات تبلیغ کرتے ہیں تو اس پس منظر میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔‘‘ [مطالعہ بریلویت: ۴۷/۵]

ان (حضرت نانوتویؒ) کے ہاں جب یہ عقیدہ کفر ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جس کا یہ عقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی، سو علی الاطلاق یہ کہنا کہ دیوبندیوں کی نماز ہر بریلوی کے پیچھے ہو جاتی ہے، غلط ٹھہرتا ہے، اس میں خاصی تحقیق کی ضرورت ہے، عام بات یہ ہے کہ نہیں ہوتی۔ [۶۶/۵]

دیوبند کے شیخین کریمین (حضرت نانوتویؒ وگنگوہیؒ) نے مذکورہ بالا بریلوی عقیدوں کو واضح طور پر کفر قرار دیا ہے، یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بریلوی مذہب نہ بنا تھا، نہ منضبط تھا، اس لیے یہ حضرات اس پر بطور فرقہ حکم کفر نہ دے سکے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بریلوی جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ کفر کے زد میں نہیں آتے اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (استغفر اللہ) [مطالعہ بریلویت: ۶۷/۵]

اللہ تعالیٰ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جوارِ رحمت جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

☆......☆......☆......☆

نعمان محمد امین، کراچی

ڈاکٹر خالد محمودؒ اور مرض بریلویت

وقت تحریر حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان نہیں لیکن حضرت علامہ صاحبؒ کا علمی سرمایہ کسی چراغ کی مانند جہالت اور بدعات سے اندھیروں میں روشنی کا سبب بنے گا۔ فرقِ باطلہ خصوصاً ردِ بدعات اور ردِ بریلویت پر دو لوگوں کا کام سند کا درجہ رکھتا ہے:

۱۔ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ۲۔ محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی ۸؍جلدوں پر محیط مطالعہ بریلویت ردِ بدعات پر کام کرنے والوں کے لیے ’’بائبل‘‘ ہے، جس کے ذریعہ حضرت علامہ صاحبؒ نے اہل بدعت کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اہلِ بدعت کے ہر عقیدے کے خلاف حوالہ جات پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ اندازہ ہو کہ کس طرح حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے اہل بدعت کے مرض کی تشخیص کی ہے۔ (دیکھیے: ۲؍۵۹۴۔ [ادارہ])

۱۔ مسئلہ علمِ غیب:۔

بریلوی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم حاصل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعین وقت قیامت کا بھی علم ملا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمس کا علم ہے، جملہ مکتوبات قلم ومکتوبات لوحِ محفوظ اور روزِ اول سے روز آخر تک تمام ما کان، وما یکون مندرجہ لوحِ محفوظ اور اس سے بہت زیادہ علم ہے۔ [خالص الاعتقاد: ۷؍احمد رضا خان بریلوی]

بریلویوں کے اس عقیدے کا رد علامہ صاحبؒ نے اپنی کتاب مطالعہ بریلویت کی جلد ۵؍ سے صفحہ ۲۸۳؍ سے ۴۳۴؍ تک با حوالہ کیا ہے، ایک حوالہ یہ ہے: ’’حضرت خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کوئی چیز نہ کھاتے جب تک معلوم نہ فرما لیں وہ کیا ہے‘‘۔ سنن نسائی: ۲؍۱۹۷۔ [مطالعہ بریلویت: ۵؍۳۹۰]

صحاح ستہ کی ایک مختصر سی حدیث نے ہی بریلوی عقیدے کے اس ستون کو گرا دیا۔ جن سے متعلق اہل بدعت عالم غیب کا دعوی کرتے ہیں وہ ہستی تو خود اتنی احتیاط فرماتی تھی کہ جب تک جان نہ لیں کہ کیا کھلایا جا رہا ہے نہ کھاتے۔ کیا عالم الغیب کو بھی کسی چیز کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے؟

۲۔ مسئلہ حاضر وناظر:۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات ہر جگہ حاضر وناظر ہے جب کہ بریلویوں کا عقیدہ یہ ہے کہ

ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے۔ [جاء الحق: ۱۶۹، مفتی احمد یار نعیمی]

بریلویوں کے اس عقیدے کا رد ڈاکٹر علامہ صاحبؒ نے مطالعہ بریلویت جلد ۵ رصفحہ ۲۵۵ رسے ۲۸۱ رتک کیا۔ اس میں سے ایک حوالہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ کے چچازاد بھائی حضرت مابورؓ تھے، مصری رواج کے مطابق ان کا حضرت ماریہؓ کے ہاں آنا جانا رہتا تھا، منافقین نے اسے کچھ اور رنگ دے دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی خیال ہوا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مابور کے قتل کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؓ نے مابور کو قتل نہ کیا بلکہ آپ ﷺ کو آ کر بتایا کہ مابور مرد نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**الشاھد یریٰ مالا یری الغائب. [مسند احمد، اسناده ثقات، البدایه: ۳۰/۵]** ترجمہ:۔ جا کر دیکھنے والا وہ چیز دیکھ لیتا ہے۔ جسے غائب نہیں دیکھ رہا ہوتا۔'' اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے لیے ''غائب'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور حضرت علیؓ کے لیے شاہد کا، جو وہاں گئے تھے اور صورت حال دیکھ آئے تھے۔ **فکف علیّ عنه ثم اتی النبیﷺ فقال یا رسول الله انه لمجبوب.** [صحیح مسلم: ۲/ ۳۶۸] ترجمہ: پس حضرت علیؓ اس سے رُک گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ وہ تو مرد نہیں۔ اس حدیث نے بریلوی تمبو سے دوسرے بانس کو بھی گرا دیا۔ بریلوی آپ ﷺ کو حاضر و ناظر کہتے ہیں، جبکہ آپ ﷺ اپنے آپ کو غائب فرما رہے ہیں!

۳۔ مسئلہ مختار کُل:۔

بریلویوں کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختارِ کُل مانتے ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کچھ بھی، چنانچہ بریلویوں کے امام احمد رضا صاحب لکھتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں ہیں''۔

[حوالہ برکات الامداد: ۸]

بریلویوں کے اس عقیدے کا رد حضرت علامہ خالد محمودؒ نے مطالعہ بریلویت کی جلد ۵ رکے صفحہ ۴۳۹ رسے ۵۲۸ رتک کیا ہے۔ انہی حوالہ جات میں سے ایک درج ذیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا'' اے رسول برحق کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا۔ اے میری بیٹی فاطمہؓ! مجھ سے میرا مال جو تو چاہے مجھ سے مانگ لے۔ اللہ کے ہاں میں تیرا ذمہ دار نہ ہو سکوں گا۔ بخاری: ۲/۷۰۲، مسلم: ۲/۱۱۴ [مطالعہ بریلویت: ۵/۴۶۹، ۴۷۰]

اب بخاری اور مسلم کی صحیح وصریح حدیث کے بعد بھی کوئی ضد کرے تو اس کا کیا علاج؟

۴۔مسئلہ نور و بشر:۔

بریلویوں کا چوتھا عقیدہ یہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور مانتے ہیں اور بشر ماننے اور کہنے کو کفریہ عقیدہ کہتے ہیں۔

[۱]۔فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ نے ہر چیز میرے ہی نور سے پیدا فرمائی۔[صلاۃ الصفاء، مندرجہ، مجموعہ رسائل: ۱/۳۷، مولانا احمد رضا خان]۔[۲]۔انبیاء کو بشر کہنا حرام ہے۔[جاء الحق، مفتی احمد یار: ۱۶۵]

اس عقیدے کا رد علامہ صاحبؒ نے مطالعہ بریلویت جلد ۵/ کے صفحہ ۲۰۱/ سے ۲۵۴/ تک کیا ہے۔انہی بیسیوں حوالوں میں سے ایک نقل کیے دیتا ہوں۔اللہ رب العزت قرآن پاک میں فرماتے ہیں: ’’کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو دے اسے کتاب، حکم اور نبوت اور وہ لوگوں کو کہے تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر‘‘۔پارہ:۳/ آلِ عمران: ۷۹۔[مطالعہ بریلویت: ۵/۲۴۹]

بہر حال یہ تو بریلویت کے چند بنیادی عقائد کے رد کا ایک ایک نمونہ (Sample) تھا۔حضرت علامہ صاحبؒ کی مطالعہ بریلویت کی ۸/ جلدیں ایسے کئی حوالہ جات سے بھری پڑی ہے۔

اپنے قارئین چاہے عالم ہوں یا نیم عالم، ایک بات کہنا چاہوں گا کہ آپ کو اپنی روزمرہ زندگی میں ہر طرح کے انسان سے پالا پڑتا ہے۔پھر چاہے وہ شیعہ ہو، بریلوی ہو، غیر مقلد ہو، مماتی ہوں، منکر حدیث ہو، غرض جو بھی ہو جب وہ آپ کے سامنے اپنے مسلک کی تبلیغ کرے تو آپ کے پاس اس زہر کا تریاق ضرور ہونا چاہیے۔اس کے لیے موجودہ زمانہ کے تین حضرات کی تحریرات کا مطالعہ ضروری ہے:

۱۔امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ۲۔امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

۳۔محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

ان شاء اللہ ان کی کتابوں کے مطالعے سے اور کتابوں میں موجود حوالہ جات کا عشر بھی ذہن نشین ہو جائے کوئی باطل و گمراہ آپ کو زیر نہیں کر پائے گا۔بلکہ آپ اوروں میں ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں اکابر اہل سنت دیوبند کے علمی سرمائے کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور ان کی تحریرات سے مستفیض ہونے اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بننے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)

☆......☆......☆......☆

مروجہ مجالس ذکر اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

ذکر بالجہر کی اجتماعی مجالس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا واضح موقف

حضرت رحمہ اللہ کی اپنی تحریرات کی روشنی میں! (مجلّہ صفدر، شمارہ ۶۷)

مولانا حافظ مومن خان عثمانی: ڈپٹی سیکرٹری جمعیت علماء اسلام ضلع مانسہرہ

علامہ صاحب رحمہ اللہ فتنہ بریلویہ کے تعاقب میں

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ وہ نابغہ روزگار شخصیت تھے جن کی تمام زندگی دین اسلام کی نشر واشاعت، اسلامی تعلیمات کی خدمت اور اسلام کی صحیح روح کو مسخ کرنے والے فتنوں کے تعاقب میں گزری ہے، آپ نے دلائل کے میدان میں اکابر علماء حق یعنی علماء دیوبند کے علوم وافکار کی روشنی میں ہر فتنہ کا مقابلہ کیا، آپ دارالعلوم دیوبند کے وہ نامور سپوت تھے جنہوں نے باطل فتنوں کا علمی انداز میں ایسا توڑ کیا کہ مقابل کو سوائے شکست کے اور کوئی راہ نہ سوجھی، آپ تحریر وتقریر دونوں میدانوں کے شہسوار تھے، آپ ایک حاضر جواب اور دندان شکن جواب دینے والے مناظر بھی تھے۔

بہرحال علامہ خالد محمودؒ نے اس طرح حاضر جوابی سے مدمقابل مناظر کو ہمیشہ اپنے علمی دلائل اور حاضر جوابی سے بدحواس کر کے میدانِ مناظرہ سے بھاگنے پر مجبور کیا، علامہ صاحب کو مختلف ادیان اور مختلف مکاتب فکر کے عقائد ونظریات پر مکمل عبور حاصل تھا، وہ جب کسی فتنہ کے خلاف قلم اُٹھاتے تھے تو چاروں طرف سے اس کو اپنے مضبوط دلائل سے زمین بوس کر کے چھوڑتے تھے، علامہ صاحب نے متعدد جلدوں میں مطالعہ بریلویت کے نام سے بریلی مکتبہ فکر کا ایک لازوال تجزیہ پیش کیا ہے، جس میں ان کے تمام عقائد واعمال کو قرآن وحدیث اور اکابرین امت کے طرز عمل سے پرکھا ہے، انہوں نے ثابت کیا ہے کہ برصغیر میں انگریز کی آمد سے قبل ان کا نام ونشان تک نہ تھا یہ فرنگی دور کی سوغات ہیں، انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ اختلاف شروع میں درحقیقت سیاسی اختلاف تھا، جو انگریز سرکار نے اپنے مفادات کے لئے شروع کروایا تھا، پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا۱۹۱۹ء) جب شروع ہوئی تو مسلمان اگر چہ بہت کمزور تھے، مگر ان میں خلافت عثمانیہ موجود تھی، انگریزوں نے ترکی کی خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا اور شریف مکہ کو خلافت عثمانیہ سے بغاوت پر آمادہ کیا تو دیگر مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے مسلمان بھی خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے لئے دامے درمے سخنے میدان میں کود پڑے، فرنگی حکومت نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے اور ان میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے ایک گروہ پیدا کیا جو شریف مکہ کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والے علماء اہل سنت دیوبند تھے، جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کا مقابلہ کیا تھا، اس لئے ان کے خلاف بھی اس گروہ نے عوام کو بدظن کرنے کے لیے اپنا کام شروع کر دیا، اس گروہ کے بانی مولانا احمد رضا خان بریلوی تھے جنہوں نے ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ہندوستان میں جہاد کی حرمت کا فتویٰ صادر کیا اور اس کے ساتھ موصوف نے خلافت کو صرف قریش کے ساتھ مخصوص کرنے کی تگ ودو شروع کر دی کہ ترکی کا عثمانی خاندان چونکہ قریش نہیں، لہٰذا ان کی خلافت جائز ہی نہیں ہے، یعنی انہیں خلافت کرنے کا کوئی حق نہیں، اس مقصد کے لئے موصوف نے ''دوام العیش فی الائمۃ من

القریش'' کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا، اس میں لکھا کہ ''مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ،لہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں'' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ترکوں کے خلاف ایک فتویٰ مرتب کیا گیا جس میں ان کی تکفیر کی گئی تھی، جو حرم مکہ میں حضرت شیخ الہند کے سامنے دستخط کے لئے پیش کیا گیا تو حضرت شیخ الہند نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا جس پر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو اپنے چار شاگردوں سمیت گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا گیا، ۱۹۱۷ء میں مجلس معید الاسلام کا ایک وفد وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا بقول انگریز مورخ ''پی ہارڈی'' اس وفد میں عبدالماجد بدایوانی، ولایت حسین آلہ آبادی، احمد رضا خان بریلوی اور لکھنؤ کے دو چوٹی کے مجتہد شامل تھے، فرانس رابنسن لکھتا ہے کہ

''آپ کا عام موقف سلطنت برطانیہ کی حمایت کرنا تھا اور آپ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴......۱۹۱۹) کے دوران سلطنت برطانیہ کے طرف دار رہے، آپ نے تحریک خلافت کی مخالفت کی اور ۱۹۲۱ء میں (اپنی زندگی کے آخری سال میں) تحریک ترک موالات کے خلاف (حکومت کے حامی) علماء کی ایک کانفرنس بلائی، آپ کا عام لوگوں (یعنی جاہلوں) پر اچھا خاصا اثر تھا، لیکن تعلیم یافتہ طبقہ آپ کو پسند نہ کرتا تھا''۔

یہیں سے ہندوستان میں بریلوی دیوبندی اختلافات کا آغاز ہوا جو ابتداً سیاست سے شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ایک مذہبی صورت اختیار کرتے چلے گئے، کچھ ہی عرصہ بعد شریف مکہ کو آل سعود نے مار بھگایا، انگریزوں نے اس کی طرف سے کوئی مدافعت نہ کی، لیکن ہندوستان میں اس گروہ کا کھل کر ساتھ دیا اور اسے ایک فرقہ بنانے میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے، فرنگی سرکار کی حمایت اور اس کے مخالفین علماء اہل سنت دیوبند اور دیگر مجاہدین حریت کے خلاف اس گروہ کی اچھی خاصی خدمات ہیں، لیکن میرا موضوع وہ پانچ عقائد ہیں جو علماء بریلوی نے گھڑ کر اہل السنۃ والجماعۃ کے برخلاف راستہ اختیار کر کے امت مسلمہ میں پھوٹ ڈال کر ایک گروہ کو گمراہی کی طرف گامزن کر دیا۔

(۱)......غیر اللہ سے مدد مانگنا:

پہلا مسئلہ جس میں بریلویوں نے امت مسلمہ سے جدا راستہ اختیار کرتے ہوئے توحید کی عمارت میں رخنہ ڈالا وہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد مانگنے کے لئے اسلام کے عقیدہ توحید میں شرک کی تاریک راہیں بچھانا، قبروں سے فریاد رسی کرنا اور اپنی دنیوی مشکلات ومصائب میں انبیاء واولیاء کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا ہے۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ بے شمار نصوص قطعیہ سے اس عقیدے کا بطلان ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو شخص ضرورت کے وقت کسی مخلوق کو مافوق الاسباب پکارتا ہے اور اسے اپنا فریاد رس اور حاجت روا جانتا ہے وہ یقیناً اسے اللہ رب العزت کے ساتھ شریک کر رہا ہے، کیونکہ یہ مقام صرف ایک ''الٰہ'' کا ہے کہ بندے اُسے مافوق الاسباب اپنی مدد کے لئے پکاریں۔ یہاں بریلوی عوام عقیدہ اہل سنت سے یکسر ہٹ جاتے ہیں جب ان کے علماء انہیں یہ راہ دکھاتے ہیں کہ فوق الاسباب ان لوگوں کو بھی آواز دے سکتے ہیں جو خود آج قبروں میں آرام فرما رہے ہیں اور وہ دور سے ان کی فریاد فوق الاسباب سنتے

ہیں، یہی وہ تاریک راہ ہے جو ان علماء نے اپنے عوام کو سمجھائی ہے، یہ علماء تو کوئی باریک سی تاویل کر کے خود اس سے نکل جاتے ہیں لیکن عوام تو ان باریک تاویلات کے متحمل نہیں ہوتے اور یہ لوگ انہیں اسی ورطے میں چھوڑتے ہیں جن میں آج سینکڑوں افراد محروم الایمان ہو کر قبروں میں جا رہے ہیں اور ان علماء کو ان پر کوئی رحم نہیں آتا، یہ ان کے جنازے بھی پڑھاتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ ہم ان کے کندھوں پر کفر و شرک کا کتنا بوجھ لاد کر انہیں اس دنیا سے رخصت کر رہے ہیں ...چاہئے تو یہ تھا کہ ہر دو فریق ان اختلافات میں اپنی کتب عقائد جیسے عقیدہ طحاوی، عقیدہ نسفیہ، مسائرہ، شرح فقہ اکبر، شرح مواقف، اور شرح مقاصد وغیرہا کی طرف رجوع کرتے اور نہایت سادہ الفاظ میں عقائد اہل سنت سامنے آتے، بریلویوں نے نئے سرے سے عقائد اہل سنت قائم کئے اور نئے سرے سے انہیں قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی مہمات شروع کیں، حالانکہ عقیدہ اہل سنت قدیم سے طے شدہ ہے اور کتابوں میں بار بار لکھا ہوا ہے۔''

اہل حق کے ہاں شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''اہل حق کے ہاں بندے کا جو معاملہ خدا سے ہونا چاہئے وہ کسی مخلوق سے کرنا شرک ہے۔

(۱) بندے کا یہ اقرار کہ جس طرح خدا خالق اور رازق ہے خدا کی عطا کردہ طاقت سے یہ قبروں والے بھی ہمارے خالق ورازق ہیں، یہ شرک ہے۔

(۲) انسان کے قریب ہر وقت ہونا اور اس کی ایک ایک بات کو سننا اس کے دل کی دھڑکنوں تک کو بلا اسباب جاننا اور پہچاننا یہ طاقت کسی مخلوق کو نہیں دی گئی، اس طرح یہ عقیدہ کہ انبیاء اور اولیاء ہر جگہ ہر وقت ہمارے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں یہ شرک ہے۔

(۳) یہاں انسان دوسرے انسان کی مدد ان اسباب کے ذریعہ کرتا ہے جو خدا نے پیدا کئے اور بندوں کو ان پر تصرف کا موقع دیا، لیکن ان سب اسباب سے بالاتر ہو کر کسی کی فریاد رسی کرنا یہ قبروں والوں کو نہیں دی گئی، غیب سے مدد کرنا صرف اللہ کی شان ہے، نبیوں اور ولیوں میں اس کی طاقت کا اقرار کرنا یہ انہیں خدائی مرتبہ دینا ہے۔

(۴) مصیبت کے وقت دفع مصیبت کے لئے کسی کو فوق الاسباب پکارنا یہ معاملہ صرف اللہ رب العزت سے ہونا چاہئے یہ عقیدہ توحید ہے اور ایسے موقعوں پر قبروں والوں کو پکارنا وہ دور سے ہو یا نزدیک سے ہو یہ شرک ہے۔

(۵) زمین وآسمان کے نظام کو، ستاروں کی گردشوں کو، زمین کی حرکتوں کو، رزق کی برکتوں کو ان قبروں والوں کے اختیارات میں سمجھنا اور ضرورت کے وقت ان سے مانگنا یہ شرک ہے۔

بریلوی علماء اپنے خود ساختہ عقائد کے لئے متشابہات اور کمزور روایات کا سہارا لیتے ہیں، جب وہ ترنم کے ساتھ اس قسم کی آیات یا کمزور اور من گھڑت روایات پڑھتے ہیں تو خود بھی جھومتے ہیں اور ان کے سامنے بیٹھے ہوئے ان پڑھ سامعین کی واہ واہ اور تحسین کے نعرے قابل دید ہوتے ہیں۔

شرک کیا ہے؟

(غیر اللہ سے مدد مانگنا) یہ پکار فوق الاسباب ہی وہ نقطہ اختلاف ہے جس پر مشرکین توحید کے قائلین سے جدا ہوتے ہیں دو خدا کے عنوان سے کبھی کوئی موحدین سے جدا نہیں ہوا، امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اب تک کوئی مشرک دو برابر کے خداؤں کا قائل نہیں گزرا، جو بھی شرک کی تاریک وادی میں گرا، بڑے خدا کے ایک ہونے کے اقرار کے ساتھ.... اور یہ اس طرح کہ اس نے تصور کرلیا کہ یہ اس کے چھوٹے معبود بڑے خدا کے عطائی قوتوں سے اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں وہ اپنے نفع ونقصان کی امیدیں ان سے لگائے رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ کوئی شرک نہیں کر رہا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان بزرگوں کو مصیبت زدگان کی مدد کے لئے پہنچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے اور ان کی پاک روحیں اس طرح فوق الاسباب مصیبت زدہ کی مدد کے لئے پہنچتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اسلام میں جس طرح عبادت کے لائق ہونا صرف اللہ رب العزت کی شان ہے، فوق الاسباب کسی کی مدد کو پہنچنا یہ بھی بس اسی کا کام ہے، قرآن پاک کی تعلیم ہے کہ عبادت بھی اسی ایک کی کریں اور فوق الاسباب مدد بھی صرف اسی سے مانگیں ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ہم تجھ ہی ایک کی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (فوق الاسباب) مدد مانگتے ہیں۔ بریلوی لوگ عبادت میں تو اقرار کرتے ہیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں لیکن قبروں سے مدد مانگنے اور نفع ونقصان کی امیدیں باندھنے میں وہ باقی مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں اور یہ شرک کی وہ گہری دلدل ہے جس میں یہ دھنستے چلے جارہے ہیں اور جو بھی انہیں اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرے اسے کہتے ہیں کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتا یہ قبر والوں کا بے ادب اور گستاخ ہے۔

اس حوالے سے علامہ صاحب نے بیشمار نصوص قطعیہ سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور پکارنے کے لائق نہیں ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے مضبوط دلائل سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مشرکین عرب اور بریلویوں کے شرک میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

(۱) دونوں خدا کو ایک ماننے کے مدعی ہیں اور آخر میں توحید کا اقرار کرلیتے ہیں۔

(۲) دونوں جب ضرورت کے وقت اللہ کے سوا اوروں کو اپنی حاجات اور تکلیفات میں مافوق الاسباب پکارتے ہیں تو انہیں اسی عقیدے سے پکارتے ہیں کہ یہ اللہ کی عطا کردہ قوتوں سے سے ہماری حاجت روائی کرتے ہیں۔

(۳) یہ بزرگ اب ہماری حاجات پوری کرنے میں اللہ کے محتاج نہیں، انہیں اب قدم قدم پر اللہ سے مانگنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کے دینے سے اب یہ ہمارے مستقل بالذات داتا ہیں۔

(۴) دونوں بشریت اور رسالت میں تنافی کے قائل ہیں، مشرکین عرب کہتے تھے بشر کبھی رسول نہیں ہوسکتا، اسی عقیدے پر وہ رسولوں کو ماننے سے انکار کرتے رہے أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا [سورہ التغابن] بریلوی کہتے ہیں رسول بشر نہیں ہوسکتا، رسول کوئی اور مخلوق ہونا چاہئے یا اسے خدا سے نکلا ہوا ماننا چاہئے (نور من نور اللہ) ان دونوں کے مقابل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے نہ برابر کا اور نہ کوئی اس کی عطا سے کائنات میں خدائی تصرفات کا مالک ہے۔

اس پر علامہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی بیشمار آیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے جن میں ایک اللہ کو پکارنے اس سے مدد مانگنے اور اس عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی نفی صاف اور واضح الفاظ میں کی گئی ہے۔

(۲) مسئلہ نور من نور اللہ:

بریلویوں کو اہل سنت سے جدا کرنے میں ان کا دوسرا عقیدہ مسئلہ نور ہے، اس میں ان کی پانچ غلطیاں ہیں۔

(۱) انہوں نے اللہ کو نور سمجھا رکھا ہے۔

(۲) اس نور الٰہی سے وہ نور محمدیؐ کا صدور مانتے ہیں۔

(۳) حضور نبی کریم ﷺ کو یہ ابتداء سے نور مانتے ہیں۔

(۴) سنت کو یہ نور نبوت نہیں سمجھتے۔

(۵) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وجود صرف نور کا ہے اندھیرا وجودی چیز نہیں عدم محض ہے۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ نور کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

عربی میں نور روشنی (Light) کو کہتے ہیں اور اس کا اپنا ایک جسم اور پھیلاؤ ہے، جن حدود تک دن پھیلا ہوا ہے، وہ روشنی ہے، اور جہاں یہ روشنی نہیں وہاں اندھیرا ہے، روشنی اور اندھیرے کا اپنا اپنا جسم اور پھیلاؤ ہے، روشنی کا ایک اپنا وجود اور جسم ہے، یا یہ کوئی کیفیت ہے جو کسی جسم پر اُترتی ہے، اس میں سائنسدانوں کا اختلاف ہے، فزکس physics میں light (روشنی) اور heat (گرمی) دو برابر کے موضوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نور نہیں کہہ سکتے کیونکہ نہ وہ جسم ہے اور نہ اس کا کوئی اپنا پھیلاؤ ہے، جسم ہونا اور پھیلاؤ رکھنا مخلوق کی صفات ہیں، خالق کی نہیں، اللہ تعالیٰ جسم یا جسمانی ہونے سے پاک ہے۔ پھر یہ روشنی جو مخلوق ہے دو قسم کی ہے: ظاہری اور باطنی، ظاہری روشنی اس دنیا میں سورج چاند ستاروں سے ہے اور باطنی روشنی فرشتوں ، انبیاء و مرسلین اور اولیاء اللہ کے ذکر و اذکار سے ہے، ظاہری روشنی نورِ ذات ہے اور باطنی روشنی نورِ صفات ہے۔ ایمان و عمل نورِ نبوت سے روشن ہیں، اس روشنی کا ظاہری روشنی سے کوئی تعلق نہیں، مجوس (آتش پرستوں) کی غلطی تھی کہ انہوں نے ظاہری روشنی (آگ) کو خدا سمجھ لیا اور اس کی پوجا کرنے لگے، ہندوؤں کی غلطی ہے کہ ان میں سے بعض اب تک سورج کو خدا اور چاند کو بڑا دیوتا سمجھتے ہیں کہ اس میں خدا جلوہ گر ہوا، باطنی نور کو ظاہری نور سے ملانا یہ ہنود اور مجوس کی غلطی تھی، بریلویوں نے خدا کو نور سمجھ کر وہی غلطی کی جو پہلے مجوس اور ہنود کر چکے ہیں حقیقت یہ ہے خدا نہ نور ہے نہ نورانی...نہ اس کا کوئی جسم ہے اور نہ وہ کسی کیفیت کا نام ہے، اگر اسے نور کہیں تو یا اسے جسم مانا جائے گا یا کوئی جسمانی کیفیت....اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے پاک ہے۔

اس کے بعد علامہ صاحب مرحوم تفصیل کے ساتھ **اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** کے معنی و مطلب کو محدثین و مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بریلویوں کی حالت یہاں قابل رحم ہے وہ اپنے نور من نور اللہ کے عقیدے کی خاطر اللہ کو بھی نور ذات مانتے ہیں اور حضور ﷺ کو بھی نورِ ذات، اور اگر کوئی کہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی نور ذات نہیں، نور تو اس کی صفت فعل ہے، تو تمہارا نورِ ذات سے نورِ ذات ہونے کا عقیدہ کہاں گیا؟ تو وہ یہاں آ کر بالکل بوکھلا جاتے ہیں اور ان کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔

اس آیت کے معنی میں مفتی احمد یار خان گجراتی کی بوکھلاہٹ اور خود ساختہ ترجمہ کا تذکرہ کرنے کے بعد علامہ صاحب لکھتے ہیں:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے اہل بدعت (جو اہل سنت ہونے کے مدعی بھی ہیں) اس الحادی عقیدے پر کیوں آ گئے؟ اور انہوں نے کیوں یہ عقیدہ اپنا لیا جو اہل سنت والجماعۃ کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس راز کو جاننے کے لئے آپ حضرات کو کچھ پیچھے لوٹنا ہوگا اور ہندوستان کی اس سیاسی فضا کے سائے میں اس بات کو سمجھنا ہوگا، جس میں مولانا احمد رضا خان اپنے اس نئے مذہب کو ترتیب دے رہے تھے اور تاکید فرما رہے تھے کہ میرے دین و مذہب کو جاننا اور اس پر چلنا تمام فرائض میں سب سے بڑا فرض ہے، انگریزوں کی آمد سے ہندوستان میں یہ مسئلہ پیدا ہوا، جاہل مسلمانوں نے اس عقیدے کو کہ اللہ نور ذات ہے انگریزوں سے دریافت کیا، عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور باپ کا نورِ ذات ہیں.... باپ بیٹے کی ذات ایک ہوتی ہے، مسلمانوں کے لئے نا قابل قبول تھا، اب یہاں انگریز حکومت نے ایک چال چلی حضرت عیسیٰ مسیح کے لئے نہ سہی مسلمان اپنے پیغمبر کے لئے ہی اگر اس عقیدے پر آ جائیں تو پھر انہیں حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر لانا اور نور من نور اللہ منوانا بہت آسان ہو جائے گا، انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے آپ کو ہندوستان میں اہل سنت کا ایک فرد بھی ایسا نہ ملے گا جو بشریت انبیاء کا منکر ہو یا حضور ﷺ کو اللہ کے نور ذات سے مان کر من نور اللہ کا عقیدہ رکھتا ہو۔ انگریز ہندوستان میں آئے تو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں علمی مسند پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا طوطی بول رہا تھا، ان کی علمی سلطنت سمرقند و بخارا سے لے کر مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے درس حدیث کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ تھے اور وعظ و تبلیغ میں آپ کے بھتیجے حضرت شاہ محمد اسماعیلؒ آپ کے جانشین تھے، تفسیر میں آپ کے نمائندے حضرت مولانا عبدالحیؒ تھے اور سلوک و طریقت میں حضرت سید احمد شہیدؒ آپ کے خلیفہ تھے۔ ان حضرات کے اقتدار علمی میں عیسائیوں کا نور من نور اللہ کا عقیدہ مسلمانوں سے منوانا خاصا مشکل تھا، اس کے لئے انگریز حکمرانوں اور عیسائی پادریوں نے دوہری چال چلی کہ اللہ کے نورِ ذات ہونے کا عقیدہ پھیلانے کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے خلاف کچھ اس قسم کی فضا پیدا کی جائے کہ جاہل مسلمان ان کی بات نہ سنیں اور ہندوستانی مسلمانوں میں ہمیں ایک ایسا طبقہ مل جائے جو پیغمبر اسلام کے بارہ میں اس عقیدے کا داعی ہو کہ آپ اللہ کے نورِ ذات سے بنائے گئے ہیں اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کے نورِ ذات سے پیدا ہونے اور نور من نور اللہ ہونے کا عقیدہ مسلمانوں کے سامنے لا کھڑا کیا جائے، اس صورت حال میں انہیں یہ عقیدہ سننے میں کوئی وحشت اور اجنبیت نہ رہے گی، تو پھر عقیدہ تثلیث کی گولی آسانی سے ان کے حلق میں اُتاری جا سکے گی اور تین میں ایک اور ایک میں تین کا مشنری عقیدہ انہیں

بآسانی منوایا جاسکے گا، بدایواں میں گیارہ روپے یومیہ سے ایک محفل منعقد کرائی جاتی تھی اور حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے خلاف فضا ہموار کی جاتی، یہ گیارہ روپے کن کو ملتے تھے؟ مولانا احمد رضا کے پیشرو مولانا فضل رسول بدایوانی کو ...تاریخ نے یہ شہادت محفوظ کرلی ہے.....آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو ہم ذاتِ الٰہی کا جزو نہیں سمجھتے ،جس طرح علماء حق نے اللہ کی ذات کے بارہ میں صاف لفظوں میں کہا ہے کہ وہ فوق الادراک ہے،ہم اس کی کنہہ کو نہیں پاسکتے ،حضور ﷺ کی ذات گرامی کے متعلق انہوں نے نہایت واشگاف پیرائے میں کہا کہ وہ بشر اور انسان ہیں ،رہا ان کا نور ہونا تو وہ نورِ ہدایت ہیں نورِ ذات نہیں ،ذات باپ بیٹے کی ایک ہوتی ہے،اگر حضور ﷺ ذاتاً انسان نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ آپ کی جملہ اولاد بھی جو آج ہزاروں سادات پر مشتمل ہے سب ذاتاً انسان اور بشر نہ ہوں اور اس کا قائل کوئی دانش مند آپ کو اسلام کی چودہ صدیوں میں نہ ملے گا۔علماء حق نے اسلام کی تیرہ صدیوں میں اسی عقیدے کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا ہے،صرف چودھویں صدی میں بریلویوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کے اس اعتقادی قلعے میں اس لئے شگاف کیا کہ انگریز حکومت کے سایہ تلے عیسائیوں کا عقیدہ الوہیت مسیح مسلمانوں کے لئے کوئی وحشت نہ بنا رہے۔اہل سنت کے ہاں آنحضرت ﷺ کا نور ہونا صرف اس معنی میں ہے کہ آپ ﷺ سے دوسروں کو روشنی ملی اور ظاہر ہے کہ یہ آپ کے نورِ ہدایت کا بیان ہے نورِ ذات کا نہیں۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ اس پر قرآن وحدیث،صحابہ کرام اور اکابرین امت کے اقوال سے کئی دلائل پیش کرکے حضور نبی کریم ﷺ کی بشریت کا اقرار ایمان کی صحت کے لئے شرط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی بشریت قرآن کریم کی نص قطعی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور صحابہ کرام کا اجماعی موقف کے مطابق ہے۔

(۳) حاضر وناظر کا عقیدہ:

تیسرا عقیدہ جس نے بریلویت کو امت مسلمہ کے متفقہ عقائد سے علیحدہ کیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کو بذاتِ خود ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر سمجھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے موصوف چلے آرہے ہیں ۔جس کی دلیل پیش کرتے ہوئے مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:

چاند سورج ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے،تو یہ صفت (یعنی ہر جگہ موجود ہونا) خدا کی کہاں ہوئی؟ اور تماشا یہ کہ اصحاب محفل میلاد (بریلوی حضرات) تو زمین کی ہر جگہ پاک وناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ نہیں کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک وناپاک کفر وغیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

مولوی عبدالسمیع رامپوری کے اس دجل وفریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

دیکھئے کیسے غلط مقدمات باندھے ہیں چاند سورج ہر جگہ موجود ہے... یہ غلط ہے،جہاں چاند ہے وہاں سورج نہیں، جہاں سورج ہے وہاں چاند نہیں، دونوں علیحدہ علیحدہ جرم ہیں، جہاں زحل ہے وہاں عطارد نہیں، جہاں عطارد ہے وہاں مریخ نہیں، جہاں

زید ہے وہاں بکر نہیں، یعنی جو جگہ زید نے گھیر رکھی ہے وہاں بکر نہیں، اشیاء مخلوقہ محدثہ میں سے کوئی بھی ہر جگہ نہیں، جہاں ایک چیز ہے وہ جگہ دوسری کی نہیں، مگر مولانا رامپوری ہیں کہ چاند سورج دونوں کو ہر جگہ موجود بتلا رہے ہیں، دونوں کا فیض عام ہو یہ اور بات ہے اور دونوں ہر جگہ موجود ہوں یہ ایک بالکل دوسری بات ہے ....پھر ان بریلویوں نے ابلیس کے ہر جگہ موجود ہونے اور ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے کو حضور ﷺ کے ہر جگہ موجود ہونے کے برابر سمجھ رکھا ہے، تبھی تو اس مقدمے میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''تو یہ صفت (ہر جگہ موجود ہونا) خدا کی کہاں ہوئی (یعنی ہر جگہ موجود ہونا خدا کی صفت نہیں ہے) یہ ساری محنت کس لئے ہو رہی ہے کہ خدا کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کس طرح نفی کی جا سکے، ہر جگہ موجود ہونا شیطان، ملک الموت اور انبیاء کرام کی صفت قرار دی جائے، مولانا عبدالسمیع نے تو ابلیس کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا تھا، مولانا احمد رضا خان نے تو کرشن کنہیا کو بھی سینکڑوں جگہ موجود اور حاضر و ناظر مان لیا، آپ فرماتے ہیں، کسی نے عرض کی حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا؟ شیخ نے فرمایا کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔ ان عقل کے اندھوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ اگر ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ جب مکہ میں تھے تو مدینہ میں نہیں تھے، مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد مکہ میں نہیں تھے، بدر تشریف لے گئے تو مدینہ میں نہیں تھے، اُحد تشریف لے گئے تو مدینہ میں نہیں تھے، تبوک تشریف لے گئے تو مدینہ میں نہیں تھے، اور جب کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں کسی کو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے، اگر حاضر و ناظر ہوتے تو کسی کو اپنی جگہ مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بریلوی علماء خود اس معاملہ میں بہت زیادہ تردد کا شکار نظر آتے ہیں، ان کا عقیدہ یہاں تضادات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مولانا دیدار علی الوری فرماتے ہیں کہ: لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظور باری تعالیٰ ہر وقت ولحظہ مراد ہے، تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے... یہ عقیدہ کسی جاہل و اجہل کا بھی نہ ہوگا۔

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں: ''اصحاب محفل میلاد تو زمین کی ہر جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے... ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک و کفر و غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

مولانا احمد سعید کاظمی ملتانی کہتے ہیں کہ: ہم آنحضرت ﷺ کو بجسدہ العنصری ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں مانتے، آپ حاضر و ناظر بالعلم ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ذرے ذرے کا آپ کو علم ہے اور آپؐ اس کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

ایک اور بریلوی پیر صاحب علماء (اہل سنت) دیوبند پر برستے ہوئے لکھتے ہیں: ''لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ بہتان تراش مارا کہ بریلوی حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ہر وقت عالم ما کان و ما یکون مانتے ہیں، حاشا اللہ اہل سنت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں۔''

اِن بے چاروں کی حالت قابل رحم ہے، جب اپنے عوام کے سامنے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں تو ہر جگہ اور ہر وقت

ہر حاضر وناظر کی رٹ لگاتے ہیں، لیکن جب علماء اہل سنت دیوبند کی طرف سے ان کے باطل عقیدہ کی گرفت ہوتی ہے تو وہاں پھر اس قسم کی تاویلات کر کے اپنی جان چھڑانے کی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اس باطل عقیدے کو قرآن وحدیث کے دلائل اور نبی کریم ﷺ کے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ یہ عقیدہ غلط اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ جب ایک جگہ موجود ہوتے تھے تو دوسری جگہ موجود نہ ہوتے تھے، کتب حدیث میں اس پر بے شمار واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں: بریلوی علماء خود بھی آپ ﷺ کو ہر جگہ حاضر اور موجود نہیں مانتے تبھی تو یہ ناظر ہونے کی تاویل اختیار کر رہے ہیں، ناظر ہونا عیسائیوں کی اصطلاح تھی، جسے اب بریلویوں نے اپنا رکھا ہے عیسائی لوگ نبی کا ترجمہ غیب دان کرتے تھے جب دیہاتی عورتیں کسی تلاش میں کسی نبی کے پاس آتیں تو آپس میں کہتیں چلو غیب دان کے پاس چلیں، نبی کا ترجمہ غیب دان کرنا اُن دنوں اُن (عیسائیوں) کا کام تھا اور اِن دنوں بریلویوں کا یہ محبوب مشغلہ ہے۔

(۴) انبیاء کو عالم الغیب سمجھنا:

چوتھا عقیدہ جس نے بریلویوں کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج کیا ہے وہ عقیدہ علم غیب ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو یہ طاقت دے رکھی تھی کہ غیب کی ہر بات ہر وقت جو چاہتے جب چاہتے کسی کے بتلائے بغیر خود جان لیتے تھے، بلکہ ان کا عقیدہ تو اولیاء کرام کے بارہ میں بھی یہی ہے کہ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، حالانکہ عالم الغیب والشہادہ صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز جو بندوں سے غائب ہے اور جو بندوں کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں، لفظ غائب جو کہا جاتا ہے یہ بندوں کی نسبت کہا جاتا ہے ورنہ کونسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں ہم اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب اپنی نسبت سے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے غائب ہے وہ اسے بھی دیکھنے والا ہے اور شہادت تو ہے ہی۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''غیب اور شہود میں ایک پردہ ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ پردہ اُٹھ جاتا ہے، یہ کشف ہے، کشف سے عالم غیب پردے میں نہیں رہتا، شہادت میں آ جاتا ہے، کشف سے غیب کی بات جاننے والے کو اس کا علم نہیں دیا جاتا، اس کا منظر دکھایا جاتا ہے، جسے دیکھ کر وہ اسے جان لیتا ہے، یہ غیب جاننا پردے کے اُٹھنے کے واسطہ سے ہے، علم دیئے جانے کی راہ سے نہیں، اطلاع علی الغیب اور کشف عن الغیب میں جوہری فرق ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

غیب کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ کے کئی صحابہ سے مروی ہے کہ غیب وہ ہے جو بندوں سے غائب ہو، یہ جنت اور دوزخ کے امور ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ''غیب اسے کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہو، اور یہ اس پر بولا جاتا ہے جو چیز ابھی ہونے والی ہو۔ اور شہادت سامنے ہونا کو کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: غیب کا لفظ ہر اس چیز کے لئے آتا ہے جو حواس سے

غائب ہو... کسی چیز کو غیب یا غائب بندوں کی نسبت سے کہا جاتا ہے، اللہ کی نسبت سے نہیں کیونکہ اس سے تو کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ غیب وہ ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو، پھر یہ دو قسموں پر ہے: نمبر ایک جس پر ظاہری دلیل دی جا سکے، دوم جس پر ظاہری دلیل قائم نہ ہو۔

علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: یہ صحیح ہے کہ پیغمبروں پر وحی آتی ہے اور انہیں بہت سی غیبی حقیقتوں پر مطلع کیا جاتا ہے اور وہ انہیں بناء بر اطلاع خداوندی بن دیکھے مانتے ہیں، ایمان بالغیب کی آسمانی خلعت ان پر اُترتی ہے اور انہیں اپنے بارے میں خدا کے بندے ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، اور ماغاب عن العباد کو وہ اطلاع خداوندی سے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں، یہ ان حضرات (انبیاء کرام) کا ایمان ہے اور یہ بن دیکھے ایمان ہے۔ اس بیان کی رو سے رسالت، عبدیت عباد سے بعض امور کا حساً غائب ہو جانا اور ان کا ان پر ایمان لانا، یہ سب حقیقتیں آپس میں متقارب اور مرتب ہیں، پیغمبر اگر بندے نہ ہوں اور کچھ امور ان سے غائب نہ ہوں تو وہ ایمان بالغیب کیسے پا سکیں گے؟ اور ان پر ان کا ایمان لانا کیسے ہو سکے گا؟ اور بنی آدم کو اپنی نبوت و رسالت کی کیسے دعوت دے سکیں گے؟ جب ایمان بن دیکھے ان حقیقتوں کو ماننا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائیں تو اگر انبیاء ان کو بن دیکھے ماننے والا نہ سمجھا جائے اور انہیں ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے تو کیا ان سے ایمان کی نفی نہ ہوگی؟ ایمان ہے ہی بن دیکھے ماننے کا نام۔ اور اگر ان سے کوئی چیز بھی غائب نہ ہو تو کیا ان کی عبدیت کی نفی نہ ہوگی؟ وہ ماغاب عن العباد کو ماننے والے کیسے قرار دیئے جا سکیں گے؟ سو علم غیب اور حاضر ناظر یہ وہ دو عقیدے ہیں جن سے بالآخر ان کی نبوت و رسالت اور پھر ان کے ایمان ہی کا انکار لازم آئے گا، جسے تسلیم کرنے والا شخص خود مسلمان نہ رہ سکے گا حالانکہ انبیاء کرام کو مومن ماننا ہر حال میں ضروری ہے۔

ایک غلط تاویل اور اس کا جواب:

اس بوجھ سے نکلنے کے لئے بعض بریلوی کہتے ہیں کہ بن دیکھے ایمان لانا یہ امت کی صفت ہے، پیغمبر سب کچھ دیکھ ایمان لاتے ہیں۔ علامہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ دیکھ کر ایمان لانا کوئی شئے نہیں، ایمان میں جس عالم غیب کو مانا جاتا ہے یہ وہی عالم غیب ہے جسے پوری امت نے چودہ سو سال ماغاب عن العباد قرار دیا ہے اور اسی کو ایمان سے متعلق کیا ہے۔ یومنون بالغیب میں اسی کا بیان ہے، دیکھ کر ماننا تو کوئی ماننا نہیں یہ تو مشاہدہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَوَلَمْ تُؤْمِنْ**؟ کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟.... ایمان کے بعد یہ دیکھنے کی طلب کیا؟ حضرت ابراہیم نے عرض کیا ایمان تو ہے ہی محض طمانیت قلبی چاہتا ہوں۔ اس واقعہ میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ ایمان ہوتا ہی وہ ہے جو بن دیکھے ہو۔

آنحضرت ﷺ نے بہت سے غیبی امور کی خبر دی ہے، آپ ﷺ کے غیبی اطلاعات گو کروڑوں ہوں، سب جزئیات ہوں گی، آنحضرت ﷺ نے غیب بطور کلیہ جاننے کا کبھی دعویٰ فرمایا ہے نہ اس وقت کے مسلمانوں (صحابہ کرام) نے کبھی اسے اپنے اعتقاد میں جگہ دی، بطور کلیہ آپ ﷺ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ غیب جاننے والا صرف اللہ ہے اور کوئی علم غیب نہیں رکھتا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''غیب کا مبدء اور اس کے متعلقات علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں، اس کے مبدء پر کوئی اطلاع نہیں رکھتا، وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل ہو۔ اور جو اس کے لواحق ہیں، یہ وہ خبریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اپنے لوح علم سے دی ہیں، اب یہ غیب مطلق نہ رہا غیب اضافی ہو گیا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب روح قدسی چمکے اور اس کی نورانیت اور روشنی عالم حدوث کی تاریکیوں سے بچ کر بڑھنے لگے اور طبیعت کے رنگ سے دل روشنی پانے لگے۔

علامہ صاحب نے قرآن وحدیث اور اکابرین امت کی تشریحات واقوال سے واشگاف طریقے سے بے شمار دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ علم دیا گیا وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں ہیں، چاہے وہ کروڑوں، اربوں اور کھربوں کی تعداد میں کیوں نہ ہوں، شریعت کی اصطلاح میں اسے ''علم غیب'' نہیں کہا جا سکتا۔ تمام تر دلائل بیان کرنے اور مسئلہ کی مکمل وضاحت کے بعد علامہ صاحب بریلویوں کی کج روی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بات میں ہرگز کوئی پیچیدگی نہیں، بریلویوں کی صرف ضد ہے، وہ خبر غیب اور علم وحی پر علی الاطلاق علم غیب کا لفظ بولتے ہیں اور جب انہیں کہا جائے کہ علم غیب خاصۂ باری تعالیٰ ہے تو اپنے پاس سے علم غیب کی ایک قسم عطائی علم غیب گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ علم غیب کی کوئی قسم نہیں۔ بریلوی ایسا کیوں کرتے ہیں؟ صرف شرک کی راہ ہموار کرنے کے لئے۔

(۵) مختار کل کا مسئلہ:

پانچواں مسئلہ جس کو بریلویوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کے برخلاف اپنا کر نیا مسلک کھڑا کیا ہے، وہ مختار کل کا مسئلہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اختیارات جیسے کن کہہ کر جہاں بنا دیا، آنحضرت ﷺ کو سونپ رکھے ہیں اور آپ ﷺ کائنات کے نظام چلانے میں مختار کل ہیں، بیماری، شفا، زندگی اور موت سب آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔

حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ ان کے اس باطل عقیدے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بریلویوں کے ہاں عقیدہ مختار کل کی وسعت کہاں تک ہے؟ ان کے ہاں یہ تکوینی امور اور تشریعی امور دونوں کو شامل ہے، تکوینی امور میں یہ یہاں تک آگے گئے ہیں کہ حضور ﷺ کو کن مکن کے سارے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تقدیر کے سارے فیصلے حضور ﷺ ہی کرتے ہیں، چاروں سمتوں میں ان کا عقیدہ مختار کل وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، بے اولاد کو اولاد دینا، بے روزگار کو روزگار دینا محتاج کو رزق دینا بیمار کو شفا دینا، نرینہ اولاد کے طالب کو لڑکا دینا، کسی کو لمبی اور کسی کو چھوٹی عمر دینا، زمین کا سکون اور زلزلہ، آفتاب و ماہتاب کا طلوع وغروب، بارش برسانا، کھیتوں کو اُگانا ان سب امور پر حضور ﷺ مختار کل اور اللہ کی قدرتوں کے مظہر ہیں۔ تشریعی امور بھی سب آپ کے اختیار میں ہیں، آپ جسے چاہیں نماز معاف کر دیں، جسے چاہیں روزے معاف کر دیں، اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیں اس میں آپ جسے چاہیں مستثنیٰ کر دیں، حلال وحرام پر بھی کا قبضہ ہے، جسے چاہیں اور جس کے لئے چاہیں کسی چیز کو حرام کر دیں اور جسے چاہیں جس کے لئے چاہیں اسے حلال کر دیں۔

علامہ صاحب بریلویوں کے خود ساختہ استدلالات اور ان کے دندان شکن جوابات کے بعد لکھتے ہیں:

علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ نے دین کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہی، جو کہی وحی سے کہی، وہ وحی جلی ہو یا خفی۔ آپ نے بدون وحی کوئی بات نہیں کہی، اگر کبھی اجتہاد بھی فرمایا تو وحی میں، اپنے اختیار اور اپنے تقاضے سے نہ کسی حلال کو حرام کیا اور نہ حرام کو حلال قرار دیا، نہ کسی عام کی کوئی تخصیص کی، نہ کسی حکم سے کسی کی تخصیص کی، دین کے بارہ میں جو کچھ بھی کیا اور جو کچھ بھی کہا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا قرآن کریم میں اس پر نص قطعی موجود ہے۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى.**

اس کے برعکس بریلوی عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دین کے کئی فیصلے اپنی طرف سے کئے، ان میں آپ کے پاس اللہ کا کوئی حکم موجود نہ تھا، آپ جس طرح چاہتے لوگوں سے دین کی ذمہ داریاں اُٹھاتے جاتے، اللہ نے آپ کو مختار کل ٹھہرایا تھا، اپنے کسی حکم کا پابند نہ کیا تھا.... اسلام میں قطعی الثبوت قرآن کریم اور حدیث متواتر ہے، ان سے جو حوالہ لیا جائے ضروری ہے کہ اس کی اپنی موضوع پر دلالت قطعی ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کی راہ نہ نکلتی ہو اور نہ کوئی اور احتمال پیدا ہو۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات کا مالک ہے، وہ اپنے اختیارات کبھی کسی کے سپرد نہیں کرتا، اس کے اختیارات میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس کا مختار کل ہونا (ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہونا) اسلام کے عقیدہ توحید کا ہی ایک پیرایہ ہے، اللہ کے فرشتے اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء اور رسل سب اس کے بندے ہیں اور مامور۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے قرآن پاک کی دس آیات سے بطور دلیل پیش کئے ہیں جن میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے، من جملہ ان میں سے سورہ اسرا کی آیت نمبر ۹۴ رہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور وہ [کافر مشرک] بولے کہ ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ بہا دو یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور تم اس کے اندر نہریں رواں کر دو اور یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو یا تمہارے لئے گھر ہو سونے کا یا تم آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھ جانے کو بھی نہ مانیں گے جب تک کہ تم ہم پر کتاب نہ اُتار دو جسے ہم پڑھ سکیں۔ آپ کہہ دیں پاک ہے میرا رب ہر کمزوری سے (یعنی وہ سب کچھ کر سکتا ہے) میں تو ایک انسان ہوں اللہ کا بھیجا ہوا۔ دوسری آیت سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ.** ترجمہ: یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں، انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب نازل کرے وہ تو ظالم ہی ہیں۔ اس قدر قطعی الثبوت دلائل کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مختار کل سمجھے تو اس کی گمراہی میں کیا شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟

بہرحال حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ بریلویت پانچویں جلد میں ان مسائل خمسہ پر مضبوط ومدلل بحث کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے بے شمار قطعی دلائل، صحابہ کرام کے اقوال، محدثین ومفسرین کی تشریحات اور امت مسلمہ کے چودہ سو سالہ تعامل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلک بریلوی ان مسائل میں خطا پر ہیں، ان کے علماء بھی ان مسائل میں کسی ایک عقیدے پر متفق نہیں، بلکہ آپس میں بھی یہ لوگ مشرق ومغرب میں چھلانگیں لگاتے پھرتے ہیں، آپس میں ان کی گفتگو کچھ اور

ہوتی ہے اور عوام کے سامنے کچھ اور پیش کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں ان کے مفتی اعظم رویت ہلال کمیٹی کے چیئر مین مفتی منیب الرحمٰن بہت سی مجالس میں اپنے بریلوی علماء پر برستے ہیں اور انہیں ڈانٹتے ہیں کہ تم لوگوں کو اندھیرے میں کیوں رکھ رہے ہو؟ کیا تم اللہ کے سامنے پیش نہیں ہو گے؟ اللہ کو کیا جواب دو گے؟ لیکن اس کے باوجود یہ طبقہ اپنے مخصوص خول سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں۔

اس سے قبل گولڑہ شریف کے سجادہ نشین پیر نصیر الدین نصیر مرحوم نے بھی بہت سے شرکیہ مسائل، رسومات اور بدعات کے متعلق اپنے ہم مسلک علماء کو بہت جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے، بعض مشرکانہ عقائد سے برملا برات کا اظہار بھی کر چکے ہیں، مگر یہ علماء کچھ ذاتی، خانگی اور معاشی مجبوریوں کی وجہ سے سمجھتے بوجھتے بھی اپنے مخصوص دائرے سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جب یہ آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو شرمندگی ان کے ضمیر کے دروازوں پر دستک دینے کے لئے دبے پاؤں حاضری بھی دیتی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اس دروازے کو کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ پوری دنیا میں جگ ہنسائی ہو گی۔

علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے اس فتنہ کا بھر پور تعاقب کیا ہے اور ان کے عقائد باطلہ کا پوسٹ مارٹم کر کے اصل حقائق سے پردہ اُٹھا کر اپنے فرض منصبی ادا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے، ان کی تعلیمات ان کی کتب کی صورت میں ہمیشہ زندہ رہیں گی اور بریلوی علماء کی ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے تاقیامت اُمت مسلمہ کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ مطالعہ بریلویت حضرت علامہ صاحب کی سات جلدوں پر مشتمل وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جس میں انہوں اس فرقہ کے عقائد و اعمال، جہالت و لاعلمی، ضد وہٹ دھرمی، خیانت و ناانصافی، دجل و فریب، ہفوات واہیات، بدعات و رسومات، تضادات و تناقضات، شکوک و شبہات، تاویلات و الحادات، فضولیات و شرکیات، بہتان تراشی اور افترا پردازی پر گرفت کرتے ہوئے ان کچا چھٹا کھول کے رکھ دیا ہے، اس موضوع پر یہ کتاب سب سے زیادہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو حق کا متلاشی ہو اور اس فتنہ کے دجل و فریب سے آگاہی حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔

☆......☆......☆......☆

مولانا ساجد خان نقشبندی (کراچی)

''محاسبۂ دیوبندیت بجواب مطالعۂ بریلویت'' پر ایک نظر!

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو اللہ پاک نے گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔آپ بیک وقت،مفسر، محدث،فقیہ،متکلم،فلسفی،مدرس،مبلغ،خطیب،مناظر ومصنف تھے۔آپ کے تحقیقی قلم سے بیسیوں کتب منصۂ شہود پر آئیں۔اللہ پاک نے انھیں مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ''علامہ'' کا لقب آپ پر پوری طرح سے صادق آتا ہے۔فرق باطلہ کے رد کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔آپ نے اس وقت موجود قریباً تمام ہی فرقوں پر لکھا اور خوب لکھا۔قادیانیت،رافضیت اور رضاخانیت اس حوالے سے آپ کا خاص عنوان تھا۔مگر ان فرقوں میں ''اہل بدعت'' کے حوالے سے آپ نے سب سے زیادہ تفصیلی کام کیا۔اور ''مطالعہ بریلویت'' جیسی عظیم شاہکار تصنیف آپ کے قلم سے منصۂ شہود پر آئی۔الحمدللہ یہ کتاب ایک مدت سے اب تک لاجواب ہے اور اہل بدعت اپنا تمام تر زور لگانے کے باجود اس کا معقول وقابل قبول جواب نہ لکھ سکے۔سنا ہے کہ اب رضاخانی کیبنٹ سر جوڑ کر اس کا جواب لکھنے کا سوچ رہی ہے اور چند قسم کے لوگوں کے ذمہ اس کا بالاستیعاب جواب لکھنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے۔(واللہ اعلم)

رضاخانی ضیغم اہل سنت مولوی حسن علی رضوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''جس وقت **الحق المبین** لکھی چھپی ہوئی شائع ہوئی۔ملتان میں اکابر دیوبند مولوی خیر محمد جالندھری خلیفہ تھانوی اور مفتی محمود دیوبندی وغیرہ موجود تھے،انہوں نے **الحق المبین** کا کوئی جواب کیوں نہیں دیا؟ ان میں دم خم نہیں تھا تو مولوی مانچسٹروی کس کھیت کی مولی ہیں''۔[محاسبہ دیوبندیت:۵۶۰/۲]

اسی رضاخانی اصول کی روشنی میں ترکی بہ ترکی ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ:

> ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب لکھنے کی جرأت رضاخانی شارح بخاری شریف الحق امجدی،رضاخانی نباض قوم ابوداؤد صادق، رضاخانی رئیس القلم ارشد القادری،حسن علی رضوی،احمد سعید کاظمی،عمر اچھروی،احمد یار گجراتی،شاہ احمد نورانی،صاحبزادہ ابوالخیر زبیر حیدرآبادی،مفتی منیب الرحمٰن وغیر ہم کو نہ ہوسکی تو آج کے رضاخانی کس کھیت کی مولی ہیں؟ بہرحال حضرت علامہ صاحب کی اِس کتاب نے بدعت کے ایوانوں میں کس طرح زلزلہ بپا کیا؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اہل بدعت نے اس کا جواب اپنے اوپر ''فرض'' تصور کیا چنانچہ مفتی شریف الحق امجدی رضاخانی لکھتے ہیں: ''مطالعہ بریلویت کا مکمل رد لکھا جائے،یہ ہم سب پر فرض کفایہ تھا''۔[محاسبہ دیوبندیت:۶۶۵/۲]

مگر کتاب اس قدر مدلل ومحقق اور صداقت پر مبنی ہے کہ آج تک کوئی رضاخانی اس کا مکمل رد مدلل انداز سے نہ کرسکا،اور اس ''فرض کفایہ'' سے عہدہ برآنہ ہوسکا اور یوں پوری جماعت ایک فرض کفایہ کے ترک سے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہے۔اگرچہ جناب

تبسم شاہ بخاری رضا خانی نے قلم اٹھایا، مگر کم و بیش ۵۱۰ صفحات لکھ کر ہاتھ کھڑ کر دیئے، خلیفہ ابن اعلی حضرت جناب مفتی عبدالوہاب قادری اٹھے اور تقریباً ۳۵۰ صفحات لکھ کر انہوں نے بھی خاموشی میں عافیت سمجھی۔ اس کے بعد اہل بدعت کے معروف مصنف جناب ''حسن علی رضوی آف میلسی'' جو اپنے مسلک میں ''ضیغم اہل سنت'' سمجھے جاتے ہیں میدان میں آئے اور اس فرض کفایہ کو اپنی گردن سے اتارنے کے لیے ''محاسبہ دیوبندیت'' لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ مگر موصوف ''مطالعہ بریلویت'' کی صرف ایک جلد کا جواب ''محاسبہ دیوبندیت'' دو جلدوں میں لکھ کر ''مطالعہ بریلویت'' کے دلائل کے آگے سر تسلیم خم کر گئے اور در پردہ مان گئے کہ اس کا جواب ہمارے بس میں نہیں۔ اور یہ دو جلدیں بھی کیسی ہیں؟ اگر ان میں سے رضوی صاحب کی ''بے تہذیبی اور مغالطہ آمیزی'' کو نکال دیا جائے تو کل ۱۵۰ صفحات بھی نہیں بنتے، پھر کتاب میں لکھائی کا حجم بھی بڑا رکھا گیا ہے، اگر عام خط رکھا جائے تو کل ۵۰ صفحات بھی نہیں بنتے۔ کوئی بھی رضا خانی ہمارے سامنے بیٹھنے کی ہمت کرے اور ہم سے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کا مطالبہ کرے۔ یہ ہے مطالعہ بریلویت کے رد کی کل کاوشیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی ''مطالعہ بریلویت'' کا آپ مطالعہ کریں تو ہر سطر پر انصاف پسندی، علمی شان و وقار نظر آئے گا۔ حضرت کی انصاف پسندی اور کسی بھی تعصب سے پاک ہونے کا ایک نمونہ اسی مطالعہ بریلویت سے ملاحظہ ہو کہ جب صاحبزادہ ابوالخیر زبیر احمد حیدر آبادی نے کہا کہ بعض ہمارے بریلوی اعلیٰ حضرت کو نبیوں سے بڑھ کر مانتے ہیں تو علامہ صاحبؒ نے اسے مناسب نہیں سمجھا تو برملا کہا:

> ''ہم ان بریلویوں کے ساتھ بھی نہیں جنہوں نے مولانا ابوالخیر زبیر پر محض اس جرم میں کہ انہوں نے مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ قرآن کنزالایمان کی غلطی کیوں پکڑی۔ گستاخ رسول ہونے کا الزام لگایا اور ان کا عبداللہ بن ابی کے ساتھ حشر بتایا......اور مولانا ابوالخیر محمد زبیر کے بھی ساتھ نہیں جو کہتے ہیں کہ بعض بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان کا درجہ (معاذ اللہ) حضور اکرم ﷺ سے بھی زیادہ ہے۔ **استغفر اللہ من ذالک البھتان العظیم**۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پوری دنیا میں کوئی ایسا بریلوی نہ ہوگا جس کا یہ عقیدہ ہو''۔ [مطالعہ بریلویت: ۳۹/۸]

اندازہ لگائیں کہ اگر اسی قسم کی بات کوئی دیوبندی دوسرے دیوبندی کے لیے کر دیتا تو اہل بدعت آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ پوری کی پوری کتب اس پر لکھ دیتے۔ اہل بدعت طلکے ایک اور نمائندے ذیشان احمد مصباحی بھی برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مطالعہ بریلویت میں الزام تراشی نہیں بلکہ ہمیں حقیقی آئینہ دکھایا گیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''ایک دیوبندی ناقد لکھتا ہے: ''آج مزارات پر جو عرس اور میلے ہوتے ہیں اور عورتیں ان میں کھچا کھچ چلی آتی ہیں ان کے (بریلوی) علماء ان کے خلاف قطعاً کوئی آواز نہیں اٹھا سکتے''۔ [مقدمہ مطالعہ بریلویت: ۱۹] کیا ان جملوں کو یہ کہہ کر ٹھکرا دینا انصاف ہے کہ یہ الزام تراشی اور بہتان طرازی پر مبنی ہیں؟ حقیقت سے آنکھیں چرانا حق کے علم برداروں کے لئے قطعی زیب نہیں دیتا۔'' [دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں؟: ۱۹]

ایسے سنجیدہ، باوقار، متانت پسند اور انصاف پرور محقق کے لیے کیسا غیر سنجیدہ اور بازاری لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے؟ نمونہ

ملاحظہ ہو: ''ہر عبارت کا بازاری مفہوم تراشنا بلا مقابلہ مصنف کے جدی پشتی کنجر ہونے کی روشن دلیل ہے۔'' [محاسبہ:۱/۲۰۶]، ''مانچسٹروی جیسے بے غیرت نہ تھے۔'' [محاسبہ:۲/۲۱۹]، ''مصنف مانچسٹروی کی یہاں شیطانی رگ پھڑکی۔'' [محاسبہ:۲/۵۵]، ''اس کے اکابر کی جلتی ہوئی قبروں میں کھلبلی مچ جائے گی۔'' [محاسبہ:۲/۳۸]، ''یہ حوالہ حرامی ہے، کسی دیوبندی ملاں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جنم لیا ہے، پھر اس مضمون کی ترتیب بھی بتا رہی ہے کہ یہ حوالہ ولد الحرام ہے۔'' [محاسبہ:۲/۴۴]، ''خالد محمود مانچسٹروی نے اپنی اندرونی غلاظت، ذہنی فکری نحوست اور بد باطنی کے سبب''۔ [محاسبہ:۲/۳۹۲] غرض ہر صفحہ پر یہی نامناسب انداز اور قطعی غیر مہذبانہ لب ولہجہ ہے، بمشکل ہم نے یہ چند حوالہ جات پیش خدمت کیے ہیں۔ اگر اہل بدعت کو جواب میں ہم سے بھی اسی لب ولہجے کی امید ہے تو خاطر جمع رکھیں، ان شاء اللہ اکابر اہل سنت دیوبند کے فرزند اُن کی اِس توقع پر پورے نہیں اُتریں گے۔ البتہ رضوی صاحب کے اعلیٰ حضرت کا ملفوظ اُن کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں: ''فحش بکنا منحوس ہے...... جب تو کسی کو دیکھے کہ فحش بکنے والا بے حیاء ہے تو جان لے کہ اس کی اصل میں خطاء ہے''۔ [فتاویٰ رضویہ:۲۲/۲۱۵]

ہم اپنے اس مختصر مضمون میں حسن علی رضوی صاحب کی کتاب ''محاسبہ دیوبندیت'' کا مختصر جائزہ لیں گے، کیونکہ ''مطالعہ بریلویت'' کے جواب کے طور پر لکھی گئی مذکورہ بالا باقی دو کتب میں ''مطالعہ بریلویت'' کی کسی بات کا کوئی نام کا جواب بھی نہیں دیا گیا، محض علمائے اہل سنت دیوبند پر الزام تراشی پر زور دیا گیا ہے۔ جناب حسن علی رضوی صاحب نے مطالعہ بریلویت کی ۸/جلدوں میں سے صرف پہلی جلد کے مشمولات پر کچھ لکھ کر اسے ''مطالعہ بریلویت'' کا مکمل جواب قرار دیا ہے، اس لیے ہم بھی رضوی صاحب کی تلبیسات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بجائے سرسری جائزہ لینے پر اکتفا کریں گے۔

رضوی صاحب اپنے علماء کی نظر میں اور ایک ہی سطر میں ان کی کتاب کا جواب:

رضوی صاحب علمائے اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کو صبح وشام گستاخ کہتے ہیں، موصوف نے کوئی ایسی گالی نہ چھوڑی ہوگی جو اکابر اہل سنت دیوبند کو نہ دی ہو، صرف اس واسطے کہ ان کی دانست میں معاذ اللہ علمائے اہل سنت دیوبند گستاخ ہیں۔ انھی رضوی صاحب کی گستاخیوں پر انھی کے ہم مسلک عالم نے پوری کتاب ''حسام الابرار علی رؤس الاشرار'' لکھی ہے۔ (اس کتاب کے تفصیلی اقتباسات میری کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم کے مقدمہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔) مگر رضوی صاحب آج تک ان کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف بھی رضوی صاحب کے پیر بھائی یعنی مصطفیٰ رضا خان صاحب کے خلیفہ ہیں۔ اسی طرح ''پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں'' نامی کتاب میں رضوی صاحب کو ''سنیوں کی لیٹرین'' جیسے نایاب ''لقب'' سے نوازا گیا ہے اور جن حضرات نے رضوی صاحب کی کتب پڑھی ہیں وہ برملا اعتراف کریں گے کہ بالکل ''اسم بامسمیٰ'' لقب دیا گیا ہے۔ رضاخانیوں کے مظہر اعلیٰ حضرت جناب حشمت علی رضوی نے ایک اصول گھڑا ہے کہ: ''لہٰذا براۃ الابرار کتاب ساری کی ساری مردود ونامعتبر ہوگئی کیونکہ مشرکوں کی تصنیف ہے۔'' [الصوارم الہندیہ:۱۵۵]

یعنی اگر کوئی مشرک بے دین تصنیف لکھے تو مردود ہوتی ہے، بس اسی اصول سے مولوی حسن علی رضوی کی دونوں جلدیں

مردود ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اپنے گھر کے لوگوں کا ان پر فتوی موجود ہے کہ یہ آدمی گستاخ رسول ﷺ ہے۔(گستاخ رسول ﷺ کے بارے میں رضوی صاحب خود لکھتے ہیں: ''بارگاہ رسالت میں گستاخی یقیناً کفر وارتداد ہے۔'' [محاسبہ:۲/۲۷]) لہٰذا رضوی صاحب کے ہم مسلک لوگوں کے اصول کے مطابق رضوی صاحب کی جملہ تصانیف مردود ہیں اور جواب کی چنداں ضرورت نہیں۔

کیا مطالعہ بریلویت کا جواب آج تک کوئی لکھ سکا؟

قارئین کرام! رضوی صاحب کی کتاب کے ناشر نے ''مطالعہ بریلویت'' کے ناشر کا ایک اعلان نقل کر کے اس پر لکھا ہے کہ:

''ایک ضروری وضاحت: کتاب ''مطالعہ بریلویت'' میں ایک اعلان وانتباہ شائع ہوا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دیوبندی بریلوی اختلاف پر پہلی کتاب ''انوار ساطعہ'' عوام کے سامنے آئے تھی، مولوی خلیل انبیٹھوی نے ''انوار ساطعہ'' کو متن بنا کر ذیل میں ''براہین قاطعہ'' کے نام سے اس کا جواب لکھا تھا، اب اگر کوئی ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب لکھنا چاہے تو اس کتاب کو متن بنا کر ساتھ ساتھ جواب تحریر کرے، اگر کوئی اس انداز میں ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب نہیں لکھے گا تو اسے کتاب کا جواب نہ سمجھا جائے۔

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں ان کی چابکدستیوں کا کہ جواب ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو وہ گویا جواب ہی نہیں ہوگا، اسے کہتے ہیں خود ہی چور خود ہی کوتوال''۔ [محاسبہ دیوبندیت:۱/۱۴]

اگلا پورا صفحہ بھی گالیوں اور کذب بیانیوں پر سیاہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ ''مطالعہ بریلویت'' کے ناشر کا مطالبہ بالکل برحق تھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اِس کا جواب رضاخانیوں کے بس کا نہیں، اس لئے بدتہذیبی، مغالطہ دہی، ادھورے حوالے اور من مانا مطلب نقل کر کے جواب کے نام پر ایک ''گالی نامہ'' تیار کرلیا جائے گا اور اسی کو جواب کہا جائے گا۔ اسی لئے کہا گیا کہ ''مطالعہ بریلویت'' کی ہر بات کو نقل کر کے پھر جواب دیا جائے تا کہ عوام دونوں طرف کے نظریہ کو دیکھ کر حق وباطل کا فیصلہ خود کر سکے۔ ناشر نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ''جواب ہماری مرضی کا دو'' یہ بھی رضاخانیوں کا بہتان ہے۔ اسی فریب کو طشت ازبام کرنے کے لیے ایسا اعلان کیا گیا۔ اور یہ اصول خود رضاخانیوں کو بھی بلکہ رضوی صاحب کو بھی مسلم ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''اگر کوئی صاحب اس کا جواب لکھنا چاہیں تو ہماری درخواست یہ ہوگی جس طرح ہم نے ہر بات کا مدلل ومحقق جواب دیا اسی طرح ہماری جملہ معروضات کا مدلل ومحقق جواب دیا جائے'' (قہر خداوندی:۳۰۱) رضاخانی شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: ''اس کتاب کا جواب لکھنے والے کو یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ ان تمام باتوں کا جواب دے گا جنہوں توضیح البیان میں پیش کیا گیا ہے۔'' [توضیح البیان:۳۳] ایک اور رضاخانی صاحب لکھتے ہیں: ''راقم الحروف اپنے فریق مخالف کی طرف سے اب اس کو جواب تصور کرے گا جس میں راقم الحروف کے دونوں مضامین کا مکمل جواب دیا جائے گا، ایسا جواب جواب تصور نہیں کیا جائے گا جس میں خلاصہ کے نام پر جان چھڑانے کی کوشش کی گئی ہو۔'' [دافع ازالۃ الوسواس:۴،۵] رضاخانی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ایک اور صاحب لکھتے ہیں: ''ایک وہابی نے البریلویہ کا ترجمہ اور مزید حاشیہ لگا دیا جس میں ایک آدھ جگہ پر عبدالحکیم شرف قادری...... پر بھی اعتراض

کر کے اپنے دیگر وہابیوں کو یہ جتلا دیا کہ عبدالحکیم شرف قادری...... کا بھی جواب دے دیا گیا ہے۔ یہی آج کل رائج ہے، ہر مذہب فرقہ اپنے خلاف لکھی گئی کتاب کا تفصیلی جواب نہیں دیتا، ادھر ادھر کی مار کر اپنے فرقے والوں کو یہ تسلی دیتا ہے کہ جواب ہوگیا۔"[البریلویہ کا علمی محاسبہ:۲۶]

یہی کام جناب حسن رضوی نے کیا کہ مطالعہ بریلویت کی ۷/جلدوں کو چھوا تک نہیں اور پہلی جلد کے جواب کے نام پر آدھی سے زیادہ کتاب میں گالیاں دے کر ادھر ادھر کی مار کر یہ کہہ دیا: "الحمدللہ ہم نے مولوی خالد محمود مانچسٹری کی جعلسازیوں، فریب کاریوں کا نہ صرف راز طشت از بام کردیا بلکہ اس کے جملہ اعتراضات کا مدلل و محقق بحوالہ کتب مکمل جواب دیا۔"[محاسبہ:۲/۲۶۱]

کیا یہ کھلا ہوا دجل نہیں کہ ۸/جلدوں میں سے صرف پہلی جلد کے چند صفحات کے جواب میں ادھر ادھر کی ہانکی جائیں اور کہا جائے کہ جواب دے دیا؟ اسی دھوکا دہی کا راستہ روکنے کے لیے "مطالعہ بریلویت" میں مکمل متن شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن رضوی صاحب مغالطہ آمیزی میں امامت کے مرتبے پر فائز ہیں کہ انھوں نے کمال ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھوکہ دہی کا راستہ نکال ہی لیا۔ ظاہر ہے کہ اگر رضوی صاحب مطالعہ بریلویت کے ناشر کے اعلان پر عمل کرتے تو اس قسم کی جعلسازیاں کبھی نہ کرسکتے تھے۔ حالانکہ خود رضوی صاحب نے اسی جلد میں یہ اعلان کیا کہ وہ مزید جلدیں بھی لکھیں گے، چنانچہ لکھتے ہیں: "ہم آئندہ آنے والی جوابی جلد میں اس کا جواب بھی شامل کردیں گے۔[محاسبہ:۲/۵۷۶] یہ کتاب میں چھاپ کر تحریری وعدہ کررہے ہیں۔ مگر موصوف کو جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ اس کا جواب لکھنا میرے بس میں نہیں اور کسی طرح اپنے عوام کو دلاسہ دینے کیلئے ادھر ادھر کی مار کر کہہ دیا کہ بس سب کا جواب ہوگیا اور یوں اپنے ہی تحریری وعدہ سے مکر گئے۔

نوٹ: حسن علی رضوی صاحب کے تمام مغالطات و اعتراضات کا جواب بندہ اپنی کتاب "دفاع اہل السنۃ والجماعۃ" میں دے چکا ہے، صفحات کی تنگی کی وجہ سے اسے یہاں نقل نہیں کرسکتا، تفصیل کے لیے وہاں مراجعت کریں، یہاں صرف سرسری چند چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

تعصب و جہالت میں اپنے ہی مسلمہ بزرگ کا انکار:

حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب نے "مطالعہ بریلویت :۱/۱۳۱ تا ۱۶۴" پر پاک و ہند کے بزرگان دین و سجادہ نشینوں کے حوالے دیئے جو خان صاحب بریلوی کی تکفیری مہم میں ان کے ساتھ نہ تھے۔ انہی میں ایک بزرگ خانقاہ موسی زئی ڈیرہ اسمعیل خان کے حضرت خواجہ عثمان صاحب دامانی کا حوالہ دیا جو کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہم عصر تھے۔ حضرت گنگوہی کے شاگرد حضرت مولانا حسین علی واں بچھراں ان کے خلیفہ تھے۔ یہ علمائے اہل سنت دیوبند سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے بیٹے حضرت خواجہ سراج الدین صاحب کو حدیث کا درس حضرت مولانا حسین علی واں بچھراں والوں سے دلوایا۔[ملاحظہ ہو تفصیل مطالعہ بریلویت:۱/۱۴۰] اب چاہیئے تھا کہ رضوی صاحب ان حقائق کا مدلل جواب دیتے، مگر تعصب میں اس قدر غرق ہوئے کہ حضرت خواجہ عثمان دامانی اور ان کے بیٹے کو ہی کو دیوبندی بنادیا اور یوں جان چھڑائی کہ: "جن جن لوگوں کو آپ نے پیر اور مولوی

بنا کر پیش کیا ہے، وہ تقریباً سب کے سب دیوبندی وہابی ہی ہیں، بھلا جس پیر کے مولوی رشید احمد گنگوہی سے تعلقات ہوں یا جو شخص گنگوہی صاحب سے حدیث پڑھے یا مولوی گنگوہی صاحب سے پڑھے ہوئے مولوی حسین علی واں بھچراں سے پڑھے، وہ سنی بریلوی کب ہوگا۔'' [محاسبہ دیوبندیت: ۱/۴۰۶] حالانکہ ان خواجہ عثمان دامانی کو جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے اکابر میں شمار کیا ہے اور ان کا تذکرہ یوں کرتے ہیں: ''مرجع الکاملین حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی قدس سرہ''۔ [تذکرہ اکابر اہل سنت: ۳۴۹] اور ان کے بیٹے جنہوں نے حضرت مولانا حسین علی واں بھچراںؒ سے پڑھا ان کے متعلق لکھتے ہیں: ''آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سراج الدین خلیفہ وجانشین ہوئے''۔ [تذکرہ اکابر اہل سنت: ۴۹۵]

رضوی صاحب! جب یہ دیوبندی تھے تو ان کو اپنا بزرگ ماننے والے آپ کے ہم مسلک عبدالحکیم شرف قادری کیا ہوئے؟ نیز یہ بھی رضوی صاحب کی لاعلمی اور حقائق سے بے خبری ہے کہ بھلا جو دیوبندیوں سے پڑھے وہ ''بریلوی'' کب ہوگا؟ حالانکہ آپ کے مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی نے سنی دیوبندیوں سے پڑھا ہے۔ لہٰذا آپ کے فتوے سے جب وہ بریلوی نہ رہے، بلکہ سنی دیوبندی ہوگئے، تو اَب (آپ حضرات کے فتوے کے مطابق ان کے لیے تجدید ایمان ونکاح ضروری ہے، لہٰذا) ان کے تجدید ایمان ونکاح کا کیا ہوا؟ اس کے علاوہ بھی بیسیوں اکابر بریلویہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جنہوں نے علمائے اہل سنت دیوبند سے پڑھا۔ یہاں ایک اور دلچسپ حوالہ بھی ملاحظہ ہو مولانا غلام نصیر الدین سیالوی ابن مولانا اشرف سیالوی لکھتے ہیں: ''غلام مہر علی صاحب مدظلہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحب کے بالواسطہ شاگرد ہیں تو وہ ان کے مذہب کے بارے میں سرفراز سے بہتر جانتے ہیں۔'' [عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ: ۱/۵۱] مزید لکھتے ہیں: ''مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری کا نظریہ الرشید والے کی نسبت ان کی اولاد امجاد بہتر جانتی ہے۔'' [ایضاً ۶۱]

تو حضرت مولانا سراج الدین نقشبندیؒ جو حضرت عثمان دامانی نقشبندیؒ کے بیٹے، خلیفہ وجانشین ہیں، وہ اپنے والد کا عقیدہ آج کے رضاخانیوں کے مقابلے میں زیادہ جانتے ہیں، پس جب بقول رضوی صاحب یہ دیوبندی ہوئے تو والد صاحب یعنی عثمان دامانیؒ بدرجہ اولیٰ دیوبندی ہوئے اور ان کا یہی عقیدہ تھا کہ اکابر اہل السنۃ والجماعۃ خصوصاً حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سچے پکے موحد مسلمان اور اولیاء اللہ تھے۔

بلکہ رضوی صاحب خود اپنی کتاب [۲/۳۹۳] میں یہ اصول نقل کرتے ہیں کہ: ''جب اکابر دیوبند نے خان صاحب بریلوی کی تکفیر نہیں کی تو خان صاحب کے عقائد واعمال میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی اور مطالعہ بریلویت کی چاروں جلدوں کی الزام تراشی اپنی موت آپ مرگئی۔'' [ملخصاً] ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب آپ کے مسلمہ بزرگوں نے علمائے اہل سنت دیوبند کی تکفیر نہیں کی، بلکہ اپنے بچوں کو ان کے پاس حدیث پڑھانے کے لیے بھیجا تو معلوم ہوا کہ اکابر علمائے اہل سنت دیوبند کے عقائد واعمال میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی اور حسام الحرمین سے لے کر اب تک رضاخانیوں کی طرف سے لکھی جانے والی کتب کی الزام تراشیاں

اپنی موت آپ مر گئیں۔

رضوی صاحب! کیا اسی کا نام جواب ہے کہ جواب نہ آنے کی صورت میں اپنے ہی بڑوں کا انکار کر کے ان کو دیو بندیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے؟ آپ جیسے ایک دو اور لوگوں نے اگر اس کا جواب لکھا تو ان شاء اللہ آٹھویں جلد کا جواب لکھتے لکھتے پوری بریلویت ہی کو دیو بندیت کے کھاتے میں شامل کرنا پڑ جائے گا۔ خود رضوی صاحب لکھتے ہیں: ''جن نام نہاد محققین اور خود ساختہ مصنفین کو یہ معلوم ہی نہیں کہ صراط مستقیم کس کی کتاب ہے، وہ کیا خاک اس کی صفائی پیش کریں گے''۔[۴۱۸/۲] تو جس نام نہاد ضیغم اہل سنت ومناظر اہل سنت کو اپنے اکابر کا ہی علم نہیں، وہ خاک اپنے مسلک کی صفائیاں پیش کرے گا؟ اس جہالت پر ایک تبصرہ اور بھی ملاحظہ ہو: ''آج کل کے نومولود دیوبندی مصنفین و مناظرین (اب دیوبندی کی جگہ رضاخانی و رضوی جیسے کر دیں۔ ساجد) کی علمی تحقیقی اور معلوماتی استعداد اتنی ہے کہ نہ انہیں علماء اہل سنت کے عقیدہ ومسلک کا پتہ نہ اپنے اکابر کے خود ساختہ گھڑنتو عقیدہ ومسلک کا پتہ''۔[۴۷۸/۲] باقی موصوف نے دیو بندی محققین کے متعلق جو لکھا ہے، اس کا جواب میری کتاب دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم کے مقدمہ میں موجود ہے۔

اپنے ہی بزرگوں کے حالات سے لاعلمی کی ایک اور واضح مثال:

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے ''مطالعہ بریلویت'' [۔۔/۱۲۳] میں حضرت مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری ناظم ندوۃ العلماء کا تذکرہ کیا کہ گولڑہ کے فیض احمد اویسی صاحب نے انہیں بہار کے مشہور شیخ طریقت میں شمار کیا، اور پھر حسام الحرمین [ص:۱۰۱] کے حوالے سے کہا کہ یہ مولانا مونگیری حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ''حکیم الامت'' کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس حوالے پر حسن علی رضوی صاحب کا سٹپٹانا لازمی تھا۔ لہٰذا ایک دفعہ پھر اپنے مسلمہ بزرگ کا انکار کرتے ہوئے اول تو حضرت علامہ صاحب کو آدھا صفحہ گالیاں دیں اس کے بعد لکھا:

''حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی سوانح عمری مہر منیر: ۱۷۲ پر جن بزرگ کو پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ کا استاد بھائی کہا گیا ہے، وہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری ہیں اور صوبہ بہار کے رہنے والے ہیں۔ اور بہار کے مشہور شیخ طریقت ہیں۔ جبکہ بانی مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کے گیت گانے والے اور ان کو حکیم الامت بنانے والے مولوی محمد علی کانپوری ہیں جو ناظم ندوہ ہیں، جن کا ذکر سیدنا اعلیٰ حضرت...... نے حسام الحرمین [ص:۱۰۱] پر کیا وہ اور ہیں یہ اور ہیں وہ مونگیری ہیں، یہ کانپوری ہیں، وہ شیخ طریقت ہیں اور یہ ناظم ندوۃ العلماء، یہ یوپی اور وہ صوبہ بہار میں۔'' [محاسبہ: ۳۸۲/۱]

حالانکہ یہ رضوی صاحب کی بدترین جہالتوں میں سے ایک جہالت ہے۔ یہ مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری ناظم ندوۃ العلماء دونوں ایک ہی شخصیت ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان مولانا محمد علی مونگیری کو مولانا فیض احمد گولڑوی نے ''مولانا لطف اللہ علی گڑھی'' کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔ [مہر منیر: ۳۷] اسی طرح گولڑوی صاحب نے انہیں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے شاگردوں میں بھی شمار کیا ہے، اسی وجہ سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا استاد بھائی کہا۔ اور حضرت مولانا محمد علی

کانپوری ثم مونگیری ناظم ندوۃ العلماء بھی حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی مرحوم اور مولانا احمد علی سہارنپوری کے مایہ ناز شاگردوں میں تھے، ملاحظہ ہو ''سیرت مولانا محمد علی مونگیری''۔

باقی رضوی صاحب نے جو یہ مغالطہ دیا کہ تعریف کرنے والے ناظم ندوۃ العلماء تو ''کانپور یوپی'' کے تھے اور شیخ طریقت مونگیری یہ تو ''بہار'' کے تھے یہ بھی ان کی انتہائی لاعلمی کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری کا آبائی علاقہ اور جائے ولادت کانپور ہے۔ یہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی مرحوم کے مدرسہ ''فیض عام'' میں حاصل کی۔ اسی نسبت سے ''کانپوری'' کہلائے، پھر یہ علاقہ چھوڑ کر آپ ''مونگیر'' چلے گئے جو ''بہار'' کا شہر ہے۔ اسی نسبت سے آپ ''مونگیری'' کہلاتے ہیں۔ اور یہی شیخ طریقت ہیں، اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہی مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے مایہ ناز خلفاء میں سے تھے۔ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں، اس پر ایک دلیل یہ بھی کہ رضوی صاحب نے انہیں ''سید'' لکھا اور یہ مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری ناظم ندوۃ العلماء بھی ''سید'' تھے کیونکہ آپ کا نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا کر ملتا ہے۔ غرض یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں۔

اپنے ہی اصول کا خون:

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے ''مطالعہ بریلویت'' [۱/۱۶۸،۱۷۵] میں چند قومی شخصیات کے نام گنوائے جو خان صاحب بریلوی کی تکفیری مشن میں ان کے ہم نوا نہ تھے۔ اسی ضمن میں اس پر بھی کلام کیا کہ علامہ اقبال علمائے اہل سنت دیوبند کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اکابر اہل سنت دیوبند کے ساتھ ان کے بہترین تعلقات تھے، اور یہ کہ اہل بدعت نے علامہ اقبال پر کفر کے فتوے لگائے (اس کے لیے مولوی دیدار علی شاہ اور مولوی حشمت علی رضوی کا حوالہ دیا۔ اس کے علاوہ دیگر اہل بدعت نے بھی علامہ اقبال پر کفر کے فتوے لگائے، ان سب کی تفصیل میری کتاب دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم میں ملاحظہ ہو)۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ رضوی صاحب اس کا مدلل رد کرتے، مگر مولانا حسن علی رضوی اس کی کوئی تردید نہ کر سکے، اور کئی صفحات مغلظات لکھنے پر سیاہ کر دیئے۔ رضوی صاحب کی بے اصولی دیکھیے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''دیدار علی شاہ صاحب...... کے اصل فتوے کا نہ عکس شایع کیا نہ حضرت قبلہ...... کی اپنی کتاب کا حوالہ دیا نہ علماء اہل سنت میں سے کسی کتاب سے یہ حوالہ نقل کیا نہ ڈاکٹر اقبال کی اپنی کسی کتاب کا حوالہ دیا کہ مجھ پر فتوی لگایا گیا ہے۔'' [محاسبہ دیوبندیت: ۱/۳۴] لیکن آگے جب علمائے دیوبند پر علامہ اقبال کے کفر کا فتوی پیش کرنے لگے تو اس اصول کو پس پشت ڈال کر لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر اقبال نے حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ سے اپنی ملاقات میں گستاخانہ عبارات کتابوں میں دیکھ کر کہا: ''مولانا ایسی عبارات گستاخانہ ہیں، ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا''۔ [دعوت فکر: ۳۵] ڈاکٹر صاحب دیوبندی عبارات کو گستاخانہ مان رہے ہیں، (بارگاہ رسالت میں گستاخی یقیناً کفر وارتداد ہے، اس لئے) ان پر آسمان ٹوٹ پڑنے کی بددعا کر رہے ہیں۔'' [محاسبہ دیوبندیت: ۱/۳۷]

غور فرمائیں جب اپنا الو سیدھا کرنا تھا تو یہاں نہ علمائے اہل سنت دیوبند کے کسی مستند عالم کی کتاب کا حوالہ دیا نہ علامہ اقبال کی اپنی کسی کتاب کا حوالہ دیا کہ ''میں علمائے دیوبند کو ایسا سمجھتا ہوں''، بلکہ اپنے ہی مسلک کے ایک متعصب عالم منشا تابش قصوری کی کتاب ''دعوتِ فکر'' کا حوالہ دیا جو بالکل جھوٹ ہے۔ اگر رضوی صاحب میں جرأت ہے تو اپنے ہی قائم کردہ معیار کے مطابق علامہ اقبال کے ان الفاظ کا ثبوت دیں۔ حالانکہ موصوف خود اپنے گھر کے حوالے دینے پر کس طرح چیں بجبیں ہوتے ہیں ملاحظہ ہو: ''کچھ حوالہ جات ایسے تھے کہ الزام اپنے قلم سے ثبوت اپنے گھر سے...... الغرض نوع بنوع قسم کی جعلسازیوں سے کام لے کر مطالعہ بریلویت کی کاغذی ناؤ بنائی اور خیالی پلاؤ پکائی گئی''۔ [محاسبہ دیوبندیت: ۴۴۲/۲] تو موصوف نے بھی الزام بھی اپنے ہی گھر سے اور ثبوت بھی اپنے ہی گھر کے حوالے سے دے کر کاغذی ناؤ اور خیالی پلاؤ پکا کر اسے جواب کا نام دے دیا۔ باقی علامہ اقبال مرحوم کے علمائے اہل سنت دیوبند کے ساتھ تعلقات کی تفصیل اور ''دعوت فکر'' نامی کتاب کے اس جعلی حوالے کی تردید ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ'' میں ہو چکی ہے۔

دورنگی کی ایک اور مثال:

حضرت گنگوہی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ دیگر انبیاء و اولیاء اور علماء ربانین بھی رحمت عالم ہوتے ہیں''۔ اس پر حسن علی رضوی صاحب نے حسبِ عادت کے مطابق کئی صفحات مغلظات میں سیاہ کئے اور بار بار یہ مطالبہ کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم میں ''رحمۃ للعالمین'' کہہ دیا گیا تو اب نص قطعی پیش کرو کہ آپ ﷺ کے علاوہ دیگر لوگ بھی رحمۃ للعالمین ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایک عبارت پیش کی، جس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی ''رحمات عالمین'' کہا گیا۔ اب رضوی صاحب کے ہوش اُڑ گئے، لہٰذا پہلے تو خوب برا بھلا کہا، پھر ڈھیٹ پن کی انتہاء کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت میں ''رحمات'' کا لفظ ہے نہ کہ ''رحمۃ للعالمین [۴۹۹/۲] حالانکہ کوئی بھی شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبارت میں ''رحمات عالمین'' ہے جس کا مفہوم ''رحمۃ للعالمین'' ہی نکلتا ہے، کسی بھی ذی علم انصاف پرور شخص سے اس کا ترجمہ کروایا جا سکتا ہے۔ خود رضوی صاحب نے علامہ صاحب کا ترجمہ ''رحمۃ للعالمین'' تسلیم کیا لیکن تعصب کی انتہاء کرتے ہوئے کہا کہ اس میں سب انبیاء داخل ہیں جس میں ہمارے نبی ﷺ بھی داخل ہیں، لہٰذا کسی فرد واحد کے لیے اس کا استعمال دکھاؤ۔ [ملخصاً: ۴۹۹/۲]

حالانکہ ماقبل میں یہ صاحب بار بار کہتا رہے کہ یہ صفت خاصہ ہے، حضور ﷺ کے علاوہ کسی کو میسر نہیں، کسی دوسرے کو کہنا گمراہی ہے، اگر کوئی اور رحمۃ للعالمین ہو سکتا ہے تو قرآن سے دکھاؤ۔ مگر یہاں یہ تسلیم کر لیا کہ تمام انبیاء بھی رحمۃ للعالمین ہو سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ حضور ﷺ کی صفت خاصہ تو نہ ہوئی۔ اور کیا تمام انبیاء کے لیے رحمۃ للعالمین ہونا قرآن میں موجود ہے؟ رضوی صاحب اپنے ہی مطالبہ سے دستبرداری کیوں؟ کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ'' میں بیسیوں حوالے اس پر دیئے جا چکے ہیں کہ رحمۃ للعالمین کا اطلاق تنہاء بھی ثابت ہے۔ لیکن رضوی صاحب ہم سے جو مطالبہ کر رہے ہیں کہ کسی کے لیے تنہاء

دکھائیں تو یہ پہلے وہ یہ بتائیں کہ یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ''رحمۃ للعالمین'' اگر اجتماعی طور پر کسی کو کہا جائے تو عین اسلام اور اگر تنہاء اس کا اطلاق کیا جائے تو عین کفر؟ یہ فرق رضوی صاحب کے اپنے اصول کے مطابق قرآن کی کس آیت میں ہے؟ مزید رضوی صاحب نے آخر میں لکھا: ''مصنف ثابت تو یہ کرنا چاہتا تھا کہ اولیاء وعلماء اور دیوبندی مولوی بھی رحمۃ للعالمین ہو سکتے ہیں، لیکن حوالہ ایسا پیش کر رہا ہے جس میں صرف جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کو رحمات عالمین لکھا ہے۔'' [محاسبہ: ۴۹۹/۲] کاش موصوف کو اپنی بات بھی یاد ہوتی کہ وہ بار بار الزام تو یہ لگا رہے ہیں کہ دیوبندی اپنے مولویوں کو رحمۃ للعالمین بنانا چاہتے ہیں، تبھی فتاوی رشیدیہ میں ایسا حوالہ دیا گیا جبکہ فتاوی رشیدیہ کی جو عبارت نقل کی وہ اس طرح ہے: ''گنگوہی صاحب نے صاف لکھا ہے'' اولیاء و انبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔'' [محاسبہ: ۴۸۸/۲] اب اس عبارت میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ اولیاء، علماء، یا دیوبندی مولوی بھی ''رحمۃ للعالمین'' ہوتے ہیں بلکہ ''رحمت عالم'' لکھا، اگر اسی قسم کے لایعنی مطالبوں کا نام جواب ہے تو ہم بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ رضوی صاحب میں غیرت ہے تو فتاوی رشیدیہ سے ثابت کریں کہ دیوبندی مولوی بھی رحمۃ للعالمین ہیں۔ دیدہ باید۔

غرض اس طرح کی مغالطہ آمیزی اور تعصب وجہالت اور اور اپنے ہی اصولوں کو توڑنے سے یہ کتاب مملو ملے گی۔ محاسبہ دیوبندیت کے مصنف ماشاء اللہ ایسے ''اصول پسند'' ہیں کہ ایک مقام پر ایک اصول نقل کرتے ہیں اور چند صفحے بعد خود ہی اس کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور اِسی ''بے اصولی'' کے رضا خانی اصول کے تحت انھوں نے ''مطالعہ بریلویت'' کو نشانہ تنقید بنایا ہے۔

مولوی دیدار علی صاحب کے بارے میں ایک بڑھک:

رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''اتنا دم خم کس میں تھا اور فخر المحدثین استاذ الاساتذہ حضرت علامہ سید محمد دیدار علی شاہ صاحب قدس سرہ کے تلامذہ در تلامذہ کے سامنے سلیمان ندوی جیسے سینکڑوں مبلغ علم کے حامل طفل مکتب نظر آتے تھے۔ گنگوہی، تھانوی، انبیٹھوی کاشمیری جیسے جغا دریوں نے ان کا زمانہ پایا تھا، مگر سامنے آنے اور شکل دکھانے کی کس میں تاب۔'' [محاسبہ دیوبندیت: ۳۵/۲]

اب ملاحظہ ہو کہ سامنے آنے اور شکل دکھانے کی تاب کس میں تھی اور دم دبا کر بھاگنے کا شرمناک مظاہرہ ایسے موقعوں پر کون کرتا؟ مولانا عاشق الٰہی مرحوم انہی مولوی دیدار علی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولوی فاروق احمد صاحب انبیٹھوی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مولوی دیدار علی الوری کی طرف سے آپ کو عین اس وقت دعوت مناظرہ دی گئی جب کہ آپ جہاز میں سوار ہونے کو تیار تھے۔ آپ کے رفقاء نے جواب دیا کہ اس وقت تو گنجائش نہیں کہ جہاز تیار اور آخری ہے۔ البتہ واپسی پر مناظرہ ہو گا مگر آپ نے سنا تو بے ساختہ فرمایا کہ نہیں نہیں! ہم تیار ہیں۔ کل کو ہم قیام کریں گے اور صبح مناظرہ ہو گا۔ مولوی صاحب سے کہنا کہ مقام اور مباحث مناظرہ آج طے کر لیں اور رفقاء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب مناظرہ کرتے ہیں تو ہمیں انکار نہ کرنا چاہئے، حج بشرط زندگی دوسرے سال کر لیں

گے، یہ بھی تو ایک دینی کام ہے۔ یہ جواب سن کر فریق مخالف پر اوس پڑ گئی اور کوئی میدان مناظرہ میں نہ آیا۔ حضرت چند دن قیام فرما کر بمبئی روانہ ہوگئے، حالانکہ جہاز کی تاریخ روانگی گزر چکی تھی، مگر اللہ کی شان کہ اس کو چار دن کسی غیر معمولی عذر سے ٹھہرنا پڑ گیا اور آپ اس میں سوار ہوکر عرب پہنچ گئے۔'' [تذکرۃ الخلیل:۱۵۱]

یہ اعتراض یہاں نہ کیا جائے کہ اپنے گھر کا حوالہ پیش کیا، کیونکہ خود رضوی صاحب نے چند صفحات قبل ہی اپنے گھر کی کتاب ''دعوت فکر'' کا حوالہ پیش کیا، اس کے علاوہ بھی بیسیوں حوالے دکھائے جاسکتے ہیں جہاں رضاخانیوں نے اپنے گھر کے حوالے پیش کیے، پس جس اصول کی بنیاد پر آپ کے گھر کے حوالے ہمارے خلاف پیش کیے جاسکتے ہیں، اسی اصول کی بنیاد پر یہ حوالہ آپ کے خلاف پیش کیا گیا۔

رہی بات فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تو ان کے سامنے تو بریلی کے خان صاحب کو آنے کی ساری زندگی جرأت نہ ہوسکی تو مولوی دیدار علی الوری صاحب کی کیا اوقات؟ تفصیل کے لیے دیکھیے ''نواب احمد رضا خان فاضل بریلوی حیات، خدمات و کارنامے'' نامی کتاب کا عنوان ''خان صاحب بریلوی کی خدمات بحیثیت ایک مناظر''۔

ان سطور کے ذریعہ بھی ہم کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی رضاخانی کسی زعم باطل میں مبتلا ہو تو ہمت کرے ''حسام الحرمین اور احمد رضا خان و دیگر اکابر بریلویہ کے کفر و ایمان اپنی ہی کتب کی روشنی میں'' کے عنوان پر ہم سے دوبدو گفتگو کے لیے سامنے آئے۔ سابقہ ریکارڈ و تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ یہ لوگ زہر کا پیالہ تو پی سکتے ہیں مگر ان شاء اللہ اس عنوان پر سامنے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہاں ہمارے مرنے کے بعد صفحے کے صفحے سیاہ کریں گے کہ ہم نے فلاں مولوی کو چیلنج دیا تھا فلاں دیوبندی مولوی کو چیلنج دیا تھا مگر اس کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

شیطانی پمپ:

رضوی صاحب اپنے شرم وحیاء سے عاری قلم سے علامہ خالد محمود صاحب کو کہتے ہیں:

''لیکن فوراً اس کو شیطان نے پمپ مارا کہ اس عبارت میں گورنمنٹ کے لفظ سے پہلے (انگریزی) کا لفظ بند کر کے عبارت یوں کردے (انگریزی گورنمنٹ)''۔ [محاسبہ دیوبندیت:۱۱۹/۲]

گویا رضوی صاحب کے نزدیک اگر کسی عبارت میں خود سے بریکٹ میں (انگریزی گورنمنٹ) لکھ دو تو یہ شیطانی پمپ ہے، اب دیکھیں موصوف خود اس ''شیطانی پمپ'' کا شکار کس طرح ہوئے۔ علمائے اہل سنت دیوبند پر الزام تراشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس کے بعد (مولانا) چالیس روپے ماہوار مشاہرہ پر ملازم ہوکر (انگریزی) گورنمنٹ کالج اجمیر چلے گئے۔'' [محاسبہ دیوبندیت:۱۶۵/۲] اسی طرح حضرت گنگوہیؒ پر الزام لگاتے ہوئے ''تذکرۃ الرشید'' کی عبارت میں خود سے بریکٹ میں: (گورنمنٹ برطانیہ) لکھتے ہیں۔ [محاسبہ:۱۸۰/۲] حالانکہ ان دونوں عبارتوں میں کہیں بھی ''انگریزی'' یا

''گورنمنٹ برطانیہ'' نہیں۔ اس سے جہاں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی بات درست ثابت ہوئی کہ گورنمنٹ سے مراد''انگریزی'' (رضاخانیوں کے نزدیک) ہی ہے اور اسی کی امداد قبول کرنے کا خان صاحب فتوی دے رہے تھے۔ وہاں دوسری طرف رضوی صاحب خود اپنی عبارت کی روشنی میں ''شیطانی پمپ'' کا شکار ہوگئے کہ شیطان نے ان کو پمپ مارا اور بریکٹ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھادیا۔ یہ شاید اسی شیطانی پمپ کے اثرات تھے جو''قلم کی غلاظت'' کی صورت میں جابجا ان کی کتاب میں بکھرے ہوئے ملیں گے۔

اس شیطانی پمپ کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو، موصوف حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی عبارت لکھتے ہیں: ''اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی (پیدا) ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' [ص:۱۳۰] حالانکہ اصل عبارت میں ''(پیدا)'' ہونے کا لفظ نہیں۔

رضوی صاحب کا ایک دھوکا:

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ نے ''مطالعہ بریلویت'' [۱/۱۱۲تا۱۱۹] میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم اور حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم کا حوالہ دیا کہ یہ حضرات اکابر دیوبند کی تکفیر کے سخت مخالفت تھے اور مولانا احمد رضا خان کو متکبر سمجھتے تھے۔ جناب رضوی صاحب اس مضبوط پکڑ پر بالکل مبہوط ہوکر رہ گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو یوں غلط بیانی سے کام لیا کہ ''مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے رجوع کرلیا تھا۔'' [محاسبہ دیوبندیت:۱۲۹/۲] حالانکہ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے، مولانا عبد الباری فرنگی محلی آخر وقت تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے، تفصیل کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم کے مقدمہ'' میں ملاحظہ ہو۔ اور مولانا عبدالحئی لکھنوی کے حوالے سے یوں جان چھڑائی کہ: ''یہ مولوی قاسم نانوتوی کے مسلکی ہم زلف تھے...... ثابت ہوا یہ ان کے اپنے ہی تھے۔'' [محاسبہ دیوبندیت:۲۱۹/۲]

حالانکہ اہل بدعت کے مناظر عبدالمجید سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''دیوبندی حضرات خوش فہمی سے سنی عالم دین حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کو ان کی کثرت تصانیف کی بنا پر اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔'' [تنبیہات:۱۲۴]

گویا علامہ عبدالحئی لکھنوی کا ''دیوبندی ہونا'' محال ہے اور دیوبندی انہیں اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ تو رضوی صاحب نے ایک تو لکھنوی صاحب کو ہمارے کھاتے میں ڈال کر ''اپنی دیوبندیت'' کا ثبوت دے کر اپنے ہی ہم مسلک علماء کے فتوی کی روشنی میں اسلام سے خارج ہوئے، دوسرا اُنہی کے فتاوی کی روشنی میں ایک سنی عالم کو دیوبندی یعنی بقول ان کے معاذ اللہ مرتد بنا کر اسلام سے خارج ہوئے۔ علامہ عبدالحئی لکھنوی کو بریلوی محمود احمد قادری نے بھی ''تذکرہ علماء اہل سنت'' [ص:۱۴۶] میں اپنے اکابر میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح بریلوی استاذ العلماء فیض احمد گولڑوی ان کا نام یوں ذکر کرتے ہیں: مولانا عبدالحئیؒ (بحر العلوم) لکھنوی [مہر منیر:۱۸]۔ یہ حال ہے ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب لکھنے والے کی معلومات کا۔

بڑھاپے میں رضوی صاحب کا ایک اور مغالطہ:

علامہ خالد محمود صاحبؒ نے ''مطالعہ بریلویت'' [۴۱۴ تا ۴۱۸] ملفوظات کے حوالے سے خان صاحب بریلوی کی چند تحریفات کا ذکر کیا۔ رضوی صاحب اس کے جواب میں اپنی عادت بد کے مطابق کذب بیانی اور مغالطہ دہی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ملفوظات کے بارہ میں یہ واضح رہے کہ پاکستان میں شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں کتابت کی بکثرت لفظی غلطیاں ہیں، اور ایک بار شارح بخاری......شریف الحق...... نے فقیر راقم الحروف کو ایک مکتوب کے ذریعہ آج سے بیس سال قبل توجہ دلائی تھی۔ حضرت ممدوح کا وہ مکتوب گرامی موجود ہے، جس میں فرمایا تھا کہ ملفوظات اعلیٰ حضرت میں کتابت کی غلطیاں بکثرت ہیں۔ آپ ملفوظات کی تصحیح فرما کر شائع کرائیں۔ اب ہم نہ صرف مانچسٹروی صاحب بلکہ عام وخاص کی اطلاع کے لیے عرض کرتے ہیں کہ وہ ملفوظات کے پاکستانی ایڈیشنوں میں بریلی شریف کے پرانے چھاپے کے مطابق تصحیح فرمالیں اور اشاعتی ادارے بریلی شریف کے قدیم چھاپے کے مطابق نیا ایڈیشن چھپوائیں۔'' [محاسبہ: ۲/۲۹۸]

رضوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بھلا پاکستان میں کسی کے پاس ''بریلی'' کا پرانا چھپا پا کہاں ہوگا؟ اور یوں یہ بڑھک مار کر ہم کہہ دیں گے کہ ہم نے تو ''منہ توڑ جواب'' دے دیا تھا۔ مگر یہ بھی موصوف کی غلط بیانی ہے کہ بریلی کے چھاپے میں تو کوئی غلطی نہیں جبکہ پاکستانی چھاپوں میں بکثرت غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ الحمدللہ راقم الحروف کے پاس ''بریلی'' کے قدیم چھاپہ خانے کے ملفوظات کے دو ایڈیشن موجود ہیں: ''طبع اول'' اور ''طبع سوم''۔ دونوں ایڈیشن باہتمام مولوی محمد حسنین رضا (خان صاحب کے بھتیجے) ان ہی کے چھاپہ خانے ''حسنی پریس محلّہ سوداگراں بریلی'' سے طبع ہوئے۔ مگر ان دونوں ایڈیشنوں میں وہی اغلاط موجود ہیں جو پاکستانی ایڈیشنوں میں ہیں۔ لہٰذا یہ رضوی صاحب کا مغالطہ بلکہ صریح کذب بیانی ہے کہ بریلی کے چھپے ہوئے قدیم نسخوں میں یہ اغلاط نہیں۔ پاکستانی ایڈیشنوں میں یہ اغلاط آئی ہی بریلی کے ایڈیشنوں سے ہیں۔ پھر رضوی صاحب کی کام چوری دیکھیں مفتی شریف الحق امجدی نے ان کو کہا کہ تم صحیح ایڈیشن چھپواؤ۔ اور یہ علامہ صاحبؒ اور مکتبوں کو کہہ رہے ہیں کہ تصحیح کرلو۔ واہ واہ۔ اس طرح جھوٹ بول بول کر مطالعہ بریلویت کا جواب لکھا گیا ہے۔ یاد رہے کہ دعوت اسلامی نے جو ملفوظات کا ایڈیشن چھاپا، اس میں تحریف کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے ان تمام مقامات میں تحریف کردی جس پر اہل سنت نے اعتراض کیے تھے۔ ہم نے رضاخانیوں کے مضمون کے جواب میں اپنے ایک مضمون ''بریلوی علماء یہود کے نقش قدم پر'' میں جب اس بدترین تحریف کا انکشاف کیا تو پاکستان سے لے کر بریلی کے اختر رضا خان تک نے تنبیہ جاری کی، جس کے بعد ایک نیا ایڈیشن دعوت اسلامی والوں نے چھاپا جس میں وہ تمام عبارات دوبارہ شامل کردیں جن پر ہم نے اپنے مضمون میں اعتراض کیا تھا، مگر دلچسپ بات یہ کہ ہم نے مضمون میں جن عبارات کا ذکر نہیں کیا، وہ اب بھی تحریف شدہ ہی موجود ہیں۔

باقی رضوی صاحب کا یہ کہنا کہ ملفوظات میں غلطیاں کتاب کی غلطیاں ہیں یہ بھی رضاخانی اصول سے درست نہیں کیونکہ:

”کاتب کی غلطی نہیں ہے کیونکہ کاتب کی غلطی اگر ہوتی تو ایک پریس میں ہوتی دو میں ہوتی یہ کیا بات ہے کہ ہر پریس کے کاتب نے یہی غلطی کی کیا کاتبوں کا باہم مشورہ ہو گیا تھا“۔[دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: ۳۲۸]

تو رضوی صاحب! کاتب کی غلطی ہوتی تو بقول علمائے رضاخانیہ ایک دو میں ہوتی یہ کیا کہ بریلی کے طبع اول سے لے کر مشتاق بک کارنر لاہور تک وہی غلطیاں؟ کیا کاتبوں نے آپس میں باہمی مشورہ کر لیا تھا؟ دراصل خان صاحب بریلوی علم سے تہی دامن تھے، اپنی کتب تو شاگردوں کی مدد سے تیار کر لیتے تھے اور ملفوظات میں چونکہ فی البدیہ گفتگو کو قلم بند کیا گیا ہے، لہٰذا یہاں ان کے علم کی قلعی خوب کھلی ہے، جسے رضاخانیوں نے کاتب کے سر مڑھ دیا۔ تفصیل ”نواب احمد رضاخان فاضل بریلوی حیات، خدمات و کارنامے“ میں ملاحظہ ہو۔

رضوی صاحب کی طرف سے خان صاحب بریلوی کے والد پر کفر کا فتویٰ:

رضوی صاحب لکھتے ہیں:

”مولوی نقی علی خان اس تحریر سے بھی مطمئن نہ ہوئے، ان کی رائے میں اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا محمد احسن منکر خاتم النبیین ٹھہرتے تھے“۔[محاسبہ دیوبندیت: ۲/۴۵۱]

گویا اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا احسن نانوتوی معاذ اللہ ”ختم نبوت کے منکر“ ٹھہرتے ہیں جو صریح کفر ہے۔ خان صاحب بریلوی کے والد جناب مولانا نقی علی خان کو چاہیئے تھا کہ ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے۔ اسی طرح مولانا احسن نانوتوی پر اثر ابن عباسؓ کی تصحیح کرنے کی وجہ سے بقول بریلویہ رامپور کے علمائے نے خارج از اہلِ سنّت اور خارج از اسلام کا فتویٰ دیا، جسے نقی علی خان کے شاگرد نے اپنی کتاب ”تنبیہ الجہال“ کے صفحہ ۱۹ پر نقل کیا، صفحہ (۲۰) پر بھی ان پر رسول اللہ ﷺ کی توہین پر مبنی کتاب چھاپنے کی وجہ سے معاذ اللہ کفر کا فتویٰ نقل کیا گیا، اسی طرح بقول رضاخانی (۱۶) سے زائد اضلاع کے علماء و مشاہیر نے اس اثر ابن عباسؓ اور اس کے مضمون کو تسلیم کرنے والوں کو کافر، مرتد، زندیق اور فارق الدّین قرار دیا۔

[تنبیہ الجہال: ۳۲]

گویا اس اثر کی تصحیح پر اس وقت کے تمام علما نے بقول فرقہ رضائیہ کفر کا فتویٰ جاری کیا اور یہ فتویٰ مولانا احسن نانوتوی مرحوم پر لگتا ہے، اب دوسری طرف ملاحظہ فرمائیں کہ خود بریلویوں نے لکھا:

”سب سے اہم بات اس تنازع میں تمام علماء نے جو صحت اثر ابن عباسؓ کے قائل نہ تھے، مولانا نانوتوی کی تکفیر کی، مگر مولانا نقی علی خان نے انتہائی احتیاط سے کام لیا اور مولانا کی تکفیر نہیں کی اور ان کے عقیدے کو اہلِ سنّت کے خلاف قرار دیا، اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:

”مولوی صاحب ممدوح کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی، نہ آپ کی یہ عادت، مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں جواب علیحدہ لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرّض نہیں کرتے“۔[تنبیہ الجہال: ۲۳، بحوالہ مولانا نقی علی خان: ۱۱۰]

لہٰذا کافر کو کافر نہ کہہ کر نقی علی خان خود اپنے بیٹے نواب احمد رضاخان فاضل بریلوی اور ہم مسلک علماء کے فتاوی کی روشنی

میں کافر ہوئے۔ یہ حال ہے مطالعہ بریلویت کا جواب لکھنے والوں کا۔ یہاں رضا خانی کہتے ہیں کہ مولانا حسن علی رضوی صاحب نے اپنا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ عبارت ''مولانا احسن نانوتوی'' نامی کتاب سے پیش کی۔ ہم کہتے ہیں کہ چلیں تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ہم نے ''تنبیہ الجہال'' کا حوالہ پیش کیا کہ اس اثر کی تصحیح قبول کر لینے کے بعد کفر کا فتوی لگتا ہے اور نقی علی خان صاحب نے کافر نہیں کہا لہٰذا ان فتاوی کی روشنی میں کافر ہوئے کہ خان صاحب کا اصول ہے کہ کافر کو کافر نہ کہنے والا بھی کافر۔ ثانیاً رضا خانیوں کا یہ اصول ہے:

''اعلی حضرت نے اس کی تعلیق میں اسے رد نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا ہے جو دلیل رضا ہے''۔ [مصلحانہ کاوش: ۵۴]

''یہاں معلوم ہوا کہ آپ متکلمین کے اس عقیدے سے متفق ہیں کہ تائید سکوتی فرما رہے ہیں''۔

[مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی: ۴۷]

''خاموشی ویسے بھی نیم رضا ہوتی ہے۔'' [کردار یزید: ۶۸]

''جناب گنگوہی نے قاضی خان سے حوالہ پیش کیا اور اس کے کسی حصہ سے اختلاف نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ گنگوہی کا بھی یہی نظریہ ہے''۔ [عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، حصہ دوم، ص ۲۷]

تو رضوی صاحب نے اس بات کو رد نہ کر کے ''تائید سکوتی'' کر دی اور یہ حرکت ''دلیل رضا'' اور ثابت ہوا کہ رضوی کا بھی ''یہی نظریہ'' ہے۔

تحریک خلافت اور دھوکا دہی کا ایک اور نمونہ:

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ نے ''مطالعہ بریلویت صفحہ ۱۸۳ تا ۱۸۵'' پر اجمالاً بیان کیا کہ انگریز نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے ترکوں اور عربوں میں آپس میں پھوٹ ڈلوائی اور ایسے نازک موقع پر پورا ہندوستان خلافت کو بچانے کے لیے ''تحریک خلافت'' میں شامل ہو گیا اور جو شامل نہیں ہوئے ان کی بھی مکمل حمایت تحریک خلافت کے ساتھ تھی۔ ایسے نازک موقع پر خان صاحب بریلوی نے ''دوام العیش'' نامی کتاب لکھ کر یہ شوشہ چھوڑا کہ ترکی خلافت تو اسلامی خلافت ہی نہیں خلافت تو ان کا حق ہی نہیں۔ یہ تحریک غیر شرعی ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں چلنے والی تحریک خلافت کتنی اہم تھی اس پر ایک حوالہ رضا خانیوں کے گھر سے ملاحظہ ہو:

بریلوی مولوی ہاشمی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا۔ وہ صرف اس لیے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانا چاہتی تھی۔ اس کی سرگرمیاں ملک طول وعرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں کہ انگریزوں کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ اسی لئے انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ، بے اصول، اور بے ایمان قرار دیں۔'' [انوار رضا: ۴۶۰]

ایسی تحریک جس کو انگریز نے ''باغی تحریک'' قرار دیا ہو اور جس کا مقصد ملک سے ''انگریز کو مار بھگانا ہو'' وہ جس بنیادی

نکتہ پر چل رہی ہو ''یعنی خلافت عثمانیہ'' جب آپ اس بنیادی نکتہ ہی پر کاری ضرب لگانے کی ناکام کوشش کریں کہ خلافت تو عثمانیوں کا حق ہی نہیں اور اس تحریک کو چلانے والوں پر فتوے لگائیں کہ یہ مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں سے چندہ بٹورنا ہے۔ تو بتائے آپ کو انگریز کا ایجنٹ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ اور یہی سب کام خان صاحب بریلوی نے کئے۔ اسی کو علامہ خالد محمود صاحبؒ نے مختصراً اپنی کتاب کے ان صفحات پر بیان کیا۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ رضوی صاحب ثابت کرتے کہ نہیں ترک صحیح لوگ نہ تھے، تحریک خلافت کی مخالفت کرنا عین اسلام تھا۔ مگر وہ حضرت علامہ کی مضبوط گرفت کا کوئی جواب نہ دے سکے سوائے اس بات کہ:

''جناب آپ چشم مادر زاد اندھے ہیں یا بدترین خائن ہیں ابھی ابھی جس مہر منیر ص ۸۶۲ کا تم نے حوالہ دیا اسی صفحہ ۸۶۲ پر آپ کے پیش کردہ حوالہ کے صرف عنوان کی ایک سطر بعد صاف صاف لکھا ہے:

''حضرت قبلہ عالم (پیر صاحب گولڑوی) قدس سرہ، اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً حضرت سید دیدار علی شاہ لاہوری جناب مولوی محمد علی مونگیری صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت (شرعیہ) کا درجہ نہیں دیتے تھے، تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اس وقت ترکوں کے ساتھ رہی، جب تک ان کی انقلاب پسند جماعت نے برسر اقتدار آ کر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں''۔ [مہر منیر: ۲۶۸] اب تو آپ کے بھی نزدیک مستند اور معتبر ترین کتاب مہر منیر سے ہم نے ثابت کر دیا ترکی کو اسلامی خلافت شرعیہ کا درجہ نہ دینے والے صرف ایک اعلیٰ حضرت...... نہ تھے بلکہ خود حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی حضرت مولانا علامہ سید محمد دیدار علی شاہ لاہوری مولوی محمد علی مونگیری اور علماء بہار اور خود دیوبندی حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی بھی اس مسئلہ میں امام اہل سنت...... کے ہم نوا ہم فکر و ہم زبان تھے''۔ [محاسبہ دیوبندیت: ۲/۵۶، ۵۷]

الحمدللہ نہ تو علامہ خالد محمود صاحبؒ مادر زاد اندھے ہیں اور نہ بریلوی کے خان صاحب بریلوی کی طرح بدترین خائن ہیں۔ ہاں آپ [رضوی صاحب] یقیناً دھوکے باز ضرور ہیں اس لئے کہ: اولاً تو علامہ خالد محمود صاحبؒ نے کہیں بھی ''مہر منیر'' کو اپنی ''مستند اور معتبر ترین کتاب'' نہیں لکھا نہ کہا۔ یہ تو آپ کے لوگوں کی کتاب ہے تو اس کو مستند ترین کیسے کہہ سکتے ہیں؟ یہ رضوی صاحب کا سیاہ جھوٹ ہے۔

ثانیاً علامہ خالد محمود صاحبؒ کا مقصد یہاں ''ترکی خلافت کی شرعی و غیر شرعی'' حیثیت پر بات کرنا نہیں بلکہ ''تحریک خلافت'' جو انگریز کے خلاف اُٹھی اس کے پس منظر میں بات کرنا ہے کہ اس موقع پر ترکی خلافت غیر شرعی ہے کی آڑ لے کر اس تحریک کی مخالفت میں واحد آواز خان صاحب بریلوی کی تھی۔ حسن علی رضوی نے مہر منیر سے جو عبارت پیش کی اس میں فقط اتنا ہے کہ یہ حضرات ''ترکی کو اسلامی خلافت شرعیہ'' کا درجہ نہ دیتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان حضرات نے اس کے حق میں اٹھنے والی ملک گیر تحریک کی مخالفت بالکل نہیں کی، بلکہ ان کی مکمل ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ یہ لوگ یا تو اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے اس لئے کہ بقول خان صاحب بریلوی جب یہ تحریک ''خلاف شریعت'' تھی تو اس کے خلاف آواز نہ اٹھانے

والا بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے، یا پھر ان کے نزدیک چونکہ تحریک خلافت کا مقصد انگریز کو مار بھگانا ہے اس لئے اس وقت اس تحریک یا خلافت کے خلاف کچھ کہنا انگریزوں کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا ہے۔ اور یہی کام خان صاحب نے کیا کہ اس تحریک جس میں پورے ہندوستان کے ہندو مسلم متحد ہو کر خلافت کو بچانے کے لیے نکل پڑے اس کے خلاف محاذ قائم کر کے تفریق بین المسلمین کا بیج بویا جوان کی ''تکفیری پالیسی کا سیاسی پہلو'' تھا۔ اسی بات کو علامہ خالد محمود صاحبؒ نے ان صفحات پر ثابت کیا جس کا کوئی جواب رضوی نہ دے سکا۔ باقی یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت حکیم الامت نے تحریک خلافت کی مخالفت کی۔ اس جھوٹ اور اس کے علاوہ رضوی اور اذناب کے تحریک خلافت پر ہر قسم کے شکوک وشبہات کے تفصیلی جوابات کے لیے ہماری کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، جلد دوم'' کا مطالعہ کریں۔ اندازہ لگائیں اس قسم کے دھوکے اور فراڈ کو مطالعہ بریلویت کا جواب باور کرایا جارہا ہے۔

موصوف نے یہ بھڑک بھی ماری کہ جس وقت دوام العیش خان صاحب بریلوی نے لکھی اس وقت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، محدث کشمیری زندہ تھے انہوں نے اس کا جواب کیوں نہ لکھا؟ یا یہ بھی انگریز کے ساتھ ساز باز میں تھے۔ [ملخصا: ۵۶]

اولاً یہ کوئی اصول نہیں کہ اگر کسی کتاب کا جواب نہ لکھا جائے تو وہ در پردہ صاحب کتاب کے نظریہ سے ساز باز کرنے والے ہوتے ہیں، ورنہ بتایا جائے کہ مطالعہ بریلویت کی ۸/جلدوں کا تفصیلی مکمل مدلل جواب کس ماں کے لال نے لکھا ہے؟ کیا یہ سب بھی علامہ صاحب سے ساز باز کر چکے تھے؟ خود رضوی صاحب باوجود وعدہ کے مطالعہ بریلویت کا جواب آج تک نہ دے سکے تو کیا انہوں نے اندرون خانہ ساز باز کر لی؟ خانصاحب بریلوی کی زندگی ہی میں ان کی کتاب ''سبحان السبوح'' کے جواب میں ''تنزیہ الالہ السبوح'' کے نام سے کتاب چھپ گئی تھی مگر خان صاحب کو جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کیا خان صاحب نے ساز باز کر لی؟ خان صاحب بریلوی کی ''حسام الحرمین'' کے جواب میں ''المہند'' اور ''الشہاب الثاقب'' طبع ہوئی مگر خان صاحب کو نہ تو ان کا جواب لکھنے کی جرأت ہوئی، نہ دوبارہ حرم مکہ ومدینہ جانے کی ان کو جرأت ہوئی، کیا خان صاحب نے ساز باز کر لی؟ خان صاحب کی کتب کی اوقات ہی کیا ہے جو جواب لکھا جائے؟ آدھی سے زیادہ تو مغلطات پر مبنی ہوتی ہیں۔ باقی خان صاحب نے اس کتاب میں جو مرکزی دلیل دی یعنی ''الائمۃ من القریش'' تو اس کا صحیح مطلب انہی دنوں میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جگہ جگہ اپنے خطابات میں بیان فرماتے رہے، ملاحظہ ہو ''خطبات صدارت''۔

رضوی صاحب تعصب میں جھوٹ بولتے ہوئے بھی نہیں شرماتے:

رضوی صاحب تعصب اور بغض دیوبند میں کس قدر اندھے ہو چکے ہیں؟ اس کا اندازہ اس عبارت سے لگائیں موصوف لکھتے ہیں:

''دیوبندیوں وہابیوں کے ایک بقلم خود محقق وخود ساختہ محدث اور مرفوع القلم مصنف مولوی سرفراز گکھڑوی بھی ہیں جن کو وہاں کے لوگ سرفراز کے بجائے اس کے حسب حال سرخراب کہا کرتے ہیں''۔ [محاسبہ: ۲/۴۱۷]

حالانکہ یہ رضوی کا صریح جھوٹ ہے۔ اس بات کا اس ظالم نے کوئی ثبوت نہیں دیا کہ گوجرانوالہ کے لوگ معاذ اللہ

حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کو ''سرخراب'' کہتے ہیں۔ اگر رضوی میں غیرت نام کی کوئی چیز ہے تو اس کا مستند ثبوت فراہم کرے۔ سر دست ہم رضوی کو اسی کی زبان میں جواب دیتے ہیں:

''یہ حوالہ حرامی ہے کسی دیوبندی ملاں (اب اس کی جگہ حسن علی رضوی لکھ دیں۔ ساجد) کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جنم لیا ہے، پھر اس مضمون کی ترتیب بھی بتارہی ہے کہ یہ حوالہ ولد الحرام ہے''۔ [محاسبہ:۲/۴۴]

رضوی صاحب دوسروں کو تو ''مرفوع القلم'' کہتے ہیں مگر ان کی اپنی کی دماغی حالت اور ہذیانی کیفیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ''حوالے کو دیوبندی مولوی کے پیٹ سے جنم لینے کی وجہ سے حرامی'' کہہ رہا ہے۔ کیا رضوی صاحب کے خاندان میں ''مردوں کے پیٹ سے بچے جنم'' لیتے ہیں جو موصوف حلالی وحرامی کے حکم لگارہے ہیں؟

رضوی صاحب کی ایک اور صریح کذب بیانی:

رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب دیوبندی بھی کان کٹوا کر عید میلاد النبی کی سرکاری تقریبات میں یہ کہہ کر شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا بھی حق ہے، ہمارا بھی حصہ ہے، ہم بھی اس ملک کے باشندے ہیں اور پھر اگر موقع مل جاتا ہے تو بریلویوں کی بولی میں بولی ملا کر دھوکہ دینے کے لیے ویسا ہی میلاد نما واعظ کرتے بلند آواز سے درود شریف پڑھواتے ہیں، نعرہ تکبیر نعرہ رسالت یا رسول اللہ کے وقت ذرا زیر لب ندامت کی ہنسی ہنس دیتے ہیں اور پھر میلاد و فاتحہ کی مٹھائی بھی وصول کرتے ہیں۔ لائن میں کھڑے ہو کر حسنِ قرات، حسنِ نعت کا انعام بھی وصول کرتے ہیں، البتہ صلوۃ وسلام کے وقت اسٹیج سے کود کر بھاگ جاتے ہیں''۔ [محاسبہ:۲/۵۳]

اس جھوٹ پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ **لعنۃ اللہ علی الکاذبین**۔ اگر رضوی میں غیرت ہے تو کسی ذمہ داری دیوبندی کے حوالے سے یہ سارے امور ثابت کرے۔ ورنہ رضوی ہی کی غیر مہذب زبان میں یہ حوالہ حرامی ہے۔ کسی رضوی کے پیٹ سے جنم لیا ہوا ہے۔

بطور لطیفہ ایک اور بات عرض کردوں کہ رضوی صاحب کتابت کی ایک غلطی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نانوتوی صاحب نے محولہ بالا عبارت میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا اور تھانوی صاحب نے محمد الرسول لکھا ہے۔ یہ الف لام کا اضافہ کر کے الرسول کون سے عربی قواعد یا ضابطہ سے ہے؟ [محاسبہ:۲/۲۴۹،۲۵۰]

حالانکہ ہم نے جو اوپر عبارت دی اس میں موصوف ''وعظ'' کو ''واعظ'' لکھ رہے ہیں یہ کونسی ''اردو معلیٰ'' ہے؟۔ پھر اس عبارت کی فصاحت بھی ذرا ملاحظہ ہو کہ حرف عطف سے پہلے ''عربی قواعد'' جمع ذکر کرتے ہیں اور مابعد ''ضابطہ'' واحد ذکر کرتے ہیں۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

منافقت ہی منافقت:

رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''کسی کا عقیدہ و مسلک اس کی اپنی کتاب سے لکھا جاتا ہے...... یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ایمان و عقیدہ یا مسلک تو بیان کریں ہم مانچسٹروی کا، مگر حوالہ دیں مودودی یا غلام احمد پرویز کا''۔[محاسبہ:۶۰۰/۲]

گویا اگر عقیدہ و مسلک ہمارا بیان کرنا ہے تو کسی ''مودودی'' کا حوالہ بالکل غیر مناسب ہے۔لیکن اپنے ہی ایک رسالہ ''اکابر دیوبند کا تکفیری افسانہ'' کے ''ص ۵۱،۲۳'' پر ''مودودی'' کو ہمارے اکابر میں شمار کر کے اس کے فتوے اور عبارات ہمارے ہی خلاف پیش کیے۔کیا یہ کھلی منافقت نہیں کہ خود ایک کتاب میں ایک بات کو غیر مناسب لکھو اور اپنی دوسری کتاب میں اسی غیر مناسب حرکت کا ارتکاب کرو؟ باقی ''اکابر دیوبند کا تکفیری افسانہ'' کا منہ توڑ جواب کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد سوم'' میں دیا جا چکا ہے۔(الحمدللہ)

اپنے ہی مولوی کو قادیانی نواز ثابت کر دیا:

رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں سے مرزا مردود غلام قادیانی کو سہارا ملا کہ کروڑوں نبی پیدا ہو سکتے ہیں اور کروڑوں محمد ﷺ کے برابر پیدا کئے جاسکتے ہیں تو تو نبوت کا دعوی اور اپنی نام نہاد رسالت کا اعلان کر دے تو اس کذاب نے ڈنکے کی چوٹ نبوت کا دعوی کر دیا''۔[محاسبہ:۳۱۱/۲]

گویا جب یہ کہا گیا کہ اللہ تعالی کروڑوں نبی پیدا کرنے پر قادر ہے تو یہیں سے مرزا غلام احمد قادیانی کو شہہ ملی اور اس نے نبوت کا دعوی کر دیا۔اب آئیے ہم دکھاتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے لیے یہ راستہ اس اصول کی بنیاد پر کس نے ہموار کیا۔ بریلوی شمس العارفین نور الحسن لکھتے ہیں:

''اس میں کلام نہیں کہ اس خلاق العلیم نے جیسا یہ سلسلہ انبیاء و مرسلین ابتدا سے انتہا تک اور دنیا و مافیھا بلکہ تمام موجودات کو پیدا کیا ہے، ایسی مخلوقات یعنی اس کی مثل لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پیدا کر سکتے ہیں''۔

[الانسان فی القرآن:۳۱۷،طبع سوم تحریف شدہ ایڈیشن]

موصوف ''اَرزل العمر'' میں بالکل ہی سٹھیا گئے ہیں انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جب وہ خود ساختہ اُصول اور فتوے گھڑ رہے ہوتے ہیں تو اس کی زد میں سب سے پہلے اسی کے اکابر آتے ہیں۔عجیب جہالت ہے بھلا اللہ کی قدرت کا مرزا کی نبوت سے کیا جوڑ اور کیا تعلق؟ اس الٹی عقل سے کل کو کسی ناجائز عمل کا مرتکب اپنے لیے بہانہ تراش سکتا ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ میرے اعلی حضرت خان صاحب بریلوی اتنے متقی، پرہیزگار ہونے کے باوجود ناجائز عمل کر سکتے ہیں، اس پر قادر ہیں تو میں کیوں نہیں کر سکتا، لہٰذا مجھے شہہ ملی اور میں نے کر دیا۔شرم تم کو مگر نہیں آتی......رضوی صاحب ہی کی زبانی ہم ان کو کہیں گے: ''یقین کریں گے کہ یہ شخص مخبوط الحواس ہو چکا ہے۔''[محاسبہ:۵۱/۲]

حفظ الایمان اور رضوی صاحب کی لایعنی تاویلات:

حفظ الایمان کی مشہور عبارت کے حوالے سے علامہ صاحب نے یہ عبارت پیش کی:

و ان اراد بہ الاطلاع علی بعضھا فلا یکون ذالك خاصة النبی اذ ما من احد الا ویجوز ان یطلع علی بعض الغائبات. اور وہ اگر اس سے بعض غیب پر مطلع ہونا مراد لیں تو اس میں نبی کی کوئی تخصیص نہیں رہتی کیونکہ بعض غیبی امور پر تو ہر ایک کو (کچھ نہ کچھ) اطلاع ہوتی ہے''۔

اس پر رضوی نے اول تو تین سطریں گالیاں لکھیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

نمبر۱: اس میں علم غیب کی بات نہیں کی گئی، بعض غیبی امور کی اطلاع کا ذکر ہے علم غیب اور بعض غیبی امور کی اطلاع میں بڑا فرق ہے۔[محاسبہ:۲/۵۵۵،۵۵۶]

یہ بات تو بالکل درست ہے کہ ''علم غیب'' اور ''بعض امورغیبیہ'' میں بڑا فرق ہے، لیکن رضاخانی اس کو تسلیم نہیں کرتے وہ ہر غیبی امر کی اطلاع کو علم غیب ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔مطالبہ پر اس پر بیسیوں حوالہ جات الحمدللہ پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن سردست یہاں خود رضوی صاحب کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ اس عبارت میں ''غیبی امور'' نہیں بلکہ ''علم غیب'' ہی مراد ہے۔ رضوی صاحب چند سطر بعد ہی لکھتے ہیں:

''مصنف یہاں غیر انبیاء کو علم غیب ثابت کرنا چاہتا ہے، لیکن اکابر دیوبند تو انبیاء و رسل علیہم السلام کو علم غیب کے قائل نہیں''۔[محاسبہ:۲/۵۵۶]

یہ ہے اس آدمی کے حافظہ کا حال کہ چند سطر پہلے لکھتا ہے کہ اس عبارت میں ''بعض غیبی امور'' کا ذکر ہے نہ کہ ''علم غیب'' اور محض ۶ر سطر بعد لکھتا ہے کہ اس عبارت میں ''علم غیب'' کا ذکر ہے۔اب قارئین ہی جواب دیں کہ ہم کس بات کو سچا تسلیم کریں پہلی کو یا دوسری کو؟ واقعی دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔

اسی طرح حفظ الایمان کے دفاع میں علامہ صاحب نے شرح مواقف کی ایک زبردست عبارت پیش کی تھی کہ غیب کی تمام باتوں پر مطلع ہونا یہ نبی کے لیے ضروری نہیں اور بعض غیوب پر مطلع ہونا اس میں نبی کی کوئی تخصیص نہیں مطلق بعض غیب گو کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ہر ایک کو حاصل ہے۔[ملخصا مطالعہ بریلویت:۳۶۶]

اس کے جواب میں موصوف اپنی جہالت کا ثبوت اس طرح دیتے ہیں کہ شرح مواقف کی عبارت میں تو بعض غیب کا ذکر ہے، علم غیب دیئے جانے کا ذکر نہیں، اگر علم غیب ہی مراد ہے تو مانچسٹروی بتلائے کہ راقم الحروف ۲۲ر ستمبر ۱۹۹۴ء کے دن گیارہ بجے کیا کر رہا تھا؟ پھر حفظ الایمان میں زید، بکر حیوانات کا ذکر ہے شرح مواقف میں نہیں''۔[ملخصا محاسبہ:۲/۵۵۷،۵۵۸]

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ رضاخانیوں کے نزدیک اطلاع، اظہار، امور غیبیہ، علم غیب یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں۔اس کی ایک واضح سی مثال یہ ہے کہ قرآن میں کہیں بھی نبی کریم ﷺ کے لیے ابتدائے آفرینش سے الی یوم القیامۃ کے

ذرے ذرے کا علم غیب'' ثابت نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً بعض امور غیبیہ دیئے جانے کا ذکر ہے۔ جسے قرآن کبھی انباء الغیب، کبھی اظہار غیب اور کبھی اطلاع علی الغیب سے تعبیر کرتا ہے۔ انہی آیات کو رضا خانی نبی کریم ﷺ کے جمیع ما کان و ما یکون کے علم غیب پر دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں تمہارے نزدیک ایک ہی ہیں۔

باقی یہ کہنا کہ شرح مواقف اور حفظ الایمان کی عبارت میں فرق ہے۔ تو اسی کا نام اگر فرق ہے جو آپ نے ذکر کیا پھر تو یوں کہہ دو کہ شرح مواقف عرب سے چھپی ہے، حفظ الایمان ہند و پاک سے، شرح مواقف اعلیٰ کاغذ پر چھپی ہے حفظ الایمان ادنی!!!! او خدا کے بندے!!! تیرا اپنا پیر و مرشد مصطفیٰ رضا خان فتاویٰ مصطفویہ میں کہتا ہے کہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ لان العبرۃ بالمعنی لا باللفظ۔ [فتاوی مصطفویہ: ۴۶۷] اور معنی کے اعتبار سے شرح مواقف اور حفظ الایمان کی عبارتیں دونوں ایک جیسی ہیں، کیونکہ حضرت حکیم الامتؒ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ اگر محض بعض امور غیبیہ یا بقول تمہارے علم غیب کی وجہ سے آپ ﷺ کو عالم الغیب کہو گے تو اس میں حضور ﷺ کی تخصیص نہیں کیونکہ مطلق بعض امور غیبیہ تو ہر ایک کو حاصل ہیں۔ یہی صاحب شرح مواقف کہہ رہے ہیں کہ اس میں انبیاء کی تخصیص نہیں۔ تم کہتے ہو کہ شرح مواقف میں زید بکر، عمر حیوانات کا ذکر نہیں، تو لیجئے یہ بھی ہم آپ کے اصول کے تحت ثابت کر دیتے ہیں۔ رضوی صاحب نے [محاسبہ: ۲/۴۸۸، تا ۴۹۹] کئی صفحات اس پر سیاہ کئے کہ جب دیوبندیوں نے حضور ﷺ کی صفت رحمۃ للعالمین کو حضور ﷺ کا خاصہ ماننے سے انکار کر دیا تو گویا اس میں اپنے مولویوں کو شامل کرنا چاہتے ہیں ان کو رحمۃ للعالمین بنانے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا۔ اب یہی اصول شرح مواقف پر لاگو ہوگا کہ جب اس میں بعض غیوب پر اطلاع کو انبیاء کا خاصہ نہیں بتایا گیا تو اس کا مطلب ہے کہ دیگر لوگ بھی اس میں شامل ہیں دیگر افراد کی تخصیص عبارت میں کہیں نہیں، لہٰذا اس میں دیوبندی غیر دیوبندی بھی شامل ہوں گے اور رضا خانیوں کے نزدیک معاذ اللہ دیوبندی مرتد ہیں جو بہائم سے بھی بدتر ہیں، لہٰذا شرح مواقف کی عبارت کا مفہوم اور مآل یہی نکلا کہ بعض امور غیبیہ انبیاء کے ساتھ خاص نہیں اس میں زید، عمرو، بکر، دیوبندی، غیر دیوبندی، بہائم سب شامل ہیں۔ ہماری اس بات کی تائید رضا خانی غزالی زماں احمد سعید کاظمی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''**اللہ خالق کل شیء** یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، لیکن اللہ خالق القاذورات وغیرھا (اللہ تعالیٰ گندگیوں اور دوسری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے) کہنا جائز نہیں کہ ذلیل اور رذیل اشیاء کی تفصیل ایہام کفر کی وجہ سے یقیناً موجب توہین ہے۔ [ملخصا] ملا علی قاریؒ کے اس بیان کی روشنی میں ہمارے ناظرین کرام پر مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی عبارت حفظ الایمان کا توہین آمیز ہونا بخوبی واضح ہو گیا ہوگا اور تھانوی صاحب نے اپنی عبارت کی تائید کے لیے شرح مواقف کی عبارت سے استدلال کیا ہے، اس کا بے سود ہونا بھی اہل علم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض علم غیب حیوانات بہائم پاگلوں کو ہوتا ہے، تب بھی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی طرح یہ کہنا کہ اگر حضور ﷺ کے لیے بعض علم غیب مانا جائے تو ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے، یقیناً حضور ﷺ کے حق میں موجب توہین ہوگا کیونکہ اس عبارت میں بچوں، پاگلوں، بہائم کے الفاظ ایسے ہیں جن کی تصریح ہر اہل فہم کے نزدیک اس

کلام میں ایسی صریح توہین پیدا کر رہی ہے جس کا انکار بجز معاند متاسف کے کوئی شخص نہیں کر سکتا بخلاف عبارت شرح مواقف کے کہ اس میں بچوں پاگلوں جانوروں اور حیوانوں کی قطعا کوئی تفصیل مذکور نہیں"۔[الحق المبین: ۲۰،۲۱ رمکتبۃ المدینہ]

کاظمی صاحب نے حفظ الایمان کی عبارت کا جو حلیہ بگاڑ کر پیش کیا اس طرف ہم فی الحال نہیں جاتے لیکن غور فرمائیں یہاں کاظمی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ دونوں عبارتیں ایک ہی جیسی ہیں۔ بس اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ باقی کاظمی صاحب کا یہ کہنا کہ ایک چیز اجمال میں ہو تو درست تفصیل میں ہو تو گستاخی ہوتی ہے۔ یہ ہمیں علی الاطلاق تسلیم نہیں اس لئے کہ اگر اسی اجمال کو تعلیم کی غرض سے تفصیلا بیان کیا جائے تو گستاخی نہیں ہوگا، ہاں تعلیم کی غرض نہ ہو ویسے ہی تفصیل بیان کی جائے تو پھر یقیناً یہ حرکت غیر مناسب ہوگی۔ چنانچہ امام بیجوریؒ لکھتے ہیں:

واختلاف العلماء فی جواز نسبة فعل الشرور والقبائح الیه تعالی،والراجح جواز ذالك فی مقام التعلیم لافی غیره، وهذا الخلاف جار ایضا فی نسبة الامور الحسیة الیه تعالی والاصح الجواز فی مقام التعلیم لا فی غیره فلا یجوز ان یقال الله خالق القردة والخنازیر و سبحان من رزق الهدهد و من دبب الشوك ان لم یکن فی مقام التعلیم.[حاشیة البیجوری علی جوهر التوحید:۴۲۱]

اگر ہماری اس عبارت کو موصوف تسلیم نہ کریں تو ہم انہی کی عبارت کی روشنی میں اس مدعی کو ثابت کر دیتے ہیں موصوف لکھتے ہیں:

"اللہ خالق کل شیء یہ کہنا بالکل جائز ہے کہ اللہ تعالی ہر شے کا خالق ہے لیکن اللہ خالق القاذورات وغیرھا (اللہ تعالی گندگیوں اور دوسری چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے) کہنا جائز نہیں کہ ذلیل اور رذیل اشیاء کی تفصیل ایہام کفر کی وجہ سے یقیناً موجب توہین ہے۔"

اب اگر "اللہ خالق القاذورات وغیرھا" لکھنا موجب توہین ہے تو آپ نے لکھا تو ہے، تفصیل بیان تو کر دی۔ لہٰذا آپ اس کفر و توہین کی زد میں تو آ رہے ہیں!!! اگر جواب ہو کہ میں نے تو مقام تعلیم میں ذکر کیا ہے تو جناب حضرت حکیم الامتؒ نے بھی یہ تفصیل مقام تعلیم ہی میں ذکر کی ہے لہٰذا کوئی گستاخی نہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی کہے کہ شرح مواقف و حفظ الایمان دونوں کو ایک جیسا کاظمی صاحب نے "بالفرض" کے ساتھ کہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ رضوی صاحب لکھتے ہیں: "اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور کے بعد بھی دوسرا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو پھر حضور آخر الانبیاء کیسے قرار پائیں گے۔ حضور کے بعد بھی نئے نبی کو فرض کرنا کھلے طور پر بتا رہا ہے کہ مولوی قاسم نانوتوی کے نزدیک خاتمیت محمدی کا معنی ختم زمانی نہیں بلکہ ختم ذاتی ہے"۔[محاسبہ:۲/۸۵۴] تو اگر معاذ اللہ محض فرض کرنے سے آدمی ختم نبوت کا منکر ہو جاتا ہے اور وہ فرض حقیقت پر محمول ہو جاتا ہے تو کاظمی نے بھی اگر "بالفرض" کہہ دیا تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ باقی یہ کہنا: "ہر اہل فہم کے نزدیک اس کلام میں ایسی صریح توہین پیدا کر رہی ہے جس کا انکار بجز معاند متاسف کے کوئی شخص نہیں کر سکتا۔" یہ بھی آنجناب کی ضد و تعصب ہے ورنہ یہی عبارت خان صاحب بریلوی نے اپنے دوست مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو دکھائی ان کو سمجھائی مگر انہیں پھر بھی اس عبارت میں کوئی گستاخی و توہین نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس عبارت میں سرے سے کوئی گستاخی ہی نہیں:

"مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے جب

اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو دکھائی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو اس میں کفر نظر نہیں آتا۔اعلی حضرت نے ایک مثال دی پھر بھی انہوں نے نہ مانا۔اعلیٰ حضرت خاموش ہوگئے اور دوستی و محبت کو برقرار رکھا‘‘۔[سیرت انوار مظہریہ:۲۹۲]

اب ذرا ان مبتدعین کی ایک جسارت ملاحظہ ہو،انھوں نے خود یہ امر تسلیم کیا کہ ہمارے مولوی اشرف سیالوی نے اپنی کتاب میں حفظ الایمان سے بھی زیادہ گستاخانہ عبارت لکھی ہے مگر کسی رضا خانی میں آج تک یہ جرأت پیدا نہ ہوئی کہ حرمین و عرب دنیا سے اس پر فتوی لائے کہ: **من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر** یا کم از کم پاک و ہند کے بریلوی علماء ہی سے متفقہ طور پر یہ فتوی شایع کر دیتے۔یہ عشق رسالت کا نعرہ محض ڈھونگ ہے اور علمائے دیوبند سے اختلاف محض ضد و تعصب کی بنیاد پر نہ کہ کسی اصول کی بنیاد پر ورنہ اصولوں دونوں طرف کے افراد کے لیے یکساں ہوتے۔ملاحظہ ہو:

’’لیکن افسوس صد افسوس کہ حضرت (اشرف سیالوی۔ساجد) نے یہاں اپنی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ کے کسی وصف کو نہیں بلکہ خود آپ ﷺ کی ذات بابرکات کو ایک بے عقل و بے شعور چیز کا عین ٹھہرانے کو حدیث سے ثابت کر دیا ہے۔(العیاذ باللہ)اب جب کہ حضرت کی تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو کسی بے عقل و بے شعور چیز کا عین قرار دینا حدیث سے ثابت ہے تو پھر آپ ﷺ کے کسی وصف کو کسی بے شعور و بے عقل شے کے وصف کا عین قرار دینا یا اس سے تشبیہ دینا بہ درجہ اولیٰ ثابت ہوسکتا ہے۔(العیاذ باللہ) لہٰذا حضرت اس عبارت کے متعلق ذرا اظہارِ خیال فرمائیں‘‘۔(اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پیش کی۔ساجد)(نبوت مصطفیٰ ﷺ ہر آن ہر لحظہ،حصہ دوم،ص:۲۵،۳۵)

یعنی رضا خانیوں کے بقول اشرف سیالوی صاحب نے نبی کریم ﷺ کی ذات ہی کو ایک بے شعور و بے عقل بے جان چیز سے تشبیہ دے دی تو آپ ﷺ کے کسی وصف مثلاً علم کو کسی بے شعور بے عقل مثلاً گدھا گھوڑا سے تشبیہ دینا تو بدرجہ اولی ثابت ہوگا اور صحیح ہوگا۔معاذ اللہ۔ہے کسی رضا خانی میں غیرت کے یہاں کفر کا فتوی لگائے؟

خلاصہ کلام:

بہرحال رضوی صاحب کی ان دو جلدوں کی کتاب (کی دھوکا دہی،دجل و تلبیس،غلط بیانی،حوالوں میں ہیر پھیر،حضرت علامہ صاحب کے مقصد کا غلط مفہوم نکال کر اس پر جواب کی بنیاد رکھ کر ڈینگ مارنا کے جواب ہوگیا،اپنے ہی بزرگوں سے انکار،نام نہاد اصولوں،اور رضوی صاحب ہی کی دیگر کتب سے اس کتاب کا تعارض،رضا خانی کتب سے اس کتاب کے تعارض) پر اگر تفصیلی تبصرہ کیا جائے تو کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں،بطور مثال یہ مختصر تبصرہ ہم نے کر دیا ہے،اسی کو رضوی صاحب کے اُصول کے تحت پوری کتاب کا جواب سمجھا جائے۔

فاضل نوجوان مولانا احسن خدامی صاحب نے حضرت علامہ صاحب کی علمی،تصنیفی،تبلیغی و مسلکی خدمات پر ایک خصوصی نمبر نکالنے کا ارادہ کیا ہے،اللہ پاک انہیں اس بہترین کاوش کا صلہ اپنی بارگاہ سے اپنی شان کے مطابق دے۔(آمین) اس قحط الرجال کے زمانے میں جہاں پہلے ہی بڑوں سے بدگمانیاں عروج پر ہیں ایسے نوجوانوں کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں جو اپنے اکابر کی علمی تراث کو اپنے لئے سرمایہ حیات اور زندگی گزارنے کا ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔ ☆☆☆☆

محمد عمر، مقبوضہ کشمیر

مطالعہ بریلویت ایک علمی و تحقیقی لاجواب کتاب

۱۴/مئی ۲۰۲۰ء (بمطابق ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ) بروز جمعرات رئیس المحققین، مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنہیں اب گردشِ افلاک پیدا کر نہیں سکتی
کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گورِ غریباں میں

حضرت رحمہ اللہ کی وفات پر جہاں دنیا بھر میں اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھنے والے افراد کو صدمہ پہنچا وہاں بریلوی حضرات نے خوب خوشی کا مظاہرہ کیا جو اخلاقی طور پر نہایت غیر مناسب عمل ہے۔ اور ایسا کرنے کی دو بنیادی وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ بعض منفی صفات اُنھیں ورثہ میں ملی ہیں۔ دوسری وجہ حضرت علامہ صاحب کی مایہ ناز علمی، تحقیقی، فکری اور مطالعاتی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' ہے۔

کیا مطالعہ بریلویت فرقہ واریت پر مبنی کتاب ہے؟

حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف میں ''مطالعہ بریلویت'' سب سے ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب ردِ بریلویت نہیں بلکہ مطالعہ بریلویت کی غرض سے لکھی گئی ہے، جیسا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ: ''سو یاد رہے کہ مطالعہ بریلویت رد بریلویت نہیں ہے، ہمارے بریلوی دوست اگر تعصب سے ایک طرف ہو کر بریلویت کا مطالعہ کریں تو اس سے بریلویت کی جڑیں کہیں دُور تک پہنچتی نہ ملیں گی۔'' [مطالعہ بریلویت: ۳/۵] ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ رد بریلویت کی نہیں صرف مطالعہ بریلویت کی تاریخی دستاویزات ہیں۔'' [مطالعہ بریلویت: ۱۷/۸]

بریلویت سے مراد کیا ہے؟

مطالعہ بریلویت میں لفظ ''بریلویت'' سے ان کی مراد کیا تھی؟ وہ بھی قارئین کے ذہن میں رہنی چاہیے، چنانچہ علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''مطالعہ بریلویت میں لفظ بریلویت ایک وسیع مفہوم میں لیا گیا ہے، یہاں بریلویوں سے مراد صرف وہی لوگ نہیں جو مولانا احمد رضا خان کے خاص دین و مذہب پر چلے، جس کی آپ نے وصیت کی تھی، بلکہ جو لوگ ان کے سے عقائد رکھتے ہیں اور ان کی دینی رونقیں اور مذہبی کاروبار اعراس و ختمات کے گرد گھومتا ہے وہ سب اس وسیع مفہوم میں شامل ہیں۔'' [مطالعہ: ۱۹/۳] سو یہ سب جاننے کے باوجود کوئی کوتاہ فہم شخص ہی ہوگا جو یہ کہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کی یہ کتاب فرقہ واریت کی غرض سے لکھی گئی تھی۔ (دیکھیے: ۵۹۴/۲۔ [ادارہ])

مطالعہ بریلویت کا جواب کیسے دیا جائے؟

اول تو یہ کتاب بریلویت کے رد پر نہ تھی اور اگر کسی کو اختلاف کرنا تھا، تو اس کے لیے کتاب کی دوسری جلد میں یہ اعلان اور شرط پیش کی گئی:

''دیوبندی، بریلوی اختلاف پر پہلی کتاب ''انوارِ ساطعہ'' عوام کے سامنے آئی تھی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوری رحمہ اللہ نے ''انوار ساطعہ'' کو متن بنا کر ذیل میں ''براہین قاطعہ'' کے نام سے اس کا جواب لکھا، تا کہ مطالعہ کرنے والا دونوں طرف کی بات ایک ہی وقت میں دیکھ سکے۔

فضیلۃ الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب نے نزاع کو ختم کرنے اور غلط فہمیوں کو دُور کرنے کے لئے کتابِ ہٰذا ہدیہ قارئین کی ہے۔ اگر کوئی صاحب اس کا جواب لکھنا چاہیں تو وہ اس کتاب کو متن بنا کر ساتھ ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔ کتابِ ہٰذا کے لفظ لفظ کو سامنے لائے بغیر اس کا جواب ناکافی اور ناقابلِ اعتناء سمجھا جائے گا۔ جب تک کوئی جواب کتابِ ہٰذا کے پورے متن کا حامل نہ ہوگا اسے کتابِ ہٰذا کا جواب نہ سمجھا جائے گا۔ مرتب کتابِ ہٰذا۔ حافظ محمد اسلم عفا اللہ عنہ ساکن ڈنکاسٹر انگلینڈ: فاضل جامعہ رشیدیہ ساہیوال پاکستان: ۵/اکتوبر ۱۹۹۵ء'' [مطالعہ بریلویت: ۱۸/۲]

قارئین کرام اس اعلان اور شرط کو دیکھنے کے بعد تو ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب لکھنے والوں کو یہ چاہیے تھا کہ اس ساری کتاب کو متن بنا کر جواب نیچے لکھتے، تا کہ عوام الناس کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا، لیکن بریلوی حضرات اس عالمی شہرت یافتہ کتاب کے دلائل سے اتنے عاجز رہے ہیں کہ آج تک اس کتاب کا کوئی جواب مذکورہ بالا شرط کے مطابق نہیں دیا گیا اور نہ ہی ان سے کبھی مستقبل میں ایسی کوئی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ تاہم چند غیر معروف بریلوی حضرات نے جوابی تحریرات لکھ کر جواب دینے کی کوشش کی ہے، مگر ان کی یہ تمام محنت بے سود اور بے فائدہ ہی رہی ہے، کیونکہ یہ تحریرات خود بریلوی مسلک کے خاص و عام کے ہاں شہرت اور پذیرائی حاصل نہ کرسکیں۔ مطالعہ بریلویت کے آج تک کئی اڈیشن چھپ چکے ہیں اور یہ کتاب الحمد للہ عالمی سطح پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔ بریلوی حضرات کی جوابی تحریرات ماقبل میں ذکر کردہ اعلان اور شرط کے مطابق مطالعہ بریلویت کا جواب نہیں، کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی تحریر مطالعہ بریلویت کا مکمل جواب نہیں، کسی نے دو تین باتوں کا اپنے زعم میں جواب لکھا تو کسی نے فاضل بریلوی کا محض ناکام دفاع کیا، کسی نے اپنے بریلوی بڑوں کے نقشِ پا پر چل کر فضول باتوں اور گالیوں سے اوراق سیاہ کیے تو کسی نے محض الزامی جواب دینے میں ہی وقت ضائع کیا۔ جن کا اہل علم و دانش کے ہاں کوئی وزن نہیں۔

غیر معروف اور ناکام جوابی تحریرات:

جن تحریرات کو بریلوی حضرات ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب تصور کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:- [۱] ''محاسبہ دیوبندیت''......از حسن علی رضوی۔ [۲]: ''صاعقۃ الرضا''......از عبد الوہاب خان قادری۔ [۳]: ''ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کی ایمان سوز فریب کاریاں''......از سید بادشاہ تبسم بخاری۔ (یہ دراصل ایک مضمون ہے۔) [۴]: عبد الستار ہمدانی کی چند الزامی تحریرات۔ ان تحریرات کے مضمون نگاروں نے اپنے بریلوی بڑوں کی طرح علمائے حق علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کی عبارات،

حکایات، تراجم، خوابوں اور سیاسی نظریات پر الزامات و اعتراضات کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عبارات کا ناکام دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین اگر ''مطالعہ بریلویت'' کی مکمل جلدوں کا مطالعہ کریں گے تو ان سب اعتراضات کے جوابات آپ کو مطالعہ بریلویت میں ہی مل جائیں گے، لیکن کیا کِیا جائے اِس اَمر کا کہ بریلویت جہالت کا دوسرا نام ہے، انہوں نے مطالعہ بریلویت کو مکمل پڑھے بغیر ہی اپنے زعم میں ردلکھنا شروع کر دیا۔ مولانا ابوایوب قادری حفظہ اللہ کی کتاب ''سفید و سیاہ پر ایک نظر'' میں ان میں سے بیشتر اعتراضات کے شافی جوابات اور حقائق پر مبنی معلومات موجود ہیں۔ زیرِنظر تحریر میں احقر ''مطالعہ بریلویت'' کے خلاف لکھی گئی تحریرات کا اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے:

کچھ محاسبہ دیوبندیت کے بارے میں

''مطالعہ بریلویت'' کے جواب کے طور پر لکھی گئی حسن علی رضوی صاحب کی کتاب ''محاسبۂ دیوبندیت'' کے بارے میں مولانا ساجد نقشبندی کا قدرے مفصل مضمون اِسی اشاعت خاص میں شامل ہے، میں یہاں جناب حسن علی رضوی کے دوہرے معیار کی ایک مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ: ''جن الفاظ کا ایک معنی صحیح اور ایک معنی غلط اور بے ادبی و گستاخی پر مبنی ہو، ایسا ذو معنی الفاظ بھی سخت ممنوع ہے۔ **للکافرین** میں واضح اشارہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان ارفع میں ادنیٰ بے ادبی بھی کفر قطعی ہے۔'' [محاسبہ دیوبندیت: ۲/۲۷۵] جناب حسن علی صاحب کا یہ اصول تو دوسروں کے لئے تھا، لیکن جب اپنوں کو بچانے کی بات آئی تو فرماتے ہیں: ''مذکورہ بالا لفظ بھی ذو معنی ہیں، قائل کو کفر سے بچایا جائے گا، اور الفاظ کو غیر کفریہ معنی پر محمول کیا جائے گا۔'' [برق آسمانی: ۱۴۷] قارئین نے یہ دوہرا معیار ملاحظہ فرمالیا کہ دوسروں کے لیے ذو معنی لفظ ''کفر'' اور اپنوں کے لئے ذو معنی لفظ ''اسلام'' کے معنی پر محمول کیے جا رہے ہیں۔

''صاعقۃ الرضا'' کی حقیقت

''مطالعہ بریلویت'' کے جواب کے طور پر لکھی جانے والی دوسری کتاب ''**صاعقۃ الرضا** ''ہے، جس کے مصنف عبدالوہاب خان قادری ہیں، اِس کتاب کو ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب تصور کیا جارہا ہے، لیکن ہم اہل علم و دانش سے گزارش کرتے ہیں کہ: عبدالوہاب صاحب کی درج ذیل تحریر یا اعتراف پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا اس کتاب کو ''مطالعہ بریلویت'' کا جواب تصور تک کیا جاسکتا ہے؟ لکھتے ہیں: ''مقصود اس کا مستقل رد کرنا نہیں اور نہ فقیر کے پاس اتنا وقت کہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ بھی کر سکے۔'' [صاعقۃ الرضا: ۳۵] ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''پوری کتاب کا مطالعہ اور اس کا جواب لکھنا اوقات کو ضائع کرنا ہے۔'' [ایضا: ۹۶] قادری صاحب کی مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ تک نہ کیا تھا، جس نے کسی کتاب کا مکمل مطالعہ ہی نہ کیا ہو اس کے کسی بھی قسم کے جواب کو کیا تحقیق انصاف پر مبنی تحریر سمجھا جا سکتا ہے؟ نیز کتاب ''صاعقۃ الرضا'' کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں: ''مطالعہ بریلویت کی جھلکیاں''۔ مصنف کتاب تو اسے جھلکیاں قرار دے رہے ہیں، لیکن نادان بریلوی اِسے مطالعہ بریلویت کا مستقل جواب تصور کیے بیٹھے ہیں۔

عبدالوہاب خان قادری کا لب ولہجہ

عبدالوہاب خان قادری صاحب نے اِس کتاب میں اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح بازاری لب ولہجہ کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ واقعی بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، قارئین چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں: ''اسلاف دیوبند بھیک مانگنے میں ماہر تھے۔'' [۵۸]...... ''فضلہ خوار'' [۱۷۳]...... ''تمہارے استاذ اول ابلیس نے'' [۱۸۷]...... ''یہ کذب وافترا میں پہلوان'' [۲۴۴]...... ''فن کذب وافترا کا اسکالر ڈاکٹر خالد محمود'' [۲۹۸]...... ''آپ کے پاس نہ بصیرت ہے نہ بصارت اور نہ فہم وفراست۔'' [۳۱۹] الغرض پوری کتاب میں شرم وحیا کا جنازہ نکالا گیا ہے۔

قادری صاحب کے گھر کے حوالے

صاعقۃ الرضا کے مصنف نے صفحہ۱۲ر سے ۳۰ر تک فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب کی تعریف میں چند علماء اور ڈاکٹرز کی آراء کو پیش کیا ہے، مگر حوالے اپنے بریلوی علماء کی کتب سے ہی دیئے ہیں، جس پر ہم انہیں انہی کی کتابوں سے کچھ اصول یاد دلانا چاہتے ہیں اور قارئین کو کچھ جھلکیاں دکھانا چاہتے ہیں چنانچہ حسن علی رضوی لکھتے ہیں: ''اپنا ہی دعویٰ اور اپنے ہی گھر سے شہادت؟ کمال بے حیائی اسی کا نام ہے۔'' [برق آسمانی: ۱۲۵] اسی طرح ارشد مسعود چشتی بریلوی لکھتے ہیں: ''اگر انہیں اپنی کتابیں ہی پیش کرنا منظور تھا تو یہ کتاب لکھنے کی انہیں کیا ضرورت!!! بس اپنی ہی کتب سے دس بیس حوالے دے دیتے'' [تحفظ اہل سنت وجماعت: ۱۷۶] غلام نصیر الدین سیالوی بھی لکھتے ہیں: ''اپنے ہی مولوی کے لکھے ہوئے رسالے کا حوالہ دینا نہ یہ برہانی انداز ہے نہ جدلی انداز ہے۔'' [عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ: ۵۰/۱]

لٰہذا بریلوی اصول کے پیش نظر وہ تمام حوالہ جات جو عبدالوہاب خان قادری نے اپنے ہی مولویوں کی کتب ورسائل سے نقل کیئے ہیں ہم پر کسی طرح حجت نہیں جیسا کہ بقول سیالوی صاحب کے کہ نہ یہ برہانی انداز ہے نہ جدلی انداز۔

بریلوی دین ومذہب

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے مطالعہ بریلویت میں فاضل بریلوی کی وصیت پیش کی ہے جو کچھ یوں ہے: ''میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔'' [وصایا: ۸ر بحوالہ مطالعہ بریلویت: ۱۹/۱] اِس خلافِ شرع وصیت اور اس پر علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کا تبصرہ دیکھ کر عبدالوہاب خان قادری کے ہوش اڑ گئے اور صاعقۃ الرضا کے صفحہ ۳۶ر سے صفحہ ۴۹ر تک اپنے امام کی اس خلاف شرع وصیت کا ناکام دفاع کرتے چلے گئے، علمی دلائل وبراہین سے ہٹ کر قادری صاحب نے کہیں یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ ''دین'' کا لفظ کسی فرد واحد کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے تو کہیں علماء اہل سنت دیوبند کے خلاف نامناسب لب ولہجہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دل کی خوب بھڑاس نکالی۔

قارئین کرام! آپ پہلے ہمارا اس وصیت پر جو سوال ہے اسے سمجھ لیں کیونکہ اگر سوال سمجھ آ گیا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بریلوی حضرات جو تاویلات یہاں کرتے ہیں وہ سب بے سود ہیں۔ سوال کو سمجھانے کے لئے ہم یہاں مولانا ابوایوب قادری

مدظلہ العالی کا اس وصیت پر کیا گیا تبصرہ نقل کرتے ہیں: آیئے! اس وصیت پر ہمارا اعتراض ملاحظہ فرمائیے!

''اس وصیت میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱)......اس وصیت میں شریعت کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے اور احمد رضا کے دین و مذہب کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے۔ ہمارا سوال ہے اگر احمد رضا کے دین و مذہب سے مراد شریعتِ اسلامیہ ہی تھی تو اس کا اپنے دین و مذہب سے علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا؟ لیکن اس جناب احمد رضا خان نے شریعت کو علیحدہ رکھا اور اپنے دین و مذہب کو علیحدہ رکھا۔ یعنی شریعت اور اپنے دین و مذہب سے تقابل کروایا۔ (۲)......دوسری اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ جب شریعت پر چلنے کی بات آئی تو جناب احمد رضا خان صاحب کہتے ہیں: ''حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو'' اور جب اپنے دین و مذہب پر چلنے کا ذکر آیا تو کہتے ہیں: ''اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔'' یعنی شریعت پر چلنے کی ''حتی الامکان'' تاکید کی اور اپنے دین و مذہب پر چلنے کو ''ہر فرض سے اہم فرض'' بتایا۔

معلوم ہوا کہ شریعت اور احمد رضا صاحب کا دین و مذہب ایک چیز نہیں ہیں۔ اگر ایک چیز ہوتیں تو انہیں شریعت کے ذکر کے بعد اپنے دین و مذہب کو علیحدہ نہ ذکر کرنا پڑتا۔ جن حضرات نے بھی احمد رضا خان صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آنجناب نے اپنے آپ کو ایک گہری سازش کے تحت مسلمان ظاہر کیا۔ لیکن ان کی وصیت سے ظاہر ہو گیا کہ ان کے نزدیک شریعت کی کتنی حیثیت ہے کہ اس پر چلنے کی ''حتی الامکان'' تاکید کرتے ہیں اور اپنے دین و مذہب کی کتنی حیثیت ہے کہ اس پر چلنے کو ''ہر فرض سے اہم فرض'' قرار دیتے ہیں۔ تو پتا چلا کہ ہمیں محض اس وصیت کے ان دو الفاظ ''میرا دین و مذہب'' پر اعتراض نہیں بلکہ ان الفاظ سے پہلے اور بعد والی تمام عبارت پر اعتراض ہے۔ معلوم ہوا کہ آلہ حضرت کا مذہب اسلام نہیں بلکہ کوئی دوسرا مذہب ہے۔'' [سفید وسیاہ پر ایک نظر: ۳۸۵، ۳۸۶]

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنے اس اعتراض کو یوں مضبوط کیا ہے:

''اعلیٰ حضرت اپنے دین و مذہب کے لیے حدیث وفقہ کی کتابوں کا نام لیتے تو میرے دین و مذہب سے اسلام بھی مراد لیا جاسکتا تھا، مگر اس کے ماخذ کے طور پر انہوں نے ان کتابوں کی ترغیب نہیں دی، بلکہ اپنی کتابیں بتلائیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا کہ جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، تم میری بات چھوڑ دو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرو، مگر اعلیٰ حضرت نے حدیث وفقہ کی بجائے اپنی کتابوں کی ترغیب دی اور اپنے مذہب کی پیروی کو فرض بتلایا، یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ اپنے دین و مذہب سے ان کی مراد شریعت محمدی نہ تھی اپنا علیحدہ مذہب تھا۔ ورنہ وہ یہاں قرآن وحدیث کا ذکر کرتے اپنی کتابوں کا ذکر نہ کرتے، یہ رسول کی شان ہے کہ اپنی پیروی کی دعوت دے، نائب رسول کا یہ منصب نہیں۔'' [مطالعہ بریلویت: ۲/۳۱، ۳۲]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر یہ مذہب دوسرے مسلمانوں کے مذہب سے کوئی علیحدہ مذہب نہ ہوتا تو آپ اسے ''اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔'' نہ کہتے اور نہ اس کی صرف اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے سب کو یہی بات کہتے۔'' [مطالعہ بریلویت: ۸/۱۷]

یہ ہے ہمارا اس وصیت کے متعلق سوال، جس کا جواب نہ عبدالوہاب خان قادری صاحب نے دیا اور نہ کسی دیگر بریلوی مولوی صاحب نے۔

اصل چیزیں ہی بھیج دیا کرو

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے فاضل بریلوی کی اس وصیت کو بھی پیش کیا تھا:

''اعزاء سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی بھیج دیا کریں: دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو۔ (1) مرغ کی بریانی (2) مرغ پلاؤ۔ خواہ بکری (3) شامی کباب (4) پراٹھے اور بلائی (5) فیرنی (6) اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم (7) گوشت بھری کچوریاں (8) سیب کا پانی (9) انار کا پانی (10) سوڈے کی بوتل (11) دودھ کا برف۔ اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا کرو یا جیسے مناسب جانو بطیّب خاطر میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔''

[وصایا شریف: ۱۹ مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور]

اس وصیت پر علامہ صاحب نے جو سوالات اُٹھائے ہیں، ان کا مفہوم یہ ہے کہ آخری وقت میں نیک لوگوں کو اپنے اعمال کی فکر رہتی ہے، وہ توبہ و استغفار میں مشغول رہتے ہیں، لیکن یہ کیسا مجدد ہے جو آخری وقت میں ان چٹ پٹے کھانوں کی فہرستیں دے رہا ہے؟ ساتھ ہی اس میں لفظ ''کچھ بھیج دیا کریں۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانے مولوی احمد رضا خان صاحب کو ہی بھیج دیا کریں، پھر اس پر علامہ صاحب نے قرائن بھی پیش کئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بریلویوں کے نزدیک اصل چیزیں اور کھانوں کی لذت مردے کو پہنچتی ہیں۔ [دیکھئے مطالعہ بریلویت: ۱/۲۰ تا ۲۴]

اس کے جواب میں ماسوائے اوراق سیاہ کرنے کے عبدالوہاب خان قادری صاحب نے کچھ اور نہیں کیا، کہیں یہ لکھ کر دل کو تسلی دی کہ اعلیٰ حضرت صاحبِ ثروت تھے۔ [ص: ۵۲] الغرض آپ نے جواب نام کی کوئی چیز پیش نہیں کی۔ تاہم فاضل بریلوی کا نظریہ یہی تھا کہ مردے کو اصل اشیاء بھیجی جا سکتی ہیں، جس کی تائید فاضل بریلوی کے مندرجہ ذیل ملفوظ سے ہوتی ہے:

''ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا: میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے۔ اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا۔ صبح کو صاحبزادے نے اٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں، تیسرے روز خبر ملی اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ لڑکے نے فوراً عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا: یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔ رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا: خدا جزائے خیر دے تم نے بہت اچھا کفن بھیجا۔''

[الشیخ کامل: ۲۳۳، مطبوعہ افکار القرآن گوجرانوالہ، ملفوظات اعلی حضرت: ۱۵۴، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی]

فاضل بریلوی کے اس ملفوظ سے ان کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک مردے کو اصل چیزیں بھیجی جا سکتی ہیں۔

شرح الصدور کے حوالے کی حقیقت

اس کے جواب میں عبدالوہاب خان قادری صاحب نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب شرح الصدور سے

کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش کیا ہے۔[دیکھئے صاعقۃ الرضا:۶۲،۶۳] جواباً عرض ہے کہ ایک طرف تو آپ بریلوی حضرات فاضل بریلوی کا دفاع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ہمارا عقیدہ نہیں، لیکن دوسری طرف اپنے زعم میں آپ اس کے تائیدی حوالے بھی پیش کرتے ہیں، یہ کیسی دوطرفہ پالیسی ہے_؟ بہرحال، اس واقعے کی سند کمزور ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن سلیمان لین الحدیث ہے اور راشد بن سعد سے ارسال ہے، لہٰذا ایسی روایت سے نہ چٹ پٹے کھانوں والی فہرست کی تائید ہوسکتی ہے اور نہ کفن والے واقعے کی تائید، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اگر اس کمزور روایت کو نقل کیا بھی ہے تو اس سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں کیا، جبکہ مولوی احمد رضا خان صاحب اور اس کے معتقدین ایسے واقعات سے قبر میں اصل چیزیں بھیجنے کے عقیدے کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ تاکہ اسی بہانے ختم شریف کا مزہ بھی لیں اور غریب لوگوں سے چندے بٹورنے کا جواز مہیا کرسکیں۔ دوسرا یہ کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی بریلویوں کے تسلیم کردہ اس اصول کی روشنی میں اس سے یہ عقیدہ اور شرعی حکم ثابت نہیں ہوسکتا، عبارت یوں ہے: ''عقائد اور شرعی احکام میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔'' [اسلام اور عصر حاضر کے مذاہب کا تعارف و تقابلی جائزہ:۵۶_۷ از مفتی انس رضا بریلوی]

علامہ خالد محمود صاحب کا اس کے بارے میں تبصرہ

حضرت علامہ صاحب نے بھی اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''انتہائی کمزور روایات کے سہارے اس قسم کی نقل و حرکت کسی طرح کارِ تجدید اور لائق تحسین نہیں۔'' [مطالعہ بریلویت:۲۲/۱] مزید برآں یہاں اس بحث کے آخر میں علامہ صاحب کا محققانہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

''نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگوں نے مطالعہ بریلویت کو رد بریلویت سمجھ لیا اور وہ مقابلے کی کاروائی پر آگئے۔ ہم نے کہیں لکھا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے لذیذ کھانوں کی ایک لمبی فہرست مرتب فرمائی۔ اس میں ہمارا مطلب یہ نہ تھا کہ اچھے کھانے کھانا جائز نہیں، لیکن بعض کرم فرماؤں نے دفاع میں احادیث پڑھنی شروع کر دیں کہ حضور ﷺ کو حلوہ (میٹھی چیز) بہت پسند تھا۔ اور خواہ مخواہ ایک غیر اختلافی مسئلے کو اختلافی بنا دیا۔ تاہم وہ ہماری اس بات کو غلط نہ کر سکے کہ مولانا احمد رضا خاں نے واقعی وفات سے پہلے اپنے پیروؤں کو وہ فہرست مرتب کر دی تھی اور اس میں حلوہ نہ لکھا تھا کہ کہیں اس میں حدیث کی پیروی نہ ہوجائے۔'' [مطالعہ بریلویت:۳/۵]

جعلی حوالے:

عبدالوہاب خان قادری صاحب لکھتے ہیں: ''ان کے علماء نے اپنے دل سے کتابیں گھڑیں فرضی نام دیئے اور علماء سابقین کی جانب منسوب کردیں۔'' [صاعقۃ الرضا:۲۴۴] قارئین جہاں تک بات ہے ہمارے علماء کی تو انہوں نے ایسی کوئی جھوٹی کتاب نہیں گھڑی، البتہ خود عبدالوہاب خان قادری صاحب نے اپنی اسی کتاب میں جو گُل کھلائے ہیں، انہیں آپ ملاحظہ فرمائیں۔ عبدالوہاب خان قادری صاحب نے اپنی اس کتاب میں جعلی حوالوں کی بھرمار کی ہے مثلاً: [۱]: صفحہ نمبر ۱۵۸/ پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا جعلی حوالہ دیا۔ [۲]: صفحہ نمبر ۱۵۹/ پر علامہ شبلی نعمانی کا جعلی حوالہ دیا۔ [۳]: صفحہ نمبر ۱۶۲/ پر علامہ انور شاہ

کشمیری رحمہ اللہ کا جعلی حوالہ دیا۔ [۴]: صفحہ نمبر ۱۶۳ / پر مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کا جعلی حوالہ دیا۔ [۵]: صفحہ نمبر ۱۶۴ / پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا جعلی حوالہ دیا۔ الغرض اگر قادری صاحب نے واقعی یہ حوالہ جات درست دیئے ہیں تو بریلوی حضرات ان کو پیش کریں اور منہ مانگا انعام پائیں مگر:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ارشد مسعود چشتی ان جعلی حوالوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اس کے بعد علماء اہل سنت و جماعت بریلوی نے بہانگ دہل اس بات کا اعلان کیا کہ ان حوالوں کی تصدیق نہیں ہوسکی۔'' [تحفظ اہل سنت جلد اول: ۲۳۳] ارشد چشتی نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ بریلویوں نے ان حوالوں کے جعلی ہونے کی گواہی دی ہے لیکن وہ اعلان نامہ پیش نہیں کیا، آخر کیوں؟ بہرحال ہم نے بریلویوں کے گھر سے یہ ثابت کردیا کہ عبدالوہاب خان صاحب کے مذکورہ حوالے بالکل جعلی ہیں، الحمدللہ۔

قادری صاحب کی غلط بیانی

عبدالوہاب صاحب لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر کذاب کا یہ صریح جھوٹ ہے کہ وہ (یعنی احمد رضا ___ از ناقل) مکفر المسلمین تھے۔'' [صاعقۃ الرضا: ۱۵۴] یہ علامہ خالد محمود صاحب کا جھوٹ نہیں بلکہ خود عبدالوہاب کی کذب بیانی ہے، کیونکہ اس بات کا اقرار خود بریلوی علماء نے کیا ہے چنانچہ ماہنامہ **"المیزان"** کے احمد رضا نمبر میں ہے کہ: ''عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے، (مسلمانوں کو کافر گردانئے والے) بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کررکھی تھی۔'' [**المیزان** کا احمد رضا نمبر: ۲۹] اور ابوکلیم صدیق فانی لکھتے ہیں کہ: ''آخر عام لوگوں میں جو شہرت ہوتی ہے اس کی بنیاد ضرور ہوتی ہے۔'' [انوار احناف: ۶۳] دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''مشہور محاورہ ہے: زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔'' [انوار احناف: ۶۴] قارئین! ___ احمد رضا خان کے متعلق جو یہ مشہور تھا کہ وہ مکفر المسلمین تھے، یہ بالکل درست ہے، جیسا کہ مولانا معین الدین اجمیری جو سلسلہ خیرآبادی کے سرخیل گزرے ہیں، اس حقیقت سے کچھ اس طرح پردہ اٹھاتے ہیں: ''دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا، جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا۔'' [تجلیات انوار معین: ۳۷] اسی طرح آگے لکھتے ہیں: ''آپ (احمد رضا) کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں۔'' [تجلیات انوار معین: ۳۹] سو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علامہ صاحب نے کذب بیانی سے بالکل بھی کام نہیں لیا، یہ حضرت علامہ صاحب پر قادری صاحب کا افترا اور بہتان ہے۔

قارئین! آپ نے عبدالوہاب خان صاحب کی کتاب کا حال دیکھ لیا کہ کیسی علمی دلائل سے خالی اور دجل سے پُر کتاب ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اللہ کے فضل و کرم سے احقر مولوی عبدالوہاب خان قادری کی دیگر تلبیسات کو بھی آشکار کرتا۔ بہرحال ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

جناب تبسم شاہ بخاری کے نام نہاد جواب پر ایک نظر

مطالعہ بریلویت کے خلاف جناب تبسم شاہ بخاری نے بھی ایک مضمون لکھا ہے جو تقریباً ۱۶۷ / صفحات پر مشتمل ہے اور''

دیوبندیوں سے لاجواب سوالات‘‘ نامی کتاب میں شامل ہے۔تبسم شاہ بخاری صاحب نے بھی مطالعہ بریلویت کی تمام جلدوں کا جواب لکھنے کے بجائے صرف مطالعہ بریلویت کی جلد دوم کے چند مقامات پر ہی علم وتحقیق سے ہٹ کر تبصرہ کیا ہے لہٰذا اُصولی طور پر یہ بھی مطالعہ بریلویت کا جواب نہیں۔حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے مطالعہ بریلویت کی نویں جلد میں تبسم شاہ بخاری صاحب کے ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے، لہٰذا قارئین تفصیلی جوابات کے لئے مطالعہ بریلویت جلد نہم کی طرف مراجعت فرمائیں،تاہم یہاں ہم سرسری طور پر اس کا ایک مختصر سا جائزہ آپ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تراجم علماء اہل سنت دیوبند اور کنز الایمان

جناب تبسم شاہ بخاری نے تقریباً پہلے پچاس صفحات پر علماء اہل سنت دیوبند کے تراجم پر تنقید کی ہے اور اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا ناکام دفاع کیا ہے۔[دیکھیے! دیوبندیوں سے لاجواب سوالات:۹۵۸/تا۱۰۰۷] جہاں تک علماء اہل سنت دیوبند کے تراجم کی بات ہے تو ان کو فاضل بریلوی کے ترجمہ پر سبقت حاصل ہے اور خاص وعام حلقوں میں علمائے اہل سنت دیوبند کے تراجم زیادہ مشہور ہیں جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب نے بھی اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

’’ساٹھ سال ہوتے ہیں کہ فاضل بریلوی نے قرآن کریم کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا،ضرورت تھی کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جاتی،مگر نہ معلوم کیوں یہ اتنی سُست رفتاری سے چلا کہ بعد والے آگے بڑھ گئے۔تعمیر پاکستان کے بعد تو ایسے جواہر پارے برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے ہیں،مگر حقوق طباعت کی ہوس نے ہمارے بہت سے شہ پاروں کو دفن کردیا ہے،ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہو۔خدا خدا کر کے چند سال ہوئے یہ پوری طرح منظر عام پر آیا،ایک عزیز نے اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا’’ایک نیا ترجمہ شائع ہوا ہے مترجم کوئی مولوی احمد رضا خاں صاحب ہیں‘‘ راقم نے عرض کیا کہ یہ ترجمہ ۱۳۳۰ھ /۱۹۱۱ء میں شائع ہو چکا تھا۔مولانا محمود حسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا اور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا......لیکن یہ تراجم اس شان سے شائع کیے گئے کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سابقین اولین پر شہرت میں سبقت لے گئے۔‘‘[فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں:۲۱]

سو یہ ہے علمائے اہل سنت دیوبند کے تراجم کی شان۔مگر اس کے ساتھ ساتھ قارئین ان وجوہات کو بھی جاننے کے ضرور متمنی ہوں گے کہ آخر کنز الایمان کو وہ شان اور مقام حاصل کیوں نہ ہو سکا جو شان اور قبولیت علمائے دیوبند کے تراجم کو حاصل ہے۔ قارئین اسکے مفصل مطالعہ کے لیے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کی مایہ ناز تالیف مطالعہ بریلویت،جلد سات اور عبقات جلد دوم صفحہ ۲۶۱/تا۲۸۶/ملاحظہ کریں۔یہاں ہم حضرت علامہ صاحب کے الفاظ میں نمونہ کے لیے صرف ایک وجہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:-

’’دونوں ترجموں (حضرت تھانوی اور مولوی احمد رضا خان کا ترجمہ۔ناقل) میں حضرت مولانا تھانوی کا ترجمہ زیادہ اچھا ہے۔اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کا زیادہ ادب واحترام ہے۔کہیں گستاخی کی ادا نہیں۔ہم یہاں چند حوالے پیش کیے دیتے ہیں باقی آپ خود دیکھ سکیں گے۔(۱): مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیشتر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

کے ساتھ بریکٹ میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتے ہیں۔مولانا احمد رضا خان نے ایک دفعہ بھی اس طرح آپ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں لکھا۔(۲): مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سابقہ پیغمبروں کا نام لیتے عام طور پر علیہ السلام لکھ دیتے ہیں۔مولانا احمد رضا خاں نے ایک دفعہ بھی کسی پیغمبر کے ساتھ علیہ السلام نہیں لکھا۔(۳): خطاب کرتے آپ اردو کے دولفظ سامنے رکھیں۔ا: آپ اور ۲:تم۔ان میں ''آپ'' زیادہ ادب وعزت کا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مقامات پر لفظ قل سے خطاب کیا ہے۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''آپ فرما دیجئے یا آپ کہہ دیجئے۔'' مولانا احمد رضا خان قل کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''تم فرماؤ۔'' ظاہر ہے کہ جو ادب واحترام آپ میں ہے وہ تم میں نہیں۔اب آپ ہی سوچیں ادب واحترام کہاں زیادہ ہے۔[عبقات: ۲/۲۸۱]

ایک جھوٹے الزام کی حقیقت

جناب تبسم شاہ بخاری حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ پر بدترین الزام اور بہتان باندھتے ہوئے جلی حروف میں لکھتے ہیں کہ ''ڈاکٹر خالد محمود کی طرف سے بدترین گستاخ رسول ولید بن مغیرہ کا دفاع'' [ص: ۹۸۵] بلکہ آگے یہاں تک لکھا کہ علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے اس گستاخ رسول سے خوش دلی وخوش عقیدگی کا اظہار کیا ہے۔[مفہوم، ص: ۹۸۵] پھر کئی اوراق اسی کوشش میں سیاہ کئے کہ علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے ولید بن مغیرہ کا دفاع کیا۔(العیاذ باللہ) جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے، مگر کیا کریں کہ بخاری صاحب ٹھہرے تو بریلوی، کوئی متشدد بریلوی بھی ہو اور کسی پر الزام و بہتان بھی نہ لگائے، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔قارئین یہ جناب تبسم شاہ بخاری کا بدترین الزام ہے جو اس نے علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ پر لگایا ہے، فاضل بریلوی نے بھی علماء اہل سنت دیوبند کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا کہ جو باتیں ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی وہ ان کے ذمہ لگادی۔اللہ تعالیٰ بریلویوں کو تعصب سے بچائے جس کی وجہ سے یہ حضرات ایسے بہتان اور الزامات لگاتے ہیں۔(آمین)

قارئین! علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ بدکاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ان میں ولید بن مغیرہ بھی تھا جو بڑا بدکار اور بدنام تھا۔'' [مطالعہ بریلویت: ۲/۱۳۵] علامہ صاحب تو خود ولید بن مغیرہ کو بدکار اور بدنام لکھ رہے ہیں اور یہ وہی صفحہ ہے جس کا حوالہ تبسم شاہ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے ولید بن مغیرہ کا دفاع کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کو ولید بن مغیرہ کے بدکار ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں انہوں یہ کہا کہ زنیم کا ترجمہ ''اصل میں خطا'' کرنا سیاق وسباق اور قرآن کے اسلوب کے خلاف ہے۔زنیم کے ترجمے پر باقی تفصیلات علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے مطالعہ بریلویت کی نویں جلد میں لکھ دی ہیں۔

یاجنید یاجنید والے واقعہ پر تبصرہ

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ملفوظات میں ایک واقعہ اس طرح ہے:

''ایک مرتبہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے۔بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی۔کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی۔جب اس نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھا عرض

کی: میں کس طرح آؤں؟ فرمایا: یا جنید یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں۔ میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا۔ حضرت میں چلا، فرمایا وہی کہہ: یا جنید یا جنید، جب کہا دریا سے پار ہوا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ یا اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں۔ فرمایا ارے نادان ابھی تو جنید تک تو پہنچا نہیں، اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔ اللہ اکبر!'' [ملفوظات مکمل: ۱۰۴/۴، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور]

اس کے ناکام دفاع میں جناب تبسم شاہ بخاری نے کئی صفحات سیاہ کر دیے، کہیں یہ لکھا ہے شیطان مرید کو بہکانے کی کوشش کر رہا تھا تو کہیں یہ لکھا ہے کہ پیر مرید کی تربیت کر رہا تھا، (دیکھئے دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: ۱۰۱۱/تا۱۰۱۷) قارئین یہ تو تھی تبسم شاہ کی تاویل، لیکن جب ہم فاضل بریلوی کے ہی فتاویٰ رضویہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں تبسم شاہ بخاری کی تاویل چُور چُور ہوتی نظر آتی ہے اور وہ اس طرح کہ فاضل بریلوی سے سوال ہوتا ہے: ''کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے گا، تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلو اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا، درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا، اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہہ، یا جنید یا جنید کہہ تب آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا۔ یہ درست ہے یا نہیں اور بزرگ کامل کے لئے کیا حکم ہے اور آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔'' اس کا جواب فاضل بریلوی نے یوں دیا: ''جواب: یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا، بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا، اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا۔ اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا خصوصاً حیات دنیاوی میں خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے۔ اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے لئے حکم پوچھنا کمال بے ادبی و گستاخی و دریدہ ذہنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' [فتاوی رضویہ جدید: ۴۳۶/۲۶، طبع لاہور]

دیکھئے قارئین، جناب تبسم شاہ جس بات کا دفاع کر رہے ہیں فاضل بریلوی اس کو افترا اور جھوٹ قرار دے رہے ہیں۔ تبسم صاحب جس کے دفاع کے لئے نکلے تھے اسی نے ان کو رسوا کر دیا ؎

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحرِ غم میں ڈبا گئے
ہمیں جن سے چشمِ امید تھی وہی نظریں ہم سے چرا گئے

قارئین یہاں یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ملفوظ بھی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کا اور فتویٰ بھی مولانا احمد رضا خان کا، ایک ہی شخص کے دو قول کیسے؟ تو اس پر ہم بریلوی حضرات کا ہی تبصرہ نقل کر دیتے ہیں۔ غلام نصیر الدین سیالوی لکھتے ہیں: ''یہاں ہمارے قارئین کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کوئی عاقل آدمی اپنے آپ کو کافر کیسے کہہ سکتا ہے۔ تو گزارش ہے کہ کوئی عاقل واقعی اپنے آپ کو کافر نہیں کہہ سکتا لیکن مشہور مقولہ ہے!" خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے۔'' [عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ: ۴۶/۲] لہٰذا بریلویوں کے نزدیک جب حماقت کی وجہ سے کوئی خود کو کافر کہہ سکتا ہے تو اپنے قول کے خلاف لکھنا تو

بہت چھوٹی بات ہے۔

بہر حال اصل بات یہ ہے کہ فاضل بریلوی کو متضاد باتیں کرنے کی عادت تھی، مثلاً: مولوی احمد رضا خان صاحب نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے متعلق ایک جگہ لکھا: ''اگر کوئی کافر کہے منع نہ کریں گے۔'' [ملفوظات: ۱۳۸] جبکہ دوسری جگہ سبحان السبوّح میں انہی شاہ شہید کے متعلق لکھا کہ ''علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے۔'' [سبحان السبوّح: ۹۰] اسی طرح ایک جگہ لکھا کہ دیوبندیوں نے جناب نقی علی خان کے نام پر ہدایۃ البریہ نامی کتاب گھڑ لی۔ [فتاویٰ رضویہ: ۴۹۲/۲، مفہوم] جبکہ دوسری جگہ خود اسی کتاب کو اپنے والد کی کتاب تسلیم کیا ہے۔ [مقدمہ جواہر البیان: ۸/ مفہوم] ایسی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، سو اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ فاضل بریلوی متضاد باتیں کرنے کے عادی تھے۔ اور متضاد باتیں کرنے والوں کے متعلق بریلویت کیا کہتی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''دروغ بانی اور کذب بیانی کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد'' [مذہب شیعہ مع تحفہ حسینیہ حصہ سوم: ۲۱۷]

اسی طرح ایک اور بریلوی عالم لکھتے ہیں کہ ''متضاد ہونا تو وہابیت کی جان ہے۔'' [عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ: ۲۱۷/۱]

نوٹ: جس طرح فتاویٰ رضویہ کی نسبت مولوی احمد رضا خان صاحب کی طرف صحیح ہے، اسی طرح ملفوظات کی بھی درست ہے، یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ترجیح فتاویٰ کو ہے جیسا کہ فیصل خان بریلوی نے لکھا ہے۔ (دیکھئے ملفوظات اعلیٰ حضرت پر اعتراضات کا جائزہ: ۱۷۶) کیونکہ مصطفیٰ رضا خان کے جمع کردہ ملفوظات کو احمد رضا خان صاحب نے خود دیکھا ہے اور اس کا نام بھی خود احمد رضا خان صاحب نے ہی رکھا ہے جیسا کہ ملفوظات کے مقدمے میں لکھا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت نے خود اس کا نام'' **الملفوظ**'' رکھا۔'' [ملفوظات اعلیٰ حضرت، مقدمہ: ۳۰، ۳۱/ مکتبہ قادریہ دہلی) سو معلوم ہوا کہ احمد رضا خان صاحب نے ملفوظات کو دیکھا بھی ہے اور نام بھی خود رکھا ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جناب تبسم شاہ بخاری نے اس شخص کو جنید بغدادیؒ کا مرید بتایا ہے، جبکہ ملفوظات اعلیٰ حضرت کے اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص مرید نہیں تھا بلکہ دریا پار کرتے وقت ہی اس کی ملاقات جنید بغدادیؒ سے ہو جاتی ہے۔

غلط حوالے کا ناکام دفاع:

جناب احمد رضا خان نے اپنی کتاب ''الامن والعلی'' میں ایک روایت پیش کی ہے جس کے ایک حصے کا ترجمہ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ کیا۔ جناب احمد رضا خان نے یہ حدیث روایت کرنے والے صحابی کا نام ابن حذیفہ لکھا اور حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ (دیکھئے الامن والعلی: ۸۵/ قدیم)

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے اس پر فرمایا کہ نہ تو ابن حذیفہ نام کے کوئی صحابی ہیں اور نہ ہی مسند احمد میں یہ پورے الفاظ ہیں جو فاضل بریلوی نے نقل کیے ہیں اور نہ کسی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام سے باخبر نہیں۔

[مفہوم مطالعہ بریلویت: ۲۶۱/۲]

جناب تبسم شاہ نے خان صاحب کی عبارت کے ناکام دفاع میں پندرہ صفحات سیاہ کیے اور احمد سعید کاظمی کے مضمون سے بھی مدد لی لیکن ان کی ساری محنت بے سود اور تحقیق کے خلاف ہے، کیونکہ علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے پہلے فرمایا کہ ابن حذیفہ نام کے کوئی صحابی نہیں، اس بات کو جناب احمد سعید کاظمی نے بھی تسلیم کیا ہے اور الامن والعلی میں اس کو کاتب کی غلطی قرار دیا ہے۔ (دیکھئے دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: 1024) علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کا اعتراض پرانے ایڈیشن پر تھا جس کو تم لوگوں نے خود غلطی تسلیم کرلیا۔ الحمدللہ۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ جو الفاظ جناب احمد رضا خان نے مسند احمد کی طرف منسوب کئے ہیں وہ وہاں نہیں، احمد سعید کاظمی صاحب نے اس اعتراض کو بھی برحق ثابت کر دیا، چنانچہ تبسم شاہ صاحب نے جو احمد سعید کاظمی کا مضمون نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ: ”اعلی حضرت مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ علیہ نے الامن والعلی میں مسند احمد کا نام نہیں لکھا۔ صرف اتنا تحریر فرمایا: -**الامام احمد و ابن عساكر عن حذيفة** [الامن والعلی: ۱۲۳/مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی] اور الفاظ حدیث کنز العمال جلد ششم سے نقل فرمائے اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔“ [دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: 1023، 1024]

یہاں جناب احمد سعید کاظمی نے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ فاضل بریلوی نے الفاظ حدیث کنز العمال سے نقل کیے لیکن ان کو مسند احمد کی طرف منسوب کر دیا اور کنز العمال کا ذکر بھی نہیں کیا، تو جناب بخاری صاحب اب علامہ خالد محمود رحمہ اللہ پر اعتراض کیسا؟ الزام اور بہتان باندھنے کا کیا فائدہ؟

قارئین کرام، اب اس روایت کی اسنادی حیثیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ ہے جس کے متعلق بریلویوں کے ہی معتبر عالم محمد علی نقشبندی تہذیب التہذیب سے جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ”بقول ابن مہدی اس سے (عبداللہ بن لہیعہ سے ــــ از ناقل) قلیل و کثیر کسی طور پر بھی کوئی روایت ذکر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ اپنی کتابیں ضائع ہو جانے کے بعد یہ غیر محتاط ہو گیا تھا۔ ایسے راوی کی روایت کس طرح حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔“

[دشمنان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ: ۲/۱۸۳]

نوٹ: -حسن بن موسیٰ ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے۔

جس راوی کی روایت مولانا محمد علی نقشبندی کے نزدیک حجت ہی نہیں وہ جناب تبسم شاہ اور مولوی احمد رضا صاحب کے نزدیک کیسے حجت بن گئی؟ وہ بھی عقائد کے باب میں!

مزید حافظ سخاوی رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”**وهو ممّن ضعّفه الأكثر.** “یہ ان راویوں میں سے ہے، جن کو اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ [**فتح المغيث**: ۲۲۱] کیا ایسی ہی روایت سے عقیدہ ثابت کیا جاتا ہے؟

مسئلہ امتناع نظیر:

جناب تبسم شاہ بخاری نے صفحہ 1031 سے 1098 تک مسئلہ امتناع نظیر اور عقیدہ خلف وعید پر تبصرہ کیا ہے، ایک جگہ

لکھتے ہیں کہ ''مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب جو کہتے ہیں کہ خدا ایک آن میں کروڑوں محمد پیدا کر ڈالے (گویا کروڑوں خاتم النبیین پیدا کر ڈالے) ایسے عقیدہ سے توبہ کرنی چاہیے'' (دیوبندیوں سے لاجواب سوالات ص 1048) اسی صفحے پر لکھا ہے کہ ''قدرت الٰہیہ کے بہانے دوسرے خاتم النبین کے امکان کا عقیدہ ختم نبوت کا صریح انکار ہے۔'' (ایضاً)

ہم یہاں جناب تبسم شاہ بخاری سے کہنا چاہیں گے کہ آپ شیخ یحییٰ منیری رحمہ اللہ کے متعلق کیا کہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چون محمد ﷺ بیافریند و ہر نفسے از انفاس ایشاں مقام قاب قوسین دہد'' مکتوبات ص 110 مکتوب نمبر 35) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک آن میں صد ہزار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بنا دے اور ہر ایک کو قاب قوسین کا مقام عطا فرمائے۔ بتایئے تبسم صاحب! علم و تحقیق سے ہٹ کر جو تبصرہ آپ نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور علماء اہل سنت دیوبند کے خلاف کیا ہے کیا وہی تبصرہ شیخ یحییٰ منیری رحمہ اللہ کے خلاف بھی کریں گے؟

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے بھی تقویت الایمان میں صرف قدرت کی بات کی ہے اور شیخ یحییٰ منیری رحمہ اللہ نے بھی قدرت کی ہی بات کی ہے، ختم نبوت کا انکار تب ہوگا جب بالفعل ایسا ہو جائے، لیکن بریلوی حضرات کھینچ تان کر اسے کفر ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اعلیٰ حضرت ہو یا ادنیٰ حضرت، مسلمانوں کی تکفیر کرنا تو ان کی گھٹی میں شامل ہے۔

جہاں تک بات ہے قدرت الٰہیہ کی تو اسکے متعلق خود علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ بات ہرگز صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے قبائح پر قادر ہے۔ علماء دیوبند ہر قسم کے کذب کو (جیسے کذب فی العلم) بھی تحت قدرت نہیں مانتے۔'' تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں: ''بندوں کے وہی افعال تحت قدرت باری ہیں جن سے اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر لازم نہ آتا ہو۔ جو مستلزم تغیر ذات وصفات ہیں وہ تحت قدرت نہیں جو ان کے ماسوائے ہیں وہ مقدور ممتنع الصدور ہیں، امتناع بالغیر امکان ذاتی کے خلاف نہیں ہوتا۔'' (مطالعہ بریلویت: ۲۵/۸) اسی طرح اگلے صفحے پر فرماتے ہیں کہ ''اس طرح یہ محال بالذات ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہو۔ بیٹا جننا ایک عمل ہے جو راجع الی الذات والصفات ہے سو یہ بات ہرگز تحت قدرت باری نہیں کہ اسکا حقیقی اور لغوی معنیٰ میں کوئی بیٹا ہو۔'' (مطالعہ بریلویت: ۲۶/۸)

بریلوی حضرات کو الزام لگانے سے پہلے فریق مخالف کا موقف بھی اچھی طرح جان لینا چاہیے۔

جناب تبسم شاہ بخاری بمقابلہ مولانا احمد رضا خان

تبسم شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''لفظ کل اہل علم کے نزدیک بعض اوقات جُز پر بھی مستعمل ہوا ہے۔'' [دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: 1039] جبکہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ ''لفظ کُل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا''

[انباء المصطفی: ۴]

الزامی طرز سے ناواقفیت:

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے مطالعہ بریلویت میں بعض مقامات پر بریلویوں کو الزامی جواب دیتے

ہوئے چند حوالہ جات پیش کیے ہیں جن کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے یا علامہ صاحب کا وہاں طرزِ تحریر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات الزامی طور پر پیش کی گئی ہے مثلاً علامہ صاحب نے مولانا احمد رضا خان اور ان کے والد نقی علی خان صاحب کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ انہوں نے خاتم النبیین کے عام متعارف معنی کو چھوڑ کر ایک نیا معنیٰ بیان کیا ہے پھر بریلوی حضرات کو انہی کی زبان میں کہا ہے کہ کیا یہ عقیدہ ختم نبوت پر زد نہیں؟ مفہوم (دیکھئے مطالعہ بریلویت: ۳۰۳/۲، تا ۳۰۷)

ہماری اس بات کی تائید علامہ صاحب کے اس اقتباس سے بھی ہوتی ہے:

''مولانا نقی علی خاں نے جو بات کہی ہے لفظ ''اگر'' سے کہی ہے اور قضیہ شرطیہ کے لئے تحقیق ضروری نہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا نقی علی خاں نے یہاں حضورؐ کے بعد امکانِ نبوت پیدا کیا ہے۔ اور مرزا غلام احمد کے لئے راہ کھول دی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے بارے میں بھی اس قسم کی بات نہیں کہی جا سکتی۔ [مطالعہ بریلویت: ۳۰۵/۲]

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب نے بریلویوں کو الزامی جواب دیتے ہوئے نقی علی خان صاحب کا حوالہ پیش کیا تھا تا کہ وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے سے پہلے مولوی نقی علی خان صاحب کی عبارت بھی ذہن میں رکھیں اور بے جا اعتراضات سے باز رہیں۔

اسی طرح حضرت صاحب رحمہ اللہ نے فتاویٰ افریقہ سے مولانا احمد رضا خان کے نقل کردہ حدیث کے ترجمے کو پیش کیا تھا جو کچھ یوں ہے: ''قریب تھا کہ یہ ساری کی ساری امت نبی ہو جائے۔ جمال ہمنشیں درمن اثر کرد......وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم'' [فتاویٰ افریقہ: ۱۳۲/بحوالہ مطالعہ بریلویت: ۳۰۹/۲]

یہ حوالہ بھی الزامی طور پر ہی پیش کیا گیا تھا لیکن تبسم شاہ صاحب نے بنا سوچے سمجھے اسے جوڑ توڑ کا کھیل کہہ کر اس پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا اور علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کے خلاف خوب بدزبانی کا مظاہرہ کیا۔

[دیکھئے دیوبندیوں سے لاجواب سوالات: 1092 تا 1098]

حالانکہ یہ حوالہ علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے دیگر چند حوالوں کی طرح بریلوی حضرات کو الزامی طور پر پیش کیا تھا کہ جس طرح تم لوگ مولانا قسم نانوتوی رحمہ اللہ کو اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تشریح اور تصحیح کرنے پر کافر قرار دیتے ہو اسی طرح تمہیں فاضل بریلوی کو بھی کافر کہنا چاہئے کیونکہ وہاں اگر حدیث کی تشریح وتصحیح ہے تو یہاں بھی حدیث کا ترجمہ ہے، اگر یہاں یہ کہنا درست ہے کہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں تو مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے بھی تو رسالہ تحذیر الناس اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تشریح میں ہی لکھا تھا، پھر اس پر کفر کا فتویٰ کیوں؟

لیکن افسوس کہ بریلوی کوتاہ فہم حضرات اس الزامی طرز کو سمجھ نہ سکے یا پھر سمجھ کر انجان بن بیٹھے۔

ہم اس پر بجائے یہ کہ خود کوئی تبصرہ کریں یہاں بریلوی عالم کا تبصرہ ہی نقل کر دیتے ہیں، چنانچہ ارشد مسعود چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''جس آدمی کو الزامی جواب سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہو اُسے میدان مناظرہ میں نہیں آنا چاہیے، اس سے اُس کا تو کچھ نہیں

بگڑتا اُس کے اکابرین کی علمیت کا پول کھل جاتا ہے۔'' [تحفظ اہل سنت و جماعت: ۳۹۸/۱]

وہابی کون؟

جناب تبسم شاہ نے اپنے مضمون کے آخر میں ''اکابرین دیوبند کے باغی'' کا عنوان دے کر علماء اہل سنت دیوبند، خصوصاً حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلاف کافی زبان درازی کر کے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ تبسم صاحب واقعی اعلیٰ حضرت کے معتقد، ان کے مذہب پر اور پکے بریلوی ہیں۔ اس عنوان کے تحت تبسم شاہ صاحب نے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق المہند اور شہاب ثاقب کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔

[دیوبندیوں سے لاجواب سوالات ص1099، 1100، 1101، 1102 وغیرہ]

یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں، اس مسئلہ پر مولانا منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق'' ملاحظہ فرمائیں جس میں تفصیلاً اس موضوع پر بحث کی گئی ہے، باقی ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ وہابی کون ہے ملاحظہ فرمائیں۔

بریلویوں کی ''تنظیم انجمن تحفظ ایمان بریلی'' کی طرف سے ایک رسالہ بنام ''دعوت اسلامی کے قدم وہابیت کی جانب کیوں؟'' شائع کیا گیا ہے جس میں دعوت اسلامی والوں پر خوب رد کیا گیا ہے، اسی میں لکھا ہے:

''کیا آپ خیال کریں گے کہ میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے والی، صلاۃ وسلام، ذکرِ اعلیٰ حضرت، عمامہ اور نعت خوانی کو اپنی پہچان بنانے والی اور سنیوں کے پرچار کا دعویٰ کرنے والی کسی جماعت کے قدم بھی وہابیت کی جانب اٹھ سکتے ہیں؟

نہیں آپ کو اس کا یقین نہیں آئے گا اور آنا بھی نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب کوئی پیر بھائی بن کر آپ کو گلے لگا رہا ہو اور مذکورہ ظاہری اعمال کا پیکر بنا ہوا ہو اور کچھ علمائے کرام تحقیق کیے بنا اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ہوں تو بے اعتمادی اور شکوک و شبہات کی کوئی وجہ نہیں اور اسی طرح یہ یقین کرنا کس قدر مشکل اور تکلیف دہ ہوگا کہ مسلک اہل سنت کی علم بردار دکھائی دینے والی تحریک دعوت اسلامی کے قدم وہابیت کی جانب اٹھ ہی نہیں رہے ہیں بلکہ اٹھ چکے ہیں اور دعوت اسلامی کے مذکورہ اعمال سے سجے خوبصورت ڈبہ کے اندر وہابیت کی گندگی بھری ہوئی ہے۔ [دعوت اسلامی کے قدم وہابیت کی جانب کیوں: ۱]

تبسم صاحب اور دیگر بریلویوں سے گزارش ہے کہ علماء اہل سنت دیوبند پر اپنی زبان کھولنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لے لیا کریں۔

کچھ عبد الستار ہمدانی صاحب کے بارے میں

قارئین! جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جناب عبد الستار ہمدانی نے بھی مطالعہ بریلویت کے خلاف چند الزامی تحریرات لکھی ہیں، جن کے متعلق ہم جناب کو ان کے گھر کا اصول یاد دلانا چاہیں گے۔

بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ ''جواب الزامی جواب تحقیقی کے بعد ہوتا ہے۔'' [تفسیر نعیمی: ۵۶۸/۱] لہٰذا

عبدالستار ہمدانی صاحب کو چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے مفتی صاحب کی بات پر عمل کرتے ہوئے پہلے مطالعہ بریلویت کی تمام جلدوں کا تحقیقی جواب لکھتے اور پھر الزامی جواب پر آتے لیکن چونکہ تحقیقی جواب بریلویوں سے بن ہی نہیں سکتا، اس لئے الزامی جواب میں ہی عافیت سمجھی۔

علماء دیو بند کی شان وعظمت بریلوی کتب سے:

جناب عبدالستار ہمدانی کی ایک الزامی تحریر کا نام ''تھانوی کی علمی صلاحیت'' ہے جس پر سر دست صرف ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں: ''مولانا اشرف علی تھانویؒ جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔'' [مہر منیر: ۲۶۸] بریلوی پیر صاحب کے بقول حکیم الامت مجدد دین وملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ لیکن عبدالستار ہمدانی صاحب جیسے لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لیے عوام الناس کو حضرت تھانویؒ سے بدظن کرنے کے مشن پر گامزن ہیں۔

بہر حال جناب عبدالستار ہمدانی کی بعض الزامی تحریروں کے نام یہ ہیں: ''ڈاڑھی والی دلہن۔'' اور ''گستاخ رسول گروہ کے سیکسی ملاں۔'' اہل علم ودانش غور کریں کہ ایک شریف مسلمان ایسی واہیات کا کیا جواب دے؟ مجھے تو ان کتب کا نام لکھتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے، لیکن ان صاحب کا حال یہ ہے ''بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن'' جناب عبدالستار ہمدانی نے دیانت و انصاف کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے عوام الناس کو اکابر اہل سنت دیو بند سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہے، آیئے ہم آپ کو ان علمائے کرام کی عظمت بریلوی کتب سے مختصراً دکھاتے ہیں۔

عبدالوہاب خان قادری (جن کی کتاب پر تبصرہ گزر چکا ہے) لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی عجیب شانِ بے نیازی ہے، ایک وہ وقت تھا کہ کوئی دیو بند کا نام بھی نہ جانتا تھا اللہ اللہ اب یہ عالم ہے کہ دنیا میں کم لوگ ایسے ہونگے جو دیو بند سے واقف نہ ہوں۔ دارالعلوم دیو بند اور علماء دیو بند کا چرچا عام ہے۔ دارالعلوم دیو بند اور علماء دیو بند کی چار دانگ دھوم دھام ہے۔ انکی شہرت ہر جگہ معروف ومعلوم ہے۔'' تھوڑا آگے لکھتے ہیں کہ: ''آج ساری دنیا دیو بند کے گن گا رہی ہے، علماء دیو بند کے نام کی مالا جپ رہی ہے۔'' [اکابر علماء دیو بند کا اجمالی تعارف اور ان کی دینی وملی خدمات کا مختصر جائزہ صفحہ نمبر: ۲،۳] یہ تو اجمالی تعریف تھی، اب ان کی بھی تعریف دیکھتے جائے جن پر جناب عبدالستار ہمدانی نے سب سے زیادہ غصہ نکالا ہے۔ محمد احمد برکاتی صاحب خیر آبادی سلسلہ کے ممتاز عالم دین ومحقق گزرے ہیں وہ اپنے والد برکات احمد صاحب مرحوم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''والد ماجد (مولانا حکیم دائم علی) مولانا محمد قاسم کے خواجہ تاش تھے، اس لئے ایک بار مجھے ان سے ملانے کے لیے دیو بند لے گئے تھے، جب ہم پہنچے تو مولانا چھتہ کی مسجد میں سو رہے تھے، مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذاکر تھا اور ذکر بھی بالجہر کر رہا تھا۔'' [مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ۱۸۵، برکات اکیڈمی لیاقت آباد کراچی]

بریلوی شیخ الاسلام ابوالحسن زید فاروقی صاحب اپنے والد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر آپ نے درج ذیل تاثرات کا اظہار کیا: ''مرگ مولوی رشید احمد زخمے است کہ مرہم نہ دارد عالم صالح دیندار دریں وقت حکم عنقا دارد انا اللہ وانا الیہ راجعون مردن ایں چنیں یک شخص از مردن یک ہزار بر دینداران سخت تر است''۔ [بزم خیر از زید:۹۴،۹۵۔حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی) ترجمہ: مولوی رشید احمد کی موت ایسا زخم ہے کہ اس کا مرہم نہیں۔اس وقت میں عالم صالح دیندار عنقا کے حکم میں ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون۔دینداروں پر ایک ہزار افراد کے مرنے سے ایسے ایک شخص کا مرنا بھاری ہے''۔[مقامات خیر سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر:۵۲۷،از ابوالحسن فاروقی،طبع دہلی) احقر امید کرتا ہے کہ یہ سب پڑھنے کے بعد عبدالستار ہمدانی صاحب اپنی تحریرات سے ضرور توبہ کریں گے۔

نوٹ: عبدالستار ہمدانی صاحب کی طرح جناب کاشف اقبال بریلوی نے بھی اس قسم کے بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں جن کے جوابات علمائے اہل سنت دیوبند کی کتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

متفرقات

بعض لوگ ''دھماکہ'' نامی کتاب کو حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کی کتاب کہتے ہیں اور اسے ارشد القادری کی کتاب ''زلزلہ'' کا الزامی جواب تصور کرتے ہیں۔سوان کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کا یہ خیال غلط ہے''دھماکہ'' نامی کتاب کارکنان انجمن خدام التوحید والسنۃ برمنگھم کی طرف سے شائع کی گئی تھی اور کئی سال پہلے اس کی وضاحت کردی گئی ہے کہ یہ کتاب ارشد القادری کی کتاب ''زلزلہ'' کا الزامی جواب نہیں۔[دیکھئے مطالعہ بریلویت:۴۳/۲]

ابھی حال ہی میں سوشل میڈیا کی وساطت سے معلوم ہوا کہ دو غیر معروف اشخاص مطالعہ بریلویت کی تمام جلدوں کا جواب لکھنے بیٹھے ہیں،سو یہ اسی قسم کا ارادہ معلوم ہوتا ہے جس قسم کا ارادہ جناب حسن علی رضوی نے ''محاسبہ دیوبندیت'' لکھتے وقت کیا تھا،ان کا دم تو دو جلدوں کے بعد ہی نکل گیا،اب دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ کہاں تک پہنچتے ہیں۔

ارادہ کرنے والوں میں پہلے وحید اختر چوہدری ہیں اور دوسرے ایک انجینئر ہیں، پہلے صاحب کو بریلوی ''مفتی'' کہتے ہیں اور دوسرے صاحب کو ''فاضلِ جلیل'' لیکن آپ حیران ہوں گے کہ نہ اول الذکر کے چہرے پر شرعی ''ڈاڑھی'' سجی ہے نہ دوسرے کے چہرے پر۔بہرحال وحید اختر چوہدری صاحب نے فی الحال مطالعہ بریلویت کے جواب میں صرف ایک مقدمہ لکھا ہے جس کا پول ان کے دوست نے یوں کھولا ہے:

''میں نے آپ کے تحریر کردہ مقدمہ کو ملاحظہ فرمایا تو دو تین صفحات سے زیادہ کا مطالعہ نہ کرسکا......انتہائی بوریت و بے زاری محسوس ہوئی،انداز تحریر اور بے جا طوالت سے... لیکن کسی کی فرمائش پر تصحیح کے لیے بعد میں میں نے بڑی مشکل سے تمام صفحات کا مطالعہ فرمایا تو مجھے لگا کہ آپ کے مقدمہ میں معلومات کا ذخیرہ تو موجود ہے،لیکن اس کا صحیح استعمال نہیں کیا گیا اور تحریر انتہائی بودی اور بوریت بھری تھی۔مجھے لگا اسے شائع نہ ہی کروایا جائے تو اچھا ہے۔''(یہ کمنٹ فیس بک پر **Ahmad**

Badar Razvi نامی پروفائل کے پوسٹ پر دیکھا جا سکتا ہے جو اس نے ۷/ جون ۲۰۲۰ء کو علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں کیا تھا)

ہم کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

انجینئر صاحب کی کتاب کے بارے میں ابھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا، تاہم یہاں ہم ان پر لگے کفر کے فتوے کو ضرور پیش کرنا چاہیں گے، ملاحظہ کریں۔ یہ انجینئر اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ "اور رہ گئی بات جنتیوں کو دوزخ بھیجنے تو وہ بھی ظلم نہیں بلکہ اللہ کا عدل ہے اور یہی ہمارا عقیدہ۔" [**رد اعتراضات المخبث** :۲۶۵] جبکہ فہارس فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ سب جنتیوں کو دوزخ میں اور تمام جہنمیوں کو جنت میں بھیجنے پر قادر ہو تو کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔" [فہارس فتاویٰ رضویہ:۴۰۹] اسی طرح احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ "جو یوں کہے کہ رب قادر ہے کہ ولیوں کو دوزخ میں ڈال دے وہ قادر ہے کہ ابوجہل کو جنت میں بھیج دے وہ رب کی حمد نہیں کر رہا بلکہ کفر بک رہا ہے۔" [تفسیر نعیمی: جلد ۷، آیت ۶۵، سورہ انعام]

انجینئر بابو تو فاضل بریلوی کے بقول کذب باری تعالیٰ کے قائل ٹھہرے اور مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں کہ: "معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ، وعدہ خلافی، عیوب سے پاک ہے، جو ان چیزوں کا امکان بھی مانے وہ ایمان سے خارج ہے۔" [نور العرفان:۱۸، سورہ بقرہ، حاشیہ:۸] لہٰذا انجینئر بابو پہلے اپنے آپ کو ایک تو ڈاڑھی جیسی مبارک سنت سے مزین کریں، اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کریں اور اپنے آپ کو اس کفر کے پھندے سے باہر نکالیں پھر کہیں جا کر کسی پر لکھنے کا ارادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ **رئیس المحققین**، مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے، ہمیں ان کے بیانات و کتب سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مجلّہ صفدر والوں کی اس قابل قدر کاوش سمیت تمام دیگر کاوشوں کو بھی قبول فرمائے اور اہل بدعت کو سنتوں کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

مرتب: حمزہ احسانی

عقیدۂ امامت اور ختم نبوت

تاریخ اسلام کے سب سے قدیم فتنہ رفض و تشیع کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ ''امامت'' کے عنوان سے معروف ہے۔ روافض کا نظریہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انسانیت کی راہ نمائی اور ہدایت کے لیے قیامت تک سلسلہ امامت قائم ہے۔ اِس سلسلہ کے کل بارہ (۱۲) امام ہیں۔ گیارہ اپنے وقت پر آ کر جا چکے، بارھواں امام پیدا ہو کر اصلی قرآن سمیت روپوش ہے، قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اِن ائمہ سے متعلق روافض کے عقیدہ اور ان ائمہ کے اسماءِ گرامی، کنیات، مقامِ وفات، عمر اور مدفن کے متعلق حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اصولِ دین تین ہیں: ۱-توحید۔ ۲-رسالت۔ ۳-آخرت۔

۱-شیعہ حضرات نے توحید کے صافی چشمہ کو گدلا کرنے کے لیے اس کے ساتھ عدل کا اضافہ کیا...

۲-رسالت کو واحد سرچشمۂ دین سمجھنے کے خلاف انہوں نے امامت کا عقیدہ قائم کیا۔...

۳-آخرت کے مقابل انہوں نے رجعت کا عقیدہ گھڑا...

سو شیعہ کے اُصولِ دین چھ ہوئے، توحید، عدل، رسالت، امامت، رجعت اور آخرت۔ مگر ان کے علماءِ عقائد ''رجعت'' کو اُصول کا درجہ نہیں دیتے، اور اُصول دین صرف پانچ بیان کرتے ہیں۔'' [عبقات: ۳۸۸/۱]

''ان حضرات (اثنا عشریہ) کے اعتقاد میں بارہ اماموں کی امامت کا نام بنام اقرار کرنا جزوِ ایمان ہے۔ اور اسی نسبت سے یہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔'' [عبقات: ۳۵۶/۱]

''اثنا عشری ان حضرات کو مامور من اللہ امام سمجھتے ہیں:

شمار	نام	کنیت	وفات	عمر	مدفن
۱	حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ	ابوالحسن	۴۰ھ	۶۳ رسال	نجف اشرف
۲	حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ	ابومحمد	۴۹ھ	۴۷ رسال	مدینہ منورہ
۳	حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ	ابوعبداللہ	۶۱ھ	۵۷ رسال	کربلا، سر بدمشق
۴	حضرت زین العابدین رحمہ اللہ	ابومحمد	۹۵ھ	۵۷ رسال	مدینہ منورہ
۵	حضرت امام باقر رحمہ اللہ	ابوجعفر	۱۱۴ھ	۵۷ رسال	مدینہ منورہ
۶	امام جعفر صادق رحمہ اللہ	ابوعبداللہ	۱۴۷ھ	۶۵ رسال	مدینہ منورہ

یہاں تک اسماعیلی شیعہ بھی اثنا عشریوں کے ساتھ ہیں۔ اسماعیلی فرقے کے ہاں ساتویں امام حضرت امام جعفر صادق کے

بڑے بیٹے اسماعیل ہیں۔ اور اثنا عشریوں کے ہاں امام جعفر کے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم ہیں۔ آغا خان اسی اسماعیل مذکور کی اولاد میں سے ہے۔ یہ امام حاضر کے قائل ہیں اور اثنا عشری امام غائب کے معتقد ہیں۔

۷	امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ	ابو محمد	۱۸۳ھ	۵۵/سال	بغداد
۸	امام علی رضا رحمہ اللہ	ابو الحسن	۲۰۳ھ	۵۵/سال	طوس
۹	امام جواد (تقی) رحمہ اللہ	ابو جعفر	۲۲۰ھ	۲۵/سال	بغداد
۱۰	امام ہادی (نقی) رحمہ اللہ	ابو الحسن	۲۵۴ھ	۴۲/سال	ایران
۱۱	امام حسن عسکری رحمہ اللہ	ابو محمد	۲۶۰ھ	۲۸/سال	سرّ من رای
۱۲	امام مہدی	ولادت ۲۵۶ھ	زندہ موجود	سیکڑوں سال	غار سر من رای

[عبقات: ۴۲/۱]

اِن ائمہ کرام کے لیے جو صفات و خصوصیات شیعوں نے تجویز کر رکھی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) امام بھی نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے۔......(۲) امام بھی پیغمبر کی طرح حجۃ اللہ ہے۔......(۳) امام پر ایمان اور تمام دینی اُمور اس کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔......(۴) پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے۔......(۵) ائمہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ ہیں۔......(۶) ائمہ اللہ کا نور ہیں۔......(۷) ائمہ نبوت کا درخت اور مہبطِ ملائکہ ہیں۔......(۸) ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں۔......(۹) ائمہ عالم الغیب ہیں۔......(۱۰) ائمہ موت و حیات میں مختار اور اپنی موت کا وقت جانتے ہیں۔ ...... (۱۱) ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں۔...... (۱۲) ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں۔......(۱۳) ائمہ حلال و حرام میں مختار ہیں۔......(۱۴) ائمہ درجہ میں حضور ﷺ کے مساوی ہیں یا افضل ہیں۔......(۱۵) حق صرف ائمہ کے پاس ہے۔......(۱۶) ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے۔......(۱۷) ائمہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔(۱۸) ائمہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں۔[ملخصاً، اصول کافی بحوالہ: شیعہ اور عقیدہ ختم نبوت، مرتب: مولانا ابو عثمان، ناشر: مرحبا اکیڈمی، کراچی، ط: ۲۰۱۲ء]

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات میں سے بعض صفات (جیسے عالم الغیب ہونا) تو خدائی صفاتِ لازمہ ہیں، غیر خدا کے لیے اِن صفات کا اقرار اسلامی عقیدہ توحید کے خلاف اور شرک ہے۔ اور بعض صفات (مثلاً مامور من اللہ ہونا، معصوم ہونا، مفترض الطاعۃ ہونا، آسمانی کتب والا ہونا، انبیاء کے برابر یا افضل ہونا اور احکام شرعیہ میں صاحبِ وحی ہونا وغیرہ) نبوت کی صفاتِ لازمہ ہیں، غیر نبی کے لیے اِن صفات کا عقیدہ اسلامی عقیدہ نبوت میں شرک و ختم نبوت کے منافی اور کفر ہے۔ جیسے عقیدہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص خدائی صفات کو صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہی تسلیم کیا جائے، غیر اللہ کے لیے اِن صفات کا عقیدہ ہرگز نہ رکھا جائے۔ اِسی طرح عقیدہ نبوت اور ختم نبوت کا مطلب بھی یہ ہے کہ مخصوص صفاتِ نبوت کو صرف اور صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے تسلیم کیا جائے، غیر نبی کے لیے اِن صفات میں سے کسی صفت کا عقیدہ و نظریہ قطعاً نہ رکھا جائے۔

جس طرح غیر اللہ کے لیے مخصوص خدائی صفات کا اقرار اُسے خدا تعالیٰ کی ذات، صفات یا عبادات میں اُن کے ساتھ

شریک اور منصب خدائی پر فائز قرار دینے کے مترادف ہے، اِسی طرح غیر نبی کے لیے مخصوص صفاتِ نبوت کا اقرار اُسے مقام نبوت میں شریک اور مرتبہ نبوت پر فائز قرار دینے کے مترادف ہے۔

یاد رہے کہ امامت کی ایک قسم اکتسابی ہے، جو کسی بھی صحیح العقیدہ شخص کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہم کے لیے جو لفظ ''امام'' استعمال کرتے ہیں، اُس سے یہی کسبی امامت مراد ہوتی ہے۔ لیکن روافض ائمہ اثنا عشر کے لیے جس امامت کے قائل ہیں اسے آسمانی مرتبۂ امامت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور وہ نبوت کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''رسالت کے مقابل وہ امامت لائے اور اسے نبوت کی طرح ایک آسمانی عہدہ کہا۔'' [عبقات:۱۶۳/۲]

''ان کا اعتقاد تھا کہ امامت ایک آسمانی عہدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔......

اس کی تیسری کڑی اثنا عشری مذہب کی تشکیل و تدوین رہی جس کا مدار بارہ اماموں کے آسمانی عہدۂ امامت پر رہا۔''

[عبقات:۱۷۷/۲]

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو منصبِ امامت عطا ہوا وہ مدارج نبوت کا ہی ایک درجہ علیا تھا۔ رب العزت نے نبوت کو مختلف درجے عطا کر رکھے ہیں، کبھی نبوت، رسالت کی شان سے سرفراز ہوتی ہے اور کبھی یہ نبوتِ محضہ کے درجہ میں ہوتی ہے۔ کبھی نبوت کو امامت کا مقام ملتا ہے اور کبھی نبوت اس شانِ امامت کے بغیر جلوہ گر ہوتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو درجۂ امامت ملا وہ ''امامت فی النبوت'' کا مقام تھا۔...... امامت فی النبوت بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں محصور ہے، لیکن امامتِ محضہ (جو بغیر نبوت کے ہو) ہرگز نسل ابراہیمی سے خاص نہیں، یہ منصبِ امامت ہر مردِ مومن کو مل سکتا ہے۔ اور یہ کوئی آسمانی منصب نہیں بلکہ ایک اکتسابی مرتبہ ہے۔...... حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو جب ہم 'امام' کہتے ہیں اس سے یہی اکتسابی امامت مراد ہے، کوئی آسمانی مرتبۂ امامت ہرگز نہیں۔ آسمانی مرتبہ امامت حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ختم ہے۔'' [عبقات:۳۰۸/۱]

''شیعہ علماء ان ائمہ کو ''امتی'' اس لیے نہیں کہتے کیونکہ ان کا تعلق خدا سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے نہیں براہِ راست بھی قائم رہا ہے۔ اور امتی وہی ہوسکتا ہے جو دین کی ہر ادا پیغمبر سے لے۔ کوئی علم جو دینی نوع کا ہو اور دوسروں کے لیے اس کا ماننا ضروری ہو اسے براہِ راست خدا سے نہ ملے، جو ملے صرف نبوت سے ملے۔'' [عبقات:۳۸۹/۱]

روافض کا عقیدہ امامت چونکہ مخصوص صفاتِ نبوت کو ائمہ کرام کے لیے تجویز کرتا ہے، اس لیے یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ ختم نبوت اور اس کے تقاضوں کے سراسر خلاف اور کھلا کفر ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء مختلف الفاظ و انداز میں اس حقیقت کا اعتراف ابتدا سے کرتے چلے آئے ہیں، علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ائمہ کرام کے اپنے زمانے تک جمیع مسلمانوں کا بلا امتیازِ مسلک یہی اعتقاد تھا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کرۂ ارض کو کسی مامور من اللہ کی ضرورت نہیں۔'' [عبقات:۳۵۷/۱]

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں اور اہل سنت کی کتب وتحریرات کی روشنی میں عقیدہ امامت کے ہر پہلو کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا، اپنے وسیع مطالعہ وتحقیق کی روشنی میں اُن کی رائے بھی اکابر اہل سنت کی اِس رائے کے سو فیصد موافق تھی کہ عقیدہ امامت عقیدہ ختم نبوت کے بالکل خلاف اور منافی ہے، چنانچہ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب، مضامین، تقاریر وتحاریر میں بہت سے مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چند ایک اقتباسات ہم گزشتہ سطور میں درج کر آئے ہیں، کچھ اقتباسات اختصار کے ساتھ بلاترتیب ذیل میں پیش خدمت ہیں، تفصیلات کے لیے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات وتقریرات کی طرف رجوع فرمائیں۔

''ختم نبوت کے بعد اگر پھر اسی سطح کے آسمانی پیشوا کی ضرورت تھی تو پھر ختم نبوت کا عقیدہ بالکل ڈرامہ سا بن کر رہ جاتا ہے کہ وہ سب ضرورتیں باقی ہیں جن کی وجہ سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ باقی تھا، لیکن اب وہ ضرورت ''نبی'' کے نام سے نہیں ''امام'' کے نام سے قائم ہوگی اور عصمت امام کے سایہ میں آگے بڑھتی دکھائی جائے گی تو یہ عقیدہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کو بالکل مٹا کر رکھ دیتا ہے۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۴۹۵]

''شیعہ کا دین میں امامت بدوں نبوت کے تصور اصول دین میں ایک نئی چیز ہے اور یہ یقیناً دین میں ایک اضافہ ہے۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۴۹۸]

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: ''**وثانیا...... ان اللفظ یدل علی انہ امام فی کل شئی والذی یکون کذلک لا بد لہ أن یکون نبیا.**'' اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے لیے لفظ امامت دلالت کرتا ہے کہ آپ ہر بات میں امام ٹھہریں۔ اور جو اس طرح امام ہو ضروری ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۴۹۹]

''صرف اُن ائمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ شانِ عصمت رکھتے ہوں جو نبوت کے ساتھ امامت پر آئیں۔ لیکن جو ائمہ حکومت بغیر نبوت ہوں ان کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۵۰۰]

''عصمتِ تامہ کاملہ صرف نبوت کے لیے شرط ہے۔ امام سلطنت کے لیے نہیں۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۵۰۱]

''عصمت صرف شانِ نبوت ہے۔'' [تجلیات آفتاب: ۱/۵۰۹]

''ہمارا اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء کی ذات ہے۔ اور جس طرح ہم کہتے ہیں کہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اسی طرح عصمت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہے۔'' [تجلیات آفتاب: ۲/۳۷۲]

''قرآن کی رو سے یہ صرف رسولوں کی شان ہے کہ ان کی فضیلت اس طرح قطعی درجے میں تسلیم کی جائے۔ **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** ...... اِس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ پیغمبروں پر فضیلت پیغمبر کی ہی ہو سکتی ہے، غیر پیغمبر کو کسی طرح پیغمبر سے افضل نہیں سمجھا جا سکتا۔...... صحابہ کرام اور مجتہدین عظام میں جو فضیلت قائم ہوئی وہ اجتہاد اور اجماع سے سامنے آئی ہے نصوص سے نہیں۔ شیعہ علماء کا عقیدہ تفضیل ائمہ اس نوع کا نہیں۔ وہ اپنے ائمہ کو رسولوں کے درجہ میں لا کر انھیں رسولوں پر بھی فضیلت دیتے ہیں۔'' [تجلیات آفتاب: ۲/۳۵۵۔۳۵۸]

''آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ علامہ خمینی نے عقیدہ تفضیل ائمہ کو اپنی ضروریات دین میں سے کہا ہے اور اس سے نبوت و

رسالت کو بھی ہر دور میں ضروری قرار دیا ہے۔" [تجلیات آفتاب: ۳۶۰/۲]

"یہ جو کہا گیا ہے کہ کوئی مَلَکِ مقرب اور نبی مرسل امام کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا تو اس میں کس دور کا نبی مراد ہے؟ جب ختم نبوت محمدی کے باعث اس امت میں کسی نئے نبی اور رسول کی آمد نہیں تو وقت کا امام کس نبی اور رسول سے بالا قرار پائے گا؟ اس پر غور کرنے سے تفضیل ائمہ کا عقیدہ ایسا مہمل ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت سے صاف ٹکراتا نظر آتا ہے۔ ملک مقرب ہر دور میں رہیں تو اسلام کا کوئی عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی نبی مرسل اِس دور میں جانا یا مانا جائے تو اسلام کا عقیدہ ختم نبوت محض ایک مذاق ہو کر رہ جاتا ہے۔" [تجلیات آفتاب: ۳۶۰/۲]

"اثنا عشریوں کے پاس اپنے عقیدہ رجعت پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس طرح انہوں نے اسلام کے عقیدہ توحید کو 'عدل' سے بگاڑا، عقیدہ ختم نبوت کو 'امامت' سے بگارا، آخرت کو 'رجعت' سے آلودہ کر کے گویا سارے اسلام کو ہی بدل دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے یہودیوں کی سازش کارفرما ہے جو اسلام کو اس کے بیخ و بن سے اکھڑا دیکھنا چاہتے ہیں۔" [تجلیات آفتاب: ۵۰۱/۲]

"حدیث ان کے ہاں امام کی وساطت سے حجت بنتی ہے۔ اصل حجج الله فی الارض ائمہ کرام ہیں۔ اور اصل قوتِ حاکمہ امامت کی ہے، نبوت کی بات اس کے ماتحت ہے۔.... ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ لوگ اصل حجت الٰہی امام کو سمجھتے ہیں رسالت کو نہیں۔" [عبقات: ۴۸/۱]

"ہم اہل سنت کے نزدیک مشہور بارہ امام بھی کسی آسمانی امامت کے حامل نہ تھے۔ آسمانی مرتبۂ امامت حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے ثابت نہیں۔ یہ مرتبۂ امامت آسمانی صرف صرف پیغمبروں کی شان ہے۔" [عبقات: ۲۰۸/۱]

"تیسری صورت کے منکر عنوان ختم نبوت کے منکر نہیں، لیکن حقیقت ختم نبوت کے صریحاً منکر ہیں، عقیدہ ختم نبوت کوئی لفظوں کا کھیل نہیں کہ لفظ نبی کی روک تو تسلیم کر لی جائے اور نبوت کی حقیقت اور معنویت امامت کے نام سے جاری رکھی جائے۔ ......حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فیصلے کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے بعد کچھ ایسے افراد بھی اِس امت میں پیدا ہوں گے جو مامور من اللہ اور معصوم ہوں تو ایسا اعتقاد رکھنے والا عقیدہ ختم نبوت کا قطعاً قائل نہیں، خواہ زبان سے ہزار دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتا رہے۔...... پہلی تینوں صورتوں کے قائل قطعی طور پر اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔" [عبقات: ۲۳۹/۱، ۲۴۰]

"رسالت کو واحد سر چشمۂ دین سمجھنے کے خلاف انہوں نے امامت کا عقیدہ قائم کیا۔ بارہ امام مامور من اللہ قرار دیئے، جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام رہا، ان کا ماننا پیغمبروں کی طرح فرض ٹھہرا، ان کا انکار کفر قرار پایا۔ اس عقیدے سے رسالت واحد سر چشمۂ دین نہ رہا۔ امامت نبوت کے متوازی ایک ویسا ہی منصب ہے۔ اور اس عقیدے سے انسان ختم نبوت کا اعتقاد کھو بیٹھتا ہے۔" [عبقات: ۳۸۸/۱]

"ختم نبوت کے علمی تقاضے

۳۔ تیسرا تقاضا: آپؐ کے بعد کوئی نیا آسمانی حکم نامہ آئے نہ اس شریعت میں کوئی ترمیم ہو۔

۶- چھٹا تقاضا: نبی کے لفظ کے بغیر بھی کوئی آسمانی ہدایت اترے نہ کسی کو یہ منصب ملے۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے لفظ کے بغیر بھی کسی آسمانی ہدایت کا اترنا اور اس کے لئے کسی نئے منصب کی تجویز یہ بھی ختم نبوت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اَب پورا دین وہی ہے جو حضورؐ خدا سے لے کر آئے، اَب اِس میں کسی پہلو سے کمی باقی نہیں رہی۔ اَب اللہ تعالیٰ نبوت جیسا کوئی اور سلسلہ خواہ اس میں لفظ نبی نہ آئے ہرگز قائم نہ کرے گا۔ کیونکہ اس میں اور نبوت میں بالفعل کوئی فرق نہیں رہتا۔'' [عبقات: ۹۹/۲ تا ۱۰۴]

''(روافض کی تکفیر کی وجوہات میں سے ایک) ختم نبوت کے اس مفہوم کا انکار کہ اس سے آسمانی سلسلہ مامورین بند ہو چکا ہے۔'' [عبقات: ۲۰۸/۲]

''حیات القلوب کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیعوں کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے۔ سو ان کے ہاں حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کا لفظ امام کے لیے نہیں۔ ورنہ نبوت کے جمیع اوصاف مامور من اللہ ہونا، معصوم ہونا، لوگوں کے لیے حجت ہونا، اس کی اطاعت کا فرض ہونا اور حلال وحرام کی لسانِ ناطق ہونا، امام میں پائے جاتے ہیں۔ اور مفہوم نبوت کے اعتبار سے نبوت جاری ہے۔ صرف اسم نبوت کے لحاظ سے یہ سلسلہ ختم ہوا ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

''از برائے تعظیم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وآنکہ آں جناب خاتمِ انبیاء باشد منع اطلاق اسم نبی وآنچہ مرادف ایں است در آنحضرت کردہ اند۔'' [حیات القلوب] ترجمہ: حضورؐ کی محض تعظیم کے لیے اور اس لیے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں، لفظِ نبی کا اطلاق یا اس کے کسی مترادف کا اطلاق کسی پر جائز نہیں۔

یعنی ختم نبوت محض ایک اعزاز ہے اور تعظیم ہے، ورنہ اس سے آسمانی ماموریت ہرگز بند نہیں ہوتی۔'' [عبقات: ۲۴۰/۲]

''کرامیہ تحریف قرآن کے قائل نہ تھے نہ وہ آسمانی ماموریت کو جاری سمجھتے تھے۔ لیکن محض اس بات پر کہ وہ بعض اولیاء کرام کو نبی سے افضل کہتے تھے، علماءِ کرام نے ان کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ کو، جو اہل اسلام کے نزدیک زیادہ سے زیادہ اونچے درجے کے اولیاء ہو سکتے ہیں، انبیاء ومرسلین سے افضل ماننا ایک مستقل وجہ کفر ہے۔'' [عبقات: ۲۵۶/۲]

اہم نکات:

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تحریرات کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱- اثنا عشریوں نے توحید کو 'عدل'، عقیدہ نبوت کو 'امامت' اور عقیدہ آخرت کو 'رجعت' سے بگاڑ کر پورے اسلام کا انکار کر دیا۔ رسالت کو واحد سرچشمۂ دین سمجھنے کے خلاف امامت کا عقیدہ قائم کیا۔

۲- حضورؐ کے بعد آسمانی پیشوا کی ضرورت باقی ہو تو عقیدہ ختم نبوت ڈرامہ بن کر رہ جاتا ہے۔

۳- جسے آسمانی امامت کا حق دار تسلیم کیا جائے اس کے لیے نبوت کا اثبات بھی ہو جاتا ہے۔

۴- امامت نبوت کے متوازی ایک منصب ہے۔ اور اس سے ختم نبوت کا اعتقاد ختم ہو جاتا ہے۔

۵- عصمت تامہ کاملہ صرف انبیاء کی شان ہے۔

۶- جس طرح نبوت حضور کی ذات پر ختم ہے، اسی طرح عصمت بھی آپ کی ذات پر ختم ہے۔

۷-قطعی درجے کی فضیلت قرآن کی رو سے صرف انبیاء کی شان ہے۔

۸-آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ لوگ اصل حجتِ الٰہی امام کو سمجھتے ہیں رسالت کو نہیں۔

۹-ختم نبوت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نیا آسمانی حکم نامہ آئے نہ اس شریعت میں کوئی ترمیم ہو۔اور ایک تقاضا یہ ہے کہ نبی کے لفظ کے بغیر بھی کوئی آسمانی ہدایت اترے نہ کسی کو یہ منصب ملے۔

۱۰-روافض کے ہاں مفہوم نبوت کے اعتبار سے نبوت جاری ہے۔صرف اسم نبوت کے لحاظ سے یہ سلسلہ ختم ہوا ہے۔

عقیدۂ امامت کی تفصیلات، علمائے شیعہ کی نظر میں!

اب ہم مولانا مہر محمدؒ اور حضرت تونسویؒ کی کتب سے چند شیعہ علماء کی کچھ عبارات یا اُن کے مفہوم باحوالہ پیش کرتے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عقیدہ امامت کے جو نتائج علماء اسلام نے اخذ کیے، وہ محض الزام نہیں بلکہ عین حقیقت ہیں۔

(۱)......شیعہ عالم باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''از شرط امامت عصمت است، واجماع علماء امامیہ منعقد است برآنکہ امام نیز مثل پیغمبر معصوم است از اول عمر تا آخر عمر از جمیع گناہاں، کبیرہ وصغیرہ۔احادیث متواترہ براین مضمون بسیار است.'' [حق الیقین: ۴۰]...... ''بداں کہ اجماع علماء امامیہ منعقد است برآنکہ امامے باشد از جانب خدا ورسول منصوص باشد''۔(ترجمہ) تو جان لے کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امام اللہ اور رسول کی طرف سے منصوص ہوتا ہے۔...... ''وحق ایں است کہ در کمالات وشرائط وصفات فرق میانِ پیغمبر وامام نیست۔'' [حیاۃ القلوب:۳/۳] اور حق بات یہ ہے کہ امام اور پیغمبر کے درمیان شرائط وصفات اور کمالات میں کوئی فرق نہیں۔...... ''امامت نیز فی الحقیقت نبوت است۔'' [حیاۃ القلوب:۳/۸۱] امامت بھی درحقیقت نبوت ہی ہے۔...... ''امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔'' (ترجمہ) ''مرتبہ امامت مرتبہ پیغمبری سے بالاتر ہے۔'' [حیات القلوب مترجم:۳/۱۰، ناشر: امامیہ کتب خانہ، موچی دروازہ، لاہور] ''فرشتہ ساری عمر امام سے کلام کرتا ہے۔'' [حق الیقین:۴۴] ''زیادہ تر علمائے شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب امیر اور تمام ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں۔'' [حیات القلوب:۲/۷۸۷]...... ''اور حضرت رسالت پناہ کی تعظیم کے لیے اور اس وجہ سے کہ آنجناب خاتم انبیاء ہیں نبی اور اس کے ہم معنی لفظ کے اطلاق کو حضرت امام پر منع کرتے ہیں۔''

[حیات القلوب، جلد۳]

(۲)......شیعوں کے محدث اعظم محمد بن یعقوب کلینی مختلف روایات واقوال کی روشنی میں لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق نے فرمایا''نحن قوم معصومون،امرالله تبارك و تعالى بطاعتنا و نهى عن معصيتنا.'' [اصول کافی: ۱/۱۶۵، ۱۶۶] ہم معصوم لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری نافرمانی کرنے سے منع کیا ہے۔......''ان عليا امام فرض الله طاعته،وان الحسن امام فرض الله طاعته، وان الحسين امام فرض الله طاعته، وان على بن الحسين امام فرض الله طاعته،وان محمدبن على امام فرض الله طاعته.'' [اصول کافی:۱/۱۸۶، ۱۸۸] (ترجمہ) حضرت علی یقیناً امام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے،اور حضرت حسن یقیناً امام ہیں اللہ تعالیٰ نے ان

کی اطاعت فرض کی ہے۔ الخ...... ”ان الامامة هي منزلة الانبياء. “[اصول کافی: ۱/۲۰۰] بے شک امامت کا مرتبہ انبیاء جیسا ہی ہے۔...... ”الائمة بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم، الاانهم ليسوا بانبياء، ولايحل لهم من النساء مايحل للنبي صلى الله عليه وسلم، فاماماخلاذلك فهم فيه بمنزلة رسول الله صلى الله عليه وسلم “[اصول کافی :۱/۲۷۰] ائمہ حضرات کا مقام ومرتبہ رسول اللہ ﷺ جیسا ہی ہے، مگر وہ انبیاء نہیں۔ اور جتنی عورتیں نبی ﷺ کے لیے حلال تھیں وہ ان کے لیے حلال نہیں، لیکن باقی سب چیزوں میں ائمہ کا مرتبہ رسول ﷺ کے برابر ہے۔...... ”ان الرسول الذى ينزل عليه جبريل فيراه ويسمع كلامه وينزل عليه الوحى، والنبى ربمايسمع الكلام وربمايرى الشخص ولم يسمع، والامام هوالذى يسمع الكلام ولايرىٰ الشخص. “[اصول کافی: ۱/۱۷۶] امام وہ ہوتا ہے جو فرشتے کی کلام تو سنتا ہے اس کو دیکھتا نہیں۔...... ”على بن ابراهيم، عن ابيه، عن اسماعيل بن مر او قال: كتب الحسن بن العباس المعروفى الى الرضا عليه السلام: جعلت فداك اخبرنى ماا لفرق بين الرسول والنبى والامام؟ قال: فكتب أو قال : الفرق بين الرسول والنبى والامام: ان الرسول ينزل عليه جبرئيل فيراه، ويسمع كلامه وينزل عليه الوحى، وربما راى فى منامه، نحو رويا ابراهيم عليه السلام، والنبى ربما سمع الكلام، وربما رأى الشخص ولم يسمع، والامام هو الذى يسمع الكلام ولا يرى الشخص۔“ یعنی نبی اور امام میں بس اتنا فرق ہے کہ نبی تو کبھی وحی لانے والے فرشتے کو دیکھ بھی لیتا ہے، جبکہ امام صرف آواز سنتا ہے، دیکھتا نہیں۔ (وحی کا نزول امام پر بھی ہوتا ضرور ہے۔)...... اُصول کافی ہی میں ایک مقام پر امام باقرؒ کی طرف منسوب قول میں امام کا مرتبہ یوں نقل کیا گیا ہے کہ: ”يسمع الصوت ولايرى ولايعاين الملك.“ (وحی آنے پر امام) فرشتے کی آواز تو سنتا ہے، لیکن مشاہدہ ومعاینہ نہیں کرتا۔ [ص: ۱۷۵]...... اصول کافی صفحہ ۲۲۰/ پر امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب قول منقول ہے کہ: ”ان الائمة معدن العلم وشجرة النبوة ومختلف الملائكه.“ یعنی ائمہ فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ ان کے پاس فرشتے (وحی کے لیے) آتے جاتے رہتے ہیں۔...... ”اماموں کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر قائم نہیں ہوتی۔“ [اصول کافی: ۱/۱۷۷]...... ”زمین صرف اماموں کے وجود سے قائم ہے۔“ [ایضا: ۱/۱۹۶]...... ”امت کے اعمال نبی کریم ﷺ پر اور اماموں پر پیش ہوتے ہیں۔“ [ایضا: ۱/۲۱۹]...... ”امام، معدن علم، شجرہ نبوت ہیں اور ان کے پاس فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔“ [ایضاً: ۱/۲۲۱]...... ”فرشتے اماموں کے پاس آتے ہیں اور خبریں لاتے ہیں۔“ [ایضا: ۱/۳۹۳]...... ”دین کے اختیارات اللہ تعالی نے رسولؐ اللہ کو اور اماموں کو دے رکھے ہیں۔“ [ایضاً: ۱/۲۶۵]...... ”ایک روح جو جبرائیل ومیکائیل سے بھی عظیم تر ہے، اور جو آنحضرتؐ کے سوا کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی، وہ ہمیشہ اماموں کے ساتھ رہتی ہے اور ان کو خبریں دیتی اور سیدھا رکھتی ہے۔“ [اصول کافی: ۳/۲۷۳]...... رسول کی اطاعت کا طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ [الکافی: ۹/۱۰۹]...... کلینی صاحب نے اپنی کتاب اُصول کافی میں ایک باب قائم کیا ہے: ”باب ان الائمة تدخل الملائكة بيوتهم.... وتاتيهم بالأخبار “ ۔ فرشتے اماموں کے گھروں میں آتے اور ان کو (غیب کی) خبریں پہنچاتے ہیں۔...... ”ائمہ علیہم السلام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور وہ باختیار خود مرتے ہیں۔“ [الشافی، ترجمہ اصول کافی، چھیالیسواں باب: ۱/۲۹۵] ”پس وہ (یعنی بارہ امام) جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں۔ اور وہ نہیں

چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔'' [ایضاً، الشافی مترجم: ۱/۲۴۶، کتاب الحجة ......و......اصول کافی، عربی، طبع لکھنو، ص: ۲۷۸/۱۳)......'' امام'' ماکان و ما یکون '' کو جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی۔'' [اصول کافی: ۱/۲۶۰] '' ہر دن رات امام کے پاس لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔'' [کافی: ۱/۲۱۹]

(۳)......محمد بن یعقوب کلینی کے استاذ:

شیعوں کے سب سے بڑے محدث محمد بن یعقوب کلینی کے استاذ محمد بن حسین الصفار نے اپنی کتاب '' بصائر الدرجات الکبریٰ فی فضائل آل محمد ﷺ'' میں عنوان قائم کیا ہے: "الباب الخامس عشر فی الائمة علیهم السلام ان روح القدس یتلقاهم إذا احتاجوا إلیه." ۔ جب اماموں کو ضرورت ہوتی ہے تو روح القدس (فرشتہ) ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہو جاتا ہے۔...... '' علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی مرتبہ ہم کلام ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور علی علیہ السلام کے درمیان جبرائیل علیہ السلام واسطہ ہوتے تھے۔ [بصائر: ۴۳]

(۴)......قاضی نوراللہ شوستری شیعہ لکھتے ہیں:

"ان الامام یجب ان یکون معصومًا،ذهبت الامامية الى ان الائمة كالانبياء فی وجوب عصمتهم." [احقاق الحق، طبع مصر: ۱/۱۹۷] امام کے لیے ضروری ہے کہ معصوم ہو، امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ ائمہ حضرات یقیناً وجوب عصمت میں انبیاء کی طرح ہیں۔

(۵)...... '' تحفۃ العوام'' [۱/۷] میں ہے:

'' اور سب امام مثل انبیاء کے پاک و معصوم اور منزہ ہیں، عمداً اور سہواً کوئی خطا ان سے صادر نہیں ہوئی اول عمر سے آخر عمر تک''۔

(۶)......شیعوں کے '' امام'' خمینی صاحب نے لکھا ہے:

"وان من ضروریات مذهبنا 'ان لأئمتنا مقاما' لا یبلغه ملك مقرب و لا نبی مرسل." [الحکومة الاسلامیه: ۸۲] '' از ضروریات مذہب ما است کہ کسے بمقامات معنوی ائمہ علیہم السلام نمی رسد، حتیٰ ملک مقرب و نبی مرسل ... ایں جزء اصول مذہب ما است۔'' [ولایت فقیہ: ۵۸] ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ائمہ حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معنوی درجات اور مراتب تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا، حتی کہ نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی نبی مرسل اور یہ ہمارے مذہب کے اصول میں سے ہے۔......ائمہ کا مرتبہ انبیاء و رسل سے بھی بلند تر ہے۔ [الحکومۃ الاسلامیہ: ۵۲] ائمہ کی تعلیمات احکام قرآن کی طرح واجب الاتباع ہیں۔ [الحکومۃ الاسلامیہ: ۱۱۳]

(۷)......شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش جاڑہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' ہمارا رسول چونکہ تمام کائنات کا نبی بلکہ گزشتہ نبیوں کا نبی ہے، لہٰذا وہ ماسوا اللہ تمام کائنات سے افضل و اعلم و اکمل ہیں۔ اور ان کے بارہ جانشین ان کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے آنحضور کے علاوہ باقی تمام کائنات سے افضل و اعلم ہیں۔ حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء ان کی رعایا کی حیثیت سے ہیں، جس طرح وہ جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا ہیں۔'' [تفسیر انوار النجف :۱/۱۹۴، مکتبہ انوار النجف، دریا خان، بھکر]...... ''حضور نے فرمایا۔کوئی نبی نہیں بن سکا جب تک اس نے ولایت علی کا اقرار نہیں کیا۔'' [المجالس الفاخرہ فی أذکار العترۃ الطاھرہ :۱۲]...... ''حضرت ابراہیمؑ نے اماموں کی بزرگی تسلیم کی تو ان کو امامت ملی۔'' [ترجمہ مقبول:۲۶]...... ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اماموں کے طفیل خوف سے امن ملا۔'' [ترجمہ مقبول: ۶۲۸...... ''حضرت نوح علیہ السلام کو اماموں کے طفیل غرق ہونے سے نجات ملی۔'' [ایضا:۴۵۰]...... ''لیلۃ القدر میں روح القدس اور کل فرشتے اماموں پر نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ لکھ چکے ہیں وہ سب ان حضرات کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔'' [ترجمہ مقبول:۱۱۹۵]

(۸)......شیعہ عالم جناب طوسی لکھتے ہیں:''ھم مختلف الملائکۃ و مھبط الوحی.

(۹)......شیعہ محدث الحر العاملی ''الفصول المھمہ فی اصول الائمہ ''میں لکھتے ہیں:''ان الملائکۃ ینزلون لیلۃ القدر إلی الأرض، ویخبرون الائمۃ علیھم السلام بجمیع مایکون فی تلک السنۃ من قضاء و قدرالخ.'' لیلۃ القدر میں فرشتے زمین پر اترتے ہیں اور سال بھر میں ہونے والے قضاء وقدر کی ائمہ کو خبر دیتے ہیں۔

(۱۰)......پاکستانی شیعہ مجتہد محمد یاور حسین جعفری اپنی کتاب ''۱۶/مسئلے'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اَب جب ہم نے انبیاء سے عہد لیا اور خاص طور پر محمد سے۔اسے (حضرت محمد ﷺ) اور نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ سے۔اور لیا ہم نے ان سے پکا وعدہ۔حضرت محمد سے بھی یہ ہی عہد لیا گیا کہ جب کتاب کا نزول ہو چکے اور رسول آئے گا، اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

یہ ظاہر ہے کہ تصدیق رسالت ماسوائے علی کے کسی اور نے نہ کی۔کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔بلکہ دنیا کو یہ بتانا کہ کلام خدا برحق ہے اور یہ تمام نبیوں کا سردار نبی ہے۔صرف وہ ہی کر سکتا تھا جس میں نبیوں کی تمام صفات موجود ہوں۔اور ماسوائے حضرت علی اور کسی میں نہ ہو سکتی تھیں۔اب رسول خدا حضرت محمد پر واجب ہو گیا تھا کہ وہ علی کی رسالت وامامت اور ولایت کا اعلان کرتے۔چنانچہ انہوں نے کیا اور کئی مواقع پر کیا۔خصوصاً غدیر خم پر تو ایسا اعلان کیا کہ جسے بھلانے والے بھلا نہ سکتے تھے۔

حضرت عیسیٰ کو اگر زمانہ حضرت محمد ملتا تو اُن پر واجب ہوگا وہ حضرت محمد پر ایمان لاتے اور امداد کرتے۔اور حضرت محمد پر واجب ہوا کہ علی کی رسالت اور امامت پر ایمان لاتے۔اَب اگر حضرت عیسیٰ کو حضرت علی کے وقت میں آنا پڑے تو کیا آپ کا خیال ہے کہ علی پر سبقت لے جائیں گے! محض ناممکن۔پس اندازہ کیجیے کہ علی کس قدر بلند نظر آتے ہیں۔

بہر کیف حضرت علی رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں اور حضرت محمد کے وزیر بھی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ بارہ کے بارہ رسول تھے۔'' [۱۶ مسئلے:۱۱، از: محمد یاور حسین جعفری]

(۱۱) پاکستان کے ہی شیعہ عالم نجم الحسن کراروی کی سن لیجیے!

''سورۃ انا انزلناہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ نزول ملائکہ انبیاء و اوصیاء (اماموں) ہی پر ہوا کرتا ہے۔امام مہدی کو اس لیے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزول ملائکہ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے اور شب قدر میں انہیں پر نزول ملائکہ ہو سکے۔حدیث میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی روزی وغیرہ امام مہدی تک پہنچا دی جاتی

ہے اور وہی اسے تقسیم کرتے ہیں۔'' [چودہ ستارے:۵۶۹]

شیعہ علماء کے مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک:

۱- عصمت شرطِ امامت ہے۔ علماء امامیہ کا اجماع ہے کہ امام پیغمبر کی طرح معصوم ہوتا ہے۔

۲- علماء امامیہ کا اجماع ہے کہ امام اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص ہوتا ہے۔

۳- رسول کی اطاعت کی طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ ائمہ کی تعلیمات احکام قرآن کی طرح واجب الاتباع ہیں۔ دین کے اختیارات اللہ تعالی نے رسول اللہ کو اور اماموں کو دے رکھے ہیں۔ امام جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں حرام کرتے ہیں۔

۴- ائمہ کے پاس فرشتے وحی کے لیے آتے جاتے رہتے ہیں۔

۵- امام ''ما کان وما یکون'' کو جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی۔

۶- امام اور پیغمبر کے درمیان شرائط وصفات اور کمالات میں کوئی فرق نہیں۔

۷- اماموں کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر قائم نہیں ہوتی۔

۸- امامت بھی درحقیقت نبوت ہی ہے۔ امامت کا مرتبہ نبوت جیسا ہی ہے۔ حضرت علی رسول ہیں، بلکہ بارہ کے بارہ ائمہ رسول تھے۔

۹- مرتبہ امامت مرتبہ پیغمبری سے بالاتر ہے۔

۱۰- حضرت رسالت پناہ کی تعظیم کے لیے نبی کے لفظ کے اطلاق کو امام پر منع کرتے ہیں۔

امام کا معصوم ہونا، مامور من اللہ ہونا، مفترض الطاعۃ ہونا، صاحبِ وحی ہونا، مرتبہ نبوت جیسا بلکہ اس سے بڑھ کر ہونا اور رسول ہونا شیعوں کا عقیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس عقیدہ سے عقیدہ ختم نبوت کا کوئی پہلو سلامت نہیں رہتا۔ اکابر اہل سنت کا بھی یہی موقف ہے، لیکن پہلے ایک شیعہ عالم کی گواہی پڑھ لیں، وہ بھی اقرار کرتے نظر آتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو وحی کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔

چنانچہ سید عباس گردیزی ''لولاک'' میں شائع شدہ خطاب میں کہتے ہیں:

''حضرت مولانا شیخ محمد حسین نجفی جو اِس صدی کے شیعہ علماء میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اپنی کتاب ''اصل واصول شیعہ'' میں، جس کا ترجمہ علامہ ابن حسن صاحب نجفی نے کیا ہے۔ رضا کار بکڈپو لاہور سے شائع کیا ہے۔ صفحہ ۲۷ / پر نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: ''شیعہ امامیہ کا یہ عقیدہ راسخہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت یا نزول وحی کا دعوی کرے وہ کافر ہے اور واجب القتل۔'' [ماہنامہ لولاک، اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص:۴۶]

روافض کا عقیدہ امامت اکابر اہل سنت کی نظر میں!

عقیدہ امامت کے ختم نبوت کے منافی ہونے کی شہادت اہل سنت کے بہت سے علماء نے دی ہے، مناسب ہوگا کہ

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کے ساتھ ہم بعض دیگر اکابر کی تحریرات بھی ذکر کر دیں۔ جو مختلف احباب کی محنت و کوشش سے یکجا جمع ہوئیں اور مجلّہ صفدر کے متفرق شماروں میں شائع ہوئیں۔ چنانچہ

۱- شیخ ابوالحسن علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۴۴۵ھ)

۲- معروف حنفی عالم امام ابوشکور محمد بن عبدالسعید سالمی رحمہ اللہ (۴۶۵ھ)

۳- امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (۶۰۶ھ)

۴- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ)

۵- حافظ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ، ۱۵۶۷ء)

۶- حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ)

۷- شیخ محمد البرزنجی شافعی رحمہ اللہ (۱۱۰۳ھ)

۸- صاحبِ نور الانوار احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۰ھ)

۹- حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۳ء)

۱۰- حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (۱۲۲۵ھ)

۱۱- حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۳۸ھ، ۱۸۲۳ء)

۱۲- حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (۱۳۴۶ھ)

۱۳- امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ (۱۳۸۱ھ، ۱۹۶۲ء)

۱۴- علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ (۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ء)

۱۵- مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء)

۱۶- مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)

۱۷- مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ (۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء)

۱۸- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء)

۱۹- مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ (۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء)

۲۰- مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء)

۲۱- مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹ء)

۲۲- مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۴ء)

۲۳- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ (۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء)

۲۴-مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۱ھ،۲۰۰۰ء)

۲۵-مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ (۱۴۱۵ھ،۱۹۹۵ء)

۲۶-مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ (۱۴۳۴ھ،۲۰۱۲ء)

۲۷-مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ (۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء)

۲۸-مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ (۱۴۲۱ھ،۲۰۰۰ء)

۲۹-مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ (۱۴۲۷ھ،۲۰۰۶ء)

۳۰-مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۳۶ھ،۲۰۱۵ء)

۳۱-علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ (۱۴۳۰ھ،۲۰۰۹ء)

۳۲-مولانا مہر محمد رحمہ اللہ (۱۴۳۴ھ،۲۰۱۳ء)

۳۳-دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۳۴-دارالافتاء جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرات کی عبارات ہمارے پیش نظر ہیں، جن سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رافضی عقیدۂ امامت اسلامی عقیدۂ ختم نبوت کے بالکل متضاد اور مخالف ہے۔ لیکن اِس کے باوجود عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہ نما مولانا اللہ وسایا مدظلہم اور دیگر بعض حضرات اِس حقیقت کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ اکابر کے استدلال کو ''غلط'' بھی قرار دیتے ہیں۔ اور جابجا اِس کا اظہار اور اِس حوالے سے مختلف اعتراضات وشبہات بھی شائع ونشر کرتے رہتے ہیں۔ ہم اکابر کی عبارات کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد مولانا اللہ وسایا مدظلہ کے اعتراضات واشکالات نقل کرکے اکابر اہل سنت کے الفاظ میں اُن کا جواب بھی پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ

(۱)-شیخ ابوالحسن علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۴۴۵ھ)

''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی شائع کردہ کتاب ''ائمہ تلبیس'' میں مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری رحمہ اللہ پانچویں صدی کے شافعی عالم امام ابوالحسن علیؒ کا فتویٰ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آخر فقہائے اہل السنۃ والجماعۃ ایک مجلس میں جمع ہوئے، شیخ ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن نے' جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے، قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا، اور برملا کہہ دیا کہ: ''اِس فرقہ کی طرف سے محض اقرار باللسان اور تلفظ بالشہادتین کافی نہ ہوگا، کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ: اگر تمہارا اِمام ایسے اُمور مباح کردے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا، یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہہ دے جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ: ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہوجاتا

ہے۔ الکامل فی التاریخ: ۱۰۸/۹۔" [ائمہ تلبیس: ۳۴۶]

(۲)-معروف حنفی عالم امام ابوشکور محمد بن عبدالسعید السالمی رحمہ اللہ (۴۶۵ھ)

پانچویں صدی ہجری کے حنفی عالم امام ابوشکور محمد بن عبدالسعید السالمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومنهم من قال لأن العالم لايخلو من الإمام، والإمام من أولاد الحسن والحسين، وهو يتعلم العلم من الله أو من جبريل، فمن لا يعرفه ولا يؤمن به فموته موت الجاهلية، وهذا كفر؛ لأن هذا إثبات النبوة." [التمهيد: ۱۸۰] (ترجمہ) اوران میں سے بعض کہتے ہیں کہ: "یہ عالم امام سے خالی نہیں ہوتا، اورامام حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہوتا ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ سے یا جبریل سے علم حاصل کرتا ہے۔ پس جو شخص امام کو نہ جانے اوراس پر ایمان نہ لائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔" یہ عقیدہ کفر ہے۔ اس لیے کہ یہ (امام کے لیے) نبوت کا اثبات ہے۔

(۳)-امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (۶۰۶ھ)

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

"وثانيا...... ان اللفظ يدل على انه امام فی كل شئی والذی يكون كذلک لا بد له أن يكون نبيا." اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے لیے لفظ امامت دلالت کرتا ہے کہ آپ ہر بات میں امام ٹھہریں۔ اور جو اس طرح امام ہو ضروری ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔" [بحوالہ تجلیات آفتاب: ۴۹۹/۱]

(۴)-امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمدؒ اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" (تفسیر قرطبی) میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "تمام اقوال کے مطابق علم قطعی اور یقین ضروری حاصل ہو چکا ہے اور سلف وخلف کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ اللہ جل شانہ کے وہ احکامات جو ان کے امر ونہی پر مشتمل ہیں ان کو پہچاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کو رسولوں سے حاصل کیا جائے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ: رسولوں سے ہٹ کر کوئی اور طریقہ بھی ہے جس میں رسولوں سے مستغنی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو معلوم کیا جاسکتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے، اس کو قتل کر دیا جائے گا اور توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اس سے کسی مزید سوال وجواب کی ضرورت ہے۔

پھر ایسا کہنا (کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ بھی موجود ہے) یہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کے بعد دوسرے انبیاء کی نبوت کا اثبات ہے، حالانکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم انبیاء ورسل بنایا ہے، اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو کہتا ہے کہ: احکام الٰہی میں وہ اپنے دل سے فیصلہ لے اور اسی کے تقاضے کے مطابق عمل کرے اور یہ کہے کہ اسے کتاب وسنت کی حاجت نہیں ہے تو لاریب ایسے شخص نے اپنے لیے "خاصہ نبوت" کو ثابت کر لیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "روح القدس (جبریل) میرے دل میں بات ڈال رہے ہیں۔" [تفسیر قرطبی، الکہف،

آیت: ۷۹۔۸۲]

(۵)-حافظ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ، ۱۵۶۷ء)

حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

''ومن اعتقد وحیًا من بعد محمد ﷺ کان کافرا بإجماع المسلمین. جو شخص حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (کسی پر یا اپنے اوپر) وحی آنے کا **معتقد** ہو، وہ باجماع **مسلمین** کافر ہے۔'' [الفتاویٰ الفقھیة الکبریٰ، باب الطلاق]

(۶)-حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مولانا سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ''ردِّ روافض'' میں رافضیوں کے مسلمان نہ ہونے کے تین وجوہ بیان فرمائے ہیں:

......[۳] یہ ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اماموں پر وحی نازل ہوتی ہے۔تو پھر نبی اور امام میں کیا فرق ہوا؟ گویا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ نبی مانتے ہیں یہ ختم نبوت کا انکار ہوا۔'' [**ذخیرۃ الجنان**: ۱۲۸/۸]

(۷)-شیخ محمد البرزنجی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۰۳ھ)

فقہ شافعی کے عالم شیخ محمد البرزنجی الشافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''أو اعتقاد حصول مرتبة النبوة للأئمة الاثنا عشرية کما مر مفصلا....'' [النواقض للروافض: **۱۲۵/۱ بحوالہ** مسودہ مولانا اسماعیل] (ترجمہ) یا وہ (عقیدہ امامت کا قائل ہو کر) ائمہ اثنا عشریہ کے لیے مرتبہ نبوت کے حصول کا عقیدہ رکھتا ہو، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔ (تو منکر ختم نبوت ہوگا۔)

(۸)-صاحبِ نور الانوار رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۰ھ)

صاحبِ نور الانوار شیخ احمد المعروف ملا جیون لکھتے ہیں:

''لأن الاحتراز عن جميع ذلك من خواص الأنبياء''. [نور الانوار: ۱۸۷، کتاب السنہ، بیان شرائط الراوی] (ترجمہ) اِس لیے کہ صغیرہ و کبیرہ تمام گناہوں سے احتراز (یعنی معصوم ہونا) انبیاء کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۹)-حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۳ء)

مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(ترجمہ) میں نے لفظ امام میں غور و فکر شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ امام ان کی اصطلاح میں معصوم، مفترض الطاعۃ اور مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے۔ اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔'' [وصیت نامہ: ۶، کانپور]

''کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے لیکن نبوت کا معنی۔ یعنی ایک انسان کا منجانب اللہ مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور واجب الاطاعت گناہوں سے معصوم اور بقا علی الخطاء سے محفوظ ہونا آپ کے

بعد ائمہ میں موجود تھا تو ایسا شخص زندیق ہے۔'' [المسوی شرح موطا:۲/۱۱۰دہلی]

''شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اگر چہ زبان سے آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔'' [تفہیمات الٰہیہ:۲۴۴]

(۱۰)-حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (۱۲۲۵ھ)

حضرت مولانا قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فقیر ثناء اللہ کہتا ہے، مذکورہ فرقوں سے ختم رسالت رسول اللہ ﷺ کا انکار صریح ہے، لیکن اثنا عشریہ بلکہ امامیہ کے تمام فرقے معنوی طور پر ختم رسالت کے منکر ہیں۔ اس لیے کہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے، نہ کہ الفاظ کا۔'' [السیف المسلول:۱۵۲]...... ''اگر چہ یہ لوگ نبی یا رسول کا لفظ ائمہ پر نہیں بولتے مگر نبوت کی صفات و معانی اُن پر ثابت کرتے ہیں۔ تو گویا اُن کو انہوں نے نبی جانا۔ کیونکہ اعتبار الفاظ کا نہیں ہوتا، معانی کا ہوتا ہے۔'' [السیف المسلول:۱۵۷]

حضرت مولانا قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱۱)-حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۳۸ھ،۱۸۲۳)

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں لکھتے ہیں:

''امامیہ اگر چہ بظاہر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو مانتے ہیں در پردہ ائمہ کی نبوت کے بھی قائل ہیں۔ بلکہ وہ ائمہ کو انبیاء سے برتر اور بزرگ تر مانتے ہیں۔ جیسا کہ اوراق ماسبق میں بیان ہوا۔ اور کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینے کے اختیارات جو خاصہ نبوت بلکہ اس سے بھی بالاتر ہیں، وہ ائمہ کے سپرد و حوالہ کرتے ہیں۔ یعنی جو چیز اللہ و رسول نے حرام و حلال نہیں کی اس کو حلال و حرام قرار دینے کا ائمہ کو اختیار ہے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں وہ بھی ختم نبوت کے منکر ہوئے۔''

[تحفہ اثنا عشریہ مترجم:۳۳۶]

(۱۲)-حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (۱۳۴۶ھ)

فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرات شیعہ معتقد ہیں کہ جناب امیر پر فرشتہ نازل ہوتا تھا جس کی آپ آواز سنتے تھے اور صورت نہیں دیکھتے تھے۔ اور امام کو نسخ احکام شرعیہ کا اختیار ہے۔ اور تمام تحلیلات و تحریمات اس کے قبضے میں ہیں جس کو چاہے حلال کرے اور جو چاہے حرام کردے۔ تو گو بظاہر ختم رسالت کے قائل ہوئے ہیں مگر در حقیقت ختم رسالت و نبوت کے منکر ہیں۔''

[مطرقة الكرامة على مرءاة الإمامة:۷۷]

(۱۳)-امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ (۱۳۸۱ھ،۱۹۶۲ء)

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے مجوزہ بارہ امام رسول خدا ﷺ کی مثل اور ہم مرتبہ ہیں۔ اور اسی طرح معصوم و مفترض الطاعۃ ہیں۔'' [بطلان مذہب شیعہ: ۳۶]

''اہل سنت کہتے ہیں کہ: معصوم ہونا خاصہ انبیاء ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو آپ کا مثل اور اور معصوم و مفترض الطاعۃ ماننا شرک فی النبوت اور ختم نبوت کا انکار ہے۔'' [مقدمہ تفسیر آیات خلافت: ۱۸]

(۱۴)-علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ (۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ء)

علامہ محبّ الدین خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"نحن المسلمون لانعتقد العصمة لأحد بعد رسول الله ﷺ وكل من ادعى العصمة لأحد بعد رسول الله ﷺ فهو كاذب. [العواصم من القواصم: ۵] (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم مسلمان کسی کے لیے عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور جو کوئی حضورؐ کے بعد کسی کے لیے عصمت کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۱۵)-مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء)

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

''جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے۔'' [معارف القرآن: ۳۵۵/۴]

(۱۶)-مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء)

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اثناء عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک یہ حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت جو اس مذہب کی اساس و بنیاد ہے، عقیدہ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے۔ اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ''ختم نبوت'' اور ''خاتم النبیین'' کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جس طرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں۔) لیکن اس کی حقیقت کے منکر ہیں۔......اس موضوع سے متعلق راقم السطور نے اُوپر جو کچھ عرض کیا ہے، اس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ کسی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اس نتیجہ فکر کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا کہ شیعہ اپنے عقیدہ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں۔'' [بینات، اشاعت خاص: ۶۷-۸۰]

(۱۷)-مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ (۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء)

وکیل صحابہ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''دراصل اس مقام ''نبوت'' پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ''امامت'' کے تصور کی تخلیق کی گئی ہے۔''...... ''بہر حال مامور و منصوص من اللہ، مبعوث للخلق، معصوم اور مفترض الطاعۃ ہونا خاص نبی کی صفات ہیں، جن پر آل سبا نے ڈاکہ ڈالا ہے اور ایک ایک کر کے ساری صفات ''امام'' کو دے دی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ختم نبوت کے منکر ہوئے۔''...... ''امامت نبوت کے مقابل و حریف ہے: ان اقتباسات سے یہ حقیقت واضح اور مبرہن ہو کر سامنے آچکی ہے کہ یہ مخترعہ، موضوعہ، خانہ ساز ''امامت'' نبوت

ورسالت کی حریف ومقابل ہے، چنانچہ امام کے مقابلے میں جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کو(معاذ اللہ) فروتر دکھایا گیا ہے۔اور ان حضرات کے مقابلے میں ''امام'' کو بلند وبالاتر دکھایا گیا ہے۔'' [کشف الحقائق: ۳۶۳۔۳۷۷۔۴۰۵]

(۱۸)-مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ،۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ائمہ کی تعریف اور ان کے اوصاف ''وحدت نبی'' اور ''ختم نبوت'' کے منافی.....اب امامت کے بارے میں فرقہ اثناعشریہ کے عقائد واُصول پر ایک نظر ڈال لیجیے! جو ہم ''اُصول کافی'' سے اخذ واقتباس کر کے نقل کرتے ہیں: اثناعشری حضرات کے نزدیک نبی کے جانشین خلیفہ وامام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ونامزد ہوئے، وہ نبی ہی کی طرح معصوم، مفترض الطاعۃ ہوتے ہیں، ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حجت اپنی مخلوق پر بغیر امام کے قائم نہیں ہوسکتی.....اماموں کا جاننا پہچاننا شرطِ ایمان ہے، ائمہ کی اطاعت رسولوں ہی کی طرح فرض ہے، ائمہ کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال اور جس چیز کو چاہیں حرام قرار دے دیں، ائمہ انبیاء ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں۔'' [دو متضاد تصویریں: ۷۲]

(۱۹)-مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ (۱۴۱۲ھ،۱۹۹۲ء)

فخر الاماثل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اثناعشریہ شیعوں کے وجوہ کفر میں سے ایک وجہ انکارِ ختم نبوت بھی ہے۔......ان عبارتوں کے مطالعہ کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثناعشری شیعہ ''ختم نبوت'' اور ''خاتم النبیین'' کے الفاظ کے تو قائل ہیں، لیکن اس کی حقیقت کے قطعی منکر ہیں۔'' [بینات، خصوصی اشاعت: ۱۰۸۔۱۱۰]

(۲۰)-مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ،۱۹۹۹ء)

محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بھلا جو فرقہ ختم نبوت کا قائل نہ ہو، اپنے ائمہ کو نبی کا درجہ دے، انہیں معصوم سمجھے، ان کی اطاعت کو تمام انسانوں پر فرض قرار دے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ ان پر وحی باطنی ہوتی ہے.....ایسا فرقہ لاکھ اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے، اس کو اسلام وایمان اور قرآن ونبی علیہ الصلوۃ والسلام سے کیا تعلق؟'' [بینات، اشاعت خاص: ۱۶۱]

(۲۱)-مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (۱۴۳۰ھ،۲۰۰۹ء)

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ظاہر امر ہے کہ جب امام معصوم ہو اور اس کی طرف وحی بھی آتی ہو، اس کی اطاعت بھی فرض ہو تو نبی اور امام میں کیا فرق رہ گیا؟ غرضیکہ شیعہ بارہ بلکہ چودہ امام تسلیم کر کے گویا بارہ یا چودہ نبی مانتے ہیں۔ تو پھر آنحضرت ﷺ پر نبوت کیسے ختم ہوئی؟ اگر شیعہ ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو محض تقیہ کے طور پر کرتے ہیں۔'' [ارشاد الشیعہ: ۸۸]

(۲۲)-مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (۱۴۲۴ھ،۲۰۰۴ء)

قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی دام مجدہم نے اپنی یادگار تصنیف ''ایرانی انقلاب'' میں شیعی ''عقیدہ امامت'' کی پوری وضاحت کردی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کر اکابر علمائے دیوبند اور خصوصاً امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے شیعی ''عقیدہ امامت'' کو ''عقیدہ ختم نبوت'' کے منافی قرار دیا ہے۔'' [بینات، اشاعت خاص: ۲۲۰]

''سنی طبقہ ناواقفیت کی بناپر عموماً یہ کہتا ہے کہ سنی شیعہ اختلاف ایک فروعی اختلاف ہے اور ان میں کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ اور شیعہ علماء بھی از روئے تقیہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ سنی وشیعہ فروعی اختلاف ہے۔لیکن ان مستند مذکورہ بالا روایات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ شیعہ عقیدہ امامت ان کے مذہب کا ایک اُصولی عقیدہ ہے اور اس کے تسلیم کرنے کے بعد عقیدہ نبوت اور عقیدہ ختم نبوت کی کوئی علمی اور شرعی حیثیت باقی نہیں رہ سکتی۔''

''۱۹۷۴ء کی مجلس عمل میں شیعہ اور مودودی بھی شامل تھے۔جہلم میں جب مجلس عمل کی تشکیل ہوئی تو اس کا صدر مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کو بنانا چاہتے تھے۔لیکن مولانا مرحوم نے اہل تشیع اور مودودی جماعت کی اس میں شرکت کی وجہ سے مجلس عمل کی شمولیت سے ہی انکار کردیا۔اور چکوال میں بندہ بھی مجلس عمل میں شامل نہیں ہوا۔اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شیعہ عقیدہ امامت عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔

اس عقیدہ امامت کی بناپر شیعہ علماء کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر امام مہدی تک یہ بارہ انبیاء امامؑ انبیائے سابقین علیہم السلام حتی کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔(العیاذ باللہ)

اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ: حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا، کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آخری امت کا کوئی شخص نبی ہے تو یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہوگا۔اس طرح جب ''اثنا عشریہ'' یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بارہ اِمام اپنے منصب امامت کی وجہ سے انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل ہیں تو یہ بھی عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہوگا۔کیونکہ اگر اس امت میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوسکتا تو انبیائے کرام سے افضل کون پیدا ہوسکتے ہیں؟''

''یہ ہے اہل تشیع کا عقیدہ امامت کہ آخری امام حضرت مہدی (جو ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں) کی امامت کا اتنا بلند مقام ہے کہ امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین ﷺ بھی ان سے بیعت کرکے ان کے مریدین میں شامل ہوجائیں گے اور ان کے بعد حضرت علیؓ بھی بیعت کریں گے۔ کیا اَب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیعوں کا عقیدہ امامت' عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے؟

فاعتبروا یا اولی الابصار.'' [ماہنامہ حق چاریار، فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف جہلمی نمبر: ۳۳/تا۳۷]

(۲۳)-مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ (۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء)

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اِس معاملے میں شیعہ مذہب بھی باطل ہے کہ اس کے پیروکار خلیفہ یا حاکم (امام) کو معصوم اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ مانتے ہیں۔'' [معالم العرفان: ۱۵۱/۸]...... ''اسماعیلی فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ: خدا تعالیٰ امام میں حلول کر گیا ہے گویا امام کو ''الوہیت'' کے درجے پر پہنچادیا۔ رافضیوں نے بھی اپنے امام کو ''معصوم'' قرار دے دیا۔'' [ایضاً: ۸۰۸/۱۴]...... ''رافضیوں نے اماموں کو نبی کے برابر ٹھہرالیا، کہتے ہیں کہ: انبیاء کی طرح امام بھی ''معصوم'' ہوتے ہیں۔.....''امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تفہیماتِ الٰہیہ'' میں لکھتے ہیں: اماموں کی معصومیت کو تسلیم کرنا ختم نبوت کے انکار کے مترادف ہے۔ اگر نبی کے علاوہ امتی بھی معصوم بن جائیں تو پھر نبی کی نبوت کہاں گئی؟'' [معالم العرفان: ۲۲۸/۱۴]

(۲۴)-مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء)

ترجمان اہل حق مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ [نائب امیر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت] لکھتے ہیں:

''شیعوں کا یہ ''نظریۂ امامت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے، یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم سے لے کر مرزا غلام قادیانی تک جن جن لوگوں نے نبوت و رِسالت کے جُھوٹے دعوے کیے، انہوں نے اپنے دعووں کا مصالحہ شیعوں کے ''نظریۂ امامت'' سے مُستعار لیا۔......

میں شیعہ کے ''نظریۂ امامت'' پر جتنا غور کرتا ہوں میرے یقین میں اُتنا ہی اِضافہ ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور اُمّت میں جُھوٹے مدّعیانِ نبوت کے دعویٔ نبوت کا چور دروازہ کھولنے کے لیے گھڑا۔'' [اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم: ۲۸، ط: ۱۹۹۵ء]

(۲۵)-مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ (۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قادیانیوں کی طرح وہ (شیعہ) لفظی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں، لیکن انہوں نے نبوتِ محمدیہ کے مقابلے میں ایک متوازی نظام عقیدہ امامت کے نام سے تصنیف کر لیا ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا ٹھیک وہی تصور ہے جو اسلام میں نبوت کا ہے۔'' [بینات، اشاعتِ خاص: ۱۵۴]

(۲۶)-مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ (۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۲ء)

مناظر اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''روافض کے نزدیک یہ بارہ ائمہ معصوم عن الخطاء، منصوص من اللہ، مامور من اللہ، مفترض الطاعۃ ہیں، جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتب اس پر شاہد ہیں۔ روافض کے نزدیک یہ بارہ ائمہ درحقیقت ان کے بارہ (۱۲) پیغمبر ہیں، کیونکہ روافض نے اپنی متعدد کتب میں لکھا ہے کہ: ''ہمارے بارہ (۱۲) ائمہ کے مقام پر نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے نہ مَلَک مقرب۔ یہ بات شیعہ مذہب کے

''ضروریات'' میں سے ہے اور شیعہ مذہب کے اصول کا جزء ہے۔ اور امامت درحقیقت نبوت ہی ہے، بلکہ امامت کا مقام و مرتبہ پیغمبری سے بلند و بالاتر ہے۔'' [تذکرہ علامہ تونسوی رحمہ اللہ: ۲۸۲]

(۲۷)-مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ (۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''تکفیر شیعہ کی وجوہ بے شمار ہیں، ان میں جو زیادہ معروف، خواص وعوام میں مشہور اور ان کی تقریباً سب کتابوں میں مزکور ہیں، وہ تحریر کی جاتی ہیں.......

(۱۵)......اپنے اماموں کو معصوم اور عالم الغیب سمجھتے ہیں۔

(۱۶)......اماموں کو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں۔

(۱۷)...... ختم نبوت کے منکر ہیں، اس لیے کہ اپنے اماموں میں جریانِ نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔''

[احسن الفتاویٰ: ۱۰/۳۷]

(۲۸)-مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ (۱۴۲۱ھ،۲۰۰۰ء)

امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لیکن ہوتا یہ ہے کہ اِس سلسلے کی تمام معلومات سے کورا ہونے کے باوجود مظلوم سنیوں سے یہ یک طرفہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت میں اشتراک کی بنا پر سنی شیعہ ایک ہیں، لہٰذا متحد ہو جائیں۔'' ......سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت کے اشتراک کی بنا پر مسلمان اور یہودی ایک ہیں؟ یا متحد ہو سکتے ہیں؟......کیا حضرت مسیح علیہ السلام سے محبت کے اشتراک کی بنا پر مسلمان اور مسیحی ایک ہیں؟ یا متحد ہو سکتے ہیں؟......ظاہر ہے (کہ) نہیں! (ہو سکتے) اسی طرح اتحاد کی راہ میں رکاوٹوں کو دُور کیے بغیر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی آڑ میں ''اتحاد'' کی راگنی گانا، مگر باقی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام پر تبرا کرتے رہنا......موجودہ قرآن کو اصلی ماننے کے بجائے اپنے بارہویں امام کے پاس بتانا...... نظریہ امامت تسلیم کر کے عملاً ختم نبوت کا انکار کرتے رہنا......کیا یہ تقیہ پر مبنی منافقت اور دھوکہ بازی نہیں ہے؟ اور کیا اس طرح صرف یک طرفہ شرائط منوا کر اتحاد کرانا ممکن ہے؟''

[تریاق اکبر بزبان صفدر: ۲۳۶، مرتب: مولانا عبد الرزاق صفدر]

(۲۹)-مولانا مفتی عبد الستار رحمہ اللہ (۱۴۲۷ھ،۲۰۰۶ء)

استاذالمفتیین حضرت مولانا مفتی عبد الستار رحمہ اللہ [صدر مفتی: جامعہ خیر المدارس ملتان] لکھتے ہیں:

''شیعہ امام پر ''نبی'' کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے، لیکن حقیقت و معنی نبوت اس کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ ایسے عقیدہ امامت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی نفی لازم آتی ہے۔'' [خیر الفتاویٰ: ۱/۳۴۴]

(۳۰)-مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۳۶ھ،2015ء)

حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پچھلے دنوں میں خمینی کے انقلاب کے بعد جب یہ شیعوں کا کفر زیر بحث آیا...... پوری دنیا میں، صرف پاکستان میں نہیں! پوری دنیا میں......اور اس بارے میں کتابیں چھپیں، رسالے چھپے تو دیوبند میں بھی دیوبند کی شوریٰ کے اندر یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس بارے میں فتویٰ جاری کیا جائے اور اس کی بنیاد کس بات پر رکھی جائے۔ دیوبند سے جو فتویٰ آیا ہے، ''دارالعلوم دیوبند'' رسالہ میں شائع ہوا، اس کا مدار اِس بات پر رکھا گیا کہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے روحانی طور پر روحانی فیض حاصل کرتے ہوئے خواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ جب زیارت ہوئی تو میں نے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! آپ شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ان کے دین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کا دین باطل ہے۔ اور ان کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' سے واضح ہے۔'' یہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خواب میں اتنی بات ہوئی۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بیدار ہونے کے بعد اس میں غور کیا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' میں ہے۔'' اِس کا کیا مطلب؟ جب میں نے امام کے متعلق ان کے عقیدے کی تفصیل پڑھی کہ وہ امام کو معصوم مانتے ہیں، مفترض الطاعۃ مانتے ہیں کہ اس کی اطاعت فرض ہے، اس کو تحلیل و تحریم کا اختیار دیتے ہیں کہ جس چیز کو چاہے وہ حلال کر دے، جس چیز کو چاہے وہ حرام کر دے۔ اور اس کو موحیٰ الیہ مانتے ہیں کہ اس کی طرف وحی بھی آتی ہے۔

تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں سمجھا کہ یہ تو ساری صفات نبی کی ہیں جو انہوں نے مان لیں۔ اگر چہ انہوں نے نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا، لیکن امام کو فائز کر لیا نبوت پر۔ اس لیے ان کے کفر کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ جو فرمایا تو گویا اس سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ اور ایسی شخصیات کو نبوت کے منصب پر چڑھا دیا گیا، اگر چہ نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، لیکن لوازمات سارے کے سارے وہی آ گئے تو میں سمجھا کہ یہی بناء ہے ان کے کفر کی۔ دیوبند سے جو (ماہنامہ) ''دارالعلوم'' کے اندر فتویٰ شائع ہوا، اُنہوں نے بناء اسی پر رکھی کہ ان کا یہی عقیدہ ان کے کفر کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ مسلمان جو اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں، اُن سے یہ علیحدہ ہیں، یہ (اہل السنۃ والجماعۃ) مسلم ہیں وہ (شیعہ) مسلم نہیں۔

... اور پھر قابل غور بات یہ ہے کہ باتیں تو بہت ساری تھیں جو کفریات پہ دلالت کرتی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کا قول..... اسی طرح تحریف قرآن کا قول، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف بعض ایسی باتیں منسوب کرنا جو اللہ کے اوپر عیب لگانا ہے، بداوغیرہ کی نسبت جو کرتے ہیں یہ، ساری باتیں تھیں، لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اِس (امام والی) بات کی طرف اشارہ کیوں کیا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو کہتے ہیں: اِس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ جو بھی آپ ان کی طرف منسوب کریں وہ کہہ سکتے ہیں کہ تم ہمیں الزام دیتے ہو! (اگر ہم) اُن کو بات واضح کر کے (اُن کی کتب سے) دکھائیں (تو) کہیں گے (کہ) یہ بات اُن کی ہو گی جنہوں نے لکھی ہے، ہم اس بات کو نہیں مانتے، ہمارا عقیدہ نہیں ہے، (یعنی تقیہ کریں گے اور کہیں گے کہ) ہم قرآن کو مانتے ہیں، غیر محرف مانتے ہیں، اور ہم افک عائشہ رضی اللہ عنہا کے قائل نہیں ہیں، ہم صحابہ کی تکفیر کے قائل نہیں۔ اِن سب باتوں کا وہ انکار کر سکتے ہیں، لیکن ائمہ کے معصوم ہونے کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔ اور ائمہ کے متعلق جو ان کا عقیدہ ہے اس کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔ تو (اِس لیے اُن کے کفر کی) بناء ایسی چیز پر رکھی گئی جس کے انکار کی گنجائش

نہیں۔'' [خطبات حکیم العصر: ۱۶۴/۵۔۱۶۶]

(۳۱)-علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ (۱۴۳۰ھ،۲۰۰۹ء)

شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''شیعہ حضرات نے امت مسلمہ سے جدا ایک نیا عقیدہ بنام ''امامت'' ایجاد کیا ہے......اس عقیدہ سے نہ صرف توہین رسالت ہوتی ہے بلکہ ''عقیدہ ختم نبوت'' کی بھی نفی ہوتی ہے۔'' [سنی موقف: ۵۴]

(۳۲)-مولانا مہر محمد رحمہ اللہ (۱۴۳۴ھ،۲۰۱۳ء)

مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا مہر محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہم یہاں شیعہ کی سب سے مستند اور عظیم مذہبی کتاب ''اصول کافی'' کے کتاب الحجہ سے شیعی ''امامت'' کا تعارف کراتے ہیں، تاکہ ان کے ختم نبوت کے منکر ہونے پر شک وشبہ نہ رہے۔..شیعہ دراصل ختم نبوت کے منکر (ہیں) اور امامت کے پردہ میں اپنے بزرگوں کو نبی مانتے ہیں۔'' [تحفہ امامیہ: ۳۷۹]

(۳۳)-دار العلوم دیوبند

(۲)......جی ہاں عقیدۂ امامت ایک ایسا عقیدہ ہے کہ تمام شیعہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو، مرد ہو یا عورت ہو، سب کے سب اس عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں، اس کو چھپاتے نہیں ہیں، شیعوں کے نزدیک امام مفترض الطاعۃ ہوتا ہے یعنی اس کی اطاعت فرض ہے اور اس کی ہر بات کو ماننا نبی کی طرح فرض ہے، اسی طرح امام ان کے نزدیک منصوص من اللہ ہوتا ہے، امام گناہوں اور خطاؤں سے بھی معصوم ہوتا ہے، امام شریعت کے حکم کو منسوخ کرسکتا ہے، امام حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرسکتا ہے، اسی طرح فرشتوں کے ذریعہ امام پر وحی آتی ہے وغیرہ۔ حالانکہ مفترض الطاعۃ ہونا، منصوص من اللہ ہونا اور معصوم ہونا یہ انبیائے کرام ہی کی خصوصیات اور ان ہی کے اوصاف ہیں، امام کے بارے میں ایسے عقائد رکھنا موجب کفر وارتداد ہیں اور ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے، لہٰذا عقیدہ امامت ہی کی بنیاد پر شیعہ کافر، مرتد اور زندیق ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے المسوی شرح موطا مالک میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"وكذلك من قال في الشيخين أبي بكر وعمر مثلاً ليسا من أهل الجنة مع تواتر الحديث في بشارتهما أو قال إن النبي صلى الله عليه وسلم خاتم النبوة ولكن معنى هذا الكلام أنه لا يجوز أن يسمي بعده أحد بالنبي، وأما معنى النبوة وهو كون الإنسان مبعوثا من الله تعالى إلى الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجود في الأئمة بعده، فذلك هو الزنديق. وقد اتفق جماهير المتأخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجري هذا المجرى والله أعلم. [المسوی شرح مؤطا مالک باب حکم الخوارج]

قدیم زمانہ سے لے کر ملعون قادیان مرزا غلام احمد قادیانی تک جتنے جھوٹے مدعیان نبوت ورسالت گذرے ہیں سب نے اپنے دعووں کا مصالحہ شیعوں کے عقیدۂ امامت ہی سے مستعار لیا ہے، لہٰذا شیعوں کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔

(۴/۳)......جی ہاں شیعوں کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے اور اس کی وجہ سے یہ لوگ کافر ومرتد ہیں اور شرعی

اعتبار سے مرتدین سے قطع تعلق رکھنا واجب وضروری ہے، لہٰذا شیعوں کو ختم نبوت کی کانفرنسوں میں اسٹیج پر دعوت دینا ناجائز ہے، اسی طرح شیعوں کو تحفظ ناموس رسالت کی کانفرنسوں میں بھی دعوت دینا جائز نہیں ہے، بلکہ علمائے اہل حق کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں وقتاً فوقتاً اعلان کریں کہ عقیدۂ امامت ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے اور شیعہ اثنا عشری حقیقت میں ختم نبوت کے منکر ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم......دارالافتاء......دارالعلوم دیوبند ویب سائٹ

ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے سابق مدیر مولانا حبیب الرحمٰن القاسمی ایک اداریہ میں لکھتے ہیں:

کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ پر فرشتے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں۔[الجامع الکافی:۸۲] ائمہ کا مرتبہ انبیاء ورسل سے بھی بلند تر ہے۔[الحکومۃ الاسلامیہ، خمینی:۵۲] ائمہ کی تعلیمات احکام قرآن کی طرح واجب الاتباع ہیں۔[الحکومۃ الاسلامیہ:۱۱۳] رسول کی اطاعت کا طرح ائمہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔[الکافی:۱۰۹] ائمہ گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں۔[الکافی:۹۶]

شیعوں کے ان عقائد سے ''ختم نبوت'' کا اجماعی وقطعی عقیدہ باقی نہیں رہتا، جب کہ علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس عقیدہ کے انکار سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔......

چنانچہ ۱۳۴۸ھ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے ایک فتوی کی تصدیق کرتے ہوئے علماء دیوبند نے متفقہ طور پر فرقہ اثنا عشری کی تکفیر کی تھی۔ بعد میں یہ فتوی کتابی شکل میں شائع ہوگیا تھا، جس کا جدید ایڈیشن اضافہ کے ساتھ حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔ادھر ماضی قریب میں ایران کے اندر سیاسی انقلاب کے بعد خمینی حکومت کی طرف سے جس شدومد کے ساتھ پرفریب انداز میں شیعیت کی تبلیغ ہورہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ علماء اسلام خصوصی طور پر اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے سرگرم عمل ہوجائیں۔

یہ ضرورت اس لیے اور بڑھ گئی ہے کہ بعض اسلامی جماعتیں سیاسی مفاد یا اپنے زیغ اور کجی کی بناء پر ایران کے شیعی انقلاب کو 'اسلامی انقلاب' بنا کر مسلمانوں کو اس کی تائید وحمایت کی دعوت دے رہی ہیں۔ اِس لیے ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم'' منعقدہ ۲۹،۳۰،۳۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء کے موقع پر اسی تقاضائے شرعی کے تحت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ایک تجویز پیش فرمائی جو بحث وتمحیص کے بعد اجلاس نمائندگان میں منظور کرلی گئی۔ تجویز کا متن یہ ہے:

> ''یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ شیعی اثنا عشری مسلک کا جو فی زمانہ دنیا کے شیعوں کی اکثریت کا مسلک ہے اور ایران میں اسی مسلک کے ماننے والوں کے ذریعہ ماضی قریب میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے، جس کو اسلامی انقلاب کہہ کر عالم اسلام کو زبردست دھوکہ دیا جارہا ہے۔ اس مسلک کا ایک بنیادی عقیدہ ''عقیدہ امامت'' براہِ راست ختم نبوت کا انکار ہے۔ اسی بناء پر حضرت شاہ ولی اللہ نے صراحت کے ساتھ ان کی تکفیر کی ہے۔ لہٰذا یہ ''اجلاس تحفظ ختم نبوت'' اعلان کرتا ہے کہ یہ مسلک موجب کفر اور ختم نبوت کے خلاف پرفریب بغاوت ہے۔ نیز یہ اجلاس تمام اہل علم سے اس فتنہ کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اپیل کرتا ہے۔''

اجلاس کی جو رپورٹ گذشتہ سے پیوستہ شمارے میں شائع ہوئی تھی، غلطی سے یہ تجویز اس میں نہیں آسکی تھی، حالانکہ اس تجویز کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے نمایاں طور پر شائع کیا جاتا۔ حضرت مولانا منظور نعمانی اور شرکائے اجلاس سے معذرت کے ساتھ تجویز شائع کی جارہی ہے۔[ماہنامہ دارالعلوم، جنوری ۱۹۸۷ء]

(۳۲)-دارالافتاء جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

دارالعلوم حقانیہ سے جاری شدہ فتاویٰ کی کتاب ''فتاویٰ حقانیہ'' میں ہے:

''فرقہ اثناعشریہ کی ''ختم نبوت'' کے متعلق تاویل فاسدہ: الجواب: شیعوں کے مختلف فرقے ہیں، ان میں سے بعض صراحتاً ضرویاتِ دین کا انکار کرتے ہیں، وہ تو کافر و مرتد ہیں۔ اور بعض اپنے کفر وضلالت کو چھپانے کے لیے کسی امر اجماعی (ماثبت فی الدین بالضرورۃ) کی تاویل بعید کرتے ہیں جو کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت کے خلاف ہوتی ہے، تو ایسے لوگ ''زندیق'' کہلاتے ہیں اور ان کا کفر زیادہ قریب الی الشر ہوتا ہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی تاویل بعید کر کے کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ خاتم النبیین تو ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو ''نبی'' کا نام نہیں دیا جائے گا اور نبوت بایں معنی کہ کسی انسان کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا جس کی اطاعت مخلوق پر فرض ہو، معصوم من الذنوب ہو، یہ صفات تمام کی تمام ائمہ اثناعشر میں موجود اور باقی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی تاویلات کرنے والا جو قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مخالف ہو ''زندیق'' اور اس کا دم ہدر ہے۔''[فتاویٰ حقانیہ: ۱/۳۸۷]

(۳۳)-ابن امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ لکھتے ہیں:

''روافض کی چوتھی فکر فاسد ان کا نظریہ امامت ہے، جس میں وہ اپنے ائمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم قرار دیتے ہیں، ان پر نزول وحی کے قائل ہیں، اور ان کی اطاعت کو انبیاء کی اطاعت کی طرح لازم سمجھتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ نظریہ ''عقیدہ ختم نبوت'' کے سراسر منافی ہے۔[برصغیر میں اسلام کی آمد: ۱۲۱]

(۳۴)-مصنف کتب کثیرہ حافظ عبدالوحید حنفی مدظلہ لکھتے ہیں:

''اس لیے شیعہ کا یہ عقیدہ کہ یہ بارہ امام (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت مہدی تک) سابقہ انبیاء سے افضل ہیں، سراسر قرآن وسنت کے خلاف کفریہ عقیدہ ہے اور سراسر عقیدہ ختم نبوت کے منافی عقیدہ ہے۔''[عقیدہ ختم نبوت: ۳۴۳]

خلاصہ اقوال علمائے اہل سنت:

گذشتہ صفحات میں پیش کیے گئے اکابر و علماء اہل سنت کے اقوال کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱-مفترض الطاعۃ، منصوص من اللہ، صاحبِ وحی اور معصوم ہونا انبیائے کرام کی خصوصیات ہیں۔

۲-امام پر ایمان کو فرض قرار دینا اور اسے معصوم سمجھنا امام کے لیے نبوت کا اثبات ہے۔

۳-غیر نبی کے لیے براہ راست احکام شریعت کے علم کا عقیدہ درحقیقت نبوت کا اثبات ہے۔

۴-نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت پر ضرب لگانے کے لیے گھڑا گیا۔

۵-عقیدہ امامت تسلیم کرنے سے عقیدہ ختم نبوت کی علمی وشرعی حیثیت باقی نہیں رہ سکتی۔

۶-اثنا عشری ''ختم نبوت'' کے الفاظ کے تو قائل ہیں، لیکن حقیقت کے قطعی منکر ہیں۔

۷-اثنا عشریہ بارہ بلکہ چودہ امام تسلیم کر کے چودہ انبیاء تسلیم کرتے ہیں۔

۸-عقیدہ امامت کی وجہ سے اثنا عشریہ کافر، مرتد اور زندیق ہیں۔

۹-امام کے لیے حلت وحرمت کے اختیار کا عقیدہ رکھنے والا بالاتفاق واجب القتل ہے۔

۱۰-حضور کے بعد وحی کے نزول کا معتقد باجماع مسلمین کافر ہے۔

مولانا اللہ وسایا مدظلہ کے چند شبہات اور ان کا ازالہ:

قارئین کرام گزشتہ صفحات میں روافض کے حوالے بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عقیدہ امامت کے حوالے سے اُن کے عوام وخواص کن تفصیلات کو عقیدے کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں۔ اور علماء اہل سنت کے بھی تقریباً تین درجن حوالہ جات پیش کیے جا چکے ہیں، جن سے عقیدہ امامت کا ختم نبوت کے منافی ہونا بالکل واضح ہے۔ لیکن اِس کے باوجود ردِ قادیانیت میں عظیم الشان خدمات انجام دینے والے محترم مولانا اللہ وسایا مدظلہ نہ صرف اِس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں بلکہ اِس کے اِنکار کی آڑ میں دسیوں اکابر وعلماء کی تغلیط بھی کرتے رہتے ہیں۔ ذیل میں اُن کے تین شبہات مع جواب نقل کیے جاتے ہیں۔

(ا)- پہلا شبہ: دعویٰ معصومیت سے اجرائے نبوت کی دلیل لانا غلط ہے

مولانا کا پہلا شبہ یہ ہے کہ غیر نبی کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ تو غلط ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ اپنائے ہوئے ہے تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے غیر نبی کو نبی تسلیم کر لیا ہے یا وہ نبوت کے اجراء کا عقیدہ رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا غیر نبی کے لیے دعویٰ معصومیت سے اجرائے نبوت پر استدلال کرنا غلط ہے۔ مولانا کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

''غیر نبی کے لیے دعوی معصومیت کو غلط کہیں کہ یہ عقیدہ غلط ہے۔ لیکن اس سے دعوی نبوت، یا نبوت کے اجراء کی دلیل لانا تو غلط ہے۔'' [ماہنامہ لولاک: ۴۸، رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ رستمبر ۲۰۰۹ء]

الجواب: دسیوں اکابر کے استدلال کو غلط کہنا یقیناً مولانا کی اپنی غلطی ہے

ہم مولانا محترم کی بے ادبی یا بے احترامی ہرگز نہیں کر رہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا یہ شبہ بالکل بے وزن ہے، اس لیے کہ سابقہ صفحات میں شیعہ وسنی کتب سے واضح ہو چکا ہے کہ عصمت، نزول وحی، مفترض الطاعۃ اور حلال وحرام کی زبان ناطق ہونا نبوت کی صفاتِ مخصوصہ میں سے ہیں۔ لہٰذا غیر نبی کے لیے ان کا اقرار نبوت کا اقرار ہی سمجھا جائے گا۔

نیز اکابر وعلماء اہل سنت جن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابر بھی شامل ہیں، نے غیر نبی کے لیے ان صفات کو تسلیم کرنے سے اجرائے نبوت پر استدلال کیا ہے۔ دسیوں کبار علماء محققین کے استدلال کو غلط کہنا یقینی طور پر مولانا اللہ وسایا صاحب کی اپنی غلطی ہے۔ جو اُنھیں بہرحال تسلیم کر لینی چاہیے۔

(۲)-دوسرا شبہ: روافض اپنے ائمہ کے لیے نبی کا لفظ استعمال نہیں کرتے

مولانا محترم کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ روافض نہ نبوت کو جاری سمجھتے ہیں نہ ہی اپنے بارہ ائمہ کو نبی مانتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اُن کی کتب میں کہیں بھی ائمہ کے لیے نبی کا لفظ نہیں ہے۔ نہ ہی نبوت جاری ہونے کی صراحت ہے۔ مولانا کے الفاظ میں پڑھیے:

''وہ (روافض) ان (بارہ ائمہ) کو نبی نہیں مانتے، نہ ہی نبوت کو جاری مانتے ہیں۔ امام کے لیے نبی کا لفظ یا نبوت جاری، یہ کہیں اُن کی کتب سے ایک حوالہ دکھا دیں تو ابھی سر جھکا لوں گا۔'' [ماہنامہ لولاک: ۴۸، رمضان ۱۴۳۰ھ]

الجواب: عقیدہ ختم نبوت لفظوں کا کھیل نہیں، اعتبار معانی کا ہوتا ہے

مولانا نے مطالبہ کیا ہے کہ روافض نے ائمہ کے لیے لفظ ''نبی'' استعمال کیا ہو تو دکھایا جائے۔ سابقہ صفحات [۲/۶۶۲] میں مولانا کا یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا گیا ہے کہ روافض نے ائمہ کے لیے پیغمبر، رسول اور نبی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ اور جنھوں نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے، اُن کے حوالے بھی گزر چکے ہیں کہ محض سرور کائنات کی تعظیم کی آڑ لی ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ اپنے ائمہ کو مقام نبوت پر ہی فائز سمجھتے ہیں۔

پھر اکابر و علماء اہل سنت نے بھی صراحت کی ہے کہ روافض اپنے ائمہ کو نبی سمجھتے ہیں۔ اَب مولانا ہی بتا دیں کہ اِس معاملے میں اُن کے نزدیک اکابر اہل سنت کا اعتبار ہے یا تقیہ باز قوم کا!؟؟

اِس مقام پر مولانا اللہ وسایا صاحب سے یہ سوال بھی ہم ضرور کریں گے کہ کیا آپ کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت محض لفظوں کا کھیل ہے؟ کہ اگر کسی نے لفظ نبی استعمال کیا تو وہ ختم نبوت کا منکر اور جس نے لفظ استعمال نہیں کیا وہ قائل؟ سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''تیسری صورت کے منکر عنوانِ ختم نبوت کے منکر نہیں، لیکن حقیقت ختم نبوت کے منکر صریحاً ہیں، عقیدہ ختم نبوت کوئی لفظوں کا کھیل نہیں کہ لفظ نبی کی روک تو تسلیم کر لی جائے اور نبوت کی حقیقت اور معنویت امامت کے نام سے جاری رکھی جائے۔...... جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کچھ ایسے افراد بھی اس امت میں پیدا ہوں گے جو مامور من اللہ اور معصوم ہوں تو ایسا اعتقاد رکھنے والا عقیدہ ختم نبوت کا قطعاً قائل نہیں، خواہ زبان سے ہزار دفعہ حضور ﷺ کو خاتم النبیین کہتا رہے۔'' [عبقات: ۱/۲۳۹]

(۳)-تیسرا شبہ: امامت کو ختم نبوت کے منافی قرار دینے کی بنیاد خواب پر ہے

مولانا مدظلہ کا تیسرا شبہ یہ ہے کہ جن اکابر نے روافض کے عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا ہے، اُن سب نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں یہ موقف اپنایا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ مرحوم کے اس نظریہ کی بنیاد خواب پر ہے۔ اور غیر نبی کا خواب چونکہ حجت شرعیہ نہیں ہے۔ اِس لیے خواب کی بنیاد پر کوئی نظریہ اپنانا بھی غلط ہوا۔ الفاظ دیکھیے:

''فرمایا: وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے، (کہ عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔ [ناقل]) راقم نے عرض کیا کہ: وہ خواب کی بات ہے۔ خواب سے کسی کے عقیدے پر دلیل لانا کیسے صحیح ہے؟'' [ماہنامہ لولاک: ۴۸، رمضان ۱۴۳۰ھ]

الجواب: یہ شبہ غلط بیانی یا غلط فہمی ولاعلمی پر مبنی ہے

مولانا کا یہ شبہ بھی غلط بیانی یا نری غلط فہمی ولاعلمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ مولانا کی یہ بات کہ: ''اِس مسئلے کی بنیاد خواب پر ہے۔'' دو وجہ سے غلط ہے:

۱- پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ [المتوفی: ۱۱۷۶ھ] کے اِس مبارک خواب سے صدیوں پہلے بھی اکابر اہل سنت یہ بات لکھ چکے ہیں، چنانچہ شیخ ابوالحسن علی ماوردی شافعیؒ [۴۴۵ھ]، امام ابوشکور سالمیؒ [۴۶۵ھ]، امام رازی [۶۰۶ھ]، امام قرطبیؒ [۶۷۱ھ]، حافظ ابن حجر مکیؒ [۹۷۴ھ]، حضرت مجدد الف ثانی ؒ [۱۰۳۴]، شیخ محمد البرزنجی شافعیؒ [۱۱۰۳ھ] اور ملا جیونؒ [۱۱۳۰ھ] حضرات حضرت شاہ ولی اللہؒ سے پہلے کے ہیں۔ اور ان کی تحریرات ہم اِسی مضمون میں پیش کر چکے ہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ خواب کی بات محض اتنی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں حضرت امام شاہ ولی اللہ کو متوجہ فرمایا تھا کہ ان کے عقیدہ امامت پر غور کرو۔ غور وفکر اور عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی قرار دینے کی بات خواب کی نہیں۔ چنانچہ سابقہ صفحات میں پیش کیے گئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کے ملفوظ میں اس کی تصریح موجود ہے، فرماتے ہیں:

> ''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے روحانی طور پر روحانی فیض حاصل کرتے ہوئے خواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ جب زیارت ہوئی تو میں نے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! آپ شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ان کے دین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کا دین باطل ہے۔ اور ان کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' سے واضح ہے۔'' یہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خواب میں اتنی بات ہوئی۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بیدار ہونے کے بعد اس میں غور کیا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' میں ہے۔'' اِس کا کیا مطلب؟'' [خطبات حکیم العصر: ۱۶۴/۵]

معلوم ہوا کہ عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی قرار دینے کی بنیاد خواب پر قطعاً نہیں، بلکہ شاہ ولی اللہؒ سے صدیوں پہلے کے اکابر کی تصریحات اور حالتِ بیداری کے غور وفکر پر ہے۔ لہٰذا اسے خواب کی بنیاد پر قرار دینا غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔

ایک سوال یہ بھی ذہن میں اُبھر رہا ہے کہ کیا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو اتنی سمجھ نہیں تھی کہ خواب کی بنیاد پر کوئی نظریہ اپنانا درست نہیں!؟ کیا مولانا محترم اُن کے نظریہ کی بنیاد خواب کو قرار دے کر اُن کے علم وفہم پر سوالیہ نشان نہیں قائم کر رہے؟

آخر میں عقیدہ امامت کے حوالے سے حضرت علامہ صاحب کا ایک اقتباس مکرر پیش کر کے اس مضمون کو سمیٹتے ہیں: فرماتے ہیں:

> ''ختم نبوت کے بعد اگر پھر اسی سطح کے آسمانی پیشوا کی ضرورت تھی تو پھر ختم نبوت کا عقیدہ بالکل ڈرامہ سا بن کر رہ جاتا ہے کہ وہ سب ضرورتیں باقی ہیں جن کی وجہ سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ باقی تھا، لیکن اب وہ ضرورت ''نبی'' کے نام سے نہیں ''امام'' کے نام سے قائم ہوگی اور عصمت امام کے سایہ میں آگے بڑھتی دکھائی جائے گی تو یہ عقیدہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کو بالکل مٹا کر رکھ دیتا ہے۔'' [تجلیات آفتاب: ۴۹۵/۱]

☆☆☆☆

باب نمبر۹

افادات

(حصہ سوم)

الحمدللہ! اخی فی اللہ مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی فاضل دیوبند نے ایسا غوجی پر محنت کر کے اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے، اس کا مقدمہ بہت مفید اور جامع ہے، اس کا بار بار مطالعہ اور تکرار طلبہ میں علم وادراک کا حقیقی ذوق پیدا کرتا ہے۔ [۶۸۷/۲]

حدیث کا علم سب سے زیادہ امام ترمذیؒ کے پاس ہے۔ وجہ: **وفی الباب عن فلان و فلان.** یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں صحابی سے بھی مروی ہے، یہ آسان ہے، مگر ہر باب کے آخر میں جس جس سے مروی ہو اُن (سب) کا ذکر کرنا بڑا محنت طلب کام ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے یہ کیا ہے۔ [۶۹۲/۲]

امام بخاری کا نہایت اہم جملہ: امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام [جلد۲/ باب الاعتصام] میں بڑی قیمتی بات فرمائی ہے کہ ''ہم اپنے پہلوں کے طریقے پر چلیں اور ہمارے پیچھے وہ چلیں جو ہمارے بعد آئیں۔'' **''نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا.''** اپنا مسلک بچانا ہے تو بخاری کو تھام لو۔ امام بخاری کا یہ بہت شاندار جملہ ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ کے سائے میں آ جائیں تو سب جواب مل جائیں گے۔ [۶۹۷/۲]

دارالعلوم دیوبند وہ مرکز ہے جہاں کے اکابر نے اپنے اپنے خیالات پیش نہیں کیے، اوپر سے روایات لیں اور اسی دین کو آگے پہنچایا۔ [۷۱۶/۲]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، صحابہ کو مخاطب کر کے کہا کہ کتاب وسنت اسلام کی ہیڈ لائٹس (Head Lights) ہیں، لیکن ان کے وارث اے میرے صحابہ اب تم ہو، کتاب وسنت بے وارث نہیں، تم میں چھوڑ کے چلا ہوں، تم اس کے محافظ ہو، تم نے اس کے گرد پہرا دینا ہے۔ صحابہؓ پہرا دیتے رہے، دین ہم تک پہنچا، تو دین نام ہے کتاب وسنت کا، نام ہے علوم کا، لیکن اس علم کے لیے ہمیشہ رجال کھڑے ہوتے ہیں، مردان خدا کھڑے ہوتے ہیں اور اس آخری دور میں علماء اہل سنت دیوبند اس کے لیے کھڑے ہوئے اور اِس دور میں ہم آج حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین ادا کر رہے ہیں تو اسی لیے کہ وہ انہی مردانِ خدا اور رجال میں سے تھے۔ [۷۱۸/۲]

مکاتیب

بنام مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

تشریحاتِ سواتی الیٰ ایساغوجی کا مختصر تعارف:

ایساغوجی علم منطق کی چند صفحات پر مشتمل مشہور و معروف عربی کتاب ہے، جو عرصہ دراز سے تمام مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے اور علم منطق پڑھنے والے ابتدائی طلباء کرام کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے، اس کا سلیس اردو ترجمہ، سہل و دلنشین شرح مع بسیط مقدمہ مفیدہ حضرت والد ماجدؒ نے بڑی عرق ریزی اور جستجو کے بعد تحریر فرمایا ہے، جو ۱۴۴ر صفحات پر مشتمل ۱۹۷۶ء میں پہلی مرتبہ ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ نے شائع کیا اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، اس شرح سے معلمین اور متعلمین سب ہی یکساں طور پر استفادہ کر رہے ہیں۔'' [مولانا فیاض خان سواتی]

''حامداً و مصلیاً و مبسملاً اما بعد:

مادی فنون کے دور ترقی میں انسانی توجہ علوم و حقائق کی طرف کمزور پڑ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ علم کے اس پہلو میں انحطاط آ جاتا ہے۔ ان دنوں علوم اسلامی میں مصادر شریعت میں تو کسی درجہ میں دلچسپی باقی ہے لیکن وہ علوم آلیہ جو احکام شریعت سمجھنے اور ان کی غایت پانے میں بمنزلہ زینہ کے تھے ایک ایک کر کے دب رہے ہیں ، وہ علوم جن کے استعمال سے احکام شریعت کے درجات و حقائق سمجھنے میں غلطی اور خطا سے بچاؤ ہو سکتا تھا ہماری سرد مہری کا شکار ہیں۔

انسان جس لائن پر نہ چل سکے، اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کیلئے اس لائن کی ہی تصغیر کرتا ہے، انہی مظلوموں میں علم منطق بھی ہے، جدید طبقوں میں جو لوگ علم شریعت سے کچھ دلچسپی رکھتے ہیں اس موضوع پر ان کی برابر گولہ باری رہتی ہے اور درس نظامی کی تکمیل میں منطق کو ایک خواہ مخواہ کا بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ان خیالات کا اثر اب مدارس عربی میں بھی دیکھا جا رہا ہے، حالانکہ یہی علم کا وہ معیار تھا جس سے انسان اخذ نتائج میں غلطی کرنے سے بچ سکتا تھا۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ علم منطق کو اب ایک ایسے انداز میں پیش کیا جائے جس سے یہ سہل بھی ہو جائے اور مختصر بھی۔ اور اس سے طالبعلم اس علم کی بڑی کتابوں تک بھی راہ پا سکے۔ الحمد للہ!! اخی فی اللہ مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی فاضل دیوبند نے ایساغوجی پر محنت کر کے اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے، اس کا مقدمہ بہت مفید اور جامع ہے، اس کا بار بار مطالعہ اور تکرار طلبہ میں علم و ادراک کا حقیقی ذوق پیدا کرتا ہے۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایساغوجی کی ایسی مفید اور موجز اردو شرح اس سے پہلے دیکھی نہیں گئی، اللہ تعالیٰ نے فاضل مؤلف

سے وہ خدمت لی ہے کہ مدارس عربی کے طلبہ تو درکنار جدید مدارس کے علمی ذوق رکھنے والے طلبہ بھی اس سے بہت اچھی طرح استفادہ کرسکتے ہیں، حق تعالیٰ مؤلف کی اس کوشش کو اسلامی حقائق و معارف تک پہنچنے کیلئے موثر اور موجب بنائے، **وما ذلک علی اللہ بعزیز.**

دمغ الباطل:

بارہویں صدی کے اختتام پر مسلمانان پاک و ہند کی سیاسی شوکت پامال ہوئی تو ان کھنڈرات میں علم وعرفان کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی تابانی رہتی دنیا تک اسلامی قافلوں کو راہ دکھاتی رہے گی، حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صاحبزادے خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علوم و معارف اور سیاسی خدمات سے مسلمانان پاک و ہند اچھی طرح آشنا تھے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی اونچی علمی کتابیں ابھی تک معرض خفا میں تھیں۔ ان حضرات کے اردو تراجم بے شک بعد میں آنے والے مترجمین قرآن کیلئے سنگ میل بنے، تفسیر موضح القرآن سے حضرت شاہ عبدالقادر کی دقت نظری اہل علم پر خوب روشن ہوئی، لیکن حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اپنے والد کے نقوش قدم پر حقائق غامضہ میں اس درجے متعارف نہ تھے۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ آپ نے ''دمغ الباطل'' شائع کر کے ایک طرف اس خاندان دہلی کا حق وفا ادا کیا ہے تو دوسری طرف اس پر ایک نہایت علمی اور جامع مقدمہ تحریر کر کے مسلمانانِ پاک و ہند پر عظیم احسان کیا ہے، ضروری مقامات پر حواشی لکھ کر آپ نے موضوع کو نہایت سہل کر دیا ہے۔

اس زمانے میں تصوف، صوفیہ کرام کی اصطلاحات اور حقائقِ علوم بعض جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بہت پامال ہیں تو دوسری طرف ان کا ناجائز استعمال اہل بدعت کے لیے الحاد کا خطرناک زینہ بھی ہے، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے اس نازک موضوع پر جس احتیاط سے قلم اٹھایا ہے، وہ واقعی اسی خاندان کا حصہ تھا، وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے باریک مسائل پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بعد جس نے کامیاب بحث کی ہے ان میں حضرت شاہ رفیع الدین سرفہرست ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان نازک موضوعات کا تعارف ان ائمہ علم کے قلم سے پیش کیا جائے جن کی علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کا اعتراف پہلے سے پوری دنیائے اسلام میں ہو چکا ہو، الحمدللہ کہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم کی مساعی جمیلہ سے آج ''دمغ الباطل'' ہر طبقہ علم میں خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ خالد محمود، حال ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر''

(مطبوعہ ماہنامہ نصرۃ العلوم جون ۲۰۲۰ء)

بنام شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ

از انگلینڈ، ۱۲ر جون ۱۹۷۰ء

برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب السلام علیکم

امید ہے کہ آپ سب حضرات بفضل ایزدی خیر وعافیت ہونگے، مندرجہ ذیل دو پتوں پر ''الحق'' جاری فرما دیں اور دونوں کا مجموعی خرچ مجھے لکھ بھیجیں، ان شاء اللہ العزیز جلد ارسال خدمت کر دونگا۔ تاہم اجراء یہ عریضہ ملتے ہی فرما دیں۔ ایک پتہ پاکستانی آزاد کشمیر کا ہے اور دوسرا برمنگھم کا۔ برمنگھم میں اسے بحری ڈاک سے ارسال کریں۔

۱۔ ماسٹر عطا محمد صاحب موہڑہ کینال ڈاکخانہ ڈڈیال خورد ضلع وتحصیل میر پور آزاد کشمیر براستہ جہلم۔

۲۔ چوہدری دیوان علی صاحب 738 Conventary Road, Small heath birmingham, 10 England

امید ہے کہ آپ جلد اجراء وصولی چندہ پر موقوف نہ رکھیں گے اور مطمئن ہونگے کہ رقم آپ کو جلد پہنچ جائے گی۔ آپ کے جواب کا انتظار شدید رہے گا۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خدمت میں ہدیہ سلام معروض ہے۔ والسلام احقر خالد محمود

لندن سے بھیجی گئی قراردادیں

۱۰/جون ۱۹۷۴ء

مکرمی ایڈیٹر صاحب ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آپ اپنے مؤقر اسلامی مجلّہ ''الحق'' کی قریبی ماہانہ اشاعت میں یہ قراردادیں شائع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ جس شمارہ میں قراردادیں شائع فرمائیں اس کی ایک کاپی ''جمعیۃ علماء برطانیہ'' کے جنرل سیکرٹری کے درج ذیل پتہ پر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ والسلام احقر خالد محمود غفرلہ

مولانا عبدالرشید ربانی جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء برطانیہ 8, Barber Street Dewsbury Yourkshire England

لاہور کے صوبائی کنونشن میں علامہ خالد محمود کا خطاب

جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی نائب امیر پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود نے اپنے عالمانہ، فاضلانہ اور مفصل و مدلل خطاب میں ملک کی موجودہ صورتحال متفقہ شریعت بل کے بارہ میں حکمرانوں کے مذموم رویہ، بے دینوں اور بعض سیاستدانوں کے اعتراضات کے جوابات پر بعض اپنے کرم فرماؤں کی ستم ظریفیوں اور جماعتی کام کی پیش رفت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

انہوں نے ارشاد فرمایا کہ امتحان ہمیشہ اہل حق پر آیا کرتے ہیں۔ جماعتوں اور آفاقی نظام رکھنے والوں میں بعض لوگ مارِ آستین کا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ ہماری جماعتی قیادت کو بعض حاسدین نے کرش کرنا چاہا مگر نا کام رہے، شریعت بل کی حمایت کے باوجود محرکین شریعت بل کو راستے سے ہٹانا چاہا، مگر خدا کا فضل وکرم رہا کہ ہماری قیادت مضبوط، جراتمند، علمی، دینی اور صاحب بصیرت قیادت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دو تین اشخاص کے ذاتی مفادات پر مبنی فیصلوں کو پوری جماعت پر مسلط کر دینے کی سازشیں

ناکام ہوگئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جماعتی دستور میں بہر صورت مجلس شوریٰ کو فیصلہ کُن حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا ہماری شوریٰ کے ۴۵/ارکان میں سے تین ارکان کا فیصلہ وہی تھا جس سے ۴۰/ارکان کا اتفاق نہیں تھا، جب کہ دو ارکان بیرون ملک تھے۔ تو یہ کہاں کا عدل وانصاف یا حق پسندی ہے کہ تین کے فیصلے کو چالیس پر مسلط کر دیا جائے؟

انہوں نے کہا کہ امیر کا احترام واکرام ہر کارکن کا فرض ہے، مگر غیر مشروط اطاعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور محمد عربی ﷺ کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے بہر صورت محمد عربی ﷺ ہی کی اطاعت کو ملحوظ رکھ کر آگے چلنا ہے۔

علامہ خالد محمود نے کہا کہ موجودہ حالات میں اس قدر بھرپور کنونشن کا انعقاد بھی ''شریعت بل'' کی تحریک کی حمایت اور کامیابی کے لیے غیبی نصرت اور تکوینیات سے ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب مولانا سمیع الحق جماعتی قیادت سنبھالنے کے لیے تیار نہ تھے، مگر انہیں مدینے والی سرکار ﷺ کے اشارے کے حوالے سے اس پر آمادہ کیا گیا، مگر یاد رہے کہ مدینے والی سرکار ﷺ جب کسی کو منتخب کر دے تو خدا اسے پھر تنہا کبھی نہیں چھوڑتا۔ جن حالات میں مولانا سمیع الحق کا انتخاب ہوا تھا اُس وقت کا اہم مسئلہ ''شریعت بل'' جو قائد محترم کی حکمت وتدبیر اور سیاسی حکمتِ عملی سے آج جب منزل کے قریب پہنچ گیا ہے تو اُنہی ہاتھوں نے جنہوں نے آپ کو بڑھایا تھا۔ آگے لایا تھا، آپ کے پاؤں کھینچنے شروع کر دیے، یہ نادانی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔

ع یہ نادان جھک گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

علامہ صاحب نے فرمایا: اب تک مولانا کا کردار قیادت نمبر ایک کا رہا، مگر عملاً بعض لوگ انہیں نمبر دو میں رکھنا چاہتے تھے، حالانکہ مولانا نمبر ایک تھے، اَب خدا نے بھی انہیں نمبر ایک بنا دیا ہے۔

انہوں نے کہا: اس سے قبل ایم آر ڈی کے نام پر بعض قوتیں جمہوریت کی بحالی یا مارشل لاء سے نجات کے لیے قربانیاں دیتی رہیں اور دلواتی رہیں، مگر شرعاً اس مقصد کے لیے جان دینا خودکشی کے مترادف ہے۔ اسلام کے سوا کسی اور مقصد کے لیے جان دینا حرام ہے، کسی جانور کی جان لینا غیر اللہ کے جائز نہیں تو انسان کی جان غیر اللہ کے لیے لینا کیسے جائز ہوگا؟

انہوں نے کہا اگر اسلامی جمہوری اتحاد نہ بنتا تو لوگ مسلم لیگیوں کو ووٹ نہ دیتے اور اتحاد کی تجویز وتشکیل میں جمعیۃ علماء اسلام قائد جمعیۃ اسلام اور قائد جمعیۃ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا بنیادی حصہ ہے۔

بعض سرکاری حلقے کہتے ہیں کہ ''شریعت بل'' ایک یا دو افراد کا ہے، حالانکہ اس کے حق میں سینٹ کے ۸۷/ارکان نے ووٹ دیا ہے جو ملک کا منتخب ادارہ اور ایوانِ بالا ہے۔ کل صدر پاکستان کا بیان آیا کہ ''شریعت بل کا مسئلہ سڑکوں پر نہیں اسمبلی میں حل ہوگا''۔ میں کہتا ہوں کہ عوام سڑکوں پر آکر ممبران اسمبلی کا تعاقب کرتے ہیں اور ان پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہیں، جب بات سڑکوں پر آجاتی ہے تو اسمبلی کو ٹوٹنا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا ماضی قریب کی تاریخ پر نظر دوڑائیے۔

☆ لادین مغربی جمہوریت کے خلاف سب سے پہلے مولانا سمیع الحق نے آواز اٹھائی تھی۔ مبارک!

☆ مولانا سمیع الحق نے حکمرانوں کی منافقت اور سیاستدانوں کی لادین سیاست کے خلاف متحدہ شریعت محاذ تشکیل دیا

اور دینی قوتوں کی قیادت کی۔ مبارک!

☆ عورت کی حکمرانی کے خلاف سب سے پہلے مولانا سمیع الحق مدظلہ نے آواز بلند کی۔ مبارک!

☆ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں ''شریعت بل'' پیش کیا اور دو ممبر ہونے کے باوجود سینیٹ سے اسے منظور کرایا۔ مبارک!

☆ آئی جے آئی کی تجویز اور پھر تشکیل مولانا سمیع الحق صاحب کو اولیت حاصل ہے۔ مبارک!

☆ تحریک نفاذ شریعت کے داعی مولانا سمیع الحق تھے، محرک اور بانی بھی آپ ہی ہیں۔ مبارک!

☆ جب ''شریعت بل'' پیش کیا تھا تنہا تھے، اب ملک کی تمام قابل ذکر دینی وسیاسی جماعتیں ان ہی کے پیش کردہ وپاس شدہ ''شریعت بل'' پر متفق ہیں۔ مبارک!

☆ جب قیادت کا فقدان تھا تب مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جماعت کو زندہ ومتحرک اور جاوید بنادیا۔ مبارک!

☆ خلیج کے مسئلہ پر جب بڑے بڑوں کے پاؤں ڈگمگا گئے تو سب سے پہلے برحق اور موافق شریعت موقف مولانا سمیع الحق نے اختیار کیا اور اسی پر ڈٹے رہے۔ مبارک!

☆ جب بعض لوگوں نے مولانا سمیع الحق کے پاؤں کھینچنا چاہے اور انہیں کرش کرکے شریعت بل کی تحریک کو ڈائنامیٹ کرنا چاہا، تب خدا نے قیادت میں ثانویت کے بجائے اب اولیت کے انعام سے نوازا۔ مبارک!

☆ پنجاب میں جمعیۃ کا صوبائی ورکرز کنونشن پورے ملک کا نمائندہ کنونشن بن گیا ہے اور اب کامیابی کی منزل قریب ہے اور ان شاء اللہ ملک میں اسلامی انقلاب بھی جمعیۃ اور اس کے قائد مولانا سمیع الحق کے ذریعے آئے گا۔ مبارک!

☆ مولانا سمیع الحق کا سر اپنے تاریخی کردار میں ہمیشہ حقیقی مسجود کے سامنے جھکتا رہا اسی لیے انہوں نے ساجد (نقوی کی امامت میں سجدہ سے انکار کرکے مسجود حقیقی کی رضامندی حاصل کی) اور سر جھکانے سے انکار کرکے جمہور اہل السنّت والجماعت کی لاج رکھ لی، مولانا سمیع الحق کے اس عظیم تاریخی کردار پر میں آج کے اس نمائندہ کنونشن (جس میں ملک بھر کے علماء ومشائخ، فضلاء اور دانشور موجود ہیں) کے شرکاء کے صلاح ومشورے اور بعض اکابر اور بزرگوں کے اصرار پر انہیں ''آبروئے مسلکِ حق'' کا خطاب دیتا ہوں۔ (اس پر مجمع عش عش کر اُٹھا اور تمام حاضرین نے ہاتھ ہلا ہلا کر تائید کی اور فضاء نعرۂ تکبیر سے گونجتی رہی)۔

آخر میں علامہ محمود نے لکھا مجھے ادھر اُدھر کی بحث کی ضرورت نہیں فقط ایک سوال؟ کہ جب شریعت بل کی منزل قریب آگئی اور ملک میں ایک خوشگوار انقلاب کی فضا بننے لگی تو مولانا سمیع الحق کو سازش کے ذریعے کرش کرنے، ہٹانے اور دھکیلنے کا مقصد کیا تھا؟ کس کا اشارہ تھا؟ کس کی نمائندگی تھی اور کن لوگوں کے مقاصد کی تکمیل تھی؟

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ لٹا ہے کیوں؟

[ترجمان دین۔ جلد:۱، شمارہ:،ص:۶/تا۸]

(مشاہیر بنام مولانا سمیع الحق: خ/۳۹۷/تا۴۱۷)

درس حدیث

ملاحظہ: حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مختلف اوقات میں جامعہ اشرفیہ لاہور کی مسند حدیث کو رونق بخشتے ہوئے بخاری، مسلم اور مؤطا امام مالک کے اسباق پڑھاتے رہے۔۲۰۱۹،۲۰ء کے اسباق سے چنیدہ متفرق افادات پیش خدمت ہیں۔(مزید دیکھیے: ۵۱۹/۲)

☆ دورۂ حدیث کا معنیٰ ہے: حدیث کا تقابلی مطالعہ کرنا۔[۷/دسمبر/۲۰۱۹ء]

☆ حدیث کا علم سب سے زیادہ امام ترمذیؒ کے پاس ہے۔ وجہ: **وفی الباب عن فلان و فلان**. یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں صحابی سے بھی مروی ہے، یہ آسان ہے، مگر ہر باب کے آخر میں جس جس سے مروی ہو اُن (سب) کا ذکر کرنا بڑا محنت طلب کام ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے یہ کیا ہے۔

☆ ترمذی کی تمام احادیث معمول بہا ہیں، جن دو حدیثوں پر عمل نہیں اُس کو بیان کر دیا۔ معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کی نظر امت کے عمل پر بھی تھی۔ جو استاد "ترمذی" میں ماہر ہوگا۔ وہ تمام احادیث کی کتابوں پر قابو پالے گا۔

☆ سند کے اعتبار سے اہم ترین کتب (۱) بخاری شریف، (۲) ابوداؤد۔

☆ صحیح بخاری میں قرآن کا بیان کہاں ہے؟ ویسے تو شروع میں بھی ہے "باب کیف کان بدؤ الوحی"، مگر اصل بیان دوسری جلد میں ہے۔

☆ ہمارے پاس علم کا سب سے بڑا ذخیرہ کیا ہے؟ قرآن پاک!

☆ قرآن جمع کیسے ہوا؟ آپ کے ذہن میں یہ ہوگا کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لاتے تھے اور کاتبین وحی لکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **"لا تحرک به لسانک"** آپ جلدی نہ کریں اُسے جمع کرنا ہم پر ہے، یعنی حفاظتِ قرآن اللہ کے ذمہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حفاظت کرنا صرف اللہ کے ذمے نہیں بلکہ بندوں کے ذمے بھی ہے۔ اگرچہ آپ میری بات سے اتفاق نہ کریں۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے ان کے پاس ایک صحابی حذیفہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین امت کو سنبھالیے، امت خطرہ میں ہے، قرآن پاک کے بارے میں، یعنی قرآن کی حفاظت کے بارے میں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس صحابی کو کیسے پتہ چلا؟ معلوم ہوا کہ قرآن کی حفاظت امت کے ذمے بھی ہے۔ آپ علیہ السلام پر جب وحی آتی تھی پھر اُس کے بعد کوئی نہ کوئی نماز بھی آتی تھی۔ پھر آپ اس کو لکھواتے تھے اور نماز میں پڑھتے بھی تھے۔ وحی آئی پھر آپ علیہ السلام نے اُس کو لکھوایا، پھر نماز میں

پڑھا۔

اَب سوال یہ ہے کہ (اگر لکھوائے ہوئے یا پڑھے ہوئے میں اختلاف ہوتو) اہمیت کس کی ہوگی؟ وہ جو لکھوایا یا پڑھا؟

جواب: (تعارض واختلاف کی صورت میں) جو حضور علیہ السلام نے پڑھا اُس کا اعتبار ہے۔ جو قرآن پاک لکھا گیا، اس کی حیثیت سرکاری تھی۔ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ قرآن پاک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قرآن کی حیثیت سرکاری تھی۔ پھر ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ کے آخری ایام میں پتہ نہیں تھا کہ جانشین کون ہوگا تو اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے وہ قرآن حضرت حفصہ کو دے دیا۔ گویا کے حضرت حفصہ کو وارث بنایا۔ اسی امت میں قرآن پاک لکھا ہوا محفوظ شکل میں تھا۔ تورات یہودیوں کو لکھی لکھائی ملی تھی۔ انجیل بھی حضرت عیسیٰؑ کے دو صحابیوں اور دو تابعی تھے، اِن چار بندوں نے لکھی۔ (۱)

ایک صحابی کا حضرت عثمان سے یہ کہنا کہ امت کو سنبھال لیں۔ امت کو سنبھالنے کا مقصد؟ اُس صحابی نے کہا اے امیر! اس قرآن کی نقلیں تیار کروائیں اور پھیلا دیں دوسرے ملکوں میں بھی۔ اور حضرت حفصہ سے بطور امانت کے لے لیں۔ پہلی کتابوں کی نقلیں نہیں ہوئیں۔ مگر قرآن پاک کی نقلیں ہوئیں۔

اہم سوال: ہم کس قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہیں؟ اِس پر یا اُس پر۔ (اُس پر سے مراد لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔ **بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ**) اور اِس سے مراد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والا۔ ہمارا ایمان ''اِس'' قرآن پاک پر ہے۔ جو حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے اپنے وقت میں جمع کیا۔ اور جو شخص کہے کہ میرا ایمان ''اُس'' پر ہے تو آپ سمجھ جاؤ کہ وہ ایمان والا نہیں۔ اُس کا ایمان نہ اُس پر ہے اور نہ ''اِس'' پر۔

اسلامی سلطنتوں میں سب سے مضبوط سلطنت اِس وقت بھی اور بعد میں بھی سعودیہ ہے۔ جہاں دجال بھی داخل نہیں ہوسکتا۔ سوال: وہاں قرآن کونسا ہے؟ جواب: سعودیہ میں بھی وہ ہی قرآن ہے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والا ہے۔ ہم نے قرآن پر محنت کرنی؟ کون سے قرآن پر؟ کہو ''اِس'' قرآن پر۔ تاکہ شبہ ختم ہوجائے۔ [۸/دسمبر/۲۰۱۹ء]

سوال: نزول وحی کے وقت حالات کیا تھے؟ جواب: عرب میں تمام بدو لوگ تھے۔ اَن پڑھ لوگ تھے اور آپ ﷺ کا آنا یہ ایک نئی تحریک تھی۔ اب اُن بدوؤں کو یہ بات سمجھانا کتنا مشکل ہوگا؟ اب ذرا آپ یہ سوچیں! پڑھے ہوئے کو اہمیت زیادہ ہے،

(۱) تورات وانجیل اور قرآن کی وحی میں ایک فرق یہ ہے کہ قرآن کی وحی میں پڑھنا اصل ہے۔ کیونکہ پڑھ کر نبیؐ نے خود سنایا۔ جبکہ لکھا امتیوں کے ہاتھوں گیا ہے۔ لہٰذا پڑھے ہوئے کو فوقیت ہوگی۔ نبی کے سینے میں اللہ نے خود جمع فرمایا اور زبان پر جاری بھی خود کرایا۔ **ان علينا جمعه و قرآنه، ثم ان علينا بيانه** .لہٰذا لکھے ہوئے کے مقابلے میں پڑھا ہوا زیادہ معتبر ہے۔ اگرچہ لکھا ہوا بھی نا قابل اعتبار نہیں، کیونکہ نبیؐ نے خود لکھوایا ہے۔ اور تورات میں اصل لکھا ہوا معتبر ہے، کیونکہ وہ لکھی ہوئی ملی ہے۔ [ادارہ]

لکھے ہوئے کے مقابلے میں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حضور کے ذریعہ غیب کی کافی خبریں دے رکھی تھیں۔

سوال: حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کو مانا یا نہیں؟ جواب: جی ہاں مانا، اور اقرار بھی کیا۔ اسی لیے تو آ کر کہا کہ اے امیر المومنین امت کو سنبھا لیے۔

☆وحی کی ابتداء کیسے ہوئی یہ جلد اول کے شروع میں بھی ہے اور یہی بات دوسری جلد میں موجود ہے۔ کتاب ابواب فضائل القرآن۔

باب ۳ رجمع القرآن: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت ساری شہادتیں ہوئی ہیں۔ خطرہ ہے کہ کہیں قرآن پاک ضائع نہ ہو جائے۔ لہٰذا آپ قرآن پاک کو جمع کروائیں۔

مسئلہ تقدیر: تقدیر معلق: اللہ نے جو چیزیں پیدا کیں، اُن میں جو تاثیر رکھی ہے، وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی تو یہ تقدیر معلق ہے۔ تقدیر صبرا: جب وہ تاثیریں ظاہر ہو جائیں تو یہ تقدیر صبرا ہے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص تقدیر کے بارے میں سوال کرنے آئے تو آپ اُن سے کہیں کہ کس بارے میں سوال کرتے ہو تقدیر معلق کے بارے میں یا تقدیر صبرا کے بارے میں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا۔ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا تو پھر اللہ نے ابلیس کو بُلایا اور پوچھا کہ سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو شیطان ابلیس نے کہا کہ آپ نے تقدیر میں لکھا ہی نہیں کہ میں سجدہ کرونگا۔ لہٰذا ویسے ہی ہوا۔ یعنی آپ نے میری تقدیر میں میرا سجدہ کرنا لکھا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے فرشتو گواہ ہو جاؤ! اور دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بات کہی جس کے پانچ لفظ ہیں:

کب کھلا تجھ پے یہ راز انکار سے پہلے یا بعد

یعنی جب تجھے سجدے کا حکم ملا، جب سجدہ کرنا تھا تب تجھے پتہ تھا کہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے یا نہیں؟ (نہیں۔نہیں)

واقعہ ہونے کے بعد تقدیر کا پتہ چلتا ہے۔ آج بھی لوگ یہ بات کرتے ہیں کہ تقدیر میں ایسا ہی تھا۔

اس کا جواب بھی یہی ہے: ''کب کھلا تجھ پے یہ راز''

انسان کا اور شیطان کا تقابلی مطالعہ: آج شیطان کہتا ہے میں آدم کو سجدہ کر ہی لوں تو اچھا ہے کیونکہ شیطان کہتا ہے کہ میں ابھی کسی غلط کام کے بارے میں سوچتا ہی ہوں اور میرے کچھ کرنے سے پہلے انسان وہ کام کر گزرتا ہے۔

مشیت: سوال: قرآن میں کہاں ہے کہ وہ ہی ہوتا ہے جو اللہ نے لکھ دیا ہے یعنی جو لکھا ہوا ہے وہی ہوتا ہے؟ جواب: سورۃ الحدید میں ہے۔ سوال: اللہ کی مشیت کا مسئلہ کہاں پر ہے؟ جواب: آپ ﷺ نے حضرت عمر کو مانگ کر لیا تھا۔ موافقاتِ عمرؓ غالباً پندرہ ہیں۔ [۲۰۱۹/۱۲/۹ء]

میثاق النبیین: اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا: ''**و اذ اخذنا من النبیین میثاقھم.**'' قرآن پاک تو یہ کہہ رہا ہے کہ

آپ ﷺ نوح علیہ السلام سے بھی پہلے سے تھے۔

سوال: غار اچھی تھی یا مکہ؟ جواب: غار، کیونکہ وہاں خدا کی خدائی کا ظہور ہوتا تھا۔

حصول وترویج علم میں جتنی محنت کرو گے زندگی میں اتنا ہی زیادہ مزہ آئے گا۔

قدرت اور مشیت میں فرق: جب اُن جادوگروں نے رسیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن گئے مگر لوگوں کی نظریں تو رسیوں پر تھیں اور جادوگروں کی نظریں موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر تھیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اُن رسیوں کو سانپ بنتے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ قرآن میں آتا ہے کہ (بشریٰ تقاضے کے تحت) موسیٰ ڈر گئے۔ مگر جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے سے حساب لگالیا کہ یہ جادوگر نہیں ہوسکتا اگر یہ جادوگر ہوتا تو یہ ڈرتا نہ۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ بڑا سانپ بن گیا۔ سب کو کھا گیا۔

☆ قرآن مجید لفظاً و معناً محفوظ ہے۔ اعتراض: مرزا غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز اور جاوید غامدی نے تو قرآن کے معنی بدل دیئے۔ پھر محفوظ کیسے ہوا؟ جواب: (محفوظ ہونے کا یہ معنی نہیں کہ غلطی ہوگی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ غلطی چلے گی نہیں۔ امت اسے رد کردے گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تراویح میں قرآن پڑھتے ہوئے یا ویسے قرآن سناتے ہوئے حفاظ سے غلطی ہوجاتی ہے۔ اِسی طرح کبھی کتابت کی غلطی بھی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح لوگ معنی بدلنے کی غلطی بھی کرتے رہے۔ لیکن وہ غلطیاں چل نہیں سکتیں۔ امت انھیں قبول نہیں کرے گی۔) جب مرزا غلام احمد نے معنی بدلے تو پھر علماء اس کے مقابلے میں اکٹھے ہوئے یا نہیں؟ اُس کے خلاف علماء اُٹھے بھی اور جیتے بھی۔ اُس وقت تو حکومت نے نہیں مانا۔ مگر بعد میں حکومت کو بھی ماننا پڑا۔

[۲۰۱۹/۱۲/۱۰ء]

☆ یہ بات یاد رکھو کہ آپ کو خطرہ کہاں سے ہے؟ یعنی آپ حضرات پر حملہ کہاں سے ہوگا؟ جب تک آپ کو یہ نہیں پتہ ہوگا تو تب تک آپ مقابلہ نہیں کرسکو گے۔ آپ کو سب سے زیادہ خطرہ حدیث کے حوالے سے ہے۔ ہم پر سب سے پہلا حملہ شیعہ کا ہے۔ یہ حدیث کے راستے سے ہم پر حملہ کرتے ہیں۔ ہم پر جب بھی یہ آئیں گے حدیث کے راستے سے آئیں گے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ میں اہل انصاف لوگ ان کے محدثین ہیں۔ اور وہ ہمارے محدثین کو ''شہید'' کہتے ہیں۔ شیعوں کے پاس ۱۲/۱۲ احادیث ہیں جو اُن کا مورچہ ہے۔ میں نے بھی اپنی کتاب ''دوازدہ احادیث'' میں مورچے بنادیئے ہیں۔ اُن کا داؤ ہوگا اور آپ سامنے آؤ گے۔ جزئیات کا جواب کلیات سے دیا جاتا ہے۔ کلیات وہ اُصول ہیں جو بنیاد ہیں۔

واقعہ: حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما دونوں کسی معاملہ میں (اختلاف کرتے ہوئے) حضرت عمرؓ کے پاس آئے جو اس وقت امیر المومنین تھے۔ یہ دونوں جب آئے تو حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ میں نے تم سے پہلے نہیں کہا تھا کہ تم اس معاملے میں نہ پڑو۔ اور حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ کیا تم نے مجھے خائن سمجھا تھا؟ اب آئے سامنے شیعہ اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو

ویسے ہی مانتے ہیں جیسے حضرت علیؓ مانتے تھے۔اور حضرت علیؓ (نعوذ باللہ) حضرت عمرؓ وابوبکرؓ کو خائن سمجھتے تھے۔ جواب: حضرت عمرؓ نے یہ بات الزامی طور پر کہی تھی نہ کہ حقیقی طور پر۔ آپ نے فضائل کی راہ سے نہیں بلکہ کلیات کی راہ سے آنا ہے۔ اگر تحقیق سے بات ہو تو اس کو مناظرہ کہتے ہیں۔ مناظرہ: دو حلقے آجائیں آپس میں اس بات کے لیے کہ ان دونوں میں صحیح کیا ہے، تاکہ صحیح بات کھل جائے۔ رہی بات یہ کہ الزامی جواب کیا ہوتا ہے؟ ج: احادیث سے پتہ چلے گا۔

☆اہم بات: ہم نے اب تک اپنے مسلک کو بچانے کے لیے کیا کیا ہے؟ نئے و پرانے فتنوں (قادیانی، منکرین حدیث، شیعہ) کا مقابلہ اگر ہم کر سکتے ہیں تو وہ بخاری (حدیث) سے بس! شرح وقایہ، عالمگیری اور درِمختار سے ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو بخاری کو سمجھ لے گا وہ سب کچھ پالے گا۔ بخاری کے ساتھ ہم امام مسلم وابوداؤد کو کھڑا کرتے ہیں۔

☆امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھنی ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ بخاری میں ہے کہ فاتحہ ضرور پڑھو؟ میں نے پوچھا کہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ امام کے پیچھے ہو تو پھر بھی پڑھو؟ اُس نے کہا ہاں ہے، میں نے کہا دکھاؤ، وہ بخاری لے آیا اور اُس نے جگہ دکھائی، لکھا ہوا تھا: ''**لا صلوٰۃ اِلا بفاتحۃ الکتاب**'' آگے ساتھ ہی امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ''**کان الامام او ماموما.**'' میں نے کہا کہ: یہ جو آگے والا جملہ ہے یہ امام بخاری کا ہے نہ کہ حدیث۔ ہم نے تو حدیث پر عمل کرنا ہے۔ باقی ہم امام بخاریؒ کے جملے کا احترام کرتے ہیں، یعنی امام بخاری کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ مگر ہم حدیث کو دیکھیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ: چلو حدیث میں تو نہیں ہے یہ، مگر امام بخاریؒ کی رائے کا تو پتہ چل گیا کہ امام بخاریؒ یہ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو امام بخاری نے کہا ہے اور امام بخاری کے استاد نے یہ کہا کہ یہ اُس کے بارے میں ہے جو اکیلا ہو۔ بغیر امام کے ہو۔ وہ کہنے لگا یہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ترمذی شریف میں ہے۔ اور ساتھ ایک حوالہ دیا سفیان بن عینیہ کا کہ حضرت سفیان کا بھی یہی قول ہے۔

☆اہم بات: جب آپ حدیث کو پڑھیں تو اس طرح پڑھیں کہ آپ حدیث سے استدلال بھی کر سکیں۔ (علم قرآن، علم حدیث، علم فقہ)۔ آپ قرآن سے استدلال کرنا بھی سیکھیں۔

☆......آپ پڑھ کر تو فارغ ہوئے ہیں مگر کتابوں سے فارغ نہ ہونا۔ اُصول کی کتابیں اپنے پاس رکھو، اور پڑھا کرو۔ اصول فقہ میں ''نورالانوار''۔ مثال: حنفی قرآن کی آیت پیش کرتا ہے: ''**اذا قُری القرآن فاستمعوا له وانصتو**'' غیر مقلد بھی قرآن پڑھتا ہے: ''**فاقرؤوا ما تیسر من القرآن.**'' اَب کیا کرنا ہوگا؟ ایک آیت کہتی ہے پڑھ لو، ایک کہتی ہے نہ پڑھو۔ جواب: اَب نورالانوار کو دیکھنا ہوگا۔ کہ جب تعارض آجائے تو کیا کرنا ہے، نورالانوار سے معلوم ہوگا کہ احادیث کو دیکھا جائے۔ اور حدیث بتاتی ہے کہ: '**من کان له امام فقراء ۃ الامام قرائة له.**''.

☆تعارض کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقی تعارض۔ جو اُٹھ ہی نہ سکے۔ (۲) کسی علت کی وجہ سے تعارض۔ قرآن میں حقیقی

تعارض نہیں ہوسکتا۔ دلیل: **لو کان من عند غیر اللہ لوجدو فیه اختلافا کثیرا** قرآن پاک کا آپ اتنا مطالعہ کرلیں کے آپ ہر بات کا جواب قرآنِ پاک سے دے سکیں۔

☆امام بخاری کا نہایت اہم جملہ: امام بخاری نے کتاب الاحکام [جلد۲ باب الاعتصام] میں بڑی قیمتی بات فرمائی ہے کہ ''ہم اپنے پہلوں کے طریقے پر چلیں اور ہمارے پیچھے وہ چلیں جو ہمارے بعد آئیں۔'' **''نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا.''** اپنا مسلک بچانا ہے تو بخاری کو تھام لو۔ یہ امام بخاری کا بہت شاندار جملہ ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ امام بخاری کے سائے میں آجائیں تو سب جواب مل جائیں گے۔ [۱۲/۱۲/۲۰۱۹ء]

☆ کچھ اختلاف جو ہمارے اور امام بخاری کے درمیان ہیں وہ سمجھیں۔

پہلی بات: حرم کیا ہے؟ آپ کے سامنے لفظ حرم یا حرمین آئے گا۔ مکہ شریف کو حرم کہتے ہیں، اس کی حدود کیا ہیں؟ مدینہ پاک کو بھی حرم کہا جاتا ہے، اس کی حدود کیا ہیں؟ امام بخاریؒ کے نزدیک مکہ و مدینہ دونوں حرم ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف مکہ حرم ہے۔ (آج سے ۳۰/ یا ۴۰/ سال پہلے میں نے ایک کتاب لکھی تھی جس نام ہے: ''تقدیس حرمین''۔ ہم نے ۳۰/ سال سے اُن کا مقابلہ کیا جو کہتے ہیں کہ ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہیں ہوتی؟) امام بخاریؒ کہتے کہ مکہ و مدینہ دونوں حرم ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں مکہ حرم ہے بس۔ باقی مدینہ عزت و محبت کے لحاظ سے، زیارت کے لحاظ سے اور احتراماً ہم مدینہ کو حرم کہہ سکتے ہیں، مگر شرعی احکام کے اعتبار سے نہیں۔

دلائل احناف: (۱) حج مکہ میں ہی ہوتا ہے۔ (مدینہ میں تو فقط زیارت کے لیے جایا جاتا ہے۔) (۲) **جعل اللہ الکعبة البیت الحرام.** دنیا بھی اس کی بنیاد پر قائم ہے۔

امام بخاریؒ نے مدینہ پاک کی تعظیم بتلائی۔ ظاہر اُروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ صحیح ہیں اور زیادہ روایات بھی امام بخاریؒ کی اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ کی بات بھی ٹھوس ہے۔ یہ کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اب آپ نے اس بات کو سمجھنا ہے۔ اصحاب فیل کو تباہ کرنے کے لیے اللہ نے پرندے بھیج دیے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔ **ان المشرکین نجس فلاتقربوا المسجد الحرام.** امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ ہاتھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے یعنی ہاتھیوں والے داخل نہیں ہوسکتے۔

مقابلہ (۱):۔ ہمارا مقابلہ امام بخاری سے ایک اس بات پر ہوگا کہ مکہ تو حرم ہے۔ مدینہ بھی حرم ہے یا نہیں؟ (یعنی حرم والے شرعی احکامات مدینہ پر بھی لاگو ہوتے ہیں یا نہیں؟)

مقابلہ (۲):۔ ایمان میں کمی و زیادتی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ''ایک ہے ایمان کی حقیقت'' کہ آپ ﷺ جو لے کر آئے اُن میں سے ہر ایک بات کو ماننا یہ ہے ایمان۔ اجمالاً بتایا یا تفصیلاً، سب پر ایمان رکھنا۔ امام ابو حنیفہ کے بعد امام محمدؒ کا درجہ ہے، خواہ بڑے

عالم امام ابو یوسف ہیں۔امام محمد کا قول: **من أنكر شيئاً من شرائط الإسلام فقط أبطل قوله لا اله الا الله.**

☆ مجھے یہ خیال آیا کہ میں جاننے کی کوشش کروں کہ شیعہ کے متعلق امام محمد کا کیا طرز ہے؟ یعنی متعہ کے مسئلہ میں امام محمد کا کیا موقف ہے۔جب معلوم ہوا تو میں حیران رہ گیا کہ امام محمدؒ نے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔(فی الحال تفصیل میں نہیں جاتا)

☆ ایک مرتبہ کسی نے مرزا غلام احمد سے پوچھا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ مرزا نے شعر پڑھا۔مفہوم: ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین۔

☆ دین نام ہے ساری باتوں کو ماننا۔اور کفر نام ہے اُن سب باتوں میں سے کسی کا انکار کرنا۔

☆ کوفہ مذاہب کی ایک منڈی تھی، اختلافات کی منڈی تھی۔شیعہ بھی کوفہ میں بڑی تعداد میں تھے۔امام صاحب بھی کوفہ میں ہی تھے۔نور اللہ شوستری شیعہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''کوفی ہونا ہی پہچان ہے شیعہ کی۔'' اس کے جواب میں (غالباً علامہ نووی نے) مسلم شریف (کی شرح) میں لکھا ہے

کوفہ شہر ہے علم کا بھرا ہوا
بنایا ہے اس کو عمرؓ ابن خطاب نے

کوفہ کو بسانے والے سب سے بڑے عالم، قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔حضرت عمرؓ نے کوفہ کو بسایا۔پھر وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھیجا۔حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے اہل کوفہ! میں نے اپنے اوپر تم کو ترجیح دی ہے۔تم سر ہو اسلام کا، تم اسلام کی کھوپڑی ہو۔اگر میں اپنے آپ کو ترجیح دیتا تو عبداللہ بن مسعود کو اپنے پاس رکھتا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کا مقام کیا ہے۔

☆ کوفہ ایسا شہر ہے جس میں ایک شخص بھی رفع یدین نہیں کرتا۔یہ ایک واحد شہر ہے جس میں دوسرا کوئی نہیں۔کوفہ کے سب سے بڑے عالم ہیں سفیان ثوریؒ۔یہ بات مشہور ہے کہ اگر ایک شہر میں دو بڑے عالم ہوں تو آپس میں اُن دونوں کی بنتی نہیں۔اَب امام ابوحنیفہ بھی بڑے عالم تھے کوفہ کے۔

☆ ''فرقہ مرجیہ'' یہ لفظ ''رجاءت'' سے ہے۔لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ ابوحنیفہ مرجیہ فرقے سے ہیں، کسی نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ مرجیہ کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ امام محمدؒ نے فرمایا: نہیں۔مرجیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ''**اِن المعصية لاتترك**''. پوری دنیا میں جو فرقے اور فتنے تھے ان سب کا جواب امام ابوحنیفہؒ نے دیا، شیعہ، مرجیہ، قدریہ وغیرہ۔[۲۰۱۹/۱۲/۱۴ء]

''کتاب'' بڑا عنوان ہے اس کے تحت باب آتے ہیں۔''باب'' ایک دروازے کو کہتے ہیں۔بحث چل رہی تھی ہماری

اور امام بخاری کی ایمان میں کمی وزیادتی کے لحاظ سے۔ مگر یہ ہم کتاب الایمان میں جا کر بحث کریں گے۔ ''بدء الوحی'': شروع میں حضور علیہ السلام نے بادشاہوں کو خط لکھے۔ **انما الاعمال بالنیات.** کسی نے گھر بنایا، روشن دان رکھا۔ ۱: ہوا کی نیت۔ ۲: اذان کی نیت یعنی اذان کی آواز آئے گی۔ جتنی نیک نیتیں اتنا زیادہ ثواب۔

فائدہ: **اذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها.** اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ: تم سلام کہنے والوں کو یہ نہ کہو کہ تم کافر ہو۔ قادیانی کہتے ہیں کہ پھر تم ہمیں کیوں کافر کہتے ہو؟ جواب: (یہ حکم اُس صورت میں ہے) جب (سلام کرنے والے کی) پہچان نہ ہو۔ اگر پہچان ہوتو پھر دیکھ لو۔ اگر کافر ہے تو اُسی طریقے سے (کرو جو کافروں کے لیے بتایا گیا ہے۔) جب پہچان ہوتو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔

☆ مصافحہ کا معنی: درگزر کرنا، جھاڑنا۔ معانقہ: گلے ملنا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط روم کے بادشاہ کو ملا تو خط کے مندرجات کی تصدیق کے لیے اس نے ابوسفیان کو بلایا۔ اس وقت تک ابوسفیان ایمان نہیں لائے تھے۔ مکہ کے سردار تھے۔ جب انسان نے جھوٹ بولنا ہوتو انسان اپنے دوستوں سے آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بات بدل لیتا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے کا ایک طریقہ ہے۔ جب ہرقل شاہ روم نے کہا کہ اے عرب کے تاجرو! ہرقل نے ابوسفیان کو سب سے آگے کرلیا باقی لوگوں کو پیچھے کر دیا۔ سامنے نہیں بلکہ پیچھے کر دیا پھر سوال و جواب کیے۔ ابوسفیان نے کہا میں نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں جھوٹ بولوں، پھر میں نے سوچا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو رؤسا عرب کیا کہیں گے؟ کہ یہ اتنا بڑا سردار جھوٹ بول رہا ہے تو پھر میں نے سچ سچ بولا۔

علمی بات: ''ممکن'' کا لفظ ایک اصطلاح ہے۔ (وجود کے اعتبار سے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں:) واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود۔ جو بڑا ہے اس کو کہتے ہیں ''واجب الوجود'' یعنی جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور جس کا ہونا بھی ممکن ہو نہ ہونا بھی، وہ ہے: ممکن الوجود۔ اور جس کا ہونا منع ہو۔ ناممکن ہو وہ ممتنع الوجود ہے۔ فناء اور بقاء پر تصوف کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

[۲۰۱۹/۱۲/۱۵ء]

بہت اہم مسئلہ، مسئلہ جمع القرآن: سوال: قرآن جمع کیسے ہوا؟ جواب: (۱) قرآن کریم کی ایک ترتیب نزولی تھی۔ (جو صحابہ لکھتے تھے) (۲) اور دوسری ترتیبِ رسولی تھی۔ (جو آپ ﷺ نماز میں پڑھتے تھے) سوال: قرآن پاک ترتیبِ نزولی کے مطابق کہیں جمع بھی ہوا۔ (جواب: نہیں! بلکہ) میں نے تقریباً ۲۰ رسال پہلے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جو شخص قرآن کو ترتیب نزولی پر جمع کرنے کی کوشش کرے گا (خواہ تحقیق کے لیے ہو) وہ مرجائیگا۔ اِس کے پیچھے دلائل ہیں۔ تفصیل میں میں نہیں جاتا۔ ہم ترتیبِ رسولی کے ذمہ دار ہیں۔ ہم نے ترتیبِ رسولی کے گرد ہی پہرہ دینا ہے۔ قرآن پاک کے شروع میں ہے ''**ویقیمون الصلوٰة**.'' اُن اُمیوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ نماز کس کو کہتے ہیں۔ نماز کے بارے میں جو پہلی آیت اتری وہ یہ ہے: **یا ایها المزمل قم الیل الاقلیلا** ۔ اس وقت بغیر وضو کے نماز ہوتی تھی۔ وضو والی آیات تو بعد میں اُتریں۔ بہر حال: قرآن پاک کی ترتیب بتاتی ہے کہ

قرآن پاک کی ترتیبیں دو ہیں۔ لیکن قرآن پاک جو چلا ہے وہ ترتیب رسولی کے مطابق چلا ہے۔ جو شخص یا گروہ قرآن پاک کی ترتیب نزولی و رسولی پر ایمان نہ رکھتا ہو تو پھر بڑی مشکل ہے کہ ہم ان کو مسلمان کہہ سکیں۔ کیوں کہ پھر وہ دین پر چل نہیں سکے گا۔

اذان میں: ''**اشهد ان محمدا رسول الله**'' کا درست ترجمہ جو میں نے بائبل سے لیا ہے وہ یہ ہے: ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ ہی اِس عہد کا رسول ہے۔

☆"**سنقرئک فلاتنسی، الا ماشاء الله**". ہم آپ کو پڑھائیں گے، پس آپ بھولیں گے نہیں۔ الا ماشاء اللہ سے نسخ کا مسئلہ ثابت ہو گیا۔

☆سفر نامہ ڈاکٹر محمد علامہ اقبال میں ہے کہ ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ جب ایران کے سفر پر گئے تو فرماتے ہیں میں نے وہ قرآن دیکھا جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے پاس موجود ہے۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ نہیں! حضرت علی کا قرآن اور ہے اور وہ غار میں ہے۔[۲۰۱۹/۱۲/۱۶ء]

باب (۱)۔ کتاب الایمان: (امام بخاری کا امام ابوحنیفہ سے ایمان کی کمی زیادتی کے بارے میں اختلاف ہے۔) قرآن کے سیاق و سباق امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ دلیل: ''**امنو وعملو الصالحات**'' قرآن پاک میں ہے۔ یہ عطف تغایر ہے۔ (یعنی ایمان اور اعمال ایک دوسرے کا غیر ہیں۔)

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ قول و فعل کم و زیادہ بھی ہوتا ہے۔[۲۰۱۹/۱۲/۱۷ء]

ایمان کے بارے میں مذاہب مع الدلائل؛ بخاری جلد اول صفحہ 127 اور 129 / پر موجود ہیں۔

☆......جب کوئی حدیث بیان کی جائے تو یا تو راوی وہ حدیث یادداشت سے بیان کرے گا، یا کتابت سے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول اِس بارے میں بہت سخت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک راوی کو پوری طرح یاد نہ ہو کہ فلاں موقع پر سنی تھی، آگے بیان کرنا درست نہیں۔ مگر امام بخاری فرماتے ہیں یاد ہونا ضروری نہیں، اپنے پاس لکھی ہوئی کتاب وغیرہ سے بھی بیان کر سکتے ہیں۔ بخاری کی اکثر روایات ایسی ہی ہیں۔ ہم امام بخاریؒ کے موقف کو غلط نہیں کہتے۔ امام ابوحنیفہ کے قائم کردہ معیار پر بخاری پوری اتر ہی نہیں سکتی، لہٰذا اِمام بخاریؒ، امام ابوحنیفہؒ کے موقف سے بہت نیچے آ گئے ہیں۔ معلوم ہوا امام ابوحنیفہ کا مقام حدیث میں بھی امام بخاریؒ سے بہت اونچا ہے۔

☆......''ابن عبداللہ'' نے ایک کتاب لکھی ہے حدیث میں ۳/ بڑے امام گزرے ہیں۔ (۱) امام مالک، (۲) امام شافعیؒ، (۳) امام ابوحنیفہ۔ معلوم ہوا امام ابوحنیفہ کا مقام امام بخاریؒ سے کہیں اونچا تھا۔

☆......شیعوں کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں کیونکہ وہ تقیہ کے قائل ہیں۔ تقیہ (یعنی جھوٹ بول سکتے ہیں)۔ شیعہ کی کسی کتاب میں ایسی ترتیب نہیں جو ہمارے پاس صحاح ستہ میں ہے۔ بلکہ دنیا میں کسی کے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں جیسی ہمارے پاس ہیں۔ نہ شیعوں کے پاس نہ معتزلہ کے پاس نہ خوارج کے پاس نہ کسی اور کے پاس۔

☆مباہلہ میں جھوٹے کے لیے بددعا کرنا طے ہوا۔تو"**نحن ابناء نا و ابناء کم و نسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم**"۔میں ابنا کا ذکر پہلے آیا۔کیونکہ انسان کو سب سے زیادہ پیار اولاد سے ہوتا ہے،اس لیے آیت میں پہلے ابنا کا تذکرہ ہے۔

☆حدیث مباہلہ مشہور ہے۔شیعوں کے تقریبا ۶۰/امام صاحب کے پاس آئے اور آکر کہا کہ اہل بیت کو جو مقام ہم دیتے ہیں وہ آپ نہیں دیتے۔قرآن پاک میں ہے کہ آپ کے پاس حق آگیا۔اب جو نہیں مانتے تو آپ اُن سے کہیں کہ مباہلہ کرو تو جب آپ علیہ السلام اور ساتھ حسن وحسین و فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ نکلے تو اُن پادریوں نے جب آپ کے چہرے دیکھے تو پادریوں نے کہا کہ ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا ورنہ تمہیں آگ پکڑ لے گی۔اس طرح کی روایات کو لے کر شیعہ عوام میں کہتے ہیں کہ یہ اہل بیت کی شان ہے۔اور اہل بیت صرف یہی تھے۔جواب: آپ کا موقف یہ ہونا چاہیے کہ ''مباہلہ'' ہوا ہی نہیں،اگر ہوتا اور آپ امہات المؤمنین کو ساتھ نہ لے کر جاتے پھر تمہاری دلیل بن سکتی تھی۔یہ تو فقط دعوتِ مباہلہ تھی۔[۱۸/دسمبر/۲۰۱۹ء]

مسلمان وہ ہے جس سے دوسروں کو اذیت نہ پہنچے،چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

''سلام'' کے افراد تین ہیں۔(۱) مسلمان جاننے والے کو سلام کرنا،(۲) شکل وصورت دیکھ کر سلام کرنا،(یعنی جو شکل و صورت سے مسلمان لگے،مگر پہچان نہ ہو)(۳) غیر مسلم کو سلام کرنا۔یہ جائز نہیں۔مسلمانوں کا آپس میں رشتہ ''اخوت'' کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن پاک میں فرمایا کہ نبی ورسول مسلمانوں کا بھائی ہے۔''**اخاھم**''۔قرآن نے بتایا ہے کہ رسول یعنی اسلامی بھائی۔مسلمانوں کا بھائی۔صحابہ پیغمبر کے ساتھ ایمان میں شریک ہیں۔کوئی پوچھے کہ صحابہ کون ہیں؟ تو آپ جواب دیں کہ صحابہ وہ ہیں جو حضور ﷺ کی معیت میں رہے۔

اعتراض: حدیث میں ہے کہ ''رسول سے محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے؟ تو کیا رسول دنیا میں محبوب بننے کے لیے آئے تھے؟'' جواب: اس کا جواب آپ اپنے گھر میں بیٹھی بہن سے پوچھنا یا بیٹی سے پوچھنا کہ رات کو دودھ پلاتے وقت تھکاوٹ ہوئی؟

☆محبت خدا کے لیے ہے اور اطاعت رسول کے لیے ہے۔روش صحابہ کی ''**اِن کنتم تحبون الله فاتبعونی**''.

[۲۰۱۹/۱۲/۱۹ء]

باب۸: حلاوۃ الایمان

☆ایمان کی وجہ سے بالآخر جہنم سے نکلنا ہوگا۔ایمان اور جہنم ہمیشہ کے لیے جمع نہیں ہو سکتے۔

☆دنیا اور دوزخ کی آگ میں فرق: وہاں کی آگ جس کو لگے گی وہ مرے گا نہیں مگر کیفیت آگ والی ہوگی۔دنیا کی آگ سے تو انسان مرجاتا ہے۔

☆سیلاب: سیل کا معنی چلنا (آب کا معنی پانی) تو سیلاب کا معنی ہوا پانی کا چلنا۔

☆ایمان کا ایک نام خیر بھی ہے۔دین،ایمان،حق کہہ دیا جائے تو اس کی مراد ایک ہی ہے۔ایمان اندر ہوتا ہے،کوئی

نہیں جانتا۔

سوال: شیعہ مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے یہ کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کا ایمان ثابت کرو؟ جواب: مختصر جواب یہ ہے کہ ایمان اندر کی بات ہے۔ مگر جب اندر کی بات کی خدا تصدیق کردے تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے لیے ''**یا ایھا الذین امنو** ''فرمادیا، لہٰذا اُن کے ایمان میں کوئی شک نہیں رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تصدیق کردی۔ اور خدا کی تصدیق کے بعد اُن کا ایمان پوشیدہ نہیں رہا۔

☆بہت اہم بات: ایک ہیں نظریات، ایک ہیں واقعات۔ نظریہ وہ ہوتا جس میں خیالات کی گنجائش ہوتی ہے۔ واقعہ: واقعات کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو ہوا۔ جو پیش آیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو خواب میں یہ واقعہ۔ حضورؐ نے جو خواب بیان کیا یہ واقعہ۔ آپ نظریات کے بجائے واقعات سے استدلال کیا کریں۔

☆ایک مرتبہ ہمارے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا، فریق مخالف نے کہا کہ آپ صحابہ کا ایمان ثابت کریں گے۔ ہم نے کہا کہ آپ نے اپنی مرضی کرلی۔ اَب ہماری باری ہے۔ ہم پہلے مسئلہ نکاح بیان کریں گے۔ آپ بھی مسئلہ نکاح سمجھ لیں اس سے چہرہ روشن ہوجائے گا۔

مسئلہ نکاح: اسلام میں نکاح کا مدار ایمان پر ہے، خاوند اور بیوی دونوں کا ایک بات پر یقین ہو تو یہ ایمان ہے۔ نکاح کا مدار مسلمان ہونے پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے۔

حضرت ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ ۱،۲: جعفرؓ و علیؓ: انہوں نے ایمان قبول کیا تھا۔ ۳،۴: عقیل و طالب: انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔ کمال: حضرت علیؓ نے اجازت سے اپنی موجودگی میں حضرت جعفرؓ کی بیوی کا نکاح حضرت ابوبکرؓ سے کروایا تھا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ثابت ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کا نکاح حضرت علیؓ کی موجودگی میں ان کی بیٹی اُمِ کلثوم سے ہوا، حضرت عمر کا ایمان بھی ثابت ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ کا نکاح حضرت رقیہؓ سے ہوا۔ لہٰذا ان کا ایمان بھی ثابت۔ (اب غور کریں کہ) یہ میں نے واقعات سے ثابت کیا ہے۔

روایت نمبر۲۳/ میں حضرت عمرؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم کنوئیں سے پانی کھینچ رہے ہیں، اچانک اس میں بوجھ آگیا، پھر وہ رسی ابوبکرؓ نے لے لی اور عرض کیا کہ میں نکالتا ہوں۔ دو ڈول نکالے پھر ان کے بازو بھی تھک گئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے رسی لے لی، اتنا پانی نکالا کہ سب نے سیر ہوکر پانی پیا۔ اس خواب سے خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

حضورؐ نے ایک خواب میں دیکھا کہ اوپر سے گھی اور شہد اترا ہے۔ اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ واقعات بیان کریں۔ اور ان سے استدلال کریں۔

باب: ۱۶۔ روایت ۲۵: یہاں قاتل کا معنیٰ قتل کرنے والا نہیں بلکہ لڑنے والا ہے۔ یہ باب مفاعلہ سے ہے، اس کا معنی جانبین سے ہونا ہے۔ [۲۰۱۹/۱۲/۲۲ء]

☆علم ہوتا ہی آگے پہنچانے کے لیے ہے۔

☆دنیا میں دین ایک ہی ہے۔وہ ہے اسلام۔جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندو، سکھ، مسلمان وغیرہ سب ایک ہیں، وہ غلط کہتے ہیں۔دین صرف ایک ہے، وہ بھی دین اسلام ہے۔

☆سوال: ایمان اور اسلام ایک ہیں یا الگ الگ؟ جواب: محدثین نے قاعدہ بتایا ہے کہ جب یہ جمع ہو کر آئیں تو معنی جدا جدا ہونگے اور جب الگ الگ آئیں تو پھر معنی ایک ہوگا۔(لہٰذا لڑائی والی کوئی بات نہیں)۔ایک علی وجہ الحقیقت ہے اور ایک علی وجہ المجاز۔اختلاف لفظی ہے۔امام بخاریؒ وامام ابوحنیفہ کا اختلاف، ایمان کے بارے میں حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی ہے۔نواب صدیق حسن خان (غیر مقلد) نے بھی اسے لفظی اختلاف کہا ہے۔

باب۲۰: **کفران العشیر و کفر دون کفر**: کنبہ کی نافرمانی کرنا: کنبے کی نافرمانی کو کفر کہا ہے ناشکری کے معنی میں۔ایمان کے مقابلے میں نہیں ہے۔دون کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں۔[۲۰۱۹/۱۲/۲۳ء]

باب۲۵: ☆حضور علیہ السلام شہید تو نہیں ہوئے مگر شہادت مل گئی۔یہودی عورت نے گوشت میں زہر دیا تھا، بوقت وفات اُس زہر کا اثر محسوس ہوا۔اسی طرح حضرت صدیق اکبر شہید نہیں ہوئے مگر شہادت مل گئی۔سانپ کے زہر کا اثر بوقت موت ظاہر ہوا۔

☆**ذو نطاقین**: نطاق کہتے ہیں ازار بند (نالہ)۔یہ لقب ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا۔

عنوان: نبی وصدیق۔نبی وصدیق پر جو یکساں حالات گزرے ہیں ان کو اکٹھا کیا جائے۔سوال: اہل تشیع کہتے ہیں کہ: حضور علیہ السلام نے تو اپنی امانتیں علی رضی اللہ عنہ کو دیں؟ جواب: (لوگوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے حوالے کیں اور اللہ کی امانت صدیقؓ کے حوالے کردی۔) اللہ کی امانت صدیق کی گود میں تھی۔یعنی حضورؐ اللہ کی امانت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے وصال کے دن سب سے زیادہ حوصلہ و ہمت صدیق کو دی تھی۔''نبی وصدیق'' نامی رسالے میں ایک عالم نے ۹۹/ چیزیں جمع کی ہیں جو یکساں تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور ابوبکر وعمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔پیغمبر کے لیے مٹی کا لفظ استعمال کرنا یہ بے ادبی نہیں ہے۔کیونکہ حدیث میں موجود ہے۔اگر حضور ﷺ مٹی سے نہیں تو حضور ﷺ کے والد ماجد بھی پھر مٹی سے نہیں ہوں گے۔

☆غیر مقلدین کے ساتھ ہمارا تراویح، تین طلاق اور تقلید میں اختلاف ہے۔

☆شیعہ کہتے ہیں تقلید اسلام میں ہے مگر تقلید زندہ کی ہوگی، نہ کے مردہ کی۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ: اگر تم نے کسی کے پیچھے چلنا ہے تو ان کے پیچھے چلو جو فوت ہو چکے ہیں۔کیونکہ جو زندہ ہیں ان کا پتہ نہیں۔ہم اپنے بڑوں کو ''اکابر'' کہتے ہیں۔شیعہ اپنے علماء کو ''مجتہد'' کہتے ہیں۔

☆درمیانی نکتہ: میں نے ایک اہل حدیث (غیر مقلد) سے سوال کیا کہ تمہارے جو لوگ ہیں سارے کے سارے حدیث جانتے ہیں؟ جواب: وہ کہنے لگا کہ نہیں۔پھر میں نے کہا کہ وہ دین پر کیسے چلتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ اگر انصاف کی بات بتاؤں تو وہ ہمارے علماء سے پوچھ کر دین پر چلتے ہیں۔میں نے کہا کہ یہ تو تقلید ہوئی۔وہ کہنے لگا: جی ہاں! میں نے کہا کہ تم خود تقلید کرتے ہو تو پھر ہمیں کیوں بُرا کہتے ہو؟

☆شیعہ تراویح پڑھتے ہی نہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ تہجد کی تیاری کرو۔ حضرت عمرؓ کی مخالفت کرتے ہیں۔

☆تراویح جمع ہے ترویحہ کی۔(ترویحہ کا معنی ہے چار رکعت کے بعد وقفہ کرنا۔) اگر ۲۰رکعات ہوں تو چار ترویحے ہوں گے۔اور اگر کوئی آٹھ پڑھے تو (درمیان میں ایک ہی ترویحہ آئے گا۔آٹھ کے بعد والا بھی شامل کرے تو زیادہ سے زیادہ دو ترویحے۔جبکہ تراویح جمع کا لفظ ہے۔)۸رکعات پر تراویح کا لفظ سچا ہی نہیں آتا۔

واقعہ (مناظرہ): میں ایک دفعہ گوجرانوالہ گیا، وہاں غیر مقلدین کا کوئی پروگرام تھا۔ وہ علی الاعلان یہ کہہ رہے تھے کہ: فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، چاہے امام کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو، علامہ صاحب فرمانے لگے کہ میں نے کہا اچھا مجھے یہ بتائیں کہ میں کیا کروں مجھے سورۃ الفاتحہ نہیں آتی۔اب میں کیا کروں۔وہ کہنے لگے کہ جب امام الحمدللہ پڑھے تو آپ الحمدللہ پڑھیں۔اسی طرح پوری فاتحہ مگر جب ''**غیر المغضوب علیھم ولاالضالین**'' پر پہنچے تو میں نے کہا: اب امام یہ پڑھے گا تو میں کیا پڑھوں؟ وہ کہنے لگے: آپ **غیر المغضوب علیھم ولاالضالین** پڑھیں۔میں نے کہا: میں آپ کی بات یا رسولﷺ کی بات مانوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمارہے ہیں کہ جب امام ''**غیر المغضوب علیھم ولاالضالین**'' کہے تو تم آمین کہو۔(بخاری شریف کی حدیث ہے) اور تم غیر مقلدین یہ کہتے ہو کہ میں بھی یہ ہی پڑھوں۔تم مجھے بتاؤ میں کس کی بات مانو؟[۴۸۱/۲]

واقعہ۲: سیالکوٹ میں لوگوں نے مجھے کہا کہ ایک شیعہ بڑا ہوشیار، تیز طرار ہے۔مگر ہے اَن پڑھ۔لوگوں نے کہا کہ اسے آپ کے درس میں بھیج دیں؟ میں نے کہا بھیج دو مگر مجھے (نام ذکر کر کے نہ بتانا) کہ یہ وہ ہے۔بہر حال وہ شخص آکر میرے درس میں بیٹھ گیا۔میں بات یہ کر رہا تھا کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں ہے۔وہ شخص فوراً کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ قیامت کب آئے گی۔میں نے کہا کہ بتاؤ کب آئے گی؟ وہ کہنے لگا کہ جمعہ کو۔میں نے کہا: ٹھیک ہوگیا، ہم جمعہ تک اِدھر ہی بیٹھیں گے، اگر جمعہ کو قیامت آگئی تو تم سچے اور اگر نہ آئی تو تم جھوٹے۔وہ فوراً! کہنے لگا کہ میں نے کون سا کہا ہے کہ اِسی جمعہ کو آئے گی۔میں نے کہا پھر کس جمعہ کو آئے گی۔وہ کہنے لگا: ''اللہ ہی جانتا ہے۔'' میں نے کہا: یہی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے۔

☆جتنا اختلاف سے بچو گے اُتنا ہی اختلاف پر قابو پاؤ گے۔

☆سوال: غیر مقلدین کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''حضور'' کہنا ٹھیک نہیں۔کیونکہ حضور کا معنی حاضر۔ جواب: (یہ اُن کی جہالت ہے۔) حاضر'' کا معنی'' چھوٹا اور حضور کا معنی بڑا ہوتا ہے۔غیر مقلدین حاضر کو حضور کہتے ہیں اور حضور کو حاضر کہتے ہیں۔

☆سوال: نماز کے بعد ذکر بالجہر کے قائلین دلیل میں صحیح مسلم کی روایت عن ابن عباسؓ پیش کرتے ہیں، جس میں ہے کہ: صحابہ کہتے تھے کہ ہم جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کب ختم ہوتی تھی، ہم ایک دوسرے کی آوازوں سے جانتے تھے۔(یعنی ذکر وغیرہ سے۔تو ذکر بالجہر ہوتا تھا تبھی تو آوازیں پہنچتی تھیں اور پہچان ہوتی تھی) جواب: اس کے راویوں میں بڑا راوی اپنے سے چھوٹے سے کہتا ہے کہ ''میں نے تمہیں یہ حدیث بیان نہیں کی۔'' معلوم ہوا یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔مختار قول یہ ہی ہے۔

چاروں امام متفق ہیں اس بات پر کے نماز کے بعد ذکر بالجہر جائز نہیں ہے۔(لہٰذا اپنے آپ کو سنی حنفی کہلانے والوں کے لیے اصولاً اِس عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔)[۲۹/۱۲/۲۰۱۹ء]

باب ۴۱: **الدین النصیحة لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم.** اللہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اللہ نے جس کام کا حکم دیا وہ کرے۔ اللہ جو چاہے انسان اس کے مطابق عمل کرے۔ رسول کی خیر خواہی یہ ہے کہ رسول کی اتباع کی جائے۔ ائمۃ المسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو بھی مسلمانوں کے بڑے ہیں حکومت میں بڑے ہوں یا علم میں بڑے ہوں۔(ائمہ مجتہدین اور حکام بھی اس میں ہیں) اُن کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے۔ عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

☆ حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ سب سے خوبصورت صحابی تھے۔ کتاب الایمان مکمل شد۔

[۳۰ر دسمبر ر ۲۰۱۹ء]

حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: میرا خیال ہے کہ اَب چند دِن آپ کو مؤطا امام مالک پڑھا دوں۔ پھر مسلم شریف کا مقدمہ۔

☆ -مؤطا: جس پر سب کا اتفاق ہو (اُسے موطا کہتے ہیں اور موطا میں تقریباً پندرہ مقام ہیں، وہ سب اہم ہیں آپ نشان لگائیں)

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں "کتاب اور سنتِ رسول"۔ اب یہ روایت پوری صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ اگر ہے تو یہ مؤطا امام مالک میں ہے۔

☆ ایک حدیث میں ہے کہ: اگر کوئی شخص جماعت کی نماز میں شامل ہونے کے لیے اس وقت آیا جب امام سورۂ فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ (اَب سوال یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اُس کا کوئی نقصان ہوا یا نہیں؟) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔ (جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کا بہت نقصان ہوا۔ پھر ایک حدیث سے ہی معلوم ہوا کہ وہ مقتدی کے بارے میں نہیں ہے) **من کان له امام فقرأته قراءة الامام.** امام کی سورۃ فاتحہ پڑھنا یہ مقتدی کی فاتحہ پڑھنا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا (زبانی یاد کرلو)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت: مؤطا امام مالک میں یہ روایت موجود ہے فرمایا: "**لاصلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب الا ان یکون وراء الامام.**" علامہ صاحب فرمانے لگے جب میں نے روایت ایک غیر مقلد کے سامنے پڑھی تو وہ غیر مقلد کہنے لگا کہ یہ قول جابرؓ ہے۔ میں نے کہا اَب بات یہ ہے کہ یہ بات حضرت جابرؓ نے کہاں سے لی؟ یا تو حضور ﷺ سے لی (پھر حدیث ہوئی۔) یا اجتہاد کیا (تو اجتہاد کرنا برحق ثابت ہوا۔) بتاؤ؟ وہ خاموش ہو گیا۔

☆ نمازیں فرض کس طرح ہوئی؟ جواب: جب سورۃ المزمل اُتری "ابتدائی آیات سے معلوم ہوتا ہے" **قم اللیل الا قلیلا.**" یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج پر جانے تک تھی۔ معراج کی رات ۵ نمازیں فرض ہوئیں۔[۳۱/۱۲/۲۰۱۹ء]

مسلم شریف: صحاح ستہ میں مسلم شریف واحد کتاب ہے کہ جس کے خطبہ میں ختم نبوت پر بات کی گئی ہے۔

☆پہلا دور ''اعتماد'' کا تھا۔ دوسرا دَور ''اسناد'' کا تھا۔ ان دونوں پر چلنے والوں کو اہل سنت کہتے ہیں۔

☆لوگ کہتے ہیں فرقے بعد میں بنے ہیں، یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ سوال: اہل سنت کا نام کہاں آیا احادیث میں؟ جواب: تیسری صدی کے وسط میں۔ (اہلحدیث باصطلاح قدیم) پہلے دور میں ''اہلحدیث'' کسی فقہی مسلک کا نام نہیں تھا۔ (بلکہ ایک علمی تعارف تھا۔) اہل بدعت دو قسم کے ہیں (۱) اعتقادی، (۲) عملی۔ آج کل ہمارا جن سے اختلاف ہوتا ہے وہ بدعت اعتقادی والے ہیں۔ خارجی، قدریہ، جبریہ، شیعہ یہ سب اہل بدعت ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اسلام میں سب سے پہلے جو فرقہ پیدا ہوا وہ ''خارجی'' ہیں، اس کا معنی ہے نکلنے والے۔ [۴/جنوری/۲۰۲۰ء]

☆پہلوں پر اعتماد کر کے چلو۔ یہ بڑا اُصول ہے، اِس اُصول کو میں عنوان دونگا کہ اپنی جڑوں سے چلو۔

☆مؤطا امام مالک ہر کسی کے پاس ہونی چاہیے۔ ''ادرکت الناس'' سب سے زیادہ اس میں استعمال ہوا ہے۔

☆امام طحاوی رحمہ اللہ نے ہمیں حدیث سمجھنا سکھایا ہے۔ دوسرے نمبر حدیث کو سمجھنا امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سکھایا۔

سوال: پہلے دور میں اسلام کس نے بیان کیا؟ جواب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے۔ پھر مصنف ابن ابی شیبہ نے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ہم نے مصنف ابن ابی شیبہ کو لے کر چلنا ہے۔ جس طرح امام مالکؒ چلے ہیں۔ پھر اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ۔ پھر المصنف عبدالرزاق یہ شاگرد تھے امام ابوشیبہ کے۔

بخاری و مسلم پہلے نہیں بلکہ پہلے مؤطا امام مالک ہے۔ [۶/۰۱/۲۰۲۰ء]

☆نبوت آسمانی ہے، یعنی خدائی منصب ہے اور امامت زمینی مرتبہ ہے۔ **فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول.** [۸/۰۱/۲۰۲۰ء] (دیکھیے: ۲/۶۵۷۔ [ادارہ])

تابعین میں سب سے پہلے نمبر پر حضرت ابوبکرؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ ہیں۔ دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ۔ فقہاء مدینہ سات تھے۔

☆اصول ۱: کبھی کسی کی علمی تردید کرنی ہو تو تردید جزئیات میں نہ کریں بلکہ کلیات میں کریں۔

مثال: سوال: قرآن کہاں ہے؟ جواب: لوحِ محفوظ میں ''**بَل ھُو قرآن مجید فی لوح محفوظ**'' دوسرے نمبر پر قرآن کس کے پاس ہے؟ جواب: جبرائیل علیہ السلام کے پاس۔ جبرئیلؑ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ مسلمان کہلانے والوں میں کیا کوئی ایسا طبقہ ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سے کچھ نہیں ملا؟ یہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سے کچھ نہیں ملا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن جانتے ہوئے ہی پیدا ہوئے تھے۔

☆ترتیب: قرآن پاک کی ترتیب کے حوالے سے یہ چھ نمبر یاد کرلو!

۱- لوحِ محفوظ: ''**بل ھو قرآن مجید لوحِ محفوظ**''۔

۲- جبرائیل علیہ السلام: ''**نزل بہ الروح الامین**''۔

۳- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: **علی قلبک لتکون من المنذرین**۔

۴-کاتبین وحی۔(جن صحابہ کرام کو حضورؐ نے قرآن لکھوایا اور انھوں نے لکھا۔)

۵-حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (جنھوں نے یکجا جمع کر کے لکھوانے کا انتظام فرمایا۔)

۶-حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (جنھوں نے جمع شدہ کے نسخے پھیلانے کا اولین انتظام کیا۔)

☆صحابہ کے بارے میں اگر کوئی شیعہ وغیرہ اعتراض کو سامنے لائے تو آپ کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ تمہارا یہ اعتراض ''علی وجہ الافتراء'' ہے نہ کے علی وجہ الحقیقۃ.

☆سوال: اللہ نے جس قرآن کا ذمہ لیا ہے اس سے مراد کونسا قرآن ہے؟ وہ یا یہ؟ جواب: ''**اِنا نحن نزلنا الزکر وانا لہ لحافظون**''سوال: اُترا کونسا قرآن ہے؟ جواب: یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے۔ جب شیعوں سے پوچھا جائے کہ وہ قرآن مانتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں: جی قرآن کو مانتے ہیں۔ پھر اُن سے پوچھو کے کونسا قرآن جو ان چھ منزلوں سے گزرا ہے۔ یعنی اُن سے کہو کہ اس قرآن کو مانو جو اِن چھ مراحل سے آیا۔ وہ کہیں گے نہیں۔ پھر اُن سے کہو کہ تم کونسا مانتے ہو؟ وہ کہیں گے غار والا۔ تو پھر اُن سے کہو کہ: پھر غار میں جاؤ! یہاں کیا کر رہے ہو۔[۹/۱/۲۰۲۰ء]

☆غلبہ رسالت: ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن میں کامیاب ہوئے''سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشنِ رسالت کیا تھا؟ جواب: حق کا بین الاقوامی غلبہ۔ سوال: یہ بین الاقوامی غلبہ قرآن میں کہاں ہے؟ جواب: تین جگہ پر ہے: سورۂ فتح میں: **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**. [فتح:۲۸] سورۂ توبہ میں بھی ہے: **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**. [توبہ:۳۳] سورۂ صف میں بھی ہے: **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**. [صف:۹] آپ کو بھی کبھی اس آیت پر درس دینا پڑے تو آپ اسی آیت کے نشیب و فراز کو دیکھو۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے وہ حضور کے خلاف ہیں۔ حضور کے مخالف ہیں۔ حضور کے مخالف کون ہیں؟ شیعہ! ان کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے؟ اَب میں ان کے دلائل بیان کرتا ہوں، پھر جوابات:

دلائل شیعہ:۔ دلیل: حضور ﷺ جب بیمار ہوئے تو لائن پلٹ گئی۔ اس سے پہلے جتنے بھی مواقع آئے ان میں تو حضور کامیاب ہوئے، مگر جب بیمار ہوئے تو حضور ﷺ نے چاہا کہ اپنے چچا حضرت عباس کو مصلے پر کھڑا کریں مگر حضرت عائشہؓ نے زبردستی اپنے ابا (ابوبکرؓ) کو مصلے پر کھڑا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغلوب ہو گئے۔ جواب: اللہ نے فرمایا: **لاغلبن انا ورسلی.** کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ اس پر مخالف جانب سے جواب آیا کہ (اِس سے مراد علمی غلبہ ہے، دلائل کا غلبہ۔) پیغمبر کی باتیں یعنی علمی طور پر غلبہ رہے گا۔ جواب: ہم کہتے ہیں: دونوں اعتبار سے غالب رہیں گے۔ قرآن کہتا ہے: **انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الحساب.** اِس پر مخالف کہنے لگا کہ آپ نے دعویٰ غلبے کا کیا

اور دلیل نصرت کی دی، لہٰذا آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہ ہوئی؟ ہم نے کہا: **ھم الغٰلبون.** کے الفاظ بھی ہیں۔ پھر ہم نے دوسری دلیل دی: **اذا جاء نصر اللہ و الفتح.** یہاں نصرت کا لفظ غلبہ کے معنی میں ہے۔ [۱۲ر جنوری ۲۰۲۰ء]

شیعہ کے مزید اعتراضات یہ ہیں: ۱: اِمام نہ بننے دیا۔ ۲: کچھ لکھنے نہ دیا۔ ۳: جنازہ نہ پڑھا گیا۔

جوابات: میں نے کہا (جہاں تک لکھنے کی بات ہے، تو یہ بتاؤ کہ) کاغذ لانے کی ڈیوٹی کس کی تھی؟ جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔ اس کی دو دلیلیں: پہلی: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ سے ہی صلح نامہ لکھوایا گیا۔ دوسری: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی روایت میں ''**امرنی**'' کے الفاظ ہیں کہ مجھے کاغذ لانے کا حکم دیا، مگر میں اِس لیے نہیں گیا (کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ) میں کاغذ لینے جاؤں اور پیچھے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی وفات ہو جائے اور میں اُن) سے نہ مل پاؤں۔ [۱۳/۱/۲۰۲۰ء]

کچھ نصیحتیں: (آخری دن)

☆ ہر بات کرتے وقت اُس کا عنوان مہیا کرنا، یہ ہی دانائی کی بات ہے۔ بات تو ایک ہی ہے مگر اُس کے عنوانات مختلف۔ مثال: علم غیب کا مسئلہ۔ اس کو آپ نیا عنوان دیں۔ عنوان: ''علم غیب تاریخ انبیاء کی روشنی میں'' پہلے آدم علیہ السلام کے واقعات پھر نوح، پھر ابراہیمؑ، پھر عیسیٰ علیہ السلام ان حضرات کے واقعات ترتیب سے لاتے ہیں۔

☆ وار کرنے کا طریقہ: سوال: کیونکہ دین شروع ہوا صحابہ سے، یہ ہمارے پیغمبر کی نبوت کے گواہ تھے۔ اگر صحابہ پر کوئی رد آجائے تو پھر نبی کی نبوت سے ایمان جاتا رہے گا۔ ہم نے دین کو بچانا ہے، اس لیے صحابہ پر ہم نے جرح نہیں ہونے دینی۔

وصیت: بہت اہم بات: ''اگر کوئی کسی صحابی پر اعتراض کرے تو آپ نے جواب نہیں دینا، اگر جواب آتا بھی ہو تو نہیں دینا'' بلکہ آپ نے یہ چار الفاظ کہہ دینے ہیں: ہے پھر بھی صحابی! لیکن پھر بھی اگر آپ نے صحابہ کا دفاع کرنا ہو تو آپ حدیث کی طرف سے نہ آئیں بلکہ قرآن کی طرف سے آئیں۔ کیونکہ حدیث کو وہ ضعیف بھی کہہ سکتے ہیں، مگر قرآن کو نہیں۔

صحابہ میں سے سب سے زیادہ مظلوم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے تعارف دو ہیں۔ (۱) ایک اِدھر (ہماری طرف) سے (۲) اُدھر (شیعہ کی طرف) سے۔

سوال: حضرت امیر معاویہ کون تھے؟ جواب ۱: حضرت امیر معاویہ وہ ہیں جو حضرت عمرؓ کا انتخاب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سپورٹ ہے حضرت امیر معاویہ کی۔ جواب ۲: حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہیں۔ یہ تعارف تھا اِدھر سے ہماری طرف سے۔ اور اُدھر سے تعارف یہ ہے کہ جب اُن سے کوئی پوچھے کہ معاویہ کون تھا؟ جواب: وہ کہیں گے یزید کا باپ۔ وہ تو لوگوں میں غلط باتیں پھیلاتے ہیں۔ غلط تاثر پیدا کرتے ہیں۔ عوام کا غلط ذہن بناتے ہیں۔

☆ میرا ساری زندگی کا اُصول ہے کہ میں اُدھار کا قائل نہیں ہوں۔ یعنی فوراً جواب۔ اُسی مجلس میں، اُسی وقت۔

☆ قرآن کے سب سے بڑے کاتب: حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔ ان کی یادداشت بھی بڑی مضبوط تھی۔ حضرت زید بن ثابت قبیلہ قریش میں سے نہیں تھے۔ [۲۰/۱/۲۰۲۰ء، پیر۔ سبق کا آخری دن]

مولانا مفتی محمد طاہر مسعود رحمزہ احسانی

سبق تقابل ادیان کورس، جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا

عنوان: سنت و بدعت

یکم تا ۵ رمئی ۲۰۰۵ء کو جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا میں ''دورۂ تقابل ادیان'' منعقد ہوا، جس کی تفصیلات مولانا مفتی محمد طاہر مسعود مدظلہم کے مضمون میں دیکھی جاسکتی ہیں، اس دورہ میں ۴ رمئی بروز بدھ کو حضرت علامہ صاحب بھی تشریف لائے اور ایک دن مختلف نشستوں میں ''سنت و بدعت'' کے عنوان پر اسباق پڑھائے۔ دیگر طلبہ کی طرح بندہ [حمزہ احسانی] بھی اس دورہ کے اسباق قلمبند کر رہا تھا، لیکن حضرت علامہ صاحب نے اپنے سبق کے آغاز میں ہی انتہائی زوردار انداز میں ترغیب دی کہ کاغذ پر محفوظ کرنے کے بجائے دِل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کریں۔ الفاظ یہ تھے: ''علم کا بوجھ اپنے دماغ پر ڈالیں کاغذ پر نہیں۔'' لہٰذا ان کا مکمل سبق تو نہیں لکھ سکا، اس کا خلاصہ اور اشارات لکھ لیے تھے۔ زیرِنظر مضمون کی ابتدا میں وہ اشارات پیش خدمت ہیں۔

مضمون کا دوسرا حصہ مولانا مفتی محمد طاہر مسعود مدظلہم کی ارسال کردہ تحریر پر مشتمل ہے جس میں علامہ صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا اسباق، ریکارڈنگ کی مدد سے تحریر و مرتب کیے گئے اور علامہ صاحبؒ نے اس پر نظر ثانی بھی خود فرمائی۔

(۱) کسی طبقے یا فرقے کے عقائد معلوم کرنے کے لیے پہلے اس کی تاریخ معلوم کرنا ضروری ہے۔

(۲) بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت فی العقائد، بدعت فی الاعمال۔ بدعت فی العقائد کے اولین مجرم عیسائی ہیں، جنھوں نے حضرت عیسیٰ سے متعلق (قرآنی تعلیمات کو چھوڑ کر) خودساختہ عقائد کو دین کا حصہ بنالیا۔ اور بدعت فی العقائد کے دوسرے موجد خوارج ہیں، جو مرتکب کبیرہ کی تکفیر کرتے تھے۔ خوارج کے بعد معتزلہ آئے، جنھوں نے خبر واحد کی حجیت کا انکار کر دیا۔ اور یہ عقیدہ اپنایا کہ: ''خدا پر اپنے کہے کو پورا کرنا واجب ہے۔'' اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت، قیامت ہیں، جبکہ معتزلہ نے توحید اور عدل کو بنیادی عقائد قرار دے دیا۔ جبکہ روافض نے توحید، عدل، رسالت، امامت اور آخرت کو۔ بعض نے 'رجعت' کا بھی اضافہ کیا۔

(۳) گمراہی اور بدعت کی ابتدا صحابہ کے بعد سے ہے۔

(۴) صحابہ کا درجہ ہم علم و عمل کی وجہ سے نہیں 'صحبت' کی وجہ سے مانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد صحابہ کو نشانہ نہ بنانا۔'' اِس سے معلوم ہوا کہ کچھ بات ہوگی سہی، لیکن جو مرضی ہو تم نے انگلی نہیں اٹھانی۔ لہٰذا صحابہ کے اعمال جو بھی ہوں، اس سے بحث نہیں ہوسکتی۔

(۵) صحابہ کے پیچھے چلنے والے (اتباع کرنے والے) تابعین، اور باقی خارجین۔

(۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی صحابی نے کوئی بات یا کام کیا اور حضور نے خاموشی اختیار فرمائی، نکیر نہیں فرمائی۔ بعد میں اگر کوئی اس معاملے کی وجہ سے اُن صحابی پر اعتراض کرے تو وہ شخص گستاخ رسول ہے۔

(۷) سنت کا لفظ کبھی فرض (واجب) کے مقابل بولا جاتا ہے، کبھی حدیث کے مقابل، کبھی بدعت کے مقابل اور کبھی عقل کے مقابل۔ (دیکھیے: ۴۲۲/۲......۴۴۹/۲......۵۲۲/۲......۵۶۶/۲۔ [ادارہ])

(۸) حدیث علمی جبکہ سنت عملی مرتبہ ہے۔ لہٰذا حدیث جب تک سنت کے درجہ میں نہ آجائے واجب العمل نہیں ہوتی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دو حدیثوں کے علاوہ میری کتاب میں درج تمام احادیث پر کسی نہ کسی کا عمل ہے۔ گویا اہل سنت حدیث کو امت کے عمل کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ جیسے گاڑی پر ہیڈ لائٹس باڈی کے بغیر نہیں لگ سکتیں، اسی طرح اسلام پر امت کی باڈی کے بغیر قرآن وسنت کی ہیڈ لائٹس نہیں لگ سکتیں۔

(۹) سنت نہ کبھی ضعیف ہوتی ہے، نہ مرجوح، نہ منسوخ۔

(۱۰) حضور نے "سنت" پر عمل کرنے والوں کو جنتی فرمایا۔ "علیکم بسنتی" میں بھی سنت کا لفظ ہے نہ کہ حدیث کا۔ (**النکاح من سنتی، من رغب عن سنتی، من أحیاء سنتی، قوم یستنون بغیر سنتی، من لم یعمل بسنتی، أول من یبدل سنتی** وغیرہ احادیث میں بھی سنت کا لفظ ہے۔)

(۱۱) فقہ کا ماننا ضروری ہے، اور یہ اہل بدعت وہویٰ کا راستہ روکنے کے لیے ہے، ورنہ جو چیز قرآن وسنت میں واضح نہیں ہوگی، اس میں ہر ایک اپنی مرضی کرے گا (اور دین کا حلیہ بگڑ جائے گا۔)

(۱۲) ہمیں اپنی تاریخ مستحضر ہونی چاہیے، ہماری نسبت دیوبند سے بعد میں ہے، برصغیر میں ہماری نسبت پہلے شاہ ولی اللہ وغیرہ محدثین دہلی سے ہے۔ علمائے اہل سنت دیوبند محدثین دہلی کے وارث ہیں۔ پہلے درجے کے بزرگ محدثین دہلی ہیں اور دوسرے درجے کے بزرگ محدثین دیوبند۔

(۱۳) ہم چودہ سو سالہ امت کا تسلسل ہیں، ہمارا نام شروع سے "اہل السنۃ والجماعۃ" ہے۔ برصغیر میں ہمیں "امت" سے خارج قرار دینے کی پہلی تحریک سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں چلی، اُن پر الزامات لگا کر امت سے خارج قرار دیا گیا۔

(۱۴) احمد رضا خان صاحب ترکی کی خلافت عثمانیہ کے مخالف جبکہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء حامی تھے، تو احمد رضا خان صاحب کی علمائے دیوبند کے خلاف عقائد سے ہٹ کر سیاسی جنگ تھی۔

(۱۵) ترجمہ قرآن میں حضرت تھانویؒ نے ہر جگہ ادب کیا اور جمع کا صیغہ لائے، جیسے "اور موسیٰ ڈر گئے"۔ جبکہ احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: "اور موسیٰ ڈر گیا"۔ لہٰذا اگر ادب سیکھنا ہے تو علمائے اہل سنت دیوبند سے ملے گا۔

(۱۶) "ناظر" کا لفظ بائبل کا ہے، وہ کہتے تھے: سلیمان علیہ السلام کی دو بیٹیاں حاضر ناظر تھیں۔ حضور نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "شاید میں تمھیں اگلے سال نہ دیکھوں۔" اور اہل بدعت کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ اب تک دیکھ رہے ہیں۔

(۱۷) جس نماز کو چھوڑنے کا اختیار ہو وہ نفل کہلاتی ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل تسلیم کیا جائے تو ساری نمازیں گئیں، (کیونکہ سب میں اختیار مل گیا تو کوئی ایک بھی فرض نہ رہی۔) جب حضور کو نماز چھوڑنے اور قرآن بدلنے کا اختیار نہیں تھا تو ''مختار کل'' کیسے ہو گئے؟

(۱۸) جب آندھی آتی ہے تو سیدھی آنکھوں میں جاتی ہے، (اسی طرح بدعت براہِ راست قرآن وسنت کا حلیہ بگاڑتی ہے۔)

(۱۹) ہم منوں مٹی اُٹھالیتے ہیں، لیکن آنکھیں ایک ذرہ مٹی برداشت نہیں کرسکتیں، ایسے ہی نبوت گناہ کو نہیں برداشت کرسکتی، معلوم ہوا انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔

(۲۰) آپ کے مدرسہ کا نام ''جامعہ مفتاح العلوم'' ہے، مفتاح کا معنی چابی، تو میں آپ کو چابیاں مہیا کر رہا ہوں۔ (دلائل اور طویل ابحاث سمجھنے میں یہ کام آئیں گی۔)

☆......☆......☆......☆

حضرت علامہ صاحبؒ کا سرگودھا میں قیام اور مختلف پروگراموں میں شرکت

جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں اگست ۲۰۰۵ء کے پہلے ہفتہ میں پانچ دن کا ایک یادگار تقابلِ ادیان کورس منعقد ہوا تھا، اس کورس میں ملک کے جید علماء کرام تشریف لائے تھے، حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب، حضرت مولانا محمد عمر قریشی صاحب، حضرت مولانا محمد انور اوکاڑوی صاحب، حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب اور ہمارے ممدوح حضرت العلام علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے درس ارشاد فرمائے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا درس کے لیے مکمل ایک دن تھا، آپ نے تین نشستوں میں رد بدعت پر عظیم لیکچر دیے، بدعت اور اہل بدعت کی تاریخ اور اکابرین علماء اہل سنت دیوبند پر اہل بدعت کے بے جا اعتراضات کا تحقیقی جائزہ پیش فرمایا۔ اہل السنۃ اور اہل بدعت کی علامات، خصوصیات اور اتحاد کے ذرائع کو خوب خوب اجاگر کیا۔ حضرت کے درس میں اور پورے کورس میں جامعہ کے تمام طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ ضلع بھر بلکہ قریبی اضلاع کے بھی علماء، طلباء اور مذہبی احباب کی ایک کثیر تعداد شریک ہوئی۔ حضرتؒ کے کورس کو افادۂ عام کی خاطر ترتیب دیا گیا، اس کے بیشتر حصہ پر حضرت علامہ صاحب قدس اللہ سرّہ نے بنظر غائر نظر ثانی فرمائی، قارئین کی خدمت میں حضرتِ والا کے ان فرمودات سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

اسلامی جسم بدعت کی چھلڑ (پھانس) برداشت نہیں کرسکتا:

''ان میں اور آپ میں فرق کیا ہے کہ آپ مسئلہ بتاتے ہیں جو مسئلہ بتائے گا اسکی نظر اوپر ہوگی کہ یہ مسئلہ کہاں کہاں سے آیا ہے اور جو مسئلہ بنائے گا اسکی نظر حالات پر ہوگی، میں ایک بات آپ کے سامنے واضح کردوں، انسان کا بدن کتنا تندرست وتوانا

کیوں نہ ہو لیکن تھوڑی سی لکڑی جو بالکل باریک سی دروازوں کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے چھلڑ وہ بدن میں لگ گئی، اردو میں کہتے ہیں پھنس گئی، اَب بتایئے بدن اسکو قبول کرے گا؟ برداشت کرے گا یا تڑپے گا؟ اس کی کوشش ہوگی کہ جلدی نکلے، کوئی کہے کہ اتنی باڈی والا تو جوان ہے، اتنی سی لکڑی جو پھنس گئی ہے وہ برداشت نہیں کرسکتا؟ تو وہ کہے گا پھنس گئی ہے، لیکن وہ میرے بدن کا جز نہیں، بدن کا جز ہوتی تو بدن میں پیوست ہو جاتی، وہ بدن کا جز نہیں تو اس لیے اتنی بھی گوارا نہیں ہوسکتی، یہی مثال لے کر میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کا جسم عقل ونقل کے اعتبار سے بڑا قوی وتوانائی میں بھرپور ہے، لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں کہ بدعت کی چھر دل کو اور چھلڑ کو برداشت کر سکے کیونکہ بدعت دین کا جز نہیں، اس لیے دین اسکو قبول نہیں کرتا۔ (دیکھیے: ۱/۱۲۶۔ [ادارہ])

بدعت کا ثبوت:

بدعت کو روکنے والے کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں اور جو بدعت چلانے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس میں حرج کیا ہے؟ اب دو عنوان ہیں جس کسی سے مسئلہ پوچھا جائے اور وہ کہے اس میں حرج کیا ہے؟ تو سمجھ لو یہ ان اہل بدعت میں سے ہے۔ حالانکہ اصول یہ ہے کہ اہل سنت کی ہر بات قرآنی شاہراہ سے ملی آرہی ہو اپنی بتائی ہوئی نہ ہو۔

اختلاف کی حقیقت:

چابی کے طور پر یہ بات یاد رکھیں کہ جو دیوبندی بریلوی اختلاف ہے یہ درحقیقت اختلاف نہیں، اس کی اساس الزامات پر ہے اختلاف پر نہیں، اگر آپ کے ذہن میں یہ بات جگہ پا جائے کہ ساری بات الزامات پر ہے اختلافات پر نہیں تو معاملہ کی تہہ تک پہنچنا آسان ہے۔

اختلاف والزامات میں فرق:

اختلاف اور الزام میں فرق یہ ہے کہ اختلاف یہ ہوتا ہے کہ ایک کہے اور دوسرا مانے۔ اور الزام وہ ہوتا ہے کہ ایک کہے اور دوسرا نہ مانے۔ مثلاً ایک فریق کو الزام دیتا ہے کہ تم تو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہو صحیح بیس ہیں۔ میں اگر کہوں کہ صحیح بیس ہیں اور تم آٹھ پڑھتے ہو تو وہ کیا کہے گا؟ کہ ہاں واقعی ہی ہم آٹھ پڑھتے ہیں یا انکار کرے گا۔ کیا خیال ہے؟ وہ انکار نہیں کرے گا۔ یہ ہے اختلاف۔ ہم بیس پڑھتے ہیں وہ آٹھ۔ یہ ہمارا اُن کے ساتھ اختلاف ہے۔ الزام اسے کہتے ہیں، کہ ایک کہے اور دوسرا نہ مانے۔ ہم پر یہ الزام ہے کہ تم نبی کا درجہ بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہو۔ یہ ہم پر الزام ہے کہ نبی کا درجہ بڑے بھائی کے برابر۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں۔ جو بڑے بھائی کے برابر سمجھے وہ مسلمان نہیں۔ نبی کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے، ہم نے ان کے الزام کو رد کیا۔ جب رد کر دیا تو پھر ان کا کہنا کہ تم نبی کو بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہو یہ اختلاف نہیں الزام ہے۔ یہ اختلاف اور الزام کا اصولی فرق ہے۔

بدعت کی تعریف:

کوئی کام جو دینی نہیں اسکو دین سمجھ کر کیا جائے، وہ بدعت ہے۔ مثلاً ہم مسجد میں یہ پنکھے لگاتے ہیں، یہ ضرورت کے لیے

ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھ کر لگاتے ہیں؟ کسی حدیث میں نہیں کہ حضور نے فرمایا ہو کہ بجلی کے پنکھے لگاؤ۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر گھڑیاں باندھی ہیں؟ کسی کا عقیدہ ہے کہ یہ خدا کے رسول کا حکم ہے گھڑیاں باندھو؟ (نہیں) آپ نے عینک لگائی ہے، تو کہیں ہے کہ اللہ یا رسول نے فرمایا ہو کہ عینک لگاؤ؟ نہیں۔ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ انتظامی طور پر ہم پنکھے بھی لگائیں گے، گھڑیاں بھی باندھیں گے، انتظامی طور پر چیزیں بڑھاتے جائیں۔

بدعت کی تعریف نہیں آتی:

ہاں اگر ان کو دین کا مسئلہ سمجھیں کہ یہ دین کا حکم ہے، تو پھر ضروری ہے کہ کتاب وسنت میں اس کی اصل موجود ہو، تب کہہ سکتے ہیں کہ بھائی جو مسئلہ پہلے نہیں تھا، اَب گھڑ لیا ہے، وہ بدعت ہے۔ وہ مغالطہ دیتے ہیں، اچھا گھڑیاں پہلے تھیں؟ یہ عینکیں پہلے تھیں؟ یہ بجلی کے پنکھے پہلے تھے؟ یہ مائیکروفون تھے؟ یہ مسجدوں میں کارپٹ تھے؟ جب یہ چیزیں پہلے نہیں تھیں اور اب ہیں، یہ کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں: وہ ہیں مسئلے، یہ ہیں چیزیں، کجا چیزیں کجا مسئلے۔

ہمارا اِختلاف بھی یہی ہے کہ چیزیں نئی بنائیں جائز ہے، مسئلے نئے بنائیں یہ جائز نہیں ہے۔

ہم اندھیرے کی پیداوار نہیں:

ہم علمائے اہل سنت دیوبند کے خدام کوئی اندھیرے کی پیداوار نہیں۔ ہم نے علی وجہ البصیرت اسی کو ہی وہ لائن سمجھا جو اہل السنۃ والجماعۃ کی پہلے سے لائن چلی آرہی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کسی مکتب فکر کا بانی نہیں وہ ایک مدرسہ ہے اور مسلک وہی ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے، ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ سب کہہ دو ''اہل السنۃ والجماعۃ''

ہمارا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ کرام سے چلا تھا، ہم اسی لائن پر ہیں اور انبیاء اور علماء کے بارے میں ہمارا اِعتقاد یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں روضے کے اندر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر جس مٹی کو چھو رہا ہے اس مٹی کا درجہ بھی عرش معلیٰ سے زیادہ ہے، اس لئے کہ عرش معلیٰ نہ تو خدا کا مکان ہے اور نہ ہی خدا اُس میں ہے، لیکن مدینہ منورہ کا روضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مکین ہیں، مکین گنبد خضرا کی شان اپنی جگہ، لیکن مکین ہیں، یہ ان کا مکان ہے۔ اور اللہ کی ذات مکان سے بالاتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کے محافظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ہمارے عقیدہ کی اساس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور یہ دین صحابہ سے چلتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کی وضاحت کہ ہمارے عقیدہ کی بناء صحابہ ہیں۔ یہ بات آپ اپنے حساب سے کرلیں کہ دین کی نسبت کدھر ہوتی ہے؟ پیغمبر علیہ السلام کی طرف، حضور ﷺ نے کافروں کو خطاب کر کے فرمایا: **یا ایھا الکافرون** ،اے کافرو۔ **لکم دینکم ولی دین** تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔ تو آپ بتائیں **ولی دین** میں دین کی نسبت کس کی طرف ہے؟ اپنی طرف۔ تو جب تک دین مکمل ہوتا رہا، دین کی نسبت

پیغمبر کی طرف ہوئی، لیکن جب دین مکمل ہوگیا تو اللہ نے اس کی نسبت نبی کی طرف کرنے کے بجائے صحابہ کی طرف کر دی اور ان کو کہا: **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا.** اللہ نے ان کو مخاطب کیا، انھیں کیوں مخاطب کیا؟ اِس لیے کہ دین چلا تو حضور سے ہے، لیکن اب آئندہ صحابہ کے ناموں سے چلے گا، اگر صحابہ کے ناموں پر نہ چلنا ہوتا تو انکو یوں نہ کہا جاتا: **الیوم اکملت لکم دینکم.** اب نسبت صحابہ سے چلے گی، تو جو لوگ صحابہ کی جماعت میں ہیں وہ کون ہیں؟ وہ ہم ہیں۔ ہم لوگ اُس دین پر ہیں جو حضور ﷺ نے دیا، فرمایا: ما انا علیہ واصحابی۔ ہم اُسی لائن پر ہیں۔

ہمارا مذہب طے شدہ ہے:

ہمارا مذہب طے شدہ ہے، ہمارا مذہب کتابوں میں طے ہے، کوئی اتفاق کرے یا اختلاف، مانے یا نہ مانے، لیکن اتنا تو مانے کہ ہمارا مذہب طے شدہ ہے۔

کئی دوست ہم سے پوچھتے ہیں کہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ میں کہا کرتا ہوں ہمارا عقیدہ طے شدہ کتابوں میں ہے جو کتابوں میں آیا ہے اور جو تم کہتے ہو وہ ہم نے کہیں نہیں دیکھا، کسی کتاب میں یہ طے شدہ نہیں۔ جو بھی اس کے لئے اٹھیں گے وہ نئے استدلال تو کریں گے، نئے سرے سے قرآن کی آیتیں پڑھیں گے، نئے سرے سے حدیثیں پڑھیں گے لیکن طے شدہ مذہب کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو دین چلا، ائمہ مجتہدین سے جو چلا، امام ابوحنیفہ سے چلا، اسی طے شدہ مذہب میں جو چیزیں موجود ہیں، وہ چیزیں لکھی ہوئی ہیں، وہ ایک ہی ہیں، ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کوئی اختلاف نہیں، اگر آپ اس طے شدہ چیز کو تلاش کر لیں تو ان شاء اللہ یہ مسئلہ بھی کوئی اختلافی نہیں رہے گا۔

اگر وہ پوچھیں ہم طے شدہ پر کیوں آئیں؟ اس کا جواب یہ ہے تاکہ ہم ''جماعت'' رہیں، ''فرقہ'' نہ بنیں، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی یادداشت میں برکت عطا فرمائے جنہوں نے میری باتیں سنیں اور سمجھنے کی کوشش کی، اللہ تبارک وتعالیٰ انکو یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اگر آپ نے ان باتوں کو منضبط کرلیا ہے تو یہ ساری زندگی کا تحفہ ہے، اسی مسئلے پر میں اگر دلائل دینے کی کوشش کرتا تو دلائل کبھی بھی ختم نہ ہوتے، لیکن میں نے کوشش کی کہ جامعہ مفتاح العلوم کے طلبہ کو میں علم کی ایک مفتاح دے دوں، علم کی یہاں پہ کوئی کمی نہیں، آپ کے ذوق میں کوئی کمی نہیں، آپ کے شوق میں کوئی کمی نہیں، جو اساتذہ پڑھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے اور جس پاک نبی سے ہمیں یہ دین ملا ان پر کروڑوں درود و سلام ہوں صلی اللہ علیہ وسلم''۔

☆......☆......☆......☆

المرسل: مولانا لطیف الرحمٰن، بہاول پور

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ نسبت حسینی کا کامل نمونہ تھے

جامعہ سیدنا اسعد بن زرارہؓ بہاولپور میں ’’شیخ الاسلام سیمینار‘‘ [۶/مارچ ۲۰۰۵ء] سے خطاب

واجب الاحترام حضرات علمائے کرام اور یہ جم غفیر! آج اس نادرۂ روزگار ہستی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے سب جمع ہیں کہ جن کے جذبات اور روایات کی روشنی میں مَیں بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ مجتہد لوگ مر نہیں سکتے، وہ فقط راستے بدلتے ہیں۔ جن کے نقشِ قدم پہ صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں۔ آج حضرت شیخ الاسلامؒ ہم میں موجود نہیں، لیکن زندگی کے جو نقوش انہوں نے چھوڑے ان کے ’’نقش پا‘‘ کی روشنی میں اس عظیم ہستی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے پورے ملک کے دُور ودَراز سے اور اطراف واکناف سے آج اہلِ حق کے قافلے چلے آئے ہیں۔ میں آپ حضرات کے سامنے اس مختصر وقت میں کوئی زیادہ لمبی بات نہیں کرنا چاہتا، ہر آنے والے بزرگ اور دوست کو زیادہ سے زیادہ موقع دینا چاہیے۔ تاہم یہاں بہت سے لوگ سامعین میں وہ بھی ہیں جنہیں دار العلوم یا اس کے قریب جانے اور ان حضرات کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ہم اس عظیم اجتماع کے موقع پر اُس پیغام کو نظر انداز نہیں کر سکتے جس پیغام کے حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے وقت میں اپنے اسلاف کے برابر کے ترجمان تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حکومت بدلتی ہے اور بدیشی حکومت آتی ہے، جس طرح کہ انگریز ہندوستان میں آئے اور ہندوستان میں متمدن آبادی اُن اہل علم کی تھی جو کہ بحمد اللہ تعالیٰ سب مسلمان تھے تو انگریزوں نے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی سیاست کا رخ اس طرف رکھا کہ اسلام کا تصور یہاں کے مسلمانوں کے ذہنوں سے بدل دیا جائے اور وہ اسلام نہ رہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا اسلام تھا انہوں نے دنیوی تعلیم عنوان سے یا نیچری عنوان سے یا معتزلہ کے عنوان سے سر سید احمد خان وغیرہ کی تحریکات شروع کیں (یہاں تک) کہ پرانے اسلام کا تحفظ، حضور والے اسلام کا تحفظ کرنا بڑا مشکل ہو گیا۔ جب اقتدار تحریفات کا ساتھ دے رہا ہو، نئے انقلابی دعووں کا ساتھ دے رہا ہو تو اس وقت اسلام کو سنبھالنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ جس وقت انگریز اور ان کے نمائندگان یہاں اسلام کی صورت کو بدلنا چاہتے تھے تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے دار العلوم دیوبند سے وہ کام لیا کہ جن کی پوری تاریخ آج شیخ الاسلامؒ کے نام سے آپ کے سامنے آرہی ہے۔ دار العلوم دیوبند کی تحریک اس وقت اس عنوان سے تھی کہ حالات کچھ بھی ہوں۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اِک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ تبدّل سے کوئی چارہ

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

آج کچھ بھی ہو ہم اپنے اسی اسلام کا تحفظ کریں گے اور اس کے لیے محنت کریں گے۔ تو دارالعلوم دیوبند نے وہ نقش قائم کیا کہ اس کے ساتھ ہی پورے ملک میں مدارس کا جال پھیل گیا۔ ہمارے ان بزرگوں کی یہ کوشش تھی کہ اسلام وہی رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ہم تک چلا آیا۔ میں اس کی وضاحت میں یہ عرض کرونگا کہ Islam in not a man made religion or message اسلام ایسا دین نہیں جو اپنا بنایا ہوا ہو۔ یہ اوپر سے آیا ہے، جو اسلام اوپر سے آئے، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آئے، روایات سے آئے، اس کو کہتے ہیں ''موروثی اسلام'' یعنی جو وراثت میں آیا ہو۔ اور جو اسلام خود بنایا جائے، اسے کہا جاسکتا ہے ''مصنوعی اسلام''۔ جو اپنے خیالات کے لیے، اپنی ضروریات کے لیے، اپنے جذبات کے لیے، اسلام کو نئی نئی شکلیں دی جائیں وہ ہے مصنوعی اسلام۔

اب ہمیں آج حضرت شیخ الاسلامؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ اقرار کرنا ہے کہ ہم اس اسلام کے حامی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس اسلام پر قائم رہنے کی استدعا کرتے ہیں جو اسلام وراثت میں آیا ہے، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آیا ہے، صحابہؓ اور ائمہ کی طرف سے آیا ہے۔ ہم اسلام میں کسی ترمیم کو، کسی اور خیال کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

جب پورے ہندوستان میں انگریز کی حمایت میں مختلف تحریکیں چل رہی تھیں، میں اِس وقت اُن کا تذکرہ یا نام لینا نہیں چاہتا، مختصر بات کرتا ہوں، سب نے اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے خیالات پیش کیے، دارالعلوم دیوبند وہ مرکز ہے جہاں کے اکابر نے اپنے اپنے خیالات پیش نہیں کیے، اوپر سے روایات لیں اور اسی دین کو آگے پہنچایا۔

لاہور کا مشہور صحافی مولانا ظفر علی خان جب علمائے اہل سنت دیوبند کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے تو حضرت مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام جس طرح سے اس نے لیا ہے، یہ موروثی اسلام کا لفظ میں نے اسی کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کیا، اُس نے تمام اکابر کو خراج تحسین پیش کیا تو کہا کہ یہ اکابر دیوبند ہر دور میں اور ہر ضرورت کے وقت کفر کے مقابلے میں اس طرح آئے کہ کفر کو اپنی ساری غربت اور بے کسی کے باوجود ہلا کے رکھ دیا۔ وہ کہتے ہیں: علمائے اہل سنت دیوبند وہ اکابر تھے

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پہ رقص کرتا ہے سپند
گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج
جن سے ہے پرچم روایاتِ سلف کا سربلند

یعنی یہ وہ ہستی ہے اور یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے دین کو اپنی طرف سے کوئی نئی ترتیب نہیں دی، کوئی نئی شکل نہیں دی، کوئی تحریف نہیں کی، بلکہ روایاتِ سلف کا ہی پرچم سربلند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند سے نسبت رکھنے والے جتنے اداروں میں بھی دین کی تعلیم دی جاتی ہے، آخر میں دورہ حدیث ہوتا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ ہمارا دین اپنا خود ساختہ نہیں، ہم اپنے حالات پر اپنے دین کو نئی شکل نہیں دیتے، بلکہ آخر میں تمام مدارس پر، دین کے تمام تصورات پر دورۂ حدیث حکومت کرتا ہے۔ جس طرح ہم اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ کے حضور میں اپنا اقرار کرتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا ہم اپنے اکابر کی اتباع میں رسالت کا بھی اس شان کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کسی نے کہا تھا کہ ؎

تیری معراج کہ تو عرش و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

ہمارے مدارس کے دورۂ حدیث کی درسگاہوں کی، دیوبند کی، آخری پکار یہی ہے کہ دین وہ ہے جو اوپر سے آیا ہو، دین وہ نہیں جو ہم خود بنائیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ کی شان دیکھیے کہ صحابہ کرامؓ سے جو دین آگے چلا اور وہ جو نسبتیں قائم ہوئیں، ہم اسی پہ چلتے رہے۔ دیوبند کی بنیاد جب رکھی جارہی تھی تو نسبتِ صدیقی کام کررہی تھی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں، تو نسبتِ صدیقی کام کررہی تھی اور جس طرح صدیق اکبرؓ حضور کے بعد نظام کو چلانے میں اول، (اسی طرح) مدارس کی بناء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے (اُن کی اولاد میں سے) اِس اولین شخصیت کو اول درجہ دیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ذریعہ دیوبند کو صدیقی نسبت ملی۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے ذریعہ فاروقی نسبت ملی۔ حضرت شیخ الہند محمود حسن کے ذریعہ عثمانی نسبت ملی اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی قربانی کے حالات کو اور قربانی کی جزئیات کو دیکھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حسینی نسبت ملی، (یہ حضرات، حضرت) علی کی اولاد میں (سے) ہیں، ان کو حسینی نسبت ملی ؎

شہادت کیا ہے؟ اک ورثہ محمدؐ کے گھرانے کا
بنا عنوان چاہے حق و باطل کے فسانے کا
شہید ِ عشق ہی واقف ہے اسرارِ محبت سے
وگرنہ کس کو آتا ہے سلیقہ سر کٹانے کا

قربانی دینے میں، سر کٹانے میں اور کفن ساتھ رکھنے کر عدالتوں میں پیش کرنے میں جو تاریخ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، وہ پورے ملک کو اتنا تازہ کرگئی کہ آج حضرت کو جدا ہوئے ہم سے کئی سال ہوچکے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح رواں جو ہے وہ ابھی تک جسموں میں موجود ہے، مدارس میں موجود ہے، اشخاص میں موجود ہے، ان

کے شاگردوں میں موجود ہے، ان کی تحریروں میں موجود ہے، تو ہم جب کہتے ہیں آخری دور میں ہمارے مسلک کے لوگوں کو یکجا رکھنے میں حضرت کی جو توجہ تھی اور جو کردار تھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔(دیکھیے: ۲/۷۷۴۔[ادارہ])

مجھے ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آ گیا، ایک دفعہ میں ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی مجلس میں بیٹھا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ میں جب دورے سے فارغ ہوا تو میں نے جالندھر آ کر صرف ایک سال دورہ پڑھایا، آئندہ کے لیے بڑے بڑے شہروں یعنی جالندھر میں، امرتسر میں، لدھیانہ میں، ہوشیار پور میں بڑی بڑی جگہوں میں یہی فیصلے ہوئے کہ جہاں بڑے بڑے چوٹی کے علماء موجود ہیں، وہ دیوبند کے احترام میں دورۂ حدیث شروع نہ کریں، کتابیں ساری پڑھاتے لیکن دورۂ حدیث کی باری آتی تو مولانا حسین احمد مدنیؒ کے قدموں میں جگہ پاتے۔اَب اِس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتؒ کی شخصیت وہ تھی کہ جن کے دم قدم سے اور جن کی توجہ سے پورے مسلک کو تحفظ اور وحدت حاصل تھی، جب تک وہ رہے ہم میں پورا اتحاد رہا، پورا تعاون رہا، اور اپنے مرکز کو مرکز سمجھتے رہے، لیکن اُن کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا۔

بزرگان محترم سامعین عزیزو، دوستو اور بھائیو!

بزرگوں کی خدمت میں خراج تحسین ادا کرنا اسی پیرائے میں ہے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اپنی جگہ اتحاد اور حق کا ایک عظیم معیار تھی۔تو میں تھوڑی سی توجہ اِس طرف دلاتا ہوں کہ بعض حلقوں میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دین کتاب وسنت کا نام ہے، ہم بھی کہتے ہیں کہ دین کتاب وسنت کا نام ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا کہ میں اپنے بعد یہی چھوڑ رہا ہوں۔لیکن کتاب وسنت، کبھی خود بھی بولے ہیں؟ نہیں! کچھ رجال ہیں، کچھ مردان خدا ہیں، جو پیدا ہوتے ہیں، جن کے ذریعے کتاب وسنت کو بلندی ملتی ہے اور کتاب وسنت کو اونچا کیا جاتا ہے۔کبھی کتاب وسنت ان مردانِ غازی اور مردانِ اسلام کے ذریعے بولتے ہیں، قرآن بولتا ہے، سنت بولتی ہے۔تاریخ نے کبھی ہمیں اس بات کی تلقین نہیں کی کہ تم کتابوں سے دین حاصل کرو، کتاب وسنت ہمارے مرکز ہیں۔لیکن جب بھی کتاب وسنت کو اٹھایا جائے گا، مردان خدا کے ذریعے اٹھایا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، صحابہ کو مخاطب کر کے کہا کہ کتاب وسنت اسلام کی ہیڈ لائٹس (Head Lights) ہیں، لیکن ان کے وارث اے میرے صحابہ اب تم ہو، کتاب وسنت بے وارث نہیں، تم میں چھوڑ کے چلا ہوں، تم اس کے محافظ ہو، تم نے اس کے گرد پہرا دینا ہے۔صحابہؓ پہرا دیتے رہے، دین ہم تک پہنچا، تو دین جب بھی نام ہے کتاب وسنت کا، نام ہے علوم کا، لیکن اس علم کے لیے ہمیشہ رجال کھڑے ہوتے ہیں، مردان خدا کھڑے ہوتے ہیں اور اس آخری دور میں علماء اہل سنت دیوبند اس کے لیے کھڑے ہوئے اور اِس دور میں ہم آج حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین ادا کر رہے ہیں تو اسی لیے کہ وہ انہی مردانِ خدا اور رجال میں سے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک مقام پر خطبہ دے رہے تھے، فرمایا: کہ قرآن جو تمہارے ہاتھوں میں ہے جس کو میں پڑھ رہا ہوں یہ صامت ہے، اس کی طرف سے جب بھی بولیں گے، رجال بولیں گے۔ کتابیں خود نہیں بولتیں، ان کی طرف سے رجال بولتے ہیں، جب تک ان رجال کا احترام، ان کا وقار، ان کی عزت کا تحفظ اور ان کے لیے محنت نہ ہو کتابوں کی علمی صدائیں امت کو سنبھال نہیں سکتیں، امت کو جب بھی سنبھالا ہے، انہیں مردان خدا نے سنبھالا ہے۔

ان جذبات کے ساتھ ہم اپنے ان اکابر کی خدمات کا پورا اعتراف کرتے ہیں اور

نام نیک رفتگان ضائع مکن

تا بماند نام نیک برقرار

جو لوگ نیکی کے ساتھ جا چکے، ان کے نام کو ضائع نہ کرو، تمہارا نام بھی باقی رہے گا۔ اور اگر تم نے پچھلوں کے نام کو ضائع کیا تو تمہارا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

انہیں کلمات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور انتظامیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہاں حاضر ہو کر چند منٹ باتیں کرنے کا موقع دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ ان بزرگوں کے ارواح قدسیہ کے صدقہ مسلمانانِ عالم پر رحم فرمائے اور مسلمان اِس وقت جن حالات سے گزر رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان بزرگوں کے صدقے ملتِ اسلامیہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ **وما علینا الا البلاغ** [مقالات شیخ الاسلام سیمینار: ۸۴ تا ۸۹]

☆......☆......☆......☆

اِس دور کے طحاوی

جامعہ خیر المدارس ملتان میں ''اجتماع بیاد مولانا امین صفدر اوکاڑوی ؒ'' سے خطاب

بعد از خطبہ مسنونہ اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، وبشر الصابرین، الذین اذا صابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرات علماء کرام، واجب الاحترام، بزرگان قوم، عزیز طالب علمو اور بھائیو! آج صرف خیر المدارس ملتان ہی نہیں، پورے پاکستان اور ہندوستان میں مولانا اوکاڑوی (مرحوم) کی جدائی پر ہر آنکھ اشک بار ہے۔

ع مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا

آج اس سانحہ کا سامنا ہم ہی نہیں کر رہے بلکہ ہمارا پورا مسلک جہاں جہاں بھی ہے مولانا ؒ کی خدمت کو خراجِ تحسین ادا کر رہا ہے۔ اور رمی راہ کے دل کا حسن انہوں نے اپنے دل کی دھڑکنوں سے چنا۔ آج ان راستوں پر چلنے اور ان کے نقش پا سے زندگی کے چراغِ روشن کرنے کے لیے ہم مختلف مقامات پر جمع ہیں۔

یاد رکھیے! یہ اجتماع اور جلسے تعزیتی نہیں بلکہ ''تجدید عہد'' کے جلسے ہیں کہ جس نقش پاک کو انہوں نے چھوڑا، ہم ان کو باقی رکھیں گے۔ تعزیت تین دن کے بعد نہیں ہوتی۔ نہ ہی صحابہ ؓ کے عہد میں تعزیت کے لئے اجتماعات کرنے کا اہتمام تھا، اور وہ مرد حق جس نے اپنی پوری عمر بدعات کی مخالفت میں گزاری آج ان کے پروگرام کو ''تجدید وفا'' کے طور پر کہ ہم اس لائن کے وفادار رہیں گے اور ہم ان دینی مراکز و دینی اجتماعات میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ اس لائن (مشن) کو نہیں چھوڑیں گے۔ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے حضور ﷺ کی وفات پر حالانکہ تین دن کے اندر کی بات تھی، تعزیت بھی ہو سکتی تھی، آپ ؓ نے پہلے فرمایا: ''**من کان یعبداللہ فان حیّ لا یموت، و من کان یعبد محمدا فان محمداً قدمات.**'' تو **حیّ لا یموت** کے اقرار کے بعد یہ کہنا مقصود ہے کہ ہم آئندہ اس لائن کو جاری رکھیں گے اور باقی رکھیں گے، جس خدا کا پیغام حضور ﷺ نے دیا تھا، وہ خدا اَب بھی زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہ آئے گی۔

و اِنَّ اللّٰہَ حیٌّ لَایَمُوتُ میں پیغام تجدید وفا ہے کہ آئندہ بھی اسی لائن پر چلیں گے۔ تو آپ ؓ نے ''تجدید وفا'' کے پیغام کو تعزیت پر بھی مقدم رکھا۔ لہٰذا اَب یہ تعزیتی جلسے نہیں۔ زمانہ بہت کو رویا اور بہت کو روئے گا

ڈھونڈا تھا آسماں نے جنھیں خاک چھان کر وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے

ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ مولانا محمد امین صفدر ؒ نے اپنی پوری زندگی اُس پیغام کے لئے وقف فرما دی جس

پیغام کو عام علماء نے مصالح کے پردے میں لپیٹا ہوا ہے۔ کتنے خطیب اور مدرس ہوں گے جو اپنے وقت میں رسمی پیغامات اور رسمی خطبہ پر اکتفا کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کہیں اپنا امتیازی پہلو بیان کرنے میں کوئی ناراض نہ ہو جائے، لیکن مولانا مرحوم نے ساری دنیا کی ناراضگی کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اس طرح میدان میں آئے کہ کہنا پڑتا ہے کہ ''دین کو واقعی انہوں نے امانت سمجھا اور اس امانت کو ادا کر کے چلے گئے اور دنیا آج بھی اس امین کو یاد کر رہی ہے۔''

ہمارے جو احناف بھائی حنفیت کے نام پر زیادہ چونکتے ہیں اُن سے کہتا ہوں خاص طور پر حدیث کے طالب علم جانتے ہیں کہ ہمارے مسلک کا پہلے بڑے وکیل امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ بھی اپنے حلقے کے نہیں تھے، بلکہ ''باہر'' سے آئے تھے۔

لطیفہ:

ایک طالب علم تھا اور طالب علموں کا کام ہوتا ہے ٹیڑھا سوال کرنا، اس نے ایک دفعہ ٹیڑھا سوال کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ علم کے کتنے بڑے پہاڑ تھے، لیکن جب امام شافعیؒ ان کی شاگردی میں آئے تو وہ (امام محمدؒ) اپنے شاگرد امام شافعیؒ کو مطمئن نہ کر سکے، ورنہ امام شافعیؒ بھی دوسرا محمدؒ ہوتا۔ (امام شافعی کا نام ''محمد'' بن ادریس شافعی ہے۔) استاذ نے کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ اپنے شاگرد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں مطمئن نہ کر سکے؟ جو جواب تم دو گے وہی میرا جواب ہوگا۔ امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ ہیں، ان کے بھانجے تھے، امام طحاویؒ جو ان کے شاگرد ہیں۔ استاذ (امام شافعی) اور شاگرد (امام مزنی) دونوں شافعی المسلک تھے، لیکن امام طحاویؒ نے اس لائن کو چھوڑ کر اچانک ایسی چھلانگ لگائی کہ احناف کے پورے وکیل بن گئے۔ مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کی پرورش بھی غیر مقلدین نے کی، حضرتؒ نے بھی ایسی چھلانگ لگائی کہ اِس وقت کے ''طحاوی'' بن گئے۔ (یہ اللہ کی دین ہے)

آپ کبھی ان لوگوں پر غور کریں کہ جو دوسری صفوں سے آئے اور اپنی صف کو چار چاند لگا دیئے۔ ابھی میں (جامع مسجد شہداء ''الخیر'' ممتاز آباد) میں یہ تذکرہ کر رہا تھا کہ لاہور میں ایک جگہ کسی نے کہا اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں نے کہا کبھی مل بھی جاتی ہے ذرا غور کرو تو جیسے مولانا لال حسین اختر قادیانیت سے (رجوع و توبہ کر کے) آئے اور ختم نبوت کے پلیٹ فارم کو ایسے چاند لگا گئے کہ اپنے وقت میں انہی کا سکہ چلتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ اس دین کا اللہ تعالیٰ خود محافظ ہے، جب بھی دین کی حفاظت کی ضرورت پڑی تو ہر طبقے سے، ہر ضرورت کے مطابق یہ دین خود کھینچتا ہے کیونکہ اس کا محافظ خود اللہ ہے۔ (سبحان اللہ)

اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے پہلے ہمیں ''جانے والوں پر صبر'' کرنے کی تعلیم دی اور فرمایا کہ صبر کرو، بلکہ صابرین کو بشارت دی **بشر الصابرین** کہ صابرین کو بشارت دے دو۔ **الذین اذا صابتھم مصیبۃ** کہ ان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے **قالوا** تو وہ کہتے ہیں: **انا للہ** (یہ ایک بات ہے) کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں، یہاں لام تملیک کے لئے ہے، یعنی ہم سب کا مالک ایک اللہ ہے۔ جب ہم نے زبان سے کہا انا للہ کہ ہم سب کا مالک اللہ ہے اور ہم اُس کے بندے ہیں تو مالک کو حق ہے کہ وہ اپنی مملوک چیز کو جہاں چاہے لے لے۔

مثال:

جیسے میں عارضی طور پر اپنے رومال کا مالک ہوں، اب اگر میں اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دوں تو کوئی بھی سوال نہیں کرے گا کہ یہاں سے وہاں کیوں رکھا؟ اس لئے کہ مالک کو حق ہے کہ وہ اپنی چیز کو جہاں چاہے رکھ دے اور مومنین پر جب بھی کوئی مصیبت، جدائی اور موت آتی ہے تو وہ اپنے عقیدے کا اعلان کرتا ہے انا للہ کہ ہم تو اللہ کی ملکیت میں ہیں، اُس کی مرضی کے چاہے یہاں (دنیا میں) رکھے یا وہاں (آخرت میں)۔

مولانا محمد امینؒ پہلے یہاں تھے، اب وہاں ہیں۔ وہ اپنے خیمے جنت میں لگا چکے۔ تو اللہ کے دونوں فیصلوں پر ہم راضی ہیں اور اعلان کرتے ہیں **انا للہ** کہ ہم سب اللہ کے ہیں۔ وہ جہاں چاہے لے جائے۔ فرشتوں میں سے کوئی غیر مقلد نہیں ہے، بس مولاناؒ کو بھی اللہ وہاں لے گئے، اس لئے نہیں کہ فرشتوں میں کچھ غیر مقلد ہو گئے تھے اور مولانا ان کو ٹھیک کرنے گئے ہیں (یہ نہیں ہے) اس لئے کہ فرشتوں میں غیر مقلدیت ہے ہی نہیں۔ مولانا وہاں غیر مقلدین کی اصلاح کے لئے نہیں پہنچے، بلکہ اس لئے وہاں پہنچے کہ یہاں (دنیا میں) وہ اپنا ''نصاب وفا'' پورا کر چکے تھے۔ نصاب وفاء حیات وہ یہاں پا چکے تھے، کسی کی شمع حیات سے وہ بھی شمع ہو گئے۔ جب شمع پر صبح ہو جائے تو پھر اسے بجھنا ہی ہوتا ہے۔

ہمارے سامنے مولانا تھے، ان کی داڑھی سیاہ تھی۔ ہمارے سامنے ہی سفید ہوئی، جب داڑھی سفید ہو رہی تھی تو میں سوچتا تھا کہ صبح کے وقت یہی موتی شمع بن کر چمکے گا۔

اس کی شمع حیات جب کہ صبح کو ٹمٹما رہی تھی ہزار روغن میں ڈالتا تھا مگر وہ بجھتی ہی جا رہی تھی

اس چراغ میں کتنا ہی تیل ڈالا جائے جس کا وقت آ گیا تو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس کی شمع حیات جب کہ صبح کو ٹمٹما رہی تھی ہزار روغن مَیں ڈالتا تھا مگر وہ بجھتی ہی جا رہی تھی

قضا کا دستِ جفا کنندہ بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا وہ جا رہے تھے، میں رو رہا تھا، قضا کھڑی مسکرا رہی تھی

قضاء نے اور کارکنان لوح و قدر نے ایسے ایک نہیں ہزاروں منظر دیکھے، دنیا سے کون کون اٹھے؟ کارکنان قضاء و قدر نے ہزاروں ایسے منظر دیکھے، ہمارے جب زخم تازہ ہوتے ہیں تو ہم یاد کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

دوستو، بھائیو اور بزرگو! اپنا عقیدہ یاد رکھو، عقیدہ کیا ہے؟ وہ ہے **انا للہ** کہ ہم خدا کے ہیں۔ انا للہ (جمع کا لفظ) فرمایا، **انی للہ** نہیں فرمایا، اس میں اپنے علاوہ اوروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہم سے پہلے چلے گئے ہیں، اس لئے کہ یہ اجتماعی فکر کا عقیدہ ہے کہ ہم سب اللہ کے ہیں، لیکن اللہ کے تو ہیں ہی، پھر بھی ہیں تو انسان اور انسان کا دل سانحات پر دکھتا ہے، جدائی پر رنجیدہ ہوتا ہے، موتوں کے زخم لگتے ہیں، ہیں تو اللہ ہی کے مگر ہیں تو انسان! تو جدائی پر آنکھیں بھی استعمال ہوتی ہیں، دل بھی دھڑکتا ہے، غم تو ہوتا ہی ہے تاہم فرمایا کہ غم نہ کرو، ہم پھر آپ کو ملا دیں گے، لیکن ملنا اس طرح نہیں ہوگا کہ ملنے والا (واپس) یہاں آ جائے گا بلکہ **وانا الیہ راجعون** کہ ہم نے ہی وہاں جانا ہے۔ تو اس دوسرے جملہ میں تسلی دی گئی کہ ہم تم سب کو ملا دیں گے، البتہ ملانے کا

طریقہ یہ ہوگا کہ جانے والے نے نہیں آنا، وہ اپنا وقت پورا کر چکا، اب ہم ہی وہاں جائیں گے۔

شیعہ کا عقیدہ رجعت غلط ہے:

یہ عقیدہ کہ جانے والے نے واپس آنا ہے، اس عقیدے کو کہتے ہیں ''عقیدۂ رجعت'' اور یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہے، لہٰذا جو چلا گیا تو اس کو ملنے کے لئے ''**انا الیہ راجعون**'' ہے۔

شیعہ کا جو یہ عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے چند خواص و چند عوام نے پھر اسی جہاں (دنیا) میں واپس آنا ہے، اس کو کہتے ہیں ''عقیدہ رجعت''۔ یہ ہمارے عقیدے کے بالکل خلاف عقیدہ ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ بالکل نہیں ہے۔ مستقل طور پر ان کی عقائد کی کتابوں مثلاً شرح تذریج وغیرہ میں عقیدہ رجعت برابر آخرت کے مقابلے میں گھڑا گیا ہے۔ توحید کے مقابلہ میں ''عدل'' رسالت کے مقابلہ میں ''امامت''، آخرت کے مقابلہ میں ''رجعت'' (ان کا عقیدہ ہے)۔ ہمارے بنیادی عقائد بھی تین ہیں (۱) توحید، (۲) رسالت (۳) آخرت۔ شیعوں کے بنیادی عقیدے چھ ہیں (۱) توحید، (۲) عدل (۳) رسالت (۴) امامت (۵) آخرت (۶) رجعت۔ **التوحید والعدل والرسالة والامامة والاخرة والرجعة.**

اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ نے ہمیں تعلیم دی کہ صابرین کو جمع کر وا اور وہ کہتے ہیں **انا للہ وانا الیہ راجعون** ۔ ان دو جملوں کے کہنے سے دل کو کچھ صبر آتا ہے۔ ہاں آج اپنے جس ساتھی اور بزرگ کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں اور تجدید وفا کر رہے ہیں اس کے مشن کو باقی رکھیں گے۔ ان شاء اللہ

میں جب پاکستان میں رہتا تھا، اس وقت مولانا مرحوم ابھی اس میدان میں نہیں آئے تھے، تو غیر مقلدین کے میدان میں اس وقت ہم لوگ کام کر رہے تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ آخری ایام میں ان کے مسائل کے حل کے لئے ایک تو اس عاجز کا نام لیتے تھے اور ایک حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر زید مجدہ کا۔ میں انگلینڈ چلا گیا اور جب واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ الحمد للہ مولانا اوکاڑویؒ نکلے اور اس عالم میں ایسا چھا گئے کہ بس اس میدان کو سنبھال لیا۔ تو مجھے اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اب مجھے پاکستان سے جانے کا غم نہ رہا۔ لیکن مولانا کی وفات کی خبر میں نے انگلینڈ میں سنی تو بے ساختہ کہا کہ ہمیں تو یہ امید تھی کہ یہ سلسلہ ''فقہ حنفی کی خدمات'' کا جو حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے چلا اور خاص طور پر پنجاب میں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ایسی لائن میں کچھ کام کرنے کا موقع دیا۔ اب مولانا امینؒ نے اس کو سنبھال لیا ہے، وہ اس لائن کو چلائیں گے، لیکن وہ دن بھی ہم نے دیکھا کہ (آج) ان کے لئے ''تجدید وفا'' کے جلسہ میں ہم حاضر ہو رہے ہیں۔ تو میں نے ذرا تصرف کے ساتھ کہا کہ

قد کنت ارجوا ان تکون خلیفتی

لکن رحلت الی الجنان بسرعة

کہ ہم تو امید باندھے ہوئے تھے کہ آپ کو لے کر آگے چلیں گے، لیکن اس نے جنت کی طرف قدم بڑھانے میں جلدی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (جلدی) صرف آپ نہیں کر رہے تھے بلکہ جنت خود کھینچ رہی تھی۔ مولانا محمد امینؒ ان لوگوں میں سے تھے کہ

جنت ان کا استقبال کرتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے طالب علم مشکوٰۃ شریف کے بالکل آخری صفحہ پر ایک حدیث کو سامنے رکھیں۔ فرمایا نبی پاک ﷺ نے: کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے اس امت میں کہ **لهم اجور مثل اجور اولهم** کہ ان کو **اُجُور** یا اَجر وہ ملیں گے جو پہلے لوگوں کو ملے۔ حدیث کی یہ اصطلاح ہے کہ پہلے دور کے لوگوں کا ذکر ہو تو مراد اس سے خیر القرون ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں **یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویقاتلون اهل الفتن** کہ اہل فتن کا مقابلہ کرنا اہل عزیمت کا کام ہے۔ چنانچہ مولانا محمد امین صفدرؒ نے صرف غیر مقلدین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ''غیر مقلدیت'' تو ان کا ایک خاص مضمون تھا، ان کے علاوہ اگر عیسائی آئے ہیں، اہل بدعت آئے ہیں تو مولانا بلا تامل یہ کہتے ہوئے کہ ؏ بلائیں زلفِ جاناں کی لیں گے تو ہم لیں گے

آج ان کی پوری عمر کی مساعی کا غم ''خراج عقیدت'' میں پیش کر رہے ہیں اور ان

عمر کی سعی مسلسل کارگر ہوتی گئی
زندگی لحظہ بلحظہ مختصر ہوتی گئی
سانس کے ہر پردے پہ یوں بجتا رہا ساز حیات
موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

جب کوئی مہمان آ رہا ہوتا ہے ناں! تو قدموں کی آہٹ دُور سے آہستہ سنائی دیتی ہے اور جب قریب ہو جاتا ہے تو تیز۔ ہر شخص پر یہ وقت آتا ہے اور آنے والا ہے کہ ؏ موت کے قدموں کی آہٹ تیز تر ہوتی گئی

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اچھی یاد چھوڑ کر گئے۔ طالب علموں کے لئے ایک ہی پیغام ہے کہ کیا آپ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ مصالح یا مصلحت کو بالکل نظر انداز کر کے آپ حق بات کہنے کی عادت بنائیں۔ جب آپ حق بات کہیں گے تو یہ اثر نہیں ہوگا کہ کون ناراض ہوتا ہے اور کون نہیں۔ یہ آپ کو فکر نہیں ہونی چاہئے۔ پھر دیکھو کہ اللہ آپ کی کتنی مدد کرتا ہے۔

آپ صرف حق بات کہیں، اس سے کسی کی دل آزاری یا کوئی بدمزگی اور خوشی مقصود نہ ہو بلکہ مقصد یہ ہو کہ حق کا نام اونچا رہے۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مناظرہ میں جانے سے پہلے اگر کوئی دعا کرنی ہے تو یہ دعا کرو کہ یا اللہ! حق کا بول بالا کر۔ یہ نہ کہو کہ مجھے فتح دے۔ جب کہو گے کہ مجھے ''فتح'' دے تو اس میں نفس آ گیا اور جب یہ کہیں گے کہ ''حق کا بول بالا ہو'' اس کی زبان سے یا میری، سب کی زبان سے حق نکلے، یا اللہ! حق کا بول بالا ہو، تو یہ اللہ والوں کی ادا ہے، ان کی سزا۔ خواہ سارا جہاں ناراض ہو جائے۔

گر مخالف ہوں زمین و آسماں، کچھ غم نہیں
سب گوارا ہے مزاجِ یار گر برہم نہیں

[ماہنامہ الخیر، اشاعتِ خاص بیاد مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی: ۹۰ تا ۹۵۔ جمادی الاولیٰ تا شعبان ۱۴۲۲ھ / اگست تا نومبر ۲۰۰۱ء]

☆......☆......☆......☆

المرسل: مولانا مفتی فیض الرحمٰن، مانچسٹر

آخری خطاب

حضرت علامہ صاحبؒ کا آخری درسِ قرآن جو لاک ڈاؤن کی وجہ سے آن لائن نشر ہوا تھا، قارئین کی نذر رہے، تاکہ ریکارڈ کا حصہ بن جائے اور پڑھنے والوں کو فائدہ بھی پہنچے۔ [فیض الرحمٰن]

اَمَّا بَعد! فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ... بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَیَانَ، صَدَقَ اللهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْم

حضرات! اس دفعہ رمضان شریف ایسے وقت میں آ رہا ہے کہ عالمی طور پر بھی اور ملکی طور پر بھی حالات عجیب وغریب ہیں، لیکن مسلمان جہاں جہاں بھی ٹھہرے ہوئے ہیں، جہاں جہاں بھی رہ رہے ہیں، وہاں وہاں پر ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اپنی عبادات پابندی سے ادا کریں۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی متوجہ کریں، آج چونکہ ہفتہ کا دن ہے اور ہر ہفتہ کو ہمارے ہاں درس قرآن کا سالہا سال سے معمول ہے، میں قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ، الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَ. قَالُوْٓا اِنَّا لِلهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ.** [سورۃ البقرۃ:۱۵۵،۱۵۶] ترجمہ: ’’اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ جنہیں، جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔‘‘

تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ آزماتا بھی ہے کہ یہ پریشانی اور مصیبت کے وقت صبر بھی کرتے ہیں کہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو مانتے ہیں کہ نہیں، تو آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہم تیرے گناہگار بندے ہیں اور برملا اس بات کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: **اِنَّا لِلهِ** اور دوسرا اقرار کرتے ہیں: **وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ**۔‘‘

تو ایک بات سامنے رکھئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ جب بھی کسی قوم کو یا افراد کو آزمائش میں ڈالتے ہیں تو اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کوئی وباء آجائے جیسے کہ طاعون ہے، ہیضہ کا مرض ہے تو اللہ جل شانہ کا فیصلہ ہے کہ مرنے والے کو شہید کا ثواب ہوگا۔ مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے یہ مانتے ہیں کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ’’**المبطون** پیٹ کی بیماری سے مرنے والا... **والمطعون** اور طاعون... اور ایسا مرض جس کا

پتہ ہی نہ چلتا ہو کب آجائے گا کہاں آجائے گا کیسے آجائے گا تو ایسے مرنے والے کو ہم شہید کا ثواب دیں گے۔'' تو مسلمان کے لئے اس سے زیادہ اور خوشی کا موقع کیا ہوگا کہ قرآن پاک میں انبیاء کرامؑ اور صدیقین کے بعد ذکر شہیدوں کا ہی آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ، وَحَسُنَ اُولٰۗئِكَ رَفِيْقًا.** [سورۃ النساء:۹۶] ترجمہ: ''اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔''

اب سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ رمضان بھی آرہا ہے اور رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں اور روزے آپ گھر میں بھی رکھ سکتے ہیں، مسجد میں آنا ضروری نہیں، جیسے باجماعت نماز کے لیے مسجد میں آنا ضروری ہے، روزہ کے لئے مسجد میں آنا تو ضروری نہیں، تو ان حالات کی وجہ سے روزوں میں کوئی استثنا نہیں وہ رکھنے ہی پڑیں گے۔

تو اللہ پاک نے فرمایا: **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ.** [سورۃ البقرۃ:۱۵۵] ہم تمہیں آزمائیں گے بھوک دے کر، بھوک کیسے؟ کبھی روزے کی شکل میں ہم تمہیں آزمائیں گے، خوف دے کر، خوف کیا ہے؟ اَن ہونی چیز کا ڈر انسان کے دل میں بیٹھ جائے کہ یہ نہ ہو جائے، یہ ہو گیا تو یہ نہ ہو جائے تو ان موجودہ حالات میں، میں اپنے بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب یہ امتحان کی منزل آئے کہ جانیں جانے لگیں، لوگ عام فوت ہونے لگیں، تو اسی وقت اللہ کو خوب یاد کیا کرو اور یاد بھی اس طرح کہ اے اللہ! تیرا ہم پر بہت بڑا انعام ہے کہ تو نے اس تکلیف میں مجھے مبتلا کیا ہے، اگر جان اس میں جانی ہے تو شہید کے ثواب سے مجھے نواز دے۔

ہمارے نبی پاک ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تو آپ پیغمبر بھی تھے، پیغمبر سے پہلے ایک انسان بھی تھے، اسلام میں یہ دونوں رشتے آپس میں ٹکرائے نہیں، ہم ہر نماز میں یہ اقرار کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ ہمارے پیشوا ہیں، خاتم النبیین ہیں، ان کے بارے میں ہم کہتے ہیں: **عبدهٗ ورسولهٗ**، آپ اللہ تعالیٰ کے بندے بھی ہیں اور اللہ کے رسول بھی ہیں، تو اللہ کے بندے ہونے کے اعتبار سے وہ مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ رہے؟ تقریباً چالیس سال، اتنا عرصہ نبی کریم ﷺ وہاں رہے اور یہ جو چالیس سال رہے مکہ مکرمہ میں اس وقت حضور اکرم ﷺ کے بارے میں علم الٰہی میں تو تھا کہ یہ پیغمبر ایسا ہے کہ جس پر میں اپنی نبوت اتاروں گا، اپنے جبرئیل کو اتاروں گا، اپنی کتاب اتاروں گا، یہ اپنی رسالت کا اعلان کرتے ہوئے آئیں گے تو نبی پاک ﷺ کے بارے میں اللہ کو علم تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شروع سے ہی نبی پاک ﷺ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ سے کوئی کام ایسا نہ ہو جس پر کوئی دوسرا انسان انگلی رکھ سکے اور جب یہ پیغمبر کہے کہ اللہ ایک ہے تو کوئی یہ نہ کہے کہ آپ نے تو خود کل یہ کہا تھا، آپ تو یہ کہتے آئے ہیں، تو اب ہم آپ کی یہ بات کیسے مان لیں کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شروع سے ہی نبی پاک ﷺ کو ایسی سیرت پر چلایا، ایسی زندگی پر چلایا کہ کوئی کام ایسا سرزد نہ ہو کہ کل جب یہی پیغمبری کا دعویٰ کرے جبرائیل کے آنے کی خبر دے قرآن کے اترنے کی خبر دے تو اس وقت کوئی کچھ کہہ نہ سکے، اس وقت نبی پاک ﷺ شادی شدہ بھی تھے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کے

نکاح میں تھیں تو آپ ﷺ نے جب اعلان نبوت کیا اس وقت پہلی خبر آ کر آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو دی تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اس وقت ان حالات میں نبی پاک ﷺ کو جو بھی مشورے دینے تھے وہ مشورے دیئے، لیکن اس وقت تک بھی نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہوئی تھی کہ کل جب آپ ﷺ نبوت کا دعویٰ کریں تو کوئی شخص ایسا سوال اٹھائے جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات کی حیثیت سے آجائے، تو ایک بات یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس دنیا میں جب کوئی شخص کسی معاشرے میں آئے نئے سرے سے، تو اس کی عزت بھی ہوتی ہے، خیر خواہی بھی ہوتی ہے اور کہتے ہیں مثلاً کوئی افسر ہے بہت تجربہ کار، تو جب آئے تو لوگوں میں تعارف کے لئے کئی دفعہ یوں کہا جاتا ہے کہ یہ کیمبرج کا پڑھا ہوا ہے، یہ آکسفورڈ کا پڑھا ہوا ہے، یہ لندن کا پڑھا ہوا ہے، تو دیکھا جاتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا کہاں کا ہے۔

تو اگر وہ اچھے لوگوں کا پڑھا ہوا ہو تو اس کی زیادہ عزت ہوتی ہے اور اگر وہ پڑھا ہوا ہو عام لوگوں سے تو اس کی اتنی اہمیت نہیں ہوگی۔ اب جب رسالت ﷺ کے بارے میں سب اہل مذہب جانتے ہیں کہ پیغمبر جو ہوتا ہے اس کا استاد خود خدا ہوتا ہے تو پھر معزز شان حضور اکرم ﷺ کی عزت کا بیان سب سے زیادہ ہونا چاہئے کہ نہیں؟ سب سے زیادہ ہونا چاہئے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ ہونا چاہئے تو نبی پاک ﷺ کی زندگی جو ہے وہ دوسروں کے لئے نمونہ ہوگی تو اگر خدانخواستہ پیغمبر سے، نبوت سے معاذ اللہ کوئی گناہ سرزد ہو، کوئی غلطی ہو، کوئی ناپسندیدہ کام ہو تو جب وہ پیغمبر دعویٰ کرے گا کہ میرا استاد خدا ہے تو کیا لوگ نہ کہیں گے کہ خدا کی بات تو کوئی غلط ہو ہی نہیں سکتی نا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کی بات ہو اور غلط ہو؟

تو جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے سے ہی اس کو اپنی نگرانی میں رکھا تا کہ جب یہ نبوت کا دعویٰ کرے تو کوئی یہ کہہ نہ سکے کہ آپ ﷺ نے تو یہ بات کہی تھی یا یہ بات کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو یہ شان عطا فرمائی، تو نبی پاک ﷺ کی زندگی کے دو حصے ہیں ایک ہے عبدہٗ، دوسرا ہے ورسولہ۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے بھی ہیں اور اللہ کے رسول بھی ہیں۔ بندے اس طرح ہیں کہ تمام بندوں کی طرح حاجات پیش آتی ہیں جس طرح بندوں کو گرمی لگتی ہے پیغمبر کو بھی گرمی لگتی ہے، سردی لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، نیند آتی ہے، جس طرح بندوں پر حالات آتے ہیں پیغمبر پر بھی آئے جب حضور اکرم ﷺ پر یہ حالات آئے تو پورا عرب گواہ ہے، پورا مکہ گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہوئی جو عیب ہو۔

لیکن جب آپ ﷺ نے اللہ کا قرآن پیش کیا تو ایک ایک بات کے پیچھے یہ آواز تھی کہ یہ اللہ کی بات ہے یہ اللہ کی بات ہے۔ اور قرآن بھی ایسی شان کے ساتھ آیا مثلاً حضور اکرم ﷺ انسانوں میں رہتے ہیں اور انسانوں کو گرمی بھی لگتی ہے، سردی بھی لگتی ہے تو نبی کریم ﷺ پر وحی آنا شروع ہوگئی، جب آپ ﷺ پر وحی آنا شروع ہوئی تو اس وقت سردی کا موسم تھا لیکن صحابہ کرامؓ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وحی آنے کی حالت میں اتنی گرمی اتر رہی ہے کہ دن ہے سردی کا اور گرمی اتر رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا پسینہ بہنے لگا، اب جو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا پسینہ بہہ رہا ہے اور وہ جو سامنے دیکھتے تھے کہ سردی کا موسم ہے، تو ان کے لئے یہ ایک کھلا نشان تھا کہ یہ شخص اپنی طرف سے نہیں بولتا، پیچھے خدا ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی آتی ہے تو ان کا یقین پختہ تھا، دوسری دنیا میں بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ بات انسان کر رہا ہو تو کبھی بھول بھی جاتا ہے، یہ فطرت

انسانی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس عمر میں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال سے زیادہ تھی تو ایسے وقت میں نبی پاک ﷺ نے قرآن پڑھایا اور قرآن جب آپ نے پڑھایا تو آپ ﷺ کہیں بھی بھولے ہیں؟ نہیں، بھولے کہیں نہیں، ہمارے بچے اب بھی جب قرآن پڑھتے ہیں، رمضان قریب ہو تو سارا دن محنت کرتے رہتے ہیں، قرآن پڑھتے رہتے ہیں، بچے کا جبکہ حافظہ تیز ہوتا ہے پھر بھی سارا دن اس کو قرآن یاد کرنا پڑتا ہے تاکہ رات کو تراویح میں بھولے نہیں۔

تو آپ ﷺ کی جو عمر مبارک تھی چالیس سال سے زیادہ یہ کوئی بچپن کی عمر تو نہیں، یہ تو بڑی عمر ہے جس میں عام انسانوں کا حافظہ کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن نبی پاک ﷺ نے جو قرآن ایک ہی دفعہ پڑھا اور پھر سنا دیا انسان حیران ہو جاتا ہے کہ یہ اپنا کلام تو ہو ہی نہیں سکتا۔

اب میں جو بیان آپ کے سامنے کر رہا ہوں یہی بیان اگر میں پھر کروں مجھے اگر موقع دیا جائے کہ دوبارہ بیان کروں تو کیا میں انہیں لفظوں کی پابندی کر سکوں گا؟ نہیں، باتیں تو بیشک وہی ہوں گی لیکن الفاظ کی ترتیب یہ نہیں ہو سکتی، لیکن اے اللہ! یہ کیا شان تھی کہ آپ ﷺ نے اتنی بڑی عمر میں یہ دعویٰ کیا کہ میں پیغمبر ہوں اور خدا کی وحی مجھ پر آتی ہے اور آپ ﷺ پر وحی آتی اور اس شان کے ساتھ آتی کہ دیکھنے والے بھی حیران ہیں خود اللہ تعالیٰ نے بشارت دے دی: **سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی**. [سورۃ الاعلیٰ: ٦] ''اے میرے پیغمبر ﷺ! آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں گے نہیں۔'' **سَنُقْرِئُکَ** ''ہم ایسا پڑھائیں گے'' **فَلَا تَنْسٰی** ''آپ بھولیں گے نہیں۔'' **اِلَّا مَا شَاءَ اللہ**. ہاں جو اللہ ہی چاہے۔ اس کو کہتے ہیں مسئلہ ناسخ کا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مصلحت سے کچھ احکام بدلتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بدلتا ہے، اس کو کہتے ہیں کہ وہ چیز نسخ ہو گئی، نسخ کا یہ معنیٰ کہ اب اس کا حکم باقی نہیں رہا، تو قرآن پاک حضور اکرم ﷺ کی مکہ کی زندگی میں اس طرح عام پڑھا جاتا رہا ذرا سی بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے کسی کے دل میں وہم گزرے کہ یہ پیغمبر نے اپنی طرف سے بدلے ہیں۔

جب اپنی بنائی ہوئی بات نہیں تو انہیں نقشوں میں سے یہ ہے، آج کل جو حالات ہیں، آج ہماری قوم مبتلا ہے، تو اس لئے مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ اگر آئندہ وقت میں ان پر کوئی ایسا مرض آئے جیسا اس وقت طاعون تھا، طاعون بڑا خطرناک مرض تھا، تو محدثین نے اس طرح کتابیں لکھیں **فضلِ الماعون فی فضلِ طاعون** کہ طاعون کی فضیلت کہ طاعون میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری کیا مدد کی اللہ تعالیٰ اس طرح مدد کرتا ہے یا اس طرح مدد کی کہ ایسے مرض بنا دیئے جو اس طرح آتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے... **المطعون والمبطون** ... وقت نہیں ہے کہ میں اس کی تفصیل بیان کر سکوں کہ کیا ہے، مگر جن حالات سے مسلمان اب جا رہے ہیں مسلمانوں کے لئے پہلی تعلیم کیا ہے؟ پہلی تعلیم یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آ جائے تو **وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ**.... صبر کرے... **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ**... بشارت دے دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ کہتے ہیں... **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ**... ہمارا مالک اللہ ہے تو مصائب میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں، مصائب میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا یہ قرآن کی تعلیم ہے۔

ہم اس وقت درس قرآن سے گزر رہے ہیں بایں حالات کہ ساری دنیا میں حالات عجیب وغریب شکل اختیار کر چکے

ہیں، بڑی بڑی سلطنتیں اس کے تصور سے کانپ رہی ہیں، تو جب ایسے حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں مبتلا کر چکے تو مسلمان کا کام اب کیا ہے کہ صبر کرو۔

دوسرے یہ کہ حکومت اس وقت جو مناسب انتظام کر رہی ہے، ان سے جو ہوسکتا ہے وہ کر رہی ہے، ان کے خلاف نہ کریں تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان ایک دانشمند قوم ہے، ان کی ہدایات پر عمل کریں، اب ان حادثات میں ان حالات میں جو لوگ جان دے دیتے ہیں۔

انہیں گزارشات کے ساتھ آپ سے اجازت چاہوں گا میں نے ارادہ کیا ہے رمضان المبارک قریب آرہا ہے، اس میں جو قرآن پاک ختم کرنا ہے میں کل اس کا آغاز کرنے والا ہوں، کل سے میں قرآن شریف کا آغاز کروں گا اور ہر روز جو میرا اپنا نصاب ہے، قرآن پاک پڑھنے کا وہ پڑھتا رہوں گا، یہاں تک کہ رمضان بھی آجائے اور رمضان بھی ایسے دنوں میں کہ حالات سازگار نہیں تو آپ حضرات مسجد میں تو نہ جائیں جب تک حکومت کی اجازت نہ ہو۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے غور وفکر کرنے کا کہ ہم ان حالات کا توڑ نہیں کر سکتے، حالات کو بدل نہیں سکتے تو ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے گناہوں کی معافی طلب کرنے کے لئے اللہ کے حضور توبہ بجالاؤ، اس طرح اپنے آپ کو پیش کرو کہ ہم اللہ کے عاجز بندے ہیں۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ: **واللہ اشد فرحاً بتوبۃ عبدہ من الوالدۃ بولدھا۔ (مجالس السالکین علامہ ابن قیم)** ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر اتنی خوش نہیں ہوتی جتنا خدا اپنے بندوں کو توبہ کرتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

میں اس پر اکتفا کرتا ہوں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنی اپنی جگہ پر رہتے ہوئے آن لائن قرآن پاک کا درس سنا اور ہم ان شاء اللہ العزیز آئندہ بھی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ صحت دے۔ عافیت دے۔ حالات کی موافقت دے، ساتھیوں کا اتفاق دے اور پوری امت کی عزت قائم رکھے۔ یا اللہ! مسلمان ملکوں کی حفاظت فرما، عرب ملکوں کی حفاظت فرما، کلمہ گوؤں کی حفاظت فرما، اور یا اللہ! ہم تیرے حضور میں اپنی غلطیوں کا اقرار کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں، صغیرہ گناہوں سے۔ کبیرہ گناہوں سے۔ **و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.**

جس نے آج کے بیان کے بارے میں کوئی سوال کرنا ہو تو وہ اگلے ہفتہ کو لکھ کر ارسال کر دے، ان شاء اللہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔ **السّعیُ منا و الاتمام من اللہ** ... ہماری کوشش ہے اور اس کو پورا کرنا اللہ کا کام ہے... لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

حضرت کا بیان ختم ہوا اس سے آپ بخوبی یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ عمر کے اس حصہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا حضرت علامہ صاحبؒ پر کتنا کرم تھا کہ قوتِ بیان اور حافظہ میں ذرا برابر فرق نہیں تھا۔ [فیض الرحمٰن، مانچسٹر]

☆......☆......☆......☆

حیات ونزولِ مسیح علیہ السلام

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفی، امابعد

مولانا عبیداللہ سندھیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے نامور شاگرد اور معروف علمائے دیوبند میں سے تھے۔ جس طرح انگریز حکومت نے اپنے سیاسی استحکام کے لیے شیخ الہند کو کئی سال مالٹا کی قید میں رکھا، اسی طرح ان کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی کو ہندوستان سے اکیس سال کی جلاوطنی میں رکھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ انگریز کی نظر میں مولانا عبیداللہ سندھی کوئی محض جذباتی مقرر اور کوئی سطحی درجے کے سیاست داں نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مولانا کی علوم اسلامی میں گہری پختگی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے گہری عقیدت اور قوموں کی سیاسی انقلابات پر گہری نظر واقعی اس درجے کی ہے کہ اہل ہند اس مجمع البحرین شخصیت کی قیادت میں آزادی ہند کی کامیاب جنگ لڑ سکتے ہیں۔ انگریز حکومت کو ان سے ہی خطرۂ انقلاب تھا، جس نے مولانا عبیداللہ سندھی کو ''امام انقلاب'' کا لقب دیا کہ ان کے عہدِ جلاوطنی میں جس نے بھی اس کا کہیں ذکر کیا امام انقلاب کا لفظ ان کے نام کا دوسرا جزو بن گیا۔ مولانا کی جلا وطنی کے دور میں عالمی حالات کچھ اس طرح بدلے کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر یورپ اپنی نوآبادیات سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ ادھر ہندوستان آزاد ہونے کے مرحلے میں تھا کہ مولانا کی جلاوطنی کا دور ختم ہوگیا اور وہ اپنے وطن واپس تشریف لائے۔

اتنے طویل عرصے سے اپنے ملک، اپنی سوسائٹی، اپنے مدارس اور اپنی خانقاہوں سے دُور رہنے کے باعث ہر انسان کے علم وعمل اور اس کی نظر وفکر میں کچھ فرق ضرور آجاتا ہے، لیکن مولانا عبیداللہ سندھی کی نسبت اور عقیدت دار العلوم دیوبند سے اسی طرح قائم رہی جیسی کہ جلاوطنی سے پہلے تھی۔ آپ جلاوطنی سے رہائی پانے کے بعد سیدھے دیوبند پہنچے اور پہنچتے ہی جامع مسجد دیوبند میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دیا، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ حجۃ اللہ کی عبارت پڑھتے تھے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس پر تقریر کرتے تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے علما سے اتنے طویل عرصے کی جدائی کے باوجود آپ کی حضرت شاہ ولی اللہؒ سے وہی عقیدت رہی جو پہلے تھی، حضرت شیخ الہندؒ سے وہی نسبت رہی جو پہلے تھی اور تصوف سے وہی وابستگی رہی جو پہلے تھی۔

آپ اپنے دورِ جلاوطنی میں افغانستان اور ترکی میں بھی رہے۔ وہاں بھی آپ نے اپنے اساتذۂ دیوبند کی برتری اور ان سے وابستگی کی ہی اشاعت کی۔ پھر آپ جب حجاز میں رہے تو وہاں بھی آپ کی کوشش یہی رہی علمائے حجاز کو حنفیت کے بارے میں راہ اعتدال پر لایا جائے۔ آپ کے عقیدے میں یہ راہِ اعتدال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے میسر آئی۔ اپنے پورے دورِ جلاوطنی میں آپ کی عقیدت علمائے دیوبند سے، محدثینِ دہلی سے اور فقہ حنفی سے سرمو بھی کمزور نہ ہوئی۔ آپ کی اپنی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''ہمارے اساتذہ علمائے دیوبند شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ ہم نے ان کا طریق نہایت تحقیق سے حاصل کیا۔ ہم افغانستان اور ترکی میں رہے۔ ہمیں فقہاء حنفیہ میں اپنے مشائخ سے بہتر عالم کہیں نظر نہیں آئے۔ اس کے بعد ہم حجاز میں رہے۔ جہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی موجود ہیں۔ اور حنابلہ کی حکومت ہے۔ اتفاقاً وہاں حنفیہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ مگر ہم نے جب اپنا تعارف شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر کرایا تو علماء حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی۔''

[ماہ نامہ الفرقان لکھنو، شاہ ولی اللہ نمبر: ۳۱۴]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے مختلف ادوار میں اپنے دیوبند کے مسلک سے سرمو نہ ہٹے تھے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ سے ان کی عقیدت آخر عمر تک وہی رہی جس کو ساتھ لے کر آپ اپنے دور میں ایک اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ اس صورت حال میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ کی اس آخری وصیت سے بے خبر رہے ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''در حدیث شریف آمدہ است **من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقرأہ منی السلام** ایں فقیر آرزوے تمام دارد اگر ایام حضرت روح اللہ دریابد اول کسے کہ تبلیغ سلام کند من باشم۔'' [الوصیت: ص ۱۲۱، ملحق اواخر عقد الجید مترجم]

ترجمہ: حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو عیسی ابن مریم (علیہ السلام) کا وہ دور پائے تو وہ آپ کو میری طرف سے سلام کہے۔ اس فقیر (ولی اللہ) کی آرزو ہے کہ اگر وہ حضرت روح اللہ (علیہ السلام) کے اس دور کو پائے تو پہلا میں ہوں گا جو انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائے گا۔''

اگر مولانا عبداللہ سندھیؒ اس عقیدے میں اپنے اسلام کے خلاف ہو گئے ہوتے تو آپ کا ان سے یہ اختلاف سرعام شہرت پاتا، اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ آپ آخر تک حضرت شاہ ولی اللہؒ سے اپنی اسی عقیدت پر قائم رہے جسے آپ دیوبند سے لے کر نکلے تھے۔ آپ کی آمد پر اکابر علمائے دیوبند جامع مسجد دیوبند میں جمع تھے کہ آپ نے پھر انہیں ''حجۃ اللہ البالغہ'' پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ بتلانا کہ وہ نزول عیسی بن مریم جیسے معروف مسئلے میں شاہ ولی اللہؒ سے یا علمائے دیوبند سے کٹ گئے تھے، کسی صاحبِ انصاف کو زیب نہیں دیتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''الخیر الکثیر'' میں حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے قرب قیامت میں آنے اور دجال سے معرکہ آرا ہونے کا ایک عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ آپ کے ایسے ممتاز معتقد اس میں کیسے آپ سے جدا ہو سکتے تھے؟

اب آیئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''الخیر الکثیر'' سے ہم اس مسئلے کے بارے میں راہ نمائی حاصل کریں۔ ''الخیر الکثیر'' کے صفحہ ۳۹۰ پر آپ دوسری منزل کا آغاز اس عنوان سے کرتے ہیں: ''**منزل القیامۃ الکبریٰ والبعث بعد الموت**'' میں آپ لکھتے ہیں:

''جب یہود کی سرکشی اور ان کا تمرد و عصیان حد سے تجاوز کر گیا، یہاں تک کہ انہوں نے انبیائے کرام تک کو قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین کی تو ان کی صحف اعمال ان کے مظالم اور بداعمالیوں سے لب ریز ہو گئے اور ان کے گناہوں کے آثارِ

خصوصی نمایاں ہو چکے تھے۔ اب یہود کی برائیاں ان کے ساتھ مل کر تمام شرور کی ایک وحدت ہوگئی اور ایک ایسے عالم میں ان کا تحقق ہوا جو اس عالم سے کامل تر ہے۔ یہ برائیاں ایک زندہ مجسمے کی شکل میں نمایاں ہوئیں، جس کا نام اصطلاح شرع میں مسیح ودجال ہے۔ دجال کو شرور کی جانب سے انسلاخ، خواہ کسی جانب سے ہو، ارتقا کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ برائیاں ظہور کرتی رہیں اور دجال اپنی کاملیت اور تمام کو پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسم مطلق آپ کے قلب مبارک سے روشن ہوا، تو دجال مجبوراً روپوش ہوگیا، لیکن جب عہد نبوت پر ایک زمانہ گزر گیا اور شرور کی کثرت ہوئی اور برائی کے واقعات بہ کثرت ظاہر ہونے لگے تو دجال کی شرارتوں میں پھر ترقی شروع ہوئی اور جو برائی دنیا میں ہوتی تھی وہ اس کے ساتھ جا ملتی، جس طرح کہ جزئی اپنی کلی سے لاحق ہوجاتی ہے۔ جب اس طرح تمام زمین ظلم اور بداعتدالیوں سے لب ریز ہوجائے گی اور امتِ مرحومہ کے اکثر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوں گے تو اسم جامع محمدی اس حالت میں ان کی دست گیری فرمائے گا۔ اور وہ اسم مبارک ایک ایسے شخص پر تجلی فرمائے گا جن کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے موافق ہونے کے علاوہ ان کا حلیہ اور اخلاق بھی آپ کے موافق ہوں گے۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس امت کو جو مبتلائے ضلالت ہوگی، راہ راست پر لائے گا اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ اس وقت دجال سے نہیں رہا جائے گا وہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور ہر طرف سے لوگوں کے گمراہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگا۔ جب اس کی یہ کوشش انتہا تک پہنچ جائے گی تو اسمِ پاک عیسوی اس کے مٹانے پر متوجہ ہوگا اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عیسی علیہ السلام یہود کی شرارتوں کے لیے بہ منزلہ محاق کے تھے اور اسم جامع محمدی سے اسے مزید تقویت حاصل ہوگی اور حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوکر دجال کو قتل کریں گے اور زمین پر حکومت کر کے اپنے اسم جامع کا حق ادا کریں گے۔ اس زمانے کے بعد دجال کی روح جو مجموعۂ شرور کی وحدت تھی، یاجوج ماجوج کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ چنانچہ لوگوں کو یہ ہلاک کریں گے اور ان کے اثرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توجہ سے ختم ہوجائیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام رحلت فرمائیں گے، لوگ پھر برائیوں میں مبتلا ہوجائیں گے، دجال کی روح مطروح ان میں سرایت کرتی جائے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شر اتنا پھیلے گا جس کے بیان کی تقریر وتحریر قوت نہیں رکھتی، اسی حالت میں قیامت کا ظہور ہوگا جس سے تمام نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے گا اور کوئی چیز بھی موجودہ نظام کے مطابق نہیں رہے گی۔'' [مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہؒ: ۱/۷۔۶۱۔۶۱۹]

اسی طرح زمانہ گزر جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ ایک اور نشاۃ کا آغاز فرمائے گا اور پھر ارواح کو پیش آمدہ معدات کے مطابق اجسام کے ساتھ حاصل وگا اور سب کو مبعوث کیا جائے گا۔ قیامت کے قریب لوگوں کی مختلف قسمیں ہوں گی، بعض ان میں سے کامل ہوں گی اور انہیں کمال حاصل ہوگا اور بعض ناقص ہوں گے اور ان کا ناقص ہونا بھی درجہ تام میں ہوگا اور یہ اس لیے کہ دجال کا ظہور رہے اور خیر کا ظہور بھی درجہ تام پر ہوگا وہ اس لیے کہ مہدی اور مسیح بھی ظاہر ہوں گے۔ شاہ صاحبؒ کے ان الفاظ پر غور کریں:

لان الشر الکامل ھنالک للدجال والخیر الکامل للمھدی وعیسیٰ علیھما الالسلام ولذلک یجد ھولاء وھولاء وکل فیما ھو تلقاء وجھہ [الخیر الکثیر: ۳۹۵]

آپ نے المھدی اور عیسیٰ کو تثنیہ کے صیغے میں سلام بھیجا ہے، تا کہ معلوم رہے کہ آپ کے عقیدے میں یہ دو شخصیتیں ہیں۔ مہدی اور عیسیٰ ایک نہیں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک دوسرے مقام پر یہود پر اس طرح تنقید کرتے ہیں:

ومن ضلالة اولئک انهم یجزمون انه قد قتل عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام وفی الواقع انه وقع اشتباه فی قصته فلما رفع الی السماء ظنوا انه قد قتل ویرون هذا الغلط کابراً عن کابر فازال الله سبحانه هذا الشبهة فی القرآن العظیم فقال وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ.[الفوز الکبیر: ۱۱] ترجمہ: ان کی گمراہی ہے کہ وہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو (سولی پر) قتل کر چکے اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں حضرت عیسیٰؑ کے باب میں ایک اشتباہ واقع ہو گیا ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ آسامان پر اٹھا لیے گئے تو انہوں نے سمجھا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں اور اس غلط بات کو وہ اپنے بڑوں سے اسی طرح سنتے آرہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہے کو زائل کیا اور قرآن پاک میں فرمایا: اور انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا ہے، بلکہ وہ ایک اشتباہ میں ڈال دیئے گئے ہیں (کہ ان کی شباہت ان کے ایک حواری پر ڈالی گئی)۔

پھر آپ ایک اور جگہ قیامت کی علامات کا اس طرح ذِکر کرتے ہیں:

وقد ذکر اشراط الساعة من نزول عیسیٰ وخروج الدجال وخروج الدابة وخروج یاجوج و ماجوج ونفخة الصعق و نفخة القیام والحشر والنشر[الفوز الکبیر: ۱۵]

ترجمہ: اور قیامت کی علامت اس طرح ذکر کی گئی ہیں:

۱- نزول عیسیٰ ابن مریم، ۲- خروج الدجال، ۳- خروج دابۃ الارض،

۴- خروج یاجوج و ماجوج، ۵- بے ہوش کرنے والی پھونک، ۶- پھر ہوش میں لانے والی پھونک،

۷- پھر سب کا ایک میدان میں جمع ہونا اور پھیلنا۔

ان تصریحات سے اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ کھل کر سامنے آتا ہے کہ وہ کس طرح سے رفع عیسیٰ ابن مریم اور نزول عیسیٰ ابن مریم کے قائل تھے، اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان سے کچھ کسی فاصلے پر نہ تھے۔ آپ اپنی اکیس سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئے تو آپ نے محدثینِ دہلی اور علمائے دیوبند سے پھر اپنی اسی وابستگی کا اظہار فرمایا جسے وہ ساتھ لے کر گئے تھے۔

وطن واپسی پر پھر اپنے اساتذہ کے ماحول میں مولانا سندھیؒ نے سالہا سال نئی دنیا کو دیکھا، مختلف اطراف کی گرد پیمائی کی مگر دیوبند سے آپ کی عقیدت وہی رہی اور تصوف میں بھی آپ اسی نسبت میں رہے جسے آپ چھوڑ کر ملک بدر ہوئے تھے۔ حالات کے انقلابات آپ کو سرمو اپنے پہلے دینی موقف سے بدظن نہ کر سکے۔ آپ کا وطن واپسی پر یہ بیان آپ کے رسوخ فی العلم کا واضح طور پر پتا دیتا ہے۔

میں نے اپنی طویل اکیس سالہ جلاوطنی میں ایک دنیا کی خاک چھانی، مگر مجھے اپنے مرشد (حضرت سید العارفین) جیسا کوئی مرشد اور اپنے استاد (حضرت شیخ الہندؒ) جیسا کوئی استاد نہیں ملا۔“ [ماخوذ: آثار الاحسان: ج ۲]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کا دینی مسلک اور روحانی مشرب آخر دم تک وہی ایک رہا جو آپ دیوبند سے لے کر نکلے تھے۔ زمانے کے انقلابات نے اس پر شک اور تردد کا کوئی چھینٹا نہیں پھینکا۔ (یادگار اکابر، سندھی نمبر ۲۰۱۸ء)

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ......ایک بہت بڑی شخصیت

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد متکلم اسلام، سرمایہ اہل سنت، ترجمان اہل حق حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ دارالافتاء والتحقیق تشریف لائے اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، رفقائے دارالافتاء وارکان جامعہ سے حضرت کی تعزیت فرمائی۔ اس موقع پر چند باتیں ارشاد فرمائیں جو قلم بند کر لی گئیں ''**قلیل منک یکفینی**'' کے تحت پیش خدمت ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کو حاجی صاحب رحمہ اللہ کی سوانح پر لکھی گئی کتاب مہتمم مدرسہ مولانا اویس صاحب کی طرف سے پیش کی گئی تو دیکھ کر مزاحاً فرمایا: ''آپ کے حاجی تھے، میرے ساتھی تھے''۔

تحریر قارئین کے سامنے آنے سے قبل حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ راہی ملکِ بقا ہو چکے ہیں۔ ان کی وفات اہل علم کا ایک مشترکہ صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بیش از بیش بلند فرمائے، ان سے پیدا ہونے والے خلا اور نقصان کو ان کے نعم البدل سے پر اور پورا فرمائے۔ آمین [ادارہ **دار التقویٰ**، لاہور]

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفىٰ... اما بعد!

جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کی خبر پہنچی تو میں انگلینڈ میں تھا، دل کو بڑا صدمہ ہوا۔ شاہدرہ کے پاس ہمارے مدرسہ میں سالانہ جلسہ ہوتا ہے، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہر سال اس میں تشریف لاتے تھے اور اس وقت تک ان کو ہاتھ والی (رعشے کی) تکلیف نہیں ہوئی تھی، ہم ان کے آنے پر بڑی خوشی مناتے تھے، لیکن جب ہمیں ان کی اس بیماری کی خبر ملی تو ہمیں بہت صدمے کا احساس ہوا۔

اُن کی اِس جگہ (دارالافتاء والتحقیق) نے اُن کے کام میں ایک مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جامعہ مدنیہ میں مفتی تھے تو اُس وقت اتنا بڑا کام صادر نہ ہوا تھا اور جب یہاں آئے تو پھر بہت بڑا کام ہوا اور پھر صہیب صاحب (حضرت علامہ صاحب کے خادم خاص) کے یہاں آنے کی وجہ سے ہمیں اور زیادہ خوشی ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے میں میری رائے یہ تھی کہ اول تو زمانے نے اُن کی قدر نہیں کی، دوسرے علماء نے اُن کی قدر نہیں کی، بہت بڑی شخصیت تھے اور انہوں نے کام بہت بڑا کیا، لیکن زمانے نے اُن کی قدر نہیں کی۔ اور جب زمانہ قدر نہ کرے تو پھر سوائے مقابلہ آرائی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ مقابلے کے آدمی نہیں تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ع

اذا لم یسالمک الزمان فحاربی
وباعد اذا لم تنتفع بالاقارب
فقد ھد قدما عرش بلقیس ھدھد
وخرب فار قبل ذا سد مآرب

......جب زمانہ تمہارے ساتھ مصالحت پر آمادہ نہ ہو تو تم بھی طبل جنگ بجادو۔
......جب تمہیں اپنے قریبی لوگوں سے فائدہ نہ ہو تو فاصلے بڑھادو۔
......بلقیس کے تاج و تخت کو ہدہد (جیسا معمولی پرندہ) گرا چکا ہے۔
......اور اس سے پہلے قوم سبا کے مضبوط ڈیم کو چوہا برباد کر چکا ہے۔

ہمارے بعض ساتھیوں نے توجہ دلائی کہ ان کے مرکز میں جا کر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی تعزیت کرنی چاہئے، مجھے ان کی بات بڑی اچھی لگی اور ان کے کہنے پر میں [باوجود علالت ونقاہت کے] یہاں حاضر ہو گیا۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ جب کبھی دعا کریں تو اپنی دعاؤں میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو ضرور یاد رکھیں اور عمر بھر یاد رکھیں۔ [بشکریہ ماہنامہ دار التقویٰ لاہور، اشاعت خاص، ص:۱۳]

............☆☆☆............

حضرت علامہ صاحب، مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''نوٹ: شیخ علوی مالکی جن سے صوفی اقبال صاحب پھر جا کر مرید ہوئے اور ان سے خلافت پائی، ان کے اپنے عقائد معلوم کرنے ہوں تو ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کے مختصر رسالہ (''شیخ محمد بن علوی مالکی اپنی تحریرات کے آئینے میں'') کو ملاحظہ فرمائیں۔ یا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت فرمائیں۔'' [آثار الاحسان:۱۶۹/۲]

''جامعہ مدنیہ قدیم لاہور کے مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے غامدی صاحب کے اس تباہ کن نظریہ دین پر ایک مختصر رسالہ ''تحفہ غامدی'' کے نام سے قلم بند کیا ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس کے بعض حصے یہاں ہدیہ قارئین کر دیں اور حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے لیے بلندی درجات کی دعا کریں۔'' ......''مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''تحفہ غامدی'' میں غامدی صاحب کی تمام بڑی بڑی غلطیوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔''

[علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں:۲۳۲، ۲۳۷]

☆......☆......☆......☆

کتاب ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ [مدلل]'' کا مقدمہ

مؤلفہ: مولانا مفتی محمد طاہر مسعود

دین اسلام میں عقائد کی اہمیت:

دین اسلام میں عقائد واعمال اور اخلاق ومعاشرت خیالات اور ضرورات پر مبنی نہیں، یہ دین کی اپنی مستقل بنیادوں پر قائم ہیں۔ اعمال واخلاق میں تو کہیں کہیں وسعت کی راہیں بھی کھلی ہیں، لیکن عقائد میں صحیح بات صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ دونوں طرف کے متوازی عقائد درست تسلیم کرلئے جائیں، عقائد ایسی گرہیں ہیں جو ایک ہی جگہ لگتی ہیں اور ایک ہی جگہ کھلتی ہیں۔ عقائد کے اختلاف کو اُصولی اختلاف کہا جاتا ہے اور اعمال کے اختلاف کو فروعی اختلاف کہتے ہیں۔

یہ بات اسلامی عقائد میں قطعی ہے کہ اللہ کے ہاں دین ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے' یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسرے سب ادیان بھی اپنی اپنی جگہ صحیح ہوں اور وہ بھی اپنے نظریات پر چل کر آخرت میں نجات پالیں۔ نجات حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر کسی کی نہ ہو پائے گی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو انہیں اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے کہا، اگر وہ ادیان اپنی اپنی جگہ خود لائق نجات ہوتے تو انہیں دین اسلام کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذاً الی الیمن، فقال: انک تاتی قوما اھل الکتاب، فادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ، فان ھم اطاعوا لذلک فاعلم ان اللہ فرض علیھم خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ. [متفق علیہ۔ مشکوۃ: ۱/ ۱۵۵] ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں فرمایا: ''تم اہل کتاب کے پاس جارہے ہو، انہیں اس بات کی دعوت دیں کہ وہ شہادت دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ یہ بات مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالی نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''

امام طحاویؒ نے اپنے عقیدہ طحاویہ میں اسے یوں لکھا ہے: **ودین اللہ فی الارض والسماء واحد، وھو دین الاسلام، قال اللہ تعالی: "ان الدین عند اللہ الاسلام".**

یہ چوتھی صدی کی آواز آپ نے سن لی، اس وقت پوری قلمرو اسلامی میں کسی نے اس سے ذرا بھی اختلاف نہیں کیا' اب اگلی صدی میں حافظ ابن حزم (۴۶۳ھ) سے سنئے: **الاسلام دین واحد وکل دین سواہ باطل.** [**المحلی**: ۱/ ۱۰۴] حافظ ابن تیمیہ [۷۲۸ھ] نے اپنے دور میں اسے اس طرح پیش کیا: **من لم یقر باطنا وظاھرا ان اللہ لا یقبل دیناسوی**

الاسلام فلیس بمسلم. [فتاوی ابن تیمیہ:۲۷/۴۶۳] ترجمہ: جس نے دل سے اور زبان سے اس بات کا اقرار نہیں کیا کہ اللہ تعالی کے ہاں کوئی دین ماسوائے اسلام لائق قبول نہیں وہ (باوجود اقرار توحید ورسالت) مسلمان نہ مانا جائے گا۔

اس سے واضح ہوا کہ نظریہ وحدت ادیان کے قائلین باوجود اپنے دعوی اسلام کے خود مسلمان نہیں رہتے، اُخروی نجات کے لئے رسالت محمدی کا اقرار ہر حال میں ضروری ہے۔

اب مسلمانوں میں پھیلنے والے اختلافات پر بھی ایک نظر کریں:

مسلمانوں میں عقائد کے اختلاف زمانہ تابعین میں پھوٹے اور معتزلہ، جہمیہ، قدریہ وجبریہ اور روافض وخوارج کی تحریکیں بڑے زور سے چلیں۔ صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں گیا۔ صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین کہلائے، جو صحابہؓ کے نقش قدم پر نہ چلے وہ تابعین نہیں سمجھے جاسکتے۔ صحابہؓ کے نقش پا چھوڑنے والوں کو اہل بدعت کہا گیا ہے، صحابہؓ کی لائن پر چلنے والوں نے ''اہل السنۃ'' کا نام پایا۔ اس زمانے میں بس یہ دو ہی نام تھے۔ (۱) اہل سنت (۲) اہل بدعت۔

امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) کا یہ جملہ اس عہد کا اس طرح پتہ دیتا ہے: ''**فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدعة فلا یوخذ حدیثهم.**'' [صحیح مسلم:۱/۱۱۱] ترجمہ: سو اہل السنّت رواۃ حدیث کو دیکھا جائے اور ان کی حدیث لے لی جائے اور اہل بدعت راویوں کو پہچانا جائے اور ان کی روایت کردہ احادیث نہ لی جائیں۔

معلوم ہوا کہ اُن دِنوں اصحاب الحدیث اور رواۃ حدیث بطور فرقہ اہل سنت ہی کہلاتے تھے، اہلحدیث فقط ان کا ایک علمی امتیاز تھا کہ یہ اس فن کے شناور ہیں، بطور فرقہ یہ کسی گروہ کا نام نہ تھا، آج کا اہل حدیث فرقہ کہیں ان دنوں موجود نہ تھا۔ اہل السنّت اور اہل بدعت ہی دو متقابل الفاظ ملتے تھے، ان دنوں اہل بدعت زیادہ تر بدعت فی العقائد کے مجرم تھے، آج کے اہل بدعت 'بدعت فی الاعمال سے پہچانے جاتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ اس پہلے دور میں اہل بدعت مختلف انواع میں سامنے آئے اور یہ سب مستقل فرقے بنے اور اہل السنّت سب ایک ہی رہے، ان میں گو کوئی فروعی اختلاف بھی رہے، مگر عقائد میں یہ سب ایک ہی رہے اور انہوں نے اپنا صرف ایک ہی نام رکھا، یہ نام اہل السنۃ رہا، عقائد میں ان کی ایک ہی تعلیم تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی فرقہ ناجیہ کی یہی پہچان بتائی تھی کہ وہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ رہیں گے، کسی دوسرے فرقہ کے ساتھ نہ جائیں گے، "**ما انا علیه و اصحابی**" سے ان کی پہچان بتادی گئی تھی۔

اہل سنت کے فروعی اختلاف میں گروہ بندی نہ تھی:

مذہب رستے کو کہتے ہیں فرقے کو نہیں، سو مذاہب کا اختلاف کوئی فرقہ بندی نہ تھا، یہ سب نیک بخت مسلمان تھے اور چاروں ایک تھے، حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: **ومعلوم ان اهل المذاهب کالحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنبلیة دینهم واحد وکل من اطاع الله ورسوله منهم بحسب وسعة کان مومنا سعیدا باتفاق المسلمین.**'' [فتاوی ابن تیمیہ:۲۷/۴۶۲] ترجمہ: اور یہ بات اچھی طرح مانی جاچکی ہے کہ مذاہب اربعہ کے لوگ سب ایک ہی دین رکھتے ہیں (ان کا

دین میں اختلاف نہیں ہے، صرف بعض طرقِ عمل میں اختلاف ہے) ان میں وہ حنفی ہوں، مالکی، شافعی ہوں یا حنبلی، جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت حسب وسعت کرے گا وہ (حنفی ہو یا شافعی) باتفاق امت مسلمہ اسے نیک بخت مومن سمجھا جائے گا۔

"من اطاع اللہ ورسولہ منھم" کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے پیرو بھی دراصل اللہ اور رسول کے ہی پیرو ہیں، گو وہ روایات کی رو سے نہیں ان ائمہ مجتہدین کی پیروی کے واسطہ سے اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ ان کا ائمہ کی پیروی کرنا، اماموں کو رسول کے مقابل لانا نہیں ہے، ائمہ مجتہدین کی پیروی سے حضور اکرم ﷺ کی پیروی تک پہنچنا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے ہاں حنفیہ کرام بھی دراصل حضور ﷺ کے ہی پیرو ہیں (گو عہد جدید کے اہلحدیث انہیں حضور اکرم ﷺ کا پیرو نہیں مانتے، امام ابوحنیفہ کا پیرو کہتے ہیں۔)

حدیث کے معنیٰ مراد کے گرد فقہاء کرام وفا کا پہرہ دیتے رہے، عقائد اسلام کا متکلمین نے پوری ہمت سے پہرہ دیا، یہ متکلمین محدثین کے خلاف نہ تھے۔ یہ حضرات متکلمین معتزلہ کا رد، انہیں کے ہتھیاروں سے کرتے تھے۔ ان کا اپنا موقف امام ابن تیمیہ کے قول کے مطابق قرآن وسنت کی نصرت ہی ہوتا تھا۔ یہ لوگوں کو قرآن وسنت سے دُور رَکھنے والے لوگ نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ کی لائن کے تحفظ میں متکلمین نے قرآن کا پہرہ دیا اور فقہاء نے ان کی لائن کے تحفظ میں احادیث وآثار کا پہرہ دیا اور جس طرح خود حدیث پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، عقائد پر بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں، یہاں تک کہ عقیدہ تعلیمات اسلام کا ایک مستقل موضوع بن گیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) نے عقائد اسلام کے تحفظ میں پہل کی اور فقہ اکبر لکھی، عملی فقہ ان کے نزدیک فقہ اصغر رہی۔ آپ نے اپنی اس علمی دستاویز کا نام "فقہ اکبر" رکھا۔ عقائد ان کے ہاں وقت کا بڑا موضوع تھا، اور اس کے لئے نہایت سنگلاخ راہوں سے گزرنا پڑتا ہے، اہل السنۃ کے بالمقابل ایک فتنہ نہیں کئی فتنے عراق میں سر اٹھائے ہوئے تھے۔

گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل سلفی اس نازک صورت حال کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں:

> "جس قدر زمیں سنگلاخ تھی، اسی قدر وہاں اعتقادی اور عملی اصلاح کے لئے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی، جس کے علم و عقل کی پہنایاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں، میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخصیت امام ابوحنیفہؒ تھے، جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال اور تجھم کے ساتھ رفض وتشیع کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔" **اللھم ارحمہ واجعل الجنۃ الفردوس ماواہ۔**" [فتاوی سلفیہ/۱۴۱]

پھر امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے "عقیدہ طحاویہ" میں اہل السنّت عقائد کی ایک پوری تصویر لی، عقیدہ طحاویہ اس وقت دنیا کی تمام اہم درسگاہوں میں بڑی شرح سے پڑھایا جاتا ہے اور اس کی ان بڑے بڑے علماء نے شرحیں لکھیں، جن کا اپنا نام اور کام اس قابل ہوا کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

پھر امام ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) امام ابوالمنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) قاضی ابوبکر باقلانی (۴۰۲ھ) امام ابو المنصور عبدالقاہر (۴۳۹ھ) علامہ ابوالشکور السالمی اور علامہ نسفی رحمہم اللہ نے اس پلیٹ فارم پر کام کیا۔ علامہ تفتازانی نے شرح

عقائد لکھی، اسلام کی بارہ صدیوں میں تمام اہل السنۃ اپنے عقائد میں ایک ہی رہے اور اختلاف فی الفروع سے ان میں کوئی فرقہ بندی نہ ہوئی۔ عقائد نسفی اور شرح عقائد نسفی کے مؤلفین حنفی اور شافعی دو علیحدہ علیحدہ مذہب کے تھے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) نے اپنے دور میں عقائد اسلام پر فارسی میں ''تکمیل الایمان'' لکھی۔ اس کا اردو ترجمہ تکمیل الاذہان کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اردو میں عقائد اسلام پر مستقل کتابیں لکھنے میں شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی اور شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے سبقت کی اور ان کی گراں قدر تالیفات آج بھی تشنگاں علوم دین کو سیراب کر رہی ہیں۔ تاہم ان کتابوں میں بدعات فی الفروع پر کوئی زیادہ بحثیں نہیں ملتیں. **ولقد جاء فی المثل السائر کم ترک الاول للاخر.**

اس دور میں یہ خدمتِ اسلام مفتی طاہر مسعود کے مقدر میں لکھی تھی اور الحمد للہ کہ انہوں نے عقیدہ اسلام کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق لکھ کر بدعت فی الاعمال کے مجرمین پر بھی حجت تمام کر دی ہے۔ پرانی مثل چلی آ رہی ہے کہ پہلے لوگ کتنی ہی باتیں پچھلوں کے لئے چھوڑ گئے. **فشکر اللہ سعیھم.**

اگرچہ انگریزوں کے ہندوستان آنے پر اہل السنّت کی تقسیم کی خدمت مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۲۱ھ) کے سپرد ہوئی، پھر بھی ان میں عقائد کا کوئی اختلاف راہ نہ پا سکا، یہ فقہ کا بھی کوئی اختلاف سامنے نہ لا سکے، دونوں حلقے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ کا مقلد کہتے رہے، اب بھی صرف چند رسوم کا اختلاف ہے جس سے یہ دونوں حلقے پہچانے جاتے ہیں، انہیں حقیقی فرقہ بندی کا رنگ دینے کے لئے بس ان کے پاس چند الزامات ہی رہ گئے۔ اور صرف متن عبارات کے ہیر پھیر سے ان میں اختلاف عقائد کا دعوی پرورش پاتا رہا، یہاں تک کہ عوام سمجھنے لگے کہ یہ واقعی دو فرقے ہیں' حالانکہ یہ اصولاً دو فرقے نہ تھے۔ جب یہ جھوٹے الزامات پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے ثابت نہ ہو پائے تو انہوں نے عوام کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے نماز، اذان اور جنازہ کے گرد اپنی بدعات کے کانٹے بکھیرے کہ شاید ان سے ان دو میں حقیقی اختلاف کی دیوار کھڑی کی جا سکے۔

جناب پیر کرم شاہ صاحب بھیروی دونوں حلقوں کو اہل السنّت تسلیم کرتے ہیں اور ان کے اس اختلاف پر یوں اظہار افسوس کرتے ہیں:

> ''اس باہمی داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنّت والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے، جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں، اللہ تعالی کی توحید ذاتی وصفاتی میں حضور اکرم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم کی محفوظیت، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔'' [ضیاء القرآن: ۱/۴]

جن علماء نے ان ضد اختلاف میں قائم کی گئی چند رسموں کو حق و باطل کا نام دیا، اُن میں گجرات کے مفتی احمد یار خان، اوکاڑہ کے مولوی غلام علی اور اچھرہ کے مولانا محمد عمر سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اول الذکر نے ''جاء الحق'' لکھ کر اپنے اس رسمی اختلاف کو حق و باطل کا نام دیا اور مولانا اچھروی نے ''مقیاس حنفیت'' لکھ کر علمائے دیوبند کو حنفیت سے ہٹے پیش کیا اور اپنے ان رسمی اختلافات سے اہل السنّت کی اس باہمی تفریق کو اور استحکام دیا' حکومت برطانیہ یہی چاہتی تھی کہ اختلافات پیدا کرو اور اپنی

حکومت کو استحکام دو، اس غیر ملکی کوشش اور نعرہ اختلاف کی ظاہری قوت کون لوگ تھے؟ یہ اس کے بیان کا موقع نہیں، بعض علماء احناف نے ''جاء الحق'' اور ''مقیاس حنفیت'' کے رد میں کتابیں لکھیں اور جھوٹے الزامات کا بڑی تفصیل سے رد کیا۔ تاہم اہل بدعت کا پرنالہ اسی طرح بہتا رہا اور اہل السنّت اور اہل بدعت کے یہ دو حلقے پھر سے ایک نہ ہوسکے۔ **فلیبک علی الاسلام من کان باکیا.**

اہل بدعت کی ان سیہ کاریوں اور الزام تراشیوں سے ان پڑھ دیہاتیوں کی ایک بڑی تعداد پلاؤ زردہ اور حلوہ و پوڑی میں مجذوب رہی۔ پھر جب پسماندہ علاقوں میں بھی دنیوی تعلیم نے کچھ فروغ پایا تو دیہاتی حلقوں میں بھی بہت سے لوگ ان اختلافات کو سمجھنے لگے اور اب وقت آ گیا ہے کہ کھل کر عقائد اہل السنّت کی تفصیل وتشہیر کی جائے، ہوسکتا ہے کہ اہل السنّت میں کھڑی کی گئی جھوٹے الزامات کی دیواریں پھر سے پیوست زمیں ہو جائیں۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ اہل السنّت والجماعت کے عقائد پر ایک واضح اور آسان پیرایہ میں ایک نئی جامع کتاب لکھی جائے جو سب کی سب اہل السنّت والجماعت کے سلف صالحین اور متفق علیہم بزرگوں کی عبارات سے ماخوذ ہو اور سلف صالحین کے یہ عبارات متن میں نہیں بلکہ حاشیہ میں دی جائیں تاکہ جو لوگ ان اختلاف کی گہرائی میں نہیں جانا چاہتے وہ اہل السنّت کے بنیادی عقائد ایک عام فہم پیرائے میں متن کتاب سے آسانی سے لے سکیں، ہوسکتا ہے کہ اس طرح دو بچھڑے بھائی پھر سے مل بیٹھیں اور سب اہل السنّت والجماعت بدعت فی العقائد کے مجرمین کے سامنے ایک سیسہ پلائی دیوار بن سکیں

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را

الحمدللہ کہ مولانا مفتی محمد طاہر مسعود شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا نے اس گھاٹی کو پوری کامیابی سے عبور کر لیا ہے۔ قارئین کرام مولانا موصوف کی اس کتاب کی اگر فہرست ہی دیکھ لیں تو ان اختلافات میں زیر بحث آئے جملہ عناوین ان کے سامنے ان اختلافات کے جملہ تار و پود بکھیر کر رکھ دیں گے۔

یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے مدارس عربیہ کے درس میں قرار واقعی جگہ دی جائے، عصری تقاضوں کے پیش نظر ان شاء اللہ العزیز یہ شرح عقائد نسفی سے بھی زیادہ مفید ہوگی، گو **الفضل للمتقدم** اپنی جگہ حقیقت ہے۔

راقم الحروف نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا ہے اور جیسا کہ اس کی فہرست نے اسے دیکھنے کا شوق دے دیا تھا' اسے اس سے بڑھ کر پایا، حق تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس علمی خدمت کو قبول فرمائے اور اس دور جدید میں پیدا کئے گئے اس فرضی اور رسمی اختلاف کو پھر سے ہم سے اُٹھا دے۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہو گی یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

والسلام خیر الختام...... خالد محمود عفا اللہ عنہ...... حال وارد پاکستان...... ۲۹/اپریل ۲۰۰۷ء

☆......☆......☆......☆

مقدمہ کتاب ''ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات''

مولفہ: شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ [شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس ملتان]

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ. اما بعد!

اہل السنۃ والجماعۃ میں شروع سے ہی بدعت پر انکار چلا آ رہا ہے کیونکہ سنت اور بدعت دو مقابلے کے لفظ ہیں۔ اہل بدعت میں جو بدعات ان کا مسلکی شعار سمجھی جاتی ہیں ان کے بارے میں خود اُن کے مذہبی راہنما بھی عام کہتے سنے جاتے ہیں کہ ہر بدعت ضلالت نہیں یہ بدعات حسنہ ہیں۔ جو ہمارے حلقوں میں پائی جاتی ہیں اور ان پر ہمیں علماء دیوبند ٹوکتے ہیں، اس پر عوام کی تقریباً آدھی تشویش ختم ہو جاتی ہے کہ ان کے بدعت ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ اختلاف ہے تو صرف یہ کہ یہ بدعات حسنہ ہیں جیسا کہ اہل بدعت کہتے ہیں یا ان بدعات سے بھی بچنا چاہئے جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی ۱۰۳۴ھ قدس سرہ اللہ العزیز کہتے ہیں۔

> ''فقیر کے خیال میں سنت سنیہ کی متابعت کی جائے اور بدعت کے اسم ورسم (نام اور عمل) سے بھی اجتناب کیا جائے جب تک بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی خوشبو دماغ تک نہیں پہنچتی۔ آج کل یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے اور بدعت کو منع کہنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔'' [مکتوبات، دفتر ۲]

> ''یہ فقیر بدعات میں کسی بدعت میں حسن اور نوازیت نہیں دیکھتا اور ان میں ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا اگرچہ آج مبتدعین کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت وتازگی میں دیکھتے ہیں لیکن کل جب کہ بصیرت تیز ہوگی دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارات وندامت کے سوا کچھ نہیں۔'' [دفتر اول، نمبر ۱۸۶]

ماضی میں عام رائج بدعات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے ''براہین قاطعہ'' میں مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد شفیعؒ نے اپنے رسالہ ''سنت وبدعت'' میں شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے ''راہِ سنت'' میں اور حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوریؒ نے ''چراغ سنت'' میں ان بدعات پر ان کی اصولی حیثیت پر اور ان کے عملی پہلو پر تفصیل سے بحث کی ہے، لیکن ماضی قریب میں ذکر اور اعتکاف جیسی اعلیٰ عبادات کے گرد کچھ ایسے نئے اعمال بھی راہ پانے لگے ہیں کہ بدعت سے بچنے والے بعض حلقوں میں بھی ان کے اندھیرے پوری طرح محسوس نہیں کیے جا رہے، اس کا ہمیں دل وجان سے افسوس ہے۔

عبادات میں اقرار توحید خالص۔خلوص نیت، رضا الٰہی اور جمعیت خاطر عبادت کی روح ہیں۔وسائل کی حد تک ان میں ہر ممکن رعایت روا ہے۔لیکن جب انہیں شریعت میں لایا جائے اوراذ کار واعتکاف میں ان اختیار کردہ صورتوں کو فقہ کے ترازو میں نہ تولا جائے تو علمائے اہل سنت کا فرض ہو جاتا ہے کہ شریعت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیں اور کسی ایسی چیز کو شریعت میں نہ آنے دیں جسے صحابہ کرام نے شریعت میں جگہ نہیں دی کیونکہ وہی دین میں اس امت کے روشن ستارے ہیں۔

اگر کسی شیخ نے اپنے مریدین کی اصلاح کے لیے اپنے تجربات کی روشنی میں کوئی ایسے اعمال تجویز کیے تو اسے صرف ایک علاج کہا جائے گا، اسے شرعیت کے خاکے میں جگہ نہ دی جائے گی۔مسجدیں شریعت کے روشن مینار ہیں۔یہ مسلمانوں کے حلقہ وارانہ وظائف واوراد کی خانقاہیں نہیں۔تہجد کتنے اونچے درجے کی عبادت ہے لیکن مسجدوں میں اس کے لیے اذان نہیں دی جاتی نہ اس کے لیے تداعی کی اجازت ہے، اتفاقی طور پر وہاں جمع ہو جائیں تو وہ بے شک جماعت سے تہجد پڑھ سکتے ہیں[1]۔اعتکاف میں بھی مسجدوں میں معتکفین کے اپنے اپنے پردے لٹکتے ہیں۔ان میں سوائے نمازوں اور تراویح کے کوئی اجتماعی عمل راہ نہیں پا سکتا۔مسجد میں درس وتقریر کے سامعین اپنے اپنے طور پر اسے سنیں تو یہ ان کا کوئی اجتماعی عمل نہیں بنتا۔

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد صدیق دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان کی اس صورت حال پر شروع سے پوری نظر رہی ہے، آپ نے کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں اس پر ایک مستقل تالیف فرمائی۔راقم الحروف اس سے خود بھی متمتع ہوا اور حضرت کے ارشاد پر یہ چند سطور بھی بطور مقدمہ لکھ دی ہیں۔رب العزت ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔اس تالیف کو مقبول عام فرمائے اور ہر خاص وعام کو اس کا نفع پہنچے۔جامعہ خیر المدارس کی علمی خدمات میں یہ حضرت شیخ الحدیث کا ایک گرانقدر اضافہ ہے۔اور استاذ المحدثین حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس اللہ سرہ العزیز کا ایک گرانقدر صدقہ جاریہ ہے۔

راقم الحروف خالد محمود عفا اللہ عنہ......حال مقیم مانچسٹر

---

[1] بشرطیکہ تعداد تین سے زیادہ نہ ہو۔[فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۱۷۲/۴]

المرسل: مولانا ظہیر احمد ظہیر، چکوال

ایمان بالقرآن

اُستاذ المکرّم حضرت علامہ صاحبؒ ۲۰۱۹ء میں جب پاکستان تشریف لائے تو فرمایا کہ ایک مضمون تیار کیا ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کی کاپیاں کرا کے ہر سنی نوجوان کو دی جائیں کہ وہ اس پر عام وخاص سے دستخط حاصل کرے، بندے نے حضرتؒ کے حکم پر جامعہ اشرفیہ لاہور کے طلبہ وعلماء میں کاپیاں کثیر تعداد میں تقسیم کیں اور دستخط لینے کا سلسلہ شروع ہوا، یاد ہے تقریباً روزانہ فقیر سے پوچھتے کہ آج ایمان بالقرآن کی کتنی کاپیاں تقسیم کی ہیں اور کتنے لوگوں کے دستخط لیے؟ بندہ جب تفصیل سے آگاہ کرتا تو حضرت ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے، شاباش دیتے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی شہدائے اسلام کانفرنس ۲۰۱۹ء بمقام ایوان اقبال لاہور (جس میں ذاتی دلچسپی اور محنت سے حضرتؒ علامہ صاحب کو لے جانے میں اللہ نے کامیابی دی۔) میں حضرت کا خطاب بھی تقریباً اسی عنوان پر تھا اور اس مضمون کی وہاں بیسیوں کاپیاں قائدین اہل سنت کو حضرت کے ہاتھوں دلوائیں۔ حضرتؒ کی یہ تحریر غالباً تاحال کسی طباعت میں نہیں آسکی۔ حاضر خدمت ہے۔

ایمان بالقرآن:

جب تک کوئی شخص اللہ اور رسولؐ کو ماننے کے ساتھ اس موجودہ قرآن کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔

جب تک کوئی کلمہ گو مرد ہو یا عورت اِس قرآن کو نہ مانے نہ وہ مسلمان ہے نہ اس کا ذبیحہ حلال۔

۱- جب حضور اکرم ﷺ بھی "**بالله وملئكته وكتبه ورسله**". سے سب آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے تو اِس وقت بھی کوئی دعویدارِ اسلام اِس قرآن پر ایمان لائے بغیر مسلمان نہیں جانا اور مانا جاسکتا۔

۲-"**والذين آمنوا وعملوا الصالحات وآمنوا بما نزل على محمد وهو الحق من ربهم، كفر عنهم سياتهم واصلح بالهم.**". [پ۲۶، سورہ محمد] ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ ایمان لائے جو محمد ﷺ پر اتارا گیا اور وہی قرآن حق ہے، ان کے رب کی طرف سے، اللہ تعالیٰ ان کے سب گناہ اتار دے گا اور ان کی اصلاح کردے گا۔

۳-"**وان من اهل الكتاب لمن يومن بالله وما انزل اليكم وما انزل اليهم خٰشعين لله.**". [پ۴، سورۃ آل عمران] ترجمہ: اور اہل کتاب میں وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور جو کلام اتارا گیا تمہاری طرف اور جو

اتارا گیا ان کی طرف ڈرتے ہوئے اللہ سے

۴-"**والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرة هم یوقنون،اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون**". [پ۱،سورة بقره] ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف (قرآن) اور جو اتارا گیا تم سے پہلے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں سیدھی راہ پر اپنے رب کی طرف سے، اور وہی لوگ ہیں آخرت میں فلاح پانے والے۔

اسلام میں سب سے زیادہ نصابِ شہادت چار ہے۔ ہم بھی ایمان بالقرآن پر قرآن پاک کی ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ قرآن پر ایمان رکھے بغیر کوئی شخص مسلمان جانا اور مانا نہیں جاسکتا۔

اسلام میں دوسرا مآخذ علم سنت ہے، اسے کبھی حدیث بھی کہہ دیتے ہیں۔ اب ہم اپنے ایمان بالقرآن کے اس دعویٰ پر حدیث کی کتابوں سے بھی چار شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ **والله الموفق لما یحب ویرضیٰ.**

۱-حدیث ثقلین:

صحاح ستہ میں صحیح مسلم میں بسند صحیح متصل حدیث ثقلین ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بمقام غدیر خم دو خطبے دیئے تھے، ان میں ایک خطبہ ثقلین پر تھا، ایک صحابی زید بن ارقمؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"**قام رسول الله ﷺ یوما فینا خطیبا بماء یدعی خما بین مکة والمدینة، فحمدالله وأثنیٰ علیه و وعظ وذکر ثم قال: أما بعد! فیا أیها الناس! فإنما أنا بشر، یوشک أن یأتی رسول ربی فأجیب، وأنا تارک فیکم ثقلین أولهما کتاب الله فیه الهدی والنور، فخذوا بکتاب الله واستمسکوا به، فحث علی کتاب الله ورغب فیه.**"[**صحیح مسلم**:۲/۲۷۹، دہلی]

ترجمہ: حضور ﷺ ایک دن ہم میں خطبہ دینے کے لیے ایک تالاب کے کنارے کھڑے ہوئے جسے خم کہا جاتا تھا، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثناء کی اور وعظ وتذکیر کی پھر فرمایا! اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے خدا کا بھیجا ہوا (فرشتہ) آئے اور میں اسے ہاں کہہ دوں اور میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے اس میں ہدایت اور نور ہے لہٰذا تم کتاب اللہ کو پکڑے رکھو اور اس کے ساتھ چمٹے رہو۔ آپ ﷺ نے کتاب اللہ کے بارے میں ترغیب فرمائی۔

آگے حضرت زید بن ارقمؓ نے **و ثانیهما** کے الفاظ نہیں کہے اور "**اهل بیتی، اذکرکم الله فی اهل بیتی**". کے الفاظ روایت کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی کبر سنی کے باعث **ثانیهما** کے الفاظ چھوڑ گئے اور ان کے بعد تیسرے موضوع اہل

بیت پر آ گئے۔ اور اس کی تائید مزید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے جس میں بار بار **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** کی تعلیم دی گئی ہے۔

۲- خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں قرآن کو دین کا ستون بتلایا گیا:

"وصیتی لکم ان لا تشرکوا باللہ شیئا، ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم فلا تضیعوا سنتہ، أقیموا ھذین العمودین و أوقدوا ھذین المصباحین و خلاکم ذم." [وصیت:۲۳، نہج البلاغہ حصہ سوم، تحریرات:۲۶۸] ترجمہ: تم لوگوں کو میری وصیت ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور محمد ﷺ کی سنت کو ضائع نہ کرنا اور دو چراغوں کو روشن رکھنا پس پھر برائیوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا۔

اس سے پتہ چلا کہ سنت کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

"ولقد کان فی رسول اللہ کاف لک اسوۃ"۔ (نہج البلاغہ:۴۱۹)

اختلافات کا حاصل:

اولھما توحید باری اور شرک سے بچنے کی بات ہے۔ دوسرے نمبر پر سنت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں **"عترتی"** یا **"اھل بیتی"** کے الفاظ ہیں۔ اس صورت میں سب سے بڑی خرابی یہ سامنے آتی ہے کہ سنت درمیان سے نکل گئی اور کتاب وسنت کے الفاظ جو ہر مومن کے ہاں زبان زدِ عام وخاص ہیں یکسر اُڑ گئے۔ ایسا سمجھنے والے کسی مسلمان کے ہاں لائق پذیرائی نہیں ٹھہرتے۔ یہ وہ بنیادی بات ہے جس کی وجہ سے اہل سنت اور ان سے اختلاف کرنے والے کبھی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو پاتے۔

اس پر ہم ایمان بالقرآن اور تمسک بالسنہ کے موضوع کو ختم کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو اس موجودہ قرآن کو نہ مانے اور سنت کے التزام کو غلط جانے وہ مسلمانوں کی صف میں جانا اور مانا نہیں جا سکتا۔

موطا امام مالک (۱۷۹) کی روایت میں ثقلین کی بجائے امرین کا لفظ ہے: **"ترکت فیکم امرین، لن تضلوا ما تمسکتم بھما، کتاب اللہ و سنۃ نبیہ"**۔ [مؤطا بحاشیہ کشف المغطیٰ عن وجہ المؤطا :۵۳۶/۳] ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دو سے تمسک کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) اللہ کی کتاب، (۲) دوسری اس کے نبی کی سنت۔

اس سے پتہ چلا کہ اس وقت قرآن کریم ایک کتابی شکل پا چکا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن پاک اس وقت متعدد تحریروں میں لکھا ہوا موجود تھا، اس سے صحابہ رضی اللہ عنہ جمع قرآن کی اس محنت میں داخل ہوئے۔

صحیح ابن حبان میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہ ثقلین کا لفظ ہے نہ امرین کا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: **"إني تارک فیکم کتاب الله هو حبل الله، من اتبعه کان علی الهدیٰ، ومن ترکه علی الضلالة."** [صحیح ابن جلد۸]

۳- تیسری حدیث جس میں کتاب اللہ کی یہ عظمت مذکور ہے، اس میں ثقلین یا امرین میں سے کوئی لفظ نہیں ہے، لیکن کتاب اللہ کی اس طرح صراحت ہے کہ اس میں حضور ﷺ حجۃ الوداع میں اسے امت تک پہنچانے کا اس طرح ذکر کرتے ہیں: **"وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به، کتاب الله و انتم تسئلون عنی فما أنتم قائلون، قالوی نسشهد انک قد بلغت وادیت ونصحت."** [مسلم: ۱/۳۹۷] ترجمہ: میں تم میں وہ کچھ چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (۱) کتاب اللہ، (۲) اور میرے بارے میں سوال۔ تم اس پر کیا کہو گے؟ حاضرین نے کہا ہم کہیں گے آپ نے انہیں پہنچا دیا اور امانت ادا کر دی اور (امت) کی خیر خواہی فرمائی۔

اس حدیث میں قرآن کو اسلام کا پہلا ماخذ علم بتایا گیا ہے۔

۴- نماز کی تاکید

ایمان اور کفر و شرک میں نماز کا فاصلہ ہے، ظاہر ہے کہ نماز بغیر قرآن کے نہیں ہو سکتی اور کسی شخص کے لیے اس قرآن پر ایمان رکھے بغیر مسلمان ہونا کبھی میسر نہیں ہو پاتا۔ [فضائل اعمال: ۲۴۳، از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ]

حدیث کی ان چار شہادتوں سے کسی شخص کے لئے اس قرآن پر ایمان رکھے بغیر مسلمان ہونے کی کوئی صورت قائم نہیں ہو پاتی۔

ان چار آیتوں اور چار حدیثوں کی رو سے کسی کے لیے ایمان بالقرآن کے بغیر صفِ اسلام میں بیٹھنے کی کوئی راہ میسر نہیں ہو سکتی۔

ہم اس موجودہ قرآن پر ایمان رکھنے کا پورا اقرار کرتے ہیں کہ اس کے سوا قرآن کی کوئی دوسری کاپی زمین و آسمان میں ہے، نہ بازار میں اور نہ غار میں! کہیں نہیں ہے۔

دستخط کنندگان

المرسل: مولانا عبدالجبار سلفی

نائیجیریا کا تاریخی مناظرہ

عنوان: مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی

نائیجیریا مغربی افریقہ میں واقع ایک اسلامی ملک ہے اور اس کا دارالحکومت ''ابوجا'' ہے۔ اور ''لاگوس'' ایک بڑا شہر ہے۔ نائیجیریا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی کا تناسب تقریباً برابر ہے۔ قادیانیت جیسے غلیظ فتنہ نے جب وہاں پنجے گاڑے تو علامہ صاحب کو اُس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی سربلندی وحفاظت کے لیے قبول فرمایا اور آپ نے وہاں جا کر لاکھوں لوگوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔

اگست ۱۹۷۶ء میں مغربی افریقہ کے شہر ''اجی بوڈی'' میں بعنوان ''مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی'' ایک مناظرہ طے ہوگیا تھا جو بعد میں ''مناظرہ نائیجیریا'' کے نام سے انٹرنیشنل اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (انگلینڈ) نے شائع کیا تھا اور اس کو مرتب کرنے کا فریضہ ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ کے ناظم نشرواشاعت مولانا محمد رفیق نے سرانجام دیا تھا۔ یہ جنوری ۱۹۸۱ء میں پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا۔ اس وقت یہ ریکارڈ ہمارے پیش نظر ہے۔ اور اس کی مدد سے مذکورہ مباحثہ کا مکمل تعارف قارئین کے علم میں لایا جارہا ہے۔ [عبدالجبار سلفی]

تعارف

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی الله خیر امّا یشرکون! اما بعد

۱۲/اگست ۱۹۷۶ء کی صبح تھی۔ جب کاروانِ ختم نبوت نائیجیریا کے شہر اجیبوڈی پہنچا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان افریقہ کے ان ممالک میں دیر سے پہنچے۔ ابھی ان کی تربیت ہونے نہ پائی تھی کہ انگریز یہاں نوآبادیات بنا چکے تھے۔ ان کے زیرِ اثر ان مقبوضات میں عیسائیت پھیلی اور سیاہ فام اقوام خاصی تعداد میں عیسائی ہوگئیں۔ اسلام کا نام یہاں پہنچا تو ان اقوام میں اسلام کی بھی طلب پیدا ہوئی، وہ چاہنے لگے کہ مسلمان بھی یہاں ہوں۔

ان کی اس خواہش کی تکمیل میں انگریز حکمرانوں نے ہندوستان سے قادیانی مشنری کے کارندے یہاں درآمد کیے۔ اور انہیں مسلمانوں کے نام سے لا آباد کیا۔ ان کے زیر اثر مغربی افریقہ کے انگریزی مقبوضات میں کچھ سیاہ فام باشندے مرزائی بنا لیے گئے۔ اور انہیں اسلام کے نام پر یہاں متعارف کیا گیا۔ افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات میں انگریزوں کا یہ پودا کاشت نہ ہوا۔ فرانسیسی جس طرح انگریزوں کے خلاف تھے۔ اسی طرح ان کے سیاسی ایجنٹوں کو بھی برا سمجھتے تھے۔

وفد ختم نبوت کا مقصد انہی ممالک کی طرف تھا۔ جہاں افریقہ کے سیاہ فام باشندے اسلام کے نام پر مرزائی بنا لیے گئے تھے۔

غرض یہ تھی کہ ان سیدھے سادھے لوگوں کو اصل اسلام سے آشنا کرایا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ ماضی قریب میں ایشیائی مبلغینِ اسلام مشرقی اور جنوبی افریقہ میں آتے جاتے رہے، لیکن مغربی افریقہ میں انہیں کام کرنے کا کوئی موقع نہ ملا۔ ایک دفعہ محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ امیر مجلس تحفظ ختم نبوت نے کوشش کی، مگر انہیں یہاں کا ویزا نہ ملا۔ ۱۹۷۶ء کا وفد ختم نبوت علماء کا پہلا قافلہ تھا جو ختم نبوت کی تبلیغ اور مرزائیوں کی تردید کے لیے یہاں پہنچا۔ یہ قافلہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور سعودی دارالافتاء کی توصیات (تعارفی خطوط) سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ نائیجیریا ان افریقی ممالک میں بڑا ملک ہے، جہاں سیاہ فام باشندے خاصی تعداد میں مرزائی ہیں۔ اس کے شہر اجیبوڈی کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ وہاں مسلمانوں کا ایک بہت بڑا کالج اور مالکی مسلک کی بڑی بڑی کثیر تعداد مساجد ہیں۔ یہیں پر مرزائیوں کا بلند مینار والا مرزاڑہ (مرزائی عبادت گاہ) ہے۔ جس کی تصویر مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ کے دورہ افریقہ (افریقہ سپیکس) شائع شدہ از ربوہ کے ص ۱۱۱ پر دی گئی ہے وفد ختم نبوت کو اسے دیکھنے کا شوق تھا۔ قادیانیوں نے مرزاڑہ کے مینارہ پر کلمہ اسلام اس کاری گری سے لکھا ہوا تھا کہ اسے دور سے ''لا الٰہ الا اللہ احمد رسول اللہ'' پڑھا جا سکے اور جب اس پر مزید غور کریں، تو احمد کا لفظ محمد بھی معلوم ہو۔ اس صنعت اشتباہ کو دیکھنے کے لیے علماء وفد اجیبوڈی پہنچے۔ قادیانی مرزا غلام احمد کو اپنے عقیدہ میں آنحضرت ﷺ کا ہی بروز سمجھتے ہیں، بلکہ اپنے عقیدے میں غلام احمد کی اس دوسری بعثت کو حضور ﷺ کی پہلی بعثت سے زیادہ کامل قرار دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی پہلی بعثت میں اس شان میں نہ تھے۔ جس میں مرزا غلام احمد ظاہر ہوا (معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد) مرزا غلام احمد کے ایک مرید نے ان کی زندگی میں کہا تھا:

غلام احمد رسول اللہ ہے برحق　　شرف پایا ہے نوع انس و جاں میں
محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں　　اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل　　غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

[بدر، ۲۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء]

یعنی برحق کلمہ ''غلام احمد رسول اللہ'' ہے۔ انسانوں اور جنوں سب نے اس کلمہ سے عزت پائی ہے۔ قادیانیوں نے اجیبوڈی میں اپنے مینارہ پر اسی لیے صنعت اشتباہ دکھائی ہے۔

پیش نظر رہے کہ مرزا غلام احمد نے ان اشعار کو خود اپنے اخبار بدر میں شائع کیا تھا۔ قادیانی جب کلمہ پڑھتے ہیں۔ تو دل میں لفظ محمد سے دوسری بعثت مراد رکھتے ہیں۔

مرزا بشیر احمد ایم۔ اے لکھتا ہے:

''پس مسیح موعود (مرزا صاحب) خود محمد رسول اللہ ہے۔ جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔'' [کلمۃ الفصل مرزا بشیر احمد ایم۔ اے]

سرور شاہ قادیانی لکھتا ہے:

''ہم نے مرزا کو بحیثیت مرزا نہیں مانا، بلکہ اس لیے کہ خدا نے اس کو محمد رسول اللہ فرمایا: کوئی نیا نبی نہیں آیا۔''

[اخبار الفصل، ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۴ء]

خود مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''محمد اور احمد سے مسمّٰی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔'' [ایک غلطی کا ازالہ:۹]

غور کیجیے کس ملحدانہ انداز میں حضور ﷺ کی آمد ثانی کا عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے اور کس کفریہ انداز میں روح آنحضرت ﷺ کا مرزا غلام احمد میں حلول کرنا تسلیم کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حلول اور تناسخ دونوں عقیدے کفر ہیں۔ پھر یہ وحدت کسی جزئی پہلو سے نہیں کلی طور پر تسلیم کی گئی ہے اور پڑھیے:

''چونکہ میں کلی طور پر محمد ﷺ ہوں پس اس طور سے خاتم النبیّین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک محدود رہی۔'' [ایک غلطی کا ازالہ:۱۰]

''میرا نام محمد اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی۔''

[ایک غلطی کا ازالہ:۱۴]

ان تصریحات سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ مرزائیوں کا کلمہ مسلمانوں کے کلمہ سے جدا ہے۔ مسلمان لفظ محمد سے پیغمبر عربی مراد لیتے ہیں جو مکہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ مرزائی اس سے مرزا غلام احمد مراد لیتے ہیں۔ جسے وہ حضور ﷺ کی بعثت ثانی سمجھتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا کلمہ اور ہے اور مسلمانوں کا اور...... لفظ بدل جائے تو لفظی اشتراک بالکل بے معنی رہ جاتا ہے اور اس لفظی اشتراک کی حقیقت ایک مغالطہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مرزائیوں نے اس الحادی نقطہ نظر سے اپنے مرزاڑہ پر کلمہ اس طرح لکھا تھا کہ وہ احمد رسول اللہ بھی دکھائی دے اور محمد رسول اللہ بھی پڑھا جا سکے۔

کاروانِ ختم نبوت فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علامہ خالد محمود، فضیلۃ الشیخ فاتح ربوہ مولانا منظور احمد چنیوٹی، فضیلۃ الشیخ امانت اللہ، شیخ احمد کبیر، شیخ ارشد خریج جامعہ مدینہ منورہ، صلاح الدین بوصیری اور میکائیل پر مشتمل تھا۔ اشراق کے وقت ہم مرزاڑہ میں پہنچے۔ ایک لڑکا باہر کھیل رہا تھا۔ اسے کہہ کر ہم نے ان کے امام کو بلایا، اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ احقاق حق مقصود ہو تو ۱۱ر بجے جامع مسجد اجیبوڈی کے متصل وسیع ہال میں آئیں اور ایک کھلی مجلس میں گفتگو کریں۔

مرزاڑہ اجیبوڈی کے امام عبدالرحیم اولوا نائیجیری تھے، عربی اور انگریزی جانتے تھے اور قادیانیوں میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے، وہ اپنے ساتھ پانچ مبلغین منیر احمد وغیرہ کو لیکر ہال میں آ گئے۔ موضوع گفتگو مرزا غلام احمد کے عقائد اور ان کی زندگی قرار پایا۔ گفتگو انگریزی میں شروع ہوئی۔ مرزائیوں کو حق دیا گیا کہ ان کا ہر مبلغ مناظرہ میں حصہ لے سکتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے علامہ خالد محمود صاحب مناظر اور مولانا منظور احمد چنیوٹی ان کے معین ٹھہرے اور مناظرہ شروع ہو گیا۔ تین گھنٹے تک بحث جاری رہی۔ پھر مرزائیوں نے اسے اگلے دن پر ٹال کر مجلس کو ختم کر دیا۔ مرزائیوں کو معلوم تھا کہ اگلے دن علامہ خالد محمود صاحب کی

اجیبوڈی مسلم کالج میں تقریر ہے۔ یہ تقریر طلبہ کی ملکی سطح کی سالانہ کانفرنس میں تھی۔ قادیانی اگلے دن کے مناظرہ کے لیے اسی وقت پر اصرار کر رہے تھے جو اس تقریر کا تھا۔ انہیں وقت بدلنے کے لیے کہا گیا۔ مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ مولانا منظور احمد نے کہا کہ علامہ صاحب اپنی تقریر کے پروگرام میں مصروف ہوں گے۔ تو مناظرہ وہ کریں گے اور پھر مناظرہ عربی میں ہوگا اور انگریزی اور مقامی زبان کے مترجمین ساتھ کھڑے کیے جائیں گے۔ مناظرہ طے ہوگیا اور موضوع مناظرہ مرزا غلام احمد کی زندگی قرار پایا۔ اگلے دن حسن اتفاق سے علامہ خالد محمود صاحب کی کالج تقریر پچھلے پہر سے پہلے پہر تبدیل ہوگئی۔ یہ وقت ''ابادان'' کے ڈاکٹر پروفیسر اسماعیل کی تقریر کا تھا۔ وہ وقت پر نہ پہنچ سکے۔ تو علامہ خالد محمود صاحب نے اس وقت تقریر کردی اور کالج پروگرام سے فارغ ہوگئے۔ پچھلے پہر ہال میں مناظرہ تھا۔ ہال وقت سے بہت پہلے کھچا کھچ بھر گیا۔ ابادان سے فضیلۃ الشیخ مرتضیٰ شیخ عبدالوہاب بھی بمعہ کتب تشریف لے آئے۔ مرزائیوں کی طرف سے ڈاکٹر بھٹہ، امام عبدالرحیم اُولوا وغیرہ اور ان کے تمام مبلغین سٹیج پر آ گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے علامہ خالد محمود مناظر، مولانا منظور احمد معین مناظر اور شیخ عبدالوہاب مترجم تھے۔ جو مقامی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔ طے پایا کہ مناظرہ انگریزی زبان میں ہو۔ حاضرین میں سے اکثر انگریزی سمجھتے تھے اور باقیوں کے لیے مترجمین کا انتظام تھا۔ اس مناظرہ میں صدر ایک مقامی رئیس مسعود نائیجیری کو چنا گیا۔ صدر صاحب بھی اپنے احباب کے ساتھ جو اس علاقہ میں انتظامی اُمور کی اہم شخصیت تھے۔ اسٹیج پر تشریف لے آئے۔ ان کے آنے سے گڑ بڑ اور بد انتظامی کا کوئی اندیشہ نہ رہا۔ مناظرہ ڈھائی گھنٹے تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی۔ مرزائی بری طرح شکست کھا گئے۔ ان کے تقسیم کردہ اشتہارات اور پمفلٹ جو انہوں نے مناظرہ سے پہلے وہاں تقسیم کیے تھے۔ لوگوں نے وہیں ہال میں پھاڑ دیے۔ مرزائیوں کے خلاف ان کا یہ مجلسی اظہار نفرت تھا۔ جب صدر نے اٹھ کر اعلان کیا کہ مرزائی مسلمانوں کے عائد کردہ اعتراضات کا جواب نہیں دے سکے، تو ہال اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا اور پھر سارے لوگ ایک عظیم جلوس کی شکل میں شہر میں نکلے، سڑکوں اور رستوں پر دونوں طرف لوگ کھڑے اسلام اور ختم نبوت کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ جو عجیب سماں پیدا کر رہے تھے۔ احباب کا اصرار ہوا کہ دونوں دنوں کی گفتگو تحریر میں منضبط کر لی جائے۔ تا کہ دوسری جگہوں کے لوگ بھی اس مناظرہ کا نقشہ دیکھ سکیں۔ سو پہلے ۱۲/ اگست کی کاروائی پڑھیے۔ اس کے بعد ۱۳/ اگست کی روئیداد ملاحظہ کیجیے۔ غور سے پڑھنے والے مناظرہ میں خود موجود ہونے کی سی کیفیت محسوس کریں گے اور ان شاء اللہ اس سے پوری طرح محظوظ ہوں گے۔ **واللّٰہ ھو الموفق**

مرتب: صلاح الدین بوصیری افریقی (انگلش) (مولانا) محمد رفیق عفا اللہ عنہ (ترجمہ اردو)

کارروائی ۱۲/ اگست ۱۹۷۶ء بروز جمعرات ۱۱/ بجے دوپہر

علامہ خالد محمود صاحب!

الحمد لِلّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیء اللّٰہ خیر اما یشرکون ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین.

حضرات! جھوٹ بولنا ایسی بداخلاقی ہے جو ہر مذہب وملت میں بری سمجھی جاتی ہے۔ پھر جو جھوٹ خدا اور اس کے پیغمبر پر بولا جائے۔ وہ اور بھی گھناؤنا کردار ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جھوٹ بولنے والا شخص خدا کا مقرب اور پیارا نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ مسیح موعود اور پیغمبر ہو۔ قادیانی مرزا غلام احمد کو مسیح موعود اور پیغمبر مانتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ یہ میرے ہاتھ میں مرزا غلام احمد کی کتاب ازالہ اوہام ہے اس کے صفحہ نمبر ۲۱ / پر ایک حدیث **"کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم"** کے ساتھ حضور ﷺ کے نام سے یہ لفظ بڑھاتے ہیں۔ **"بل هو فامامکم منکم"** (ترجمہ) تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہوں گے، بلکہ وہی تم میں سے تمہارے امام ہوں گے۔

مرزا صاحب نے یہ الفاظ (**بل هو**) کے اپنے طرف سے گھڑے اور حدیث رسول میں داخل کیے۔ تا کہ وہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخص کو قرار دے سکیں۔ پھر اس کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہرائیں۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں حضرت عیسیٰؑ جب آسمان سے نازل ہوں گے تو اس وقت مسلمانوں کے قائد امام مہدی ہوں گے۔ جو امت محمدیہ میں سے ہوں گے اور وہی نماز کی امامت کرائیں گے۔

اصل حدیث یہ تھی: **" کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فامامکم منکم"[صحیح مسلم: ۸۷/۱]** ثابت ہوا کہ مرزا نے جھوٹ بولا۔ اگر نہیں تو آپ حدیث کی کسی کتاب سے "**بل هو**" کے الفاظ دکھائیں۔ ورنہ تسلیم کریں کہ جھوٹ بولنے والا صادق اور راست باز نہیں ہوسکتا اور حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: **" من کذب علی متعمدًا فلیتبوا مقعده من النار۔"[رواه البخاری]** یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ دیکھئے مقدمہ موضوعات کبیر۔

مرزائی امام: مرزا صاحب نے یہ الفاظ تشریحاً کہے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ یہ تشریح انہوں نے حدیث " **لا مهدی الا عیسی**" (ا) سے لی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی شخص ہوگا۔

علامہ خالد محمود صاحب: مرزا صاحب کی کتاب "ازالہ اوہام" اردو میں ہے، اردو میں ہی مرزا صاحب اپنی بات سمجھا رہے ہیں۔ اردو عبارت میں ایک عربی عبارت پیش کرنا اسے حوالہ کے طور پر پیش کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے اسے حدیث کے طور پر پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان لفظوں میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ یہ الفاظ مرزا صاحب نے اپنی طرف سے داخل کیے ہیں اور حدیث میں تحریف کی ہے، اصل حدیث سے صاف عیاں ہے کہ مسیح اور مہدی علیحدہ علیحدہ دو شخص ہیں۔ دیکھئے مرزا قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے: "اس لیے ماننا پڑا کہ مسیح موعود اور مہدی اور دجالی تینوں مشرق میں ہی ظاہر ہوں گے۔"[تحفہ گولڑویہ: ۷۶]

(ا) مرزا غلام احمد لکھتا ہے: **اما احادیث مجیئ المهدی فانت تعلم انها کلها ضیعق مجدوحة ویخالف بعضها لعضًا حتی جاء حدیث فی ابن ماجه وغیره من الکتب انه لا مهدی الا عیسیٰ فکیف نیکاء علی مثل هذه الاحادیث رحامة البشری: ۱۱۰.**

''**لا مهدی الاعیسیٰ**'' کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں۔ پھر موضوع بحث "**بل هو امامکم منکم**" کے الفاظ ہیں کہ یہ حدیث مذکور میں موجود ہیں یا نہیں۔ یہ نہیں کہ یہ مضمون مرزا صاحب نے کہاں سے لیا۔ یہ سنن ابن ماجہ میں بھی نہیں، تو مرزا صاحب نے انہیں اس حدیث میں کیوں داخل کیا؟ اس وقت یہ بحث نہیں کہ یہ دو شخصیتیں ہیں یا ایک؟ اپنے موضوع سے نہ ہٹیے۔

مرزائی امام: ہم مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اسلام کے پانچ ارکان کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر کیوں ہم مسلمان نہیں۔ اُصولی بحث کیجیے۔ حدیث کے الفاظ پر بحث ایک جزئی بحث ہے۔ اسے چھوڑ دیجیے۔ ہمارے پاس اس وقت حدیث کی کتابیں نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: ہم حدیث پر جزئی بحث نہیں کر رہے، بات یہ ہو رہی تھی کہ مرزا غلام احمد نے جھوٹ بولا ہے یا نہ؟ ہم نے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا اور آپ اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے۔ آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ کلمہ پڑھتے ہیں صحیح نہیں، اولاً تو یہ کہ آپ محمد رسول اللہ کے الفاظ سے مرزا صاحب کو مراد لیتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ کلمہ توحید ہے اور مرزا صاحب اس کے بھی خلاف تھے۔ توحید کے داعی موت وحیات پر صرف خدا کی قدرت کے قائل ہیں، اور **کن فیکون** کی شان صرف خدا کی سمجھتے ہیں کہ **کن** کہے اور وہ چیز وجود پا جائے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں: **اُعطیت صفة الافناء و الاحیاء.** [خطبہ الہامیہ: ۶۵۵] مجھے مارنے اور زندہ کرنے کی طاقت دی گئی ہے:

اِنَّمَا اَمْرُکَ اذا اَرَدْتَ شَیئًا ان تقول له کُنْ فَیَکُوْنُ. [تذکرہ: ۵۲۶/۶۵۶]

''تیسرا امر یہ ہے کہ جب تو کسی چیز کا ارادہ کرے اور اس کے لیے کہے ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔''

بتاؤ توحید کہاں گئی؟ اسلامی عقیدہ ہے کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ کوئی اس کے درجہ میں ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿ **أنى یکون لهٗ ولد ولم تکن له صاحبة** ﴾

مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مجھے خدا نے کہا: ''**انت منّی بمنزلة ولدی** ۔[حقیقۃ الوحی: ۸۶]'' تو میرے لیے بیٹے کے درجہ میں ہے۔''

مرزائی امام: **اُعطیت صفة الاحیاء** سے مراد یہ ہے کہ میں اپنے پیغام سے قوموں کو زندگی بخشنے والا ہوں۔ یہ احیاء مجازی معنی میں ہے۔

علامہ صاحب: بات کاٹتے ہوئے تو پھر صفۃ الافناء (موت دینا) کے کیا معنی ہوں گے کہ لوگ میری وجہ سے موت کی نیند سوئیں گے؟ اتنا مبارک میرا وجود ہے۔ افناء تو کروڑوں مسلمانوں پر وارد ہوا اور احیاء صرف چند لوگوں کا ہوا یہ احیاء کس طرح لائق فخر ہو سکتا ہے؟

مرزائی امام: آپ کلمہ پر بحث نہ کریں۔ مرزا صاحب شریعت محمدی کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر ہی وہ عمل کرتے رہے۔ انہوں نے شریعت کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلا۔ آپ تابع شریعت محمدی تھے اور غیر تشریعی نبی تھے۔ جو نبی تو ہو مگر بغیر کسی

شریعت کے۔

علامہ صاحب: آپ شریعت کا بار بار ذکر کر رہے ہیں۔ آپ کو کچھ پتہ بھی ہے، اچھا بتائیے نماز میں کسی سے کلام کرنے سے یا نماز میں اردو بولنے سے نماز ٹوٹتی ہے یا نہ؟

مرزائی امام: ہاں ٹوٹ جاتی ہے۔ نماز میں نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے نہ نماز کی زبان کو ہم کسی دوسری زبان میں بدل سکتے ہیں۔

علامہ صاحب: یہ لیجیے مرزا صاحب کے لڑکے کی کتاب ''سیرت المہدی'' ہے یہ اس کا تیسرا حصہ ہے، اور صفحہ ۱۳۸/ ہے، اس میں ہے۔ ایک دفعہ گرمیوں میں مسجد مبارک میں مغرب کی نماز پیر سراج الحق صاحب نے پڑھائی۔ حضورؑ بھی اس نماز میں شامل تھے۔ تیسری رکعت میں رکوع کے بعد انہوں نے مشہور دعاؤں کے ساتھ حضور کی ایک فارسی نظم پڑھی۔ اور خوب جھوم جھوم کر یہ نظم پڑھی

اے خدا اے چارۂ آزار ما ‏ ‏ ‏ ‏ اے علاج گریہ ہائے زار ما
اے تو مرہم بخش جان ریش ما ‏ ‏ ‏ ‏ اے تو دلدار دل غم کیش ما

[سیرت المہدی حصہ سوم ص ۱۳۸]

ڈیڑھ سو اشعار کی یہ نظم براہین احمدیہ ص ۵۲۴/ میں درج ہے۔ مغرب کی تیسری رکعت اس طویل نظم سے پورا شبینہ بن گئی۔ یہاں نہ تو امام کی نماز ٹوٹی نہ مرزا صاحب کی اور نہ ہی کسی مقتدی کی۔ کیا یہ شریعت میں تبدیلی ہوئی یا نہ؟

مرزائی امام: یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں آخر دعا ہی تو ہے چاہے کسی بھی زبان میں ہو اور یہ صرف ایک ہی دفعہ ہوا۔ ہمیں معلوم نہیں مرزا صاحب اس وقت کس حالت میں تھے؟ ممکن ہے ایسی کیفیت ہو کہ ہوش باقی نہ رہا ہو۔

علامہ خالد محمود صاحب: پیغمبر کبھی اپنے حواس نہیں کھوتا کہ اسے شریعت بگڑنے کا پتہ نہ چلے۔ امام باتیں کرتا رہے اور یہ پیغمبر اس کا مقتدی بنا پیچھے کھڑا رہے۔

مرزائی امام: اس بات کو چھوڑیے کیا مرزا صاحب نے زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی کی؟ یا روزوں کے بارے میں کوئی اسلامی ضابطہ بدلا، آپ نے شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کی آپ غیر تشریعی نبی تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب: شریعت محمدی میں زکوٰۃ اڑھائی فی صد ہے۔ اس سے زیادہ نہیں، اس کے علاوہ صدقۃ الفطر واجب ہے، مگر مرزا صاحب کی شریعت میں ان دو کے علاوہ ایک ماہانہ چندہ بھی فرض ہے اور ہر مرزائی اپنے مرکز کو یہ تاوان ادا کرتا ہے۔ یہ پڑھیے:

> ''سو ہر شخص کو چاہیے کہ اس نئے نظام کے بعد نئے سرے سے عہد کر کے اپنی خاص تحریر سے اطلاع دے کہ وہ ایک فرض حتمی کے طور پر اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے...... اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہیں آیا، تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے

گا۔'' [سیرت المہدی حصہ سوم: ۱۳۸]

مرزائی امام: یہاں فرض کا لفظ ضروری کے معنی میں ہے۔ شرعی معنی میں نہیں شرعاً آپ صرف زکوٰۃ کو فرض سمجھتے تھے اور زکوٰۃ با قاعدہ ادا کرتے تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب: پیغمبر کسی لفظ کو ایک معنی میں استعمال کرے تو وہ معنی شرعی ہو جاتے ہیں۔ مرزائیوں کے عقیدہ میں ماہانہ چندہ کی ادائیگی بھی شرعاً فرض ہے، کیونکہ ان کے عقیدے میں ایک پیغمبر نے اسے فرض کہا ہے۔ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ آپ زکوٰۃ با قاعدہ دیتے تھے۔ غلط ہے۔ ڈاکٹر اسمٰعیل کا بیان ہے ''کہ آپ نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔'' [سیرت المہدی، حصہ سوم: ۱۱۹]

مرزائی امام: مرزا صاحب ایسے پیغمبر نہیں، جس کے کہنے سے کوئی چیز فرض ہو جائے، آپ نے روزوں کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ہم بھی رمضان کے روزے ہی رکھتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: کوئی شخص بیمار ہو، روزے نہ رکھ سکے تو شریعت محمدی کی رو سے اسے تندرست ہونے پر اتنے دن روزوں کی قضاء دینی لازم ہوگی۔ وہ ان روزوں کا فدیہ نہ دے سکے گا۔ ہاں بیماری سے شفایاب نہ ہونے کا خطرہ ہو یا شیخ فانی ہو کہ صحت کی امید نہ رہی ہو تو ایسی حالت میں وہ روزوں کا فدیہ دے۔ اب مرزا صاحب کی شریعت کی بھی سن لیجیے۔

> ''آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے، اور فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرا رمضان آیا...... باقی چھوڑ دیے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا۔ روزے ترک کرنے پڑے ...... خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ نے ابتداءً دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑ دیے، تو کیا پھر بعد میں ان کو قضا کیا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں۔'' [سیرت المہدی، حصہ سوم ص ۲۴/۴۵]

مرزائی امام: ہم احمدی رمضان میں روزے رکھتے ہیں اور ہمارے روزے کی ابتداء اور انتہا اسی طرح ہوتی ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: مرزا بشیر الدین نے ایک جمعرات میں سات روزے رکھے تھے آپ بتائیں ان روزوں کی ابتداء و انتہاء کس وقت سے تھی اور کب تک تھی۔ یہ ہمارے روزوں کی کیسے تھی پھر یہ بھی ثابت ہے کہ مرزا صاحب رمضان شریف میں صبح کی اذان کے وقت بھی کھاتے رہتے تھے۔ [سیرت المہدی: ۱۳/۱]

مرزائی امام: کیا طلوع فجر کے وقت کھانا ناجائز ہے؟ یہ اعتراضات فروعی ہیں اصولی بحث کیجیے۔ ہم احمدیوں نے دنیا کے ہر حصے میں تبلیغ اسلام کے مشن قائم کیے۔ عیسائیوں اور آریوں کے خلاف کتابیں لکھیں۔ مسلمان فرقہ بندی میں پڑے رہے اور خدا تعالیٰ نے اسلامی مشن کا کام احمدیوں سے لیا۔ آپ بتائیں کون سا عالم دین یہاں افریقہ آیا یا یورپ گیا؟ یہ ہم ہی تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب: مسلمان دنیا کے ہر حصہ میں اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ میں خود کئی سالوں سے برطانیہ میں تبلیغ اسلام کر رہا ہوں۔ خدا کے فضل سے کئی غیر مسلم میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں، میں وہاں جمعیت علماء برطانیہ کا بانی ہوں۔ جس میں ڈھائی سو سے زائد علماء شامل ہیں۔ سعودی عرب اور مصر کے مبعوث اس وقت تقریباً ہر ملک میں تبلیغ کے لیے موجود ہیں۔ اکابرین اسلام جیسے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم،

شیخ المشائخ مولانا اسعد مدنی، حکیم الامت مولانا مسیح اللہ خان اور مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر مرحوم یورپ اور افریقہ کے کامیاب دورے کر چکے ہیں اور تبلیغی جماعت میں ہزاروں مسلمان اسلام کا پیغام لے کر دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ رہے ہیں۔

مرزائی امام: عیسائیوں کے خلاف ہم نے لٹریچر لکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے براہین احمدیہ لکھی۔ جس سے بڑھ کر کوئی کتاب حقانیت اسلام پر اب تک نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب پانچ ضخیم حصوں میں لکھی گئی ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبِ اظہارِ حق، حضرت مولانا ابوالمنصور صاحبِ نوید جاوید، مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا ابومحمد عبدالحق صاحبِ تفسیر حقانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے عیسائیوں اور آریوں کے خلاف وہ جامع لٹریچر ہمیں دیا ہے کہ مرزا غلام احمد کی کل کتابیں ان حضرات کی ایک کتاب کی برابری نہیں کر سکتیں۔ پھر مرزا صاحب کی کتابوں میں عیسائیوں کے دلائل پر اتنی بحث نہیں جتنی اپنے الہامات کی بحث ہے۔

مرزائی امام: احمدیوں کی تنظیم بہت مضبوط ہے۔ ہم ایک مضبوط مرکز کے ماتحت ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں۔ سب انتشار کا شکار ہیں۔ مسلمانوں میں اس وقت اگر کوئی الٰہی سلسلہ ہوتا تو یقیناً ایک مضبوط تنظیم قائم کر لیتے۔

علامہ خالد محمود صاحب: خود کاشتہ پودے قطاروں میں ہوتے ہیں۔ مگر قدرتی پودے متفرق اُگتے ہیں۔ اقلیت اپنی بقا کے لیے تنظیم کے لیے مجبور ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے حق پر ہونے کا یہ خدائی نشان ہے کہ بغیر کسی مضبوط تنظیم کے شجر اسلام اب تک پوری قوت سے لہرا رہا ہے۔ مرزائیوں کی تنظیم ایک دن نہ رہے۔ اگلے دن اس کا جینا دوبھر ہو جائے۔ آپ ان جزئیات پر وقت ضائع نہ کریں کسی موضوع پر جم کر بات کریں۔

مرزائی امام: ہم نے جم کر بات کی کہ مرزا صاحب نے شریعت محمدی میں تبدیلی نہیں کی، بلکہ آپ نے شریعت محمدی کی پوری پوری تابعداری کی ہے اور اسی سے نبوت کا مرتبہ پایا۔ یہ نبوت حضرت مسیح موعود نے حضور پاک کی تابعداری سے پائی ہے، بلکہ آپ کا آنا خصوص کا آنا ہی ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: ہم نے ابھی کئی حوالے پیش کیے ہیں کہ مرزا صاحب نے ایمانیات، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ شریعت کے تمام ارکان میں تبدیلی کی ہے۔ پھر آپ وہی بات کیے جا رہے ہیں۔

مرزائی امام: مرزا صاحب کے تشریف لانے سے ایمان میں کیا تبدیلی ہوئی؟ آپ کے پاس اس پر کیا دلیل ہے؟ ہمارے عقیدے میں ایمان کا معیار اب بھی وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا۔ ایمان اور کفر کی حدود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

علامہ خالد محمود صاحب: کیا توحید اور رسالت کے موضوع پر مرزا غلام احمد کے غلط عقائد آپ کے سامنے نہیں آئے؟ لیجیے ایمانیات کے بارے میں اور سنیے۔ مرزا غلام احمد کے آنے سے پہلے حیات مسیحؑ کے قائل گناہ گار نہ تھے، لیکن ان کے آنے کے بعد اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ کی حیات عنصری کا عقیدہ رکھتا ہے، تو وہ مشرک ہے گناہ گار ہے۔ لائق بخشش نہیں، یہ تبدیلی مرزا صاحب

کے آنے سے ہوئی اور اس مسئلے کا حکم بدل گیا، کیا یہ شریعت میں تبدیلی نہیں؟

مرزائی امام: حیات مسیح کا عقیدہ پہلے بھی غلط تھا اور اب بھی غلط ہے۔ یہ غلط ہے کہ پہلے اس عقیدے کے لوگ گناہ گار نہیں تھے، اور اب وہ حکم شریعت میں گناہ گار ہیں۔ شریعت میں تبدیلی کبھی نہیں ہو سکتی، نہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ یہ ہم پر بہتان ہے نماز، روزہ، حج ہمارے نزدیک بھی ویسے ہی ہیں۔ جس طرح عام مسلمانوں کے ہاں۔

علامہ خالد محمود صاحب: لیجیے یہ میرے پاس غلام احمد کی کتاب ''حقیقت الوحی'' ہے۔ اس کے ساتھ الاستفتاء ملحق ہے۔ مرزا صاحب اس میں صفحہ نمبر ۴۲ / پر صاف اور صریح لکھتے ہیں:

ان الذین خلوا من قبلی لا اثم علیهم وهم مبرؤن۔ [الاستفتاء، حقیقت الوحی: ۴۲] ''بے شک وہ لوگ جو مجھ سے پہلے گزر چکے۔ (حیات مسیح کے عقیدے میں) ان پر کوئی گناہ نہیں اور وہ بری ہیں۔''

(۲) پھر مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ مسیح موعود کے ظہور سے پہلے اگر اس وقت ہم میں سے کسی نے یہ خیال بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، صرف اجتہادی خطا ہے جو اسرائیلی نبیوں سے بھی ہوتی رہی۔ [ایضاً: ۳۰]

(۳) ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیحؑ کی وفات و حیات پر جھگڑے اور مباحثے کرتے پھرو۔ یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ [ملفوظات احمدیہ: ۲/۲۷]

(۴) کل میں نے سنا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ اس فرقہ میں اور دوسرے لوگوں میں سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں کہ یہ لوگ وفات مسیح کے قائل ہیں اور وہ لوگ وفات مسیح کے قائل نہیں۔ باقی سب عملی حالت مثلاً نماز، روزہ اور حج وہی ہے سو سمجھنا چاہیے کہ یہ بات صحیح نہیں کہ میرا دنیا میں آنا صرف حیات مسیح کی غلطی کو دور کرنے کے واسطے ہے۔ اگر مسلمانوں کے درمیان صرف ایک غلطی ہوتی تو اتنے کے واسطے ضرورت نہ تھی کہ ایک شخص مبعوث کیا جاتا اور ایک جماعت الگ بنائی جاتی اور ایک بڑا شور برپا کیا جاتا۔ یہ غلطی دراصل آج نہیں پڑی، بلکہ میں جانتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ غلطی پھیل گئی تھی اور کئی خواص اولیاء اور اہل اللہ کا یہی خیال تھا۔ اگر یہ کوئی ایسا اہم امر ہوتا تو خدا تعالیٰ اسی زمانہ میں اس کا ازالہ کر دیتا۔ [احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے؟: ۲]

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ اور بعض صحابہ کا خیال تھا کہ عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ [اعجاز احمدی: ۱۸]

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ مرزا صاحب کی آمد سے پہلے حیات مسیح کا اعتقاد ہرگز ہرگز گناہ نہ تھا اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا کہ اسے کوئی اہمیت دی جاتی، لیکن مرزا صاحب کی آمد کے بعد یہ اعتقاد شرعاً گناہ قرار پایا۔ یہ بڑی واضح تبدیلی شریعت ہے۔

قادیانی شریعت میں اب حیات مسیحؑ کے قائل مشرک ہیں۔ مرزا صاحب کی کتاب ''حقیقت الوحی'' کے ملحقہ الاستفتاء ص ۳۹ / میں ہے۔

ومن سؤ الادب ان یقالَ ان عیسیٰ مامات وَان هو الاشرک عظیمه یأکل الحسنات. [حقیقۃ

الوحی: ۳۹]

''اور یہ بری بات ہے کہ کہا جائے کہ عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے۔ یہ تو ایسا شرک عظیم ہے جو تمام نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔''

مرزائی امام: حیات و وفات مسیح کا مسئلہ بے شک بہت اہم ہے۔ اس کے سوا ہم کسی اور بات میں تبدیلی نہیں مانتے، ہمیں کافر قرار دینا ہم پر ظلم ہے، پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ ظلم کیا گیا، مگر ہم نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ہم برائی کا بدلہ برائی نہیں کرتے، بلکہ تبلیغ کرتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: یہ بھی شریعت محمدی میں تبدیلی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: **سیئة سیئة مثلها** ''برائی کا بدلہ مثل اسی کے برائی ہے۔'' [پ۲۵ الشوریٰ ع۴]

مگر مرزا قادیانی لکھتا ہے: ''جو بدی کا بدی سے مقابلہ کرتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔''

[اشتہار چندہ **منارة المسیح**، ۲۸ر فروری ۱۹۰۰ء]

قرآن کریم تو بدی کے بدلہ بدی کی اجازت دے، مگر مرزا صاحب منع کریں۔ کیا یہ تبدیلی شریعت نہیں؟

مرزائی امام: برائی کے بدلے برائی جائز تو ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ معاف کر دیا جائے۔

علامہ صاحب: مگر مرزا صاحب تو اسے ناجائز بتلاتے ہیں۔ ''جو ایسا کرے وہ ہم میں سے نہیں۔'' مرزا صاحب تو ایسے شخص کو اپنے مذہب سے نکالتے ہیں، تو یہ جائز کیسے رہا؟ یہ اس اصول کی صریح تردید ہے کہ برائی کے بدلے برائی ہو سکتی ہے۔

مرزائی امام: ہم مسلمان ہیں قرآن کو مانتے ہیں۔ صحابہ کرام کو مانتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: صحابہ کرام کو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو حضورؐ کو آخری نبی مانتے ہوں۔ ان کے عقیدے میں جب اور نبی پیدا نہ ہوگا، تو صرف حضورؐ کے ساتھی ہی ان کے عقیدے میں صحابی ہوں گے، مگر جن کے ہاں اور نبی پیدا ہوں تو ان کے ہاں ان کے صحابہ بھی اور ہوں گے۔ پھر یہ نہیں ہو سکے کہ وہ خاتم النبیین کے صحابہ کو صحابی مانتے ہوں۔ کیا یہ عقیدے میں تبدیلی نہیں؟ قرآن کریم کی رو سے صرف حضور ﷺ کی ازواج ہی امہات المومنین ہیں، مگر قادیانی مرزا صاحب کی بیوی کو بھی ام المومنین مانتے ہیں۔

مرزائی امام: ہم حضور پیغمبر عربی کے صحابہ کو ہی صحابی مانتے ہیں۔ یہ شرف اور کسی کو حاصل نہیں۔ یہ ہم پر بہتان ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے ساتھیوں کو صحابی کہتے ہیں۔ پھر یہ صحابی بھی ہوں تو حضور ﷺ کے صحابی تو نہ ہوئے۔ مرزا صاحب کے صحابی شمار ہوں گے۔

علامہ صاحب: مگر مرزا غلام احمد تو لکھتا ہے:

مَن دخل فی جماعتی دخل فی صحابة خیر المرسلین. [خطبۃ الہامیہ: ۱۷۱]

''جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا۔ وہ بہترین پیغمبر کے صحابہ میں شمار ہو گیا۔''

یہاں تو اپنے ساتھیوں کی بھی تخصیص نہیں، بلکہ جو بھی قادیانی ہو گیا، خواہ وہ کسی وقت بھی ہو، وہ ان کے نزدیک حضور ﷺ کے

صحابہ میں شامل ہو گیا۔

مرزائی امام: مرزا صاحب کے صحابہ حضور پیغمبر عربی کے صحابہ کے ظل ہیں۔ انہوں نے جو مرتبہ پایا۔ پیغمبر عربی کے صحابہ کی تابعداری میں پایا تھا۔ اس لیے وہ بھی صحابی ہو گئے، تو اس میں کیا حرج ہے؟ شریعت کو انہوں نے نہیں بدلا۔

علامہ خالد محمود صاحب: یہ غلط ہے حضور ﷺ کے صحابہ نے تلوار کا جہاد بھی کیا ہے اور وہ اسے عبادت سمجھتے تھے، مگر مرزا غلام احمد اور اس کے ساتھی تلوار کے جہاد کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہ صحابہ کے تابعدار کیسے بن سکتے ہیں؟ حضور ﷺ تو یہ فرمائیں کہ جہاد قیامت تک جاری ہے۔ اور مرزا صاحب کہیں آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم سے بند کیا گیا۔ سو...... سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ [اشتہار چندہ **منارة المسیح**: ۷]

اِنَّ الحرب حُرِّمَتْ عَلَيَّ. ''بے شک جنگ مجھ پر حرام کی گئی۔'' [خطبہ الہامیہ: ۳۵]

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جس جہاد کے بند ہونے کا مرزا صاحب نے اعلان کیا وہ مرزا صاحب سے پہلے جاری و ساری تھا۔ مرزا صاحب کے ظہور کے بعد وہ حرام قرار پایا کیا یہ تبدیلی شریعت نہیں؟ کیا یہ صرف ان جنگوں کا خاتمہ ہے۔ جو پہلے ظلم تھیں۔ ظلم تو کبھی اور کسی وقت میں بھی جائز نہیں رہا۔ یہاں اسی جہاد کو ختم قرار دیا ہے جو حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں جائز اور روا تھا، بلکہ بعض صورتوں میں واجب تھا۔

مرزائی امام: ہم حضرت مرزا صاحب کو اس لیے مانتے ہیں کہ وہ امن کے حامی تھے لڑائی کے نہیں، لڑائیوں میں کیا رکھا ہے؟ اس زمانہ میں جہاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضور خاتم النبیین ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ وہ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلائیں۔ **"حرض المومنین علی القتال."** (آپ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیں)۔ اور یہ حکم قیامت تک باقی ہے کہ شرائط پائے جانے پر تلوار اور رائفل کے ساتھ بھی جہاد کیا جا سکتا ہے۔

مرزائی امام: صرف قلم کا جہاد درست ہے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہ اب بھی باقی ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: جو آیت میں نے پیش کی ہے۔ اس میں قتال کا لفظ ہے جس کے معنی جنگ اور لڑائی کے ہیں۔ قرآن کریم یہاں جہاد بالسیف کی تعلیم دے رہا ہے۔ مرزا غلام احمد انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے تلوار کے جہاد کو حرام کہتا رہا اور مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے قلمی جہاد کا سہارا لیتا رہا۔

مرزائی امام: انگریز ہندوستان میں حکمران تھے اور قرآن اولی الامر (حکمرانوں) کی تابعداری کا حکم دیتا ہے پس اہل ہند پر مع حضرت مسیح موعود کے انگریزوں کی اطاعت فرض تھی۔

علامہ خالد محمود صاحب: قرآن کریم **اولی الامر منکم** (ترجمہ) ''اور وہ حکمران جو تم میں سے ہوں'' کی اطاعت ضروری قرار دیتا ہے۔ نہ کہ صرف **اولی الامر** کی۔ قرآن کریم میں **منکم** (تم میں سے) کا لفظ صریح طور پر موجود ہے۔

مرزائی امام: آپ موقع دیں کہ ہم مزید تیاری کر کے کل آپ سے مناظرہ کریں۔ آپ لوگوں نے ہمیں تیاری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ایک دن بھی ہمیں مل جاتے تو ہم آپ کو منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں۔ باقی مناظرہ کل پچھلے پہر رکھ لیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: ہم کل بھی مناظرہ کے لیے حاضر ہیں، لیکن پھر ظہر سے قبل کا وقت رکھ لیں، کیونکہ پچھلے پہر میں مصروف ہوں۔

مرزائی پچھلے پہر کا وقت بدلنے پر اصرار کے باوجود آمادہ نہ ہوئے۔ مجبوراً مرزائیوں کا تجویز کردہ وقت منظور کرلیا گیا، لیکن طے پایا کہ بصورت مصروفیت علامہ صاحب، مناظرہ مولانا منظور احمد کریں گے اور مناظرہ عربی میں ہوگا جس کا ساتھ ترجمہ کیا جائے گا۔ موضوع مناظرہ مرزا غلام احمد کی سیرت قرار پایا اور اس پر مجلس برخاست ہوگئی۔

مناظرہ ۱۳/اگست ۱۹۷۶ء بروز جمعہ ۵/بجے شام

موضوع: مرزا غلام احمد کی سیرت

صدر اجتماع: الحاج مسعود نائیجیری

اسٹیج پر اہل اسلام کی طرف سے

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود ۲۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی

۳۔ شیخ مرتضیٰ عبدالسلام نائیجیری ۴۔ شیخ عبدالوہاب نائیجیری

۵۔ فضیلۃ الشیخ امانت اللہ مبعوث سعودی

اسٹیج پر قادیانیوں کی طرف سے۔

۱۔ امام مرزائے عبدالرحیم اولوا ۲۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بھٹہ

۳۔ منیر احمد نائیجیری۔ اور ان کے چار دیگر معاونین

قادیانی مناظر شکیل احمد: آیئے پہلے موضوع مناظرہ طے کرلیں۔ پہلی گفتگو حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر ہونی چاہیے۔ حضرت مسیح زندہ ہوں تو حضرت مرزا صاحب ہرگز مسیح موعود نہیں اور اگر ہم ثابت کردیں کہ حضرت عیسیٰؑ مر چکے ہیں، تو پھر حضرت مرزا صاحب یقیناً مسیح موعود ہیں، کیونکہ اور کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

علامہ خالد محمود صاحب: موضوع مناظرہ کل سے طے ہے اور وہ ہے مرزا غلام احمد کی سیرت۔ آج مناظرہ اسی موضوع پر ہوگا۔ آپ کے امام عبدالرحیم اَولوا سے کل یہ موضوع طے ہوگیا تھا۔ قادیانی جماعت یہ لکھ دے کہ وہ مرزا صاحب کی سیرت پر مناظرہ کرنے سے عاجز ہیں اور اپنی شکست کا اقرار کرتے ہیں، تو ہم وفات مسیح پر بھی جوابی کارروائی کے لیے تیار ہیں۔

قادیانی امام عبدالرحیم اَولوا: یہ صحیح ہے کہ آج کا موضوع مناظرہ کل سے طے ہے اور وہ ہے حضرت مرزا صاحب کا صدق و کذب! ہم آپ کے سامنے مرزا صاحب کی صداقت کے دلائل پیش کریں گے۔ آپ میں ہمت ہے، تو ان دلائل کو توڑیں۔ اب

ہم اس بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: ایسا نہیں، آج مناظرہ میں ہم مدعی ہوں گے اور آپ مدعی علیہ! ہم مرزا صاحب کی زندگی پر اعتراضات پیش کریں گے اور آپ ہمارے اعتراضات کا جواب دیں گے۔ آپ مرزا صاحب کے پیرو ہیں اور آپ کا فرض ہے کہ اپنے نبی کی صفائی پیش کریں۔

قادیانی مناظر شکیل احمد: نہیں مرزا صاحب کی صداقت کے مدعی ہم ہیں۔ ہم اپنا دعوے مع دلائل پیش کریں گے۔ آپ ان دلائل کا ضعف بیان کر کے ہمارے دعویٰ کو توڑیں اس موضوع پر آپ مدعی نہیں ہو سکتے۔

علامہ خالد محمود صاحب: مرزا غلام احمد کی سیرت کا موضوع ہمارا پیش کردہ ہے۔ قادیانی وفات مسیح کا موضوع پیش کر رہے تھے۔ ہر فریق اپنی اپنی خواہش کے موضوع پر مدعی ہوتا ہے۔ اگر یہ موضوع آپ تجویز کرتے تو آپ اس میں مدعی ہوتے۔ یہ موضوع ہم نے پیش کیا ہے اس لیے ہم اس میں مدعی ہوں گے۔ وفات مسیح اگر موضوع ہوتا تو بے شک آپ مدعی ہوتے یہ ایک اصولی بات ہے۔

امام عبدالرحیم اولوا: آپ کا مطالبہ ہمیں منظور ہے۔ آپ حضرت مسیح موعود کی سیرت پر اعتراضات پیش کریں۔ ہم جواب دیں گے۔ ہر فریق کا وقت پانچ پانچ منٹ ہوگا۔ مقامی زبان پر ترجمے کا وقت اس میں شمار نہ ہوگا۔ وقت کی پابندی صدر کروائیں گے۔

علامہ صاحب:

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ الله خير اما يشركون اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون . [سورۃ مائدہ ع ۱۲]

حضرات: قرآن کریم کی رُو سے شراب، ناپاک، پلید اور عمل شیطان ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ ام الخبائث ہے اور خبیثوں کی خوراک ہے۔ ظاہر ہے کہ خبیث مجدد مسیح اور ہادی و مہدی نہیں ہوسکتا۔ شراب پینے والا شخص شرافت انسانی سے محروم ہے۔ وہ ایک شریف انسان بھی نہیں ٹھہرتا۔ چہ جائیکہ کوئی قوم اسے پیغمبر تسلیم کرے۔ اب میں دلیل پیش کرتا ہوں کہ مرزا غلام احمد نے شراب پی تھی۔ اے قادیانیوں! آپ اس شخص کو جوام الخبائث کا دلدادہ ہو، مذہبی پیشوا بنا کر فلاح نہیں پا سکتے۔ یہ میرے ہاتھ میں اخبار الفضل قادیان ہے یہ ۱۵ر جون ۱۹۳۵ء کا پرچہ ہے۔ اس میں مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور (مشرقی پنجاب) کا فیصلہ عدالت درج ہے۔ موصوف نے یہ فیصلہ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی اپیل پر دیا تھا اور حضرت شاہ صاحب کو تا برخواست عدالت قید کی سزا دی تھی۔ اس میں جج موصوف کا فیصلہ مرزا غلام احمد کے کیریکٹر کے بارے میں یہ ہے۔

''مرزا ایک ٹانک استعمال کیا کرتا تھا۔ جس کا نام پلومر ٹانک وائن (طاقت دینے والی شراب) تھا۔ اور ایک موقع پر اپنے دوست کو لکھا کہ وہ لاہور سے خرید کر اسے بھیج دے۔ دوسرے ایک دو خطوط میں یاقوتی کا ذکر ہے۔ [اخبار الفضل قادیان ۱۵ر جون

۱۹۳۵ء]

حضرات! یہ عدالت کا فیصلہ ہے اور اس عدالت کا فیصلہ ہے جو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خلاف فیصلہ دے رہی ہے اور پھر یہ فیصلہ قادیانیوں کے خود اپنے پرچہ میں درج ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ شراب جوام الخبائث ہے۔ تمام بدکاریوں کی جڑ ہے۔ مردانہ طاقت بڑھانے کا شوق اور شیطان کا ناپاک عمل ہے۔ اس کے پینے والا ایک شریف انسان کیسے ہوسکتا ہے؟ چہ جائیکہ وہ مجدد یا مہدی ہوسکے۔ اس کے کسی آسمانی دعویٰ پر غور نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے تمام دعوے ایک شرابی کی بڑ کے سوا کچھ نہیں۔

قادیانی مناظر شکیل احمد: **بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی عبدہ المسیح الموعود اما بعد.** حاضرین ڈاکٹر خالد محمود نے ہمارے اخبار الفضل کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس میں صرف شراب خریدنے کا ذکر ہے پینے کا نہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے لاہور اپنے دوست کو شراب خریدنے کا لکھا تھا۔ اس میں یہ نہیں لکھا تھا کہ میں اسے پیئوں گا۔ ممکن ہے وہ اسے اپنے کسی اور دوست کے لیے منگاتے ہوں۔ آپ طاقت کے لیے صرف یاقوتی استعمال کرتے تھے۔ بہرحال اس میں شراب پینے کا کوئی ثبوت نہیں، اور جج کا یہ فقرہ کہ مرزا ایک ٹانک استعمال کرتا تھا۔ اس کا اپنا اندازہ ہے حضرت مرزا صاحب کا اپنا اقرار کہ وہ شراب استعمال کرتے تھے۔ اس میں کہیں موجود نہیں۔ میں ڈاکٹر خالد محمود سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس کا ثبوت پیش کریں کہ مرزا صاحب خود شراب استعمال کرتے تھے۔ اس کا ثبوت آپ کبھی نہیں دے سکیں گے۔ حضرت مسیح موعود کے خلاف لوگ بے بنیاد الزامات لگاتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی الزام ثابت نہیں کر سکے۔

علامہ خالد محمود صاحب: **نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ونعوذ باللہ من فتنہ المسیح الدجال. اما بعد!** حضرات قادیانیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اخبار الفضل کے حوالہ میں مرزا صاحب کا خط شراب خریدنے کے بارے میں ہے۔ یہ نہیں کہ مرزا صاحب شراب خود استعمال کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں یہ عدالت کا فیصلہ ہے اور اس میں صرف شراب خریدنے کا ذکر نہیں، اس کے استعمال کرنے کا بھی ذکر ہے۔

''مرزا ایک ٹانک استعمال کیا کرتا تھا۔ جس کا نام پلومر کی ٹانک وائن تھا۔''

اور جج کا یہ فیصلہ خود اس کی اختراع نہیں، مرزا غلام احمد کے لڑکے مرزا بشیر الدین محمود نے جج کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس کا باپ مرزا غلام احمد شراب استعمال کرتا تھا۔

قادیانی مناظر ڈاکٹر بھٹہ: حاضرین! یہ بالکل غلط ہے۔ اخبار الفضل کے حوالے میں کہیں نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ اقرار کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود شرابی تھے۔ مسیح موعود خدا کا بھیجا ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسیح موعود شراب پیئے، نائیجیریا کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ لوگ غلط حوالہ پیش کر رہے ہیں تاکہ احمدیوں کو اور بانی سلسلہ کو بدنام کیا جائے۔ آپ سب حضرات نے ڈاکٹر خالد محمود کا پیش کردہ حوالہ ''الفضل'' سنا ہے۔ اس میں کہیں نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے شراب استعمال کرنے کا کہیں خود اقرار کیا ہو۔ الفضل کا حوالہ پھر پڑھیں۔

علامہ خالد محمود صاحب! حضرات مسلمین اور قادیانی دوستو! اخبار الفضل قادیان کا اب پورا حوالہ سن لو تاکہ تمہیں پھر حسرت نہ رہے۔ اس میں مرزا غلام احمد کے کیریکٹر کے بارے میں عدالت کا فیصلہ یہ لکھا ہے۔

''مرزا ایک ٹانک وائن (Tonic Wine) استعمال کرتا تھا جس کا نام پلومر کی ٹانک وائن تھا اور ایک موقع پر اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ وہ لاہور سے خرید کر اسے بھیج دے۔ دوسرے ایک دو خطوط میں یاقوتی کا ذکر ہے۔ موجودہ مرزا (بشیر الدین) نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس کے باپ نے پلومر کی ٹانک وائن ایک دفعہ استعمال کی تھی اور وہ ایک ایسا انسان تھا جسے رنگین مزاج کہہ سکتے ہیں۔'' [الفضل قادیان دارالامان ۱۵/ جون ۱۹۳۵ء ص ۵، کالم ۳]

کیا اس میں واضح نہیں کہ مرزا غلام احمد کے لڑکے نے خود عدالت میں اعتراف کیا کہ اس کا باپ پلومر کی ٹانک وائن شراب مردانہ طاقت کے لیے استعمال کرتا تھا۔ کیا ایسا رنگین مزاج شخص جو ہر وقت مردانہ طاقت بڑھانے کی ہی سوچتا رہے اور اس کے اس کے لیے خفیہ خطوط پکڑے جائیں۔ کیا ایسا شرابی کسی طبقے کا مذہبی پیشوا بننے کے لائق ہے؟ اس کیریکٹر کا آدمی تو شریف انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

قادیانی مناظر ڈاکٹر بھٹہ: حاضرین! ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے اخبار الفضل کی اردو عبارت کا انگریزی ترجمہ غلط کیا ہے۔ انہوں نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ترجمہ بگاڑا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود نے اعتراف کیا تھا کہ اس کے باپ نے پلومر کی شراب منگانے کے لیے خط میں ٹانک وائن کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس میں یہ ہرگز نہیں کہ حضرت مسیح موعود خود شراب استعمال کرتے تھے۔ یہ علماء احمدیوں کو بدنام کرنے کے لیے من گھڑت باتیں کرتے ہیں اور غلط حوالے پیش کرتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: حضرات! میں صاحب صدر مسعود نائیجیری کی اجازت سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی تعلیم یافتہ شخص جو اردو اور انگریزی دونوں زبانیں جانتا ہو اور اس نے کبھی کسی مذہبی بحث میں حصہ نہ لیا ہو اسٹیج پر آ جائے میں الفضل کا یہ پرچہ اسے دیتا ہوں، وہ اسے اردو میں پڑھے اور ساتھ ساتھ انگریزی میں ترجمہ کرے۔ آپ سب حضرات اسے سنیں گے۔ پھر اس کا انگریزی سے مقامی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ ہو، اس سے خود پتہ چل جائے گا کہ میں نے اس کا ترجمہ صحیح کیا ہے یا غلط کیا ہے؟

صدر مناظرہ مسعود نائیجیری: ہاں میں اجازت دیتا ہوں کوئی شخص جو یہ دونوں زبانیں جانتا ہو اور پاکستانی نہ ہو سٹیج پر آ جائے۔

اتنے میں حیدر آباد (انڈیا) کے ایک پروفیسر جو وہاں کسی کالج میں استاد تھے۔ اسٹیج پر آئے، نام پوچھنے سے پتہ چلا کہ انہیں ''فصاحت'' کہتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے پرچہ الفضل ان کے ہاتھ میں دیا اور انہوں نے صدر کی اجازت سے اسے پڑھنا شروع کیا۔ علامہ صاحب ان کے برابر کھڑے تھے۔ ڈاکٹر بھٹہ نے سوال اٹھایا کہ ڈاکٹر خالد محمود اس کے پاس کھڑے نہ ہوں۔ ذرا فاصلہ پر رہیں، تاکہ فصاحت کو کچھ سکھا نہ سکیں۔

صدر صاحب نے ان کے مطالبہ کو مان لیا اور ڈاکٹر خالد محمود صاحب سے گزارش کی وہ کرسی پر تشریف رکھیں۔ علامہ صاحب بیٹھ گئے، اور جناب فصاحت صاحب نے اخبار الفضل کا حوالہ اردو میں پڑھنا شروع کیا۔ آپ ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ جب ترجمہ وہی ہوا جو ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب کر رہے تھے، تو سارا اہل اسلام کی سچائی سے گونج اٹھا۔ ختم نبوت کے حق میں نعرے لگنے شروع ہوئے اور قادیانی مناظرین کے رنگ اڑ گئے۔ زمین جگہ نہ دیتی تھی کہ کہیں چھپ سکیں۔ فصاحت صاحب نے ترجمہ بتلایا کہ:

''مرزا بشیر الدین محمود نے خود اعتراف کیا کہ اس کے باپ نے پلومر کی ٹانک وائن استعمال کی تھی، اور ایسا انسان تھا جسے رنگین مزاج کہہ سکتے ہیں۔''

فصاحت صاحب اس کے بعد اپنی جگہ چلے گئے، پانچ منٹ کے خوفناک سناٹے کے بعد ایک قادیانی مناظر اٹھا۔

منیر احمد قادیانی: اگر شراب پی تو ایک ہی دفعہ پی، ایک دفعہ پینے سے کیا ہو جاتا ہے؟ ایک دفعہ پینے سے کیریکٹر خراب نہیں ہو جاتا۔ کبھی کبھار پینے سے کیا ہوتا ہے؟

علامہ صاحب: گو ایک دفعہ شراب پینا کچھ کم حرکت نہیں اور شریعت میں ایک دفعہ شراب پینے سے بھی انسان مستوجب سزا ہوتا ہے، لیکن اس حوالہ میں عدالت کا نقطہ نظر بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا کہ مرزا غلام احمد ایک ایسا انسان تھا۔ جسے رنگین مزاج کہہ سکتے ہیں۔ شراب پینے سے جو رنگین مزاج بنا ہو، کیا اس نے ایک ہی دفعہ شراب پی ہوگی؟ جسے یہ پتہ ہو کہ شراب کی کون کون سی قسمیں ہیں اور اس قسم کی شراب کہاں سے ملتی ہے اور کہاں سے نہیں۔ کیا وہ عادی شرابی نہ ہوگا؟ اور پھر یہ بھی سوچیں کہ شراب کی جو بوتل لاہور سے بھیجی گئی ہوگی کیا اس میں ایک ہی خوراک ہوگی؟ یا مرزا غلام احمد ایک دفعہ پی کر باقی بوتل ضائع کر دیتا ہوگا؟ آخر کچھ تو غور کرو اور شرابی کو اپنا مذہبی پیشوا ماننے والو۔ کچھ تو سوچو، غور کرو اور اپنی آخرت کو خراب نہ کرو۔

منیر احمد: کبھی کبھار شراب پینے سے آدمی شرابی نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود شراب مردانہ طاقت بڑھانے کے لیے نہیں پیتے تھے۔ ممکن ہے کوئی بیماری ہو۔ جو مردانہ طاقت بڑھانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ وہ کئی بدکاریوں کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود کی سیرت بہت پاکیزہ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ عادی شرابی ہرگز نہ تھے۔ صرف ایک دفعہ پی تھی، ایک دفعہ پینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: مرزا غلام احمد جو شراب پیتا تھا۔ اس کا نام ہی ٹانک وائن تھا ٹانک **Tonic** طاقت دینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ کیا اس سے واضح نہیں کہ مرزا کا مقصد شراب پینے سے طاقت آزمانا ہوتا تھا۔ پھر جب کہ یاقوتی کا ذکر بھی ساتھ ہو اور مزاج بھی رنگین (**Sexual**) ہو، جیسا کہ عدالت کے فیصلہ میں مرقوم ہے تو پھر اس کے رنگین کردار میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سوال کہ اس قسم کے لوگ پھر کئی بدکاریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور شادیاں بھی کئی کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی زندگی اس قسم کے حالات سے مبرا نہ تھی۔ محمدی بیگم کا انہیں کتنا انتظار رہا اور کتنا شوق رہا؟ (دیکھئے آئینہ کمالات اسلام اور دیگر کتب مرزا)

ایک لاہوری مرزائی نے ایک خط میں مرزا غلام احمد کے بارے میں صاف لکھ دیا تھا۔ ہمیں مسیح موعودؑ پر اعتراض نہیں، کیونکہ

وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ (بشیرالدین محمود) پر ہے، کیونکہ وہ ہروقت زنا کرتا رہتا تھا۔

[الفضل قادیان ۳۱ ؍اگست ۱۹۳۸ء]

ڈاکٹر بھٹہ: یہ خلطِ مبحث ہے اس وقت محترمہ محمدی بیگمؓ کا نکاح زیرِ بحث نہیں، یہ نکاح جنت میں ہو چکا ہے۔ آپ صرف شراب پینے کے موضوع پر بات کریں۔ الفضل میں صرف ایک دفعہ شراب پینے کا ذکر ہے۔ اس سے آدمی رنگین مزاج نہیں بن جاتا، رنگین مزاج شراب پیتے ہیں، تو اِدھر اُدھر بھی جاتے ہیں۔ بدکاری کے اڈوں کا رُخ کرتے ہیں۔ ان پر روپیہ برباد کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی ان تمام باتوں سے پاک تھی۔ آپ نے کبھی کوئی شرمناک حرکت نہیں کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ شرابی نہ تھے۔ خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ خواہ مخواہ انکار کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد ایک رنگین مزاج آدمی تھا۔ عدالت کا فیصلہ غلط نہیں ہے۔ سات سو روپیہ کیا ایک ہی دفعہ شراب پینے میں لگ گئے تھے؟ اِدھر اُدھر گھومنا کیا صرف شراب پینے کے لیے تھا؟ شراب تو مرزا صاحب خطوط کے ذریعہ بھی منگوا لیتے تھے۔ مرزا امام الدین کا مرزا غلام احمد کو اِدھر اُدھر شرمناک کاموں کے لیے پھرانا کیا امر واقع نہیں؟ اور کیا یہ انہی حرکات کا نتیجہ نہیں کہ مرزا امام دین مرزا صاحب کے آسمانی دعوؤں کا بہت شدت سے منکر رہا۔ [سیرت المہدی حصہ سوم، ص ۱۴۷] اور کیا یہ صحیح نہیں کہ مرزا غلام کی تحریروں میں کنجریوں کا ذکر عام ملتا ہے، دیکھئے آئینہ کمالات اسلام ص ۵۴۸۔ نور الحق حصہ اول ص ۱۲۶۔ انجام آتھم ص ۲۸۱ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ خطبہ الہامیہ ص ۴۹۔ تریاق القلوب ص ۱۳۱۔ شحنہ حق ص ۶۰۔ فریاد درد ص ۷۸۔ ان بیانات میں بازاری عورتوں کا عام ذکر ہے اور بعض جگہ پر مرزا صاحب نے ذاتی تجربہ کے تحت کنجریوں کا ذکر کیا ہے۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے:

> ”بعض طوائف یعنی کنجریاں بھی جو سخت ناپاک فرقہ دنیا میں ہیں۔ سچی خوابیں دیکھ لیا کرتی ہیں......اور اس راقم کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم و خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں“ [تحفہ گولڑویہ: ۷۷]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کو کنجریوں کے ہاں آنے جانے کا تجربہ تھا۔ مرزا غلام احمد اپنے سب مخالفوں کو کنجریوں کی اولاد لکھتا ہے۔ [آئینہ کمالات اسلام] یہ کوئی ہوش کی بات ہے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شراب پینے کی عام عادت تھی۔ شراب ام الخبائث ہے جو آدمی اس میں مبتلا ہو، پھر وہ دوسری برائیوں سے نہیں بچ سکتا۔

ڈاکٹر بھٹہ: (بات کاٹتے ہوئے) یہ سات سو روپے کی کیا بات ہے؟ اس کی وضاحت کریں، پھر اس پر اعتراض کریں۔ مرزا صاحب مسیح موعود تھے۔ ایسے ویسے نہ تھے۔

علامہ صاحب: مرزا غلام احمد کی بیوی (مرزا بشیر احمد کی ماں) بیان کرتی ہے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح

موعود (اپنے والد کی) پنشن وصول کرنے گئے، تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلا گیا۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو وہ آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے ''باہر'' لے گیا، اور اِدھر اُدھر پھراتا رہا...... حضرت مسیح موعود اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے۔ [سیرت المہدی حصہ اول: ۴۳] باہر جانا ایک اصطلاح ہے جو آوارہ آدمی اپنے گھر پر قناعت نہیں کرتے، وہ اِدھر اُدھر جاتے ہیں، کوئی نوجوان بدکاری کا عادی ہو تو کہتے ہیں: فلاں شخص باہر جاتا ہے۔

مناظرہ نائیجیریا میں مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر

بعض قادیانی جواب دیتے ہیں کہ یہ سات سو روپے کنجریوں کے ہاں آنے جانے میں نہیں لگے تھے، بلکہ مرزا صاحب نے عدالت کو جرمانے میں ادا کیے تھے۔ سات سو روپیہ جرمانہ آپ کو مولانا کرم الدین بھیں ضلع جہلم کے دائر کردہ کیس میں ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے یہ روپے وہاں دیے تھے۔ اِدھر اُدھر صرف نہیں کیے۔

یہ جواب غلط ہے۔ مولانا کرم الدینؒ(۱) کے کیس میں مرزا امام دین کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ مگر پنشن کے کیس میں مرزا امام دین آپ کو اِدھر اُدھر پھراتا رہا۔ یہ رقم شرمناک کاموں کے سوا اور کہیں صَرف نہیں ہوئی، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مرزا غلام احمد سؤروں کے شکار کے لیے اِدھر اُدھر گھومتے رہے ہوں، تاکہ ان پر یہ پیش گوئی پوری ہو سکے یہ لوگ حیران ہو کر کہیں گے یہ کیسا مسیح ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے اور باہر سؤروں کا شکار کھیلتا پھرتا ہے۔ [سیرت المہدی، حصہ سوم/۲۹۲]

بات کے شروع میں مرزا صاحب کی جوانی کا ذکر ہے۔ جوانی کا ذکر کر کے اِدھر اُدھر گھومنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر یہ کوئی شرمناک حرکات نہ تھیں تو اس کے آخر میں مرزا صاحب کو شرم آنے کا بیان کیوں ہے؟ معلوم ہوا کہ واقعی ان سے شرمناک کام ہوئے تھے۔ پھر یہ واقعہ ایسا ہے کہ اسے صرف مرزا غلام احمد کی بیوی ہی بیان کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی اس قسم کی حرکات کا بہت احساس رکھتی ہیں۔

قادیانی مناظر شکیل احمد: حضرت مسیح موعود پر یہ بہتان ہے کہ وہ آوارہ عورتوں میں گھومتے تھے۔ اِدھر اُدھر گھومنا کوئی شرمناک کاموں کے لیے نہ تھا۔ ہو سکتا ہے، وہاں تبلیغ کے لیے جاتے ہوں۔ آپ مسیح موعود تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیح موعود ایسے کام کرے؟ آپ کی تو نظر بھی غیر محرم پر نہ پڑتی تھی۔ آپ کے عیاشی کرنے اور اس پر روپیہ خرچ کرنے کا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ کو تو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے سامنے اس کے شواہد موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد پردے کے پیچھے بیٹھ کر لڑکیوں کو جھانکتا تھا اور دوسروں کو بھی دکھاتا تھا۔ لڑکیوں کے چہرے اور نقش ونگار زیرِ بحث آئے اور یہ لڑکیاں خود اس نے اپنے ہاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ میرے ہاتھ میں ''سیرت المہدی'' حصہ اول ہے اس میں لکھا ہے:

---

(۱) بھیں، چکوال کے ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ نے مرزا قادیانی کے ساتھ گورداسپور، جہلم اور لاہور کی عدالتوں میں براہ راست ٹکر لی اور ہندی مسیلمہ کذاب کو پورے برصغیر میں رسوا کر کے ختم نبوت کا علَم بلند کیا، آپ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے والد گرامی تھے اور ان دو عظیم باپ بیٹا کے تفصیلی سوانح زندگی بندہ کو لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ سلفی

''حضرت صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں۔ آپ ان کو دیکھ لیں......
حضرت صاحب گئے اور ان دو لڑکیوں کو بلا کر کمرے کے باہر کھڑا کر دیا اور پھر اندر آ کر کہا کہ وہ باہر کھڑی ہیں۔ آپ چک کے اندر سے دیکھ لیں...... پھر پوچھنے لگے تمہیں کون سی لڑکی پسند ہے۔'' [سیرت المہدی: ۲۵۹/۱]

مرزا غلام احمد کی یہ عادت اس کے لڑکے بشیر الدین محمود میں بھی تھی۔ مرزا محمود ۱۹۳۳ء میں جب یورپ گئے، تو آپ نے یورپین سوسائٹی کی نیم عریاں عورتوں کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، چودھری ظفر اللہ خان صاحب اس کے لیے انہیں ایک سینما میں لے گئے مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۷/ جنوری ۱۹۳۴ء کے خطبہ جمعہ میں اقرار کیا۔

''جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ دیکھوں، مگر قیامِ انگلستان کے دوران مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں جہاں یورپین سوسائٹی عریانی سے نظر آ سکے، وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے، مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے، اوپیرا سینما کو کہتے ہیں...... میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا کیا یہ ننگی ہیں؟'' [الفضل ۲۸/ جنوری ۱۹۳۴ء]

منیر احمد قادیانی: یہ باتیں موضوع کے خلاف ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نے صرف ایک دفعہ شراب پی ہے۔ ایک دفعہ پینے سے آدمی شرابی نہیں ہو جاتا۔ حضرت مسیح موعود خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔ خدا کا بھیجا ہوا جوان لڑکیوں میں کتنا ہی کیوں نہ پھرے، وہ کسی شرمناک حرکت میں نہیں پڑتا۔ گھر میں یہ لڑکیاں دینی تعلیم کے لیے رکھی ہوں گی۔ بدکاری کے لیے ہرگز نہ تھیں۔ آپ شرابی ہرگز نہ تھے، صرف ایک دفعہ پینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: گھر میں لڑکیاں دینی تعلیم کے لیے نہیں تھیں۔ عائشہ نامی ایک لڑکی ۱۵/ برس کی عمر میں مرزا غلام احمد کے پاس قادیان آئی تھی۔ اس کی وفات پر اس کی یہ بات پریس میں آئی۔ حضور کو مرحومہ کی خدمت حضور کے پاؤں دبانے کی بہت پسند تھی۔'' [الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۲۸ء] اس سے پتہ چلتا ہے کہ نوجوان لڑکیاں دینی تعلیم کے لیے نہ رکھی تھیں۔ بلکہ جسمانی راحت کے لیے تھیں۔ مرزا صاحب نے عائشہ کی شادی غلام محمد سے کی تھی اور کہا تھا۔ یہ شرط کی جائے کہ غلام محمد اسی جگہ (قادیان) میں رہے۔ [الفضل ۲۰/ مارچ ۱۹۳۸ء]

مرزا صاحب کو ٹانگیں دبوانے کی عام عادت تھی۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''مسمات بھانو تھی۔ وہ ایک رات جب کہ خوب سردی پڑ رہی تھی۔ حضور کو دبانے بیٹھی، چونکہ وہ لحاف کے اوپر سے دبا رہی تھی۔ اسے یہ پتہ نہ چلا کہ جس چیز کو میں دبا رہی ہوں، وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں۔'' [سیرت المہدی حصہ سوم، ص ۲۱۰]

''ایک زمانہ میں حضرت مسیح موعود کے وقت میں مَیں (رسول بی بی) اور اہلیہ بابو شاہ دین رات کو پہرہ دیتی تھیں، اور حضرت صاحب نے فرمایا ہوا تھا۔ اگر میں سونے میں کوئی بات کروں تو مجھے جگا دینا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے...... آپ کو جگا دیا،

اس وقت رات کے بارہ بجے تھے۔'' [سیرت المہدی حصہ سوم، ص۲۱۳]

''ڈاکٹر عبدالستار صاحب کی لڑکی زینب بیان کرتی ہے۔ میں تین ماہ کے قریب حضرت کی خدمت میں رہی ہوں۔ گرمیوں میں پنکھا وغیرہ اور اسی طرح کی خدمت کرتی تھی ...... دو دفعہ ایسا موقعہ آیا کہ عشاء کی نماز سے صبح کی اذان تک۔ ساری رات خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔ پھر بھی اس حالت میں مجھ کو نہ نیند نہ غنودگی اور نہ تھکان محسوس ہوئی، بلکہ خوشی اور سرور پیدا ہوتا تھا...... حضور نے فرمایا کہ زینب اس قدر خدمت کرتی ہے کہ ہمیں اس سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے، اور آپ کئی دفعہ اپنا تبرک مجھے دیا کرتے تھے۔'' [سیرت المہدی حصہ سوم، ص۲۷۳]

''اس قسم کی روایات سے مرزا غلام احمد کا عام اختلاط غیر محرم عورتوں سے ظاہر ہے، یہ انگریزی تہذیب کے اثرات ہیں۔ ہم مرزا صاحب کو اس آزادی کی تلخی انہی کے الفاظ میں سمجھانا چاہتے ہیں: ''ایک نوجوان عورت سے ایک نامحرم طالب کی کبھی دل شکنی مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مگر کیا قرآن شریف یورپ کے ان اخلاق سے اتفاق رائے کرتا ہے؟ کیا وہ ایسے لوگوں کا نام دیوث نہیں رکھتا؟'' [ازالہ اوہام: ۱/۱۴۱]

یہ بھی قرآن کریم پر ایک جھوٹ ہے۔ قرآن کریم میں دیوث کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ مرزا غلام احمد پر شرابی ہونے کا رنگ ہر وقت غالب تھا۔ شراب سے ہوش اڑے رہتے تھے۔ مرزا غلام احمد کا بچپن سے یہ حال تھا کہ ٹوٹی سے منہ لگے اور دنیا و مافیہا کو بھول جائے، باپ انگریزوں کے زیر سایہ جاگیر دار تھا۔ ان خراجات کا تحمل اس کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ بچپن میں مرزا غلام احمد اس طرح ہوش کھوئے رہتا کہ اس سے کوئی کچھ کر جائے، اسے کچھ پتہ نہ رہتا۔ یہ یہی سمجھتا کہ میرے بدن کے ساتھ صف بندھی ہوئی ہے۔

امام عبدالرحیم اولوا: یہ سب باتیں غلط ہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود کو گالیاں دے رہے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص جو خدا کا بھیجا ہوا ہو۔ اس کی زندگی ایسی ہو۔ ایک دفعہ شراب پینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا حضرت مسیح موعود کی زندگی بہت پاک تھی۔

علامہ خالد صاحب: پنجاب میں ایک محاورہ ہے۔ شرارتی آدمی کو ٹوٹی کہتے ہیں۔ کبھی شیطان کی ٹوٹی بھی کہہ دیتے ہیں۔ جس شراب پینے والے کے ہوش نہ رہیں۔ تو اسے ٹوٹی میں چھپا کہا جاتا ہے کہ پی کر ہوش کھو دیے، ورنہ عملاً کوئی آدمی ٹوٹی میں چھپ نہیں سکتا مکھی اور مچھر تو ٹوٹی میں چھپ سکتے ہیں۔ انسان نہیں کسی آدمی کا ٹوٹی میں چھپنا محاورہ کے طور پر ہے کہ ٹوٹی سے منہ لگا کر پی گیا، اور سب دنیا کو بھول گیا۔ گویا یہ شخص ٹوٹی میں جا چھپا ہے۔ اب آیئے مرزا غلام احمد ٹوٹی میں چھپتا تھا یا نہیں؟ مرزا غلام احمد کے بارے اس کے باپ کی شہادت لیجیے۔ وہ اپنے بیٹے کی عادت کو یوں بیان کرتا ہے۔

سقاوہ کی ٹوٹی میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ملے، تو مایوس ہو کر واپس مت آجانا مسجد کے اندر چلے جانا اور وہاں کسی گوشہ میں تلاش کرنا، اگر وہاں بھی نہ ملے، تو پھر بھی ناامید ہو کر لوٹ مت آنا، کسی صف میں دیکھنا کہ کوئی اس کو لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا۔ (اسے اس طرح کھڑا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہوگی۔ یہ سوچنے کی بات ہے) ......کوئی اسے صف میں لپیٹ دے تو وہ آگے حرکت بھی نہیں کرے گا۔ [مسیح موعود کے مختصر حالات ملحقہ براہین احمدیہ: ۶۷]

قادیانی شکیل احمد: یہ بچپن کا واقعہ ہے۔ بچپن میں مرزا صاحب ابھی مامور من اللہ نہ تھے۔ ماموریت کے دعویٰ کے بعد اور خدا سے وحی پانے کے بعد آپ سے زیادہ بیدار اور ہوشیار کوئی نہ تھا۔ آپ کبھی بیہوش نہ ہوئے جسے شراب کا اثر کہا جائے۔ آپ نے صرف ایک دفعہ شراب پی، زیادہ نہیں۔

علامہ خالد صاحب: اگر مرزا غلام احمد عام طور پر نشہ میں نہ رہتا تھا تو پھر ایسا کیوں ہوتا تھا کہ جوتا پہننے میں دائیں بائیں کا پتہ نہ چلے۔[سیرت المہدی حصہ اول: ٦٧]

بٹن لگانے میں اوپر نیچے کا ہوش نہ رہے۔[سیرت المہدی حصہ دوم: ١٢٦]

اور جیب میں گڑ اور استنجے کے ڈھیلے اکٹھے پڑے رہیں۔[مسیح موعود کے مختصر حالات ملحقہ براہین احمدیہ: ٦٧]

قادیانی شکیل احمد: حضرت مسیح موعود پر استغراق کی یہ حالت صرف بعض دنیوی امور کے بارے میں تھی۔ دین کے بارے میں آپ سب سے زیادہ ہوشیار اور بیدار تھے، آپ نے وہ کام کیے کہ عام آدمی کی پہنچ سے بہت بالا تھے اور ان میں خدائی نشان ظاہر تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب: مرزا صاحب نے پھر قرآن کریم کی آیتوں کو کیوں بدلا؟ کیا یہ بیہوشی دین میں نہیں؟ مرزا صاحب نے ایک آیت میں یوں ترمیم کی ہے۔[براہین احمدیہ حصہ چہارم، ص ٥٠٥]

عسى ربكم ان يرحم عليكم وان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للكافرين حصيرا. (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

قرآن کریم میں یہ خط کشیدہ لفظ علیکم نہیں ہے۔ یہ مرزا صاحب نے بڑھایا ہے، تاکہ قرآن پنجابی محاورے کے مطابق ہو جائے۔ یہ تحریر نشہ کی حالت میں نہیں تو کیا تحریف کی ہے؟ جو پہلو اختیار کرو ہمیں بتا دو اور پھر اس طرح کی ترمیم ایک آیت میں نہیں، کئی آیات میں ملتی ہے۔

قرآن کریم سورۃ حج میں ہے:

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی انٗ لا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیّتہٖ. (ع ٧، آیت: ٥٣)

مگر مرزا غلام احمد نے اس میں سے **من قبلک** اور **الّا** کے الفاظ اڑا دیے ہیں۔[ازالہ اوھام تقطیع خورد، ص ٦٢٩، کلاں، ص ٢٥٧] کیا یہ کھلی تحریف نہیں۔

پھر اسی سورۃ حج میں ہے: **یردّ الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا.** (ع ۱۔ آیت ٦)

مرزا غلام احمد نے یہاں سے لفظ **من** اڑا دیا ہے۔[ازالہ اوھام خورد، ص ٦٠٨ کلاں ص ٢٥٠]

سورۃ توبہ میں ہے: **انّہٗ من یحادد اللّٰہ ورسولہ فانّ لہ نارجھنم خالدًا فیھا.** (ع ٨، آیت: ٦٣)

غلام احمد نے اسے یوں کر دیا ہے: **انہ من یحادد اللّٰہ ورسولہ یدخلہٗ نارًا خالدًا فیھا.** الفاظ **فانّ لہ نارا جھنم** کو **یدخلہٗ نارًا** کے الفاظ سے بدل دیا ہے۔[حقیقۃ الوحی: ١٣٠]

پھر اسی سورۃ توبہ کی آیت **وجاھدو فی سبیل اللہ** ع ۴ آیت ۲۰ کو بھی مرزا غلام احمد نے **یجاھدوا فی سبیل اللہ** کر دیا ہے۔[جنگ مقدس: ۱۹۴]

قادیانی لوگ بڑے فخر سے مرزا غلام احمد کو سلطان القلم کہتے ہیں۔قلم کی سلطنت آپ نے دیکھ لی۔قرآن کریم تو ہر مسلم گھرانے میں موجود ہوتا ہے۔سو یہاں مرزا کی دیانت و امانت بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔یہاں دیانت کا یہ حال ہے تو دوسری کتابوں کے حوالوں میں جن تک ہر شخص کی رسائی نہیں ہوتی، یہ سلطان القلم کیا گل کھلاتے ہوں گے؟ ذرا آگے چلیے!

سورۃ بقرہ میں ہے:

ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللّٰہ فی ظلل من الغمام . (ع ۲۵،آیت: ۲۱۱)[**حقیقۃ الوحی**: ۱۵۴]

غلام احمد نے اسے بدل کر **یوم یأتی ربک فی ظلل من الغمام** کر دیا۔استغفر اللہ

سورۃ حجر میں ہے: **ولقد اٰتیناک سبعًا من المثانی** (ع ۶،آیت: ۸۸)

مگر مرزا غلام احمد نے اسے بدل کر **انا اٰتیناک سبعًا من المثانی** کر دیا ہے۔[براہین احمدیہ طبع چہارم: ۴۸۸]

سورہ حم سجدہ میں ہے: **انہ لکتٰب عزیز لایأتیہ الباطل من بین یدیہ** (ع ۵،آیت: ۴۳)

مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے اسے یوں بدلا۔

والقرآن الحکیم لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ [براہین احمدیہ،ص ۳۸۶]

قرآن کریم میں یہ تحریف لفظی کا سلسلہ بہت دور چلا جاتا ہے۔ ہر ایڈیشن میں یہ تحریف باقی رکھی گئی ہے۔اس لیے اسے سہو کاتب بھی نہیں کہہ سکتے، پس اگر یہ دیدہ دانستہ قرآن میں تحریف کی کوشش نہیں تو شراب کی بے ہوشی ضرور ہے۔ پس یہ بات درست نہیں کہ صرف ایک بار پی تھی۔

ڈاکٹر بھٹہ: یہ الزام ہم پر بالکل غلط ہے۔ ہمارا قرآن کریم پر اعتقاد ہے۔ہم نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جو قرآن میں تبدیلی کرے۔ہم اسے اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) تو آپ مرزا غلام احمد کو اسلام سے خارج کیوں نہیں کہتے؟ جس نے قرآن میں لفظ علیم جیسے سینکڑوں اضافے کیے ہیں۔ یہ کتاب براہین احمدیہ کا چوتھا ایڈیشن ہے۔ اگر یہ کاتب کی غلطی ہوئی تو دوسرے ایڈیشن میں درست ہو جاتی۔ قادیانیوں نے اسے اس لیے درست نہیں کیا کہ امتی پیغمبر کی اصلاح نہیں کر سکتا۔

قادیانی شکیل احمد: یہ ہمارا احمدیوں کا شائع شدہ قرآن ہے۔اس میں یہ آیت بالکل درست لکھی ہے۔اس میں علیم کا لفظ نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: مگر براہین احمدیہ میں تو یہ لفظ ہے۔قادیانی مترجم قادیانی پیغمبر سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا کہ پیغمبر کی تحریر کے مقابلے میں اس کی تحریر کا زیادہ اعتبار کیا جائے۔قادیانیوں کے لیے اپنے پیغمبر کی بات حجت رہے گی نہ کہ اس مترجم یا ناشر کی۔ ہاں یہ پہلو اختیار کیا جائے کہ امتی مترجم نشے کی حالت میں نہیں تھا تو ہمیں انکار نہیں۔لیکن اس سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا غلام احمد شرابی تھا اور نشے کی حالت میں آیتیں بھی غلط لکھتا تھا۔

قادیانی شکیل احمد: یہ ہم پر بہتان ہے کہ ہم نے قرآن کریم کی آیت بدلی ہے۔ معلوم نہیں حضرت مسیح موعود سے یہ اس طرح کیسے لکھی گئی۔ یہ جان کر نہیں ویسے ہی لکھی گئی ہوگی۔

علامہ صاحب: مرزا صاحب نے اگر ہوش وحواس سے آیات میں تبدیلیاں کیں ہیں تو انہوں نے قرآن میں تحریف کی ہے، اور اگر بے ہوشی میں وہ ایسا لکھ گئے تو یہ شراب پینے کا نشہ تھا۔ آپ کا یہ کہنا کہ صرف ایک دفعہ ہی پی درست نہیں ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ وہ شراب پیتا تھا اور اس سے ایسی حرکتیں بار بار ہوتی رہیں۔

پبلک سے لوگ اُٹھ اُٹھ کر براہین احمدیہ کے ص ۵۰۵ کو دیکھتے ہیں اور قرآن کریم سے اس کا موازنہ کرتے ہیں۔ صدر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دونوں حوالوں کو دیکھ کر اپنے فیصلہ کا اعلان کریں۔ چنانچہ صدر مناظرہ الحاج مسعود نائیجیری دونوں حوالوں کو دیکھ کر اپنے فیصلہ کا اعلان کرتا ہے۔

صدر مناظرہ الحاج مسعود نائیجیری: ''احمدی'' مرزا غلام احمد کی سیرت کا دفاع نہیں کر سکے اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ مرزا غلام احمد شراب پیتا تھا۔ جو شخص ام الخبائث میں مبتلا ہو اس سے باقی خبائث اور بے حیائی کے امور صادر ہونے لازمی ہیں۔

میں نے براہین احمدیہ دیکھی ہے اور اس کی لکھی ہوئی آیت کا قرآن شریف سے موازنہ کیا ہے۔ مسلمانوں نے ثابت کر دیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات بدلی ہیں۔ یہ بدلنا قرآن میں تبدیلی کرنے کے لیے تھا یا نشہ کی وجہ سے، اس میں بندہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

صدر کے اس اعلان پر مناظرہ ختم ہو گیا۔ مسلمان فرطِ مسرت میں ہال سے ایک جلوس کی شکل میں نکلے۔ یہ جلوس شہر کے مختلف بازاروں اور چوکوں سے گزرتا گیا مرزا غلام احمد کی سیاہ سیرت کے خلاف یہ ایک بڑا احتجاج تھا۔ نائیجیریا کے اس مناظرے پر امید ہے تاریخی اثرات مرتب ہوں گے اور اس علاقے میں قادیانی نشاط بڑی تیزی سے انحطاط میں آئے گی۔ اسلام کی اس عظیم فتح پر نائیجیریا کے سعودی سفارت خانے کے ملحق دینی، شیخ عبدالرحمٰن بن عوین نے صاحب معالی شیخ عبدالعزیز بن باز رئیس الادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد کو مبارکباد کا برقیہ ارسال کیا۔

ہم نائیجیریا کے مسلمان اس وفد ختم نبوت کے رہین احسان ہیں جس نے یہاں آ کر حق کا نعرہ لگایا۔ صحیح رستہ ہمیں بتایا اور ہمیں غفلت سے جگایا۔ ہم مکہ مکرمہ کے ان اہل خیر کے بھی شکر گزار ہیں۔ جو اس عظیم دینی خدمت کے محرک ہوئے۔ ہم ان افریقی علماء اور سعودی مبعوثین کے بھی تہہ قلب سے شکر گزار ہیں۔ جنہوں نے اپنے تعاون باہر سے آنے والے اکابر کی ہمتوں کو تازگی بخشی خصوصاً شیخ مرتضیٰ عبدالسلام۔ مدیر المعہد العرابی ابادان شیخ عبدالوہاب اور شیخ غلام مصطفیٰ جن کا تعاون اس دینی نہضت کی بہترین یادیں ہیں۔

صلاح الدین بوصیری، مرتب روداد انگریزی ۲ ستمبر ۱۹۷۶ء

[مناظرہ نائیجیریا (علامہ خالد محمودؒ) مطبوعہ، جنوری ۱۹۸۱ء/مانچسٹر]

☆......☆......☆......☆

المرسل: مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

تاریخی مناظرہ چک ذخیرہ، گوجرانوالہ

عنوان: ایمان بالقرآن (منعقدہ اپریل، ۱۹۶۳ء)

اس مناظرہ کی کاروائی کو قلمبند کرنے والے پنڈی بھٹیاں کے مرحوم غلام محمد فاروقی تھے، جو اُس زمانہ میں تحریک تنظیم اہل سنت کے سرگرم اور فعال رہنما تھے اور متذکرہ مباحثہ میں عینی شاہد کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس مناظرہ میں مناظر علامہ عبدالستار تونسویؒ اور صدرِ مناظر علامہ خالد محمودؒ تھے، فریق ثانی کے مناظرین کے ساتھ زیادہ تر گفتگو علامہ صاحب نے کی تھی۔ اس مجلس مناظرہ میں امام پاکستان حضرت مولانا علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ بھی موجود تھے۔

دورانِ مناظرہ مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی اپنے صدر مناظر مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو سے الجھ پڑے تو اپنا جوتا اتار کر انہیں دکھایا۔ یہ سارا منظر لوگ دیکھ رہے تھے۔

شیعہ نمبردار رائے سادہ خاں نے ابتدائی گفتگو کے دوران حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کو منہ پر طمانچہ ماردیا تھا، مگر مولانا چنیوٹی کے تحمل و بردباری نے وہاں پر موجود ہر بندے کو متاثر کیا کہ انہوں نے ردعمل میں کچھ کرنے یا کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ''جناب طمانچہ آپ دوسری بار بھی مارلیں مگر آج ہم حق و باطل کا فیصلہ کر کے ہی یہاں سے اٹھیں گے اور مناظرہ ضرور ہوگا۔''

دورانِ مناظرہ مولانا منظور احمد چنیوٹی فریق ثانی کے اسٹیج پر گئے اور کہا کہ طے شدہ موضوع پر مناظرہ شروع کریں۔ جس پر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی نے مولانا چنیوٹی صاحب کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا کہ ''جاؤ جاؤ تم میرے پاس ساتھ کیا بات کرو گے، میں تو تمہارے استاذوں کو بھی کچھ نہیں سمجھتا۔'' مولانا چنیوٹی نے بڑے حوصلہ سے اُسے فرمایا: آپ مجھ سے بڑے ہیں، دھکے تو کیا جوتے بھی ماریں، اٹھا کر دوں گا، لیکن اس موضوع پر آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا، یا شکست تسلیم کرنا پڑے گی۔

اب ہفت روزہ ''دعوت'' کے فائلوں کی مدد سے ہم غلام محمد فاروقی مرحوم کی جمع کردہ کارگزاری یہاں نقل کرتے ہیں۔ [محمد عبدالجبار سلفی]

☆......مناظرہ چک ذخیرہ، مولوی اسمٰعیل گوجروی کی عبرتناک شکست اور شرائط مناظرہ سے فرار، مولانا عبدالستار تونسوی اور علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی کی فتح عظیم، ایک شیعہ کا قبولِ مذہب اہل سنت، تنظیم اہل سنت زندہ باد کے نعرے: پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ کے نواحی علاقے کافی عرصے سے شیعہ مبلغین کی فرقہ وارانہ سرگرمیوں کا شکار تھے۔ اہل سنت نے ہمیشہ امن پسندی اور رواداری کا طریق اختیار کیا مگر شیعہ مبلغین نے اپنے شغل کو برابر جاری رکھا۔ بالآخر مارچ ۱۹۶۳ء کے اواخر میں شیعہ اور اہل سنت کے مابین ایک تحریر متفقہ طور پر لکھی گئی جس کی رُو سے ۲۳، اپریل کو موضع چک ذخیرہ نمبر۲ میں شیعہ حضرات کے اپنے ڈیرے پر ایک مناظرہ قرار پایا۔ اہل سنت کی طرف سے منصرم مولانا منظور احمد چنیوٹی تھے اور شیعہ کی طرف سے رائے سادہ خان

صاحب رئیس چک ذخیرہ نے دستخط کیے۔ اہل سنت کی طرف سے حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی، حضرت علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی اور امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی اور شیعہ کی طرف سے اسمٰعیل صاحب گوجروی، مجتہد شیعہ مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس جامعہ محمدیہ سرگودھا اور ان کے ساتھ خادم حسین گوجروی وغیرہ چند طالب علم تاریخ مقررہ پر ذخیرہ چک نمبر۲ میں پہنچ گئے اور ڈیرہ رائے سادے خاں صاحب میں ساڑھے دس بجے صبح کارروائی کا آغاز ہوا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی کو عبرتناک شکست ہوئی اور انہوں نے شرائط مناظرہ کا اقرار کرنے کے بعد پھر اُن سے شرمناک فرار کیا۔ اب اس پورے علاقہ میں اسمٰعیل صاحب گوجروی کا وقار ختم ہوگیا ہے اور اس کی شہرت کو وہ دھچکا لگا ہے کہ اس کی تلافی شیعہ قوم سے برسوں ممکن نہیں۔ اب پہلے وہ تحریر ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے جس پر فریقین کے دستخط تھے اور جس کے مطابق مولوی اسمٰعیل صاحب گوجروی نے مناظرہ شروع کرنے کے بعد پھر شرائط کی پابندی سے انکار کر دیا اور اس کے بعد اس مناظرہ کی مفصل کارروائی جتنی بھی عمل میں آسکی، پیش کی جائے گی۔

موضوع اور شرائط کی تحریر

موضوع نمبر۱۔ ایمان بالقرآن، ثبوت بذمہ اہل السنۃ والجماعۃ، مدعی اہل سنت! شیعہ حضرات کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس کی سترہ ہزار آیات تھیں جن میں سے تحریف وتغیر کر دیا گیا ہے۔ اب چھ ہزار سے کچھ زیادہ آیات موجود ہیں اہل سنت کے ذمہ ہوگا کہ وہ شیعہ حضرات کی کتابوں سے آئمہ معصومین کے اقوال سے مذکورہ بالا باتیں ثابت کریں اور شیعہ عالم کے ذمہ ہوگا کہ وہ آئمہ معصومین کے اقوال سے ثابت کرے کہ موجودہ قرآنِ مجید کامل ومکمل ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف وتغیر، کمی یا زیادتی نہیں ہوئی۔

موضوع نمبر۲۔ ایمان بالقرآن، مدعی اہل تشیع، سنی حضرات کے نزدیک بھی مندرجہ بالا صورت جو کہ اوپر شیعہ حضرات کے متعلق منسوب کی گئی ہے، ویسی کی ویسی سنیوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ سنی عالم کے ذمہ ہوگا کہ وہ اپنے آئمہ سے ثابت کرے کہ موجودہ قرآنِ مجید کامل مکمل ہے اس میں کسی قسم کی کمی، زیادتی اور تحریف وتغیر نہیں ہوئی۔ ہر فریق کا ایک ایک صدر ہوگا، ایک عالم اور اس کے ایک معین کے علاوہ فریقین کے دس دس آدمی ہوں گے۔ انتظام رائے صاحب کے ذمہ ہوگا۔ فریقین کی رضامندی سے تاریخ ۲۳/اپریل ۱۹۶۳ء مقرر ہوئی ہے۔ فریقین ۲۳/اپریل کی صبح کو مقررہ جگہ پر پہنچ جائیں اگر کوئی فریق مقررہ دن ۲/بجے تک نہ پہنچے تو اس کی شکست متصور ہوگی۔ اگر کسی وجہ سے یہ گفتگو ملتوی ہو تو فریقین کو ایک ہفتہ قبل اطلاع کرنا ہوگی۔ جگہ، ڈیرہ رائے سادے خان صاحب چک نمبر۲/ذخیرہ مقرر ہے۔

دستخط نمائندہ اہل سنت	دستخط نمائندہ اہل تشیع
منظور احمد چنیوٹی عفا اللہ عنہ	رائے سادے خاں

شیعہ قوم کی طرف سے شرائط کی پہلی خلاف ورزی اور شیعہ رئیس کا اندازِ شرافت

شرائط مذکورہ کی رُو سے فریقین کے صرف ۱۳، ۱۳/افراد شریک اجتماع ہونے تھے مگر صاحب ڈیرہ رائے سادے خان نے

اس جگہ کے قریب جہاں یہ مناظرہ ہونے والا تھا، دو ملحقہ کمروں میں تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب اپنے ہم عقیدہ شیعہ افراد بٹھا لیے۔ نہایت افسوس ہے کہ رائے صاحب نے تمام علاقے کے شیعہ بلا کر بٹھا دیئے مگر جب اہل سنت کی طرف سے انہیں اٹھانے کے لیے کہا گیا تو رائے صاحب نے کہا کہ میرا مکان ہے میں جسے چاہوں بٹھاؤں، یہ سب میرے مہمان ہیں۔ یہ مناظرہ والے صحن میں نہیں بلکہ ملحقہ کمروں میں بیٹھے ہیں اور بیٹھے رہیں گے (یہ کہہ کر رائے صاحب نے اپنے گھر میں آئے ہوئے اہل سنت مہمانوں کے ساتھ ایسی ناشائستہ زبان استعمال کی کہ لوگ رائے صاحب کے اس اندازِ شرافت اور ان کی اس بے مروتی پر بہت افسوس کرنے لگے۔) تعجب ہے کہ رائے صاحب نے پہلے سے لاؤڈ اسپیکر بھی منگوا رکھا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پہلے سے ہی یہ نیت تھی کہ محدود حاضری کی بجائے وہ ایک کھلا پنڈال بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور پہلے کی مختصر حاضری کی تحریر محض اس لیے تھی کہ بروقت شیعہ حاضرین کی اکثریت بتائی جا سکے اور اہل سنت اسی مغالطے میں رہیں کہ حاضری نہایت محدود ہے۔ رائے صاحب کا اگر پہلے سے ایسا پروگرام نہیں تھا تو انہوں نے لاؤڈ اسپیکر کیوں منگوا رکھا تھا؟ اپنے گھر میں ایسا برتاؤ یقیناً ہر شخص کے نزدیک قابل اعتراض ہوگا۔ موضع ذخیرہ اور علاقے کے اہل سنت کو جب اس صورتِ حال کا پتہ چلا تو وہ بھی دیواریں پھاند کر حوالی صحن میں آ بیٹھے۔ چنیوٹ اور پنڈی بھٹیاں سے بھی اہل سنت کے کافی احباب تشریف لے آئے اور پھر رائے صاحب کے وسیع ڈیرے میں مناظرہ کی یہ کارروائی ایک عظیم اجتماع میں شروع ہوئی۔

کارروائی کا پہلا منظر

رائے سادے خاں کے ڈیرہ میں فریقین کے سٹیج لگ گئے اہل سنت نے قبلہ جہت میں سٹیج لگایا۔ شیعہ قبلہ کے بالمقابل مشرق کی طرف بیٹھے، فریقین کی میزوں پر کتابوں کے انبار لگ گئے اور پھر حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی اہل سنت کی طرف سے اور شیعہ مجتہد جناب مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس دارالعلوم محمدیہ شیعہ، سرگودھا اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی شیعہ کی طرف سے اپنی اپنی کرسیوں پر آ بیٹھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی اٹھے اور تقریر شروع کرنے لگے، مگر علامہ خالد محمود صاحب نے انہیں فوراً ٹوک دیا۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب صدر اہل سنت۔ مولوی صاحب ابھی آپ بیٹھیں۔ ابھی آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پہلے مناظرہ میں ہم اہل سنت مدعی ہیں اور آپ شیعہ حضرات مدعا علیہ! جب تک ہماری طرف سے شرائط طے شدہ کے مطابق دلائل نہ پیش کیے جائیں اس وقت تک آپ کے کسی قسم کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر کوئی بات موضوعِ مناظرہ کے تعارف اور اوقات وغیرہ کی تقسیم وغیرہ کے متعلق کہنی ہے تو اُسے اپنے صدر کی وساطت سے کہلوا دیں اور اپنی جو بھی تجویز ہو وہ اپنے صدر کو بتلا دیں، یہاں بات وہ کریں گے۔ آپ کو اس وقت بولنے کا کوئی حق نہیں، جب تک ہمارے مناظر کی پہلی تقریر نہ ہو جائے، آپ تقریر کرنے کے قطعاً مجاز نہیں ہیں۔ میں اہل سنت کی طرف سے اس مناظرے کا صدر ہوں اور آپ کے صدر کی وساطت سے آپ کو ہر خلافِ ضابطہ کارروائی پر ٹوکنے کا مجاز ہوں۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی (شیعہ مناظر) مناظرہ میں نے کرنا ہے، اس لیے اس کے متعلق میں ہی بات کروں گا۔ ہمارے صدر اس کے متعلق کیا بات کریں گے؟ انہیں مناظرے کا کیا پتہ؟ (پھر اپنے صدر مولوی محمد حسین مجتہد کی طرف رُخ کرتے ہوئے) حضرت یہ تنظیمی چاہتے ہیں کہ آج مولوی اسمٰعیل اچھی طرح پھنسا ہے، اسے جس طرح چاہیں دبا لیں، میں انہیں ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کہ یہ میرا گلا گھونٹتے چلے جائیں، میں بولوں گا، میں بولوں گا، اور میں ضرور بولوں گا (پھر عوام کی طرف متوجہ ہو کر) میرا صدر نہیں بولے گا۔ پہلے بھی آپ لوگوں نے چالاکی کی ہے اور شرائط نامہ رائے سادے خان کے ساتھ مل کر طے کرلیا۔ ہمارا شیعہ نمائندہ رائے سادے خان بالکل جاہل ہے، دستخط بھی وہ صحیح طور پر نہیں کرسکتا۔ ہم اس طرح کے غیر ذمہ دار آدمیوں کی شرطوں کے کیسے پابند ہو جائیں؟

☆......علامہ خالد محمود صاحب، مولوی صاحب اگر آپ کو یہ شرطیں جو اہل سنت اور شیعہ نمائندوں نے مل کر طے کی تھیں اور جن پر فریقین کے دستخط موجود ہیں۔ اگر آپ ان شرطوں پر مناظرہ نہیں کرسکتے تو یہاں لینے ہی کیا آئے ہیں؟ گوجرہ میں ہی کہہ دیتے کہ میں اس موضوع اور ان شرائط کے مطابق مناظرہ کرنے سے عاجز ہوں۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی (علامہ صاحب کی بات کاٹتے ہوئے) میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شرائط مناظرہ میں نے پہلے دیکھے ہی نہ تھے۔ لائل پور میں مجھے یہ میرے شیعوں نے دکھایا ہی نہیں۔ خدا کی قسم میں نے انہیں صرف ابھی دیکھا ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب (بات کاٹتے ہوئے) تو آپ ابھی کہہ دیں کہ میں ان موضوعات پر اور ان شرائط پر دو مناظرے ہرگز نہیں کرسکتا، اپنی عاجزی اور عدم استعداد کا اعلان کردیں اور ابھی چلے جائیں ہم نے آپ کو کونسا پھنسا رکھا ہے؟

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی۔ اچھا میں اسی شرائط مناظرہ کے مطابق مناظرہ کرنے کو تیار ہوں اور یہ اس لیے کہ اہل سنت یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم بھاگ رہے ہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ہرگز فرار اختیار نہیں کروں گا۔ یہ میرے بارے میں غلط تاثر لیا جا رہا ہے کہ میں آج فرار کی راہ ڈھونڈ رہا ہوں۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ حضرات خدا کا شکر ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے ہماری بات مان لی ہے اور اب وہ اسی تحریر کے مطابق جو فریقین کی مسلم اور دستخط کردہ ہے، مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ اس بات کی تو ہمیں یقیناً خوشی ہے۔ لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اب تک مولوی اسمٰعیل صاحب یونہی وقت ضائع کرتے رہے۔ اگر بعد میں وہی بات ماننی تھی جو رائے سادے خان کی دستخط کردہ تحریر کہہ رہی تھی تو پہلے فضول بحث کرنے اور وقت ضائع کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ حضرات! اب میں وہ تحریر اور شرائط پڑھ کر سناتا ہوں (یہاں علامہ صاحب نے وہ تحریر پڑھ کر سنائی جس پر کہ فریقین کی طرف سے مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور رئیس چک ذخیرہ رائے سادے خان کے دستخط تھے اور جسے اس روداد کے شروع میں من وعن نقل کردیا گیا ہے، اسے پیش کرنے کے بعد پھر علامہ صاحب، صدر اہل سنت نے فرمایا) حضرات! یہاں تک تو میں نے اپنی کوئی

بات نہیں کی، صرف وہی باتیں کی ہیں جو فریقین کی تھیں اور یہاں تک جو کچھ میں نے کہا وہ مشترک کارروائی تھی، اب میں اپنے فریق کی طرف سے چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ اگر فریق ثانی کو ان سے اتفاق ہو تو بہتر، ورنہ ان کے صدر اس کے متعلق اپنی رائے یا ترمیم پیش فرمائیں تا کہ پھر آئندہ کارروائی پیش کی جا سکے۔

۱) فریقین کی پہلی تقریریں دس دس منٹ کی ہوں گی اور پھر پانچ پانچ منٹ کی۔

۲) جب تک مسئلہ طے نہ ہو جائے، مناظرہ جاری رہے گا۔ البتہ نمازوں کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۳) اپنے مناظر کو موضوع کا پابند رکھنا صدر کے ذمہ ہوگا۔ اگر کوئی مناظر خلطِ مبحث کرنے لگے تو فریق مخالف کا صدر اُس کے صدر کی معرفت اسے روک دینے کا مجاز ہوگا۔

۴) دورانِ مناظرہ کسی فریق کو کسی قسم کا نعرہ لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور نہ ہی بلند آواز سے کسی قسم کی داد و تحسین کا کسی کو حق ہوگا۔

۵) ہر فریقِ اپنے اوپر عائد کردہ الزامات کا جب جواب دے تو اس جواب کا اس کے اپنے مسلک میں مسلم ہونا ضروری ہوگا۔ اور وہ اپنے گھر کی صفائی میں اپنے مسلک کی کتابوں سے جواب دینے کا پابند ہوگا۔

۶) تحریر شرائط پر فریقین کے دستخط ہو جائیں تا کہ ان شرائط کی پوری طرح پابندی کی جا سکے۔

(فریق مخالف کے صدر، مجتہد شیعہ مولوی محمد حسین صاحب، رائے سادے خان صاحب، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور جمیع حاضرین ان تجاویز کی تائید کرتے ہیں، مگر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اس میں یہ ترمیم کرواتے ہیں)۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی۔ یہ ساتویں شرط کہ تحریر شرائط پر فریقین کے مناظر دستخط کریں، مجھے منظور نہیں، میں اس پر ہرگز دستخط نہیں کروں گا، یہ تحریر شرائط کے طور پر غلط ہے۔ میں نے جب کہہ دیا ہے کہ میں اسی شرائط نامہ کے مطابق مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔ یہ محض مجبوری کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ہمارے نمائندہ رائے سادے خان جس نے اس شرائطِ تحریر پر دستخط کئے تھے، بالکل جاہل ہے۔ اس کے دستخطوں کا نمونہ ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ کس قدر جاہل ہے، میں اس شرائط نامہ کو تسلیم تو کرتا ہوں مگر علمی طور پر میں اس کے ماتحت نہیں چلوں گا۔ اس میں اب اس تحریر شرائط پر دستخط نہیں کرتا۔ اس تحریر شرائط کی رو سے پہلے مناظرے کے مدعی اہل سنت ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ شیعہ حضرات کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے، یہ اصولی طور پر غلط ہے۔ دعوی ہمیشہ مثبت چیز کا ہوتا ہے، منفی کا نہیں ہوتا۔ اور یہاں اہل سنت ایک منفی بات کے مدعی ہیں کہ شیعہ کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے، مناظرے کی کتاب ''رشیدیہ'' میں مناظرہ کی تعریف یہ کی گئی ہے **المدعی من نصب نفسه لاثبات الحکم** ''مدعی وہ ہے جو کسی حکم کو ثابت کرنے کے درپے ہو۔'' ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے، ہم اسے ہی پڑھتے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں، ہم اپنے اس دعوے کو اپنی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں اور اہل سنت ان پر نقض پیش کریں، اب میں اپنے دعوے کو دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ ہمارا قرآن پاک پر پورا ایمان ہے۔

☆...... علامہ خالد محمود صاحب (ٹوکتے ہوئے) مولوی اسمٰعیل صاحب آپ بیٹھ جائیں، تحریرِ شرائط کی رُو سے پہلے مناظرے میں ہم مدعی ہیں اور جب تک ہم اپنے دعوی پر آپ کی کتابوں سے آپ کے ائمہ معصومین کی روایات پیش نہ کریں، اس وقت تک آپ کے ذمہ کوئی جواب لازم نہیں آتا۔ اس لیے آپ بیٹھیں اور تقریر نہ کریں، ابھی آپ کے ذمہ کوئی دلائل نہیں۔ تحریر شرائط کی روسے اس وقت آپ کا کھڑا ہونا اصولاً غلط ہے اور اب تو آپ اس تحریر شرائط کو تسلیم کرنے کا اقرار بھی کر چکے ہیں، آپ کا یہ کہنا کہ دعوی ہمیشہ امر مثبت کا ہی ہوتا ہے، کبھی امر منفی کا نہیں ہوتا تو یہ بھی غلط ہے۔ بعض اوقات مانع ناقض اور معارض کو بھی مدعی کہا جاتا ہے۔ (مثلاً)

۱) اولاً: ہم اہل اسلام دعوی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ ہر دو دعوے امر منفی ہیں۔ اسلام کا سب سے بڑے دعوی لا الٰہ الا اللہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس جبکہ اسلام کا سب سے بڑا دعوی خود امر منفی ہے تو یہ کہنا کہ دعویٰ ہمیشہ امرِ مثبت کا ہی ہوتا ہے، علم وفن سے کس قدر بے خبری ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو مناظرہ کرنے کا شوق تھا تو کچھ علم بھی حاصل کرتے۔ یہ کیا کچی کچی باتیں کر رہے ہیں؟

۲) ثانیاً: آنحضرت ختمی مرتبت ﷺ کا جو مناظرہ نصاریٰ نجران سے ہوا تھا، اس میں آنحضرت ﷺ بھی ایک امر منفی کے مدعی تھے۔ یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اِلٰہ نہیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس منفی دعوے پر یہ دلیل پیش فرمائی تھی **الستم تعلمون ان اللّٰــه حي وان عيسٰی ياتی عليه الفناء** ''کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی'' یعنی اللہ رب العزت کی شانِ حیات دوام ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے کسی نہ کسی وقت ضرور موت کا پیغام ہے۔ ظاہر ہے کہ موت کا نظامِ حیات دوام کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی الوھیت اوران کی خدائی کا تصور یقینی طور پر باطل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کبھی یہ مطالبہ نہ فرمایا کہ عیسائی الوہیت مسیح پر دلیل پیش کریں بلکہ حضور ﷺ خود صرف اس کے نقض کے در پئے رہے۔ اور خود ہی حضرت عیسیٰؑ کے خدا نہ ہونے پر دلائل وشواہد پیش فرماتے رہے۔ پس مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا یہ کہنا کہ امر منفی کی نسبت خبریہ کا دعوی نہیں ہوسکتا، سنت خیر الانام ﷺ سے بھی متصادم ہے۔

۳) ثالثاً: مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے ''رشیدیہ'' کے حوالے سے جو عبارت پیش کی ہے وہ سرے سے رشیدیہ کی ہے ہی نہیں۔ وہ ''شریفیہ'' کی عبارت ہے جس کے آگے ''رشیدیہ'' میں پوری بحث موجود ہے۔ افسوس کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میں اتنی قابلیت بھی نہیں کہ متن اور شرح میں فرق کر سکیں، مولوی اسمٰعیل صاحب آپ اس عبارت کو بھی نہیں سمجھ سکے، اس کے پورے مبحث کا حاصل ''رشیدیہ'' میں یہ ہے: **ان المدعی من تصدی نفسه لافادة النسبة الخبرية مطابقةً للواقع** (رشیدیہ: ۱۵، مطبع مجتبائی) مدعی اسے کہتے ہیں جو کسی نسبت خبریہ کو واقع کے مطابق ثابت کرنے کے در پے ہو۔ اور نسبت خبریہ عام ہے، منفی ہو یا مثبت، ہر دو صورتوں میں خبر کا تحقق ہوتا ہے اور اسی خبر کے مطابق واقع ثابت کرنے کا ذمہ دار

مدعی کہلاتا ہے۔ پس رشیدیہ کی اس تصریح کے مطابق بھی تحریر شرائط پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جو اسے علمی طور پر غلط کہہ رہے ہیں یہ خود ان کی اپنی بے علمی اور فن سے ناواقفیت ہے جس کا ہم نے خود ان ہی کی پیش کردہ کتاب سے پردہ چاک کر دیا ہے۔ مدعی کا منصب اتنا عام ہے کہ مانع ناقص اور معارض ہر ایک کے لیے بھی آ سکتا ہے۔ اسی رشیدیہ کے صفحہ نمبر۱۶؍ پر ہے " **المدعی اعم من یکون مانعًا اونا قضاً او معارضاً**"۔ پس حسب تحریر شرائط ہم اہل سنت ہی اس پہلے مناظرے میں مدعی ہوں گے۔ حضرات ہمارا دعویٰ ہے کہ شیعہ حضرات کا اس موجودہ قرآن کے متعلق یہ ایمان نہیں کہ یہ کتاب اپنی مقدار اور ترتیب میں بالکل وہی ہے جو حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آخر میں اپنی امت کے لیے چھوڑی بلکہ ان کے نزدیک یہ کتاب محرف ہے اور یہ تحریف ان کے خیال میں حضور ﷺ کی وفات کے بعد خود امت کے ہاتھوں عمل میں آئی اور یہ کہ اصل قرآن جو ان کے عقیدہ میں حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا اب صرف امام مہدی کے پاس موجود ہے۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی (ٹوکتے ہوئے) یہ بالکل غلط ہے، ہمارا اسی قرآن پر ایمان ہے اور ہم اسے پڑھتے ہیں۔ علامہ خالد محمود صاحب آپ نے جو رشیدیہ کی عبارت پیش کی ہے، یہ کہاں ہے؟

(اس دوران مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اپنے مخصوص انداز میں عینک کو کبھی اوپر کرتے ہیں اور کبھی نیچے! اور پھر "رشیدیہ" میں اس عبارت کو ڈھونڈتے ہیں اور علامہ صاحب سے بار بار پوچھتے ہیں کہ یہ عبارت کہاں ہے؟ کہاں ہے؟ جبکہ علامہ خالد محمود صاحب کے ہاتھ میں ان کی اپنی کتاب رشیدیہ ہے اور وہ بار بار اپنی پیش کردہ عبارت پڑھ رہے ہیں، مگر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو وہ ملتی نہیں، یہاں تک کہ گھبرا کر وہ کتاب پٹخ دیتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں)۔

علاوہ ازیں آپ نے نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ کے خدا نہ ہونے پر جو آیت پیش کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں بلکہ اس آیت کی تفسیر اور ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب (بات کاٹتے ہوئے) مولوی صاحب **الستم تعلمون ان اللّٰہ حي وان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء** یہ آیت نہیں، حدیث ہے۔ افسوس کہ آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ آیت اور حدیث میں فرق کر سکیں؟ حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص آیت اور حدیث میں امتیاز کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ شیعوں میں مبلغ اعظم سمجھا جاتا ہے۔

(اس مقام پر شیعہ بہت شرمندہ ہو جاتے ہیں اور ان کے تمام سرکردہ افراد سرنگوں نظر آتے ہیں، مولوی محمد اسمٰعیل کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ انہیں موضوعِ مناظرہ بھی یاد نہ رہا۔ سامعین مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی اس جہالت اور بے چارگی پر تالیاں بجانے کو ہیں لیکن انہیں روک دیا جاتا ہے کہ یہ امور خلافِ شریعت بھی ہیں اور خلافِ مناظرہ بھی، اس پر عوام پھر خاموش ہو جاتے ہیں اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب یوں گویا ہوتے ہیں)۔

آپ واقعہ مباہلہ پر مجھ سے مناظرہ کر لیں، اس کا ذکر تو قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ اگر آپ یہ لکھ کر دے دیں کہ میں طے شدہ موضوع پر مناظرہ نہیں کر سکتا اور اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں تو پھر ہم واقعہ مباہلہ پر بھی مناظرہ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ کے اس تحریری اقرار نامے کے بغیر ہم موضوع مناظرہ ہرگز نہیں بدلنے دیں گے اور اس پہلے موضوع پر مدعی بھی ہم ہی ہوں گے۔ میں دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ امر منفی پر بھی حسب قانونِ مناظرہ دعوی پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ یا میرے ان دلائل کا جواب دیں یا تسلیم کر لیں کہ تحریر شرائط کے مطابق مناظرہ میں ہم اہل سنت مدعی ہوں گے۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس پہلے مناظرہ میں آپ ہی مدعی رہیں اور حسب تحریر شرائط اپنے دعوے پر دلائل پیش کریں۔ میں ان کا جواب دوں گا، مگر میرے جواب تحقیقی بھی ہوں گے اور الزامی بھی!

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ ہاں آپ الزامی جواب بھی پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس طرح کہ آپ کا یہ طریق تحریر شرائط کے ماتحت رہے۔ ذیلی دفعات سے اُصولی اور مرکزی ضابطے ہرگز متاثر نہیں، اگر آپ نے الزامی جوابات میں تحریر شرائط کی خلاف ورزی کی تو میں آپ کو ٹوک دوں گا، اب میں بحیثیت صدرِ اہل سنت اپنے مناظر حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ حسب شرائط تحریر کردہ اپنے دعوے پر شیعہ کی معتبر کتابوں سے اور معتبر روایات سے دلائل پیش کریں۔

☆......مناظر اہل سنت حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علٰی محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ اجمعین اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون.

حضرات! جس کتاب پاک کی ابدی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے اور جس مبارک کتاب کو آنحضرت ﷺ نے اپنی جمع وتدوین اور نشر واشاعت سے ہم تک پہنچایا اس کے متعلق شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کتاب محرّ ف ہے، اس میں تبدیل وتحریف کی گئی ہے۔ شرائط مناظرہ کی رُو سے مجھے شیعہ کے ائمہ معصومین کے بیان سے یہ ثابت کرنا ہے کہ شیعہ حضرات کا موجودہ قرآن پر یہ ایمان نہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کا پیش کردہ ہے بلکہ ان کے نزدیک قرآنِ مجید کی سترہ ہزار آیات تھیں جن میں تحریف وتغیر کر دیا گیا ہے۔ اب میں اپنے اس دعوے پر شیعہ حضرات کی اول درجے کی حدیث کی کتاب ''اصول کافی'' سے دلیل پیش کرتا ہوں، اس کے صفحہ نمبر ۶۷۱ پر ہے: **عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الٰی محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم سبعة عشر الف آیة.** ''امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ تحقیق وہ قرآن جو جبریلؑ حضرت محمد ﷺ پر لائے تھے وہ سترہ ہزار آیات تھیں، دیکھئے امام معصوم حضرت امام جعفر صادقؒ فرما رہے ہیں کہ اصل قرآن سترہ ہزار آیات کا تھا اور موجودہ قرآنِ مجید میں تو صرف چھ ہزار سے کچھ زیادہ آیات ہیں، میں نے شرائط مناظرہ کے مطابق اصول کافی سے اپنی دلیل پیش کر دی ہے۔ چنانچہ اصول کافی کے مصنف ملا محمد بن یعقوب الکلینی کا اپنا اعتقاد بھی اسی روایت کے موافق

تھا کہ موجودہ قرآن میں تحریف وتبدیل ہو چکی ہے۔ دیکھئے شیعہ (مذہب) کی کتاب ''تفسیر صافی'' کے صفحہ نمبر ۱۴ر پر ہے: **امــــا اعتقـاد مشـائـخـنـا فی ذالک فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی انه کان یعتقد التحریف والنـقـصان فی القرآن ...... وکذالک استاذه القمی ...... وکذالک الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی .** ''ہمارے شیعہ بزرگوں کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی (مصنف اصول کافی) کا اعتقاد یہی تھا کہ موجودہ قرآنِ مجید میں تحریف ونقصان ہو چکا ہے۔ یہی عقیدہ ملا کلینی کے استاذ علی بن ابراہیم قمی کا تھا اور اسی اعتقاد پر شیخ احمد بن ابی طالب صاحب احتجاج بھی تھے۔ حضرات! سترہ ہزار کی حدیث اگر ملا کلینی کے نزدیک مقبول اور واجب الاعتقاد نہ ہوتی تو ان کا اپنا عقیدہ تحریف قرآن ہرگز نہ ہوتا۔ پھر اسی تفسیر صافی کے صفحہ نمبر ۱۱ر پر حضرت امام محمد باقر سے بھی منقول ہے: **لـولا انـه زید فی کتـاب اللّٰه ونقص ما خفی حقنا علٰی ذی حجٰی.** ''امام باقر (حسب روایاتِ شیعہ) فرماتے ہیں کہ اگر قرآن میں کچھ بڑھا نہ دیا گیا ہوتا اور کچھ آیات نکال نہ دی گئی ہوتیں تو ہمارا حق کسی صاحبِ عقل پر پوشیدہ نہ رہتا۔ حضرات! میری چوتھی دلیل یہ ہے کہ شیعہ روایات کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا: **اللهم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلم اللّٰه لیلبسُوا علی الخلیقة** (ص:۱۳۱) **احتجاج طبرسی .** ''ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں بڑھا دی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تا کہ مخلوقِ خدا کو فریب دے سکیں۔ (اسی طرح) شیعوں کے معتبر ''ترجمہ مقبول'' جس پر کہ شیعہ کے بڑے بڑے معتبر علماء کی تصدیقات درج ہیں، کے صفحہ نمبر ۹ ۴۷ر پر لکھا ہے کہ:

> ''ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تو اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو، ہاں جب تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو، قرآنِ مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر (امام مہدی) کا حق ہے اور انہی کے وقت میں وہ حسب ذیل تنزیلِ خدا تعالیٰ پڑھا جائے گا۔''

ان پانچوں حوالوں کی روشنی میں مَیں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ اگر موجودہ قرآن پر آپ کا پورا پورا ایمان ہے تو بتلائیں کہ جو شخص اس موجودہ قرآن مرتب میں امت کے ہاتھ تحریف وتبدیل کا قائل ہو وہ مسلمان ہے یا کافر؟ اگر شیعہ موجودہ قرآن کے منکر کو کافر سمجھتے ہیں تو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب لکھ کر دیں کہ ایسا شخص کافر ہے اور پھر یہ فتویٰ اپنے ائمہ معصومین کے اقوال سے صحیح ثابت کریں۔

☆......مناظر شیعہ مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی (بعد از خطبہ) حضرات قرآنِ مجید میں ہے: ﴿**انا نحن نزلنا الذکر وانا لهٗ لـحـافظون**﴾ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ پس یہ قرآن بالکل محفوظ ہے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے، مولوی عبدالستار صاحب نے جتنی روایات پیش کی ہیں، ہم ان کو نہیں مانتے۔ قرآن پاک متواتر طبقاتی ہے اور متواتر طور پر منقول ہے۔ ہماری جو روایات اور احادیث اس کے خلاف ہیں، ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں قرآن میں ہے: ﴿ **ذالک الکتـاب لا ریب فیـه** ﴾ جب اس میں کوئی شک نہیں تو اس کا منکر کون ہو سکتا ہے؟

حضرت امام رضا قرآن کے خلاف ہر بات کو رد کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت مولیٰ علیؑ فرماتے ہیں: **انا لم نحکم الرجال وانما حکمنا القرآن وھذا القرآن انما ھو خط مسطور بین الدفتین (نھج البلاغۃ جلد نمبر صفحہ:۷)** ہم نے لوگوں کو حکم نہیں بنایا بلکہ ہم نے قرآن ہی کو فیصل مانا ہے اور اسی قرآن کو فیصل مانا ہے جو دو گتوں کے درمیان لکھا ہوا ہے۔ ہماری معتبر کتاب ''اصول کافی'' کے صفحہ نمبر ۳۹ / پر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**فما وافق کتاب اللّٰہ فخذوہ وما خالف کتاب اللّٰہ فدعوہ**)) جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو اس کو مان لو اور جو حدیث اس کے خلاف ہو اُسے چھوڑ دو، پس ہم اس روایت کی روشنی میں ان تمام احادیث کو چھوڑتے ہیں جو موجودہ قرآن کے خلاف ہیں، ہمارا قرآن پاک پر ایمان ہے، سنیوں کا خود اس پر ایمان نہیں ہے۔ یہ میرے پاس ''نور الانوار'' ہے جس میں لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا منکر کافر نہیں ہے۔ جب سنی خود بسم اللہ کو قرآن نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ قرآن میں ہے تو وہ ہمیں کس طرح کہتے ہیں کہ تمہارا ایمان قرآن پر نہیں ہے؟ مومنو! سنیوں کے ہاں خود ایسی روایات ہیں کہ موجودہ قرآن میں تبدیلی اور تحریف ہو چکی ہے۔

☆ ...... علامہ خالد محمود صاحب (ٹوکتے ہوئے) میں مولوی محمد حسین صاحب مجتہد صدرِ شیعہ کی وساطت سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو خلط مبحث سے روکتا ہوں، مولوی صاحب اپنے موضوع سے باہر جا رہے ہیں اور شرائطِ مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، صدرِ شیعہ یا تو اپنے مناظر کو موضوع کا پابند کریں، ورنہ میں انہیں تقریر نہیں کرنے دوں گا۔ حضرات! مولوی محمد اسمٰعیل صاحب موضوع سے فرار کر رہے ہیں (کیونکہ) مناظرے کا پہلا موضوع یہ ہے کہ شیعہ کا ایمان موجودہ قرآن پر نہیں ''اہل سنت کا ہے یا نہیں'' یہ اس وقت کا موضوع نہیں۔ یہ دوسرا موضوع ہے جس پر مناظرہ بعد میں ہوگا۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اس دوسرے موضوع کو پہلے موضوع کے ساتھ خلط ملط کر رہے ہیں اور چونکہ ان کے پاس مناظر اہل سنت مولانا عبدالستار صاحب کے پیش کردہ دلائل کا کوئی جواب نہیں، اس لیے وہ اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے خلط مبحث کر رہے ہیں۔ ہاں اگر وہ تحریری طور پر اقرار کر لیں کہ پہلے موضوع میں وہ شکست کھا چکے ہیں تو پھر ہم اس موضوع کو شروع کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن جب تک مولوی صاحب پہلے موضوع میں اپنی شکست کا تحریری اقرار پیش نہ کریں، میں خلطِ مبحث نہیں ہونے دوں گا۔ اس وقت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنے گھر کی صفائی پیش کرنی ہے۔ شیعہ کتابوں میں سے پیش کیے ہوئے ہمارے پانچ سنگین حوالوں کا جواب دینا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو چور کہے اور وہ چور اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ ''تو بھی چور'' ہے۔ تو اس سے پہلے شخص پر ایک نیا الزام تو لگ سکتا ہے، لیکن اس چور سے چوری کا الزام ہرگز نہیں اٹھ سکتا اور نہ ہی اس طریق جواب سے اس کی صفائی پیش ہو سکتی ہے۔ اہل سنت کا ایمان موجودہ قرآن مجید پر ہے یا نہیں، جب اس کے لیے دوسرا مناظرہ مستقل طور پر مقرر ہے تو اسے پہلے موضوع کے ساتھ خوامخواہ کیوں گڑ بڑ کیا جا رہا ہے؟ ہم نے اپنے موضوع پر کہ شیعہ کا ایمان موجودہ قرآن پر نہیں، شرائط مناظرہ کے مطابق دلائل پیش کر دیئے ہیں۔ سترہ ہزار آیات کا حوالہ، آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ قول بھی امام معصوم کا ہے۔ ۲۔ کتاب بھی شیعہ مذہب کی ہے۔ ۳۔ کتاب کا درجہ بھی شیعہ مذہب کی اول درجہ کی کتاب کا

ہے۔۴۔ روایت کی سند بھی شیعہ محدثین کے نزدیک موثق اور صحیح ہے۔ ۵۔ اور روایت بھی شیعہ مذہب میں مقبول اور معمول بہ ہے۔ اب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اپنے گھر کی صفائی پیش کریں۔ خلط مبحث کرتے ہوئے ہمارے گھر میں دخل نہ دیں، ہاں پہلے موضوع پر اپنی شکست مان لیں اور پھر بے شک دوسرا موضوع شروع کر لیں۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی۔ میں موضوع سے باہر نہیں جا رہا، صرف الزامی جواب دے رہا ہوں کہ سنیوں کا بھی موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ یہ غلط ہے کہ یہ دوسرا موضوع ہے۔ یہ دو الگ موضوع ہرگز نہیں، موضوع ایک ہی ہے اور وہ ہے "ایمان بالقرآن"۔ علامہ خالد محمود صاحب کا یہ مطالبہ غلط ہے کہ بحث علیحدہ علیحدہ ہے۔ مومنو! (اپنے عوام کی طرف منہ کر کے) ایمان بالقرآن کیا ایک ہی موضوع نہیں ہے؟ بولو، بولو! (مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اپنے عوام سے شور کروا کر مجلس کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں مگر علامہ خالد محمود صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ہیں)۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ حضرات شرائط میں پہلے طے ہو چکا ہے کہ سامعین کو بولنے کا ہرگز کوئی حق نہیں، مولوی اسمٰعیل صاحب بالکل بوکھلا گئے ہیں۔ مولوی صاحب! یہ میرے ہاتھ میں تحریر شرائط ہے جس پر فریقین کے دستخط ہیں۔ یہ دیکھو دونوں موضوع بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں (نمبر۱) اور (نمبر۲) کر کے کس طرح جدا جدا لکھے ہوئے ہیں۔

(مولوی محمد اسمٰعیل صاحب تحریر شرائط کو دیکھتے ہیں تو رنگ اڑ جاتا ہے۔ پینے کے لیے پانی مانگتے ہیں، اور بیٹھے بیٹھے اپنے شیعوں کو کوستے ہیں کہ انہوں نے تحریر شرائط انہیں گوجرہ (یا لائل پور) میں کیوں نہ دکھائی۔ ورنہ وہ یہاں آتے ہی نہ، پھر دوبارہ پانی مانگتے ہیں اور کھڑے ہو کر گویا ہوتے ہیں) موضوع ایک ہی ہے اور وہ ہے ایمان بالقرآن، اس لیے مناظرہ ایک ہی ہوگا، مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ اسی ایک موضوع میں ہی کہنے دیں، ملے جلے موضوع اچھے ہیں۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ مولوی صاحب جب تحریر شرائط میں یہ دو موضوع بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور صاف نمبر۱ اور نمبر۲ کر کے لکھے ہوئے ہیں تو آپ خوامخواہ ایک موضوع کی رَٹ کیا لگا رہے ہیں؟ ایمان بالقرآن ایک جنس ہے، پہلے موضوع میں اس کا فصلِ ممیّز ہے (یعنی اہل سنت کا ایمان، موجودہ قرآن پر) جنس کے ساتھ فصل مل جانے سے علیحدہ علیحدہ نوع متعین ہو جاتی ہے اور اس طرح علیحدہ علیحدہ یہ موضوع ہیں۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی، بے شک یہ علیحدہ علیحدہ دو موضوع ہیں۔ مگر الزامی طور پر دوسرے موضوع کو پہلے موضوع میں ملا رہا ہوں۔ اور الزامی جواب دینے کا مجھے پورا حق حاصل ہے اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں تحقیقی جواب بھی دوں گا اور الزامی بھی۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ آپ الزامی جواب بے شک دیں، لیکن اس طرح کہ شرائط نامہ جو مسلمہ فریقین ہے۔ اس کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔ آپ کو ہر الزامی جواب دینے کی اجازت ہے مگر دونوں موضوعوں کو خلط ملط کرنے کی اجازت نہیں۔ ذیلی دفعات سے بنیادی دفعات کو معدوم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا عبدالستار صاحب تونسوی نے جو پانچ حوالے پیش کیے ہیں آپ

پہلے ان کے تحقیقی جواب دیں اور ایک ایک حوالے کا نام لے کر اس پر جرح کریں اور اپنی پیش کردہ جرح پھر شیعہ مذہب کی کتابوں سے دکھائیں، یہ آپ کا تحقیقی جواب ہوگا۔ اس کے بعد اپنے ائمہ معصومین کے حوالوں سے یہ ثابت کریں کہ موجودہ قرآن ان کے نزدیک ہو بہو وہی ہے جسے کہ آنحضرت ﷺ نے پیش فرمایا تھا اور پھر ان حوالوں کے الزام سے حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کے پیش کردہ حوالوں کی تغلیط کریں۔ یہ آپ کا الزامی جواب ہوگا۔ اور اس طرح کے الزامی جواب دینے سے ہمارا بنیادی شرائط نامہ بھی ہرگز مجروح نہیں ہوگا۔ آپ ایسا الزامی جواب ہرگز نہیں دے سکتے جو تحریر شرائط مسلمہ فریقین کے خلاف ہو۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی، الزامی جواب کا یہ مطلب بالکل غلط ہے۔ یہ آپ معارضہ کی تشریح کر رہے ہیں، میں تو دونوں موضوعوں کو اکٹھا کر کے ہی بیان کروں گا۔ علیحدہ علیحدہ بحث کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں جواب الزامی طور پر دوں گا۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ آپ نے اگر الزامی جواب دینے کی شرط لگائی تھی تو میں نے اسی وقت اس کی مراد بھی متعین کر دی تھی کہ ہماری بنیادی تحریر، شرائط کی ذیلی دفعہ سے ہرگز متاثر نہ ہوگی۔ میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو خلط مبحث کرنے اور موضوع سے فرار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں دوں گا۔

☆......رائے سادے خان صاحب (مولوی اسمٰعیل صاحب کی طرف رُخ کرتے ہوئے) مولوی صاحب آپ اسی طرح علیحدہ علیحدہ بحث کیوں نہیں کر لیتے؟ جس طرح کہ تحریر شرائط میں لکھا ہے۔

☆......مولوی محمد حسین صاحب (ڈھکو)، صدر شیعہ (مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) مولوی صاحب آپ موضوع سے دُور کیوں جا رہے ہیں؟ دونوں موضوع علیحدہ علیحدہ ہی رکھیں۔ یہ خلط مبحث سب کا وقت ضائع کرے گا۔

☆......مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی (آہستہ سے) مناظرہ مجھے کرنا ہے، آپ کو اس کا پتہ نہیں۔ اگر یہ دونوں موضوع علیحدہ علیحدہ رکھیں تو پہلے موضوع پر ہی ہمارے ساتھ وہ کچھ ہو جائے گا کہ دوسرے موضوع کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ شرائط نامہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔

(اس پر شیعہ حضرات آپس میں ہی ایک دوسرے سے اُلجھتے ہیں، کبھی سرگوشیاں کرتے ہیں، کوئی اطمینان بخش موقف انہیں نظر نہیں آتا، اور سب گھبرائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، پھر سید نو بہار شاہ صاحب، مشہور زمیندار ملتان کھڑے ہو کر یوں گویا ہوتے ہیں)۔

☆......نو بہار شاہ صاحب۔ حضرات ہم یہاں حقیقت سمجھنے کے لیے آئے ہیں اور سب عوام اسی لیے جمع ہیں۔ شرائط نامہ جو لکھا گیا ہے وہ مولوی منظور احمد صاحب اور رائے سادے خان صاحب کے مابین لکھا گیا تھا، ہم سب اس کے پابند نہیں ہو سکتے۔ میری درخواست ہے کہ اس شرائط نامے کو یکسر چھوڑ دیا جائے اور کسی اور موضوع پر مناظرہ کر لیا جائے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب۔ جب تک مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اس پہلے موضوع پر اپنی شکست کا اقرار اور اصل موضوع

سے فرار لکھ کر نہ دیں، ہم کسی دوسرے موضوع کو شروع کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

☆......صدرِ شیعہ مولوی محمد حسین صاحب (ڈھکو) مجتہد عراق۔ حضرات میں غیر جانبدارانہ طور پر ایک بات نہایت دردِ دل سے کہنا چاہتا ہوں۔

(مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی غلط روش اور ہٹ دھرمی اور جواب نہ دے سکنے کی ناکامی کے باعث شیعوں کے صدر بھی ان کے ہمنوا نہ رہے، اور پوری مجلس میں اپنی اس غیر جانبداری کا اظہار کردیا، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے)

میں پہلے ہی مناظروں سے متنفر تھا اور آج جو مجھے تجربہ ہوا اس کے بعد تو میں مناظرہ میں آنے کا کبھی نام بھی نہ لوں گا۔ یہ موضوع ہی کتنا دل آزار ہے۔ سب اسی قرآن کو پڑھتے ہیں۔ اور اسی قرآن کو پڑھاتے ہیں، ہمارے گھروں میں بھی یہی قرآن ہے، یہ قرآن جسے حضرت عثمان نے یکجا کیا تھا، ہم اسے بالکل صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہماری کتابوں میں اس قرآن کے خلاف بہت سی روایات موجود ہیں، انہیں پچاس ہزار روایات تک کہہ لیجیے، مگر ہمارا عمل ان روایات پر ہرگز نہیں بلکہ اسی قرآن پر ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب (بات کاٹتے ہوئے) پچاس ہزار نہیں، دو ہزار سے کچھ اوپر ہیں جن سے شیعوں کے تحریف قرآن کا عقیدے کا نہایت واضح ثبوت ملتا ہے۔

☆......مولوی محمد حسین صاحب (ڈھکو) (پوری سنجیدگی سے استفسار کرتے ہوئے) اچھا دو ہزار ہیں؟ (بہر حال) جب ہمارا ایمان اسی قرآن پر ہے تو ان روایاتِ تحریف کا اب کچھ اعتبار نہیں، اسی طرح اہل سنت کی کتابوں میں بھی کچھ روایات ہوں گی، یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں ایسی روایات بہت ہیں اور اہل سنت کے ہاں اتنی نہیں لیکن ایسے عنوانات پر جھگڑے کا کیا فائدہ؟ عمل کے مسائل میں کوئی اختلاف ہو تو وہ سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن ان موضوعات پر اختلاف کرنے سے کیا فائدہ، جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے (پھر علامہ خالد محمود صاحب کی طرف رُخ کرتے ہوئے) آپ جس قسم کے الزامی جواب کی اجازت دے رہے ہیں، اسے علماء معانی قلب کی بحث میں لاتے ہیں، اگر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب معارضہ بالقلب کے طور پر دلائل پیش کریں تو اس میں آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو بھی موضوع کی پابندی سے جواب دینا زیادہ مناسب رہے گا، خدا کرے کہ فضا سازگار اور ماحول دوستانہ رہے۔ میری یہ معروضات میرے دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

حضرات مولوی محمد حسین صاحب صدر شیعہ نے جن درد بھرے خیالات کا اظہار فرمایا ہے ہمیں اس کی پوری قدر ہے، مولوی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں غیر جانب دارانہ طور پر ایک بات کہتا ہوں، یہ جملہ قابل غور ہے حضرات مولوی محمد حسین صاحب ہماری جانب تو پہلے ہی سے نہ تھے وہ شیعہ ہیں اور شیعہ کے صدر ہیں اور یہاں وہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے ہی جانب دار ہو کر آئے تھے، اَب ان کا غیر جانب دار ہو جانا مولوی اسمٰعیل صاحب سے ہی بیزاری کا اظہار ہے، ہمارے جانب دار تو وہ پہلے سے ہی نہ تھے، مولوی اسمٰعیل صاحب کی بے چارگی دیکھئے کہ ان کے جانب دار بھی اب غیر جانب دار ہوتے چلے جارہے ہیں، خیر مولوی

محمد حسین صاحب کے جذبات کی ہمیں پوری قدر ہے کاش کہ اپنے اس اخلاص کا مظاہرہ وہ اس وقت کرتے جب کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی جوابی تقریر کر رہے تھے اور خلط مبحث کر رہے تھے۔ حضرات موضوع یہ تھا کہ شیعہ اس موجودہ قرآن کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں یا نہ؟ کہ یہ قرآن پاک وہی ہے جسے کہ آں حضرت ﷺ نے آخر میں امت کے لیے چھوڑا تو اس موضوع میں موجودہ قرآن زیر بحث ہے نہ کہ مطلق قرآن۔ مولوی اسمٰعیل صاحب جب اصول کافی ص ۳۹ رسے یہ حدیث پڑھ رہے تھے: **فماذا وافق کتاب اللّٰہ فخذوہ وما خالف کتاب اللّٰہ فدعوہ** اوراس سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ شیعہ کا موجودہ قرآن پر پورا ایمان ہے تو اس وقت صدر شیعہ مولوی محمد حسین صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو کیوں نہ ٹوکا کہ مولوی صاحب یہ مطلق قرآن کے متعلق ہے موجودہ قرآن کی اس میں کوئی تصریح نہیں آخر شیعہ کے عقیدہ میں وہ قرآن جو حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا اور اب ان کے اعتقاد کے موافق امام مہدی کے پاس غار میں موجود ہے اس پر تو شیعہ حضرات کا یقیناً ایمان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایسی تمام روایات میں جن میں عمل بالقرآن کی ترغیب ہے، وہ اصل غار والا قرآن ہی ہو جس کی دوسروں کو اطلاع ائمہ کی روایات کے ذریعہ ہوتی رہتی ہو وغیرہ، وغیرہ الغرض مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیش کردہ حوالوں میں جہاں بھی قرآن پر عمل کرنے یا اس پر اعتقاد رکھنے کا بیان ہے، وہاں اس موجودہ قرآن کی قطعاً کوئی تصریح نہیں، پس جبکہ اس مناظرے کا موضوع موجودہ قرآن ہے نہ کہ مطلق قرآن، تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قرآن کی موجودہ صورت کی وضاحت کے بغیر مطلق قرآن کی حجیت پر دلائل پیش کرتے چلے جانا کیا موضوع سے خروج اور اصل مناظرے سے فرار نہیں؟ اسی طرح جنگ صفین میں جب شامی فوجوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے اس قرآن کو حکم ماننے کی پیش کش کی تھی تو حضرت علی مرتضٰیؓ کے اس قرآن کو حکم مان لینے سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ قرآن پاک کی اس کی موجودہ ترتیب میں آں حضرت ﷺ کا ہی پیش کردہ سمجھتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں وہ الزامی شکل میں ہی اس قرآن کو حکم مان رہے ہوں کہ یہ قرآن اگرچہ وہ نہیں جو حضور ﷺ نے امت کے لیے چھوڑا تھا اور نہ ہی یہ اپنی اصلی ترتیب پر ہے مگر اس کے باوجود اس میں ایسی واضح ہدایات موجود ہیں کہ ان سے حضرت علی مرتضٰیؓ کا موقف حق بجانب معلوم ہوسکتا ہے اور اہل شام موردالزام ہوسکتے ہیں جب یہاں یہ احتمال موجود ہے تو مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیش کردہ اس حوالے سے بھی یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ شیعہ حضرات کا موجودہ قرآن کے متعلق یہ ایمان ہے کہ آں حضرت ﷺ کا ہی پیش کردہ ہے اس احتمال کی صورت میں مولوی اسمٰعیل صاحب کا استدلال بالکل باطل ہو جاتا ہے، علم مناظرہ کا اصول ہے: **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ ہم اہل اسلام موجودہ انجیل سے آں حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی بعثت شریفہ ثابت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے ساتھ اس موجودہ انجیل کو ہی حکم مان کر ان سے اس باب میں بحث کرتے ہیں، پس اگر ہمارا اس موجودہ انجیل کو حکم مان کر عیسائیوں سے بحث کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمارا موجودہ انجیل پر ایمان ہے، بلکہ یہ محض ایک الزامی انداز ہے تو حضرت علی مرتضٰی نے بھی اگر موجودہ قرآن کو جنگ صفین میں حکم تسلیم کر لیا تو یہ بھی مخالفین کے مقابلہ میں ایک الزامی انداز تھا، افسوس کہ مولوی اسمٰعیل صاحب ائمہ معصومین کی ایک روایت بھی ایسی پیش نہیں کر سکے جس میں صراحت سے بلا احتمال غیرے اس موجودہ قرآن

کے ہی اصل قرآن ہونے کا اقرار موجود ہو، مجھے افسوس ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب صدر شیعہ نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو اس وقت کیوں نہ روکا جب کہ وہ موضوع سے دور جا کر یونہی سب کا وقت ضائع کر رہے تھے۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب گوجروی: جب ہم وہی قرآن پڑھتے ہیں جو کہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اور ہم سب اسی سے ہی اپنے استدلال کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس پر ہمارا پورا ایمان ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: آپ کے اس قرآن سے سب استدلال محض الزامی صورتیں ہیں کہ ہم اس قرآن پاک کو مانتے ہیں، ورنہ اپنے گھر میں تو آپ ہر وقت امام مہدی کے انتظار میں وقت گزارتے ہیں کہ وہ آئیں تو اصل قرآن ہاتھ لگے۔

☆......مولوی اسماعیل صاحب گوجروی: اہل سنت کا بھی تو اس قرآن پر ایمان نہیں یہ ''نورالانوار'' میں ہے کہ بسم اللہ کے قرآن ہونے میں شبہ ہے جب اہل سنت بسم اللہ کو قرآن نہیں مانتے تو ان کا قرآن پر ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟

☆......علامہ خالد محمود صاحب: یہ خلط بحث نہ کریں اہل سنت کا قرآن پر ایمان، یہ دوسرے مناظرے کا موضوع ہے ثانیاً ''نورالانوار'' کا حوالہ خلفائے راشدین صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ اہل سنت میں سے کسی سے منقول نہیں اور شرائط کی رو سے امام کا قول نقل کرنا لازمی ہے، ثالثاً نورالانوار میں اس کے بعد اس کی تردید اور اس کا پورا ازالہ موجود ہے۔ آپ کے پیش کردہ حوالے کے متصل آگے لکھا ہے ''**والاصح انھا منہ**'' کہ صحیح بات یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن میں ہے افسوس کہ آپ بددیانتی سے اس عبارت کو چھوڑ رہے تھے اور عوام کو مغالطہ دے رہے تھے۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب گوجروی: آپ نے اپنے لیے تقریر کا کافی وقت لیا تھا میں بھی اتنا وقت ہی لوں گا میں جب بھی تقریر کرنے اٹھتا ہوں تو آپ درمیان میں مجھے ٹوک دیتے ہیں اور میری بات مکمل ہی نہیں ہوتی۔ حضرات ہمارا موجودہ قرآن پر پورا ایمان ہے اور یہ قرآن متواتر طبقاتی ہے اس کے خلاف جو روایات بھی ہوں گی ہرگز قابل قبول نہ ہوں گی، ہم اسی قرآن کو پڑھتے ہیں اور اسی کو پڑھاتے ہیں سترہ ہزار آیات کی اصول کافی والی روایت شیعہ کے نزدیک صحیح اور لائق قبول نہیں اور اس کی مراد بھی یہی ہے کہ سترہ ہزار آیات میں سے موجودہ قرآن کے علاوہ باقی سب آیات منسوخ ہوگئی ہیں یہ نہیں کہ قرآن میں تحریف اور کمی کردی گئی ہے اخبار متواترہ کے مقابلہ میں روایات احاد کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ ابھی میں درمنثور کی روایات پیش کروں گا کہ اگر اصول کافی میں ایسی روایات موجود ہیں تو درمنثور میں بھی ایسے بیسیوں حوالے موجود ہیں، یہ دیکھئے۔

علامہ خالد محمود صاحب: (ٹوکتے ہوئے) مولوی اسمٰعیل صاحب یہ دوسرا موضوع ہے، اہل سنت کے ہاں ایسی روایات موجود ہیں یا نہیں، اس پر بحث اگلے مناظرے میں ہوگی آپ خوانخواہ دونوں موضوعوں کو خلط ملط کرنا چاہتے ہیں، آپ بار بار قرآن کے متواتر طبقاتی ہونے کا سہارا لیتے ہیں، پہلے یہ تو بتائیں کہ شیعہ کے نزدیک تواتر حجت ہے یا نہ؟ اور شیعہ اہل تواتر کا جھوٹ اور کذب پر اجماع کر لینا محال سمجھتے ہیں یا نہ؟ جب تک یہ بات واضح نہ ہو اس وقت تک آپ کی بات میں کوئی وزن نہیں، جن لوگوں کے نزدیک اہل تواتر نے اتنے اکثریتی اجماع سے حضرت علی مرتضیٰ کی جانشینی کی وصیت کو چھپا لیا ہو اور جن کے نزدیک یہ اہل تواتر

جھوٹ پر اجماع کر سکتے ہوں ان کے نزدیک تواتر کیسے حجت سمجھا جا سکتا ہے؟ مولوی مقبول احمد اپنے ضمیمہ کے ص ۱۱ پر ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

''سب نے ایمان نگل کر عثمان کی خاطر سے صاف کہہ دیا کہ ہم نے جناب رسول خدا سے یہ نہیں سنی۔''

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھئے کہ شیعہ جب موجودہ قرآن کو متواتر کہتے ہیں تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے کہ جب سے اسے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے جمع کیا اس وقت سے لے کر اب تک یہ متواتر ہے یہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ سے لے کر خود آں حضرت ﷺ تک بھی متواتر ہے مولوی اسمٰعیل صاحب میں اگر کچھ ہمت ہے تو اپنے کسی امام سے یہ قول دکھائیں کہ موجودہ قرآن آں حضرت ﷺ سے متواتر طور پر منقول ہے، خبر متواتر کے لیے شرط ہے کہ مبدء حسّی ہو، شیعہ کے نزدیک قرآن پاک اگر متواتر ہے تو مولوی اسمٰعیل صاحب اس کا تواتر اس کی موجودہ ترتیب کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے ثابت کریں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب سترہ ہزار آیات والی روایت کو ضعیف قرار دے رہے ہیں، مولوی صاحب شرائط کے مطابق اپنا یہ دعوے شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں سے دکھا دیں اور اگر یہ نہ دکھا سکنے کا اقرار کر لیں تو ہم ان کی معتبر کتابوں سے اس روایت کا صحیح اور موثق ہونا دکھانے کو تیار ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ مولوی صاحب پہلے اپنا دعوے ثابت نہ کر سکنے کی عاجزی کا اقرار کر لیں۔ پھر مولوی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ سترہ ہزار آیات والی روایت کی مراد باقی آیات کی منسوخی ہے تحریف قرآن ہرگز مراد نہیں، میں مولوی اسمٰعیل سے ان کے اس دعوی پر بھی حوالہ طلب کرتا ہوں مولوی صاحب شیعہ مذہب کی کتب معتبرہ سے اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ کسی امام نے اس سترہ ہزار آیات والی روایت کو باقی آیات کی منسوخی پر محمول کیا ہو اور اگر مولوی اسمٰعیل اس پر بھی حوالہ پیش نہ کر سکیں اور اپنی عاجزی کا تحریری اقرار کر لیں تو ہم شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں سے اس پر حوالہ پیش کرنے کو تیار ہیں کہ شیعہ علماء نے اس سترہ ہزار آیات والی روایت کو تحریف قرآن پر ہی محمول کیا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم اصول کافی کی روایت پیش کر رہے ہیں جو شیعہ مذہب کی اول درجے کی حدیث کی کتاب ہے اور قول بھی امام معصوم کا ثابت کر رہے ہیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب اس کے مقابلے میں بار بار درمنثور کا نام لے رہے ہیں، جو اہل سنت کے نزدیک تنقیدی اعتبار سے سب سے نیچے درجے کی کتاب ہے اور اس میں رطب و یابس موضوع و ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ اہل سنت کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب قرۃ العینین (ص ۲۸۳ مطبع مجتبائی) میں درمنثور کے متعلق اس کی پوری صراحت کر چکے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ عجالہ نافعہ میں امام سیوطیؒ کی ان تصانیف کو اس طبقہ رابعہ میں ذکر کرتے ہیں جن کا علی الاطلاق اعتبار نہیں۔ نہایت افسوس ہے کہ مولوی اسمٰعیل اصول کافی کے مقابلہ میں درمنثور کو لا رہے ہیں۔ خیر ہم اس کی صفائی بھی پیش کریں گے۔ مگر اس وقت جب دوسرا مناظرہ اس موضوع پر شروع ہوگا۔ اس وقت صرف شیعہ حضرات کو اپنی صفائی پیش کرنا ہے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب اگر کچھ ہمت ہے تو حضرت مولانا عبدالستار صاحب نے اپنے دعوی پر جو حوالے پیش کیے ہیں ان کا ایک ایک کا نام لے کر جواب دیں اور پھر وہ جواب اپنے مذہب کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت کریں اور اگر اس تحقیقی جواب سے عاجز ہیں تو پھر اپنے ائمہ معصومین کے اقوال سے یہی ثابت کر دیں

کہ شیعہ کے نزدیک ایک موجودہ قرآن وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے امت کے لیے چھوڑا تھا۔ اہل سنت کے ایمان کو خلافِ موضوع زیر بحث نہ لائیں اور خلط مبحث نہ کریں۔

☆......مولوی اسمٰعیل گوجروی: میں الزامی جواب ضرور دوں گا تا کہ یہ ثابت ہو کہ جس طرح شیعہ مذہب کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں۔ اسی طرح اہل سنت کی کتابوں میں بھی ایسی روایات بہت پائی جاتی ہیں اور یہ محض مثال بیان کرنے کے لیے ہے۔ اہل سنت کے اپنے گھر کی مثال پیش کرنے کے بغیر میرا جواب مکمل ہی نہیں ہوسکتا۔ میں اس پابندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اہل سنت کے عقیدہ پر بحث دوسرے مناظرے میں ہو۔ یہ کیا کہ مسئلہ تو آج بیان ہو اور اُس کی مثال کل بیان کی جائے اس طرح ہرگز کسی بات کی وضاحت نہیں ہوسکتی۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: مولوی صاحب آپ نے موجودہ قرآن پر اپنا ایمان ثابت کرنا ہے اور اپنی کتابوں سے ہی اپنے مذہب کا ثبوت پیش کرنا ہے۔ کیا آپ کا مذہب اتنا ہی کچا ہے کہ جب تک دوسروں کے گھر سے اس کی مثال نہ لائیں آپ اُسے ثابت کر ہی نہیں سکتے؟ اس صورت میں تو یہ بہت ہی کمزور مذہب ہوا کہ جو اپنی ذات اور حدود میں ثابت ہو ہی نہیں سکتا اور جب تک دوسروں کے گھر سے مثال لینے کی امداد نہ لی جائے اس مذہب کا اپنا تقوم ہی نہیں ہوسکتا، مولوی صاحب اس طرح تو آپ کا مذہب مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہوا جو لٹکتا بھی ہے تو دوسروں کے سہارے۔

مولوی اسمٰعیل گوجروی: مثال اس لیے بیان کی جاتی ہے کہ بات کی وضاحت ہوجائے مجھے یہ بالکل منظور نہیں کہ میں اپنے ایمان بالقرآن پر بحث اب کروں اور مثال اس کی کل بیان کروں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسئلہ تو آج بیان ہو اور اس کی مثال کل بیان ہو؟ میں اس دوسرے موضوع پر علیحدہ مناظرہ نہیں کروں گا بلکہ اس دوسرے موضوع پر اسے پہلے موضوع کے ساتھ ملا کر ہی بحث کروں گا یہ دوسرا موضوع پہلے موضوع کی مثال بن جائے گا اور ساری بحثیں اکٹھی بیان ہوں گی۔ مولوی خالد محمود صاحب آپ بار بار کھڑے نہ ہوں مولوی عبدالستار صاحب کو کھڑا کریں۔ جو اس وقت آپ کی طرف سے مناظر ہیں۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: مولوی صاحب! میں اہل سنت کی طرف سے صدر ہوں اور مناظرے میں موضوع کی پابندی کرانے کا ذمہ دار ہوں، جب تک آپ اصولاً تسلیم نہیں کر لیتے کہ آپ اپنے موضوع اور شرائط مناظرہ کے پابند رہیں گے میں اس وقت تک خود ہی آپ کی بے راہ روی اور کج بحثی کا جواب دوں گا، آپ یا شرائط کے پابند رہیں گے یا میدان مناظرہ سے فرار کریں گے، تیسری کوئی صورت میں چلنے نہیں دوں گا، اگر آپ مثال کے بغیر اپنا مسئلہ بیان نہیں کر سکتے تو مثال بھی اپنے گھر سے لائیں یا معقولات کے رنگ میں مثال پیش کریں جو فریقین میں مسلّم ہو، ہمارے مذہب میں ہرگز دخل نہ دیں اس کے لیے علیحدہ مناظرے کا موضوع مقرر ہے۔ مولوی صاحب! آپ کی گریز پائی آپ کی انتہائی رسوائی ہے۔

☆......ایک غیر معلوم الاسم شیعہ نمائندہ: بھائیو! ایک بات سنو سردار صاحب (غلام عباس صاحب رئیس اعظم رجوعہ سادات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کا حکم ہے کہ جو شرطیں سادے خاں اور مولوی منظور احمد نے آپس میں طے کی تھیں انھیں

ایک طرف چھوڑ دیا جائے۔اور یہاں کے لوگ اب جس طرح چاہیں اس کے مطابق مناظرہ ہو۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: مناظرے کے موضوع اور ان کی شرائط سب طے شدہ ہیں مناظرہ ہوگا تو انہی کے مطابق ہوگا ہاں اگر مولوی اسمٰعیل صاحب لکھ دیں کہ میں ان شرائط کے مطابق اور ہر موضوع پر علیحدہ علیحدہ مناظرہ کرنے سے عاجز ہوں تو پھر ہم یہاں کے لوگوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اور موضوع اور شرائط طے کرنے اور ان کے مطابق مناظرہ کرنے کو بھی تیار ہیں، لیکن مولوی اسمٰعیل صاحب کے اس تحریری اقرارنامے کے بغیر ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔سردار صاحب کا حکم ہوگا تو آپ کے لیے ہوگا ہمارے نہ وہ سردار ہیں اور نہ ان کا کہنا ہمارے لیے حکم ہے، ہم صرف علمی قواعد اور تحریر شرائط کے پابند ہیں، ان کی رو سے کوئی بات ہوسکتی ہے تو پیش کیجیے۔

سردار غلام عباس صاحب رئیس رجوعہ سادات: (کھڑے ہوکر کچھ کہنا چاہتے ہیں)

علامہ خالد محمود صاحب: آپ بیٹھ جائیں آپ کو بات کرنے کا کوئی حق نہیں یا آپ کا صدر بات کرے یا آپ کا مناظر۔آپ بیٹھ جائیں۔

☆......سردار غلام عباس صاحب: ہمیں کچھ کہنے کا کیوں کوئی حق نہیں؟ ہم اس مجلس میں شریک ہیں اور ہمیں بھی بات کرنے کا حق ہے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آرہی مولویوں نے ہمارا بیڑہ غرق کردیا ہے، ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے ہم کدھر جائیں؟

☆......علامہ خالد محمود صاحب: حضرات! سردار صاحب نے مولویوں کے متعلق جس پریشانی کا اظہار کیا ہے وہ بجا ہے، لیکن غور کیجیے کہ ان کی یہ پریشانی اور مایوسی کن مولویوں کے متعلق ہے؟ ہم اہل سنت کے ساتھ تو سردار صاحب کبھی چلے ہی نہیں اور نہ ہی انہوں نے مسائل میں ہم اہل سنت پر کبھی اعتماد کیا ہے، اس لیے اب یہ ان کی پریشانی اور مایوسی صرف شیعہ مولویوں کے متعلق ہی ہوسکتی ہے کہ ان کی بے چارگی اور شکست نے آج سردار صاحب کو اس قدر پریشان کردیا ہے۔اہل سنت مولویوں کے متعلق انھیں اعتماد ہی کب تھا کہ وہ اب ان سے بدظن ہوں؟ مولوی اسمٰعیل صاحب کی ناکامی کی انتہا ہے کہ خود انہی کے ہم خیال ان سے بدظن ہورہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ہمارا بیڑہ غرق کر رکھا ہے۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب: حضرات میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمارا اسی قرآن پر ایمان ہے ہم اسے ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ تو کوئی اختلافی مسئلہ ہی نہیں اس موضوع کو چھوڑ ہی کیوں نہ دیں جو اس وقت تک طے نہیں ہورہا۔

☆......مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی: (مولوی اسمٰعیل صاحب کے ذرا قریب جاکر) مولوی صاحب مناظرہ کرنا ہے تو اسی موضوع پر کریں اور اپنی شرائط کے مطابق کریں ورنہ مناظرہ چھوڑنے کا اعلان کردیں۔

(مولوی اسمٰعیل صاحب مولانا منظور احمد صاحب کو مکا لگانے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور عوام میں ایک شور اٹھتا ہے پھر شیعہ رؤسا مولوی اسمٰعیل کو اس بداخلاقی اور حواس باختگی پر بہت ملامت کرتے ہیں اور پھر یہ معاملہ ختم ہوجاتا ہے)۔

☆......سید نو بہار شاہ صاحب: ہمارے مولوی مانیں یا نہ مانیں لیکن ہم تو اس قرآن پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور جہاں تک

میرا خیال ہے ہر شیعہ اسی قرآن کو مانتا ہے اور ہر شیعہ کے گھر میں یہی قرآن ہے اگر وہ کسی اور قرآن کو مانتے تو ان کے گھروں میں تو وہ قرآن ضرور ہوگا۔

میاں غلام رسول صاحب سیکرٹری انجمن اصلاح المسلمین

(کھڑے ہوکر کچھ کہنا چاہتے ہیں)

سید نو بہار شاہ صاحب: آپ بیٹھ جائیں آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔ پہلے شرط طے ہو چکی ہے کہ کسی دوسرے شخص کو بولنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

میاں غلام رسول صاحب: تو پھر آپ کو بھی بولنے کا کوئی حق نہیں آپ کیوں بار بار تقریر کر رہے ہیں؟ آپ کی تو کتابوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کے عقیدے میں یہ قرآن ناقص ہے، اس میں شیعہ کے خیال کے مطابق بہت سی آیات نکال دی گئی ہیں۔

☆......سید نو بہار شاہ صاحب: اگر پانچ تولے سونا ہو اور اس میں سے ایک تولہ نکال لیا جائے تو باقی ۴ر تولے کا نام تو سونا ہی ہوگا۔ اور اس کے خالص ہونے میں بھی کوئی شبہ نہ ہوگا۔

میاں غلام رسول صاحب: اچھا یہ تو آپ نے مان لیا کہ اس قرآن میں بہت سی کمی ہوئی ہے، باقی رہی آپ کی مثال، تو سونا جب کسی معین زیور کی شکل اختیار کر لے تو اگر اس میں سے ایک تولہ کم کر دیا جائے تو وہ اس زیور کے نام سے ہرگز باقی نہ رہے گا، قرآن ایک حقیقی زیور ہے، اگر اس سے کچھ حصہ نکال لیا جائے تو اسے صرف آیات تو کہا جا سکے گا لیکن قرآن کامل ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

سید نو بہار شاہ صاحب: اچھا میں اور آپ دونوں بیٹھ جاتے ہیں علماء کو آپس میں بات کرنے دو۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: مولوی اسمٰعیل صاحب اور ان کے اعوان وانصار جو بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اسی قرآن کو پڑھتے ہیں اگر ہمارا اس پر ایمان نہ ہو تو ہم اسے کیسے پڑھیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ جب تک امام مہدی اصل قرآن کو لے کر نہ آئیں اس وقت تک یہ محرَّف قرآن ہی ان کے لیے کافی ہے اور اس میں باوجود کمی اور زیادتی کے ان کی ضرورت اور مطلب کا مواد کافی ہے شیعہ علماء نے امام مہدی کی غیبت کبریٰ کے دور میں عارضی اور عبوری طور پر اس موجودہ قرآن کو تسلیم کیا ہوا ہے اور اپنے ائمہ کی روایات سے وہ اس کی بعض تبدیلیوں کو بھی جانتے ہیں اور ان تبدیلیوں کو بھی اس قرآن کے ساتھ ہی پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں ان کے ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی کو لے لیجیے تقریباً ہر صفحہ پر موجودہ قرآن سے اختلاف کرنے کی راہیں ہموار کی گئی ہیں اور پھر متبادل آیات بھی اپنے آئمہ کے ذمہ لگا کر ساتھ ساتھ پیش کر دی گئی ہیں۔

شیعہ حضرات کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں یہ تعلیم ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ سوال یہ تھا:

فاخبرونی عما کتب عمر و عثمان. (ص ۸۲، مطبوعه نجف اشرف)

''جو قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اس کے متعلق بتاؤ۔''

تو اس پر فرمایا: **ان اخذتم بما فیه نجوتم من النار و دخلتم الجنة.**

''اگر تم اس پر عمل کرو تو جنت میں داخل ہو گے اور جہنم سے بچ جاؤ گے''

ملا خلیل قزوینی اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں:

مراد ایں است کہ باوجود اسقاط واختلاف ورقرائت آں قدر باقی ماندہ است کہ صریح باشد درامامت اہل بیت: (صافی شرح اصول کافی ص ۷/۶،۷ لکھنؤ)

مولوی مقبول احمد دہلوی اپنے ترجمہ قرآن میں کہتے ہیں:

''ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کم کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو، قرآنِ مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر (مہدی منتظر) علیہ السلام کا حق ہے اور انہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل پڑھا جائے گا۔'' (ترجمہ مقبول ص ۴۷۹)

حضرات ان حوالوں سے شیعہ حضرات کے اس استدلال کی قلعی کھل گئی کہ جب ہم اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تو اس میں تحریف کے قائل کیسے ہو سکتے ہیں؟ حضرات ان کے پاس اصل قرآن ہے ہی نہیں ورنہ یہ اس محرف اور عبوری قرآن کو ہرگز نہ پڑھتے پڑھاتے اور یہ ان کی صرف ایک مجبوری ہے۔ صحیح الاعتقادی نہیں۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب: میرا دعویٰ ہے کہ سنی حضرات کا بھی موجودہ قرآن پر ایمان نہیں یہ میرے پاس ''نور الانوار'' ہے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: اس کا جواب دیا جا چکا ہے اور اہل سنت کے ایمان کو اس وقت زیر بحث لانا خلط مبحث ہے۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب: میں تو اس وقت شیعہ کے ایمان بالقرآن پر نہیں سب موضوعوں کو ملا جلا کر ہی بیان کروں گا میں اس موضوع پر علیحدہ بحث نہیں کر سکتا۔

(اس موقع پر تھانیدار صاحب اور اہل تشیع کے سب عمائد اور سردار صاحبان مداخلت کر کے اس بحث کو ختم کرا دیتے ہیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب شرائط مناظرہ سے شرمناک فرار کرتے ہوئے نہایت ندامت اور شرمساری سے خاموش ہو جاتے ہیں اور اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا زبان گنگ ہو چکی ہے اور وہ اپنی اس تاریخی شکست پر وہ اندر ہی اندر اُبل رہے ہیں سرداران شیعہ کے ہاں مولوی صاحب کے ڈھول کا پول کھل چکا ہے۔ ساری ملت شیعہ کی آنکھیں نیچی ہیں اور مناظرہ ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد کیا ہوا ؟اس کی تفصیل:

مناظرہ ختم ہونے کے بعد شیعہ عوام نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو گھیر لیا اور ہر زبان سے یہی بات نکل رہی تھی کہ مولوی صاحب آج آپ کو کیا ہو گیا آپ مناظرہ کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہوتے تھے؟ مولوی اسمٰعیل صاحب بار بار یہی کہتے تھے کہ تم جاہل ہو، شیعہ ہو کر اُلٹا مجھے ہی کوس رہے ہو، آج اگر مناظرہ ہو جاتا تو ہمارا اس سے بھی زیادہ برا حال ہوتا، رائے سادے خاں بالکل جاہل ہے، جس نے ہمیں ذلیل کرایا ان سب باتوں کے باوجود شیعہ عوام کا تاثر یہی رہا کہ مولوی اسمٰعیل میں جواب دینے کی

قابلیت ہی نہیں ہے اور یہ ساری باتیں صرف اپنی علمی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ کہہ رہا ہے۔ شیعہ عوام کے ان تاثرات سے مولوی اسمٰعیل صاحب کا رنگ بالکل اترا ہوا تھا اور وہ انتہائی غصے اور انتہائی ندامت کا شکار تھے کہ رائے سادے خاں نے تمام علماء کو ایک دوسرے کمرے میں علیحدہ بیٹھنے کو کہا۔ مولانا عبدالستار صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب نے نمازِ ظہر وہیں اپنے سٹیج پر ادا فرمائی اور پھر ملحقہ کمرے میں چلے گئے، شیعہ علماء پہلے سے وہاں بیٹھے تھے (ان حضرات نے نمازِ ظہر وہاں نہیں پڑھی، ممکن ہے کہ ان کے ہاں مناظرہ میں شکست کھانے کی صورت میں نماز بھی معاف ہو جاتی ہو) حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی اور حضرت مولانا محمد نافع صاحب اس ملحقہ کمرے میں نہ گئے اور وہیں سٹیج پر نماز پڑھتے رہے، اس ملحقہ کمرے میں جب تمام اہل سنت علماء اور شیعہ علماء وذاکرین اکٹھے بیٹھے تو علامہ خالد محمود صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب مجتہد شیعہ بالکل آمنے سامنے تھے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: (مولوی محمد حسین صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) مولوی صاحب اختلاف مسلک اور بات ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ نے آج کوئی ایسی بات نہیں کی جو علمی شان کے خلاف ہو، بلکہ یہ آپ کی انصاف پسندی اور حق گوئی تھی کہ مولوی اسمٰعیل صاحب جب کبھی جہالت کی بات کہتے تو آپ ہمیشہ استہزائی مسکراہٹ سے اس کی تردید کرتے رہے۔

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب: آپ نے مولوی محمد حسین صاحب کی تائید تو کرنی ہی ہے کیونکہ یہ تو آپ کی ہی حمایت کرتے رہے ہیں آپ جو ان کو علمی داد دے رہے ہیں، یہ محض اسی لیے دے رہے ہیں کہ انہوں نے شیعہ مذہب کی کوئی پرواہ نہیں کی اور جو سمجھ میں آتا رہا ہے کہہ دیتے رہے ہیں، بھلا مناظروں میں کبھی ایسا کیا جاتا ہے، وہاں تو دھڑے کا ساتھ دینا ہوتا ہے؟

☆......خادم حسین تلمیذ مولوی اسمٰعیل صاحب: (علامہ خالد محمود صاحب کو مخاطب کر کے) علم بھی آپ کا زیادہ، دلائل بھی آپ کے قوی اور مناظروں میں ہمیشہ آپ کی جیت، مگر یہ کیا وجہ ہے کہ پھر بھی یہی سنا جاتا ہے کہ فلاں سنی شیعہ ہو گیا فلاں سنی شیعہ ہو گیا اور یہ کبھی نہیں سنا جاتا کہ فلاں شیعہ بھی سنی ہو گیا ہے؟ مولانا اسمٰعیل صاحب اس حقیقت کا خود مجسم ثبوت ہیں کہ وہ پہلے سنی تھے اور اب شیعہ ہیں۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: یہ تو ہمیشہ سنا جاتا ہے کہ ''دودھ پھٹ گیا اور خراب ہو گیا'' لیکن یہ بھی کبھی سنا نہیں گیا کہ پیشاب بدل کر دودھ بن گیا، پانی پر پیشاب بننے کی نوبت تو آئی ہے مگر پیشاب پانی بنتا کبھی نہیں سنا گیا۔

ثانیاً ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور بعض بچے بعد میں یہودی عیسائی یا کسی اور مذہب کفر میں داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے پس زمانے کی فطرت یہی ہے کہ اولاً اسلام ہو اور بعد میں خارجی اثرات اسے غیر اسلام کی طرف لے آئیں اور جو غیر مسلم اسلام قبول کرتے ہیں وہ اپنی فطرت کی عود ہے کوئی نئی اختراع نہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب ہی بتائیں کہ جب یہ سنی تھے تو انہیں پوچھتا کون تھا اور ان کی ماہوار آمدنی کتنی تھی اور اب ان کی ماہوار آمدنی کتنی ہے؟ اگر یہ خارجی اثرات انھیں دامن گیر نہ ہوتے اور پھر یہ مذہب تبدیل کرتے تو پھر تو بات بھی تھی۔

☆......حضرت مولانا عبدالستار صاحب: (تھانیدار صاحب کو خطاب کرتے ہوئے) مولوی اسمٰعیل صاحب کے ساتھ جو

کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے یہ تو آپ سب حضرات کے سامنے ہے مگر مولوی صاحب کی ڈھٹائی کی یہ انتہا ہے کہ اس عبرت ناک شکست کے باوجود یہ اشتہار نکالیں گے کہ ہم کامیاب ہوئے اور اہل سنت شکست کھا گئے۔

☆......مولانا اسمٰعیل صاحب: نہیں میں ہرگز اشتہار نہیں نکالوں گا ایسا کبھی ہوسکتا ہے؟ لیکن اگر ہماری پارٹی کا کوئی اور شخص اشتہار نکال دے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

☆......مولانا عبدالستار صاحب: دیکھئے یہ مولوی اسمٰعیل نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا یہ اس قدر ذلت اور رسوائی دیکھنے کے باوجود پھر اشتہاری جھوٹ کے منصوبے باندھ رہے ہیں۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: (مولانا عبدالستار صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) مولانا اگر اب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی کامیابی کا اشتہار نکلوائیں تو ہمیں اس کا کوئی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی ہے کیونکہ جن شیعوں نے آج مولوی اسمٰعیل کی پوری درگت بنتی خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے وہ جب مولوی صاحب کا یہ اشتہاری فراڈ دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اس سے پہلے بھی مولوی اسمٰعیل نے اپنی فتوحات اور کامیابیوں کے جو ڈھنڈورے پیٹ رکھے ہیں اشتہار اور پمفلٹ نکال رکھے ہیں، وہ بھی سب اسی قسم کے فراڈ ہی ہوں گے۔ خدا کرے کہ مولوی اسمٰعیل اس عبرت ناک شکست کے باوجود اسے اپنی فتح قرار دینے کا اشتہار نکالیں تا کہ حقیقت حال کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے شیعہ حضرات کے سامنے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پہلے مختلف موقعوں کے اشتہاری پراپیگنڈے کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجائے اور وہ سمجھ لیں کہ جس طرح کی فتح آج مولوی اسمٰعیل کو ہوئی ہے اسی طرح کی فتح ہی پہلے بھی ہوتی ہوگی۔

☆......حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی: میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ اشتہار نہ نکالیں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس عظیم شکست کے باوجود بھی یہ اس قسم کی فتح کا فراڈ اشتہاروں میں شائع کرنے سے نہیں شرمائیں گے۔

☆......علامہ خالد محمود صاحب: (مولوی اسمٰعیل کو مخاطب کر کے) مولوی صاحب آپ فاضل دیوبند ہونے کا جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ جب آپ کی علمی بے مائیگی کا یہ حال ہے جو آج کے مناظرے میں ظاہر ہوا تو آپ کس منہ سے فاضل دیوبند کہلاتے ہیں؟

☆......مولوی اسمٰعیل صاحب: میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں فاضل دیوبند ہوں، نہ میں ہوں، اور نہ اس کا مجھے دعویٰ ہے لوگ اشتہاروں میں یونہی لکھ دیتے ہیں میں اس کا ذمہ دار نہیں۔

(اس کے بعد مولوی اسمٰعیل صاحب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ کہہ کر کہ یہ سنی علماء کافر ہیں میں ان کے پاس بھی نہیں بیٹھتا وہ کسی اور کمرے میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مناظرے کی کارروائی کا یہ تتمہ بھی اختتام پذیر ہو جاتا ہے)۔

اور شیعہ روساء اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر سب واپس ہو جاتے ہیں اور مولوی اسمٰعیل کو ایک خچر پر بٹھا کر پیچھے ایک دوسرا آدمی سوار کرا کر اور اس کی کتابوں کو گدھوں کے اوپر لاد کر واپس کیا جاتا ہے۔ اہل سنت اور شیعہ عوام وخواص نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو

ذخیرہ سے چنیوٹ کی سڑک پر اس طرح آتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، مولوی اسمٰعیل صاحب کی اس بیچارگی اور رسوائی پر سب کو ترس آ رہا تھا اگرچہ مولوی صاحب کو صرف اسی بات کا غم ہوگا کہ ان کی فیس کیوں ماری گئی اور شیعہ رؤساء ان سے کیوں متنفر ہو گئے؟ بہر حال یہ سلسلہ ختم ہوا اور اہل سنت علماء کاروں میں بیٹھ کر اسلام زندہ باد، تنظیم اہل سنت زندہ باد کے نعروں میں نہایت کامیابی سے واپس ہوئے۔

اس مناظرہ کے ایک ہفتہ بعد مولوی اسمٰعیل صاحب نے ایک نام نہاد مولوی کرم دین سے جو کافی عرصہ پہلے سے شیعہ ہوا ہوا تھا اس مضمون کا اشتہار نکلوایا کہ وہ مناظرہ ذخیرہ سے متاثر ہو کر شیعہ ہوا ہے چنیوٹ کے لوگوں نے اس نام نہاد مولوی کرم دین کے گاؤں موضع حسو کے جا کر واقعات کا تحقیق کی تو وہاں کے ذمہ دار لوگوں نے یہ حلفیہ بیان دیا کہ کرم دین مذکور اس مناظرہ ذخیرہ سے کافی پہلے کا شیعہ ہوا ہوا ہے اور اب اس کی یہ اشتہار بازی محض ایک فراڈ ہے چنانچہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نمائندہ اہل سنت نے اس امر کو ایک اشتہار عام کے ذریعہ شائع کر دیا جو یہاں نقل کیا جاتا ہے اور حق کی فتح کا یہ عالم ہے کہ اب تک شیعہ نمائندے رائے سادے خاں صاحب کو اس کی تردید کی ہمت نہیں ہوئی وہ اشتہار یہ ہے:

مناظرہ چک ذخیرہ نمبر۲ میں اہل سنت کی شاندار فتح مولوی اسماعیل گوجروی کا شرائط مناظرہ سے شرمناک فرار اور عبرتناک شکست، نام نہاد مولوی کرم دین کا سفید جھوٹ، وہ مناظرہ ذخیرہ سے کافی عرصہ پہلے شیعہ ہو چکا تھا۔

حضرات! ۲۳/اپریل ۱۹۶۳ء کو چک ذخیرہ نمبر۲ ضلع گوجرانوالہ میں جو مناظرہ ہوا اس میں شیعہ کی جانب سے مناظر مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی اور صدر مولوی محمد حسین پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا تھے، اور اہل سنت والجماعت کی جانب سے مولانا عبدالستار صاحب تونسوی اور پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب صدر تھے شیعی مناظر نے تحریر شدہ شرائط نامہ سے پہلوتہی کی بڑی کوشش کی، آخر بڑی ردوکد کے بعد اقرار کیا کہ میں تحریر شدہ نامہ کے مطابق مناظرہ کروں گا، چنانچہ مناظرہ شروع ہوا اور مناظر اہل سنت علامہ تونسوی نے اپنی پہلی تقریر کی، اس لاجواب تقریر سے شیعی مناظر کے کچھ ایسے اوسان خطا ہوئے کہ اس نے اپنی پہلی جوابی تقریر میں ہی شرائط مسلمہ مناظرہ ہذا کی خلاف ورزی شروع کر دی اور تحریر شدہ شرائط پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی تفصیل ہفت روزہ ''دعوت'' اخبار لاہور میں قسط وار آ چکی ہے اور ان شاء اللہ کتابی صورت میں عنقریب شائع ہو جائے گی شائقین حضرات دفتر دعوت شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے طلب کریں اگر شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کا نام شکست ہے اور اگر مناظرہ میں مدعی کی تقریر کا جواب نہ دے سکنے کا نام ہزیمت ہے اور خلط مبحث، دوسرے لفظوں میں دھاندلی فرار کا واضح نشان ہے تو چک ذخیرہ کے مناظرہ میں شیعی مناظر شکست فاش، ہزیمت عظیمہ اور واضح فرار سے دوچار ہوئے ہیں اگر یقین نہ آئے تو اس گھڑے سے جا کر دریافت کریں جس سے مبلغ اعظم نے پانی پی پی کر تالو اور زبان کی خشکی دور فرمائی تھی یا اپنے چہرے کی رنگت کو یاد کریں جو بار بار بدل رہی تھی، اس شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے گوجروی صاحب نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ایک ایسے شخص سے مذہب کی تبدیلی کا اعلان کرایا جو اس مناظرہ سے کافی ایام پہلے شیعہ ہونے کا اعلان اپنے گھر (موضع) حسو کے میں کر چکا تھا، اطمینان

خاطر کے لیے معززین موضع حسو کے کا حلفیہ بیان ملاحظہ فرماویں جس سے آپ پر ''مبلغ اعظم'' کی ''صداقت'' روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

معززین موضع حسو کے کا حلفیہ بیان

''ہم دستخط کنندگانِ ذیل حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ مولوی کرم دین جس کے شیعہ ہونے کا اعلان مناظرہ ذخیرہ پر مولوی اسمٰعیل گوجروی نے شرمناک کذب بیانی سے محض اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے کرایا ہے وہ اس مناظرہ سے کافی عرصہ پہلے شیعہ مذہب اختیار کر چکا تھا جس پر اس کے لیے موضع حسوکا، کے رئیس خاک علی شاہ نے تیس من گندم، تین صد روپیہ سالانہ اور ایک گائے معہ چارہ مقرر فرمایا تھا اور پھر اُس نے ۱۱ر اپریل ۶۳ء بروز جمعہ خاک علی شاہ کے ڈیرہ میں مولوی اسمٰعیل گوجروی، مولوی خادم حسین، ذاکر ریاض حسین اور ایک ملتانی ذاکر کے سامنے شیعہ ہونے کا باقاعدہ اعلان کیا تھا۔''

(دستخط) چراغ دین صاحب فوجی، میاں بہادر صاحب ساہی، حکیم سلطان علی صاحب، مولوی عبدالرشید صاحب موضع عینو آنہ، مولوی نور احمد خطیب جامع مسجد روڑالہ۔

مولوی اسماعیل اور اس کے رفقاء کو مؤکد بعذاب قسم کا چیلنج

ہم نے کرم دین کے شیعہ ہونے کا فراڈ معززین علاقہ کے بیان سے واضح کر دیا ہے اگر مولوی محمد اسماعیل گوجروی اور شیعہ صدر مولوی محمد حسین مجتہد عراق وغیرہ میں رتی بھر صداقت ہے تو ہم انھیں چیلنج دیتے ہیں کہ وہ حضرتِ عباس علم دار کے علم کو ہاتھ لگا کر خدا تعالیٰ کی موکد بعذاب قسم اٹھائیں اور درج ذیل بیان دے کر اپنی صداقت ثابت کریں کہ ''مولوی کرم دین مناظرہ ذخیرہ سے قبل قطعاً شیعہ نہ تھا اور ۱۱ر اپریل کی خصوصی مجلس میں اس نے شیعہ ہونے کا کوئی اقرار یا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ مناظرہ ذخیرہ نمبر۲ کی روئیداد سے متاثر ہو کر اس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔؟

شیعہ علماء کو اپنے موضوعات اور شرائط مناظرہ طے کرنے کا کھلا چیلنج

مناظرہ ذخیرہ کے طے شدہ موضوع اور شرائط جس پر مولوی اسمٰعیل گوجروی مناظرہ نہ کر سکے اور عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے ان ہی شرائط پر تمام علماء و مجتہدین شیعہ کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ وہ جس وقت اور جس جگہ چاہیں علمائے تنظیم اہل سنت سے مناظرہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ جو تاریخ مقرر کرنا چاہیں اس سے ایک ماہ پہلے اطلاع بخش دیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

المشتہر: خادم اہل سنت منظور احمد خطیب جامع مسجد محلّہ گڑھا چنیوٹ ضلع جھنگ

مناظرہ چک ذخیرہ سے آمدہ نتائج پر تبصرہ

۱)...... مذکورہ مناظرہ اس اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں اپنے وقت کے نہایت زیرک اور معروف علماء کرام شریک تھے جن میں حضرت مولانا احمد شاہ چوکیروی مع اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد نافع، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہم اللہ تعالیٰ اور علماء شیعہ میں سے مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی، مولانا محمد حسین ڈھکو، مولوی ناصر حسین نجفی اور مولوی خادم حسین جیسے لوگ شامل تھے۔

۲)......اتنے بڑے علماء حق کی موجودگی میں صدرِ مناظرہ کے لیے علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا منتخب ہونا علامہ صاحب کے تبحر علمی اور مناظرانہ تجربہ وفن پر ایک سند ہے۔ کنج انصاف میں بیٹھ کر اس پر غور کرنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صداقت کے نالوں کی اس صدا میں علامہ خالد محمود کا کتنا حصہ ہے۔

۳)......مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی اگرچہ بے حد شاطر اور عیار طبیعت کے مناظر تھے مگر علامہ خالد محمود نے اپنے علم منقح سے دُرشہوار نکال کر انہیں اس نوبت تک پہنچا دیا تھا کہ موصوف کو خود بھی اپنے سطحی علم پر ندامت ہوئی اور ان کے میزبان یا سامعین بھی پھڑ پھڑاتے ہوئے گوجروی صاحب کو ہدف ملامت بنا رہے تھے کہ انہوں نے مذہب کی نمائندگی کرنے میں نہایت عامیانہ کردار ادا کیا ہے۔

اہل تشیّع کی جانب سے مناظرہ چک ذخیرہ کی مطبوعہ روداد کی حیثیت

مولوی ناصر حسین نجفی آنجہانی کا کہنا ہے کہ متذکرہ مناظرہ میں مَیں بھی شریک تھا، یہ مبلغ اعظم اہل تشیّع مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی کے شاگرد تھے اور انہوں نے بعد میں اپنے استاذ کے مناظروں کی رودادیں ایک کتابی شکل میں شائع کیں، اس کا نام ”فتوحاتِ شیعہ“ ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں بعنوان ”تنظیمی ملاؤں کا غلط وطیرہ“ چک ذخیرہ والے مناظرہ کی روداد شامل ہے۔ اسے پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل تشیّع کو متذکرہ مباحثہ میں کس قدر خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے چند عنوانات اور جملوں کو پڑھیے:

[۱]...... ملاں خالد محمود کی چالاکیاں اور علمی کمزوریاں

[۲]...... مولوی عبدالستار اور خالد محمود کے جھوٹے اور مصنوعی وقار کا بھانڈہ چک مذکور کے جوہڑ کنارے کچھ اس طرح پھوٹا کہ احمد شاہ چوکیروی کا تعاون بھی بے حقیقت ہو کر رہ گیا۔

[۳]...... مولوی منظور احمد چنیوٹی کی امن سوز حرکات۔

[۴]...... خالد محمود اور عبدالستار نے قصرِ سنیت کو تزلزل سے بچانے کے لیے شور مچانا شروع کر دیا۔

[۵]...... ملاں خالد کے لیے یہ مصیبت بن گئی کہ اگر حقائق تسلیم کرے تو مذہب ختم ہوتا ہے۔ بس ضد اور ہٹ دھرمی کی پناہ میں ہی خیریت سمجھی۔ (اور) ملاں خالد محمود کی دھاندلیاں (وغیرہ وغیرہ)۔

[ناظر حسین نجفی، فتوحات شیعہ، مطبوعہ مبلغ اعظم اکیڈمی خوشاب صفحہ نمبر ۲۲۸، رودادمناظرہ چک ذخیرہ]

مظہر کرم

سوانح حیات: مظہر شریعت وطریقت، قائد اہل سنت، وکیل صحابہؓ واہل بیتؓ

مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

[تلمیذ وخلیفہ: شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ......فرزند: رئیس المناظرین مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ]

سعادتِ تصنیف: مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

باب ۱: چکوال کا تعارف، اعوان برادری، مولانا کرم الدین دبیرؒ۔ باب ۲: ولادت اور سلسلۂ تعلیم وتربیت۔ باب ۳: اشاعتِ اسلام کالج لاہور اور دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں۔ باب ۴: مناظرۂ سلانوالی، دارالعلوم دیوبند روانگی اور دو سال قیام۔ باب ۵: ۲۶ رسال کی عمر میں پہلا مناظرہ ''مباحثہ چک عمراء''۔ باب ۶: آزمائشوں کے گرداب میں، تاریخی قضیۂ نکاح کی داستان۔ باب ۷: آبائی گاؤں میں خطرناک تنازع، طویل گرفتاری، غازی منظور حسین۔ باب ۸: والدین کی رحلت، دورانِ اسارت حضرت مدنیؒ سے خلافت۔ باب ۹: آبائی گاؤں میں مسجد ومدرسہ کی بنیاد، چکوال شہر منتقلی، مدرسہ کا قیام، تحریک ختم نبوت میں فعال کردار۔ باب ۱۰: جمعیۃ علماء اسلام میں بھرپور کردار، جمعیۃ سے علیحدگی اور اس کی وجوہات۔ باب ۱۱: فتنہ انکار حیات النبی کی تردید میں کردار، دین ومسلک کی خاطر تعلقات کا انقطاع۔ باب ۱۲: کتاب ''مودودی مذہب'' کی اشاعت اور ایک مقدمہ کی روداد۔ باب ۱۳: مولانا اللہ یار خان چکڑالوی سے اختلاف کی تفصیلات۔ باب ۱۴: تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کا قیام، بیرونی فرقوں واندرونی فتنوں کا سد باب۔ باب ۱۵: ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں انتخابی معاہدہ، مجلس عمل میں عدم شرکت کی وجوہات۔ باب ۱۶: شیعہ سنی مشترکہ نصاب تعلیم کا قضیہ۔ باب ۱۷: ''قومی اتحاد'' میں عدم شمولیت، تحریک نظام مصطفیٰ، تحفظ اسلام پارٹی کا قیام۔ باب ۱۸: مولانا عبدالمجید ندیم کی فکری اصلاح، متحدہ سنی محاذ۔ باب ۱۹: اسکول میں غیر اخلاقی ڈرامے بند کرانے کی تحریک، مفتی جعفر کی شیعی تحریک، سنی محاذ کا قیام۔ باب ۲۰: تصنیفی خدمات۔ باب ۲۱: ماہنامہ حق چار یار لاہور کا اجراء، خدمات، اختصاص، مجلس منتظمہ۔ باب ۲۲: سنی مطالبات، قراردادیں، تحریکی زندگی۔ باب ۲۳: بعض معاصر علماء سے فکری اختلافات اور تصلب و اعتدال۔ باب ۲۴: معتقدین، مریدین ومعاصرین کے تاثرات ومشاہدات۔ باب ۲۵: زندگی کے آخر میں بڑی آزمائش، ڈی ایس پی قتل کیس، گرفتاری ورہائی۔ باب ۲۶: منتخب مکاتیب۔ باب ۲۷: مرضِ وفات، پیام اجل، جنازہ، تدفین

صفحات: بارہ سو (۱۲۰۰)......رعائتی قیمت: چھ سو (۶۰۰) علاوہ ڈاک خرچ

ناشر: دارالامین 0312-4612774

باب نمبر ۱۰

منظوم خراج عقیدت

ہزاروں سال تک علمی فضا کو یاد آئے گا
ہمیشہ وہ اذانوں کی صدا کو یاد آئے گا

[انجم نیازی]

ایک عالم اور اتنی خدمتیں
صد مبارک جذبۂ جہد و عمل

[اثر جون پوری]

تو علوم دین و دنیا میں ہے ایسا سرفراز
سب ہیں عالم اور علامہ ہے تیرا امتیاز

[لیاقت فاروقی]

تمہارے جیسا کہاں آئے گا زمانے میں
تمہاری مثل کہاں دے گا کوئی حق کی اذاں

[امجد ولی]

فَقِیُہٍ، مُحَدِّثٍ، اَدِیبٍ، مُؤَرِّخٍ
زَعِیُمٍ، لِمِلَّۃٍ تَمَّتْ مُتُونُھَا

[قلبی]

علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

[سیف اللہ]

انجم نیازی

آہ! مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

مدبر بھی، مفکر بھی، محقق بھی بہت اعلیٰ
وہ رخصت ہوگیا علمی خزانے بانٹنے والا

زمانے نے کیا کتنے برس تک انتظار اُس کا
نظر آیا تھا صدیوں بعد چہرہ باوقار اُس کا

بڑا انسان دنیا میں بہت تاخیر سے آیا
بڑا مہمان دنیا میں بہت تاخیر سے آیا

زمانہ بھول پائے گا نہ اس گہرے سمندر کو
صحابہؓ کے ہی عاشق اور محبوبِ پیمبرؐ کو

رہا دُنیا میں وہ اسلام ہی کی آبرو بن کر
وہ سارے ہی مسلمانوں کے دِل کی آرزو بن کر

وہ عاشق تھا، وہ خادم تھا نبیؐ کے سب صحابہؓ کا
ہمارے پاس وہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھا

ہماری سب مساجد کے منارے اُس کو ڈھونڈیں گے
چمکتے چاند، سورج اور ستارے اُس کو ڈھونڈیں گے

ہزاروں سال تک علمی فضا کو یاد آئے گا
ہمیشہ وہ اذانوں کی صدا کو یاد آئے گا

کرے گا کون اس بے چاری امت کی نگہبانی؟
کرے گا کون اب علم و عمل پر آ کے سلطانی؟

وہ سورج بن کے روزانہ ہی دنیا میں اُبھرتا تھا
اس امت ہی کی امّیدوں پہ پورا وہ اترتا تھا

ہمارے عالموں کا وہ سپہ سالار تھا اعلیٰ
وہ ساری امتِ مسلم کا ہی غم خوار تھا اعلیٰ

غلط لوگوں کی علمی سرکشی کو کون روکے گا؟
اب ان کی دین پر ڈاکہ زنی کو کون روکے گا؟

کوئی بھی ایسا عالم باخدا پیدا نہیں ہوگا
کوئی بھی ایسا عالم دوسرا پیدا نہیں ہوگا

اگر آیا تو صدیوں بعد آئے گا کوئی خالد
جو اپنے علم کی عظمت دکھائے گا کوئی خالد

صحابہؓ کی عقیدت کے گلستاں کا وہ مالی تھا
ہمارے دَور کا انجم وہ رازی اور غزالی تھا

☆......☆......☆......☆

شاہین اقبال اثرؔ

عقیدت کے پھول

ایک انساں پیکرِ حُسن و عمل
وہ علوم دینیہ کا اِک جبل
تخم جس نے بوئے ہیں ایسے عظیم
کھائے گی تا حشر امت اس کا پھل
وقت کے تھے قدر داں وہ اس قدر
ضائع ہو سکتا نہیں تھا ایک پل
ہوگیا ایسا جنونِ اتباع
ہوگئے ناواقفِ لیت و لعلّ
ولولہ ایسا کہ شرمندہ شباب
مسئلہ کیسا کہ جس کا ہو نہ حل
ایک عالم اور اتنی خدمتیں
صد مبارک جذبۂ جہد و عمل
کرتے کرتے محنتیں پایا سکوں
لکھتے لکھتے ہوگئے جب ہاتھ شل
مولوی، مسٹر، نبی ہو یا ولی
موت ہے ذی روح کی خاطر اٹل
فائزِ منزل ہوئے جو رہ نما
اے اثرؔ تو بھی انہی کی راہ چل

افضل دھرم کوٹی

منقبت

حضرتِ علامہ خالد تو بڑے محمود تھے
علم وافر کی وجہ سے ہر جگہ محسود تھے

تھے مقرر اور مناظر، علم کے بحرِ محیط
جو ہوئے مد مقابل ہوگئے مردود تھے

جو بھی فتّان زمانہ سامنے تھا آگیا
سارے رستے اس جوں کے ہوگئے مسدود تھے

کوئی بھی اُن کا مناظر کامراں نہ ہوسکا
اس کا نقشہ ان سے پوچھو جو وہاں موجود تھے

قادیانی یا مماتی یا کہ نوری مرد تھا
ان کے آگے چپ ہی سادھیں جو پڑھیں مولود تھے

قادیاں والوں کو للکارا جو اُن کی ذات نے
ربوہ کی وادی کے اندر ہوگئے محدود تھے

منکر تقلید کے بخیے ادھیڑیں تھے عجب
وار اُن کا سہہ سکیں جو چند اور معدود تھے

وہ دلائل دیتے تھے بارش کے قطروں کی طرح
سب بہانے ان کے آگے بے شبہ بے سود تھے

وہ محقق تھے اے افضلؔ اور حقیقت آشنا
میری ان سے تھی مودت وہ مرے مودود تھے

لیاقت فاروقی، راولپنڈی

تو مری تاریخ صد سالہ کا ہے بے شک نقیب

تو علوم دین و دنیا میں ہے ایسا سرفراز
سب ہیں عالم اور علامہ ہے تیرا امتیاز
خوبیاں کیا کیا بتاؤں ہیں جو اس کی ذات میں
علم کی بہتی ہیں نہریں اس کی تشریحات میں
تو محقق، تو مناظر، تو مبلغ، تو خطیب
تو معلم، تو مدرس، تو مصنف، تو ادیب
تو اکابر کی نشانی بھی ہے اور تصویر بھی
تو مفکر، تو مفسر بھی ہے اور تفسیر بھی
تجھ سے کوئی بھی مخالف بچ کے جاسکتا نہیں
سامنے تیرے نگاہیں بھی اٹھا سکتا نہیں
قادیانی، رافضی، عیسائیوں کے پوپ پال
لب کشا ہوں سامنے تیرے کسی کی کیا مجال
علم کی تاریخ میں تو ایک روشن آفتاب
میرا رستہ، میرا مسلک ہے تری اِک اِک کتاب
تیری ہر تقریر ہر تحریر ہی نایاب ہے
ہے نہیں نعم البدل جس کا تو ایسا باب ہے

تو مری تاریخ صد سالہ کا ہے بے شک نقیب
ساتھ وابستہ ترے جو ہوگئے ہیں خوش نصیب
تجھ سا نکتہ داں نہیں یہ بات بھی مبہم نہیں
تو مرے ماضی و مستقبل کا ہے سنگم حسیں
میں تری خدمات کا اظہار کر سکتا نہیں
تیرا دشمن بھی کبھی انکار کر سکتا نہیں
ہم تری خدمات پر ہیں آج سو جاں سے نثار
ہے تری تحقیق پر اب بھی مرا دار و مدار
وہ پروفیسر، وہ جسٹس، وہ علامہ ڈاکٹر
سامنے باطل جو آیا تو ہوا وہ خاکستر
انتقال پُر ملال، ہاں مگر تجھ پر سلام
جنت الفردوس میں ہو آپؒ کا اعلیٰ مقام
میں تیری توصیف میں لیاقتؔ سدا لکھتا رہوں
دیکھ کر تیرے ہی قدموں کے نشاں چلتا رہوں

حضرتؒ جب سپریم کورٹ کے جسٹس بنے تو ناچیز نے آپ کے سامنے یہ نذرانہ پیش کیا، تو آپ نے فرمایا: نظم تو آپ نے لکھ دی، مگر اس کا مزہ ہمارے جانے کے بعد آئے گا۔ (گویا سامنے تعریف کو پسند نہیں کیا۔) یاد رہے کہ انتقال والا شعر اب شامل کیا ہے۔ ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء (لیاقت فاروقی)

مطیع الرحمٰن اطؔہر ہاشمی، ہری پور

اے خالد محمودؒ!

تیرے بعد نہ تجھ سا دیکھا اے خالد محمود!
کیا انداز خدا نے بخشا اے خالد محمود!

تیرا وجود تھا حُسنِ تخیل کی مانند
جیسے کوئی شعر ہو فردا اے خالد محمود!

جب بھی تو میدان میں آیا، کوئی عدو
مد مقابل ٹھہر نہ پایا اے خالد محمود!

مدنیؒ کی، عثمانیؒ کی تاثیر پڑی
پھیل گیا تو قریہ قریہ اے خالد محمود!

نظر شاہینی اور دلائل افلاطونی
کہاں سے لائیں ڈھونڈ کے تجھ سا اے خالد محمود!

اپنا تو کیا بیگانہ بھی مانے گا
اطؔہر نے جو تجھ پر لکھا اے خالد محمود!

امجد ولی، بہاول نگری

رئیس المناظرین حضرت علامہ خالد محمودؒ

رہی سدا مری مہمان گردشِ دوراں
سدا اُسے میرا خونِ جگر لگا اَرزاں

یہ زخم شام و سحر بڑھتا جا رہا ہے ولؔی
نہ پا سکا کوئی اس کے لیے رہِ درماں

ہمارے دَرد کو سمجھا نہ چارہ ساز کوئی
تو رکھ سکیں گے اسے ہم کہاں تلک پنہاں

دفاعِ دین کا سرمایہ کھو گیا ہم سے
ہماری آنکھ بھلا کیوں نہ ہوگی اشک فشاں

ترے خصائل محمودہ ہوگئے خالد
رہے گا مسلکِ حق تجھ پر تا ابد ناز اں

تمہارے جیسا کہاں آئے گا زمانے میں
تمہاری مثل کہاں دے گا کوئی حق کی اذاں

مناظرہ ہو کہ تصنیف اور تالیفات
تری دلیل کا رد لا سکے گا کوئی کہاں

تمہاری تیغ سے باطل پہ موت طاری ہے
تمہارے نام سے لرزاں ہیں کفر کے ایواں

تمہاری یاد پر قلب وؔلی تڑپتا ہے
بھلانا تم کو اَب اِس کے لیے نہیں آساں

محمد امجد ولی، بہاولنگری

حضرت علامہ خالد محمودؒ کے چند اوصاف

ہم نشینِ محفلِ اسلاف تھے
سایۂ حق بر سرِ اَخلاف تھے

شرک و بدعت پر تھے تیغ بے نیام
ترجمان مسلکِ احناف تھے

حفظِ اَصحابِ نبی اور دہر میں
غلبۂ دیں آپ کے اَہداف تھے

رفض پر یلغار ہی یلغار تھی
اہل ایماں پر سدا اَلطاف تھے

شہسوارِ راہِ احسان و سلوک
علم اور حکمت کے کوہِ قاف تھے

بے تکلف، بے ضرر، بے نفس، پر
افتخار و نازش اَشراف تھے

سادگی میں چھپ رہے تھے وہ مگر
تذکرے اُن کے چہار اَطراف تھے

کون خالد کی طرح محمود ہو؟
امجؔد اُن میں کیا سے کیا اَوصاف تھے

مفتی سیف اللہ خالد، مدرس جامعہ ابوایوب انصاری گوجرانوالہ

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

علم و عرفان کا رواں دریا
حسنِ ابلاغ کی وہ تھا دنیا
پیدا ہوگا نہ کوئی اس جیسا
وہ زمانے کا گوہرِ یکتا
علم کا اک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

راہ بھٹکوں کو رہ دکھاتا تھا
جہل کی تیرگی مٹاتا تھا
سب کو سینے سے وہ لگاتا تھا
ہر کوئی اس کے گیت گاتا تھا
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

منبعِ نور اس کی پیشانی
اس کا چہرا مدارِ تابانی
پوری دنیا تھی اس کی دیوانی
کیسے ممکن ہے اس کا ہو ثانی
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

جس کا باطل پہ لرزا طاری تھا
ایک تھا سینکڑوں پہ بھاری تھا
علم کا گویا چشمہ جاری تھا
سچ تو یہ ہے کہ فضلِ باری تھا
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

راہِ حق کا وہ پکا راہی تھا
وہ سراپائے خیر خواہی تھا
پیارے اصحابؓ کا سپاہی تھا
کفر کے واسطے تباہی تھا
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

رعب باطل پہ اَب جمائے کون
علمی دھاک اُس پہ اَب بٹھائے کون
سونے والوں کو اَب جگائے کون
ناز اپنوں کے اَب اٹھائے کون
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

جو ہے محمود نام تھا خالد
ذی حشم ذی مقام تھا خالد
علم سے اس کو کام تھا خالد
اہلِ حق کا امام تھا خالد
علم کا اِک چراغ تھا نہ رہا
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

مولانا عطاء الحق قلبی (۱)

رِثَاءُ فَضِیْلَةِ الشیخ مولانا الدُّکتُور

العَلَّامَة خَالِد مَحمُود رحمہ اللہ تعالٰی

قَامَتْ بِسُعْدیٰ ظُنُوْنِی وَ ظُنُوْنُهَا

وَ نَامَتْ بِاَجْفَانِی، جُنُوْنِی وَ جُنُوْنُهَا

سُعدیٰ کے ساتھ میرے اور اُس کے اپنے خیالات وابستہ ہوئے اور میری پلکوں تلے میرا اور سعدیٰ کا جنون آرام فرما ہو گیا۔

فَعَیْنِیْ تَلَوَّنَتْ بِلَوْنِ شُجُوْنِهَا

وَ کَمْ مِّنْ جُفُوْنٍ بَلَّتْهَا عُیُوْنُهَا

اب میری آنکھ سعدیٰ کے غموں سے رنگین ہے، حالانکہ کئی پلکیں صرف آنسوؤں سے تر ہوتی ہیں۔

بَکَیْنَا عَلٰی ذَهَابِ عِلْمٍ وَ عَالِمٍ

فَاَشْحَانُهَا شَجْنِیْ وَ شَجْنِیْ شُجُوْنُهَا

ایک بہت بڑے ''عالم'' اور اُس کے ''علم'' کے جانے پر ہم آبدیدہ ہوئے

اَب سعدیٰ کے غم میرے غم ہیں اور میرے غم اُس کے غم!

فَقِیْهٍ، مُحَدِّثٍ، اَدِیْبٍ، مُؤَرِّخٍ

زَعِیْمٍ، لِمِلَّةٍ تَمَّتْ مُتُوْنُهَا

(وہ عالم) بہت بڑے فقیہ، عظیم محدث، کامل ادیب، نامور مؤرخ

اور ایسی شریعت کے راز دار جس کے تمام دفتر مکمل ہیں۔

ظَرِیْفٍ، ظَرِیْفٍ، فَاضِلٍ، ذِیْ تَجَارُبٍ

وَ دَاعِیْ شَرِیْعَةٍ قَدْ عَلَتْ غُصُوْنُهَا

(وہ عالم) نکتہ رس، رمز شناس، صحابِ فضیلت و تجربہ اور ایسی شرع شریف کے داعی جس کی شاخیں بہت بلند ہیں۔

---

(۱) استاذ: مدرسہ عربیہ اسلامیہ و دار العلوم نور الاسلام حاجی شاہ اٹک

الــطَّـــامَّةُ الْــكُبْــرىٰ، عَــلٰـــى فِــرْقَةِ الْهَــوىٰ
قَـــلَّـــتْ مُتُـــوْنُهَـــا وَ تَــمَّـــتْ بُـطُـوْنُهَـــا

(وہ عالم) اہل شرک وبدعت کے گروہوں کے لیے بڑی مصیبت،
ایسے گروہ جن میں ''اہل باطن'' کم اور ''اہل بطن'' زیادہ ہوتے ہیں۔

آهـــاً! مَّـضَـــى الْـعَلَّامَةُ الْـخَـالِـدُ الْـمَـحْـمُـوْدُ
فَيَـــا سُـــرْعَةَ الــدُّنْيَـــا، قَـدْ خَـلَـتْ قُـرُوْنُهَـــا!

آہ! (حضرت مولانا) علامہ خالد محمود رحمہ اللہ دنیا سے کوچ کر گئے،
ہائے اے دنیا کی زندگی! کس تیزی سے ہم قرین روانہ ہو رہے ہیں۔

صَبْـــرًا فَــصَبْـــرًا، يَـــا قَــلْبِـــيْ، مُــصِيْبَةٌ
عُــظْــمٰـــى، تَــكَـثَّــرَتْ فِيْـــنَـــا فُتُــونُهَـــا

قلبی! صبر و تحمل سے کام لے، کیونکہ بہت بڑی مصیبت ہے (اور) بہت ساری آزمائشیں ہیں۔

صَبْـــرًا جَـــمِيْلًا، فَـــعِـــنْـــدَ اِلٰهِـــنَـــا
حُـــرُوْف عُــلٰـــى! مِـنْهُـــنَّ كَـــافٌ وَّ نُــوْنُهَـــا!

صبر جمیل اختیار کر، کیونکہ ہمارے الہ کے ہاں حروفِ عالیہ ہیں،
(اور ان کے اثرات مسلم ہیں) اُن میں سے ''کاف'' اور ''نون'' بھی ہیں۔

كتبه الفقير

محمد عطاء الحق قلبی

۲۰۲۰/۷/۴ء

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی، بہاول پور

ہو نصیبے میں خدایا! اُس کے بزمِ چار یارؓ

ڈاکٹر علامہ خالدؒ علم کا روشن منار
جس کی ہستی سے ہوا ہے ایک عالَم تابدار

اُس کی تقریروں کا ہر اک لفظ لعلِ آبدار
اُس کی تحریروں کا ہے ہر ایک صفحہ مشکبار

وہ مناظر وہ محقق وہ مصنف زرنگار
اہلِ حق کی ترجمانی جس کا ٹھہرا ہے شعار

ہر گھڑی جو لشکرِ طاغوت پر تھا شعلہ بار
اُٹھ گیا وہ اہلِ سنت کا نرالا شہسوار

اُس کے مرقد پر ہو ہر دم رحمتِ پروردِگار
ذکرِ خیر اُس کا رہے محشر تلک لیل و نہار

جو سدا ختمِ نبوت کا رہا ہے پاسدار
شاہِ طیبہ ﷺ سے پیے وہ جامِ کوثر بار بار

جو صحابہؓ کے تقدس پر رہا ہر دم نثار
ہو نصیبے میں خدایا! اس کے بزمِ چار یارؓ

مشرق و مغرب میں سینچے دین کے جو لالہ زار
مسکرائے تا اَبد اُن میں صداقت کی بہار

راہِ حق کے سارے کانٹے عمر بھر چُنتا رہا
اہلِ سنت، اُس کے احسانات کے ہیں زیرِ بار

قادیانی ہوں کہ نصرانی، روافض یا یہود
ہر رگِ باطل کو کاٹا بن کے نشتر تیز دھار

ہوں مماتی، بدعتی یا منکر تقلید ہوں
وہ سبھی فتنوں کے آگے بن گیا تھا کوہسار

اس کی خدماتِ جلیلہ کی مچی ہر سمت دھوم
اُس کے سارے کارنامے لائقِ صد افتخار

بن گئی ضرب المثَل برجستگی اُس کی جمیلؔ
وہ فراست کا، ذہانت کا تھا ایسا شاہکار

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' میں شامل اہم عنوانات و واقعات کی فہرست (جلد دوم)

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' میں شامل اشتہارات کی فہرست

جلد اول

عنوان اشتہار	صفحہ نمبر	عنوان اشتہار	صفحہ نمبر
الاحسان آن لائن اکیڈمی	62	تازیانہ عبرت، مولانا کرم الدین دبیرؒ	67
تازیانہ سنت (رد رفض وبدعت)، مولانا دبیرؒ	76	السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول، دبیرؒ	84
فیض باری رد تعزیہ داری، مولانا دبیرؒ	84	مولانا سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا'' کا جائزہ	86
برصغیر میں اسلام واسلامی عقائد مولانا عبدالحق	113	تحفظ عقائد اہل سنت (بسلسلہ مسلک ومشرب)	117
قربانی کورس واسلامی عقائد کورس کے عنوانات	118	سنی مذہب حق ہے، مولانا قاضی مظہرؒ	160
حقانیت اہل السنۃ والجماعۃ، مولانا قاضی مظہرؒ	485	خلافت راشدہ وامامت، مولانا قاضی مظہرؒ	485
عمار خان ناصر سے متعلق صفدر میں مضامین	715	مولانا راشدی کے متعلق ''صفدر'' میں مضامین	785
مجموعہ رسائل (رد مودودیت) مولانا قاضی مظہرؒ	830		832

جلد دوم

آفتاب ہدایت (رد رفض وبدعت) مولانا دبیرؒ	17	حیات النبی کی خوشبوئیں (منظوم)، انجم نیازی	39
عمار خان کا نیا اسلام، ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ	46	فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع، مفتی رب نواز	56
یادگار مناظرہ حیات الانبیاء، حضرت اوکاڑویؒ	58	ام المؤمنین سیدہ خدیجہ (منظوم)، انجم نیازی	67
مروجہ مجالس ذکر، اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں	69	مجلّہ صفدر، اغراض ومقاصد	75
نماز تراویح اور مذاہب اہلحدیث، مولانا عبدالحق	103	مرزا قادیانی کا فقہی مذہب: غیر مقلدیت	106
قادیانی نبوت کے نشیب وفراز، مولانا عبدالحق	110	عقیدہ حیات النبی اور سخی داد خوستی کے تضادات	113
مولانا عبدالحق خان بشیر کے چند قیمتی رسائل	115	مولانا عبیداللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللّٰہی	117
مولانا مفتی عبیدالرحمٰن کے 'صفدر' میں مضامین	133	کرنیں ایک ہی مشعل کی (منظوم)، انجم نیازی	170

☆......☆......☆......☆

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ءآللہ خیر اما یشرکون اما بعد

بہاولپور میں جامعہ عباسیہ کسی وقت علوم عربیہ ادبیہ اور علوم دینیہ اسلامیہ کا مرکز تھی اور علماء کبار اور جہابذہ روزگار یہاں وارد و صادر ہوتے تھے وقت کی بساط الٹی تو وہ عظیم درسگاہ حضرۃ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ [illegible] ماضی بن کر رہ گئی اور بہاولپور کے دینی حلقے ایک خالی پن سا محسوس کرنے لگے۔

دنیا کے دینی ادارے اور مدرسین کہ آسمان علم کے ستارے ہیں [illegible] ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ضرورت ہے ہر وقت میں اپنے دین کی حفاظت اور حق کی اشاعت کے لئے رجال کار پیدا کرتے رہیں جامعہ عباسیہ کے بعد خلا پیدا ہو گیا تھا اس لئے اس شہر میں ایک مبارک درسگاہ کی ضرورت تھی جس کا نصاب دارالعلوم دیوبند کی طرح صحیح الفکر اور صحیح المسلک علماء پیدا کرے۔ الحمد للہ کہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور اسی منزل کی طرف اپنے نہایت مختصر اور قلیل وسائل کے ساتھ بڑی تیزی سے گامزن ہے۔

احقر یہاں دورہ حدیث اور درجہ موقوف علیہ کے طلبہ کے لئے درس تخصص کے کچھ اسباق کے لئے ایک ہفتہ کے قریب قیام پذیر رہا اور طلبہ میں [illegible] جاری رہتے میں نے طلبہ کو بنیادی تعلیم میں بالخصوص پختہ پایا۔ نیز کتابوں سے محبت [illegible] کہ بہتر مستقبل کی نوید ہے اور یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ یہاں ابتدائی کتابوں پر بھی پوری محنت کی جاتی ہے [illegible] یہاں اساتذہ محنتی ہیں اور مدرسہ کا نظم و نسق کسی قسم کی غفلت اور بے پرواہی کا شکار نہیں۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جنہیں احقر تیس سال سے جانتا ہے [illegible] پر مامور ہیں۔ مہتمم دارالعلوم ہذا اس علاقہ کے جلیل القدر عالم محترم قاضی عظیم الدین صاحب ہیں جن کے جد محترم کی دعوت پر شیخ المشائخ حضرۃ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری علاقہ بہاولپور میں درس حدیث کے لئے تشریف لائے تھے اور دس سال کے قریب یہاں مقیم رہے تھے۔ یہ دارالعلوم مدنیہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام [illegible]

اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو ان بزرگوں کی نسبت اور ہر قسم کی فکری علمی اور مالی امداد سے مستفید اور کامیاب فرمائے اور خدا کرے یہاں وہ نادرہ روزگار علماء پیدا ہوں جو اس پورے علاقہ کو علوم نبوت سے منور کر دیں۔

احقر خالد محمود عفا اللہ عنہ ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور میں رہائشی کمرے کے مختلف مناظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور

سٹی جامع مسجد - رہائشی کمرہ (مانچسٹر)

اسلامک اکیڈمی — سٹی جامع مسجد — رہائشی کمرہ (مانچسٹر)
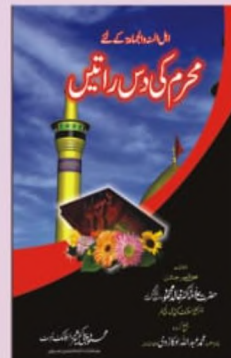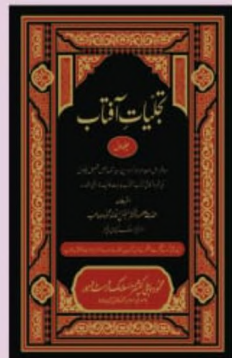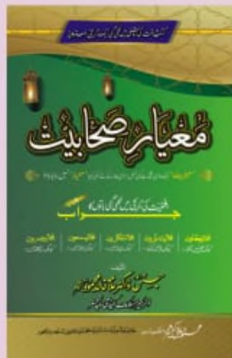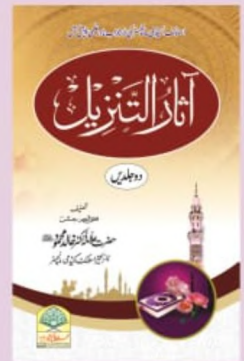
لاہور کے علاقہ سُنّت نگر میں رہائشی مکان...... چند تصنیفات کے سرورق

چند تصنیفات کے سرورق

حضرت علامہ خالد محمود صاحب

دو ماہ کے لئے ضلع بدر کر دیا گیا

۸ رجولائی کو ڈپٹی کمشنر صاحب لاہور نے ایک نوٹس کے ذریعہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کو دو ماہ کے لئے ضلع بدر کر دیا ہے۔

ہفت روزہ "دعوت" کے متفرق شماروں کے سرورق

مرقد مبارک (مانچسٹر)

جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل

دارالعلوم دیوبند

گورنمنٹ مرے کالج، سیالکوٹ

جامعہ اشرفیہ، لاہور

اسلامک اکیڈمی، مانچسٹر

ایم اے او کالج، لاہور

سٹی جامع مسجد، مانچسٹر

جامعہ ملیہ اسلامیہ، لاہور